مقدمہ

تفسیر الفرقان اردو

جس میں اسلام کے ہر پہلو پر طبیعات اور علوم جدیدہ سے بحث کی گئی ہی اور دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کے اصول سے اسلام کا مقابلہ کیا ہے یہ پہلی کتاب ہے جو اُردو میں لکھی گئی۔ اُردو وصاف اور عام فہم ہے اور مشکل سے مشکل مضامین کو اس آسان پیرائے میں ادا کر دیا ہے کہ معمولی لکھا پڑھا شخص بھی اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ غرض قرآن مجید کے کل مہتم بالشان مسائل سے اس کتاب میں بحث کی گئی ہی۔ اور قرآن مجید کے معترضوں کے ہر اعتراض کا کافی جواب دیا گیا ہے

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی مالک و ایڈیٹر کرزن گزٹ سنہ ۱۹ء

باہتمام مصنف

کرزن پریس واقع کوچہ پنڈت شاہ گنج دہلی میں سنہ ۱۳۲۲ھ میں طبع ہوا

بار ثانی

مقدمہ

تفسیرِ الفرقان اُردو

مصنفہ

میرزا حیرت دہلوی

کرزن پریس دہلی میں مطبع مرتبن مقبول جھاپا ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ تفسیر الفرقان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

حمد اُسی آن دیکھے خدائے مطلق کے لئے سزاوار ہی جس نے قرآن مجید کی سی روشن کتاب ہمیں دی اور نعت اُسی ذات پاک معصوم برحق محمد عربی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے شایاں ہی جس کے ذریعہ سے ہم تک وہ کتاب پہنچی۔ خوش قسمت ہیں وہ جنھوں نے اُس ربانی تحفہ یا کلام خدا کو قبول کیا زیادہ خوش قسمت ہیں وہ جنھوں نے اپنی عقل خداداد سے سمجھا اور اُس پر غور کیا اور سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں وہ جنھوں نے سمجھکر اُس پر عمل کیا اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی عمل کرایا۔ اس روشن کتاب کو دنیا میں آئے ہوئے تیرہ سو برس ہوئے ہیں مگر اب بھی اِسکی وہ ہی صفت ہی جو نازل ہونیکے وقت تھی۔ اس کا اثر جوں کا توں باقی ہی اور اس پر عمل کرنا وہ ہی ثمرہ رکھتا ہی جو تیرہ سو برس پہلے رکھتا تھا اب بھی یہ کلام خدا ہے اور اب بھی اس کا وہی احترام کیا جاتا ہے جو کلام پاک کا ہونا چاہیئے۔

فلسفہ نے نیا لباس بدل لیا منطق دوسری صورت میں جلوہ دینے لگی۔ علوم جدیدہ موجودہ زمانہ میں معبود خلائق بننے لگے مگر تیری تابانی اور جلال ای خدائے واحد کے کلام پاک اب بھی ویسا ہی ہے۔ تیری سنگین دیواروں کو جنکی بنیادیں زمین کے انتہائی حصہ تک پہنچ گئی ہیں اس قسم کے چھوٹے چھوٹے طوفان اور باد مخالف کے جھوکے کچھ بھی نہیں صدمہ پہنچا سکتے۔ تعجب اور افسوس ہی ان لوگوں پر جو تجھپر گستاخی اور سخت بے ادبی سے معترض ہوتے ہیں مگر تیری شان میں پھر بھی کچھ فرق نہیں ڈال سکتے۔ علوم جدیدہ تیرے مخالفوں کی مدد پر آمادہ ہیں مگر کون کہہ سکتا ہی کہ اخیر تک وہ اُنکی حمایت کرینگے مخالفوں کے دلوں میں تو نے گھر کر لیا ہی تیری رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیز ہے اور تو کئی بار دنیا بھر کا چکر لگا چکا ہی۔ تیری ہی

برکت کا سارا ظہور ہے اور تیرے ہی نور کی روشنی ہر سو نظر آتی ہے۔ عرب کی سرزمین میں تو نے جنم لیا اور اب تو دنیا کے ہر حصہ میں موجود ہے۔ تیرا نام بہت بڑے احترام سے ہر حصۂ دنیا میں لیا جاتا ہے اور تجھپر کروڑوں نفوس ہر وقت جان قربان کرنے کو آمادہ ہیں۔ ہر دیندار کے لیئے تیرا ایک ایک لفظ قانون ہے اور ایک بڑے چھوٹے سے حکم کی سرتابی کی مجال بڑے بڑے سلاطین میں بھی نہیں ہے ÷

تیری نعمتیں عام ہیں جس طرح تو کسی سلطانِ اعظم کو شرف بخشتا ہے اسیطرح ایک فقیر بے یار و مددگار کی حمایت پر آمادہ ہے تو باصوفیہ جیسی مسجد میں اور بیت الحرام جیسی سجدگاہ جہاں میں بھی پڑھا جاتا ہے اور غریب بڑھیا کی جھونپڑی میں سے بھی تیری مقدس آوازیں سُنی جاتی ہیں ÷

تو نے یتیموں کی حفاظت کی ہے اور رانڈوں کی سرپرستی تیرا عام قانوں ہے۔ دنیا کو متمدن تو نے ہی بنایا۔ اور ساری تہذیب کا بانی تو ہی ہے ÷

جب خداوند کریم رحیم کے پاس سے تو آیا تھا تیری منادی بہت خاموشی سے کی جاتی تھی تجھکو صرف چند افراد نے قبول کیا تھا مگر اب تمام دنیا تیری شیدا ہی ہوئی ہے اور روز بروز بمقتضائے قانونِ قدرت بنتی جاتی ہے۔ ایک پاک اور جوشیلا دل جو تیری محبت میں بیخود ہو رہا ہو بار بار تجھے مخاطب بنا کے بے اختیاری میں یہ پڑھتا ہے ÷

اے[1] قولِ پاک یزداں اے معجز نمایاں
ہر لفظ میں ہے تیرے اک شانِ کبریائی
تیرا شرف ہے بالا وہم و خیال سے بھی
اے چشمۂ ہدایت کہنا تجھے بجا ہے
اسرار وہ ہزاروں تجھ میں چھپے ہوئے ہیں
دل سے فدا ہیں تجھپر دینِ خدا کے پیرو
طرزِ بیاں نے تیری رام اُن کو کر لیا ہے

اے نقشِ لوحِ محفوظ اے جان و روحِ انساں
ہر قول میں ہیں تیرے سو معجزے درخشاں
ہے تیری وہ بزرگی جس کا نہیں ہے امکاں
اے اصلِ دین و ایماں اے پُر جلال فرقاں
کُنہہ کو جنکی اب تک پہنچا نہیں ہے انساں
ہے تو ہی فخر اُنکا ہیں تجھ ہی وہ نازاں
ناطق ہے اور حجت اُن پر ترا ہے فرماں

پتہ ہے کس کا اتنا کھولے زباں جو تجھپر
زہرہ یہ کس نے پایا جو دو بدو ہو آکر

جائے نزول تیری مکّہ ہے اور مدینہ
کرتا ہے فخر تجھپر تنہا نہ اک عرب ہی
اب ہند و چین و ماچیں کرتے ہیں ناز تجھپر
ہے فیض تیرا جاری مشرق میں ہی نہ تنہا

تیرا پیارا مولد بیتِ خدا ہے پہلا
نازاں نہیں ہے تجھپر صرف ایک ملکِ بطحا
ہے شام و روم تجھپر پھولا نہیں سماتا
مغرب میں گونجتی ہیں تیری صدائیں ہر جا

[1] اس نظم میں شاعری کی مین میگ نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اظہار شاعری کے لیئے نہیں بلکہ ایک سچے مسلمان کی دلی وجدانگیز حالت کا اظہار کیا گیا ہے کہ وہ اپنی پاک کتاب کو ہر وقت کس طرح مخاطب بناتا ہے۔

جتنا کہ تو ہے مشکل اُتنا ہی تو ہے آساں — فاضل جہاں ہیں ششدر اُمّی وہاں ہے گویا
عقبیٰ کا بھید سارا تو نے ہمکو بتا دیا ہے — سچ پوچھیئے تو یہ ہے تجھسے خدا کو پایا
تیرہ صدی ہوئی ہیں دنیا میں تجھکو آئے — تیرا جلال اب بھی ہے دن بدن چمکتا

ہو گی نجات اُن کو دنیا کے کب خطر سے
ہیں بدنصیب وہ ہی بھٹکیں جو تیرے در سے

برحق ہے تیرا دعویٰ سچی ہے تیری حجت — لونڈی ہے تیرے گھر کی ادنیٰ سی اک فصاحت
سب جن و انس ملکے دل سے اگر یہ چاہیں — لائیں بنا کے کوئی تیری سی ایک سورت
ممکن نہیں ہے ممکن ہرگز نہیں ہے ممکن — ہونا نہیں کبھی یہ ہو جائے گر قیامت
مردوں کو زندہ کرنا آسان ہے بلاشک — مع جسم آسماں پر جانے میں ہے نہ دقت
ناممکنات عالم ممکن ہیں اور آساں — لیکن نہ بن سکے گی تیری سی ایک سورت
تو ہے کلام باری کافی ہے بس یہ کہنا — پھر کس کی چل سکے گی آگے ترے طاقت
دنیا کے کل مسلماں رکھتے ہیں دل میں تجکو — وہ جانتے ہیں اپنی اس میں ہی بس سعادت

جو ہیں ہیئے کے پھوسٹے اور عقل کے ہیں دشمن
اُن پر ترے دلائل اب تک نہیں مبرہن

ہے فخر قاصدی کا روح الامیں کو تیری — کرتے ہیں خود محمد تیری بڑی بزرگی
حاصل شرف ہوا ہے کل انبیا کو تجھسے — عصمت کی تو نے اُنکی دی آن کر گواہی
ادنیٰ گدا ہیں در کے تیرے بہت سلاطیں — عظمت ہے تیری غالب ہے رعب تیرا ساری
اندھے کا تو دیا ہے لنگڑے کا تو عصا ہے — حامی یتیم کا ہے اور رانڈ کا ہے والی
میداں میں جنگجو کا تو ہے ہے دل بڑہاتا — ہے ہاتھ میں ترے ہی بالکل ظفر کی کنجی
دنیا کے سرکشوں نے مانا ہے تیرا لوہا — یورپ کے آج دل پر ہے دھاک تیری بیٹھی
مظلوم کی حمایت کی ہے مدام تو نے — تو رحم کا ہے مصدر انصاف کا ہے حامی

کیا جان ہے کسی کی تیری طرف جو دیکھے
حافظ ہے تیرا باری اور اُسکے کل فرشتے

کلام باری کے سمجھنے کے رستے اور دقائق علمائے کرام نے اسقدر صاف کر دیئے ہیں کہ ہر شخص بآسانی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے اگرچہ فہم سلیم اور عربی دانی کی بیشک ضرورت ہے۔ جو لوگ نہیں سمجھتے اور اعتراض کرتے ہیں اُنکی حالت سخت قابل افسوس ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ سمجھنے کے بعد اعتراضات کا دروازہ خود بخود بند ہوجاتا ہے ہاں تعصب کا تاریک رستہ کھلا رہتا ہے اور رہیگا مخالفین کا ایک گروہ کثیر اسی میں بھٹکتا دیکھا ہے قرآن مجید پر اب تک جتنے اعتراضات ہوئے ہیں وہ دو قسم کے ہیں بعض نے تو اُسکی فصاحت و بلاغت علم ادب وغیرہ پر اعتراض کیئے ہیں اور بعض نے اُسکے

مضامین کو ناممکن الوقوع اور غلط بتایا ہے۔ اعتراضات بکثرت ہوئے اور کتابی صورت میں بھی شائع ہوئے مگر وہ مذکورۂ بالا باتوں سے خالی نہیں ❊

میور کی لائف آف محمد (سوانح عمری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے شائع ہونیسے پہلے یورپ کے سرتاج لندن میں عام طور پر یہ مشہور تھا اگرچہ اُس کا اثر عام طور پر ابھی زائل نہیں ہوا ہے کہ قرآن اُس کتاب کا نام ہے جو لوگوں کو چار بیبیوں کی اجازت دیتی ہے اور مسلمان اُسے کہتے ہیں جو چار چار عورتیں کرے۔ میور کی کتاب نے اگرچہ بہت کچھ اِس غلط فہمی کی اصلاح کی مگر قرآن مجید کی طرف سے یورپ میں نئی اغلاط پھیلا دیں اور اُنھیں اسقدر دلوں میں جما دیا کہ اب اُنھیں اسکے خلاف کسی بات کا یقین نہیں آتا۔ کہیں قرآن مجید کی تاریخی ترتیب پر اعتراض کیا جاتا ہے کہیں اُس کے مضامین کے نظام پر نکتہ چینی ہوتی ہے۔ کہیں اسے خلاف محاورۂ عرب بتایا جاتا ہے۔ غرض اسیطرح کے بہت سے اعتراضات ہیں جو ہر پہلو سے ہماری کتاب پاک پر کیے جاتے ہیں اور عوام کی نگاہ میں اُن اعتراضوں کی بنیاد مضبوط کرنے کے لیے اُنھیں موجودہ فلسفہ کا نیا جامہ پہنایا جاتا ہے۔ ہمارا ارادہ ہے کہ ہم اس مقدمہ میں بالتفصیل کل اعتراضوں کے جواب دیں اگر ہم سے یہ کام بن آیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے بحیثیت ایک مسلمان کے بہت بڑا اسلامی فرض ادا کیا ❊

علماء اسلام کی تحقیق

دنیا میں صرف اس پاک کتاب کو ہی یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ اسکی صدیوں تک لاانتہا تحقیق کیجائے ہر ہر پہلو پر بحث ہو اور صدہا کتابیں اسکی باریکیاں اور اسرار الٰہی کی کنہہ تک پہنچنے کے لیے تصنیف کی جائیں۔ جتنے علماء اسلام ہوئے ہیں سب نے بقدر فرصت و وسعت قرآن مجید میں غور و خوض کیا ہے اور اُس کے ہر فن میں وہ وہ کتابیں لکھی ہیں جن سے اُنکی ذہانت خداداد فہم و فراست اور بے مثال علمی لیاقت کا نمونہ معلوم ہوتا ہے۔ اِن کتابوں میں اُنھوں نے مخالفین کے اعتراضات کے جواب دینے ہی پر قناعت نہیں کی بلکہ اپنی فہم رسا اور جودت ذہن سے خود اعتراض کیے اور اُنکے جواب دیئے۔ اگر وہ کل اعتراضات اور جوابات ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں تو تو اُن ہی کی ایک ضخیم کتاب بن سکتی ہے ❊

ہمارے علماء کی تحقیق مختلف اُمور پر مبنی ہے بعض نے صرف اس تحقیق میں متعدد کتابیں لکھی ہیں کہ قرآن مجید کس کیفیت سے نازل ہوا تھا اور کس طرح لکھا جاتا تھا اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کون کون اصحاب حافظ قرآن تھے جنکی روایت پر اعتماد ہو سکے۔ بعض علماء نے صرف وجوہ و نظائر میں بڑی تحقیق کی ہے اور بعض نے صرف حل التراکیب و اعراب میں علیحدہ تصانیف کی ہیں چنانچہ ایسے فنوں کی کتابوں میں کتب مذکورۂ ذیل بہت مشہور ہیں ❊

کتاب مفردات القرآن راغب۔ کتاب مفردات القرآن ابی حیان۔ کتاب اللغات ابو القاسم محمد بن عبداللہ۔ کتاب عزیزی جسکو اُس نے اور اُسکے استاذ ابن الانباری نے ۱۵ برس میں لکھا تھا۔ غرائب الفنون ابن قتیبہ۔ مجمع البحرین

صاغانی - مجمع البحرین طریح نجفی - الوجوہ والنظائر نیشاپوری - الوجوہ والنظائر لابن عبد الصمد - کتاب ابی الحسن اخفش اوسط زاہر ابن الانباری - شرح التسہیل والارتشاد ابی حیان - الجنی الدانی فی حروف المعانی ابن ام قاسم - کتاب مقاتل بن سلیمان - کتاب ابن الجوزی - کتاب ابن الدامغانی - کتاب الافراد ابن فارس - معترک الاقران سیوطی - تبیان فی اعراب القرآن ابی البقاء العبکری - المحتسب فی توجیہ الشواذ ابن جنی - ذا القد ابن جنی - اعراب القرآن سفاقسی - اعراب القرآن منتجب الدین - اعراب القرآن مکی - اعراب القرآن حوفی - خصائص ابن جنی - خاطریات ابن جنی - امالی ابن حاجب - معرّب جوالیقی - مشکل القرآن ابن قتیبہ - کتاب ابن السمین - اور جامعین لغات قرآنیہ میں یہ لوگ اپنا نظیر نہیں رکھتے - ابوعبیدہ ابوعمر والزاہد - ابن درید - زجاج - فراء - اخفش - ابن الانباری - ابن قتیبہ -

اِنکے علاوہ وہ علماء ہیں جنھوں نے بالتخصیص آیات احکامیہ اور ناسخہ اور منسوخہ میں بڑی تحقیق کرکے جداگانہ کتابیں لکھی ہیں چنانچہ وہ یہ ہیں - احکام القرآن قاضی محمد اسمٰعیل - احکام القرآن بکر بن العلاء - احکام القرآن ابوبکر رازی - احکام القرآن ابن العربی - احکام القرآن ابن الفرس - احکام القرآن ابن خویز مند - احکام القرآن شیخ منداد ناسخ ومنسوخ مکی - ناسخ ومنسوخ سعیدی - ناسخ ومنسوخ ابن الحصار - ناسخ ومنسوخ ابی جعفر نحاس - ناسخ ومنسوخ ابن العربی - ناسخ ومنسوخ ابوداؤد سجستانی - ناسخ ومنسوخ ابی منصور ابی عبدالقاسم بن سلام - ناسخ ومنسوخ ابی المنصور عبد القاہر بن طاہر التمیمی الامام فی ادلۃ الاحکام شیخ عزالدین بن سلام وغیرہا - اسقدر مشہور اور عمدہ کتابیں ہیں کہ پڑھنے والا خود اندازہ کرسکتا ہے - ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے علماء نے اعتراض کرتے وقت ہرگز ان کتابوں کو نہیں دیکھا جو نکتہ چینیاں اُنھوں نے کی ہیں وہ نری اوپری اور اٹکل پچو ہیں - اس میں شک بھی نہیں کہ قرآن مجید کی باریکیاں اور ربانی مطالب سمجھنا ہرکس وناکس کا کام نہیں - اُسکے دائمی اور مستقل اوامر ونواہی کے سمجھنے کے لیئے ایک بیدار دل کی ضرورت ہے جو دنیا کی آلائشوں سے ایک حد تک پاک ہو اور جس کا ایمان و یقین بے لوث ہو اور جو ہر وقت خدائے برتر وقہار کے غضب سے کانپتا رہے - روز جزا پر اُس کا کامل یقین ہو اور ایک ہی آن دیکھے وحدہٗ لاشریک کے حضور اسکی پیشانی جھکتی ہو - جس کا عظیم الشان جلال ابد الآباد تک قائم وبرقرار رہنے والا ہے - خود قرآن مجید میں رب العرش العظیم نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن مجید اُن ہی کو ہدایت کرتی ہے جو متقی ہیں اور جو غیب پر ایمان لائے ہیں اور جو اُسی کے آگے جھکتے ہیں اور جو اُسکے نام مبارک پر خرچ کرتے ہیں - یہ تو ایک انقطاعی فیصلہ ہے جو ازلی بھی ہے اور ابدی بھی - اس سے کون انکار کرسکتا ہے تاہم ہمارا فرض ہے کہ معترضوں کو اُن کی لاعلمی پر آگاہ کریں اور بتائیں کہ قرآن مجید کی نسبت اُنکے استدلال صحیح نہیں ہیں اور وہ ایک ایسے جنگل میں بھٹک رہے ہیں جہاں سے منزلِ مقصود تک پہنچنا محال کیا ناممکن ہے -

جن کتابوں کا نام ہمنے اُوپر لکھا ہے یہ قرآن مجید کے خاص فنون سے تعلق رکھتی ہیں ابھی اور فنون کلام باری کے متعلق بہت سی کتابیں باقی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر کرینگے -

وہ کتابیں جو اسباب اعجاز قرآن یعنی فصاحت وبلاغت کے فنون اور صنائع وبدائع کی تحقیق میں لکھی گئی ہیں بکثرت موجود ہیں - ان میں سے چند کتابوں کا نام لکھتے ہیں جو بہت مشہور ہیں اور علماء انھیں معتبر تسلیم کرتے ہیں -

اعجاز القرآن خطابی - اعجاز القرآن رمانی - اعجاز القرآن ابن سراقہ - اعجاز القرآن قاضی ابو بکر بن الباقلانی - کتاب عبد القاہر جرجانی - کتاب فخر الدین رازی برہان - ابن ابی الاصبع برہان - زملکانی مجید - زملکانی مجاز القرآن - ابن عبد السلام - ایجاز فی المجاز ابن قیم - نہایۃ التاميل فی اسرار التنزیل زملکانی - تبیان فی البیان زملکانی - منہج مفید فی احکام التوکید زملکانی - بدائع القرآن ابن ابی الاصبع - تحبیر ابن ابی الاصبع - خواطر سوانح ابن ابی الاصبع - اسرار التنزیل شرف بارزی - اقصیٰ قریب تنوخی - منہاج البلغاء حازم - عمدہ ابن رشیق - صناعتین عسکری - مصباح بدر الدین بن مالک - تبیان طیبی - کنایات جرجانی اغریض تقی الدین سبکی - اقتناص تقی الدین - عروس الافراح بہاء الدین بن تقی الدین سبکی - روض الافہام شمس الدین بن صائغ - نشر العبیر شمس الدین مذکور - مناسبات ترتیب السور ابو جعفر بن الزبیر - فواصل الآیات طوفی - مثل سائر ابن اثیر - کنز البراعہ ابن اثیر - شرح بدیع قدامہ

ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام باری کے اسرار و مطالب حل کرنے کے لیئے اور اُن معجزات کو دکھانے کے لیئے جو اس میں مضمر رکھے گئے ہیں علماء نے کسقدر تحقیق کی ہے اور کہانتک بال کی کھال نکالنے میں عرق ریزی کی ہے - اللہ اکبر یہ شان قرآن مجید ہی جیسی پاک کتاب کی ہے کہ اس لا انتہا تحقیق پر بھی بہت کچھ باقی ہے اور جب تک دنیا قائم رہے گی ہر عصر بلکہ ہر صدی کے مذاق کے مطابق مطالب اخذ کرنے میں اس میں بڑی گنجایش موجود ہے ٭

قرآن مجید میں وہ آیتیں جو آیات متشابہات کے اِسم گرامی سے موسوم ہیں عام طور پر اُنکے مطالب حل کرنے میں سخت دقتوں کا سامنا پڑتا ہے اور اکثر مفسرین فرقان حمید عاجز ہو کے مجبوراً اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں مگر بہت سے علماء گزرے ہیں جنھوں نے ان ہی آیات متشابہات کی تحقیق میں اپنی خداداد بے مثال قابلیت سے بڑی بڑی ضخیم کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے بعض کے نام ہم درج کرتے ہیں ٭

بُرہان فی متشابہ القرآن کرمانی - درۃ التنزیل و غرۃ التاویل عبد اللہ رازی - کشف المعانی قاضی بدر الدین بن جماعہ وغیرہا - اس فن میں مشہور کتابیں ہیں - بعض علمائے قرآن کے امثال اور اعلام وغیرہ میں جداگانہ کتابیں لکھی ہیں چنانچہ امثال القرآن ماوردی - اقسام القرآن ابن قیم - جواہر القرآن غزالی - التعریف والاعلام سہیلی - تبیان فی مبہمات القرآن قاضی بدر الدین بن جماعہ - اسماء من نزل فیہم القرآن اسمٰعیل الضریر - وغیرہ اس باب میں اعلیٰ درجہ کی مستند اور عمدہ کتابیں ہیں

بعض علماء نے آیات قرآنیہ کی تعداد و شمار مضامین میں ہی بہت کچھ سعی فرمائی ہے - چنانچہ کتاب ذات الرشد اور شرح ذات الرشد موصلی - شرح آیات الصفا ابن لبان - در نظیم یافعی نہایت نامور اور مشہور کتابیں ہیں - بعض نے رسم کتابت قرآن مجید میں بہت کچھ جانفشانی کی ہے چنانچہ کتاب سخاوی اور اسکی شرح اسی فن میں ہے بعض نے آیات متفرقہ کے فنون و بدائع و لطائف و نکات جداگانہ لکھے ہیں چنانچہ بدائع الفوائد ابن قیم - کنز الفوائد عز الدین - الغرر والدرر سید مرتضیٰ علم الہدیٰ - تذکرۃ البدرین - تذکرۃ البدرین صاحب بن عباد - جامع الفنون ابن شبیب الخلیلی - نفیس ابن الجوزی اسی فن کی کتابیں ہیں -

بعض نے قرآن مجید کے علوم و فنون کے بیان میں جداگانہ کتابیں تصنیف کی ہیں چنانچہ فنون الافنان ابن الجوزی - جمال القراء علم الدین - و سخاوی مرشد وجیز ابی شامہ - برہان ابو المعالی - اتقان سیوطی - اِس باب میں عمدہ کتابیں تسلیم کی گئی ہیں ٭

احادیث مفسرہ کی جمع وتنقید

اکثر علماء نے احادیث مفسرہ کی جمع وتنقید میں اپنی عمر بسر کر دی ہے۔ اس صنف کی بعض تفسیریں حسب ذیل ہیں۔
تفسیر ابن جریر۔ تفسیر ابن ابی حاتم۔ تفسیر ابن مردویہ۔ تفسیر ابن حبان۔ تفسیر فریابی۔ تفسیر عبد الرزاق۔ تفسیر ابن منذر۔ تفسیر سعید بن منصور۔ تفسیر حاکم۔ تفسیر عماد الدین بن کثیر۔ تفسیر در منثور۔
یہاں تک بطور نمونہ ان کتابوں کے نام لکھے جن میں ایک ایک یا دو دو فنون قرآنیہ مذکور ہیں اور تفاسیر رسمیہ جن میں قرآن کے معانی و مطالب حل کیے گئے ہیں بیشمار ہیں جن کی مختصر فہرست آگے آتی ہے۔

تفاسیر رسمیہ

مجمع البیان علامہ طبرسی کشاف زمخشری۔ تفسیر اصبہانی۔ تفسیر خوبی۔ تفسیر ابن عطیہ۔ تفسیر قشیری۔ تفسیر مرسی تفسیر ابن الجوزی۔ تفسیر ابن عقیل۔ تفسیر ابن رزین۔ تفسیر واحدی۔ تفسیر کواشی۔ تفسیر ماوردی۔ تفسیر سلیم رازی۔ تفسیر ابوالفتوح رازی۔ تفسیر ابن برجان۔ تفسیر ابن بزیزہ۔ تفسیر ابن المنیر۔ تفسیر ابن النقیب۔ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی۔ تفسیر الغرائب والعجائب کرمانی۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر معالم التنزیل۔ تفسیر انوار التنزیل۔ بیضاوی۔ تفسیر مدارک۔ تفسیر صافی۔ قواعد فی التفسیر ابن تیمیہ وغیرہا۔

جس نے ان کل کتابوں کو سمجھ کر پڑھا ہے اسے قیامت تک قرآن مجید کے ایک جملہ پر بھی اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے گا مگر جس نے دیکھا ہی نہیں اور قرآن مجید کا کوئی غلط صحیح ترجمہ انگریزی یا اردو کا دیکھ لیا اس سے انصاف کی کیا خاک امید ہو سکتی ہے۔ اے خدا کی پاک کتاب تیری بزرگی بہت بڑی ہے اور تیرا جلال تمام عالم پر محیط ہے تجھپر کبھی کوئی الزام نہیں قائم کر سکتا تو تمام عیوب اور نقائص سے برتر ہے۔
کون کہہ سکتا ہے کہ جو حکیمانہ نکات قرآن مجید میں صدیوں کی جستجو کے بعد ثابت ہوئے ہیں وہ کسی دوسری کتاب میں مل سکتے ہیں۔

ہمعصر شعرائے عرب

قرآن مجید میں جہاں اور معجزے ہیں وہاں فصاحت کا بھی ایک معجزہ ہے جو ہمیشہ نتیجہ بخش ثابت ہوا ہے۔ ہمارے پاس کوئی وجہ اس بیّن معجزے سے انکار کرنے کی نہیں ہے۔ اسکی فصاحت کا اثر نہ صرف اس پر پڑتا ہے جو عربی سمجھ سکتا ہو بلکہ علاوہ قدیم روایتوں کے آنکھوں سے دیکھا ہے کہ قرآن جب وقت خوش آوازی سے پڑھا جاتا ہے آدمی تو آدمی جانور کو بھی سکتہ ہو جاتا ہے۔ ہم اس صریح اور روشن معجزہ کا کیوں اور کس وجہ سے انکار کریں اور کیوں نہ اسے منجملہ اور معجزات کے شمار کریں جو قرآن مجید میں ودیعت کیے گئے ہیں جہاں اس پاک کتاب کے حکیمانہ اقوال اور بے نظیر تعلیم نے عجیب و غریب اور حیرت انگیز اثر دنیا میں پیدا کر کے کروڑوں کو دائرۂ اسلام میں داخل کر دیا وہاں

اس معجزے کی فصاحت نے بھی لاکھوں کو اپنا حلقہ بگوش بنالیا۔ کیوں نہو کلام خدا ہے اور اُس میں ایسی ہر صفت کا ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے۔ وہ شعرائے عرب جنھوں نے اپنی پرزور اور وجد انگیز نظموں کی وجہ سے عرب کو اپنا گرویدہ کر رکھا تھا اور جنھیں دعویٰ تھا کہ اُن سے بہتر روئے زمین پر بھی کوئی ایسے اشعار موزوں نہیں کر سکتا۔ اُنھوں نے قرآن مجید کی چھوٹی سی چھوٹی سورت سے متاثر ہوکے پھر اسلام کے سچے اور پُرجوش شیدائیوں میں بنا دیا بھلا اُن کے مقابلہ میں کیا خاک کوئی قرآن مجید کی فصاحت پر اعتراض کر سکتا ہے۔ جب وہ اس بات کے قائل ہو گئے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

لبید بن ربیعہ جو بہت بڑا فصیح و بلیغ شاعر تھا اور جسکی بیش بہا تصنیف سے معلقہ رابعہ جیسی گوہر بے بہا کتاب موجود ہے صرف قرآن پاک کے معجزۂ فصاحت ہی نے اُسے ابدی نجات کی کنجی عطا کی تھی یہ وہ شخص تھا جس نے اپنے قصیدہ کو بوجہ کمال فصاحت خانہ کعبہ پر آویزاں کر دیا تھا۔ اور خانہ کعبہ پر آویزاں کرنے سے اُس زمانہ میں یہ غرض ہوتی تھی کہ یہ کلام فصاحت میں بے مثل ہے تاکہ صاحب کلام کی لوگ عزت کریں اور اُسے فخر شعرائے عرب مانیں۔

یہ شاعر یمن کا رہنے والا تھا۔ یہ سبعۂ معلقہ کے چند قصائد میں سے بعض کا مصنف ہے۔ یہ پہلے سخت بت پرست تھا اور اپنی پرزور اور موزوں طبیعت سے سب کو نیچا دکھا چکا تھا۔ قرآن مجید نازل ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اسی اثنار میں صرف اُس کا یہ دعویٰ توڑنے کے لیئے قرآن مجید کی ایک چھوٹی سورت کعبہ پر آویزاں کر دی گئی۔ جوں ہی اسے خبر لگی یہ وہاں پہنچا اور دیکھکر سخت شرمندہ ہوا اور اُسے یقین ہو گیا کہ یہ کلام کلام خدا ہے اور اسی بنا پر وہ دائرہ اسلام میں آکے حضرت رسالت مآب کے فدائیوں میں ہو گیا۔

کعب بن مالک جو فصاحت کلام پاک پر ایمان لایا تھا اور جسکی شہرت بلحاظ فصیح و بلیغ ہونے کے کچھ کم نہ تھی حضرت رسالت مآب کی طرف سے کفار کے اشعار کا دھواں دھار جواب دیا کرتا تھا۔

حسان بن ثابت جو طوطیٔ عرب کے معزز لقب سے ملقب کرنے کے قابل ہے حضور انور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بہت دلسوزی اور غمخواری کیا کرتا تھا اسے بھی فصاحت فرقانِ حمید نے اپنا والا و شیدا بنایا تھا۔ عباس بن مرداس جیسا نامی گرامی شاعر جس نے دائرۂ اسلام میں آکے وہ کارنمایاں کیئے جسکے سنہری نقوش ابتک صفحۂ ہستی پر چمک رہے ہیں صرف فصاحت قرآنی ہی کے دل دادوں سے تھا اور اسی معجزے نے اسے مشرف باسلام کیا تھا۔

عبداللہ بن قیس بن عدی قریشی فصیح و بلیغ سخن شناس نکتہ سنج کا سا شاعر بھی قرآنی فصاحت پر گرویدہ ہو کے ہمیشہ کے لیئے اسلام کا رام ہو گیا تھا۔ یہ شخص معارف فصاحت و بلاغت سے اس قدر واقف تھا کہ اس کا کلام سب سے پہلے بطور سند کے پیش کیا جاتا تھا۔ اس شاعر کے مسلمان ہونے کا واقعہ سخت حیرت انگیز ہے جب مسلمان حضرت رسالت مآب کے حکم سے حبشہ روانہ ہوئے ہیں اور وہاں اُن سے مختلف لوگوں نے نئے مذہب یعنی اسلام کی بابت سوالات کیئے ہیں تو اُن سوال کرنے والوں میں ایک یہ بھی تھا اس نے اول ہی کسی آیت کے پڑھنے کی فرمایش مسلمانوں سے کی جوں ہی آیت پڑھی گئی بلا خوف پکار کے بولا بیشک یہ کلام خدا ہے اور نثار اُس پر

ایمان لانا حق ہے۔
ابوذویب الہذلی شاعر کی اور بھی حیرت انگیز سرگزشت ہے یہ آستانۂ علویہ نبویہ پر اُس وقت حاضر ہوا ہے کہ جب حضرت رسالت مآب کی وصل باری تعالیٰ کی تیاری ہو رہی تھی یہ بہت شوق سے حاضر ہوا تھا اور اُسکی دلی مُراد یہ بھی کہ خود جناب رسالت مآب کی زبان فیض ترجمان سے کوئی آیت سنوں مگر یہ اُسکی تقدیر میں نہیں لکھا تھا اور اسے اِس دنیائے فانی سے اسی آرزو میں رحلت کرنی تھی۔ جوں ہی اُسنے سُنا کہ نبی معصوم و برحق مرض الموت میں مبتلا ہیں اُس نے سخت افسوس کیا اور اُس پر ایک مایوسانہ حالت طاری ہوگئی۔ اُسکی صورت حال یہ صاف شہادت دے رہی تھی۔ ؎

	از در دوست چہ گویم بچہ عنواں رفتم		ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم	

اخیر حضور انور احمد مصطفیٰ شفیع دوجہاں حضرت رسالت مآب کا وصل ہو گیا مگر اس شیدائے اسلام کے اِسی کچھ آنسو پہنچے کہ یہ مخلص خدا اس شرف باسلام ہو کے تدفین میں شریک ہوا۔
اللہ اکبر۔ اِس نے مسلمان ہو کے کیا کیا خدمتیں اسلام کی کیں اور کفار کے مقابلہ میں کیا کیا جوہر شجاعت دکھائے اُسکی دلی خواہش اور اخیر آرزو اسلام کے لیئے شہید ہونے کی تھی وہ خدا نے پوری کی اور یہ بے مثال شاعر اور میدانِ کارزار کا شیر غران غزوۂ روم میں شہید ہو گیا۔ (شواہد المغنی للسیوطی)
اعشیٰ یعنی میمون ابو بصیر بن قیس بن ثعلبہ سرآمد شعرائے روزگار یمامہ کا رہنے والا تھا جب اِسکے کانوں میں اسلام کی آوازیں گونجیں اور اُسنے قرآن مجید کی ربانی فصاحت کا تذکرہ سُنا اسکے دل میں جوش اُٹھا کہ چلکر سُننا چاہیئے کہ کیا کلام محمد میرے کلام سے بھی زیادہ فصیح ترین ہے۔ چنانچہ وہ سیدھا یمامہ سے مدینہ میں آیا۔ اور ایک ہی بار قرآن مجید سُن کر مسلمان ہو گیا۔
ولید بن مغیرہ جیسا بے نظیر اور محقق شاعر تھا اسیقدر متعصب بھی بلا کا تھا اسے اسلام سے دلی دشمنی تھی اور جو جو کچھ ابو جہل کے ساتھ شامل ہو کے اسنے مسلمانوں کو تکلیف پہنچائی ہے وہ سخت غضبناک تھی۔ پھر بھی یہ ضرور تھا کہ قرآن مجید کو بوجہ کمال بلاغت سحر کہا کرتا تھا جب ابو جہل وغیرہ قریش فصاحت کلام مجید کو دریافت کرتے تھے تو صاف کہدیا کرتا تھا کہ یہ کلام سحر ہے۔ اسے اپنی مہارت اشعار کا بہت بڑا دعویٰ تھا۔ اور وہ علانیہ کہا کرتا تھا کہ میرے برابر کوئی شخص قصائد و رجز و اشعار عرب و جنات سے واقف نہیں ہے مگر قرآن مجید کے آگے اُسے گردن خم کرنی پڑتی تھی اور وہ صاف اقرار کرتا تھا کہ آجتک ایسا کلام نہیں سُنا یہ تو سحر ہے۔ چنانچہ یہ کیفیت اور ولید کا یہ مقولہ سورۂ مدثر میں باعلان واشتہار مذکور ہوا ہے ثم نظر ثم عبس وبسر ثم ادبر واستکبر فقال ان ھذا الا سحر یؤثر اور سورۂ سبا میں ہے وقال الذین کفروا للحق لما جاءھم ان ھذا الا سحر مبین خود حضرت رسالت مآب کو بھی (معاذ اللہ) ساحر کہتے تھے چنانچہ سورۂ یونس میں ہے ان ھذا لساحر مبین اس سے زیادہ عظمت ایک کلام کی اور کیا ہو سکتی ہے جو اُس پر ایمان لے آئے وہ اسے کلام خدا سمجھتے ہیں اور جو ایمان نہیں لائے وہ اسے قوت بشری سے باہر سمجھکر سحر وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

نابغہ جعدی اگرچہ مسن اور بہت معمر ہوگیا تھا اور اُسے بسبب زیادتی عمر کے ایک تجربہ بھی خاص طور پر شاعری میں حاصل تھا پھر بھی قرآن مجید نے اُسے اپنا حلقہ بگوش بنا لیا اور وہ خالص نیت سے مسلمان ہوا جب تک زندہ رہا اسلام وقرآن اور حضرت رسالتمآب کی مدح کیا کرتا تھا۔ اسکی عمر نابغہ ذبیانی شاعر سے بھی بہت بڑی تھی۔ اسکی عمر کی بابت مختلف روایتیں ہیں کوئی لکھتا ہے ۱۲۰ برس کی عمر میں اسکی وفات ہوئی تھی اور کوئی ۱۸۰ برس کی عمر بتاتا ہے اور کوئی ۲۰۰ برس کی بہرحال جتنی عمر ہوا اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبولِ اسلام کے وقت نہایت تجربہ کار تھا اور دنیا کے سرد وگرم کا مزا خوب چکھ چکا تھا۔ اسکے اشعار میں سے چند وہ اشعار جس سے اُسکی عمر فصاحت اور صدق نیت کا اظہار ہوتا ہے درج کرتے ہیں جس سے عربی داں تو اسکی بے نظیر فصاحت و بے مثال بلاغت کا کافی اندازہ کرلینگے اور اردو داں اُسکی بلند خیالی۔ نیک نیتی اور صاف باطنی کا نمونہ ملاحظہ فرمالینگے سلہ

قالت امامۃ کم عمرت زمانۃ　　وذبحت من عتر علی الاوثانی
ولقد شہدت عکاظ قبل محلہا　　فیہا وکنت اعد مل فتیان
والمنذر بن محرق فی ملاکہ　　وشہدت یوم ہجائن النعمان
وعمرت حتی جاء احمد بالہدیٰ　　وقوارع تتلیٰ من القراٰن

پھر کہتا ہے　　بلغنا السماء مجدنا وجدودنا　　وانا لنرجو انوق ذلک مظہرا

اِس شعر کو جناب رسالتمآب نے گوش گزار فرما کے نابغہ سے ارشاد کیا کہ یا ابا لیلےٰ این المظہر یعنی ابو لیلیٰ کہاں ہیں مظہر نابغہ نے عرض کیا کہ جنت یارسول اللہ آپنے فرمایا کہ ہاں انشاء اللہ تعالیٰ دالغرروالدرر

کعب بن زہیر بھی عرب کے نامدار شعرا میں سے تھا اُسے قرآن مجید سننے کا ازحد شوق تھا مگر قوم کی جابرانہ کارروائیوں سے خوف کھاتا تھا خیر بڑی مشکل سے ایک دن شب کو اپنی قوم سے چھپ کے ناقہ پر منہ لپیٹ کے سوار ہوا۔ اور نہایت ہوشیاری سے چھپتا چھپاتا حضور انور حضرت رسالت پناہی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قرآن مجید سُنا صورتِ حال میں ایک نئی تبدیلی محسوس ہوئی۔ وجد انگیز نشۂ حیرت و استعجاب میں حضور انور احمد مصطفےٰ کے قدموں پر گر پڑا اور نہایت شوق سے مشرف باسلام ہوا۔ ایک قصیدۂ نعتیہ جو رسول مقبول کی جناب میں پیش کیا۔ اب تک بہت نامور اور مشہور چلا آتا ہے۔ اس کا مذاق فصاحت مسلم ہے اور اسکی شیریں کلامی اب تک مزے دیتی ہے۔ نغمائے بہشتی جیسے اشعار ایک عجیب غیر معمولی اثر رکھتے ہیں حضور انور کے فدائیوں میں تھا۔ اُسکے اشعار سے اُن جوشیلے حیرت انگیز شوق شجاعت کا ایک عجیب لطف پایا جاتا ہے جو اوروں میں نظر نہیں آتا۔

سواد ابن قارب کاہن بھی صرف قرآن مجید کی فصاحت پر ایمان لا کے اسلام کا دائمی فدائی بن گیا تھا۔

فصاحت کا معجزہ اور اُس کا اثر جو کچھ ہوا وہ ہمارے بیان بالا سے بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا۔ گو ہم اسبات کو مانتے

سلہ امامہ کہتی ہے کہ جاہلیت کا بہت سا زمانہ گزر گیا۔ جس میں ہم بتوں پر قربانیاں چڑھایا کرتے تھے
ہم مشاعرہ میں اول حاضر ہوتے تھے اور بہادر لوگوں کے نام فخراً لیتے تھے۔
اور منذر جو بڑا بہادر تھا ہمارے گروہ میں تھا۔ اور جس روز معائب نعمان کا بیان ہوتا تھا ہم موجود ہوتے تھے اور اسکی ہجو کرتے تھے۔
بہت سی عمر گزر گئی کہ ناگاہ احمد مصطفےٰ کا ہدایت اور عذاب کی آیات قرآنیہ کے ساتھ ظہور ہوا
ہماری عزت آسمان تک پہنچی اور ہمارے بزرگ معزز ہوئے اور ہم ہر طرح اس سے بھی زیادہ اُمید رکھتے ہیں۔

ہیں کہ قرآن کا بڑا معجزہ تعلیم ہے جس نے بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور شیوخ قبائل عرب و حکام کو اسلام کی زنجیروں میں اس مضبوطی سے جکڑ دیا تھا کہ اسکی مثل زمانہ دوسرا نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔ اسپر بھی ہم معجزہ فصاحت قرآن مجید سے انکار نہیں کر سکتے۔ یہ بالکل لغو اور غلط ہے کہ جو لوگ اسلام پر فریفتہ ہو کے اسکے سرگرم و پرجوش پیرو بنگئے تھے اُنھیں کسی قسم کا لالچ تھا۔ یہ ایک مضحکہ خیز اور بے معنی بات ہے ایمان لانیوالوں میں حکمران۔ رئیس۔ دولتمند اور سردار بھی تھے جن میں نہ حکمرانی کا لالچ تھا نہ ریاست کا نہ دولت کا اور پھر مسلمان ہو کے اُنھیں کفار عرب کے ہاتھ سے جو جو مصائب اُٹھانے پڑے وہ اس امر کی کافی دلیل ہیں کہ اُنکا اسلام لانا محض نجات ابدی کے لیے تھا اور اُنکی سخت آزمایش خدا کی طرف سے اس غرض سے کی گئی تھی کہ لوگوں کی آنکھوں کے آگے اُن کا امتحان ہو جائے کہ وہ کسی دنیاوی طمع سے نہیں بلکہ خدائے واحد کی پرستش کے شوق میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ ابوبکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ۔ حمزہؓ۔ جعفر طیار۔ عثمان بن طلحہؓ۔ عبداللہ بن مسعود۔ زبیر بن عوامؓ زید بن حارثہؓ۔ عمارہ۔ سعد بن وقاص۔ ابوسلمہ مخزومی۔ ابوعبیدہ بن الجراح۔ ابوجلیدہ بن الحارث۔ سعید بن زید۔ ابوجندل بن سہیل۔ یہ سب اشراف و رئیس مکہ معظمہ تھے۔ قرآن ہی نے اُنھیں اپنا گرویدہ بنایا تھا اور اسی پاک کتاب کی ربانی ہدایتوں نے اُنھیں اسلام کا سچا خدمتگذار کر دیا تھا۔

یہ خیال کسقدر لچر اور پوچ ہے کہ حضرت رسالتمآب کی خدمت میں چونکہ شعرائے عرب بکثرت حاضر رہتے تھے اس لیئے قرآن مجید کی تصنیف اعلیٰ درجہ کے شاعرانہ اصول پر کیگئی۔ مگر سوال صرف یہ ہے کہ اُن شاعروں کو کس کلام نے اسلام کی چاشنی چکھائی تھی اور اول ہی اول وہ کس بلاغت نظام کلام سے زمرۂ غلامانِ نبی میں داخل ہوئے تھے تو جواب سوائے اسکے اور ہو ہی نہیں سکتا کہ قرآن مجید نے۔ پھر کیونکر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ قرآن مجید کا کوئی شخص مصنف قرار دیا جائے اور اُسے کسی شخص خاص کیطرف نسبت دیجائے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ رئیس کسقدر ایمان لائے تھے سب کی فہرست لکھنے سے تو ایک بے لطف طول ہو جائیگا۔ ہم یہاں صرف ایک ایک فرقہ میں سے ایک ایک دو دو کے نام لکھتے ہیں جن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ رئیس قبائل اپنی حکمرانہ حالت پر لات مار کے غلامی اور وہ بھی بمثل غلامی کے دائرہ میں آ گئے تھے۔ اگرچہ یہ ضرور تھا کہ اُنکی یہ غلامی شہنشاہی رتبہ سے برترین و اعلیٰ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی غلامی کا یہ اثر ہے کہ بارہ سو برس سے آجتک کروڑوں نفوس جن میں عالم سے لگا کے شہنشاہ بھی ہوئے ہیں اور ہیں اُنھیں اپنا مخدوم اپنا پیشوا خیال کرتے تھے اور کرتے ہیں۔

مصعب بن عمر رئیس بنی اشہل۔ بریدہ اسلمی۔ اور دیگر ستر اشخاص رئیس اور اہلِ علمِ مدینہ خصوصاً عبداللہ بن سلام وغیرہ فقہائے یہود قرآن مجید پر جس صدق دل سے ایمان لائے تھے اُنکی نظیر کسی عصر یا کسی تاریخ میں ملنی مشکل ہے عبداللہ بن عوف۔ منذر بن عامر۔ اشجع۔ ولاور یہ سب امرائے عرب اور بڑے دولتمند تھے۔ قرزہ بن عمرو صوبہ دار عمان۔ بابغار عامل حرقل سلطان روم ایک متعصب نصرانی امیر و مصاحب حارث شاہ دمشق۔ جبلہ امیر غسانی۔ منذر بن ساوی سلطان بحرین۔ حارث بن ضرار امیر بنی مصطلق۔ باذان حاکم یمن۔ نجاشی بادشاہ حبشہ یہ سب خود مختار حاکم

تھے جنھوں نے اسلام کی حلقہ بگوشی اختیار کی تھی۔
سمجھ میں نہیں آتا کہ قرآن مجید کی روشن تعلیم پر اعتراض کرنیوالوں کی کیسی عقل ہے وہ قرآن جسکی حکومت دنیا پر بارہ سو برس سے قائم ہے اور ہر صدی نہیں بلکہ ہر قرن میں اُسکی عظمت اور شوکت کو ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے کبھی تو تلوار اُسکی حکومت کی معاون رہی اور کبھی تلوار نے بالکل ساتھ چھوڑ دیا مگر ارکانِ حکومت میں کچھ فرق نہیں آیا اور اُنکی استواری کی وہی کیفیت ہے۔
موجودہ زمانہ میں جبکہ تلوار کا تبادلہ قلم سے ہو گیا ہے اور آزادی کے عام راستے کھُلے ہوئے ہیں مسلمانوں کی حالت دوسری قوموں کی بہ نسبت بہت ہی کمزور ہے۔ اشاعتِ قرآن کے ذرائع نہ اُنکے پاس ہیں نہ اُنھیں حاصل کرنیکا خیال۔ با اینہمہ یہ معجزہ ہے کہ بغیر کسی کوشش کے دنیا کے ہر حصہ میں روز بروز اسکی ترقی ہوتی جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ بمقتضائے قانون قدرت ایک دن دنیا پر اپنا نور پھیلا کے رہے گا۔
کل مذہب کیا تو مر گئے یا ادموئے تڑپ رہے ہیں یا اسقدر ضعیف ہو گئے کہ اب اُنکی موت کی پیشینگوئی بآسانی ہو سکتی ہے مگر اسلام اب بھی وہی زندہ و توانا ہے اور اُسکی زندگی میں زور اور قوت اور غیر معمولی نموپائی جاتی ہے یہی بہت بڑا معجزہ ہے اور اسی سے دین خدا پہچانا جاتا ہے۔

پہلا باب

قرآن مجید کا انضباط اور ترتیب

یہ بحث نہایت دلچسپ و اہم ہے اور ہم اس میں ایک بسیط تحریر کرینگے اور قرآن مجید پر جو اعتراضات اس پہلو سے کیئے گئے ہیں اُنکے جواب دینگے۔ خدا ہمیں توفیق دے اور ہم فرائض کو پورے طور پر ادا کر دیں۔ عام مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن مجید زید ابن ثابت نے جمع کیا اور بعض جامع القرآن حضرت عثمان غنی کو کہتے ہیں مگر ہم دونوں خیالات سے اختلاف رکھتے ہیں نہ ہم زید کو جامع القرآن کہتے ہیں اور نہ حضرت عثمانؓ کو ہمارا مذہب ہے اور ہمیں احادیث صحیحہ سے پورا پتہ لگا ہے اور ہمعصر شہادتیں بکثرت ہمارے پاس جمع ہیں کہ جامع القرآن خود حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ ضرور ہے کہ زید نے نظر ثانی کی یا حضرت عثمان نے قراۃ کا فرق نکالا۔ مگر جامع القرآن کا معزز لقب اُسی ذات پاک و معصوم کے لیئے شایاں ہے جسکی نسبت یہ موزوں ہو سکتا ہے بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر،،
کم و بیش حضرت رسالتمآب کی نبوت کا زمانہ ۲۳ برس شمار کرنا چاہیئے اس عرصہ میں وقتاً فوقتاً جتنا قرآن

نازل ہوتا گیا با ترتیب سب لکھ لیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ حفظ یاد ہوتا گیا خود حضرت رسالتمآب کے زمانہ محمود و مسعود میں بہت سے صحابہ موجود تھے جنھیں قرآن مجید پورا حفظ یاد تھا یہ التزام تھا کہ ادھر وحی نازل ہوئی اور اسی لحظہ یا اُس سے تھوڑی دیر بعد آپنے اپنے صحابہ کے آگے کلام ربانی فرمادیا سنتے ہی وہ کلام ربانی کھجور کے پتوں۔ چمڑے پتھروں۔ ہڈیوں پر لکھ لیا جاتا تھا اور اُن چیزوں کی جن پر کلام خدا تحریر ہوتا تھا سخت حفاظت کیجاتی تھی اِس لکھنے کی ضرورت نہیں کہ وہ اِن ٹکڑوں کو دنیا کی ہر قیمتی چیز سے بیش قیمت خیال کرتے تھے۔

مکہ معظمہ سے جبتک ہجرت نہوئی تھی اور وحی کا سلسلہ برابر جاری تھا اُسوقت آپکے کاتب وحی خدیجۃ الکبریٰ ورقہ علی بن ابی طالب۔ ابوبکر صدیق تھے۔ یہ سب تعلیم یافتہ اور اُس زمانہ کی علمی دنیا میں نامور تھے مختلف کاتب اِس لیئے آنحضرت کی خدمت میں رہتے تھے کہ وحی کے نازل ہونیکا وقت کوئی خاص نہ تھا اور جب مختلف اوقات میں وحی نازل ہوتی تھی تو ایک نہ ایک ضرور موجود رہتا تھا۔ جب آپ نے ہجرت فرمائی اور یثرب مدینۃ النبی کے نام سے مشرف ہوا تو آپکی خدمت میں چودہ کاتب وحی رہتے تھے جن میں علی بن ابیطالب۔ عثمان بن عفان۔ زید بن ثابت بڑے نامور تھے۔ آخرالذکر عبرانی کا بہت بڑا عالم تھا اور بطور معتمد کے بھی کام کیا کرتا تھا۔ کبھی کبھی عبداللہ بن سعد بھی کتابت کا کام کیا کرتے تھے۔ یہ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے اور روایات صحیحہ کا سلسلہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ خود آنحضرت اپنے سامنے وحی لکھوا کے سُن لیا کرتے تھے اور اگر کسی لفظ میں سہو کاتب ہوتی اُسکی فوراً صحت کرادیتے خود قرآن مجید سے کتابت کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن مجید میں کتاب کا لفظ استعمال ہوا ہے جسکے معنے نوشتہ چیز کے ہیں ہاں صرف لفظ قرآن کلام یا اعادہ ظاہر کرتا ہے اِس سے ایک لکھی ہوئی چیز مفہوم نہیں ہوتی۔

یہ خیال ہوسکتا ہے کہ جب آنحضرت مدینہ تشریف لائے ہیں تو آپکا کوئی گھر نہ تھا یعنی مستقل کوئی جائے قیام نہ تھی پھر جمع کیا ہوا قرآن کہاں رکھا جاتا تھا اِس سے شاید کوئی یہ نتیجہ اخذ کرے کہ ضرور بعض ٹکڑے اِدھر اُدھر ہوگئے ہوں اور جبتک آپکی کوئی مستقل قیامگاہ نہوگئی ہو اُن میں کمی بیشی ممکن ہے اگرچہ یقینی نہیں۔ ہم اس خیال کو کچھ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے نہ ہمیں آنحضرت کی مستقل جائے قیام نہونیسے تحریر شدہ اشیا کی پراگندگی کا خیال پیدا ہوتا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ لکھی ہوئی وحیاں صرف آنحضرت ہی کے پاس محفوظ نہیں رہتی تھیں بلکہ عموماً ہر صحابی کے پاس جمع رہتی تھیں اور وہ روزمرہ اُنکی تلاوت کیا کرتا تھا۔ اس امر کی کئی شہادتیں موجود ہیں منجملہ اُنکے ہم دو ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ ہجرت نبوی سے پہلے مکہ معظمہ میں قرآن مجید کے پڑھنے پر حضرت ابوبکرؓ کی شکایت مشرکان مکہ نے حضرت رسالتمآب کیخدمت میں کی تھی کہ یہ علی الصباح قرآن کی تلاوت باواز بلند کیا کرتا ہے اور اسکے پڑھنے سننے و سلے متاثر ہو ہو کے اپنے عقائد میں کمزور ہوتے جاتے ہیں۔ اگر آپنے ابوبکر کو اس امر سے باز نہ رکھا تو ہم جنگ کرینگے اور زبردستی قرآن کا بلند آواز سے پڑھنا روکیں گے۔ اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے پاس قرآن مجید تھا جسے وہ روزمرہ پڑھا کرتے تھے۔ دوسری صحیح روایت حضرت عمر فاروق کے ایمان لانے کی ہے کہ جب آپنے گھر میں آکے دیکھا کہ آپکی بہن چمڑے کے ورق کا لکھا ہوا قرآن پڑھ رہی تھیں اور اسی لیئے آپنے اپنے بہنوئی کو زد و کوب کیا تھا کیونکہ وہ بھی قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھے اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے قرآن مجید کا ورق اپنے بہنوئی

سے لیکے چاک کر ڈالا تھا۔ اِن دو صحیح روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہی کہ لکھا ہوا قرآن خواہ وہ کسی چیز پر ہو عموماً صحابہ کے پاس رہتا تھا۔ اب اس میں اس کمزور خیال کو رستہ دینا کہ وہ صحابہ کہاں رکھتے تھے ایک بے بنیاد بات ہی جہاں وہ رہتے تھے جہاں وہ اُٹھتے بیٹھتے تھے اُسے جان سے لگا کر رکھتے تھے کیونکہ یہی ایک پونجی تھی جو اُنھیں ایمان لا کے حاصل ہوئی تھی اور یہی دراصل اُنکی نجات کی کنجی تھی۔ اِس سے اور کچھ نہیں تو اتنا ثبوت ضرور ہو گیا کہ لکھا ہوا قرآن علاوہ آنحضرت کے صحابہ کے پاس بھی رہتا تھا۔ قرآن ایک جگہ جمع ہونا آنحضرت کی ہدایت کے موافق ہوا۔ یہ روایت کہ جب حضرت عمرؓ نے حضرت صدیق سے قرآن جمع کرنے اور اُسکے نسخے لکھوا کے مختلف حصص اسلامی میں تقسیم کرانے کی رائے دی تو حضرت صدیق نے فرمایا کہ جس کام کے کرنے کو میرے نبی نے نہیں فرمایا میں ہرگز نہ کروں گا۔ اخیر حضرت عمرؓ نے اونچ نیچ کے کئی پہلو سمجھا کے اُنھیں راضی کیا اور جب قرآن مجید لکھنے کے لیئے زید ابن ثابت سے کہا گیا تو اُس نے بھی یہی عذر کیا۔ ہمیں اس روایت پر پورا وثوق نہیں۔ ہم مجبور نہیں ہیں کہ تواتر کے مقابلہ میں خبر احاد کو مان لیں۔ جب خود آنحضرت کا منشا قرآن کے جمع کرنے اور لکھوانے کا بہ تواتر ثابت ہی پھر کسی صورت سے ہم اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے۔ تواتر یہ ہے کہ آنحضرت ابتدا ہی سے وحیاں لکھواتے جاتے تھے اور خاص ایک جگہ وہ وحیاں محفوظ رہتی تھیں۔ ہم کاتبوں کا ذکر جو مکہ اور مدینہ میں وحیاں لکھتے تھے پہلے کر چکے ہیں۔ ہم دریافت کرتے ہیں اگر آنحضرت کا منشا ایک جگہ قرآن جمع کرنا اور اشاعت دینا نہ تھا پھر لکھوانے اور علیحدہ محفوظ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ صحیح روایت ہی کہ حضرت بی بی حفصہؓ کے گھر میں ایک صندوق میں پورا قرآن مجید رکھا تھا۔ ایک غلط روایت کا مشہور ہو جانا اور کبھی کسی عالم مفسر یا محقق کو اُس پر غور کرنے کا اتفاق نہ ہونا ہرگز یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ روایت درحقیقت صحیح ہی۔ میرا اس پر ایمان و یقین ہے کہ حضرت صدیق یا زید ابن ثابت نے قرآن کے ایک جگہ لکھے جانے اور اشاعت پر اعتراض نہیں کیا نہ وہ کر سکتے تھے۔ دوسرا ثبوت قرآن کے ایک جگہ جمع ہونے اور خود نبی معصوم و برحق کے ہاتھوں سے جمع ہونیکا یہ ہی کہ جب حضرت رسالتمآب نے مرض الموت میں فرمایا کہ دوات قلم لاؤ میں کچھ لکھوا دوں تو حضرت عمر نے صاف کہدیا کہ ہمارے لیئے اے محمدؐ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کافی ہی۔ ہم دریافت کرتے ہیں جب قرآن مجید جمع ہی نہیں تھا تو حضرت عمرؓ نے کیونکر کہا۔ نہیں بلکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید محفوظ تھا اور اس طرح اُسکی ترتیب دی ہوئی تھی کہ اُس پر لفظ کتاب کا اطلاق ہو سکتا تھا ہمارے اس بیان سے یہ تو بخوبی معلوم ہو گیا ہو گا کہ جامع القران خود آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں زید بن ثابت اور حضرت عثمان غنی کو اس سے کچھ تعلق نہیں۔ یہ قرآن جو ہمارے ہاتھ میں ہی اسے ہم نہ زید بن ثابت کا قرآن کہہ سکتے ہیں اور نہ عثمان غنی کا صرف اسقدر ضرور ہے کہ زید بن ثابت نے لکھا اور حضرت عثمان غنی نے قرأت کے اختلاف کو دور کر کے اسی نبوی قرآن کی اشاعت دی جو آنحضرت کے زمانہ محمود و مسعود میں جمع ہو چکا تھا۔

یہ اعتراض کیا جاتا ہی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات ہوئی تو کہیں بھی کامل سلسلہ اصلی منقولہ نسخہ قرآن کا نہ تھا سر ولیم میور نے بھی اس پر بھی بڑی لمبی چوڑی بحث کی ہی مگر معترضوں کی سخت غلطی ہی وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جب خود نبی اکرم اور آپکے صحابہ اناجیل اور توراۃ کو عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ میں ناقص

دیکھ چکے تھے جب اُنھیں اس کا علم ہو چکا تھا کہ ان دونوں فرقوں نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریف کی ہے پھر وہ کیوں نہیں خبردار ہوتے اور کیا وجہ تھی کہ قرآن کی ایسی حفاظت نہ کرتے جتنی ممکن ہو سکتی ہے جس سے کمی بیشی کا خیال تک نہ رہتا۔ بیشک اور یقیناً اُنھوں نے ایسا ہی کیا اور ہر چھوٹی سے چھوٹی آیت کی اسقدر حفاظت کی کہ وہ علاوہ تحریر کے لوگوں کے سینوں میں نقش ہو گئی۔

مسلمانوں کا عام عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ ترتیب قرآن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی ہے اور وہ اس عقیدے اور یقین کے ثبوت اور استحکام کے لیئے یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ حضرت جبریل سال میں ایک دفعہ کل قرآن آنحضرت کو دہورواجاتے تھے ایک محقق شخص اس روایت سے یہ نتیجہ ضرور نکال سکتا ہے کہ قرآن مجید ضرور دہورایا جاتا تھا۔ خواہ اُسے حضرت جبرئیل دوہراتے ہوں یا کوئی جلیل القدر صحابی۔ قرآن کا دوہرایا جانا اس امر کی بین دلیل ہے کہ موجودہ ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ہے اور اس ترتیب میں کسی دوسرے شخص کا ہاتھ نہیں لگا ہے۔

ہم نے ماسوا اسکے چند صحابہ کا ذکر پڑھا ہے جنھوں نے کئی کئی بار آنحضرت کے آگے قرآن مجید کو برزبان دوہرایا تھا۔ مگر سر ولیم میور اس روایت سے اتفاق کرکے یہ لکھتے ہیں کہ صرف چھوٹی چھوٹی سورتیں جو پانچوں وقت کی نماز میں پڑھی جاتی تھیں دوہرایا کرتے تھے نہ کہ پورا قرآن۔ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ وجہ کیا تھی کہ قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی سورتوں پر اکتفا کیا جاتا تھا اور بڑی سورتوں کے پڑھنے یا دوہرانے میں اُنھیں تکلف ہوتا تھا۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نماز میں خود آنحضرت اور آپکے بعض صحابہ چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے مگر اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُنھیں بڑی سورت کے پڑھنے کی ممانعت تھی۔ کوئی حکم ایسا نہیں ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی فلاں سورت پڑھی جائے اور فلاں نہ پڑھی جائے۔ نماز فجر میں اکثر بڑی بڑی سورتیں پڑھی جاتی تھیں چنانچہ اب بھی یہی دستور ہے۔ پھر عام طور پر یہ خیال کر لینا کہ سب ہمیشہ چھوٹی ہی سورتیں پڑھا کرتے تھے کتنا غلط استدلال ہے۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ موجودہ ترتیب آنحضرت کی دی ہوئی ترتیب نہیں ہے بلکہ اس ترتیب کو صحابہ نے درست کیا تھا اُس کا اعتراض ہے کہ اگر خود آنحضرت دیتے تو مضامین کا اسقدر خلط ملط نہو جاتا چنانچہ وہ یہ بحث کرتا ہے "یہ بعید الفہم ہے کہ پیغمبر نے کوئی خاص ہدایت کی ہو کہ اس انضباط اور ترتیب سے قرآن جمع کیا جائے (یعنے کونسی صورت آگے ہو اور کونسی پیچھے) ہمیں اس میں بھی شبہہ ہے آیا سورتوں کا شمار جواب موجود ہے پیغمبر کی ہدایت سے ہوا۔ بہت سی سورتوں کے مضمون میں اندرونی تواتر اس پیمانہ پر نہیں ہے جو پیغمبر کے وقت میں عمل میں آیا تھا۔ مضامین کی غیر متغیر ہیولانی آمیزش کو جس طرح کہ علم تاریخ نے علیحدہ علیحدہ کر دیا ہے اسیطرح ادراک نے بھی اُسے بے ترتیب ثابت کیا ہے۔ ایک آیت جو مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ وہ اُس آیت سے پہلے آگئی ہے جو بہت دن پہلے مکہ معظمہ میں نازل ہو چکی تھی۔ ایک حکم ایسے حکم کے بعد رکھا گیا ہے۔ جو ماقبل الذکر حکم کی ترمیم یا تردید کرتا ہے یا ایک بحث فوراً ایک جملہ کے بیچ میں آنے سے جو اسکی تائید سے خارج ہے یا اُس کا مؤید نہیں بن سکتا حصے ہوجاتی ہے یہ باتیں ہمیں اس یقین کرنے میں مانع آتی ہیں کہ موجودہ ترتیب یا کوئی کامل انتظام پیغمبر کی زندگی میں کیا گیا ہے"

یہ اعتراض ہے جس کا جواب ہم ذیل میں دیتے ہیں میور لکھتا ہے کہ قرآن کی تاریخی ترتیب جسطرح غلط ہے اسی طرح اِس کے مضامین کی ترتیب اور اُس کا نظام بھی غلط ہے اِس بنیاد پر وہ یہ دعوی کرتا ہے کہ قرآن مجید کو آنحضرت نے ترتیب نہیں دیا۔ یہی اعتراض ڈاکٹر موسیو لی بان فرانسیسی محقق نے بھی اپنی کتاب تمدن عرب میں کیا ہے اور یہی نکتہ چینی اسپرینگر نے بھی اپنی سیرۃ محمدیہ میں جائز رکھی ہے۔ پس ہم اسپر بسیط بحث کرنا چاہتے ہیں۔ خدا ہمیں توفیق دے اور اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے۔

سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے میں خود علمائے اسلام کا بہت بڑا اختلاف ہے اور ابتک اس امر کا تصفیہ نہیں ہوا ہے کہ اتنی سورتیں یقینی مکّی ہیں اور اتنی سورتیں بلاشک مدنی ہیں۔ مگر ہم اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سورت جو مدینے میں نازل ہوئی تھی اُس سورت سے پہلے آگئی ہے جو مکہ میں نازل ہوئی تھی اس سے ہم یہ استدلال نہیں کر سکتے کہ تاریخی ترتیب غلط ہے۔ غلط کا کریہ لفظ خود کسی مصنف کی ایسی تصنیف کی نسبت بھی عائد نہیں ہو سکتا جس نے مضامین کی کسی مصلحت کی وجہ سے ترتیب دی ہو اور اُسے اپنے ڈھنگ پر نیا لباس پہنایا ہو۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور آسمان سے نازل ہوا ہے اِسکی وہی ترتیب ہے جو لوحِ محفوظ میں تھی مگر یہ جواب خصم کے لیئے کافی نہیں ہے اس لیئے ہم مفصلۂ ذیل بحث کرتے ہیں۔ قرآن خواہ آسمان سے نازل ہوا یا خود آنحضرت نے تصنیف کیا ہر حالت میں یہ لازمی طور پر ماننا پڑیگا کہ بمقتضائے وقت وضرورت نازل ہوتا تھا۔ اور اُسی قدر تلقین کیا جاتا تھا جتنی کہ اسکی ضرورت ہوتی تھی اگر آگے پیچھے کی وہی ترتیب رکھی جاتی تو خلط مبحث ایسا ہو جاتا کہ پھر ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔ اس طرح متفرق صورت میں نازل ہونا اور پھر اُسکی عمدہ طور پر ترتیب دے لینا قانون قدرت کے مطابق ہے۔ خداوند تعالیٰ نے مختلف حصص عالم میں مختلف چیزیں پیدا کیں مثلاً فرض کر لو کہ لوہا ولایت سے آتا ہے اور ہندوستان کی لکڑی کے ساتھ ملا کے اُسے کسی خاص کام میں لاتے ہیں تو کیا یہ کہنا بجا ہو سکتا ہے کہ اُسکی تاریخی ترتیب ٹھیک نہیں۔ لوہا خواہ کسی دور دراز حصۂ دنیا میں مستعمل ہو کہلائیگا لندن کا ہی لوہا۔ اسیطرح مکّی سورت خواہ مدینہ والی سورت کے بعد ہی کیوں نہ رکھی جائے ہوگی مکّی سورت تاریخی ترتیب اسے نہیں کہتے بلکہ تاریخی ترتیب کے یہ معنے ہیں کہ واقعات گزشتہ قرن بعد قرن یا صدی بعد صدی ایک انضباط میں رکھے جائیں یا بیان کیئے جائیں اور پھر اُنکی ترتیب میں فرق آجائے۔ یعنی ہم اکبر کا حال بیان کر رہے ہیں اُسے ختم کرتے ہی ہمنے بابر کا ذکر چھیڑ دیا اُسکے بعد جہانگیر کا آگیا اور پھر اورنگ زیب کا اگر ہم کوئی باقاعدہ تاریخ لکھ رہے ہیں اور ہم نے اس قسم کی ترتیب دی ہے تو بے شک ہماری ترتیب غلط ہوگی اور اگر ہم کوئی باقاعدہ تاریخ نہیں لکھ رہے بلکہ تمثیلوں یا نصائح یا حکایات کی ایک کتاب تیار کر رہے ہیں تو مذکورہ ترتیب کسی لحاظ سے بھی غلط نہیں ہو سکتی چاہے ہم جلال الدین اکبر کا ذکر لکھتے لکھتے بہادر شاہ کا تذکرہ کرنے لگیں اور بہادر شاہ کے ساتھ عالم گیر کا بیان لکھدیں۔

اب ہم قرآن مجید کی طرف اپنی توجہ پھیرتے ہیں۔ قرآن مجید ایک کتاب ہے جس میں خدا کی طرف سے اوامر و نواہی کا بیان ہوا ہے اور اُنکی ترتیب جس عمدگی سے دی گئی ہے وہ انسانی معمولی ترتیب سے بدرجہا بہتر اور

عمدہ ہے یہ بالکل غلط ہے جیسا سر ولیم میور نے لکھا ہے کہ بعض جگہ ایک حکم جو بعد میں آیا ہے اپنے ماسبق حکم کی تردید کرتا ہے۔ شاید اسے ناسخ و منسوخ کی بحث میں مغالطہ پڑا چونکہ تمثیلاً اس نے ایسے دو حکموں کو اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش نہیں کیا اس لیئے ہم اس پر ابھی بحث نہیں کرتے اور اس بحث کو ناسخ و منسوخ کی دلچسپ بحث کے لیئے رہنے دیتے ہیں۔

ہمارے علمار کے مختلف اقوال اور آرائے کو جانچ کے اس نے نتیجہ نکالنے کی کوشش نہیں کی بلکہ معمولی طور پر چند اقوال پر نظر کر کے اس نے یہ غلط اور صریح اور لغو الزام قرآن پاک جیسی کتاب پر عائد کر دیا۔

یہ سب جانتے ہیں کہ قرآن کوئی تاریخ نہیں ہے بلکہ قرآن احکام آلہیہ کا ایک مجموعہ ہے اور اس میں انجیل کی طرح ایک بھی حکم ایسا نہیں ہے جسے ہم دوسرے حکم کی ضد کہہ سکیں۔ بڑا اختلاف اسی میں ہے کہ پہلے کونسی سورت نازل ہوئی تھی اگرچہ عام اتفاق اس پر ہے کہ سورۂ اقرأ کا سب سے پہلے نزول ہوا تھا مگر بعض علمار نے اِس پر بھی بحث کی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اقرأ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی دوسری سورت تھی جسکے پڑھنے کے لیئے خدا کی طرف سے ہدایت ہوئی تھی نہ کہ خود سورۂ اقرأ۔ یہ بحث نہایت دقیق اور نازک ہے اور اس کا اس آسانی سے فیصلہ نہیں ہوسکتا جیسا میور یا اُسکے اور ہم خیالوں نے کر لیا ہے۔ قرآنی معارف و دقائق پر غور کرنے کے لیے ایک غیر طرفدار اور بیدار دل کی ضرورت ہے اور ایسی روشنضمیری کی حاجت ہے جو ایک پاک اور متقی کو حاصل ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے صرف ربط قرآن مجید ثابت کرنیکے لیئے ایک بہت بڑے علم ربط کی بنیاد ڈالی۔ جس کا بانی امام محی الدین ابن عربی ہے جس نے یہانتک ثابت کر دیا ہے کہ قرآن مجید الحمد سے لیکے والناس تک ایک ہی جملہ ہے۔ اگر معترض علم ربط کی بحث کو بخوبی دیکھ لیتے۔ تو انھیں کبھی بھی اس نکتہ چینی کا موقع نہ ملتا۔

ڈاکٹر موسیو لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک ہی نبی کے چند قصص مختلف مقامات قرآن میں آگئے ہیں اور اس وجہ سے ترتیب مضامین میں بہت بڑا فرق پڑ گیا ہے۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بیشک ایک قصہ کو قرآن مجید میں مختلف مقامات میں بیان کیا ہے۔ مثلاً حضرت آدم ہی کا قصہ ہے اس سے ہم نہیں سمجھتے کہ ترتیب مضامین کیونکر غلط ثابت ہوسکتی ہے۔ جس جگہ ایک قصہ بیان ہوا ہے وہاں اُسکی اور حالت ہے اور دوسری جگہ اُسی بیان نے ایک ایسا نیا لباس پہن لیا ہے کہ وہاں اُسکی اور ہی صورت پیدا ہوگئی ہے جس کا مفصل ذکر جگہ بجگہ ہماری تفسیر میں آئے گا۔

اب ہم ایک اور پہلو پر بحث کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ آنحضرت نے کوئی ترتیب اپنے سامنے قرآن مجید کی نہیں دی اور نہ کسی خاص ترتیب اور نظام کی آپنے اپنے صحابہ سے ہدایت کی اور اب صحابہ کو قرآن کے ایک جگہ جمع کرنے کی ضرورت ہوئی۔ جس وقت حضرت عمر کی تحریک اور حضرت ابوبکر کے حکم سے زید ابن ثابت نے ایک جگہ قرآن جمع کرنا شروع کیا ہے اُس وقت بیسیوں صحابہ موجود تھے جنھیں قرآن پورا حفظ تھا۔ اور ایسے تو ہزاروں صحابہ تھے جنھیں اس ترتیب کا بخوبی علم تھا جو آنحضرت کے سامنے قائم ہوچکی تھی۔ کیا یہ خیال ہیں آ سکتا ہے کہ تمام کی قوم غلطی کرے اور اسے یہ معلوم ہو کہ ہم ترتیب مضامین غلط کر رہے ہیں۔ ان صحابہ میں بڑے بڑے عالم شاعر اور نثار موجود تھے

موجود تھے اور ایک ہی نبی کے قصوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا کام نہ لیاقت چاہتا تھا نہ اس میں کچھ علمیت درکار تھی یہ تو ایک معمولی آدمی بھی کر سکتا تھا۔ نہ کہ جلیل القدر صحابہ جن کے بے نظیر اور معنی خیز کلام سے تیرہ سو برس سے مخلوق خدا کی رگوں میں ذوق اور شوق کا خون دوڑا رکھا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا کلام بلاغت نظام اور آپکے خطبے موجود ہیں جنھوں نے مشرقی دنیا کو ہی نہیں بلکہ مغربی عالم کو ششدر بنا دیا تھا۔ اور آپکے مقولے بطور ضرب المثل اب تک یوروپی مصنفوں کی کتابوں میں بھرے ہوئے ہیں اسیطرح اور بھی زبردست فاضل تھے جن سے علم فقہ جیسے عظیم الشان قانون کی بنیاد پڑی۔ کیا کسی کم عقل سے کم عقل کی سمجھ میں بھی یہ آسکتا ہے کہ ان میں یکساں مضامین کو ایک جگہ جمع کرنے کی قابلیت نہ تھی اور نہ برسوں تک انھیں یہ غلطی معلوم ہوئی۔ نہ اب تک کہ لاکھوں علمار گزر گئے اور وہ علمار کہ جنکی مثل زمانے نے اب تک پیدا نہیں کیا۔ اس صریح اور موٹی غلطی پر آگاہ نہوئے۔ اس سے یہ بات صاف طور پر پائی جاتی ہے کہ جو ترتیب اس وقت قرآن مجید کی ہے یہ بالکل صحیح ہے اور خود آنحضرت کی دی ہوئی ہے اور نہ اس ترتیب میں دوسرے کی رائے شریک ہے نہ دوسرے شخص کا ہاتھ لگا ہے ہمارے بیان بالا سے ایک منصف مزاج شخص یہ استنباط کر سکتا ہے کہ جس طرح قرآن کی غلط تاریخی ترتیب کا الزام لغو ہے اسی طرح مضامین کی بے ترتیبی کا اتہام محض بے بنیاد اور لایعنی ہے۔

اسکے آگے سر ولیم میور لکھتا ہے " اسکے خلاف بلاشک کتنی ہی سورتیں مضمون اور ترتیب میں بالکل وہی سورتیں ہیں کہ جیسی پیغمبر نے اپنے وقت میں چھوڑی تھیں اور سورتوں کا ہا قیماندہ حصہ گو بے ضابطگی سے باہم مشابہ ہے پھر بھی اصلی ٹکڑوں سے عموماً ایک بڑی طولانی ترتیب دی گئی ہے اور ہر سورت کا بہت سا حصہ اسی انضباط کی پیروی کرتا ہے جو عام عبادت میں مستعمل ہوتی ہیں اور ان ہی سورتوں کو لکھ بھی لیا گیا اور حفظ بھی یاد کر لیا گیا چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی بے قاعدہ وساطت اور بے ترتیب نظام نے بسا اوقات بلاشک تواتر کو برباد کر دیا ہے اور اس سے ایک انتشار اور آیتوں کی پریشانی پائی جاتی ہے " سر ولیم میور کو اس امر نے کہ جو سورتیں نماز میں پڑھی جاتی تھیں وہ کوئی خاص تھیں مغالطہ میں ڈالدیا ہے۔ روایات صحیحہ سے یہ بات ضعیف طور پر بھی ثابت نہیں ہو سکتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی خاص ہدایت کی ہو کہ نماز میں فلاں سورۃ پڑھنا اور فلاں نہ پڑھنا یا عام طور پر چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھی جاتی ہوں اور کوئی شخص بڑی سورۃ کا ورد نہ رکھتا ہو یہ ساری باتیں محض بے بنیاد ہیں اور ان خیالی اور ایجادی باتوں کی درحقیقت اسلام میں کوئی بھی وقعت نہیں ہے۔ اگر تحقیق سے کچھ بھی سروکار ہوتا تو سر ولیم میور کو معلوم ہوتا کہ رمضان المبارک میں مسجدوں میں قرآن کا پڑھا جانا اور دیر تک پڑھا جانا اس امر کی زبردست دلیل ہے کہ صحابہ حافظ قرآن تھے اور اسی ترتیب سے قرآن پڑھتے تھے جسکی بنیاد خود آنحضرت نے ڈالی تھی اور جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہے۔ صحیح احادیث موجود ہیں کہ رمضان المبارک میں قرآن پڑھا گیا اور اتنی دیر تک پڑھا گیا کہ جناب رسالتمآب نے فرمادیا کہ شاید تمھیں تکان ہو اور روزے رکھنے میں تکلیف ہو تم اپنے گھر میں پڑھ لیا کرو۔ اب اس حکم سے کئی کئی باتیں پیدا ہوتی ہیں پورے قرآن پڑھنے کا حکم اور قرآن مجید کے ترتیب وار ہونے کا پورا ثبوت تیسرے اس امر کا ثبوت کہ موجودہ ترتیب کو آنحضرت نے سنا اور پسند کیا

چوتھے اس بات کا ثبوت کہ ترتیب زمانہ وصل سے بہت دن پہلے برابر ہوتی چلی آئی تھی پانچویں اس امر کا ثبوت کہ صحابہ کو وہ ترتیب یاد تھی جو آنحضرت کے وقت میں موجود تھی۔اب یہاں سے میور اور اُسکے ہمخیال معترضوں کے کُل اعتراضات مُنہ کے بل گر پڑتے ہیں اور ذرا بھی قابلِ لحاظ نہیں رہتے ۔

ہم نہیں خیال کرتے کہ کن چھوٹی چھوٹی سورتوں یا آیتوں سے قرآن مجید کے تواتر میں فرق پڑتا ہے۔ہماری تفسیر کے ناظر خود اس بات کا فیصلہ کرینگے کہ معترض کا یہ خیال کسقدر غلط اور نامعقول ہے۔قرآن مجید کے تواتر میں نہ کبھی فرق پڑا نہ پڑ سکتا ہے۔بے سمجھے کوئی رائے قائم کر دینا اور اس پر منطق کے پیرایہ میں حجت کرنا اپنی کامل لاعلمی اور تعصب کا پورا ثبوت دینا ہے۔پھر آگے سر ولیم میور یہ گوہر افشانی کرتے ہیں "تاہم یہ بات باقی رہتی ہے کہ سورتوں کے ٹکڑے خود نبی نے نہایت مضبوطی سے اور بلا شرکت غیرے ترتیب دیئے تھے اور آپ ہی کی ہدایتوں کے بموجب اُنکی تعلیم ہوتی تھی اور اُنھیں لکھ لیا گیا تھا اور یہ وجہ قرآن کا اندازہ بتاتی ہے کہ نہ صرف اس میں وہی سورتیں ہیں کہ جو نبی کی زبان اور منہ سے نکلی تھیں بلکہ اسکے تعلق اور سیاق کلام سے پایا جاتا ہے کہ ان میں اوروں کے الفاظ بھی شامل ہیں" میور کو شاید یہ الہام روح القدس کی طرف سے ہوا ہوگا کہ قرآن میں اوروں کے الفاظ بھی شامل ہیں سر ولیم میور جب خود تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں مطلقاً تحریف نہیں ہوئی اور تحریف نہونیکے ثبوت میں وہ منجملہ اور دلائل کے یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اگر ایک لفظ کا بھی تغیر و تبدل کیا جاتا تو ہرگز وہ لوگ تسلیم نہیں کرتے جو راسخ الاعتقادی سے یہ ایمان رکھتے تھے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ خدا کا لفظ ہے۔فوراً ایک سخت بغاوت ہوتی اور عرب میں خون کے دریا بہ جاتے۔اِس لکھنے کے بعد تعجب ہے کہ اس نے یہ اعتراض کر دیا کہ قرآن میں دوسروں کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ کوئی وجہ اس یقین کی نہیں معلوم ہوتی کہ اس میں ایک لفظ بھی کسی دوسرے کا شامل ہو۔ اور ایسی مخدوش ترتیب کو زید بن ثابت نے لکھا ہو اور حضرت ابوبکرؓ۔عمرؓ۔عثمانؓ۔علیؓ نے اس خلط ملط کو تسلیم کر لیا ہو۔اور یہ جائز رکھا ہو کہ خدا کا کلام اس مخلوط صورت میں اشاعت پائے اور اُن کے دین کی کتاب برباد ہو۔اُن کے ایمان زبردست اور مضبوط تھے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اُنکی راسخ الاعتقادی بے نظیر اور لاجواب تھی۔اُنھیں قرآن مجید کا احترام دنیا کی ہر شے سے زیادہ تھا اور وہ اُس کے ہر ہر لفظ کو کلام خدا سمجھ کے جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے اُنکی قوت حافظہ کو خود میور ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے مصنفین مانتے ہیں۔اُن میں معمولی بات یہ بھی کہ آناً فاناً میں وہ قصائد کے قصائد حفظ کر کے سُنا دیا کرتے تھے بھلا وہ ایسی قوت حافظہ اور ایسے مستحکم ایمان۔ اور یقین پر جو وہ قرآن مجید کی نسبت رکھتے تھے کیوں بھُولنے لگے اور کیوں اس سے پہلو تہی کرنے لگے۔ان کی اس صفت یعنی قوتِ حافظہ کی ودیعت بطور ورثہ مسلمانوں میں ہوئی ہے۔دیکھ لو دس دس بارہ بارہ برس کے بچے کس آسانی اور عمدگی سے قرآن مجید حفظ کر لیتے ہیں اور پھر کس خوبی اور جرات سے بھرے مجمع میں پڑھ کے سنا دیا کرتے ہیں۔کچھ اس کتاب میں یہ معجزہ رکھا گیا ہے کہ چھ سات برس کا بچہ جس آسانی سے قرآن مجید پڑھ سکتا ہے اپنی مادری زبان کی کتاب ہرگز نہیں پڑھ سکتا۔اس کا کئی بار تجربہ ہوا ہے اور اس سے بلا شک کوئی انکار بھی نہیں کر سکتا۔یہ اسی کتاب میں شرف ہے اور اسی کو یہ بزرگی حاصل ہے کہ اگر دنیا میں ایک ایک نسخہ معدوم کر دیا جائے

اور ایک لکھا ہوا ورق بھی نہ رہے پھر بھی بہت جلد ہزاروں قرآن تیار ہوسکتے ہیں اور یہ محض ناممکن ہو کہ ان میں ایک جگہ بھی زیر زبر پیش کا بل ہوا ور کیا مجال ہے کہ کہیں ایک حرف میں بھی فرق آئے۔ کسی غیر لفظ کا الحاق اِس زمانہ میں جب اسقدر ناممکن ہے تو کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ اُس زمانۂ مسعود و محمود میں ممکن ہو سکتا۔ الحاق کی دو دو صورتیں ہوسکتی ہیں اول تو اپنی طرف سے کسی آیت میں کوئی لفظ ملا کے اُس سے ایک نیا مطلب پیدا کرنا۔ دوسرے کسی لفظ کے الحاق سے یہ مراد ہوسکتی ہے کہ کوئی عیب جو کلام میں کسی وجہ سے آگیا ہے جاتا رہے۔ یہ دونوں صورتیں اُس زمانہ کی طبائع کا خیال کر کے ناممکن معلوم ہوتی ہیں۔ اسی کلام پاک پر اُنھوں نے اپنا گھر بار وطن بال بچے چھوڑ دیئے تھے اور اسی کلام پاک کی منادی کے لئے جو جو کوششیں سر ہتیلی پر رکھکر اُنھوں نے کی ہیں وہ تاریخ عالم کے صفحوں میں اب تک درخشاں اور تاباں ہیں اسکے علاوہ ایک منصف مزاج خیال کرسکتا ہے کہ قرآن مجید کے حقائق اور معارف کے اظہار کے لئے مسلمانوں نے جو کچھ جد و جہد کی ہے اور جس کثرت سے تصانیف کی ہیں اس بات کی کافی دلیل ہے کہ انھیں اس امر کا شبہہ بھی نہیں ہوا کہ قرآن مجید میں ایک لفظ کا بھی فرق ہو یا اس میں خفیف سی کمی و بیشی ہوئی ہے۔ اُنھوں نے ہزاروں اعتراضات صرفی و نحوی فصاحت و بلاغت کے متعلق خود کئے۔ اور اُنکے خود ہی جواب دیئے جیسا کہ ہمارے گزشتہ دیباچہ سے معلوم ہوگیا ہوگا۔ ایسے زبردست فضلا کو تو ایک لفظ بھی قرآن میں الحاقی نہیں ملا اور تیرہ سو برس بعد ایک لندن نژاد شخص کو جس میں معمولی عربیت کی لیاقت ہو ایسے بہت سے الفاظ ملجائیں جو قرآنی نہوں بلکہ دوسرے شخصوں کے ہوں۔ تعجب سے بھی زیادہ تعجب ہو۔ اِس قسم کے اعتراضات سے سر ولیم میور نے اپنے دوست عیسائیوں کے آنسو پونچھے ہیں جو انجیل کی تحریف سے غمگین ہیں اور اُنھیں کوئی جواب بن نہیں آتا۔ سوائے اِسکے اور کوئی غرض نہیں معلوم ہوتی کہ قرآن کو محرف بنائیں اور یہ ثابت کریں کہ قرآن خود نبی عربی کی تصنیف ہو اور اس میں گھٹانے بڑھانے کی گنجایش ہے۔ بڑا شک سر ولیم میور اور اُسکے ہمخیال دوست اسپرنگر کو یہ ہے آیا مسلمان قرآن مجید کی بڑی بڑی سورتیں حفظ کرسکتے تھے یا نہیں؟ اُنھیں یقین ہے کہ سوائے چھوٹی چھوٹی سورتوں کے بڑی سورتیں اول تو مسلمانوں کو یاد نہیں تھیں۔ اور اگر تھیں بھی تو بہت کم۔ موجودہ اور گزشتہ زمانہ کو نظر کرتے یہ خیال مضحکہ خیز اور بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔ پورے قرآن کا حفظ کرنا شروع اسلام سے چلا آتا ہے اور اس کا رواج اب تک اسی سرگرمی سے جاری ہے۔ جتنے بڑے بڑے علمار گزرے خواہ زمانۂ خلافت کبریٰ میں خواہ پہلی دوسری اور تیسری صدی میں سب حافظ قرآن تھے اور قرآن کا اس طرح حفظ کرنا جیسا ہم پہلے لکھ آئے ہیں اُنھیں بطور ورثہ پہنچا تھا۔ اِس بین اور صریح بات سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔

جب یہ امر صریح طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ اشاعتِ اسلام سے بہت پہلے لکھنے کا علم مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جاری ہوچکا تھا اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اُمّی تھے مگر آپنے ہمیشہ پڑھنے لکھنے کی طرف اپنی قوم کو تحریص دلائی اور آپکے صحابہ میں بکثرت ایسے لوگ موجود تھے جو اچھی طرح پڑھ سکتے تھے۔ پھر اس یقین کرنے میں کیوں تردد کیا جاتا ہو کہ جو کچھ اُنھوں نے لکھا اُسے بارہا نہ صرف نبی معصوم کے آگے بلکہ ہزاروں مسلمانوں کے

آگے پڑھا ہوگا جس ترتیب سے اُنھوں نے لکھا وہ پسندیدہ اور حسب منشائے رسول کریم تھی اور جو کچھ لکھا وہ بلفظہ کلام خدا تھا ایک حرف کی بھی اُس میں کمی وبیشی ممکن نہ تھی۔ قرآنِ مجید کو لکھنے اور حفظ یاد کرنے کی رسم خود اس صحیح حدیث سے معلوم ہوتی ہے جس میں مہر قرآن مجید کی ایک سورت کا باندھا گیا ہے۔ یہ روایت اس طرح پر ہے کہ ایک دن ایک عورت حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا محمد میں آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں آپ نے بڑی حلیمی اور اخلاق سے فرمایا اے خاتون مجھے ضرورت نہیں ہے ہاں حاضرین میں سے جسے تو پسند کرے اور پھر وہ بھی راضی ہو تو تیرا نکاح اُس سے کر دوں گا۔ اُس خاتون عرب نے ایک صحابی کیطرف اشارہ کیا اُن صحابی نے بھی منظور کر لیا پھر آنحضرت نے فرمایا تیرے پاس مہر دینے کے لیے کوئی چیز ہے صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ نہیں پھر ارشادِ نبوی ہوا کہ اپنے مکان میں جاکے دیکھ شاید کوئی چیز ملجائے۔ ارشاد کی تعمیل صحابی نے فوراً کی اور واپس آکے نفی میں جواب دیا پھر آنحضرت نے فرمایا کہ کیا ایک لوہے کا چھلّا بھی نہیں ہے پھر جاکے دیکھ اور اگر لوہے کا چھلّا ملے اُسے ہی لے آ۔ وہ پھر گئے اور پھر خالی ہاتھ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک چھلّا بھی لوہے کا نہیں ہے پھر آپ نے ارشاد کیا تمھیں قرآن مجید کی کوئی سورت بھی یاد ہے جواب دیا سورتیں تو کئی یاد ہیں چنانچہ آنحضرت نے نکاح پڑھا دیا اور مہر میں قرآن مجید کی سورت باندھی اور فرمایا کہ تو ایک سورت قرآن مجید کی جسوقت اپنی زوجہ کو حفظ یاد کرا دیگا تو اُسی وقت مہر کے دین سے سبکدوش ہو جائیگا۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جہاں مہر قرآن مجید کی سورتوں کا باندھا جاتا ہو وہاں حفظ یاد کرنے اور صحیح یاد کرنیکا کسقدر رواج ہوگا۔ پھر میور صاحب تحریر کرتے ہیں ”اگرچہ نبی اُمّی تھے اور آپ لکھ پڑھ نہ سکتے تھے پھر بھی آپ علوم وفنون کیطرف حاسدانہ نظر نہ رکھتے تھے چند غریب مکی قیدی جو جنگ بدر میں گرفتار کیے گئے تھے صرف اسبات پر رہا کر دیئے گئے کہ وہ جاہل اہل مدینہ کی خاص تعداد کو لکھنا سکھائیں۔ اگرچہ اہل مدینہ مکیوں کی طرح تعلیم یافتہ نہ تھے پھر بھی اشاعت اسلام سے پہلے ایسے بہت سے لوگ تھے جو لکھنا جانتے تھے اس قابلیت کے ہونے سے یہ صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ سورتیں جو بلا تکان حفظ کر لی جاتی تھیں اسی طرح ضرور اُنھیں نہایت ہوشیاری سے لکھ بھی لیا جاتا تھا ہم یہ بھی جانتے ہیں جب کوئی گروہ داخل اسلام ہوتا تھا تو نبی اپنے پیروان سے فرماتے تھے کہ انھیں قرآن کی تعلیم کر دو اور اصول دینِ خدا سمجھا دو۔ ہمیں اکثر اوقات اِسکی بھی اطلاع دی ہے کہ وہ اپنے ساتھ تحریری ہدایتیں لے جاتے تھے اور اس سلسلہ سے اُنکے پاس وحیوں کے مشہور حصص کا ایک سرمایہ ہوجاتا تھا بالخصوص اُن وحیوں کا جن پر دستورات اسلام مبنی ہیں اور ایسی سورتیں ہمیشہ عام عبادت میں پڑھی جاتی تھیں“ یہاں میور کا قول ختم ہوگیا۔

اخیر نتیجہ جو اس تحریر کا نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ضرور مسلمانوں کے پاس قرآنی سورتیں لکھی ہوئی تھیں اور ہر شخص اپنے پاس لکھا ہوا قرآن مجید ضرور رکھتا تھا مگر یہ لکھی ہوئی سورتیں زیادہ تر وہی ہوتی تھیں جو نماز وغیرہ دستورات اسلام میں مستعمل ہوتی تھیں۔ یہی بہت بڑی غلط فہمی ہے جسکی نسبت ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ کسی روایت سے بھی نہیں معلوم ہوتا کہ خدا کی طرف سے یا آنحضرت نے کوئی حکم ایسا دیا ہو کہ فلاں

فلاں سورتیں مخصوص اس دستور کے لیئے ہیں۔کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی اِسکی مؤید نہیں ملتی۔عجیب بے معنی قیاس اور دھوکا دہ استدلال ہی۔اِس قسم کی ایک روایت موجود ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے سورۂ اخلاص پسند ہے اور مَیں چاہتا ہوں کہ ہر وقت کی نماز میں بلکہ نماز کی ہر رکعت میں یہی سورہ پڑھا کروں۔آپ نے ارشاد کیا تمھیں اختیار ہے اس میں کوئی خصوصیت نہیں ہے چاہے جونسی سورت پڑھو۔اِس صحیح حدیث سے صاف پایا جاتا ہے کہ خصوصیت مطلق نہیں تھی اور ہر شخص بآزادی قرآن کا ہر حصہ نماز میں پڑھ سکتا تھا۔اور بڑا تعجب تو یہ ہے کہ جب کتابت وحی کا سلسلہ موجود تھا جب وحی لکھنے اور لکھوانے کا بڑا اہتمام کیا جاتا تھا اُس وقت یہ خیال کہ نہ ترتیب درست ہی نہ اول سے اخیر تک یہ کلام خدا ہے بلکہ اس میں دوسروں کے الفاظ شریک ہوگئے ہیں کسقدر لغو اور بیہودہ ہے۔صحیح حدیث موجود ہے کہ زید ابن ثابت نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی نازل ہوتے ہی مجھے طلب کر لیا کرتے تھے اور ایک لحظہ کا بھی توقف نہ کرتے تھے۔سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ایسی کھلی کھلی شہادتیں موجود ہیں پھر بلاوجہ دخل دینا اور زبردستی کے معائب پیدا کرنا کتنی بُری بات ہے۔

غالبًا ہمارے بیان سے دو باتیں ثابت ہوئی ہونگی۔اول تو یہ کہ قرآن مجید کی تاریخی ترتیب غلط نہیں ہی دوسری یہ بات کہ موجودہ ترتیب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی ترتیب ہی اور جامع القرآن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یہ دوہی باتیں تھیں جن پر نہایت دریدہ دہنی سے حملہ کیا جاتا تھا۔اور اسی ایک غلط فہمی نے یکساں سب کو گھیر رکھا ہے۔ہمیں اُمید ہے کہ ہماری اس بحث کو سر ولیم میور یا آپکے ہمخیال لوگ دیکھیں گے تو انھیں بشرطیکہ اُنکی طبیعت میں انصاف ہو اپنی اغلاط کے صحت کرنے کا اچھا موقع ملیگا اور اُنھیں ظاہر ہوگا کہ اُنکے اعتراضات بے بنیاد اور بے ربط ہیں۔اِس کے بعد ہم عالمانہ طور پر اختلاف قرأت پر بحث کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے ✤

دوسرا باب

اختلاف قرأت

ہمارے دوست سر ولیم میور اور آپ کے چند ہم خیال لوگوں نے اختلاف قرارت پر بحث کی اور ہم مشکور ہیں کہ میور صاحب نے اس بحث میں کسی قدر انصاف سے کام لیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "دنیا میں اغلبًا یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ کوئی کتاب ایسی نہیں دکھائی دیتی جو بارہ سو برس سے یکساں بلا تغیر و تبدل چلی آئی ہو۔ اختلاف قرأت نہایت کم تعداد میں ہے اور وہ بھی حروف علت اور ممیزہ نشانیوں میں محدود سمجھنا چاہیئے لیکن یہ علامتیں بعد کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ ابتدائی نسخوں میں ان کا پتہ بھی نہیں ہے اور مشکل سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن عثمانی میں یہ علامتیں موجود ہوں"۔ ہم ابھی اس تحریر بالا پر بحث نہیں کرتے۔ قرارت کی اصلی حقیقت پر گفتگو کرتے ہیں اور اس پیچیدہ مسئلہ کو ایک حد تک صاف اور آسان کرنا چاہتے ہیں جن علما نے اختلاف قرأت کی دو قسمیں کی ہیں اُن کا یہ بیان ہے کہ قرارت دو قسم کی ہے ایک متواترہ دوسری شاذہ۔ متواترہ قرأتیں معلوم اور معین ہیں اور تواتر کی وجہ سے انمیں سہو و نسیان کا احتمال باقی نہیں۔ پس قرارت متواترہ کی بنائے اختلافات سہو و نسیان پر نہیں ہوئی بلکہ قرآن مجید کا نزول اُن قرارتوں پر ہوا ہے اور یہ قرارتیں متواتر صاحب وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں اور ان ہی اختلاف قرارت کی طرف اشارہ ہے حدیث میں آیا ہے انزل القرآن علی سبعۃ احرف روایت یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم نے ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان کو ایسی قرارت پر پڑھتے سنا جو اُنکی قرارت کے خلاف تھی۔ آپ خاموش نہ رہ سکے اور ہشام بن حکیم کو آنحضرت کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا یارسول اللہ یہ ہشام سورۂ فرقان اُن الفاظ کے برخلاف پڑھتا ہے جو آپنے مجھے سکھائے ہیں۔ آنحضرت نے دونوں سے سورت پڑھوائی اور ہر ایک قرارت سنکر فرمایا کہ "ھکذا انزلت ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ما تیسر منہ" یعنے دونوں کی قرارت کی نسبت فرمایا کہ اسی طرح پر یہ سورت نازل ہوئی یہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے پس ان میں سے جس طرح پڑھ سکو پڑھو۔ یہ حدیث صحیح بخاری میں مروی ہے۔ دوسری حدیث صحیح بخاری میں عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبریلؑ نے مجکو ایک حرف پر قرآن پڑھایا میں ہمیشہ اُن سے زیادہ چاہتا تھا وہ زیادہ کرتے تھے یہاں تک کہ سات حرف تک پہنچے۔ قرارت متواترہ کے علاوہ جو اور قرارتیں ہیں وہ بطور نقل اور منقول ہیں اسلیئے اُن کو احد یا شاذہ کہتے ہیں اور ان قرارتوں کو بالاتفاق قرآن کا حکم نہیں تسلیم کیا جاتا۔ اس لیئے کہ وہ قرارتیں بطور احاد منقول ہیں وما نقل احادا فلیس بقرآن۔

پھر علما نے یہ بحث کی ہے کہ اختلاف قرارت دو امور سے متعلق ہیں ایک جوہر کلمہ سے جس طرح بعض

قراءت مالک یوم الدین اور بعض میں مَلِكِ یوم الدین ہے دوسری ہیئت کلمہ سے یعنی حرکات - ادغام - اشمام - تفخیم - امالہ اور انکی اضداد اور یہ دونوں قسمیں قراءت متواترہ میں بتواتر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں - اگرچہ شیخ ابن حاجب نے قسم ثانی کی نسبت لکھا ہے کہ اُس کا تواتر واجب نہیں لیکن جلال الدین سیوطی - ابن جزری - زرکشی - قاضی ابوبکر - میرزا جان - اور مولٰنا بحر العلوم اور دیگر علماء اصول رحمۃ اللہ علیہم نے اس قول کو تسلیم نہیں کیا اس لیئے کہ جوہر کلمات کا تواتر مسلم ہے اور اسکی ہیئت لوازم سے ہے - پس جب جوہر کلمات متواتر ہوئے تو لازم ہے کہ اُسکے لوازم بھی متواتر ہوں -

علماء نے اس امر کی بھی خوب تشریح کی ہے کہ بناء رفع کمی وبیشی اور قراءت شاذہ کی کچھ کتابت صحیفۂ صدیقیہ اور صحف عثمانیہ پر نہ تھی بلکہ اُسکی بناء اس پر تھی کہ کافہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءت کے وہ خلاف تھیں اور اُن کا ثبوت بتواتر نہ تھا اس لیئے حکماً اُن کو رد کردیا گیا اور قراءت متواترہ کے موافق چند مصاحف لکھا کے اطراف ممالک میں بھیجدیئے تاکہ جو شبہہ کسی امر میں واقع ہو اُس سے مطابقت کرلیجائے اِسکے بعد کچھ بھی اختلاف نہ رہا صرف وہی قراءتیں باقی رہیں جن پر نزول قرآن ہوا تھا اور بتواتر حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی تھیں چنانچہ اب تک اسی طور پر قرآن مجید مصاحف میں لکھا جاتا ہے اور ان ہی قراءت متواترہ پر پڑھا جاتا ہے شیخ ابن حزم ظاہری رح نے کتاب الفصل فی الملل والنحل میں لکھا ہے " اما قولهم اننا مختلفون فی قراءة کتابنا فبعضنا یزاید حروفا وبعضنا یسقطها فلیس هذا اختلافا بل هو اتفاق منا صحیح لان تلک الحروف وتلک القراءة کلها مبلغ بنقل الکواف الی رسول اللہ صلعم فای تلک القراءت قرءنا فهی قرءة صحیحة وهی محصورة کلها منضبطة معلومة لا زیادة فیها ولا نقص انتهی " یعنی اہل کتاب کا یہ قول کہ ہم یعنی مسلمان اپنی کتاب کے پڑھنے میں اختلاف رکھتے ہیں کہ بعض کچھ حروف زیادہ کرتے ہیں اور بعض اُن حروف کو گرادیتے ہیں اصل میں یہ اختلاف نہیں بلکہ ہمارا سب کا اتفاق صحیح ہے اس لیئے کہ وہ حروف اور وہ قراءت بنقل متواتر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تک پونچی ہیں پس اُن قراءات میں سے ہم کوئی سی قراءت پڑہیں صحیح ہے اور وہ سب قراءات محصور ہیں اور ہمارے ضبط میں ہیں اور معلوم ہیں اس میں کچھ کمی وبیشی نہیں ہوسکتی پھر وہ اُن مصاحف کی نسبت جو امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے لکھوا کے اطراف عالم میں بھیجے تھے لکھتے ہیں " انما خشی عثمان رض ان یاتی فاسق یسعی فی کید الدین او ان یهم واهم من اهل الخیر فیبدل شیئا من المصحف فیفعل ذلك عمدا وهذا وهما فیکون اختلافا یؤدی الی الضلال فکتب مصاحف مجتمعا علیها وبعث الی کل افق مصحف لکی ان یهم واهم او یبدل مبدل رجع الی المصحف المجتمع علیه فانکشف الحق وبطل الکید والوهم ومن قال ابطل الاحرف الستة فقد کذب من قال ذلك بل الاحرف السبعة کلها موجودة عندنا وقائمة کما کانت مبثوثة فی القراءات المشهورة المأثورة " یعنی سوا اسکے نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کا خوف کیا کہ دین میں کوئی فاسق فریب ومکر کی کوشش کرے یا کوئی وہم کرنیوالا اہل خیر میں سے وہم کرے - پس فاسق تو عمداً اور اہل خیر وہم سے مصحف میں سے بدل دے اور اُسمیں ایسا اختلاف

پڑجائے کہ اُس سے گمراہی پیدا ہو اس لئے ایسے مصحف لکھے گئے جن پر سب کا اتفاق تھا اور ہر طرف ایک ایک مصحف بھیجدیا۔ اگر کوئی وہمی وہم کرے یا بدلنے والا بدلدے تو اس مصحف کی طرف جس پر سب کا اتفاق ہے رجوع کیا جائے پس حق ظاہر ہوجائے اور کید و وہم باطل ہوجائے جس شخص کا یہ بیان ہے کہ عثمان رضؓ نے چھ حرف کھودیئے وہ جھوٹا ہے وہ ساتوں حرف سب کے سب ہمارے پاس موجود و قائم ہیں اور قرارت مشہورہ میں جو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں مشتہر ہیں۔

اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مصاحف عثمانیہ میں سے قرارت متواترہ خارج نہیں کی گئی اور وہ قرارات ابتک موجود ہیں مثلاً اگر کسی نے مالک یوم الدین پڑھا اور کسی نے مَلِک یوم الدین پڑھا اس میں کچھ فرق نہیں دونوں قرارات پر قرآن پڑھا گیا مثلاً سورۂ یٰسین میں کسی نے مَا عملت ایدیھم پڑھا اور کسی نے ما عملتہ ایدیھِم پڑھا۔ یا مثلاً کسی نے سورۂ برارۃ کے اخیر تجری تحتھا الانھار پڑھا اور کسی نے تجری من تحتھا الانھار پڑھا تو دونوں نے قرآن ہی کے کلمات پڑھے اس لئے کہ دونوں طرح پر نزول قرآن ہوا ہے اور دونو قرارتیں بتواتر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں یہی وجہ ہے کہ بعض مصاحف عثمانیہ میں عملت اور تجری تحتھا الانھار بغیر ھا اور من کے آئے ہیں اور بعض میں عملتہ اور تجری تحتھا الانھار ہا اور من کے ساتھ لکھا گیا ہے صحابہ کرام نے ایسے کلمات کے لکھنے سے جن میں مختلف قرارات ہیں اس کا بہت لحاظ رکھا ہے اور اُن کو حتی الامکان اس انداز پر لکھا ہے کہ ہر ایک قرارت پر اُن کو پڑھ سکیں تاکہ یہ بات معلوم ہوجائے کہ یہ دونو قرارتیں صحیح ہیں اور یہ سعی جناب امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اللہ تعالیٰ کی نظر میں مشکور ہوئی اور تمام عالم میں اُن کی اس سعی کی بدولت جن جن قرارات پر قرآن نازل ہوا تھا اُنھیں قرارات پر بالیقین بلا احتمال کمی و بیشی کے کتابت قرآن شائع ہوئی اور پروردگار جلشانہ کا وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون" پورا ہوگیا۔ اب اس میں کسی واہم یا کسی مبدل کو کچھ گنجایش کسی وہم اور تبدیل کی نہ رہی۔ اور انھیں مصاحف کی کروڑوں نقلیں بہت احتیاط کے ساتھ تمام عالم میں کی گئیں اور مشہور ہوئیں اور اُن میں کسی طرح کے اختلاف کی گنجایش نہ رہی۔

عہد حیات حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید جن جن قرارات پر نازل ہوا تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت تک متواتر ہزاروں آدمیوں کو یاد تھا اور اُسکے ہزاروں نسخے موجود تھے جیسا کہ شیخ ابن حزم ظاہری اندلسی لکھتے ہیں " ان عثمان رض لم یل الا وجزیرۃ العرب کلھا مملوۃ بالمسلمین والمصاحف والمساجد والقراءات والقراء یعلمون الصبیان والنساء وکل من ھب ودب والیمن کلھا وھی ایام فی ایا مدان والقرای والبحرین کذلک وھی بلاد واسعۃ مدان وقری ومکۃ والطائف والمدینۃ والشام کلھا کذلک والجزیرۃ کلھا والمصر کلھا کذلک والکوفۃ والبصرۃ کذلک وفی کل ھذہ البلاد والقری من المصاحب مالا یحصے عددہ الا اللہ تعالیٰ"۔ یعنی جسوقت خلافت حضرت عثمان کو پہنچی تھی اُس وقت کل جزیرہ عرب مسلمانوں۔ مصاحف۔ مساجد اور قرارات سے معمور تھا۔ یمن کا بھی یہی حال تھا۔ بحرین بھی ایسا ہی تھا۔ مکہ معظمہ طائف۔ مدینہ اور شام کی بھی یہی کیفیت تھی۔ مصر۔ کوفہ۔ اور بصرہ میں اس کثرت سے قرآن مجید تھے کہ سردست

اُنکی تعداد کا اندازہ کرنا محالات سے ہے - چونکہ اہل شام وعراق میں کوئی کوئی شخص قرآن کو قراءات شاذہ پر پڑھتا تھا اور اس خیال سے کہ شاید کسی مصحف میں کسی نے کوئی کلمہ اپنے وہم وگمان سے زیادہ لکھ لیا ہو یا کسی کلمہ کی فروگزاشت ہوگئی ہو - حضرت عثمان رض نے باجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور مطابقت مصحف مرتبۂ عہد صدیق اکبر اور اُس زمانے کے دیگر مصاحف صحیحہ موجودہ سے ایک ایک نسخہ لکھوا کے اطراف میں بھیجدیا تھا اور جو کچھ ماسوا قرآن کے کسی نے لکھدیا تھا یا قراءۃ شاذہ لکھی تھی اُسے خارج کرادیا اور اسکے بعد کسی مصحف میں غیر قرآن کا کوئی کلمہ باقی رہا نہ کوئی قراءۃ شاذہ باقی رہی بلکہ جسقدر کلمات منزل من اللہ مع قراءات منزلہ متواترہ کے تھے سب قائم اور باقی رکھے گئے -

ہمارے علماء کا اس پر بھی صاد ہے کہ قرآن مجید کی آئینیں نزولِ قرآن ہی سے متواتر ہوجاتی تھیں اور جن جن قراءتوں پر نزول ہوتا تھا اُنھیں زمانۂ حیٰوۃ حضرت رسالتمآب ہی میں متواتر سمجھنا چاہیئے - حضرت صدیق رض کے زمانۂ خلافت میں قرآن مجید کی بہت شہرت ہوئی یعنی جسقدر اسلام بلاد دور دست میں پھیلتا گیا اُسی قدر قرآن مجید کی تعلیم وتعلم حضرت صدیق اکبر ہی کے مرتبہ قرآن کے دیکھنے پر منحصر نہ تھی کیونکہ بہت سے صحابۂ کرام اور اُنکے تابعین حافظ قرآن مجید موجود تھے اور اپنے حفظ کی رو سے تعلیم فرماتے تھے اُس زمانہ میں بھی قرآن مجید کی یہی کیفیت تھی جو آج ہے صرف حفاظ کی یاد پر ہزاروں نسخے لکھ لیئے گئے - اور اُن میں باہم ایک لفظ کا فرق بھی ثابت نہوا - اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کا مرتبہ قرآن مجید یا وہ قرآن مجید جو خود آنحضرت ترتیب دے کے چھوڑ گئے تھے اور اُسکی اشاعت حضرت صدیق اکبر نے کی حفاظ کے مکتوبی قرآن سے یکسان اور مشابہ تھا - اور اس قرآن میں اور اُن قرآنوں میں جو صحابۂ کرام نے اپنی یادداشت سے لکھ لیئے تھے سرمو تفاوت اور فرق نہیں نکلا -

جب حضرت ابوبکر صدیق نے وفات پائی اور امیر المؤمنین عمر بن الخطاب خلیفہ ہوئے اور ممالک بعضا بڑے کا ایک بہت بڑا حصہ ممالک محروسہ اسلامیہ میں آیا تو قرآن مجید کی اشاعت نے اور بھی زور پکڑا اور اُسکی نورانی شعاعوں کا عکس پھیلنا شروع ہوا - اُدھر حفاظ کی بھی کثرت ہوئی - ان مصاحف میں بجز قراءات متواترہ کے اور کوئی اختلاف نہ تھا -

جب امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اسلام کی اشاعت نہ صرف بلاد عجم اور عرب میں پھیلی بلکہ افریقہ تک پونہچی جسکی تفصیل ہم ابھی کتاب الفصل مؤلفہ شیخ ابن حزم اندلسی سے نقل کر چکے ہیں - ان کل بلاد مفتوحہ میں بچے - جوان - بوڑھے - عورتیں - لڑکیاں - برابر قرآن پڑھا کرتی تھیں اور قرآن کی تعلیم کی اشاعت بہت کثرت سے جاری ہوگئی تھی - ان ہی قراءات متواترہ پر قرآن پڑھا جاتا تھا اور ان ہی قراءتوں پر تعلیم ہوتی تھی - ہاں بعض بلاد عراق عجم میں کسی کسی کو حذیفہ بن یمان نے قراءت شاذہ پر جو بتواتر حضرت رسالت مآب سے منقول نہ تھیں پڑھتے دیکھا اور اپنے حفظ ویاد سے قراءات شاذہ کے خلاف پایا - اُنھوں نے فوراً اسکی اتنی جلدی اصلاح کرادی کہ اُن قراءات شاذہ کی زیادہ شہرت نہ ہونے پائی -

ہماری رائے یہ ہے اور ہمنے بطور خود جہانتک تحقیق کیا ہے وہ یہ ہے کہ اختلاف قرارت کو غلطی کہنا سمجھ کی غلطی ہے۔ کیونکہ قرآن تو قرآن اختلاف قرارت خود اصل لغات عرب میں موجود ہے مثلاً لفظ کبد تین طرح سے پڑھا جاتا ہے اور ابل اور کتف دو طرح سے اور بجائے لعلّ۔ عل بھی بولتے ہیں اور لدن کو کئی طرح سے بولتے ہیں لَدُنْ لَدْنِ لُدْنِ لَدُ لُدُ لُدُ لَدُ ساتھ ہی اُسکے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اختلاف قرارات کچھ عربی ہی پر موقوف نہیں ہے اپنے اپنے طرز و قاعدے سے ہر زبان میں موجود ہے مثلاً فارسی میں اُب اور اُو۔ اشکم اور شکم ہندی میں جوک۔ ویوک۔ ملش اور ملکہ موجود ہے۔

اصل یہ ہے کہ اختلاف قرارات کی دو قسمیں کرنی بہت سخت غلطی ہے بلکہ عربی زبان میں اختلاف قرارت کی سات صورتیں ہیں۔ اولاً تغیر کلمہ کا یعنی اختلاف قرارت صرف حرکات و اعراب میں ہو بغیر اسکے کہ معنی اور صورتِ مکتوبی میں کوئی تغیر ہو مثلاً حج بالفتح اور بالکسر دونو طرح سے آتا ہے۔ ثانیاً اعراب کے تغیر سے مفہوم میں تغیر ہوجائے مگر صورت مکتوبی اور متکلم کا حاصل مطلب متغیر نہو مثلاً کلماتٌ بالنصبُ الرفع۔ آیہ فتلقی اٰدمَ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمٰتٍ" میں اور اذ تلقو نہ ثالثاً کلمہ کے حروف میں تغیر ہو اور اُس سے معنی اور مفہوم میں بھی تغیر ہوجائے مگر متکلم کا حاصل مطلب اور مکتوبی صورت متغیر نہو مثلاً بعض یعلمون اور تعلمون اور کیف ننشزھا بالزار المعجمۃ و بالرار المہملۃ۔ رابعاً کلمہ کی صورت میں تغیر ہو مگر معنی میں نہ ہو مثلاً الصراط اور السراط اور وان کانت الا صیحۃ والا زقیۃ خامساً صورت اور معنی دونوں میں تغیر ہو مگر متکلم کا حاصل مطلب متغیر نہو مثلاً فامضوا۔ فاسعوا۔ واذا مشو۔ واذا مروا سادساً کلمہ کی تقدیم و تاخیر کی وجہ سے تغیر ہو مگر معنی اور مطلب متغیر نہو مثلاً وجاءت سکرۃ الموت بالحق اور وجاءت سکرۃ الحق بالموت سابعاً حروف کی زیادتی و کمی سے تغیر ہو مگر معنی و مطلب متغیر نہو مثلاً مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اور مَلِكِ يَوْمِ الدِّين و انجینا و نجینا اور بعل اور باعل اور وصی اور اوصی اور وما عملت ایدیھم اور وما عملتہ ایدیھم کیونکہ ضمیر مفعولی کو خواہ لکھو یا نہ لکھو بہرحال مراد ہے یہ سب صورتیں اختلاف قرارت کی ہیں۔ انھیں تحریف کہنا سخت غلطی ہے۔ کیونکہ جب تک لفظ کے تغیر سے متکلم کے مقصد میں فرق نہ پڑے قرارت ہی کا اختلاف کہلائیگا۔ ہاں اگر اس اختلاف لفظ سے متکلم کے مقصود میں خلل ہو تو وہ بے شک تحریف اور غلطی ہے۔

اب میں ایک خاص امر کی طرف ناظر کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں پہلے میں ایک حدیث نقل کرآیا ہوں وہ حدیث یہ ہے" ان القراٰن انزل سبعۃ احرف کلھا شاف کاف" اس سے عام طور پر یہ مراد لیجاتی ہے۔ کہ قرآن سات قرارتوں پر نازل ہوا مگر میری یہ رائے نہیں ہے میں اسکے بالکل خلاف ہوں۔ یہ حدیث حضرت عثمان ابن عفان سے روایت ہوئی ہے پہلے اسکے کہ ہم اسکی صحت و غیر صحت میں کچھ کلام کریں یہ بتا دینا ضرور ہے کہ علمائ میں اس حدیث کے معنے میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر اتقان میں کل اختلافات پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سبعۃ احرف سے قرارات سبعہ مراد لینا جہل قبیح ہے۔ یہ مسلم ہے اور بالکل صحیح ہے کہ اختلاف قرارات قرآن کے لیئے کوئی عیب یا تحریف کا موجب ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس لیئے اس حدیث کو اپنی

تائید میں پیش کرنا کہ نزولِ قرآن ہی سات قرارتوں پر ہوا ہے سراسر غلطی ہے اصل یہ ہے کہ قرار سبعہ کا اختلاف قرارت کسی کسی لفظ میں روایت احاد ہیں اور قرآن کو مسلمان تواتر سے مانتے ہیں۔ اس قرارۃ موجودہ اجماعی و متواتر کی قرارت کے مقابلہ میں روایات احاد کا کچھ اعتبار نہیں۔ فرض کرو کہ اگر کسی مسلمان سے یہ کہا جائے کہ تو اپنی قرآنی قرارت کو حمزہ یا نافع یا کسائی کی قرارت کے موافق بنالے آیا وہ اُسے منظور کرتا ہے یا نہیں۔ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ وہ ہرگز منظور نہ کریگا۔ آجتک جسے تیرہ سو برس ہوئے کسی نے اس قرآن کے خلاف دوسرا قرآن نہیں دیکھا قیاس دوڑانا اور بات ہے اور واقعات پر بحث کرنا شئی دیگر ہے۔ مثلاً سر ولیم میور نے قیاساً یہ لکھا ہے کہ عثمانی قرآن میں یہ اعراب نہونگے جو اسوقت کے قرآنوں میں پائے جاتے ہیں۔ اس قیاس سے کسی صریح واقعہ کی صحت یا عدمِ صحت پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ قیاس کو بہت بڑی گنجایش ہے اور ہر شخص مختار ہے چاہے جو کچھ قیاس کرے مگر ہر شخص کے قیاس کرنیسے یہ لازم نہیں آسکتا کہ دوسرا شخص اُسے ایک دلیل قطعی سمجھ کر مان لے۔ مثلاً بعض علمار بعض قرارتوں کے تواتر کے قائل ہیں جیسا کہ ہم ابھی اُوپر بیان کر آئے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اُنکے قول کو خواہ مخواہ تسلیم کرلیں اور بغیر اسکے ہمیں چارہ ہی نہ ہو۔ خبر احاد سے کسی واقعہ کی صحت وغیر صحت کا قطعی ثبوت ہونا ذرا مشکل ہے۔ ہماری رائے میں اگر قرارت متواترہ سے کوئی مطلب نکل سکتا ہے تو یہ ہے کہ یہ قرارتیں قاریوں سے ہم تک بتواتر پہنچی ہیں اور یہ دعویٰ کرنا مشکل ہے کہ ہر قاری کو چند وسائط کے بعد ایک صحابی کی قرارت پہنچی ہے۔ مثلاً ابن عامر شامی قاری ایک واسطہ کے بعد حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا شاگرد ہے یعنی اُس نے مغیرہ سے پڑھا اور مغیرہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور ابن کثیر مجاہد کے واسطے سے ابن عباس کا شاگرد ہے اور عاصم عبدالرحمن السلمی کے واسطے سے جناب امیر المؤمنین علی بن ابیطالب کا اور پھر زر کیواسطے سے عبدالرحمن بن مسعود کا شاگرد ہے وقس علی ہذا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے چونکہ ہر صحابی اور اُسکے وسائط شخص واحد ہیں۔ اس واسطے ہر ایک قرارت کا مبدا روا حد ہے اور اُنکی روایات روایات احاد کے قبیل سے ہوئیں۔ ہاں اگر ہر قاری کی روایات متعدد صحابہ تک پہنچ جاتیں یا یہ ساتوں قاری ہر لفظ کی قرارت میں متفق ہوتے گو قرآن کے خلاف سہی پھر بھی انکی قرارات متواترہ کے قریب پہنچ جاتیں۔ کچھ ہم ہی انوکھے تواتر قرارات کے قائل نہیں ہیں بلکہ جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر اتقان میں قرارتوں کے متواتر ہونے سے صاف انکار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ علامۂ زرکشی نے بھی برہان میں قرارتوں کے تواتر کو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اور اگر بر سبیل تنزل یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ قرار سبعہ کی قرارتیں کتابوں میں موجود ہیں بلکہ کئی قرآن قرارات سبعہ پر طبع ہوگئے ہیں پھر بھی اگر کسی کو کسی آیت کے معنی میں شک ہو تو وہ ان قرارتوں کو اپنے اپنے مقام پر چسپاں کرکے دیکھ سکتا ہے اور جملہ کے معنے کو سمجھ سکتا ہے۔ یہ حفاظت اور احتیاط ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے اتنی حفاظت اور احتیاط حق تو یہ ہے کہ کسی کتاب کی بھی نہیں کی گئی۔

وہ حدیث جو ہم اُوپر دوبار لکھ آئے ہیں جس کا یہ مضمون ہے کہ قرآن سات اَحرُف پر نازل ہوا اور عام علمار اِس سے قرارات سبعہ مراد لیتے ہیں۔ علمار میں اپنے معنی کے لحاظ سے مختلف ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس حدیث پر شرح وبسط سے بحث کریں۔

سیوطی اپنی اتقان میں اس حدیث کے یہ معنی لکھتا ہے اخرجه الحاکم والبیهقی عن ابن مسعود عن النبی صلی الله علیه وسلم قال کان الکتاب الاول ینزل من باب واحد علی حرف واحد ونزل القرآن من سبعة ابواب علی سبعة احرف زجر۔ وامر۔ وحلال۔ وحرام۔ ومحکم۔ ومتشابه۔ وامثال۔ اس حدیث سے یہ صاف معلوم ہو گیا کہ سبعہ احرف سے مراد سات باب ہیں اور یہ سمجھ میں بھی آتا ہے۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ خداوند تعالیٰ قرآن کو سات قراءتوں پر نازل کرتا اور اس میں کتاب کی کچھ شان پیدا ہوتی۔ ایک ہی قرارت پر نازل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ خفیف سا اختلاف بھی کبھی پیدا نہ ہو۔ یہی بہت بڑی حکمت باری تعالیٰ ہے۔ پھر ابو قلابہ نے جناب رسالت مآب سے روایت کی ہے ؏ انه قال نزل القرآن علی سبعة احرف۔ امر۔ وزجر۔ وترغیب وترهیب۔ وجدال۔ وقصص۔ ومثل۔ اور اسی طرح حضرت علی ابن ابیطالب سے منقول ہے کہ قرآن سات اقسام پر نازل ہوا ہے اور ہر ایک کافی وشافی ہے درحقیقت حرف کے معنے قرارت کے نہیں ہیں بلکہ حرف کے معنے طرف یا وجہ کے ہیں چنانچہ خود قرآن مجید میں حرف کے معنی وجہ کے آئے ہیں۔ ومن یعبد الله علی حرف واحد" ای علی وجه واحد جب حرف کے معنے وجہ کے ثابت ہو گئے تو ہمیں حدیث عبد اللہ بن مسعود اور ابو قلابہ اور حضرت علی کے قبول کرنے میں کچھ عذر نہیں ہو سکتا۔

ہم ابھی اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اختلاف قرارت کی سات صورتیں ہیں اور تاوقتیکہ تغیر لفظی سے خواہ کسی قسم کی مراد ہو متکلم کی مراد میں خلل نہ آوے وہ ضرور اختلاف قرارت ہے مثلاً اس آیت میں اعلم ان الله علی کل شئ قدیر اس میں جو لفظ اعلم ہے اور جو صیغہ مضارع متکلم ہے۔ اختلاف قرارت ہے کیونکہ حمزہ قاری رح نے امر کا صیغہ یعنی اعلم بسکون میم پڑھا ہے اور جبکہ بصورت امر ہونیکے قال کے فاعل میں جو اعلم سے پہلے ہے بادی النظر میں اشتباہ ہوتا ہے کہ اعلم کا قائل کون ہے یعنے آیا عزیر صاحب قصہ فاعل ہے یا اللہ تعالیٰ فاعل ہے۔ اسی لئے جلال الدین سیوطی نے اس فاعل کی تشریح کر دی ہے اور لکھا ہے کہ اعلم صیغہ امر ہے اور اس عزیر کیواسطے جس کا ذکر اوپر آیا ہے اللہ کی طرف سے ہے۔ پس اس عبارت یعنی اعلم امر من الله له کو ناسمجھی سے دوسری قرارت سمجھنا سخت غلطی اور کم لیاقتی ہے۔ تفسیر کی عبارت کا ایک ٹکڑا لیکے قرآن کے ساتھ چسپاں کر لینا عجیب بیہودہ دلیری اور دھوکا دہی ہے۔ عیسائیوں نے صدہا اعتراضات اختلاف قرارات کا سہارا پاکے قرآن مجید پر کئے ہیں جن میں سے ایک یہ اعتراض ہے آل عمران کے پانچویں رکوع میں جو یہ آیا ہے فیکون طیرا۔ اور بعض قرآنوں میں طائرا کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔ معترض کہہ سکتا ہے بلکہ اس کا بڑا دعویٰ ہے کہ خدا معلوم ان دونوں میں صحیح لفظ کونسا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ لفظ طیراً صحیح ہے اور خود جناب رسالت مآب نے طیرا ہی بولا ہے کیونکہ یہی قریش کا محاورہ ہے اور قرآن قریش کے خاص محاورہ پر نازل ہوا ہے اس لئے لازم ہے کہ لفظ طیراً ہو اور مقامات پر بھی قرآن مجید میں پرندے کے لئے طیرا ہی کا لفظ مستعمل ہوا ہے مگر لفظ طائر پرندے کے معنے میں نہیں بلکہ بمعنے افسوں اور فال بد کے مستعمل ہوا ہے سورۂ مائدہ میں دو جگہ اور سورۂ یوسف میں ایک جگہ ان ہی معنی میں آیا ہے اور اگر فرض کر لیں کہ کسی قاری نے طائر پڑھا تو اُسکی روایت قرآن کے مقابلہ میں

ہم کیونکر معتبر سمجھ سکتے ہیں۔ لو فرضنا ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ نہیں طآئر کی قرارت صحیح ہے تو بھی ہمیں اس کہنے کی گنجایش باقی رہتی ہے کہ طیر بھی بمعنے طائر مستعمل ہوتا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ محض تلفظ کا اختلاف ہے اور تلفظ کے اختلاف سے معنی میں کچھ تغیر نہیں ہو سکتا۔

ہماری اس بحث سے جو ہمنے اختلاف قرارات کی کی ہے اصل حالت معلوم ہوگئی ہوگی اور سمجھ میں آگیا ہوگا کہ اختلاف قرارات کوئی چیز نہیں ہے صرف بعض مقامات پر کسی قاری کی وجہ سے کوئی فرق آگیا تو اس سے تواتر قرآن میں فرق نہیں پڑ سکتا۔ ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ جو کچھ لکھنا چاہیے تھا ہم اس باب میں لکھ چکے اور ہماری یہ تحریر ایک حد تک اختلاف قرارت کے پیچیدہ مسئلہ کو سمجھنے کے لیئے کافی ہوگی۔

تیسرا باب

پادری سیل صاحب اور بعض یوروپی مصنف

پادری سیل صاحب جنھوں نے قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے بظاہر ایک عربی داں شخص معلوم ہوتے ہیں اور اُنکے حواشی سے جو اُنھوں نے ترجمۂ قرآن پر دیئے ہیں بخوبی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ کیا تو وہ خود عربی پڑھے ہوئے ہیں یا اُنھوں نے کسی عربی داں سے مدد لی ہے مگر بدقسمتی سے سوائے چند تفاسیر رسمیہ کے اُنھیں قرآن کے متعلق اور کتابیں دیکھنے کا موقع نہیں ملا اُنھوں نے اُن حدیثوں کی کچھ تحقیق و تنقید نہیں کی جو اپنے ثبوت میں جا بجا نقل کی ہیں۔ ایک ایسا شخص جس نے نہ متعدد تفسیریں دیکھی ہوں نہ علما کے اختلافی مسائل کو چھانا اور غور کرنے کے بعد ایک نتیجہ نکالا ہو اور نہ حدیثوں کے صحیح اور غیر صحیح ہونیکی تحقیق کی ہو وہ آسانی سے پادری صاحب کے دھوکے میں آجائیگا اور یہ سمجھے گا کہ پادری صاحب نے تمام اسلامی روایات اور تفاسیر سے اپنے مطالب اخذ کر کے استدلال کیا ہے ضرور اُنکی ساری باتیں صحیح ہونگی۔ اور ایسی باتوں کے مان لینے میں کچھ بھی پس و پیش نہیں کرنا چاہیئے۔ مگر نہیں ایک محقق شخص پادری صاحب کے اس بے سرو پا استدلال کی کوئی وقعت نہ کریگا اور اختلاف روایات اور اقوال پر نظر ڈالکر وہ یہ نتیجہ نکالیگا کہ اگر پادری صاحب نے نیک نیتی سے لکھا ہے تو وہ محض جاہل ہیں اور اگر اُنھوں نے عمداً غلط روایات سے استدلال کیا ہے تو گویا مخلوق خدا کو اُنھوں نے دھوکے میں ڈالا اور ایسا قبیح امر ایک عالم کی شان سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو سخت بعید ہے۔ بہرحال ہم پہلے پادری سیل صاحب ہی کی خدمت کرتے ہیں اور اُن کے استخراج اور استدلال پر غور کرتے ہیں کہ کہانتک صحیح بنیاد پر ہیں اور اُن کی تحریر قرآن کے اصلی مطالب کو کہاں تک بگاڑ رہا ہے۔

شروع ہی میں وہ لفظ قرآن سے بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "قرآن لفظ فعل قرأ سے مشتق ہے جسکے معنے پڑھنے کے ہیں۔ مسلمان پوری جلد کو بھی جس میں تیس پارے ہوں قرآن کہتے ہیں اور ایک حصہ کو بھی قرآن ہی کہتے ہیں خواہ وہ ایک پارہ ہو یا ایک سورت ہو یا ایک آیت ہو کہلائیگی قرآن ہی۔ اسی طرح یہودی بھی اپنی پوری الہامی کتاب کا نام قرا یا مقرا کہتے ہیں۔ دونوں الفاظ یا دونوں ناموں کا مادہ ایک ہی ہے۔ علماء عرب نے اپنی الہامی کتاب کا نام قرآن اسی لیئے رکھا ہے کہ وہ پراگندہ ٹکڑوں سے اکٹھا کیا گیا ہے" پادری صاحب نے اپنی اس تحریر سے بڑا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ مسلمانوں نے یہودیوں کی دیکھا دیکھی اپنی کتاب کا نام بھی وہ ہی رکھ لیا جو یہودیوں نے تجویز کیا تھا۔ یہ بات زیادہ غور طلب ہے حالانکہ آگے وہ یہ تحریر کرتے ہیں کہ قرآن کا نام خدا کا رکھا ہوا مسلمان سمجھتے ہیں مگر انہیں یقین نہیں آتا کہ یہ بات صحیح ہو۔ بہرحال ہمیں اس سے کچھ بحث نہیں قرآن ہی اس پاک کتاب کا نام نہیں ہے بلکہ اسکے متعدد نام ہیں جنھیں امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں لکھا ہے جو آگے ہم درج کرینگے فرقان اور مصحف یہ دونوں نام اور بھی پادری صاحب نے لکھدیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں نام بھی یہودیوں ہی سے لیئے گئے ہیں مسلمانوں کے مذہب میں سب جانتے ہیں کہ اس کتاب کو منزل من اللہ کہتے ہیں اور اُس کا ایک ایک لفظ خدا ہی کیطرف سے سمجھتے ہیں یہ تو اُن کا اپنا عقیدہ ہے مگر مخالف اسے تسلیم نہیں کرتا اُسکا خیال ہے کہ یہ کتاب جو مسلمان پیش کرتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے اور ہر قسم کی ترتیب اور اس کتاب کا نظام انسانی ہے۔ اسی لیئے یہ نام جو انھوں نے اپنی کتاب کا مقرر کیا ہے خود انھیں کا ایجاد کیا ہوا نہیں بلکہ یہودیوں سے لیا ہوا ہے۔ ہم پادری سیل صاحب کی اس تحقیق کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہودی اپنی کتاب کو قرا یا مقرا کہتے ہیں اور اُن ہی کی دیکھا دیکھی مسلمان بھی اپنی کتاب کو قرآن کہنے لگے۔ پادری صاحب نے یہ اور بھی سخت غلطی کی ہے کہ علماء عرب نے اس کتاب اسلامی کا نام قرآن مجید رکھ لیا۔ دراصل اس کتاب پاک کا ایک نام مقرر کرنا سخت غلطی ہے۔ اس کے بہت نام ہیں اور ہر ایک نام سے کل کتاب کی صفت پائی جاتی ہے۔ قرآن کے لفظ کا مشہور ہونا صرف اسوجہ سے ہوا کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ اقرأ نازل ہوئی تھی جس کے معنی پڑھ امر کے ہیں اسی لحاظ سے اسکی شہرت لفظ قرآن سے زیادہ ہوگئی۔ خود خداوند تعالیٰ نے اپنی پاک کتاب کے لیئے کوئی نام خاص تجویز نہیں کیا۔ کلام خدا اور کلام الٰہی کہنے سے بھی ہم وہی مطلب سمجھ سکتے ہیں جو قرآن کہنے سے۔ اب صرف یہ بحث رہی کہ آیا یہ نام یہودیوں سے لیا ہے یا سورۂ اقرأ کی نسبت سے رکھ لیا گیا ہے۔ اس صورت میں توارد ہونا ممکن تھا مگر ہم کہتے ہیں کہ جب لفظ قرآن کتاب اللہ کیساتھ استعمال ہونے لگا تو یہودی بھی اپنی کتاب کو قرار یا مقرا کہنے لگے۔ اس سے انکار کرنیکی ہمارے پاس کوئی شہادت موجود نہیں ہے۔ کوئی کتاب یہودیوں کی ایسی پیش نہیں کیجا سکتی جو اشاعت اسلام سے پہلے کی لکھی ہوئی ہو اور اُس میں قرار یا مقرار بطور اسم کتاب کے استعمال ہوا ہو۔ چونکہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتاب میں تحریف بے انتہا ہوگئی ہے اور ایسی صریح تحریف ہوئی ہے جس سے کوئی بھی معقول طور پر انکار نہیں کر سکتا اس صورت میں اگر انھوں نے اپنی کتاب کا نام قرار رکھ لیا یا اُسے مقرار کہکے پکارنے لگے تو کونسی بڑی بات ہے۔ عبرانی میں قرار کے معنے پڑھنے کے ہونا اور پھر اُس لفظ کا عربی میں مستعمل ہونا یہ معنی ہرگز نہیں رکھتا کہ مسلمانوں نے یہ نام یہودیوں سے

سے لیا ہم مسلمانوں کو ایسا عاجز ہرگز نہیں سمجھتے کہ اُنھیں کوئی نیا نام نہ مل سکا ہوا اور اُنھوں نے مجبور ہو کے یہودیوں کے اختراعی نام پر تکیہ کیا ہو- اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ قرآن کا لفظ یہودیوں سے لیا گیا ہے تب بھی کوئی قباحت نہیں ہوسکتی- توریت اور قرآن کی مصنف ایک ہی ذات پاک ہو جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں اُسکی کل کتابوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے اگرچہ بعض خودغرض طبائع نے اُسکی پہلی کتاب کو بدل دیا اور اُس میں اپنی طرف سے نئے نئے فقرے چسپاں کر دیئے بااین ہمہ یہ دیکھنے کے قابل ہے کہ پادری سیل صاحب کوئی دلیل اپنے دعوے کے ثبوت میں نہ دیسکے- عبرانی اور عربی کے اس ایک لفظ میں ہم مادہ ہونے سے اُنھیں یہ وہم لاحق ہوا اور اُنھوں نے مسلمانوں کی پاک کتاب پر یہ الزام لگا دیا-

دوسری بات غور کرنے کے قابل یہ ہے کہ مسلمان اپنی پاک کتاب کے ایک چھوٹے سے چھوٹے حصہ کو بھی قرآن ہی کہتے ہیں حالانکہ یہود اپنی کتاب کے کسی جزو کو قرا یا مقرا سے تعبیر نہیں کرتے- یہ بھی اہل بصیرت کے لئے بہت بڑا فرق ہے اگر یہ فرق کم بین نظر میں معمولی سے بھی زیادہ معمولی معلوم ہوگا مگر ایک محقق شخص اِس سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جب ایک اسم کا اطلاق ایک محدود چیز پر ہوسکتا ہے اور جب وہ محدود چیز پارہ پارہ ہوجائے تو وہ اسم ہرگز اُسکے ساتھ چسپاں نہو گا- مثلاً مکان اُن مختلف اجزا کے مجموعہ کو کہتے ہیں جو پہلے علیحدہ علیحدہ تھے اور اُن کے نام بھی جُدا جُدا تھے اور جب وہ اشیا پھر پراگندہ کر دی جائینگی لفظ مکان اُن سے اُڑ جائیگا اور اُنھیں الگ الگ ناموں سے پُکارا جائیگا- دنیا کی ہر ایک چیز میں اور انسان کے ہر رکھے ہوئے نام میں یہی خاصیت پائی جاتی ہے برخلاف خدا کے رکھے ہوئے ناموں کے کہ یہ جیسے مجموعی حالت میں بولے جاتے ہیں اسی طرح انفرادی صورت میں بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے- اِسکی مثال ہم قرآن مجید ہی کی دیتے ہیں- اگر دو لفظ بھی اسکے پڑھے جاوینگے تو قرآن بولا جائے گا- پوری کتاب ہوگی تو قرآن ہی تصور ہوگا- بس خدا کے اور انسان کے رکھے ہوئے ناموں میں یہ فرق ہے جو ہمنے بیان کیا-

اب ہم لفظ فرقان سے بحث کرتے ہیں جو ہماری پاک کتاب کا دوسرا نام ہو اسے بھی پادری سیل صاحب نے یہودیوں سے لیا ہوا بتایا ہے- یہ بھی محض غلط اور دھوکا دہی ہے- فرقان کا لفظ خاص قرآن مجید ہی کے لئے زیبا ہے دوسری کتاب کے لئے ہرگز اس کا استعمال ممکن نہیں- فرقان کا لفظ جو فرق سے ہے جسکے معنے جدا کرنے یا امتیاز کے ہیں یہودیوں نے کونسی کتاب کے مقابل رکھ کے اپنی کتاب کو یہ لقب خاص عطا کیا اگر ایسا نہیں ہے اور درحقیقت نہیں ہی تو اُن کا یہ نام رکھ لینا محض مہمل ہے- اِس سے صاف پایا جاتا ہے کہ یہودیوں نے مسلمانوں کی دیکھا دیکھی اپنی کتاب کو لفظ فرقان سے شرف بخشا- قرآن کے لئے یہ نام اِس وجہ سے موزوں ہوسکتا ہے کہ اس کے مقابلہ میں تورات وانا جیل موجود تھیں اُن کتابوں میں اور قرآن میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے خدا نے لفظ فرقان سے اپنی پاک کتاب کو ملقب کیا- یہ ایسی صریح بات ہو جسکے لئے دلیل کی ضرورت نہیں اور جس دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت نہو اُس کا مسلم ہونا لازمی ہے- اور پھر اُس میں ذرا بھی چون و چرا کی گنجایش نہیں رہتی-

پادری صاحب کی یہ بہت بڑی دور اندیشی تھی کہ اُنھوں نے قرآن مجید کے باقی ناموں کو اُڑا دیا ورنہ

اُنھیں اس امر کے ثابت کرنے میں وقت پیش آئی کہ یہ نام بھی یہودیوں کے رکھے ہوئے ہیں۔ ہاں ایک لفظ مصحف کی بابت بھی وہ اشارہ کرتے ہیں مگر اُسکی نسبت اُن کا یہ بیان ہے کہ یہ لفظ یونانیوں سے لیا گیا ہے۔ یونانی انجیل وغیرہ کو مصحف کہتے تھے جسکے معنے کتاب ہیں۔ مگر کوئی سند پادری صاحب نے یہاں نہیں پیش کی اپنے رو میں لکھتے چلے گئے اسی اللکرا کی نسبت رائے دی ہے کہ یہ لفظ بھی یونانیوں سے لیا گیا ہے۔ با ایں ہمہ بغیر کسی ثبوت کے آپ کو خاموش ہونا پڑا۔ ہم پادری صاحب کی اس دلیری پر ساکت ہیں اور ہمیں تعجب ہے کہ اُنھوں نے کیوں ایسی بے سروپا باتیں لکھیں۔ ہمیں اس بات کا یقین کامل ہے کہ اگر پادری صاحب میں خفیف سی بھی نیک نیتی ہوتی تو وہ ضرور قرآن مجید کے باقی ماندہ نام لکھ کے کہدیتے کہ یہ نام مسلمانوں کے یا خود نبی کے یا اُنکے خدا کے ایجاد کیئے ہوئے ہیں کسی قوم سے نہیں لیئے گئے۔ مگر اُن کا سکوت اس پر دلالت کرتا ہے کہ اُنھوں نے عمداً حق سے چشم پوشی کی اور باوجود علم کے ایسی شئے کو چھپایا جو اُنکے دعوی کو کمزور کر دیتی اور پھر اُنکی ساری عمارت گر پڑتی ہمیں افسوس ہے کہ ایک محقق شخص نے ایسی ابلہ فریبی کی اور ہمیں تعجب ہے کہ کسی دوسرے محقق عیسائی نے پادری سیل صاحب کی اس دھوکادہی کی کوئی اصلاح نہ کی۔ اس قسم کا عام سکوت اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ حق پسند طبائع ابھی پیدا نہیں ہوئیں شاید زمانہ صدی دو صدی کے بعد یورپ میں انصاف پسند طبائع پیدا کر سکے قرآن مجید کے نام جو خود اس پاک کتاب میں دیئے گئے ہیں یہ ہیں ام الکتاب۔ قرآن۔ فرقان۔ مصحف۔ کتاب تنزیل۔ قطع۔ ھدی۔ برھان۔ ذکر۔ مبین۔ اِن ناموں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی خاص نام کتاب اللہ کے لیئے محدود نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے کہ وہ ذات پاک و برحق خود غیر محدود ہے لازم ہوا کہ اسکی کتاب کو بھی کوئی نام یا لقب محدود نہ کرے۔

پھر پادری صاحب نے لفظ آیت پر بحث کی ہے اور آپ نے لکھا ہے کہ آیت کا لفظ جن معنی میں قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے ان ہی معنی میں توریت میں آیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ پادری صاحب کی مراد اس سے کیا ہے اگر پادری صاحب یہ چاہتے ہیں کہ کوئی کتاب ایسی بنائی جائے اگرچہ انسانی زبان میں کیوں نہو جس میں دوسری الہامی وغیر الہامی کتب کا کوئی لفظ نہ آسکے تو اُنکا یہ خیال سخت مضحکہ خیز ہوگا۔ مثلاً لفظ آیت ہے جسکے معنے نشانی کے بھی ہیں معجزے کے بھی ہیں اور قرآن مجید کے ایک چھوٹے سے چھوٹے حصہ کو بھی آیت کہتے ہیں فرض کرو کہ یہودیوں میں بھی یہ لفظ ان ہی معنوں میں استعمال ہوتا تھا پھر اس سے کیا قباحت لازم آئی اور کیوں اس معمولی بحث سے اُنھوں نے اپنی کتاب کا ایک حصہ سیاہ کیا۔ پھر پادری صاحب نصوص قرآن کی بابت تحریر فرماتے ہیں۔ قرآن کے سات مختلف نسخے ہیں اور انھیں قدیمی نسخوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دو نسخوں کی اشاعت مدینہ میں ہوئی تیسرا نسخہ مکہ کے لیئے مخصوص تھا۔ چوتھا کوفہ کے لیئے پانچواں بصرہ میں پڑھا جاتا تھا۔ چھٹا شام میں۔ ساتواں ایک عام نسخہ کے نام سے مشہور تھا۔ اِن نسخوں میں سے مدینے والے نسخہ میں چھ ہزار آیتیں تھیں۔ دوسرے اور پانچویں نسخہ میں چھ ہزار دو سو چودہ تیسرے میں چھ ہزار دو سو اُنیس۔ چوتھے میں چھ ہزار دو سو چھتیس۔ چھٹے میں چھ ہزار دو سو چھبیس اور اخیر نسخہ میں چھ ہزار دو سو پچیس۔ لیکن یہ بیان کیا جاتا ہے کہ الفاظ کی تعداد سب

ہیں یکساں ہے یعنی ستتر ہزار چھ سو اُنتالیس لفظ ہیں لیکن رینالڈ کے قول کے بموجب قرآن میں ننانوے ہزار چارسو چوسٹھ لفظ ہیں اور تین لاکھ تئیس ہزار پندرہ حرف ہیں۔ اور دوسری روایت کے بموجب تین لاکھ تئیس ہزار ایک سو تیرہ حرف ہیں" یہاں تک پادری سیل صاحب نے قرآنی آیتوں یا لفظوں اور حرفوں کی گنتی گنائی ہے۔ ہمیں سخت افسوس اور تعجب ہے کہ یہ بہت ہی معمولی بات بھی پادری صاحب اور اُنکے ہم مذہب رینالڈ صاحب صحیح نہ لکھ سکے۔ پھر ہم دقائق قرآن کی بابت جو اُنھوں نے قلم فرسائی کی ہے کیونکر صحیح سمجھ کے اُنھیں اُنکی کامیابی پر مبارکباد دے سکتے ہیں۔ ہم آیتوں اور الفاظ وغیرہ کی تعداد درج ذیل کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ مسلمان اور عیسائی ہمارے قول بالا کی جو ہم نے پادری سیل صاحب اور اُنکے ہمخیال رینالڈ کی نسبت لکھا ہے صحت کرینگے

قرآن مجید میں آیتوں کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہے اس میں ایک ہزار آیتیں وعید کی۔ ایک ہزار امر کی ایک ہزار نہی کی۔ ایک ہزار مثل کی۔ ایک ہزار قصص کی۔ پانسو حلت و حرمت کی۔ سو دعاؤں کی۔ چھیاسٹھ ناسخ[1] و منسوخ کی آیتیں ہیں۔ قرآن مجید میں ستتر ہزار چار سو چھتیس لفظ ہیں اور تین لاکھ بائیس ہزار چھ سو ستر حرف ہیں ان میں سے اڑتالیس ہزار آٹھ سو بہتر الف دس ہزار چار سو اٹھائیس ب دس ہزار ایک سو ننانوے ت ایکہزار دو سو چھہتر ث تین ہزار دو سو نہتر جیم تین ہزار نو سو نہتر ح دو ہزار چار سو سولہ خ پانچہزار چھ سو بیالیس دال چار ہزار چھ سو ننانوے ذال پندرہ ہزار سات سو ترانوے ر اکہزار پانسو ستر ز پانچہزار آٹھ سو اکیانوے سین دو ہزار دو سو تریپن شین دو ہزار چھ سو تیرہ صاد ایک ہزار چھ سو سات ضاد ایک ہزار دو سو چھہتر طا آٹھ سو بیالیس ظا نو ہزار دو سو بیس عین دو ہزار چار سو نو غین آٹھ ہزار چار سو ننانوے فے چھ ہزار آٹھ سو تیرہ قاف نو ہزار پانسو بائیس کاف تیس ہزار چھ سو بتیس لام چھبیس ہزار پانسو ساٹھ میم پینتالیس ہزار ایک سو نوے نون پچیس ہزار پانسو چھتیس واؤ انیس ہزار ستر ھا چار ہزار سات سو بیس لا پچیس ہزار نو سو اُنیس یا۔

---

[1] ناسخ و منسوخ کی بابت جو کچھ ہماری رائے ہے وہ ہم اپنے مقدمۂ تفسیر الفرقان کے کسی آیندہ باب میں ظاہر کرینگے فی الحال ہمیں یہاں صرف اسقدر لکھنا ہے کہ ہم نے آیتوں کے ساتھ ناسخ و منسوخ کا لفظ استعمال کیا ہے صرف اس لیے کہ عام طور پر اسی نام سے اُنھیں پکارا جاتا ہے اگرچہ ہماری رائے اس بارے میں چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو ہمیں آیتوں کی تعداد گنانی تھی وہ ہمنے شمار کرادی اس میں شک نہیں کہ ناسخ و منسوخ کوئی چیز نہیں ہے۔ اور خدا کے کلام میں ایک حرف کی تبدیلی بھی ممکن نہیں۔ چونکہ ناسخ و منسوخ کے بارے میں خود علماء میں بڑا اختلاف ہے اس لیے علماء کا مقلد اس اختلاف سے ایک رائے نہیں قائم کرسکتا۔ ہاں اُنکے اختلاف سے محققانہ نتیجہ یہ ضرور پیدا ہوسکتا ہے کہ ایک لفظ بھی قرآن کا منسوخ نہیں ہوا۔ اور جن آیتوں کو ناسخ و منسوخ کے نام سے پکارا جاتا ہے اُسکے اوامر و نواہی جوں کے توں باقی ہیں اور دنیائے معلوم کے کسی نہ کسی حصہ میں اُن پر عمل کیا جاتا ہے۔ ہم نے اسی دلچسپ بحث کے لیے اپنے مقدمہ کا ایک باب وقف کر دیا ہے۔ اور ہم نے جس بسط سے اس میں بحث کرنے کا ارادہ کرلیا ہے ہمارے ناظرین کی تشفی کے لیے بہت کافی ہوگا۔ اس میں شک نہیں اے کلام پاک تیری بزرگی بڑی ہے اور تجھ میں وہ وہ باریکیاں پوشیدہ ہیں کہ قیامت تک اُن میں نئی نئی باتیں مطابق ترقی علوم و فنون اور زمانہ نکلتی چلی آئینگی۔

یہ صحیح تعداد ہے جو ہم نے لکھی ہے

پادری صاحب کا یہ کہنا کہ قرآن مجید کے سات متفرق نسخوں میں آیتوں کا شمار نہیں ملتا ایک زبردستی کی دھوکا دہی ہے جس بات کا سر ہو نہ پیر اُسے تسلیم کرنے والے خبر نہیں دنیا میں کون لوگ ہونگے۔ پادری صاحب کی ہمہ دانی کی یہی ایک مثال کافی ہے کہ اُنھوں نے الفاظ کے شمار میں بھی اختلاف لکھا ہے مگر الحمد للہ کہ دونوں اختلافی رائیں اُنھوں نے اپنے ہی ہمخیال اور ہم مذہب محققوں کی دی ہیں کسی مسلمان کا نام نہیں لکھا۔ اختلاف ہمیشہ رائے میں ہوتا ہے نہ کہ ایک بدیہی چیز میں جو آنکھوں سے دیکھی جا سکے اور اُسکی گنتی ہو سکے۔

اس کے آگے پادری سیل صاحب نے جو یہ لکھا ہے "کہ قرآن کے تیس پارے ہیں اور یہ تیس پارے شہنشاہی مساجد یا اُنکے قریب کی چھوٹی مسجدوں میں پڑھے جاتے ہیں اور تیس ۳۰ آدمیوں کے سپرد تیس پارے ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنا ایک ایک پارہ روز پڑھ لیں اور اس طرح گویا پورا قرآن ختم ہوجاتا ہے" سمجھ میں نہیں آتا کہ پادری صاحب کا اِس مقولہ سے جو اُنھوں نے اپنے دوست **وائٹ سمتھ** کے حوالے سے لکھا ہے کیا مطلب ہے اور ایسی لغو اور بے معنی تحریر کی اخیر کوئی انتہا بھی ہے یا نہیں۔ اگر اُنکی یہ مراد ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت صرف شہنشاہی مساجد تک محدود ہے تو یہ اُنکی علانیہ غلطی ہے یا اگر وہ جانتے ہیں تو اُنکی دیدہ و دانستہ نادانی ہے جو ایک مصنف کبھی نہیں کریگا اور اگر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ایک پارۂ خاص ایک ہی شخص کے لیئے مخصوص ہوجاتا ہے پھر وہ دوسرے پارے کو نہ پڑھتا ہے نہ ہاتھ لگاتا ہے اور بھی زیادہ ابلہ فریبی ہے پھر پادری صاحب یہ فرماتے ہیں "ہر سورت سے پہلے مسلمان بسم اللہ لکھتے ہیں یہودی بھی اسی منشا سے اِسی مطلب کا ایک فقرہ لکھا کرتے ہیں جسکے معنے بسم اللہ کے ہیں۔ مشرقی عیسائی بھی یہی طرز برتتے ہیں اور وہ اپنی ہر کتاب باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے شروع کرتے ہیں مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ طریقہ ہو بہو آتش پرستوں سے اخذ کیا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ اپنی کتابوں کو ان لفظوں سے شروع کرتے ہیں "بنامِ یزدانِ بخشایشگر دادار" جسکے لفظی معنی عربی میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ہیں" یہانتک پادری سیل صاحب کی بسم اللہ کی نسبت تحقیقات ہوئی۔ ہمیں افسوس ہے کہ بعض مسلمانوں نے بھی اس غلط فہمی کو محسوس نہیں کیا اور اپنی قیمتی تصانیف میں یہ لکھدیا کہ بسم اللہ بیشک آتش پرستوں سے لیگئی ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر کے لیئے یہ بھی فرض کرلیں کہ بسم اللہ یہودیوں مشرقی عیسائیوں اور بالخصوص آتش پرستوں سے لیگئی ہے تب بھی شانِ کلامِ خدا میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اسلام اور اُسکے اصول درحقیقت عطر ہیں تمام ادیان سابقہ عالم کے اور خلاصہ ہے اُن لمبی چوڑی تحریروں یا صحائف انبیا کا جن میں بمقتضائے وقت خداپرستی کی باتیں اور معاشرت و تہذیب کے قوانین موجود ہیں۔ خدا کا نام کسی کام کے پہلے لینا انتہا درجہ کی خداپرستی اور خلوص نیت کا ثبوت ہے اور اس سے بہتر فروتنی اور عاجزی کی صفت ہو نہیں سکتی۔ چونکہ تمام گروہوں میں اُس نے ہدایت کرنیوالا یعنی رسول بھیجا جیساکہ وہ خود قرآن مجید میں فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ "یعنی کوئی ایسا فرقہ نہیں ہے جس میں ڈرانے والا یعنی پیغمبر جو بُری باتوں سے ڈراتا ہو نہ گزرا ہو۔ جب پیغمبر ہوا تو ضرور ہے کہ اُس پر خدا کا کلام نازل ہوا ہوگا خدا کے کلام میں سب سے پہلے اُسی کا نام ہونا ضرور ہے اسی طرح برابر انبیا پر اس کا کلام بمقتضائے وقت نازل ہوتا رہا اور سب میں خداپرستی اور دینداری کے

مضامین کا ایک ہونا یہ معنی نہیں رکھتا کہ ایک نے دوسرے سے لیلیا ہو اور اس صورت سے وہ قابل الزام ہو سکے اور اگر یہ بھی نہ خیال کریں اور سمجھیں کہ کل انبیا نے خود ہی کتابیں تصنیف کیں پھر بھی وہ ایک دوسرے سے خدا کے نام کے پہلے نقل کر لینے میں کچھ بھی خطاوار نہیں ہو سکتے نہ اس نقل سے اُنکی کمزوری پائی جاتی ہے سب درحقیقت خداپرستی کی منادی کرتے تھے اور سب کا ایک ہی مسلک اور ایک ہی منشا تھا خواہ اُنھیں خدا کا بھیجا ہوا سمجھو یا انھیں مصلح قوم خیال کر و پاؤ گے سب کو یکساں۔ اور یکساں بھی ایسا کہ ایک دوسرے کی تعریف کرتا ہی اور اُسکے من اللہ ہونے کی تائید کرتا ہے اگر یہ بات تسلیم نہیں کیجاتی اور کوئی تاریخی یا عقلی دلیل مانی جاتی ہو تو ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور ہماری یہ بحث غیر طرفدارانہ اور آزاد ہوگی اور صرف بسم اللہ ہی پر ہم ایک عام نظر کرینگے۔ پادری سیل صاحب ہوں یا اُنکے ہمخیال اور یورپی مصنف جب مسلمانوں پر اعتراض کرتے ہیں تو دہریئے ہو کے معترض ہوتے ہیں اُنھیں اپنے مذہبی اصول بالائے طاق رکھنے پڑتے ہیں اور جو باتیں اُنکے ہاں مثل مسلمانوں کے مسلّم ہیں اُنھیں وہ نظرانداز کر جاتے ہیں اور عجب تماشا کی بات ہی کہ آنکھیں بند کر کے وہی اعتراض کرتے ہیں جو اُن پر عائد ہو سکیں۔ یہ انتہا درجہ لاعلمی اور تعصب ہی اور ایسے اُمور کو درحقیقت تحقیق اور انصاف سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

پہلی بات جو پادری صاحب نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ یہودی مثل بسم اللہ کے ایک فقرہ ہر قسم کی تحریر شروع کرنے سے پہلے استعمال کرتے تھے۔ ہم اِس مقولہ کو کیونکر تسلیم کر لیں اور بغیر معقول وجوہات کے کیونکر مان لیں۔ ہم یہودیوں کی ایسی کوئی کتاب یا تحریر دیکھنا چاہتے ہیں جو اشاعت اسلام سے پہلے کی ہو اور اُس پر بسم اللہ لکھی ہوئی ہو پادری سیل صاحب نے کسی ایسی تحریر کا پتہ نہیں دیا صرف اسی قدر لکھ کے وہ بری ہونا چاہتے ہیں کہ یہودیوں کا یہ عام قانون یا قاعدہ تھا۔ جبکہ ہم یہودیوں یا عیسائیوں کی کتب مقدسہ محرّف مان چکے جبکہ ہمیں اس کا علم ہو چکا کہ یہودی یا عیسائی کسی ایک حکم کو بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ درحقیقت یہ حضرت موسیٰ یا مسیح علیہ السلام کا ہی۔ جو کتابیں صدیوں کے بعد لکھی گئی ہوں جن اقوال کے سننے والے کبھی کے دارِفنا میں آرام کر چکے ہوں اور پھر ایک مجموعہ تیار کیا جائے اور زور ڈالا جائے کہ اِسے حضرت موسیٰ یا عیسیٰ کا کلام مانو اور اُسکے لیئے دلیل نہ پیش کیجائے بلکہ سوائے تحکم کے اُس میں کچھ نہ ہو پھر نہیں خیال میں آسکتا کہ ہم اُسے کیونکر تسلیم کریں متی یا لوقا یا پطرس یا یوحنا نے کچھ لکھا اور ایک بیاض مرتب کی اور وہ بھی حضرت مسیح کے برسوں بلکہ قرنوں کے بعد۔ کیا دلیل ہے اس بات کی کہ اس مجموعہ میں ایک قول بھی حضرت مسیح کا ہو۔ کس نے اس امر کی تنقید کی اور کس نے اس زمانے میں اس امر کی سند دی۔ اناجیل اپنے غلط ہونیکی خود آپ شاہد ہیں اُن کا صریح اور بیّن اختلاف خود اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ وہ حق نہیں ہیں۔ بلکہ چند پریشان اقوال کا مجموعہ ہیں جو ناسمجھ بادیہ گردوں نے ترتیب دے لیا ہے۔ اُن میں اگر کوئی بات قرآن کی لے لی ہو۔ اگر مسلمانوں کی کوئی طرز تحریر اخذ کر لی ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ یہودی ہوں یا مشرقی عیسائی ہرگز اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ طریقہ ہمارے ہاں اشاعتِ اسلام سے پہلے رائج تھا۔

اب ہم آتش پرستوں کی بسم اللہ پر کچھ بحث کرنا چاہتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ جب عیسائی اس ترقی اور اعلیٰ درجہ کے تمدن کے زمانہ میں ایک جملہ بھی اناجیل کا حضرت مسیح کا کہا ہوا ثابت نہیں کر سکتے۔ زردشتی بیچارے جن کا مذہب

مُردہ ہو چکا ہے اور جنکی قوم معدوم ہونیکے قریب پہنچ چکی ہے وہ کیا خاک اس امر کا ثبوت دے سکتے ہیں کہ بسم اللہ ہماری کتابوں میں اشاعت اسلام سے پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ ابھی تک اسی بات کا فیصلہ نہیں ہوا کہ دساتیر زند دپاژند آیا اُس زردشت کی تصنیف ہے جس کا زمانۂ ولادت وظہور ابھی تک نہیں معلوم ہوا۔ نہ یہ خبر ہے کہ اُسکی تعلیم کیا تھی اور اُس نے آکے دنیا میں کیا کیا۔ دوسرا زردشت گشتاسپ کے زمانہ میں پیدا ہوا جسکی طرف موجودہ کتاب کو نسبت دیجاتی ہے اور اُسی کو بہت بڑا مصلح مانا جاتا ہے مگر یہ پتہ لگنا مشکل ہے کہ موجودہ ژند و پاژند اسی صورت پر تصنیف ہوئی تھی یا اس سے کچھ اختلاف تھا۔ اول ہی اول اسکے نسخے کس نے لکھے تھے اور زردشت کے مرنے کے بعد اسے کس نے ترتیب دیا تھا۔ کیا ثبوت ہے کہ موجودہ کتاب میں کچھ تحریف نہیں ہوئی۔ اور کیا دلیل ہے کہ اِس میں اشاعتِ اسلام کے بعد کچھ گھٹا یا بڑھایا نہیں گیا۔ یہ ساری باتیں بہت غور طلب ہیں اور مشکل ہے کہ اِن کا کوئی اطمینان بخش جواب دے سکے۔ پارسیوں کی کسی ایسی کتاب کو پیش کرنا جس کا مصنف بڑی تحقیق کے بعد بھی نہیں مل سکتا اور اُسے قرآن کے مقابلے میں بطور شہادت کے دینا ایک افسوسناک امر ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جتنی کتابیں پارسی پیش کرتے ہیں وہ اول سے اخیر تک غلط ہیں بلکہ ہمارا یہ دعوی ہے کہ آیا اُنکی اصلیت جوں کی توں باقی ہے یا اُس میں کچھ تغیر و تبدل آگیا ہے؟ اِس مخالفت پر بھی جو قرآن مجید کی کی جاتی ہے تمام یوروپی مصنفوں کا اتفاق ہے کہ دنیا میں سوائے قرآن کے کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو تیرہ سو برس سے یکساں بلا تغیر و تبدل چلی آتی ہو انجیل و توریت کو چھوڑکے اگر ہم وید اور زردشتوں کی کتابوں کو دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ انکے ظہور کا ہم کونسا زمانہ قرار دیں۔ اور ان کتابوں کا کس کو مصنف جانیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے گا تو زردشتیوں اور ویدوں

لہ یونانیوں رومیوں اور عربوں نے زردشتی مذہب اور اُنکی دینی کتاب کی بہت کم تحقیق کی ہے اور جو کچھ اُنھوں نے لکھا بھی ہے وہ ناکامل ہی نہیں ہے بلکہ غلط بھی ہے مگر یوروپی مصنفوں نے جو کچھ اس خستہ اور قدیم مذہب کے حالات دریافت کئے ہیں اُن سے گونہ اطمینان ہوتا ہے اور وہ حالات ہمیں چند مطالب کو یکجا کرکے نتیجہ نکالنے میں مدد دیتے ہیں۔ پارسیوں یا مجوسیوں پر جو کچھ بپتا پڑی وہ کسیکی نظر سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ موجودہ زمانہ کے پارسی گویا نقش پا ہیں اُس قدیم بزرگ قوم کے جسکی حکومت بہت وسیع تھی اور جس نے مشرقی یورپ ہی میں نہیں بلکہ حدود ہندوستان تک اپنی فتوحات بڑھالی تھیں اُسی طرح اُنکی دینی کتاب زندوستا پراگندہ محرف ٹکڑا ہی اُس عظیم الشان مبسوط کتاب کا جو بطور ضوابط و قوانین تمدن و سیاست استعمال ہوتی تھی۔ پہلا شخص جسنے زندوستا کی تحقیق کی ایک فرانسیسی سیاح آن کے تیل دوپران نامی ہوا ہے ۱۷۵۴ء میں اُس نے اس جہاز میں ملاحوں کی فہرست میں اپنا نام درج کرایا جو بمبئی کو آتا تھا۔ اور بہزار مشکل بمبئی اور بمبئی سے سورت پہنچا۔ یہی شہر اُسکا منزل مقصود تھا۔ بڑی تلاش اور جستجو کے بعد پارسیوں کے دستور داراب جی نامی کی خدمت میں پہنچا کچھ تحفے اپنے ملک کے دیئے اور اُن سے اس تعظیم او تکریم کا برتاؤ کیا کہ دستور کی نظر عنایت ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ اس محقق سیاح نے اپنا اثر خوب جما لیا اور اخیر اُستا کی کامل قلمی جلد کے حاصل کرنے میں کامیاب ہوا یہی فاضل سیاح کی دلی مراد تھی۔ پھر وہ اپنے وطن ۱۷۶۱ء میں واپس پھرا ۱۷۷۱ء میں اُسنے اس کل ذخیرہ کا کامل ترجمہ شائع کرایا جسکے لیئے اُس نے ممالک مشرقی کا سفر کرکے سالہا سال مصائب و تکالیف برداشت کی تھیں مگر اُسکی اس جانکاہی کا

کے عقائد کا ایک ہی مخرج ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کتابیں ہم تک بلا تغیر و تبدیل چلی آتی ہوں اور اُن کا مصنف کوئی خاص شخص ہو۔ اُس صورت اور حالت پر نظر کرتے پادری سیل صاحب کو بحیثیت ایک محقق ہونے کے کبھی زیبا نہ تھا کہ وہ ایک ایسی کتاب کی شہادت کو نہ جسکے مصنف کا پتہ ہے نہ جسکے زمانۂ تصنیف کا نشان ہے اور نہ جسکے مضامین کا تعلق اور اُنکی ترتیب کسی زمانۂ خاص کے ساتھ ثابت ہوتی ہے قرآن کے مقابلہ میں پیش کرتے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ایک صورت سے تو قرآن مجید کا جزو ہے کیونکہ ایک سورۂ قرآن میں موجود ہے دوسری صورت میں کہ وہ ہر سورت کے پہلے لکھی جاتی ہے علمار کا اختلاف ہے بعض اسے جزو قرآن کہتے ہیں بعض اس کے مخالف ہیں اگر ہم اسے جزو قرآن مان لیں تو اس لئے کوئی قباحت نہیں پڑسکتی کہ یہ پورا جملہ قرآن مجید کے متن میں آگیا ہے اور اگر ہم اسے جزو قرآن نہ مانیں تو بھی کچھ قباحت نہیں کیونکہ سب سورتوں کے پہلے سے بسم اللہ کے اُڑا دینے پر معنی قرآن میں کچھ فرق نہیں پڑتا

صرف ایک بسم اللہ پر اسقدر احادیث۔ روایات۔ اقوالِ علمار موجود ہیں کہ اگر اُن سب کو جمع کر لیا جائے۔ تو ایک ضخیم کتاب بنتی ہے۔ تمام مفسروں نے اسکی تفسیر میں بہت کچھ بحث کی ہے اور بہت سی حدیثیں صرف بسم اللہ کے بارے میں لکھی ہیں۔ مثلاً تفسیر بیضاوی نے یہ لکھا ہے کہ مکہ اور کوفہ کے قاری ابن مبارک اور امام شافعی اور مکہ اور کوفہ کے تمام فقہار اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ بسم اللہ جزو قرآن ہے مگر مدینہ۔ بصرہ اور شام کے قاری اور فقہار مع امام مالک اور اوزاعی کے اس بات کے قائل ہیں کہ سورت سے پہلے جو بسم اللہ آتی ہے وہ جزو قرآن نہیں ہے امام اعظم رحمہ اللہ نے اس کی کچھ تشریح نہیں فرمائی کہ آیا بسم اللہ آغاز سورت کی جزو قرآن ہے یا نہیں مگر اتنا فرمایا ہے کہ بسم اللہ کا دو سورتوں میں آنے کا یہ مطلب ہے کہ وہ دونوں میں فصل یعنی جدائی کر دے۔ اس کے علاوہ تمام ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ بسم اللہ جزو قرآن ہے۔

یہ بیضاوی کی تحقیقات ہے ہم اس پر صرف اسقدر کہنا چاہتے ہیں کہ اگر بسم اللہ کو جزو قرآن مان لیں تو

صلہ یہ ملا کہ سر ولیم جانسن جیسے فاضل شخص نے اس ترجمہ کا مضحکہ اُڑایا اور مترجم پر کفر و الحاد کا فتوی دیدیا بہر حال کچھ ہی ہو فاضل سیاح اور مترجم کا یہ کام بلحاظ اُنکی جانبازی اور محنت کے بے نظیر تھا۔ بڑی بات جو اس ترجمہ میں دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ بعض مقامات پر بسم اللہ کے ہم معنے جملہ کا نئی نئی صورت میں اظہار ہوا ہے چنانچہ وہ جملے یہ ہیں۔ بنام یزدان بخشایندۂ دادار۔ بنام ایزد بخشایندہ بخشایشگر مہربان دادگراں۔ کہیں یہ لکھا ہے پناہیم بیزدان از منش و خوئے بد و زشت گمراہ کنندہ و براہِ ناخوب برندہ رنج دہندہ آزار رسانندہ یہ تین جملے ہیں اگرچہ ان کا مفہوم قریب قریب یکساں ہو مگر الفاظ میں فرق ہے۔ الفاظ میں فرق ہونے کی ادنیٰ دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں کی بسم اللہ کا مختلف زمانوں میں مختلف علمار نے ترجمہ کیا داس لیئے الفاظ کی تبدیلی لازمی ہوگئی۔ اس سے ہم آسانی سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ اگر بسم اللہ ترجمہ ہوتا آستا کے کسی فقرے کا اور وہ فقرہ آستا میں ایک مستقل ہیئت ذاتی سے ہوتا تو الفاظ میں ہرگز فرق نہ پڑتا اور یہ صریح تبدیلی واقع نہ ہوتی۔ مگر نہیں یہ بات نہیں ہوئی قطعی پارسیوں نے بسم اللہ کا جو کلامِ خدائے اسلام ہے اپنی کتابوں میں ترجمہ کیا اور کسی ضعیف سے ضعیف پہلو سے بھی یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں نے بسم اللہ پارسیوں کے ہاں سے لی ہے۔ پارسیوں کی الہامی کتاب کی حقیقت مختصر سی سن لینی چاہیئے تاکہ آیندہ بڑے بڑے حل طلب پیچیدہ

کوئی نقصان نہیں نہ مانیں تو کوئی ہرج نہیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ مطلب صرف یہ ہے کہ پادری سیل صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ بسم اللہ آتش پرستوں یا مجوسیوں سے لی گئی ہے ہمیں اسکی کوئی سند نہیں ملی نہ اُنکی تحقیق میں نہ اپنی جستجو میں ہم نے خاص اس امر کی بابت بہت کچھ تحقیق کی ہے۔ مجوسیوں کے اور بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں سے مل کر اس امر کو دریافت کیا ہے وہ اتنا ضرور کہتے ہیں کہ ہماری ہر تحریر میں نہیں ہاں اُستا کے بعض حصوں میں بسم اللہ کے ہم معنی یہ عبارت بنام یزداں بخشایش گر دادار لکھی ہے۔ مگر ہم یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ آیا یہ جملہ ابتدائے تصنیف کتاب سے اس میں درج ہے یا بعد ازاں بڑھالیا گیا ہے۔ مگر ہم مذہبًا اسے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ابتدائے تصنیف سے ہی چلا آتا ہے۔ اور مسلمانوں نے ہماری ہی نقل کی ہے۔

فلسفہ کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ جس دعوے کے لئے دلیل کی ضرورت ہو وہ تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے مگر اس دعوے کو ہم کہاں تک ضعیف اور فضول خیال کرینگے جسکی تائید میں دلیل کی ضرورت ہونا یا نہونا تو کیا۔ خفیف سے خفیف دلیل بھی نہ لاسکیں۔ اس لحاظ سے پادری سیل صاحب کا دعوی نظر انداز کرنیکے قابل ہے اور اس سے زیادہ اُسکی وقعت نہیں ہو سکتی کہ وہ ایک متعصب شخص کا قول خیال کیا جائے اور ضمنی بحث اس پر کی ہے اسے کافی سمجھا جائے اور زیادہ طولانی وجوہات کو تحریر میں نہ لایا جائے تاکہ صرف ایک ہی بحث میں بے مزا طول نہو جائے

مسائل حل ہو جائیں گے اور ہمارے مصنف مسلمان غلط فہمی میں نہ پڑینگے۔

جس فرانسیسی سیاح کا ہم نے تذکرہ کیا ہے اسکی مترجمہ اُستا پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مترجم سنسکرت سے محض ناآشنا ہے اسی وجہ سے جابجا ترجمہ کرنے میں بھی اغلاط بکثرت رہ گئیں اور بعض مقام پر تو سمجھ میں نہیں آتا کہ مصنف کا اِس عبارت سے کیا مدعا ہے۔ نصف صدی تک تو کوئی خبردار نہوا اخیر یو جین برنوف جو سنسکرت کا بڑا فاضل تھا اس طرف متوجہ ہوا۔ اس نے زبان سنسکرت کی مدد سے دفعۃً زند کے اصول کا ایک عام راستہ پیدا کر دیا ڈنمارک میں راسک اور ویسٹر گارڈ نے فرانس میں سلوسٹر ڈی سی نے روس میں کاسو وچہ نے جرمنی میں اسپیگل اور ھاگ نے اس خاص تحقیقات میں اسکی پیروی کی بالخصوص ہاوگ تو ژند کی تحصیل میں سب سے بڑھ گیا۔ گویا برنوف سے ایک کام کی ابتدا ہوئی اور ہاوگ سے وہ کام انجام کو پہنچا اسکے بعد ان کے تیل ڈو پران اور یو جین برنوف کے کام کو پروفیسر ڈاراسٹیبر ٹ نے اپنے ذمہ لیا اور اُس نے میکس مولر کے مشرقی مقدس کتابوں کے سلسلے میں وندیداد کا ترجمہ شائع کرایا۔ ہمیں جو کچھ پارسیوں کے عقائد مذہبی سے واقفیت ہے وہ ان ہی فاضل محققوں کی کوشش سے حاصل ہوئی ہے دنیا کی اور قوموں کی طرح پارسی بھی اپنی مقدس کتاب کو اھورامزدا کی طرف منسوب کرتے ہیں جس نے کہ براہ راست اُنکے پیغمبر اسپیتمان زراتشت پر اُسکو نازل کیا تھا۔ اُنکے معزز پیغمبر کے حالات اس درجہ تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں کہ اُسکے زمانہ کا بھی ٹھیک پتہ نہیں چلتا۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ دارا کے باپ گشتاسپ کے زمانہ میں تھا اور کم و بیش توروہ کا ہمعصر تھا لیکن ھاؤگ اس قیاس سے اتفاق نہیں کرتا بلکہ وہ اس کا زمانہ حضرت مسیح سے ایک ہزار یا بارہ سو برس قبل بتاتا ہے وشتاسپا یا گشتاسپ شاہِ فارس کو جو اُس کا دوست یا حامی تھا وہ یونانیوں کا ھسٹاسپس نہیں تھا بلکہ اُسے ایک علحدہ ہی شخص سمجھنا چاہیئے لفظ

اس کے بعد پادری صاحب نے حروف مقطعات پر حرف گیری کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ طریقہ بھی یہودیوں سے لیا گیا ہے پھر انھوں نے ان حروف کے مفسروں کی زبانی معنی بیان کیے ہیں اور اخیر اپنی تمام بحث کا نتیجہ یہ نکالا ہے کہ یہودیوں کے ہاں بھی یوں ہی حروف مقطعات استعمال ہوتے تھے اور ان حروف کا نام پادری صاحب نے قاب یاس لکھا ہے۔ یہ خیال بھی پادری صاحب کا بالکل غلط ہے کوئی ثبوت نہیں کہ یہودی ایسا کرتے تھے اور کوئی شہادت نہیں جس سے یہ بات معلوم ہو کہ اگر یہی طریقہ یہودیوں کے ہاں جاری ہے تو کس زمانے سے اس طریقہ کا رواج ہوا اور آیا وہ زمانہ قبل ظہور اسلام ہے یا بعد حضرت رسالتمآب کے واقع ہوا ہے۔ یہ الزام بھی مثل الزام بالا کے بے بنیاد ہے جس کا ہم نے اوپر جواب دیا ہے

اس سے آگے پادری صاحب نے قرآن کے مخلوق اور غیر مخلوق ہونے میں بحث کی ہے اور معتزلیوں کے اقوال پیش کئے ہیں اور یہ دکھایا ہے کہ مسلمانوں میں ایک گروہ موجود ہے جو قرآن کو مخلوق مانتا ہے۔ پھر پادری صاحب نے اور بھی آگے قدم بڑھایا ہے اور ولید بن یزید کا قصہ نقل کیا ہے کہ اس نے قرآن مجید اٹھا کے پھینک دیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایتوں کے بیان سے پادری صاحب کی غرض کیا ہے اور کیوں اُنھوں نے بیفائدہ اپنی کتاب کے صفحے سیاہ کیئے۔ ایک ناشدنی اور نالائق خلیفہ کا ذکر کہ اس نے قرآن کو اٹھا کے پھینکدیا قرآن کے حترم

بودھ کی طرح اس کا نام زردشت صرف ایک لقب کے طور پر تھا جسکے معنی ایک بڑا پیشوا یا روحانی رہنما کے ہیں اسکے پیدایش کے قبل اور بھی بہت سے زردشت ہوئے ہیں جنکے حالات سرتاپا تاریکی میں چھپے ہوئے ہیں اور ان پر تاریخ کی دھندلی سی بھی روشنی نہیں پڑی اسپتیما اس کا اصلی نام ہے اور اسی سے اس کے خاندان کا پتہ چلتا ہے۔ اسیطرح بودھ کا اصلی نام سکیا سمہا تھا۔ زردشت کے حالات زندگی جس قدر ہمیں معلوم ہوئے ہیں اگرچہ ان کی صحت کا ہم حلف نہیں اٹھا سکتے پھر بھی بہ سبب مشہور ہونے اور دلچسپ ہونے کے اسکی قدر ہی کرتے ہیں۔ زردشت کے باپ کا نام پی دس جاسپا تھا اور ماں کا نام دُ اگدو تھا اسکی شادی بھی ہوئی تھی اور اسکی اولاد بھی تھی جب اسکی عمر تیس برس کو پہنچی تو وہ تارک الدنیا ہو کے ایک ویرانے میں عزلت گزیں ہوا وہاں اسکے پاس انگرہ مینش آیا جس نے وعدہ کیا کہ اگر تو مجھے معبود مطلق تسلیم کرلے تو میں تجھے ہر قسم کی خوش حالی۔ قدرت اور فارغ البالی عطا کر سکتا ہوں۔ زردشت نے جواب دیا "او شریر بدذات دوزخ تیرے اور تیری اولاد کے لیئے تیار ہوئی ہے اور میں صرف اھورا مزدا کی ہی عبادت کرنی جانتا ہوں۔ یہی روایت حضرت مسیح کی نسبت اناجیل کے ترتیب دینے والوں نے مشہور کردی ہے کہ حضرت مسیح کو چالیس دن تک شیطان نے آزمایا مطابقت اسکا نام ہے دیکھا دونوں روایتوں میں کسقدر تطابق ہے کہ ذرہ برابر بھی فرق نہیں پایا جاتا۔ اسکے بعد زردشت اپنی جگہ سے اٹھا تو کامل پیغمبر تھا۔ اسی طرح جب حضرت مسیح چالیس دن تک شیطان سے آزمائے جا چکے تو کامل پیغمبر بن چکے تھے۔ متعدد روایتیں زردشت کے صاحب معجزہ ہونے کی شہادت دیتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اُسنے اپنے معجزوں ہی کے ذریعہ سے شاہ گشتاسپ کا دل اپنی طرف پھیر لیا اور اس کا مشیر اور معتمد بن کر اپنے سچے مذہب مزدیستانی کو تمام مملکت میں شائع کردیا تھا۔

پارسیوں کی خاص خاص کتابیں جو اس زمانہ میں موجود ہیں حسب تفصیل ذیل ہیں و یسپرا د۔ وندیداد

میں کیا فرق پیدا کرتا ہے ولید کی معاشرت اول دن سے غلیظ اور ناپاک تھی نہ وہ خود مسلمان تھا نہ اُسے اسلام کا کچھ خیال تھا۔ صدہا نہیں بلکہ ہزاروں انگریز و فرانسیسی ایسے ہیں جو انجیل کو اُٹھا کے ہی نہیں پھینک دیتے بلکہ اُنکی یہ رائے ہے کہ اگر تم عقیدہ کے بھوت کے خوف کو دُور کر کے انجیل مقدس کو دیکھو گے تو تمھیں معلوم ہوگا کہ میں نے کیوں اپنا عزیز وقت ایک پُر از ظلم و جہل تصنیف میں گزارا۔ اسی طرح کے صدہا اقوال ہیں جو ہم آیندہ کسی باب میں نقل کرینگے۔ یہاں صرف اسقدر کہنا ہے کہ اس سے قرآن کی عظمت میں اور اُس احترام میں جو کروڑہا آدمی اُس کا کرتے ہیں کچھ فرق نہیں آسکتا۔ پادری صاحب نے اُن اشعار کا ترجمہ بھی کیا ہو جو اُس نے قرآن کو مخاطب بنا کے پڑھے تھے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اصل اشعار عربی کے نقل کر دیں تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ جس میں کچھ بھی اسلام کی بو ہوگی وہ ایسے نالائق کام کرنیکا خیال بھی نہ لائیگا۔ اصل روایت ولید کی یہ ہے۔ ایک دن ولید نے قرآن کھولا تو اول ہی صفحہ میں یہ لکھا ہوا دیکھا وخاب کل جبار عنید یعنے نافرمان کبھی نہیں پھولے پھلیں گے۔ یہ دیکھکر مصحف کو ہاتھ سے پھینک دیا اور اُس پر تیر مارے اور یہ اشعار پڑھے۔

اتو عد کل جبار عنید فہا انا ذاك جبار عنید

اذا ما جئت ربك یوم حشر فقل یا رب خرقنی الولید

یعنی تو ہر نافرمان اور متمرد شخص کو ملامت کرتا ہے۔ دیکھ میں نافرمان اور متمرد شخص ہوں جب قیامت کے دن تو اپنے مالک کے سامنے حاضر ہو تو شکایت کیجیو کہ اے خالق الولید نے مجھے پارہ پارہ کر دیا تھا۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح تسلیم کریں تو قرآن کے اعزاز و اکرام میں کیا فرق آتا ہو۔ دریا میں سے اگر کتے نے پانی پی لیا تو دریا کا پانی ناپاک نہیں ہوسکتا یا اگر آفتاب کی کرنوں کو کسی نے میلا ہاتھ لگا دیا تو ان میں کچھ نہ ملگجا پن آئیگا نہ اُنکی تابانی میں کچھ فرق آئیگا اسکے علاوہ جب اس روایت پر محققانہ نظر ڈالی جائے تو نہ اس روایت کے راوی اور نہ پادری سیل صاحب اسے صحیح بتا سکیں گے

یاشت اور نیرنگ پھران کے حصے کیے گئے ہیں۔ ان میں سے یاسنا سب سے قدیم اور سب ضروری ہے یاسنا کے بھی دو حصے ہیں ایک قدیم اور دوسرا جدید۔ قدیم یاسنا میں پانچ گتھا اور جدید یاسنا میں تیپنھایتی یعنے ہفت ہابی یاسنا شریک ہے یہ ذیل کی شکل میں گتھا زبان میں لکھی گئی ہیں جو ویدی سنسکرت کے قریب قریب ہو۔

لفظ گتھا۔ وید۔ اور بودھ کی کتابوں میں بمعنی گیت مشہور ہے جیسے سماوید کے اشعار اُدگیتا گاتے ہیں اسی طرح یاسنا کے گتھا اتھرون یعنی پیشوا گاتے ہیں۔ گتھا کی تحریریں عروضی تقطیع میں ہوتی ہیں اور ان میں مختصر سی دعائیں۔ گیت اور مناجاتیں شریک ہیں جن میں علی العموم مذہبی جوش اخلاقی اور مابعد الطبیعاتی خیالات کے ساتھ ظاہر کیا جاتا ہو اور یہ اور بھی تعجب انگیز بات ہو کہ یہ پانچوں گتھا کم و بیش ایک ہی وزن پر ہیں اور یہ وہی اوزان ہیں کہ جن میں وید کی نہایت پرانی مناجاتیں پائی جاتی ہیں اور اصطلاح شعرا میں اسی کے نام سے مشہور ہیں چنانچہ پہلا گتھا جسکو اھو نادیتی کہتے ہیں اُسی تقطیع اور وزن میں لکھا گیا ہے جس میں برہمنوں کی اگابیستی لکھی گئی ہیں دوسری گتھا کا نام استاویتی تیسرے کا نام اسپنتا مینیا چوتھے کا نام اھوکھے شتشرا اور پانچویں کا نام واشتو اشتی۔ ذیل میں گتھا کا کچھ انتخاب لکھا جاتا ہے۔

خلیفہ مہدی نے اپنے دربار میں ابو لید کو زندیق کہا اس پر ابو علامہ فقیہ نے کہا اے امیر المؤمنین وہ مسلمان تھا۔ اگرچہ اُسکی معاشرت رندانہ تھی۔ مگر جب اذان ہوتی تھی اُسکے کل درباری تعیش کے لباس کو اُتار کے نماز کے کپڑے پہن لیتے تھے۔ اور نماز کے پڑھنے میں ایک لمحہ کا بھی توقف نکرتے تھے۔ ایسے لوگوں کو زندیق کہنا مناسب نہیں ہے۔ اِس گفت وشنود سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اگر یہ روایت صحیح ہوتی یعنے ابو لید نے قرآن پھاڑا ہوتا تو ضرور خلیفہ مہدی اِسکی نظیر پیش کرتا مگر اُس نے اشارہ تک نہ کیا اور اخیر ابو العلامہ فقیہ کی رائے ماننی پڑی اس قسم کے اعتراض بچوں کے سے ہیں۔ ایک محقق شخص کو ان چھوٹی باتوں سے تعلق نہ رکھنا چاہیئے۔ کسی ایک شخص کی برائی قومی بُرائی نہیں بن سکتی اور کسی ایک مسلمان کی بد اعتقادی قوم کے اعتقاد کو نہیں خراب کرسکتی۔ پادری سیل صاحب نے اُسکے آگے ایک بڑے اہم اور عظیم الشان مسئلہ کا ذکر کیا ہے۔ جس پر اسلام کی بنیاد ہے یعنی فرشتوں کا یقین اور اُن پر ایمان۔ اُنکی نسبت وہ مفصلۂ ذیل لکھتے ہیں "قرآن نے فرشتوں کے وجود اور پاکی کی بابت اعتراف کیا ہے اور قرآن اُن لوگوں کو کافر بتاتا ہے جو اُن سے انکار کرے یا اُنکی حقارت کرے یا اُن کو کسی جنس کے ساتھ نسبت دے۔ مسلمان اُنھیں پاک اور نورانی جسم کا بتاتے ہیں اور اُنکی پیدایش آگ سے بیان کرتے ہیں۔ وہ نہ پیتے ہیں نہ کھاتے ہیں۔ نہ اُن میں ترقی نسل کے اسباب ہیں۔ اُنکی مختلف صورتیں اور عہدے ہیں۔ بعض خدا کی تسبیح کرتے ہیں۔ بعض اُسکی حمد کرتے رہتے ہیں۔ بعض دنیا میں انسان کے کاموں کے متعلق اپنے فرائض کی انجام دہی میں لگے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ بھی بیان ہے کہ انسانوں کے کاموں کو تحریر کرنے پر بھی فرشتے متعین ہیں اور بعض خدا کا عرش اٹھائے ہوئے ہیں اور اُس کی خدمت میں رہتے ہیں۔

(۱) (الف) شروع میں دو روحوں کا ایک توام جوڑا تھا جن میں سے ہر ایک حد درجہ کی تیز تھی ان میں سے باعتبار خیال۔ قول فعل ایک تو نیک تھی اور دوسری بدتم ان میں سے ایک کو پسند کرلو۔ لیکن یہ خیال رہے کہ تم نیک بنو۔

(ب) اِن دونوں روحوں کے ملاپ سے جو چیز اول پیدا ہوئی وہ ایک تو اصلیت تھی اور دوسری غیر اصلیت۔

(ج) اِن دونوں روحوں میں سے تمھیں ایک پسند کرلینی چاہیئے خواہ بد پسند کرو جس سے بد افعال صادر ہوتے ہیں خواہ نیک پسند کرو جو مقدس روح ہے بعض بد قسمت مصیبت جھیلنا پسند کرینگے اور بعض نیکوکاری کے ذریعہ سے اہورامزدا کی پرستش کرینگے

(د) تم ایک ہی ساتھ ان دونوں سے تعلق نہیں پیدا کرسکتے۔

(۲) (الف) مبارک ہو وہ اور مبارک ہو وہ ہر شخص جسے اہو را مزدا خود اپنی مرضی کے مطابق چلاتا ہے اور اسی کو دو لازوال طاقتیں (صحت وبقا) عطا ہونگی۔ اس نعمت کو میں تجھسے مانگتا ہوں تو اپنے رحم کے فرشتے (ارمیتی) کے ذریعہ سے مجھے خوشی عطا کر اور اچھی چیزیں نیک دلی کے ساتھ عطا فرما۔

(ب) میں تجھے سب سے افضل اور دنیا کی ہر قسم کی روشنی کا سرچشمہ سمجھتا ہوں ہر ایک تجھی کو سرچشمۂ روشنی تسلیم کریگا۔ اے مزدا افضل ترین روح بس تجھی کو ہے! تو نے اپنے نیک دل طاقت کے ذریعہ سے تمام سچی چیزیں پیدا کی ہیں۔ اور ہمیں عمر دراز بخشنے کا وعدہ فرمایا ہے۔

چار فرشتے جنھیں مسلمان خدا کا مقرب سمجھتے ہیں اور انکے عہدے بھی مقرر کر رکھے ہیں یہ ہیں جابرئیل جنھیں مسلمانوں نے چند خطابات عطا کئے ہیں بالخصوص روح القدس اور قاصد وحی کے نام سے پکارتے ہیں اور خدا کا بہت بڑا مقرب ہی نہیں مانتے بلکہ مسلمانوں کا خیال ہے کہ خدا کا جبرئیل پر بہت بڑا اعتماد ہے اور بہ نسبت دوسرے فرشتوں کے یہ زیادہ قابل بھروسہ ہیں اور یہی ربانی احکامات لکھتے رہتے ہیں۔ پھر میکائیل ہیں جو یہودیوں کے دوست اور محافظ ہیں پھر عزرائیل یا ملک الموت ہیں جو اجسام میں قبض ارواح کرتے ہیں پھر اسرافیل ہیں جو قیامت کے دن صور پھونکیں گے۔ مسلمانوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ دو فرشتے ہر آدمی کے ساتھ اُسکے اعمال لکھنے کے لیئے مقرر کیئے گئے ہیں اور وہ شب و روز اُسکی حفاظت بھی کرتے ہیں اور اعمال وافعال بھی قلمبند کرتے ہیں فرشتوں کی بابت یہ ساری باتیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آپکے صحابہ نے یہودیوں سے لی ہیں اور یہودیوں نے مجوسیوں سے فرشتوں کے نام اور عہدے قائم کرنے سیکھے ہیں۔ قدیم مجوسیوں کا فرشتوں اور اُنکے فرائض پر کامل یقین اور ایمان تھا۔ اور اُن کا عقیدہ تھا کہ معاملات دنیا میں بھی وہ دست اندازی کرتے ہیں اور اُن کا تصرف ہر کام میں موجود ہے۔ اِسی لیئے مجوسیوں نے اُنکے عہدے اور صوبے مقرر کر رکھے ہیں جہاں اُنکے فرائض متعلق

(ج) اے اھورامزد میں تجھی سے دریافت کرتا ہوں مجھے سچ سچ بتا کہ ابتدائے آفرینش میں پاک اور مقدس مخلوق کا باپ کون تھا؟ کس نے سورج اور ستاروں کی راہ بنائی ہے؟ تیرے سوا اور کون ہے جس نے چاند کو ہلال اور بدر بنایا۔ مزدا مجھے ان باتوں کی اور نیز دوسرے امور کے معلوم کرنے کی بڑی تمنا ہے۔ زمین اور آسمان کو ایسا کون سنبھالے ہوئے ہے۔ جو گرنے نہیں دیتا؟ پانی اور درختوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ ہوا اور بادلوں کو کس نے یہ تیزی عطا کی ہے؟ اے مزدا پاک اور صاف خیالات کا پیدا کرنیوالا کون ہے؟ کس اچھے کاریگر نے یہ ظلمت اور روشنی بنائی ہے؟ سونا اور جاگنا کس اچھے صانع کا بنایا ہوا ہے؟ صبح دوپہر اور شام کس نے بنائی ہے؟

(۳) (الف) میں اس لفظ کا اعلان کرنا چاہتا ہوں جو افضل ترین ذات نے مجھے خطاب فرمایا ہے۔ آدمی اگر اُس کو سُنے تو اُسکے سننے کے لیئے اِس سے بہتر کوئی لفظ نہیں ہے۔ جو شخص میرے اس کلام کو سُنے گا وہ درجۂ کمال کو پہنچکر بقائے دوام حاصل کرے گا۔ نیک اندیشوں کے آگے مزدا مالک ہر دو جہان ہے۔

(ب) میں اس امر کا بیان کرتا ہوں جو سب چیزوں سے افضل و بہتر ہے۔ صرف راستبازی ہی قابل تحسین ہے۔ اھورامزدا انکی سنے گا جو تمام نیک کام کرنے کی طرف مائل ہیں۔ وہ ذات جسکی عمدگی نیک دل لوگوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی ہے اُس نے مجھے سب سے بہتر حکمت سکھائی۔

(ج) جو لوگ بتوں کے خیال میں منہمک رہتے ہیں یا وہ جو ہمیشہ شرارت و بدفضی ہی کی دھن میں لگے رہتے ہیں ذلیل اور کمینے ہیں۔ اُن کو اُن لوگوں سے تمیز رکھنا چاہیئے جنھیں ہمیشہ نیکی کا خیال رہتا ہے۔ اُس کا دوست۔ بھائی اور باپ اھورامزدا ہے۔ پیشوائے آتش کا یہی سب سے عمدہ الہام ہے۔

(۴) (الف) ہم اھورامزدا کی پرستش کرتے ہیں جو نیکوکاری اور راستبازی کا سچا مالک ہے

تھے۔ انکے نام اور مہینے مقرر کیئے تھے اور دونوں کا شمار بھی کر رکھا تھا۔ اب بھی مجوسیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ جبرئیل کا نام اُنھوں نے سس دش اور دیوان بخش یعنے بخشایندۂ ارواح رکھا تھا دوسرے فرشتہ کا نام ملک الموت تھا جسے مرداد کے نام سے پکارتے تھے۔ میکائیل کو مجوسی بلیشنز کہتے تھے جو مخلوقِ خدا کے لئے رزق بہم پہنچاتا ہے۔

یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ فرشتے آگ سے پیدا ہوئے ہیں اور اُنکے بہت سے عہدے ہیں۔ وہ مخلوق اور خالق میں واسطہ ہیں اور ان ہی کے ذریعہ سے سب کام انجام پاتے ہیں۔ یہودی ملک الموت کو دوما کے نام سے پکارتے ہیں اور اُن کا عقیدہ ہے کہ دمِ واپسیں کے وقت ملک الموت آدمی کا اصلی نام لیکے پکارتا ہے۔

شیطان کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابلیس رکھا ہے جسکے معنے مایوس کے ہیں۔ ایک زمانہ میں ابلیس خدائے تعالیٰ کے مقرب فرشتوں کے زمرہ میں تھا مگر نافرمانی کی وجہ سے راندۂ درگاہ ہو گیا ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر بین طور پر آگیا ہے۔

فرشتوں اور ابلیس کے علاوہ قرآن جنات کی بھی تعلیم کرتا ہے جن کی سرشت آگ سے بیان ہوئی ہے مگر یہ معصوم اور زیادہ لطیف نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ کھاتے پیتے ہیں اور ان میں ازدیادِ نسل کے اسباب بھی ہیں اور اُنھیں موت بھی

ہم امیشا سپنتا کی پرستش کرتے ہیں جو نیکی کے مالک اور اُسکے عطا کرنے والے ہیں۔

ہم نیک روحوں کی تمام مخلوق کی پرستش کرتے ہیں خواہ وہ دنیاوی ہوں یا روحانی اور جو چیزیں نیک مخلوق کی باعث ہوئی ہیں اور عمدہ مزدیستانی مذہب کو پھیلاتی ہیں ہم اُنکی بھی پرستش کرتے ہیں۔

(ب) جو عمدہ خیالات۔ پاکیزہ اقوال۔ اچھے افعال اب موجود ہیں یا آیندہ ہونگے ہم اُن سب کی تعریف کرتے ہیں اور ایسی ہی ہم تمام اچھی چیزوں کو پاک اور صاف رکھتے ہیں۔

(۵) میں دیو یا شیطان پرستی سے توبہ کرتا ہوں اور زردشتی مزدائی ہوئے شیطان کے دشمن بنے اہورا کی پرستش۔ غیر فانی وفیض رساں دیوتاؤں (امیشا سپنتا) کی تعریف کرنے کا اقرار کرتا ہوں۔ میں اچھی چیزوں کو اہورا مزدا کی طرف منسوب کرتا ہوں جو خود نیک۔ راستباز۔ منور اور پرجلال ہے۔ اور تمام افضل ترین چیزوں۔ روح۔ فطرت۔ راستبازی۔ منور اشیاء۔ اور خود بخود روشن ہو جانے والی چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

(۶) میں مزدیانی زردشتی مزدیانی ہوں میں اس مذہب کا اقرار دوسرے شیطانی مذاہب (یعنی مذاہب ویدک) کے مقابلہ میں اس مذہب کو ترجیح دینے اور قابلِ تعریف سمجھنے سے کرتا ہوں۔ میں اُن خیالات کی تعریف کرتا ہوں جو اچھے ہیں۔ میں اُس کلام کی تعریف کرتا ہوں جو احسن ہے۔ میں اُس فعل کی تعریف کرتا ہوں جو عمدہ ہے۔

مجوسیوں کے یہ اصول ایمان ہیں۔ خدا پرستی کی تعلیم بے شک ہے مگر صاف الفاظ میں اس کا بیان نہیں ہوا فرشتوں کا کہیں ذکر نہیں ہاں روحوں کی طرف اشارہ ہے جس سے فرشتے سمجھ لینا دوسری بات ہے۔ پھر یہ خیال میں نہیں آتا کہ ان صاف اور صریح اصول پر کب اور کس وقت حاشیئے چڑھائے گئے اور فرشتوں۔ جنوں کے حالات آغاز اسلام سے ان میں داخل ہوئے یا اس سے پہلے ان خیالات کا نشان میں موجود تھا۔ اس زمانہ کی قدیم روایات اور قدیم کتب اور دیرینہ کتبوں سے یہ پایا جاتا ہے

آتی ہے۔ ان میں نیک بد دونوں ہی قسم کے مانے گئے ہیں۔ مشرقیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ حضرت آدم کے دنیا میں آنے سے پہلے جن ہی جن اس عالم میں آباد تھے اور مختلف بادشاہوں کی حکومت میں رہے۔

اسی طرح حضرت سلیمانؑ کی رعایا میں جن بھی تھے۔ چونکہ انھوں نے بد اعمالی پر کمر باندھ لی تھی اسی لیئے ابلیس کو حکم ہوا تھا کہ وہ انھیں دنیا کے آباد حصص سے نکال کے ایک خاص مقام پر مقید کر دے چنانچہ ایسا ہی ہوا جنکی نسل ہنوز باقی تھی۔ شاہ فارس طہمورث دیو بند نے اُن سے جنگ کی اور انھیں قاف کے مشہور پہاڑ میں بھگایا جنکی بعد ازاں مختلف کہانیاں زبان زد عوام ہو گئیں۔

مسلمانوں نے جنات کا خیال بھی یہودیوں سے لیا ہے۔ یہودی جن کو شدیم کہتے ہیں اُن کا عقیدہ ہے کہ جن یعنی شدیم دو فرشتوں عزا اور عزائیل سے بنا ہے طوفان نوح سے پہلے لامچ کی بیٹی نامہ جنات سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہودیوں کا بیان ہے کہ شدیم کے مثل فرشتوں کے پر ہوتے ہیں وہ دنیا کے اس سرے سے اُس سرے تک اُڑتے ہیں اور انھیں غیب کا علم بھی ہے اور وہ تین باتوں میں آدمی سے مشابہ ہیں۔ کھانا۔ پینا شادی بیاہ کرنا۔ اور مرنا۔ یہودیوں کا یہ بھی قول ہے کہ جنوں میں سے بعض حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے اور وہ نیکوکاروں میں سے تھے اور بعض اُن میں سے کافر اور نافرمان رہے یعنی حضرت موسیٰ پر ایمان نہیں لائے،، پادری سیل صاحب کی تقریر ختم ہو گئی۔

(جواب)

پادری صاحب نے یہودیوں مجوسیوں اور مسلمانوں کے بیاں میں عیسائیوں کا ذکر نہیں کیا۔ نہ یہ لکھا کہ عیسائیوں نے

کہ آریاؤں اور مجوسیوں میں چونکہ حد درجہ دشمنی پیدا ہو گئی تھی (حالانکہ پہلے یہ ایک ہی تھے) اور ایک فریق دوسرے فریق کی ہجو کرکے اُس ہجو یہ نظم و نثر کو اپنی الہامی کتابوں میں داخل کر لیتا تھا۔ اس لیئے زردشت کو آریاؤں کے بے تعداد دیوتاؤں کی پرستش کے مقابلے میں ایک معبود کی پرستش نکالنی پڑی۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جب تک آریا پنجاب کے بار آور میدانوں میں داخل نہوئے تھے اور اُن میں گڈریوں کے عادات واطوار باقی تھے اندرا کی پرستش ہوتی تھی اور وہی بڑا معبود گنا جاتا تھا جس کی درگاہ میں سومَا کی قربانیاں چڑھائی جاتیں اور اسکے صلہ میں انھیں گائے کی قدرت اور لڑنے کی طاقت عطا کی جاتی تھی یاسنا کے سب سے اخیر انتخاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ انتخاب پیروان و معتقدین زردشت ہی کے عقائد میں داخل تھا سپیناھینیوش اور انگروھینیوش دو جدا جدا آئے نہیں ہیں جیسا کہ اکثر کا مذہب ہے بلکہ ایک ہی ذات کی یہ دو حقیقتیں ہیں اول الذکر تو وجود ہے اور آخر الذکر عدم یعنی ان سے روح اور مادہ یا نور اور ظلمت یا بھلائی اور بُرائی مراد ہے وہ وہ بدکے برابر اہس ھما اور فایا اور سنکھیا کی پوروشا اور پراکرتی ہیں جو حق۔ انصاف اور محبت کے لیئے لڑتے ہیں۔ وہ سپنا ہینوش یعنی اہورامزداد ہرمزد کے پیرو اور معتقدین کہلاتے ہیں اور برخلاف اس کے جو لوگ جھوٹ۔ ظلم۔ حسد۔ میں مبتلا ہیں وہ انگرومینوش یا اہرمن کے غلام ہیں ایشیا پیدتا بشمول اہورامزد اسات ہیں۔

(۱) اہورامزداد ہرمزد) یعنی عقل کل۔

فرشتوں اور شیاطین کا خیال کس فرقہ اور مذہب سے لیا۔ اگر یہی تحقیق اور انصاف ہے تو بس سلام ہے ہم فرشتوں کے مسئلہ پر ایک بسیط بحث کرینگے اور تمام اقوام کے عقائد اور اسلامی اصول کا بالتفصیل مقابلہ کرینگے خدا ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں۔

ابتدائے آفرینش سے جتنی قومیں اور جتنے مذاہب دنیا میں پیدا ہوئے سب فرشتوں کے قائل تھے رہا ان کے ناموں میں اختلاف یا عہدوں اور کاموں میں فرق یہ بمقتضائے آب و ہوا اور مرز بوم کے پیدا ہو گیا تھا۔ مفہوم سب کا ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور کوئی محقق اب تک یہ ثابت نہ کرسکا کہ فرشتوں کے خیال کا بانی مبانی کونسا گروہ تھا۔ اور ابتدا میں یہ خیال کس نے دنیا میں پھیلایا۔ اگر مسلمانوں نے یہودیوں سے لیا اور یہودیوں نے مجوسیوں سے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجوسیوں کے ہاں فرشتوں کا خیال کہاں سے آیا سوا اسکے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ انسان کی سرشت میں اس خیال کا کہ خالق کی مخلوق کا انتظام ضرور ایسی قوتوں سے منضبط ہے جو دکھائی نہیں دیتیں مگر اُن کا تصرف ہر جگہ اور ہر صورت میں موجود ہے مادہ پایا جاتا ہے۔ اور یہ وہ پوشیدہ قوتیں ہیں جنھیں ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ ہمارے بعض مسلمان مصنفوں نے یہ خیال کرکے کہ مسلمانوں کے پاس فرشتوں کی بابت کوئی جواب نہیں ہے صریح وجود ملائکہ کا انکار کر دیا ہے تاکہ کچھ جھگڑا ہی نہ باقی رہے اور پھر مسلمانوں پر یہودیوں کی چوری کا الزام جاتا رہے مگر ہم ایسی غلطی نہیں کرنے کے اور ہمیں کوشش کرکے ایک حد تک اپنے نکتہ چیں کی تسلی کرنی چاہیئے۔ ہم علاوہ مذہبی معقول مباحث کے علوم جدیدہ سے بھی فرشتوں کا وجود ثابت کرینگے اور ہم مسلمانوں کو خوشی کی خبر سناتے ہیں کہ ہمیں خدا نے اس کام کے لیئے چنا ہے تاکہ ہم معترضوں کے جواب دیں۔ بہکے ہوؤں کو راہِ حق پر لاویں۔ اور پریشان دلوں کی تسکین کریں۔ خدا کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے گا۔ اُسنے ہمیں خاص لگن دی ہے

---

(۲) دوہو مینو (بہمن) یعنے نیک دل۔

(۳) آشا دہشتا۔ یعنی پاکی و صفائی۔

(۴) کھشترا ویر یعنے باروری۔

(۵) سپنتا آرمیتی یعنی عبادت و تقدس

(۶) ہوروتیال یعنے صحت وری۔

(۷) امرتال۔ یعنی بقا۔

یہ امیشیا سپنتا غیر فانی محسن کے لقب سے بھی ملقب کیئے گئے ہیں اور اُنکی پرستش مثل ملائکہ اعلیٰ کے کی جاتی ہے جو علیحدہ علیحدہ انسان۔ مویشی۔ آگ۔ فلزات۔ زمین۔ پانی۔ اور درختوں پر متعین ہیں۔

امیشیا سپنتا کے بعد فراوشی فرشتوں کا رتبہ ہے جو انسان حیوان۔ نباتات۔ اور معدنیات کے محافظ و نگہبان ہیں۔ ہر موقع پر اُن کا نام لیا جاتا ہے اور اُنکی پرستش کی جاتی ہے کیونکہ بھلائی۔ بُرائی اور انسان کی اعلیٰ و کمترین طبیعت کے مابین جو جھگڑے رہتے ہیں ان میں وہ ہمیشہ امداد کرتے ہیں۔ فراوشی مع مہتر اتشتور یا وغیرہ کے نیر اتاد سنسکرت یجاتا یعنی فرشتے کہلاتے

اور اسکی نعمت کا دروازہ ہم پر کھل گیا ہے - ہم میں اُس نے ہر وہ صفت ودیعت کی ہے جو وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو بخشتا ہے اس لیئے ہماری تحریر غور اور خوض سے پڑھنی چاہیئے اور اُسکے ہر پہلو پر غور کرنا لازم ہے یقیناً ہمارے استدلال تشنہ کامان دہر کی تسکین اور اُن کا تذبذب دور کرینگے -

پہلے اسبات کو سمجھنا چاہیئے کہ خدا نے اس عالم کو پیدا کیا اس سے بحث نہیں کہ اُسکی آفرینش کیونکر ہوئی - خواہ اُسے عقل اول نے ترتیب دیا خواہ وہ پانی میں سے نکلی خواہ اُسے خدا اور فرشتوں نے بنایا خواہ زمین شب کے بیضۂ عظیم سے بنی خواہ آسمانی سانڈے نے اپنے سینگوں سے شب کے بیضہ کو توڑ کے زمین پیدا کی خواہ آسمان سے ایک حاملہ عورت نیچے گری اور زمین نہونے کی وجہ سے کچھوے نے اُس عورت کو اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور پھر اُس کا وضع حمل ہوا اور زمین پیدا ہوئی خواہ کرۂ زمین کو آفتاب کا ایک حصہ تسلیم کر کے یہ مانیں کہ وہ دمدار ستارے کی رگڑ سے علیحدہ ہو گئی پہلے اُسکے گرد کے بخارات دُود ہوئے اور اپنی کثافت کے موافق - زمین - ہوا - پانی بن گئے - خواہ زمین کو اصل میں ایک دمدار ستارہ مان لیں خواہ یہ تسلیم کریں کہ آسمان میں ایک حجم عظیم پارہ پارہ ہوا اور اُس سے نظام ملکی میں ایک ہل چل پیدا ہوئی جس سے زمین اور اجرام بن گئے - غرض کسی طور سے زمین کی پیدایش تسلیم کریں اسکے ساتھ یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ انسان کے علاوہ کسی دوسری وجہ سے بھی نظام عالم قائم ہے وہ ہمیں آنکھوں سے نہیں دکھائی دیتی - دن رات کا باقاعدہ ہونا - مینہ کا مقررہ مہینوں میں برسنا - چاند کا اپنی ایک حالت پر ہلال بن کے بدر بن جانا - اسی طرح کے صدہا نظام عالم ہیں جو ایک صورت سے قائم ہیں اور اُنکی رفتار اور حالت میں ذرّہ

جاتے ہیں - اُن میں سے ہر ایک کی حمد و ثنا کی جاتی ہے اور اس حمد و ثنا کا نام یشت ہے اس قسم کی یشت تعداد میں بیس سے کم نہیں منجملہ اُنکے ہرمز یشت جس کا ذیل میں ترجمہ کیا جاتا ہے سب سے افضل ہے -

زردشت نے اہورا مزدا سے ناپاک روح سے بچنے کے لیئے سب سے پر اثر دعا دریافت کی - جواب میں اُسے معلوم ہوا کہ اہورا مزدا کے مختلف ناموں کا وظیفہ پڑھنا مختلف بلایات سے محفوظ رہنے کے لیئے سب سے بہتر ہے - اِسکے بعد زردشت نے اہورا مزدا سے ان ناموں کے علم حاصل کرنے کی درخواست کی اہورا مزدا نے بیس نام اُسے بتا دیئے مثلاً اہمی یعنی میں ہوں آشا و ہشتا یعنی افضل ترین نیکوئی میں ہی عقل ہوں - میں ہی علم ہوں - زندہ ہوں - میں جو ہوں وہ ہوں (اہمی یاد اہمی مزدا) اہورا مزدا پھر اس طرح فرماتا ہے اگر تم مجکو دن کو یا رات کو ان ناموں سے یاد کروگے تو میں خود تمھاری اعانت کو آؤنگا - اور فرشتہ سروش پانی درختوں اور نیک آدمیوں کی روحیں بھی تمھاری مدد کو آئینگی

یہ سروش یا سروشا پارسیوں کی کل مذہبی پرستش کا شخص ہے یہی فرشتہ تھا جس نے اول اول پانچوں گتھا گاکے زردشت کو بتائے تھے اور اسی نے سب سے پہلے مقدس شاخوں (یا رسوم) کو ترتیب دیا تھا - اور یہی موت کے بعد انسان کے افعال کا فیصلہ کرے گا - اُسکی پرستش زوتھرا یعنے آب مقدس سے کی جاتی ہے - کتاب یاما میں ایک پورا کا پورا باب نیرا تاکے بیان میں ہے جسے سروش یشت کہتے تھے - وسپراؤ سے مراد اُن دعاؤں کا مجموعہ ہے جو ۲۳ بابوں میں مرقوم ہے - یہ ژند کی معمولی زبان میں لکھا گیا ہے اور جدید یاسنا سے بہت مشابہ ہے - اس میں شک نہیں کہ جدید یاسنا اور وسپراؤ میں زردشتی مذہب کے خاص خاص طریق عبادت بیان کیئے گئے ہیں ان کو پارسیوں کے بجود ویدل کے نام سے پکارتے ہیں - ذیل میں

برابر بھی فرق نہیں آتا۔ ضرور اس باقاعدہ نظام کو ایک ایسی قوت نے قائم کر رکھا ہے جس کا ہر جا ہونا تو ضرور ہے مگر انسانی آنکھ سے اُس کا معلوم ہونا کچھ لازمی نہیں ہے۔ اُس قوت کا تصرف ہر جگہ ہی نہیں بلکہ ہر ہر ذرہ میں ہے کہیں تو وہ قوت پانی ہو کے برستی ہے اور کھیتوں کو تازہ کرتی ہے اور اُس سے انسان کے لیئے رزق جو اسکی زندگی کا باعث ہے پیدا ہوتا ہے۔ کہیں یہ قوت پہاڑوں پر برف کی صورت میں پڑتی ہے اور اس سے دریاؤں میں پانی آتا ہے جو انسان کی زندگی کا ایک جزو ہے۔ کہیں یہ قوت تند اور تیز ہوا کی صورت میں محسوس ہوتی ہے اور اس سے انسانی ذات کو ہزارہا فائدے ہوتے ہیں۔ یہ قوت گرم اور شدید دھوپ کی صورت زمین پر گرتی ہے اس سے خراب ہوا اور غلیظ رطوبتوں کی اصلاح ہوتی ہے اور انسان کے لیئے گویا پوشیدہ سامان حفظان صحت کا کیا جاتا ہے۔ کہیں یہ قوت آسمان پر گرج اور کڑاک کی صورت میں مسموع ہوتی ہے اور اُس سے بارانِ رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ کہیں یہ قوت سمندر کی لہروں میں دست و گریبان دکھائی دیتی ہے اور کہیں آتش فشاں پہاڑ کی شکل میں اس کا جلوہ ہوتا ہے۔ غرض ہر جگہ اور ہر چیز میں یہ قوت موجود ہے۔ اور اسی قوت نے ایک ایسا عظیم نظام قائم کر رکھا ہے جو ہرگز سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک قطعۂ زمین پر چند ایسے درختوں کا یکجا ہونا جو مزے اور رنگ میں باہم متضاد ہیں صاف پایا جاتا ہے کہ پوشیدہ قوت نے اُنھیں اُنکی خوراک میں امتیاز بدرجہ عطا کیا ہے۔ ایک ہی جگہ نیم ہے اور ایک ہی جگہ آم کا درخت ہے اور دونوں کی جڑیں زمین کے اندر پھیل کے باہم دست و گریبان ہوگئی ہیں اور زنجیروں کی طرح اُن میں لڑیاں پڑگئی ہیں۔ ایک ہی قسم کی رطوبت زمین سے جذب کرتی ہیں اور اس رطوبت کا ایک ہی مزا ہوتا ہے مگر وہ پوشیدہ قوت جس کا ان دیکھا نظام مسلم ہے جڑوں میں پہنچتے ہی رطوبت کو مزے اور رنگ کا نیا جامہ پہنا دیتی ہے اور وہ کبھی تو نبولی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی خوشبودار شیریں آم کی شکل میں نمودار ہوتی ہے کہیں کھٹے میں اُس کا مزا ترش معلوم دیتا ہے اور کہیں رنگترے میں اسکی شادابی اور شیرینی ہویدا ہوتی ہے۔

وسپراؤ سے کچھ انتخاب کر کے لکھا جاتا ہے۔

"ہم اہورامزدا کی عزت و احترام کرتے ہیں جو عالم الغیب ذات ہے۔ ہم سورج کی روشنی کی عزت کرتے ہیں ہم امیشاسپنتا اور سورج کی تعظیم کرتے ہیں۔ ہم کامل منتروں کی تکریم و تعظیم کرتے ہیں۔ ہم صفائی اور پاکیزگی کے روشن اور منور کاموں کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ ہم اُن جماعتوں کو محترم سمجھتے ہیں جن کے مجتمع ہونے کا سبب آگ ہوتی ہے۔ ہم مقدس اور مبارک سرسبزی اور ہوشیاری کو باعث فخر جانتے ہیں۔

ایرانیوں کے خیال میں مثل اہل ہنود کے آگ اور روشنی دونوں پرمنش کی مرغوب طبع علامتیں تھیں ہر ایک خاندان کا جداجدا منبع اور علیحدہ علیحدہ مقدس آگ تھی۔ اس طور پر گھر کے چولھے مقدس اشیا میں سے مقدس قرار پاگئے اور یہ صرف ایرانیوں اور اہل ہند کے ہی ہاں نہیں ہوا بلکہ یونانیوں اور رومۃ الکبریٰ والوں کے ہاں بھی اُن کے ہسنتیا یا ویستیا تھی جہاں وہ ہمیشہ آگ روشن رکھتے تھے۔

سی یندا د پارسیوں کی سمرتی کے بمنزلہ سمجھنی چاہیئے اس میں ۲۲ فریارو یا باب ہیں اور یہ گویا قدیم ایرانیوں کا مذہبی تعزیری

جب دنیا میں انسان پیدا ہوا اور اُسے عقل و تہذیب کا حصہ ملا تو اُس نے پوشیدہ قوت اور تصرفات کا علم حاصل کرنا چاہا اور اپنی محدود عقل سے اس کنہ تک پونہچنے کی کوشش کی۔ اخیر یہ سربستہ راز مصلحان مخلوق یعنے انبیا علیہم السلام کے طفیل سے کھلا اور وہ یہ تھا کہ علاوہ اس عالم کے اور بھی ایک عالم ہے اور اُسے عالمِ علوی یا عالمِ مجردات کہتے ہیں۔ وہاں لطیف اور پاکیزہ روحیں بستی ہیں اور خداوند تعالیٰ کے تمام نظام میں اُن ہی سے کام لیا جاتا ہی اگر صرف یہی بیان کر دیا جاتا اور اُنکے ناموں کی تشخیص نہ کیجاتی تو انسان کبھی نہ سمجھ سکتا تھا۔ اِس لیئے ہر زبان اور ہر محاورہ کے مطابق اُن ساکنان عالم مجردات کا ایک نام رکھد یا گیا۔ اور پھر اُنکے کاموں اور عہدوں کی تعیین کردی مثلاً ایک ایسے جوہر بسیط کا نام فرشتہ رکھا جو ہوا اور پانی پر حکومت کرتا ہے اور وہی بادلوں کو چلاتا اور اُسیکی وجہ سے بارش ہوتی ہے۔ بادی النظر میں یہ خیال موجودہ خیالات کی رو سے قابل مضحکہ ہونگے مگر ایک عاقل کی نگاہ میں بشرطیکہ وہ غیر طرفدارانہ فیصلہ کرنا چاہے ہرگز قابلِ مضحکہ نہیں رہنے کے۔ صرف الفاظ کا تغیر و تبدل ہی ورنہ ایک ہی کل اور ایک ہی قسم کے پرزے ہیں جو اُسے چلا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آجتک کسی نے اُن سے انکار نہیں کیا اور اپنے مذاق کے مطابق نئی نئی اصطلاحوں اور نئے نئے خطابات سے اُنھیں یاد کیا۔ مسلمانوں نے نئے نئے ناموں سے اُنھیں نامزد کیا اور فلاسفہ نے اُنکے جدا جدا نام مقرر کیئے۔

ملائکہ پر ہمارا ایمان ہے اور ہم اُنھیں ایسا بدیہی طور پر ثابت کرینگے جسکے لیئے دلیل کی ضرورت نہ پڑے گی جب پادری سیل صاحب نے دہریئے بن کر اعتراض کیا ہے تو ہم بھی اُنھیں دہریہ ہی رہنے دیں گے اور ہرگز اُنھیں عیسائیت کا جامہ نہ پہنائیں گے اور حالتِ تدبر میں اُنھیں ساکت کرینگے۔

ناموں اور اصطلاحوں کے تغیر و تبدل سے ہمیشہ عوام کو شبہہ پڑ جاتا ہے اور وہ ایک ہی چیز کو کسی دوسری

اور ملکی کمل قانون ہے جسکو پارسیوں کے علما یعنی زردشت کی اولاد در اولاد کی متحدہ کوششوں نے تیار کیا تھا اسمیں شک نہیں کہ علما نے اُن مقولات اور قوانین کے مطابق اس قانون کو تیار کیا تھا جو اُنکے پیغمبر سے نقل ہوتے چلے آتے تھے وہ قدیم مقولات اور قوانین اسستا کے نام سے مشہور تھے اور اسکی جو کچھ تفسیریں اور شرحیں پارسیوں کے علمائے متاخرین نے کیں وہ ژند کے نام سے نامزد ہیں اور پھر ژند کی جو شرحیں ہوئیں وہ پاژند کہلاتی ہیں۔ اس طرح وبنداد۔ اسستا۔ ژند پاژند پر منقسم ہی۔ بلاشبہہ وبنداد گتہا اور یاسنا قدیم العہد کی کتاب ہو۔ ہاوگ نے گتہا کی تاریخ سنہ مسیحی سے ہزار سے بارہ سو سال تک پیشتر۔ وبنداد کی تاریخ ۹۰۰ سے ہزار سال۔ یاسنا جدید کی تاریخ ۷۰۰ سے آٹھ سو برس قبل مسیح بیان کی ہے۔ دوگان کی تعلیم جو ہرمزا اور یہرہمان کی صورت میں مسلم مانی گئی ہے۔ وبنداد میں اُسکی خوب صراحت موجود ہے اور تجہیز و تکفین کے متعلق نہایت دقیق ہدایتیں کی گئی ہیں۔ مردے میں خبیث روح جو انکھے گتھے " کے ذریعہ سے نکالی جاتی ہے۔ یعنی کتنے کو مردہ کے نزدیک لاکے اُس کو مردہ دکھاتے ہیں اور اس امر کو "سگ دید" کہتے ہیں۔ یہ ہمیں طبعی طور پر پاپا کے "چوانکھے کتھے" جو دید میں بیان کئے گئے ہیں اور یونانیوں کا تین سر والا کتا جسکو وہ سی بی ریس کہتے اور محافظ دوزخ سمجھتے تھے یاد دلاتا ہے۔ چونکہ پارسیوں کے ہاں اربعہ عناصر یعنے خاک۔ باد۔ آب۔ آتش۔ پاک و مقدس خیال کیئے

جنس سے خیال کرکے کچھ کا کچھ سمجھنے اور خیال کرنے لگتے ہیں۔ مثلاً خدا۔ گاڈ۔ یزداں۔ علت العلل یہ چار الفاظ ہیں اور ان چاروں کا تلفظ الگ الگ ہے مگر غور سے دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ مفہوم چاروں کا ایک ہے اور اس میں کچھ بھی فرق نہیں چاہے ہم خدا کہیں یا فرسٹ کاز یعنے علت العلل کے نام سے پکاریں ایک ہی ذات کی طرف اشارہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں نظامِ عالم ہے اور اس کے تصرفات کی ہر جگہ ریشہ دوانی ہو رہی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہمنے تصرفات کی صفات سمجھنے میں غلطی کی ہے اور اپنی محدود عقل کے مطابق بالکل محدود صفات میں اُنھیں مقید کر دیا ہو مگر ماننا پڑے گا کہ آفتاب کے ایکساں دورے کا محرک اور اُسکو ایک حال پر قائم رکھنے والا ضرور کوئی ہے خواہ اُسے ہم لفظ کشش سے یاد کریں یا حکم خدا سے کہیں دونوں کے معنی میں کچھ بھی تفاوت نہیں۔ ستاروں اور سیاروں کی گردش چاند کا گھٹنا بڑھنا کوئی نہیں کہتا کہ خود بخود ہوتا ہے بلکہ اُنکی اُس پوشیدہ قوت کے سب قائل ہیں جو ہمیں نہیں دکھائی دیتی مگر اُن میں ودیعت ضرور ہوئی ہے۔ علومِ جدیدہ کے ماہر یہ بیان کرتے ہیں کہ کشش نے اپنے اپنے مقام پر سب کو ٹھہرا رکھا ہے اور اُس کشش میں کچھ بھی فرق آجائے تو نظامِ آسمانی دم بھر میں درہم و برہم ہو جائے اِسی کو دوسری زبان یا اصطلاح میں قوانین قدرت کہتے ہیں اور اسی کو ہم مسلمان مذہبی طور پر حکم باری عز اسمہٗ سمجھتے ہیں۔ کون اعتراض کر سکتا ہے کہ ہم نے کشش یا قوانین قدرت کے غلط معنے لگائے اور کون دعوی کر سکتا ہے کہ ہمارے ادعا غلط ہیں۔ عام طور پر فرشتوں کے عہدے اور کاموں کے متعین کرنے میں زیادہ فرق نہیں معلوم ہوتا اور جہاں تک بغور دیکھا جاتا ہے سب کا مفہوم یکساں ہے اور اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جب تمام دنیا کا ایک ہی بات پر اتفاق ہے تو وہ بات ضرور صحیح ہے۔ کیا وجہ ہے کہ آتش پرستوں یا مجوسیوں سے یہودیوں نے ملائکہ کا علم سیکھا اور اُن کے ہر اُصول کو قبول کر لیا اور پھر حضرت مسیح علیہ السلام نے سوائے تصدیق کے فرشتوں سے خفیف سا بھی انکار نہیں کیا۔ پھر اسلام نے اُنکی صداقت کی پر زور شہادت دی اگرچہ اُنکی آمد و شد اور تصرفات قوت میں اسلام کا کل ادیان سابقہ سے اختلاف ہے جسے ہم مفصل طور پر آگے تحریر کرینگے۔ وہ چیزیں جنھیں ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ آوازیں جو ہم کانوں سے سنتے ہیں ہم اُنکا کیونکر انکار کر سکتے ہیں۔ ہم فرشتوں کو اگرچہ آنکھوں سے

جانتے ہیں۔ اس لیئے جہاں تک ممکن ہوتا ہے ان سے وہ مردوں کو دور ہی رکھتے ہیں۔ اور اپنے خیال کے مطابق اُنھیں پاس نہیں آنے دیتے اور اُنھیں ایسی جگہ جا کے رکھتے ہیں جہاں مردار خوار گدھ۔ چیلیں وغیرہ اپنی دعوت سمجھکے اُن کے کھانے کے لیئے وہاں موجود رہتے ہیں جب مردہ یوں کھلا دیا جاتا ہے تو اُسکی ہڈیاں دخمہ یا گنبد خموشی میں ڈال دی جاتی ہیں۔ گتھا میں آیندہ زندگی کا مشرح یا مفصل بیان کیا گیا ہے اور یہ ژندواستا کے خاص اُصول عقائد میں سے گویا ایک اصول ہے۔ اِن کے عقیدہ کے موافق دنیائے جاودانی اور دنیائے فانی کے درمیان ایک پل ہے جسکو وہ چنوت پرتیتر کہتے ہیں۔ صرف نیک آدمیوں کی روح اُس پر سے صحیح و سالم گزر سکتی ہے اور برخلاف اسکے بد روحیں اُس پر سے گرکے دوزخ میں جا پڑتی ہیں۔

موت کے بعد نیک آدمی کی روح اپنی لاش کے سر کے قریب رہ کر تین رات تک وہ لطف و مسرت اُٹھاتی ہے کہ جو

نہیں دیکھتے کیونکہ وہ جسم نہیں رکھتے نہ محدود ہیں بلکہ تمام کائنات میں اُن کا تصرف موجود ہے اور وہ ہمیں آنکھوں سے دکھائی دیتا ہے۔ موجودہ علم طبعیات کے ماہر اس بات کے قائل ہیں کہ ہزاروں اسباب ہیں جن سے نظام کائنات قائم ہے اگرچہ وہ اسباب دکھائی نہیں دیتے۔ بہت غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوت تو ایک ہے جسکے ہاتھ میں نظام کائنات کی ڈوری ہے مگر اس قوت کی وسعت سے ہر جگہ اِسکی بہت سی صورتیں پیدا ہو گئی ہیں اور اسی وجہ سے اُسکے نام علٰحدہ علٰحدہ رکھ لیئے گئے ہیں۔ مثلاً ایک قوۃ وہ ہے جو سمندر کے بخارات آسمان پر لے جاتی ہے دوسری قوت جدا ہے جو اُنھیں منجمد برف کی صورت میں کر دیتی ہے۔ ایک اور قوت ہے جو ان میں برق و رعد کی آوازیں پیدا کرتی ہے۔ ایک اور قوت ہے جو پانی کو زمین پر لاتی ہے۔ ایک اور قوت ہے جو کانوں میں جواہرات بناتی ہے۔ دوسری قوت سمندر میں موتی پیدا کرتی ہے۔ ادھر ایک قوت مخلوق کو جسد بے روح بنا رہی ہے۔ اُدھر دوسری قوت اُنھیں نئیریں زندگی عطا کر رہی ہے۔ ایک قوت نے طوفان برق و باد کی ساکنان زمین پر آفت ڈھائی۔ دوسری قوت نے خشک سالی میں صدہا کو ہلاک کر دیا۔ ایک اور قوت کا دورہ ہوا تو اُس نے کھیتوں اور باغوں کو تر و تازہ کر دیا۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ ہم اپنے محاورہ اور اپنے مذاق کے موافق ان مختلف قوتوں کے نام رکھتے ہیں کیوں موردِ الزام بنائے جاتے ہیں۔ اور بلا وجہ ہم پر کیوں طعن و تشنیع کی جاتی ہے۔ علوم جدیدہ کے ماہروں نے ان قوتوں کے اپنے مذاق اور محاورے کے موافق نئے نئے نام رکھے۔ ہم اس پر بھی معترض نہیں ہوتے اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ سب کا مفہوم ایک ہی ہے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انکے بعض اوصاف سمجھنے میں بیشک غلطی کی گئی ہے اور ادیانِ سابقہ نے اُنکے اوصاف میں ایسی ایسی باتوں کو ملا دیا ہے جو بدیہی طور پر غلط ثابت ہوئی ہیں اور اُنکی تائید کسی پہلو سے بھی نہیں ہو سکتی۔ مگر اسلام نے اُنکی غلطیوں کی صحت کی اور ایسی صحت کی کہ آنکھوں سے دکھا دیا۔ اسلام نے ملائکہ پر ایمان لانا اِس لیئے مذہب کا ایک اُصول قرار دیدیا کہ اسلام توحید پرستی کی تعلیم کرتا ہے اور جس طرح کہ اسلام نے توحید کے مسئلہ کو دو قیمتی اور پر معنی جملوں میں ادا کیا ہے دنیا کے تمام ادیان بھی جمع ہو کے اُس کے ہم معنی ویسے ہی مختصر الفاظ نہیں لا سکتے اور ان ہی دو لفظوں کے قیمت کے اندازہ کرنے میں اگرچہ یوروپی مصنفوں کو کامیابی ہوئی ہے پھر بھی وہ اس کے اصلی جوہر کو ثابت کرنے میں اِس لیئے قاصر رہے کہ انکے دل پر ان الفاظ کہنے سے وہ تاثیر نہیں ہوتی جو ان میں وُدیعت کی گئی ہے

تمام دنیا اُٹھا سکتی ہے اور وہاں سے گزر کے وہ ایک سب سے زیادہ پر رونق طبقہ میں پونہچتی ہے۔ اور وہاں اسکی ملاقات اُس کے ایمان سے ایک خوبصورت دوشیزہ لڑکی کی صورت میں ہوتی ہے۔ اور وہ نوعمر نازنین اُس کے سامنے اُس کے تمام نیک افعال دہراتی ہے اور پھر اُس کو ھمیلیتی۔ ھس داستی اور ہوختی یعنے عمدہ خیال۔ نیک کام۔ حسن کلام کی بہشتوں میں لے جاتی ہے۔ جہاں غیر متناہی اور دائمی روشنی موجود ہے۔ بخلاف اس کے بد آدمی مرنے کے بعد تین رات تک اس قدر تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھاتا ہے۔ جس قدر تمام دنیا اُٹھا سکتی ہے اور بعد ازاں ایک نہایت ناپاک اور غلیظ

وہ الفاظ یہ ہیں:-

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

جس وقت ایک پاک دل مسلمان مکروہات زمانہ سے پاک ہو کے دل کے سچے اور عجیب جوش سے یہ کلمہ پڑھتا ہے اُسکے رونگٹے رونگٹے میں توحید کی آگ روشن ہو جاتی ہے اور خون کے ہر ہر ذرہ میں وہ حرارت پیدا ہوتی ہے جسے وہ محسوس تو بخوبی کر سکتا ہے مگر اسکی اصلیت سے واقف نہیں ہو سکتا نہ اُسکی لذت کا اُسے پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چونکہ خدائے واحد کی پرستش عین اسلام ہے اس لیئے اُسکی قوتوں اور پھر اُنکے تصرفات پر ایمان لانا بھی ضروری یا لازمی ہو گیا۔ اسلام نے اُن لوگوں کی سخت حقارت کی ہے جو اکثر معاملات کے حدوث کو اتفاقی سمجھتے ہیں جو اسلام اور علوم جدیدہ دونوں کے لحاظ سے غلط ہے۔ اسلام کا تو یہ منشا ہے کہ بغیر خدا کے حکم کے کچھ نہیں ہوتا حتیٰ کہ ایک ذرہ بھی جنبش نہیں کھاتا۔ موجودہ فلسفہ کا یہ اصول ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب کے حادث نہیں ہوتی دونوں کا مفہوم ایک ہی صرف لفظ حکم اور سبب کی دو صورتیں ہیں جو بظاہر غیر معلوم ہوتی ہیں مگر ان میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ علوم جدیدہ کے ماہر اُس شخص کو نادان سمجھتے ہیں جو انکے بدیہی اور مسلمہ اصول پر ایمان نہ رکھے اور اُنکے اصول وہ ہی ہیں جو علم طبعیات نے قائم کیئے ہیں۔ مثلاً ہر قسم کے حدوث کے لیئے اُنھوں نے اسباب مقرر کیئے ہیں اور ان ہی اسباب پر ان کا یقین اور ایمان ہے اسی طرح اسلام نے بھی ان اسباب کو پہچانا جن کا تصرف بہت کچھ نظام عالم پر ہے اور بغیر ان کے ایک لمحہ بھی نظام کائنات قائم نہیں رہ سکتا اور اپنے معتقدین کو جتا دیا کہ ان پر یقین رکھنا اور ایمان لانا اسلام کی نشانی ہے اور وہ کافر ہیں جو ان کھلی نشانیوں سے انکار کریں اور یہ کہیں کہ ہر شے آپ سے آپ ہو جاتی ہے محرک کوئی نہیں۔

طبقہ میں ہو کے وہ برے بُرے خیالات۔ بدکلام۔ زشت کار دوزخوں میں لایا جاتا ہے جہاں لامتناہی رات اور دائمی ظلمت چھائی رہتی ہے۔

پارسیوں میں جنت کو گاد دیو تا اور اهو دھشتنا کہتے ہیں جس سے لفظ بہشت نکلا ہے۔ جہنم کو انکے ہاں دُسای یو ویہا اور ڈو ژ نھا کہتے ہیں جس سے حال کا لفظ دوزخ نکلا ہے۔ معاد بھی زند اوستا کے عقائد اور اُصول میں سے خیال کی جاتی ہے۔

اہورا مزدا کے حکم سے قیامت کے دن پیغمبر سوس یوش ظاہر ہوگا اور تمام مردوں کو تازہ حیات بخش کے اُن کا فیصلہ کرے گا۔

بدی اور بُرائی کی طاقت تمام و کمال ضائع کر دی جائے گی۔ اور پھر مالک حقیقی کو فیصلہ اور انصاف کرنے کی کوئی ضرورت نہ رہے گی۔ اہرمان اور اُس کے جاں نثار ہمیشہ کے لیئے نابود کر دیئے جائیں گے اور صرف اہورا مزدا اور اُس کی اولاد دائمی خوشی اور لازوال مسرت میں بسر کریں گے۔ فقط

اس میں کچھ اعتراض اسلام پر نہیں ہو سکتا۔ نہ ملائکہ پر کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے کہ اُن پر کیوں ایمان رکھنا چاہیے
یہ درحقیقت خدا کی لازوال قوتیں ہیں جن کے تصرفات کی ریشہ دوانی نباتات۔ معدنیات۔ اور حیوانات سے لگا کے
کائنات کے کل سیاروں میں ہو رہی ہے اگرچہ وہ خود ہماری آنکھوں سے چھپی ہوئی ہے مگر اس کا اثر علیٰ اور بدیہی
ہے اور اس سے کوئی بھی منکر نہیں۔ بڑی بات اسلام میں دیکھنے کی یہ ہے کہ بہ نسبت دوسرے مذاہب کے اسلام
ملائکہ کو کس طرح مانتا ہے اور اُنکی صفات کا کیونکر قائل ہے اور دنیا میں اُنکی آمد و شد پر کیا خیال رکھتا ہے۔ یہ بحث
نہایت ادق اور دلچسپ ہے جسے بغور پڑھنا چاہیے یہودی۔ زردشتی۔ عیسائی اس بات کے قائل ہیں کہ فرشتے مجسم ہو کے
زمین پر اُترتے ہیں اور ہر نئی صورت میں حلول کر کے خدا کے احکام منہ بمنہ سناتے اور باتیں کرتے ہیں اور اُنکی
گفتگو سنی جاتی اور اُنھیں جواب دیا جاتا ہے۔ یہ خیالات اگرچہ گزشتہ زمانہ میں خواہ کسی قدر پسندیدہ ہوں مگر موجودہ
زمانہ میں قابل مضحکہ ہیں۔ ایک جوہر بسیط جو نرا نور ہی نور ہو وہ کیونکر ایک جسم خاکی میں ایک غیر معمولی وسعت کے ساتھ
حلول کر سکتا ہے اور جسم میں آنے کے بعد اُسکی نورانی کیفیت کیسے بجا رہ سکتی ہے۔ یہ باتیں اور خیالات ہیں جو اس وقت
وقعت کی نظر سے نہیں دیکھے جا سکتے اور عقلمند سے لگا کے کم عقل تک انصافاً یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حق ہے۔

اسلام نے اس خیال کی زبردست اصلاح کی اور قرآن نے صاف گواہی دی کہ نزولِ ملائکہ سے یہ غرض نہیں ہے
کہ وہ آسمان سے زمین پر انسان کی صورت میں درحقیقت اُترتے ہوں بلکہ جہاں اُنکا قیام خداوند تعالیٰ نے مقرر کیا ہے
وہ وہاں سے جنبش نہیں کھا سکتے۔ ہاں انکے ذریعہ سے پیغمبروں کے دل پر وحی باری تعالیٰ القا ہوتی ہے۔ ہمارے
علمائے سابقین میں ہم مانتے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا حضرت جبرئیل آسمان سے درحقیقت نازل ہوتے

یہ اصول و عقائد ہیں جو ہم نے پارسیوں کی مذہبی کتب سے انتخاب کیے۔ ایک مبصر اس سے اندازہ کر سکتا
ہے کہ پیچیدگی ہر معاملہ میں بہت ہے۔ توحید جو اسلام نے سکھائی اُس کا شمہ برابر بھی نہیں ادا کیا گیا۔ دوزخ
اور جنت کے بارے میں بھی بہت سا اختلاف ہے اور فرشتوں کا عقیدہ بھی اسلام سے بالکل مختلف ہے
یہ قاعدہ ہے کہ ہمیشہ سچی باتیں قریب قریب ہر قوم اور فرقہ کی یکساں ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی ثابت
نہیں کر سکتا کہ فلاں فریق نے فلاں فریق سے سیکھا۔ ملائکہ یا جنت و دوزخ یا شیطان کا خیال کبھی
ثابت نہیں ہو سکتا کہ فلاں قوم نے فلاں قوم سے لیا۔ اندازہ سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق
میں یہ جوہر ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ اپنے مالک کو پہچانے اور اسکی لازوال قوتوں کے نئے نئے
نام رکھکے اُنکی تعظیم کرے۔ مخالفانہ نکتہ چینیاں کرنی اور زبردستی ایک مخالف فریق کو مورد الزام
ٹھیرانا عقلاء اور انصاف پسند طبائع سے بعید ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب ہو حتیٰ کہ مذہب تدبیر بھی خدا
اور اسکی لازوال قوتوں کے تصرفات کو مانتا ہے۔ اگرچہ اُس نے اپنی عقل کے مطابق صفات قائم
کرنے میں غلطی کی غرض اس عالم میں تو کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ چاہے اس کا اعتراف کسی صورت
اور کسی رنگ کا ہو۔

تھے یا اُن کا تصرف تھا جہاں تک ہم نے اس اختلافی مسئلہ پر غور کی ہمیں کثرتِ رائے نہایت مضبوطی سے اسی طرف معلوم ہوئی کہ حضرت جبریل یا اور ملائکہ ہرگز اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھا سکتے بلکہ اُن کا تصرف تھا اور آنحضرت کو وہ القا کیا کرتے تھے۔

ہم بطور خود علمار کی اختلافی آرائے کو علیحدہ رکھ کے خود اس پر بحث کرتے ہیں اور قرآن مجید کو سب سے زیادہ حکم ٹھیراتے ہیں اگرچہ اپنی تائید میں صحیح احادیث اور بعض نامی گرامی علمار کے اقوال بھی نقل کرینگے۔

عام طور پر جو یہ خیال کرلیا گیا ہے کہ فرشتے خاص اوقات میں نازل ہوتے تھے اور اُنکا اثر اسی وقت تک رہتا تھا یہ ایک بودا خیال ہے اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے بھی مطابقت نہیں کھاتا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں ہمیشہ اپنے نیک بندوں کی روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام سے تائید کرتا ہوں۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ تائید جو خود حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روح القدس سے کی گئی اُس تائید سے جو آپ کی اُمت کے متقی لوگوں کی کی جاتی ہے زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً حضرت جبریل اپنے ظلی وجود سے حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے جس کی تمثل کی اُنھیں طاقت دی گئی تھی جیسا کہ دحیہ کلبی کی شکل پر حضرت جبرئیل متمثل ہو کے ظاہر ہوتے تھے مگر امتیوں کے لیئے یہ بات نہیں رکھی گئی کہ خدا کا فرشتہ اپنے ظلی وجود سے نازل ہو اور اُن سے باتیں کرے بلکہ جس طرح خدا اپنے نیک بندوں کی تائید کرتا ہے اسکی یہ صورت ہو جو اس آیت میں بیان ہوئی ہے یا ایھا الذین اٰمنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا و یجعل لکم نورا تمشون بہ یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو اور اللہ جل شانہ سے ڈرتے رہو تو خدا تعالیٰ تمھیں وہ چیز عطا کرے گا (یعنی روح القدس) جس کے ساتھ تم غیروں سے امتیاز کلی پیدا کرلو گے۔ اور تمھارے لیئے ایک نور مقدر کرے گا (یعنی روح القدس) جو تمھارے ساتھ ساتھ چلے گا۔ اس سے ایک دائمی تائید روح القدس کی معلوم ہوتی ہے۔ اور خدائے ذوالجلال وعدہ فرماتا ہے کہ اگر تم متقی رہے اور تم نے نیک کام کیئے تو تمھیں ایک ایسا نور یعنی روح القدس عطا کرے گا جس سے تمھیں امتیاز کلی دوسروں میں ہو جائیگا اور اسکی رفاقت تمھارے ساتھ دائمی ہوگی۔ پھر خداوند تعالیٰ سورۃ المجادلہ میں فرماتا ہے اولٰئک کتب فی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منہ یعنی اُن مؤمنوں کے دلوں میں خدائے تعالیٰ نے ایمان لکھدیا اور روح القدس سے اُن کو مدد دی۔ روح القدس کی تائید کی تشریح کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں ہے صرف اسی قدر بتا دینا کافی ہے کہ ربانی قوتوں کے وہ بدیہی اثرات جو ہمیشہ قدم بقدم اُنکے ساتھ رہتے ہیں جنھوں نے خدا کی مرضی پر اپنے کام کو چلایا۔ یعنی قوانین قدرت کی خلاف ورزی نہیں کی اُس وقت روح القدس اُنکی تائید کرتی ہے اور اُس کا تائید کرنا مسلم ہے۔ یہ ایک خاص نعمت ہے۔ جو خدائے تعالیٰ اپنے بندوں کو مرحمت فرماتا ہے۔ جو قوانین قدرت کی کسی حالت میں بھی خلاف ورزی نہیں کرتے اور اپنی زندگی کا دار و مدار اسی پر سمجھتے ہیں یہی بہت بڑی تائید ہے کہ روح القدس کے ذریعہ سے ہمیں نئی زندگی عطا ہوتی ہے نئی زندگی کو ہم ایمان سمجھتے ہیں اور فلسفی تمدنی یا معاشری حالت کو جانتے ہیں

قرآن مجید میں روحانی زندگی کا ذکر اس کثرت سے آیا ہے کہ تقریباً تمام قرآن مجید اسی سے مملو ہے اور وہ

روحانی زندگی یہی ہے کہ ہم ایماندار بنیں اور خدائے واحد و مطلق پر یقین رکھیں اپنی زندگی اپنے کاموں کا دارومدار اسی کی مرضی پر رکھیں۔ ہمارے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو بارہا یہی دعا دی ہے کہ خدا تمھاری روح القدس سے تائید کرے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ایک حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہوئی ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضع لحسان بن ثابت منبرا فی المسجد فکان ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللھم اید حسان بروح القدس کما نافح عن نبیک یعنی حسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے کفار سے جھگڑتا تھا اور انکی ہجو کا مدح کے ساتھ جواب دیتا تھا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسان کے حق میں دعا کی اور فرمایا یا الٰہی حسان کی روح القدس کے ساتھ مدد کر،، اس حدیث شریف سے سوائے اسکے اور کچھ مستنبط نہیں ہوتا کہ جبرئیل کی مدد ہر پاک دل مومن کے لیئے لازمی قرار دی گئی ہے اور وہ مدد جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہوتی ہے۔ خود آنحضرت نے درگاہ رب العرش میں روح القدس کی تائید کے لیئے اپنے صحابہ کے واسطے دعا مانگی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ روح القدس یعنی جبرئیل کی خصوصیت صرف پیغمبروں کے ساتھ تھی اور دوسرے اس سے محروم کیئے گئے ہیں۔ ایک کامل نور اور تمام کائنات پر پھیلا ہوا نور چند ذاتوں کے لیئے مخصوص نہیں ہو سکتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسکی تائید اور مدد کے پہلو مدارج کے لحاظ سے مختلف ہوں مثلاً انبیاء علیہم السلام کے ساتھ روح القدس کی تائید ظلی وجود کے ساتھ ہو اور خدا کے برگزیدہ بندوں سے بذریعۂ القا کے اسکی تائید تسلیم کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ روح القدس کے ذریعہ سے القا خود سرور دوجہاں حضرت رسالتمآب کو ہوا کرتا تھا۔ حضرت جبرئیل یا روح القدس کا مدد کے لیئے ساتھ ہونا ایک صحیح حدیث میں مروی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ جن میں جبریل کی ہمراہی غیر نبی کے ساتھ بیان ہوئی ہے ھاجھم وجبرائیل معک یعنی اے حسان کفار کی بدگوئی کا بدگوئی کے ساتھ جواب دے اور جبرائیل تیرے ساتھ ہے بڑی بات جو اسلام نے صاف کی ہے وہ ملائکہ کی آمد و شد کے متعلق ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ اسلام نے ان قدیم عقائد میں جو فرشتوں کی بابت تمام گزشتہ اقوام میں پھیلے ہوئے تھے بہت بڑی اصلاح کی ہے اور صاف بتا دیا کہ فرشتوں کا اپنی نوری اجسام کے ساتھ کسی جسم خاکی میں حلول کرنا اور پھر آسمان سے اترنا محض قیاسی امور ہیں جنھیں صدق سے کوئی تعلق نہیں۔ ملائکہ یا خدمائے رب العرش کی لازوال قوتیں کبھی نہ محدود ہو سکتی ہیں اور نہ مجسم ہو سکتی ہیں ان کا تصرف تمام کائنات پر پھیلا ہوا ہے اور انکے کام بہت بڑے اور اہم ہیں اگر فرائض کی انجام دہی میں ایک لحہ کی بھی کمی و بیشی ہو تو نظام کائنات آناً فاناً میں درہم برہم ہو جاتا ہے۔ چونکہ خدا کی لازوال قوتوں کا ہر مقام پر اور ہر جگہ تصرف موجود ہے اس لیئے اس یقین کرنے میں ہمیں کونسی بات مانع آسکتی ہے کہ حضرت جبریل ہر لحظہ اور ہر وقت نہ صرف اس عالم میں بلکہ کل کائنات پر محیط ہوں اور ہونا بھی چاہیئے کیونکہ روح القدس کا تمام عالم پر محیط ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے۔ ہمارے بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ حضرت جبرئیل وحی لیکے زمین پر اترتے تھے اور پھر آسمان پر چلے جاتے تھے مگر افسوس ہے کہ ہم اس خیال کے مؤید نہیں بن سکتے خود قرآن مجید اور صحیح حدیثیں ہمیں اس خیال کی منافی معلوم ہوتی ہیں مثلاً ایدھم بروح منہ صاف طور پر ان ربانی الفاظ سے پایا

جاتا ہے کہ روح القدس ہر وقت مؤمنوں کے ساتھ رہتی ہے اسیطرح اس آیت کی تفسیر میں وایدناہ بروح القدس تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ روح القدس ہر وقت حضرت مسیح علیہ السلام سے جدا نہیں ہوتی تھی اور جب تک وہ دنیا پر رہے ایک لمحہ بھی روح القدس سے اُنکی مفارقت نہوئی - معالم اور ابن کثیر اور مظہری وغیرہ تفسیریں یہی لکھتی ہیں - روح القدس کا دم بھر علیحدہ ہو کے آسمان پر نہ جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کا تصرف دم بھر کے لیئے ایک جگہ کم یا بڑھتی نہیں ہو سکتا - یا یہ ممکن نہیں کہ جبریل آسمان پر چلے گئے تو زمین خالی ہوگئی اور زمین پر چلے آئے تو آسمان خالی ہوگیا اِس سے ایک اور بات یہ پیدا ہوتی ہے کہ آسمان سے وحی لیکے کون آتا تھا - جب جبریل ہر وقت حضرت عیسیٰ کے ساتھ رہتے تھے ان کل پہلوؤں پر غور کرنے سے پایا جاتا ہے کہ ہر نیک مخلوق کے ساتھ ہمیشہ روح القدس رہتی ہے اور اُس سے وہ ایک لمحہ بھی جدا نہیں ہوتی - روح القدس کے ذریعے سے تمام نیک کام ہوتے ہیں - اور اسی روح القدس کے ذریعہ سے انبیا علیہم السلام کو وحی القا ہوتی ہے - اس امر کی تائید میں کہ نزول وحی کے وقت حضرت جبرئیل یا روح القدس اپنی جگہ ہوتی ہے وہاں سے ایک انچہ بھی حرکت نہیں کر سکتی - ابن جریر اور ابن کثیر نے یہ حدیث نقل کی ہے عن النواس بن سمعان رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد اللہ تبارک وتعالیٰ ان یوحی بامرہ تکلم بالوحی فاذا تکلم اخذ السمٰوات منہ رجفۃ اوقال رعدۃ شدیدۃ من خوف اللہ تعالیٰ واذا سمع بذلک اھل السمٰوات صعقوا وخروا للہ سجدا فیکون اول من یرفع راسہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام فکلمہ اللہ من وحیہ بما اراد فیمضی بہ جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام علی الملائکۃ کلما من سماء الی سماء سیئلہ ملائکتہا ماذا قال ربنا یا جبرائیل فیقول علیہ السلام قال الحق وھو العلی الکبیر فیقولون کلھم مثل ما قال جبرائیل فینتھی جبرائیل بالوحی الی حیث امرہ اللہ تعالیٰ من السماء والارض یعنی نواس بن سمعان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت خدائے تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ کوئی امر وحی اپنی طرف سے نازل کرے تو بطور وحی متکلم ہوتا ہے اور اس محجوب المفہوم کلام سے ایک لرزہ آسمان پر پڑ جاتا ہے جس سے وہ ہولناک کلام تمام آسمان میں ساری ہو جاتا ہے اور کوئی نہیں سمجھتا کہ اُسکے کیا معنے ہیں اور خوف الٰہی سے ہر ایک فرشتہ کانپنے لگتا ہے کہ خدا جانے کیا ہونیوالا ہے اور اس ہولناک آواز کو سُنکر ہر فرشتہ پر غشی طاری ہو جاتی ہے اور وہ سجدے میں گر جاتے ہیں پھر سب سے پہلے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدے سے سر اُٹھاتے ہیں اور خدائے تعالیٰ اُس وحی کی تمام تفصیلات اُنھیں سمجھا دیتا اور اپنی مراد اور منشا سے مطلع کر دیتا ہے - پھر جبرائیل اُس وحی کو لیکے فرشتوں کے پاس جاتے ہیں جو مختلف آسمانوں میں ہیں اور ہر ایک فرشتہ اُن سے دریافت کرتا ہے کہ یہ ہولناک آواز کیسی تھی اور اس سے کیا مُراد تھی - اُس وقت جبرائیل ع اُنھیں یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ ایک امر حق ہے اور خدا تعالیٰ بلند اور نہایت بزرگ ہے یعنی یہ وحی اُن حقائق میں سے ہے جن کا ذکر کرنا اُس علی الکبیر نے قرین مصلحت سمجھا ہے پھر وہ سب اُنکے ہم کلام ہو جاتے ہیں پھر جبرائیل اُس وحی کو اُس جگہ پہنچا دیتے ہیں جس جگہ پہنچانے کے لیئے اُنھیں حکم ہوا تھا -

اس حدیث شریف سے جو کچھ نتیجہ ہم نکال سکتے ہیں یہ ہے کہ حضرت جبریلؑ کے ذریعہ وحی پیغمبروں کو القا ہوتی تھی۔ کوئی لفظ اس حدیث شریف کا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جبرائیل مجسم ہو کے زمین پر اُترتے تھے تمام آسمانوں میں ملائکہ کو مطلع کر دینا یہ معنی رکھتا ہے کہ آنًا فانًا ہیں وہیں بیٹھے بیٹھے اسی طرح کلام خدا بھی پیغمبروں کو پہنچا دیتے تھے ساتھ ہی ایک بڑی بات جو اس حدیث شریف سے پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ خدا کی قوت اور اُس کا تصرف تمام کائنات پر یکساں پھیلا ہوا ہے اور چونکہ وہ سب ایک ہی قوت کی زنجیروں سے بندھا ہوا ہے اس لیئے ایک ہی حس اور ایک ہی حرکت اُنھیں جنبش میں لے آتی ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ روح القدس جسکی تائید تمام کائنات اور تمام کرّوں کی مخلوق کے لیئے لازمہ قوانین قدرت ہے کیونکر ایک تنگ و تاریک جسم خاکی کی صورت میں آکے برسوں ایک ہی مقام پر گزار دیگی۔ یہ ایسی بدیہی بات ہے جسکے لیئے دلیل و حجت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسکی مثال بعینہٖ اُس ہوا کی سی ہے جس نے اُس کرۂ زمین کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور ہوا چاروں طرف سے سمٹ کے تعمیل حکم کے لیئے حاضر ہوتی تھی اور پھر اپنی جگہ چلی جاتی تھی۔ یہ خیال نہ صرف عقل کے خلاف ہے بلکہ اس قابل بھی نہیں کہ انسان اُسے منہ سے نکالے۔ اسیطرح روح القدس یا حضرت جبریل کا ایک ہی جگہ جمع ہو جانا اور ایک ہی ذات واحد کے ساتھ برسوں تک رہنا قرینِ عقل نہیں ہے۔ جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہر پیغمبر کے پاس حضرت جبریل وحی لے کے آیا جایا کرتے تھے تو پھر یہ حدیث کیونکر صحیح ہوئی کہ حضرت جبریل اخیر دم تک حضرت عیسٰی کے ساتھ تھے اور ان سے دم بھر جدا نہیں ہوئے۔ اِن سب اُمور پر غور کرنے کے بعد جو نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل یا روح القدس باری تعالیٰ کی قوت کے اُس تصرف کا نام ہے جو تمام کائنات پر محیط ہے اور جس کا اثر ایک لحظہ بھی کل کرّوں اور اُن کی مخلوق سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اپنے نبی معصوم و برحق کی نسبت ہمارا یقین اور ایمان یہ ہے کہ آپ کی ذات مبارک کے ساتھ ہر وقت حضرت جبریل رہے یعنے روح القدس نے ایک لحظہ بھی آپ سے مفارقت نہیں کی۔ وہ ذریعہ تھا جس سے آپ میں وحی القا ہوتی تھی اور وہی ذریعہ تھا جس نے آپ کو انبیا میں امتیازی رتبہ دیا۔ ہم بہت زور سے کہتے ہیں اور اسی کو اپنا دین اور ایمان سمجھتے ہیں کہ کبھی حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے شیطان نے مس نہیں کیا جیسا کہ بعض مسلمان غلط فہمی سے خیال کرتے ہیں۔ آپ پر خدا کا ہاتھ تھا روح القدس یا جبریل ابتدائے زمانہ سے کہ آپ شکم مادر سے دنیا میں تشریف لائے ہم صحبت اور جلیس رہی اور ایک لمحہ بھی آپ سے مفارقت نہیں کی۔ خود قرآن مجید میں ہمارے دعوے کی تائید اور صاف الفاظ میں موجود ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ خود صحابہ کا آنحضرت کی کی نسبت یہ صحیح یقین تھا کہ روح القدس کبھی آپ سے جدا نہوتی تھی اور یقین تھا کہ حضرت رسالت مآب کا کوئی قول وحی کی آمیزش سے خالی نہوتا تھا۔ چنانچہ اسکی تائید میں ہم یہ حدیث نقل کرتے ہیں جسے امام احمد چند واسطوں سے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ نے کہا کہ جو کچھ میں آنحضرت سے سنتا لکھ لیتا تھا تاکہ میں اُسے حفظ کر لوں اسپر بعض لوگوں نے مجھے منع کیا کہ ایسا مت کیا کرو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں کبھی غضب سے بھی کلام کرتے ہیں تو میں یہ بات سنکر لکھنے سے دستکش ہو گیا اور اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا اُس ذات کی مجھے قسم جسکی مٹھی میں میری جان ہے کہ جو مجھسے صادر ہوتا ہے خواہ قول یا فعل وہ سب خدا کی طرف سے ہے" یہ حدیث تو صاف صاف الفاظ میں ہمارے دعوے کی تائید کرتی ہے کہ روح القدس یا جبرائیل ایک لمحہ بھی آپ سے جُدا ہوتے تھے۔ اور جو کچھ آپ فرماتے سنتے یا جو کچھ آپ کرتے تھے ہرگز آمیزش وحی سے خالی نہ ہوتا تھا

شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں اسی بحث کے متعلق یہ تحریر فرماتے ہیں" ملائکہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیئے دائمی رفیق وقرین ہیں چنانچہ جامع الاصول اور کتاب الوفا میں یہ لکھا ہے کہ ابتدائے نبوۃ سے تین برس برابر حضرت اسرافیل ملازم صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رہے اور پھر حضرت جبرائیل دائمی رفاقت کے لیئے آئے۔ پھر صاحب سفر السعادت یہ لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سات برس کے تھے جب اسرافیل کو اللہ جلت شانہ کی طرف سے حکم ہوا کہ حضرت رسالتماب کے ملازم خدمت رہیں پس اسرافیل ہر وقت اور ہمیشہ حضور کی خدمت میں رہتے تھے۔ گیارہ برس تک یہی کیفیت رہی مگر اسرافیل بجز کلمہ دو کلمہ کے کوئی بات وحی کے طور پر آنحضرت کے دل میں نہیں ڈالتے تھے۔ اسی طرح میکائیل بھی آنحضرت کے قرین رہے پھر سب کے بعد حضرت جبرائیل کو حکم ہوا اور وہ پورے تنتیس برس قبل از وحی ہر وقت قرین ومصاحب نبی اکرم کے رہے پھر اسکے بعد وحی نبوت شروع ہوئی۔

اس روایت سے ایک فہمیدہ شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی روح القدس آپ کی ہمقرین بن گئی اور وفات تک آپ کی خدمت میں حاضر رہی۔ فرشتوں کی تبدیلی اس امر پر صاف دلالت کرتی ہے کہ جوں جوں آپ بڑے ہوتے گئے روح القدس کی تائید ترقی کرتی گئی اور اخیر ہوتے ہوتے یہانتک ہوگیا کہ روح القدس آپ کی جزو ذات ہوگئی مگر ثابت ہوتی ہے روح القدس کی دائمی رفاقت جس پر اب خفیف سا بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔ ہمارا مذہب ہے اور اسپر ایمان ہے کہ پیدا ہوتے ہی روح القدس آپکی خدمت میں رہنے لگی اور جوں جوں سن شریف بڑھتا گیا روح القدس کا نور زیادہ ہوتا گیا اور پھر روح القدس چالیسویں برس آپکی ذات اطہر واقدس کے ساتھ ایسی شیر وشکر ہوگئی کہ دوئی جاتی رہی اور اُس کے ذریعے سے کلام خدا کا القا ہونے لگا۔ اے انبیاء کے سرتاج تیری ہی ذات کو یہ بزرگی حاصل ہے کہ تیرا کوئی فعل کوئی کلام کبھی بغیر روح القدس یا وحی کے نہیں سنا گیا تیرا اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ سونا۔ جاگنا۔ کھانا۔ پینا۔ وحی کی آمیزش سے خالی نہ تھا۔ تو برگزیدہ ہے اور خدا نے تیرے ہی ذریعہ سے اپنے کلام کی دنیا میں منادی کرائی۔ اُنکی سخت گستاخی اور خیرہ چشمی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ شیطان نے تیرے مقدس اور مبارک جسم کو مس کیا۔ ادہر تو شکم مادر سے باہر آیا کہ روح القدس نے تجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور تیری پرورش نورانی معاشرت سے کی وہاں شیطان کا گزر ممکن نہیں۔ اگر شیطان نے اور نبیوں کو بہکایا تو بہکانے دے۔ اگر شیطان نے چالیس دن تک حضرت مسیح کی آزمایش کی تو بلا سے مگر اے خاتم النبیین تیری ذات سب سے اعلیٰ اور افضل ہے کہ تیرے قرب سے گزرنے کا خیال بھی شیطان کو نہیں آیا۔ اے سرچشمہ نور وہدایت تیرا فضل بہت بڑا ہے حقیقت میں تو روح القدس کی گود کا پرورش پایا ہوا ہے تیرے دین کا جلال ابد تک قائم رہے۔

ہم حضرت جبرائیل یا روح القدس کے جسم خاکی میں حلول کرنے اور تنگ و تاریک پتلے کی صورت بننے کے قائل نہیں ہیں اسیطرح ہم ان ربانی قوتوں کا کوئی جائے قرار بھی تعین نہیں کر سکتے۔ ہم اُنھیں تو تمام آسمانوں سیاروں اور ستاروں بلکہ تمام کرہوں پر محیط تسلیم کرتے ہیں اور اُنکی اسی صفت سے ہم اپنے رب الافواج کی پوری بزرگی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ یہ خیال اب کسی طرح بھی درست نہیں رہا کہ جس طرح زردشتی اور یہودی فرشتوں کے قائل ہیں اسیطرح مسلمان بھی ہیں۔ ہماری تحریر بالا سے پادری سیل صاحب اور اُنکے ہمخیال لوگوں کو یہ تو ضرور معلوم ہو گیا ہو گا کہ اسلام فرشتوں کو اُسی صورت سے مانتا ہے کہ نہ اسکی منافی سائنس کوئی حجت پیش کر سکتا ہے نہ نیوٹن۔ مل اور ڈارون کے اصول مسلّمہ کے خلاف پڑتا ہے۔ ہاں زردشتی۔ یہودی۔ عیسائی جس صورت سے کہ ملائکہ اور اُنکی آمد و رفت اور افعال کے قائل ہیں وہ قابل مضحکہ ضرور ہے اور اس سے پتہ نہیں چلتا کہ ان مذہبوں نے فرشتوں کو سمجھا ہی کیا ہے اور انھیں کس نوعیت کا مانا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ نے جبرائیل کے نازل ہونے اور دحیہ کلبی کی صورت میں اکثر حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے پر ایک معقول اور دلچسپ بحث کی ہے جس سے عیسائی اور اُنکے معترض علماء یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسلام نزول ملائکہ کا کس طرح قائل ہے چنانچہ مولٰنا صاحب ممدوح مدارج النبوۃ میں یہ تحریر فرماتے ہیں "نزول جبرائیل جو بعض اوقات بصورت دحیہ کلبی یا کسی اور انسان کی صورت میں ہوتا تھا زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور اہل نظر کو اس میں سخت مشکل یہ پڑتی ہے کہ اگر درحقیقت جبرائیل علیہ السلام ایک نیا جسم دحیہ کلبی کے جسم کے مشابہ حاصل کر کے اِس میں اپنی روح داخل کر لیتے تھے تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُن کا اصلی جسم جسکے تین سو بازو بیان ہوئے ہیں کس حالت میں ہوتا تھا کیا وہ جسد بے روح کی طرح پڑا رہتا تھا اور حضرت جبرئیل فوت ہو کے پھر بطریق تناسخ دوسرے جسم میں آجاتے تھے" اِسکے بعد ہمارے ممدوح یہ تحریر فرماتے ہیں "اہل تحقیق اسے تمثیلی نزول سمجھتے ہیں نہ حقیقی نزول جس سے ایک جسم کو چھوڑنا اور دوسرے جسم میں داخل ہونا لازم آئے اصل بات یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے ذہن میں جو دحیہ کلبی کی صورت علمیہ تھی تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی قوت کاملہ اور ارادتِ شاملہ کے زور سے اس صورت پر اپنے وجود کا اضافہ اپنی کل صفتوں کے ساتھ کر کے تمثّل کے طور پر اس میں اپنے کو ظاہر کر دیتے تھے۔ یعنی بطور تمثّل دحیہ کلبی کی صورت میں اپنے کو دکھاتے تھے اور صورت علمیہ کو اپنی صفات سے متلبس کر کے نبی معصوم و برحق پر تمثلاً ظاہر کر دیتے تھے۔ یہ نہیں کہ جبرائیل آپ اپنے وجود کے ساتھ آسمان سے اُترتے تھے بلکہ حضرت جبرائیل آسمان پر اپنے مقام پر ثابت و قائم رہتے تھے اور یہ جبرائیل اُس حقیقی جبرائیل کی ایک مثال تھی یعنی اُس کا ایک ظل تھا عین نہیں تھا کیونکہ عین جبرائیل تو وہ ہے جو اپنی صفات خاصّہ کیساتھ آسمان پر موجود ہے اور اُسکی حقیقت و شان الگ ہے" یہاں مولٰنا صاحب کی رائے ختم ہو گئی۔

اِس تحریر بالا سے جو کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے وہ یہ ہے کہ نزولِ ملائکہ تمثلی ہوا کرتا ہے نہ حقیقی۔ یہی بہت بڑا فرق ہے جو ادیان سابقہ اور اسلام میں ہے ہم اسی لیئے اسلام کو کامل دین کہتے ہیں کہ اُس نے کسی مسئلہ کو اُلجھاؤ میں نہیں ڈال رکھا اور ہر بات کو اس طرح صاف کر کے دکھا دیا کہ پھر اُس میں چون و چرا کی جگہ باقی نہ رہی۔ ہمنے صرف

دو باتیں بیان کی ہیں اور وہ دونوں باتیں گو بظاہر نئی معلوم ہونگی مگر درحقیقت وہی باتیں ہیں جنھیں ہمارے بہت سے علمار تسلیم کر چکے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ انکے مسلمہ مسئلہ کی شہرت نہوئی ہو اور گوشۂ فراموشی میں پڑا ہوا ہو پہلی بات جو ہم نے بیان کی ہے یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یا روح القدس دائمی طور پر ہمارے نبی معصوم و برحق رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ نزول جبرائیل تمثلی صورت میں ہوتا تھا۔

اس اصول کو ماننے کے بعد ہم موجودہ سائنس ہی سے نہیں بلکہ خود دہریئے معترضوں کے مقابلہ میں یہ دعوٰی کر سکتے ہیں کہ اسلام کا اعتقاد ملائکہ اور تصرفات پر وہی ہے جو ایک عاقل شخص کا بمقتضائے قانون قدرت ہونا چاہیئے اور وہ کسی حالت میں اس سے تجاوز نہیں کر سکتا۔ ہم اس خیال کے بالکل مخالف ہیں کہ فرشتوں کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے اور خود انسان ہی میں ایسی قوت ہے جسے ملک کہتے ہیں۔ یہ خیال یا اس قسم کی رائے بلا شک بغیر سمجھے سوچے قائم کی گئی اور اس قسم کے خیالات سے اس قادر مطلق کی اعلیٰ اور برترین عظمت کی سخت توہین ہوتی ہے جس نے علم ہیئت کی الف بے تے پڑھی ہے وہ اس امر کو جانتا ہے کہ اس آسمان میں جو ہمارے سر پر ہے اور جو ہر گھڑی نئے نئے رنگ بدلتا رہتا ہے لاکھوں ستارے ایسے ہیں جو مثل ہمارے آفتاب کے بجائے خود روشن ہیں اور ہماری زمین ہی سے نہیں بلکہ خود ہمارے آفتاب سے بھی ہزاروں مرتبہ بڑے ہیں اور اتنی دور ہیں کہ انکی روشنی ہم تک صدہا برس ہی میں بلکہ ہزاروں برس میں آکے پونہچتی ہے یہ عقل میں آتا ہے کہ اتنے عظیم کروں کو خدائے قادر مطلق نے بنجر اور غیر آباد بنایا ہو اور انھیں کس مپرسی کیحالت میں چھوڑا ہو نہیں وہاں بھی مخلوق آباد ہے۔ اور اُن میں مثل ہمارے تمدن کے تمدن موجود ہے اُنکی بھی سلطنتیں قائم ہیں اور اُنکے ہاں بھی ضوابط و قوانین کی پابندی ہے۔ یہ ساری باتیں ہونی لازمی ہے اور اُن کے انتظام جس قوت یا اُسکے غیر متناہی تصرفات سے کیئے جاتے ہیں اُنکی حقیقت دریافت کرنا اور اُنکی کنہ تک پہنچنا ناممکن ہے جبکہ ہمیں خود اُس زمین کے جس پر ہم رہتے ہیں بہت سے حالات دریافت کرنے ہیں اور ابھی بہت سی باتوں کی تحقیق ہے۔ اس کے سوا ہم نے ابھی تک چاند اور سورج کی اُس حقیقت کو نہیں پہچانا جس پر سب کا اتفاق ہو اور کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔ پھر یہ کتنی بودی اور نادرست بات ہوگی کہ ہم یک لخت اُن اعجوبہ اور زبردست مخلوقوں کا انکار کر دیں جن سے ان ستاروں یا کروں کا یہ کل نظام قائم ہے اور جو بات ہماری سمجھ میں نہ آئے اُسے یہ کہدیں کہ اس کا وقوع ناممکن ہے یہ امر خلاف عقل اور تحکم نہیں تو اور کیا ہے۔ ہم جہاں وجود ملائکہ کا انکار نہیں کرتے وہاں اُنکی حالت اور اُنکی آمد و شد میں اور مذاہب سے اختلاف رکھتے ہیں اور اسی بنا پر ہم قرآن پاک کو کلام خدا کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خلاف عقل نہیں ہے۔ نا سمجھی کا ذکر نہیں ہاں اگر غیر طرفدارانہ حالت میں دیکھوگے تو ایک واقعہ بھی قرآن کا غلط اور ناممکن نہ معلوم ہوگا

ابلیس اور جنات

ابلیس اور جنات کا عقیدہ بھی تمام دنیا کی قوموں میں یکساں چلا آتا ہے اور اس سنہ ۱۹ء صدی میں جبکہ سائنس نے

یورپ کے کونہ کونہ میں اپنا گھر کر لیا ہے ہنوز شیطان اور جنات کا عقیدہ باقی ہے بلکہ اسکی تائید میں مختلف رسالے اور اخبار نکلتے ہیں۔ صرف پادری سیل صاحب یا اور یوروپی نکتہ چینیوں کی طرح یہ کہدینا کہ اسلام میں شیطان اور جنات کا خیال یہودیوں سے آیا ہے اور پھر اُس پر مضحکہ کرنا محققوں اور انصاف پسند مصنفوں کی وضع کے خلاف ہے انصاف کے یہ معنی ہیں کہ جب ہم کسی مذہب پر اپنی رائے کا اظہار کرنے لگیں تو ہمیں بڑی ہوشیاری سے اسکی بظاہر ناممکن الوقوع باتیں بھی جانچنی چاہئیں کیونکہ بعض اوقات ظاہری الفاظ سے اصلی معنی پیدا نہیں ہوتے اور انسان چکر میں پڑ کے اپنی اصلی تحقیق پر بھی پانی پھیر دیتا ہے اور جو اُس نے کسی مسئلہ میں عمداً حق سے چشم پوشی کی ہے تو گویا اُس نے اپنی زندگی کا اتنا حصہ اس ناپاکی اور شرمناکی میں گزارا کہ پھر گویا تمام عمر اُس سے نجات ممکن نہیں۔

زردشتیوں کا شیطان ایک بہت بڑا قوی اور خدائے مطلق کے مقابلہ میں مانا گیا ہے۔ یہودیوں میں اسکی شرارت آمیز طاقت کو کم درجہ کا نہیں تسلیم کیا گیا۔ عیسائیوں میں تو اسے بہت ہی زبردست قوت عطا کی گئی ہے یعنی عیسائی جس نفس کو ابن اللہ کہتے ہیں وہ شیطان کے ذریعہ سے چالیس دن تک آزمایا گیا۔ بدروحوں سے ہمیشہ اس ابن اللہ کو واسطہ پڑا اور اسی ابن اللہ نے ان بدروحوں کے ذریعہ سے بہت سے سوروں کو مار ڈالا۔ اسلام نے شیطان کی قوت کو جہاں ایک جگہ تسلیم کیا ہے دوسری جگہ اُسے ایسا کمزور بنا دیا ہے کہ صرف لاحول پڑھنے سے بھاگ جاتا ہے۔ اور اس سے بچنے کی آسان ترکیب یہی ہے کہ خدا اور اسکی لازوال قوتوں کا خیال کرلے اور دل میں جما لے کہ وہ سب سے غالب ذات ہے اور اُس کے آگے کسی کی پیش نہیں جاتی۔

جس طرح ہمنے ملائکہ یا بالخصوص روح القدس کی بحث میں اُن کا تصرف تمام کائنات پر ثابت کیا ہے اسی طرح ہم ابلیس یا اُسکے بھائی اجنہ کا تصرف بھی تمام کائنات پر تسلیم کرتے ہیں۔ یہ خیال کرنا کہ شیطان یا اجنہ کوئی خاص مجسم جنس ہیں سخت غلطی ہے شیطان دراصل اجنہ ہی میں سے ہے جس کی تصریح فرقان حمید میں صاف طور پر آگئی ہے مسلمان جب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اجنہ آگ کے بنے ہوئے ہیں تو پھر اس یقین کرنے کے بعد کیونکر اُن کا جسم ثابت ہو سکتا ہے جب جسم نہیں ہے تو اُن کا ایک مقام خاص میں ہونا ناممکن ہے وہ سارے عالم میں ساری ہیں۔ اور بیشک اُنکی وہی صورتیں ہیں جو اسلام نے تسلیم کی ہیں۔ تمام دنیا کے مہذب سے مہذب ممالک میں اگر ایک ہی گھنٹے کی بداعمالیوں اور بدکرداریوں کا حساب لگاؤ تو ہزاروں تک اُن کی تعداد پہنچ جائیگی۔ قتل عمد۔ دھوکا اور فریب دہی۔ زنا بالجبر۔ خودکشی۔ ڈاکہ زنی۔ ظلم۔ بے بس نوجوان لڑکیوں پر زبردستی۔ حلف دروغی۔ حق تلفی۔ غصب وغیرہ کے شنیع افعال ہزاروں شمار میں آسکتے ہیں۔ کون شخص چاہتا ہے کہ اسکی جان ہلاکت میں پڑے اور کسکی خواہش ہے کہ وہ ہمچشموں میں انگشت نما ہو اور کس کی تمنا ہے کہ جیل خانہ کی بدترین اور سخت ترین زندگی گزارے انسان بجائے خود فطری طور پر آزادی اور نیک نامی پسند پیدا ہوا ہے پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کس چیز نے ان افعال شنیعہ کے ارتکاب کی اُنھیں جرأت دی اور کس چیز نے ایسا محو کر دیا کہ کسی طرف کی شدھ بدھ ہی نہیں رہی اس کا یہ جواب نہایت ناکافی ہوگا کہ انسان ہی میں ایک قوت ایسی پیدا ہوئی ہے کہ جو یہ افعال کراتی ہے اور اُسی قوت کا غلبہ اُس پر ایسا ہو جاتا

ہے کہ بچہ اسے دین و دنیا کی خبر نہیں رہتی اور وہ بات کر گزرتا ہے جو اُسے زیبا نہ تھی اور شاید ہوشیاری میں وہ کبھی بھی نکرتا۔ اگرچہ ہمارے بعض موجودہ زمانے کے مصنفوں نے یہی لکھا ہے مگر ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ ہم یہ ضرور مانتے ہیں کہ انسان میں بُری یا بھلی باتوں کے قبول کرنے کا ایک خاص مادہ ضرور ہے مگر اسکے لیئے خارجی محرک کی ضرورت ہے ہم کہتے ہیں جس نے سجے ہوئے کمرے اور پُرتکلف سامان ہی نہیں دیکھے اُسے کیا خاک آرزو ہوگی کہ ہیں ایسے پُرشان کمروں میں رہوں۔ انسان کی نیک نیتی اور بدنیتی کا اظہار جس طرح بغیر کسی پر پردہ پر نظر ڈالے ممکن نہیں اسیطرح یہ محال ہے کہ جب تک کوئی خارجی چیز محرک نہو داخلی چیز کچھ بھی نہ سکے۔ وہ خارجی چیزیں جب کہ یکساں سب پر اثر ڈالتی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ بعض تو اُن سے متاثر ہوتے ہیں اور بعض نہیں ہوتے۔ جن کے دل قوی ہوتے ہیں جن کے دماغ روشن ہوتے ہیں اُنکے آگے آیندہ خرابیوں کا نقشہ کھنچ جاتا ہے اور وہ اُس سے خوف زدہ ہو کے فوراً اُس سے باز رہتے ہیں اسی مطلب کو ہم مذہبی آدمی اس صورت سے ادا کرینگے کہ جو لوگ ایماندار ہیں فوراً خوف خدا کو محسوس کر کے اپنی عاجزی اور فروتنی کا خیال کر کے اپنا دل اُس طرف سے پھیر لیتے ہیں اور شیطانی تحریک پر غالب آ کے اللہ کا شکر کرتے ہیں اور اُسکے جلال میں ابد تک رہنے کی دعا مانگتے ہیں۔ تمام عمدہ سبز باغات تمام سبزہ زار اور شاداب گھاٹیاں تمام عالیشان محلات اور بروج مشیدہ تمام دریا اور پاکیزہ شیریں چشمے۔ تمام دلفریب صنعتیں اور تمام دلکش حسن اپنے ساتھ ایک طرف نیک قوت کو رکھتا ہے تو دوسری جانب بری یا شیطانیہ قوتیں اس کے محیط ہو رہی ہیں۔ ان ہی سحر انگیز مقامات میں ایک عابد زاہد صانع حقیقی کی حمد گا رہا ہے اور اپنے خالق کو یاد کر رہا ہے اور اسی دلکش منظر میں ایک بدمست تمام شرمناک افعال کو انتہا درجہ تک پہنچا رہا ہے اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ دنیا کے ہر ذرہ ذرہ میں جہاں نیک قوت رکھی گئی ہے وہاں بدقوت بھی ہے جس نے جسے پسند کیا وہ اُسی کا ہو کے رہ گیا۔ اگر نیک و بدقوت نہوتی تو انسان میں عقل و ہوش کا ہونا غیر ضروری تھا۔ عقل یا تمیز اسی لیئے عطا کی گئی ہے کہ شیطانی افعال سے بچے اور روح القدس کی تائید میں رہے۔ اس قوت کو کسی زبان میں شیطان کہتے ہیں کسی میں اہرمن اور کسی میں ڈیول اور کسی میں ابلیس۔ یہ ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ ایک حد تک قبول کرنے کا مادہ انسانی طبائع میں بھی ودیعت ہوا ہے۔ مگر پھر ہم صاف کہہ چکے ہیں جب تک خارجی تحریک نہو وہ مادہ قبولیت محض بیکار ہے۔ قاتل کے لیئے مقتول ہونا ضرور ہے اور ساتھ ہی آلہ قتل کا ہونا بھی لازمی ہے چور تو اُسی مکان میں کو دے گا جہاں مال رکھا ہو خالی مکان میں جا کے وہ کیا لے سکتا ہے۔ غرض کسی فعل کا وقوع بغیر خارجی تحریک اور سامان کے ممکن نہیں۔ شراب میں نشہ ہے تو اُس سے بوتل کیوں نہیں ناچنے لگتی۔ انسان کی طبیعت میں مادہ قبولیت ہے تو وہ بغیر پیئے کیوں نہیں بیخود ہو جاتا۔ اس سے صاف ثابت ہوا جس طرح انسان کو مدہوش ہونے کے لیئے ایک خارجی چیز مثلاً شراب کی ضرورت ہوئی اسی طرح شراب کی خاصیت اور فطرۃ اسوقت کھلی جب وہ آدمی کے پیٹ میں گئی۔ تو اس خیال کا بطلان کہ شیطان انسان کی ذات میں ہے بیّن طور پر ہو گیا۔

جو بحث ہم نے ابلیس اور جنات کے بارے میں لکھی ہے ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے خصم کی اُس سے بہت تسکین ہو جائیگی۔ اور اُسے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان بدیہیات کا ہزاروں برس سے نہ کسی نے انکار کیا نہ کر سکتا ہے

وہ لوگ اسے مانتے ہیں جنکی پرستش آج کروڑوں آدمی کرتے ہیں حضرت مسیح نے تو اُسکی ذات بلکہ اُسکے جسم کا یہاں تک اقرار کرلیا کہ وہ چالیس دن تک اُسکے ساتھ رہا اور اُنھیں دنیا کے سبز باغ دکھاکے آزماتا رہا- وہ عقیدہ کہ جنات ایک ایسا گروہ ہے کہ وہ ستانے کے لیے کسی زندہ انسان کے جسم میں حلول کرتا ہے اسلام سے کچھ تعلق نہیں رکھتا اگرچہ بہت سے مسلمان اسکے قائل ہوں- ارواح خبیثہ کو بھی تمام دنیا کی قوموں نے مانا ہے مگر ہم اسکی تشریح اسی پیرائے میں کرینگے جس پیرائے میں کہ ہم جن اور ملائکہ کو ثابت کرچکے ہیں-

بھُوت پریت[1] کا عقیدہ اگرچہ اب بھی کم و بیش دنیا کی تمام قوموں میں پایا جاتا ہے اور وحشی سے لگاکے مہذب تک اُسے تسلیم کرتا ہے اور دنیا کی بہت سی قوموں اور مذاہب کا تو یہ جزو اعظم ہوگیا ہے مگر اسلام ان تمام توہمات سے پاک ہے اور وہ بھوت پریت یا ارواحِ خبیثہ کی مطلق وقعت نہیں کرتا اُنھیں قوی ماننا اور انسان پر اُن کا غلبہ تسلیم کرنا تو کجا یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں کہ فلاں شخص پر کسی جن کا سایہ ہے اور فلاں پر بھوت سوار ہے اور فلاں جن نے اُس شخص کو اُٹھاکے پھینک دیا- اسلام کی عاقلانہ اور حکیمانہ اصول سے ان صریح غلط باتوں کو کچھ بھی تعلق نہیں- اور جو لوگ نادانی سے اُسے جزو اسلام تسلیم کرتے ہیں اُنکی سخت غلطی ہے-

آسمانی کتابوں کا عقیدہ اور برناباس کی انجیل

اسکے بعد پادری صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ہر نبی پر آسمانی کتاب کے نازل ہونے کا عقیدہ مسلمانوں نے یہودیوں سے لیا ہے- یہ بھی عجیب بات ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اس جتانے کی پادری صاحب کو کیا ضرورت

---

[1] بھوت ہندی لفظ ہے جسکے معنے زمانہ گزشتہ کے ہیں- ہر گزشتہ چیز کو بھوت کہتے ہیں اور اسی معنی کے لحاظ سے مرے ہوئے آدمی کو بھوت کہتے ہیں عام اس سے کہ وہ نیک اعمال ہو یا بد اعمال- مگر اب اصطلاحی نام اُس مرے ہوئے شخص کا ہے جو بد اعمال مرا ہے اُسکی روح ایسی ذی اختیار ہوجاتی ہے کہ جب چاہے وجود ظاہری اختیار کرے اور جب چاہے غائب ہوجائے اور زندہ آدمی کے جسم میں حلول کرجائے اور بڑی قوت کے کام جو انسانی طاقت سے خارج ہوں کرگزرے- بھوت پریت کے معتقد اس امر کی شہادت بھی پیش کرتے ہیں کہ ہمنے اپنے کانوں سے بھوت کی آواز سُنی اور اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھا- کسی نے بغیر سر کا اور کسی نے اُلٹے پاؤں والا اور کسی نے بڑے بڑے دانتوں والا سیاہ رنگ کا کبھی بھیڑ کے بچے کی شکل اور کبھی بکری اور بھینسے کی صورت میں دیکھا گیا- کہیں وہ چھلاوہ کی صورت میں جلوہ کرتا ہے اور کہیں بلند ہوتے ہوتے اُس کا سر آسمان سے لگجاتا ہے- بہت سے آدمیوں نے عورتوں کے سر پر چڑھے ہوئے دیکھا ہے بعض بھوتوں نے اپنا نام بقید ولدیت وسکونت بتادیا ہے بلکہ مزید براں اپنے بھوت ہونیکی وجہ بھی کہدی- علی العموم اُنکی سکونت ویران مکان- ٹوٹی ہوئی پرانی قبریں- مرگھٹ- ویران باولیاں- اندھے کوئے- انار کے درخت خالی بروج- فصیلوں کے غیر آباد گرگج اور مہریاں قرار دی گئی ہیں-

بھوت کا ظہور دو طرح سے لوگ بیان کرتے ہیں ایک زندہ آدمی میں حلول کرکے دوسرا خارج میں باشکال مختلفہ- اول ہم اس امر پر

پڑی تھی اُنکی کبھی ہی مثال ہے کہ پیروں سے چلنا فلاں شخص نے فلاں شخص سے سیکھا۔ ہاتھ سے کھانا فلاں شخص نے فلاں شخص سے سیکھا۔ ہاتھ سے کھانا اور نوالہ بنا کے مونہ میں رکھ لینا فلاں کو فلاں نے تعلیم کیا۔ یہ عجیب بے معنی باتیں ہیں جن پر بچہ بھی ہنس دے گا۔ عیسائیوں کا عقیدہ الہامی کتب کے بارے میں پادری صاحب بھول گئے کہ حضرت مسیح کا ان الہامی کتابوں پر کیا ایمان تھا اور عیسائی انجیلوں کو "ورڈ آف گاڈ" یعنے کلام خدا کہنا کس سے سیکھے۔ اسلام نے تمام انبیاء کو برحق مانا ہے۔ جس طرح ایک نیک نہاد مذہب کا مصلحان قوم اور نیک بندوں کی تعظیم و تکریم کا شیوہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح اسلام کا یہ شیوہ ہے کہ اُس نے نہ صرف اُن گزشتہ بزرگوں کی تکریم کی بلکہ اُنھیں برگزیدۂ خدا ماننے کے اپنے معتقدوں کو انقطاعی حکم دیدیا کہ ان پر ایمان رکھنا اور انھیں ہر گناہ سے پاک سمجھنا عین اسلام کی نشانی ہے۔ اس عقیدہ کے ساتھ اگر اسلام نے قرار دیدیا کہ اُن پر خدا کا کلام نازل ہوتا ہے یا اُن میں وحی القائی جاتی ہے تو کونسی قابلِ الزام بات کی۔ اگر مصلح قوم یا برگزیدہ مخلوق کی عزت و توقیر کرنی کسی جرم میں داخل ہے تو اسلام اس قسم کا مجرم بننا فخر سے قبول کرتا ہے۔ کل کو پادری صاحب تعجب نہیں اگر یہ کہنے لگیں کہ مسلمانوں نے کھانا۔ پینا۔ سونا۔ جاگنا۔ لکھنا۔ پڑھنا۔ بولنا۔ جواب دینا۔ یہودیوں سے سیکھا۔ یہ درحقیقت طفلانہ باتیں ہیں اور اُنھیں انصاف اور تحقیق سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ پھر پادری صاحب نے اسلامی روایت کے بموجب پیغمبروں کا نام گنوایا ہے اور ایک روایت کے بموجب اُنھوں نے

بحث کرتے ہیں کہ آیا بھوت بذاتہ مادی ہے یا غیر مادی۔ اگر دوسری صورت ہے تو اس غیر مادی چیز کا ظہور جسم انسان میں کیونکر ہوتا ہے؟ جبکہ پہلے اس قسم کی غیر مادی چیز جسم میں موجود ہے مثلاً حرارت جو انسان کے جسم میں ۹۹ درجہ پر جب تھرمامیٹر کے ہے اگر ہم اور حرارت داخل کریں تو دونوں حرارتیں جو ظاہر ہے باہم مل جائینگی اسیطرح بھوت وغیرہ کی روح زندہ آدمی کی روح سے ملکے ایک کیوں نہیں ہو جاتی اگر یہ کہا جائے کہ اُوپر سایہ پڑتا ہے تو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ بغیر داخل ہوئے جن یا بھوت کی روح انسان کے ہر عضو اور آلہ آواز پر قابو کیونکر پا لیتی ہے عموماً ایسی باتیں کہ کسی کے سر پر جن آسیب بھوت پری کا سایہ ہے دو طرح پر ہوتی ہیں ایک پہلو تو انکا مرض ہے اور دوسرا پہلو محض دھوکا دہی ہے طب کی لاعلمی کی وجہ سے پوشیدہ امراض کے اثرات اور نتائج کو کسی قسم کا سایہ تصور کیا جاتا ہے۔ فریب اور دھوکا دہی کے یہ معنی ہیں کہ کچھ روپیہ حاصل کرنے یا ناجائز خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ شرفا میں یہ باتیں بسبب تعلیم یافتہ ہونے کے بہت کم ہو گئی ہیں مگر ہندوستان کی ارذل اقوام میں بہت شدومد سے جاری ہیں انکے ہاں مرنے کے بعد سوکن کا لپٹنا لازمی ہے۔ کوئی بچہ۔ عورت۔ مرد اُنکے ہاں بغیر جادو کے اثر کے مرتا ہی نہیں۔ قاعدہ ہے کہ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی دشمن ہوتا ہے مرنیوالے کے رشتہ دار یہ سمجھتے ہیں کہ دشمن نے پون ٹھا کے مار ڈالا فلاں بھوت اُسے اپنے ساتھ لیگیا۔ عام طور پر ناواقف ایسی ادنیٰ اور بے بنیاد باتوں کو اسلام کے عقائد میں داخل کرتے ہیں مگر ہم بڑے زور سے اسکی شہادت دیتے ہیں کہ اسلام کو ان فضول اور دور از عقل باتوں سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ اس قسم کے مہمل خیالات جو کم عقلوں کے لیئے بھوت پریت۔ جن۔ بلا۔ چڑیل۔ پچھل پائی۔ آسیب۔ بن سہرا وغیرہ بن جاتے ہیں دور کرنیکے لیئے اسلام نے ہدایت کی ہے کہ خدائے رب العرش کی فوراً پناہ مانگنی چاہیے۔ وہی اس لاعلاج مرض سے نجات دیگا اور ان اوہام باطلہ کا ازالہ اُسی کی پناہ میں آنے سے ممکن ہے۔ یہی ایک بہت بڑا حکیمانہ اصول ہے اور اسی میں سچی عبودیت اور ربوبیت کی شان پیدا ہوتی ہے۔

دو لاکھ چوبیس ہزار تعداد لکھی ہے اور دوسری روایت سے پیغمبروں کا شمار ایک لاکھ چوبیس ہزار بتایا ہے" اگر ہم ان مختلف روایتوں کو تسلیم بھی کرلیں تو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا اور جو ان روایتوں کو تسلیم نہ کریں تو اسلام انکے ماننے پر مجبور نہیں کرتا۔ قرآن مجید نے انبیا کی کوئی خاص تعداد نہیں بتائی صرف اسیقدر ارشاد باری ہوا ہے کہ ہمنے ہر گروہ میں ایک ڈرانے والا یعنی پیغمبر بھیجا ہے۔ یہ بات بدیہی بھی ہے اور تاریخ کے دیکھنے والے اس سے انکار نہیں کرسکتے کہ جتنے مذاہب اور گروہ دنیا میں آباد ہیں ایک نہ ایک رہنما اُن کا ضروری ہے اور وہ ایک شخص کو اپنا ہادی ضرور تسلیم کرتے ہیں۔ ان ہادیوں کے گنانے اور تعداد بتانیکی زیادہ ضرورت نہیں اور اگر کسی نے کوئی تعداد مقرر کردی تو اسکی تصدیق اور تکذیب دونوں محال ہیں۔

برناباس کی انجیل کے معاملہ میں پادری سیل صاحب نے ایک سخت الزام سے مسلمانوں کو یاد کیا ہے اُن کا دعوی ہے کہ برناباس کی انجیل کے مصنف مسلمان تو نہیں ہیں مگر ہاں اُنھوں نے وہ لفظ جسکے معنے محمدؐ کے ہوتے ہیں بڑھا دیا ہے۔ یہ لکھکے پادری صاحب خاموش ہوگئے اور اُنھوں نے کوئی ثبوت اس امر کا نہیں دیا کہ کس صدی میں کس ملک میں اور کس شخص نے ایسا کیا۔ اور آیا اُس وقت اس تحریف کی عیسائیوں نے اس مسلمان کو اجازت دی اور بعدازاں کیوں نہیں اس کا اظہار کیا گیا کہ یہ تحریف مسلمان کی طرف سے ہوئی ہے۔ اگر ہم اس تحریف کو قبول کرلیں اور مان لیں کہ بیشک مسلمانوں نے محمدؐ کے لفظ کا ہم معنی لفظ داخل کردیا تو اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب اُنھیں قدرت حاصل تھی اور وہ اپنی ہوشیاری یا چالاکی سے تحریف کرسکتے تھے پھر اُنھوں نے ان چار مروجہ انجیلوں میں کانٹ چھانٹ کیوں نہیں کی اور کیا وجہ ہے کہ اُنھیں نظرانداز کردیا۔ یہ ایسا بے معنی الزام ہے جسکی خفیف سی بنیاد بھی قائم نہیں ہوسکتی۔ اگر بفرضنا اس الزام کو صحیح تسلیم کرلیں اسبات کا یقین کرلیں کہ مسلمان ہی محمدؐ کے ہم معنے لفظ برناباس کی انجیل میں بڑھانے کا سبب ہیں تو اس سے کئی باتیں لازم آتی ہیں۔ اول تو یہ کہ اُس زمانہ میں عیسائیوں کی الہامی کتابیں اس کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی تھیں کہ اگر غیر شخص ان میں کوئی تحریف بھی کردیتا تھا جب بھی کچھ خبر نہوتی تھی۔ دوسرے یہ نئی بات پائی گئی کہ اُس زمانہ میں جب اِسکی تحریف ہوئی۔ **لوقا۔ متی۔ یوحنا۔ مرقس** کی انجیلوں کا رواج نہ تھا اور برناباس ہی کی انجیل مروج تھی کیونکہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی غیر مشہور اور غیر مروج کتاب میں ایسی دلیری کی جاتی۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انجیل اصلی برناباس کی ہی ہے پادریوں کی خودغرضی کی تکمیل چونکہ اس انجیل سے نہوتی تھی اُنھوں نے سرے ہی سے اُسے خارج کردیا اور اُسکی جگہ موجودہ اناجیل کو دخل دیدیا۔

اصل بات یہ ہو کہ ہم کتاب سابق کی کسی پیشین گوئی کو جو ہمارے نبی معصوم و برحق کے لئے ہو محض غیر ضروری جانتے ہیں۔ ہمارے ہادی برحق کو نہ کسی پیشینگوئی کی ضرورت ہو نہ انبیائے سابقین کی بشارت کی حاجت ہے اُسکی ذات خود اُسکے آخرالزماں نبی ہونے کی شہادت دیتی ہے اسکے کام اور اُسکی زندگی اس بات کے شاہد ہیں کہ محمدؐ نہ صرف خاتم النبیین ہیں بلکہ فخر رسل بھی ہیں۔ اُس معصوم ذات کے لئے اصل تو یہ ہے کہ کتب قدیم کی پیشین گوئیاں اور بشارتیں کوئی چیز نہیں۔ وہ خود اپنی آپ بشارت ہے اور اپنے لیے آپ پیشین گوئی کرتی ہے

اس ذات اطہر و اقدس میں صداقت کے ہزاروں چشمے ہیں جو تیرہ سو برس سے اُبل رہے ہیں اور جنھوں نے دنیا کی آبادی کو سیراب کر دیا ہے۔ ہم ہرگز ان سے اتفاق نہیں کرتے جو توریت یا اناجیل کی پیشین گوئیاں یا بشارتیں عیسائیوں کے مقابلہ میں پیش کرتے ہیں اور اس پہلو سے اپنے نبی برحق کی نبوت کا ثبوت دیتے ہیں۔ قرآن مجید اسکی صداقت اور افضل النبیین ہونے کی شہادت دینے کے لیئے کافی ہے اور ہمارے لیئے اسکی شہادت بس ہے۔

مسئلۂ منکر و نکیر و فشار قبر

پادری صاحب نے یہ لکھ کے مسئلہ منکر و نکیر اور فشار قبر کے متعلق بحث کی ہے اور اُنھوں نے اپنے خیال میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ طریقہ بھی مسلمانوں نے یہودیوں ہی سے لیا ہے۔ انکی تائید اکثر یوروپی مصنفوں نے کی ہے جن میں سب سے زیادہ سرگرم مؤید اسکے الگزینڈر راس ہیں جنھوں نے خاص اس بیان میں بڑے بڑے مضامین لکھ کے ولایت کے رسالوں میں شائع کرائیے اور انھیں اپنی تحریر پر بہت بڑا ناز ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا جواب مسلمان نہیں دے سکتے۔ چنانچہ پادری سیل صاحب اور اُنکے دوست الگزینڈر راس کا مضمون جو منکر و نکیر کے بارے میں ہے ذیل میں بطور اقتباس درج کیا جاتا ہے۔ "جہنم کی کیفیت بیان کرنے سے پہلے سوال منکر و نکیر کی بابت کچھ لکھنا ضرور ہے جس کا اعتقاد ہر پکے مسلمان کو ہے اور یہ عذاب قبر کفار کو ہوتا ہے چنانچہ سورۂ انفال میں لکھا ہے کہ اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کر لیتے ہیں تو اُنکے مونہ اور جسم پر ضرب لگا کے کہتے ہیں کہ تم اس سزا یا اس جلنے کا مزا چکھو اور ایسے ہی الفاظ سورۂ محمدؐ میں پائے جاتے ہیں۔ ان آیات قرآنی میں احادیث نبوی ملا کے مفسرین نے سوال منکر و نکیر کا مسئلہ بنایا ہے چنانچہ اس عذاب قبر کو امام غزالی نے اپنی کتاب زینت الادیان میں یوں بیان کیا ہے کہ یہ دو فرشتے جن کا نام منکر و نکیر ہے اور جن کی نہایت قبیح اور مہیب صورت ہے اور جنکی آنکھیں کرنجی ہیں اور ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ دونوں اندھے بہرے اور گونگے ہیں الغرض بمجرد دفن ہونے کے یہ دونوں فرشتے مردہ کو قبر میں اُٹھا کے بٹھاتے ہیں۔ مسلمانوں کا مردہ کفن پہنکر مگر بلا صندوق دفن کیا جاتا ہے اور قبر میں لحد بنائی جاتی ہے اور قبر کے اندر مٹی نہیں ڈالی جاتی اور لحد اس لیئے بنائی جاتی ہے کہ ان فرشتوں کے سامنے مردہ آسانی سے اُٹھکے بیٹھ سکے۔ تب منکر و نکیر یہ سوال مردوں سے کرتے ہیں کہ تیرا پروردگار کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ تیرا پیغمبر کون ہے؟ تیرا قبلہ کیا ہے؟۔ اگر ان سوالات کے جواب مردہ صحیح طور پر نہ دیگا تو فرشتگان عذاب لوہے کے ہتھوڑوں سے ایسی شدید ضربیں اُسکے سر پر لگائیں گے کہ وہ شخص جس پر یہ عذاب ہو رہا ہے اس صدمہ سے اس زور سے شور کریگا کہ اُسکی آواز کو بجز انسان اور جن کے کل جانور از غرب تا شرق سنتے ہیں پھر ہر ایک کی قبر میں ننانوے تنین بھیجی جاتی ہیں اور اگر تم دریافت کرو کہ تنین کیا چیز ہے تو یہ نام اُن سانپوں کا ہے جن کے سات سر ہوتے ہیں جو گنہگاروں کے بدن کو قیامت تک کاٹا کرینگے۔ یہ سوال منکر و نکیر بچوں کو سکھائے جاتے ہیں اور یہ جوابات انھیں بتائے جاتے ہیں۔ اللہ ربی و الاسلام دینی و القرآن کتابی و الکعبۃ قبلتی یعنے خدا میرا پروردگار ہے

اور اسلام میرا دین ہے اور قرآن میری کتاب ہے اور کعبہ میرا قبلہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ اس عذاب قبر کے مسئلہ کو پیغمبر اسلام نے مثل دیگر مسائل کے یہود کی کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ عذاب قبر کو یہود اور اسلام دونوں فشار قبر کہتے ہیں چنانچہ جرمنی کے یہودی یہ دعا آجتک پڑھتے ہیں کہ خداوندا ہمیں مضر احکام۔ افلاس۔ غم و الم اور ہر قسم کے عذاب سے اور نار جہنم اور فشار قبر سے محفوظ رکھ اور ایلیا ابن عشر ایک یہودی عالم اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ جب آدمی اس دنیا سے رحلت کرتا ہے تو ملک الموت اسکی قبر پر آکے بیٹھ جاتا ہے تب اسکی روح فوراً اسکے جسم میں چلی آتی ہے اور وہ اٹھ بیٹھتا ہے۔ ملک الموت کے ہاتھ میں ایک زنجیر نصف آہنی اور نصف آتشی ہوتی ہے اس زنجیر سے وہ فرشتہ اس شخص کو مارتا ہے پہلی ضرب میں اسکے اعضا و جوارح جدا ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری ضرب میں اسکی ہڈیاں الگ ہو جاتی ہیں۔ پھر فرشتے آکے ان ہڈیوں کو جمع کرتے ہیں۔ تیسری ضرب میں وہ شخص خاک ہو جاتا ہے اور پھر اپنی قبر میں واپس بھیجا جاتا ہے۔

ایک اور عالم یہود کا قول ہے کہ فشار قبر عذاب جہنم سے بھی زیادہ سخت ہے کیونکہ نیکوکاروں اور شیر خواروں پر بھی فشار قبر ہوتا ہے بجز اس شخص کے جو یوم السبت یعنی روز شنبہ کی شام کو مرا ہو اور بنی اسرائیل کے ملک میں رہتا ہو" فقط یہاں تک پادری سیل صاحب اور اسکے مؤید الگزنڈر راس کی تحقیق ہوئی۔ اب ہم بطور خود اس مسئلہ کی تحقیق کرتے ہیں۔ دو باتیں خیال کرنے کی ہیں۔ پہلی بات یہ ثابت کی گئی ہے کہ منکر نکیر اور فشار قبر کا خیال پیغمبر اسلام نے یہودیوں سے اخذ کیا ہے۔ دوسری بات یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی ہے کہ یہ خیالات درحقیقت کوئی بنیاد نہیں رکھتے اور ایک قوم نے دوسری قوم سے اخذ کر لیے ہیں۔ کیونکہ اسی قسم کے خیالات زردشتیوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور عیسائیوں یا ہندوؤں میں بھی آیندہ عذاب و ثواب کے بارے میں بہت کچھ بیان ہوا ہے۔

یہ دعوی کیا گیا ہے کہ یہودیوں کے ہاں منکر و نکیر کا قصہ اسلام سے پہلے مروج تھا۔ ہمیں اسکے یقین کرنے میں بہت بڑا تامل ہے اور ہمارے تامل کی بہت سی وجوہات ہیں جو ہم بیان کرتے ہیں۔ پہلی بات غور کرنے کی یہ ہے کہ توریت میں منکر و نکیر اور فشار قبر کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ صرف یہودیوں کی تالمود میں ایسے خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ ہم تالمود کی کیونکر تصدیق کر سکتے ہیں جبکہ ہمیں تحقیق سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ خود توریت میں اسقدر

ل؎ تالمود یہودیوں کی احادیث و روایات کا ایک مجموعہ ہے۔ دو کتابیں ہیں جن کا نام تالمود رکھا گیا ہے ایک کو تالمود اورشلیم اور دوسری کو تالمود بابلی کہتے ہیں۔ ہر تالمود کے دو حصے ہیں ایک کو مشنا کہتے ہیں جو متن ہے اور دونوں نسخوں سے اسکا تعلق ہے اور دوسرے کو جمیرا یا تفسیر و شرح کہتے ہیں۔ مشنا میں تمام قوانین ضوابط اور زندگی کے قواعد علاوہ قدیم عبرانی کتاب مقدس کے مرقوم ہیں۔ یہودی ان ضوابط و قوانین کی پابندی اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں۔ تمام علمار یہود کا اس پر اتفاق ہے کہ تالمود کی ترتیب انضباط دوسری صدی عیسوی کے اختتام پر ہوئی ترتیب اور تصنیف ربی جہودا حقادوش کی ہے جو مدرسہ ہتیریاس کا ایک طالب علم تھا اور چالیس برس تک اس مدرسہ میں رہا تھا۔ اس کی شرحیں اور ربی جوشنان بن ایلیا

تحریف ہوئی ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ نہیں ہوسکتا۔ کوئی بڑے سے بڑا محقق توریت کا ایک قول بھی حضرت موسیٰ کا یا کسی دوسرے پیغمبر کا قول ثابت نہیں کرسکتا۔ رہی تالمود اسکی اور بھی ناگفتہ بہ کیفیت ہے اگرچہ عام طور پر یہودی علماء کہتے ہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسری صدی عیسوی کے اختتام کا ہے پھر بھی اُس کے باقی کے حصے جن میں فشار قبر وغیرہ کے متعلق بحثیں ہیں چھٹی اور ساتویں صدی یعنے ظہور اسلام کے بہت بعد کے لکھے گئے ہیں اور انکی ترتیب اُس وقت ہوئی ہے جب ہماری حدیثیں منضبط اور مشہور ہوچکی تھیں۔ اتنا کہدینا کچھ دلیل نہیں ہوسکتا کہ جرمنی یہودی اب بھی فشار قبر سے پناہ مانگتے ہیں۔ کوئی عجب نہیں کہ انھوں نے یہ خیالات مسلمانوں سے لیئے ہوں اور کوئی عجب نہیں کہ ان الفاظ کے ظاہری معنے سمجھ کے انھوں نے اپنے ہاں داخل کرلیئے ہوں۔ ہم یہودیوں کے مجموعۂ روایات پر کیونکر بھروسہ کرسکتے ہیں جب ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کا زمانۂ ترتیب و تصنیف میں صدیوں کا بل ہے۔ اگرچہ دوچار یہودی مصنفوں کا نام بتایا گیا ہے مگر ہم اُنکے

کی تصنیف سے ہیں بعض کا مقولہ ہے کہ پانچویں صدی عیسوی میں بعض کہتے ہیں چھٹی صدی میں بعض کی تحقیق یہ ہے کہ ساتویں صدی میں تالمود کی تکمیل ہوئی اور اس ضمیمہ یا شرح کو جمیرا کہتے ہیں۔ ایک اسی قسم کا مجموعہ علماے بابلی نے چھٹی صدی کے آغاز میں بطور ضمیمہ تالمود کے ساتھ شریک کیا مگر اُسے بھی سوائے فاضل ابن فیلڈ کے اور محقق ساتویں صدی عیسوی کا بتاتے ہیں۔ مشنا چھ حصوں پر منقسم ہے ہر حصہ کا نام ہدایت ہے اور اس میں کئی نسخے شریک ہیں ہر نسخہ بابوں پر تقسیم ہوا ہے اور ہر ایک باب کی تقسیم مشنا یا پند و نصائح پر کی گئی ہے۔ پہلے حصہ میں تو بیجوں۔ میوہ جات اور درختوں سے بحث کی گئی ہے۔ دوسرے حصہ میں عورتوں۔ اور اُنکے فرائض۔ نافرمانیوں۔ معاہدوں۔ ازدواج اور طلاق سے بحث ہوئی ہے۔ چوتھے میں اُن نقصانات کا بیان ہے جو آدمیوں اور جانوروں سے پہنچتے ہیں۔ مثلاً سود خواری۔ کرایہ۔ زراعت کے معاملات۔ تجارت میں حصہ داری۔ وراثت میں شرکت۔ خرید و فروخت کی قسمیں۔ شہادتیں۔ گرفتاریاں۔ بت پرستی۔ اور اس کے آگے اُن لوگوں کے نام گنائے گئے ہیں جن کے ذریعہ سے ربانی قوانین پہنچے اور محفوظ کرلیئے گئے۔ پانچویں حصہ میں اُن چیزوں کا بیان ہے جو قربانیوں اور پاک چیزوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ چھٹے حصہ میں متعلق تطہیر۔ ظروف۔ اثاث البیت۔ ملبوسات۔ گھر۔ برص۔ حمام۔ اور بے شمار دوسرے مضامین ہیں۔

"تالمود بابلی یہودیوں کے نزدیک بہت قیمتی ہے اور جہاں کہیں وہ تالمود کا حوالہ دیتے ہیں یا اُس کا کوئی قول نقل کرتے ہیں تو اسی تالمود کا حوالہ دیتے ہیں۔ بارھویں صدی عیسوی میں میمونی دیس نے اس کا اختصار شائع کیا اور بہت سی زوائد اور فضول باتوں کو اس سے خارج کردیا۔ جمیرا میں خواب اور پریشان باتوں کا ذکر ہے اور بہت سے جاہلانہ اور بے بنیاد سوالات کئے گئے ہیں جنکے پڑھنے سے طبیعت اُکتاتی ہے۔ مشنا کی طرز تحریر نہایت صاف اور پاکیزہ ہے اور اُس کا رنگ بالکل انجیل کا سا ہے اور بہت سی باتیں انجیل ہی کی اُس میں داخل کرلی ہیں عیسائی علماء اور پیشواؤں نے تالمود کے ساتھ بڑے بڑے ظلم کئے ہیں اُنکی رائے میں تالمود سے گویا دین مسیحی کو صدمہ پہنچنے کا خیال تھا پوپ گرے گوری نے بیس گاڑیاں کتابوں کی بھری ہوئیں جلوادی تھیں اور پوپ پوش ششم نے تالمود کے بارہ ہزار نسخے برباد کرادیئے تھے۔ بابلی تالمود کا اخیری نسخہ امسٹرڈم میں بارہ جلدوں میں طبع ہوا اسیطرح آورشلیم کی تالمود بھی ایک ضخیم کتاب ہے (از این سائکلو پیڈیا برٹینیکا جلد ۱۲ صفحہ ۱۷-۲)

حالات زندگی کی تحقیق کیونکر کرسکتے ہیں اور ہمیں کیونکر معلوم ہوسکتا ہے کہ اُن کا زہد و تقویٰ اور اُنکی ایمانداری کی کیا کیفیت تھی۔ وہ زمانہ گیا کہ ہر بات بلا سوچے سمجھے اور بلا تحقیق قبول کرلی جاتی تھی اب ہر ایک مسئلہ کی بال کی کھال نکالی جاتی ہے اور پھر بھی جبتک ہمعصر زبردست شہادتیں نہوں ہرگز نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ عذاب قبر اور منکر نکیر کے کیا معنے ہیں اور اسلام نے ان کا جسم خارجی قائم کیا ہے یا صرف تمثیلی۔ اور اسلام نے درحقیقت لوہے کے گرز اور جلتی ہوئی زنجیروں اور سانپ بچھوؤں سے اصلی اور حقیقی معنے مراد لئے ہیں یا صرف ان چیزوں کا نام لیکے انتہائے عذاب کا نقشہ کھینچا ہے۔ بڑی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوال وجواب کا ذکر مطلقاً قرآن مجید میں نہیں آیا مگر ہاں بہت سی حدیثیں اس بیان کی روایت کی گئی ہیں جنکے اصلی معنے سمجھتے ہیں پادری سیل صاحب اور اُن کے ہم خیال الگزینڈر راس ہی نے نہیں بلکہ یہودیوں نے بھی غلطی کی ہے اور تمثیلوں کو اپنی غلط فہمی سے حقیقت کا جامہ پہنادیا ہے ہم چاہتے ہیں کہ پہلے اُن حدیثوں کا انتخاب جو فشار قبر اور منکر نکیر کے باب میں آئی ہیں نقل کردیں اور پھر ان حدیثوں اور روایتوں پر بڑے بڑے علماء کی رائیں تحریر کریں کہ آیا اُنھوں نے ان الفاظ کے ظاہری معنے سمجھے تھے یا ان سب باتوں کو اُنھوں نے بطور تمثیل کے مانا اور یقین کیا تھا وہ روایتیں یا حدیثیں یہ ہیں۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازے پر نکلے۔ حضور انور رسول خدا اپنا سر مبارک جھکا کے اُس قبر پر بیٹھے پھر تین بار ارشاد فرمایا الٰہی میں تجھسے عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔ پھر فرمایا جب ایماندار آخرت کا سفر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے فرشتوں کو بھیجتا ہے کہ گویا اُنکے مونہ آفتاب ہوتے ہیں اُن کے ساتھ خوشبودار کفن ہوتا ہے وہ اُسکی آنکھوں کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ جب اُس کی روح نکلتی ہے تو آسمان وزمین کے درمیان کا ہر فرشتہ اُس پر رحمت بھیجتا ہے اور آسمان کے دروازے کھلجاتے ہیں اور کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا کہ اس کی روح اپنے اندر ہوکے جانی نہ چاہتا ہو یا بہ تبدیل الفاظ ہر آسمان کے دروازے کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ مرحوم کی روح مجھے میں سے ہوکے جائے۔ جب اُسکی روح اُوپر چڑھتی ہے تو فرشتے عرض کرتے ہیں۔ الٰہی یہ تیرا فلاں بندہ ہے پس حکم ہوتا ہے اسے لیجاؤ اور جو کچھ ہم نے اُسکے لیئے سامان مہیا کیا ہے اسے دکھاؤ اسی لیئے ہم وعدہ کرچکے منہا خلقنٰکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃً اخریٰ یعنے اسی زمین سے ہم نے تمھیں بنایا اور اُسی میں تمھیں پھر ڈالتے ہیں اور اس سے دوسری بار تمھیں نکالینگے۔ اور وہ شخص چلنے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے یہانتک کہ اُس سے کہا جاتا ہے کہ رب تیرا کون ہے۔ دین کیا اور نبی کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ سوال اُس سے نہایت درشت لہجہ میں کیئے جاتے ہیں اور یہ اخیر جانچ ہے جو مردے کی کی جاتی ہے۔ پس جب وہ جواب مذکور دے لیتا ہے۔ تو آواز آتی ہے کہ تو سچ کہتا ہے۔ پھر اُسکے پاس ایک خوبصورت خوش لباس معطر آنے والا کہتا ہے۔ تجھے رحمت پروردگار کی بشارت ہو اور اُن جنتیوں کا مژدہ ہو جہاں دائمی لذت ہے۔ مردہ جواب دیتا ہے۔

تجھے بھی خیر کی بشارت خدائے تعالیٰ دے وہاں سے جواب ملتا ہے۔ میں تیرا عمل نیک ہوں۔ بخدا مجھے تیری حالت کی خبر ہے کہ تو خداوند تعالیٰ کی اطاعت میں جلد باز اور معصیت میں دیر کرنے والا تھا۔ خدائے تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے۔ پھر آواز آتی ہے کہ اسکے لیئے جنت کے بستروں میں سے بستر کرو اور جنت کا دروازہ کھولدو۔ پھر جنت میں بچھونا بچھادیا جاتا ہے اور دروازہ کھولدیا جاتا ہے وہ اُس وقت آرزو کرتا ہے۔ الٰہی قیامت جلد برپا ہو کہ میں اپنے مال اور کنبہ کی طرف جلد رجوع کروں۔

کافروں کی یہ صورت ہو کہ جب کسی کافر کی جان نکلنے لگتی ہے تو اُسکے لیئے تند خو اور بدمزاج فرشتے آتے ہیں ان کے ساتھ آگ کے کپڑے اور گندھک کا کرتہ ہوتا ہے۔ سب مرنے والے کو گھیر بیٹھتے ہیں جب اُسکی جان نکلتی ہے تو زمین و آسمان کے کل فرشتے اُس پر لعنت کرتے ہیں۔ سب دروازے آسمان کے بند کردیئے جاتے ہیں۔ کوئی دروازہ ایسا نہیں ہوتا کہ جو اُسکی روح کو اپنے میں داخل ہونے کی اجازت دے۔ اسکی روح اِدھر آسمان پر چڑھی اور نیچے پھینک دی گئی۔ عرض کیا جاتا ہے اے ذوالجلال رب تیرے بندے کی روح کو کہیں جگہ نہیں ملتی اور کوئی چیز اُسے رستہ نہیں دیتی۔ ارشاد باری ہوتا ہے کہ اسے لیجاؤ اور جو سامان برائی کا اُسکے لیئے مہیا کیا ہے اُسے دکھاؤ۔

دوسری روایت کافر سے سوال و جواب کے بارے میں یہ ہے کہ جب اُس سے رب کعبہ اور دین کی نسبت سوال کیا جاتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ اس کا جواب اسے دیا جاتا ہے کہ تو جانیو پھر اُسکے پاس ایک بدصورت بدبودار لباس پہنے ہوئے آتا ہے اور کہتا ہے تجھے دائمی عذاب اور دیرپا غضب الٰہی کا مژدہ ہو۔ مردہ جواب دیتا ہی خدائے تعالیٰ تجھے بدی کی خبر سنائے تو کون ہے وہ جواب دیگا میں تیرا عمل بد ہوں بخدا تو خدائے تعالیٰ کی نافرمانی میں جلد باز اور اطاعت میں تاخیر کرنے والا تھا خدائے تعالیٰ تجھے جزائے بد دے۔ مردہ جواب دیتا ہے کہ تجھے بھی خدائے تعالیٰ جزائے بد دے۔ پھر اُس پر ایک بہرا گونگا اندھا معین کیا جاتا ہے جس کے پاس لوہے کا گرز ہوتا ہے کہ اگر جن و انسان اُسکے اٹھانے پر متفق ہوں تو نہ اُٹھ سکے اگر اُسے پہاڑ پر مارے تو چورا چورا کردے وہ اُسی گرز سے کافر کو مارتا ہے تو وہ مٹی ہو جاتا ہے پھر اُس میں جان آجاتی ہے پھر اُسکی آنکھوں میں ایک ضرب لگاتا ہے کہ اُسکی آواز سوائے جن و انسان کے زمین کے سب رہنے والے سنتے ہیں پھر آواز آتی ہے اسکے لیئے دو تختیاں آگ کی بچھادو اور ایک دروازہ دوزخ کی طرف کھولدو۔ فوراً تختیاں بچھ جاتی ہیں اور دروازہ کھولدیا جاتا ہے

محمد بن علی رح فرماتے ہیں کہ ہر شخص کے مرتے وقت اُس کے اعمال نیک و بد اُسکے سامنے آکے کھڑے ہو جاتے ہیں وہ اپنے نیک اعمال پر خوش نظر آتا ہے اور بد اعمال کی طرف آنکھ بھر کے بھی نہیں دیکھتا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا جب مومن مرنے لگتا ہے تو فرشتے حریر کے کپڑے میں مشک و ریحان کی مٹی لے کر آتے ہیں پس اُسکی روح اس آسانی سے نکال لیتے ہیں جس طرح آٹے میں سے بال نکال لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اے نفس مطمئنہ خدائے

تعالیٰ کی کرامت اور راحت کی طرف نکل - تو اُس سے راضی اور وہ تجھ سے خوش اور جب اُسکی جان نکلتی ہے اُسے مشک و ریحان میں رکھ کے اُوپر سے حریر لپیٹ دیا جاتا ہے اور اُسے علّیین یعنے اُوپر والوں میں بھیجدیا جاتا ہے - اور کافر کو جب موت آتی ہے اُس کے پاس فرشتے ٹاٹ میں چنگاریاں لیکے آتے ہیں - اور بڑی سختی سے جان نکالتے ہیں - اور جان نکالتے وقت کہا جاتا ہے اے نفس پلید خدائے تعالیٰ کے عذاب اور خواری کی طرف نکل کہ تو اُس سے خفا اور وہ تجھپر ناراض - جب اُسکی جان نکلتی ہے تو اُن ہی چنگاریوں میں رکھدی جاتی ہے اور روح اُن میں جھنجھناتی رہتی ہے اور اُوپر سے ٹاٹ لپیٹ کے سجین یعنے زندان میں بھیجدی جاتی ہے -

محمد بن کعب قرظی رح نے اِس آیت کو پڑھ کے فرمایا حتیٰ اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت یعنی یہاں تک جب اُن میں سے کسی کو موت آئی وہ کہے گا اے رب مجھے پھر بھیج شاید میں بھلا کام کروں - اس کی مراد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ دریافت کرتا ہے کہ تو کیا چاہتا ہے - کونسی چیز کی رغبت کرتا ہے کیا تیری یہ خواہش ہے کہ پھر کے مال جمع کرے باغ لگائے - عمارت بنائے اور نہریں کھدوائے وہ جواب دیتا ہے نہیں بلکہ جو کچھ چھوڑ آیا ہوں اُس میں اچھا کام کروں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا کوئی نہیں یہ بات ہے کہ وہ کہتا ہے یعنی موت کے وقت یہ کلام کرتا ہے -

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن اپنی قبر میں ایک سبز باغ میں رہتا ہے اور اُسکی قبر ستر گز وسیع ہو جاتی ہے اور چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی ہو جاتی ہے اور کافر کی قبر میں یہ عذاب ہوتا ہے کہ ننانوے تنین اُس پر مسلط کر دیئے جاتے ہیں اور تمھیں معلوم ہے تنین کیا چیز ہے ننانوے اژدہا - ہر ایک کے سات سات پھن ہونگے اور وہ اُسکے جسم کو قیامت تک نوچتے کھسوٹتے رہیں گے - ملتقط

یہاں تک تو ہم نے اُن روایات کا انتخاب کیا جو منکر نکیر اور عذاب قبر کے بارے میں ہیں اب ہم چند ان صحیح احادیث کا انتخاب کرتے ہیں جن سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ یہ ساری باتیں بطور تمثیل کے بیان ہوئی ہیں حقیقت سے اُنھیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے - یہ سب جانتے ہیں اور یہ ایک مسلم امر ہے کہ معمولی چیز کی اصلیت کے سمجھنے یا بیان کرنے کے لیئے خداوند تعالیٰ نے انسان کی زبان میں الفاظ ہی نہیں پیدا کیئے کہ وہ اُنھیں اُنکی معمولی حالت میں بھی ظاہر کر سکے - مثلاً درد دُکھ یا کڑوی اور میٹھی چیز کی کیفیت سوائے تمثیل کے نہ انسان سمجھ سکتا ہے نہ بیان کر سکتا ہے - اسیطرح روحانی عذاب یا ثواب کا انسانی زبان میں سمجھانا غیر ممکن تھا اُنھیں بطور تمثیل کے سمجھا دیا - آگے آنے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ قبر کے اژدہا اور عذاب کے فرشتے کون ہیں اور اُنکی اصلی حقیقت کیا ہے - کسی خاص معاملہ میں اختلاف روایات اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ اسلام نے کوئی خاص اصول اس امر کے لیئے مقرر نہیں کیا کہ درحقیقت یہ یہ چیزیں مرنے کے بعد ہونگی اور اس صورت خاص سے عذاب و ثواب نازل ہوگا - بہرحال ہم پہلے وہ روایات نقل کر دیتے ہیں اور اُس کے بعد اس

مسئلہ پر بحث کرینگے۔

طبرانی و حاکم نے یہ حدیث نقل کی ہے " آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو قبر اُس سے کہتی ہے اے خانہ خراب آدمی تجھے کس چیز نے مجھسے مغالطہ میں رکھا تو نے نہ جانا کہ میں آزمایش کا گھر ہوں اور تاریکی کا مکان۔ تنہائی کی جگہ اور کیڑوں کا خانہ ہوں۔ میرے باب میں تجھے کس چیز نے دھوکا دیا کہ تو میرے اُوپر اکڑکے چلتا تھا۔ اگر نیک بخت ہوتا ہے تو اسکی طرف سے کوئی جواب دینے والا جواب دیتا ہے کہ تو دیکھتی نہیں یہ شخص اچھی بات کا امر کیا کرتا تھا اور بُری بات سے منع کیا کرتا تھا۔ قبر جواب دیتی ہے تو اب میں سبز ہوئی جاتی ہوں اُس کا جسم نور بن جائیگا اور روح خدائے تعالیٰ کے پاس چلی جائیگی۔

عبید بن عمیر لیثی کہتے ہیں جب مردہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو گڑھا کہتا ہے میں تنہائی تاریکی اور اکیلے رہنے کا مکان ہوں اگر تو اپنی زندگی میں خدائے تعالیٰ کا مطیع رہا ہوگا تو میں آج تجھپر رحمت ہونگا۔ اگر تو نافرمان رہا ہوگا تو عذاب ہونگا میں وہ ہوں جو مجھ میں مطیع ہوکے آئیگا وہ خوش ہوکے نکلے گا اور جو عاصی ہوکے آے گا وہ تباہ ہوکے نکلے گا۔

محمد بن صبیح کہتے ہیں۔ جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اُس پر کچھ عذاب ہوتا ہے تو اُس کے پڑوس کے مردے اُس سے کہتے ہیں کہ اے اپنے قریبی اور پڑوسیوں سے دنیا میں پیچھے رہنے والے کیا تجھے ہم سے عبرت نہوئی کیا اپنے آپ سے آگے آنے والوں کا حال تو نے نہ سوچا تو نے نہ دیکھا کہ ہمارے اعمال مرنے سے تمام ہوگئے تھے تجھے تو مہلت تھی تو نے اُس چیز کا تدارک کیوں نکر لیا جو تیرے اقارب سے رہ گئی تھی۔ زمین کے حصے اُس سے کہتے ہیں اے ظاہر دنیا کا دھوکا کھانے والے جو لوگ تیرے گھر والوں میں سے زمین کے شکم میں چلے گئے تھے اُن سے تو نے عبرت کیوں نہ پکڑی اُنھیں دنیا نے تجھسے پہلے دھوکا دیا پھر اُنکی موت اُنھیں قبروں میں لے گئی تو اُنھیں دیکھتا تھا کہ دوسروں کے کاندھوں پر اُس منزل میں چلے جاتے ہیں جو اُن سب کے لئے ضرور تھی۔

یزید رقاشی کہتے ہیں جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اُسکے اعمال اُسے گھیر لیتے ہیں پھر اُنھیں خدائے تعالیٰ گویا کرتا ہے تو وہ کہتے ہیں اے اکیلے بندے گڑھے میں پڑے ہوئے تیرے دوست اور تیرے رشتہ دار تیرے پاس سے چلے گئے تو ہمارے پاس ہے آج تیرا کوئی انیس نہیں۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب نیک بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اُس کے اعمال نیک نماز روزہ حج زکوٰۃ۔ جہاد اُسے گھیر لیتے ہیں پھر عذاب کے فرشتے اُسکے پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو نماز کہتی ہے اِس سے الگ رہو یہ شخص اللہ کے واسطے اُن پر اکثر کھڑا رہا کرتا تھا۔ پھر فرشتے سر کی طرف آتے ہیں تو روزہ مانع آتا ہے اور کہتا ہے اِدھر سے بھی نہیں آنے دونگا یہ شخص بہت پیاسا رہتا تھا۔ پھر فرشتے بدن کی طرف آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں یہاں سے الگ رہو کہ اس نے اس بدن سے حج کے لئے بہت محنت و مشقت اُٹھائی ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا تم کو راہ نہ ملیگی۔ فرشتے ہاتھوں کیطرف سے آتے ہیں تو

صدقہ کہتا ہے اس شخص کو جانے دو اُس نے اِن ہاتھوں سے بہت کچھ دیا ہو اور اللہ نے قبول کیا یہ ساری باتیں سُن کے فرشتے جواب دیتے ہیں مبارک ہو تو پاک ہی زندہ رہا اور پاک ہی مرا پھر اُس کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں اور اُس کے لیئے جنت کا بستر بچھاتے ہیں اور حلّۂ بہشتی لاتے ہیں اور اُس کی قبر کو جہاں تک نظر کام کرے کشادہ کر دیتے ہیں اور جنت سے اُس کے لیئے ایک قندیل لائی جاتی ہو جو قیامت تک روشن رکھے گی۔

عبداللہ بن عبید بن عمیر نے ایک جنازہ کو دیکھ کے کہا میں نے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مُردہ قبر میں بٹھایا جاتا ہو اور اپنے ہمراہیوں کے پاؤں کی آواز سنتا ہے اور اُس سے بجز اُس کی قبر کے کوئی چیز کلام نہیں کرتی۔ قبر کہتی ہے اے خانہ خراب تجھے مجھسے کسی نے نہیں ڈرایا تھا تجھے یہ خوف نہیں دیا گیا تھا کہ میں تنگ بدبودار۔ ہولناک اور کیڑوں سے پر ہوں پس تو نے میرے لیئے کیا سامان کیا۔ فقط

ان مختلف واقعات سے جو عذاب قبر اور اندرونی حالت کی نسبت بیان ہوئے ہیں ایک بالغ نظر اور لایق فہمیدہ شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہو کہ انسان کی اس بے بس اور مایوس حالت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو مرنے کے بعد اُس کی ہوتی ہے اِس سے کون انکار کر سکتا ہو کہ مرتے وقت انسان کے اعمال اسکے سامنے نہیں آجاتے انسان کے دل میں ایک ممیزہ قوۃ ہے جو اپنی نیکی اور بدی کا پورا اندازہ کرتی ہے مرتے وقت انسان یہ سمجھتا ہو کہ اب میں ہمیشہ کے لیئے دنیا سے رخصت ہوتا ہوں اور پھر کبھی واپس پھر کے نہ آؤنگا۔ اس وقت میری حالت سخت حسرتناک ہو۔ باوجود حشم و خدم مدافعت کی قوت نہیں اور دنیاوی دولت وحشمت سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ ایسی حالت میں اس مرنے والے شخص نے جو کام اپنی زندگی میں اچھے کیئے ہیں اُنکے خیال سے اُسے کسیقدر اطمینان ہوتا ہے اور جب اُس بداعمالی کا نتیجہ یاد آتا ہے جس سے اُسکے ابنائے جنس کو نقصان پہنچا تھا وہ اپنے دل ہی دل میں سخت پشیمان ہوتا ہے اور یہ انتہا درجہ کی پشیمانی ایسی نازک حالت میں اُسکے لیئے عذاب کا فرشتہ بن جاتی ہے خواہ مرنے والا کسی مذہب کا پابند ہو یا نہو یعنی دہریہ ہو پھر بھی اُسے اپنے گزشتہ نیک و بد اعمال پر ایسی خطرناک حالت میں خوشی اور رنج ضرور ہوتا ہے۔

پھر دوسری بحث قبر کی حالت اور اُس کی گفتگو کرنے کی ہے۔ اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قبر تنگ بدبودار۔ ہولناک اور کیڑوں سے پُر ایک گڑھا ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ قبر زبان حال سے مردہ سے وہ تقریر کرے گی جو اوپر لکھی گئی۔ اس میں شک نہیں کہ مرنے کے بعد عذاب و ثواب کوئی چیز ہے اور ضرور بداعمالی کی سزا اور نیک اعمالی کی جزا ملے گی۔ دنیا میں جتنے مذاہب پیدا ہوئے اور جتنے اسوقت موجود ہیں وہ آیندہ زندگی اور عذاب و ثواب کے قائل ہیں اگرچہ اُن حالات کو بیان کرنے کا طریقہ سب نے اپنے مذاق کے موافق علیحدہ علیحدہ نکالا ہے۔ یہ اعتراض کرنا کہ یہ خیالات اِس مذہب نے اُس مذہب سے لیئے ہیں ایک بزدلانہ حملہ ہے ہم نے فرشتوں کی بحث میں کہ ملائکہ کا نزول دنیا پر تمثلی صورت میں ہوتا ہے اور اُن کا اثر حقیقت میں ہر وقت

ہر ہر ذرہ میں موجود رہتا ہے۔ صاف بیان کردیا ہے۔ اسلام نے ہر مسئلہ کو عقل کے مطابق صاف کیا ہی کیونکہ جو کچھ اُس سے ہو سکا مخلوقِ خدا کو نیک اعمال کرنے کی ترغیب دینے میں اس نے کوئی کسر نہیں کی۔ ان مختلف عذابوں سے جو اُوپر بیان ہوئے اگر ایک معمولی عقل کا شخص ظاہر معنی لے لے تو کیا قباحت ہو سکتی ہی یا اگر ایک عقلمند فہمیدہ شخص اُسکے حقیقی معنی کی تہ تک پونہچ جائے اور یہ سمجھ لے کہ اس قسم کی مثالیں دینے سے انتہائے عذاب روحانی کیطرف اشارہ ہوتا ہی تو کیا بُرائی ہی۔ غرض ہر قسم کی عبرت لینے اور اپنی حالت درست کرنے سے وہ بات بدرجۂ احسن اُس سے حاصل ہوتی ہے۔

پادری سیل صاحب اور اُنکے دوست پادری الگزینڈر راس نے صرف دو ایک ہی روایتیں یہودیوں کی بیان کرکے یہ لکھدیا کہ یہودیوں سے پیغمبر اسلام نے عذاب قبر اور منکر و نکیر کا مسئلہ لیا ہی مگر افسوس ہے کہ انھوں نے اُن روایتوں کو نہیں دیکھا جو انکے علاوہ ہیں اور یہودیوں کی تالمود میں نہیں ملتیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا دنیا میں کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا مذہب آجتک ایسا پیدا ہوا ہی جو آیندہ کا قائل نہ ہو اور اُسنے مرنیکے بعد کے چند قواعد عذاب یا ثواب مقرر نہ کیئے ہوں۔ جس مذہب میں پادری صاحبان ہیں اس میں بھی بُرے لوگوں کے لیئے گندھک میں جلنے اور دانت پیسنے کی دعوت کی گئی ہے۔ اور حضرت مسیح نے نیک اعمالوں کو یہ بشارت دی ہی کہ وہ دائیں ہاتھ پر بٹھا کے اُنھیں انگور کی شراب پلائیں گے۔

حکماء اور انبیا کی تعلیم میں یہی بہت بڑا بل ہی کہ حکیم ایسی بات کہتے ہیں جو اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ سمجھ سکے اور فائدہ اُٹھا سکے اور انبیا وہ باتیں کہتے ہیں کہ معمولی عقل کا شخص اس سے جسقدر متاثر ہوگا اسیقدر ایک عاقل کو اُس سے نصیحت ہوگی۔ قبر کا عذاب اور اُس کا بیان درحقیقت ایک تازیانہ ہے اُن غافلوں کے لیئے جو دنیا میں صرف اپنی ذاتی نفع کے لیئے مخلوقِ خدا کو ستاتے ہیں بار بار صحیح حدیثوں میں ان الفاظ کا آنا کہ مرتے وقت عذاب یا ثواب کے فرشتے جو آتے ہیں وہ درحقیقت مرنے والے کے بد و نیک اعمال ہوتے ہیں اور قبر میں بھی یہی اعمال ہوتے ہیں جو اُسے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اس امر کیطرف اشارہ ہے کہ اُسکے نیک و بد اعمال کا نام ملائکہ و ثواب و عذاب ہے ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ جس طرح زندگی میں اچھے بُرے اعمال اُسکے ساتھ رہے تھے اُسی طرح مرنیکے بعد اُسکی قبر میں دفن ہوتے ہیں اور وہاں بھی اُسے چین نہیں لینے دیتے آگ کے گرز پڑتے اژدہاؤں کا تاقیامت اُسکے جسم کو برباد کرنے کے یہ معنی ہیں کہ مرنیکے بعد اُسکی بد اعمالی کی وجہ سے خلق خدا کی اُسپر لعنت پڑتی ہے مجلسوں میں اُس کا ذکر بُرے الفاظ میں کیا جاتا ہے کتابوں میں اُس بدبخت سب و شتم ہوتا ہی نسلوں کی نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر خلق اللہ کی پھٹکار اور لعنت ملامت کم نہیں ہوتی۔ یزید نے جو کچھ کیا اُسے تیرہ سو برس کا زمانہ ہوگیا مگر دنیا کے اکثر حصہ میں ہنوز اُسپر لعن و طعن ہوتی ہی اور کسی مذہب کا ہو اُسے اچھے لفظوں میں یاد نہیں کرتا۔ اگر انسان غور کرے اور سمجھے کہ یہ عذاب کتنا بڑا ہی جسکی حقیقت ہرگز الفاظ میں نہیں بیان ہو سکتی۔ اس سے نہ کوئی مذہبی آدمی انکار کرسکتا ہی نہ کوئی دہریہ۔ یہی باتیں ہیں جن سے سمجھدار آدمی عبرت لیتے ہیں۔ اپنے زشتیِ اعمال پر افسوس کرکے پشیمان ہوتے ہیں اور خوف کھاتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں کہ الٰہی خاتمہ بخیر ہو

سمجھدار کے لئے تو یہ ساری باتیں حکیمانہ ہیں ناسمجھ اگر اپنی بدعقلی سے اُن پر ہنستا ہے تو اسکی حالت قابل افسوس ہے کچھ پادری سیل صاحب ہی کی حالت قابل افسوس نہیں ہے بلکہ کل عیسائی معترضوں پر افسوس ہوتا ہے کہ اعتراض کرتے وقت انجیل اور اسکی تعلیم کیطرف سے اُنکی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں اور وہ ذرا بھی اپنے مذہب کا پاس نہیں رکھتے - وہ نہیں جانتے کہ آنکے اس قسم کے اعتراضوں سے خود اُنکے مذہبی اُصول درہم وبرہم ہوئے جاتے ہیں اور روح القدس کی برکت رخصت ہوئی جاتی ہے - ہم لامذہب بن کے توریت وانا جیل پر وہ وہ اعتراضات کر سکتے ہیں کہ تمام دنیا بھی اُن کا جواب نہیں دے سکتی مگر نہیں ہم دائرۂ اسلام سے خارج ہوکے معترض نہیں ہونا چاہتے اور نہ ہمارا یہ شیوہ ہے جو پادری صاحبان نے اختیار کیا ہے -

چوتھا باب

جنت - دوزخ - قیامت

دنیا میں اگر کوئی دلچسپ اور ضروری مضمون ہوسکتا ہے تو وہ جنت - دوزخ اور قیامت کا مضمون ہے تمام معاملات دنیا کے تمام قضیئے - تمام خونریزیاں - تمام جوڑتوڑ انسان اپنی آیندہ زندگی کے لیے کرتا ہے اور کوئی فرد بشر یا کوئی مذہب اور کسی خیال کا انسان نہیں ہے جو آیندہ زندگی کا قائل نہو اور مرنے کے بعد اپنی ایک نئی زندگی نہ مانتا ہو -

علوم جدیدہ چاہے کتنا ہی انکار کیوں نہ کریں مگر نہیں سمجھ میں آتا کہ اُنکے فرضی اصول کو کس طرح تسلیم کرلیا جائے جب کہ وہ ابتک زندگی ہی میں انسان کے جسم کی حالت سے پورے پورے واقف نہیں ہوئے اور درحقیقت ابھی تک انسان کی جسمانی حالت کا ۱/۱۰۰ حصہ بھی تحقیق نہیں کیا ہے تو پھر کس صورت سے آنکھ بند کرکے مان لیا جائے کہ جو کچھ وہ مرنے کے بعد کا حال بیان کرتے ہیں وہ صحیح ہے اور انسان میں آنکھ بند ہوتے ہی کچھ نہیں رہتا کون کہ سکتا ہے کہ ڈارون کے اصول موضوعہ ہمیشہ مسلم رہیں گے اور کون خیال کرسکتا ہے کہ موجودہ خیالات کیطرح آینوالی نسلوں کے خیالات بھی ان اصول موضوعہ کی حمایت کرینگے - جو اصول کل بنتے ہیں اور آج بگڑ جاتے ہیں اُنکی نسبت کامل صحیح ہونیکا کون دعویٰ کرسکتا ہے - وہ چیزیں جو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں وہ آوازیں جو ہم کانوں سے سنتے ہیں اُنکی نسبت بھی ہماری آراء میں اختلاف ہے - ظاہر ہے جب اختلاف ہے تو وہ مسئلہ ہی غلط ہے - کسی مسئلہ میں اختلاف کا ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ مسئلہ ہی سرے سے غلط ہے - بہرحال اب یہ دیکھنا ہے کہ دنیا کے بڑے مذاہب میں جنت ودوزخ کا خیال کیسا ہے اور اُنھوں نے کہانتک ایک نامعلوم چیز کو سچ جانا اور اُسکی حقیقت کو پہچانا ہے - قرآن مجید میں مختلف مقامات پر جنت کا بیان ہے اور اُس میں جو کچھ عمدگی رکھی گئی ہے کہ انسان کے اعلیٰ درجہ کی راحت کے خیال کو سادے سادے جملوں میں ادا کیا گیا ہے - نہروں کا بہنا - سرسبز باغوں کا رہنا - میوہ دار درختوں کا پھل کھانا - جواہرات کی اتنی کثرت ہونا کہ اسکے بستر بنائے جائیں گے - خدمت میں جمیل اور حسین لونڈی غلاموں کا ہروقت حاضر رہنا - یہ ساری باتیں ہیں جن سے ایک اعلیٰ سے اعلیٰ خیال راحت کا پیدا ہوسکتا ہے - ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید اور احادیث میں جنت اور اسکی نعمتوں کا جو بیان ہوا ہے

اسکا اختصار کردیں اور پھر اخیر ان سب روایتوں پر اپنی رائے کا اظہار کریں - وھو ہذا -

اہل جنت کے حال پر نظر کر کہ اُنکے چہروں پر آرام کی تازگی ہوگی اور اُنھیں سربمہر شراب پلائی جاتی ہوگی یاقوت سُرخ کے منبروں پر ورشاداب سفید کے خیموں میں بیٹھے ہوئے ہونگے جن میں سبز چھاپے کے بچھونے بچھے ہوئے اور تختوں پر تکیے لگے ہونگے اور وہ جیسے شراب اور شہد کی نہروں کے کناروں پر ایستادہ - غلاموں اور بچّوں سے پُر - گوری گوری عورتوں بڑی آنکھوں والیوں سے آراستہ خوش خلق اور خوبصورتوں سے مزیّن ہونگے وہ حوریں مثل یاقوت اور مونگے کے ہونگی اور اُنھیں جنتیوں سے پیشتر کسی نے آنکھ بھر کے نہ دیکھا ہوگا جنت کے درجوں میں خرام ناز کرینگی اور جب اُن میں سے کوئی حور تبختر کریگی تو اُسکے دامن کو ستر ہزار لڑکے اُٹھائینگے اور اُن پر سفید حریر کی چادریں اُس شوخ رنگ کی ہونگی جنھیں دیکھ کے آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوجائے - اُن پر موتی اور مونگے جڑے ہوئے ہونگے - تاج اُن کے سر پر آنکھوں میں سُرخ ڈورے - نازو انداز کی پتلیاں لعل کے محلوں میں پردہ نشین نیچی نگاہوں والیاں ہونگی - انکے مکان جنت کے باغوں کے بیچ میں تعمیر ہونگے اور پھر ان مردوں اور عورتوں میں جام وصراحی کا دَور چلے گا - شراب خاص اور لذت دار عرق اُن میں باہم پیئے جائیں گے - اُن پیالوں کو جن میں یہ شراب وغیرہ پلائی جائیگی وہ لڑکے لیئے ہونگے جو مثل دُرِ آبدار کے صاف اور تاباں ہونگے - یہ اہل جنت کی کمائی کا بدلہ ہوگا کہ آسایش اور آرام کے مقام میں باغوں اور چشموں کے بیچ میں گلزاروں اور نہروں کے وسط میں پر تکلف نشستگاہوں میں بیٹھے اپنے قادر ذوالجلال کے نور سے روحانی لذت لیتے ہونگے - اور اس لذت کی شادابی اُنکے چہرے سے ٹپکتی ہوگی نہ اِن میں گرد ہوگی نہ ذلّت بلکہ وہ معزز بندے ہونگے اور خالق ارض وسمار کی طرف سے نئے نئے تحفوں سے اُنکی خبر گیری ہوتی ہوگی - غرض کہ اپنی خواطر خواہ آرزوں میں سدا رہیں گے نہ کسی کا خوف ہوگا نہ غم کرینگے اور موت کا وہم بھی اُن کے پاس ہوکے نہ پھٹکے گا - اُن کا دائمی قیام جنت میں ہوگا اُسی کی غذائیں اُنھیں ملینگی - نہروں میں سے دودھ شہد شراب بہیں گے - اُن نہروں کی زمین چاندی کی ہوگی - کنکر مونگے کے اور مٹی مشک اذفر کی سبزہ زعفران کا جو بادل اُس میں برسے گا اُس کا شیریں پانی کافور کے ٹیلوں پر پڑے گا - جو آبخورے پانی پینے کو ملیں گے اُن میں موتی - لعل - مونگے جڑے ہوئے ہونگے اُن آبخوروں میں سربمہر شراب جسمیں سلسبیل کی ملونی ہوگی صاف و عیاں نظر آئیگی اُنکو کسی آدمی نے نہیں بنایا جسکی بناوٹ میں کسی قسم کا قصور یا فتور رہا ہو وہ پیالے ایسے خادموں کے ہاتھوں میں ہونگے جنکے چہرے تابانی اور درخشانی میں سورج کی روشنی کے برابر ہونگے مگر سورج میں صورت کی ملائمت کالی زلفوں کی خوبی آنکھوں کی ملاحت کہاں ہے - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ نے ارشاد کیا (مسلم بروایت ابوہریرہ وابوسعید) کہ ایک پکارنیوالا پکارے گا اے اہل جنت تمھیں وہ تندرستی عطا ہوئی ہے کہ تم کبھی بیمار نہ ہوگے اور تمھیں وہ زندگی عطا ہوئی ہے کہ کبھی نہ مروگے اور تمھیں وہ جوانی دی گئی ہے کہ کبھی بوڑھے نہوگے اور تم میں وہ تونگری ودیعت کی گئی ہے کہ کبھی محتاج نہوگے -

سورۂ رحمٰن میں جن دو جنتوں کا اشارہ ہے اُسکی تفسیر میں یہ حدیث آئی ہے - بخاری ومسلم نے ابوموسیٰ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ دونوں جنتیں چاندی کی ہونگی

اُسکے ظروف اور اُنکی کل چیزیں چاندی کی ہونگی اور دو جنتیں مع ظروف اور کل اثاث البیت کے سونے کی ہونگی اور لوگوں میں اپنے پروردگار کا جلال دیکھنے کے لیئے بجز چادر کبریا کے کوئی چیز حائل نہ ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں (بخاری و مسلم نے روایت کی) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا جو شخص اپنے مال میں سے دو جوڑ خرچ کریگا وہ جنت کے دروازوں میں سے بلایا جائیگا۔ اور جنت کے آٹھ دروازے ہیں پس جو کوئی نمازی ہوگا وہ باب الصلوٰۃ سے پکارا جائیگا اور جو شخص روزہ دار ہوگا وہ باب الریان میں سے بلایا جائے گا اور جو شخص صدقہ دینے والا ہوگا اُسے باب الصدقہ میں سے بلائیں گے۔ اور جو اہل جہاد ہوگا اُسے باب الجہاد میں سے آواز دیجائیگی۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ ضرور نہیں کہ کوئی کسی دروازے سے بلایا جائے۔ مگر یہ فرمایئے کہ کوئی ایسا بھی ہے جو ان سب دروازوں سے بلایا جائے۔ ارشاد نبوی ہوا ہاں ایسے بھی لوگ ہونگے جو ان سب دروازوں سے بلائے جائیں اور مجھے توقع ہے کہ تو اُن میں سے ہو۔

عاصم بن ضمرہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی نے دوزخ کا ذکر فرمایا اور اُسکی نسبت ایسی طویل تقریر کی کہ مجھے یاد نہیں اُس ذکر کے ختم کرنیکے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی (وسیق الذین اتقوا ربہم الی الجنۃ زمرا) یعنے وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے تھے جتھے جتھے بہشت میں بھیجے گئے۔ فرمایا جب یہ لوگ اُسکے کسی دروازے پر پہنچیں گے تو اُس کے پاس درخت دیکھیں گے جس کی جڑ کے پاس دو چشمے بہتے ہونگے وہ حکم کے بموجب اُن دونوں میں سے ایک کی طرف جائیں گے اور اُس میں نہائیں گے۔ اُن پر فوراً راحت کی شادابی عیاں ہو جائیگی۔ پھر کبھی اُنکے بالوں میں فرق نہ آئیگا اور وہ اُلجھنے اور میلے ہونے نہ پائیں گے ہر وقت یہ معلوم ہوگا کہ بالوں میں تیل پڑا ہوا ہے۔ پھر جنت تک پہنچیں گے تو داروغہ جنت اُن سے یوں خطاب کرے گا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین یعنے سلام پہنچے تم کو تم لوگ پاکیزہ ہو سو ہمیشہ رہنے کے لیئے اس میں بیٹھو۔ پھر اُن سے لڑکے ملیں گے اور ایسا چمٹیں گے جیسے کسی رشتہ دار کو چمٹتے ہیں جو بعد مدت کے بعد سفر سے واپس آیا ہو وہ لڑکے اُس سے کہیں گے تجھے بشارت ہو اُس کرامت کی جو خداوند تعالیٰ نے تیرے لیئے تیار کی ہے پھر ایک لڑکا اُن لڑکوں میں سے جاکے اُس جنتی کی حوروں کو اطلاع دیگا کہ فلاں شخص آیا ہے اور وہی نام لیگا جو دنیا میں اُس کا تھا وہ بیتاب ہوکے بولے گی تو نے اُسے دیکھا ہے لڑکا جواب دیگا ہاں دیکھا ہے اور وہ میرے پیچھے آتا ہے وہ حور فوراً خوشی سے اُٹھ کھڑی ہوگی اور اپنے دروازے کی دہلیز پر پیشوائی کے لیئے آکھڑی ہوگی۔ جب جنتی اپنے گھر میں داخل ہوگا تو دیکھے گا کہ پتھروں کی جگہ موتی ہیں اور اُن پر ایک عالی شان عمارت سُرخ۔ زرد۔ سبز۔ غرض ہر ہر رنگ کی بنی ہوئی ہے۔ پھر جنتی اپنا سر اُٹھائیگا تو اُسکی چھت بجلی کیطرح چمکتی نظر آئیگی۔ اگر خدائے تعالیٰ نظر کو قوت نہ دیتا تو کیا عجب تھا کہ اس چمک سے نظر جاتی رہتی پھر وہ اپنی نظر کو نیچی کریگا تو دیکھے گا کہ اُسکی بیبیاں بیٹھی ہوئی ہیں پیالے رکھے ہوئے ہیں اور فرش بچھے ہوئے اور اُن پر گاؤ تکیے لگے ہوئے ہیں پھر جنتی تکیہ لگا کے کہے گا خدائے تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے اس پر

ہدایت کی اگر خدائے تعالیٰ ہدایت نہ فرماتا تو ہم اس قابل نہ تھے کہ ہدایت پاتے پھر ایک آواز آئیگی کہ تم زندہ رہو گے اور کبھی تمھیں موت نہ آئیگی تمھارا یہاں دائمی قیام ہوگا سفر کی زحمت کا خواب و خیال بھی تمھیں نہ آئے گا صحت تمھارے ساتھ لازمی کر دی گئی ہے۔ تم کبھی بیمار نہ ہوگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں (مسلم بروایت انس رضؓ) قیامت کے دن میں جنت کے دروازہ پر آکر اُسے کھلواؤنگا داروغہ کہے گا تم کون ہو میں جواب دوں گا کہ محمدؐ ہوں وہ عرض کریگا مجھے حکم ہے کہ آپ سے پیشتر کسی کے لیئے دروازہ نہ کھولونگا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بخاری و مسلم نے روایت کی ہے) جنت والے کھڑکی والوں کو اپنے اُوپر ایسا دیکھیں گے جیسے تم ستاروں کو مشرق اور مغرب کے کناروں پر جاتا دیکھتے ہو اور اس لیئے اس شان سے نظر آئینگے کہ اہل جنت میں اور اُن میں رتبہ کی رو سے بہت بڑا فرق ہوگا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ مراتب انبیاہی کے ہونگے اوروں کو ان سے محروم رکھا جاویگا آپنے فرمایا نہیں اوروں کو بھی کیوں نہ ملیں گے۔ قسم ہے اُس ذات کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اس مرتبہ کے وہ لوگ ہونگے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور انبیاء کی تصدیق کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں (ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابو سعید) بلند مرتبہ والوں کو اُنکے نیچے کے لوگ اس طرح دیکھیں گے جس طرح تم آسمان کے کنارے سے ستارے کو نکلتے دیکھتے ہو اور ابو بکرؓ و عمرؓ اُن ہی بلند درجہ والوں میں سے ہیں۔ اور فضل میں سب سے زیادہ ہیں حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے میں جنت کی کھڑکیوں کا حال بیان کروں میں نے عرض کی کہ بہت بہتر آپ پر میرا ماں باپ فدا ہوں آپنے ارشاد فرمایا جنت میں کھڑکیاں ہیں جن سے چیز آر پار نظر آتی ہے اور ان میں راحت و لذت اتنی ہے کہ نہ آنکھوں نے دیکھی اور نہ کانوں نے سنی نہ کسی آدمی کے دل میں گزری میں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کھڑکیاں کن لوگوں کو ملیں گی آپنے فرمایا اُن لوگوں کو جو اشاعت اسلام کریں اور کھانا کھلاویں اور ہمیشہ روزہ رکھیں اور رات کو لوگوں کے سوتے ہوئے نماز پڑھیں۔ میں نے عرض کیا ان باتوں کی طاقت کس کو ہے آپ نے فرمایا میری اُمت اسکی طاقت رکھتی ہے اور اب میں تمھیں اس کا حال بتاتا ہوں جو شخص اپنے بھائی مسلمان سے ملے اُسے سلام کرے یا اُسکے سلام کا جواب دے تو اُس نے سلام کو پھیلایا اور جس نے اپنے گھر والوں یا کنبہ کے لوگوں کو اتنا کھلایا کہ اُن کا پیٹ بھر دیا تو اُس نے گویا کھانا کھلایا اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیئے اُس نے ہمیشہ روزے رکھے۔ اور جس نے نماز عشا اور نماز فجر جماعت سے پڑھی کہ اُس وقت لوگ سوتے ہوتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوس۔ اُس کا وقت گویا ہمیشہ نماز میں گزرا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے معنی میں فرمایا (ابن حبان در کتاب العظمت بروایت حسن عن ابی ہریرہ) **ومساکن طیبۃ فی جنّٰت عدن** کہ مساکن سے غرض موتی کے محل ہیں ہر محل میں ستر گھر لعل سُرخ کے اور ہر گھر میں ستر حجرے سبز زمرد کے اور ہر حجرے

میں تخت ہیں اور ہر تخت پر ستر فرش ہر رنگ کے بچھے ہوئے اور ہر فرش پر ایک بی بی حوروں میں سے بیٹھی ہوئی ہر حجرے میں ستر دستر خوان ہیں ہر دستر خوان پر ستر رنگ کا کھانا ہے ہر حجرے میں ستر لونڈیاں ہیں اور ایماندار کو ہر روز اتنی طاقت عنایت ہوگی کہ اُن سب سے تعلق پیدا رکھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (طبرانی در اوسط ونسائی اور صحیحین میں بروایت انس مرقوم ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخرت میں خدائے تعالیٰ شراب پلوائے تو چاہیئے کہ دنیا میں شراب نہ پیوے اور جسے منظور ہو کہ خداوند تعالیٰ آخرت میں اُسے حریر پہنائے تو چاہیئے کہ دنیا میں حریر کا پہننا ترک کرے۔

ابوہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جنت کی نہریں مشک کے ٹیلوں یا مشک کے پہاڑوں میں سے نکلتی ہیں۔

ابوہریرہ روایت کرتے ہیں (طبرانی در اوسط بروایت ابوہریرہ) اگر جنت کے لوگوں میں سے کسی کے پاس سب سے کمتر زیور ہو اور اُس کا تمام دنیا کے زیور سے مقابلہ کیا جائے تو جو زیور اللہ تعالیٰ آخرت میں دیگا وہ تمام دنیا کے زیور سے اچھا ہوگا۔

ابوہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں (یہ حدیث بخاری ومسلم میں لکھی ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اگر سوار اُس کے سایہ میں سو برس چلے پھر بھی اُس کو تمام نہ کر سکے۔

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ابن مبارک در زہد عن مسلم بن عامر مرسلاً) اللہ تعالیٰ ہمیں اعراب اور اُنکے مسائل سے نفع دیتا ہے۔ ایک بار ایک اعراب آیا اور اُس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایذا دہندہ درخت کا ذکر فرمایا ہے اور مجھے معلوم نہ تھا کہ جنت میں کوئی درخت ایسا بھی ہے جو جنتی کو ایذا پہنچائے آپ نے فرمایا وہ کونسا درخت ہے اُس نے عرض کیا بیری کا درخت جس میں کانٹے ہوتے ہیں آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اسکے کانٹے کا وعدہ فرمایا ہے اور ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل لگا دیگا کہ ہر پھل میں بہتّر طرح کا مزہ ہوگا اور شکل میں بھی ایک دوسرے سے مغائرت کلّی ہوگی۔

جریر بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب صفاح میں ٹھہرے تو دیکھا ایک شخص درخت کے نیچے سوتا ہے اور اُس پر دھوپ آگئی ہے۔ میں نے اپنے غلام کو بھیجا کہ چمڑے کے بچھونے کا اُس پر سایہ کر اُسنے میرے حکم کی تعمیل کی جب وہ جاگے تو معلوم ہوا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں۔ میں نے اُنکی خدمت میں جاکے سلام کیا۔ اُنھوں نے فرمایا اے جریر اللہ کے واسطے تواضع کر جو شخص دنیا میں خدائے تعالیٰ کے واسطے تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت میں اُسے بزرگی دیتا ہے۔ تجھے معلوم ہے کہ قیامت میں تاریکیاں کیا ہونگی میں نے عرض کیا نہیں آپ نے فرمایا کہ لوگوں کا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم کرنا۔ پھر ایک باریک سا تنکا اُٹھایا جو زیادہ باریک ہونے کی وجہ سے مجھے دکھائی نہ دیتا تھا۔ پھر فرمایا اے جریر اگر تو اُس کے موافق جنت میں ڈھونڈے گا تو

نہ پائیگا۔ میں نے عرض کیا کہ پھر خرا کے درخت اور پیڑ کہاں جائیں گے فرمایا کہ وہ لکڑی اور تنکوں کے نہوں گے اُنکی جڑیں موتی اور سونے کی ہونگی اور اُن میں پھل لگے ہوئے ہوں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مسلم نے نقل کیا ہی) جو جنت میں داخل ہوگا اُسے نعمت باری تعالی کا حصہ دیا جائیگا پھر نہ وہ محتاج ہوگا نہ اُس کے کپڑے پُرانے ہونگے۔ نہ جوانی کو تنزل ہوگا اور جنت میں وہ نعمتیں ہونگی جو نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں نہ کسی آدمی کے دل میں اُن کا خطرہ گزرا

ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ہم سے جنتیوں کے کپڑوں کا حال بیان فرمایئے۔ آپ نے سکوت کیا (نسائی بروایت عبداللہ بن عمرؓ) اور اُس پر بعض لوگ ہنسنے لگے۔ آپ نے ارشاد کیا تم کیوں ہنستے ہو کیا اس سے ہنستے ہو جو شخص نہیں جانتا وہ جاننے والے سے دریافت کرتا ہے پھر فرمایا اُن کے لباس جنت کے میووں میں سے نکلا کرینگے۔ اسے آپنے دو بار فرمایا۔

ابوہریرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا (بخاری و مسلم) اول گروہ جو جنت میں داخل ہوگا اُنکی صورتیں چودھویں رات کے چاند کی سی ہونگی وہ نہ جنت میں تھوکیں گے نہ چھینکیں گے نہ جائے ضرور جائیں گے۔ اُنکے برتن اور کنگھیاں سونے چاندی کی ہونگی پسینے میں مشک کی خوشبو آئے گی ہر ایک کے لیئے دو دو بیبیاں ہونگی۔ جنکی پنڈلیوں کا گودا گوشت میں سے حسن و لطافت کے باعث صاف دکھائی دیگا۔ نہ آپس میں اختلاف رہے گا نہ دلوں میں بغض بلکہ ایک دل ہو کے صبح و شام خدا ئے تعالے کی تسبیح کرینگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے فرمایا (ترمذی بروایت ابوسعید) جنتیوں کے تاج ایسے ہونگے کہ اُن میں کے ادنی موتی کی چمک پورب سے لیکے پچھم تک روشن کر دے۔

آنحضرت فرماتے ہیں (بخاری و مسلم دونوں نے بروایت ابوموسیٰ اشعری اس حدیث کو نقل کیا ہی) کہ جنتیوں کا خیمہ بیچ میں سے خالی ہوگا اور اُس کی اُونچائی تیس کوس ہوگی۔ اُس کے ہر گوشہ میں مومن کی گھروالی ہوگی جسے دوسری بی بیاں نہ دیکھیں گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (بخاری) کہ خیمہ مجوف موتی کا ہی اُس کا طول و عرض ایک فرسخ کا اور اُسکے چار ہزار دروازے سونے کے ہونگے۔

ثوبان مولیٰ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ علمائے یہود میں سے ایک عالم حاضر حضور انور ہوا اُس نے چند سوال کیئے یہاں تک کہ یہ بھی دریافت کیا کہ پلصراط پر لوگوں میں سے اول کون شخص اُتریگا۔ آپنے فرمایا فقرائے مہاجرین۔ ایک یہودی نے پوچھا جب وہ جنت میں جائیں گے تو اُنھیں تحفہ کیا ملے گا آپ نے فرمایا مچھلی کے جگر کے کباب اُس نے عرض کیا اس کے بعد اُنکی غذا کیا ہوگی آپ نے فرمایا جنت کا بیل جو اُس کے کناروں پر کھاتا پھرتا ہے وہ اُنکے لیئے ذبح ہوگا۔ اُس نے دریافت کیا کہ پانی کہاں سے

پئیں گے آپ نے ارشاد کیا چشمہ سلسبیل سے اُس نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔

زید بن ارقم کہتے ہیں کہ ایک یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا (نسائی و کبیری) اور عرض کیا اے ابوالقاسم کیا جنت کے لوگ کھائیں گے اور پئیں گے اور یہ بھی اُس نے کہا اگر آپ مجھ سے اس امر کا اعتراف کریں گے تو میں اعتراض کروں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اور جنتیوں میں ایک ایک کو سو سو مردوں کی طاقت کھانے اور پینے اور عیش کرنے کی عطا ہوگی۔ یہودی نے کہا جو شخص کھائے پئے گا اُسے جائے ضرور جانے کی ضرورت ہوگی۔ آپ نے فرمایا جائے ضرور جانے کے عوض یہ ہوگا کہ اُنکے جسموں سے مشک کی خوشبو کا پسینہ بہے گا اور پیٹ صاف ہو جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جونہی تو پرند کو دیکھ کے خواہش کریگا وہ فوراً تیرے سامنے ذبح ہو کے بھُن جائیگا۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں کچھ پرند مثل بختی اونٹ کے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا وہ خوب ہیں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ اُن سے خوب زیادہ وہ ہے جو اُن کو کھائیگا اور تو اے ابوبکر اُن لوگوں میں سے ہے جو اُنکو کھائیں گے اور حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ اہل جنت کے لئے ستر پیالوں کا دور جاری رہے گا۔ ہر ایک پیالہ میں نئی قسم کا کھانا ہوگا جو دوسرے میں نہ ہوگا

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنتیوں کو ایک شراب چاندی کے رنگ کی سی ملے گی اور وہ ایسی شراب ہوگی کہ اگر کوئی شخص دنیا داروں میں سے اُس میں اپنا ہاتھ ڈالے اور باہر نکال لے تو اسقدر خوشبو ہو کہ کوئی جاندار ایسا باقی نہ رہے جس کو اُسکی خوشبو نہ پہنچے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اُن کی صورتیں پردوں میں آئینہ سے بھی صاف نظر آئینگی اور اُنکے زیور کا ادنیٰ موتی مشرق سے مغرب تک روشن کر دیگا اور اُن پر وہ ستر کپڑے ہونگے جن سے آدمی کی نظر پار ہو جائے۔ یہانتک کہ اُن کی پنڈلیوں کا مغز اُن کے اندر سے معلوم ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا کہ شب معراج میں جنت کے ایک مقام پر پہنچا وہاں موتیوں۔ زبرجد اور لعل سرخ کے خیمے ایستادہ تھے اُن عورتوں نے جو اُن خیموں میں تھیں مجھسے کہا السلام علیکم یا رسول اللہ میں نے جبرائیل سے دریافت کیا کہ یہ آواز کن عورتوں کی ہے جبرائیل نے کہا یہ عورتیں خیموں میں پردہ نشین ہیں اُنھوں نے اپنے پروردگار سے آپ کو سلام کرنے کی اجازت مانگی تھی چنانچہ اُنھیں اجازت مرحمت ہوئی پس وہ کہنے لگیں ہم راضی ہیں ناراض نہوں گی ہم مقیم ہیں کبھی سفر نہ کرینگی۔

اور حضرت اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اُن کا نام باکرہ عورتوں کی بکارت دور کرنے کا ہوگا۔

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جنت والے جماع بھی کرینگے آپ نے فرمایا کہ ایک

شخص کو اہل جنت میں سے اتنی انتی قوت ملیگی کہ تم میں سے وہ ستر مردوں سے زیادہ ہوگی۔
حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ اہل جنت میں سے ادنیٰ مرتبہ کا وہ شخص ہوگا کہ اُسکے ساتھ ہزار خادم ہونگے اور ہر خادم کو وہ کام ہوگا جو دوسرے کو نہ ہوگا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص پانسو حوروں چار ہزار باکرہ عورتوں آٹھ ہزار مرد رسیدہ عورتوں سے نکاح کریگا اور اُن میں سے ہر ایک سے اتنا معانقہ کرے گا جتنا دنیا میں جیا ہوگا۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں ایک بازار ہے جہاں بجز مرد و عورت کے حسن کے اور کسی چیز کی خرید و فروخت نہیں ہوتی پس جب کوئی شخص کسی حسین صورت کی خواہش کرے گا تو وہ اُس بازار میں جائیگا جہاں بڑی آنکھوں والی حوریں جمع ہیں وہ اتنی بلند آواز سے کہتی ہیں کہ کسی نے نہ سنی ہوگی اور وہ آواز یہ ہے ہم دائم قائم ہیں ہم کبھی فنا نہونگے۔ ہم صاحب نعمت ہیں محتاج نہونگے۔ ہم خوش ہیں کبھی فنا نہونگے۔ مبارک ہے وہ شخص جو ہمارا ہوا اور ہم اُسکے ہوں۔
حضرت انس کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حوریں جنت میں گاتی ہیں اور کہتی ہیں ہم خوبصورت لونڈیاں ہیں اور کریم مردوں کے لیئے ہم محفوظ ہیں۔
یحییٰ بن کثیر فرماتے ہیں کہ جنت میں راگ راگنی ہوگی۔
ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بندہ جنت میں داخل ہوتا ہے اُس کے پائیں بیٹھ کے دو حوریں گیت سناتی ہیں جس گیت کو انسان اور جن سنتے ہیں اور وہ گیت مزمار شیطان یعنی شعر نہیں ہوتا بلکہ خدائے تعالیٰ کی حمد اور تقدس کا حال ہوتا ہے۔
حضرت اسامہ بن زید روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا سنو کوئی ہے کہ جنت کی تیاری کرے جنت کو کچھ خطرہ نہیں بخدائے کعبہ ایک نور ہے تاباں اور ایک گلدستہ ہے سرسبز اور خوشنما مضبوط مضبوط محل بنے ہوئے ہیں۔ نہریں جاری ہیں۔ درختوں میں پکے پکے میوے لگے ہوئے ہیں خوبصورت صاحب جمال بی بیاں۔ خوشی اور نعمت کا دائمی قیام ہے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم ہیں اُسکی تیاری کرنے والے یارسول اللہ آپ نے فرمایا کہو انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر آپ نے جہاد کا حکم دیا۔
ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی جنت میں گھوڑا بھی ہوگا کہ وہ مجھے اچھا معلوم ہوتا ہے فرمایا اگر تجھے گھوڑا پسند ہے تو یاقوت سرخ کا گھوڑا تجھے ملے گا کہ جنت میں جہاں تو چاہے تجھے لیئے اُڑتا پھریگا۔
ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ جنت میں اونٹ بھی ہوگا آپنے فرمایا اے بندۂ خدا جب تو جنت میں داخل ہوگا تو جس چیز کو تیرا نفس چاہے گا وہ تجھے ملے گی۔
حضرت ابوسعید خدری کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جنتی کا دل چاہے گا تو اُسکی اولاد ہوگی اور اُس کا حمل وضع حمل اور جوانی ایک ہی ساعت میں ہو جائے گی۔

آنحضرت نے فرمایا ہے اہل جنت جنت میں ٹھیر جائیں گے تو بھائی بھائیوں کے مشتاق ہونگے۔ پس ایک کا تخت دوسرے کے پاس جائیگا اور ملاقات کریں گے جو دنیا میں دونوں میں ہوتی تھی ایک کہے گا بھائی تجھے یاد ہے کہ ہم نے فلاں روز فلاں مجلس میں خدائے تعالیٰ سے دعا مانگی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے ہمیں بخشدیا

آنحضرت نے فرمایا ہے جنت والے بے ریش و بروت۔ چاق وچست۔ سرمہ لگائے ہوئے تنتیس برس کی عمر کے حضرت آدم کی پیدائیش پر ہونگے۔ اُن کا قد ساٹھ ہاتھ کا اور عرض سات ہاتھ کا ہوگا۔

آپ نے ارشاد فرمایا اہل جنت میں سے ادنیٰ وہ ہوگا جس کے پاس اسّی ہزار خادم اور بہتر بی بیاں ہونگی اور اُس کے لیئے ایک خیمہ زبرجد اور موتیوں کا اتنا بڑا کھڑا کیا جائیگا کہ وہ جابیہ اور صنعاء کے بیچ میں آجائے اُن کے سر پر تاج ہونگے اور اُن میں ادنیٰ درجہ کا موتی پورب سے پچھم تک روشن کردیگا۔

آنحضرت فرماتے ہیں میں نے جنت کو دیکھا تو اُس کے انار اتنے اتنے بڑے ہیں جیسا پالان کسا ہوا اونٹ اُسکے پرند مثل بختی اونٹ کے بڑے ہیں اسی میں ایک لونڈی کو دیکھا اور اُس سے میں نے دریافت کیا کہ تو کسکی ہے اُس نے کہا زید بن حارثہ کی۔ جو چیز جنت میں نظر پڑی وہ ایسی ہی تھی کہ آنکھوں نے دیکھی نہ کانوں نے سنی نہ کسی کے دل پر اُس کا خطرہ گزرا۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور توریت کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور جنت کے درخت اپنے ہاتھ سے لگائے پھر ارشاد باری تعالیٰ ہوا بول جنت بولی "قد افلح المومنون" یعنے ایمان والوں کی بن پڑی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جنت کے انار ڈول جیسے ہیں اس کی نہریں اُس پانی کی ہیں جو نہیں سڑتا اور وہ نہریں دودھ کی ہیں جس کا مزا نہیں بدلتا۔ اور نہریں صاف شہد کی ہیں جسے آدمیوں نے صاف نہیں کیا اور نہریں ایسی شراب کی ہیں جو پینے والوں کو مزا دیں نہ نیند سے اُس کا سرور جائے نہ سر میں گرانی ہو۔ پھلوں کا حال سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا اُن کی خوشبو پانسو برس کی راہ سے آتی ہے۔

جنت والوں کو جنت میں تیز اور سبک رو گھوڑے اور تیز قدم اونٹ ملیں گے جن کی کاٹھیاں باگیں اور زین یاقوت کے ہونگے۔ وہ لوگ جنت میں سیر کرینگے اور اُنکی بی بیاں حوریں ہونگی جیسے لپٹا ہوا موتی یعنی نظر اور دست مالی کے آسیب سے محفوظ اور وہ حوریں اپنی دونو انگلیوں میں ستر لباس پکڑ کے پہنیں گی۔ فقط

یہ ہے جنت کی کیفیت جو ہم نے نہ صرف قرآن میں سے بلکہ احادیث صحیحہ اور صحابہ اور علماء کے اقوال سے بیان کی۔ ایک عاقل منصف شخص اس سارے جنت کے بیان سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہو حکیمانہ اُصول پر ہے اور حکیم یا مصلح کو ایسا ہی کہنا چاہیئے تھا۔ ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں میں مبعوث ہوئے تھے جنھیں شہد۔ دودھ۔ میوے۔ اور خوبصورت عورتیں یا جواہرات کے مکان حد سے زیادہ عزیز تھے اور وہ ان ہی چیزوں کو انتہائے شادمانی سمجھتے تھے اگر اُنھیں اُن کے خیال اُن کی طبیعت اُن کے مذاق کے موافق جنت کی نعمتوں کا حصہ دار نہ بنایا جاتا تو آج کفر و بدعت میں سارا جہان کا جہان گرفتار ہوتا اور

کہیں نام کو بھی خدا پرستی نہ ہوتی۔ اُن ہی مقدس انفاس کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ ½ دنیا خدائے برحق وحدہٗ کے حضور پانچ وقت جھکتی ہے اور مذاہب باطلہ کی طرف سے خدائے تعالیٰ کے ایک بڑے حصہ مخلوق کو پھیر رکھا ہے۔ سمجھنے اور زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ ایک شخص نے آکے گھوڑا مانگا دوسرے نے اونٹ۔ چونکہ یہودی زیادہ کھانے والی قوم ہوتی ہے اُن میں سے ایک شخص نے کھانے کی بابت دریافت کیا آپ نے گھوڑے والے کو گھوڑا اُونٹ والے کو اونٹ اور کھانے کے دریافت کرنے والے کو پھل کی بشارت دی۔ اب اگر آپ اُن سے یہی حکیمانہ مقولہ فرما دیتے کہ جنت میں وہ چیز ہوگی جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سُنی نہ کسی کے دل میں اُس کا خطرہ گزرا تو وہ لوگ کیا خاک سمجھتے اور کیونکر پکے مسلمان ہو کے دین خدا کی اشاعت کرتے۔ زبردستی اعتراض کرنا اور چیز ہے اور مقتضائے وقت دیکھنا دوسری چیز ہے۔

سب سے زیادہ ہمیں عیسائیوں کے اعتراضات پر جو وہ مسلمانوں کی جنت پر کرتے ہیں حیرت ہوتی ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کی جنت[1] کا بیان اس مبالغہ سے ہوا ہے کہ جس کا سر پیر ہی نہیں دکھائی دیتا اور اسکی ہم کوئی تاویل ہی نہیں کر سکتے برخلاف مسلمانوں کی جنت کے کہ اُس میں عقل سے کام لینے کی بڑی گنجایش ہے اور ایک عقلمند انسان سرزمین عرب کی حالت اور جزیرہ نما کی مرزبوم کو دیکھ کے ہرگز یہ حکم نہیں لگا سکتا کہ جو کچھ بیان کیا گیا جسمانی لذتوں اور نفسانی خواہشوں کی تکمیل کے لیئے تھا۔ العظمۃ للہ۔ ہمارے نبی معصوم و برحق کا یہ ہرگز منشا نہ تھا۔ آپ نے عامۂ خلائق کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا تھا اس لیئے آپ بمقتضائے قانون قدرت ہر شخص کی سمجھ کے موافق گفتگو کیا کرتے تھے مثلاً ایک شخص نے بیری کے درخت کی خواہش کی تو آپ نے فرمایا کہ بیری کا درخت بھی جنت میں ہوگا۔ اُسنے بیری کے کانٹوں سے خوف ظاہر کیا آپ نے فرمایا خوف کیوں کرتا ہے ہر کانٹے کی جگہ ایک پھل ہوگا۔ یہ ساری باتیں ہمیں اُس زبردست اصلاح کی قوت سے آگاہ کرتی ہیں جو ہمارے نبی معصوم و برحق میں ودیعت کی گئی تھیں۔ کون کہتا ہے کہ ہمارے ہادی برحق نے خلاف کیا اور کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ آپ کے یہ اقوال لذائذ نفسانیہ کے لیئے تھے۔ ہزاروں اقوال موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے

---

[1] انجیل میں کئی جگہ جنت کا ذکر آیا ہے جہاں حضرت مسیح ؑ نے نہایت سیدھے سادے الفاظ میں فرمایا ہے کہ جنت میں خیمے ہوں گے اور وہاں خداوند اپنی آستینوں سے تمھارے آنسو پونچھے گا۔ اِن الفاظ سے حضرت مسیح کے حواریوں کو کچھ تسکین نہیں ہوئی تو ناچار آپنے یہ فرمایا کہ جنت میں تم میرے دائیں بازو پر بیٹھ کے انگور کا شربت پیوگے۔ یہ جملے بھی زیادہ تسکین بخش نہ ثابت ہوئے وجہ یہ کہ وہ انگور کا شربت تنہا ہی نہیں بلکہ حضرت مسیح کے ساتھ روز پیا کرتے تھے اور اُنھیں کوئی غیر معمولی بات نہ معلوم ہوتی تھی۔ غرض اس کشمکش کے عرصہ میں حضرت مسیح کی وفات ہوگئی اور خداوند تعالیٰ کا یہ وعدہ کہ تیری وفات ہوگی پورا ہوگیا۔ اب اُن کے حواری پریشان ہوئے کہ کیا کریں اور خود اپنی اور دوسروں کی آیندہ زندگی کی تسکین کے لیئے کونسی صورت نکالیں اخیر مدت کے بعد یوحنا نے چند باتیں بیان کیں جو اس نے آسمان پر جا کے خود دیکھیں۔ اس بیان کو مکاشفات یوحنا کہتے ہیں اور اسے انجیل مقدس کا ایک بڑا عنصر خیال کیا گیا ہے اور عیسائیوں کا عام عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے الہام سے لکھا گیا ہے اور وہ اُسے مثل قول

کہ علمائے اسلام نے خاص اس امر میں کہ جہلا کو جہلا کے موافق جواب دیا جائے سچی تقلید کی ہے اور اپنی تقلید میں وہ کامیاب ہوئے ہیں۔ ہمارے فخر دہلی شاہ عبدالعزیز صاحب سے ایک ہندو نے آکے کہا کہ اگر آپ میرے سوال کا جواب دیدیں گے اور میرا اطمینان ہو جائیگا تو میں مسلمان ہو جاؤنگا۔ یہ شخص دہقانی تھا اور اُس کی عقل بھی موٹی تھی۔ اُس نے سوال کیا کہ خدا ہندو ہے یا مسلمان؟ شاہ عبدالعزیز صاحب نے جواب دیا خدا مسلمان ہے۔ اُس نے وجہ مسلمانی دریافت کی۔ آپ نے فرمایا اگر خدا مسلمان نہوتا اور ہندو ہوتا تو گائے کو کیوں ذبح کرنے دیتا۔ اس جواب سے اُس گنوار شخص کی تسکین ہو گئی اور وہ شاہ صاحب کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ کون شخص شاہ صاحب کے جواب پر اعتراض کر سکتا ہے جبکہ وہ ایک ایسے گنوار کے مقابلہ میں تھا۔ جو زیادہ عقل آرائی نہیں چاہتا تھا۔ شاہ صاحب جیسا فاضل شخص خدا کی ذات پر ہزاروں باتیں بیان کر سکتا تھا مگر یہ اُسکی اعلیٰ درجہ کی حکیمانہ حکمت عملی تھی کہ اُس نے مخاطب کے مذاق کے مطابق جواب دیا اسی طرح دنیا میں جتنے عقلا گزرے ہیں اُن کا یہی طریقۂ ہدایت رہا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ اگر مخاطب کے عقول کے مطابق جواب نہ دیا جائے اور سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکا جائے تو وہ شخص عام طور پر دیوانہ گنا جائیگا

حضرت رسالتمآب نے اس وحشی قوم کو خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلایا تھا جو اب تک کسی سے مغلوب نہوئی تھی جس کی معاشرت میں تعدد ازدواج اور شراب خواری داخل تھی جہاں سبزے اور نہر یا دریا کا نام تک نہ تھا

مسیح کے خدا کی طرف کا پاک نوشتہ سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر اُنھوں نے اناجیل کے ساتھ شامل کر رکھا ہے چنانچہ مکاشفات یوحنا باب ۴ سے ہم عیسائیوں کی جنت کا تذکرہ انتخاب کرتے ہیں اور ہم اسے اپنی اردو میں تحریر کرینگے۔ انجیل کی بے ڈھنگی اُردو میں نہ لکھیں گے جسے ہمارے ناظرین نہ سمجھ سکیں۔ وہو ہذا

اِس کے بعد میں نے نگاہ کی تو دیکھا آسمان پر ایک دروازہ کھلا ہے۔ پہلی آواز جو میں نے سُنی نرسنگھے کی سی تھی جو مجھ سے خطاب کرتی معلوم ہوئی اس نے کہا اُوپر آ میں تجھے آج وہ باتیں دکھاؤں گا جو اسکے بعد ضروری ہوں گی۔ یہ سنتے ہی میں روح میں جا ملا۔ میں نے ایک تخت رکھا ہوا دیکھا اور اُس پر مجھے ایک شخص بیٹھا ہوا نظر پڑا۔ وہ شخص سنگ یشم اور عقیق کا سا تھا۔ اور ایک دھنک جو دیکھنے میں زمرد کے مانند تھی اُس تخت کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ اِس تخت کے آس پاس چوبیس تخت اور تھے ان تختوں پر چوبیس بزرگ سفید لباس پہنے ہوئے دیکھے۔ اِن کے سر پر سونے کے تاج تھے۔ بجلی کی گرج اور آوازیں تخت سے نکلتی تھیں اور آگ کے سات چراغ تخت کے آگے روشن تھے یہی چراغ خدا کی سات روحیں ہیں۔ اس تخت کے شیشے کا سمندر بلور کی طرح موجیں مار رہا تھا اور تخت کے بیچ میں اور تخت کے گرد چار ایسے جاندار تھے جن کے تمام جسم پر آنکھیں ہی آنکھیں تھیں۔ پہلا جاندار ببر کی صورت تھا اور دوسرے جاندار کی شکل بچھڑے کی مانند اور تیسرے جاندار کا چہرہ انسان کا اور چوتھا جاندار مثل اُڑتے عقاب کے تھا۔ اُن جانداروں کے چھ چھ پر تھے اور چاروں طرف جسم کے ہر حصہ میں آنکھیں ہی آنکھیں تھیں اور رات دن اُنھیں قدوس قدوس کہنے کے سوا اور کوئی کام نہیں اور وہ سب جاندار مل کے اُسکی جو تخت پر بیٹھا ہے اور جو ابد الآباد تک زندہ ہے بزرگی۔ عزت اور شکرگزاری کرتے ہیں۔ چوبیس بزرگ اُسکے آگے جو تخت پر بیٹھا ہے گر پڑتے ہیں اور اُسے جو ابد تک زندہ ہے سجدہ کرتے ہیں اور یہ کہتے ہوئے اپنے تاج اُسکے آگے ڈالدیتے ہیں اے خداوند تو ہی جلال و عزت اور قدرت کے لائق ہے

اُنہیں راہِ راست پر لانا بڑا کٹھن کام تھا اور جب تک وہ باتیں جو اُنھیں مرغوب تھیں نہ بتائی جاتیں اور اُن کا اُن ہی کے محاورہ کے مطابق تذکرہ نہ کیا جاتا وہ ہرگز راہِ راست پر نہ آتے۔

ہم بیشک آیندہ زندگی اور عذاب و ثواب پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ منکرانِ خدا کے لیئے دائمی عذاب ہوگا جس عذاب کی کیفیت انسانی زبان کے الفاظ میں بیان نہیں ہوسکتی اس لیئے وہی الفاظ استعمال کیئے گئے ہیں جن سے انتہائے عذاب کا ایک اندازہ ہوسکتا ہے اور بس۔ یہی کیفیت جنت کی نعمتوں کی ہے کہ وہاں وہ نعمتیں ہونگی جن کا خیال بھی انسانی دل میں نہیں گزر سکتا۔

جو قومیں یہ مانتی ہیں کہ اس کائنات کا خالق کوئی ہے وہ یہ ضرور تسلیم کرتی ہیں کہ ہمارے نیک و بد اعمال کی جزا اور سزا ضرور ملے گی۔ اُن کے جزا و سزا کا طرز بیان اُسی مرز بوم سے تعلق رکھتا ہے جہاں وہ آباد ہیں مثلاً ہندوستان میں اگر نہروں سرسبز باغوں یا پھل دار درختوں کی بشارت دیجاتی تو کاہے کو عام توجہ اس طرف پھرتی کیونکہ یہاں بہتے ہوئے دریا۔ جواہر نگار محل۔ تروتازہ میووں سے لدے پھندے درخت خوبصورت اور حسین لڑکیاں۔ ہر طرف سبزہ زار۔ معتدل موسم غرض کل وہ نعمتیں حاصل تھیں جو قدرت اُنھیں دے سکتی تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ربانی بخششوں کی تکمیل ہوگئی اور اب ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو ہمیں دی نہ جا چکی ہو۔ اسی لحاظ سے اُنھوں نے مسئلۂ تناسخ کی ایجاد کی اور یہ عقیدہ عام لوگوں میں پھیلایا کہ نیکوکار مرتے ہی اعلیٰ درجہ کی حیثیت میں پھر اُسی سرزمین میں پیدا ہونگے اور بدکار نہ صرف انسانی ارذل ترین حالت میں ظہور کرینگے۔ بلکہ ناپاک

کیونکہ تو نے ہی ساری چیزیں پیدا کیں اور وہ تیری ہی مرضی سے ہیں اور پیدا ہوئی ہیں (۵ باب)

اور میں نے اُس کے دائیں ہاتھ میں جو تخت پر بیٹھا تھا ایک کتاب دیکھی جو اندر باہر لکھی ہوئی اور سات مہروں سے سربمہر تھی اور میں نے ایک زبردست فرشتہ کو دیکھا جو بلند آواز سے یہ منادی کرتا تھا کہ اس لائق کون ہے جو اس کتاب کو کھولے اور اسکی مہر توڑے۔ کسی کا مقدور نہ ہوا نہ آسمان پر نہ زمین پر نہ زمین کے نیچے کہ اس کتاب کو کھولے یا اُسے دیکھے مجھے اس پر بہت رونا آیا کہ ایک بھی کتاب کے کھولنے اور پڑھنے کے لائق نہ نکلا پھر اُن بزرگوں میں سے ایک بزرگ نے مجھسے کہا مت رو دیکھ وہ ببر جو فرقہ یہوداہ سے ہے اور داؤد کی اصل ہے غالب ہو کہ اس کتاب کو کھولے اور اُسکی ساتوں مہروں کو توڑے۔ میں نے نگاہ اُٹھائی تو عجب سماں دیکھا کہ اُس تخت اور چاروں جانداروں کے درمیان اور اُن بزرگوں کے بیچ میں ایک برہ اس طرح کھڑا کیا گیا ہو گویا کہ ذبح کیا گیا ہے جس کے سات سینگ اور سات آنکھیں تھیں جو خدا کی سات روحیں ہیں اور تمام روئے زمین پر بھیجی گئی ہیں۔ چنانچہ وہ آیا اور اُسکے دہنے ہاتھ سے جو تخت پر بیٹھا ہے اُس کتاب کو لیا۔ جوں ہی وہ کتاب اُس کے ہاتھ میں آئی وہ چاروں جاندار اور چوبیس بزرگ اُس برے کے آگے گر پڑے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں بربط اور بخور سے بھرے ہوئے سونے کے پیالے تھے۔ یہ گویا مقدسوں کی دعائیں تھیں اُنھوں نے یہ کہتے ہوئے کہ تو ہی اس لائق ہے جو اس کتاب کو نیا راگ گایا اور عرض کیا تو ہی ان مہروں کو توڑ کیونکہ تو ذبح ہوا اور تو نے ہی اپنے لہو سے ہر فرقے اہل زبان اور ملک و قوم میں سے خدا کے واسطے مول لیا۔ (۷ باب)

پھر میں نے نظر کی تو دیکھا تو ہر ایک قوم و فرقے کے لوگ جن کا شمار ممکن نہ تھا سفید جامہ پہنے اور خرمہ کی ڈالیاں ہاتھ میں لیئے

جانوروں میں اُن کی پیدائش ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ ہندوستان سے زیادہ راحت و آسایش کا مقام اُن کے خیال میں نہ آسکا اسی لیئے بار بار ایک ہی جگہ مختلف صورتوں میں پیدا ہونے کی تکلیف انسان کو دی گئی ہے۔ اس لکھنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ آیندہ زندگی کے عذاب و ثواب کا خیال جس پر بنی آدم کی کلی اصلاح کا دارومدار ہے مرزوبوم کے اختلاف سے ہر جگہ بدل گیا ہے ورنہ اصلی حالت تو یہ ہے جو ہمارے نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی۔ کہ وہاں کی لذتوں کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ وہ روحانی لذتیں ہوں گی جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا اور نہ اُس کا خیال کسی دل میں گزرا۔ اگر ہم اُن نعمتوں کے ظاہری معنی لیں جو بہشت کے متعلق بیان ہوئی ہیں تو ہمیں تعجب سے دیکھنا پڑے گا کہ جو چیزیں بیان ہوئی ہیں اُن میں سے اکثر تو ہمیں اسی دنیا میں مل سکتی ہیں بلکہ نئی ایجادوں نے تعیش کے سامان اسقدر جمع کر دیئے ہیں جو جنت کی بہت سی نعمتوں سے بدرجہا بڑھ گئے ہیں۔ جس پہلو سے ہم غور کریں ہمیں اس یقین کرنے میں کچھ بھی تردد نہیں ہے کہ شارع اسلام نے

اُس کے آگے اور برّے کے حضور کھڑے ہیں وہ غل مچا مچا کے کہہ رہے ہیں نجات ہمارے خدا کو اور اُس برّے کو جو تخت پر بیٹھا ہے (۷ باب) اور ایک بڑا نشان آسمان پر نظر آیا ایک عورت سورج کو اوڑھے ہوئے چاند کو پیروں کے نیچے دبائے ہوئے دکھائی دی اُسکے سر پر بارہ ستاروں کا تاج تھا اور وہ حاملہ تھی اور درد سے غل مچاتی تھی۔ پھر وہ ایک لڑکا جنی اُس لڑکے نے پیدا ہوتے ہی لوہے کا ڈنڈا سنبھال لیا اور وہ اُسی لوہے کے ڈنڈے سے دنیا پر حکومت کرے گا۔ فقط

غرض ایسی ہی بے سروپا آسمانی جنت کی کیفیت یوحنا نے اپنے مکاشفات میں بیان کی ہے کہیں دہشت اور عذاب کا خوفناک رنگ دکھایا ہے کہیں جواہرات کے بچھونے بچھائے ہیں۔ کہیں حضرت بی بی مریم کو آفتاب اُڑھا دیا ہے یہ حقیقت میں شاعرانہ خیال ہیں۔ جن کی دراصل نہ کوئی تاویل ہو سکتی ہے نہ لمحہ بھر کے لیئے اُن پر کوئی یقین کر سکتا ہے۔ ایک مقام پر بہشت کی یہ کیفیت حضرت مسیح نے بیان کی ہے کہ خدا خیمہ میں جنتیوں کے آنسو اپنی آستین سے پوچھے گا۔ سمجھنے کی بات ہے جب جنت میں بھی رونا اور زاری کرنا ہوگا پھر جنت ہی کاہے کو ہوئی اور اُس میں جسمانی اور روحانی راحت کا کہاں پتہ ہے۔

خواہ کوئی پادری ہو یا عالم فاضل عیسائی بشرطیکہ مذہب عیسویت کا پابند ہو اسلام پر ہرگز اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ سوائے چند موٹے موٹے اعتراضوں کے اُس کے کل اعتراض خواہ ملائکہ کی نسبت ہوں خواہ شیطان اور جنات کی نسبت خواہ معجزوں کی نسبت خواہ جنت و دوزخ کی نسبت سب اُسی پر پڑتے ہیں۔ پادری سیل صاحب اگرچہ اپنے کو عیسائی کہتے تھے مگر اُن کے مذہب کی نسبت جس طرح کہ بہت سے یورپیوں کو شبہ ہے ہمارا بھی ویسا ہی شک ہے۔ اور ہم بآزادی اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پادری سیل صاحب دہریئے ہیں۔ اُنھیں عیسوی مذہب سے کوئی بھی علاقہ نہیں۔ اگرچہ ہمیں اِس سے غرض نہیں کہ معترض کون ہے۔ خواہ وہ کوئی مذہبی ہو یا دہریہ ہم اُس کی خدمت کرنے کو موجود ہیں۔ مگر شرم کی بات ہے کہ عیسویت کا اقرار بھی کرتے جائیں اور دوسرے مذہب کے اُن اصول پر ضحکہ بھی اُڑاتے جائیں جو خود اُنکے ہاں مسلم مانے گئے ہیں اور بغیر اُن کے عیسوی مذہب کو چارہ ہی نہیں ﴿

جنت کی حقیقت بیان کرنے میں ضرور عقول مختلفہ کا لحاظ رکھا ہے اور یہی اُس نبی معصوم کی اعلیٰ درجہ کی ہدایت اور اعلیٰ درجہ کی حکمت ہے جس کے پاسنگ بھی بڑے بڑے گزشتہ و موجودہ حکماء اور فلاسفہ کی عقل نہیں ہے۔ شراب کی ممانعت کس خوبصورتی سے کی گئی ہے کہ جو شخص اس دنیا میں شراب پئے گا اُسے جنت میں شراب نہیں ملنے کی شراب پینے والا سمجھ سکتا ہے کہ چند روزہ زندگی میں شراب پی کے دائمی شراب خواری پر لات ماروں۔ عرب میں عام طور پر شراب رائج تھی اور اس خانہ خراب عرق کو معاشرت کا جزو اعظم بنا لیا تھا۔ شارع اسلام کی عاقلانہ حکمت عملی تھی کہ یک لخت انھیں امتناعی حکم شراب کے پینے کا نہیں دیا کیونکہ انسانی فطرت کے خلاف تھا کہ مدتوں کی عادت آناً فاناً میں جاتی رہے اس بارے میں جو وحی آپ کو القا ہوئی اُسکی حکمت وہی سمجھ سکتا ہے جسنے عقلاء زمانہ اور حکماء دہر کی نصائح اور ہدایتیں سُنی ہوں اور اُس نے باہم موازنہ کر کے دیکھا ہو وہ وحی یہ تھی کہ شراب میں نفع کم اور نقصان زیادہ ہیں۔ اس سموئی ہوئی وحی نے جس میں قوانین قدرت کا لب لباب تھا اور جس میں تمام انسانی طبائع کے اُتار چڑھاؤ کا کامل پاس و لحاظ کیا گیا تھا سُننے والوں کو مسخر کر لیا۔ اگرچہ بعض پرجوش صحابہ سخت مصر ہوئے تھے اور حضور انور کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ خدا سے دعا کرو کہ صاف الفاظ میں شراب حرام قرار دی جائے مگر آپ فطرت کی پوری کتاب سبقاً سبقاً پڑھ چکے تھے اور آپ ان معتدل احکام کا نتیجہ اور بے بہا اثر بخوبی جانتے تھے۔ آپ نے اس اصرار سے بھی تامل کیا اور اگر شراب کی بابت آپ میں کوئی وحی القا ہوئی تو اس کا حکم امتناعی اس سے زیادہ نہوا کہ جوا اور شراب کی ایک حالت قرار دیجائے اور اُسے کار شیطان اور نجس بیان کیا جائے۔ بہرحال جو کچھ ہمیں بیان کرنا ہے یہ ہے کہ حضور انور احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایتوں اور اوامر نواہی میں طبائع مخلوق کا بڑا پاس رہتا تھا اور آپ نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی جو قوانین قدرت اور طبع انسانی کے خلاف ہو۔

آئندہ عذاب و ثواب کی بابت آپ ان لوگوں کو کیا سمجھا سکتے تھے جن کی زندگی صدیوں سے قتل و غارت اور صحرا نوردی میں بسر ہوئی ہو جنھوں نے سبزہ زار اور شیریں چشموں کی بہار بہت کم دیکھی ہو جنھیں صحرائے لق و دق میں حسین عورتوں کی مصاحبت کا اتفاق نہوا ہو۔ جنھوں نے جواہرات کے محل اور جواہرات کے خیمے یا بچھونے صرف افسانوں میں سُنے ہوں اُنھیں وہ بشارتیں نہ دی جاتیں اور صرف یہ حکیمانہ اور عاقلانہ جملہ کہدیا جاتا کہ نہ کسی کی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا نہ کسی زبان نے اُسکی لذت چکھی نہ کسی دل میں اُس کا خطرہ گزرا۔ اس سے ہرگز اُن کا اطمینان نہوتا اور وہ ہرگز مسلمان نہوتے۔ اُنھیں تو خرمے کے درخت۔ میوہ دار شجر۔ بہتی نہروں۔ لطیف خوشبودار ہار اور باغوں۔ حسین لونڈیوں۔ اور جواہر نگار محلوں کی بشارت دینی تھی جسے اُنھوں نے اپنے ظرف کے موافق سمجھا اور اپنا اطمینان کیا۔ ہمیں ایک یورپی فلسفی کا ایک جواب یاد آیا ہے جو اُس نے ایک ناواقف شخص کو جہاز میں دیا تھا۔ ایک شخص نے اُس فلسفی سے دریافت کیا تم کہاں جاتے ہو اُس نے ایک حصہ افریقیہ کا نام لیا۔ ناواقف نے کام کی بابت سوال کیا تو اُس نے سورج گرہن دیکھنے کا کام بتایا۔ وہ ناواقف شخص کہنے لگا تم بڑے نادان ہو کہ اتنی مصیبت جھیل کے اور اتنا روپیہ خرچ کر کے ایک بیکار چیز کو دیکھنے جاتے ہو۔ اب فلسفی

سٹ پٹایا کہ اس کا اطمینان کیونکر کروں۔ آخیر بڑی دیر سوچنے کے بعد یہ جواب دیا تم نہیں جانتے اگر ہم ایسا کریں تو یہ نفیس کپڑے جو تم پہنے ہوئے ہو تمھیں کبھی نہ ملیں۔ یہ جہاز جس میں تم سوار ہو کبھی میسّر نہو۔ یہ سن کے ناواقف شخص بہت خوش ہوا اور کہا جب یہ بات ہی تو آپ کو یہ ضرور کرنا چاہیئے۔ غرض یہ ہی کہ جب تک عقل کے پیمانہ کے مطابق نصیحت نہ کیجائے ہرگز پُر اثر نہیں ہوسکتی ناواقف جنت کے اس بیان کو واقعی سمجھکر اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی بہشت میں وہ چیزیں ہیں جو لذائذ نفسانیہ اور خواہشات شہوانیہ سے مملو ہیں اور اسی بنا پر وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں روحانیت نہیں انکی زندگی بھی ایسی اور انکی موت بھی ایسی بالکل انکی ایسی مثال ہے "چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد" مگر یہ انکی سراسر غلطی ہے اُنھوں نے اسلامی وعدے وعید کے گہرے فلسفہ کی جانچ نہیں کی اُنھوں نے نہیں سمجھا کہ کن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے اور انکی نگاہوں میں انتہائے آرام سوا ان چیزوں کے دوسری چیز نہیں ہوسکتی تھی۔ ایسے شخص کو جس نے انگریزی تھوڑی سی پڑھی ہے ابتدائی کتابیں پڑھائی جائیں گی اور یہی ایک عاقلانہ کارروائی ہوگی۔ بجائے اسکے اگر اُسے انتہائی کتابیں پڑھائی جائیں اور مدت تک پڑھائی جائیں اُن سے سوائے وقت ضائع ہونے کے اور کچھ فائدہ نہوگا۔

نافہم معترضوں نے حوروں کے لفظ کو اعتراض کرنے کا ایک بڑا آلہ بنا لیا ہے اور اکثر تصانیف میں اسلام کی حوروں کے نام سے اُنھوں نے بہت سے صفحے سیاہ کیئے ہیں۔ ایسی باتیں درحقیقت انصاف اور تحقیق سے کچھ سروکار نہیں رکھتیں سمجھنے اور غور کرنے کا مقام ہی کہ حوروں کا ہونا بہشت میں اس قدر ناممکن نہیں ہی جتنا بے باپ کے پیدا ہونے۔ مر کے زندہ ہو جانے اور پھر مع جسم آسمان پر چڑھ جانا ناممکن ہی حضرت مسیح نے خوب فرمایا ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر تنکا معلوم ہوتا ہی اور دوسری آنکھ کا تنکا شہتیر دکھائی دیتا ہی۔ اسلام اور بانی اسلام کے اصلی منشار کو نہ دیکھنا اور محض تعصب مذہبی سے اعتراض کر دینا ایک شرمناک امر ہے۔

ہم نے علاوہ قرآن مجید کے اِسی لیئے کل حدیثیں اور صحابہ و صالحین کے اقوال جمع کر دیئے ہیں تاکہ رائے قائم کرنے والے کو آسانی ہو اور وہ سمجھ سکے کہ جہاں عام طبائع کا لحاظ رکھا گیا ہی خاص طبائع اور حکیمانہ طبائع کا بھی پاس کیا گیا ہی۔ اور ہم فخر سے کہتے ہیں کہ ایسے اہم مسئلہ کو جس طرح اسلام نے لوگوں کے ذہن نشین کیا ہی اور کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوا۔ توریت میں کہیں جنت کا ذکر ہی نہیں آیا۔ انجیل میں حضرت مسیح نے سوا اسکے کوئی بشارت ہی نہیں دی کہ میرے دائیں بازو پر بیٹھ کے انگور کا شربت پیوگے ادھر ہندوں نے تناسخ کے مسئلہ سے معاشرت انسانی پر کوئی نتیجہ بخش اثر نہیں کیا کیونکہ بار بار ایک ہی دنیا میں پیدا ہونے کا خیال روز بروز پیچیدہ اور لاینحل ہوتا جاتا ہی۔ زردشتیوں نے بھی آیندہ زندگی کی جزا سوائے اسکے اور کچھ نہیں دی کہ اہورا مزدا کے تخت کے ساتھ رہیں برخلاف اسلام کے کہ اس نے انسانی طبائع کے ہر پہلو کو جانچ کے اس پر بحث کی ہے اور بہشت کا بیان جن پُر اثر الفاظ میں فرمایا ہی اُس کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ دنیا نے دیکھا اور جو کچھ روز ہوتا ہے وہ دنیا بیّن طور پر دیکھ رہی ہی۔ جنت ہی کی بشارت نے اُنھیں میدان جنگ میں فتح دلوائی۔ جنت ہی کی بشارت نے

اُنھیں نصف پرانی دنیا کا مالک بنا دیا جنت ہی کی بشارت نے اُن سے تمدن کی نبیاد ڈلوائی جس سے یورپ صدیوں تک متفیض ہوتا رہا - اب بھی لاکھوں آدمی صرف جنت ہی کی خاطر اس مذہب میں روز داخل ہوتے چلے جاتے ہیں - ایسی اعلیٰ درجہ کی چیز پر جس نے یہ کارنمایاں کیے مضحکہ اُڑانا نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ خلافِ انسانیت ہے +

(دوزخ)

ہم چاہتے ہیں کہ دوزخ کی بابت بھی ایک بسیط بحث کریں اور بہت سی وہ حدیثیں لکھدیں جن میں جنت کیطرح دوزخ کا بیان نہایت تفصیل سے ہوا ہی - عیسائیوں کی دوزخ میں اگرچہ بہت کچھ سامان جمع کیے گئے ہیں اور تمام پیشوایان دین مسیحی نے نئی نئی رائیں اور خیالات ظاہر کیے ہیں لیکن انجیل میں دانت پیسنے رونے اور گندھک کے تیزاب میں جلنے سے عذاب دوزخ تعبیر کیا گیا ہے - بہر حال ہمیں اسلامی دوزخ سے بحث ہی اور ہم دکھائیں گے جس طرح جنت کی نعمتیں بیان کرکے انتہائے آسایش و آرام مراد لی گئی ہے اسی طرح عذابِ دوزخ کا بیان کرکے انتہائے عذاب روحانی مراد لیا گیا ہے - وہوہذا

قرآن مجید میں جہنم کی آگ کا ایندھن آدمیوں کو بنایا گیا ہے - سورۃ الحجر میں لکھا ہی کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کا علٰحدہ حصہ ہے - سورۂ رحمٰن میں دوزخیوں کے کپڑوں کا ذکر ہی جو آگ کے بنے ہوئے ہونگے - سورۂ حج میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ آتش بے دود اور دود بے آتش میں لپٹے ہوئے ہونگے سابق الذکر سورت میں اُس پانی کا بھی ذکر ہے جو مثل پگھلے ہوئے پیتل کے ہوگا - سورۂ کہف میں آیا ہے کہ خنکی وغیرہ کی ہوا تک اُنھیں نہ لگے گی - سورۂ نساء میں ہی جتنی بار اُنکی کھال جل بھن جائیگی ہم ہر بار نئی کھال

ا پیشوایان دین مسیحی نے بہت طول طویل دوزخ کا بیان کیا ہے - اسکی موجودگی اسکی گوناگوں تکالیف اسکی مداومت کے قائل ہیں - اُنھوں نے اُسکے نام رکھے ہیں - اُس کے مقام کا پتہ بتایا ہے اور اُسکی بابت صدہا قسم کی رائیں دی ہیں - جہنم کی تکالیف کے حصے کیے گئے ہیں - پوپ جی دوم نے جہنم کی عام تکالیف کا ذکر کیا ہے - پادری ایڈمبر جہنم کی تکالیف کو چودہ قسم کا بتاتے ہیں جن میں سات روحانی اور سات جسمانی ہیں - سینٹ اسٹیفنس کا بیان ہے اگر کوئی شخص دوزخ کی تکالیف کو ایک نگاہ سے بھی دیکھ لے تو فوراً اُس کا دم نکلجائے اور ایک لمحہ بھی وہ زندہ نہ رہ سکے - دوزخ کی خاص تکالیف یہ ہیں - غلامی - رونا - دانت پیسنا - تاریکی - پریشانی - مایوسی - جنگ - خوف - کمزوری - کیڑے - شیاطین کی صحبت وغیرہ - ہر تکلیف پر بکثرت لوگ متعین ہیں - اور اُن ہی کے ذریعہ سے دی جاتی ہے - گنہگار اپنے گناہوں کے مطابق سزا دیئے جائیں گے - ایک ہی آگ ہے - لیکن وہ سب پر یکساں اثر نہیں کرنے کی -

بعض بطریقوں کی رائے کے مطابق جہنم میں بھی مکانات بنے ہوئے ہیں - بعض کا یہ بیان ہے کہ مکانات نہیں ہیں بلکہ ایک گہری خندق ہے - ان ہی لوگوں کا بیان ہے - اگرچہ وہاں طرح طرح کی تکلیفیں ہیں مگر مکانات نہیں ہیں -

پیدا کرینگے۔ سورۂ نسا میں ہے اُنکے لیئے باد سموم اور سیاہ دھوئیں کا سایہ ہوگا۔ سورۂ القارعہ میں ہے مثل زرد رنگ اونٹوں کے اُن پر چنگاریاں پھینکی جائیں گی۔ سورۂ حج میں ہے وہ آہ وزاری کریں گے اور ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ یہ تو اُن مضامین کا خلاصہ ہوا جو دوزخ کے متعلق قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔ اب احادیث نبویہ کو دیکھنا چاہیئے کہ اُن میں دوزخ کے حالات کی تفصیل کس طرح کی ہے۔ وہو ہذا۔

دوزخیوں کو تاریکیاں آکے شاخ در شاخ گھیر لیں گی اور اُن پر شعلہ انگیز آگ چھا جائیگی آواز اور جھنجناہٹ اُن کے کانوں میں آئیگی جس میں غضب کی شدت ہوگی۔ اُسوقت مجرموں کو اپنی ہلاکت کا یقین ہو جائے گا۔ اور سب لوگ گھٹنوں کے بل گر جائیں گے۔ اور جو لوگ بری بھی ہوں گے اُنھیں اپنے بُرے انجام سے خوف معلوم ہوگا

دوزخ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ یہ پکارتا ہوا نکلے گا کہ فلاں شخص کا فلاں بیٹا کہاں ہے جس کا نفس دنیا میں طولِ امل کے باعث لیت ولعل کیا کرتا تھا اور بُرے کاموں میں اپنی عمر تلف کرنے کا عادی تھا اُس پر لوہے کے گرز لیکے پلیں گے اور بڑی بڑی دھمکیاں دیں گی اور سخت عذاب کرینگے اور اوندھے مونہ قعر دوزخ میں ڈال دینگے اور کہیں گے لے مزا چکھ تو تو بڑا صاحبِ عزت اور صاحب وقار ہے اور اب اس گھر میں رہ جس کے کنارے تنگ۔ راہ تاریک اور مہلک ہے تجھے اس میں ہمیشہ رہنا ہے اور یہ ہمیشہ آتش خانہ بنا رہتا ہے اسکے قیدیوں کے پینے کی چیز کھولتا پانی ہے اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ آگ کے فرشتے اُن پر جدا گرز برسائیں گے

آدم اسکاٹس کا بیان ہے کہ سود خوار کو سونا گلا کے پلایا جاویگا۔ ریورینڈ (واجب التعظیم) جے فرانس کہتے ہیں کہ جہنمیوں کو موت ضرور آئے گی مگر اُنکی موت ایسی ہوگی جیسے اُس گھاس کی جو بیل کے کھروں کے نیچے روندی جاتی ہے بظاہر وہ نیست ونابود ہو جاتی ہے مگر اُسکی جڑیں پوشیدہ زمین میں باقی رہتی ہیں وہ ہمیشہ اسی طرح زندہ رہیں گے اور اسیطرح مرینگے۔

بطرنی جان کا بیان ہے دوزخی مرنا چاہیں گے مگر موت اُن سے بھاگے گی۔ اُنھیں چار قسم کی سزا سے تکلیف دیجائے گی شرم۔ خوف۔ مایوسی۔ اور درد۔ اُنکی شرم پر کوئی پردہ نہوگا۔ اُن کا خوف بغیر کسی اُمید کے۔ اُنکی ندامت بغیر کسی فائدے کے اور اُن کا درجہ بغیر کسی رحم کے ہوگا۔

جے ماوم اور ٹی لی لبن نے بار بار دوزخ کی آگ کی ایک اصلیت قبول کر کے اُس کی تپش کو سخت ہولناک بتایا ہے۔ اُن کا بیان ہے کہ دوزخ کی آگ گندھک اور رال سے بنی ہے اور اُسکے بنانیوالے عذاب کے فرشتے ہیں۔ کافر اُس آگ میں جلائے جائینگے جب اُن سے سوال کیا گیا کہ غیر مادی روح کیونکر جلائی جائیگی۔ تو اُنھوں نے بیان کیا کہ غیر مادی آگ سے پھر سوال کیا کہ مادی اجسام ہمیشہ تک کیونکر جل سکتے ہیں۔ جواب دیا خداوند اُن میں ایسی زندگی دیگا کہ وہ جلنے پر بھی تر و تازہ رہیں گے۔

والٹر نے سسٹ سین سے اپنے آقا ولیم جی لبدرس کی بابت دریافت کیا اُسنے جواب دیا کہ تم اس ضلع کو جانتے ہو جو وال کنبرک اور ڈرائیچن خبلس کے مابین واقع ہے۔ غرض کہ میں تم سے بیان کرتا ہوں کہ اگر وہ ضلع اور اُسکے پہاڑ لوہے کے بن جائیں اور جہاں تمھارے آقا کی روح ہے اُس مقام میں بھیجدیئے جائیں تو وہ اتنے جلدی پگھل جائیں کہ تم ایک آنکھ کا اشارہ بھی نہ کر سکو۔ یعنی وہاں اتنی تیز آگ ہے۔

اور خود آگ اُنھیں الگ جلا بھنا کے کباب کرتی ہے - اُنکی تمنّا اس میں مرجانے کی ہے مگر اس سے رستگاری ناممکن ہے - اُن کے پاؤں سر کے بالوں سے بندھے ہوں گے اور گناہوں کی تاریکی سے منہ سیاہ ہوں گے ہر طرف اور ہر گوشہ میں پکاریں گے اور غل مچائیں گے اے مالک ہم سے جو وعدۂ عذاب تھا پورا ہو چکا - بیڑیاں ہمیں سخت تکلیف دیتی ہیں - ہماری کھال جل گئی - یہاں سے نکال دے اب ہم ایسا نہ کرینگے - دوزخ کا داروغہ جواب دیگا بس اب امن کے دن دور ہو گئے تمھیں اس ذلت کے گھر سے نکلنا نصیب نہ ہوگا - یہیں ذلیل پڑے رہو مجھسے گفتگو نہ کرو - اگر بالفرض تم نکال بھی دیئے جاؤ گے تم اپنے کردار سے باز نہ آؤگے اور جس چیز سے تمھیں روکا گیا ہے وہی عمل میں لاؤ گے - دوزخی یہ جواب سُننے سے نا اُمید ہونگے اور خدائے تعالیٰ کے مقابل میں جو باتیں کی ہونگی اُن پر افسوس کرینگے مگر اب کیا ہوتا ہے اب نہ تو عذر سے کام چلے گا نہ پشیمانی محفوظ رکھ سکے گی - غرض ہمیشہ آگ اُن کا اُوڑھنا بچھونا بنی رہے گی - کھانا ہوگا تو آگ - پینا ہوگا تو آگ - یعنی وہ لوگ آگ کے کپڑے اور گندھک کے کرتے پہنیں گے - اُن کے پیروں میں وزنی بیڑیاں پڑی ہونگی - دوزخ کی تنگ راہوں میں غل مچاتے اور اُسکے طبقات میں شکستہ پھرتے - اطراف و جوانب میں اضطراب کرتے ہونگے - آگ اُنھیں ہانڈی کے اُبال

دوزخ کی آگ کا رنگ دھندلا سبز ہے - روشنی کا نام بھی نہیں - ہاں تاریکی عیاں ہے - دوزخ میں سردی بکثرت ہے مگر پانی کا نام نہیں عام طور پر دوزخ میں جو کیڑے ہیں وہ مادی نہیں ہیں -

دوزخ کی کیفیت ایک اور پوپ نے یہ بیان کی ہے - ایک اتھاہ (یعنی جسکی تھاہ نہ ہو) گڑھا جہاں دوزخی تاریکی میں قید کیئے جاتے ہیں اور جو دائمی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوتے ہیں ایک انگیٹھی روشن رہتی ہے جسکی آگ کبھی بجھنے کی نہیں جہاں دانت پیسنا اور رونا ہوتا ہے - جہاں سانپ - بچھو - کھنکھجورے - زہریلے جانور ہمیشہ زندہ رہتے ہیں - جہاں بھوک اور زاری کی مداومت ہے اور جہاں ایک گھنٹے کی تکلیف یہاں کی ایک صدی کی جان کندنیوں سے بھی زیادہ دردناک ہے - بُرائیوں کی دنیا تمام اخلاقی اور جسمانی مصائب کا عالم ایک دائمی رات کی زمین اور غیر فانی مایوسی کا مقام ہے - ربّانی غضب کا آتش خیز جیلخانہ - جہاں نالہ و بکا کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں - اور اگر وہاں کی آہ و زاری کی آوازوں کا دنیاوی واویلا و بکا کے غل و شور سے مقابلہ کیا جاوے تو دنیاوی آوازیں اُسکے مقابلہ میں موسیقی خیز اور راحت بخش معلوم ہونگی -

جاہی ٹیلر کا بیان ہے کہ ہر دوزخی کا جسم نہایت متعفن اور سڑا ہوا ہے بمقابلہ دس لاکھ مرے ہوئے اور سڑے ہوئے کتوں کے سینٹ بینی وینٹو را کا بیان ہے کہ دوزخی کا ایک جسم تمام دنیا کو متعفن کرنے کے لیئے کافی ہے -

ڈریزل کا بیان ہے - ہم دوزخ کی پوری کیفیت نہیں سمجھ سکتے - فرض کرو کہ ایک شخص کو برفستانی ملک میں آدھی رات کو ایک ایسے عمیق جیلخانہ میں قید کرو جہاں برف کے ڈھیر لگے ہوں - تاریکی چھائی ہوئی ہو اور وہاں نہ منبر ہو نہ آگ ہو نہ بچھونا ہو اور سارے دن میں اُسے ایک سوکھا ہوا روٹی کا ٹکڑا اور انڈے کے چھلکے میں سبز رنگ کا پانی کسی رسی کے ذریعے سے لٹکا کے پہنچا دو گویا یہ حالت دوزخ کی حالت سے مقابلے کرتے ہزاروں عیش سے زیادہ ہے - دوزخی سب شیطان کے کمرے میں بند کر دیئے جائیں گے اور ہر کمرے میں ایک لاکھ دوزخی ہونگے وہ اس طرح بند ہونگے جس طرح اینٹیں آتشدان میں لگا دی جاتی ہیں

کی طرح اُبالے گی۔ اور وہ خرابی۔ تباہی۔ فریاد اور واویلا کا غل مچاتے ہونگے۔ ہلاکت کا لفظ نکلتے ہی اُن کے سروں پر کھولتا پانی ڈالا جائیگا۔ جس سے اُنکی انتڑیاں اور کھال پگھل جائے گی اور پھر گرزوں کی مار پڑیگی جس سے اُسکے سر چکنا چور ہو کے منہ سے پیپ بہنے لگے گی۔ پیاس کے مارے جگر ٹکڑے ٹکڑے ہونگے آنکھوں کے ڈھیلے رخساروں پر آجائیں گے۔ رخساروں۔ ہاتھ اور پیروں کا گوشت سب جھڑ پڑے گا۔ اور جب جسم کی کھال جل جائیگی تو پھر نئی کھال اور بدل دیجائیگی۔ گوشت سے ہڈیاں خالی ہوجائینگی اور جان صرف رگوں اور پٹھوں میں لگی رہ جائیگی۔ اُن کی آگ کی لپٹوں کا شور ہوگا اور جہنمی اس حالت میں موت کی تمنا کرینگے مگر انھیں موت نہ آئے گی۔ جب تم اُن لوگوں کا حال دیکھو کہ مُونہ اُنکے کوئلے سے بھی زیادہ سیاہ۔ آنکھوں سے اندھے۔ زبانوں سے گونگے۔ ہڈیاں اور پیٹھ ٹوٹی ہوئی۔ ناک کان کٹے ہوئے۔ کھال پھٹی ہوئی ہاتھوں کے طوق گردن میں پڑے ہوئے۔ پیشانی کے بالوں سے پاؤں بندھے ہوئے تو تمھیں عبرت ہوگی کہ وہ کیونکر اس حالت میں آگ پر سر کے بل چلیں گے۔ لوہے کے گوکھرو اپنی آنکھوں کے ڈھیلوں سے کچلیں گے۔ آگ کا شعلہ اُنکے اندرونی اجزا میں دوڑے گا خارجی اجزا پر دوزخ کے سانپ بچھو لپٹے ہونگے۔ فقط۔

یہ حالات جو ہم نے بیان کیے محض مجمل ہیں اب ہم بالتفصیل بیان کرتے ہیں جن کی تفصیل حدیثوں

یا جس طرح لکڑی کسی چھت میں چسپاں کی جاتی ہے یا جس طرح نمک بھونتے وقت مچھلی میں لگا دیتے ہیں یا جیسے بھیڑ ذبح میں ہوتی ہے۔

جہنمی اپنے ہمسایہ سے نفرت کرینگے اور اُن میں باہمی وہ دشمنی ہوگی کہ بس چلے تو ایک دوسرے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ اور دانتوں سے بوٹیاں چبا ڈالیں۔ اولوالعزمانہ جوش۔ آرام و آسایش کی ملکہ۔ زندگی کا آفتاب دوزخ میں نام کو بھی نہ ملے گا۔ دوزخ میں محبت کا نام و نشان نہیں۔ وہ خودکشی کی آرزو کرینگے مگر اپنے کو قتل نہ کر سکیں گے۔ وہاں موت میں زندگی ہے اور ایسی موت ہے جس کے لیے کبھی فنا نہیں۔ انھیں گزشتہ اور آیندہ سے کوئی تسکین نہ ہوگی۔ نیند کبھی انھیں نہ آئے گی۔ موسموں کا اختلاف انھیں محسوس نہ ہوگا انکے پاس جنتری ہوگی نہ ستارے۔ دوزخ میں گھڑی نہیں ہے۔

بریدما بھی کہتا ہے کہ ایک جہنمی یکایک اپنی مصیبت کے بستر سے سر اُٹھا کے دریافت کرے گا کہ کیا وقت ہے۔ ایک آواز اُسکے جواب میں تاریکی سے پیدا ہوگی اور کہے گی کہ مداومت۔ اگرچہ دوزخ میں کوئی گھڑی نہیں ہے پھر بھی اُنھیں علم اور حس کی ایک گھڑی دیدیگئی جس سے ہر وقت وہ اپنی تکالیف اور مصائب کا اندازہ کر سکیں گے۔ مریض رات بھر اپنے بستر پر کروٹیں بدلا کرتا ہے اور رات کی گھڑیاں گنتا ہے۔ اخیر اُسے معلوم ہوتا ہے کہ شب نے کوچ کیا رفتہ رفتہ پرند بھی چہچہانے لگتے ہیں اور آفتاب بھی سامنے سے طلوع ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس مریض کی تکلیف میں کسی قدر کمی آجاتی ہے اور تھوڑی دیر اسکی آنکھ لگ جاتی ہے۔ مگر ان میں سے ایک چیز بھی دوزخ میں نہ ہوگی۔ نہ دوزخ میں طلوع آفتاب ہوگا اور نہ نیند نہ شب کی شبنم نہ پرندوں کا شیریں گانا۔ ہاں اگر ہوگا تو یہ۔ شیطان۔ تاریکی۔ شکستہ خاطری اور مایوسی۔

سینٹ اصیبڈس کہتے ہیں کہ دوزخی یہ غل مچاتے ہیں۔ ہائے ہائے افسوس ہمارے غم پر حیف ہماری تکلیف پر جو ہمیشہ اُٹھانی

ہیں آئی ہے چنانچہ وہ یہ ہیں ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جہنم میں ستر ہزار جنگل ہیں اور ہر جنگل میں ستر ہزار شعبے اور ہر شعبے میں ستر ہزار سانپ اور ستر ہزار بچھو ہیں - کافر اور منافق جب تک اُن سب سے نہیں ملتا اپنے انجام کو نہیں پونہچتا -

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وادی حزن یا چاہ حزن سے پناہ مانگو - لوگوں نے عرض کیا وہ کیا ہے آپ نے فرمایا جہنم کا ایک جنگل ہے جس سے جہنم ستر بار پناہ مانگتی ہے اُس کو اللہ تعالیٰ نے ریاکار قاریوں کے لیئے بنایا ہے -

یہ حال تو جہنم کی وسعت اور اُس کے شاخ در شاخ جنگلوں کا ہے اُس کے جنگلوں کا شمار دنیا کے جنگلوں کے برابر ہے - جہنم کے دروازوں کا شمار انسان کے سات اعضا کے موافق ہے - سب سے اوپر کے حصہ کو جہنم کہتے ہیں - دوسرا سقر تیسرا لظی چوتھا حطمہ پانچواں سعیر چھٹا جحیم ساتواں ہاویہ جس عمق کی کوئی انتہا نہیں - جس طرح دنیا کی خواہشوں کی کوئی حد نہیں - یعنی جس طرح کہ دنیا کی ایک حاجت پوری نہیں ہونے پاتی کہ دوسری پیدا ہو جاتی ہے - اسی طرح دوزخ کا ایک گڑھا تمام نہیں ہوتا کہ دوسرا اُس سے بھی گہرا آ جاتا ہے

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابو ہریرہؓ)

پڑیگی - ہائے ہائے - آہ آہ اسے مداومت تو کیا چیز ہے؟ ہائے ہائے تو وہ چیز ہے جسکی کوئی انتہا نہیں - ہائے موت تجھے فنا نہیں ہر لحہ مرنے کی آرزو ہے مگر موت نہیں آتی - ہائے ماں اور باپ اور تمام وہ لوگ جن سے ہم محبت کرتے تھے خدا اپنی رحمتیں ہمیشہ تم پر نازل کرے اب ہمیں تمہارا دیدار کبھی نصیب نہوگا اور کبھی تم سے محبت کرنے کا موقع نہ آئیگا - ہم تم سے ہمیشہ ہی کے لیئے جدا ہو گئے ہیں - آہ آہ مفارقت - آہ آہ دائمی مفارقت تو کتنی پر دہشت ہے -

آہ آہ ہم کچھ نہیں چاہتے - صرف ہماری یہ خواہش ہے کہ ایک چکی کا پاٹ قائم کیا جائے جو اتنا چوڑا ہو جتنی کل زمین اور اُسکی موٹائی اور اونچائی اتنی ہو کہ ہر طرف سے وہ آسمان سے مَس کرے اور پھر تو ایک چھوٹے سے پرند کو حکم دے کہ وہ صرف ایک ہزار برس میں ایک پھیرا کرے اور اُس پاٹ میں سے رائی کے دانہ کے ½ حصہ برابر اُٹھائے تو ہم سے وعدہ کر کہ جب اس صورت سے یہ پرند کل پاٹ کو اُٹھائے تو ہم تمہیں دوزخ سے رہائی دیدیں گے مگر افسوس یہ بھی نہیں اور اتنی مدّت کے بعد بھی ہماری رہائی ممکن نہیں -

جو تاجر کہ اپنے ہمسایوں کے ہاتھ اپنا مالِ تجارت گراں قیمت پر فروخت کرتے ہیں اُنکے لیئے اس قسم کی دوزخ ہوگی کہ جس کوٹھری میں وہ قید کیئے جائیں گے اُس کا دروازہ صرف اتنا بڑا ہوگا کہ ایک چھوٹی سی چوہیا چلی جائے مگر جانے کے بعد وہ بھی نکل نہ سکیگی اسی دردناک کوٹھری میں وہ شاعر قید کیئے جائیں گے جنھوں نے کسی کی ہجو کی ہوگی اور وہ لوگ جو اپنے عالی نسب اور حسب اور جلیل القدر عہدے پر فخر کرینگے اُن کا قیام بھی اسی کوٹھری میں ہوگا - تمام نجومی تمام کافر اسی آتش خیز مقام میں ہمیشہ کے لیئے رکھے جائینگے سنہ ۱۶۲۰ء میں ایک کتاب شائع ہوئی تھی جس کا نام ڈیکر کا خواب تھا جس خواب میں ڈیکر کے آگے دوزخ کی پوری کتاب کھل گئی تھی جس کتاب میں اُس نے بہت سی عجیب و غریب چیزیں پڑھیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب میں نے روحانی گھوڑے پر

مگر ترمذی کے قول کے مطابق یہ حدیث غریب ہے) جس وقت ہم نے آپکی ہمراہی میں ایک دھماکا سُنا آپ نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کیا ہے ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اُسکے رسول زیادہ جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ ایک پتھر ہے جو سو برس ہوئے جہنم میں چھوڑا گیا تھا اس وقت اُسکی تہ پر پہونچا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (بخاری و مسلم بروایت نعمان بن بشیر) قیامت کے دن آدمی پر دوزخ کا کمترین عذاب یہ ہوگا کہ اُسے آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی جس سے اُس کا مغز اُبلنے لگے گا۔

ابن عبدالبر نے یہ روایت کی ہے کہ دنیا کی آگ ستر بار رحمت کے پانی سے دھوئی گئی ہے اس لئے اُس میں اتنی تیزی نہیں ہے جتنی کہ دوزخ کی آگ میں ہے۔ ایک حدیث میں دوزخ کی آگ کی تصریح یوں ہوئی ہے آنحضرت فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ آگ ہزار برس جھونکی گئی یہانتک کہ لال ہوگئی پھر جھونکی گئی یہانتک کہ سفید ہوگئی۔ پھر جھونکی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی۔ اب وہ سیاہ اندھیری ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے (بخاری و مسلم نے یہ حدیث نقل کی ہے) دوزخ نے اپنے پروردگار سے شکایت کی اور عرض کیا الٰہی میرے حصہ نے بعض کو کھالیا اُس کو اجازت ملی کہ دو سانس لے لیا کرا ایک جاڑے میں اور ایک گرمی میں۔ پس موسم گرما میں جو تمھیں سخت گرمی معلوم ہوتی ہے یہ اُسی کے سانس کی حرارت ہے۔ اور

سوار ہو کے دیکھا تو کھولتے ہوئے پانی کے چشمے اور پگھلے ہوئے دھات کے دریا بہ رہے تھے اور اُنمیں دوزخی نالہ و بکا کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔

ملٹن کی دوزخ چی ذکی تہ میں واقع ہے مختصراً اسکا بیان یوں کیا گیا ہے ایک جنوبی قطبی ملک آگ اور برف سے پُر خوفناک اولوں اور ہمیشہ جلنے والی گندھک سے بھرا ہوا۔ اُس کا فاصلہ آسمان سے ہمارے سلسلۂ دنیا کے تین نصف قطروں کے برابر ہے۔ شیطان کا قد آسمان تک پہنچتا ہے۔ چار ناری دریا کافروں کے علم الٰہی سے نکلے ہیں۔ اس جغرافیائی صورت میں لیتھی ہر زبان ہے دوسری طرف خود فراموشی کے طوفان میں ایک منجمد برف کا بر اعظم ہے۔ یہاں تمام جہنمی تیز قدموں سے جلتی ہوئی آگ کے منجمد برف کے بر اعظم پر دوڑیں گے۔ دوزخ کے دروازوں پر گناہ اور موت کا پہرہ ہوگا اور جنکی صورت دیکھتے ہی جہنمی اُنکی اصلی حقیقت سے واقف ہو جائیں گے۔ دوزخ سے اس منجمد بر اعظم تک ایک پل بنا ہوا ہے جس میں فن عمارت کی عمدگی ختم ہوگئی ہے۔ اسکے علاوہ ملٹن نے دوزخ کی تکالیف کا جو بیان کیا ہے وہ ایک اعلیٰ درجہ کا شاعرانہ ہے مگر اُس نے بہ نسبت اپنے پیشوایان دین کے دوزخیوں کو زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔

فرہین کیٹلس بل کہتا ہے کہ دوزخی ایک پنجرے میں بند کیا جائیگا اور پھر اُس پنجرے میں آگ لگادی جائیگی اور وہ ہمیشہ تک جلتی رہے گی۔ پھر اُسی پنجرے میں اُسکے بھائے جھوڑے جائیں گے وہ دیو اُس پر ہر وقت حملہ کرینگے۔ ان دیوؤں کی صورت تیندوؤں کی سی ہوگی۔ اُن کا جسم سانپوں کا سا اور اُن کے بازو اُس جانور کے سے ہونگے جس کا آدھا دھڑ سیمرغ کا اور آدھا شیر کا ہوتا ہے اور اُس کا دھڑ بھی اسی قسم کے جانور کا ہوگا۔ اُنکے کاٹنے کے نشان بالکل عیاں ہونگے۔ یہ کتاب جس میں دوزخیوں کی تکالیف کا بالتفصیل ذکر ہے ۱۸۴۴ء میں چھپی تھی اِسکے دیباچہ میں پلینامو نی کہتا ہے کیا تمھیں خیال ہے کہ

جاڑے میں جو شدت کا جاڑا معلوم ہوتا ہے تو اُسی کے سانس کی تاثیر ہے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے قیامت کے دن ناز پروردہ دولتمند کافر کو لائیں گے اور پھر اُسے آگ میں غوطہ دیا جائیگا۔ دو غوطوں کے بعد اُس سے دریافت کیا جائیگا۔ بتا تو سہی تو نے دنیا میں کبھی آرام پایا تھا وہ کہے گا نہیں۔ اور مسلمانوں میں سے جسے دنیا میں سب سے زیادہ تکلیف ہو گی لائیں گے اور جنت میں غوطہ دیکے کہیں گے کہ تو نے کبھی کوئی تکلیف اٹھائی پر وہ کہے گا کہ نہیں۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں اگر مسجد میں لاکھ آدمیوں سے بھی زیادہ ہوں اور ایک دوزخی سانس لے تو سب کے سب آناً فاناً میں مرجائیں گے۔

ایک مفسر نے لکھا ہے کہ آیت تلفح وجوھھم النار سے یہ مراد ہے کہ آگ اُنھیں لپیٹ لے گی جس سے کسی ہڈی پر گوشت باقی نہ رہے گا اور تمام گوشت ایڑیوں پر گرا دیگی۔

دوزخیوں کے بدن کی پیپ بہت ہی سڑاندی ہے۔ پیپ اسقدر بہے گی کہ دوزخی اُس میں ڈوب جائیں گے اور اُس کا نام غساق ہے۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے ارشاد کیا (ترمذی) کہ اگر ایک ڈول جہنم کے غساق کا دنیا میں ڈالدیا جائے تو تمام باشندے متعفن ہو جائیں۔ یہی دوزخیوں کو پینے کے لیئے دیا

میں نے دوزخ کی تکالیف کے بارے میں مبالغہ نہیں کیا بلکہ میں نے ۱/۱۰۰ حصہ بھی ادا نہیں کیا۔ اس کتاب میں تصاویر بھی بنائی گئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخیوں کو کیونکر تکلیفیں پہنچائی جائیں گی کسی دوزخی کے جسم میں آگ لگی ہوئی ہے اور کسی کے سانپ لپٹ رہے ہیں۔ کسی پر فولادی آگ کے گرز پڑ رہے ہیں۔ اس کتاب میں علیحدہ علیحدہ باب ہیں اور اُن میں خاص خاص تکالیف کا بیان ہے ایک باب میں صرف تکالیف کی تعداد اور جہنمیوں کے رہنے کے کمروں کا ذکر ہے۔ جن میں ظالم۔ کنجوس۔ شرابی۔ کافر اور اوباش عورتیں رکھی جائیں گی۔ سب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ بے ایمان دوزخی ہونے کی نشانی ہے۔

ایلس دن کا بیان ہے کہ مجھے خواب میں ایک فرشتہ دوزخ کی سیر کرانے لیگیا جہاں اُس نے دیکھا کہ آتش کا ایک سیلاب آرہا ہے اور جتنی تکالیف کہ بہت فکر کے بعد انسان کے خیال میں آسکتی ہیں سب کی وہاں تکمیل ہو گئی ہے۔

جوناتھن ایڈ ورڈس کا بیان ہے کہ دوزخی جب ایک زمانۂ مدید دوزخ میں گزار چکیں گے یعنی وہ زمانہ جس میں چاند سورج اور تمام سیاروں اور ستاروں کی عمر ختم ہو جائیگی اور وہ آہ و زاری کرینگے کہ اب ہمیں دوزخ سے نجات دیجائے تو اُنھیں یہ جواب ملے گا کہ تمھیں کوئی اُمید نجات کی نکرنی چاہیئے تمھیں ہرگز ایک لمحہ کا بھی آرام نہ دیا جائیگا۔ اور جب تم ایسے زمانے ہزار اور طے کر لوگے تو اُس وقت تمھیں معلوم ہوگا کہ جتنی تکالیف تمھارے لیئے خاص کی گئی ہیں اُن کا ایک لاکھواں حصہ بھی تم نے پورا نہیں کیا اب بھی وہی رونا ہے وہی درد سے غل مچاتا ہے اور وہی ہائے ہائے کرتا ہے۔ تمھارے اجسام جو کروڑوں برس سے جل رہے ہونگے اب بھی اسیطرح تازے رہیں گے اور تمھیں غیر فانی عرصہ تک ان ہی اجسام پر یہ تکالیف برداشت کرنی پڑیں گی۔

ایک اور پیشوائے دین مسیحی کا قول ہے کہ ماں باپ اپنے بچوں کو ایک تکلیف میں دیکھیں گے بچے اپنے ماں باپ کو

جائیگا۔ جب اُنھیں پیاس بہت لگے گی۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد کیا (ترمذی وابن ماجہ) کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ دنیا کے سمندروں میں گر پڑے تو اہلِ دنیا جینے سے بتنگ آجائیں تو اُن لوگوں کا حال جنکی غذا یہ ہوگی اسی سے قیاس کر لینا چاہیئے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ترمذی) کہ دوزخیوں کو اِس لیئے بھوک لگے گی تاکہ اُنھیں عذاب کی تکلیف پوری پوری ہو پھر وہ کھانے کے لیئے فریاد کرینگے تو اُنھیں کانٹوں کی غذا دیجائیگی جس سے نہ پیٹ بھرے نہ بھوک دور ہو۔ جب پخنہ کھانے کی فریاد کرینگے تو کھولتا ہوا پانی لوہے کے آنکڑوں سے اُنکے قریب کیا جائیگا۔ جوں ہی وہ منہ لگائیں گے جھلس کے کوئلہ ہوجائینگے اور جب وہ پانی پیٹ میں جائیگا تو اندرونی اعضا سب جل جائیں گے۔ پھر وہ جہنم کے داروغہ کو پکاریں گے داروغہ آئیگا تو وہ کہیں گے کہ تو اپنے رب سے دعا کر کہ کسی دن ہمارے عذاب میں تخفیف ہو جائے۔ داروغہ کہے گا تو پھر فریاد کیا کر و تمھاری کوئی نہ سنیگا۔ پھر جہنمی اپنے رب کو پکاریں گے کہ ہمیں اس عذاب سے نجات دے رب کی طرف سے جواب ملے گا تم ہمیشہ دوزخ ہی میں رہو۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ رب سے کہنے اور جواب

جائکندنی میں نظر کرینگے۔ بی بیاں اپنے خاوندوں کو دیکھیں گی اور خاوند اپنی بی بیوں کو نظر حسرت سے ملاحظہ کریں گے مگر ایک دوسرے کے درد کا کوئی علاج نہ کر سکے گا۔

ابیی کو سنل اپنی کتاب کو اس بیان سے شروع کرتا ہے۔ تمام اچھی چیزیں وسط میں رکھی جاتی ہیں بیج میوے کے بیچ میں ہوتا ہے۔ بیت المقدس دنیا کے وسط میں آکے واقع ہوا ہے۔ آفتاب ہمارے سلسلۂ عالم کے وسط میں ہے۔ دوزخ ناف زمین میں ہے۔ چوڑا رستہ بہ نسبت تنگ رستہ کے زیادہ آسان ہے۔ فلسفی مدبران سلطنت۔ شاعر۔ مورخ۔ مصور۔ ریاضی داں۔ بہادر حسین مستورات۔ سب دوزخ میں جائیں گے۔

چاٹا بریں بنڈے کتاب لبیس ھس ٹاٹرس میں دوزخیوں کی تکالیف کا بیان کیا ہے لیکن اُس کا رجحان زیادہ ترجسمانی تکالیف سے روحانی تکالیف کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتاب بہت ضخیم ہے اور اس میں نہایت دلچسپی سے بیان لکھا گیا ہے جسکے چند فقرے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں " شیطان پارہ پارہ ہوکے اپنی بداعمالیوں کے بوجھ کے ساتھ دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ موت مثل ایک سیاہ داغ کے ظاہر کیجاویگی اور پھر اُسے دوزخ کی آگ میں جلایا جاویگا۔ شعلے مارتی ہوئی آگ اُس دھبّہ کو خاک سیاہ کرے گی اور اُس کا نام ونشان صفحۂ ہستی پر باقی نچھوڑے گی۔ شیطان غریبوں کی آہ وزاری پر خندہ کرے گا۔ دوزخ کے عمیق غار کے وسط میں خون اور آنسوؤں کے سمندر کے بیچ میں ایک سیاہ محل بنایا گیا ہے جس پر دائمی طوفان کی آفتیں برپا رہینگی ایک خشک درخت اُس کے دروازہ پر لگا ہوا ہے جس پہ غرور کا پھریرا ربانی روشنی کے ساتھ اُڑتا رہتا ہے

پولاس اپنی کتاب کورس آف ٹائم میں یہ تحریر کرتا ہے کہ دوزخ کی دیوار اتنی بلند ہے کہ امید جدوجہد کے بعد بھی اس پر نہیں جاسکتی غمگین صورتوں کا نشان دوزخ کی آگ میں ملے گا۔ وہ کیڑے ہونگے جن کی خوراک انسان کے دل ہیں اور جو کبھی نہ مرینگے۔ اس کتاب

پانے میں ایک ہزار برس کا عرصہ لگے گا پھر وہ اس جواب پر کہیں گے الٰہی ہم بدبختی کا شکار بن گئے - الٰہی ہمیں اس بلا سے نکال اگر ہم ایسا کریں تو ہم ظالم ہونگے - خداوند کریم سے اُنھیں جواب ملے گا - تمہارا ٹھکانا دوزخ ہے تم دوزخ ہی میں پڑے رہو اور مجھ سے نہ بولو - یہ جواب سُن کے دوزخی مایوس ہو جائیں گے اور چیخنا غل مچانا اور آہ وزاری کرنا شروع کرینگے -

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا (ترمذی) کہ جب پانی جہنمی کے پاس کیا جائیگا تو وہ اُس سے ناک چڑھائیگا مگر جب اُس کے مُنہ سے لگایا جائیگا تو اُس کا منہ جھلس دیگا اور سر کی کھال گرا دیگا - اور جب پئے گا تو انتڑیاں کٹ کٹ کر نکل پڑیں گی -

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بخاری بروایت ابوہریرہ ومسلم بروایت جابر) جس شخص کو خدائے تعالیٰ نے مال دیا اور اُس نے اُس کی زکوٰۃ نہ دی تو اُس کا مال قیامت کے دن گنجے سانپ کی صورت بنایا جائیگا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہونگے اُس شخص کے گلے میں لپٹ کے دونوں باچھیں پکڑ کے کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں بختی اُونٹوں کی گردن میں سانپ ہونگے اگر وہ ایک بار

میں بھی تصویریں بنائی گئی ہیں اور دکھایا ہے کہ کیڑے کیونکر دوزخیوں کے دل کھا رہے ہیں اور وہ اس درد سے کیونکر تڑپ رہے ہیں -

دی اے ہتھسٹلیٹ اپنی کتاب بابولی فرا ہلو یڈی میں جو ۱۸۶۶ء میں طبع ہوئی تھی لکھتا ہے کہ اگر حق پوچھو تو یہ ہے کہ اُن کی گردن میں پھندا پڑا ہوگا اور تیس ٹکڑے جلتی ہوئی چاندی کے اُنکی ہتھیلیوں پر رکھے جائیں گے اور جب وہ اُنھیں تپش کے سبب سے پھینک دیں گے تو وہ پھر ٹکڑے اُچھل کے اُن کی ہتھیلیوں پر آپڑیں گے - ہم پر یہ بپتا کیوں ڈالی گئی اور یہ کب تک رہے گی - بڑے بڑے پادریوں اور بطریقوں کے نالۂ وبکا کی آوازیں بلند ہوں گی - وہ خود دریافت کرینگے کہ اے دوزخ تو کتنی دور ہے اور جو کچھ عذاب کی عجیب غریب باتیں تیری نسبت بیان کی گئی تھیں اُن میں سے ایک بھی غلط نہیں نکلی -

اس کتاب میں آگے چل کے یہ بیان ہوا ہے - دوزخ میں گرجے بنے ہوئے ہیں - پادری وعظ کہنے والے ہونگے - شیرخوار یا نابالغ بچے دوزخ میں نہیں ہیں - دوزخ میں تھیٹر بھی ہیں ناچ گھر بھی ہیں - کمروں میں میزوں پر طرح طرح کے ناول بھی رکھے ہوئے ہیں - ڈاکخانہ بھی بنے ہوئے ہیں ڈاکخانہ ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جو عرضیاں دوزخی روانہ کریں یا عذاب کی نسبت باہم خط وکتابت کرنا چاہیں وہ پہنچ سکیں -

پادری ریورنڈ جے فرنس نے ایک کتاب دی سائٹ اف ھیل نامی تصنیف کی ہے جسکے دیباچہ میں وہ یہ لکھتے ہیں کہ میں نے بچوں کے بارے میں تحریر کی ہے - اس کتاب میں سخت دردناک اور دوزخ کے خوفناک عذابوں کا ذکر ہے چنانچہ لکھتے ہیں سولہ برس کی لڑکی جلتے ہوئے روشن صحن پر برہنہ پا پھرائی جائیگی اور ایک لڑکے کے گلے میں آگ کے جلتے ہوئے شعلوں کا طوق ڈالا جائے گا اور ایک شیرخوار بچہ آتشیں تنور میں سخت دردناکی سے تڑپتا اور غل مچاتا نظر آئے گا -

سبلنڈ ینا کا یہ بیان ہے کہ کرۂ آفتاب ہی دوزخ ہے اور کل دوزخی مرنے کے بعد کرۂ آفتاب میں چلے جاتے ہیں جو کتاب

کاٹیں گے تو اُس کا اثر چالیس برس تک رہے گا اور اُس میں بچھو اتنے بڑے ہونگے جیسے پالان اُن کے ڈنک کی سوزش چالیس برس تک رہے گی۔ بچھو اُن لوگوں کو کاٹیں گے جنھوں نے دنیا میں بخل۔ بدخلقی اور لوگوں کی ایذا رسانی میں زندگی بسر کی ہوگی۔ اور جو ان باتوں سے دنیا میں محفوظ ہے دوزخ میں ان زہریلے کیڑوں سے محفوظ رہے گا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کافر کی ڈاڑھ دوزخ میں مثل احد کے پہاڑ کے ہوگی۔ اور اُس کے جسم کی کھال کی موٹائی تین دن کے سفر کے برابر ہوگی۔

ایک حدیث میں آیا ہے (ترمذی بروایت ابوسعید) کہ قیامت کے دن کافر اپنی زبان دوزخ کے بندی خانہ میں گھسیٹیں گے اور لوگ اُسے پاؤں کے نیچے ملیں گے اور باوجود جسم کے بڑے ہونے کے آگ انھیں برابر جلاتی رہے گی نئے نئے گوشت اور تازہ تازہ کھالیں دم بدم برابر بدلتی رہیں گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (مسلم بروایت ابن مسعود) جہنم کو اس روز اس طرح لائیں گے کہ اُس کی ستر ہزار باگیں ہونگی اور ہر باگ پر ستر ہزار فرشتے لگے ہونگے۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں (ابن ماجہ بروایت یزید رقاسی) کہ

اس شخص نے دوزخ کے بیان میں تصنیف کی ہے اُس کا نام ٹریولس ان ہیل ہے یہ ایک بہت بڑی کتاب ہے اور اس میں نہایت دلچسپ طریقہ سے حالات دوزخ بیان کیے گئے ہیں چنانچہ دوزخ کی شکل اور صورت کی نسبت یہ تحریر ہوا ہے کہ یہ ہشت پہلو مربع گول مثلث نما ہے لیکن عام طور پر اس پر اتفاق ہے کہ دوزخ مربع شکل کی ہے۔ گو اس کا رقبہ ٹھیک طور پر نہیں معلوم۔

جب ملکہ الزبیتھ مرگئی اور جیمس اول تخت نشین ہوا تو ایک آئرش پادری نے جس کا نام سیلڈن تھا گرجا میں جا کے یہ وعظ کہا۔ شاید تم یہ دریافت کرو کہ یہ باتیں کس نے بیان کیں تو تم سمجھ لو کہ اس قسم کے سوال اور ایسی باتیں گرجا میں کرنی زیبا نہیں ہیں جو ہم بیان کریں اُسے حق سمجھو اور نہ دریافت کرو کہ یہ باتیں ہمیں کہاں سے معلوم ہوئی ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان آزمائش میں ضرور پڑے گا اور ہم نہیں خیال کرسکتے کہ اُسکی کیا کیفیت ہوگی ½ سے زیادہ مخلوق یقیناً دوزخ میں جائیگی۔ تمام بڑے مصنفوں اور فلاسفہ کے لیے دوزخ کے سخت ترین طبقے تیار کیے گئے ہیں۔ افلاطون۔ ارسطو۔ سقراط۔ ٹراجن۔ ایپک ٹیٹس یہ سب دوزخی ہیں۔ اور دوزخ میں ان کی جگہ تجویز کی گئی ہے۔

غالباً پچاس برس ہوئے ہونگے کہ ڈاکٹر ایمنس ایک امریکہ کے پادری نے اس مضمون پر "کفار کی مایوسانہ حالت" ایک وعظ کہا اور انھوں نے بیان کیا کہ دہریئے۔ کافر۔ موحد۔ صوفی سب دوزخ میں جائیں گے۔ صرف اہل تثلیث کے لیے جنت بنی ہے۔

ڈاکٹر بریڈکس کہتا ہے کہ جہنمی وہ ہیں جو گناہ کو گناہ نہ سمجھیں اور بُری باتوں کو بُرا نہ خیال کریں اور اسی فطرت کی بہت سی باتوں کو نہ مانیں

فرمینس کو لیو نے ایک دلچسپ کتاب مشرکوں اور بت پرستوں کی آئندہ زندگی پر تحریر کی ہے اسکی اشاعت سترھویں صدی کے آغاز میں ہوئی۔ اس کتاب کا نام ڈی ابنی ہیلس پیگنے نو رملیری کو نکی ہے۔ اس کتاب میں عالمانہ بحث کی گئی ہے اور بڑے بڑے علماء کے اقوال نقل کیے گئے ہیں اسکے پورے ۹۰۰ صفحے ہیں۔ اس کتاب میں سب سے زیادہ افسوسناک مقام وہ ہے جہاں حضرت

دوزخیوں کو رونے کی قوت دیجائیگی وہ اتنا روئیں گے کہ آنسو نہ رہیں گے پھر خون روئیں گے یہاں تک کہ چہروں میں دراڑیں پڑجائیں گی۔ ایسی کہ اگر اُن میں کشتیاں چھوڑی جائیں تو بہ نکلیں اور جبتک اُنھیں رونے چیخنے اور واویلا اور تباہی پکارنے کی اجازت رہے گی کچھ آرام ملتا رہے گا مگر پھر ان باتوں سے بھی روک دیئے جائیں گے

محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوزخی پانچ بار دعا مانگیں گے چار بار تو خدائے تعالی جواب دیگا۔ جب پانچویں دعا کریں گے تو پھر اُنھیں بولنا نصیب نہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (بخاری بروایت ابن عمر و مسلم بروایت ابو سعید) کہ قیامت کے دن موت کو حاضر کریں گے اور اُسکی صورت سفید مینڈھے کی سی ہوگی پھر وہ مینڈھا دوزخ اور جنت کے بیچ میں ذبح کردیا جائیگا پھر اہل جنت سے کہا جائیگا کہ تم آرام زندگی بسر کرو موت ذبح کردیگئی اور اہل دوزخ سے کہا جائے گا کہ بغیر موت کے سدا رہنا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو شخص ہزار برس بعد دوزخ سے نکلے گا وہ میں ہی ہوں

ایک بار کسی نے آپ کو ایک گوشے میں بیٹھے روتا دیکھا دریافت کیا آپ کیوں رو رہے ہیں آپنے فرمایا مجھے یہ خوف ہو کہ کہیں خدائے تعالی مجھے دوزخ میں ڈال دے اور پھر خبر نہو۔ فقط

سلیمان علیہ السلام کی نسبت ہرزہ درائی کی گئی ہے چونکہ عیسائیوں کا یہ مقولہ ہے کہ حضرت سلیمان اپنی بیوی کے کہنے سے اخیر زمانہ میں بت پرستی کرنے لگے تھے اِس لیئے اس مصنف نے اُنکی بعض پیاری اور خاص بی بیوں کی فہرست دی ہو اور اُنھیں جہنمی قرار دیا ہے۔

ایٹنی بلینٹ نے ایک کتاب صرف آیندہ زندگی پر تحریر کی ہے جس میں اُسنے علانیہ فیثاغورث۔ سینیکا تھامس کو جہنمی قرار دیا ہو

سی بیڈن یادک نے بڑی بسط سے بحث کی ہے اور اخیر اُس نے پولوس مقدس اور حضرت داؤد کو جہنمی قرار دیا ہے اور جارج ثانی اور لوئیس چاردہم کو فرشتوں کے زمرہ میں شامل کردیا ہے۔

گیوں لی مس پیدی سلٹ سس نے اُن شیاطین کی جو دوزخ میں متعین ہونگے ۴۴۴۳۵۵۵۶ تعداد لکھی ہو یہ بھی لکھدیا ہے کہ حسب ضرورت اُنکی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا جائے گا۔ ان شیاطین کی خارجی شکلیں اور اندرونی حالت بھی مفصل طور پر ظاہر کی گئی ہو۔ اُنکے اجسام خاکی نہیں ہیں بلکہ وہ کسیقدر روحانیت کا مادہ رکھتے ہیں یا روحانی اجسام سے مشابہ ہیں۔

جان واٹرس نے کئی ہزار صفحے کی کتاب اسی بیان میں لکھی ہے جس میں یہ تحریر کیا ہے کہ یہ دنیا شیاطین کا مسکن ہے وہ لکھتا ہے کہ بہتر شہزادے شیاطین میں ہیں جنکی رعایا کی تعداد ۷۴۰۵۹۲۶ ہے۔ شیطان کی شکل عام طور پر بکرے سے مشابہ ہے دو سینگ آگے ہوتے ہیں اور دو پیچھے مگر وہ میلنڈلہ۔ مکھی اور بندر کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ بلیک نے شیطان کو مکڑی کی صورت میں دیکھا تھا۔ اُس کا یہ بھی بیان ہے کہ شیطان سوائے فاختہ اور بھیڑ کے ہر جانور کی شکل میں حلول کرسکتا ہو افریقہ والوں کا شیطان سفید رنگ کا ہوتا ہے اور اہل یورپ کا شیطان سیاہ رنگ کا۔ بوڑھا شیطان سانپ ہو جس نے حضرت آدم کو بہکا کے جنت سے نکالا تھا اُسکی اِس دنیا میں حکومت ہو اور وہی اُس کا مطلق العنان حکمران ہے ہوا اور تاریکی پر بھی اُسی کا قبضہ ہے۔

یہانتک حدیثیں اور اقوال پیشوایان دین اسلام بیان ہوئے اب ہم اس پر بحث کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ اتنی سخت سے سخت تکالیف بیان کرنیکا منشا بانی اسلام کا کیا ہے اور دوزخ کی حقیقت اخیر کیا سمجھ میں آسکتی ہے۔ جتنی حدیثیں اور روایتیں ہم نے نقل کی ہیں وہ اس امر کی تہ تک پوہنچنے کے لیئے کافی ہیں کہ دوزخ چیز کیا ہے اور اُسکے عذاب ایک عاقل کی نگاہ میں کیا جچتے ہیں۔ جس طرح شارع اسلام نے جنت کی نعمتیں ہر شخص کے مذاق کے بموجب بیان کی ہیں اسی طرح دوزخ کے عذاب ہر شخص کی عقل و فہم کے مطابق بیان فرمائے ہیں اگر کل حدیثیں اور روایتیں صحیح بھی تسلیم کرلی جائیں تو اُس سے اُس زمانہ کی طبائع کا لحاظ کرکے زیادہ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا۔ عربوں کی طبائع کی سختی اور انتہی درجہ کی درشتی سے کوئی انکار نہیں کرسکتا معمولی تکالیف اُنھیں کچھ معلوم ہی نہوتی تھیں صحرائے لق و دق کی زندگی اور سنگلاخ چٹانوں کی معاشرت نے اُنھیں سخت سخت مصائب کا عادی بنادیا تھا جو غیر عرب سے کبھی برداشت نہوسکیں اور جن کا خیال ایک متمدن قوم کے افراد کو پریشان کردیتا ہے بچھونا اُن کا چٹان اور تکیہ تپتا ہوا پتھر تھا۔ قتل و غارت اور خونریزی اُنکی دل لگی تھی۔ دنوں بے آب و دانہ رہنا ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔ غرض وہ درندے جانوروں سے کسی طرح بھی کم نہ تھے بلکہ سختی اور صحرائی مصائب برداشت کرنے میں وہ ان جانوروں سے بحیثیت انسان

لیو سیفر نے شیطان کی شکل اژدہے کی بتائی ہے اور اُسکے سر پر سات تاج۔ دس سینگ اور بڑی لمبی چوڑی دم بیان کی ہے اُسکے دو ماتحت معتمد کام کرنے والے ہیں ایک اُن میں سے سمندر ہے جسکے اپنے آقا سے زیادہ تین تاج ہیں۔ یہ تیندوے کی صورت میں ظہور کرتا ہے اسکے پیر ریچھ کے اور دم شیر کی ہوتی ہے۔ دوسرا معتمد زمین ہے جو پائے کے نام سے مشہور ہے اسکے صرف دو سینگ ہوتے ہیں۔

اسکے بعد لیوسفر نے جنات کا بیان کیا ہے اور انکی تقسیم کرکے لکھتا ہے کہ جنات ہی میں فرشتے بھی ہیں اور ایک کو دوسرے پر فضیلت ہو۔ اِسکے سوا جنات کا ایک گروہ سمندر میں رہتا ہے جو ہمیشہ جہازوں کی تباہی کا باعث ہوتا ہے ان ہی جنات میں وہ گروہ بھی ہے جو ہمیشہ لوگوں کی بصارت کھونے۔ کسی کا مال غائب کرلینے میں لگا رہتا ہو۔ بعض جنات میں ایسے بھی ہیں جو لوگوں کو پوشیدہ نزا اُن کا پتا بتا دیتے ہیں۔

ڈاکٹر لی ٹیس ڈی موں لن جو سنہ ۱۸۹۰ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی کا پروفیسر تھا لکھتا ہے کہ مَیں نے انجیل مقدس سے ثابت کیا ہو کہ حضرت آدم سے لیکے ہمارے وقت تک ایک لاکھ میں سے ایک شخص بمشکل دوزخ کے عذاب سے بچا ہوگا۔ پروفیسر مذکور کا یہ عام اصول ہے کہ کل کاذب جہنمی ہیں۔

کیبی ریو کہتا ہے کہ سات اور بارہ برس کی عمر کے بچے جنت میں جائیں گے اور باقی سب جہنمی ہیں جتنی اس دنیا کی آبادی ہے وہ سب جہنمی ہے۔ عام طور پر دوزخ کے چار حصے کیئے گئے ہیں سب سے نیچے کے حصے میں جنات رکھے جائیں گے اور اسی درجہ میں اُن جہنمیوں کی روح بھی داخل ہوگی جنکے اجسام قیامت کے بعد اس میں ڈالے جائیں گے۔ دوزخ کے دوسرے درجہ کو اعراف کہتے ہیں جہاں آگ ہمیشہ روشن رہتی ہے مگر کبھی کبھی اسکی تپش کم بھی ہوجاتی ہے۔ تیسرے درجے میں وہ بچے ہونگے جو بپتسمہ لینے سے

ہونے کے زیادہ سخت تھے۔ اُنکی ماتمی اور شادی کی تقریبات میں سوائے ہولناک باتوں کے اور کچھ نہیں ملتا کسی کو قتل کر ڈالنا یا میدان جنگ میں جان دیدینا کوئی بات ہی نہ تھی۔ شدید سے شدید زخموں میں اُف تک نکرنا یہ اُنکی فطرت تھی۔ صدہا واقعات تواریخی موجود ہیں کہ ابتدائے اسلام میں جو لوگ ایمان لے آئے تھے اُن پر کفارِ مکہ اسقدر سختیاں توڑتے تھے جن کا بیان ابتک کلیجہ تھرا دیتا ہے مگر اُنھیں پروا بھی نہ ہوتی تھی اور نہ یہ سُنا گیا ہے کہ اُن سخت ترین مصائب کو برداشت کرکے اُنکے سر میں کبھی درد بھی ہوا ہو۔ حضرت بلال کا جانکاہ واقعہ موجود ہے کہ جب اُنھوں نے کلمۂ طیبہ پڑھا اور زمرۂ غلامان نبی میں داخل ہوئے تو اُنکے آقا نے ایک جلتے ہوئے چٹان پر لٹا کے ایک وزنی پتھر اُنکی چھاتی پر رکھدیا تھا اور کہا تھا جبتک تو اسلام سے توبہ نہ کرلے گا ہرگز تجھے اس مصیبت سے رہائی نہ دیجائیگی۔ انھوں نے اس سختی کی جو محض اسلام کے لیئے اُنکے آقا کی طرف سے کی گئی ذرا بھی پروانہ کی اور وہ اس قابل رحم حالت میں برابر کلمہ طیبہ پڑھتے رہے۔ آفتاب کی تیزی اور جھلستی ہوئی باد سموم کی جھکڑ۔ زمین آگ کی طرح جلتی ہوئی اُوپر ایک وزنی پتھر رکھا ہوا اور پھر اپنے ارادہ و عزم میں خفیف سی جنبش نہونے دینا اس امر کی شہادت ہے کہ بچپن سے وہ ایسی ایسی تکالیف سہنے کے عادی تھے۔ اخیر چوبیس گھنٹے یا دو دن اِسی حالت میں گزرنے کے بعد حضرت صدیق اکبر نے روپیہ دیکے حضرت بلال رض کو رہائی دلوائی۔ جب اُنھوں نے اس بلا سے نجات دلوائی تو تکلیف کے خفیف سے آثار بھی اُن کے چہرے پر ہویدا نرہے یہاں تک کہ سر میں خفیف سا درد بھی نہوا تھا۔ عام طور پر کل عربوں کی جہاں ہمارے نبی معصوم و برحق مبعوث ہوئے تھے یہی کیفیت تھی۔ جو سزائیں کہ دوزخ کی بیان ہوئی ہیں وہ عام طور پر عربوں میں دیجاتی تھیں۔ کھولتا ہوا پانی یا گلایا ہوا تانبا اُن پر ڈالا جاتا تھا اُنھیں کانٹوں پر بٹھایا جاتا تھا۔ اُنھیں زہریلے جانوروں سے کٹوایا جاتا تھا۔ جب اس قسم کی سختیاں سہنے کے وہ پہلے ہی سے عادی تھے اور اُنھیں بھی وہ معمولی خیال کرتے تھے تو سمجھ میں نہیں آسکتا کہ اگر اُن سے یہ کہا جاتا کہ روحانی تکلیف ہوگی اور خدائے ذوالجلال کی حضوری

پہلے مرگئے ہیں۔ چوتھے درجہ میں بڑی عمر کے لوگ داخل کئے جائیں گے۔ تیسرے درجہ میں دوزخیوں کی اتنی کثرت ہوگی کہ تل رکھنے کو جگہ نہیں ملنے کی۔ یہ بیان کیا ہے کہ انسانی آبادی کے ⅔ حصہ کی تعداد اُن بچوں کی شمار کرنی چاہیئے جو بغیر بپتسمہ لیئے فوت ہوگئے۔ پادریوں کا بڑا گروہ اس طرف گیا ہے کہ قوی اور دولتمندوں کے لیئے نہیں بلکہ محض کمزوروں اور غربا کے لیئے دوزخ بنائی گئی ہے وہ کہتے ہیں کہ بے گناہی کوئی چیز نہیں ہے اور ہم اسکی حقارت کرتے ہیں۔ دوزخ مثل مکڑی کے جالے کے ہے جو بے جرم غریب مکھی کو قید کرلیتا ہے کرنیل انگرسول نے جانوروں کی کہانیوں کی ایک کتاب لکھی ہے جس میں وہ تحریر کرتے ہیں۔ شیر کہتا ہے البتہ میں مطلق بے قصور ہوں اگر کوئی شخص میری بے جرمی کا منکر ہو تو اُسے کہو میری طرف قدم بڑھا کے دیکھ لے۔ لومڑی کہتی ہے مجھے پرندوں کے مارنے کی معافی دیگئی ہے۔ بھیڑیا کہتا ہے میں گو اسیئے پر اس لیئے حملہ کرتا ہوں کہ بھیڑ کو اُس کے قبضہ سے نجات دوں۔ بندر کہتا ہے وہ میں ہی ہوں جسے شریر کہتے ہیں۔ ایک دن میں بہت بھوکا تھا ایک بستی میں جا نکلا وہاں میں نے چار راہبوں کی بھٹ کٹیا کھالی۔ پھر وہ لکھتا ہے اصل مطلب یہ ہے جب تمھیں طبیب کسی ایسی چیز کو کھانے دیگا کہ

حاصل ہونے کا عذاب تمام دنیا کے عذابوں سے بڑھ جائیگا وہ کیونکر خوف کھاتے اور کونسی صورت تھی جس سے وہ راہِ راست پر آتے۔ اور اُن میں یہ قوت کہاں پیدا ہوتی کہ وہ یورپ کو تہذیب سکھاتے اور عالم کو متمدن بناتے اگر اُن سے جنت کی یہ کیفیت بیان کی جاتی کہ اُسکی نعمتوں کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سُنا اور نہ کسی زبان نے اُس کا فرا لیا اور نہ کسی کے دل میں اُس کا خطرہ گزرا اور دوزخ کی کیفیت صرف اسقدر بیان کر دیتے کہ دیدار باری نصیب نہو گا اور ایسی جگہ رہو گے جہاں اُسکے نور کی شعاعیں نہ پونہچ سکیں گی وہ کیونکر مسلمان ہوتے اور یہ حکیمانہ الفاظ اُن کے دل میں اُمید او خوف کا کیا نقشہ کھینچتے۔ یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اگر مخاطب کی عقل کے مطابق گفتگو نہ کیجاسے تو اس سے زیادہ جنون ہو نہیں سکتا۔ قرآن میں جہاں دوزخ کا ذکر آیا ہے اُس سے حقیقی معنے سمجھ لینے اور یہ خیال کر لینا کہ جو کچھ بیان ہوا ہے وہ عین حقیقت ہے سخت غلطی ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قرآن اگرچہ خدا کا کلام ہے مگر نازل ہوا ہے انسان کی زبان اور محاورہ میں اس لیئے کلام خدا کو بھی اسی حد میں محدود ہونا پڑا جو زبان عربی کی حد ہے۔ زبان عربی میں یا دنیا کی اور زبانوں میں جب ایسے الفاظ ہی پیدا نہیں ہوئے جو چیز کی اصلی ماہیت کو بیان کر سکیں تو پھر دوزخ اور جنت کے عذاب اور راحت کی حقیقت کیونکر بیان ہو سکتی ہے۔ اِس بنا پر ہم یہ دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کی جتنی باتیں بیان ہوئی ہیں سب تمثیلی ہیں اور اُن ہی سے ایک عاقل شخص قیاس کر سکتا ہے اور اپنے مذاق اور طبیعت کے موافق اسے سمجھ سکتا ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ دنیا میں آکے اپنے خالق کو نہ پہچاننا ایک سنگین جرم ہے جس نے تمام نعمتیں اُس کے لیئے مہیا کیں اُس سے روگردانی کرنا ایک ایسا جرم کبیرہ ہے جو اندازہ میں نہیں آسکتا ایسے شخص کے لیئے روحانی عذاب ہزار دوزخوں سے زیادہ ہے کہ اُسے دیدار باری تعالی نصیب نہو اور جب اُس کے اور بھائی دائمی راحت اور قادر ذوالجلال کی روشنی میں اُس کے سامنے روحانی زندگی بسر کریں

وہ تمھیں جسمانی قوت پہنچانے والی ہے تو وہ غل مچا دیگا نہ کھاؤ تمھارے لیئے یہ زہر ہلاہل ہے۔ جب خدا انھیں وہ اعمال کرتے دیکھتا ہے جو تمھارے روحانی مرض کا باعث ہیں تو وہ کہدیتا ہے تم جہنمی ہو۔ فقط

یہاں تک ہم نے عیسائیوں کے پیشواؤں کی اُن کتابوں سے دوزخ کا بیان انتخاب کیا ہے جو صدہا برس تک یورپ میں مروج رہیں اور اب بھی مذہبی آدمیوں میں اُنکی وہی کیفیت ہے۔ ان تمام بیانات کو غور سے پڑھ کے تمثیل ہی کے طور پر کوئی شخص ایک سچا نقشہ عذاب دوزخ کا نہیں کھینچ سکتا۔ جہاں شیر خوار بچوں کے لیئے ایک طبقۂ دوزخ تجویز کیا گیا ہے وہاں پادریوں کی سنگدلی اور بے رحمی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہم اس بات پر زیادہ بحث نہیں کرتے صرف اسی قدر لکھ دینا کافی ہے کہ جو کچھ بیان ہوا ہے اُس میں ایک عجیب بات یہ پائی جاتی ہے کہ ہم اسکی کوئی تاویل نہیں کر سکتے۔ خاص خاص لوگوں کا نام گنانا اور موحدین کو دوزخیوں میں شمار کرنا ایک ایسا لغو استدلال ہے کہ تعجب کے ساتھ افسوس ہوتا ہے کہ مذہب مسیحی کی بداخلاقی اور صریح اور عامیانہ نیکی سے روگردانی معلوم ہوتی ہے۔ بہت سے پہلو بحث کرنے کے لیئے ہم نے اپنے ناظرین کے واسطے چھوڑ دیئے ہیں تاکہ انھیں عیسائیوں اور مسلمانوں کی دوزخ کا مقابلہ کرنے میں لطف حاصل ہو۔

اور وہ اُس سے محروم رکھا جائے۔

قرآن مجید میں جہاں دوزخ کے عذابوں کا بیان ہولناک الفاظ میں کیا گیا ہے وہاں یہ حکیمانہ مقولے بھی ہیں کہ بدکاروں کو دنیا و آخرت دونوں جگہ فلاح نہ ہوگی۔ دراصل یہ بہت بڑا حکیمانہ قول ہے اور اس سے معقول پسند طبائع بہت کچھ عبرت حاصل کر سکتی ہیں۔

عذاب و ثواب کا محسوس کرنا اور اُس سے متاثر ہونا مختلف طبائع پر موقوف ہے۔ ایک شخص وہ ہے کہ دنیا کی ذلیل ترین اور سخت ترین حالت بھی اُس کے لئے محض معمولی ہے۔ مثلاً ایسے اشخاص دکھائی دیتے ہیں کہ جیلخانوں میں جانا اور رہنا اُنھیں محض معمولی معلوم ہوتا ہے اور ذرا بھی اُسکی پروا نہیں کرتے۔ وہ بھی لوگ ہیں جو ذراسی چشم نمائی یا الفاظی توہین سے زہر کھا کے خودکشی کر لیتے ہیں اور گوارا نہیں کرتے کہ جب عام جلسہ میں اُنکی یہ توہین ہوئی وہ دنیا کو پھر منہ دکھائیں۔ بہت سی عورتیں عام طور پر بازاروں میں شرمناک پیشہ میں مبتلا دکھائی دیں گی۔ اُنکے چہروں پر تازگی ہوتی ہے۔ اُن کی آنکھ میں شرم نام کو نہیں ہوتی وہ اسی شرمناک حالت میں بخوشی و خرمی اپنی زندگی بسر کرتی ہیں۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر اس طبیعت اور فطرت کی عورتوں کو عذاب دوزخ کا خوف دلایا جائے گا تو اُس کے لئے وہی لفظ استعمال کئے جائیں گے جو ایک عصمت پناہ خاتون کے لئے زیبا ہیں یا دوسری قسم کے الفاظ۔ اس بازاری عورت کو ہزار فولادی گرزوں کی مار اور لاکھ کیڑوں اور سانپوں کا اثر اتنا نہ ہوگا جتنا ایک عصمت پناہ خاتون کو یہ کہنا کہ تمھاری نیک چلنی مشتبہ ہے۔ طبائع کے اُتار چڑھاؤ اور رنگ کو دیکھ کے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے اور دوزخ کی نسبت بیان کیا گیا ہے اُس میں ہزاروں حکمتیں مضمر ہیں اور ان حکمتوں کے نتائج بیّن ہیں۔ ان باتوں نے جو کچھ اثر کیا اور اُس اثر کا جو کچھ نتیجہ ہوا وہ عالم پر ظاہر ہے۔ خدائے واحد کی پرستش کرنے والا ایک شخص بھی دنیا میں نہ دکھائی دیتا۔ اگر اسلام کا ظہور نہ ہوتا اور اسکی اشاعت اِس کثرت سے نہ ہوتی تو ہم سوال کرتے ہیں کہ موجودہ زمانے ہی میں خیال کرو ایک شخص بھی ایسا ہے جو مسلمان نہ ہو اور خدائے مطلق و واحد کی بلا شرکتِ غیرے پرستش کرتا ہو۔ جن باتوں کے نتائج ایسے اعلیٰ درجہ کے ہیں تو افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ ایک تعلیم یافتہ نئی روشنی کا شخص اُس پر مضحکہ اُڑائے اور اپنے تعصب کی رو میں جو چاہے لکھدے۔ وہ روایتیں جو ہمنے اخیر صفحوں میں لکھی ہیں جن میں قبر اور کیڑے گفتگو کر رہے ہیں خیالی نہیں ہیں۔ بیشک قبر تاریکی اور کیڑوں کا گھر ہے اور قبر ہی تمام مصائب کا گڑھا ہے۔ اِس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ قبر میں تاریکی نہو گی اور کون اِسکے خلاف دلیل لا سکتا ہے کہ وہاں کیڑے نہونگے۔ یہ انسان کی اخیر حالت ہی جو بادشاہ اور فقیر کے ساتھ لازمی کر دی گئی ہے۔ مردے پر عذاب دوزخ اِس سے زیادہ نہیں ہو سکتا کہ اُسکے واقف کار اُسپر لعنت ملامت کریں اور اُس کی قبر پر ٹھوکریں مار کے چلیں۔ روحانی عذاب تو حساب کتاب ہونے کے بعد ہی شروع ہوگا۔ یہ اسلام کا متفق علیہ اصول ہے کہ قیامت کے دن جب سب کے اعمال کی تحقیق ہو جائے گی۔ اُس وقت دوزخ کے جانے والے دوزخ میں جائیں گے اور جنت والے جنت میں جب تک حساب کتاب نہو گا دوزخی اور جنتی

مثل حوالات اور مقامات آسایش کے اپنی اپنی جگہ رہیں گے اور اُن سے کچھ سروکار ہو گا کہاں رہیں گے اس میں اختلاف ہے اس لئے کوئی ایک رائے قائم نہیں ہو سکتی۔

بہرحال جو ہمیں دوزخ کے بارے میں لکھنا ہے وہ یہ ہے کہ نیک و بداعمال کی ضرور سزا و جزا دیجائیگی اگرچہ اس سزا کیحالت سوائے تمثیل کے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ فطرۃ اللہ اسکی مقتضی ہے کہ جن جرائم کی سزا کبھی کوئی قانون نہیں دے سکتا انکی بازپرس ہو۔ بہت سے جرائم ایسے ہیں جنکی سزا دنیا ہی میں ملجاتی ہے اور بہت سے جرائم ایسے ہیں جو نہ ظاہر ہو سکتے ہیں نہ اُن کی سزا کوئی قانون تجویز کر سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص دل میں منکر خدا ہے یا دل میں کسی شخص کو قتل کرنا چاہتا ہے یا دل میں اُس کا ارادہ زنا بالجبر کرنے کا ہے۔ ظاہری آنکھوں سے اس کا وہ جرم جس کا دل میں ظہور ہو رہا ہے کیونکر معلوم ہو سکتا ہے جب معلوم نہیں ہو سکتا تو اُس پر قانون ملکی قانون انجمن اخبار قانون حکومت کا نفاذ کیونکر ہو سکتا ہے۔ اب لازم آتا ہے کہ جس طرح یہ جرم پوشیدگی میں کیا گیا ہے اسی طرح اسکی سزا اسی حالت میں دیجائے جسے کوئی نہ دیکھ سکے اور وہ سزا سوائے آخرت کی سزا کے اور صورت سے ممکن نہیں۔ ایک شخص مطلق العنان حکمراں ہے اور اسکی ذات تمام قسم کے قوانین سلطنت سے بری کی گئی ہے۔ اُسکی غلط کاریوں اور بداعمالیوں کی سزا سوائے قادر مطلق کے اور کوئی شخص نہیں دیسکتا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ آئندہ زندگی ضرور ہو اور اُس میں یہ جزا اور سزا دیجائے۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قادر مطلق مثل معمولی آدمیوں کے کیا دنیا میں ایسے آدمی کو سزا نہیں دیسکتا۔ جس پر کسی قانون سلطنت کی حکومت نہو؟ تو جواب یہی دیا جائیگا کہ قوانین قدرت کے خلاف دنیا میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ خدا تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے مگر اُسکی عادت نہیں ہے کہ اپنے کامل قوانین میں نقص ثابت کرے اور اُنھیں روزمرہ بدلتا رہے۔ یہ یقینی امر ہے کہ ایک بادشاہ کی نیکیاں معمولی آدمی سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہونگی اسیطرح اُسکی بداعمالیوں کی ایک غریب شخص کے مقابل میں کوئی بھی ہستی نہیں ہو سکتی۔ قوانین قدرت سے جبکہ موت سے زیادہ کوئی چیز سخت نہیں رکھی گئی ہے اور پھر شاہ کے جرم پر خیال کیا جائے تو موت کی سزا اُسکے آگے کوئی چیز نہیں ہے ضرور ہوا کہ اُسے روحانی سزا دیجائے اور روحانی سزا کا دیا جانا بغیر آئندہ زندگی کے ممکن نہیں۔

اس بداہت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ روحانی تکلیف جسمانی تکلیف سے دنیا ہی میں بدرجہا بڑھی ہوئی ہے ایک عزت دار شخص کی بے عزتی اُس کے کسی عضو ٹوٹنے سے بدرجہا تکلیف دہ ہے۔ ہزاروں آدمی ہر صدی میں ایسے ہوئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو اپنی روحانی تکلیف کا لحاظ کرتے اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔ غدر میں صدہا عصمت پناہ خواتین صرف اس لئے کہ غیر شخص اُنکی صورت نہ دیکھ لے کنووں میں گر گر کے جاں بحق تسلیم ہو گئیں۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے جب جسم میں ہو کے روحانی تکلیف کی یہ کیفیت ہے کہ اُس کا برداشت کرنا محالات سے ہو جاتا ہے۔ پھر جسم سے علیحدہ ہونے کے بعد اُسکی کیا کیفیت ہوگی۔

لطف یہ ہے کہ آئندہ زندگی کا انکار موجودہ سائنس داں یا دہریئے بھی نہیں کرتے اگرچہ اُنھوں نے اپنے [illegible]اق اور محدود خیال کے مطابق آئندہ زندگی کو نئی صورت میں بیان کیا ہے اُن کا خیال ہے کہ مرنے کے بعد

ثواب وعذاب کوئی چیز نہیں ہے خون کی حرکت بند ہونیکا نام موت ہے اور جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو چند روز کے بعد گل سڑکے خاک ہوجاتا ہے اور پھر مٹی میں مٹی ملجاتا ہے مگر اتنا وہ ضرور مانتے ہیں کہ ہمیں وہ کام کرنا چاہئیے کہ مرنے کے بعد ہماری نسل اُس سے مستفید ہو ملک میں ترقی ہو تمدن اور تہذیب بڑھے اور ہم ایک زمانہ مدید تک قوم کے سردار گنے جائیں - یہ آرزو بھی آیندہ زندگی کی بہت کچھ خبر دیتی ہے اور اس سے بھی ایک قسم کا وہی مفہوم ہوتا ہے جو مذاہب نے پیدا کیا ہے - تاہم یہ خیال بالکل ہی محدود ہے اور محدود بھی ایسا کہ کم عقل سے کم عقل اور معصوم بچہ چار پانچ برس کا یہ خیال اُن سے بہتر ذہن نشین کرسکتا ہے جس طرح ایک صغیر بچہ کو اپنی آیندہ زندگی اور عذاب و ثواب کا کچھ خیال نہیں ہوسکتا اسی طرح ایک فلسفی یا دہریئے کو بھی کوئی خیال نہیں اسی طرح جانور بھی آیندہ زندگی کا کوئی خیال نہیں کرسکتا اس لحاظ سے گویا دہریئے نا سمجھ بچے اور جانور کی ایک حالت ہوئی ہم ایسی ذلیل حالت میں زندگی گزارنا اپنے اعلیٰ منصب انسانی کے خلاف سمجھتے ہیں ہم اس مقام سے بلند پروازی کرکے بہت بلند اُڑتے ہیں اور اُس مرتبہ پر پہنچنا چاہتے ہیں جو انسان کے لئے لازمی قرار دیا گیا ہے - جبکہ موجودہ سائنس نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ انسان کائنات کا لب لباب ہے اور انسان کائنات کے سر پر کھڑا ہے تو پھر کتنی افسوس کا مقام ہوگا کہ ایسی بزرگ اور اعلیٰ چیز تو بہت جلد فنا ہوجائے اور وہ چیزیں جو اُس سے ارذل ترین ہیں مدت مدید تک زندہ و سلامت رہیں عقل ہرگز نہیں مانتی کہ چیل - گدھ - اور کوے تو کئی کئی صدی تک زندہ رہیں اور انسان ساٹھ ستر اسی برس کے بعد فنا ہوجائے - نہیں انسان کی زندگی بہت بڑی زندگی ہے اور اُس کا قیام اس دنیا و آخرت میں دائمی مسلم ہے - وہ ہماری آنکھوں سے چھپ جاتا ہے مگر ہم میں ہر وقت زندہ رہتا ہے ہماری ہر مشکل کام میں مدد کرتا ہے ہمیں نصیحت کرتا ہے ہمارے فسردہ دلوں کی ڈھارس بندھواتا ہے غرض زندگی میں قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتا ہے -

اے نبی پاک برحق - معصوم تیرے سارے اقوال سچے ہیں تو حقیقت میں کائنات کا سردار ہے - جو کچھ تو نے فرمایا ہے وہ راست ہے جن کی سمجھ میں نہ آئے اُنکی فہم کا قصور ہے - اے برگزیدۂ رب الافواج تیرے حکیمانہ مقولے اختتام دنیا تک نبی آدم کی رہنمائی کریں گے - تو نبیوں کا سرتاج ہی نہیں ہے بلکہ تو اُن کا سچا محسن ہے تو نے آیندہ عذاب و ثواب کی خبر جو کچھ ہمیں دی ہے وہ بالکل برحق ہے اور ہمارا ایمان ہے جو تیری حکمت کی باریکیوں کو نہیں سمجھتے نہ سمجھیں جو تیرے نصائح سے کبیدہ خاطر ہوتے ہیں ہونے دے جو تیری ہدایتوں پر خندہ زنی کرتے ہیں کرنے دے - تیری ذات اطہر و اقدس ان سب باتوں سے اعلیٰ ہے - تیرے جلال کو ہزار آفتابوں کا نور بھی نہیں پہنچ سکتا - تیرے دین کے ساکن سمندر میں یہ چھوٹے چھوٹے بادِ مخالف کے جھونکے کچھ بھی اثر نہیں کرسکتے -

اے معصوم نبی اس وقت ½ دنیا تیرا کلمہ پڑھتی ہے اور تیرے جلال کے سایہ کے نیچے پرورش پا رہی ہے اے پاک محمد عربی تیری ذات سے کسی کو نسبت دینی سخت بے ادبی ہے تو کامل نور کامل سچائی اور کامل علم ہے تو خدائے عزوجل کا برحق قاصد ہے اور تیری فطرت میں تمام عالم کی نیکیاں ودیعت ہوئی ہیں -

قیامت

جہاں دنیا کے عظیم الشان مذاہب میں بعض اصول میں اتفاق ہو وہاں مسئلۂ قیامت میں بھی سب کو اتفاق ہی اگرچہ مرز بوم کے اختلاف سے واقعات کے بیان کرنے میں ہر ایک مذہب نے نرالی طرز پیدا کی ہی مگر غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سب کا رجحان ایک ہی جانب ہی اور کسی نے اس اہم مسئلہ کو فروگذاشت نہیں کیا۔ یہودی اسکے قائل ہیں کہ دنیا کا خاتمہ ہوگا اور مسیح پیدا ہوگا۔ عیسائی بھی اس یقین پر تلے ہوئے ہیں کہ حضرت مسیح حسب وعدہ آئیں گے اور اپنے معتقدین کو ہمیشہ کی زندگی اور آسمانی بادشاہت عطا فرمائینگے مسلمان بھی اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ امام مہدی تشریف لائیں گے اور تمام دنیا میں امن کرنے کے بعد قیامت برپا ہوگی اور خداوندی عدالت میں مخلوق کا فیصلہ کیا جاویگا۔ دہریے بھی موجودہ سائنس سے اِس دنیا کا خاتمہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور نئی نئی وجوہ سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس دنیا کا ایک نہ ایک دن خاتمہ ہوجائیگا خواہ زمین دمدار ستارے سے ٹکرا کے پاش پاش ہوجائے خواہ آفتاب کی حرارت کم ہونے سے ذی روح مخلوق فنا ہوجائے۔ غرض یہ سب کا عقیدہ ہی کہ ایک دن وہ ہونے والا ہے کہ یہ دنیا ختم ہوجائے گی اور اُس کا خاتمہ سخت ہولناک ہوگا۔ جن خوفناک الفاظ میں قرآن نے خاتمہ عالم کا احوال لکھا ہی اُن ہی الفاظ میں انجیل بھی اختتام دنیا کی گواہی دیتی ہے اور یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہی کہ جب اتنی بڑی دنیا کا خاتمہ ہوگا خواہ علوم جدیدہ

لہ اناجیل میں بھی خوب زور شور سے صریح الفاظ میں قیامت کے دن کی کیفیت بیان کی ہے (چنانچہ انجیل متی باب ۲۴ درس ۲۹ لکھا ہے) اُن دنوں کی مصیبت کے بعد فوراً سورج اندھیرا ہوجائے گا اور چاند اپنی روشنی نہ دے گا ستارے آسمان سے گر جائیں گے اور آسمان کی قوتیں ہل جائیں گی۔ تب ابن آدم کا نشان آسمان پر ظاہر ہوگا اور اُسوقت زمین کے سارے گھرانے چھاتی پیٹیں گے اور ابن آدم کو بڑی قوت اور جلال کے ساتھ آسمان کی بدلیوں پر آتا دیکھیں گے۔ وہ نرسنگے کے بڑے شور کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا۔ اور وہ اُسکے برگزیدوں کو چاروں طرف سے آسمان کی اُس حد سے اُس حد تک جمع کرینگے۔ اب انجیر کے درخت سے ایک تمثیل سیکھو کہ جب اُس کی ڈالی نرم ہوتی اور پتے نکلتے تم جانتے ہو کہ گرمی نزدیک ہی۔ اسی طرح جب یہ سب دیکھو تو جانو کہ وہ نزدیک بلکہ دروازہ ہی پر ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک یہ سب کچھ نہ ہولے۔ اس زمانہ کے لوگ گزر نہ جائیں گے آسمان وزمین ٹل جائیں گے پر میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی۔ لیکن اُس دن اور اُس گھڑی کو میرے باپ کے سوا آسمان کے فرشتوں تک کوئی نہیں جانتا جیسا نوح کے دنوں میں ہوا ویسا ہی ابن آدم کا آنا بھی ہوگا۔ فقط

پھر دوسرے باب میں یہ لکھا ہے۔

جب ابن آدم اپنے جلال سے آئیگا اور سب پاک فرشتے اُس کے ساتھ ہونگے تب وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور کل قوم اُس کے آگے حاضر کی جائے گی اور جس طرح گڈریا بھیڑوں کو بکریوں سے جدا کرتا ہے وہ ایک کو دوسرے سے جدا کریگا۔

کے اصول پر یا مذاہب کے مقرر کردہ قواعد کی رو پر تو ضرور ایک ہولناک سانحہ پیش آئیگا۔ وہ سانحہ جس کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔

ہم اپنی تفسیر میں چونکہ جابجا قیامت کی آیتوں پر بحث کرینگے اس لیئے اس مقام پر ہم ضروری نہیں سمجھتے کہ لفظاً لفظاً کل آیتوں کو جمع کرکے اُن کا ترجمہ کردیں بلکہ ایک انتخاب قرآن مجید کی اُن متعدد آیتوں کا کرتے ہیں جن میں قیامت کا ذکر ہے یا جو واقعات قیامت کے دن گزرینگے اُنھیں نہ صرف قرآن مجید سے بلکہ صحیح احادیث اور روایات سے بھی دھوراویں تاکہ پھر ہم ایک رائے قائم کرسکیں۔

وہ آیات یہ ہیں۔ آسمان چرچرا جائیں گے۔ ستارے خوف کے مارے گر پڑیں گے۔ اُن کا نور جاتا رہیگا آفتاب کی دھوپ ماند پڑجائے گی۔ زمین بھونچال سے لرزجائیگی۔ اور چاندی سونے کے تمام بوجھ نکال کے پھینک دیگی۔ پہاڑ اور زمین اُٹھا کے پٹک دیئے جائیں گے۔ آسمان پھٹ جائیں گے اُنکی بنیادیں کھوکلی ہوجائینگی۔ فرشتے زمین کے کناروں پر کھڑے ہوں گے خدا کا تخت بجائے چار فرشتوں کے آٹھ اُٹھائینگے اُس دن مخلوق کی پیشی ہوگی۔ اور کسی کا کوئی بھید چھپا نہ رہے گا۔ زمین کھوکھلی ہوجاے گی۔ پہاڑوں کو چلنے کا حکم ہوگا۔ اُن میں لرزہ پیدا ہوگا اور وہ پارہ پارہ ہوجائیں گے اور روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے۔ ماں اپنے شیر خوار بچے کو پھینک دیگی۔ لوگ نشہ میں دکھائی دیں گے۔ یہ وہ نشہ نہو گا جو کسی نشی چیز کا ہوتا ہے بلکہ ان پر خدائے تعالی کا غضب نازل ہوگا۔

اور بھیڑوں کو داہنے اور بکریوں کو بائیں کھڑا کرے گا۔ تب بادشاہ اُنھیں جو اُسکے داہنے میں ہونگے کہے گا اے میرے باپ کے مبارک لوگو اُس بادشاہت کو جو دنیا کی بنیاد ڈالنے سے تمھارے لیئے تیار کی گئی میراث میں لو۔ کیونکہ میں بھوکا تھا۔ تم نے مجھے کھانا کھلایا میں پیاسا تھا تم نے مجھے پانی پلایا۔ میں پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں اُتارا۔ ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا پہنایا۔ بیمار تھا تم نے میری عیادت کی۔ قید میں تھا تم میرے پاس آئے۔ اُس وقت راستباز اُسے جواب میں کہیں گے اے خداوند کب ہم نے تجھے بھوکا دیکھا اور کھانا کھلایا یا پیاسا اور پانی پلایا اور کب ہم نے تجھے پردیسی دیکھا اور اپنے گھر میں اُتارا یا ننگا دیکھا اور کپڑا پہنایا ہم کب تجھے بیمار یا قید میں دیکھ کے تیرے پاس آئے۔ تب بادشاہ اُن سے جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں جب تم نے میرے اُن سب سے چھوٹے بھائیوں میں سے ایک کے ساتھ کیا تو میرے ساتھ کیا۔ پھر وہ بائیں طرف والوں سے بھی کہے گا۔ اے ملعونو میرے سامنے سے اُس ہمیشہ کی آگ میں جاؤ جو شیطان اور اُسکے فرشتوں کے لیئے تیار کی گئی ہے کیونکہ میں بھوکا تھا پر تم نے مجھے کھانے کو نہ دیا۔ پیاسا تھا تم نے مجھے پانی نہ پلایا۔ پردیسی تھا تم نے مجھے اپنے گھر میں نہ اُتارا ننگا تھا تم نے مجھے کپڑا نہ پہنایا۔ بیمار اور قید میں تھا۔ تم نے میری خبر نہ لی۔ پھر وہ بھی جواب میں اُسے کہیں گے اے خداوند ہم نے کب تجھے بھوکا یا پیاسا یا پردیسی یا ننگا یا بیمار یا قیدی دیکھا اور تیری خدمت نہ کی۔ پھر وہ اُنھیں جواب میں کہے گا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تم نے میرے ان سب سے چھوٹے بھائیوں سے ایک کے ساتھ نہ کیا تو میرے ساتھ بھی نہ کیا۔ اور وہ ہمیشہ کے عذاب میں جائیں گے پر راست باز ہمیشہ کی زندگی میں۔ متی باب ۲۵ آیت ۳۱-۴۶ (پھر مرقس کی انجیل باب ۱۳ آیت ۲۴-۲۷) پھر

لوگ خدائے رب العرش کی حضوری کے لیئے نکل کھڑے ہونگے ۔ پہاڑ اُڑ کے ادھر اُدھر پریشان ہوجائیں گے ۔ زمین چٹیل میدان کردیجائیگی ۔ ٹیلے اور پہاڑ زمین میں کچھ نظر نہ آئیں گے جو پہاڑ اسوقت جمے ہوئے معلوم ہوتے ہیں وہ بادل کی طرح حرکت میں معلوم ہونگے ۔ آسمان پھٹ کے گلابی لال چمڑے کی طرح ہوجائیں گے ۔ ہر گنہگار دم بخود ہوگا ۔ ماتھے کے بالوں سے گنہگاروں کے پاؤں جکڑ دیئے جائینگے ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی و بدی اپنے آگے کھڑی دیکھے گا ۔ ہر شخص آرزو کرے گا کہ مجھ میں اور میری بدعمالی میں فاصلہ ہوجائے ۔ زبانیں گونگی ہوجائیں گی مگر ہاتھ پیروں میں گویائی ہوجائیگی ۔ وہ دن ایسا ہے کہ اُسکی یاد نے سید المرسلین کو بوڑھا کردیا تھا ۔ یعنی جب حضرت صدیق اکبر نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ۔ کہ یا رسول اللہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ بوڑھے ہوگئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ مجھے سورہ ہود اور اُسکی بہنوں نے بوڑھا کردیا (یعنے اُن سورتوں نے جن میں قیامت کا ذکر ہے)

اس کے بعد قیامت کے جو متعدد نام ہیں وہ ہدیۂ ناظرین ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اس اہم مسئلہ کا اسلام سے کتنا تعلق ہے اور اسی سے لیئے روز قیامت پر ایمان لانا اسلام کی نشانی قرار دی گئی ہے (وہ نام یہ ہیں)

روز قیامت ۔ روز حسرت ۔ روز ندامت ۔ روز حساب ۔ روز محاسب ۔ روز سوال ۔ روز سبقت جوئی روز تنازع ۔ یوم الرجب ۔ زلزلے کا دن ۔ الٹ دینے کا دن ۔ روز واقعہ ۔ روز قارعہ ۔ روز راجفہ ۔ روز رادفہ ۔ روز غاشیہ ۔ روز ہیبت ۔ روز طامہ ۔ روز صاخہ ۔ روز تلاق ۔ روز فراق ۔ روز مساق ۔ روز قصاص ۔ روز تناد روز مآب ۔ روز عذاب ۔ روز گریز ۔ روز قرار ۔ روز لقا ۔ روز جزا ۔ روز بلا ۔ روز گریہ ۔ روز حشر ۔ روز وعید ۔ روز پیشی روز وزن ۔ روز حق ۔ روز حکم ۔ روز فصل ۔ روز جمع ۔ روز بعث ۔ روز رسوائی ۔ روز عظیم ۔ روز عقیم ۔ روز عسیر ۔ روز دین

صدوقی جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اُس پاس آئے اور اُنھوں نے اُس سے سوال کرکے کہا اے اُستاد ہمارے لیئے موسیٰ نے لکھا ہے کہ اگر کسی کا بھائی مرجائے اور اُسکی جورو رہے اور فرزند نہو تو اُس کا بھائی اُسکی جورو کو لے لے تاکہ اپنے بھائی کے لیئے اولاد پیدا کرے ۔ اب سات بھائی تھے پہلے نے جورو کی اور بے اولاد مرگیا ۔ تب دوسرے نے اُسے لیا اور مرگیا ۔ اُس کا بھی کوئی فرزند نہ رہا اور اسی تیسرے نے ۔ یوں ہی ساتوں نے اُسے لیا اور اولاد نہیں چھوڑ گئے ۔ سب کے پیچھے وہ عورت بھی مرگئی ۔ قیامت میں جب وہ اُٹھیں گے وہ اُن میں سے کس کی جورو ہوگی کیونکہ وہ ساتوں کی جورو ہوئی تھی ۔ یسوع نے جواب میں اُنھیں کہا کہ کیا تم اس سبب سے بھول میں نہیں پڑے ہو کہ تم نہ تو نوشتوں کو نہ خدا کی قدرت کو جانتے ہو کیونکہ جب مردے اُٹھیں گے تو نہ وہ بیاہ کرینگے نہ بیاہے جائیں گے ۔ بلکہ جیسے فرشتے جو آسمان پر ہیں ویسے ہونگے ۔ اور مردوں کے جی اُٹھنے کی بابت کیا تم نے موسیٰ کی کتاب میں نہیں پڑھا کہ خدا نے جھاڑی میں سے اُسے کیونکر کہا کہ میں ابرہام کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں وہ مردوں کا خدا نہیں بلکہ زندوں کا خدا ہے پس تم بڑی غلطی کرتے ہو ۔

روز یقین۔ روز نشور۔ روز مصیر۔ روز نفخہ۔ روز صیحہ۔ روز رجفہ۔ روز جنبش۔ روز توبیخ۔ روز نشر۔ روز خوف۔ روز اضطراب۔ روز منتہی۔ روز مادی۔ روز میقات۔ روز میعاد۔ روز مرصاد۔ روز قلق۔ روز عرق۔ روز افتقار۔ روز انکدار۔ روز انتشار۔ روز انشقاق۔ روز وقوف۔ روز خروج۔ روز خلود۔ روز تغابن۔ روز عبوس۔ روز معلوم۔ روز موعود۔ روز مشہود۔ یا وہ روز جس میں شک نہیں۔ وہ روز جس میں دل کے بھیدوں کا امتحان ہو۔ وہ روز جس میں کوئی نفس کسی نفس کے کام نہ آئے۔ وہ روز جس میں آنکھیں اُوپر کو۔ وہ روز جس دن کوئی رفیق کسی رفیق کے کام نہ آئے۔ وہ روز جس میں کوئی کسی کا کچھ بھلا نہ کر سکے۔ وہ روز جس میں دوزخ کی طرف دھکیلے جائیں۔ وہ روز کہ باپ بیٹے کے کچھ کام نہ آئے۔ وہ روز جس میں آدمی اپنے باپ بھائی ماں بہن سے بھاگے۔ جس روز نہ بولنے کی اجازت ہوگی نہ عذر کرنے کی۔ جس روز کہ لوگ نکل کھڑے ہونگے۔ جس روز کہ لوگوں پر آگ کا عذاب ہوگا۔ جس روز کہ اولاد اور والدین فائدہ نہ دینگے۔ جس روز کہ ظالموں کا عذر اُنکے کام نہ آئے اور اُنھیں لعنت اور بُرا ٹھکانا نصیب ہو۔ جس روز کہ عذر نامنظور ہو اور بھیدوں کی جانچ ہو۔ اور دل کی پوشیدہ باتیں ظاہر ہو جائیں۔ اور پردے کھل جائیں۔ جس روز آنکھیں دبی ہوں اور آوازیں ساکن اور ایک دوسرے کی طرف کم نظری ہو اور چھپی باتیں علانیہ اور خطائیں واضح ہوں۔ جس روز بندے لے جائے جائیں اور اُنکے ساتھ گواہ اور لڑکے بوڑھے ہو جائیں تو اُس دن ترازوئیں قائم ہونگی اور اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے۔ دوزخ ظاہر کی جائے گی۔ پانی گرم۔ جوش دیا جائے گا۔ آگ دھڑ دھڑ جلے گی۔ کافر ناامید ہونگے رنگ متغیر۔ زبانیں گونگی اور ہاتھ پیر بولتے ہونگے۔

ہر شخص سے ایک ایک تنکے کا حساب ہوگا۔ آسمان کے کناروں سے بڑے بڑے ڈیل ڈول اور نہایت موٹے۔ تند خو۔ درشت فرشتے اُتریں گے۔ اُنھیں حکم ہوگا کہ گنہگاروں کے سر کے بال پکڑ کے جبار کے سامنے پیش کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (ابوداؤد نے بروایت جابر نقل کیا ہے) کہ خدائے عزوجل کے ہاں ایک فرشتہ ہے جسکی دونوں آنکھوں کی پلکوں کا فاصلہ ایک برس روز کی سفر کی راہ ہے۔ اس ڈیل ڈول کے فرشتے بھی اُس دن پریشانی سے شکستہ حال اور غضب جبار کو جو اُن پر عیاں ہوگا۔ بندوں کے لئے اپنا شعار بنائے ہونگے۔ اُن کے اُترنے کے وقت کل نبی اور صدیق اور نیک بندے سجدے میں گر پڑیں گے اس خوف سے کہ کہیں ہم بھی نہ پکڑے جائیں۔ جب مقربوں کا یہ حال ہے تو گنہگاروں۔ اور نافرمانوں پر کیا گزرے گی۔ اُس وقت بعض لوگ شدت خوف سے فرشتوں سے دریافت کریں گے کہ ہمارا پروردگار تمھیں میں ہے کیونکہ اُن کا رعب اور ہیبت کمال درجہ کی ہوگی۔ فرشتے اُن کے سوال سے کانپ اُٹھیں گے کہ خدائے تعالیٰ کی شان کو دیکھو اور اُس ذات وحدہٗ لاشریک کا ہم میں ہونا دیکھو۔ وہ پکار کے کہیں گے ہمارا رب پاک ہے اور وہ ہم میں نہیں مگر آگے آتا ہے تاکہ اہل زمین کا وہم دور ہو جائے۔

اب فرشتے چاروں طرف سے خلق کو گھیر کے پرا باندھ کے کھڑے ہونگے اور ہر شخص پر ذلت و خواری کا لباس اور صورت سے خوف و ہیبت برستی ہوگی۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ اپنے اس قول کو سچا فرمائے گا

فلنسئلن الذین ارسل الیھم ولنسئلن المرسلین فلنقصن علیھم بعلم وما کنا غائبین یعنی سو ہمیں دریافت کرنا ہے اُن سے جنکے پاس رسول بھیجے تھے اور ہمیں دریافت کرنا ہے رسولوں سے پھر ہم اپنے علم سے اُنھیں احوال سنائیں گے اور ہم کہیں غائب نہ تھے۔

انبیا سے سب سے پہلے پرسش ہوگی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہوا ہے یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لا علم لنا انک علام الغیوب یعنی جس دن اللہ جمع کرے گا رسول پھر کہے گا تمھیں کیا جواب دیا بولیں گے ہمیں خبر نہیں تو ہی ہے چھپی بات جاننا۔ اُسدن انبیا کی عقلیں چکر میں آجائینگی۔ اور علم شدت ہیبت کیوجہ سے محو ہو جائینگے۔ اِس لیئے اُن سے جب یہ سوال ہوگا کہ تمھیں جو خلق کی طرف بھیجا تھا۔ تو اُنھوں نے کیا جواب دیا۔ انبیاء کو اس سوال کا جواب معلوم تھا مگر عقل زائل ہو جائے گی۔ اور شدتِ ہیبت سے یہ نہ جانیں گے کہ کیا کہیں سوائے اِسکے اور کوئی جواب ہی نہ دیں گے کہ علم لنا انک انت علام الغیوب عقلیں پرواز کر جائیں گی علوم مٹ جائیں گے۔ بجز لاعلمی کے اور کچھ نہ رہے گا۔ یہانتک کہ اللہ تعالیٰ انھیں قوت عنایت کریگا۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا اور دریافت کیا جائیگا تم نے رسالت کو پہنچایا وہ عرض کرینگے ہاں پھر اُنکی اُمت سے پوچھا جائیگا تمھیں پیام پہنچا وہ عرض کرینگے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ پھر حضرت عیسیٰ ع کو بلا کے خطاب احدیت ہوگا کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو خدا سوائے معبود برحق کے بناؤ۔ وہ اس سوال کے جواب میں برسوں مضطرب رہیں گے۔ اس دن کی وسعت قابل غور ہے جس دن انبیا علیہ السلام پر ایسے سوالوں کی سیاست قائم کی جائے گی۔ پھر فرشتے آئیں گے اور ایک ایک کو پکاریں گے کہ اے فلاں شخص فلاں عورت کے لڑکے پیشی کے مقام پر حاضر ہو اس آواز سے شانے تھرا جائینگے اور اندام میں لرزہ پڑ جائیگا عقلیں چکر میں آجائیں گی۔ بعض لوگ تمنا کریں گے کہ ہمیں دوزخ میں ڈالدیا جائے ہم اپنے اعمال بد کے حساب کے لیئے پیش نہ ہوں اور نہ ہمارا پردہ خلق کے سامنے فاش ہو۔

سوال سے پہلے عرش کا نور ظاہر ہوگا اور میدان محشر اُس نور سے چمکنے لگے گا۔ ہر متنفس کو اُس وقت یہی گمان ہوگا کہ خدائے تعالیٰ بندوں کی باز پرس کے لیئے متوجہ ہے اور ہر ایک یہی سمجھے گا کہ میرے سوا کوئی اُسے نہیں دیکھتا۔ اور باز پرس صرف مجھی سے ہوگی۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم جبّار جل شانہٗ کا پہنچے گا کہ میرے پاس دوزخ کو لے آ۔ حضرت جبریل دوزخ کے پاس آئیں گے اور اُس سے فرمائیں گے کہ اپنے مالک اور خالق کے حکم کی تعمیل کر اور حاضر حضور ہو وہ اُس وقت غیظ و غضب میں ہوگی اور آواز سنتے ہی ہیجان میں آئیگی اور جوش کھائے گی۔ اور مخلوق کی طرف غل مچائے گی خلقت اُس کا جوش دیکھے گی اور اُس کا غل و شور سنے گی اور اُسکے محافظ اُن لوگوں کی طرف جنھوں نے خدائے تعالیٰ کا حکم نہیں سُنا اور نافرمانی کی اُٹھیں گے۔ لوگوں کے دل خوف اور رعب سے پاش پاش ہونگے وہ زانو کے بل گر پڑیں گے اور پیٹھ پھیر کے بھاگیں گے۔ کل قومیں گھٹنے کے بل گری ہوئی نظر آئیں گی اور بعض منہ کے بل اوندھے گریں گے۔

نافرمان اور ظالم تباہی اور خرابی پکارینگے کہ ہائے تباہ ہوئے ہائے مرے اور صدیق نفسی نفسی کہتے ہونگے یہ اس حال میں گرفتار ہونگے کہ دوزخ دوسری چیخ اور مار یگی اُس وقت لوگوں کا خوف دگنا ہو جائے گا۔ اور قویٰ سست ہو جائیں گے اب اُنھیں اپنی گرفتاری کا علم ہو جائیگا۔ پھر تیسری چنگھاڑ ماریگی تو لوگ منہ کے بل گر پڑینگے اور آنکھیں پتھرائی ہوئی رہ جائیں گی۔ بعض دز دیدہ نظر سے دیکھیں گے اُسوقت ظالموں کے دل ٹوٹ سکے گلے میں حلقہ بن جائیں گے اور سعید اور بدبخت دونوں کی عقلیں بالکل زائل ہو جائیں گی اِس کے بعد اللہ تعالیٰ انبیاء سے خطاب کر کے فرمائیگا ماذا اجبلتم تمھیں کیا جواب دیا، جب یہ سیاست اور ڈانٹ دیکھی جائیگی تو گنہگاروں پر اور بھی خوف طاری ہوگا باپ بیٹے سے بھائی بھائی سے شوہر منکوحہ سے بھاگیں گے اور ہر شخص کو اپنی ہی فکر ہوگی کہ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ پھر ہر ایک سے اُس کے کل نیک و بد اعمال کی نسبت سوال کیا جائیگا اور تمام اعضا گویا ہونگے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا (صلعم) قیامت کے دن کیا ہم اپنے پروردگار کو دیکھیں گے۔ آپنے فرمایا بھلا جب دوپہر کو آفتاب پر کوئی بادل چھایا ہوا ہو تو اُسکے دیکھنے میں کچھ مخالفت تو تم میں نہیں پیدا ہوتی۔ عرض کیا کچھ نہیں آپنے فرمایا اگر چودھویں رات کے چاند میں کوئی بادل حائل نہو تو تم اُسے دیکھنے میں شک کرتے ہو عرض کیا نہیں آپنے فرمایا قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے خدائے تعالیٰ کے دیکھنے میں بھی کچھ شک و تامل نکرو گے۔ پھر خداوند تعالیٰ بندے سے ملکر اُس سے ارشاد فرمائیگا۔ کیا میں نے تیرے اُوپر اکرام نہیں کیا تھا۔ کیا تجھے سردار نہیں بنایا تھا تیرا جوڑا نہیں دیا تھا گھوڑے اونٹ تیرے تابع نہیں کیئے تھے۔ تجکو رئیس نہیں بنایا تھا۔ بندہ عرض کریگا یہ سب نعمتیں دی تھیں پھر فرمائیگا بھلا تجھے گمان تھا کہ مجھسے ملنا ہے وہ عرض کریگا نہیں فرمائیگا اچھا ہم بھی تجھے بھول جاتے ہیں جیسا تو ہم کو بھول گیا۔

فرشتے دونوں بازو پکڑ کے کھڑے ہونگے اور خداوند تعالیٰ بالمشافہ اپنے بندوں سے سوال کریگا کیا ہمنے تجھے جوانی کی نعمت نہ دی تھی تو کس چیز میں اُسے برباد کیا اور کیا تجھے زندگی سے مہلت نہیں دی اُسے کس چیز میں ڈبویا مال جو میں نے تجھے دیا اُسے تو نے کیونکر صرف کیا علم کی دولت جو تجھے دی تو نے اُس سے کیا عمل کیا۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے (صلعم) آپ از خود ہنسے پھر فرمایا تم جانتے ہو میں کس چیز سے ہنستا ہوں ہم نے عرض کیا خدائے تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں آپنے فرمایا مجھے بندہ کا خطاب اپنے پروردگار سے یاد آیا جو یوں عرض کریگا۔ الٰہی تو نے ظلم سے جو مجھے پناہ دی ہے۔ حکم ہوگا کہ ہاں ظلم نہوگا۔ وہ عرض کریگا تو میں جب قائل ہونگا کہ کوئی گواہ مجھی میں سے ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیگا کفی بنفسك الیوم حسیبا تو ہی بس ہے آج کے دن حساب لینے والا۔ اور ساتھ ہی کرام کاتبین کی گواہی کافی ہے۔ پھر بندہ کے منہ پر مہر لگا دی جائیگی اور اُسکے اعضا کو بولنے کا حکم

ہوگا اعضا حکم ہوتے ہی اُسکے اعمال پورے کہدیں گے۔ پھر جب اُسکے منھ کی مہر توڑ دیجائیگی تو اپنے اعضا سے کہے گا تم پر تباہی اور بربادی ہو میں تو تمھاری ہی طرف سے لڑتا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ آپنے آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کو سرگوشی کی گفتگو کرتے کیسے سنا حضرت ابن عمر نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد کیا ہے (مسلم) کہ تم میں کا ایک شخص اپنے پروردگار سے اتنا قریب ہوگا کہ وہ اپنا شانہ اُس پر رکھے گا اور پوچھے گا تو نے فلاں فلاں قصور کیا وہ عرض کرے گا ہاں میں نے کیا پھر پوچھے گا تو نے فلاں فلاں خطا کی وہ عرض کریگا ہاں اللہ جل شانہ فرمائیگا۔ میں نے اُنکی خطاؤں کو دنیا میں پوشیدہ رکھا اور کسی پر ظاہر نہونے دیا آج اُنھیں تیری خاطر بخشے دیتا ہوں۔ آنحضرت نے فرمایا ہے جو شخص دنیا میں کسی مومن کا عیب چھپائیگا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کا عیب چھپائے گا۔

قیامت میں گنہگاروں کے سر کے بال پکڑکے آگے کو کھینچیں گے اُس وقت دل دھڑکے گا عقل گم ہوجائیگی شانے تھرانے لگیں گے۔ ہاتھ پاؤں میں رعشہ پڑجائیگا۔ رنگ بالکل متغیر ہوجائیگا۔ شدت خوف سے عالم سیاہ معلوم ہوگا۔ ہر شخص لوگوں کی گردنیں پھاندتا اور صفیں چیرتا جاتا ہوگا۔ کوتل گھوڑے کی طرح بھگاتے ہوئے مجرم کو لئے جاتے ہونگے۔ ساری خلقت اُسکی طرف دیکھتی ہوگی یہانتک کہ خدائے تعالیٰ کے عرش کے سامنے لیجاکے اُسے ڈال دیں گے اور اللہ جلشانہٗ اپنے باعظمت کلام سے یوں پکارے گا۔ اے آدم کے بیٹے مجھسے قریب ہو تو دل مضطر غمگین وخائف اور شکستہ ہے۔ اُس وقت نامۂ اعمال ہاتھ میں ہوگا جس میں ادنیٰ سے اعلیٰ تک سب خطائیں لکھی ہونگی۔ بہت سی بُرائیاں جو فراموش ہوگئی ہیں یاد آجائیں گی۔ اُس وقت خجالت اور بزدلی میں انسان ڈوب جائیگا۔ پھر خدائے تعالیٰ فرمائیگا اے میرے بندے تو نے مجھ سے حیا نہ کی اور برائی سے میرا سامنا کیا اور میری مخلوق سے میرے مقابلہ میں حیا کی۔ میں تیرے آگے اپنے بندوں سے بھی یاذ ذلیل ترین تھا تو نے میرے دیکھنے کی کچھ وقعت نہیں کی۔ اور میرے سوا دوسرے کی نظر کی تجھے پروا رہی۔ کیا میں نے تجھے انعام نہیں کیا تھا۔ پس کس چیز سے تجھے میرے مقابلہ میں مغالطہ ہوا۔ کیا تو یہ سمجھتا تھا کہ میں تجھے نہ دیکھتا تھا یا تو مجھسے نہ ملیگا۔ (یہ حدیث مذکور جس میں صرف اخلاقی سزا یا چشم نمائی ہے بغور پڑھنی چاہیئے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر ایک سے خدائے تعالیٰ اس طرح سوال کریگا کہ نہ کوئی حجاب ہوگا نہ کوئی بیچ میں بیان کرنے والا۔

ایک حدیث میں آیا ہے (بخاری بروایت عدی بن حاتم) تم سے ہر شخص خدائے تعالیٰ کے آگے اسطرح کھڑا ہوگا کہ تم میں اور اُس میں کوئی پردہ حائل نہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ اُس سے ارشاد فرمائیگا کیا میں نے تجھپر انعام نہیں کیا تھا۔ کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا وہ عرض کریگا کیوں نہیں پھر پوچھے گا کیا میں نے تیرے پاس رسول نہیں بھیجا تھا وہ عرض کریگا بھیجا تھا پھر وہ شخص اپنی داہنی طرف دیکھے گا تو آگ کے سوا کچھ نظر نہ آئیگا اور بائیں طرف دیکھے گا تو آگ ہی نظر پڑے گی پس چاہیئے کہ تم میں سے ہر شخص اُس آگ سے

بچے کو نصف خرمہ ہی صدقہ دے کر ہو اور اگر یہ بھی نہو تو کلمۂ طیبہ پڑھ کے بچے۔

حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں تم سے ہر ایک خدائے تعالیٰ کے سامنے اس طرح اکیلا ہوگا جیسے چودھویں رات کے سامنے اکیلا ہوتا ہی پھر اللہ تعالیٰ فرمائیگا اے ابن آدم مجھپر تجھے کس چیز نے فریب دیا اے ابن آدم تو نے جو کچھ جانا اُس پر کیا عمل کیا اے ابن آدم تو نے پیغمبروں کو کیا جوابدیا۔ اسے ابن آدم کیا میں تیری آنکھ کو نہ دیکھتا تھا جب تو اُس سے وہ چیز دیکھتا تھا جو تجھے جائز نہ تھی کیا میں تیرے کانوں کو نہ دیکھتا تھا جب تو اُن سے ناجائز باتیں سنتا تھا اسی طرح فرماتا جائے گا یہانتک کہ تمام اعضا کا شمار کرے گا۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندے کے پاؤں خدا تعالیٰ کے سامنے جنبش نہیں کھانے کے جبتک اُس سے چار باتوں کی پرسش نہولے گی۔ ایک عمر کا حال کہ کس چیز میں گزاری۔ دوسرے علم کا حال کہ اُس سے کیا عمل کیا تیسرے جسم کا حال کہ کس چیز میں اُسے مبتلا رکھا۔ چوتھے مال کا حال کہ کہاں سے اُس کو پیدا کیا اور کس چیز میں خرچ کیا۔

اِس کے بعد میزان کا مختصر سا ذکر کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کا خیال قیامت کی میزان کی نسبت کیا ہے اور باطناً اُن کا اصلی منشا کیا ہے۔ اور مخلوق خدا کو کن پراثر الفاظ میں نیک بننے کی ترغیب دیتے ہیں۔

جب سوال ہو چکیں گے تو آدمیوں کے تین گروہ کر دیئے جائیں گے۔ ایک تو وہ گروہ ہوگا جس کے پاس ایک نیکی بھی نہوگی۔ اُن کے لیئے سیاہ منھ دوزخ سے نکلیگا اور جس طرح پرند دانہ چن لیتا ہی اس طرح وہ اُنھیں اُٹھا کے دوزخ میں ڈال دیگی۔ دوزخ فوراً اُنھیں نگل جائیگی۔ اُنھیں بدبختی میں پڑکے پھر کبھی سعادت نصیب نہوگی۔ دوسرا وہ گروہ ہوگا کہ اُسکے پاس کوئی بدی نہوگی پس ایک آواز آئیگی کہ جو لوگ ہر حال میں خدائے تعالیٰ کی حمد کیا کرتے تھے وہ کھڑے ہوں اس آواز کو سن کے حمد کرنے والے کھڑے ہونگے اور جنت کو چلے جائینگے پھر یہی معاملہ تہجد گزاروں کے ساتھ کیا جائیگا۔ پھر اُن لوگوں کے ساتھ جنھیں خدائے تعالیٰ کی یاد سے نہ دنیا کی تجارت نے روکا ہوگا نہ بیع نے اُن پر سعادت کا حکم پکار دیا جائیگا جس کے بعد پھر بدبختی باقی نہ رہے گی تیسری قسم میں وہ لوگ ہوں گے اور انکی تعداد دونوں گروہوں سے بڑھی ہوئی ہوگی جنھوں نے نیک بد دونوں عمل کیئے ہونگے وہ خود تو نہ جانتے ہونگے مگر خدائے تعالیٰ کے علم میں بہت کچھ ہوگا آیا اُن کی نیکیاں زیادہ ہیں یا بدیاں مگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوگا کہ اُنھیں بھی حقیقت حال بتا دے تاکہ معاف کرنے کے وقت اُسکا فضل اور سزا دینے کے وقت اُس کا عدل ظاہر ہو۔ اسی لیئے وہ نامۂ اعمال جن میں نیکیاں اور بدیاں ہونگی اُڑا دیئے جائیں گے اور ترازو کھڑی کیجائیگی۔ اور لوگوں کی آنکھیں نامۂ اعمال کو تکتی ہونگی کہ دیکھیئے داہنے ہاتھ میں پڑتا ہے یا بائیں ہاتھ میں۔ پھر ترازو کے کانٹے کی طرف نظر دوڑائیں گے کہ نیکیوں کی طرف جھکتا ہی یا بدیوں کیطرف یہ وقت حقیقت میں بڑے خوف کا ہے جس سے کسیکی بھی عقل درست نہ رہے گی۔

حضرت حسن بیان کرتے ہیں (ابوداؤد) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد تین مقام پر اپنے

گھروالوں کو آخرت میں یاد کریں گے ایک تو اُس وقت جب ترازوئیں کھڑی کی جائیں اور عمل تلنے لگیں یہاں تک کہ آدمی دیکھ لے کہ میری ترازو ہلکی ہوئی یا بھاری اور ایک نامۂ اعمال کے اُڑنے کے وقت حتی کہ اُسے نظر آجائے کہ میرا نامہ داہنے ہاتھ میں آتا ہے یا بائیں ہاتھ میں اور ایک پل صراط پر۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ آدمی کو قیامت کے دن لا کے میزان کے دونو پلڑوں کے بیچ میں کھڑا کر دیں گے اور اُس پر ایک فرشتہ مقرر رہے گا اگر اُس کا پلڑا بھاری ہوا تو فرشتہ پکاریگا کہ فلاں شخص ایسا بخت ہوا ہی کہ کبھی سعید نہ ہوگا اور نیکی کے پلڑے کے ہلکے ہونے کی صورت میں دوزخ کے فرشتے لوہے کے گرز ہاتھ میں لیئے ہوئے اور آگ کے کپڑے پہنے ہوئے دوزخ کے لوگوں کو دوزخ میں لیجائیں گے۔ اور بدی کے پڑلے کے ہلکے ہونے کی وجہ سے پکارے گا کہ تو سعید ہوا۔ اور ایسا سعید ہوا جسے شقاوت پھر نصیب نہو گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالی حضرت آدم کو پکارے گا اور ارشاد کریگا اے آدم کھڑا ہو اور جتنے آدمی دوزخ کے جانے کو ہیں اُنھیں بھیج۔ حضرت آدم کہیں گے الہی وہ کتنے لوگ ہیں۔ اللہ تعالی فرمائیگا۔ فی ہزار نوسو ننانوے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سُنا تو نہایت غمگین ہوئے یہانتک کہ اُنکی صورت سے رقت کے آثار ہویدا ہو گئے۔ جب آنحضرت نے صحابہ کا یہ حال دیکھا تو آپ نے فرمایا (بخاری وسلم بروایت ابوسعید) تم نیک عمل کرو اور خوش ہو۔ اس لیئے قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تمھارے مقابلہ میں وہ مخلوق ایسی ہے کہ اُن سے تم بدرجہا بہتر ہو۔ تم آدم کی اولاد ہو اور وہ شیطان کے بچے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا وہ کونسی قومیں ہیں آپ نے فرمایا۔ یاجوج و ماجوج ہیں۔ یہ سُن کے صحابہ بہت خوش ہوئے۔ پھر آپ نے فرمایا تم عمل کرو اور خوش ہو۔ قسم ہے اُس ذات پاک کی جسکے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے تم لوگ قیامت میں ایسے ہوگے جیسے اُونٹ کے پہلو میں سفید داغ ہوتا ہے یا گھوڑے وغیرہ کی آنکھ میں تل ہوتا ہے۔

خصومت و حقوق

جس شخص پر کسی کے حقوق ہونگے اُسے قیامت کے دن لوگ آگھیریں گے کوئی ہاتھ پکڑے گا کوئی ماتھے کے بال کوئی گریبان۔ کوئی کہے گا تونے مجھپر ظلم کیا۔ کوئی کہے گا تونے مجھے گالی دی۔ کوئی کہے گا تونے میرے ساتھ تمسخر کیا۔ کوئی کہے گا تونے میری غیبت کی۔ کوئی کہے گا تو میرا ہمسایہ تھا مجھے ایذا دی۔ کوئی کہے گا تونے مجھ سے معاملہ میں دغا کی۔ کوئی کہے گا تونے خرید و فروخت میں مجھے لوٹ لیا اور اپنی چیز کا عیب چھپائے رکھا۔ کوئی کہے گا تونے اپنے اسباب کے مول بتانے میں جھوٹ بولا کوئی کہے گا تونے مجھے حاجتمند دیکھا اور باوجودیکہ تو غنی تھا تونے مجھے پیٹ بھر کے کھانا نہیں کھلایا۔ کوئی کہے گا تونے مجھے مظلوم پایا اور گو تو مجھے ظالم کے ظلم سے رہائی دلوا سکتا تھا مگر تونے عمداً درگذر کی۔ حقدار اُس شخص کے جسم میں ناخن گڑائیں گے۔ گریبان ہاتھ سے مضبوط پکڑلیں گے۔ پھر وہ اُن کی کثرت تعداد سے حیران و پریشان ہوگا۔ یہانتک کہ عمر بھر میں جس سے ایک درم کا

معاملہ ہوا ہوگا یا ایک مجلس میں کسی کے پاس بیٹھا ہوگا اور اُس کا حق کسی پر رہا ہوگا یا اُس نے حقیر نگاہ سے کسی کو دیکھا ہوگا سب اُس کے گرد جمع ہوں گے۔ پھر وہ شخص مایوس ہو کے اپنی گردن اپنے خالق برحق کیطرف اس نظر سے کہ وہی اُسکے ہاتھ سے نجات دے اُٹھائیگا اس کے جواب میں آوازِ جبار جل جلالہٗ کی یہ آئیگی الیوم تجزیٰ کل نفس ما کسبت لا ظلم الیوم یعنی اپنے کیئے کا ہر شخص ویسا ہی بدلہ پاویگا۔ آج ظلم نہیں ہے۔ اُس وقت اس مستغیث کا دل مارے ہیبت کے نکل پڑیگا اور اُسے اپنی تباہی کا یقین ہو جائیگا۔

حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا مفلس ہم میں وہ ہے جس کے پاس روپیہ پیسہ اور سامان نہ ہو آپ نے فرمایا مفلس میری اُمت میں سے وہ ہے کہ قیامت کے دن روزہ نماز لیکے آئیگا۔ کسی کو گالی دی ہوگی۔ کسی کو زنا کی تہمت لگائی ہوگی۔ کسی کا مال لیا ہوگا۔ کسی کا خون کیا ہوگا۔ کسی کو مارا ہوگا۔ تو اُسکے کل حسنات اُن سب حقداروں کو جُدا جُدا دیئے جائیں گے اور اگر اُس کے پاس نیکیاں نہ رہینگی اور اُس پر اجر حکم نہوا ہوگا تو حقداروں کی خطاؤں کا بوجھ اُسپر رکھدیا جائیگا۔ پھر دوزخ میں چلا جائیگا۔ قیامت کے دن تمام مخلوق اُٹھے گی۔ چرند پرند۔ کیڑے مکوڑے وغیرہ۔ اور اللہ تعالےٰ کا عدل اس حد تک پوہنچے گا کہ بے سینگ جانوروں کا حق سینگ والے جانوروں سے دلوایا جائیگا۔ پھر فرمائیگا مٹی ہو جاؤ کافر بے ساختہ بول اُٹھے گا کاش میں مٹی ہو جاتا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی انک میت وانھم میتون ثم انکم الی یوم القیامۃ عند ربکم تختصمون یعنی بیشک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں پھر مقرر قیامت کے دن تم اپنے رب کے آگے جھگڑو گے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ گناہوں کے ساتھ کیا ہم پر وہ معاملے بھی اضافہ کیئے جائینگے جو دنیا میں ہمارے آپس میں ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں بے شک یہ معاملے بھی بھگتنے پڑیں گے۔ یہاں تک کہ سب حقداروں کو اُن کا حق دلوایا جائیگا۔ حضرت زبیر نے عرض کیا کہ بخدا پھر تو بڑا سخت معاملہ ہے پس ایسے دن کی کتنی سختی ہے جس میں ایک قدم سے بھی درگزر نہوگی۔ نہ طمانچہ نہ لقمہ اور نہ کلمہ سے چشم پوشی کیجائے گی یہانتک کہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیا جائے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے یحشر اللہ العباد عراۃ عزلا بھما یعنے اللہ تعالیٰ بندوں کا حشر ننگے بے ختنہ مفلس اور غیر مریض حالت میں کریگا عرض کیا بھما سے کیا غرض ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کے پاس کچھ نہ ہوگا۔ پھر اُن کا پروردگار ایسی آواز سے پکارے گا کہ دور اور نزدیک والے سب یکساں سنیں گے اور ارشاد باری تعالیٰ ہوگا میں بدلہ لینے والا شہنشاہ ہوں۔ نہیں ہوسکتا کہ کوئی جنتی اگر اُس پر دوزخی کا کوئی حق ہو بغیر حق ادا کیئے جنت میں جائے نہ کوئی دوزخی دوزخ میں جاسکتا ہے جب تک جنتی کا حق ادا نہ کرے۔ حتیٰ کہ طمانچہ کا بھی ہم نے عرض کیا کہ یہ عوض کس طرح ہوگا ہم تو اللہ تعالےٰ کے حضور بے ختنہ کئے ننگے اور مفلس حاضر ہونگے۔ آپ نے فرمایا نیکیوں اور بدیوں سے عوض دلایا جائیگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ابن ابی الدنیا و حاکم و مستدرک) ایک دن تشریف رکھتے تھے کہ یکایک آپ ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ پر یا رسول اللہ میرے ماں باپ فدا ہوں کس بات سے ہنسی آئی آپ نے فرمایا کہ دو شخص میری اُمت میں سے خدائے تعالیٰ کے آگے دو زانو ہوئے اور ایک نے جناب الٰہی میں عرض کیا الٰہی میرا حق اس میرے ساتھی سے دلا دے خدائے تعالیٰ نے دوسرے سے ارشاد فرمایا کہ اس کا حق دیدے اُس نے عرض کیا۔ الٰہی میرے گناہ اس شخص پر ڈالدے۔ راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رونے لگے۔ پھر فرمایا یہ دن بہت بڑا ہے اُس دن آدمی اس بات کے محتاج ہوں گے کہ کوئی اُنکی طرف سے اُن کے گناہ اپنے ذمہ کر لے۔ پھر فرمایا باری تعالیٰ کا طالب سے ارشاد ہوا کہ اپنا سر اُٹھا کے جنت میں دیکھ اُسنے سر اُٹھایا اور عرض کیا الٰہی مجھے چاندی کے شہر بلند اور سونے کے محل موتیوں میں جڑے معلوم ہوتے ہیں بار خدایا یہ کون سے نبی کے ہیں یا کون سے صدیق کے یا کس شہید کے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ محلات اُسکے ہیں جو ان کا مول ادا کرے اُس نے عرض کیا اُن کے مول کا مالک کون ہے کس سے دیا جا سکتا ہے۔ فرمایا اُن کا مول تیرے پاس ہے۔ عرض کیا وہ کیا ہے فرمایا کہ اپنے بھائی کا حق معاف کرنا۔ اُس نے عرض کیا الٰہی میں نے اُسے معاف کیا حکم ہوا اس کا ہاتھ پکڑ اور جنت میں داخل کر پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اللہ تعالیٰ ایمانداروں میں خوب میل کراتا ہے۔

پل صراط

خدائے تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے فاھدوھم الی صراط الجحیم وقفوھم انھم مسئولون یعنی پھر چلاؤ اُن کو دوزخ کی راہ پر اور کھڑا رکھو اُنھیں اُن سے پوچھنا ہے۔ احوال مذکورہ بالا کے بعد صراط کی طرف لیجا ئینگے وہ ایک پل ہے جو دوزخ کے اوپر بنا ہے تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک۔ پس جو شخص دنیا میں راہ راست پر سیدھا رہے گا وہ آخرت کے پل صراط پر آسانی سے گزر جائیگا اور نجات پائیگا اور جو راہِ مستقیم سے روگردانی کریگا اُسکی پشت گناہوں کے وزن سے بھاری ہوگی وہ پل صراط کے اول ہی قدم میں لغزش کرے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں (بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) پل صراط دوزخ کے بیچ میں رکھا جائیگا اور جو شخص رسولوں میں سے اپنی اُمت کو ساتھ لیکے اُتریگا وہ میں ہونگا اور اُس روز سوائے رسولوں کے اور کوئی نہیں بولے گا اور سب پیغمبر یہی کہتے ہونگے اللھم سلم اللھم سلم الٰہی بچا الٰہی بچا۔ اور دوزخ میں کانٹے سعدان[1] کے کانٹوں کے شکل کے ہونگے۔ بھلا تم نے سعدان کا کانٹا دیکھا ہے لوگوں نے عرض کیا ہاں آپنے

[1] سعدان ایک قسم کی گھاس ہے جسے اونٹ بہت چبا چبا کے کھاتا ہے۔ اُس کا کانٹا سرپستان کی شکل کا ہوتا ہے۔

فرمایا کہ ہوں گے تو اُسی شکل کے مگر کتنے بڑے ہونگے سوائے خدائے تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور وہ آدمیوں کو اُن کے اعمال کے موافق آچھینگے۔ پس بعض تو اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک ہی ہو جائیں گے اور بعض ریخ ریخ کے رائی جیسے ہو جائیں گے اور پھر بچ جائیں گے۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں (بخاری و مسلم باختلاف الفاظ) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی دوزخ کے پل پر گزریں گے۔ اور اُس پر کوکھرو کے کانٹے اور آنکڑے ہونگے کہ لوگوں کو دہنے اور بائیں لپیٹینگے اور اسکی دونوں طرف فرشتے کہتے ہوں گے الٰہی بچا۔ الٰہی بچا۔ پس بعض لوگ تو مثل بجلی کے گزریں گے اور بعضے ہوا کی طرح بعضے دوڑنے گھوڑے کی طرح اور بعضے بھاگتے ہوئے جائیں گے۔ بعضے گھٹنوں کے بل اور بعضے چوتڑیوں چلیں گے اور دوزخ کے لوگ جو اُس میں رہیں گے وہ نہ مریں گے نہ جئیں گے مگر جو لوگ گناہوں اور خطاؤں میں پکڑے جائینگے وہ جلکر مثل کوئلہ سیاہ ہو جائیں گے پھر شفاعت کی اجازت ہو جائیگی۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس حدیث کو ابن عدی اور حاکم نے نقل کیا ہے) اللہ تعالیٰ اگلے پچھلوں غرض سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا۔ چالیس برس تک آسمان کی طرف آنکھیں کیئے کھڑے رہیں گے اور فیصلہ کے حکم کے منتظر رہیں گے۔ اس حدیث کو حضرت ابن مسعود نے ایذا لیعود کے سجدے کے وقت تک بیان کیا اور فرمایا پھر اللہ تعالیٰ مؤمنین کو حکم کرے گا اپنے سر اٹھاؤ وہ سر اٹھائیں گے پس اُنکے اعمال کے موافق نور عطا ہو گا۔ بعض کو تو بڑے پہاڑ کے مطابق نور ملے گا اور اُن کے سامنے سامنے چلے گا اور بعض کو اُس سے کچھ کم ملے گا۔ اور بعض کو خرمے کے درخت کے برابر ملے گا۔ اور بعض کو اُس سے بھی کم یہانتک کہ اخیر ایک شخص کو پاؤں کے انگوٹھے پر نور عنایت ہوگا۔ وہ کبھی تو چمکنے لگے گا اور کبھی گل ہو جائیگا جب چمکے گا تو وہ پاؤں بڑھائے گا۔ اور جب گل ہو جائیگا تو کھڑے کا کھڑا رہ جائیگا۔ پھر پل صراط پر گزرنے کا ذکر فرمایا کہ اپنے نور کے موافق اُس پر گزریں گے۔ بعض تو چشم زدن میں گزر جائیں گے اور بعض بجلی کی طرح اور بعض بادل کی طرح اور بعض ٹوٹتے ہوئے ستاروں کی طرح۔ بعض ہوا کی مانند۔ بعض دوڑتے ہوئے گھوڑے کی مانند۔ بعض بھاگتے ہوئے آدمی کے مانند یہاں تک کہ جس شخص کے پاؤں کے انگوٹھے پر نور ملا ہوگا وہ اپنے منھ اور دونوں ہاتھ پاؤں پر گھسٹتا چلے گا ایک ہاتھ بڑھائے گا تو دوسرا رہجائے گا۔ اسی طرح ایک پاؤں بڑھانے سے دوسرا نہ اُٹھ سکے گا۔ اُسکے دونوں پہلوؤں پر آگ لگتی ہوگی۔ غرض اسی طرح گرتے پڑتے پار ہو جائے گا۔ جب اس آفت سے نجات ملیگی تو وہاں کھڑے ہو کے کہے گا خدا کا شکر ہے مجھے اس طرح نجات دی مجھے اسوقت بچایا جب میں اسکا مزا چکھ چکا۔ پھر اُس شخص کو جنت کے دروازہ کے پاس ایک چشمہ پر لیجائیں گے اور وہاں وہ غسل کرے گا۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں (بیہقی در شعب بسند ضعیف و بروایت زیاد نمیری عن انس بھی مروی ہے اور احمد نے بروایت عائشہ نقل کی ہے اس میں ابن لہیعہ ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ پلصراط تلوار کی تیزی یا دھار کی تیزی کی مثال ہے۔ فرشتے مؤمن مردوں یا عورتوں کو بچاتے ہونگے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام میری کمر پکڑے ہونگے اور میں کہتا ہوں گا الٰہی بچا۔ الٰہی بچا۔ مگر لغزش کرنے والے مرد اور عورتیں

اُس روز بہت ہونگی۔ فقط

یہ حدیثیں جو ہم نے قیامت۔ میزان اور پلصراط کے بارے میں نقل کی ہیں اِن میں سے ایک منصف اور محقق شخص جو نتیجہ نکال سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک خاص سزا کو مختلف طور پر بیان کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ سارے واقعات بطور تمثیل کے بیان ہوئے ہیں۔ اِس سے غرض یہ ہے کہ کوئی خفیف سے خفیف جرم ایسا نہیں ہوگا جسکی سزا وہاں نہ دیجائے۔ بڑی بات جو قیامت کے واقعات بیان کرنے میں مدِ نظر رکھی گئی ہے۔ وہ حق العباد ہے جس مذہب نے ایک ناواجبی طمانچہ کی سزا اور کسی کے مضحکہ اُڑانے کا جرم ناقابلِ معافی رکھا ہو اُس سے زیادہ اخلاق کی تعلیم کون دے سکتا ہے۔ اب صرف ایک بات غور کے قابل ہے اور وہ یہ ہے آیا مردے اپنی قبروں میں سے ان ہی اجسام کے ساتھ اُٹھائے جائیں گے یا اُن کے اجسام دوسرے ہونگے اس کا سر دست حل کر دینا محال ہے۔ ہم خداوند تعالیٰ کو قادر مطلق جانتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ پریشان ذروں کا دوبارہ ایک جگہ جمع کر دینا کچھ زیادہ حکمت نہیں چاہتا نہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے علوم جدیدہ اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز نہ تو فانی ہوسکتی ہے اور نہ اس کرۂ باد سے جو کرۂ زمین کے محیط ہو رہا ہے نکل کے جاسکتی ہے اِس عظیم الشان کرۂ باد میں ہزارہا برس سے رنگ بدلتی رہتی ہے اور یہیں مقید رہتی ہے۔ ظاہر بینوں نے تغیرِ الوان اور ہئیت کا نام فنا رکھ لیا ہے۔ مثلاً ہم نے ایک لکڑی کو جلایا اُس کے ذرے تھے وہ دھوئیں کی صورت میں ہوا میں جا کے مل گئے اور جو ذرے راکھ کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں وہ بھی بجلد یا بدیر کسی دوسری صورت میں جلوہ دیں گے۔ اِس سے علوم جدیدہ یہ حکم لگاتے ہیں کہ دراصل کوئی چیز فنا نہیں ہوسکتی۔ ہاں ہئیت بدلجاتی ہے اور ہئیت بدلجانے کا نام فنا رکھا گیا ہے۔

انسان کی پیدایش پر اگر نظر غائر کیجائے تو معلوم ہوگا کہ بظاہر ایک شخص ایک شہر میں پیدا ہونے سے اُسی شہر کے نام سے منسوب ہوجاتا ہے مگر سے کسی خاص شہر کا کہنا غلطی ہے کیونکہ وہ درحقیقت دنیا کا باشندہ ہے اور اُس کے لیئے دنیا کا باشندہ ہونا زیبا بھی ہے کیونکہ اُسکی زندگی و صحت دنیا کے دور دراز حصص کی اُن اشیا سے بنی ہوئی ہے جو وہ شب و روز اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ وہ چین کے ہندوستان کی آم کھاتا ہے عرب کی کھجوریں بھی استعمال کرتا ہے۔ وہ لندن کی خوردنی اشیا کھاتا ہے۔ وہ ترکی اور روس سے بکثرت اشیاء خوردنی اپنے کام میں لاتا ہے ان سب چیزوں سے اس میں خون پیدا ہوتا ہے اور اُس خون سے پھر دوسرا آدمی اُسی کی پشت سے پیدا ہوتا ہے۔ اب خداوند تعالیٰ کی قدرت دیکھو کہ ایک انسان کو اُس نے دنیا بھر کے مادے جمع کرکے بنایا تو پھر آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب اس میں تمام دنیا کے جوہروں کے جمع کرنے کی قدرت ہی تو یہ قدرت بھی ضرور ہونی چاہیئے کہ جب وہ ذرے جن سے انسان مرکب ہے پراگندہ ہوجائیں تو اُنھیں جب چاہے ایک جگہ جمع کرلے اس میں اس لیئے زیادہ تعجب کی ضرورت نہیں ہے کہ روزمرہ ہماری آنکھوں کے آگے یہ تماشا ہو رہا ہے۔

اب یہ امر کہ قیامت کی کوئی مدت قرار دینا اور صور کی بابت بحث کرنا فضول ہے۔ دنیا کی تاریخ اور علمِ ہئیت

سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ موجودہ دنیا ایک نہ ایک دن مٹ کے رہے گی۔ صور کا پھکنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کے ناپید ہونے سے ایک زلزلۂ عظیم پیدا ہوگا جس کا اندازہ کبھی نہیں ہوسکتا یہاں بھی صرف الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ مسلمان صور کہتے ہیں۔ علوم جدیدہ کے ماہر دمدار ستارہ سے ٹکرانا بیان کرتے ہیں۔ غرض خاتمۂ دنیا دونوں خیالات کے بموجب مسلم ہے۔ صرف تبدیل الفاظ پر گفتگو کرنی اور کسی خاص محاورہ پر مضحکہ اُڑانا شانِ تحقیق و تصنیف سے مستبعد ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ ہم قوانین قدرت کی الف بے تک ابھی نہیں پہنچے۔ علوم جدیدہ کے اصول کی روز بروز تبدیلی اس امر کی شہادت ہے کہ اصلی معاملہ ابھی ہم سے بہت دور ہے۔ زلزلہ یا بھونچال ایک معمولی بات ہے۔ اُس کے سبب حدوث کو علوم جدیدہ ابھی تک نہیں پہنچے اور روزمرہ نئے نئے اُصول بنائے جاتے ہیں اور روزمرہ پھر اُن میں ترمیم ہوتی ہے۔ علوم جدیدہ کا باوا آدم سر اسحٰق نیوٹن صاف طور پر اقرار کرتا ہے کہ قوانین قدرت کا جسقدر علم ہمیں ہے اسکی بعینہٖ یہی مثال ہے کہ ہم ایک بحرِ بے پایاں کے کنارے تک پہنچے ہیں اور اُسے عبور کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یہ تو خدا جانتا ہے کہ خیر میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے مگر زمانہ کی موجودہ حالت سے صاحب بصیرت یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جن اصول کے قائل اور ماننے والے ابتدائے دنیا سے کروڑوں آدمی چلے آتے ہیں اُن اصول کو شکست دینا ایک بڑا کام رکھتا ہے اور علوم جدیدہ کی بساط سے باہر ہے۔ جب تک علوم جدیدہ اپنی کوئی خاص صورت پیدا نہ کرلیں گے جبتک اُن کے اُصول کسی ایک خاص بنا پر قائم نہو جائیں گے۔ وہ قدیمی مسلمہ اصول سے جو مستحکم و قائم ہیں کبھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ برسر آنا اور فتح پانا تو کجا۔

ابھی بہت سے راز ہیں جن کا پتہ ہمیں نہیں لگا۔ ہم ہی میں ہزاروں اسرار ہیں جن کی کنہہ کو یورپ کی طبّی تحقیقات نہیں پہنچی۔ انسان کی قدر و منزلت کا ابھی تک بیسواں حصہ بھی نہیں جانا گیا۔ جو کچھ پیغمبران ادیان نے فرمایا ہے اُنھیں غلط بتا کے نئے اصول اُنکی جگہ قائم کرنے کا حوصلہ ابھی تک ہم میں پیدا نہیں ہوا اسوقت علوم جدیدہ کے بڑے سے بڑے ماہر اور ایک وحشی کے خیالات کی ایک حالت ہے۔ وحشی بھی روز جزا کو نہیں مانتا اور آخرت کا قائل نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی دائرہ میں ہیں۔ اور اس صورت سے دونوں پر ایک ہی حکم عائد ہوسکتا ہے۔ مذہب نے ان دونوں کے خیالات میں ایک محاکمہ کیا ہے اور وہ ایک ایسا اصول قائم کرتا ہے جس کا ماننا ہزارہا بُرائیوں سے بچاتا ہے اور جس کا نہ ماننا مہلک ثابت ہو چکا ہے۔

وحشی اور علوم جدیدہ کا ماہر موت کو زندگی کا اختتام سمجھتا ہے مگر ایک مذہبی شخص اس جسم خاکی کے برباد ہونے پر کائنات کے لب لباب یعنی انسان کو ہمیشہ کے لیئے معدوم نہیں تسلیم کرتا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وحشی کا خیال گویا پہلی سیڑھی تھی اور دوسری سیڑھی وہ ہے کہ انسان کی آیندہ زندگی لازمی ہے جوں جوں انسان نے ترقی کی اُسکے خیالات شایستہ اور مہذب ہوتے گئے اور اُسے گوارا نہوا کہ وہ انسان جیسی اشرف المخلوقات کو اس آسانی سے برباد ہونے دے اور بھی ہمیشہ کے لیئے کہ پھر مثل چوپایوں کے اسکا نام و نشان تک نہ رہے۔ قیامت کا وہ بیان جو قرآن شریف میں ہوا ہے اور وہ ذکر جو احادیث نبوی میں آیا

ہے اُس سے صرف ایک ہی مفہوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اُنکے اعمال کی سزا دیجائیگی اور جو کچھ اُنھوں نے کیا ہے خواہ بھلا یا بُرا اُس کا نتیجہ اُنھیں بھگتنا پڑے گا۔

اگر تھوڑی دیر کے لیئے ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ یہ باتیں ناممکن الوقوع ہیں تو پھر عالم کا وہ انتظام جو اُسکے سہارے سے چل رہا ہے کتنی جلدی درہم وبرہم ہو جائیگا۔ ایسے خیالات بالخصوص اُن ہی چند افراد کے لیئے سزاوار ہیں جو اپنی نیکنامی یا دولتمندی کے خوف سے بیجا افعال کرنیکی جرأت نہیں کرتے مگر تھوڑی دیر کے لیئے تسلیم کرلو کہ مشرق ومغرب عوام الناس کے بھی یہی خیالات ہوجائیں اسوقت دنیا کی کیا حالت ہو اور یہ انتظام جو بظاہر تلوار کے زور سے ہورہا ہے کیونکر سلامت رہے اس سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ قوانین قدرت یہی چاہتے ہیں کہ عام طور پر ایسے ہی خیالات ہوں اور لوگ ضرور آخرت پر ایمان رکھیں۔ قوانین قدرت کا ایسا منشا ہونا خدا کا منشا ہے جب خدا کا منشا ہے تو جو کچھ قرآن مجید اور الہامی کتابوں میں آخرت کے لیئے ظاہر کیا گیا ہے خدا کا کلام ہے جب یہ مسلم ہے کہ قوانین قدرت کی خلاف ورزی ہمیشہ ہلاکت کی باعث ہوتی ہے اسی لیئے آخرت کے خیالات سے دست بردار ہونا دنیا میں ہلاکت کا باعث ہے آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا خیال کچھ موجودہ زمانہ میں علوم جدیدہ نے ایجاد نہیں کیا ہے بلکہ کئی ہزار برس پہلے بہت سے حکمائے یونان مثلاً حکیم زینو اور حکیم اپیکیورس وغیرہ کا بھی یہی خیال تھا جن کا نام ونشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ اور جنھیں چند فلسفی یا قدیم فلسفہ پڑھنے والے طلبہ جانتے ہیں۔

بہرحال بحیثیت ایک مسلمان ہونیکے نہیں بلکہ بحیثیت ایک سائنس دان اور علوم جدیدہ سے ماہر ہونے کے ہمارا یہ خیال ہے کہ قیامت کے حدوث کا انکار ہم اس لیئے نہیں کرسکتے کہ ہمارے لیئے اُس کا یقین کرنا لازمۂ قوانین قدرت ہے اور ہم قوانین قدرت سے انحراف کرنے والے کو انسان نہیں سمجھتے۔ اگرچہ وہ انسان کی سی شکل وصورت کیوں نہ رکھتا ہو۔

اے برگزیدہ مخلوق خدا تیرا ایک ایک قول ہزار حکمار کے مجموعۂ اقوال سے بدرجہا بہتر ہے۔ تیری ایک ایک بات میں وہ وہ باریکیاں بھری ہوئی ہیں کہ اُنکے قریب عقل جسقدر پہنچتی جائے گی وہ دور ہوتی جائیں گی۔

اے ہاشمی قریشی نبی تیری حکمت کو وہی پہچان سکتا ہے جس کا دل اور آنکھیں تجلیات ربانیہ سے منور ہیں تیری ذات اقدس واطہر عالم کے لیئے رحمت ہے۔

اے انبیائے سابقین کے سچے محسن تیری عاقلانہ ہدایتوں کا ظہور روز بروز ہوتا جاتا ہے آج ½ دنیا تیرے نام کو بلند آوازی سے پکارتی ہے۔ تیرا اسلام اب بھی زندہ وتوانا ہے اور اُس میں خاطر خواہ نمو کی قوت موجود ہے۔ تیرا پاک دین علوم جدیدہ کو جس کے ساتھ اب وہ دست وگریبان ہو رہا ہے ایک دن فاش شکست دیگا۔ تیرے نام کا جلال ابد تک قائم رہے۔ آمین

پانچواں باب

الہام اور وحی

الہام اور وحی کی بحث جسقدر مفید اور ضروری ہے اسی قدر اہم اور پیچیدہ ہے مگر ہم اُسے ایک حد تک سُلجھانے کی کوشش کرینگے اور اس خاص مسئلہ کو اپنی بساط کے موافق حل کریں گے شاید ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوں اور اپنی تفسیر کے ناظر کا ایک حد تک اطمینان کر سکیں۔

پہلے ہم الہام پر بحث کرتے ہیں جس پر اسلام کے ایک بڑے گروہ کا دارومدار ہے اکثر اولیاء اللہ کی حکایات خاص الہام کی نسبت بہت کچھ سنی جاتی ہیں جن میں بیان ہوا ہے کہ اُنکی ہدایات کا اکثر حصہ اور ارشادات کا بڑا جزو الہام سے مملو ہوتا ہے عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بغیر وسیلہ فرشتہ جو چیز بے خیالی میں محض بنظر تائید کسی خاص برگزیدہ بندہ کے دل میں خدا کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اُسے الہام کہتے ہیں۔ وہ برگزیدہ شخص اس الہام سے بڑے بڑے کام لیتا ہے چھپی ہوئی باتیں بعض اوقات بتا دیتا ہے۔ اور لوگوں کے اُن سوالات کے جواب دیتا ہے جو اپنی کسی دنیاوی یا دینی ضرورت کے لیے کرتے ہیں۔ اسی الہام نے اسلام میں اولیاء کرام کی مسلمانوں سے بے حد توقیر کرائی اور بعض معتقد تو اسقدر بڑھ گئے کہ اُنھوں نے اپنے پیر کو اسلام میں ایک اعجوبہ شخص سمجھ لیا۔ اس الہام نے اگرچہ ایک حد تک بہت کار نمایاں کیئے مگر بعض صورتوں میں اس کا اثر عوام جہلا کے لیے سم قاتل بن گیا! ایک تو وہ برگزیدہ گروہ ہے جن کی نسبت یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اُنھیں الہام ہوتا ہوگا اس گروہ نے کوئی بیّن خرابی اعتقادات اسلام میں پیدا نہیں کی۔ دوسرا وہ گروہ ہے کہ جس نے اپنے کو صاحب الہام محض دنیا طلبی کے لیے بنایا اور خدا کی ہزارہا مخلوق کے دلوں میں نئے وسوسے اور خدشے قائم کر دیئے اور اُنھیں کہیں کا بھی نہیں رکھا۔ اُنکی بعینہٖ یہی مثل ہوئی "نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے"

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ الہام چیز کیا ہے یا با لفاظ دیگر الہام کسے کہتے ہیں۔ یہ تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ الہام کا لفظ قرآن مجید میں صرف ایک جگہ آیا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے فالھمھا فجورھا وتقوٰھا اِس کے سوا تمام قرآن مجید میں الہام کا لفظ ہی نہیں آیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے الہام کا ترجمہ ندا خت کیا ہے مگر حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے الہام کا ترجمہ "ڈالی" یعنی انداخت کیا ہے اور حضرت شاہ عبد القادر صاحب نے اِس کا ترجمہ (سمجھ دی) کیا ہے۔ درحقیقت یہ سب ترجمے حاصل بالمعنی ہیں۔

لھم اور الہام کے معنے دراصل نگلنے اور نگلوانے کے ہیں چنانچہ قاموس میں یہی معنی لکھے ہیں لھمہ لھما وتلھمہ والتھمہ ابتلعہ بمرۃ یعنی ایک ہی دفعہ میں اُسکو نگل گیا۔ یہانتک تو لغت کی تحقیق ہوئی اب دیکھنا چاہیئے

کہ تفسیر کبیر میں ہمارے امام فخرالدین رازی کیا لکھتے ہیں - امام صاحب تحریر فرماتے ہیں دراصل الہام کے معنی عربوں کے اِس قول سے پائے جاتے ہیں لھم الشئ والتھمۃ اذا ابتلعہ والھمت ذالک الشئ ای ابلعتہ یعنے جب کوئی شخص کسی شے کو نگل جائے تو کہتے ہیں لھم الشی یا کہتے ہیں التھمت اور جب کوئی چیز کسی کو نگلائی جائے تو کہتے ہیں التھمت ذلک الشئ اس سے آگے امام صاحب تحریر فرماتے ہیں یہ تو اصلی معنی تھے پھر اس کا استعمال اس پر ہوگیا جو اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں ڈالتا ہے کیونکہ وہ بھی بمنزلہ نگلادینے کے ہے جیساکہ وہ فرماتے ہیں ثم استعمال ذلک فیما یقتنہ اللہ تعالیٰ فی قلب العبد لانہ کالابلاغ قاموس میں بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہے الھمۃ اللہ خیرا یعنی اللہ نے اُسے نیکی سجھائی - واحدی کا قول ہے التعلیم والتعریف والتبیین غیرو الالھام غیر فان الالھام ان یوقع اللہ فی قلب العبد شیئا یعنی سکھانا اور بتانا اور بیان کرنا دوسری چیز ہے اور الہام دوسری چیز ہے کیونکہ الہام وہ ہے جو اللہ کسی بندے کے دل میں کوئی چیز ڈالدے

حضرت امام غزالی رح نے اپنی بے نظیر کتاب "احیاء العلوم" میں الہام کی بابت بڑی تفصیل سے بحث کی ہے جس کا خلاصہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں امام صاحب فرماتے ہیں "جو علم بدیہی نہیں اور دل میں کبھی کبھی آتے ہیں ان کا دل میں آنا کئی طرح ہوتا ہے - کبھی تو وہ دل میں اس صورت سے آتے ہیں گویا بیخبری میں کسی نے دل میں ڈالدیا - کبھی بطریق تعلم و استدلال کے حاصل ہوتے ہیں پس جو علم کہ بغیر اکتساب اور دلیل کے حاصل ہوتے ہیں اُنھیں الہام کہتے ہیں اور جو استدلال سے حاصل ہوتے ہیں انھیں "اعتبار اور استبصار" بولتے ہیں - پھر علم اول کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ بندے کو یہ خبر نہو کہ علم مذکور کہاں سے اور کس طرح حاصل ہوا اسکو تو الہام اور نفث فی القلب کہتے ہیں اِسکی خصوصیت اولیا اور اصفیا کے لئے ہے دوسرے یہ کہ جس ذریعہ سے وہ علم حاصل ہو وہ بندے کو معلوم ہوجائے یعنی وہ فرشتہ جو دل میں ڈالتا ہے نظر آجائے اُسکو "وحی" کہتے ہیں اور یہ انبیا کے لئے مخصوص ہے اور علم جو استدلال اور اکتساب سے ہوتا ہے وہ علماء کے لئے مخصوص ہے اور اصل یہ ہے کہ خود قلب میں اس امر کی استعداد فطری طور پر ودیعت ہوئی ہے کہ امر حق معلوم ہوجائے مگر وہی پانچ وجہیں جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے کشف سے مانع ہوتی ہیں تو گویا یہ چیزیں آئینہ قلب اور لوح کے بیچ میں حجاب ہوجاتی ہیں - لوح محفوظ وہ ہے جس پر تمام شدنی امور قیامت تک کے منقوش ہیں - لوح محفوظ سے حقائق علوم کا قلب پر جلوہ گر ہونا جیساکہ ایک آئینہ کا عکس دوسرے آئینہ محاذی میں معلوم ہوتا ہے اور جس طرح کہ دونوں آئینوں کے درمیان کا حجاب کبھی ہاتھ سے سرکا دیتے ہیں اور کبھی ہوا سے سرک جاتا ہے اسیطرح کبھی نسیم الطاف یزدانی چلتی ہے اور قلب کی آنکھ کے سامنے سے پردہ سرک جاتا ہے تو بعض چیزیں جو لوح محفوظ میں مسطور ہیں نظر آنے لگتی ہیں اور یہ امر کبھی تو خواب میں ہوتا ہے کہ اُس سے مستقبل کا حال معلوم ہوجاتا ہے اور بالکل حجاب کا مرتفع ہونا موت پر موقوف ہے - کیونکہ موت کیوجہ سے انکشاف تام حاصل ہوجاتا ہے اور کبھی بیداری میں ہوتا ہے کہ حجاب کے اُٹھتے ہی پردہ غیب سے علوم کی عجیب وغریب باتیں دل پر منکشف ہوجاتی ہیں مگر یہ انکشاف بعض اوقات پے درپے ایک حد تک گزرتا رہتا ہے اور اُس کا دائمی ہونا نہایت قلیل ہے کہ الہام اور اکتساب میں نہ تو نفس علم میں فرق ہے نہ محل اور سبب میں

بلکہ اگر کوئی فرق ہے تو صرف حجاب کے زائل ہونے کا فرق ہے جو بندہ کے اختیار میں نہیں صرف اتنا فرق ہو کہ وحی میں وہ فرشتہ جو ذریعہ علم کا ہوتا ہے نظر آتا ہے اور علم جو دلوں میں حاصل ہوتا ہے وہ بھی فرشتوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے جیسا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء یعنی اور کسی آدمی کی حد نہیں کہ اُس سے باتیں کرے اللہ مگر اشارے سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی پیغام لانے والا بھیجے پھر جو چاہے حکم اُسے پہنچا دے۔ اب اس بات کا جاننا ضروری ہے کہ اہل تصوف علوم الہامی کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں مگر علوم تعلیمی کی طرف اُن کی توجہ مائل نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ مصنفین زمانہ کی کتابیں نہیں دیکھتے اور نہ ادلہ سے بحث کرتے ہیں بلکہ اُن کا یہ قول ہو کہ اول خوب مجاہدہ کرنا چاہیئے اور صفات ذمیمہ اور تمام علائق کو قطع کرکے بہمہ تن اپنی ہمت کو خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا چاہیئے اور جب یہ بات حاصل ہو جائیگی تو خدا تعالیٰ خود اپنے بندہ کے قلب کا متولّی اور متکفل ہو جائیگا۔ اور جب وہ متولّی ہوگا تو اُس پر سایۂ رحمت کریگا۔ قلب میں نور چمکنے لگے گا۔ سینہ کھلجائیگا اور سرّ ملکوت اُس پر ظاہر ہوگا۔ قلب کے آگے سے حجاب دور ہو جائے گا۔ اُمور الٰہیہ کے حقائق اُس میں روشن ہو جائیں گے انبیا اور اولیاء کے دل پر جو صدہا اسرار منکشف ہو جاتے ہیں اور دلوں پر نور پھیلجاتا ہے وہ تعلیم اور نوشت و خواند کتب سے نہیں ہوتا بلکہ دنیا میں زہد کرنے اور علائق سے منقطع ہونے اور علائق دنیاوی سے فارغ البال ہونے اور اپنی تمام ہمت متوجہ الی اللہ کرنے سے ہوتا ہے۔ فقط

یہ تقریر ہے جو ہمارے بزرگ اور واجب الاحترام امام نے الہام کی بابت کی ہے۔ ابھی ہم اس پر کچھ اپنی رائے نہیں دیتے اور چند علماء کا قول بابت الہام کے نقل کرتے ہیں پھر بالتفصیل اُس پر اپنی رائے ظاہر کریں گے

علامہ مرتضیٰ حسینی نے تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے کہ الہام وہ چیز ہے جو بطور فیض کے دل میں ڈالا جائے اور اللہ اور ملأ اعلیٰ کی طرف سے مختص ہو۔ الہام کے معنی کسی چیز کے دل میں پڑنے کے بھی کہے گئے ہیں جس سے دل میں طمانیت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ بندوں کو الہام سے مختص کرتا ہے اسکی عربی یہ ہے الالهام ما یلقی فی الروع بطریق الفیض ویختص بما من جهة الله والملأ الاعلی ویقال ایقاع شیئ فی القلوب لیطمئن له الصدر یخص الله به بعض اصفیائه

واحدی کا قول ہے کہ الہام وہ چیز ہے جو اللہ کسی بندہ کے دل میں کوئی چیز ڈالدے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں کہ شرح صدر کے لیئے قانون تجویز کرنے میں اصحاب طریقت کے مختلف قول ہیں مگر خدا نے مجھے الہام کیا ہے کہ جو طریقہ سلوک مجھے عطا ہوا ہے وہ طریقوں کا قریب ترین طریقہ ہے۔ اُنکی عربی عبارت یہ ہے افترق اصحاب الطریق فی تقنین قانون شرح الصدر علی اقوال شتی اما انا فلهمنی الله سبحانه انی اعطیتک طریقا من السلوک هو اقرب الطرق واوثقها"

شاہ صاحب ممدوح ایک مقام پر اعمال علوی و تسخیر کواکب و روحانیات کی نسبت تحریر فرماتے ہیں مجھے الہام ہوا کہ جو کوئی ان اصول کو جو میں نے بیان کیئے ہیں جان لیگا وہ عالموں کی دعوت کرنے کی تمام باتوں کو

جان لے گا۔

ہمارے شاہ صاحب نے ایک اور عجیب و غریب الہام اپنا تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے "بسرم در دادند کہ ایں نقیر را بہر دم برساں کہ ایں فقیر السنہ شتی دارد بیک لسان ولی اللہ بن عبد الرحیم ست و بدیگرے انسان است و بدیگرے نامی و بدیگرے جسم و بدیگرے جوہر و بلسان آخر ست و باعتبار آں لسان ہم حجرم و ہم شجرم ہم فرس ہم فیل و ہم غنم۔ تعلیم اسما مر آدم را من بودم و انچہ بر نوح طوفان شد و سبب نصرت او شد من بودم و انچہ بر ابراہیم گلزار گشت من بودم۔ توریت موسیٰ من بودم۔ احیار عیسیٰ را من بودم۔ قرآن مصطفٰے من بودم۔ والحمد للہ رب العٰلمین۔"

ایک اور مقام پر حضرت شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں "میں نے روح کی طرف اور باریتعالٰی کے استغراق کی طرف جو غیب کے پردوں سے بھی اُدھر ہے توجہ کی مجھے اُسکے حضور سے عجیب خطاب کیا گیا مجھے کہا گیا انسان کو واجب ہے کہ حضور میں اُسکی توجہ اور استغراق لوگوں کی توجہ اور استغراق کے مانند ہو میں سمجھا کہ یہ اشارہ اجنّہ کی حقیقت کی طرف ہے"۔ فقط

اِس تمام بحث اور علمار کے اقوال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ الہام کیا چیز ہے اور آیا وہ خاص مسلمانوں ہی سے تعلق رکھتا ہے یا غیر اسلام کو بھی ہو سکتا ہے۔ ہم اس پر بحث کرنا چاہتے ہیں اور اس مشکل مسئلہ کو ایک حد تک سلجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدا ہمیں توفیق دے اور ہم اپنے کام میں کامیاب ہوں۔

الہام کی تعریف تو یہی ہے کہ ایسا خیال دل میں گزرے جس کا اُس سے پہلے کبھی سان و گمان بھی نہ ہو اس لحاظ سے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں کوئی انسان خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو ایسا نہیں ہے جسکے دل پر پے درپے ایسے خیالات نہ گزرتے ہوں جن کا اُسے پہلے وہم و گمان بھی نہ ہو اور اُسکے خیالات یا الہام ہمیشہ اُس سے دست و گریبان نہ ہوتے رہیں۔ انسان کی حالت پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اسکی قوت متخیلہ ہر وقت اُس کے آگے نئے نئے اور اعجوبہ عالم بنا کے کھڑے کر دیتی ہے۔ لیکن یہ اعجوبہ عالم خاص اُس کے مذاق سے بہت کچھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً ایک مصور کو ہمیشہ تصویر ہی کے متعلق الہام ہوگا اور ایک بادشاہ کا الہام ہمیشہ امور سلطنت اور ملک گیری سے تعلق رکھے گا۔ اسی طرح ایک صوفی کا الہام ربانی مدارج کی ترقی اور تنزل پر موقوف ہے۔ دماغ یا ضمیر انسانی انسان کی رہنمائی اُسی پر کریگا جسپر وہ چل رہا ہے۔ ایک خستہ جگر عاشق کے مجروح قلب پر جو الہام ہوگا اُس کا یہی مفہوم پیدا ہوگا کہ اُس کا معشوق فلاں وقت آکے اُس سے ملجائیگا اِس سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ الہام خواہ صوفی کا الہام ہو یا مصور کا یا بادشاہ کا یا خستہ جگر عاشق کا دوسرے شخص کے مطلب کا نہیں ہوتا۔ یہ ضرور ہے کہ جسے الہام ہوا ہو اسکی تسکین ہو جائے یا بالفاظ دیگر اُسے قلب مطمئنہ حاصل ہو جائے کسی ایسی بات کا دل میں پیدا ہونا جسکی طرف کبھی ذہن نہ گیا تھا یہ حکم رکھتا ہے کہ ایک پوشیدہ اور رازدارانہ قوت کیوجہ سے اُسے تحریک ہوئی۔ پس یہ خیال اُسکے لیے ایک کافی سرمایہ آسائش و راحت کا پیدا کر دیتا ہے۔ ہمارے واجب الاحترام امام غزالیؒ کا یہ تحریر فرمانا کہ دنیاوی معاملہ سے قطع تعلق کرنے کے بعد جب ضمیر انسانی خدائے واحد کی جانب متوجہ ہوتا ہے تو غیب کے اسرار اُس پر کھلجاتے ہیں اور وہ حجاب جو عبد اور

معبود کے درمیان ہو اُٹھ جاتا ہو ایک عجیب بات ہو۔ اگر ہم فرض کرلیں کہ ایسا ہو سکتا ہو تو ایسے بے تعلق ہونے اور ربانی مدارج پر پہنچنے کا فائدہ سوائے اُس نفس کے اور کسے پہنچ سکتا ہے۔ یہ ایسی بات ہو جو صریح قوانین قدرت اور منشاے باریتعالیٰ کے خلاف پڑتی ہو۔ تعلقات دنیا سے کوئی نبی نہیں بچا۔ ہمارے ہادی برحق حضور انور احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم باوجود ختم رسل مفخر انبیا ہونے کے بھی اُمور دنیا کی اصلاح کی طرف متوجہ رہتے تھے اور کبھی کوئی لمحہ آپ کا ایسا نہوتا تھا کہ آپ مسلمانوں کی بہتری اور فلاح کی تدابیر نہ سوچی ہوں گھر لیے گھر آپ ہوئے۔ کفار مکہ نے نہایت نا انسانیت اور سنگدلی سے جلاوطن آپ کو کیا مختلف لڑائیاں آپ نے لڑے سفارتیں آپ نے شاہان مشرکین کے پاس بھیجیں۔ لاکھوں نصایح نشست و برخاست اور تمدن اسلامی کے بارے میں آپ نے فرمائیں جو کتب احادیث میں بھری پڑی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا کی ⅓ آبادی کلمہ طیبہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

پڑھتی ہے اگر آپ کسی گوشہ میں بیٹھ جاتے اور مجاہدے فرمایا کرتے تو اسلام کا کوئی نام بھی نجانتا اور آج ایک پیشانی بھی ایسی نہ ملتی جو خدائے واحد کے حضور جھکتی دکھائی دیتی۔ صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ ہماری پیدایش کی غایت کیا ہے؟ اور کیا ہم دنیا میں اسی لیے پیدا ہوئے ہیں کہ صرف اپنی ذات کے لیے بہت کچھ سامان کرلیں ملاءِ اعلیٰ میں جا ملیں اور اپنے خالق کے برحق دین کی تمام عمر کچھ خدمت نہ کریں اُسکی مخلوق سے اس طرح بھاگیں جیسے کوئی بُری چیز سے بھاگتا ہو اور ذرا بھی اُسکی مدد نہ کریں۔

ہم صرف الہام کو تخیل کی بلند پروازی سمجھتے ہیں اگرچہ ایسے تخیل کی ہم قدر کرتے ہیں کیونکہ ہمیں معلوم ہو کہ جب اِس تخیل نے شجاعان عرب کو اُبھارا ہے تو چشم زدن میں زمانہ کی ہوا بدل گئی ہے۔ کام کرنیوالے کا الہام یا تخیل گوشہ نشین کے الہام یا تخیل سے بدرجہا بہتر اور شریف ہو۔ حضرت امام بخاریؒ کا الہام جو انھیں احادیث جمع کرنے کا ہوا صوفی کے اُس الہام سے بہتر ہے جو اُسے ملاءِ اعلیٰ میں شامل ہو جانے کا ہوتا ہو ہم نے مانا اور تسلیم کیا کہ صوفی کو ربانی مدارج میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ حاصل ہو گیا مگر مخلوق خدا اور دین خدا کا اُس سے کیا فائدہ ہوا اِسکی مثال تو بالکل اُس شخص کی ہو جس نے تمام عمر دنیا میں آکے دولت کمائی اپنے لیے ہزاروں لاکھوں روپیہ صرف کیا مگر ایک پیسہ کا بھی کسی کو اُس سے فائدہ نہیں ہوا۔ اُس کا دنیا میں ہونا نہونا یکساں ہو۔ ہم اُس الہام کی قدر کرتے ہیں جو حضرت فاروق اعظم کو فتح ممالک اور اشاعت اسلام کا ہوا تھا جس سے آج ہندوستان جیسے دور و دراز ملک میں سلطنت جاتی رہنے کے بعد بھی اسلام دکھائی دیتا ہے۔ ہم صوفیوں کی دل سے توقیر کرتے ہیں ہمیں اُنکی منکسرانہ طبیعت میں اخلاق محمدی کا رنگ معلوم ہوتا ہو ہمیں اُن کا قلب مطمئنہ دیکھ کے حد سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہو مگر جو گہری بات دیکھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اُن کا الہام جب وہ ملاءِ اعلیٰ میں جا ملیں دین خدا اور مخلوق خدا کو کیا فائدہ دے سکتا ہے۔ کس صوفی کے الہام نے جب وہ ملاءِ اعلیٰ میں جا ملا اسلام کی نازک حالت میں مدد کی ہے؟ اُندلس برباد ہو گیا۔ بغداد ہلاکو خاں کی تلوار سے خون میں نہا گیا۔ ہندوستان ہاتھ سے نکل گیا مگر کوئی صوفی ایسا نہوا جو کچھ بھی مدد کرسکے۔ صوفی اور اُن کا الہام صرف اسیقدر تعظیم کے لائق ہے جیسے

ایک دولتمند کی دنیا میں خواہ مخواہ تعظیم کی جاتی ہے۔ اگرچہ تعظیم کرنے والوں کو درحقیقت اُس سے کوئی بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ اب یہ بات کہ خداوند تعالیٰ اپنے خاص بندوں سے باتیں کرتا ہے نہایت صحیح ہے خدائے تعالیٰ کی اپنے بندہ سے باتیں کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اُس کے عام کام جن میں اصلاح و فلاح دین و دنیا مضمر ہے برابر اُس کے خیالات کے مطابق پے درپے نتیجہ بخش ثابت ہوتے رہیں ایسے لوگوں کی خود روح القدس مدد کرتی ہے اور ایسی حالت میں جو کچھ خیالات اُسکے ضمیر میں پیدا ہوتے ہیں وہ محض بتائید روح القدس پیدا ہوتے ہیں۔ اور چونکہ روح القدس کی تائید خدا کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے اُن خیالات کو خدا کی طرف سے سمجھ لینا غلطی نہیں ہے تو بھی ہم اُن کی عجیب و غریب حالتوں سے انکار نہیں کرتے جس کا بیان ہمیں بالتفصیل صوفیوں کی کتابوں میں ملا ہے اور جن کا مختصر اشارہ حضرت امام غزالی رحہ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے کیا ہے۔ آخرالذکر فاضل نے جو یہ لکھا ہے کہ میں سب کچھ تھا میں ہی قرآن تھا اور میں ہی توریت تھا وغیرہ وغیرہ یہ باتیں گو بظاہر ناممکن الوقوع ہوں گی مگر غور کرنے کے بعد معلوم ہو جائیگا کہ دل میں ایسی باتوں کا ظہور رہنا علوئے روحانیت کی دلیل ہے اور ہم کو اُن الفاظ پر بھی تعجب نہ کرنا چاہیئے۔ انسان کی اصلی حقیقت سے کہ فطرت نے اُس میں کیا کیا جوہر پوشیدہ کئے ہیں ہنوز کوئی واقف نہیں ہوا ہے نہ علوم قدیمہ سے اس کا پتہ لگ سکا نہ علوم جدیدہ نے اُن جوہروں کے پتہ لگانے میں کامیابی حاصل کی۔ ممکن ہے کہ صدہا برس گزرنے کے بعد شاید اُن چھپے جوہروں تک کوئی پونہچ سکے۔ فی الحال ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ موجودہ فلسفہ کے پہلو پر انسان کی بابت کچھ بحث کریں جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ صوفیہ نے عجائبات قلبی کا جو بیان کیا ہے اُس میں ذرہ بھر بھی مبالغہ نہیں کیا عقل جان سکتی ہے کہ وہ بیان محض محدود اور معینہ الفاظ کے دائرہ سے نہیں نکل سکتے اور الفاظ کی یہ کیفیت ہے کہ اُس سے ہم اُن سے کوئی معمولی حالت ضمیری بھی نہیں بیان کر سکتے۔ پھر ہم کیونکر بزرگان دین صوفیائے کرام کی اس گوناگوں قلبی حالت کو سمجھ سکتے ہیں جو اُنھوں نے بیان کی ہے۔ بہرحال ہمارے ذیل کے بیان سے جو ہم انسان کی بزرگی کا کریں گے ایک حد تک اُن عجیب غریب اقوال اور عجائبات قلبی کی جو ظاہرا طور پر قابل مضحکہ سمجھے جاتے ہیں تصدیق ہو جائیگی۔ اور سمجھ میں آجائے گا کہ انسان کی بزرگی خیال سے بھی بلند ہے اور اُسکی کسی ایسی صفت پر جو اپنی سمجھ میں نہ آئے خندہ زنی کرنی ناجائز اور خلاف عقل ہے۔

انسان کائنات کے سر پر کھڑا ہوا ہے ہم اُس عجیب جلال اور بزرگی کا جو اُسکی ذات میں خدائے برحق کی طرف سے ودیعت کی گئی ہے ایک ناقص خیال لا سکتے ہیں۔ ہم صرف اُسکی ظاہری حالت کی رطب اللسانی کرتے ہیں ہمیں اُس کے اندرونی جوہروں کا شمہ برابر بھی علم نہیں ہے۔ مثلاً ہم نے گلاب کے درخت کی شاداب شاخیں سبز پتے اور کٹوروں سے کھلے ہوئے پھولوں کو دیکھ کے تعریف کردی مگر اُس بیج کی ماہیت پہچاننے میں قاصر ہیں جس سے یہ درخت بنا۔ جب ہم اُن فطری قوتوں کا خیال کرتے ہیں جو انسان کی ذات میں ودیعت ہوئے ہیں اور جسکی ساخت صرف ایک قطرہ سے ہوئی ہے جو بظاہر ایک بے وقعت چیز ہے تو اور بھی ہمارا تعجب بڑھتا ہے اور ہمیں بڑی دیر تک ایک سکتہ ہو جاتا ہے۔ انسان بغیر کسی مقابلہ کے فطرت کا ایک اعلیٰ ترین

حصہ ہے لیکن اُس کے مرتبہ کی بزرگی اُسکے مطابق ہنوز نہیں پہچانی گئی ہے۔ اور ہمیں اُسکی حقیقی تعریف کرنے کے الفاظ نہیں ملتے۔ دنیا میں اُسی چیز کی زیادہ قدر و قیمت ہوتی ہے۔ جس کی ساخت میں اعلیٰ درجہ کی صناعی کا خرچ کیا گیا ہو اور جس میں علاوہ زر کثیر کے وقت کا گرانمایہ حصہ صرف ہوا ہو۔ اسی پہلو سے جب ہم انسان کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اسکی تعریف اس لیئے کرنی پڑتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اُسے جامۂ انسانیت پہنانے کے لیے کس کثرت سے انبیاء بھیجے اور کے ہزار بلکہ لاکھ برس سے انسان کے آراستہ کرنے کی تدبیر کی جا رہی ہے۔ ان لاکھوں برس کی تعلیم اور بنانے سنوارنے کے بعد آج ہم اتنا سمجھ سکے ہیں کہ جسے کامل انسان کہنا چاہیئے اُس کا مرتبہ ابھی ہم سے بہت اعلیٰ ہے تو بھی موجودہ حالت انسان ایک بڑی تعریف کی مستحق ہے جو ہم سے پورے طور پر نہیں ہو سکتی۔

ہم انسان کی بے انتہا قوتوں کا کیونکر خیال کر سکتے ہیں؟ ہر ہر گوشہ میں ہمارے ساتھ موت اور زندگی کی مخفی قوتیں رہتی ہیں جنکی ماہیت کو جاننا ہماری زندگی کا جزو اعظم ہے۔ اُنکی مشتملہ نیابت سے انسان کی ساخت ہوئی ہے اور وہ ساخت ایسی کامل ہے اور اُس میں ربّانی عطیات کا ایک بڑا ذخیرہ مضمر ہے کہ ہم نے اُس کا نام عالمِ صغیر رکھا ہے۔ کیونکہ بلاشک اُس کی ساخت کے مشتملہ جوہر کائنات کے لب لباب ہیں۔ انسان خود فطرت ہے فطرت کی واجب التوقیر کوششیں خاص اس امر کے لیئے کہ اُسکی اصلی ماہیت کو پہچانا جائے انسان کی اندرونی اور بیرونی حالت سے بہت مشابہ ہیں۔ انسان دوسرے حیوان سے اسی لیئے امتیازی درجہ رکھتا ہے کہ اُسکی ذات میں نامحدود ترقی کرنے کی بہت سی قوتیں ہیں۔ جبکہ یہ مسلمہ ہے کہ فطرت کے بہت سے اسرار ابھی تک نہیں کھلے اسی طرح یہ بھی مسلم ہے کہ انسان کی ذات کے بھی بہت سے اسرار ابھی تک ظاہر نہیں ہوئے۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لیئے اُس خیال کو کہ ہمارا تعلق نوع انسان سے ہے دل سے محو کر دیں اور پھر اُسے ہم ذہنی روشنی سے نہیں بلکہ خارجی روشنی سے ملاحظہ کریں تو ہم انسان کو کائنات کی غیر منتہی بلندی پر پہنچا ہوا دیکھیں گے اور اسے سب سے بڑا اور فطرت کا سب سے پر جلال انکشاف ملاحظہ کرینگے۔ اگر ہم آسمان کے ستاروں اور سیاروں کو دیکھیں اور پھر اس خوبصورت زمین پر اور اسکی رنگا رنگ چیزوں پر نظر کریں اور ہماری نگاہ انسان پر جا پڑے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ انسان اپنی مرتفع فطرت میں ممتنع الفہم اور قیاسات سے بدرجہا بلند بزرگی رکھتا ہے جس نے انسانیت کے انمول عظمت اور بزرگی کو نہ پہچانا یقیناً اُس نے فطرت کو نہیں جانا۔ کیونکہ انسان بجائے خود ایک مادی فطرت کا نام ہے۔

ہم اپنے خیالات کے ہاتھ باگیں دیں اور اُنھیں بے انتہا دوڑنے دیں اور پھر لاانتہا تصور کی تکمیل کرلیں اُس وقت سوائے اسکے ہمیں کچھ نہ معلوم ہوگا کہ ہم اُس وقت بے انتہا قوت بے انتہا عظمت اور بے انتہا جلال انسان کا دیکھیں گے اور فطرت کی ہم مرکز قوتیں ہمیں ایک جگہ جمع نظر آئیں گی۔

جب ہم انسان کے علوم مرتبت کا تصور کرتے ہیں اور اُس کی عجیب و غریب قوت کو ملاحظہ کرتے ہیں جن سے علوم و فنون اور قومی و تمدنی قوانین پیدا ہوئے ہیں اور جب اُس جوہر کا خیال کرتے ہیں جس سے اُس نے فطرت کی

بہت سی قوتیں اپنے مطالب حاصل کرنے کا ذریعہ بنالی ہیں اور جس باعث سے وہ دوسری مخلوق کا آقا اور سردار معلوم ہوتا ہے تو ہمیں ظاہر ہوتا ہے کہ اتنی غیر محدود قوتوں اور صفات کا مالک ضرور اپنے عالی مرتبہ کا علم رکھتا ہے اور اس صورت سے اُسے بالکل آزاد اور غیر مقید زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ صدہا قسم کے اعجوبہ ظہور جو روزمرہ اُسکی ذات سے حادث ہوتے ہیں اور جن کا نام مختلف محاورے اور اصطلاح میں نئے نئے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے تعجب سے نہیں دیکھے جاتے بلکہ انھیں ہم معمولی سمجھتے ہیں اور اس سمجھنے کی یہ وجہ ہے کہ انسان کی ذات ان کرامتوں اور خرق عادات سے بھی زیادہ ارفع ہے۔ مگر افسوس صد افسوس موجودہ خیالات کی رو سے یہ عجوبہ باتیں مافوق الفطرت کے دائرہ میں مقید کیجاتی ہیں اور انھیں ناممکن الوقوع سمجھ کے اُن پر مضحکہ اُڑایا جاتا ہے۔ انسان میں قدرتی طور پر خودداری اور آزادی کا ایک مادہ پیدا ہوا ہے اور اسی کو آجکل ایک سخت عیب خیال کیا جاتا ہے۔ ہماری تمام کوششیں اور ہماری کل سعیہائے جلیلہ اخیر کیا چاہتی ہیں؟ صرف یہ کہ ہمیں بلند مرتبہ حاصل ہو کہ ہم کامل آزاد بن جائیں۔ مگر ہم انھیں ذلت کے پھندے میں پھنسا کے ایک جگہ رکھنا چاہتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ جہانتک ہمارے خیالات کی رسائی ہے اس سے آگے انسان کا بڑھنا خلاف فطرت ہے۔

حق تو یہ ہے کہ انسان سے خواہ کچھ ہی ظہور کیوں نہ ہو تعجب سے نہ دیکھنا چاہیئے ہاں یہ ضرور خیال ہو سکتا ہے کہ اس عجیب کرشمہ سے جو ہمیں دکھایا گیا ہے مخلوق کا اس میں کیا فائدہ ہے۔ الہام کی نسبت ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہر انسان کے دل میں خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان۔ عیسائی ہو یا یہود۔ آتش پرست ہو یا بودھ الہام پیدا ہوتا ہے اور اُن الہاموں میں اُن کے نتائج کی وجہ سے فرق ہے۔ الہام درحقیقت ایک خیال کا نام ہے جس کا انسانی قلب میں پیدا ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے جس طرح ایک مصور اور مدبر سلطنت کے الہام میں فرق ہوگا اسیطرح ایک فاسق اور زاہد کے الہام میں فرق ہوگا۔ ہمارے شاہ ولی اللہ صاحبؒ جو توریت و قرآن بن گئے ہیں اسکے کیا معنے ہیں؟ صرف یہ ہیں کہ آپ کا تخیل روحانیات کی دنیا میں اپنی شتابانہ دوڑ دکھا رہا تھا اور آپ یہ سمجھ گئے تھے کہ جو کچھ ہے وہ میں ہی ہوں اور ایک طرح سے یہ خیال بھی حضرت شاہ صاحب کا صحیح تھا کیونکہ تعلقات انسانی ایسی گہرائی میں پہنچے ہیں کہ اگر انھیں کامل طور پر سمجھ لیا جائے تو انسان اپنے کو کسی سے جدا نہیں سمجھتا ہمارے شاہ صاحب فخر ہندوستان و عرب نے ان گہرے تعلقات پر کافی نظر کرلی تھی اور وہ جانتے تھے کہ اصلی حقیقت کیا شے ہے اسی وجہ سے آپ ہر گزشتہ چیز کے لیئے خود موزوں ہوئے ہیں۔ یہ انسانی خیالات ہیں۔ جن کی کوئی حد و پایاں نہیں۔ ہر انسان خواہ وہ کسی درجہ اور مرتبہ کا ہو ہر لمحہ ہزاروں خیال کرتا ہے مگر اپنے خیالات کا اُتار چڑھاؤ وہ کسی کے آگے اظہار نہیں کرتا کیونکہ لوگ اُسے دیوانہ سمجھنے لگیں مثلاً اگر حضرت شاہ صاحب اُس زمانے میں ہوتے جب بیچارے بیگناہ منصور پر آفت برپا ہوئی تھی تو بیشک آپ بھی نہ بچتے اور بلا سبب سلطنت کی طرف سے آپ پر بھی عقوبت توڑی جاتی۔ یہ ساری سمجھ کا قصور ہے۔ انسان کے دلی جذبات اور خیالات پر کبھی رد و قدح نہیں ہو سکتی۔ اگر ایک شخص کہہ رہا ہے کہ میں خدا ہوں تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ اُس نے کسی کو کیا اذیت پہنچائی مفت میں اُسکے درپے ہو جانا اور اُس کی جان کے پیچھے پڑ جانا رحم انصاف دونوں

سے بعید ہے۔

اگر ایک شخص کا قول دوسرے شخص کے خیال میں نہ آئے تو اُن لوگوں کو جو اُسکی تائید نہیں کرتے۔ ہرگز مجاز نہیں ہے کہ اُسے حقارت کی نظر سے دیکھیں اور اُسے نادان یا بے دین سمجھیں کون جانتا ہے کہ کس کی رائے غلطی پر ہے اور کون اندازہ کر سکتا ہے کہ سچا کون ہے۔

ہم نے جو کچھ الہام کی نسبت لکھا ہے اُس سے ایک منصف مزاج طرفدار شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہمارے استدلال با ادلہ یا تحقیق کہاں تک ٹھیک ہے اور ہم نے اُسے سلجھانے میں کہاں تک کوشش کی ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ ہم اُن لوگوں کی سخت حقارت کرتے ہیں جو اپنے الہام کی وجہ سے دوسروں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں اور اُن لوگوں کی افسوسناک حالت سے ہمیں ہمدردی ہے جو اُن کے الہام کے جال میں پھنس کے اپنا دین و دنیا کھو بیٹھتے ہیں۔ اگر فرض کرو کہ ایک شخص کو الہام ہوتا ہے تو پھر ہمیں کیا اور ہمارا اس میں کیا فائدہ ہے اگر ایک شخص عالم ملکوتی میں پونہچ گیا ہے تو اُس سے ہماری نجات کی اُمید کیا ہو سکتی ہے۔ الہام وہ الہام ہے جو محض ذاتی اغراض پر مبنی نہ ہو اور اُس میں خدا کے کنبہ یعنی عامۂ خلائق کا فائدہ متصور ہو اور جب الہام اپنی شیخوخیت اور جاہل لوگوں میں اپنی عظمت بڑھانے کے لیئے دکھایا جاتا ہے تا ہم ایسے الہام کی بالکل قدر نہیں کرتے اور اُس الہام کو ایک مکر سے زیادہ نہیں جانتے۔

ہمیں الہام کی بابت جو کچھ لکھنا تھا وہ ہم لکھ چکے اور جو کچھ ہمارا خیال تھا وہ ہم ظاہر کر چکے صرف اتنا بیان کرنا اور باقی رہ گیا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں میں سب سے زیادہ الہام کا چرچا ہوا ہے اور اُن ہی کی دیکھا دیکھی صوفیوں نے بھی الہام کو اپنے ہاں رواج دے لیا۔ خود حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود میں کسی صحابی کو الہام نہیں ہوا۔ کوئی معتبر شہادت ایسی نہیں ملی کہ کسی صحابی نے حضور انور رسول خدا کے حضور میں اپنے الہام کی بابت کچھ عرض کیا ہو۔ نہ چاروں خلفائے راشدین کے زمانہ میں کوئی صاحب الہام تھا۔ ہاں ایسی تو بہت سی روایتیں ملتی ہیں جیسی یہ ہے کہ جب جنگ قادسیہ ہو رہی تھی اور ایک مقام پر ضرار کو خطرناک ہزیمت ہوئی تھی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سخت پریشان ہو گئے تھے اور جس تن دہی اور صبر سے آپ نے فوج جمع کر کے میدان جنگ میں روانہ کی ہے وہ واقعہ تاریخ عالم یادگار رہے گا۔ اسی اثنا میں جب آپ فوجیں بھیج رہے تھے نماز پڑھنے مسجد نبوی میں گئے دیکھا کہ ایک موٹا تازہ عرب ایک کونہ میں بیٹھا ہوا ہے اور اپنے مجاہدہ میں مستغرق ہے آپ نے اُسے آواز دی وہ نہ بولا پھر آپ نے زور سے للکارا تو اُسکی آنکھیں کھلیں آپنے فرمایا تو کیا کر رہا ہے اُس نے کسی قدر بے رخی سے جواب دیا کہ میں یادِ خدا میں غرق تھا۔ آپنے کئی درّے رسید کر کے فرمایا کہ تیرے بھائی تو سر بکف میدانِ کارزار میں دشمنانِ خدا کا مقابلہ کر رہے ہیں اور اسلامی عزت و وقار قائم رکھنے کے لیئے اپنی جان دینے پر تیار ہیں اور تو مجاہدہ میں غرق ہے۔ تیرا یہ مجاہدہ کس کام کا ہے اور اسلام یا مسلمانوں کو اس سے کیا فائدہ ہے۔ اُٹھ اور تلوار پکڑ اور میدان جنگ میں جا تا کہ اسلام کے سچے شیدائیوں میں ہو۔

اِس قسم کی روایتیں تو بہت ہیں مگر ایسی روایتیں نہیں ملتیں کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابائے راشدین کے وقت میں وہ دعوے کیئے ہوں جو بعد میں کئے گئے۔ اور اُس زمانہ میں وہ الہام ہوئے ہوں جواب ہو رہے ہیں حالانکہ اس قسم کی باتوں کے لیئے وہ زمانہ زیادہ موزوں تھا۔

اگر ہم غور سے تاریخ کے صفحے اُلٹیں گے تو ہمیں اس بات کا پتہ لگ جائے گا کہ جب سے ایرانی مسلمان ہوئے ہیں تصوف اسلام کی ایک شاخ بن گیا۔ کیونکہ ایرانیوں کا یہ مذاق قبل ظہور اسلام موجود تھا اور نوشیروان کے وقت میں اس مذہب کو بہت عروج تھا۔ مذہب اسلام میں تمام قسم کی مین میگ ان ہی ایرانیوں نے نکالی ہے ورنہ مذہب اسلام تو اس قدر سادہ اور آسان تھا کہ صرف پانچ منٹ میں ایک جاہل جنگلی بدوی سمجھ لیتا تھا اور ایسا زبردست مسلمان بن جاتا تھا کہ اُسے تمام دنیا کی متفقہ قوت بھی جنبش نہ دے سکتی تھی۔ جتنے بڑے بڑے محدث فقیہ اور مفسر ہوئے ہیں سب ایرانی یا نواح ایران کے ہیں الاماشاءاللہ اسی وجہ سے اسلام میں ایسی ایسی باریکیاں پیدا کی گئی ہیں کہ غیر مذہب والا اُنھیں دیکھ کے یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں اِس سے زیادہ سخت اور مشکل مذہب کوئی بھی نہ ہوگا۔ بہرحال ہم اُن دقائق و غوامض پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرتے اور ہم اپنے خیال میں اُنھیں سبب رحمت سمجھتے ہیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ عوام کی نگاہ میں اُن باریکیوں سے مذہب اسلام ہوّا بن گیا ہے۔

وحی

اصل میں وحی وہ چیز ہے جس سے خدا کی مرضی نامعلوم باتوں میں کھل جاتی ہے۔ اور یہ بات کئی طرح پر ہوتی ہے۔ اول یہ کہ خدا سے اُس کا پیغام سُنا جائے۔

دوسرے۔ یہ کہ خدا کا فرشتہ اپنی صورت میں آئے اور پیغام پہنچائے۔

تیسرے۔ یہ کہ خدا کا فرشتہ آدمی کی صورت میں آئے اور پیغام پہنچائے۔

چوتھے۔ یہ کہ صرف بذریعہ آواز کے بغیر کسی مشاہدے کے پیغام الٰہی پہنچے

پانچویں۔ یہ کہ خدا کی طرف سے دل میں خدا کا پیغام ڈالا جائے۔

چھٹے۔ یہ کہ خواب میں یا اور طرح بذریعہ کشف کے پیغام الٰہی معلوم ہو۔

وحی کی پہلی چار قسموں کو جب انبیا کے سوا اَور لوگوں پر اُترے "تحدیث" کہتے ہیں اور پانچویں قسم کو الہام اور چھٹی قسم کو مشاہدات یا مکاشفات کے نام سے پکارتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہر مقام پر وحی کا لفظ استعمال ہوا ہے اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وحی غیر انبیا پر بھی نازل ہوتی ہے اسی وجہ سے علماء نے وحی کی قسمیں بنائیں اور انبیا اور غیر انبیا کی وحی کو مختلف ناموں سے نامزد کیا ہے اگرچہ علماء کرام کا یہ فعل نکتہ چینی کے قابل نہیں ہے لیکن میں اُن سے اتفاق نہیں کرتا اور نہ میں اس امر کا قائل ہوں کہ غیر نبی پر بھی مثل نبی وحی نازل ہو سکتی ہے وحی درحقیقت وہ پیغام ہے جو خدا کی طرف سے دل میں ڈالا جائے اور اُس پیغام میں اوامر و نواہی کے

احکام مضمر ہوں۔ اور ایسے پیغام میں کہیں غلطی نہ ہو اور نہ ایسا پیغام ہو جس میں چند روز کے بعد تغیر و تبدیل کی ضرورت ہو۔ نہ ایسا پیغام ہو کہ انسان اُس جیسا بنا سکے۔ خداوند تعالیٰ نے جہاں غیر نبی کے لیئے وحی کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں اُسکے مقابل میں "انزلنا" کا لفظ قرآن مجید کے لیئے فرمایا ہے۔ اس سے کلّی امتیاز نبی اور غیر نبی کی وحی میں ہو گیا ایک تو یہ امر کہ ہمنے اسے وحی کی کہ یہ کر اور یہ نہ کر اور ایک یہ بات کہ ہم نے قرآن نازل کیا جس کی مثل تمام دنیا نہیں بنا سکتی۔ ہم پہلے قرآن مجید کے اُن مقامات کو نقل کرتے ہیں جن میں وحی غیر نبی پر آئی ہے پھر ہم بتائیں گے کہ اس لفظ وحی سے کیا مراد ہے۔ آدمی تو آدمی شہد کی مکھیوں کے پاس وحی کے آنیکا ثبوت ملتا ہے چنانچہ فرماتا ہے واوحی ربك الی النحل پھر آسمانوں کو وحی بھیجی گئی واوحی فی کل سماء اب اس سے ایک عاقل شخص سمجھ سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی کہ تم اپنے چھتے پہاڑوں میں بناؤ یا ہم نے آسمانوں میں وحی بھیجی بظاہر ان معنی کو دیکھ کے ایک ناواقف شخص اُچھل پڑے گا کہ جب خدا انسان تو انسان جانوروں اور وہ بھی ادنی مکھیوں کے پاس وحی بھیجتا ہے تو پیغمبر اور نبی کی اس میں خصوصیت ہی کیا رہی اور ہم کس صورت سے صرف اس وحی کی وجہ سے ایک کو تمام دنیا کی رحمت اور ہدایت مانیں اور دوسرے کو معمولی خیال کریں۔ ایسے خیال کا آنا ممکن ہے مگر در اصل یہ بات نہیں ہے وحی کے معنی "فطرت" کے ہیں اور شہد کی مکھیاں اور آسمانوں میں وحی بھیجنے کے مقصود کو اس طرح بیان کرنے کا ایک بہت گہرا پہلو ہے جسے بہت غور کے بعد انسان سمجھ سکتا ہے۔ خداوند تعالیٰ بندہ کے دل پر اپنی قدرت جلال اور مطلق العنانی کے ثبوت کے نقش کندہ کرتا ہے اور اپنا قادر مطلق ہونا بتاتا ہے کہ انسان غیر خدا کی پرستش سے باز آئے اور سمجھے کہ ہم بڑے سے بڑے اور ادنی سے ادنی معاملہ میں اختیار رکھتے ہیں اور بغیر ہماری مرضی کے کچھ نہیں ہوتا حتی کہ شہد کی مکھیاں بھی بغیر ہمارے حکم اور ہماری مرضی کے اپنا چھتہ نہیں بنا سکتیں یا بالفاظ دیگر ہم نے ہی اُنکی فطرت یہ پیدا کی ہے کہ وہ پہاڑوں میں چھتہ بنائیں آسمانوں کے پاس وحی بھیجنے کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے حکم کی زنجیروں میں تمام آسمان جکڑے ہوئے ہیں ہم اُن پر حکمرانی کرتے ہیں اور ہماری خدائی اُنکی ہستی کے ساتھ لازم و ملزوم ہے ہمارے خیال میں اس وحی کے معنے اگر ہو سکتے ہیں تو یہ ہیں اور ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اس کے علاوہ مکھیوں پر وحی بھیجنے کا اور کیا منشار باری تعالیٰ ہو سکتا ہے۔

اب وہ آیتیں نقل کیجاتی ہیں جن میں مقدس لوگوں پر وحی آنے کا ثبوت ملتا ہے پوری آیتیں نقل کرنے کے بعد ہم اُس پر بحث کرینگے۔

سورۂ القصص آیت ۷ واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیه فاذا خفت علیه فالقیه فی الیم ولا تخافی ولا تحزنی انا رادوه الیك وجاعلوه من المرسلین" یعنے اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی ماں کو کہ اُسے دودھ پلا پھر جب تجھے ڈر ہو اُس کا ڈال دے اُس کو دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غم کھا۔ ہم تیری طرف اُسے پھر پہنچا دیں گے اور اُسے رسولوں میں سے کرینگے

حضرت موسیٰ کی والدہ نبی نہ تھیں مگر اس آیت سے اُن پر وحی آنا ثابت ہوتا ہے۔ پھر سورۂ کہف میں فرماتا ہے۔ سورۂ کہف آیت ۸۷ قلنا یا ذا القرنین اما ان تعذب واما ان تتخذ فیھم حسنا۔ ذوالقرنین یا لوگوں کو تکلیف دے یا اُن میں خوبی رکھ۔

پھر سورۂ مریم میں فرماتا ہے۔

سورۂ مریم آیت ۱۶ لغایت ۲۲ واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا فاتخذت من دونھم حجابا فارسلنا الیھا روحنا فتمثل لھا بشرا سویا قالت انی اعوذ بالرحمن منک ان کنت تقیا۔ قال انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ آیۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا یعنی اور ذکر کر کتاب میں مریم کا جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کے ایک شرقی رخ جگہ جا بیٹھیں۔ اور لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا تو ہم نے اپنی روح القدس اُنکے پاس بھیجی وہ اچھے بھلے آدمی کی شکل بن کے اُن کے سامنے آکھڑی ہوئی وہ (اُسے دیکھکر) کہنے لگیں اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تمھیں خدا کا واسطہ دیتی ہوں (کہ میرے آگے سے ہٹ جاؤ۔ روح القدس) بولی میں تو بس تمھارے پروردگار کا بھیجا ہوا فرشتہ ہوں (اور اس لیئے آیا ہوں) کہ تمھیں (ایک) پاک طینت لڑکا دوں۔ وہ بولیں میرے ہاں کیسے لڑکا ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں اور نہ کبھی میں بدکار رہی (روح القدس نے کہا) جیسا میں کہتا ہوں ایسا ہی (ہوگا) وہ ہم پر آسان ہے اور ہم اُسے اپنے قدرت کی لوگوں میں ایک نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ یہ بات ہمارے ہاں سے فیصلہ پا چکی ہے۔

پھر سورۂ آل عمران میں فرماتا ہے۔ سورۂ آل عمران آیت ۴۵ اذ قالت الملئکۃ یمریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسے ابن مریم وجیھا فی الدنیا والاخرۃ ومن المقربین یعنے جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسے بیٹا مریم کا ہے دنیا اور آخرت میں صاحب وجاہت اور مقربوں میں سے۔

پھر سورۂ المائدہ آیت ۱۱۱ میں فرماتا ہے واذ اوحیت الی الحواریین ان امنوا بی وبرسولی قالوا امنا واشھد باننا مسلمون یعنے اور جب میں نے حواریوں کے پاس وحی بھیجی کہ مجھپر اور میرے رسول پر یقین لاؤ بولے ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ ہم مسلمان ہیں۔

ان کل آیتوں سے صاف طور پر یہ پایا جاتا ہے کہ غیر نبی کے پاس بھی وحی آتی ہے یہانتک کہ روح القدس یا حضرت جبرائیل انسان کی صورت بن کے بی بی مریم کے پاس آسئے حالانکہ وہ نبی نہ تھیں۔ ہم ملائکہ کی بحث میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ روح القدس یا حضرت جبرائیل کی خصوصیت انبیا کے لیئے نہیں ہے بلکہ روح القدس یا حضرت جبرائیل کی تائید ہر نیک بندہ کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ خیال کہ دنیا پر روح القدس۔ یا جبرائیل کا آنا بند ہوگیا محض غلط ہے۔ بغیر روح القدس کی تائید کے ایک لمحہ بھی انتظام دنیا اور نظام کائنات

قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ عادت خداوندی ہے کہ اُس نے اپنے نیک بندوں سے روح القدس کی تائید کا وعدہ فرمایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہادیٔ برحق حضور انور احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کے نیک افراد کو بنی اسرائیل کے انبیا سے بھی فضیلت دی ہے۔

اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ مذکورہ آیتوں میں جو وحی کا لفظ آیا ہے اسکے کیا معنے ہیں اور ہم اخیر لفظ وحی کا ایک خاص مفہوم کیونکر سمجھیں۔ اور اسکی نسبت ہمارا کیا عقیدہ ہو۔

پہلی آیت میں خدا نے تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں سے خطاب کیا ہے کہ تو اُسے یعنی موسیٰ کو دریا میں ڈال اور خوف نہ کر ہم اُسے رسول بنائیں گے۔ ایسی نازک حالت جو حضرت موسیٰ کی ماں کی تھی اُس میں طرح طرح کے خیال آنے لازمی تھے اُنھیں اپنی مصیبت زدہ حالت اور اپنے بچہ کی ہلاکت کے خیال نے ضرور اس طرف رہنمائی کی ہوگی کہ وہ خدا سے دعا مانگیں اور ایسی دعا کا جو کچھ اثر اُنکے دل پر پیدا ہوگا وہ سوائے اسکے ہو نہیں سکتا کہ خدائے تعالیٰ مجھے اور میرے بچے کو ایسی نازک حالت میں بچا سکتا ہے۔ یہ خیال درحقیقت ایک القا ہے جو ہمیشہ نیک بندوں کے دل میں آیا کرتا ہے۔ اپنی تمام عقلمندیوں اور ہوشیاریوں پر بھروسہ نہ کرکے ہر وقت اپنے کل کاموں کی باگ خدا کے ہاتھ میں دینے کے یہ معنے ہیں کہ انسان اپنے خالق کو قادر مطلق تسلیم کرتا ہے اور جانتا ہے کہ تمام اختیارات جزو کل اسی کو ہیں اسی خیال سے یکایک تسکین ہوتی ہے اور پھر اسی تسکین کو خداوند تعالیٰ وحی یا القا یا الہام سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں بھی اُس کا جلال اور لازوال قدرت کا نقشہ کھنچتا ہے اور یہی منشاء باری تعالیٰ ہے کہ وہ ہر پہلو سے اپنی عظمت اور اپنی قدرت کا اظہار کرے تاکہ انسان ظاہری طاقتوں پر کسی قسم کا اعتماد نہ کرے اور ناسمجھ لوگوں کی طرح خدا کی کسی مخلوق کو اپنا معبود نہ بنالے۔

اس میں شک نہیں کہ وحی اور القا اور الہام میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ مگر ہاں انکے مدارج ضرور ہیں اور اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی معصوم و برحق کا مرتبہ وہ اعلیٰ ہے کہ کسی کو میسر نہیں ہوا۔ حضرت مریم کے پاس روح القدس کا آنا اور بشارت دینا صرف ایک عارضی وقت کے لیئے تھا۔ اور ہمارے ہادیٔ برحق کے پاس روح القدس کا شب و روز رہنا مداومت پر دلالت کرتا ہے اِسکی سادے اور عام فہم الفاظ میں بالکل یہی مثال ہوسکتی ہے کہ بادشاہ کا لفظ اُس حکمران پر بھی صادق آسکتا ہے جو ایک چھوٹے سے صوبے کا حکمران ہو اور اُس حکمران پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے جسکی عملداری بہت وسیع ہو۔ بادشاہ تو دونوں ہی ہیں مگر مرتبہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ایک سلطان اعظم ہر وقت اپنے ایک مصاحب سے بات چیت اور مشورے میں سرگرم رہتا ہے اور کبھی ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ وہ ایک عام سپاہی سے بھی بات کرلیتا ہے۔ ہمکلام ہونے کی تو ایک ہی حالت ہوئی مگر کلام کلام میں فرق ہے۔ اِسی طرح اُس وحی میں فرق ہے جو غیر نبی کو بھیجی جاتی ہے اور اُس وحی میں فرق ہے جو نبی کو بھیجی جاتی ہے اگرچہ لفظ وحی کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے۔

وحی جسکے معنے ہم نے فطرت کے لکھے ہیں ایک ایسی چیز ہے جس کا ظہور ہر لمحہ دنیا بلکہ تمام کائنات میں ہوتا رہتا ہے۔ یقیناً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابر کو وحی ہوتی ہے کہ تو برس اور وہ برس جاتا ہے ہوا کو وحی کیجاتی ہے کہ تو چل اور وہ چلنے لگتی ہے۔ پانی کو وحی بھیجی جاتی ہے کہ تو بہ کے دریا میں جا مل اور وہ جا ملتا ہے۔ درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو میوہ دے اور وہ میوہ دینے لگتا ہے۔ انتظام کی جن زنجیروں سے کہ خداوند تعالی نے تمام کائنات کو جکڑا ہے اُن زنجیروں کا نام جس طرح فطرت ہو سکتا ہے اسی طرح وحی اُسی طرح القا اور اُسی طرح الہام اور اسیطرح حکم خدا۔ اگر غور سے دیکھا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ یہ سب مترادف الفاظ ہیں اور انکے معنی اور مفہوم میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہے۔

خدا نے کائنات کو پیدا کیا اور اُس کے لیئے قوانین بنائے جنھیں قوانین قدرت کہتے ہیں اور ایسے قوانین بنائے کہ جب تک کائنات کا وجود ہے وہ قوانین بدل نہیں سکتے۔ اُس نے ہر امر میں ایک سبب رکھا ہے اور اُس کے قوانین کا عام اصول یہ ہے کہ بغیر سبب کے کوئی چیز حادث نہیں ہو سکتی۔ اس لیئے اسے شایاں ہے اور اُس ذات پاک وحدہ لاشریک کو سزاوار ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے اور ادنی سے ادنی کام کی نسبت اپنے ساتھ کرے اور اسکی اس نسبت کرنے کی غایت بہت بڑی یہ ہے کہ نافہم انسان اُسکی مخلوق کو خالق حقیقی نہ سمجھنے لگے۔ اور ہوا پانی یا چاند سورج کو اپنا معبود نہ بنالے۔ حضرت موسیٰ کا نہ ڈوبنا جب وہ شیر خوارگی کی حالت میں تھے اُس نے اپنی طرف اسی لیئے منسوب کیا ہے تاکہ کم عقل پانی میں کوئی ایسی قوت نہ تسلیم کر لیں جو حقیقی خالق کے لیئے شایاں ہے۔ فرمایا ہم نے موسیٰ کی ماں سے کہا تھا کہ تو اُسے دریا میں ڈالدے اور کچھ خوف نہ کھا۔ یہ ساری باتیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ کام تو سب قوانین قدرت یا لوح محفوظ کے نوشتہ کے مطابق ہوتے ہیں مگر خداوند تعالی ہر فعل کی نسبت اپنے ساتھ کرتا ہے اور اس نسبت کرنے سے انسان کو یہ بہت بڑا فائدہ ہوا کہ وہ خالق اور غیر خالق میں تمیز کرنے لگا اور در اصل یہی مدعائے قوانین قدرت ہے۔

اُسکی لازوال قدرت کی ریشہ دوانی کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہو رہی ہے۔ ہر لمحہ کا تغیر و تبدل صاف طور پر شہادت دیتا ہے کہ خالق مطلق اپنی وحی کے ذریعہ سے یہ سب کام لیتا ہے۔ دنیا میں تبدیل ہیئت ہوتی رہتی ہے اور یہ تبدیل ہیئت وحی بغیر کبھی ممکن نہیں۔ درخت کو وحی ہوتی ہے کہ تو اپنے گل پتے گرا دے وہ گرا دیتا ہے پتوں کو وحی ہوتی ہے کہ تم خاک میں ملجاؤ وہ مل جاتے ہیں پھر اُس خاک کو وحی ہوتی ہے کہ تو دوبارہ درختوں کو بار آوری کی طاقت دے اور پھر درختوں کو وحی ہوتی ہے کہ تمھیں خوراک پونہچ چکی۔ اب تم سبز پتے اور پھل دو۔ چنانچہ وہ پتے اور پھل دیتے ہیں۔

ہر شے میں اُس کا حکم موجود ہے اور یہ بالکل صحیح ہے کہ بغیر اُسکے حکم یعنی قوانین قدرت کے پتہ تک نہیں ہلتا۔ اور ہے کیونکر وہاں تو عظیم کرّوں سے لگا کے ایک ایسے ذرہ تک جو خوردبین سے بمشکل نظر آتا ہے قوانین کی لڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور روز ازل یعنی ابتدا سے جو قاعدہ اُنکے لیئے مقرر کر دیا ہے اُس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے۔ اگر تجاوز کر جائیں تو یقیناً تمام کائنات کا انتظام درہم و برہم ہو جائے۔ جو بات ہوتی ہے ان ہی

قوانین کے دائرے میں۔ اور جس عجیب سے عجیب چیز کا ظہور ہوتا ہے وہ بھی اُن ہی قوانین کے دائرہ میں معمولی آنکھ جب عجیب حادثے دیکھتی ہے تو اُسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اتفاق سے ایسا ظہور میں آیا مگر عاقل ایسا سمجھ سکتا ہے کہ قوانین قدرت یا لوحِ محفوظ میں اتفاق کا لفظ بھی سرے سے نہیں ہے ہم یہ جانتے ہیں اور ہمیں اس کا علم ہے کہ کتاب فطرت کی الف بے تے کا بھی پورا علم ابھی تک نہیں ہے۔ تو بھی اس یقین کرنے کی وجہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اُسی کے مطابق ہوتا ہے جو کتاب فطرت میں لکھا ہوا ہے۔

ہمارا یہ عقیدہ ہے اور اسلام اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ وحی کی خصوصیت درحقیقت انبیا کے لئے نہیں ہے ہاں اُس کے مدارج میں فرق ہے جسے ہم واضح طور پر اُوپر بیان کر چکے ہیں۔ وحی ہر شخص اور ہر چیز اور ہر جاندار اور ہر بیجان حتیٰ کہ ذرہ کو بھی ہوتی ہے مگر فرق ہے تو صرف مدارج کا۔ ہمارے علماء کرام نے ایسی وحی میں جو انبیا کو ہوتی ہے اور ایسی وحی میں جو غیر انبیا کو ہوتی ہے ناموں سے فرق بیان کیا ہے یعنے اُنکے جداجدا نام رکھے ہیں اور اس کا مطلب یہی ہے کہ اصل چیز کو ایک سمجھ کے اُنکے صفات میں ہم فرق کر سکیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ کے باب مناقب میں یہ حدیث آئی ہے قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد کان فیمن قبلکم من الامم محدثون فان یک فی امتی احد فانہ عمر۔ یعنی پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے امتوں میں الہام والے لوگ تھے پھر اگر میری اُمت میں کوئی ہے تو وہ عمر ہے اس حدیث سے حضرت عمر کا صاحب الہام یا صاحب وحی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جو بات کہ اس حدیث میں غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ خصوصیت کیوں کی گئی جبکہ اوروں کا بھی قوانین قدرت کے مطابق صاحب وحی ہونا لازمی ہے۔ سبب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اکثر مقولے بالکل وحی سے مطابقت کھاتے تھے اور خاص خاص کام جو حضرت عمر سے سرزد ہوئے اور خاص معاملات میں آپکی رائیں بالکل اُن احکام کے مطابق ہو جاتی تھیں جو بعد ازاں خدا کی طرف سے نازل ہوتے تھے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازدیاد محبت سے ایسا فرمادیا کہ میری اُمت میں اگر کوئی ہے تو عمر ہے جسے الہام ہوتا ہے۔ اِن الفاظ سے اگر بغور اُن کو دیکھا جائے تو صرف حضرت عمر ہی کی خصوصیت نہیں پیدا ہوتی۔ کیونکہ ان الفاظ سے ایک طرح کی اعلیٰ درجہ کی صفت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ماں کہہ سکتی ہے کہ میری دستگیری کرنے میں میرے بیٹوں میں سے اگر کوئی ہے تو احمد ہی۔ اسکے یہ معنی نہیں ہوئے کہ باقی ماندہ بیٹے اپنی ماں سے کبھی کوئی سلوک ہی نہیں کرتے۔ سلوک تو ضرور کرتے ہیں ہاں صرف زیادتی اور کمی کا تفاوت ہے۔ ہمارا یہ مذہب ہے کہ ہر صحابی اور ہر مسلمان صاحب الہام یعنی صاحب وحی ہے مگر ہاں الہام اور وحی کے مدارج میں ضرور فرق ہے جسے ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں۔

اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ وحی صرف انبیا ہی کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اور مقدس لوگوں پر بھی نازل ہوتی ہے۔ یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ پانچویں قسم کو جب نبی پر نازل ہوتی ہی کبھی نفث فی الروع بھی کہتے ہیں اور جب نبی کے سوا اور کسی مقدس کو ہوتی ہے تو اُس کو سکینہ کہتے ہیں۔

چنانچہ حضرت رسالت مآب کا ارشاد ہے مشکوٰۃ فی باب التوکل والصبر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان روح القدس نفث فی روعی اور دوسرے دعوے کی شہادت یہ حدیث ہے مشکوٰۃ فی باب مناقب عمرؓ ماکنا نعبد ان السکینۃ تنطق علی لسان عمر یعنی سکینہ عمر کی زبان اور دل سے بولتی ہے۔

ملائکہ کی بحث میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ حضرت رسالت مآب کو وحی القا ہوتی تھی اور کبھی روح القدس اپنے ظلی وجود سے آکے وحی القا کرتی تھی۔ مذکورہ صحیح حدیث سے اُس کا ثبوت ہو گیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک روح القدس نے ڈالا میرے دل میں۔

اسلام نے اُن مسئلوں میں جن کو یہود و نصاریٰ نہیں سمجھے تھے ایک بہت معقول فیصلہ کیا ہے اور یہ الزام جو مسلمانوں پر لگایا گیا ہے کہ اُنھوں نے اِس قسم کے کل مضامین یہودیوں یا نصرانیوں سے لیے ہیں سراسر اتہام ہے۔ یہودی اور نصرانیوں کو خواب میں بھی یہ باتیں نہ سوجھی تھیں جو اسلام نے بتائیں وہ ایسے باریک مضامین کیونکر پیدا کرتے۔ وہ کیا جانتے تھے کہ قوانین قدرت کیا چیز ہیں اور آیا مذہب کسے کہتے ہیں۔ مذہب کے یہ معنے کبھی نہیں ہو سکتے کہ وہ اول سے اخیر تک بدیہی باتوں سے مخالفت کرے اور خداوند کریم کے اُن قوانین کو توڑے جو روز ازل سے مقرر ہو چکے ہیں جبکہ کل نظام کائنات کا دار و مدار صرف ان ہی پر ہے مگر مذہب کی شان یہ ہے کہ اُس کے تمام اُصول قوانین قدرت کے ہو بہو مطابق ہوں اور کبھی اُنکی مطابقت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آئے۔

علمائے کرام نے اپنے طور پر وحی کی جو کچھ تقسیم کی ہے وہ نہایت مناسب تقسیم ہے اگرچہ اسکی تشریح اُنھوں نے نہیں کی۔ وحی کی نسبت یہ یقین کہ نبی غیر نبی حتیٰ کہ مکھیوں کو بھی ہوتی ہے بالکل یہ اصول قوانین قدرت کے مطابق ہے اگر قرآن مجید میں صرف انبیا ہی پر وحی کی قید لگائی جاتی تو ہم سمجھتے کہ فطرت باریتعالیٰ کے خلاف ہے وحی کا عام ہونا انبیا علیہم السلام کی برترین شان میں کوئی فرق نہیں ڈال سکتا۔ جبکہ مدارج کا بیّن تفاوت موجود ہے۔ اس کی مثال بالکل یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے وزیر سے لگ کے چار روپے کے سائیس تک سب ملازم ہیں اور ملازمت کا اطلاق سب پر برابر ہوتا ہے۔ مگر کیا وزیر کے رتبہ کو کوئی ادنیٰ شخص پہنچ سکتا ہے؟ یہ کبھی بھی خیال نہیں ہو سکتا۔ ہمارا جو عقیدہ اور مذہب ہے وہ یہ ہے کہ گزشتہ انبیا کی وحی میں اور ہمارے شافع روز محشر یعنے پیغمبر برحق حضور انور خیر البشر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور کچھ بھی نسبت نہیں ہے۔ ہمارے واجب التوقیر علماء بھی اس طرف گئے ہیں مگر اُنھوں نے وضاحت سے اس مسئلہ پر بحث نہیں کی۔ جتنے انبیا کو وحی آئی وہ سب معناً تھی یعنے الفاظ خداوندی نہوتے تھے۔ بلکہ مفہوم ربانی تھا جسے انبیا اپنی زبان میں بیان کر دیتے تھے۔ اور فخر انبیا قریشی نبی پر جو وحی نازل ہوئی اُس کے الفاظ اور اُس کا مفہوم سب ربانی تھا اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ہمارے نبی معصوم خود ایک مجسم وحی تھے اور آپ میں سے ہر وقت۔ ہر گھڑی اور ہر لمحہ صدہا چشمے وحی کے ابلا کرتے تھے۔ آپ ہی کی ذات کو دنیا میں یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ آپ کی ذات صدہا وحیوں کی بازگشت تھی۔

آپ کا ہر بن مو فوارہ تھا ربانی وحیوں کا۔ روح القدس جب آپکی پاک زندگی کے ساتھ لازم و ملزوم ہوگئی تھی پھر آپ کو خاص طور پر وحی کے نازل ہونے کا انتظار کرنے کی فطرت کیوں تکلیف دیتی۔ ہمارا یہ ایمان ہے آپ پشت پدر سے نبی بن کے جدا ہوئے۔ آپ شکم مادر میں جب آئے ہیں تو نبی تھے آپ کا ظہور جب دنیا میں ہوا ہے تو حالت نبوت میں۔ اگرچہ پہلو کے چاک ہونے اور آلایش کے نکالنے کی روایت صحیح تسلیم کی جاتی ہے اور حدیث کی مستند کتاب میں درج ہے مگر ہم اُسے تسلیم نہیں کرتے اور خبر احاد کے زمرہ میں رکھ کے اُسکی طرف سے توجہ پھیر لیتے ہیں۔ ہمارا تو یہ یقین ہے اور قرآن جابجا سے ہماری تائید کرتا ہے کہ آپ پیدا ہوئے روح القدس کی گود میں آپ پاک اور معصوم تھے اور تمام وہ پاکیاں اور تقدس جو فطرت بخش سکتی تھی اول دن سے آپ کو مل چکی تھیں۔ پھر اسکی ضرورت ہی کیا کہ فرشتہ آتا آپ کا پہلو چاک کرتا اور آپکے دل میں نور بھرتا۔ خدا جانتا ہے اُس ذات اطہر و پاک کو اس امر کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسکی معصومیت کا مرتبہ اس قسم کی باتوں سے بہت اعلیٰ تھا روح القدس۔ وحی۔ الہام۔ یہ سب اُس کے پاک خون میں آمیز ہو رہے تھے۔ وہ کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا اور اپنے کمالِ انسانی کو ظاہر کر کے ہماری آنکھوں سے چھپ گیا۔ مگر اب بھی وہ ہمارے ساتھ ہے اور ایسا ساتھ ہے کہ جاں کندنی کی سخت ترین حالت میں اُس کا نام مبارک لے لینا ہم اپنی نجات کا باعث جانتے ہیں۔

فطرت کی کتاب کو آنکھیں کھول کے دیکھو اور کچھ دیر اُس کا مطالعہ کرو تا کہ تمھیں معلوم ہو کہ ایک قوت ہے جو عظیم الشان کرہوں سے لگا کے ذرّہ تک کو اپنی زنجیر میں باندھے ہوئے ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ فطرۃ کی جو قوت آفتاب کے کرہ میں خرچ ہوتی ہے آیا وہی ذرہ میں بھی صرف میں آتی ہے؟ اس کا جواب بآسانی ایک بچہ بھی دے سکتا ہے۔ کہ اس میں اتنا ہی تفاوت ہے جتنا آفتاب اور ذرّہ میں ہے۔ جب فطرۃ کے عالم ہی میں مدارج اور مراتب مقرر ہیں تو پھر ہمیں اعتراض کرنے اور نکتہ چینی کرنے کی کوئی بھی گنجایش نہیں ہے عالم فطرت کی سیر اپنے ناظر تفسیر کو تھوڑی دیر کے لیئے کرانا چاہتے ہیں تا کہ اُسے فطرت کے اُتار چڑھاؤ معلوم ہو جائیں اور وہ سمجھ جائے کہ اس وحی میں جو غیر نبی پر نازل ہوتی تھی اور اُس وحی میں جو قریشی نبی پر نازل ہوتی تھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس لیئے کہ عالم فطرت میں ذرہ سے لگا کے آفتاب تک اور قطرہ سے لگا کے سمندر تک مدارج قائم ہیں اگرچہ وہ ایک ہی مخلوق کیوں نہ ہوں اور سب ایک ہی سلسلہ میں کیوں نہوں اور سب میں ایک ہی زنجیر کیوں نہ پڑی ہو۔

جب ہم اُن زنجیروں پر نظر کرتے ہیں جو ہمارے گرد ہیں تو ہم سرگردان نئی نئی صورتیں دیکھتے ہیں نئے نئے رنگ ملاحظہ کرتے ہیں اور ہماری نظر اُن اعتبار یہ مدارج پر پڑتی ہے جو فطرت نے اُن میں ودیعت کئے ہیں اُن گوناگوں اشکال کا امتحان اُن کی بناوٹ کی جانچ اور اُن کے استعمال کے طریقے سب اسبات پر دلالت کرتے ہیں کہ اُنکے مدارج و مراتب جس طرح گوناگوں ہیں اسی طرح اُن کی فطرت میں زمین و آسمان کا فرق ہے جو چیزیں ہمارے گرد ہیں اور ایسی گرد ہیں کہ اُٹھتے بیٹھتے ہمیں اُس سے مفر نہیں یا بالفاظ دیگر ہماری

زندگی کا بالکلیہ دارومدار اُن ہی پر ہے۔ مثلاً جنگل۔ کھیت۔ پانی۔ طرح طرح کے لاکھوں جانور سب میں وحی یا حکمِ خدا یا الہام کا سلسلہ قائم ہے یا کل مخلوق اس وحی سے دم بھر کے لیئے جُدا نہیں ہو سکتی۔ سطح زمین کا ایک بہت بڑا حصہ سبز مخملی گھاس سے فرش زمردیں بن رہا ہے۔ اُس پر سرسبز پودے اور لاکھوں قسم کے رنگارنگ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ کیا کوئی کم عقل سے کم عقل بھی خیال کر سکتا ہے کہ بغیر قانون قدرت یا وحی یا الہام کے یہ اس صورت و شکل سے ایک لمحہ بھی قائم رہ سکتے ہیں؟ اور آگے بڑھ کے پہاڑوں کو دیکھو تاریک کانوں پر نظر کرو عمیق غاروں میں نگاہ دوڑاؤ۔ سنگلاخ چٹانوں کو ملاحظہ کرو تو تمھیں ایک ایسا تعجب خیز نظارہ دکھائی دیگا کہ تم حیران ہو جاؤ گے۔ کہیں تو یہ چیزیں تمھیں ایک بے قاعدہ صورت میں دکھائی دینگی جو پریشان ادھر اُدھر پھیلی ہوئی ہیں اور کہیں تم ایسا باقاعدہ پاؤ گے کہ ششدر ہونے کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اخیر یہ انتظام کس چیز سے ہو رہا ہے اور کس زبردست قوت نے اُنھیں اپنی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے؟ جواب یہی دیا جائیگا کہ قانون قدرت یا حکمِ خدا یا وحی یا الہام نے؟

ایک ناظر جس نے ان قدرتی چیزوں کو معمولی آنکھ سے دیکھا ہے وہ تو فوراً کہہ اُٹھے گا کہ اس کا سلسلہ نامتناہی ہے اور ان کا شمار کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا ستاروں کا آسمان پر یا ریت کے ذروں کا سمندر کے کناروں پر مگر وہ ناظر جو فطرت کی کتاب تھوڑی بہت دیکھ چکا ہے وہ اُنکی علیحدہ علیحدہ تقسیمیں بنا دے گا اور اُنکے مدارج اور خاصیتوں میں صاف فرق پیدا کر کے دکھا دیگا کہ یہ کیا چیز ہیں۔ اِنکی ہستی کیا ہے۔ قدرت نے انھیں کیوں پیدا کیا ہے۔ اِن چیزوں کی حقیقت نہ پہچاننے نے لوگوں کو دھوکے میں ڈالدیا اور ہزاروں آدمی اُنکی پرستش کرنے لگے مگر اسلام نے اُنھیں آدمی کا خدمت گزار قرار دیا اور اُنھیں صرف یہی درجہ عنایت کیا کہ وہ انسان کے کام کی چیزیں ہیں۔ قرآن تو یہی بیان جابجا شدومد سے کرتا ہے مگر ہمارے واجب الاحترام حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے اس فطری مضمون کو جس عمدگی سے دو شعروں میں ادا کیا ہے اُسکی تعریف ہم نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند ۔۔۔ تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار ۔۔۔ شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری

اصل میں انسان کی زندگی اتنی تھوڑی ہے کہ وہ بذات خود قدرت کی باریکیوں اور گوناگوں ودیعتوں کا پتہ نہیں لگا سکتا۔ پھر بھی اُس نے اپنی محدود دماغی قابلیتوں سے بہت سی چھپی ہوئی باتوں کا پتہ لگا لیا ہے۔ اور اُنھیں اپنی زندگی کے لیئے ایسا کارآمد ثابت کیا ہے کہ بغیر اُس کے چارہ ہی نہیں۔ جب یہ ثابت ہو چکا کہ ہر شئے میں اُس کا جلوہ موجود ہے تو پھر یہ امر کب نکتہ چینی کے قابل ہے کہ اُس نے شہد کی مکھیوں کے پاس وحی بھیجی۔ اس میں شک نہیں کہ جتنے کام ہوتے ہیں خداوند تعالی اپنی طرف اُنھیں منسوب کرتا ہے اگرچہ اُسنے اُنکے حدوث کے اسباب پیدا کر دیئے ہیں پھر بھی وہ خالق ہر کام کو اپنی طرف منسوب کرنے کا شایاں ہے۔ حضرت موسیٰ کی ماں کے دل میں اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان پیدا ہو جانا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم نے

اُس سے کہا نہ تو غم کھا نہ خوف کھا۔ ہم اُسے یعنے تیرے بچے کو پیغمبر بنائیں گے۔ یہی کیفیت بی بی مریم کے ساتھ ہوئی جب اُنھیں اس بات کا خوف ہوا کہ اس طرح بچہ ہونے پر لوگ کیا خیال کرینگے۔ تو فوراً خیالات نے اِس امر کی طرف عود کیا کہ خدا کی دی ہوئی چیز ہے بغیر اُسکی مرضی کے پتہ تک نہیں ہلتا۔ چونکہ وہی قادر مطلق ہے جو چاہے کرے۔ اِس خیال نے اُنھیں تسکین دی اور ایسی حالت میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمنے اپنی روح القدس کو مریم کے پاس بھیجا کہ وہ اُسے ایک ایسے بیٹے کی بشارت دے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس ہر وقت اور ہر گھڑی اور ہر لحظہ علی قدر مراتب ذرہ سے لیکے انسان تک کے ساتھ رہتی ہے چنانچہ حضرت مریم کے ساتھ بھی تھی اور اسی وجہ سے آنھیں یہ قلب مطمئنہ حاصل ہوا جسے خدا نے اپنے طرز کلام میں ادا کیا وحی کی جو کچھ حقیقت ہے وہ ہم بتا چکے۔ شریعت نے جس طرح اُسے مانا ہے وہ ہم ظاہر کر چکے ہمارے خیال میں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہوگا۔ اور اس پر زیادہ بحث کرنے کی ضرورت نہو گی تاہم ابھی یہ دیکھنا ہے کہ وحی کے نازل ہونے کے جو طریق محدثین اور مفسرین نے بیان کئے ہیں اسکے کیا معنے ہیں اور وہ تعداد میں کتنے ہیں۔

اول وحی بواسطۂ جبرائیل

جبرائیل کے معنے خدا کے بندہ کے ہیں مگر زبانِ شریعت میں اُسے ناموس اکبر بھی کہتے ہیں۔ محدثین نے بیان کیا ہے کہ ناموس اکبر یا روح القدس یا جبرائیل کئی صورت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام پہنچاتے تھے کبھی تو جبرائیل کسی خاص شکل میں آکے وحی دیتے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ اکثر دحیہ کلبی کی صورت میں آیا کرتے تھے۔ ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ آپ کبھی اجنبی کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ بخاری و مسلم نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیل مسافرانہ صورت نہایت سفید لباس میں ظاہر ہو کے حضرت رسالت مآب کے زانو سے زانو ملا کے بیٹھ گئے اور اسلام اور ایمان کے معنے دریافت کرنے لگے۔ آپکے جواب کے بعد خود ہی تصدیق کرتے جاتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس اجنبی شخص کے سوال اور تصدیق سے بہت ہی تعجب ہوا جب وہ چلے گئے تو حضرت رسالتمآب نے فرمایا یہ جبرائیل علیہ السلام تھے تمھیں اسلام اور ایمان کے معنے سکھانے آئے تھے۔

ایک اور روایت ہے جس میں حضرت جبرائیل کا دو روز نماز پڑھانا بیان ہوا ہے۔ ایک روز اول وقت اور دوسرے روز آخر وقت۔ اس روایت کو امام مالک رح نے نقل کیا ہے۔ اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں لیکن ماحصل سب کا یکساں ہے۔ اس لئے ہم نے غیر ضروری سمجھ کے نقل نہیں کیں۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ خبر احاد کو نہ ماننا اسلام میں کچھ خرابی نہیں پیدا کرتا مگر نہیں ہم ہر روایت کو تسلیم کرتے ہیں اور اُس میں ایک حرف کا بھی تغیر و تبدیل نہیں کرنا چاہتے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جبرائیل طرح طرح کی صورتوں میں وحی لیکے تشریف لاتے تھے نہ صرف وحی لیکے بلکہ معمولی باتیں سمجھانے کے لیئے بھی آپ کا

نزول ہوتا تھا مثلاً مسجد میں مع جوتیوں آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت جبرائیل نے فوراً مطلع کیا کہ آپ جوتی
اُتار ڈالیے کیچڑ لگی ہوئی ہے۔ آپ نے فوراً جوتی اُتار ڈالی۔ جب صحابہؓ نے نماز ہی میں آپ کی تقلید کی تو
آپ نے سلام پھیر کے فرمایا تم نے جوتیاں کیوں اُتار ڈالیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو دیکھ کے
آپ نے فرمایا میری جوتی میں چونکہ کیچڑ لگی ہوئی تھی اس لیے جبرائیل نے مجھے آگاہ کیا میں نے جوتی اُتار ڈالی۔ یہ
ساری روایتیں جن کی تعداد صدہا سے گزر کے ہزاروں تک پونہچی ہے بالکل صحیح ہیں۔ ہر لمحہ ہر کام کے لیے خواہ
وہ کتنا ہی ادنیٰ کیوں نہو حضرت جبرائیل کا آنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپ میں جبرائیل یا ناموس اکبر یا روح القدس
کی آمیزش ہو گئی تھی اور آپ کی ذات مطہر و مقدس کی روح القدس لازم بن گئی تھی۔ آپ کا روح القدس میں
کامل استغراق بلکہ مجسّم روح القدس ہو جانا یہ معنی پیدا کرتا ہے کہ بعض وقت ایک نیا شخص آپ کو مجسم روح
القدس معلوم ہوتی ہو اور آپ کی زبردست توجہ یا خیال کا صحابہ پر وہ اثر پڑتا ہو کہ وہ بھی اُسی آدمی کی صورت
میں دیکھ لیتے ہوں۔ مسمریزم گویا اس درجہ تیقن کی جو انبیا کو حاصل تھا الف بے نتے ہے۔ اور یہ علم کوئی بُرا نہیں
ہے اگر اس سے کوئی بُرا کام نہ لیا جائے تو بہت سی مفید باتیں اس سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ سلب مرض
بآسانی ہو سکتا ہے۔ بغیر دیکھے کسی کتاب کو پڑھ لینا کچھ بات ہی نہیں ہے۔ جس شخص کو اس فن میں غلو ہو جاتا
ہے اُسے مشکل نہیں ہے جس چیز کا خیال کرے وہ اُس کے آگے مجسّم آکے کھڑی ہو جائے اور اُس سے باتیں
کرے۔ اُسکی باتوں کا جواب دے اور خود اُس سے سوال کرے۔ ہمارے نبی معصوم کی شان اس سے بھی
بہت بلند ہے۔ ہم اسے مانتے ہیں کہ بعض اوقات غلبۂ روحانیت کی وجہ سے روح القدس آپ کو مجسّم دکھائی دیتی
تھی اور چونکہ صحابہ بھی روح القدس کی تائید میں تھے۔ اس لیے اُنھیں بھی نظر آجانا کچھ بات نہیں۔ کون ہے جو
نبوت اور اُسکے راز سے ذرّہ بھر بھی واقفیت رکھتا ہے۔ کون ہے جس نے اُن تعلقات کو پہچانا ہے جو مخصوص
بندہ اور خالق کے درمیان قائم ہیں۔ معمولی باتوں کو لمبے چوڑے الفاظ میں بیان کرنا اور اُسی سے اپنے ہادیٔ
برحق کی تعریف سمجھ لینی سخت غلطی ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کی شان اگرچہ وہ ہماری طرح پیدا ہوئے ہماری
طرح پرورش پائی۔ ہماری طرح بڑے ہوئے۔ پھر بھی وہ امتیاز یہ مرتبہ رکھتی ہے جس کی بلندی پر ہمارا خیال نہیں جا سکتا
وہ کائنات کا لب لباب روح القدس کے مجسّم آنے یا جبرائیل کی تعلیم سے بہت بالا ہے۔ وہ خود ہی روح القدس
ہے۔ خود ہی ناموس اکبر ہے۔ خود ہی جبرائیل ہے اور خود ہی میکائیل ہے۔ یہ اُس کی صفتیں ہیں جن کے علیحدہ
علیحدہ نام گنائے ہیں ورنہ یہ کل صفتیں اُس ذات میں جسے محمدؐ کے نام سے پکارتے ہیں خدا کی خاص صفتیں
ہیں جو اُس نے محمد عربی میں ودیعت کی تھیں۔ کوئی اُنھیں نہ سمجھے اور اُنکے اٹکل پچو معنے لگائے یہ اُسکی خوش فہمی
ہے۔ کہاں ہے یہ تاثیر کسی نام میں (اگرچہ بہت سے پیغمبر گزر گئے اور بہت سے فرشتوں کا بیان کیا گیا) اب بھی وہ نبی
اُمّی اپنے روضۂ مبارک میں سے کروڑوں بندگانِ خدا کو کلمۂ توحید پہ قائم رکھے ہوئے ہے اور اب بھی اُس کے
مبارک نام میں حرارت زندگی اور قوت باقی ہے۔ اب بھی میدان جنگ میں اُس کا پرجلال نام تیغ و سنان کا کام دیتا ہے
اے معصوم ہاشمی نبی تیری بزرگی بہت بڑی ہے تو بلاشک کامل انسان کی صورت میں پیدا ہوا تو اپنا ثانی آپ ہی ہے

ابھی تک ہم تیرے عالی مرتبہ کو نہیں پہچان سکے ہم اپنی محدود عقلوں اور اپنی بساط کے موافق تیری صفات کی جستجو کرتے ہیں مگر جیسا کہ چاہیئے ہم اُنھیں نہیں پاتے۔

دوم وحی بواسطہ آواز

کبھی جرس کے مانند آپ کو ایک آواز سنائی دیتی تھی جیسا کہ صحیح بخاری اور مسند احمد بن حنبل میں ہے یہ بھی بیان ہوا ہے کہ یہ حالت آپ پر نہایت شاق گزرتی تھی۔ خود نبی معصوم و برحق نے اس آواز کی اصلی حقیقت بیان نہیں فرمائی۔ ہاں علمائے کرام نے اپنی اپنی عقل کے مطابق اس کی کئی وجہیں بیان کی ہیں۔ بعض کا بیان ہے کہ فرشتوں کے پروں کی آوازیں سُنائی دیتی تھیں۔ بعض کہتے ہیں متنبہ کرنے کے لیئے پہلے سے آواز آجاتی تھی وغیرہ وغیرہ۔ جب خود اُس آواز کی کیفیت آنحضرت سے منقول نہیں تو مجبوراً علمار نے اپنی طرف سے رائے لگادی مگر پھر بھی وہ اُسکی کنہہ تک نہ پہنچ سکے۔ جب انسان کسی خیال میں غرق ہوتا ہے تو اُسے اُسی رنگ کی نئی نئی آوازیں سُنائی دیتیں اور شکلیں نظر آتی ہیں جنکو وہ سنتا اور دیکھتا تو ہے مگر انکی کیفیت بیان نہیں کرسکتا۔ غلبۂ روحانیت یا غلبہ روح القدس کی وجہ سے آپ کی ظاہری حالت میں تغیر ہو جانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ وہ حالت آپ پر شاق گزرتی ہو دیکھنے والے تو شاید یہی سمجھتے ہوں مگر وہاں دائمی راحت اور ایک اعلیٰ درجہ کا قلب مطمئنہ حاصل ہوتا تھا اور خداوند تعالیٰ کی لازوال قوتوں کا پورا اندازہ کرکے اُس سے لذت روحانی حاصل کیجاتی تھی۔ ایک جرس کی آواز کیا ہم کہتے ہیں برق و باد کی آوازیں بھی کلام خدا بنجاتی ہیں۔ ہوا اور بجلی کی آوازیں سمجھنے والوں کے نزدیک کلام خدا ہیں بے شک ان کے ذریعہ سے خدا اپنے خاص بندوں سے باتیں کرتا ہے۔

جس نے اس کا زخم کھایا ہے اُسے معلوم ہے
تیغِ ابرو کی صفت گھائل سے پوچھا چاہیئے

موسیٰؑ سے کوئی پوچھے کہ تمھیں طور کے پہاڑ پر کیا معلوم ہوا تھا۔ جہاں سے اُنھوں نے خداوند تعالیٰ سے باتیں کی تھیں وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسٰى تَكْلِيمًا مصرع قدرایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی،، نہیں جان سکتے وہ لوگ جو اِس کوچہ سے واقف نہیں ہیں۔ نہیں سمجھ سکتے وہ لوگ جنھوں نے معرفت اور حقیقت کو نہیں پایا۔ ظاہر بیں ان الفاظ کے اور باتوں کے کچھ معنے لگاتے ہیں اور ہم اُنکے کچھ معنے سمجھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک میں بے شک آوازیں آتی تھیں اور حقیقت میں وہ خدا کی آوازیں تھیں جو اپنے بندہ سے باتیں کرتا تھا۔ بجلی کی آواز کبھی اُسے نیا پیغام پہنچاتی تھی۔ بادل کی گرج اُس کے لیئے نئی ہدایتیں لاتی تھی اور وہ آوازیں جو اسکے ارد گرد اُٹھتی تھیں اور جن سے اُس کی ظاہری حالت میں تغیر آجاتا تھا وہ بھی خدا ہی کی طرف سے تھیں۔ اُس کا اُٹھنا بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ باتیں کرنا سب وحی کے ذریعہ سے انجام پاتا تھا۔ اس نظر سے ہر آواز جو روحانیت کے پورے غلبہ میں مسموع ہوتی تھی خدا کی طرف سے تھی۔ اور

بلا شک خدا اُس سے خود کلام کرتا تھا۔ یہ وہ عجیب معارف و دقائق ہیں جن کی تہ تک پہنچنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اپنے معبود برحق کے حکم کی تعمیل کی ہے ہمیں اُس نے اسی خدمت کے لئے چن لیا ہے۔ اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کر رہا ہے اور اُسکی روح القدس کی تائید ہمارے شامل حال ہے ہمیں اُسی کی مرضی پر جینا۔ اسی کی مرضی پر کام کرنا اور اُسی کی مرضی پر مرنا پسند ہے۔ دعا ہے کہ روح القدس ہمیشہ ہمارے شامل حال رہے اور ہم اُسی کے سایہ اور اُسی کی سرپرستی میں یہ عظیم الشان کام انجام دیں۔

سوم وحی بواسطہ تجلیات ربّانی

محدثین نے بیان کیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حالت بیداری میں وحی نازل ہوتی تھی اور اُسکی یہ حالت ہوتی تھی کہ تجلیات ربانی سے آنکھوں میں وہ نور اور قوت پیدا ہو جاتی تھی کہ آپ عالم ملکوت کا مشاہدہ فرما لیتے تھے۔ اس صورت سے کل اسرار غیبی آپ پر عیاں ہو جاتے تھے جیسا نماز کسوف میں یہ بات آپ کو پیش آئی تھی۔

یہ بھی بالکل صحیح ہے ہم یہ تو نہیں مانتے کہ صرف نماز کسوف ہی میں آپ پر تجلیات ربانی نے اپنا جلوہ کیا تھا اور اوقات ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ جو ہمارا یقین اور ایمان ہے وہ یہ ہے کہ کتاب فطرت ہر وقت آپ کے آگے کھلی رہتی تھی۔ اور جب آپ اول سے اخیر تک دیکھ بھی چکے تھے۔ تجلیات ربانی یعنی روح القدس آپ کی ہمدم وہمقرین رہتی تھی۔ وجہ کیا کہ ہم ان سب باتوں پر تجلیات ربانی کا ایک خاص وقت مقرر کریں۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ پیدا ہونے کے وقت سے وصال کے وقت تک ایک لمحہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ آپ تجلیات ربانی کے بازگشت نہ بنے رہے ہوں اور آپ پر اسرار غیبیہ عیاں ہوتے ہوں۔ قرآن مجید کی آیتوں یا سورتوں کا بروقت ضرورت نزول اسی امر کی خاص دلیل ہے کہ آپ کبھی تجلیات ربانی یا روح القدس یا جبرائیل کی مجالست سے علیحدہ نہیں ہوئے اور یہ کیونکر ہو سکتا تھا جب آپ ایک عظیم الشان فرض کی انجام دہی کے لئے پیدا ہوں۔ جب آپ پر دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ بلکہ کل دنیا کی اصلاح موقوف ہو جب آپ پر توحید کی اشاعت منحصر ہو ایسے بڑے اہم فرض کی کامیابی کے ساتھ انجام دینے کے لئے تمام ربانی تجلیوں کا ہجوم چاہیئے کیونکہ ایسے بڑے کام روح القدس کی پوری تائید اور پورے ہمقریں ہوئے بغیر ممکن نہیں۔ لوگوں کی طبیعت میں ایک ایسا زندہ اثر پیدا کرنا جو صدہا برس گزرنے کے بعد ویسا ہی پر زور ہے بغیر ربانی امداد اور روح القدس کی کامل تائید کے ناممکن سے بھی زیادہ ناممکن ہے۔

اگرچہ آپ انسان تھے مگر کامل انسان تھے اور کامل انسان کی جو صفت ہوتی ہے وہ آپ کی مقدس ذات میں ودیعت ہوئی تھی۔ آپ فطرۃ اللہ کو بخوبی سمجھ سکتے تھے اور آپ کو خوب معلوم تھا کہ انسان کے پیدا کرنے کی کیا غایت ہے۔ خود خداوند تعالی نے کلام مجید میں فرما دیا ہے کہ ہم نے جن اور انس کو محض عبادت کے لیئے پیدا کیا ہے یہ ایک بڑا پر معنی جملہ ہے جس کی تفسیر ابھی تک پورے طور سے کسی مفسر سے نہیں ہوئی ہم نے وحی کے

نازل ہونے میں سلف سے مطلق اختلاف نہیں کیا ہے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ اُنھوں نے کئی پہلو وحی کے نازل ہونے کے پیدا کیے ہیں اور ہم سب پہلوؤں سے صرف ایک ہی مراد لیتے ہیں۔ ہیں سب کے ایک ہی سے نتیجے اور سب کا ایک ہی مفہوم جس طرح چاہے سمجھیں اور جس طرح چاہے یقین کریں۔ نزول وحی کی بعض حالتوں کو محدثین علماء نے ایک ہی وقت میں قید کر دیا ہے۔ ہم صرف اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور ہمارا یہ خیال ہے کہ پیغامِ خدا ایک صورت سے نازل ہونا چاہیئے۔ وقتاً فوقتاً اُسکی نئی صورتیں پیدا ہونا کوئی مصلحت نہیں رکھتا۔ ایک ہی خدا ایک ہی پیغام اور ایک ہی رسول اور پھر بار بار نئی صورتوں کا پیغام بھیجنے میں پیدا ہونا خلاف عقل ہے۔ خداوند اپنی ہر ارزل ترین مخلوق سے باتیں کرتا ہے اور اپنی گفتگو یا کلام کا طریقہ ہر ایک کے ساتھ اُس سے علیحدہ مقرر کر رکھا ہے اُس سے بھی تجاوز نہیں ہو سکتا۔ وہ پیغمبروں سے بھی باتیں کرتا ہے وہ ایک فاسق و فاجر سے بھی ہمکلام ہوتا ہے۔ وہ کیڑوں سے بھی گفتگو کرتا ہے مگر ہر ایک سے اُسکے ہمکلام ہونے کا ایک نیا قاعدہ ہے اور اُس سے تجاوز ممکن نہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کبھی تو روح القدس اُفق پر اپنے بڑے پروں سے دکھائی دیتی تھی اور اس صورت سے پیغام باری تعالیٰ پہنچاتی تھی اور کبھی دحیہ کلبی کی صورت میں نمودار ہوتی تھی اور کبھی آواز بن کے سنائی دیتی تھی اور کبھی برق و رعد کا لباس پہنکر ظاہر ہوتی تھی اور کبھی نور بن کے آنکھوں کے سامنے چکر لانے لگتی تھی۔ یہ ساری باتیں تراشی ہوئی ہیں جنکو نزول وحی کے راز سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ پھر بھی اگر ہم ان کل صورتوں کو تسلیم بھی کر لیں تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پانی کے فوارے میں آفتاب کی کرنیں مختلف رنگ پیدا کر دیتی ہیں اسیطرح وحی کے اس چشمے میں جو ہر وقت قلب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جوش زن رہتا تھا تجلیات ربانی کی شعاعیں اُس جوش زن چشمہ میں نئی نئی صورتیں اور رنگ پیدا کر دیتی تھیں جنکی کنہ کو سوائے اُس ذات کے جس کے دل میں یہ چشمۂ وحی اُبلتا تھا اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ نہ وہ خود اسکی اصلی کیفیت الفاظ میں بیان کر سکتا تھا۔ انسانی زبان کے الفاظ محدود اور وہ حالت اور اُس کی کیفیت غیر محدود پھر کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ شمہ برابر بھی اُس کا راز ادا ہو سکتا یہی وجہ تھی کہ آپ تمثیلوں میں بیان فرماتے تھے۔ کبھی اُسے آواز برق و رعد کی تمثیل میں بیان فرمایا اور کبھی آدمی کی صورت کی تمثیل دی۔ کبھی تجلیات ربانی کی مثال دیکے سمجھایا۔ اور اصل تو یہ ہے کہ ان تمثیلوں کی بھی آپ کو ضرورت نہ تھی۔ کیونکہ اُن تمثیلوں کو بھی سمجھانا محالات سے تھا۔ نہ خداوند تعالیٰ نے آپ کا یہ فرض مقرر کیا تھا کہ صحابہ کو وحی کے نازل ہونے کی کیفیت سمجھائیں بلکہ جس لیئے آپ مبعوث ہوئے تھے وہ صرف اتنا کام تھا کہ آپ وحی بیان فرما دیں اور بس۔ کبھی زبردستی نہیں کی گئی کہ خدا کا حکم جبراً مانو اور اُس پر عمل کرو۔ اسکی تائید خود کلام پاک موجود ہے جہاں یہ ارشاد ہوا ہے کہ "دین میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے" کلام کی یہی خوبی ہے کہ وہ خود بخود دل میں گھر کر جاتا ہے۔ اور اُسکے نقش بغیر کسی کوشش کے از خود دل میں بیٹھتے جائیں۔ آپ کی تعلیم کا طریقہ اس قدر احسن اور نرم تھا کہ دنیا میں کسی کو نصیب نہیں ہوا قرآن مجید سے بھی خود اِسکی شہادت ملتی ہے جہاں فرمایا ہے۔ "نصیحت احسن اور نرم طریقہ سے کی جائے"۔

یہ ساری باتیں اس امر کا پورا ثبوت ہیں کہ وحی جس کے لفظی معنی رمز بات کے ہیں ایک ایسا راز باری تعالیٰ تھا جسکی حقیقت لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔ تمثیلوں میں بیان کرنے سے اگر کوئی نتیجہ ہو سکتا ہے تو صرف یہ ہے کہ عام طور پر لوگ وحی کی وقعت کریں اور صاحب وحی کو ایک عظیم الشان مرتبہ والا سمجھیں مگر جنکی نظر نہایت گہرائی میں جاتی ہے اور جو قوانین قدرت کا اصلی منشا سمجھتے ہیں۔ جنھیں نبوت اور اُس کے راز کا اوپری علم بھی ہے اور جو محمدؐ اور خدا کے تعلقات سے واقف ہیں اُن کا یہ خیال ہے کہ نزول وحی کے طریقے تمثیل میں سمجھانے سے نہ کوئی مطلب ہوتا ہے نہ نزول وحی کا راز سربستہ کھلتا ہے۔ ایک نفیس کھانا میزبان نے پکا کے رکھا۔ مہمان کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ کھانا بھی کھانا جائے اور اسکی ترکیب دریافت کر کے میزبان کو تکلیف دے۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ آیا کھانا اچھا ہے یا نہیں۔ اور عموماً اسی کی تعریف ہوتی ہے کہ کھانا اچھا پکا ہے۔ اِس سے بحث نہیں کہ کیونکر پکایا گیا۔ ہاں پکانے والے کا نام بتانا یا دریافت کرنا کچھ ایسی نازیبا بات نہیں ہے۔ اسیطرح ہمیں وحی کی بابت فیصلہ کرنا چاہیئے۔ صرف اتنا ہی فرما دینا کافی تھا کہ یہ کلام خدا ہے اور مجھپر نازل ہوا ہے اس میں یہ اوامر ہیں اور یہ نواہی ہیں۔ اِسکی حقیقت بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی کہ مجھپر وحی نازل ہونے کا یہ طریقہ ہے اور میری یہ کیفیت ہو جاتی ہے۔ اگر کل حدیثوں کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صورت دیکھ کے یہ ساری باتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی خاص وقت میں آپ نے کچھ فرما دیا بھی ہو مگر آپ کا وہ فرمانا محض تمثیلی خیال کیا جائیگا۔ حقیقت سے اُسے کچھ سروکار نہیں ہونے کا۔ جب راحت درد۔ کھٹاس۔ مٹاس کی کیفیت بیان کرنے میں ہمیں تمثیلی الفاظ لانے پڑتے ہیں تو نزول وحی کی کیفیت ہم سے ان محدود الفاظ میں کیونکر بیان ہو سکے گی۔ جو کچھ ہم جان سکتے ہیں وہ اسیقدر ہے جتنا ہمیں خدا نے آگاہ کیا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے قل من کان عدوا لجبریل فانہ نزلہٗ علی قلبك باذن اللہ ”یعنے کہہ جو کوئی روح القدس کا دشمن ہو ہوا کرے مگر اُس نے تو یہ قرآن تیرے دل پر خدا کی طرف سے اُتارا ہے“۔ اِس آیت سے صاف طور پر بغیر کسی مجاز اور تاویل کے یہ پایا جاتا ہے کہ خود آپ ہی کے قلب مبارک سے وحی کا چشمہ اُبلتا تھا اس لیئے روح القدس نے آپ کے دل پر خدا کی طرف سے قرآن القا کیا تھا اور ایک آیت سے اسکی تشریح اور بھی واضح طور پر ہو گئی جہاں خداوند رب العرش ارشاد کرتا ہے یلقے الروح من امرہٖ علی من یشاء ”یعنی خدا روح القدس کو جس میں چاہے القا کرتا ہے۔ یا خدا روح القدس کو جسکے پاس چاہتا ہے بھیج دیتا ہے۔ اس سے یہ بات تو نہیں پیدا ہوتی کہ خدا کا فرشتہ آدمی کی صورت میں آ کے بلفظ قرآن سناتا تھا۔ بلکہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے روح القدس کلام خدا کو دل میں القا کر دیتی تھی۔ آگے آنے والی آیتیں اور بھی صاف ہیں جن سے تمام شبہے جو عوام الناس کو ہو رہے ہیں دور ہو جائیں گے۔ چنانچہ وہ آیتیں یہ ہیں۔

انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین۔ وما صاحبکم بمجنون ولقد راٰہ بالافق المبین وما ھو علی الغیب بضنین وما ھو بقول شیطٰن رجیم فاین تذھبون

یعنی یہ قرآن اُس رسول کریم (یعنی روح القدس) کا کلام ہے جو صاحب قوت، اور خدا کے نزدیک معزز اور امین ہے اور تمہارا نبی (محمد) کچھ دیوانہ نہیں (کہ اپنے خیالات کو مجنون کی طرح روح القدس اور وحی سمجھ جائے) اور اُس نے روح القدس کو (اسکی صورت اصلیہ پر) افق پر دیکھا ہے اور وہ غیب کی باتوں میں بخیل نہیں اور یہ قرآن شیطان کا قول نہیں پس تمہارا خیال کدھر جاتا ہے (جو ایسی بدگمانیاں کرتے ہو) ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس شروع پیدایش سے آپ کی ہمقرین تھی۔ اور آپکی ذات اقدس و اطہر کے ساتھ مل کے شیر و شکر ہوگئی تھی۔ جو کچھ آپ فرماتے تھے روح القدس کی تائید سے ہوتا تھا یا بالفاظ دیگر خود آپ میں روح القدس بولتی تھی۔ روح القدس کو اُفق پر دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ ایک مجسّم چیز اُفق پر ایکبار دکھائی دی اور پھر غائب ہوگئی بلکہ روح القدس کی اصلیت کو بلند دیکھنے کے یہ معنی ہیں کہ سب سے اعلیٰ درجہ کی روح القدس آپکی ہمقرین بنائی گئی تھی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ روح القدس کی تائید سے کوئی خالی نہیں ہے اور یہ بھی ہمنے لکھا تھا کہ بقدر مراتب روح القدس کی تائید ہوتی ہے اسکی اس آیت سے شہادت مل گئی۔ اُفق پر روح القدس کو دیکھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ آپکی ذات میں جو روح القدس ودیعت ہوئی تھی وہ اعلیٰ درجہ کی اور بلند تھی۔ یہ ہماری خوش فہمی ہے کہ ہم حضرت جبرائیل کا ایک جسم قرار دیکے افق پر کھڑا کریں اور اُنکے بڑے بڑے پر بیان کریں اور اُنکی صورت ایک ایسے خوفناک دیو کی بیان کریں جو ہمارے مشرقی قصہ نویسوں نے زیادہ تر اپنے فسانوں میں لکھے ہیں۔ ایک کامل نور کامل ہدایت کو ایک ہیبت ناک جسم میں مقید کرنا یہ ہمارے بعض علماء کرام کا شیوہ ہے جس سے ہم بدقسمتی سے اتفاق نہیں کرتے۔ رب العرش کا یہ فرمانا کہ جو کچھ محمد کی زبان سے نکلتا ہے روح القدس کا کلام ہے جو صاحب قوت بھی ہے اور ہماری نظر میں امین بھی ہے صاف دلالت کرتا ہے کہ روح القدس آپ کی ذات اقدس و اطہر میں بولتی تھی اور اسقدر وابستہ ہوگئی تھی کہ جو کلام آپ کی زبان مبارک سے سرزد ہوتا تھا سمیں روح القدس کی تائید ضروری تھی۔

پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے قل نزله الروح القدس من ربك بالحق یعنی تو کہہ اس قرآن کو تیرے رب کی طرف سے سچائی کے ساتھ روح القدس نے اُتارا ہے۔ اس میں شک کرنا اور اس کی صداقت میں کلام کرنا سخت نافہمی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ روح القدس کی طرف سے نازل ہوا وہ حق ہے اور سوائے صداقت کے اُس میں کچھ بھی نہیں۔ وحی اور اُس کے نازل ہونے کی حقیقت بیان بالا سے بخوبی ثابت ہوگئی ہوگی زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے وہ کہانتک منشار باری تعالیٰ کے موافق ہے اور اُس کا تطابق ایک حد تک علوم جدیدہ کے اصول مسلمہ سے ہوتا ہے قوانین قدرت شاہد ہیں کہ اسلام سے زیادہ صاف اور سمجھ میں آجانے والا مذہب دنیا میں کوئی نہیں۔ یونانی فلسفہ کی کسوٹی پر پرکھا تو اسے سچا پایا اور اب علوم جدیدہ کی سلطنت ہے اُنھوں نے ہر طرح سے پرکھا کوئی نقص نہیں دیکھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عقل سلیم اور آزادی رائے ہونی چاہیئے۔ تعصب اندھا کر دیتا ہے اور پھر حق و ناحق میں

کوئی فرق نہیں رہتا۔ اسلام نے تو صاف طور پر بتا دیا کہ فرشتہ کسے کہتے ہیں۔ نزول ملائکہ کے کیا معنی ہیں الہام اور وحی کی کیا حقیقت ہے۔ مگر یہودی اور عیسائی اس گہرائی میں نہیں پہنچے۔ اُنھوں نے فرشتوں کا ایک خارجی وجود قائم کیا ہے مثل انسان کے کہ فرشتے آتے ہیں اور اُن سے باتیں کرتے ہیں۔ مثل انسان کے جو پیغام سُناتے ہیں اُس میں آواز بھی ہوتی ہے اور الفاظ بھی ہوتے ہیں اور پھر جسم خاکی سے وہ آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ یہ خیالات افریقیہ کی وحشی اقوام کے لیئے زیادہ موزوں ہیں۔ اسلام جیسے مہذب اور شائستہ مذہب کو ان سے کچھ علاقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں عیسائیت گھٹتی جاتی ہے اور اُس کا دائرہ اسقدر تنگ ہوتا جاتا ہے کہ چند روز میں سوائے قومیت کے عیسائیت کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ جائیگا

قرآن مجید اُس شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا جس نے تقلید کا جامہ پہن لیا ہے یا تعصب نے اُسکی عقل کو بے کار کر دیا ہے۔ قرآن میں معجزہ یہی ہے کہ ہر شخص کی فہم کے مطابق وہ جواب دیتا ہے اور اُس کا اطمینان کر دیتا ہے جسقدر گہری نظر کرتے جاؤ گے نئے نئے مطالب حل ہوتے جائیں گے اور وہ وہ باریکیاں نکلیں گی جو دیدہ ہوں نہ شنید۔ یہ بات اور ہے کہ ہم اپنے خیال میں کسی خاص مفسر پر ایمان لے آئیں اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ جو کچھ اُس نے لکھا ہے بس وہی خدا کا کلام ہے دوسرا اُس سے اچھی بات بھی کہے تو ماننا کفر ہے ایسی طبیعت اور ایسے خیالات کا علاج سوائے افسوس اور خاموشی کے ہو نہیں سکتا۔ غیر طرفدارانہ طور پر توریت اور اناجیل کو قرآن سے مقابلہ کرو تو ایک عظیم فرق پاؤ گے۔ توریت اور انجیل کی سب باتیں مافوق الفطرت ملیں گی جنھیں کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔ قرآن مجید کی تمام باتیں قوانین قدرت کے مطابق پائی جائینگی جن کو اس کے خلاف کوئی بھی ثابت نہیں کر سکتا اور جس نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اُس نے منہ کی کھائی اور سخت خفت اُٹھائی۔ وحی اور الہام کے کیسے ادق مضمون تھے مگر قرآن مجید نے ایسے حل کیئے کہ ایک حکیم سے لگا کے ایک بچہ تک سمجھ لے اور کبھی کوئی نکتہ چینی پیدا ہی نہ ہو سکے۔ قرآن کی تعلیم بالکل صاف اور سیدھی ہے۔ پڑھنے والے اگر پیچیدگی میں پڑ کے کچھ کا کچھ سمجھ جائیں تو اُنکی عقل کا قصور ہے۔ اس کی بالکل یہی مثال ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست | در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یہاں تو ہم نے وحی کے اقسام اور حقیقت بیان کی اب ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ قرآن مجید کو کس وحی سے تعبیر کرتے ہیں اور احادیث نبویہ کو کس وحی سے۔ یہ بحث ہمارے علمار کرام کی بہت دلچسپ ہے۔ مگر اس بحث کا ایسے شخص کی سمجھ میں آنا مشکل ہے جو تقلید پرستی کرتا ہو اور اُسکے دین اور دینی عقائد کا دارومدار صرف ایک ہی عالم کے خیالات پر ہو۔ ہاں جسے فہم سلیم عطا ہوئی ہے اور جو اپنی عقل سے کچھ بھی کام لینا جانتا ہے وہ ہماری بحث کو سمجھے گا بھی اُس سے لطف بھی اُٹھائے گا اور ممکن ہے کہ اُسے کچھ فائدہ بھی ہو۔ چنانچہ وہ بحث یہ ہے۔

وحی متلو اور وحی غیر متلو

وحی کی دو قسمیں ہیں ایک وحی متلو یعنی قرآن مجید اور ایک وحی غیر متلو یعنی حدیث قدسی یا سنت۔ یہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آپ کا کوئی کلام روح القدس کی میزش سے خالی نہ ہوتا تھا۔ اور جو کچھ آپ کے دل میں القا ہوتا تھا اُسے وحی کہتے ہیں تو ضرور ہوا کہ وہ صحیح حدیثیں جو آپ نے بیان فرمائی ہیں روح القدس کی تائید سے خالی نہوں۔ چونکہ اُن احادیث کا طرز کلام قرآن کے طرز بیان سے مطلق مطابقت نہیں کھاتا۔ اس لیئے اس پر اگرچہ وحی کا اطلاق کیا گیا لیکن اُس میں اور قرآن میں فرق کرنے کے لیئے جدا جدا نام ٹھیرا دیئے۔ ایک کو وحی متلو اور دوسرے کو وحی غیر متلو یعنی سنت اور حدیث قدسی کہا۔ اب یہ بحث نہایت پیچیدہ ہے کہ جب اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ روح القدس دم بھر آپ سے جدا نہوتی تھی اور ہر وقت آپکی زبان سے بولتی تھی۔ غرض جو کلام آپ فرماتے تھے وہ وحی سے خالی نہ ہوتا تھا اور پھر قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے علم ادب میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اگر کسی طول طویل حدیث میں ایک چھوٹا سا جملہ بھی قرآن مجید کا آجاتا ہے تو بالکل علیحدہ معلوم ہوتا ہے اور قرآنی الفاظ کسی صورت سے چسپاں ہی نہیں ہوتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیثیں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی جاتی ہیں وہ بالمعنی روایت ہوتی ہیں یہ صرف ہماری ہی رائے نہیں ہے بلکہ علماء کا ایک بڑا گروہ اس طرف گیا ہے۔ الفاظ رسول خدا احمد عربی کے نہیں ہوتے اگرچہ مطلب کچھ نہ کچھ ہونا ممکن ہے۔ چونکہ الفاظ غیروں کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کے علم ادب اور احادیث کے علم ادب میں فرق ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضور انور نے تمام زندگی میں جتنی باتیں کہیں یا جتنے الفاظ زبان سے نکالے وہ سب اسی شان اور اسی عظمت کے تھے جیسے قرآن کے ہیں کیونکہ روح القدس کا قلب پر کامل غلبہ اُسی وقت ہوتا تھا جب قرآن کے بیان کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اور یہ بات انسانی حالت سے بعید نہیں ہے معمولی انسانی حالت پر غور کر لو ایک تو وہ الفاظ ہیں جو اُسکے قلم سے نکلتے ہیں اور ایک وہ الفاظ ہیں جو اُسکی زبان سے نکلتے ہیں دونوں کے علم ادب اور شان میں بہت بڑا فرق ہوگا۔ کبھی ممکن نہیں کہ ہماری وہ تحریر جو ہم نے ایک تنہا کمرے میں خاموشی سے لکھی ہے ہماری اُس تقریر سے مطابق ہو جائے جو ہم نے زبانی مجمع عام میں کی ہے۔ لاکھ کچھ ہمیں بولنے کی مشق ہو پھر بھی بہت بڑا فرق ہوگا۔ یہ مثال اگرچہ بہت ادنی مثال ہے پھر بھی اس سے کچھ نہ کچھ سمجھ میں آجاتا ہے کہ قرآن کی زبان میں اور حدیث کی زبان میں کیوں بہت بڑا فرق ہے۔ فرق تو فرق کچھ نسبت ہی نہیں ہے۔ اب ایک بحث بڑی دلچسپ ہم کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وحی کا رنگ حضرت رسالتمآب تک یکساں رہا یا کچھ بدلا گیا قرآن مجید سے تو صریح طور پر یہ نہیں پایا جاتا کہ پہلے وحی کا رنگ اور تھا اور حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بدل گیا۔ مگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور جس کا اشارہ ہم پہلے بھی کر آئے ہیں۔ لیکن اب اسے بالتفصیل لکھتے ہیں۔ انبیاء پر جو وحی پہلے نازل ہوتی تھی وہ دراصل اُس القا کا جو خدا کی طرف سے روح القدس کے ذریعہ سے دل میں ہوتا تھا کبھی کبھی جب ضرورت ہوتی تھی مفہوم بیان کر دیتے

تھے۔ روح القدس کے الفاظ سے کچھ غرض نہوتی تھی۔ توراۃ اور اناجیل میں خدا کو متکلم کہیں نہیں بنایا گیا ہے مگر قرآنِ مجید میں خدا ہر جگہ متکلم بنایا گیا ہے۔ بعض پادری اعتراض کرتے ہیں کہ خدا کے متکلم بنانے سے ایک قسم کا تصنع مراد ہے کہ لوگ عقیدہ لے آئیں اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ درحقیقت کلام خدا ہی ہے۔ یہ اعتراض اگر بغور دیکھا جائے تو زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اس کا ثبوت ملنا مشکل ہے کہ پہلے وحی کیونکر القا ہوتی تھی اس لئے کہ توراۃ اور اناجیل حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے کئی صدی بعد لکھی گئی ہیں جسطرح مسلمانوں نے حدیثیں جمع کی ہیں اسی طرح توراۃ و اناجیل کے قصص جمع ہوئے پھر بھی غور سے دیکھا جائے تو احادیث کی جمع و تنقید اور توراۃ و اناجیل کی جمع و تنقید میں بہت بڑا بل ہے۔ ہمارے ہاں اسماء الرجال گویا صحیح اور غیر صحیح پرکھنے کی کسوٹی ہے۔ مگر توراۃ و اناجیل کے اقوال پرکھنے کی کوئی کسوٹی اسوقت تک ایجاد نہیں ہوئی۔ ہمیں یہاں اس بحث سے کچھ سروکار نہیں صرف دکھانا یہ ہے کہ حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ جو کلامِ خدا فرماتے تھے اگر اُسی وقت لکھ لیا جاتا تھا تو ضرور اس پر غور کیا جاتا اور جب کلامِ خدا صدہا برس کے بعد لکھا گیا تو اُس میں کلامِ ربّانی کی شان ہی کیونکر پائی جا سکتی ہے۔ ہم اس بحث کے بعد یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ علماء نصاریٰ کا خیال ہے وہ صحیح ہے جیساکہ ہیوسی برادر لیافان صاحب لکھتے ہیں "روح القدس نے جسکی تعلیم اور مدد سے انجیل نویسوں اور حواریوں نے لکھا ہے اُن کے لیئے کوئی زبان نہیں ٹھہرادی تھی بلکہ اُسنے اُنکے دلوں میں صرف مطلب سمجھا دیا اور غلطی میں پڑنے سے بچا لیا اور ہر ایک کو اختیار دیا کہ اپنے محاورہ اور عبارت میں اُسکو ادا کرے اور جیسے ہم اُن پاک لوگوں کی لیاقت اور مزاج کے موافق اُن کتابوں میں فرق پاتے ہیں اسی طرح وہ شخص جو اصل زبان سے ماہر ہوگا متی۔ لوقا۔ پالؔ اور یوحنا کے محاورے میں فرق پائیگا۔ اگر روح القدس حواریوں کو عبارت بتادیتی تو یہ بات ہرگز نہوتی بلکہ اس حالت میں کتب مقدسہ میں سے ہر کتاب کا محاورہ علیحدہ ہوتا" اِس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس نے کلام ربانی حواریوں اور انجیل نویسوں کے دل میں القا کیا۔ دوسرے یہ بھی ہدایت کردی کہ اپنے محاورے کے مطابق اسے بیان کرنا۔ اِسکے یہ معنی ہیں کہ اگر روح القدس چاہتی بھی تب بھی صدی ڈیڑھ صدی کی گزشتہ باتوں کا حواریوں اور انجیل نویسوں کے دلوں میں القا نہیں کر سکتی تھی۔ غرض عیسائیوں کا یہ عقیدہ معلوم ہو گیا کہ بطور مضمون کے، وحی القا ہوئی تھی۔ اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا آیا انبیا علیہم السلام کو بھی بطور مضمون کے وحی القا ہوتی تھی یا بطور عبارت اور الفاظ کے اگر سابق الذکر کو مان لیں تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور انبیاء سے بہت اعلیٰ ہے کہ روح القدس کلامِ خدا آپ میں القا بھی کرتی تھی اور اُس کی عبارت بھی بتادیتی تھی اور اگر آخر الذکر کو مانیں تو پادری صاحب کا طریقہ وحی بدلنے کا اعتراض قائم نہیں رہتا۔

اس کے بعد اگر ہم بفرضِ محال یہ تسلیم کرلیں کہ سوائے محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کل انبیا کو وحی بطور مضمون کے القا ہوتی تھی اور روح القدس کے ذریعہ سے اُنھیں الفاظ اور عبارت نہیں بتائی جاتی تھی اور پھر اخیر میں یہ طریقہ بدل دیا گیا۔ تو اس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ جب خدا کی حجت پوری ہوئی اور اُسنے

دیکھ لیا کہ لوگوں نے چونکہ خدا کے الفاظ نہ دیکھے تھے بہت کچھ اس میں تبدیلیاں پیدا کر دیں اور جس نے جو کچھ چاہا گھٹا بڑھا دیا اور اس اثنا میں سلسلۂ نبوت برابر جاری تھا اور اخیر میں نبوت کا سلسلہ ختم ہونیکو تھا اس لیے یہ حکمت بھی کہ روح القدس مضمون کے ساتھ عبارت بھی القا کرے تاکہ پھر تبدیلی کا سان وگمان بھی نہ رہے۔ سلسلۂ نبوت ختم ہو چکا ہے اگر مضمون ہی مضمون القا ہوتا اور وہ بدلا جاتا (کیونکہ مضمون کا بدلا جانا نئے نئے الفاظ میں ڈھلکے اور نئے نئے محاوروں میں آکے لازمی ہے) تو پھر اور کسی نبی کے آنے کی ضرورت داعی ہوتی تاکہ وہ بتائے کہ کلام خدا میں یہ یہ تحریف ہوئی تھی۔ اور جب خدا کو سلسلۂ نبوت ہمارے معصوم و برحق نبی پر ختم کرنا تھا تو ساتھ ہی یہ بھی لازمۂ حکمت تھا کہ وحی کے القا ہونیکی طرز بھی بدل دی جاتی اور بجائے مضمون کے وحی عبارت میں نازل ہوتی اور ہر ہر لفظ پر مہر خدا لگائی جاتی اور کل کلام خدا کی طرف منسوب کیا جاتا اور اُسکی شان تمام ہمعصر کلاموں سے بالکل علیحدہ ہوتی اور اُس کا ایک ایک لفظ مثل روشن چاند کے ہوتا جو آسمان پر ستاروں میں الگ دکھائی دیتا ہے۔ یہ جواب ہے عیسائیوں کے اعتراضوں کا جو وہ بڑے زور شور سے طریقہ وحی اسلامیہ پر کرتے ہیں۔ روح القدس نے کلام کا القا بلفظہ کیا اور لفظ بلفظ حضرت رسالت مآب نے لوگوں کو پڑھ کے سُنایا اب معلوم ہوا کہ وحی متلو اُس وحی کو کہتے ہیں جس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہوں اور وحی غیر متلو وہ ہے جو بطور مضمون کے روح القدس کے ذریعہ سے القا ہوتی ہو۔ وحی غیر متلو کا درجہ وحی متلو سے ادنی ہے اسی بنا پر مسلمان مفخر انبیا حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحبِ وحی متلو سمجھتے ہیں۔

اب اس کج بحثی کا تو کوئی جواب نہیں کہ طریقہ القاے وحی کی تبدیلی تکذیب نبوت پر اس لیئے دلالت کرتی ہے کہ خدا کو اپنا قدیمی قاعدہ بدلنے کی کیا ضرورت تھی تو اس کج بحثی کا الزامی جواب یہ ہو سکتا ہے کہ خدا کو خلافِ عادت کیا ضرور تھا جیسا کہ عیسائیوں کا دین ایمان ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے مر کے زندہ ہوئے اور پھر مع جسم آسمان پر اُٹھائے گئے۔ اس خلاف عادت امر کے کرنے کی خدا کو کیا ضرورت تھی۔ اب جو جواب پادری صاحب اس کا دیں گے وہی جواب مسلمان طریقۂ وحی کی تبدیلی کی نسبت دیدینگے۔

جو کچھ ہم نے وحی کی بابت مختصر بحث کی ہے ہمارا خیال ہے کہ ناظر تفسیر کی تسکین کے لیئے بہت کافی ہوگی وہ اس تمام بحث کو بغور پڑھ کے سمجھ جائے گا کہ ہمارے نبی معصوم و برحق خود مجسم وحی تھے۔ آپکے مبارک دل میں ہر وقت وحی کے چشمے روح القدس کے ذریعہ سے اُبلتے تھے۔ آپ درحقیقت نہیں بولتے تھے بلکہ روح القدس بولتی تھی۔ آپ در اصل کلام نہیں کرتے تھے بلکہ روح القدس کلام کرتی تھی۔ قرآن مجید خود اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اُس کا ایک ایک لفظ روح القدس کی آمیزش سے خالی نہیں۔ تھوڑی دیر کے لیئے دنیا کے کل مذاہب سے کنارہ کرلو اور پھر غیر طرفدارانہ قرآن پر غور کرو تو تمھیں ایک سخت حیرت انگیز نقشہ دکھائی دیگا۔ یہ کتاب جیسی پر اثر ہے ویسی ہی ایک زندگی جاوید اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ اسکے ایک ایک جملہ میں ایک زندہ روح ہے جسکی قوت تیرہ سو برس سے جوں کی توں باقی ہے۔ زمانے بدل گئے مذاق بدل گئے۔ خیالات بدل گئے۔ مگر اُسکے الفاظ اب بھی ایک ہی جگہ قائم ہیں۔ اور کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ ذرا بھی سوء ادبی سے اُنکی طرف

دیکھ سکے جو مسلمان نہایت آزاد خیال ہیں اور اگرچہ وہ نام کے مسلمان ہیں مگر جب اُن کے قول کے مقابلہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے تو پھر اُن میں دم زدن کا یارا نہیں ہوتا اور وہ اپنی سا سا منہ خاموشی میں دیکھتے ہیں۔ ایک نظر سے تو مسیحی دنیا کو دیکھو جہاں انجیل حکومت کر رہی ہے اور ایک نظر سے اسلامی دنیا کو دیکھو جہاں قرآن حکومت کرتا ہے تو تمہیں بہت بڑا فرق معلوم ہوگا۔ انجیل کی حکومت بوسیدہ دکھائی دیگی اور ہر جگہ طوائف الملوکی یعنی مذہب سے علاوہ علوم جدیدہ کی سلطنت معلوم ہوگی۔ اور جب ادھر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہوگا کہ قرآن کی حکومت میں اب بھی دم خم باقی ہے اور جو رعب اُس کا ایک غریب شخص پر ہے وہی شہنشاہ بحر و بر پر ہے۔ ہر لفظ میں ایک زندہ روح۔ حرارت اور قوت پائی جاتی ہے اور اُس کا سبب اگر معلوم ہوتا ہے تو صرف یہ کہ یہ وحی متلو ہے اور انجیل وحی غیر متلو یعنی اُسکے الفاظ بھی روح القدس کے الفاظ ہیں اور انجیل کے الفاظ روح القدس کے الفاظ نہیں ہیں۔

اے انبیا کے سچے محسن تیری شان برتر و اعلیٰ ہے تجھ میں ہر وقت روح القدس بولتی ہے۔ بیشک تیرا کلام روح القدس کا کلام ہے۔ اب بھی روح القدس اُس میں اُسی روحانیت سے موجود ہے۔ اور جس وقت تیری کتاب پڑھی جاتی ہے بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح القدس بول رہی ہے اے ہادئ برحق تو اب بھی ہم میں وعظ فرماتا معلوم ہوتا ہے۔ جب تیری کتاب پڑھی جاتی ہے تو تیری موجودگی کا نقشہ ہماری آنکھوں کے آگے کھنچ جاتا ہے۔ کچھ تو ہے جس کا یہ اثر ہے اور کوئی بات تو ہے جس نے ایک ہی رسی میں سب کو جکڑ رکھا ہے اے قریشی نبی تیری ہی کتاب کی رہنمائی سے بچے پا سکتے ہیں۔ اور تیری ہی ہدایت سے ہم منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں۔ اختلافات نے اگرچہ مسلمانوں کو گھیر لیا ہے مگر تیرا اور تیری کتاب کا اے امی نبی ہر فرقہ وہی احترام کرتا ہے۔ تیری روشن کتاب کی ایک چھوٹی سی آیت چشم زدن میں ہزارہا اختلافات کو مٹا دیتی ہے۔ کیوں نہ ہو تو رب العرش کا سچا پیغمبر ہے اور تیری کتاب روح القدس کی تائید سے ترتیب دی گئی ہے۔

چھٹا باب

سحر۔ یا جادو

نہ صرف مشرقی دنیا میں بلکہ مغربی دنیا میں بھی جادو کا عقیدہ مدت تک باقی رہا اور ہنوز موجود ہے کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔ بلکہ یورپ بالخصوص لندن میں تو وہ داخل قانون ہوگیا تھا اس جادو کے عقیدہ نے[1]

[1] مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اور قوموں کے عقائد اور خیالات جادو کی نسبت مفصل بیان کیے جائیں چونکہ یہ ایک ضروری اور دلچسپ

بیگناہوں پر ظلم کئے ہیں۔ گھروں کو برباد کیا ہے اور قوموں کی قومیں اسی ظالم عقیدے کے لپیٹے میں آکے صفحہ ہستی سے مٹ گئی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے انکار نہیں کیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اسکی تردید نہیں کی مگر ہمارے برحق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس وہمی علم کی بلکہ اس شخص کی جو جادو جاننے کا معترف ہو سخت تضحیک کی ہے اور انہیں حقیر جانا ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر سحر یعنی جادو کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر ان مقامات کو غور سے پڑھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ درحقیقت جادو کوئی چیز نہیں۔ اور جو اس وہمی علم پر عقیدہ رکھتے ہیں وہ مرتبہ انسانیت سے بھی خارج ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے لوگوں پر افسوس کیا گیا ہے جو جادو اور اسکے وہمی اثرات کو مانتے ہیں اور ہر ایسی شے کو جو ان کی سمجھ میں نہ آئے جادو کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ کفار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے اور قرآن کو جادو سے تعبیر کرتے تھے ایسے اشخاص ازلی گمراہ تھے جو جادو کی ایک ہستی قائم کرکے انتخاب کائنات کی نسبت یہ ہرزہ درائی کرتے تھے۔ ہم قرآن کی ان آیتوں پر جن میں جادو کا بیان ہے مضمون کے اخیر حصہ میں بحث کرینگے۔ پہلے ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے علمار کرام کا سحر کی نسبت کیا خیال ہے اور وہ اسے کیا سمجھتے ہیں۔ اگرچہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ جادو کو برحق سمجھنا بعض غلط فہمی کیوجہ سے ہمارے

مضمون ہے اس لیئے اس سے جادو کی نئی دنیا کے عجائب غرائب منظر معلوم ہونگے اور اس بات کا علم ہوگا کہ جو تعویذ گنڈے اب جاری ہیں یہ قدیمی ایجاد ہے اور اس پر عقیدہ رکھنے والے وحشی اقوام میں کئی ہزار برس سے چلے آئے ہیں۔ جاہل اور سست عقیدہ مسلمانوں نے ان کی تقلید کی اور اسلام کے روشن احکام پر لات مار کے اس قسم کے وہموں میں پھنس گئے۔ ایسے وہم جن کی تضحیک اور تحقیر جا بجا قرآن پاک میں موجود ہے۔

قدیم قوموں میں سحر یا جادو کی یہ تعریف ہے" جادو وہ علم ہے جو عجیب وغریب واقعات کے حدوث کی تعلیم کرتا ہے اور پہلی سیڑھی انکی یہ ہوتی تھی کہ وہ روحوں اور شیاطین کو مسخر کریں۔ کوئی عجیب چیز جس کا ظہور قوانین قدرت کے ساتھ ایک گہرا تعلق رکھتا ہے جادو کے عقیدہ نے نہ صرف علم کے حق میں اسے مضر ثابت کیا بلکہ لوگوں کے دماغ میں اپنا ایسا زہریلا اثر قائم کر دیا کہ صدہا برس کے تغیر و تبدل کے بعد بھی نہیں نکلا۔ پلینی کا بیان ہے کہ جادو نے اگرچہ عامۃ خلائق کے عقائد کا ستیاناس کر دیا پھر بھی اس سے تین قسم کا علم جو بجائے خود واجب التوقیر ہے حاصل ہو گیا۔ اس میں کسی کو بھی شبہ نہیں کہ جادو کا علم طب سے نکلا ہے۔ طب کے عجیب وغریب کرشموں نے لوگوں کے دلوں میں جادو کے عقیدہ کو مستحکم کر دیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اتنی جلدی صحت ہو جانا ضرور ارواح اور شیاطین کی مدد سے ہوا کرتا ہے۔ اصل حقیقت کو سمجھنے والے تو بہت کم ہوتے ہیں مگر ظاہری حالات کو دیکھ کے حکم لگانے والے ہمیشہ کثرت سے ہوا کرتے ہیں۔ پھر یہ علم نجوم میں جا کے مل گیا اس وجہ سے کہ نافہموں نے یہ خیال کر لیا کہ ہر چیز کا ظہور آسمان سے ہوتا ہے۔ غرور ستاروں اور سیاروں کا ہم پا اثر تھا ہے۔

آگے پیا نے جادو کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ فطری۔ علوی۔ اور مافوق القدرت۔

فطری جادو وہ ہے جس سے قوانین قدرت کے موافق عجائبات کا ظہور ہوتا ہے اور نظام کائنات اسی فطری جادو سے قائم

عقائد میں داخل ہو گیا ہے تاہم ہمیں اِسکی گہری تحقیق کرنی چاہیے اور بتانا چاہیے کہ قرآن مجید اِسکی نسبت کیا رائے دیتا ہے اور ہمارے علمار کیا فرماتے ہیں۔

سحر کی ابتدا یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جن شیاطین اور آدمی مل جل کے رہتے تھے شیاطین یا جنوں نے حضرت سلیمان کی اُمت کو ارواح خبیثہ کی پرستش کے طریقے اور اُن پر قبضہ پانے کے قاعدے بتلانے شروع کیئے اس تعلیم سے خدا پرستی میں فرق آنے لگا۔ جب حضرت سلیمان کو یہ حال معلوم ہوا تو اُنھوں نے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو حکم دیا کہ سب جن اور شیاطین کو حاضر ہونیکا حکم دے چنانچہ وزیر نے اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کی حضرت سلیمان نے حکم دیا کہ کل طرق اور قواعد ارواح پرستی کے تم ایک کتاب میں جمع کرو۔ فوراً حکم کی تعمیل کیگئی اور اُن اسمار کی ایک کتاب بن کے تیار ہو گئی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اُس کتاب کو اپنی کرسی کے نیچے جس پر آپ بیٹھا کرتے تھے دفن کر دیا۔ اسکے یہ معنی ہوئے کہ پھر ارواح پرستی کا علم مٹ گیا جب تک حضرت سلیمان زندہ رہے یہی کیفیت رہی مگر جب آپکی وفات ہو گئی اور آپ کا وزیر آصف بن برخیا بھی رحلت کر گیا تو جنوں اور شیاطین نے عجب چالاکی کی یعنی لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ حضرت سلیمان نے جادو کے زور سے یہ کل حکومت کی تھی۔ اور اسی سحر کیوجہ سے وحشی جن شیاطین سب اُنکے مطیع ہو گئے تھے وہ کل اُن جادوؤں کی کتاب اپنی کرسی کے نیچے دفن کر گئے ہیں اگر وہاں سے کھود کے نکال لیجائے تو تمام جادو بآسانی آسکتے ہیں اور ہر شخص حضرت سلیمان ع کی طرح تمام عالم کی مخلوق پر قبضہ رکھ سکتا ہے۔ شیاطین اور اجنہ کے اس اغوا میں آکے لوگوں نے کرسی کے

ہے۔ مرنا۔ جینا سب اسی جادو سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ بہت سے عجائبات سماویہ مطلق سمجھ میں نہیں آتے جو روزمرّہ یا کبھی کبھی ہماری آنکھوں کے آگے حادث ہو کے معدوم ہو جاتے ہیں جن کا سبب ہم نہیں دریافت کر سکتے اور جن کے حادث ہونے کے صحیح اسباب ہماری ضعیف اور محدود عقول نہیں پا سکتیں۔ تو بھی اس صورت سے ہمارے بہت سے تجربے فطری فلسفہ بالخصوص بجلی علم مناظر و مرایا اور علم قوت مقناطیسی اسی قسم کے جادو کی ایک شکل پیدا کرتے ہیں۔ ناواقف اور وحشی لوگ ان ہی کو کرامت سمجھتے ہیں۔ رجواڑوں میں جب نئی ریل جاری ہوئی ہے تو ہزاروں ہندوؤں نے انجن کو سجدہ کیا تھا اور اُسے دیوتا مانتے تھے اب بھی ہندوستان میں لاکھوں بلکہ کروڑوں آدمی اس قسم کے ہیں جو انگریزوں کو جادوگر خیال کرتے ہیں۔ یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ جادوگر کہلاتے تھے جو فطری علوم سے واقفیت رکھتے تھے۔ اور روزمرہ اپنے علوم کے ذریعہ سے نئے نئے تجربات دکھاتے تھے۔ مثلاً کیمیا کے بہت سے پُر اثر تجربے ہیں کہ اگر ناواقف کے آگے دکھائے جائیں تو وہ اُنھیں جادو سے تعبیر کریگا اور اُسے یقین ہو جائیگا کہ عامل میں مافوق الفطرۃ ملکہ ہے۔

ہیپٹا پوم ٹا نے ایک ضخیم کتاب فطری سحر پر لکھی ہے جس میں اُس نے اُن فطری اسباب کا ذکر کیا ہے جن سے عجیب عجیب مشاہدے ہوتے ہیں۔ کیلدیا والوں کا فطری سحر سوائے اسکے اور کچھ نہیں تھا کہ وہ معدنیات کی قوتوں کو دریافت کریں یا بالفاظ دیگر وہ معدنی طاقتوں کو فطری سحر سمجھتے تھے لیکن سحر یا جادو جسے وہ اپنی زبان میں ھنیودگیا کہتے تھے اُس میں دیوتاؤں اور ارواح کی تقریبات شامل تھیں تاکہ وہ اُن کی نذرانوں اور قربانیوں کو قبول کر لیں۔ وہ سمجھتے تھے اگر ہماری یہ نذریں اور قربانیاں

پایہ والے مقام کو کھود ڈالا اور اُس میں سے وہ کتاب نکال لی اور جو جادو کے اسم اُس میں تحریر تھے سب پڑھنے شروع کیئے اُن سے عجائب و غرائب چیزوں کا ظہور ہوا - الہامی کتابوں کو لوگوں نے مطلق دیکھنا چھوڑ دیا اور ہر شخص سحر کی کتاب کو ازبر کرنے کی فکر میں لگ گیا - اُنکی تمام ہمت افسوں گری اور جادو ٹونے میں مصروف ہونے لگی - تمام وہ خیالات جو حضرت سلیمان ؑ خدا پرستی کی بابت اُن میں رائج کر گئے تھے بتدریج نسیاً منسیاً ہو گئے - ہر قسم کے افسوں اُنکے معبود بن گئے اور وہ اُن ہی فاسد خیالات کی پرستش کرنے لگے - جب اجنّہ اور شیاطین نے یہ دیکھا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اُمت پوری گمراہ ہوئی اور اب یہ کبھی بھولے سے بھی خدائے عزوجل کا نام لیتی وہ رفتہ رفتہ گم ہونے شروع ہوئے اور اخیر لوگوں کی آنکھوں سے غائب ہو گئے - اِس وجہ سے یہودیوں کے دین کو سخت صدمہ پہنچا - کتب اللہ سے اعراض کرنے سے اُنکے روحانی امراض بڑھنے لگے - بتوں ارواح خبیثہ اور اسلاف شیاطین کے ناموں کے وردنے اُنھیں دین و دنیا کا نہ رکھا - وہ ان روحوں اور بتوں پر نذریں اور قربانیاں چڑھانے لگے اور اُنکی پرستش کرنے لگے - یہی گویا کفر کی پہلی سیڑھی تھی - دوسرا کفر اُن کا یہ تھا کہ وہ حضرت سلیمان کی طرف سوءظنی کرنے لگے اور اُنھیں یقین ہو گیا کہ حضرت سلیمان بھی بت پرستی کرتے تھے اور اُن کا پختہ عقیدہ ہو گیا کہ حضرت سلیمان بہت بڑے جادوگر تھے - یہ اُنکے کفر کا دوسرا درجہ تھا -

---

قبول ہو جائیں گی تو ہم اُنکے ذریعہ سے خدا سے باتیں کر لیں گے اور امراض کو اچھا کر دیں گے

علوی جادو وہ ہے جسکے ذریعہ سے ہر قسم کی ارواح اور تمام ستاروں پر پوری قوت ہو جائے - اور پھر انسان پر پورا قبضہ ہو جائے

ان ہی اصول پر اُنھوں نے ایک مضحکہ خیز سلسلۂ علم قائم کیا ہے -

مافوق الفطرت سحر میں شیاطین اور اجنّہ کی تسخیر ہے یعنی وہ جادو جس سے شیاطین اور اجنّہ مسخر ہو سکیں اس کے اثر ہمیشہ زبوں او مضر بیان کیئے گئے ہیں اگرچہ اُنکے عجیب و غریب ہونے میں شک نہیں کیونکہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ وہ بعض اوقات فطرت کی قوتوں پر اپنے عمل کے زور سے غالب ہو جاتا ہے مگر اصل یہ ہے کہ یہ ساری باتیں محض افسانہ ہیں - کبھی ایسے عجیب مشاہدے نہیں ہوئے خیالات اور مشرقی فسانوں میں ان کی گنجایش رہی اور یہ وہیں مقید ہو گئے - ظہور ان کا کبھی نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے - فطری قوتوں پر کوئی غالب نہیں آسکتا یہ امکان سے باہر ہے اس امر کا یقین کرنا بہت بڑا گناہ ہے جس کا کفارہ نہیں ہو سکتا -

ہمارے پاس اس یقین کرنیکی بہت سی وجوہات ہیں کہ اس قسم کے جادو کی بنیاد سب سے پہلے مصر میں پڑی جہاں بت پرستی خوب زور شور سے رائج تھی اور یہ خطابت پرستوں کے خطاب نام سے مشہور تھا - تاریخ میں اول ہی جادوگر مصری لکھے گئے ہیں مصری شیاطین پر اس امر کا یقین رکھتے تھے کہ جادو کے بہت بڑے اور زبردست موکل یہی ہیں مگر اُنھوں نے اِن شیاطین یا اجنّہ کو اربع عناصر پر بھی پوری قدرت دے دی تھی - اور اُن کا یقین تھا کہ ہوا آگ اور پانی پر پوری حکومت رکھتے ہیں - اور انسانی کل معاملات بالکل انکے قبضہ میں ہیں - جہاں اُنھیں کوئی شدید یا خفیف مرض ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ شیطان یا جن کا اثر ہے اور کوئی سبب مرض کے حادث ہونے کا نہیں ہے - مثلاً جب کسی شخص کو بخار چڑھتا تھا تو ہرگز اُس بخار کے فطری سبب کی جستجو نکیجاتی تھی - فوراً جادوگر یا عامل سے تعویذ گنڈے وغیرہ لاتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ بغیر اس ترکیب کے [illegible]

ابن جریر نے شہر بن حوشب سے روایت کیا ہے کہ یہودی کہتے تھے محمد کو دیکھو کہ صادقوں کے ساتھ کاذب کو بھی ملاتا ہے۔ حالانکہ سلیمان بت پرست اور جادوگر تھا اُسے یہ معصوم پیغمبروں کی فہرست میں رکھتا ہے۔ وہ ایسا جادوگر تھا کہ اپنے جادو کے زور سے ہوا کو گھوڑا بنا کے اُسکی پیٹھ پر سوار ہوتا تھا۔ جب یہودیوں نے اِسکا غل مچایا تو خداوند تعالیٰ نے فرقان کریم میں فوراً اُسکی تردید کردی جہاں فرمایا ہے وَمَا کَفَرَ سُلَیْمٰنُ سیلمان ہرگز کافر نہ تھا اگر کوئی پیغمبر ایسا کرے تو وہ کبھی کفر سے نہیں بچ سکتا۔ وہ تو حضرت سلیمان نے معجزے دکھائے تھے اس لیئے جن اور انس اور خدا کی دیگر مخلوق اُن پر ایمان لے آئی تھی۔ بھلا معصوم پیغمبروں کو سحر افسوں گری اور بتوں پر نذر و قربانی چڑھانے سے کیا مطلب۔ چونکہ یہودیوں نے حضرت سلیمان کی ذات پر بہتان عظیم اُٹھایا تھا اس لیئے وہ کافر مطلق ہو گئے اور اُن کے کفر میں ذرہ برابر بھی شبہہ نہیں رہا۔ وہ اسی وجہ سے لوگوں کو سحر کی تعلیم کرنے لگے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے "ویعلمون الناس السحر" یعنی لوگوں کو اعمال سحر کی تعلیم کرتے تھے اُن کے افترا اور دروغ سے لوگوں نے دھوکا کھا کے جادو اور افسوں گری میں اپنے کو متوجہ کرلیا عام طور پر یہ پورا یقین ہو گیا تھا کہ درحقیقت سحر بجائے خود کوئی بُری چیز نہیں۔ کیونکہ جب پیغمبروں نے اِس سے

یہ مافوق الفطرۃ باتیں مصر سے تمام مشرق میں پھیل گئیں یہانتک کہ جب یہودی بابل میں گرفتار ہوئے ہیں تو انھوں نے بھی اس پر عمل پیرا ہونا شروع کیا۔ اس کا اثر انجیل نویسوں پر بھی پڑا۔ اُنھوں نے تمام مریضوں کو حضرت عیسیٰ سے جھاڑ پھونک کرا کے ہی اچھا کرایا ہے۔ چاروں انجیلوں میں موجود ہے کہ جب کوئی مریض حضرت عیسیٰ کے پاس آتا تھا تو آپ کبھی یہ نفرماتے تھے کہ تم طبیب کے پاس نجاؤ بلکہ آپ کچھ دم فرماتے تھے اور وہ چنگا ہو جاتا تھا۔ حکیم فیثاغورث اسی قسم کا جادو کیلدیا اور مصر سے سیکھ کے آیا تھا جسکی تعلیم اُس نے افلاطون کے شاگردوں کو یونان میں کی تھی۔ فیثاغورث کے سوانح عمری میں اس کا بیان مفصل کیا گیا ہے کہ وہ اور اُس کے شاگرد کیونکر جادو کی تعلیم کرتے تھے اور کیسے کیسے عجیب افعال اُن سے سرزد ہوتے تھے۔ جمبلکس کا بیان ہے کہ فیثاغورث کے شاگرد اپنے جادو سے اکثر مریضوں کو اچھا کردیتے تھے۔ پورادفس ہی کہتا ہے کہ فیثاغورث کے مرید نہ صرف امراض جسمانی بلکہ دماغی یا ضمیری بیماریوں کو بھی جھاڑ پھونک سے چنگا کردیتے تھے۔ یہی کارروائی بعینہ مصری پیشواؤں کی تھی جنکی نسبت یہ خیال کیا جاتا تھا کہ وہ موکلوں یا جنات سے تعلق رکھتے ہیں اور اُنھیں اُن پجاریوں نے مقدس راگوں اور عملوں کے زور سے تسخیر کرلیا ہے۔ فیثاغورث کا بیان ہے کہ جس جن بھوت پریت یا آسیب کا سایہ ہو وہ عمل کے موکلوں کی مدد سے بھی اچھا ہو سکتا ہے۔ جھاڑ پھونکی اور گنڈا تعویذ سے بھی اچھا ہو سکتا ہے اور جادو کے راگوں سے بھی اُسے چنگا کرسکتے ہیں۔ اور کبھی صرف گانے سے ایسا مریض صحت پاسکتا ہے۔

فاضل موشیم کا بیان ہے کہ قدیم مشرقی اقوام کا یہ عقیدہ ہے کہ بہت سے الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے پڑھنے سے جن بھوت پریت اور تمام ارواح پر قبضہ ہو سکتا ہے۔ اسکے علاوہ ایسے بھی الفاظ ہیں جو روحوں کی ہلاکت کا باعث ہوتے ہیں اور ایسے بھی الفاظ ہیں جو آسیب وغیرہ کو زیادہ مرغوب ہوتے ہیں۔ جب یہ ارادہ کیا جاتا ہے کہ کسی جن کو تسخیر کیا جائے تو

چشم پوشی نہیں کی بلکہ اپنی کامیابی کا اسے بہت بڑا آلہ بنایا پھر اس کا سیکھنا کسی طرح بھی برا نہیں ہوا سو وہ جادو کے سیکھنے میں بتوں کی وہ تعظیم کرتے تھے جو رب العزت کی شایان شان تھی۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ان ارواح خبیثہ کو غیب دانی میں بہت بڑی دستگاہ حاصل ہے۔ وہ مشکل کشائی میں ید طولیٰ رکھتی ہیں اگر انھیں مسخر کر لیا جائے تو دین و دنیا کی ہر چیز بآسانی حاصل ہو سکتی ہے۔

ہمارے علمائے کرام تحریر فرماتے ہیں کہ اس قسم کا سحر جس میں غیر اللہ کی قربانی کی جائے۔ ارواح کو عالم غیب اور مشکل کشا سمجھا جائے یا بتوں کو سجدہ کیا جائے بہت بڑا کفر ہے۔ اگر کوئی مسلمان ایسا کرے تو وہ مرتد ہے اور اس پر فتویٰ ارتداد جاری ہو سکتا ہے۔ ساتھ ہی اُس کے توبہ کی بھی مہلت دی گئی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ اگر مرد ہے تو اُسے تین دن کی مہلت دینی چاہیے تاکہ وہ توبہ کرے اور ایسے قول و فعل پر لعنت کرے اور اگر تین دن تک وہ توبہ نہ کرے تو اُسے قتل کر دینا چاہیے اور اُس کا جنازہ مسلمانوں کے قبرستان میں نہ دفن کیا جائے۔ نہ مسلمان اُسے ہاتھ لگائیں اور نہ اُسکی ہرگز کوئی فاتحہ درود کی جائے اور نہ صدقات دیئے جائیں اور اگر کوئی عورت ہو اور اُس نے ایسا کیا ہے تو ہمارے امام شافعی رحمہ اللہ کی تو یہ رائے ہے کہ مرد کی طرح اُسے بھی تین دن کی مہلت دینی چاہیے اگر تین دن میں وہ باز آگئی اور اُس نے توبہ کر لی تو خیر۔ نہ توبہ کی

جادوگر وہ راگ گانا شروع کرتے ہیں جو اُس جن کے مرغوب طبع ہوتا ہے اس صورت سے وہ اُس پر قبضہ کر لیتے ہیں اور جب کسی جن کو بھگانا یا جلانا چاہتے ہیں تو وہ راگ گاتے ہیں جو اُس کے تن بدن میں سوئیاں لگا دیتا ہے۔ اور پھر وہ جن غل مچاتا ہے اور بھاگ جاتا ہے یا جل جاتا ہے۔ ساتھ ہی دوسری ترکیب یہ کیجاتی ہے کہ ایک تقطیع سونے کی یا چاندی کی جن زدہ کے گلے میں ڈالی جاتی ہے اور اس میں وہ نقش کندہ کیے جاتے ہیں جو جن کو مرغوب نہیں ہیں اور اُس نقش یا حروف سے اس جن کے سوئیاں چبھنے لگتی ہیں اور پھر آگ لگجاتی ہے۔

سیبری نکس سامونکس لکھتا ہے کہ لفظ ابرا کاڈابرا ایک ایسا زود اثر لفظ ہے جس سے بخار اور معمولی بیماریاں زائل ہو جاتی ہیں اور وہ الفاظ جن کے پڑھنے سے جن کچھ کام کرتا ہے یا دوسرے کو ستاتا ہے یا اور کوئی نیا کرتب کرتا ہے یہ ہیں ڈائس۔ جائس۔ جبسکٹ۔ بینی۔ ڈوفیٹ۔ ڈاڈویما۔ ابینی ٹیماس اور بھی صدہا قسم کے الفاظ ہیں جو نہ صرف عبرانی بلکہ مختلف زبانوں سے لیے گئے ہیں۔

جب سے کہ علوم جدیدہ نے اپنی روشنی پھیلائی۔ یورپ اور ایشیا کی مہذب قوموں سے یہ فاسد عقائد مٹ گئے۔ اب کوئی اپنا عزیز وقت ان بیہودیوں میں صرف نہیں کرتا۔ اگرچہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے معتقد کچھ نہ کچھ دنیا کے ہر حصہ میں موجود ہیں۔ چین و افریقہ ان ہی قسم کے خیالات سے بھرا پڑا ہے اور ہندوستان اور ایران و شام و روم میں جو لوگ ناتعلیم یافتہ ہیں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اب تعویذ گنڈوں کی کیفیت سنیئے۔ یہ طریقہ بھی قدیم مصری قوم کا ایجاد کیا ہوا ہے جو بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی رائج ہو گیا۔ ہم یہاں نقش تعویذ وغیرہ کی کچھ کیفیت لکھنا چاہتے ہیں۔

تو اُسے بھی قتل کر دینا چاہئیے - اور جو مردوں کے جنازے کے ساتھ سلوک ہوا ہے وہی اُسکے ساتھ بھی کیا
جائے مگر حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کی یہ رائے ہے کہ جبتک وہ توبہ نصوح نکرے اُسے قید رکھنا چاہئیے -
اس کے بعد جادو کی ایک اور صورت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اگر جادو کے عمل سے کوئی صورت ارتداد
اور کفر کی نہ پائی جائے مگر جادو کرنے والا یہ دعوی کرے کہ مجھ میں وہ طاقت ہے کہ اپنے جادو سے خدا کا کام
دکھا سکتا ہوں مثلاً آدمیوں کو جانور اور جانوروں کو آدمی بنا سکتا ہوں یا پتھر کو لکڑی اور لکڑی کو پتھر کر سکتا ہوں
یا پیغمبروں کے سے معجزے دکھا سکتا ہوں جیسے کہ پرند بنا کے ہوا میں اُڑانا یا ایک سال کی مسافت کو چشم زدن
میں طے کر سکتا ہوں وہ شخص بھی مرتد اور کافر ہے - ہاں اگر وہ یہ بیان کرے کہ یہ اعمال میں نے اس لئے سیکھے
ہیں کہ میں اس سے قتل نفس کر سکتا ہوں - یا بیمار کو تندرست اور تندرست کو بیمار بنا سکتا ہوں اور امن میں
خلل ڈال سکتا ہوں یا فساد رفع کر سکتا ہوں تو ایسا شخص فاسق اور مزور ہے - اِس جادو کو فسق اور تذویر کہینگے
اخیر ایسے شخص کو بھی قتل کر دینا چاہئیے کیونکہ اُسکی ذات سے فساد کا اندیشہ ہے اور وہ ضرور بے گناہوں کو
دق کرے گا اور اُنھیں ستائے گا - اس حکم میں ساحرہ اور ساحر میں کچھ فرق نہیں ہے دونوں کی ایک ہی سزا ہے
ہمارے امام فخرالدین رازی اور زاہدی کا اس پر صاد ہے اور وہ اس رائے سے متفق اور علماء کے اتفاق رکھتے

مربع سحر - ایک ایسا مربع جو ریاضی کے اصول سے بنایا جائے اور اُس میں خانے بنا کے ہندسے لکھے
جائیں اور جس صورت سے اور جس رخ سے اُن ہندسوں کو جمع کیا جائے حاصل جمع ایک ہی ہو مثال کے طور پر یوں سمجھو
مثلاً ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ وغیرہ ۲۵ تک اگر فطری مربع ہو گا تو باقاعدہ شمار کرنے سے ۲۵ حاصل جمع ہونگے - اور اگر اُن ہندسوں
کو اس صورت سے رکھیں گے کہ جس طرف سے شمار کرو ۲۵ ہی ہوں تو وہ مربع سحر ہو جائیگا جن کا نمونہ درج ذیل ہے

فطری مربع

۵	۴	۳	۲	۱
۱۰	۹	۸	۷	۶
۱۵	۱۴	۱۳	۱۲	۱۱
۲۰	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶
۲۵	۲۴	۲۳	۲۲	۲۱

مربع سحر

۱۶	۱۴	۸	۲	۲۵
۳	۲۲	۲۰	۱۱	۹
۱۵	۶	۴	۲۳	۱۷
۲۴	۱۸	۱۲	۱۰	۱
۷	۵	۲۱	۱۹	۱۳

یہ نقش جو ہم نے درج کیئے ہیں کئی ہزار برس پہلے مصریوں میں رائج تھے اور نقشوں کا نام بھی ہوتا تھا - چمڑے
پتوں اور سونے چاندی کی تقطیعوں پر لکھ کے اُنھیں جن زدہ یا مریض کے گلے میں ڈالا کرتے تھے اور تمام مافوق الفطرۃ
ظہور انہی نقشوں سے خیال کرتے تھے - ہر ہندسہ پر ایک موکل قرار دیا جاتا تھا اور اُن لوگوں کا عقیدہ تھا کہ ہر ہندسہ
کا نگہبان ایک جن یا موکل یا شیطان ہے جو لمحہ بھر کے لیئے اُس سے علیحدہ نہیں ہوتا - یہ دونوں نقش نیک باتوں

ہیں حضرت امام اعظم علیہ الرحمۃ کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص یہ بیان کرے کہ میں جادو کرتا ہوں یا ثبوت ہو جائے کہ وہ جادوگیر ہے تو اُسے فوراً قتل کر ڈالنا چاہیئے۔ اس کو توبہ کی بھی مہلت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر وہ کہے بھی کہ میں توبہ کرتا ہوں اور جادو سے دست بردار ہوتا ہوں پھر بھی اُسے نہ چھوڑنا چاہیئے ایسے شخص کی توبہ کبھی پذیرانہ کرنا چاہیئے۔ ہاں اگر وہ اس امر کا ثبوت دیدے کہ میں نے پہلے جادو کا عمل کیا تھا مگر اب ایک مدت سے اُسے چھوڑ رکھا ہے تو اُسے معاف کر دینا اور اُسکے قتل سے دست بردار ہونا چاہیئے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے جادو کر کے کسی کو مار ڈالا اور پھر خود اقرار بھی کیا کہ میں نے جادو سے اسے مارا ہے اور میرا جادو ہمیشہ مہلک ثابت ہوا ہے تو اُس پر قصاص واجب ہو گیا۔ بیشک وہ شخص فوراً قتل کر دیا جائے اور اگر اپنے اظہاروں میں یہ بیان کرے کہ میرے جادو سے یہ مرا ہے مگر میرا جادو کبھی مہلک ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا ہے تو گویا یہ قتل شبہ عمد میں داخل ہے اور اُس پر احکام شبہ عمد جاری ہونے چاہئیں اور اگر وہ اپنے یہ اظہار دے کہ جادو تو میں نے دوسرے شخص پر کیا لیکن چونکہ متوفی اُس کا ہمنام تھا اس سبب سے میرا جادو اس پر چل گیا اور یہ ہلاک ہو گیا۔ یا یہ بیان کرے کہ جادو کے موضع میں یہ چلا گیا تھا۔ اس وجہ سے اسکی ہلاکت ہوئی تو اس قتل کو قتل خطا کہیں گے۔ خطا کے احکام اس پر جاری ہونے چاہئیں۔

ہمارے علمائے کرام کا یہ بھی مذہب ہے کہ خارق عادت افعال جو محض خدا کی قدرت سے ظہور پذیر ہونے

کے لیئے استعمال کیئے جاتے ہیں اور اُن سے کوئی بُرائی نہیں پیدا ہوتی تھی۔

یہ عجیب بات ہے کہ طلسم نویسوں اور نقش بنانیوالوں نے ریاضی میں دخل در معقولات دیکے مفت میں اسے ستیاناس کر دیا اور جو مطالب کہ ریاضی سے پیدا ہوئے یا اُسوقت ہوتے اُن پر پانی پھیر دیا۔ اب جبکہ ریاضی نے وہ کام کیا ہے جس پر حیرت ہوتی ہے اور جس سے قومی اور ملکی ترقی وابستہ ہے افسوس ہے کہ اب بھی اس فضول رستہ میں ریاضی جیسا شریف اور نجیب علم کس بے دردی سے برباد کیا جاتا ہے اور جس سے قدرت کے کرشمے اور فطرت کے عجیب منظر مشاہدہ ہوتے ہیں اُسے جھاڑ پھونک میں صرف کر کے اپنی انسانی فضیلت کو مٹایا جاتا ہے۔ اور اُن ہندسوں کو جنسے تمام عالم کے نظام وابستہ ہیں کیا تو گھول کے پلایا جاتا ہے یا تقطیع پر کندہ کراکے کسی کے گلے میں ڈالوا دیا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ان جادو کے مربعوں کا موجد سب سے پہلے ایک یونانی مصنف مَی کی پولیس ہوا ہے اور جہانتک معلوم ہوتا ہے اُس نے ان نقوش سے کسی قسم کا ریاضی کا کام نہیں لیا تھا بلکہ مافوق الفطرت اثرات پیدا کرنیکے لیئے استعمال میں لایا کرتا تھا۔ اُس نے چند قواعد چھوڑے ہیں جن کی رو سے اِس قسم کے نقش بن سکتے ہیں۔

کاردینا لیس اگرپیا جو بجائے خود جادو کا بہت بڑا مخالف تھا سات نقشوں کا موجد ہوا ہے جو ابھی تک اُسکی کتاب میں موجود ہیں اِسکے بعد ان سات نقشوں پر سب کا عملدرآمد رہا۔ اور سب نے اُنھیں پسند کیا۔ ہر نقش اگرپیا اور اُسکے شاگردوں کی تحریر کے موافق ایک ایک ستارے کے لیئے مخصوص ہے مثلاً ۳ کا مربع زحل کے لیئے مخصوص ہے ۴ کا مربع مشتری کے لیئے ۵ کا مربع مریخ کے لیئے ۶ خورشید کے لیئے ۷ زہرہ کے لیئے ۸ عطارد کے لیئے ۹ چاند کے لیئے۔

ہیں اکثر اوقات اولیا سے ان کا ظہور ہو جاتا ہے۔ مثلاً صورتوں اور اشکال کا بدل دینا۔ مردوں کا زندہ کرنا اور برسوں کی مسافت چشم زدن میں طے کر جانا جو کام پیغمبروں سے ہیں اولیا بھی کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ان اولیا کے واقعات زندگی لکھے ہیں وہ اُنھیں کرامات کُلیان کرتے ہیں۔ اور ایسی کرامتوں کا ذکر اُن کے مناقب میں بڑے لمبے چوڑے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اگر نسبت فعل آلہی بغیر کفر کے ہے تو بھی اس جگہ کفر لازم آتا ہے اور جو اُنکی نظر اسباب ظاہری پر ہے اور وہ مخیر ہیں تو ہرگز کفر نہیں ہے جب یہ بات ہے تو ساحروں کو کافر اور واجب القتل کیوں شمار کیا گیا ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو حاضرات وغیرہ کرتے ہیں اور چلّے کھینچتے ہیں اُنکی مشابہت بھی جادوگروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اُنھیں بھی جادوگر کہنا چاہیئے۔ اس کا جواب ہمارے علمائے کرام نے یہ دیا ہے کہ خارق عادات افعال خواہ اُنکی شبیہ پیغمبروں کے معجزوں سے ہو خواہ وہ دوسری جنس سے ہوں۔ مقدور قدرتِ آلہی ہیں خدا ہی کے حکم سے اُن کا صدور ہوتا ہے۔ اور وہ افعال جو اولیا کے ہاتھوں سے سرزد ہوتے ہیں اور وہ افعال جنھیں جادوگر کرتے ہیں اس میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔ اگر فرق ہے تو صرف اسقدر کہ اولیا ایسے افعال کا صدور خدا کی طرف کرتے ہیں اور جادوگر اپنی طرف یا اپنے موکلوں کیطرف

بیچت لکھتا ہے کہ میں نے جادو کے مربعوں کا علم بہت دنوں تک حاصل کیا اور اُس نے ان سات نقوش کے علاوہ دو نقش ۲۵ اور ۴۹ کے ایجاد کیئے جنھیں اُس نے بہت کارآمد پایا۔ اس کے بعد فری نکل پیدا ہوا جس نے اس علم کا مطالعہ کیا اور اُس میں ایک حد تک بڑی قابلیت حاصل کر لی۔ ایک بڑے جبر و مقابلہ جاننے والے کا بیان ہے کہ ۱۶ عدد جن سے ایک مربع بنے وہ مختلف طرق سے ایک فطری مربع میں ۲۰۹۲۲۷۸۹۸۸۸۰۰۰ پر تقسیم ہو سکتے ہیں مگر یہ جادو کے مربع میں صرف سولہ مختلف طرق سے زیادہ تقسیم نہیں ہو سکتے لیکن فری نکل کا بیان ہے کہ ۱۶ عدد جادو کے مربعوں میں ۸۸۰ طرق سے تقسیم ہو سکتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیچت سے کسقدر بڑھ گیا ہے۔

ابھی اس تحقیق میں اُس نے ایک اور مشکل بات شامل کر دی ہے جو پہلے کسی کے خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ مثلاً ۷ کا مربع سحر لو اور اُس کے ۴۹ خانے بھرو۔ اگر خانہ وو کی دو اُفقی قطاریں لیجائیں اور ساتھ ہی دو عمودی قطاریں خانہ کی شمار کی جائیں جو وسط مربع سے بہت دور ہوں یعنی تمام کنارہ یا محیط مربع لے لیا جائے تو پھر ایک ایسا مربع رہ جائیگا جس کی اصل ۵ ہو گی اور جس میں ۲۵ خانے ہونگے۔ اب یہ زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ مربع جادو کا مربع نہیں رہا بلکہ فطری مربع ہو گیا۔ کیونکہ بڑی قطاریں پہلے شمار کرنے سے نظر انداز کر دی گئی تھیں صرف وہی خانے شمار کیے جاتے تھے۔ جو وسط میں تھے اور جن کا شمار سات ہوتا ہے۔ اس طرح جب ایک خانہ کو دوسرے خانہ سے ضرب دیں اور پھر دونوں خانوں کو بیچ میں سے نظر انداز کر جائیں ظاہر ہے کہ اُن کے حاصل جمع سے مطلوبہ عدد پیدا نہیں ہو گا لیکن تو بھی فری نکل کو اطمینان نہیں ہوا جبکہ مربع سحر کا اُس کا کنارہ الگ کر دیا گیا پھر بھی باقیماندہ مربع مربع سحر ہی رہا۔ اس میں شک نہیں کہ اخیر صورت میں ضرور باقیماندہ مربع مربع سحر ہی ثابت ہوتا ہے۔

پھر اُس نے اس صورت کو بھی پلٹ دیا اور بیان کیا کہ چاہے کوئی سا محیط مربع سے لو تو بھی کمی محیط دائرے مربع سے

کرتے ہیں۔ اور ان افعال کو اپنے قابو کا جانتے ہیں اور اپنی قدرت پر گھمنڈ کرتے ہیں اور اپنے اصنام اور ارواح خبیثہ پر قربانیاں کرتے ہیں اور نذریں چڑھاتے ہیں۔ اس میں شرک صریح لازم آتا ہے اور یہی کفر ہے۔ اسیطرح اولاد دینا۔ توسیع رزق۔ اور شفائے مریض کر کے اپنی ارواح خبیثہ کی طرف نسبت دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہماری قدرت اور انکی کوشش سے اولاد پیدا ہوئی یا رزق میں وسعت ہوئی یا مریض شفایاب ہوا۔ انکے خلاف اولیا بھی یہ ساری باتیں کرتے ہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کرتا ہے خداوند تعالیٰ کرتا ہے۔ ہم تو صرف کسی مطلب حاصل ہونے کے لیئے دعا کرتے ہیں اور ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے

اس کے بعد ہمارے علماء نے سحر کی حقیقت اور اس کے اقسام بیان کیئے ہیں جو ہم اپنی تفسیر کے ناظر کے آگے پیش کرتے ہیں۔ بتانا یہ ہے کہ کونسا جادو کفر ہے۔ کونسا فسق۔ کونسا مباح۔ جو شریعت میں جائز ہو۔

جادو یا سحر اسے کہتے ہیں کہ جس کے سبب سے افعال عجیبہ اور خارق عادات بغیر امداد الٰہی کے قبضہ ہو جائے چونکہ خفیہ اسباب عالم میں کئی قسم کے ہیں اس لیئے جادو کی بھی کئی قسمیں ہوئیں۔ خفیہ سبب یا تو روحانیات کی تاثیر سے یا جسمانیات اور روحانیات کی مشترکہ قوت کی تاثیر سے یا صرف جسمانیات کی مطلق تاثیر سے۔ کبھی روحانیات کواکب و افلاک پر قبضہ پانے سے۔ کبھی روحانیات عناصر پر کبھی روحانیات امراض و جن و شیاطین و نفوس مفارقہ

بالکل علیحدہ ہونگے یعنی انھیں علیحدہ کرنے سے یہ مربع سحر نہیں رہنے کا۔

اصل یہ ہے کہ فری نکل نے اپنے مربعوں کے قواعد منضبط نہیں کیئے اور جو کتاب اس نے تصنیف کی ہے اسکی زندگی میں اسکی اشاعت بھی نہیں ہوئی۔ مرنے کے بعد ۱۶۹۳ء میں اسکی کتاب کی اشاعت ہوئی تھی۔

۱۸۸۸ء میں پاگناڈ نے ایک کتاب صرف جادو کے مربعوں کے بیان میں شائع کی اس سے پہلے سوائے فطری مربعوں کے سلسلے کے اس ملک میں جادو کے مربعے نہ تھے۔ یہ شخص بروسل کا رہنے والا تھا وہاں اسے کوئی جانتا ہی نتھا لیکن پاگناڈ نے دو بڑی بڑی ترقیاں اس میں کیں بجائے اسکے کہ وہ ہندسوں کی کل تعداد لے جن سے کہ مربع بنا ہے مثلاً ۲۶ کا شمار جو فطری مربع کے کل خانے پر کرتا ہے جس کے ایک خانہ میں چھ کا ہندسہ ہے وہ صرف وہی تعداد لیتا ہے جو مربع میں اکائی کی ہے اور جو اس حالت میں چھ کی ہے اور یہ چھ کا ہندسہ وہ اس ترکیب سے مربع کے ۲۶ خانوں میں درج کرتا ہے کہ ان میں سے کسی خانہ کا ۶ کا ہندسہ خواہ اسے سرے سے شمار کرو یا بیچ سے یا ترچھی صورت سے تو حاصل جمع وہی ۳۶ ہوتے ہیں۔ پاگناڈ کی کتاب نے ایم ڈی لاہاٹر کی توجہ اس طرف پھیری جس سے اس نے جادو کے مربعوں کا ایک اصول قائم کرلیا پہلے اس نے غیر بادی مربعوں پر خیال رجوع کیا۔ کیونکہ گزشتہ موجدوں نے مساوی مربعوں پر طبع آزمائی کی تھی اور انھیں اسی میں زیادہ مشکلات پڑی تھیں۔ اب مذکور الصدر موجد نے یہ بات پیدا کی کہ اگر ہندسوں کی تعداد غیر مساوی ہے تو وسط میں اس قسم کی رقمیں لکھی جائیں کہ جو غیر مساوات کا اثر مطلوبہ حاصل جمع پر ہونے دیں۔ یہ بات حقیقت میں بہت ہی مشکل تھی اور آسانی سے سمجھ میں آجانے والی نتھی۔ فرض کرو خانوں کا ایک ایسا مربع ہے جسکی جڑ ۷ مل غیر مساوی ہے۔ مثال کے طور پر ۷ کا ہندسہ لو اور اس مربع کے ۴۹ خانے ہیں جادو کے طور پر بھرنے ہیں تو ا ب ڈی ۸ ھا ئو ا یک

بنی آدم پر تصرف حاصل کرنے سے افعال عجیبہ کا اظہار ہوتا ہے - اور بھی بہت سی صورتیں بیان کی گئی ہیں جنھیں ہم بسبب طول کے نہیں لکھتے -

علمار نے جادو کی عمدہ اقسام میں سحر کلدائن اور سحر بابل کو قرار دیا ہے - اور بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مذاہب باطلہ کے رد اور اُن کے عقائد کے بطلان کے لیئے مبعوث ہوئے تھے - جادو کا علم ہاروت اور ماروت سے نکلا ہے کہ بابلیوں نے اس علم کو اُن سے سیکھ لیا تھا - اور اسی علم میں تعمق بہت کرتے تھے اور کلدانی جو بابل کے رہنے والے تھے اسی علم میں زیادہ تر مشغول تھے - علمار مورخین کا بیان ہے کہ بابل کے حکیموں نے نمرود کے زمانہ میں جو بابل کا بادشاہ تھا چھ طلسم بنائے تھے جو وہم و ادراک میں نہ آسکتے تھے اور ان کے سمجھنے سے عقل چکر میں تھی - ان طلسموں میں ایک بط تھی جو تانبے کی بنائی گئی تھی اُس میں یہ عجیب جادو رکھا تھا کہ جہاں کوئی جاسوس شہر میں آیا اور اُس بط نے غل مچانا شروع کیا - وہ بط اِس زور سے غل مچاتی تھی کہ اُس کی آواز شہر کے کل آدمی اچھی طرح سن لیتے تھے وہ آواز سُن کے سمجھ جاتے تھے کہ کوئی جاسوس آیا ہے یا کوئی چور شہر میں وارد ہوگیا ہے فوراً اُس جاسوس اور چور کو گرفتار کر لیتے تھے - دوسرا طلسم ایک نقارہ تھا جس میں یہ جادو رکھا گیا تھا کہ اگر کسی کا کوئی عزیز قریب رشتہ دار گم ہو جاتا تھا تو وہ شخص اُسکے پاس آتا تھا اور ایک چوب اُس نقارہ پر مارتا تھا وہ طبل

طرف سے تو اول ہی سے سات عدد لیتا ہے اور اُنھیں اکائی سے شروع کرکے ۷ کی اصل پر ختم کر دیتا ہے اور دوسری طرف سے ۷ کا عدد مع تمام اُس کے مضروب الیہ عددوں کے ۴۹ تک بلا شرکت غیرے یعنی فرداً فرداً لے لیتا ہے اور چونکہ انکا شمار چھ ہے اس لیئے اُن میں صفر (۰) اور جوڑ دیتا ہے صفر چھ کے شمار کو سات کر دیتا ہے یعنی ۲۴ و ۳۵ و ۲۸ و ۲۱ و ۱۴ و ۷ و ۰ اس سے وہ اصل مربع کو بطور جادو کے پُر کر دیتا ہے - اِس بنا پر وہ مربع کے سات خانوں میں جس ترتیب سے چاہے لکھ دیتا ہے - اور وہ سات عدد بالکل آپس میں مختلف ہوتے ہیں وہ بیان کرتا ہے کہ یہ سات عدد ۵۰۴۰ مختلف طرق سے ترتیب پا کے داخل ہو سکتے ہیں - مثال کے طور پر فرض کرو کہ مربع کے سرے کی پہلی قطار کو ہم نے سات عددوں سے بھرا اور وہ سات عدد اپنی فطرت صورت میں یہ ہیں ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ - اس کے بعد کی دوسری قطار خواہ ۳ خواہ ۴ خواہ ۵ خواہ ۶ سے بھری جائے مگر اس مثال میں ۳ کے عدد سے شروع ہوتا ہے تو اس لحاظ سے تیسری قطار کو ۵ کے عدد سے شروع کرنا چاہیئے چوتھی کو ۷ سے پانچویں کو ۲ سے - چھٹی کو ۴ سے اور ساتویں کو ۱ سے

ہم تین نقش یا جادو کے مربعے بناتے ہیں جن سے ہمارا مطلب بخوبی سمجھ میں آجائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ یہ سارے نقش جو اب بدقسمتی سے ہماری قوم میں رائج ہیں ان کی ایجاد مصر - یونان - اور یورپ کے دیگر شہروں میں صدیوں سے پہلے ہو چکی تھی - اور وہ لوگ ہماری طرح جن آسیب - شیطان - بلا بھوت - پریت اُتارنے یا بیمار کو صحت بخشنے میں کام میں لایا کرتے تھے - اُنکی بڑی بڑی کتابیں ان تعویذ گنڈوں پر لکھی ہوئی موجود ہیں - اور جو کچھ اُنھوں نے اس غیر ضروری اور فرضی علم کو چھانا ہے ہمارے موجودہ تعویذ اور گنڈے والے تو خیال میں بھی وہاں تک نہیں پہنچے -

غل مچا کے کہتا تھا کہ تیرا دوست یا رشتہ دار یا تیری فلاں چیز فلاں جگہ اور فلاں مقام پر ہے۔ وہیں وہ شخص یا وہ چیز مل جایا کرتی تھی۔

تیسرا طلسم ایک آئینہ تھا جو چھپی ہوئی چیزوں کا عکس دکھا دیتا تھا۔ خواہ وہ چیز زمین کی تہ میں ہو خواہ پانی میں تمام معلوم ہو جاتی تھی۔

چوتھا طلسم ایک حوض تھا جس کے کنارہ پر سالانہ ایک جشن ہوتا تھا اُس جشن میں اعیان و اشراف شہر جمع ہوتے تھے اور ہر شخص قسم قسم کے شربت اور مربے لا کے اُس حوض میں ڈال دیتا تھا۔ پھر مہ رو ساقی اُس حوض کے کناروں پر بیٹھتے تھے اور جس چیز کی ضرورت ہوتی تھی اُس حوض میں سے پیدا ہو جاتی تھی۔ خواہ کسی قسم کا شربت ہو خواہش کے مطابق اُس حوض میں سے نکل آتا تھا۔

وہ نقش جس کی بابت اوپر لکھا جا چکا ہے یہ ہے۔ اس مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی قطار کے ہندسے تو اپنی خوشی سے چاہے جو کچھ لکھ دیئے جاتے ہیں مگر دوسری قطاروں کے اعداد چار مختلف طرق سے لکھے جاتے ہیں۔ کم سے کم ۲۰۱۶۰ طریقے ہیں جن سے ۷ کا نقش لکھا جاتا ہے۔ مثلاً دو نقش یہ ہیں۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱

پانچواں طلسم ایک تالاب تھا جو قضیئے اور جھگڑوں کے رفع کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ جب دو شخصوں میں کوئی جھگڑا ہوتا تھا وہ دونوں تالاب پر چلے آتے تھے اور تالاب میں کود پڑتے تھے جو شخص حق پر ہوتا تھا تالاب کا پانی اُس کے ٹخنوں تک آجاتا تھا اور جو شخص ناحق پر ہوتا تھا تالاب کا پانی اُسے ڈبو دیتا تھا۔ ہاں اگر اُسنے اپنی خطا کا اقرار کیا اور توبہ کی تو نجات ملجاتی تھی۔ ورنہ ڈوب جانے میں ذرا بھی توقف نہوتا تھا۔

چھٹا طلسم ایک درخت تھا جو نمرود کے محل کے دروازہ پر لگا ہوا تھا اُس درخت کی عجیب خاصیت تھی جہاں اُس کے نیچے لوگ جمع ہوئے اُس کا سایہ بڑھتا گیا۔ جوں جوں آدمیوں کی کثرت ہوتی گئی۔ سایہ میں وسعت ہوتی جاتی تھی یہانتک کہ ایک لاکھ تعداد تک درخت کا سایہ برابر وسیع ہوتا جاتا تھا جب ایک لاکھ آدمیوں کی تعداد پوری ہوجاتی تھی تو وہ درخت سب کو اپنے سایہ میں کرلیتا تھا اور جہاں ایک لاکھ سے ایک شخص بھی زیادہ بڑھا وہ سایہ یکایک گم ہوجاتا تھا اور سب لوگ اپنے کو دھوپ میں بیٹھا ہوا یا کھڑا ہوا دیکھتے تھے۔ پس یہ چھ طلسم تھے

اور بھی تین نقش ہیں جو اپنی نوعیت میں نرالے ہیں اور جو اپنا اثر جدا جدا رکھتے ہیں جنھیں ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷
۳	۴	۵	۶	۷	۱	۲
۵	۶	۷	۱	۲	۳	۴
۷	۱	۲	۳	۴	۵	۶
۲	۳	۴	۵	۶	۷	۱
۴	۵	۶	۷	۱	۲	۳
۶	۷	۱	۲	۳	۴	۵

۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۳۵	۴۲
۲۱	۲۸	۳۵	۴۲	۰	۷	۱۴
۴۲	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸	۳۵
۱۴	۲۱	۲۸	۳۵	۴۲	۰	۷
۳۵	۴۲	۰	۷	۱۴	۲۱	۲۸
۷	۱۴	۲۱	۲۸	۳۵	۴۲	۰
۲۸	۳۵	۴۲	۰	۷	۱۴	۲۱

۱	۹	۱۷	۲۵	۳۳	۴۱	۴۹
۲۴	۳۲	۴	۴۸	۷	۸	۱۶
۴۷	۶	۱۴	۱۵	۲۳	۲۱	۳۹
۲۱	۲۲	۳۰	۳۸	۴۶	۵	۱۳
۳۷	۴۵	۴	۱۲	۲۰	۲۸	۲۹
۱۱	۱۹	۲۷	۳۵	۳۶	۴۴	۲
۳۴	۴۲	۴۳	۲	۱۰	۱۸	۲۶

جو ہمارے علماء اور مورخین نے بابل کے بیان کیئے ہیں اور نہایت استعجاب سے دیکھا جاتا ہے کہ جادو کو کوئی چیز اور حق سمجھنے نے اُنھیں ان فرضی قصہ کہانیوں کے ماننے پر بھی مجبور کر دیا۔ ہم اس پر اخیر میں ایک مبسوط بحث کرینگے۔ یہاں تو ہمیں صرف اپنے علماء اور مورخین کے خیالات دکھانے ہیں۔

ہمارے علماء کا یہ بھی بیان ہے کہ اس قسم کے جادو حاصل کرنا بہت مشکل ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صعوبتیں اُٹھا کے جادو حاصل کرے تو پھر تمام دنیا کے جزو کل پر اُس کا قبضہ ہو سکتا ہے۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ ایسے امراض کا علاج کر سکتا ہے جو اطبا سے کبھی نہیں ہو سکتا ہے مثلاً برص۔ جذام۔ یا اسی قسم کے وہ امراض جو طبیب اچھے نہیں کر سکتے۔ جادوگر بہت جلد اپنے جادو کے زور سے کلّی شفا دیدیتا ہے۔ کسی پہاڑ یا محل کا اُکھڑوا کے منگا لینا یا کسی شہر کو غارت کر دینا یا اشرفیوں اور روپوں کا مینہ برسا دینا یہ اس قسم کے جادوگروں کے بائیں ہاتھ کا داؤں ہے مگر اتنا ضرور ہے کہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے کہ وہ اس قسم کے جادو کو حاصل کرے بلکہ بدتوں ناقابل برداشت آفتیں اور مصائب اُٹھانے کے بعد یہ جادو حاصل ہوتا ہے اور تو سب کچھ ہے لیکن جادوگر کی قوت یہاں تک بیان ہوئی ہے کہ اگر کوئی دشمن ملک پر حملہ کرے اور اُس ملک میں وہ جادوگر ہو تو وہ اکیلا آگ اور اولوں کا مینہ برسا کے حملہ آور کی ساری فوج کو ہلاک کر سکتا ہے گویا اُس میں معاذاللہ ساری خدائی طاقتیں آجاتی ہیں جسے چاہے فنا کرے اور جسے چاہے حیات مستعار بخشدے تھوڑی دیر کے لیئے فرض کر لیا جائے کہ ایک شخص میں یہ تمام کمالات موجود ہیں جو اُوپر بیان ہوئے تو پھر ایسے شخص کو ہلاک کرنا جیسا ہمارے امام اعظم علیہ الرحمۃ اور ہمارے امام شافعی علیہ الرحمۃ نے فتویٰ دیا ہے کیونکہ

اور بھی بہت سے نقوش ہیں جو ہم نے غیر ضروری سمجھ کے چھوڑ دیئے۔ ہمارے خیال میں صرف اسیقدر کافی ہیں۔ اب ہم اختصار کے طور پر یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ یورپ نے جادو کے اس ظالم عقیدہ سے کیا کیا ظلم کیئے۔ کتنے بے گناہ زندہ جلائے گئے۔ اور کتنی مظلوم عورتیں قتل کی گئیں۔ ۱۴۸۴ء میں انوسینٹ ہشتم روم کے پوپ نے اپنے مشہور بل یعنی حکم سے جو عام خیالات جادو کی بابت عوام میں پھیلے ہوئے تھے انھیں چرچ کی طرف سے تسلیم کیا۔ یعنی مذہبی اعتقادات میں جادو کا عقیدہ شامل کیا گیا۔ اُس نے منادی کرادی کہ جادوگر اور جادوگرنیاں تلاش کیجائیں اور اُنھیں صلیب دی جائے تاکہ اُنکے جادو سے غریب عیسائی محفوظ رہیں۔ معصوم پوپ کے حکم سے بڑی سرگرمی سے جادوگروں اور جادوگرنیوں کی تلاش ہونے لگی صرف دو گواہ کسی کو جادوگر کہنے کے لیئے کافی تھے اُسے فوراً صلیب پر کھینچ دیا جاتا تھا۔ صدہا ایسی عورتوں کو بھی صلیب دی گئی جو حاملہ تھیں۔ یا اُنکے ننھے ننھے بچے تھے جنھیں دودھ پلاتی تھیں۔ تمام یورپ میں یہی آفت برپا ہو گئی۔ جرمنیوں میں دو شخص جادوگروں اور جادوگرنیوں کے ڈھونڈنے کے لیئے مقرر ہوئے انسپکٹروں سے بھی سب سے تشار کام نہ چلا اخیر ایک پادری صاحب اُن کے ساتھ مقرر کیئے گئے جو کامل طور پر سراغ رسانی کریں اور اُن لوگوں کو شناخت کریں جن پر جادوگری کا الزام لگایا گیا ہو اور وہ انکار کرتے ہوں۔ ۱۵۳۲ء میں جادو کی سزاؤں کا ایک وسیع قانون منضبط ہوا اور اُس میں صدہا دفعات جادوؤں اور سزاؤں کی رکھی گئیں اُسکی تعمیل حکومت کے احکام کی تعمیل تھی اور اُس ضابطہ سے انحراف کرنا اپنی جان خطرہ میں ڈالنا

ممکن ہو سکتا ہے۔ اور اگر ممکن ہو بھی تو دل نہیں چاہتا کہ ایسا باکمال شخص قبل از وقت عالم سے مٹا دیا جائے۔

حکیم ارسطو جسے معلم اول کہتے ہیں جادو کا معتقد تھا اُس نے خود ایک روایت بابل کے جادوگروں کی بیان کی ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے (یہ قول ارسطو بھی ہمارے علمار کرام ہی نے بیان کیا ہے) شہر بابل کے دو نامور جادوگر برہماطوس اور بیداغوس تھے۔ اِن دونوں میں کچھ تنازع ہوا۔ جب کشیدگی زیادہ بڑھی اور گفتگو تیزی کے ساتھ ہونے لگی اور طرفین سے آتشیں طیش انگیز کلمے زبان سے نکلنے لگے تو بیداغوس نے کہا تو قوت اور طاقت میں مجھ سے کیا مقابلہ کر سکتا ہے تو نہیں جانتا کہ مریخ اور زحل تو میرے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتے تیری تو کیا حقیقت ہے دم بھر میں تجھے خاک سیاہ کر سکتا ہوں۔ یہ سنتے ہی برہماطوس کے آگ لگ گئی اور وہ غصہ کے مارے کانپ گیا فوراً اُس نے مریخ کی روح سے استعانت کی اور دم بھر میں لاف زن بیداغوس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

اِس قسم کا جادو شرک صریح اور کفر محض ہے اور ایسے جادوگر کے کافر ہونے میں مطلقاً شبہہ کی گنجایش نہیں ہے کیونکہ اِس قسم کے جادو کی کئی شرطیں ہیں جن سے ایمان و اسلام بچا نہیں رہتا۔ اور وہ یہ ہیں۔

اول شرط یہ ہے کہ ارواح کو قلوب پر حاوی سمجھے اور یہ یقین رکھے کہ روحوں کو دلوں کی پوری کیفیت معلوم ہوتی ہے اگر ایسا یقین نہ رکھے گا تو کبھی قیامت تک روحیں اُس کی التجا نہ سنیں گی نہ اُس پر کاربند ہوں گی۔

دوم کواکب کی روحانیات کی دعوت کرنے میں اول قمر کی دعوت کرے کیونکہ وہ ہماری دنیا سے سب سے قریب

تھا۔ اس ضابطۂ سحر کا نام میلیس میکا دم تھا۔ اس ضابطہ نے اور بھی اس عقیدہ کو مجنونانہ طور پر پھیلا دیا کہ جادو کوئی چیز ہی نہیں بلکہ برحق ہے اور کرنے والا کافر اور گردن زدنی ہے۔ اب ملک بھر میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو جادو کو نرا خیالات باطلہ اور اوہام کاذبہ کا نتیجہ خیال کرتا ہو۔ اسکے بعد الگزینڈر ششم نے ۱۴۹۴ء میں۔ لیو دہم نے ۱۵۲۱ء میں اڈرین ششم نے ۱۵۲۲ء میں اُن قواعد و ضوابط کو کافی نہ سمجھکر اور زیادہ سخت اور ہیبتناک دفعات کا اُن میں ازدیاد کیا سمند نازیہ اک اور تازیانہ ہوا۔ ان مذکور شہنشاہوں کی اس طرز عمل سے عامۂ خلائق پر جادو کی طرف سے سخت ہیبت اور خوف پھیل گیا۔ کسی کے سر میں درد ہونا۔ غیر معمولی طور پر کسی کو بخار چڑھ آنا چلتے چلتے گر پڑنا۔ کسی کام کا اچانک کرتے کرتے بگڑ جانا۔ کسی کا یکایک مر جانا۔ آندھی کا آنا۔ طوفان کا برپا ہونا۔ کسی جانور کا بغیر کسی ظاہری سبب کے مر جانا۔ کسی کنبہ پر کوئی آفت آنا۔ کسی مکان یا دیوار کا گر پڑنا۔ گھوڑے پر سے گر کے مضروب ہونا۔ غرض یہ سارے واقعات جو لازمی طور پر تمام دنیا میں ہوتے رہتے ہیں وہاں جادو کی وجہ سے سمجھے جاتے تھے۔ قدرتی ضابطہ کے سبب اور نتیجہ کے یہ معنی لگائے تھے۔ تاریخ سیولیزیشن ان انگلینڈ (یعنی تمدن انگلستان میں) مصنفہ فاضل بکل اور کانفلکٹ بٹوین سائنس اینڈ ریلجن (یعنی نزاع علوم جدیدہ و مذہب میں) مصنفۂ فاضل ڈریپر میں مفصل کیفیت جادو کی لکھی ہوئی ہے جس سے یہ مضمون انتخاب کر رہے ہیں کہ جادو کے عقیدہ نے کن کن بیگناہ مردوں عورتوں اور بچوں پر چھری پھیری ہے اور صدیوں تک اس خیال باطل نے خدا کی پیاری مخلوق کو کس طرح برباد کیا ہے۔ جادو کے ملزم کی سزا ایسی خطرناک تھی کہ بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں جب کسی مرد یا عورت پر جادو کا جرم قائم کیا جاتا اور وہ گرفتار ہو کے آتا تو وہ فوراً اقبال جرم کر لیتا تھا۔ اِس لیئے انکار سے اُس پر

ترین سیارہ ہے پھر قمر کے وسیلہ سے عطارد کی دعوت کرے یوں ہی ایک کے وسیلہ سے ایک کی دعوت کرتا چلا جائے قمر کی دعوت میں ایک نقش تیار ہوتا ہے جس پر یہ عبارت لکھی جاتی ہے ایها الملك الكريم والسيد الرحيم ومنزل النعمه اور جب عطارد کی دعوت ہوتی ہے تو نقش پر لکھ کے یہ پڑھا جاتا ہے ما حصل لی من الخير فهو عنك وكل ما ينال نعم من اللشر مني فهو منك اِس عبارت کو چالیس بار پڑھ کے پھر گیارہ بار یہ پڑھتے ہیں السيد الفاضل الناطق العالم بخفيات الامور المطلع على السرائر بیان کیا گیا ہے کہ اس قسم کے قول منافی اسلام وتوحید وملت حنیفی ہیں۔ اِس قسم کا جادو جو ان الفاظ کے پڑھنے سے حاصل ہو قطعی حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور اُس کا عامل نہ صرف کافر ہے بلکہ گردن زدنی بھی ہے۔ بابل والے ہاروت و ماروت کی تعلیم سے تمام کلی اور جزئی اصول سے روحانیات سے استعانت طلب کرتے تھے۔ اور کل علوی۔ سفلی۔ فلکی۔ عنصری۔ روحانیات کو تمام عالم پر محیط تسلیم کرتے تھے۔ یہانتک کہ امراض کی روحانیات اور غیر مذاہب کی روحانیات کی بھی تسخیر کیا کرتے تھے۔

وہ وہ عقوبتیں توڑی جاتی تھیں جو صلیب سے بھی بہت خوفناک ہوتی تھیں مثلاً انکار پر اُس کا سر مونڈا جاتا اور پھر پادری صاحبان بہت غور اور تامّل سے اُس کے سر پر شیطانی نشان ملاحظہ کرتے اگر کوئی غیر معمولی نشان کسی پھنسی وغیرہ کا مل جاتا تو پھر ثبوت جرم میں کوئی شک ہی باقی نہ رہتا اور اگر مجرم کی بدقسمتی سے کوئی نشان نہ ملا تو پھر اقبال جرم کے لیئے جسمانی سزائیں دیجاتیں انھیں گرم لوہے سے داغا جاتا مشکیں کس کے ایک سرد بے ہوا کوٹھری میں ڈالدیا جاتا سردی بھوک اور تاریکی یہ اُنکے لیئے لازمی قرار دیجاتی۔ اُنھیں ایسی تنگ جگہ قید کیا جاتا کہ وہ ہاتھ پیر بھی نہ ہلا سکیں اُن سزاؤں کی دہشت سے وہ فوراً فرضی جرم کا اقبال کر لیتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ دیرپا سزا انہیں برداشت ہوسکیگی اور پھر فرض کرو کہ کوئی شخص ایسی سخت سزاؤں کو بھی برداشت کر کے زندہ رہے تو وہ کبھی نہیں چھوڑا جاتا بلکہ کوشش کی جاتی تھی کہ یہ کسی نہ کسی طرح اقبال جرم کرے۔ غرض بہر صورت اُسے اقبال جرم کرنا پڑتا تھا۔ اور یہی اُس کی نجات کا باعث ہوتا تھا۔ رحیم موت کا خواہشمند ایسا ہر مجرم رہتا تھا۔ کیونکہ اُنھیں صرف موت ہی ایسی دکھائی دیتی تھی جو اُنکی تمام جسمانی تکالیف کا سلسلہ قطع کر دیتی۔ اقبال جرم کے بعد مجرم نہ صرف صلیب دیئے جاتے تھے بلکہ زندہ بھی جلا دیئے جاتے تھے۔ زندہ جلا دینا پادری بڑے ثواب کا کام سمجھتے تھے اُن کا خیال تھا کہ خداوند مسیح تیسرے آسمان سے ہمارا یہ نیک کام دیکھ رہے ہیں اور ہم سے بہت خوش ہیں اِس آفت کا غضب خاص خاص اضلاع میں محدود نہ تھا بلکہ اس بلائے بے درمان نے تو بستیاں کی بستیاں خالی کر دی تھیں۔ ایک آفت برپا تھی اور یہ آفت ایسی تھی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ ملک جرمنی کے چھوٹے سے ضلع لنڈم میں چار برس کے اندر آبادی کا پانچواں حصہ جادو کے جرم میں جلا دیا گیا۔ جنیوا میں تین مہینے کے اندر پانسو جادوگر اور جادوگرنیاں جلادی گئیں۔ ضلع کومو میں سنہ ۱۵۲۶ء میں ایک ہزار آدمی اِسی جرم میں جلائے گئے۔

ملکہ الزبتھ جو اول درجہ کی خدا پرست تھیں اور بڑی رحمدل مشہور ہیں اُنھوں نے جادو کے جرم کو اپنے ضابطۂ ملکی میں اول درجہ کا قرار دیا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی قید لگادی کہ نفس جادو کرنا ہی گردن زدنی کے لائق ہے اِس غرض سے

دوسری قسم کا جادو وہ ہے جس سے جن اور شیاطین کی تسخیر ہوتی ہے اور موجودہ زمانے میں اُسی کا بہت بڑا زور ہے۔ اکثر اہل ہنود اور مسلمان اپنے خیال میں اِس فن میں یدطولیٰ رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کا وہ گروہ جو جن کو اُتارتا اور بھوت پریت کو جاتا ہے ہر شہر اور قصبہ میں بکثرت ہے۔ ناواقف اور جاہل مرد اور عورتیں بہت جلد اُن کا شکار بن جاتی ہیں اور اپنی زندگی کا سرمایہ جو بڑی جان کاہی سے کمایا ہے اُن کی نذر کر دیتی ہیں۔ بعض اوقات اپنی جانِ عزیز تک دے دیتی ہیں۔

تیسری قسم کا جادو وہ ہے کہ اسم کے زور سے بھوتوں یا شیاطین یا اجنّہ کے گروہ گھنٹال کو حاضر کیا جائے اور پھر اُس سے اپنا کام لیا جائے۔

چوتھی قسم کا جادو صرف روحانیات اور تخیلات سے تعلق رکھتا ہے جس میں اپنے خیالات کے زور سے بعض جینی ذرائع سے دوسرے پر اثر ڈالا جاتا ہے۔ شاید مسمریزم کو سمجھ لیا گیا ہے اور اسی کو غالباً مسمریزم کہتے ہیں۔ جس کا رواج یورپ میں بہت ہے اگرچہ اس میں سوائے روحانی قوت کے جنات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ بیان کیا گیا ہے کہ اس قسم کا سحر بنفسہٖ کفر نہیں ہے ہاں اگر اُس سے کسی کو تکلیف نہیں کہ وہ کسی کی نقصان رسانی کے لیئے کیا جائے یا نہیں۔

جیمس اول نے اس قانون کو ناقص سمجھ کے اور بھی زیادہ اُسے وسعت دی اور زیادہ صاف و صریح الفاظ میں جادو کی سزا کے واسطے قانون جاری کیئے۔ اس قانون نے نہ صرف سرکاری ملازموں تک جادوگروں اور جادوگرنیوں کی گرفتاری کے اختیارات محدود کیئے تھے بلکہ ہر شخص کو اختیار تھا کہ اُنھیں گرفتار کرے۔ صدہا آدمیوں نے اپنا یہ پیشہ کر لیا۔ یہ لوگ گاؤں بہ گاؤں پھرتے اور گاؤں والوں سے ۲۰ شلنگ فیس لیتے تاکہ اُن کے گاؤں سے جادوگر اور جادوگرنیوں کو خارج کر دیں۔ گاؤں والے یہ سنتے ہی اُنھیں ۲۰ شلنگ حوالے کر دیتے اور وہ فوراً مشتبہ مردوں اور عورات کو گرفتار کر لیتے اور زرِ مذکور حلال کرنے کے لیئے اُنھیں سزائیں دلواتے اور بیسیوں بے گناہوں کو ظالم اپنے ۲۰ شلنگ کے لیئے مروا ڈالتے۔ جادو کی شناخت کے بہت سے طریقے رائج تھے منجملہ اُنکے یہ طریقے زیادہ عمل میں لائے جاتے تھے۔ سوئیاں نہایت بیرحمی سے جلدی جلدی اُن کے تمام بدن میں چبھوئی جاتی تھی اس تکلیف دہی سے کوئی خاص علامت جادو کی اُنھیں معلوم ہو جاتی تھی جسے ہم نہیں سمجھ سکتے۔ دُوسرا طریقہ یہ تھا کہ مشتبہ جادوگر یا جادوگرنی کے ہاتھ پاؤں باندھ کے اور ایک کپڑے میں لپیٹ کے تالاب میں ڈال دیتے تھے۔ جب وہ ڈوب جاتی تھی تو یہ سمجھا جاتا تھا کہ اصطباغ کے پاک پانی کا اُس پر اثر ہے اور اگر تیرنے لگتی تو وہ جادوگرنی سمجھی جاتی تھی۔ غرض دونوں صورتوں میں اُس کا بچنا محال تھا اور اُسکی موت یقینی تھی۔ تیرنے پر یہ اور غضب توڑا جاتا تھا کہ اگر وہ بچ گئی تو زندہ جلا دی جاتی۔ کیونکہ سطحِ آب پر آجانا جادوگرنی یا جادوگر ہونے کے لیئے کافی تھا۔

سترھویں صدی کے وسط میں جادو کے سراغ لگانے والوں کا ایک سرگروہ تھا جس کا نام تھا میتھیو ہاپ کنس تھا سب سے زیادہ آدمی انگلستان میں اُس زمانے میں جلائے گئے جو لانگ پارلیمنٹ کہلاتا ہے سنہ ۱۶۴۷ء میں ایک

پونہچائی جائے یا کسیکو دغا دیجائے تو سخت گناہِ کبیرہ ہے۔ کفر جب بھی اس سے لازم نہیں آتا۔ لیکن ہاں کسی شخص کے خیال کے تصرف میں جنوں کی روحوں سے وہ التجا کی جائے جو سزاوار خداوندی ہے تو کفر ہوجاتا ہے۔

سحر کی پانچویں قسم صرف اوہام کی جولانی ہے جو قدیم زمانہ میں بکثرت ہوتا تھا۔ مگر اس کا نام و نشان نہیں ہے اپنی قوت متخیلہ کے زور سے دوسروں کے آگے نئے نئے کرشمے کئے جاتے تھے اس قسم کے جادو کو تعلیق الوہم بھی کہتے ہیں۔ اس جادو کی صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ صورت واقعہ کو پیش نظر رکھکے وہم کو اسکی تحصیل کے لیئے متعلق کرتے ہیں۔ اِس کے لیئے تقلیل غذا اور اختلاط الناس سے پرہیز لازمی ہے اُنکا مقولہ ہے کہ بغیر اس قسم کی محنت کے مطلوبہ امر حاصل نہیں ہوتا۔ شاید چلّہ کشی اور وظیفہ و وظائف پڑھنا اسی جادو میں داخل ہے۔ اب اِس میں یہ بات ہے کہ اگر یہ امر کسی مباح غرض کے لئے کیا گیا ہے مثلاً کسی کافر یا ظالم کی ہلاکت کی غرض ہے یا ما بین الزانیین تفریق غرض ہو تو یہ جادو حلال اور جائز ہے اور اگر کوئی ایسی غرض ہے جس سے بین الزوجین تفریق ہو یا کسی معصوم کی ہلاکت کا مطلب ہو تو یہ جادو حرام ہے۔ تو بھی یہ جادو فی نفسہ قبیح نہیں ہے اور اس کا کرنا جائز ہے۔

چھٹی قسم کا جادو وہ ہے جو خواص اشیا سے کرشمے دکھائے مثلاً انگلیوں کا آگ سے روشن کرلینا اور

عورت اور اُسکی نو برس کی معصوم بچی کو صلیب دیگئی۔ الزام یہ تھا کہ ان دونوں ماں بیٹیوں نے اپنی روح شیطان کے ہاتھ فروخت کردی ہے اور اپنی جرابیں اُتار کے اور صابون گھول کے طوفان پیدا کیا تھا۔

اسکاٹلینڈ کے بادشاہ جیمس ششم جب ڈنمارک سے شادی کرکے واپس آیا تو لٹے یہ خبر دیگئی کہ چند جادوگرنیوں نے راستہ میں جمع ہو کے طوفان برپا کرنے کے لیئے جادو کیا ہے اور اُنکی مراد یہ ہے کہ بادشاہ ہلاک ہوجائے۔ بادشاہ نے یہ سنتے ہی اُن بے گناہ عورتوں کی گرفتاری کا حکم دیا۔ وہ گرفتار ہو کے بادشاہ کے آگے پیش کی گئیں۔ پہلے اُنھوں نے انکار کیا مگر وہ جانتی نہ تھیں کہ انکار اُنکے حق میں زہر ہلاہل ہے۔ فوراً اُنھیں جسمانی سزائیں ملنی شروع ہوئیں۔ ناچار ایک عورت نے بڑی عقلمندی سے اقبال جرم کیا اور کہا شیطان جو بادشاہ کا بڑا دشمن تھا ہم سے ساز باز رکھتا تھا اور حضور کے قتل کی کوشش کرتا تھا۔ اس مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا گیا کل جادوگرنیاں جنکی تعداد ۳۰ تھی گردن ماردی گئیں

اسی اثنا میں انگلستان میں جادوگرنیوں کو سزا دینے کے لیئے خاص ایک مجلس کا دائمی انعقاد ہوگیا تھا اور اُن کے لیئے قانون بھی منظور ہوگئے تھے۔ اِس مجلس کے ممبر سارے میں دورہ کرتے پھرتے تھے۔ صرف گلاسگو کے ایک ہی دورے میں سترہ آدمی زندہ جلا دیئے گئے۔ ڈاکٹر اسپرنگ نے لکھا ہے کہ عیسائیوں نے نوے لاکھ جادوگرنیوں کو زندہ جلا دیا"

سنہ ۱۶۵۲ء میں جرمنی میں ایک شخص ویر نامی پیدا ہوا جس نے جادو کو سب سے اول غلط بتایا۔ سنہ ۱۵۸۴ء میں دوسرا شخص پیدا ہوا اور اُس نے سابق الذکر کی تائید کی۔ اب جادوؤں کے منکروں کی تعداد بڑھنے لگی۔ انگلستان میں سنہ ۱۶۴۲ء کے بعد زندہ

اُسکی ترکیب یہ لکھی ہے کہ تھوڑا سا کابلی شورہ سرکہ میں تر کیا جائے اور اُس میں تھوڑا سا کف دریا ملا دیا جائے اور اُسے انگلیوں سے مل لیا جائے پھر اگر چراغ سے اُن انگلیوں کو روشن کیا جائیگا تو انگلیاں مثل شمع کے روشن ہو جائیں گی مگر جلنے کی نہیں۔ عرفا اس جادو کو شعبدہ بازی بھی کہتے ہیں جو مداری اکثر اس قسم کے باتیں کرتے ہیں۔

ساتویں قسم کا وہ جادو ہے جو آلات سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً کلوں کا کپڑا بننا۔ تار برقی کا دوڑنا اور ریلوں جہازوں وغیرہ کا چلنا۔

آٹھویں قسم جادو کی ہاتھ کی چالاکی ہے جو عموماً تاش وغیرہ کھیلوں اور غیب سے روپیہ منگانے میں کی جاتی ہے۔ آخر الذکر تین قسمیں ہمارے علمائے کرام نے حلال قرار دی ہیں۔ ہاں ان سے اگر کوئی فاسد غرض ہو تو حرام مطلق ہیں۔

ہمارے واجب التوقیر علمار نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اُمت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اذکیا نے بہت سے جادوؤں کی اصلاح بھی کی ہے اور اُن جادوؤں سے کفر اور شرک کو دور کر کے استعمال کیا ہے پہلی قسم کی اصلاح کو دعوت علوی سمجھنا چاہیئے جس سے فرشتوں کو تسخیر کیا جاتا ہے اور اُن کا تسخیر کرنا اسم اعظم الٰہی اور آیات قرآنیہ سے ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی اصلاح دعوت سفلی ہے کہ ارضی موکلوں اور جنوں کو تسخیر کیا جاتا ہے اور یہ تسخیر ایسی آیتوں سے ہوتی ہے جو شائبہ کفر سے بہت دور ہوتی ہیں بلکہ حکومت اور غلبہ اُن میں پایا جاتا ہے۔ تیسری قسم کی اصلاح یہ ہے کہ صلحا اور اولیا کی پاک روحوں سے ربط بڑھایا جائے

جلانے کی رسم کا پتہ نہیں ملتا۔ لیکن جرمن میں ۱۷۴۹ء میں اور سوئٹزرلینڈ میں ۱۷۸۲ء میں اور ہوزن میں ۱۷۹۳ء میں بھی زندہ جلائے جانے کی رسم پائی جاتی ہے۔

سب سے زیادہ تعجب کی یہ بات ہے کہ ۱۸۶۷ء میں ایک شخص انگلستان میں ڈاکٹر ہیریس کی عدالت میں مجرم قرار دیا گیا کیونکہ اُس نے کہا کہ بیماری جادو سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اُسکو بھی جادو آتا ہے اور اُسی سے آرام ہو سکتا ہے۔ اکثر مریضوں سے اُس شخص نے روپیہ بھی جادو کی بیماری کو دور کرنے کے لئے وصول کیا تھا۔

یہ غضب تھا جو جادو نے مغربی دنیا پر برپا کیا۔ نو لاکھ عورتوں کا زندہ جلا دینا ایک ہیبتناک کارروائی ہے جو صدیوں تک یاد رہے گی اور جب تک تاریخ یورپ قائم ہے یہ دھبّہ اُس کے دامن سے نہیں جا سکتا۔ جادو کے معتقد اب بھی یورپ میں بہت ہیں۔ بھوت۔ پریت اور ارواح خبیثہ کے اثرات کو ماننے والے اب بھی بکثرت موجود ہیں لیکن اُنکی اتنی تعداد نہیں ہے جتنی شرقی دنیا میں جادو ٹونے کے معتقدوں کی ہے۔

ہمیشہ اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ ایسی ہی خرابیوں کے باعث ہوا کرتے ہیں۔ جھوٹا ہے وہ مذہب جو ان مفسد خیالات کا بانی ہو۔ لعنت ہے ایسے عقائد پر جن سے بے گناہوں کے گلوں پر چھُری پھرے۔ شہر کے شہر برباد ہوں اور معصوم بچے اپنی ماؤں کی گود میں زندہ جلا دیئے جائیں۔ ایسا عقیدہ یا مذہب شیطانی ہوتا ہے جس میں خدا کی

اس کا عمل اکثر حضرت اویس قرنی کے پیرو کیا کرتے ہیں۔ اِس سے دوسرے لوگوں کی ضرورتیں بہت نکلتی ہیں اور صدہا کا بھلا ہوتا ہے۔ اِس کی تحصیل میں طہارت لازمی ہے اور صدقات۔ ارسالِ ثواب وغیرہ بھی ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چوتھی قسم کی اصلاح عقد ہمت ہے جس کا ظہور مشائخ کبار اور اولیاء ابرار سے مشکلات کے حل کرنے کے لئے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اِس میں استغراق بھی ہوتا ہے اور روحانیات کے عالم کی سیر کی لذت خوب حاصل ہو جاتی ہے۔

چھٹی قسم کی اصلاح یہ ہے کہ خواصِ آیات اور اعداد میں تعمق کیا جائے اور تصویرا وفاق مبارکہ اور الواح متفاوتۃ الخواص اور مطالب محمودہ میں سے کوئی مطلب اُس سے حاصل کیا جاتا ہے۔ تعویذوں کی کتابوں میں قرآن مجید کی آیتیں مع نمبو اور شروط کے واضح طور پر تحریر کی گئی ہیں۔ اِس جادو میں خواص عنصریات خواص بروج اور درجات میں تعمق کرنا پڑتا ہے مگر اس میں ذکر اللہ کو ممزوج کر لیتے ہیں۔

غرض وہ جادو کفر قرار دیا گیا ہے جس میں غیر اللہ مثلاً ارواح کواکب یا ارواحِ خبیثہ سے استعانت لیجاتی ہے جب یہ وجہ اُٹھا دیجاتی ہے تو پھر حلت وحرمت اغراضِ مقصودہ پر موقوف ہو جاتی ہے۔ یہودیوں کا جادو اِسی قسم کا تھا کہ وہ ارواحِ خبیثہ کو مالک و مختار بنا کے اُن سے طلب مدد کیا کرتے تھے اور جو سحر کہ ہاروت اور ماروت دو فرشتوں پر نازل ہوا تھا اُسے اول قسم کا سحر کہنا چاہیئے اور وہ سحر نہ صرف حرام مطلق بلکہ صریح کفر تھا کیونکہ اس میں عالم کی ارواح مدبرہ کو خدا سمجھ لیا گیا تھا۔ (معاذ اللہ)

قصہ ہاروت و ماروت

ہاروت و ماروت کو ہمارے علمائے کرام نے بہت بڑا زبردست جادوگر اور صاحب قوت مانا ہے چنانچہ اُنکی عدیم المثال " " اور اُسکی بے نظیر قوت کا یہ بیان کیا گیا ہے اور ایک معتبر سند سے اُسے ثابت کیا ہے حاکم نے سند صحیح سے اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ ایک عورت قبیلہ دومۃ الجندل میں سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضور انور کی تلاش میں آئی اور کہنے لگی کہ مجھے حضرت رسول خدا سے کچھ دریافت کرنا تھا حیف صد حیف کہ آپ نے رحلت فرمائی۔ جب وہ میرے پاس آئی تو میں نے اُس سے دریافت کیا تیری کیا حاجت ہے اور تو کیا کہنا چاہتی ہے مجھ سے کہہ۔ اُس نے کہا میرا خاوند مجھ سے بدسلوکی کیا کرتا تھا اور کمبخت نے کبھی صلح کی طرف میل نہیں کیا اور میں اس جانکندنی میں ہر وقت سولی پر رہتی تھی کہ ایک دن ایک بڑھیا میرے مکان پر

کھینی کو پامال کرنے کی تعلیم ہو۔ جتنے جادو کے جرائم میں خون ہوئے۔ خواہ وہ عیسائی دنیا میں ہوئے ہوں یا اسلامی عالم میں اُس کے جواب وہ پیشوایانِ دین ہیں کیونکہ اُن ہی کے یہ مسئلے نکالے ہوئے تھے۔ وہ کوئی عذر بھی خدا کے آگے نہیں کر سکتے اور اُنھیں رب العرش کے حضور قیامت کے دن سرنگوں ہونا پڑیگا۔

آئی۔ میں نے اپنی مصیبت اُس سے بھی دوہرائی اور اپنا افسوسناک حال کہا اُس نے جواب دیا بیٹی یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے جو کچھ میں کہوں تو اگر اس پر مستعد ہو جائے تو تیرا شوہر تیرا غلام بنجائے گا۔ اور اگر تو اُٹھتے جوتی اور بیٹھتے لات ماریگی وہ اُف تک نہیں کرنے کا۔ میں نے جواب دیا میری جان سخت عذاب میں ہے بڑھی بی جب میرا خاوند ایسا مطیع ہو جائیگا تو جو کچھ تم بتاؤگی میں کرنیکو موجود ہوں۔ غرض جب اخیر شب ہوئی وہ بڑھیا میرے پاس آئی اور اپنے ساتھ دو کالے کتے لائی۔ ایک کتے پر آپ سوار ہوئی اور دوسرے کتے پر مجھے سوار کیا۔ اور پھر ہم دونوں روانہ ہوئے ادھر گھر سے نکلے تھے کہ شہر بابل میں پونہچگئے میں نے وہاں جاکے دیکھا کہ دو مرد اُلٹے لٹک رہے ہیں اُنھوں نے میری صورت دیکھتے ہی کہا تو یہاں کیوں آئی بڑھیا کے اشارے سے میں نے یہ جواب دیا کہ جادو سیکھنے آئی ہوں۔ دونوں نے کہا کہ جادو کفر ہے اور جو سیکھتا ہی کافر ہو جاتا ہے جا اپنے گھر جا اور اپنا کام کر۔ اس جنجال میں پڑکے دین ہاتھ سے کھو بیٹھے گی۔ میں نے کہا کہ میں بغیر جادو سیکھے یہاں سے نہیں ٹلنے کی چاہے جو کچھ ہو جائے۔ وہ جوں جوں منع کرتے تھے میں اُسی قدر اصرار کرتی تھی۔ جب میری الحاح وزاری کو بہت طول ہوا تو اُنھوں نے ناچار مجھسے کہا کہ اس تنور کے قریب جاکے اُس پر پیشاب کردے۔ جب میں اُس تنور کے پاس پونہچی تو مجھے سخت خوف معلوم ہوا اور میں وہاں سے پھر کے پھر اُن مردوں کے پاس آئی اور میں نے اُن سے کہا میں پیشاب کرآئی ہوں اُنھوں نے مجھسے دریافت کیا کہ تو نے وہاں کچھ دیکھا بھی میں نے انکار کیا اُنھوں نے کہا تو جھوٹ بولتی ہی تو نے پیشاب نہیں کیا بس اب تیرے لیئے یہی بہتر ہے کہ تو یہاں سے چلی جاتا کہ کافر نہو جائے میں نے کہا میں ہرگز نہیں جانے کی اُنھوں نے کہا جب تو نہیں مانتی اور ضد کیئے جاتی ہی تو جا اور تنور میں پیشاب کر۔ میں پھر دل مضبوط کرکے گئی پھر وہی خوف وہراس مجھپر طاری ہوا بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور کلیجہ کانپنے لگا۔ میں گھبراکے اور ڈر کے واپس چلی آئی۔ پھر اُنھوں نے باز رہنے اور گھر جانے کے لیئے مجھ سے کہا۔ غرض میں سہ بارہ پھر گئی اور پیشاب کردیا پیشاب کرتے ہی میں نے ایک گھوڑے سوار کو تنور میں سے نکلتا دیکھا جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھا سر پر خود فولادی بدن میں زرہ سینہ پر چار آئینہ لگائے ہوئے اس سج دہج اور خوفناکی سے نکلا کہ میں دہل گئی وہ تنور سے نکلتے ہی آسمان کی طرف اُڑا چلا گیا اور میری نظر سے غائب ہوگیا۔ پھر میں اُنکے پاس گئی اور میں نے سوار کا حال بیان کیا اُنھوں نے کہا اب تو سچ کہتی ہے وہ سوار تیرا ایمان تھا جو تجھ میں سے نکل کے آسمان پر چلا گیا۔ بس اب جا تو جادو کے فن میں کامل ہوگئی۔ میں نے اپنی رفیقہ بڑھیا سے کہا کہ میں تو جادو سیکھنے آئی تھی اب تک میں نے کچھ نہیں سیکھا نہ ان مردوں نے مجھے کچھ تعلیم کی۔ بڑھیا نے کہا تیرا خیال ہے تو نے ہر چیز سیکھ لی اب جو کچھ تو چاہے گی وہ ہو جائیگا۔ اِنکی تعلیم اسی قسم کی ہوتی ہے۔ میں نے اُس بڑھیا سے کہا میں کیونکر یقین کروں کہ مجھے جادو آگیا ہے۔ اُسنے کہا تو ایک گیہوں کا دانہ زمین میں ڈال اور کہہ کہ اے دانہ تو اُگ آ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا وہ دانہ فوراً اُگ آیا۔ پھر میں نے کہا بڑا ہو۔ بڑا ہوا۔ پھر کہا خوشہ لا خوشہ لایا۔ پھر کہا خشک ہو خشک ہوگیا۔ پھر کہا گیہوں بن جا گیہوں بن گیا۔ جب میں نے ہر طرح آزما لیا اور میں پوری اُتری تو اب ایمان کے خیال سے

میری آنکھیں کھلیں میں سخت نادم ہوئی اور مجھے ایمان جانیکا بہت افسوس ہوا میں نے حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال سنا اور میں حضور میں اس لیئے حاضر ہوئی تھی کہ میرے دردِ دل کا کچھ علاج ہو اور میرا گیا ہوا ایمان واپس آجائے۔ اے مادر مومنین ابتک میں نے کسیکو نہیں ستایا نہ کسیکو تکلیف دی اور میں سچ کہتی ہوں کہ میں کسی کے اذیت دینے سے ابتک بچی ہوئی ہوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپکے صحابہ موجود ہیں اُنکے پاس جا اور یہ کیفیت بیان کر شاید تیرے ایمان واپس آنیکی وہ کوئی تدبیر بتائیں۔ وہ عورت ہر صحابی کے پاس گئی مگر کسیکو اُس کا ایمان واپس بلانیکی تدبیر نہ سوجھی مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بعض صحابہ نے کہا کہ اس سے بہتر تدبیر اور نہیں ہے کہ تیرے والدین میں سے اگر کوئی زندہ ہو تو اُسکی خدمت کر تیرا ایمان واپس آجائیگا۔ دوسری روایت ابن المنذر اور اوزاعی نے ہارون بن رباب سے نقل کی ہے کہ میں ایک دن عبدالملک بن مروان سے ملنے گیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے پاس ایک شخص مسند سے تکیہ لگا کے بیٹھا ہے میں نے اہل دربار سے دریافت کیا یہ کون شخص ہے جو بادشاہ کے برابر مسند پر بیٹھا ہے اہل دربار نے کہا کہ یہ اس بات کا فخر کرتا ہے کہ میں ہاروت اور ماروت کو دیکھ کے آیا ہوں میں نے کہا یہ وہی شخص ہے انہوں نے کہا ہاں۔ میں اُس کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ تو قصہ ہاروت و ماروت کا میرے آگے بیان کر یہ سنتے ہی وہ شخص آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اُس نے کہا میرا قصہ یہ ہے کہ میں ایک نوجوان لڑکا تھا میرے باپ کی جوانی میں وفات ہوگئی تھی۔ وہ بہت دولت چھوڑ مرا تھا اور وہ کل زر و مال میری ماں کے قبضہ میں آیا میری ماں مجھ سے بہت محبت رکھتی تھی جو کچھ میں اُس سے مانگتا تھا دیدیتی تھی اور میں اناپ شناپ روپیہ اُڑاتا تھا تو بھی میری ماں مجھسے نہ دریافت کرتی تھی کہ میں روپیہ کس بیدردی سے لٹاتا ہوں۔ جب میں جوان ہوگیا اور مجھے کچھ عقل و شعور آیا تو میں نے اپنی ماں سے پوچھا کہ میرے باپ کے پاس اسقدر مال و دولت کہاں سے آئی تھی۔ میری ماں نے کہا کہ اے پیارے بیٹے تجھے اس بات سے کیا تعلق جتنا تجھسے خرچ کیا جائے خرچ کر خوب عیش اُڑا مزے کر۔ مگر دریافت نہ کر تیرے لیئے یہی بہتر ہے۔ میں نے سخت التجا کی اور آہ و زاری کرنے لگا میری ماں میرا ہاتھ پکڑ کے ایک کوٹھڑی میں لیگئی میں نے دیکھا کہ جواہرات اور اشرفیوں کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اُس نے یہ زر بیشمار مجھے دکھا کے کہا یہ روپیہ اور زر و جواہر تیری کئی پشت کے لیئے کافی ہے تجھے ضرورت کیا پڑی کہ خواہ مخواہ اسکے سبب دریافت کرنے میں اصرار کرتا ہے کہ یہ دولت تیرے باپ نے کہاں سے کمائی تھی۔ پھر بھی اپنی ضد اور اصرار پر جما رہا۔ ناچار اُسنے مجھسے کہا کہ تیرا باپ جادوگر تھا اُس نے صرف جادو کے زور سے یہ دولت جمع کی تھی سنتے ہی میں نے کہا کہ موروثی دولت پر قناعت کرنا ہمت اور اولوالعزمی کے خلاف ہے میری ماں نے ہر چند سمجھایا کہ باپ کی دولت ہے اور تو ہی اکیلا اُسکا وارث ہے تیرے خیال میں یہ بے موقع اولوالعزمی پیدا ہو جانا میری پریشانی قلب کا باعث ہے میں نے ایک بات بھی نہ سنی اور بااصرار اپنی ماں سے کہا کہ یہ تو بتاؤ میرے والد کا کوئی دوست بھی ایسا ہے جو اُن کے علم کے راز سے واقف تھا اور اُسے جادو کی کیفیت معلوم ہو۔ میری ماں نے مجبور ہو کے کہا کہ ہاں فلاں شخص ہے اور فلاں جگہ رہتا ہے۔ میں نے ایک کہی نہ دو سیدھا اُس شخص کے پاس دوڑا ہوا گیا۔ بڑے ادب سے جھک کے سلام

کیا اور دست بستہ دو زانو اُسکے سامنے بیٹھ گیا۔ اُس نے مجھے پہچانا نہیں۔ دریافت کرنے لگا تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے میں نے جواب دیا میں فلاں شخص کا بیٹا ہوں میرے باپ کا نام سنتے ہی مجھے اُٹھ کے گلے سے لگا لیا اور بہت مہربانی کی اور مرحبا مرحبا کہنے لگا اور پھر مجھسے دریافت کیا کہ کس ضرورت کے لیئے آیا ہے اور تیری کیا حاجت ہے تیرا باپ تو اسقدر مال چھوڑ کے مرا ہے کہ تیری کئی پشتوں کو بھی کافی ہے تو اپنی کئی پیڑیوں تک کسی کا بھی محتاج نہیں ہو سکتا۔ میں نے صاف صاف کہدیا اور ذرا بھی لگی لپٹی نہ رکھی کہ مجھے مال کی ضرورت یہاں نہیں لائی ہے بلکہ میں جادو سیکھنے کے لیئے آیا ہوں۔ اُس شخص نے کہا اے پیارے بھتیجے ہرگز یہ خیال نہ کیجو کیونکہ اس میں کسی قسم کی بھی بہبودی نہیں ہے۔ میں نے کہا۔

دست از طلب ندارم تا کام جان بر آید ۔۔۔ یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن بر آید

جب تک آپ مجھے ایسا کامل نہ کر دیں جیسا میرا باپ تھا۔ میں آپ کا دامن نہیں چھوڑنے کا اور کبھی اس خیال سے باز نہیں آؤنگا۔ اُس نے یہ سُن کے سخت تاسف کیا اور میری اس ضد سے اُسے بہت صدمہ ہوا ہرچند اُس نے کوشش کی کہ میں سمجھ جاؤں لیکن میرے سر پر تو جادو سیکھنے کا جن چڑھا ہوا تھا بھلا میں کیونکر سمجھتا اور مجھے اُسکی نصیحت کیونکر پذیرا ہوتی۔ وہ آبدیدہ ہو کے کہنے لگا۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند ۔۔۔ جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

یہ ساری باتیں میری سحر آموزی کے شوق کے آگے فضول تھیں اور اُن کا اثر صرف اتنا تو ہوتا تھا کہ مجھے صدمہ اور رنج محسوس ہوتا تھا اور گریبان پھاڑنے کو جی چاہتا تھا کہ یہ انکار کیوں کیئے جاتا ہے۔ اخیر وہ مجبور ہوا اور اُسنے کہا اگر تو نہیں مانتا ہے تو یہاں قیام کر اور فلاں روز اور فلاں ساعت کا منتظر رہ۔ غرض خدا خدا کر کے وہ وقت بھی آ گیا میں فوراً اُسکے پاس بھاگا ہوا گیا اور اُس سے ایفائے وعدہ کی درخواست کی۔ پھر وہ مجھے سمجھانے لگا اور قسمیں دینے لگا اور منتیں کرنے لگا کہ للہ تو اس خیال سے باز آ میں انکار کیئے گیا جب وہ نصیحت کرتے کرتے تھک گیا تو اُس نے کہا میں تجھے اُس جگہ لیجاؤں مگر یہ یاد رکھیو کہ وہاں بھولے سے بھی خدا کا نام نہ لیجو۔ میں نے حتمی وعدہ کیا کہ ایسا کبھی نہ ہوگا وہ مجھے ایک تہ خانہ میں لیکے اُترا میں اندازہ سے کہتا ہوں کہ ہم دونوں نے قریب تین سو زینوں کے طے کیئے ہونگے باوجودیکہ تہ خانہ تھا مگر پھر بھی آفتاب کی روشنی اسیقدر تیز تھی جتنی سطح زمین پر ہوتی ہے۔ جب اخیر منزل پر پہنچے تو میں نے ہاروت اور ماروت کو لوہے کی زنجیروں میں معلق لٹکتا دیکھا اُنکی آنکھیں مثل بڑی بڑی ڈھالوں کے اور اُن کے پر اسقدر چوڑے اور چکلے تھے کہ میں خوف کے مارے کانپ گیا اور میری زبان سے بیساختہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ نکل گیا یہ کلمہ سنتے ہی اُنھوں نے اپنے پروں کو جنبش دی اور شور مچانے لگے اور پھر خاموش ہو گئے۔ میں نے امتحاناً پھر بھی کلمہ پڑھا پھر اُنکی وہی حالت ہو گئی وہی آہ و زاری اور وہی پروں کا پھڑ پھڑانا۔ اسکے بعد سکوت ہوا پھر میں نے یہی کلمہ دھورایا پھر اُنکی یہی کیفیت ہوئی جب تیسری بار سکوت ہوا تو میں اُنکے آگے گیا اُنھوں نے مجھسے دریافت کیا کیا تو آدمی کی جنس سے ہے میں نے کہا ہاں مگر یہ تو بتاؤ کہ اس کلمہ سے تمھاری یہ حالت کیوں ہو گئی اُنھوں نے کہا جب سے ہم عرش سے زمین پر آئے ہیں ہم نے یہ

کلمہ آج ہی سُنا ہے اور ہم پر سخت عذاب نازل ہو تیری زبان سے جب یہ کلمہ سُنا تو ہمیں اپنی اصلی جگہ رہنے کی یاد آئی ہمارے دل پر ایک چوٹ لگی اور ہم اس صدمہ سے غل مچانے لگے۔ اب تو بیان کر کہ کس پیغمبر کی امت میں ہے۔ میں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا۔ وہ سنتے ہی بولے کیا محمدؐ مبعوث ہو چکے میں نے کہا ہاں اُنھیں مبعوث ہوئے زمانہ ہوا۔ آپ کی وفات بھی ہو گئی اور آپ کے بعد خلفا ہوئے۔ اُن کی بھی وفات ہو گئی۔ پھر اُنھوں نے سوال کیا آپ کی اُمت ایک ہی شخص کے تابع ہے یا گروہ گروہ علیحدہ ہیں۔ اور اُن کا سردار جدا جدا ہے۔ میں نے کہا ایک ہی شخص کے تابع ہیں اُسے بادشاہ کہتے ہیں۔ یہ سُن کے اُنھیں رنج ہوا اور وہ سخت ناخوش ہوئے۔ پھر کہنے لگے کہ اُن میں اتفاق ہو یا نفاق میں نے کہا دلوں میں نفاق رکھتے ہیں۔ میرے جواب نے اُنھیں خوش کر دیا اور وہ اسقدر خوش ہوے کہ ساری کدورت اُنکی جاتی رہی پھر دریافت کرنے لگے کہ محلات اور عالی شان عمارات کا سلسلہ بحر طبریہ تک پہنچ گیا ہے۔ میں نے کہا ابھی نہیں پہنچا۔ یہ سنکر وہ پھر ملول ہوئے۔ مجھے تعجب ہوا کہ اُمت محمدیہ کے ایک ہی بادشاہ کے تابع ہونے کی خبر نے انھیں کیوں غمگین کر دیا۔ اخیر میں نے اُن سے یہ سوال بھی کیا کہ جب تم نے یہ سُنا کہ اُمت محمدی ایک ہی بادشاہ کے تابع ہے تو تم کیوں رنجیدہ ہوئے۔ اُنھوں نے کہا تو کچھ اور خیال نہ کر ہمارے خوش ہونے اور ناخوش ہونے کی یہ وجہ ہے کہ جب ہم نے یہ سنا کہ ابھی تک اتفاق تو ہم پر ایک صدمۂ عظیم ہوا کیونکہ ہم سے یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ قیامت تک تم پر یہ عذاب رہے گا اور قیامت کے آنے کی نشانی یہ ہے کہ اُمت محمدیہ میں نفاق پھیلے گروہ گروہ ہو جائیں اور ہر گروہ اپنا سردار اور اپنا پیشوا الگ الگ بنالے تیرے کہنے سے ہمیں اس لئے رنج ہوا کہ ابھی قرب قیامت دور ہے۔ دوسری قرب قیامت کی یہ نشانی ہے کہ بحر طبریہ تک سلسلۂ عمارات پہنچ جائے۔ پھر میں نے کہا مجھے کچھ وصیت کیجئے اُنھوں نے کہا کہ کم سویا کر اور اس خطرناک حالت سے بیدار رہ جو عنقریب آنے والی ہے۔ اُنھوں نے مجھے جادو نہیں سکھایا اور نہ میرے رہنما نے مجھے سحر کی تعلیم کی۔ پس میں پھر وہاں سے چلا آیا۔

ہمارے بزرگانِ دین کا عقیدہ بڑے پر زور الفاظ میں بیان ہوا ہے کہ وہ جادو کے بہ حق ہونے کے قائل تھے۔ چنانچہ ابن جریر۔ ابن ابی حاتم۔ حاکم اور دوسرے مفسر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت امیر المؤمنین مرتضی علی کرم اللہ وجہہ۔ عبداللہ بن عمر اور مجاہد رضی اللہ عنہم وغیرہم نے ہاروت و ماروت کی بابت یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کے اعمال بد نے آسمان پر پرواز کی تو فرشتوں میں بحث و مباحثہ اور قیل و قال شروع ہوئی اور اُنھوں نے بنی آدم کی سخت تحقیر کی اور صرف توہین آمیز کلمے ہی نہیں کہے بلکہ اُن پر لعن طعن کرنے لگے خدا تعالی نے اُن سے خطاب کر کے کہا تم بنی آدم پر اسقدر لعن طعن کیوں کرتے ہو اور اُن پر کیوں اسقدر خفا ہو چونکہ میں نے اُنکی سرشت میں غضب اور خواہش نفسانی کو ملا دیا ہے اِس لئے اُن سے یہ افعال قبیحہ سرزد ہوتے ہیں۔ اگر میں تمھیں بھی زمین میں نازل کروں اور تم میں بھی غضب اور خواہش نفسانی کی ترکیب کر دوں تو تم سے بھی ایسے ہی گناہ سرزد ہونے لگیں۔ فرشتوں نے

عرض کیا اے پروردگار اگر ہماری سرشت میں غضب اور خواہش نفسانی کی آمیزش بھی ہو جائے جب بھی ہم کبھی ایسے کبیرہ گناہوں کے مرتکب نہو نگے - خدائے تعالی نے فرمایا کہ تم اپنے گروہ میں سے دو فرشتوں کو منتخب کرلو تاکہ اُنھیں زمین پر بھیجا جائے اور پھر تمھیں حقیقت کھلجائے - فرشتوں نے جب اپنے گروہ میں سے منتخب کیا تو ہاروت و ماروت سے بہتر عبادت گزار اور ہر وقت تسبیح اور بندگی میں غرق کسیکو نہیں دیکھا - اخیر سب نے متفق ہو کے اِن دو فرشتوں کو منتخب کیا اور خداوند تعالی کے حضور میں پیش کیا - باریتعالی نے اُنکی سرشت میں غضب و خواہش نفسانی کا مادہ ملادیا اور دنیا میں اُنھیں بھیجا تاکہ وہ لوگوں پر جاکر حکومت کریں اور اُنھیں آپس میں لڑنے جھگڑنے نہ دیں - قتل و غارت کو موقوف کریں اور عدل و انصاف کی چاشنی اُنھیں چکھائیں فرائض عبودیت کی پوری تعلیم کریں اور ساتھ ہی یہ بھی رعایت کی گئی کہ وہ دن بھر تو اپنے مقررہ فرائض کی انجام دہی کرتے رہیں اور شام کو آسمان پر اُڑکے چلے آئیں اس کے لیئے اُنھیں اسم اعظم سکھا دیا گیا تھا کہ ادھر اُنھوں نے اسم اعظم پڑھا اور وہ آسمان پر اُڑکے چلے گئے - مہینہ بھر تک وہ یوں ہی آتے جاتے رہے اور اُنھوں نے ربانی فرائض کی حسب خواہش انجام دہی کی - اُنکی شہرت بھی شہر میں بہت ہوگئی کہ دو شخص آسمان سے اُترتے ہیں اور فلاں موضع میں رہتے ہیں نہایت نیک دل ہیں جو کچھ کہتے ہیں ہوجاتا ہے اور جو بات بتاتے ہیں بعدازاں ٹھیک اترتی ہے اور مقدمات خصومات کا فیصلہ بھی حق حق کرتے ہیں - حضرت امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب کی روایت کے بموجب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت زہرہ نامی اُن کے پاس آئی یہ عورت جسقدر خوبصورت تھی اُتنا عمدہ لباس پہنے ہوئے تھی اس کا خاوند اس پر زیادتی بہت کرتا تھا اُسنے اِن دونوں فرشتوں سے دادخواہی کی یہ عورت ایرانی تھی - اُسنے آکر یہ کہا مجھے اسم اعظم سیکھنے کا شوق ہے اور اسی لیئے میں آپ صاحبوں کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں اگر مجھے اسم اعظم آجائیگا تو اس مصیبت سے رہائی پانے کی سبیل نکل آئیگی - ہاروت و ماروت نے جوں ہی اُسکی صورت پر نظر کی دل ہاتھ سے دے بیٹھے - اور اُس پر فریفتہ ہو گئے تمام وعدے وعید جو اپنے خالق سے کیئے تھے دل سے محو ہوگئے اُن کی بالکل یہی کیفیت ہوگئی -

نہ تنہا در رہش بازم دل و دیں　　　　فدائے جان شیریں جان شیریں

ہوش و حواس درست نہ رہے محبت کی آگ دل میں بھڑکی اور اسی بیخودی میں وصل کی درخواست کی - اس عورت نے کہا یہ ہونا ایک محال امر ہے کیونکہ میرے اور تمھارے مذہب میں فرق ہے - میرا شوہر بہت بڑا باغیرت شخص ہے اگر اُسے اشارۃً یہ معلوم ہوگیا کہ میرا اور آپ کا تعلق ہے تو وہ مجھے قتل کرڈالے گا - ہاں اِسکی ایک ترکیب ہوسکتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اول تو تم میرے معبود کو سجدہ کرو اور پھر میرے خاوند کو قتل کرڈالو - میں تمھاری ہو جاؤنگی - یہ سنتے ہی ہاروماروت نے کہا معاذاللہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ سوائے خدا کے ہم کسیکو سجدہ کریں اور کسی شخص کو بلاوجہ قتل کریں ہم سے یہ کبھی نہیں ہوسکے گا - توبہ توبہ ان باتوں کا ہمارے آگے نام بھی نہ لیجیو - زہرہ یہ سن کے اُٹھ بیٹھی اور چلتے چلتے یہ کہہ گئی کہ اگر یہ منظور نہیں ہے تو پھر میرا وصل بھی

ممکن نہیں۔ ہاروت و ماروت نے انکار کرتے تو کر دیا مگر انکے دل میں محبت کی آگ بھڑک چکی تھی اور اسکی لپٹیں زیادہ ہوتی جاتی تھیں۔ اُنکی زہرہ کے چلے جانے پر بالکل یہی حالت ہو گئی تھی۔

زدیدہ رفتی و مردم ہمان نفس فریاد	کہ بے تو مردم وانگاہ چنیں بآسانی
کسے کہ تشنہ لب نازنست می داند	کہ موج آب حیاتست چین پیشانی
نہشت غمزۂ اسلام دشمنت کہ دو روز	محبت تو کنم جمع با مسلمانی

جب بیتابی اور پریشانی بڑھی تو دوسرے دن زہرہ کو پیغام بھیجا کہ ہم آج تیرے ہاں مہمان رہنا چاہتے ہیں اگر تو قبول کریگی تو ہماری اس میں بہت شرف افزائی ہے۔ زہرہ نے جواب میں کہلا بھیجا بسر و چشم۔ تشریف لائیے آپ ہی کا گھر ہے۔ غرض یہ دونوں وقت مقررہ پر وہاں پہنچے۔ زہرہ نے پہلے ہی سے مکان کی آراستگی کر رکھی تھی۔ خود بھی خوب بن سنور کر آراستہ ہو گئی تھی۔ شراب کے شیشے بھی تیار تھے کہ ہاروت و ماروت پہنچے زہرہ نے بڑی خاطر کی اُس کی زبان حال سے بیساختہ یہ نکل رہا تھا۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے	کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

پہلے سے بھی زیادہ اُس کا حسن و جمال اُن کے دل میں کھب گیا اور ایک غیر معمولی جوش اُٹھا جس سے اُنکی خواہش وصل کا اظہار ہو گیا۔ زہرہ نے کہا سنو صاحب بات یہ ہے اگر آپ میرا وصل چاہتے ہیں تو میں چار شرائط پیش کرتی ہوں۔ اُن میں سے کسی ایک پر اگر آپ عمل کر لیں گے تو میں آپ کی ہو جاؤنگی۔ ہاروت و ماروت نے پرشوق لہجہ میں دریافت کیا۔ سرت گردیم و قربانت شویم فرمائیے۔ اُس نے کہا ایک شرط تو یہ ہے کہ میرے بت کو سجدہ کرو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ میرے خاوند کو مار ڈالو۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو میرے ہاتھ سے جام شراب پی لو یہ بھی نہو سکے تو مجھے اسم اعظم سکھا دو۔ یہ چاروں شرطیں پیش کر دی ہیں اب آپ کو اختیار ہے کہ ان میں سے جس شرط پر آپ آسانی سے عملدرآمد کر سکیں کر لیں میں حاضر ہوں۔ ہاروت ماروت نے باہم مشورہ کیا کہ سجدہ کرنا خدا کے سوا دوسرے کو کفر ہے۔ قتل کرنا بھی جرم عظیم ہے جو کبھی معاف ہی نہیں ہو سکتا۔ اسم اعظم بھی نہیں بتا سکتے کیونکہ یہ خدا کا بھید ہے۔ ہاں شراب پی لینا کچھ بڑا بھاری گناہ نہیں ہے۔ باہم اس امر کا فیصلہ کر کے اُنھوں نے شراب پی۔ اور پی بھی اسقدر کہ بدمست ہو گئے۔ اُس بدمستی میں زہرہ کے بت کو سجدہ بھی کیا۔ اُس کے خاوند کو قتل بھی کیا اور اُسے اسم اعظم بھی بتا دیا۔ بعض روایتوں میں یہ بیان ہوا ہے کہ جوں ہی زہرہ کو اسم اعظم کی تعلیم ہوئی اُس کی روح نے آسمان کی طرف صعود کیا اور خدا کے حکم سے وہ روح سیارہ زہرہ کی روح کے ساتھ ملا دی گئی جو اب تک آسمان پر چمکتی ہے۔ ادھر جب ہاروت و ماروت کو ہوش آیا تو اپنے کو اسم اعظم اور تجلیات ربانیہ سے خالی پایا۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
گئے دونوں جہان کے کام سے ہم نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

خالق ارض و سما نے فوراً فرشتوں سے خطاب کر کے ہاروت و ماروت کے حال کی طرف اُنکی توجہ دلائی۔

اور ارشاد باری ہوا کہ یہ دونوں فرشتے باوجودیکہ میری تجلیات سے منور تھے اور شب بھر انھیں آسمان پر رکھا جاتا تھا تاکہ میرے نور کے قریب رہیں۔ دیکھو تو اس عنایت پر بھی یہ کیسی شرمناک معصیت میں گرفتار ہوئے۔ بیچارے بنی آدم کو یہ تجلیات اور حضوری کہاں۔ اگر وہ گرفتارِ معصیت ہوں تو زیادہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ فرشتوں نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اہل زمین کے لیئے دعائے مغفرت کرنے لگے۔ جیسا حق تعالیٰ فرماتا ہے والملٰئکۃ یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض"

اب ہاروت و ماروت کی حالت سخت پشیمانی میں روز بروز زبون ترین ہوتی گئی۔ اخیر وہ حضرت ادریس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی پوری کیفیت بیان کی اور کہا آپ ہماری شفاعت خدا کے آگے کریں ہمارا قصور معاف ہو اور ہم اپنے اصلی جائے قیام پر چلے جائیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا ٹھیرو جمعہ آنے دو میں تمھاری بابت رب العرش کے حضور میں عرض کرونگا۔ دوسرے دن ہفتہ کو یہ دونوں حضرت ادریسؑ کے پاس آئے اُنھوں نے کہا میں نے تمھاری سفارش کی تھی قبول نہیں ہوئی اب کے جمعہ کو پھر دریافت کروں گا۔ چنانچہ دوسرے جمعہ کو دریافت کیا گیا تو یہ جواب آیا کہ ہاروت و ماروت سے دریافت کیا جائے کہ دنیا کا عذاب چاہتے ہو یا آخرت کا۔ اگر وہ دنیا کا عذاب چاہیں تو انھیں دنیا کا دیا جائے اور جو آخرت کا عذاب چاہیں تو آخرت کا ہو۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے یہی فرمایا۔ ہاروت و ماروت نے باہم مشورہ کیا کہ عذاب دنیا فانی ہے اور عذاب آخرت باقی ہے۔ مناسب یہی ہے کہ ہم عذاب دنیا اختیار کریں مشورہ کے بعد اُنھوں نے اپنی مرضی ظاہر کردی کہ ہم عذاب دنیا چاہتے ہیں۔ حضرت ادریس نے بارگاہِ عالم میں یہی عرض کر دیا۔ فوراً فرشتوں کو حکم ہوا کہ لوہے کی آتشیں زنجیریں لیکے جاؤ اور اُن کا بند بند جکڑ کے کوئیں میں اُوندھا لٹکا دو اور اُس کوئیں میں نیز آگ برابر بھڑکتی رہے اور باری باری سے ایک فرشتہ ہر وقت موجود رہے جو آتشیں کوڑوں سے شب و روز اُنھیں مارتا رہے جب تک قیامت نہو اُنکی یہی کیفیت رہے اور اُن پر یہی عذاب ہوتا رہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب ایک فرشتہ کوڑے بازی سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر نیا فرشتہ آتا ہے اور جو فرشتہ ایک بار ہو جاتا ہے دوبارہ نہیں آتا۔ پیاس کے مارے اُن کے منھ میں کانٹے پڑ رہے ہیں اور زبان تالو خشک ہوا جاتا ہے۔ جب اُن پر تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے تو اُن کے پاس پانی لیجاتے ہیں۔ جب وہ پانی کے لیئے منھ کھولتے ہیں تو پانی علیحدہ کر لیا جاتا ہے۔

یہ قصہ متعدد تفاسیر سنن بیہقی۔ مسند امام احمد میں بیان ہوا ہے۔ اور کتب احادیث میں روایات متعددہ اور طریقہ مختلفہ سے کہ بہت صحیح مانے گئے ہیں مروی ہے۔ لیکن مفسرین متکلمین نے اس قصہ کی صحت سے اختلاف کیا ہے مثلاً ہمارے امام فخرالدین رازی اور قاضی بیضاوی نے اس قصہ سے صریح انکار کیا ہے اور اسے محض ایک فسانہ سے زیادہ وقیع نہیں سمجھا ہے اور اپنے اختلاف کی یہ وجوہات لکھی ہیں۔

اول یہ کہ فرشتے بالاجماع معصوم ہیں معاصی کبیرہ کا صدور اُنسے ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ منافی عصمت ہے۔

دوم۔ اُن دونوں فرشتوں کو اس شدید عذاب کی گرفتاری میں جادو کی تعلیم کی فرصت کہاں سے آئی

وہ بیچارے تو اپنے حال میں مبتلا ہیں اور لوگ اُنکے سیکھنے کے لیئے کیونکر جا سکتے ہیں اور پھر اُن کا آنیوالوں کے ساتھ اختلاط پیدا کرنا کیسا۔

سوم۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک فاجرہ عورت اسم اعظم پڑھتے ہی آسمان پر اُڑ کے چلی گئی اور پھر وہاں ستارہ بن گئی جو ابھی تک چمک دیرہا ہے۔ بجائے اسکے کہ اُسکے گناہوں۔ بدکاریوں اور فسق و فجور کی سزا دیجاتی اُلٹا اُس پر یہ احسان عظیم کیا گیا کہ آجتک کسی ولی کو بھی نصیب نہیں ہوا۔

چہارم یہ کہ زہرہ تو مشہور ستیارہ ہے جو حضرت آدم کی خلقت سے پہلے موجود تھا اور اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت اس ستیارہ کا جو سبعہ سیارات میں سے ہے ظہور ہوا ہے۔

پنجم۔ یہ قصہ فرشتوں کی زبان سے نقل کیا گیا ہے کہ اُنھوں نے کہا اے باری تعالی اگر ہم میں غضب اور خواہش نفسانی ہوتی پھر بھی ہم کبھی گناہ نہ کرتے حالانکہ حق تعالیٰ نے فرمایا تھا اگر تم میں انسانی غضب وغیرہ کا مادہ ہوتا تو تم گناہ کبیرہ کرتے۔ اس واقعہ سے جناب الٰہی کی صریح تجہیل اور تکذیب لازم آتی ہے اور یہ فعل شنیع منافی ایمان ہے۔ اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دو فرشتوں کے نازل کرنے کا سبب یہ تھا کہ مخلوق خدا ہیں جادو کی تعلیم پہیلے تو گویا خداوند تعالی نے جادو کی تعلیم مخلوق کو خود دی اس لحاظ سے جادو علم خداوندی سے ہوا۔ حالانکہ یہ نہیں ہے

ہمارے متکلمین کا یہ رد و قدح ہے جو وہ قصہ ہاروت و ماروت پر کرتے ہیں ہم ابھی اس پر کوئی رائے نہیں دیتے ابھی ہمیں جادو کی نسبت اور بھی اپنے علمائے کرام کے مقولے نقل کرنے ہیں پھر بالتفصیل اپنی رائے کا اظہار کرینگے

ہمارے بعض علمار کا یہ بھی خیال ہے کہ جادو فی نفسہ ایک بُری چیز نہیں ہے بلکہ اس سے فائدے بہت ہوتے ہیں۔ جادو کی تعلیم کیوجہ سے۔ معجزے۔ کرامت۔ شعبدہ بازی میں فرق بہت بڑا معلوم ہوجائے گا اور وہ ہمیشہ دشمنوں کے شر سے بچے گا۔ فرض کرو کہ ایک شخص کو جادو آتا ہے اور وہ اپنے جادو کو ناپسندیدہ موقع سے استعمال نہیں کرتا تو اُس سے زیادہ ثواب اور کسیکو نہیں ہوسکتا کہ باوجود قدرت گناہ رکھنے کے گناہ نہیں کرتا۔ اہل بابل پر تو اس لیئے عذاب نازل ہوا تھا کہ وہ جادو کی تعلیم سے مغرور ہوگئے تھے اور خدا کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔ یہ جانتے تھے کہ تمام کائنات کا انتظام ہمارے ہی ہاتھ میں ہے جو سیاہ سفید ہم چاہیں کرسکتے ہیں۔ یہ باتیں خدا کو بری معلوم ہوئیں اور اُس نے اُنھیں غارت کردیا۔ ہاروت و ماروت کے قصہ کو ہمارے بعض علمار نے بالکل صحیح تسلیم کرلیا ہے اور وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جب اخبار اور آثار سے مرفوعاً یہ قصہ تواتر کی حد تک پہنچا ہوا ہے پھر اسے نہ ماننے اور یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی اگرچہ امام فخر الدین وغیرہ مفسروں نے اس قصہ کی تکذیب کی ہے۔ ہم نے وہ روایتیں جو ہاروت و ماروت وغیرہ کی نسبت آئی ہیں عمداً قلم انداز کردی ہیں کیونکہ نہیں ایک ہی جگہ جمع کرنے سے بے مزہ طول ہوجاتا اور نہ بیان تو اس طول طویل طور پر ہوا ہے کہ جسکی حد پایاں ہی نہیں۔ اور اس قصہ کے مؤید اصحاب نے وہ وہ دلائل اس کی صحت میں پیش کیئے ہیں گویا یہ قصہ یقینی ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی تفاوت نہیں ہے اور کچھ ایسے بسط کے ساتھ بحث کی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے اس مسئلہ کو ایک اہم اور ضروری اصول اسلام کا خیال کیا ہے۔ اُن کا بیان ہے

کہ زہرہ کی روح زہرہ سیارہ کے ساتھ بیشک مل گئی ہے اور یہ بات ممکن ہے چنانچہ اُنھوں نے بڑی کوشش سے چند دلچسپ روایتیں بھم پہنچائی ہیں جن میں ایک ہدیۂ ناظرین ہے۔

زبیر ابن بکار و ابن مردویہ و دیلمی حضرت امیر المومنین علی بن ابیطالب کرم اللہ وجہہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے (یعنی حضرت علی نے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ مسخ شدہ صورتیں کتنی ہیں آپ نے فرمایا گیارہ ہیں ہاتھی۔ ریچھ۔ سور۔ بندر۔ مارماہی۔ سوسمار۔ طوطہ۔ بچھو۔ عموص۔ مکڑی۔ خرگوش۔ سہیل زہرہ۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ انکے مسخ ہونے کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاتی پہلے آدمی تھا۔ مگر اسے خلاف وضع فطری افعال کا بہت شوق تھا اور اسکی تمام عمر لواطت اور اسی قسم کے افعال شنیعہ میں گزری اخیر وہ ہاتھی بنادیا گیا۔ ریچھ مخنث تھا جو مثل عورتوں کے اپنے کو آراستہ کیا کرتا تھا۔ سور نصاریٰ کی ایک جماعت تھی جس نے مائدہ کی نازل شدہ نعمت سے کفران کیا تھا۔ بندر یہودی تھے کہ شنبہ کے دن اُنھوں نے مچھلی کا شکار کیا۔ مارماہی دیوث شخص تھا کہ اپنی بیوی اور غیر مردوں میں دلالی کرتا تھا۔ سوسمار ایک بادیہ نشین دہقان تھا کہ حاجیوں کے قافلہ کو لوٹا کرتا تھا۔ طوطہ وہ شخص تھا جو درخت سے میوے چرایا کرتا تھا۔ بچھو ایک زبان دراز شخص تھا اور جسکی زبان درازی سے کسیکو پناہ نہ تھی۔ عموص چغل خور شخص تھا کہ اپنی چغلخوری کی وجہ سے اپنے دوستوں میں لڑائی کرادیتا تھا۔ مکڑی ایک عورت تھی جس نے اپنے خاوند پر جادو کرکے اُسے قتل کرادیا تھا۔ خرگوش بھی عورت تھی کہ ایام کے بعد غسل طہارت نہ کرتی تھی۔ سہیل یمن میں ایک چوکیدار تھا جو لوگوں سے جبراً چیزیں چھین لیا کرتا تھا۔ زہرہ ایک بادشاہ کی لڑکی تھی جس نے اپنے حسن وجمال سے ہاروت وماروت کو اپنا مفتون بنالیا تھا۔ اس قصہ کے تتمہ پر تفسیر زاہدی والا لکھتا ہے کہ ہاروت وماروت اگرچہ جادو کی تعلیم کرتے تھے مگر پہلے سمجھا دیتے تھے کہ جادو سیکھنا سخت زبون ہے اور جب لوگ نہ مانتے تھے تو وہ مجبوراً تعلیم کردیتے تھے اِن کے جادو کی تعلیم مثل شیاطین کے نہیں تھی جن کا ارادہ خلق اللہ کو گمراہ کرنے کا تھا۔

صحیح مسلم میں ایک حدیث روایت ہوئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شیطان روزمرہ صبح کے وقت اپنا تخت پانی پر رکھتا ہے اور اپنے شیاطین کو زمین پر مخلوق خدا کے گمراہ کرنے کے لیئے روانہ کرتا ہے پھر شام کو اُنکے کاموں کا جائزہ لیتا ہے جو شیطان کوئی بڑا کام کرکے آتا ہے اُسکی وہ بڑی عزت کرتا ہے اور اپنے پاس بٹھاتا ہے۔ ایک شیطان اپنی کارگزاری اس طور پر بیان کرتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کو اسقدر ورغلایا کہ اخیر اُس نے زنا کیا یا شراب پی یا چوری کی۔ ایک شیطان کہتا ہے کہ واہ اس نے کچھ بھی نہیں کیا۔ میں نے ایک عورت اور خاوند میں سخت نااتفاقی ڈلوادی اور اُنکی جدائی کرادی شیطان اس سے بہت خوش ہوتا ہے اسے اپنے پاس بُلاتا ہے اور اپنے سینہ سے لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ تو بہت سعادتمند فرزند ہے۔

ابوالفرج اصفہانی اپنی کتاب اغانی میں عمر بن دینار سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت حسن علیہ السلام نے قیس کے باپ ذریح سے کہا کہ آیا تیرے نزدیک حلال ہے کہ تو نے قیس اور لبنی میں جدائی پیدا کردی کیا تو نے یہ نہیں سنا ہے کہ امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک جورو خاوند میں جدائی

ڈالنا اور دونوں کی تلوار سے گردن اڑا دینا برابر ہے لیکن مسلمانوں کو نہیں چاہیئے کہ یہودیوں کے ساتھ اتحاد رکھیں کیونکہ اُن کے جادو کا ادنیٰ کرشمہ میاں بیوی کی نا اتفاقی ہے۔ یہودیوں کا ایک جادو بیان ہوا ہے جو اُنھوں نے بعض صحابہ پر کیا تھا اور وہ یہ تھا کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راعن کہا کرتے تھے جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور منع کیا گیا ہے کہ نبی کو راعن نہ کہو۔ یہودیوں کی دیکھا دیکھی بعض ناسمجھ مسلمان بھی اپنے برحق نبی کی نسبت راعن کا لفظ استعمال کرنے لگے تو بیان کیا جاتا ہے کہ یہودیوں نے اُن پر جادو کر دیا تھا وہ یہ نہ سمجھ سکے کہ راعن کا لفظ نبی معصوم کی نسبت استعمال کرنا کفر ہے وہ بھی اُنکے ساتھ کہنے لگے کہ ایک دن حضرت سعد بن معاذ کا یہودیوں کے ہاں گزر ہوا۔ آپ کی ملاقات یہودیوں سے بہت تھی۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ یہودیوں نے راعن کا لفظ کہا۔ سعد کو بہت غصہ آیا اور کہا اب کے تم نے اگر راعن کا لفظ کہا تو میں گردن اڑا دوں گا۔ یہودیوں نے مکر سے بیان کیا کہ ہم نے بُری نیت سے یہ الفاظ استعمال نہیں کیئے ہیں آپ کے اور بھائی مسلمان بھی بولتے ہیں۔ آپ اُسی غصہ میں اُٹھ کے سیدھے حضور انور کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور آپ سے ابھی بیان نہ کیا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا الخ۔ غرض اِسی قسم کی بہت سی روایتیں ہیں جو جادو کے معتقد جادو کی نسبت بیان کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے نبی برحق پر بھی یہودیوں نے جادو کیا تھا اور اُس کا گونہ اثر بھی آپ پر ہوا تھا مگر ہم اسے نہیں مانتے ہمارا ایمان ایسی باتیں سن کے کانپنے لگتا ہے اور ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ کس غلط فہمی سے مسلمانوں نے خود ذات اقدس و اطہر سے بھی جادو کے مقابلہ میں درگزر نہیں کی۔ ہمارا جو کچھ مذہب ہے یہ ہے کہ اگر یقین بھی کر لیا جائے کہ جادو کوئی چیز ہے اور جتنی اُسکی قوت بیان کی گئی ہے تھوڑی دیر کے لیئے سب کو حق سمجھ لیا جائے اور چند منٹ کے لیئے تمام دنیا کو ہم جادوگروں سے بھرا ہوا تسلیم کرلیں اور اُن میں سے ایک ایک جادوگر ایسا ہو جو آسانی سے آسمان میں چھید کر سکتا ہو اور پھر وہ اپنی مشتملہ قوت سے مل کے ہمارے نبی معصوم و برحق پر جادو کریں بالکل محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے کہ آپ پر اس کا خفیف سا بھی اثر ہو۔ جو ذات پاک عالم کے لیئے رحمت بنا کے بھیجا گیا ہو جس کی پیدائش ہی سے روح القدس ہمقرین رہی ہو جس کا ایک ایک لفظ بہت بڑا زبردست قانون کا حکم رکھتا ہو۔ اُس پر ناپاک روحوں کی قوت کچھ بھی نہیں چل سکتی۔ اُسکی نگاہوں میں وہ تاثیر تھی کہ وہ ایک نظر سے صد ہزار جادوؤں کو توڑ سکتا تھا۔ نگاہ کیا اُس کا مقدس نام ہزاروں سحر کے قلعوں کو تسخیر کے لیئے کافی تھا۔ اب بھی اس مقدس اور مبارک نام میں بہت بڑی قوت باقی ہے اور اب بھی اس میں زندہ روح موجود ہے۔ ہم اُسے قیامت تک تسلیم نہیں کر سکتے کہ ناپاک روحوں کی قوت اُس پر غلبہ پا سکے جس کی نسبت یہ یقین کرنا ہمارا ایمان ہو۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اب ہم نفس جادو پر بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے علماء نے جادو کی نسبت لکھا ہے

اگر اُسے صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اُس سے کیا مستنبط ہوتا ہے اور جادو کی کیا صورت پیدا ہوتی ہے۔ جنے گزشتہ صفحوں کو بغور مطالعہ کیا ہے وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ جادو کے معنی غیر از خدا کی پرستش کرنے اور اور اُن سے نہ صرف مدد چاہنے بلکہ اُنھیں قادر مطلق سمجھنے کے ہیں۔ چونکہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اِسی سبب ہمارے فقہا نے ایسے مسلمان کی سزا جو جادوگر مشہور ہے۔ یعنی ارواح خبیثہ کی پرستش کرتا ہے اور اُن ہی میں ساری قوت مانتا ہے گردن زدنی قرار دی ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہو اور عین انصاف ہے کہ اُسے تین دن کی مہلت دی گئی ہے کہ وہ اپنی حالت پر غور کرے اور غیر اللہ کی پرستش سے تائب ہو۔ جادو کے زور سے کسی شخص کو قتل کر ڈالنے کے یہی معنی ہیں کہ اُسے خدائے واحد کی پرستش سے باز رکھ کے سورج چاند۔ درخت۔ پہاڑ۔ پتھر لکڑی کی پرستش سے لگا دیا گویا اُسے جان سے مار ڈالا اور کہیں کا نہ رکھا۔ مگر غور سے دیکھنے سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ مثل یہودیوں اور نصاریٰ کے مسلمانوں کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ جادوگر با فوق الفطرت مشاہدے کرا دیتا ہے آسمان سے مینہ کا برسا دینا پتھروں کی بارش کرا دینا کسی کو جان سے مار ڈالنا کسیکو کسی جانور کی صورت میں بنا دینا یہ باتیں جادوگر کے دست قدرت میں ہیں اور وہ جب چاہے ایسے عمل بآسانی کر سکتا ہے۔ مگر یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں اور صداقت کو ان سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ یہ بات بالکل ناقابل یقین ہے کہ جادو کی روایتیں اِس کثرت سے نقل کی گئی ہیں کہ اُن کا درجہ تواتر تک پہنچ گیا ہے۔ مگر جب اُن میں اختلاف ہے تو ہم ایسے تواتر کو لیکے کیا چاٹیں۔ قرآن مجید ہمارا فیصلہ کرنے والا ہے اور اُسی سے ہم اپنے دعوے کی صداقت لا سکتے ہیں قرآن میں جہاں سحر کا ذکر آیا ہے وہاں اُسکی حقارت اور تضحیک کی گئی ہے اور سحر کی گفتگو ہمیشہ کافروں کی زبان سے بیان کی گئی۔ جہاں فرمایا ہے کہ کافر کہتے ہیں قرآن تو بالکل جادو ہے۔ کافر کہتے ہیں کہ محمد تو جادوگر ہے۔ اب اس کے کیا معنے ہوئے۔ یعنی کفار کی یہ ساری باتیں ناقابل تسلیم اور محض لغو ہیں۔ کہیں یہ نہیں فرمایا کہ جادو برحق ہے اور کرنے والا کافر ہے جیسا ہمارے عقائد کی کتابوں میں لکھا گیا ہے۔ ایک جگہ قرآن مجید میں فرمایا ہے ولئن قلت انکم مبعوثون من بعد الموت لیقولن الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین یعنے اے محمدؐ اگر تم ان سے کہو کہ مرنے کے بعد تم دوبارہ زندہ اُٹھائے جاؤگے تو جو لوگ منکر ہیں اُسے سن کے ضرور کہینگے کہ یہ تو صریح جادوگروں کی سی باتیں ہیں"۔ یہاں خداوند تعالیٰ نے منکران روز قیامت کا بیان فرمایا ہے اور یہاں جادوگر کے معنے فریبی پائے جاتے ہیں۔ منکران قیامت نے خداوند تعالیٰ کے اِس قول کو کہ دوبارہ لوگ اُٹھائے جائیں گے محض دھوکا خیال کیا ہے اور اُنھیں اس کا یقین نہیں آیا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اُنھوں نے بیان کیا جو لوگ فریب دیتے ہیں وہ ایسی باتیں کیا کرتے ہیں حق کو ان باتوں سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ سحر کے معنے دہوکا اور فریب کے ہیں جس کا ذکر صاف طور پر آگے کی آیت میں آگیا ہے جہاں فرماتا ہے الا یوم یاتیھم لیس مصروفا عنھم وحاق بھم ما کانوا بہ یستھزءون یعنے سنو جس وقت اُن پر عذاب نازل ہوگا پھر وہ کسی کے ٹالے ٹلنے والا نہیں اور جس عذاب کی یہ لوگ ہنسی اُڑا رہے تھے وہ اُنھیں لپٹ جائیگا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کسی دھوکا دینے والی چیز پر انسان

قہقہہ اُڑایا کرتا ہے - جادو کو جب کفار حق سمجھتے تھے - پھر اُس پر ہنسی اُڑانا کیسا - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر کے معنے فریب اور دہوکے کے ہیں اِسی لیئے وہ اس پر ہنسی اُڑاتے ہیں مگر آخیر انکی ہنسی اُن کے لیئے خطرناک ثابت ہوئی اُنھیں حق پر دھوکا ہوا تھا - چند ہی روز کے بعد حق چمکا اور اُنھیں کھل گیا جس چیز کو ہم نے دھوکا اور فریب سمجھا تھا وہ حق نکلی اور ہم ہی دھوکے میں رہے - ایک دوسرے مقام پر قرآن مجید میں یہ بیان ہوا ہے واذا تتلی علیھم اٰیتنا بینٰت قال الذین کفروا للحق لما جاء ھم ھذا سحر مبین یعنے اور جب ہماری کھلی کھلی آیتیں اُن لوگوں کو پڑھ کے سُنائی جاتی ہیں تو جو لوگ قرآن برحق کے منکر ہیں وہ اِسکی نسبت کہتے ہیں کہ یہ صریح جادو ہے یعنے صریح دھوکا ہے یہاں سحر سے اگر جھاڑ پھونک مطلب لیا جائے تو پھر اُن کا قول بے معنے سا ہو جاتا ہے - جب جادو تھا تو ان پر اس کا اثر ہونا چاہیئے تھا اور جب اُن پر اثر نہوا تو پھر وہ جادو کیسا - بلکہ یہاں سحر کے معنی دھوکا اور فریب کے ہیں اور اس کے معنے یہ ہیں کہ محمد جو یہ بیان کرتے ہیں قرآن خدا کی طرف سے نازل ہوتا ہے یہ تو صریح دھوکا ہے - بھلا کہیں ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا کی طرف سے محمد پر کلام نازل ہو - ہمارے اس قول اور دعوے کی شہادت کہ سحر کے معنی دھوکا اور فریب کے ہیں نہ کہ اس جادو کے ہیں جو عوام میں ایک مافوق الفطرۃ قوت رکھنے والا سمجھا جاتا ہے آگے آنے والی آیت کے کھلے الفاظ میں ملتی ہے ام یقولون افترٰہ قل ان افتریتہ فلا تملکون لی من اللہ شیئا ھو اعلم بما تفیضون فیہ یعنی کیا یہ لوگ قرآن کی نسبت کہتے ہیں کہ اِسے اس شخص نے اپنے دل سے بنا لیا ہے - اے پیغمبر تم ان سے کہو اگر میں نے قرآن کو اپنے دل سے بنایا ہوگا تو تم خدا کے مقابلہ میں میرے کچھ بھی کام نہیں آسکتے - پڑ اپنے عقیدے کی پٹی کو آنکھوں سے کھول ڈالو اور نہایت انصاف سے بغور دیکھو کہ سحر کے کیا معنے خدائے تعالیٰ نے فرمائے ہیں اور ہم سحر کے کیا معنے سمجھتے ہیں - جو کچھ ہمنے لکھا ہے خدا ہی کے بتائے ہوئے کو لکھا ہے - ہم مٹ جائیں گے اگر ہم کلام باری کے خلاف کسی لفظ کے معنی کہیں - اُسی وقت ہمیں نیست و نابود ہو جانا چاہیئے اگر ہمارے دل میں بھولے سے بھی یہ خیال گزرے کہ منشائے باریتعالیٰ کے خلاف ہم ایک حرف نکالنے کی جرأت کریں اس سے زیادہ صریح سحر کی حقیقت اور کیا ہو سکتی ہے قرآن نے کسی جگہ بھی جادو سے وہ مفہوم نہیں لیا ہے جو عام طور پر لیا جاتا ہے وہ علی الاعلان شہادت دیتا ہے کہ سحر صرف دھوکا اور فریب ہے - ورنہ اُسکی کچھ حقیقت نہیں ہے - پھر ہمیں کب زیبا ہے کہ غلط روایات کی بنا پر ہم جادو کی ایک نئی دنیا بنائیں اور اُس میں وہ مافوق الفطرۃ باتیں ملا دیں جن کا ظہور خود انبیا سے بھی نہو سکا اور سوائے قادر ذوالجلال کے اُن پر کوئی قادر نہیں ہے - جادو کی نسبت صراحت سے شعراء کی سورت میں بیان ہوا ہے جہاں یہ حکایت جادوگروں اور حضرت موسیٰ کی لکھی ہے - اے پیغمبر ایک وقت وہ بھی تھا کہ تمھارے پروردگار نے موسیٰ کو پکارا کہ ان ظالم لوگوں یعنی فرعون کی قوم کے پاس جاؤ کیا یہ لوگ ہمارے غضب سے نہیں ڈرتے - موسیٰ نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں ڈرتا ہوں کہ کہیں مجھے جھٹلائیں نہیں اور بات کرنے میں میرا دم رکتا ہے اور میری زبان اچھی طرح نہیں چلتی تو ہارون کو کہلا بھیج کہ وہ میرا ساتھ دے اور میرے

ذمہ قبطیوں کا ایک تاوان بھی ہے کہ میں نے ایک قبطی کو مار ڈالا تھا تو میں ڈرتا ہوں کہیں اُسکے بدلہ میں مجکو نہ مار ڈالیں فرمایا ایسا ہرگز نہیں ہونے پائیگا۔ اچھا تم دونوں بھائی ہماری نشانیاں لیکے جاؤ اور ہم تمھارے ساتھ ہیں اور جو گفتگو تمھارے اُن کے درمیان ہوگی اُسکو سنتے رہیں گے غرض تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ ہم تمام جہان کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کیجیے چنانچہ موسیٰ اور ہارون خدا کا حکم لیکے فرعون کے پاس گئے تو فرعون نے کہا موسیٰ کیا تجھے ہم نے بچہ رکھ کے اپنے ہاں نہیں پالا اور تیری اتنی عمر ہونے آئی۔ تو اپنی اس عمر میں سے برسوں ہمارے ہاں رہا۔ اور تو نے ایک حرکت اور بھی کی تھی جو کی تھی یعنی قبطی کو مار ڈالا تھا اور تو بڑا ہی ناشکر ہے۔ موسیٰ نے کہا اُن دنوں میں وہ حرکت کر بیٹھا اور میں غلطی پر تھا۔ پھر جب مجھے تم سے ڈر لگا تو میں تمھارے ہاں سے بھاگ گیا۔ پھر ایک عرصہ کے بعد میرے پروردگار نے مجھے پیغمبری کے اختیارات عطا فرمائے اور پیغمبروں میں سے مجھے بھی ایک پیغمبر بنایا اور یہ بھی کوئی احسان ہے جسکی آپ مجھپر منت رکھتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا تھا۔ فرعون نے پوچھا اور تمام جہان کا پروردگار کیا ہے جسکی طرف سے تم نے اپنا آنا بیان کیا ہے۔ موسیٰ نے کہا وہی آسمان اور زمین اور جو کچھ آسمان و زمین میں ہے سب کا پروردگار۔ اگر تم یقین کرو۔ فرعون نے اپنے مصاحبوں سے جو اُسکے گرد بیٹھے تھے کہا کیا تم موسیٰ کی باتیں نہیں سنتے۔ موسیٰ نے کہا وہی تم لوگوں کا پروردگار اور تمھارے اگلے باپ دادوں کا پروردگار۔ فرعون نے پھر اپنے مصاحبوں سے خطاب کرکے کہا کہ ہو نہو یہ تمھارا رسول جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے۔ موسیٰ نے کہا وہی پورب اور پچھم اور جو کچھ ان دونوں میں ہے اور سب کا مالک اگر تم عقل رکھتے ہو۔ آخر کار فرعون نے موسیٰ سے کہا کہ اگر میرے سوا کسی اور کو تو نے خدا مانا تو میں تجھے قیدیوں میں داخل کرونگا۔ موسیٰ نے کہا کیا میں ایک کھلا ہوا معجزہ بھی آپ کو دکھا دوں تو بھی۔ فرعون نے کہا اگر تو سچا ہے تو اسے دکھا اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی کو ڈالدیا تو کیا دیکھتے ہیں وہ ایک صریح اژدہا ہے اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو نکالتے کے ساتھ ہی سب دیکھنے والوں کی نظر میں چمک رہا تھا۔ فرعون نے اپنے درباریوں سے جو اُسکے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے کہا اس میں شک نہیں کہ یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تم کو تمھارے ملک سے نکال باہر کرے تو اب تم لوگ کیا صلاح دیتے ہو۔ درباریوں نے عرض کیا کہ حضور موسیٰ اور اُسکے بھائی ہارون کے معاملہ کو چند روز ملتوی رکھیں۔ اور شہروں میں جادوگروں کے جمع کرنے کو ہرکارے روانہ فرمائیں کہ وہ تمام بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو سرکار میں لا حاضر کریں۔ غرض دن مقرر ہوا اور اُس روز مقررہ کے وعدے پر سب جادوگر جمع کئے گئے اور لوگوں میں منادی کرادی گئی کہ اب تک تو تم لوگ الگ تھلگ رہے ہو۔ اب ایسے موقع پر بھی تم لوگ جمع ہوگے یا نہیں۔ اگر جادوگر یعنی موسیٰ اور اُس کا ساتھی ہی غالب رہے تو شاید ہم ان ہی کا مذہب اختیار کرلیں۔ تو جب جادوگر ملک کے اطراف و جوانب سے آحاضر ہوئے تو اُنھوں نے فرعون سے کہا۔ بھلا ہم ہی غالب رہے تو ہمیں سرکار سے کچھ انعام بھی ملیگا۔ فرعون نے کہا ہاں ضرور۔ اور انعام کا کیا مذکور ہے غالب رہنے کی صورت میں تو تم بارگاہ شاہی کے مقرب قرار دیئے جاؤگے۔ موسیٰ نے جادوگروں سے کہا جو کچھ تمھیں ڈالنا منظور ہو تم میدان میں ڈالو۔ اُس پر جادوگروں نے اپنی رسیاں

اور اپنی لاٹھیاں ڈالدیں۔ اور بولے فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب رہینگے اس پر موسیٰ نے اپنا عصا میدان میں ڈالدیا تو بس وہ اُن شعبدوں کو جو جادوگر بنا کے لائے تھے ایکدم سے لگا نگلنے۔ یہ دیکھکر جادوگر ایسے متاثر ہوئے کہ سجدہ میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم تمام جہان کے پروردگار پر کہ وہ موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے ایمان لائے۔ فرعون نے کہا کیا اس سے پہلے کہ تمھیں اجازت دوں تم موسیٰ پر ایمان لے آئے ہو نہو موسیٰ تمھارا بڑا گرو ہے جس نے تمکو جادو سکھایا ہے سو خیر تمکو اُس کا نتیجہ معلوم ہو جائیگا۔ ہم تمھارے ہاتھ پاؤں اُلٹے سیدھے کاٹیں اور تم سب کو سولی دیں تو سہی وہ بولے کچھ ہرج کی بات نہیں ہمکو تو بہر حال اپنے پروردگار کیطرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور ہم اُمید رکھتے ہیں ہمارا پروردگار ہمارے قصوروں کو معاف فرمائیگا اِس لیئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لائے"

قرآن مجید کے اس مضمون سے جادو کی حقیقت پوری پوری کھل گئی۔ معلوم ہوا کہ بحیثیت ایک کافر ہونے کے بھی جادوگروں سے نفرت کرتا تھا اور نفرت صرف اِس لیئے تھی کہ یہ لوگ شعبدہ باز تھے اور نہایت ارزل قوم میں سے تھے اور اُن کا یہی پیشہ تھا جو آجکل مداریوں کا ہے جو ایک گٹھلی سے درخت پیدا کر دیتے ہیں اور رسّی کا سانپ بنا دیتے ہیں۔ یعنی در اصل وہ دیکھنے والوں کو دھوکا دیتے ہیں۔ فرعون کو حضرت موسیٰ کی تذلیل کرنی تھی اس لیئے اُس نے مداریوں کو بلا کر کہا کہ تم موسیٰ کا مقابلہ کرو۔ اُنھوں نے آکے سوا اسکے اور کچھ نہیں کیا کہ اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالدیں۔ خیال ہو سکتا ہے کہ بھلا یہ بھی کوئی جادو تھا۔ جو لمبی چوڑی طول طویل باتیں قرآن سے علیحدہ جادو کی عظمت بیان کرنے کے لیئے نقل کی گئی ہیں قرآن میں اُن کا اشارہ تک نہیں ہے حضرت موسیٰ کے عصا کا شعبدہ بازوں کی لکڑیاں اور رسیاں نگلجانے کے یہی معنی ہیں کہ حضرت موسیٰ جیسے اولوالعزم اور دانا پیغمبر کے آگے اُنکی شعبدہ بازی کچھ نہ چلی جیسا کہ موجودہ مداری کسی عاقل شخص کو اپنی شعبدہ بازی سے دھوکا نہیں دے سکتے وہ چونکہ ادنیٰ درجہ کے ذلیل لوگ تھے جب اُنھوں نے دیکھا کہ موسیٰ ہماری چالاکی یا شعبدہ بازی کو سمجھ گئے ہیں وہ سمجھ گئے کہ یہ بہت بڑا شخص ہے اس سے کسی حالت میں مخالفت ممکن نہیں۔ موجودہ زمانہ میں بھی جب ان شعبدہ بازوں میں کوئی بڑا شعبدہ باز نکل آتا ہے اُسکے آگے کان پکڑکے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ حضرت موسیٰ معاذاللہ شعبدہ باز نہ تھے مگر اُنکے شعبدوں کو اپنے آگے چلنے نہ دیتے تھے۔

قرآن نے تو جادو یعنی دھوکے فریب اور اس قسم کی شعبدہ بازی کی ہر جگہ حقارت کی ہے اور ان اعمال کو کفر بتایا ہے مگر تعجب ہے کہ ہمارے اکثر علماء نے شعبدہ یا جادو کو ایک عجیب غریب قدرت کا علم تصور کر کے ہزاروں روایتیں اپنی تائید میں بنالیں۔ جس طرح بڑے بڑے لوگ اس قسم کے شعبدہ بازوں کو کچھ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے اسیطرح فرعون نے انھیں اچھا نہیں سمجھا۔ اور محض حضرت موسیٰ کی تضحیک کرنے کے لیئے اُسنے یہ جلسہ کیا تھا۔ توریت میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے۔ مگر وہ ان الفاظ میں بیان ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جامع توریت جادو کا قائل تھا تاہم اُس سے بھی محض ایک شعبدہ بازی پائی جاتی ہے جیسا کہ خروج باب ورس ۸-۱۳ تک بیان ہوا ہے اور وہ یہ ہے۔ اور خداوند نے موسیٰ اور ہارون کو کہا کہ جب فرعون تمھیں کہے کہ اپنا معجزہ دکھاؤ تو ہارون کو کہو کہ اپنا عصا لے اور فرعون کے آگے پھینک دے وہ ایک سانپ بن جائیگا۔ تب موسیٰ اور ہارون فرعون کے آگے گئے۔ اور

اُنھوں نے وہ جو خداوند نے اُنھیں فرمایا تھا کیا۔ ہارون نے اپنا عصا فرعون اور اُسکے خادموں کے آگے پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا۔ پھر فرعون نے اپنے داناؤں اور جادوگروں کو طلب کیا چنانچہ مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا کہ اُن میں سے ہر ایک نے اپنا اپنا عصا پھینکا اور وہ سانپ ہو گیا۔ لیکن ہارون کا عصا اُن کے عصاؤں کو نگل گیا اور اُس نے فرعون کے دل کو سخت کر دیا کہ اُس نے اُنکی جیسا خداوند نے کہا تھا نہ سُنی۔

یہ ہے جادو یا سحر کی حقیقت جو ہمنے بیان کی۔ خدا شاہد ہے کہ اسلام ان خیالات باطلہ اور اوہام ناقصہ سے بالکل پاک ہے اُسکے تمام اُصول قوانین قدرت کے مطابق ہیں اور اسی سے اُسے کل ادیان پر شرف حاصل ہے اُس نے ادنیٰ ادنیٰ باتوں کا بھی خدا ہی پر بھروسہ کرنا تعلیم کیا ہے علمار کرام معصوم نہیں ہیں کہ اُنکی ہر رائے قابل تسلیم ہی ہو اور اُس میں خطا کا احتمال نہو۔ وہ خود ہی قرآن مجید میں یہ فرماتا ہے کہ کوئی نفع اور ضرر نہیں پہنچا سکتا مگر جسے اللہ چاہے اور پھر اُسکے مقابل میں جادو کو ایک ایسا قوی تسلیم کیا گیا ہے کہ اُسکی طاقت معاذ اللہ خدا سے بھی بڑھا دی ہے۔ یہ خیالات باطلہ مصریوں اور یونانیوں کے تھے ایرانیوں نے اُن سے سیکھے اور جب یہ قومیں مسلمان ہوئیں تو اُنھوں نے اپنے قدیم خیالات کی تائید میں قرآن کی آیتوں سے اینچ تان کے مطلب نکال لیا۔ ہم پر فرض نہیں ہے کہ ہم خیالی روایتوں اور علماء کے اقوال کو زبردستی مان لیں۔ ہمیں خداوند تعالیٰ نے فہم سلیم عطا کی ہے جس سے ہمیں سمجھنا چاہیئے کہ حق اور ناحق کیا چیز ہے۔

اے روشن اسلام تو ان بیہودہ خیالات سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ تیری بزرگی تیرا اجلال تیرا نور ان اوہام کی تاریکی کو کبھی کا صاف کر چکا ہے۔ جو تیرے مقدس اُصول کو نہیں سمجھتے نہ سمجھیں۔ اُنکی عقل کا قصور ہے اُنکی غلطی سے تجھ میں کچھ بھی نقص نہیں آسکتا۔ تیرا واجب الاحترام اور مقدس بانی عالم کی رحمت ہے اُسنے تیرے سے اُس ان دیکھے خدائے مطلق کی پرستش سکھائی جس کی قدرت کے ہاتھ ہر جگہ پھیلے ہوئے ہیں اور جسکی عقل کاملہ ذرہ ذرہ پر محیط ہے۔ اے سرِ دفتر پیغمبران تیرا اجلال ابد تک قائم ہو۔ تو نے دنیا کو ہلاکت سے نجات دی تجھ میں ان اوہام اور وساوس باطلہ کا نام و نشان کیوں ہونے لگا تو ہر ایسے الزام سے پاک ہے تیری عظمت مسلم ہے تیری صداقت اور من اللہ ہونیکی شہادت ہے کہ آج تیرا ڈنکا چار دانگ عالم میں بج رہا ہے اور تجھ میں وہی زندہ روح ہنوز باقی ہے جو ابتدائے ظہور سے تجھ میں ودیعت کی گئی تھی۔ تیری رَوانی خس و خاشاک کو بہا کے لیجا رہی ہے جو تیرے رستہ میں حائل ہونا چاہتے ہیں۔ تو خدا کا برگزیدہ ہے اور تیری برگزیدگی مسلم ہے۔ جبکہ تیرا بانی انبیائے سابقین کا سچا محسن ہے۔ اس طرح تو بھی ادیان سابقہ کا مصلح ہے۔ جو تیری عظمت کو نظر انداز کرتے ہیں کرنے دے۔ دیکھ وہ کب تک تجھ سے چشم پوشی کرتے ہیں۔ پھر اپنا پورا نور چمکا اور ہمیں اپنے جلال میں لیلے۔ آمین ثم آمین

ساتواں باب

دعا و اجابت دعا

مثل اور مذاہب کے دعا بھی اسلام کی جزو اعظم ہے اور جس طرح اسلامی کتب اور عظیم مسائل کے لیئے قرآنی آیتیں احادیث اور آثار موجود ہیں اسیطرح دعا کے لیئے بھی نہ صرف قرآن مجید کی آیتیں بلکہ حدیثیں اور آثار کثرت سے ہیں جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہم آگے کرینگے۔ اسلام میں دعا کسے کہتے ہیں اور بانی اسلام کا منشا دعا سے کیا ہے اور خداوند تعالی نے دعا کی نسبت کیا فرمایا ہے اور بزرگان دین کا عقیدہ دعا کی نسبت کیا ہے ہم آگے بیان کرینگے ابھی ہم صرف معترضوں کے اقوال اور نکتہ چینیاں قلمبند کرتے ہیں جن میں ہمارا کچھ دخل نہوگا۔ بلکہ ہم انھیں کے اقوال کا ترجمہ کردینگے یا انھیں اپنی زبان میں دہرادینگے اور بس۔ اور جب ہم انکے اعتراضات ختم کرچکیں گے تو پھر قرآن وحدیث وآثار اور اپنی رائے اور استنباط سے اُن نکتہ چینیوں کا محققانہ جواب دینگے۔

ہمارے بعض موجودہ زمانہ کے فاضل تو یہ فرماتے ہیں کہ دعا عبادت ہے اور اُسکا مقبول اور غیر مقبول ہونا صرف اطمینان قلب ہے۔ بعض کا یہ بیان ہے کہ نہیں دعا کوئی چیز ہے اور وہ کسی امر خاص کے لیئے خدائتعالی کے حضور اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کا اقرار کرکے زاری اور فروتنی کے ساتھ عرض کرنا ہے خواہ وہ عرض قبول ہو یا نہو مگر اُن کا یہ خیال ہے کہ جو ارکان دعا کے لیئے مقرر کیئے گئے ہیں اگر اُن ہی ارکان سے کیجائے تو ضرور مقبول ہوتی ہے اور جس غرض اور مقصد کے لیئے کیجاتی ہے وہ ایسے پوشیدہ ذرائع سے حل ہوجاتا ہے جن کا کبھی سان وگمان بھی نہ تھا اور نہ کبھی خیال ہوسکتا تھا۔ یہ خیال جہانتک دیکھا جاتا ہے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصہ بلکہ کل اسلامی دنیا کا قریب قریب رہا ہے اور اس سے کسی نے صاف الفاظ میں انکار نہیں کیا ہے مگر موجودہ زمانہ کا فلسفہ اور سائنس ان قدیمی مسلمہ اصول کو تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ اُنکی تضحیک کرتا ہے اور اُس نے صدہا اعتراض نئے رنگ میں دعا اور اجابت دعا اور خدائے قادر مطلق کے انتظامی معاملات عالم میں دست اندازی کے بیان کیئے ہیں اور اُسکا دعوی ہے کہ یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں اور بڑھیوں کی کہانیاں ہیں کیسی دعا اور کسکی دعا کیسی اجابت اور کسکی مقبولیت ایسے خیالات مدبر کے تفصیل سے بیان کرنے کی ہمیں اس لیئے ضرورت ہوئی کہ ہم بعد میں قرآنی بدیہیات سے بحث کرینگے تاکہ ہمارے ناظر تفسیر کو علوم جدیدہ کے اصول موضوعہ اور قرآنی اصول متعارفہ سے مقابلہ کرنے میں لطف آئے اور وہ سمجھے کہ طبائع انسانی کا کس نے زیادہ پاس و لحاظ رکھا ہے اور قوانین قدرت کی کس نے زیادہ پابندی کی ہے ہماری بحث جیسی محققانہ ہوگی اسیطرح انصاف کو بھی ہم اپنے ہاتھ سے نہ دینگے اور نہایت معقول پیرایہ میں دونوں اصولوں کو مقابلہ کرکے دکھائیں گے۔ شاید ہم اپنی کوشش میں کامیاب ہوجائیں اور جس مضمون پر ہم نے قلم اُٹھایا ہے شاید ہم اُس سے ایک حد تک طرفین کا اطمینان کرسکیں۔

علوم جدیدہ کے ماہروں کا یہ خیال ہے

موجودہ صدی میں بتدریج انسانی عقائد میں ایک عجیب اور حیرتناک تبدیلی واقع ہوئی ہے اور روز بروز برابر ہوتی جاتی ہے۔ اور یہ تبدیلی مافوق الفطرۃ مذہب سے فطری مذہب کی طرف ہوئی ہے۔ دنیا میں انسانی ظہور سے اسوقت تک مافوق الفطرۃ مذہب کل ممالک اور کل حالات میں انسان کے ساتھ رہا ہے یا بالفاظ دیگر اس مذہب نے انسان کیساتھ ایک ہی گہوارہ میں پرورش پائی ہے۔ اُس نے اِس مذہب کی پرستش اور تحریم کو فطرۃ کی خارجی نیکیوں اور قوتوں کو جنھیں اُس نے اعلیٰ درجہ کا تسلیم کیا ہے اپنا بڑا اصول قرار دے لیا ہے اُسنے اپنے ہی خیالات سے ایک خاص **ذات** کو پیدا کیا اور اپنی صفات و اعمال کو جو خود اُسکے ساتھ لازم و ملزوم ہیں یا جو حادثات اور واقعات وہ شب و روز اپنے گرد نظر کرتا ہے اُسکو سونپ دیئے ہیں اور ان سب معاملات کی باگ اُسی فرضی ذات کو دیدی ہے۔ جس سے انسان نے اپنے قوانین مرتب کیئے اور اپنی زندگی کے اعمال ایک تنگ دائرہ میں محدود کر دیئے اور اس پہلو سے اُس نے اس خیالی ذات کو دخل در معقولات کرنیکا بالکلیہ اختیار سونپ دیا۔

مافوق الفطرۃ ذات کے عقیدہ نے ہر قوم کا ایک نیا رنگ بدلا ہے اور صدیوں پر صدیاں گزرنے گزرتے یہ عقیدہ خوب چھن گیا ہے۔ اور قدیم زمانہ کی نسبت ہم میں پاکیزگی اور عمدگی زیادہ آگئی ہے اور اسی صورت سے یہ مافوق الفطرۃ عقیدہ ہم میں جاری و ساری ہے۔ قدیم زمانہ میں انسان میں یہ فہم اور دانش نہ تھی کہ وہ ان حادثات طبیعہ کی علّت غائی پہچانتا جو اُس کے گرد ظہور پذیر ہوتے تھے۔ اِس لیئے اُس نے ان کا ایک فرضی فاعل قرار دیدیا اور یہ سب قوتیں حدوث و غیر حدوث کی اُسی کے حوالہ کردیں۔ اس بنا پر اُس نے خدا کو اپنے ذہن سے پیدا کیا اور یہ عقیدہ رکھا کہ طوفان بھی اُسی کے حکم سے پیدا ہوتا ہے اور پھر وہی طوفان میں سکون بھی دیدیتا ہے۔ درخت پودے بھی اُسی کی قوت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور حیوانات کی پیدایش بھی اُسی کے حکم کی محتاج ہے انسان کو اُسنے اپنی قدرتِ کاملہ سے پیدا کیا ہے۔ اور انسان کی مصیبت اور راحت کا دار و مدار سب اُسی کی ذات پر موقوف ہے اور جو واقعات شب و روز انسان پر گزرتے ہیں، سب کی باگ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ اُس نے اپنے خیالات سے ایک مافوق الفطرۃ ذات پیدا کی اور کائنات میں اُسکی ایک زبردست قوت ہی تسلیم نہیں کی بلکہ اُسے مالکِ کل بنا دیا۔ اور کل اختیارات اُس کے ہاتھ میں دیدیئے۔

لیکن بتدریج ہزارہا برس گزرنے کے بعد علوم جدیدہ نے ہمپر یہ منکشف کر دیا ہے کہ حادثات طبیعہ جو ہم اپنے اِردگرد دیکھتے ہیں اُن کا ظہور محض فطری اسباب سے ہوتا ہے اور جب ہم نہایت دقیق نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اِن میں سوائے فطرت کے اور کوئی دوسری چیز نہیں کام کرتی اگرچہ اُس کا کام کیسا ہی مخفی اور رازدارانہ ہو۔ اس صورت میں مافوق الفطرۃ ذات کی مداخلت کا اصول روشن دماغ اشخاص میں ضمنی علت کے طور پر یقین کیا جاتا ہے اس شکل مافوق الفطرت ذات کا عقیدہ ہنوز موجود ہے مگر بجائے اسکے کہ اس ذات کو حادثات طبیعہ میں کامل دخیل سمجھا جائے یہ مانا گیا ہے کہ اُس نے پہلے فطرت کو پیدا کیا اور اپنے قوانین کی زنجیر میں اُسے

جکڑ دیا اور اُن قوانین کے مطابق اُس ذات نے جو چاہا بعد ازاں کیا۔ اس بنا پر عام طور سے یہ عقیدہ ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اُن ہی قوانین کے دائرہ میں ہوتا ہے۔ اور اگرچہ یہ لوگ علوم طبیعات سے کامل بہرہ رکھتے ہیں پھر بھی اُن کا یقین ہے کہ خدا نے روز ازل سے جو قوانین مقرر کر دیئے ہیں اُن میں خفیف سی مداخلت بھی نہیں کیجاتی اور وہ ابتدا ہی سے ایک صورت پر چل رہے ہیں۔ لیکن مذہب کی معمولی شکل بہ نسبت اسکے مافوق الفطرۃ اجنبی کو بہت زیادہ تسلیم کرتی ہے۔ مذہب دعویٰ کرتا ہے کہ نہ صرف کائنات۔ حیوانات۔ جمادات۔ مافوق الفطرۃ نے پیدا کیے ہیں۔ بلکہ ہر وقت اُس ذات کو اُنکے نظام میں دخیل ہونیکا اختیار بھی حاصل ہے۔ اور تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اب بھی یہی عقیدہ موجود ہے۔ اس طرح سے عیسائی یقین رکھتے ہیں کہ مرض اور صحت خدا ہی ہمیں دیتا ہے اور وہی ہماری مصیبت اور راحت کا سرچشمہ ہے وہ یقین کرتے ہیں کہ اُسکی روح القدس نے ہمارے ضمائر کو منور کر دیا ہے جس سے ہمیں ضمیر کی ایک مقدس حالت دستیاب ہو گئی ہے۔ اگر ہم مسیحی اُصول کو بغور مطالعہ کریں تو ہمیں کھلجائیگا کہ بتدریج قدم بقدم ربانی مداخلت کا خیال فطرۃ کی رفتار میں اسقدر پیدا ہو جاتا ہے جس نے بدیہی اصول طبیعات کو درہم برہم کر دیا ہے علم طبقات الارض۔ علم ہیئت۔ علم کیمیا۔ فلسفہ فطریہ اور علوم فطری مثلاً علم نباتات اور علم حیوانات سے کسیطرح بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مافوق الفطرۃ ذات کا کچھ بھی دخل ہے۔ زبردستی اُس ذات کے دخیل ہونیکو تسلیم کر لینا سخت افسوسناک مقام ہے بغیر سخت جھگڑے اور جدوجہد کے یہ ناممکن ہے کہ مافوق الفطرۃ مذہب کو شکست ہو سکے وہ مذہب جس نے نہایت کامیابی سے مذکورۂ بالا علوم پر قبضہ کر رکھا ہے قدم قدم پر اسی کی حکومت ہے۔ بہت سے طبقات الارض و ہیئت کے ماہر افسوس سے دیکھا جاتا ہے کہ اسی مذہب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اُسکی قید سے ذرا بھی نہیں نکلسکتے جب تک حق پورے طور پر ظاہر نہو جائے مذہب کی حکومت نہیں جا سکتی۔

ضمیر کے عالم میں خاص طور پر خدا کی دست اندازی بہت اصرار سے تسلیم کیجا سکتی ہے۔ عامۂ خلائق کا یقین ہے کہ جتنی تبدیلیاں اور تغیرات مادی دنیا میں پیدا ہوتے ہیں وہ سب خدا کرتا ہے۔ مثلاً وہ ایک دریا کا فطری راستہ بدل دیتا ہے یا کیمیائی روابط کے فطری عمل میں اسی سے تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ باتیں محض بے بنیاد اور غلط ہیں اور ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ لیکن اہل مذہب کا خیال ہے کہ ضمیر میں جو کچھ تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں وہ سب خدا ہی کرتا ہے۔ اُسکی روح ضمیر پر حکومت کرتی ہے اور اسی کیوجہ سے غم اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔

جہاں اور جس ملک میں علوم جدیدہ کی حکومت ہے وہاں بھی یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ موسموں کے تغیر و تبدل میں بھی خدا کا ہاتھ کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ جتنے پوشیدہ واقعات ہیں مثلاً آلودوں کی کاشت وغیرہ جنکا اصلی سبب معلوم نہیں سب خدا ہی کی دست اندازی کے اندر خیال کیے جاتے ہیں وہ امراض جو ہمارے اجسام کیساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں بھی بالخصوص ایک پوشیدہ فطرۃ خیال کیجاتی ہے۔ مثلاً ہیضہ خاص طور پر خدا ہی کا بھیجا ہوا خیال کیا گیا ہے۔ خدا سے مینہ برسنے کی خوب گڑ گڑا کے **دعا** مانگی جاتی ہے۔ مریض کے لیئے صحت کی دعا کیجاتی ہے اور ساتھ ہی ایک مصیبت زدہ اپنے دولتمند بننے کی دعا کرتا ہے۔ وہ لوگ جو دعا اور اجابت دعا کے قائل ہیں۔ ہم سوال کرتے ہیں کیا اُنھوں نے کبھی خدا سے اس امر کی بھی دعا کی ہے کہ ایک شہر بن کے خود بخود تیار ہو جائے یا ایک

ریاضی کا مسئلہ خودبخود حل ہوجائے۔ دعا اور اجابت دعا محض لغو اور وحشی فسانہ ہے جسے صدق سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے فطرۃ کے راستہ میں مافوق الفطرۃ کو کچھ بھی دخل نہیں ہے۔ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ مافوق الفطرۃ ہاتھ جب چاہے فطرۃ کے خوشنما کاموں کا ستیاناس کردے اور جب چاہے بنادے۔

عجب نقشہ ہے نقاشِ ازل کی کچھ طبیعت کا　　بناتا ہے مٹاتا ہے مٹاتا ہے بناتا ہے

وہ قوانین جن سے موسم متاثر ہیں وہ قوانین جو حیوان انسان اور پودہ کی صحت اور شادابی پر اپنا اثر ڈالتے ہیں خدا کی دست اندازی یا دعاؤں کی تاثیر سے ایسے ہی علیحدہ ہیں۔ جس طرح ایک شہر کی تعمیر اور ریاضی کے مسئلہ کا حل ہونا جب ہم خدا یا دعاؤں کی دست اندازی ایک امر میں تسلیم کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم دیگر امور میں اُسکا دخیل ہونا نہ تسلیم کریں۔ ہر مذہبی شخص خواہ اُسنے مذہب میں کتنا ہی غلو کیوں نہ ہو۔ شہر کی تعمیر کے لیئے خدا سے دعا کرنی محض بے نتیجہ اور لغو خیال کریگا۔ اور ایسی التجا کو طفلانہ اور نامعقول سمجھیگا۔ لیکن خیال کرنے کی بات ہے کہ فطرۃ کی کارروائیوں مثلاً تبدیل موسم وغیرہ کے لیئے دعا کرنا بے ثمرہ اور نامعقول نہیں خیال کیا جاتا۔

جس طرح مادہ کے قوانین میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اسیطرح قوانین ضمیر بسیط اور ناممکن التبدیل ہیں اگر ہم بہت غور سے حادثات دماغی کو اپنے میں اور اوروں میں ملاحظہ کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ بمثل مادی حادثات کے بالکلیہ فطری اسباب پر منحصر ہیں اور کبھی کسی حالت میں ان پر دعاؤں یا مافوق الفطرۃ قوت کا سایہ بھی نہیں پڑتا۔ اخلاقی علوم کو اس عظیم صداقت کی فروگزاشت نے سخت صدمہ پہنچایا ہے اور یہی وجہ ہے کہ علوم طبیعات نے بہ انتہا ترقی کی ہے اور اُن کے مقابلہ میں دماغی اور اخلاقی علوم محض اپنی ابتدائی حالت میں بیکار پڑے ہوئے ہیں علم ترکیب اجسام نے اگرچہ اپنے کچھ پرپُرزے نکالے ہیں پھر بھی مافوق الفطرۃ قوت کو اس شریف اور ضروری علم پر محیط خیال کیا گیا ہے اور ابھی سے یہ یقین کر لیا گیا ہے کہ اس قوۃ کی پوری پوری حکومت بھی اجسام پر ہے حالانکہ اس قسم کی سب باتیں بعید الفہم اور لغو ہیں۔ اسی بیہودہ یقین نے آگے ترقی کرنے میں بڑی بڑی سدراہ بنا کے کھڑی کردیں اور ہر قسم کی ترقی کی گاڑی میں ایسا روڑا اٹکا دیا کہ وہ اول تو جگہ سے جنبش ہی نہیں کھاتی اور اگر کھاتی بھی ہے تو جوں کی چال چلکے رہجاتی ہے۔

ہم میں نہ کوئی خیال نہ کوئی خفیف سی خفیف حرکت ایسی ہے جس کا بالکلیہ دارومدار اسباب فطری پر نہو اور ہمیں غور کرنے کے بعد اپنی ذات میں اُن کا کھوج نہ ملتا ہو۔ خیالات اور جوشش دل کے قوانین وہ حالتیں جن پر رنج راحت اور نیکی بدی کا دارومدار ہے بہ علم کیمیا کے اصول کی طرح بسیط اور ناممکن التبدیل ہیں ضمیر کو دعا و اجابت کا مطیع کرنے اور روح کا تعلق مافوق الفطرت ذات سے کرنے نے اخلاقی علوم کو تہ و بالا کر دیا ہے اور جب پر تفحص اور آزادانہ تحقیق کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ وہ آزادانہ تحقیق جس سے ہم بہت کچھ اعلیٰ درجہ کے ثمرے حاصل کرتے اسی لیئے آج ہم فطری اور اخلاقی علم سے محروم ہیں اور ہمیں اسکی ہوا تک نہیں لگی ہے۔ ضمیر کی صحت کے قوانین کی جن پر اُسکی خوشی اور اُسکی نیکیوں کا انحصار ہے۔ جسطرح جسمانی صحت کا دارومدار طبی قواعد پر ہے کوئی علمی باقاعدہ شکل پیدا نہیں ہوئی۔ جب کبھی صحت جسمانی یا صحت ضمیری کے قوانین سے انحراف کیا جاتا ہے اُس کا

نتیجہ مصیبت ہوتا ہے اور وہ مصیبت اپنی اغلاط کی اصلاح کرنے سے فوراً دور ہو سکتی ہے۔ دعائیں کچھ بھی نہیں کر سکتیں۔

دماغی صحت کا علم ہنوز اپنی شیر خوارگی کی حالت میں ہے۔ اُسکے قواعد ناقابلِ تسلیم خیال کیئے جاتے ہیں اور اسکی تمام عمدگیاں مافوق الفطرۃ ذات کی تاریکی میں چھپی ہوئی ہیں جیسا ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ دو بڑے بڑے فطری رہنما جن پر دماغی صحت اور مرض کا انحصار ہے کچھ بھی وقعت نہیں رکھتے یعنی رنج و راحت جن سے تکلیف اور خوشی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں اسی وجہ سے اسکے سمجھنے میں سخت تخلل برپا ہے کہ کس چیز سے ضمیر کی صحت اور نیک حالت قائم ہوتی ہے۔ ہماری اخلاقی عمدگی کے عام اصول کو پوری صحت حاصل نہیں ہے اسیوجہ سے ہم نیک نہیں بن سکتے۔ اور نہ ہماری زندگی کی حالت درست ہو سکتی ہے۔ جن اوضاع و اطوار کی عیسائی بے انتہا تعریف کرتے ہیں اور اُنہیں خلیق بناتے ہیں درحقیقت اُن میں اخلاقی مرض سرتاپا پایا جاتا ہے سچے فطری اصول کی ضرورت ہے جسکی وجہ سے ہم دماغی صحت اور مرض کی جانچ کرتے ہیں۔ ہمیں اپنی حالت جانچنے میں سخت اغلاط لاحق ہوتی ہیں اور جس پہلو سے ہم دوسرے کی حالت کی جانچ کرتے ہیں اُس میں بھی ہمیں سخت ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں اس میں ذرا بھی شک نہیں اور یہ بالکل صحیح ہے کہ تمام رنج اور ناخوشیاں دماغی اسباب سے پیدا ہوتی ہیں اور اسکی تین وجہ اخلاقی صحت کے قوانین کا انحراف ہے اور تمام جنون خیز نتائج اسی کمبخت نافرمانی کیوجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ خوشی صحت اور قوت جو دماغ کی حقیقی صفات ہیں سب رفوچکر ہو جاتی ہیں دماغ کی نیک حالت فطری مختلف اسباب سے پیدا ہوتی ہے۔ اس میں اپنی دعاؤں کو دخل دینا اور اُن سے اپنے لیئے کوئی ثمرہ حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے خدا سے ایک مکان بننے کی دعا کرنا۔ اِس پر بھی کتنے غضب کی بات ہے کہ خدا سے دعا مانگی جاتی ہے کہ وہ ہمیں ایک تائب دل ایک پُر از محبت اور نیک روح عنایت کرے یہ دعا اصولاً اور بدیہاً کیسی لغو اور بے سروپا ہے اور کیسی خطرناک ہے کیونکہ یہ یقین کہ ایک مریض کے حق میں دعا قبول ہو جائیگی اور وہ تندرست ہو جائیگا کسقدر پردہشت ہے۔ اِس عقیدے اور یقین سے کہ دعا کے ذرائع سے اِس قسم کے کام ہو جاتے ہیں اور کوئی چیز دنیا میں سم قاتل کا اثر نہیں رکھتی یہ عقیدہ ہمیں اصلی اور حقیقی اسباب کا علم حاصل کرنے سے روکتا ہے۔ ہماری کوششوں کو اس عقیدے سے فالج مار جاتا ہے کیونکہ ہمارا انحصار صرف ایک بے بنیاد خیال پر ہوتا ہے جسکا کچھ عملی نتیجہ نہیں پیدا ہو سکتا نہ کبھی پیدا ہو۔ اور اسی خبط میں ہم اُن فطری اسباب کو فراموش کر دیتے ہیں جو ہمارے جاننے کے لیئے لازمی ہیں اور جن پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے۔ قدیم زمانہ میں عموماً مریض کے لیئے صرف دعائیں کیجاتی تھیں اور کچھ مذہبی رسمیں ادا کیجاتی تھیں۔ شکر ہے کہ یہ خطرناک افعال موجودہ زمانہ میں ہم میں سے ناپید ہو گئے ہیں تاہم یہ غضب ابھی تک موجود ہے کہ مایوس مریض کے لیئے علاج کیساتھ اب بھی ضرور دعا کیجاتی ہے اور اسکی صحت اور آیندہ قابل تضحیک مغفرت کی التجا خدا کے حضور ہوتی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ یہ ہمارا خبط اصولی ہے اور ضرور کچھ ثمر رکھتا ہے

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

ضمیر میں یہ مافوق الفطرت **الجھنیاں** ہنوز اپنا دَور دورہ رکھتی ہیں۔ اگر ایک شخص کا ضمیر ناخوش ہے اگر اسکا ضمیر غصہ سے بھڑک رہا ہے یا بالفاظ دیگر اُسکا ضمیر مریض ہے اگر ہم غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ جو

اسباب جسمانی مرض کے لاحق ہونیکے ہوتے ہیں اسیطرح ضمیری امراض کے لیئے بھی اسباب مقرر ہیں۔ جن کے باعث اس ناخوشی کا ظہور ہوا۔ اُن کا علاج فطری اسباب سے بخوبی ممکن ہو نہ اُسکے لیئے بڑبڑایا جائے اور فرضی ذات سے طلب معاونت کیجائے مگر مذہبی لوگ ان ضمیری امراض کا صرف ایک ہی سبب جانتے ہیں اور وہ سبب گناہ قرار دیا گیا ہے اسیوجہ سے اُس گناہ کی معافی کی دعا کیجاتی ہے اور وہ وسائل اور ذرائع نہیں استعمال کیئے جاتے جو فطری ہیں اور اُن ہی پر صحت لازمی ہو ساتھ ہی ایک بڑے تماشہ کی بات یہ ہو کہ جب ہمارا جسم مریض ہوجاتا ہو اُسکا علاج تو فطری ذرائع سے کیا جاتا ہو اور جب ہمارا ضمیر مبتلائے مرض ہوجاتا ہو تو اُسکا علاج مافوق الفطرۃ ذرائع سے ہوتا ہے

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

حقیقت یہ ہو کہ فطرۃ مافوق الفطرۃ ذرائع سے مطلق واقفیت نہیں رکھتی۔ اُسکی لاانتہا گوناگونی میں ایک سبب اور ایک علاج مرض کا نہیں ہو۔ ضمیر کا ہر جوہر علٰحدہ علٰحدہ اپنے ساتھ صحت اور خوشی کے خاص قوانین رکھتا ہو۔ ٹھیک اسیطرح جسطرح جسم کا ہر حصہ۔ اس لیئے مافوق الفطرۃ ذات کو دخل دینا تمام فطری قوانین اور اُصول کو درہم و برہم کردیتا ہو اور اخیر اُس کا نتیجہ پریشانی۔ آفت اور مصیبت ہوتی ہے۔

جب تک مافوق الفطرۃ ذات پر بھروسہ کرنیکا عقیدہ موجود ہو۔ نہیں امید ہوسکتی کہ اطمینان بخش نیکی یا خوشی کی حالت ہماری پیدا ہوگی۔ مصائب اور جرائم کی خطرناک کثرت کو دیکھو جو ہم پر چھائے ہوئے ہیں۔ ہماری جماعت کے بہت سے مدارج ہیں۔ وبا پھیلی ہوئی ہو۔ وہ وبا جس کیطرف انسان آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھنا چاہتا اور اُسکی خاص وجہ یہ ہے کہ خوشی اور نیکی کے فطری قوانین سے بالکل بے خبر ہیں اور ہماری جہالت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ ہم اہم معاملات مثلاً امراض ضمیری میں دعاؤں سے مطلب براری چاہتے ہیں۔

این خیال ست ومحال ست وجنوں۔

یہ دعا کیا قیمت رکھتی ہے کہ اے خدا غربا پر رحم کھا۔ مفلسی کو ہمارے ملک سے کھو۔ شراب خواری کا بیج مار۔ اور زناکاری کو نیست و نابود کر۔ تمام دنیا کی مشتملہ دعائیں آسمان کے نیچے ایک ذرہ کو بھی جنبش نہیں دے سکتیں اور نہ ایک خفیف سی مصیبت یا بُرائی کھو سکتی ہیں۔ یہ تمام خطرناک باتیں تو صرف فطری اسباب سے دفع ہوسکتیں ہیں ان سے بہتر ان کا کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ کتنا وقت برباد کیا جاتا ہے۔ انسانی مصائب اور ذلتوں کو کسقدر دیر پا رکھنے کی کوشش کیجاتی ہے اور کیا کیا ستم نوع انسان پر اپنے عقیدے کی بدولت روا نہیں رکھے جاتے مگر عقیدے کے بھوت سے نجات حاصل کرنا جہنم میں داخل ہونا خیال کیا جاتا ہے۔

ہمیشہ مصائب کے دور کرنے میں مذہب سد راہ ہوکے کوششوں کا ناس کردیتا ہو۔ مفلسی خاص بُرائی کی ایک قسم سے خیال کیجاتی ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ انسان پر اُس کے غرور اور گناہ کی وجہ سے یہ آفت برپا ہوئی ہے اسیطرح صدیوں تک مرض کی نسبت بھی یہی خیال کیا گیا کہ یہ بھی کسی جرم اور غرور کی وجہ سے پیدا ہوتا ہو اخیر طبی فنون نے ثابت کردیا کہ گناہ یا غرور کی وجہ سے مرض نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ اسکی وجہ قوانین صحت کی خلاف ورزی ہے "خدا کی یہی مرضی تھی" یا "خدا کا ہاتھ ہم پر ہو" یہ دو فقرے ہیں جو صدیوں سے انسان کی زبان پر

جاری ہیں مگر سوائے فضول وقت برباد کرنے کے کسی نے ان سے کچھ نتیجہ نہیں پیدا کیا۔ فقط

یہ خیالات ہیں جو ہم نے نہایت اختصار سے اہل یورپ کے دعا کی نسبت نقل کر دیئے ہیں۔ صدہا ضخیم ضخیم کتابیں ایسے ہی خیالات سے بھری ہوئی ہیں جنکا خلاصہ بھی ایک بڑی جلد میں ہو سکتا ہے اسلیئے ہمنے ان کل خیالات کا لب لباب بیان کر دیا ہے تاکہ ہمارے واجب التوقیر علماء خیال فرمائیں کہ موجودہ زمانہ کا علم کلام فلسفہ اور طرز استدلال دوسری قسم کی ہو گئی ہے۔ منطق کی پرانی اور دیمک خوردہ کتابیں انکا صحیح جواب نہیں دے سکتیں اس کے جواب دینے کے لیئے علوم جدیدہ کی ضرورت ہے اور یہی افسوس ہے کہ ہمیں حاصل نہیں ہے۔

ہم مذکورۂ بالا مدبرانہ تحریر کا جواب فقرہ بفقرہ اور جملہ بجملہ دینا مناسب نہیں سمجھتے۔ ہم دعا کی اصلی حقیقت قرآن احادیث اور آثار سے بیان کرتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ہمارے اس بیان سے جو بسط کے ساتھ ہم کرینگے کافی جواب ہو جائیگا۔ تحریر بالا کے نقل کرنے سے ایک غرض ہماری یہ بھی ہے کہ ہمارے نو تعلیم یافتہ مسلمان یا موجودہ زمانہ کا کوئی نئی روشنی والا عالم دعا اور اسکی اجابت کی نسبت اگر کوئی اعتراض کر سکتا ہے تو اس سے زیادہ علوم جدیدہ کے پہلو سے نہیں کر سکتا۔ اس لیئے اس قسم کے خیالات کا جواب ایسے نئی روشنی والے اشخاص کی بھی تسکین کر دیگا جو دعا اور اجابت دعا میں شک رکھتے ہیں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ توحید اور دعا دونوں لازم و ملزوم ہیں اگر دعا کو توحید سے علیحدہ کر لیں تو توحید بیکار ہو جاتی ہے اور اگر توحید کو دعا سے الگ کر لیں تو دعا باقی نہیں رہتی۔ بانئے اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا میں شرک اور بت پرستی عام طور پر پوری طرح رائج تھی درخت پتھر۔ چاند۔ ستارے۔ ارواح کی کھلم کھلا پرستش کی جاتی تھی اور یہی کل قوموں کے قریب قریب معبود مطلق بن رہے تھے۔ ان کے آگے اپنی حاجتیں پیش کیجاتی تھیں۔ ان سے دینی اور دنیاوی آرزوں کی تکمیل کے لیئے دعائیں مانگی جاتی تھیں اور انھیں ہی دنیاوی کامیابی اور نجات اخروی کا بہت بڑا ذریعہ خیال کیا جاتا تھا یہودی نصرانی۔ مجوس غرض کل قوموں پر یہ مہلک مرض چھا رہا تھا اور اس سے مشکل سے کوئی فرد بشر بچا ہوا تھا۔ الا ماشاء اللہ حضور انور نبی برحق و معصوم کا پہلا کام توحید قائم کرنیکا تھا۔ چنانچہ وہ اس ذات مطہر و معصوم نے پورا کیا۔ مگر اسکی تکمیل کے لیئے دعا کی ضرورت تھی اور وہ اس کے ساتھ لازم و ملزوم کر دی گئی۔ جیسا کہ سورۂ فاتحہ میں لکھا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ اسلام کا یہ پہلا اصول ہے کہ صرف خدا ہی کی پرستش کرنا چاہیئے۔ جب اسے قادر مطلق سمجھ کے پرستش کی تو اسی سے مدد مانگنا بھی لازم آیا جو لوگ دعا اور اجابت دعا پر جرح قدح کرتے ہیں وہ بغور دیکھیں کہ جب خداوند تعالیٰ نے دعا اور توحید کو لازم و ملزوم کر دیا ہے پھر دعا پر کیونکر جرح و قدح ہو سکتی ہے اور اگر ہو سکتی ہے تو اسلام کا سب سے بڑا اور سب سے مقدم اصول توحید کیونکر قائم رہ سکتا ہے۔ جب ہم نے ایک ذات وحدہٗ لاشریک کو قادر مطلق اور خالق ارض و سما سمجھ لیا اور یقین کر لیا۔ پھر فطرتاً ہم اسی کے حضور شب و روز کیوں نہ اپنی حاجتیں پیش کریں گے اور اس میں ہمیں تامل ہی کیوں ہونے لگا۔ ہمیں منع کیا گیا ہے کہ بتوں سے اپنی حاجتیں نہ طلب کریں ہمیں منع کیا گیا ہے کہ پانی۔ پتھر۔ لکڑی کو اپنا حاجت روا نہ بنائیں۔ ہمیں روکا گیا کہ چاند اور سیاروں کو اپنا مشکل کشا نہ تسلیم

کریں۔ اور سب کو چھوڑ کے خدائے واحد کی پرستش کریں۔ جب ہم نے اس حکم کی تعمیل کی تو اب طبعًا ہماری یہ خواہش ضرور ہوگی کہ جو حاجتیں ہم مخلوق اشیا کے آگے پیش کرتے تھے وہی حاجتیں خدا کے حضور پیش کریں تاکہ اس بات کی شہادت ہو کہ ہم نے بت پرستی وغیرہ سے روگردانی کی اور ہم خدائے ذوالجلال کی پرستش کرنے لگے۔ دعا کا مانگنا ضمانت ہے خدا پرستی کی۔ اور جو لوگ دعا کو محض افسانہ یا اطمینان قلب کا ایک بہانہ تصور کرتے ہیں اُنکی خدا پرستی مشکوک ہے اور وہ کبھی ثابت نہیں کر سکتے کہ ہم خدا پرست ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ دعا اور توحید لازم و ملزوم ہیں۔ اگر دعا کو کوئی چیز نہ تسلیم کیا جائے تو سمجھ لو نبی معصوم کی توحید کی تعلیم محض ناکارہ تھی سورۂ فاتحہ درحقیقت ایک دعا کی سورت ہے جس میں توحید اور دعا کو لازم و ملزوم ٹھیرا کے دعا کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ کیا دعا کرنی چاہیئے اور اس دعا سے اصلی مفہوم کیا ہے۔ جو لوگ ربانی غوامض اور دقائق کو سمجھتے ہیں وہ بہ ضرور جانتے ہیں کہ خدا کے کلام میں انسانی فطرۃ کا پاس و لحاظ بہت کیا گیا ہے اور کوئی بات ایسی نہیں ہے جو طبعًا کسی انسان کے خلاف ہو۔ خیال کرنیکی جگہ ہے کہ یہ اصول دعا محض ایک بہانہ ہے اطمینان قلب کا۔ یا دعا کے معنے نماز روزے کے ہیں۔ کسقدر مضحکہ خیز ہے۔ فرض کرو قرآن ایک طرف تو یہ کہے کہ سب کو چھوڑ چھڑا کے صرف ایک خدا کی پرستش کرو اور دوسری طرف یہ کہے کہ اُس سے مدد نہ مانگنا۔ کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایک متنفس بھی اس اصول کو تسلیم کریگا اور اُسے قرآن کا یہ قول ایک دم کیلئے بھی سچا معلوم ہوگا۔ مگر نہیں قرآن خدا کا کلام ہے اور اس میں ایسا بدیہی نقص ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لیئے اُسنے ایک طرف تو لوگوں کو پرستش خدائے مطلق کے لیئے بلایا اور دوسری طرف یہ کہا کہ تم اپنی ہر حاجت اُس کے آگے پیش کر سکتے ہو۔ بلکہ مزید براں یہ کہا گیا اور یقین دلایا گیا کہ خود خداوند تعالیٰ تم سے ہمکلام ہو کے باصرار یہ فرماتا ہے کہ میری ہی عبادت کرو اور مجھ ہی سے طالب مدد ہو یا بالفاظ دیگر جب تم میری عبادت کروگے تو تمہیں لازم کہ مجھ ہی سے مدد مانگو۔ پھر بار بار یہ فرمانا کہ ہم ہی ہر شے پر قادر ہیں یہ معنی رکھتا ہے کہ تم اپنی کل حاجتیں ہمارے آگے لاؤ ہم ہر شے پر قادر ہیں ان اللہ علی کل شئ قدیر ایک آواز اور تنبیہ ہے جو خدائے برحق کی طرف سے اُن کو دی گئی جو اُسکی مخلوق میں سے کسی نہ کسی کو صاحب اختیار اور صاحب قدرت تسلیم کرتے ہیں اور اس طرح گویا اپنی اشرف و اعلیٰ ذات کو ذلیل کرتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ کا بغور پڑھنا ہمارے دعوے کے ثبوت کے لیئے بہت کافی ہے یوں تو ہزاروں بار سورۂ فاتحہ کو پڑھا ہوگا مگر اب ہمارے کہنے سے ایک بار بغور پڑھو اور سمجھو کہ اس روشن سورت میں کن کن امور کی تعلیم کی گئی ہے صرف تین امور ہیں جن کی تعلیم ہوئی ہے اول توحید۔ دوسرے ہر کام میں خدا سے مدد مانگنا۔ سوم دل میں یہ یقین رکھنا کہ سوائے اُسکے کوئی مشکلکشا نہیں۔ قرآن کی جب پہلی تعلیم یہ ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے انکار کیوں کیا جاتا ہے اور علوم جدیدہ کے ماہروں کے اصول موضوعہ کی دھمکی میں آکے کیوں اسلام کا ایک بڑا اصول مٹایا جاتا ہے ہمارا خیال یہ ہے کہ اسلام کے سب سے اعلیٰ سب سے عظیم اصول توحید کا دعا کرنا جزو ثانی ہے۔ یقینًا اگر دعا نہیں تو توحید نہیں۔ فرض کرو کہ ہمنے وحدہٗ لاشریک تو خدا کو مان لیا۔ لیکن اپنی ضرورتیں پیروں، شہیدوں اور اولیا کے حضور یا اُنکی قبور پر لیجائے پھر توحید ہی کہاں رہ گئی اور کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارا ایمان قائم رہا ہم قوانین فطرت انسانی

سے نئے فلسفہ کے پہلو سے دعا کی اصلی حقیقت بیان کرینگے پہلے ہم قرآن احادیث اور آثار صحابہ سے ثابت کریں کہ دعا کی حقیقت شریعت اسلامی نے کیا بیان فرمائی ہے اور غلط فہمی سے اُسے کیا خیال کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں کئی مقام پر دعا کا ذکر ہوا ہے اور اُن آیتوں کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا چیز کیا ہے اور خداوند تعالیٰ نے اسکی کیا حالت اور حقیقت بیان کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی" اور جب میرے بندے تجھ سے مجھے پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ پہنچتا ہوں پکارنے والے کی پکار پر جس وقت وہ مجھے پکارتا ہے پس چاہیے میرا حکم مانیں"۔ یہاں خالق ارض وسما نے اپنا محیط ہونا اور ہر جگہ حاضر وناظر ہونا بیان فرمایا ہے۔ جس شخص نے خداوند تعالیٰ کو پکارا وہ اُس پکار کو سنتا بھی ہے اور پکارنیوالے کے قریب بھی پہنچ جاتا ہے۔ قریب پہنچنے سے غرض یہ ہے کہ وہ دعا کو قبول کرلیتا ہے اور بندے کو اپنی آرزو پوری کرنیکی توفیق دیتا ہے اس توفیق سے وہ بمقتضائے قانون قدرت اسباب اور ذرائع کے بہم پہنچانے میں جس سے اُسکی آرزو ئیں پوری ہونگی۔ سرگرمی اور تندہی سے کوشش کرتا ہے اور اخیر اُسکی یہ کوشش کامیاب ہوتی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ کسی کی کوشش کو رائگاں نہیں جانے دیتا۔

اس کے بعد اور تصریح کے ساتھ خداوند تعالیٰ نے دعا کے مقصد کو سمجھایا ہے اور وہ یہ ہے ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃ انہ لا یحب المعتدین یعنے اپنے رب کو گڑگڑاتے اور چپکے پکارو اُسے پسند نہیں حد سے بڑھنے والے۔ یہاں دعا کی حقیقت اور بھی واضح طور پر کھولدی۔ گڑگڑانا۔ رونا۔ زاری کرنا۔ اور اپنی تمام کمزوریوں اور مجبوریوں کا اقرار کرکے نہایت منکسرانہ طور پر اپنے معبود حقیقی کے حضور پیش ہونے کو دعا کہتے ہیں۔ مگر حد سے بڑھنے والوں کو رب العزت نے ناپسند فرمایا ہے جو لوگ اس کے عادی ہیں کہ ادنی ادنی باتوں اور خلاف شرع امور میں بار بار خدائے برحق سے دعا کرتے ہیں اور اُس دعا میں کسی کی حق تلفی ہوتی ہے۔ یہ گویا حد سے بڑھنا قرار دیا گیا ہے مثلاً ایک شخص نے ناجائز طور پر کسی کے خلاف مقدمہ دائر کیا اور اُس مقدمہ سے اُسکی مراد یہ ہے کہ حق دار کا حق غصب کیا جائے اور اس ناجائز آرزو یا اُمید کے پورا ہونے کے لیئے وہ خداوند تعالیٰ کو پکارے تو سمجھو کہ اُس نے حد سے تجاوز کیا اور اپنے نفس ہی پر ظلم نہیں کیا بلکہ خدائے برحق کی نافرمانی کی۔ اور کوئی تعظیم اُسکی اپنے دل میں نہ رکھی۔ ایسی دعا سے اُس پر کئی کئی جرم عائد ہوگئے جنسے اُسکی گلو خلاصی ممکن نہیں۔ ادنی توجہ سے سمجھ میں آجائیگا کہ ہم کسی ایسے مجسٹریٹ سے جو حقیقت منصف ہو اور جسے ہم بھی انصاف پسند جانتے ہیں اور خواہ وہ ہمارا کیسا ہی گاڑھا دوست ہوگا۔ اگر ہمارے دماغ میں عقل ہے۔ ہم کبھی ایسے مقدمہ میں سفارش نہ کرینگے جس میں حق کا خون ہوتا ہو اور ایک بیگناہ اور حقدار کی حق تلفی ہوتی ہو اور اگر ہم نے اپنی بدعقلی سے سفارش کی تو ہماری یہ سفارش مجسٹریٹ سن تو لیگا۔ مگر اُسے ہم سے نفرت ہوجائے گی اور وہ کبھی ہمیں ایماندار نہیں سمجھنے کا یہ اگرچہ نہایت ادنی مثال ہے تاہم اس سے یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ خدائے قادر مطلق پکارنے والے کی سن تو لیتا ہے مگر ایسی نافرمانی کی دعاؤں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ اور اس قسم کی دعائیں درحقیقت دعائیں نہیں ہیں بلکہ اپنی روسیاہی اور بداعمالی اور تیرہ باطنی کی کیفیت خدا کے حضور دُہرانی ہے اور غرض یہ ہے کہ ان برباد کن اور ارذل ترین

عیبوں اور نقائص میں زیادتی ہو۔ دعا کیا ہے نہایت خلوص اور قلب کی صفائی سے گڑگڑا کے اور رو کے محض پوشیدگی اور تنہائی میں اپنی عبودیت کا پورا خیال کرکے اور رب العرش کے جلال اور محیط قدرت کو تسلیم کرکے اُسکے حضور پیش ہو اور صدق دل سے اقرار کرے کہ میں جاہل ظالم بے بس اور ناتواں ہوں میری ہستی ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں ہے میرے تمام کاموں میں تو ہی میری مدد کرتا ہے۔ جو کامیابیاں مجھے اپنی کوششوں میں ہوتی ہیں اُن میں بھی تیرا ہی ہاتھ کام کرتا ہے میں تیرا ایک بے حقیقت بندہ ہوں اگر تو رہنمائی نہ کرے تو میری عقل میری دولت کچھ نہیں کرسکتی۔ تیری روشنی میں میں چلتا ہوں اور تیری رحمت سے میں زندہ ہوں تونے ہمیشہ میری مدد کی ہے اور جسطرح تیرے ہاتھ نے میرے ہر کام میں مدد کی ہے ابدالآباد تک تیرا ہاتھ میرے ساتھ کام کرتا رہے۔ بس یہ دعا ہے اور یہ منشا ہے جو اسلام میں تسلیم کیا گیا ہے۔ عیسائیت کی دعا اور اسلام کی دعا میں بہت بڑا فرق ہے اور ہمارے فلاسفر نے جس کا مضمون ہم نے اوپر نقل کیا ہے عام طور پر مسیحی دعا پر رد و قدح کرکے یہ خیال کیا ہے کہ دنیا میں سب مذاہب کا دعا کی نسبت یہی عقیدہ ہے کہ ایک وقت کی روٹی خدا ہی سے مانگ لیا کرو۔ اسلام نے اِن باتوں کی بہت سختی سے تردید کردی ہے اور قرآن میں صاف حکم دیدیا ہے کہ ہم حد سے زیادہ بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔ اس سے زیادہ خلیق اور منکسر المزاج بننے کی تعلیم ہی نہیں ہوسکتی کہ ہر وقت اپنی کمزوریوں کا خیال رہے اور اپنی کامیابیوں کے حاصل ہونے پر یہ خیال نہ کرلیا جائے کہ یہ صرف میری کوششوں کا نتیجہ ہے اس خیال سے خود بخود ایک غرور پیدا ہوگا۔ اور یہ غرور خود ایک دن اُسکے لئے سمِّ قاتل بن جائیگا۔

ہمارے بیان کی تائید آگے آنیوالی آیت سے بخوبی ہوتی ہے اور ظاہر ہوتا ہے کہ ہمنے دعا کی نسبت اسلام کا عین منشا ظاہر کیا ہے وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جھنم داخرین یعنی اور تمھارا رب کہتا ہے کہ مجھے پکارو کہ تمھاری پکار کو پہنچوں بیشک جو لوگ متکبر ہیں میری بندگی سے اب داخل ہونگے دوزخ میں ذلیل ہوکے" غرض خدائے واحد و مطلق کے آگے رونا اور زاری کرنا اور اپنے کو لاشئے محض سمجھنا بہت بڑی عبادت ہے۔ تمام نمازیں بھی یہی ہوتا ہے۔ اپنی عبودیت کا اقرار اور خدا کی قدرت پر بھروسہ اور اُس سے یہ التجا کرنا کہ تو ہمیں سیدھے رستے پر چلا اور تو ہی چلا نیوالا ہے اور جو لوگ اپنے کو کچھ سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہماری عقل سے انتظام عالم قائم ہے وہ سخت ذلیل ہوتے ہیں پھر اخیر میں مٹ جاتے ہیں یہ تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو شخص یہ سمجھ بیٹھے کہ میں ہوں بھی بڑا دولتمند اور مجھے آ بھی گیا تمام دنیا کا علم۔ وہ کبھی ترقی نہیں کرسکتا۔ اور جب ترقی نہیں کرسکتا تو اُسے عزت بھی نہیں حاصل ہوسکتی اور جب عزت حاصل نہیں ہوئی تو دنیا ہی اُسکے لئے جہنم ہے۔ ذلیل آدمی کی زندگی کیا قیمت رکھتی ہے؟ کچھ بھی نہیں؟ وہ مثل چوپائے ہے جس کا جینا مرنا برابر ہے۔ مذکورہ آیت میں بھی دعا اور توحید یعنی خداپرستی لازم و ملزوم قرار دی گئی ہیں جو لوگ خدائے حقیقی کے آگے نہیں روتے جو نفوس نہایت انکساری اور فروتنی سے اپنے معبود برحق کے حضور حاضر نہیں ہوتے اُنکی نجات ابدی معرض خطر میں ہے۔ ایک شہنشاہ بحر و بر کبھی اپنی رعیت پر مہربان نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے کو حقیقی خالق کا ایک عاجز بندہ نہ تسلیم کریگا۔ اور جس طرح اُسکی رعایا اور اُسکے ملازمین نہایت

ادب ہے اُسکے حضور جبین نیاز جھکاتے ہیں اسی طرح وہ بھی خلاق اکبر کے حضور ناصیہ فرسائی نکرے کبھی لائق حکمراں نہیں بن سکتا۔ یورپ جو موجودہ زمانہ میں ایک اعلیٰ درجہ کی ترقی کے زینہ پر پہنچ گیا ہو اُس نے بھی یہ لازم کر دیا ہے کہ شاہ وقت مذہبی ہونا چاہیئے۔ اگر یورپ کا کوئی بادشاہ عیسوی مذہب سے انحراف کرے وہ فوراً تخت سے اُتار دیا جائے گا۔ ملکہ یا شاہ انگلستان کے لیئے تو مسیحی ہونیکے علاوہ پروٹسٹنٹ مذہب کی بھی قید ہے۔ اور سچ ہی بغیر اسکے حکمرانی ممکن نہیں۔ فرض کرو کہ ایک دہریہ بادشاہ بنا دیا جائے تو اُسکی سلطنت کے دن تک رہ سکتی ہی؟ وہ ہرگز مذہبی حقوق کی حفاظت نہیں کرسکتا وہ کبھی اپنی رعایا کے مذہبی خیالات کی تکریم نہیں کرسکتا وہ قومی معابد کو حقارت کی نظر سے دیکھے گا۔ اور پیشوایان دین کی توہین کرنی اُس کا عام شیوہ ہوگا۔ لاکھ کچھ وہ مہذب ہو پھر یہ طبعی امر ہے کہ جن لوگوں کو گمراہ سمجھا جاتا ہو اُنکے عقائد کو پہلے حقارت سے نظر کیا جائیگا ان خیالات سے رعایا میں سخت بیدلی پھیلے گی اور اُس کا نتیجہ اخیر خونریزی اور مخلوق خدا کی بربادی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ ہو سکتا جب شاہ کا خداپرست ہونا لازمی ہے تو آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ خداپرست بننا قوانین قدرت میں داخل ہے اور خداپرستی اور دعا لازم و ملزوم ہیں اس لیئے دعا بھی قانون قدرت ہوئی جس سے انحراف کرنا اپنی جان ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اب ہم چند احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ نقل کرتے ہیں جو دعا کے بارے میں آئے ہیں اور جن سے دنیا کی ایک عام حالت اور حقیقت پائی جاتی ہے۔ پھر ہم اپنے دوست دہریہ کا بھی جواب دینگے۔ اور عام طور پر اسلامی دنیا پر ایک نظر کرینگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں الدعاء ھو العبادۃ یعنی دعا مانگنا ہی عبادت ہے حضرت نعمان بن بشیر اس حدیث کے راوی ہیں۔ آپ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب نے یہ فرماکے ادعونی استجب لکم کو اخیر تک پڑھا۔ ہم پہلے ثابت کرچکے ہیں کہ دعا عین خداپرستی ہے۔ اور یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ توحید اور دعا لازم و ملزوم ہیں۔ ہمارے اس بیان بالا کی پوری پوری شہادت اس حدیث قدسی سے مل گئی۔

دوسری حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں الدعاء مخ العبادۃ یعنی دعا عبادت کا مغز ہے ترمذی نے انس سے روایت کی ہے مگر یہ حدیث غریب ہے۔ وہی بات ہے جو ہم اوپر ثابت کرتے چلے آئے ہیں

تیسری حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالت مآب نے فرمایا کہ کوئی چیز اللہ کے نزدیک دعا سے بزرگ ترین نہیں ہے (ترمذی و ابن ماجہ و حاکم)

چوتھی حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندہ کو دعا سے تین باتوں میں سے ایک نہ ایک چیز حاصل ہوجاتی ہے۔ کیا تو اُس کا گناہ بخشا جاتا ہے یا کوئی بہتری سردست ملجاتی ہی یا کوئی خیر اُسکے لیئے ذخیرہ کردی جاتی ہے (ابو منصور در مسند فردوس بسند ضعیف)

پانچویں حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالی سے اُسکے فضل کی درخواست کرو کہ اُسے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے کوئی مانگے اور بہترین عبادت کشادگی کا منتظر رہنا ہے (ترمذی بروایت ابن

مسعود اور اسکی اسناد میں حماد بن داؤد ضعیف ہے)

چھٹی حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر شب جب ⅓ پچھلی رات رہتی ہے آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماکے ارشاد فرماتا ہے کہ کوئی ہے مجھ سے دعا مانگے اور میں قبول کروں اور کوئی ہے جو مجھسے مانگے اور میں اُسے دوں۔ اور کوئی ہے کہ مجھسے مغفرت کا خواہاں ہو پس میں اُسے بخشدوں (بخاری و مسلم بروایت ابوہریرہ)

جو لوگ روحانی لذات سے واقف نہیں ہیں وہ خداوند تعالیٰ کا پچھلی شب کو آسمان دنیا پر نزول اجلال فرمانا نہیں سمجھینگے۔ کیا تو اسکے ظاہری معنی لینگے یا اُسکی تضحیک کرینگے۔ خدا گواہ ہے۔ قدر این بادہ ندانی بخدا تا نچشی۔ بہت ہیں جنھیں روحانی تعلقات کے صرف الفاظ ہی دہرانے آتے ہیں۔ کم ہیں جو ان تعلقات میں سرگرداں ہیں اور بہت کم ہیں جنھوں نے اِسکی چاشنی چکھی ہے اور اس سے بھی زیادہ کم ہیں جو تعلقات اور لذائذ روحانیہ میں فنا ہو گئے ہیں۔ پچھلی شب کا وقت وہ پیارا اور برکت کا وقت ہوتا ہے جسکی لذت وہی شخص جانتا ہے جس نے ان اوقات سے برکت لی ہے۔ عالم پر سناٹی چھاجاتی ہے۔ موسم ایک عمدہ اعتدال پر ہوتا ہے۔ دماغ مکروہات زمانہ سے ایک حد تک فارغ ہوتا ہے۔ خیالات بآسانی مجتمع ہوجاتے ہیں۔ روح انسانی اپنے خالق کیطرف پرواز کرتی ہے۔ اور اُس سے اسقدر قریب آجاتی ہے کہ بہت ہی تھوڑا سا فاصلہ رہجاتا ہے اور پھر روح میں ایک نطق پیدا ہوجاتی ہے اور وہ بولنے لگتی ہے کہ معبود برحق آسمان دنیا پر نزولِ اجلال فرما چکا ہے اور ہر دعا کے قبول کرنے پر رضامند ہے۔ وحدت کا ایک فوّارہ خود بخود دل سے اُبلتا ہے اور اُس فوارہ کا پانی آسمان تک پہنچتا ہے اور وحدت کے نور سے منور ہو کے پھر دل ہی میں آپڑتا ہے۔ اُس نور کی حرارت سے فوارے میں ایک غیر معمولی تیزی آجاتی ہے۔ اور یہ تیزی بڑھتے بڑھتے آخر وحدت میں شیر و شکر ہوجاتی ہے۔ پہلے آسمان پر نزول اجلال سے غرض باری تعالیٰ نہیں ہے۔ نافہم اگر نہ سمجھیں اُنکی سمجھ کا قصور ہے اور جنھیں روحانی تعلقات کی ہوا بھی لگی ہے وہ ان مدارج عبودیت کو توجہ سے سمجھ سکتا ہے۔ شب کا پچھلا حصہ جان ہے روحانی ترقیات اور روحانی مدارج میں ترقی کرنے کا۔ اِسکی قدر کچھ کچھ طلبہ کا دل جانتا ہے جو اخیر شب اُٹھکر مطالعہ کرتے ہیں اور علمی غوامض انھیں ادنیٰ تامل سے حل ہوجاتے ہیں۔ مگر وہ نفوس قدسیہ جو فطرت کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہیں اُنھیں اِس کی حقیقت دریافت کرنی چاہیئے۔

ستان صبوح از غم کردند خروش آندم | کز صبحِ جمالِ تو بنمود تباشیرے
رنجور غمت ایم عشق تو طبیب ماست | از ادویہ رحمت بفرست تباشیرے

اس ربانی راز کو وہی سمجھ سکتا ہے جس میں سمجھنے کی استعداد ہے ہمارے ہادی برحق نے جن سادہ الفاظ میں روحانی مدارج کی اعلیٰ درجہ کی باریکیاں حل کی ہیں۔ انکی کنہہ کو وہی شخص جان سکتا ہے جسے حضور انور سے گہر اتعلق ہو اور سمجھ سکتا ہو کہ نزولِ اجلال سے کیا غرض ہے اور خداوند تعالیٰ کا دعا قبول کرنا کسے کہتے ہیں۔

ساتویں حدیث۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سب

سب حالتوں سے زیادہ بندہ اپنے رب سے قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ پس سجدہ میں دعا کی کثرت کرو (مسلم) یہ بھی یکسوئی کی ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے۔ سجدہ میں خیالات ایک جگہ زیادہ تر ہو جاتے ہیں۔ اِس لیئے خدا کا قرب بیان کیا گیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ خدا تو رگ شریان سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ بشرطیکہ ہمیں اُسکی تلاش ہو۔ خدا کی تلاش کرو اور اپنی پوری قوت سے تلاش کرو۔ خدا ملجائیگا۔ خدا کا ملجانا اور دعا کا قبول ہونا ایک ہی بات ہے کچھ بھی فرق نہیں جسکی دعا قبول ہو گئی اُس نے خدا کو پا لیا۔ اور جس نے خدا کو پا لیا اسکی دعا قبول ہو گئی۔ سجدہ میں خداوند تعالیٰ کا قریب ہونا اس وجہ سے بیان ہوا ہے کہ سجدہ کی حالت میں اپنی کمزوریوں اور فروتنی کا از خود خیال آجاتا ہے اور ایک ایسے معبود کے آگے پیشانی ٹکائے ہوئے ہوتا ہے جسے وہ اپنا خالق سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ سب اُسی کا بنایا ہوا کھیل ہے اور ایک دن سب اُسی کی طرف جائینگے۔ اس خیال سے ایک خوف اُسکے دل پر طاری ہو جاتا ہے اور اُس خوف کے اثر سے اُس پر رقت کی حالت آجاتی ہے پس یہی سچی کیفیت ہے جو دعا کی مقبولیت کی شہادت دیتی ہے اور اسی حالت سے خدا ملجاتا ہے۔

آٹھویں حدیث۔ جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرفہ کے موقف میں تشریف لائے اور قبلہ رُخ ہو کے دعا کرتے رہے یہانتک کہ آفتاب ڈوب گیا۔ (نسائی بروایت اسامہ بن زید اور مسلم میں بروایت جابر ہے مگر اُس میں دعا کا ذکر نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ غروب تک کھڑے رہے) خواہ آپ یوں ہی کھڑے رہے یا دعا مانگتے رہے دونوں صورتوں سے آپ کی یہ بےنظیر تعلیم کہ دعا مانگتے وقت استقلال اور توجہ درکار ہے پائی جاتی ہے اور یہی آپ کا اصلی منشا تھا۔ عموماً لوگ لمبی دعا مانگا کرتے ہیں ہاتھ اُٹھایا دو چار لمحہ بڑبڑائے اور منہ پر ہاتھ پھیرا یہ دعا نہیں ہے بلکہ اپنے خالق کے ساتھ مضحکہ کرنا ہے۔ مگر کم عقل نہیں سمجھتے۔

نویں حدیث۔ سلمان فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا کہ تمھارا رب حیا والا کریم ہے۔ جب بندہ اسکی طرف اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتا ہے اور اُن ہی قیود سے اُٹھاتا ہے جو اُوپر بیان ہوئیں تو پھر اُسکی دعا کا مقبول ہونا لازمی پڑ جاتا ہے کون انکار کر سکتا ہے کہ خالق کون و مکان صاحب حیا نہیں ہے مگر اتنا ضرور سمجھ لو کہ صاحب حیا صاحب غضب۔ اور صاحب قہر وغیرہ الفاظ جو خداوند تعالیٰ کی نسبت بیان ہوئے ہیں اور ہمنے اپنی بساط کے موافق اُسے مبالغہ کے صیغہ سے یاد کیا ہے ان الفاظ کا مطلب صرف ہم ہی تک محدود ہے ذات باری کو ان الفاظ سے کچھ بھی علاقہ نہیں یہ محدود الفاظ جو انسانی زبان میں اُسی کے بتانے سے آئے ہیں اُسکی لاانتہا صفات کا ایک لاکھواں حصہ بھی ادا نہیں کر سکتے ادا کرنا تو کیسا خیال بھی نہیں لا سکتے۔ ہماری فہم کے مطابق ہم نے اُسکے چند نام رکھ لیئے ہیں یا جو نام اُسنے خود بتائے ہیں اُنھیں یاد کر لیا ہے اسکی ذات سے ان ناموں کو کچھ بھی تعلق نہیں۔

دسویں حدیث حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مقام پر گزر ہوا ایک شخص دعا مانگتا جاتا تھا اور اپنی دو انگلیوں کو جنبش دے رہا تھا آپنے ارشاد کیا ایک ہی پر اکتفا کر (ترمذی وابن ماجہ وحاکم) کسی دنیاوی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونیکے آداب جب بہت مشکل سے سیکھے جاتے ہیں تو رب الافواج کے حضور حاضر ہونیکے طریقے کیونکر آسانی سے آجاتے۔ خاص طور پر یہ تعلیم کہ کیونکر حضور خداوندی میں حاضر ہوا

کرتے ہیں آنحضرت نے فرمائی ہے اور سچ بات یہ ہے کہ معرفت باری تعالیٰ کی یہ تعلیم پہلی سیڑھی ہے۔ ہاتھ اُٹھانا گویا کتب معرفت کی الف بے تے ہے اور فارغ التحصیل ہونا گویا وہ مقام ہے جہاں خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندہ سے رگ شہ رگ سے بھی زیادہ نزدیک ہوں اور اس تعلیم کی عملی تکمیل یہ ہے کہ معرفت آلٰہی میں بندہ مستغرق ہو جائے پھر نہ اُسے کسی امر کے لئے دعا مانگنے کی ضرورت رہے نہ مقبول دعا کا خیال۔ یہ وہی مدارج نہیں ہیں۔ شریعت غرا نے یہ مدارج پیدا کئے ہیں صاف باطنی سے جو ان اصول پر عملدرآمد کریگا یا جن نفوس قدسیہ نے عمل کیا ہے وہ منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور ظاہر بین یہیں پیچ و تاب کھاتے ہوئے رہجاتے ہیں۔

گراں جانانِ برنگ گل فروماندند در گلشن ٭ سبک روحاں نسیم آسا رہا کردند محملہا

گیارہویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دعا میں سجع نہ کیا کرو۔ دعا میں یہی کہنا کافی ہے اللھم انی اسئلک الجنۃ وما قرب الیھا من قول وعمل واعوذ بک من النار وما قرب الیھا من قول وعمل یعنی آلٰہی میں تجھسے جنت مانگتا ہوں اور جو قول و عمل اُسکے قریب کردیں اُنکی درخواست کرتا ہوں اور دوزخ سے اور اُس قول و عمل سے جو اُسکے قریب کردیں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ جنت سے مراد نجات ابدی ہے اور نجاتِ ابدی سے غرض دیدار باری تعالیٰ کا نصیب ہونا ہے اسی طرح دوزخ سے غرض نجات ابدی یا دیدار رب العرش سے بے نصیب ہونا ہے۔ یہ حکیمانہ تعلیم ہے۔ اور یہ دعا کی حقیقت ہے کہ سوائے ابدی نجات کے اور کچھ مانگنا ہی نہیں چاہیئے۔ اور بات بھی ٹھکانے کی ہے کہ ایسے خلاق اکبر کے حضور پہنچے اور پھر فانی چیزوں کی درخواست کرے شانِ انسانیت سے بعید ہے اور اس شرافت کو سوں دور جا پڑتا ہے جو خداوند حقیقی نے تمام کائنات پر انسان کو بخشا ہے۔

بارھویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کچھ لوگ عنقریب ایسے آوینگے کہ دعا اور طہارت میں تجاوز کرینگے۔ دعا میں تجاوز کرنیسے یہی غرض ہے کہ دنیا کی بیہودہ چیزوں کی بار بار درخواست کرنا اور موقع بے موقع سخت گستاخی اور سوء ادبی سے اپنے خالق کو مثل ایک معمولی انسان کے پکارنا۔

تیرھویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرو کہ تمھیں قبول ہونے کا یقین ہو۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا"

اس حدیث قدسی نے توکل امور کا فیصلہ ہی کر دیا۔ حقیقت میں قوت تیقن ایک عجیب جوہر ہے۔ جس سے تمام کائنات کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ عمریں گزر جاتی ہیں جبہ سائی کرتے کرتے مگر کبھی دعا قبول ہی نہیں ہوتی۔ وجہ یہی ہے کہ دل گواہی نہیں دیتا کہ دعا ضرور قبول ہوگی۔ جو یقین کی قوت کو جانتا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر انسان کو اس بات کا سچا یقین ہو جائے کہ میں اگر دعا کروں گا تو پہاڑ سرک جائیگا تو در حقیقت پہاڑ کا سرک جانا کوئی بات

سلہ ان الفاظ سے یہ حدیث غریب ہے البتہ بخاری نے حضرت ابن عباس کا قول سجع سے احتراز میں نقل کیا ہے اور حاکم نے بروایت عائشہ روایت کیا ہے کہ اے عائشہ دعائیں کامل مانگا کر اور اس میں واسئلک الجنۃ الخ ہے۔

ہی نہیں ہے یقین ہونا شرط ہے اور وہی مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔ زبانی جمع خرچ بہت آسانی سے ہوسکتا ہے عمدہ عمدہ الفاظ جمع کیئے جاسکتے ہیں۔ منطق اور فلسفہ کے پہلو سے ثبوت بہم پہنچائے جاسکتے ہیں۔ مگر یقین اور صداقت کا پتہ لگنا مشکل ہے اور جس نے ان دونوں کا پتہ لگا لیا اُس کے الفاظ خود بخود باثر ہونگے اور وہ ہر چیز اپنے یقین اور صداقت کے بھروسہ پر حاصل کرسکتا ہے۔

چودھویں حدیث۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب کوئی تم میں سے اپنے پروردگار سے کچھ سوال کرے اور معلوم ہو کہ قبول ہوگیا تو یہ کہے الحمد للہ الذی بنعمۃ تتم الصالحات اور جس کے لیئے قبول میں کچھ دیر ہو تو کہے الحمد للہ علیٰ کل حال"

یہ سمجھنا کہ ہماری دعا قبول ہوگئی یا ہماری دعا ابھی قبول نہیں ہوئی ایک اعلیٰ درجہ کی معرفت ہے جو ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہوتی دل ہیں اگر یقین ہے کہ دعا قبول ہوگئی تو فوراً ایک قدرتی آواز آئیگی یا اطمینان دیا جائیگا کہ تیری مُنہ مانگی مراد تجھے ملیگی۔ اور اگر دل میں دُعا مانگتے وقت یقین نہیں ہے تو اپنا دل ہی اپنی ناکامی کی شہادت دیگا ہمارے نبی برحق و معصوم نے یہ بحث اعلیٰ درجہ کے انسانی مدارج سے کی ہے جسے روحانی اطبّا سمجھ سکتے ہیں۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ خدا کی رحمت کی باریکیاں بیہودہ حجتوں اور منطق کی ماندہ دلیلوں اور نظری فلسفہ کی خیالی بلند پروازیوں سے بہت ہی ارفع ہیں۔ اگر خدا کی برکتوں سے حصہ لینے کی خواہش ہے اور اُس برکت سے اسکی اور اُسکے نبی کے اقوال کی جانچ کرنا چاہتے ہو تو نہایت انکساری سے صداقت کے لباس میں آؤ راستی کا راستہ تلاش کرو۔ اُس کے فضل کے اُمیدوار رہو فروتنی سے ہر ایک بات کو مان لو اور پھر نورِ قلب سے غور کرو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ تم دہوکے میں رہے نہ ٹوٹے میں اسکے بعد کچھ آثار نقل کیئے جاتے ہیں اور پھر ہم اپنے طور پر ایک عام نظر کرینگے۔

سفیان بن عیینہ رضؓ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے نفس کی خرابی سے واقف ہوکے دعا سے غافل نہ رہو اور یہ نہ جانو ہم بُرے ہیں ہماری دعا قبول نہوگی اسلیئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو خلق میں سب سے بُرے یعنی شیطان ملعون کی بھی دعا قبول فرمائی چنانچہ قرآن کریم میں موجود ہے قال رب فانظرنی الی یوم یبعثون قال فانک من المنظرین یعنی اَے رب تو مجھے ڈھیل دے اُس دن تک کہ مُردے جیویں۔ فرمایا تو تجکو ڈھیل دی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب راہِ خدا میں فوجیں دشمنوں سے کلّہ بکلّہ ہوتی ہیں اُس وقت اور مینہ برسنے کے وقت اور فرض نماز کے لیئے تکبیر کہنے کے وقت آسمان کے دروازے کھلجاتے ہیں۔ پس ان قبولیت ہیں دعا مانگنا غنیمت جانو۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ نمازیں بہترین ساعات میں مقرر ہوئی ہیں تو انکے بعد لازمی طور پر دعا مانگا کرو۔

حضرت ابودردار فرماتے ہیں کہ ان ہاتھوں کو دعا کے لیئے اُٹھاؤ پہلے اس سے کہ زنجیروں میں جکڑے جائیں۔

حضرت فاروق اعظم رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب دعا کے لیئے ہاتھ پھیلاتے تو اُنھیں اُسوقت تک نہ ہٹاتے جبتک اپنے چہرہ مبارک پر نہ پھیر لیتے۔

حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا مانگتے تو دونوں ہتھیلیاں ملا لیتے اور اُن کا

اندر کا رخ اپنے مُنہ کی طرف رکھتے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب جب مدینہ منورہ آئے تو آپ نے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی اللہ اکبر کہا اور آواز خوب بلند کی۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگو جس ذات کو تم پکارتے ہو نہ وہ بہری ہے نہ غائب ہے بلکہ وہ تمہارے اور تمہاری سواریوں کی گردنوں کے درمیان ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ولا تجہر بصلاتک ولا تخافت بہا میں فرمایا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ اپنی دعا میں جہر و اخفا مت کرو۔

اسلام نے دعا کی جو حقیقت ظاہر فرمائی ہے وہ یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی۔ مگر ہم اس پر ایک عام نظر کرنے سے پہلے اپنے دوست دہریے صاحب کی مزاج پرسی کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آپ نے اصول موضوعہ میں کہانتک حق پر ہیں۔

گزشتہ مضمون میں صرف دو ہی باتیں قابل توجہ ہیں کہ خدا کوئی چیز نہیں ہے اور انسان ہی اُسکا خالق ہے دوسرے یہ کہ دعا کی کوئی حقیقت نہیں ہے سوائے قانون قدرت کے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ تمام دنیا کی مشترکہ دعائیں ایک ذرہ کو بھی جنبش نہیں دے سکتیں۔ کوئی شخص دعا سے ریاضی کا کوئی مسئلہ حل نہیں کرسکتا۔ نہ کسی مکان کی تعمیر کرسکتا ہے فلسفی کی ساری تقریر کا یہ ماحصل ہے۔

یہ کہنا کہ قانونِ قدرت پر کوئی اور چیز محیط نہیں ہے۔ نرا تحکم اور فرضی دعویٰ ہے۔ اسلام کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ وہ قوت جسے خدا کہتے ہیں شب و روز قوانین قدرت کو تبدیل کرتی رہتی ہے۔ اور زبردست دست اندازی کی ہر وقت مجاز ہے۔ اسلام اس عقیدہ کو نہیں مانتا بلکہ اُس کا منشا یہ ہے کہ ایک قوت قانونِ قدرت پر محیط تو ضرور ہے اور اُسے اختیارات بھی اُس میں ہر طرح کے حاصل ہیں مگر ابتدائے آفرینش سے اُس نے کوئی تبدیلی نہیں کی نہ وہ اخیر تک کریگا جو قاعدہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اسیطرح نظام عالم ہوتا رہیگا۔ اور اُس میں بال برابر بھی فرق نہ آئیگا۔ آیا عقل کی رو سے کسی خاص ذات کو قوانین قدرت پر محیط مان لینا کوئی اخلاقی جرم نہیں ہوگا۔ جیسا ہمارے دوست دہریے نے لکھا ہے کہ خدا پرستی مخرب اخلاق ہے۔ اب رہی دعا اور اجابت دعا۔ اسلام کے اصول ہی یہ نہیں ہیں جو فلسفی صاحب نے اپنی تحریر میں قائم کیے ہیں۔ اسلام کبھی اجازت نہیں دیتا کہ شہر بننے کی دعا مانگو یا اقلیدس کی شکل حل ہونیکی دعا کرو۔ یا مریض کی دوا درمن نہ کرو صرف دعا ہی مانگا کرو۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ دنیاوی جاہ و جلال اور دوسروں کی حق تلفی کے لیئے دعا کرو یا اپنے بھائیوں پر مغرورانہ حکومت کرنے کی خواہش رکھو۔ وہ ان جیسی دعاؤں کی حقارت کرتا ہے اور قرآن کریم نے ایسے لوگوں کو جھڑک دیا ہے جہاں فرمایا ہے ان اللہ لا یحب المعتدین یعنی خدا حد سے بڑھنے والوں کو عزیز نہیں رکھتا۔ بانئے اسلام اور آپکے صحابہائے کرام کی وہ دعائیں موجود ہیں جو آپ بعد نماز کیا کرتے تھے اُن دعاؤں میں سوائے نجات ابدی کے حاصل ہونے اور ربانی انوار کی برکت میں دائمی رہنے کی آرزو کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ دور جانیکی ضرورت نہیں۔ قرآن مجید کی سورۂ فاتحہ موجود ہے جس میں دعا مانگنے کی تعلیم ہوئی ہے۔ اُس دعا کی نوعیت کو اور اس دعا کی حقیقت کو جب مطالعہ کیا جاتا ہے جو ہمارے دہریئے دوست لکھتے ہیں تو زمین و آسمان کا فرق معلوم

ہوتا ہے اسلام کی دعا کیا ہے صرف اپنی کمزوریوں اور مجبوریوں کا اظہار اور دینی اور دنیاوی کاموں میں اپنے لیئے ہدایت چاہنا اور بس۔ سوائے اسکے کوئی مدعا نہیں ہے۔ دعا اُن روحانی تعلقات کی تکمیل کا ذریعہ ہے جو بندہ اپنے معبود حقیقی سے رکھتا ہے روحانیت کا اثر برفستانی ممالک میں ٹھٹھر جاتا ہے اور جذبات دلی کی وہ امنگ جو مشرقی یا گرم ممالک کے باشندوں میں ودیعت ہوئی ہے وہاں نام کو بھی نظر نہیں آتی۔ پیرس جو دنیا کی بہشت کہلاتی ہے اگرچہ روحانیت وہاں نیست و نابود ہوگئی ہے پھر بھی ایک تعصب مذہبی باقی ہے۔ اور اگر کچھ بھی کہیں عیسائیوں پر آفت آتی ہے سب سے پہلے فرانس جو دہریت میں مشہور ہے حمایت کے لیئے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے اور بحیثیت ایک مسیحی دولت کے اُن کا حامی بن جاتا ہے۔ لندن میں اگرچہ اسقدر دہریت نہیں پھیلی ہے پھر بھی بہت سی انجمنیں قائم ہیں اور وہ کوشش کرتی ہیں کہ تمام لنڈن ہی میں بلکہ انگلستان میں دہریت کو فروغ ہو۔ مگر یہ جوش و خروش یہ اولو العزمیاں یہ کوششیں صرف لنڈن ہی تک محدود ہیں۔ جب اسلام کے خلاف انھیں کوئی بات کرنی پڑتی ہے تو پکے مسیحی بن جاتے ہیں اور پھر اندھے تعصب میں حق و ناحق کی شناخت بھی نہیں رہتی۔ دہریوں کی صدہا کتابیں ہیں جن میں بظاہر ایسی ایسی باتیں مرقوم ہیں کہ ایک ایسا شخص جس نے کبھی دینی کتابوں کو سمجھ کے نہ پڑھا ہو ضرور دھوکے میں آجائیگا۔ مثلاً بڑے اعتراض ملحدوں کے یہ ہیں "فرضنا اگر خدا نیک ہے تو جب وہ جانتا ہے کہ مخلوق کا بیشتر حصہ تکلیف پائیگا تو اُسنے مخلوق کیوں پیدا کی؟ فرض کیا کہ خدا منصف ہے تو وہ لوگوں کی گنہگاری کی سزا کیونکر دے سکتا ہے جبکہ اُنھوں نے گنہگارانہ مزاج پیدایش سے پایا اور جس میں اُنکی مرضی یا ضرورت کو دخل نہ تھا۔ فرض کیا کہ خدا راستی پسند ہے تو اُس نے گناہ کی کیوں اجازت دی۔ اخیر دنیا میں مصیبت اور برائی کیوں ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا نیک ہو اور پھر بھی دنیا کی مصیبت اور برائی دیکھے اور اُسکے دل پر اثر نہ ہو یہ یقین نہایت ہی ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ خالق یا تو اسقدر بیرحم ہو کہ مخلوق کی مصیبت سے بے پروا ہو یا ایسا کمزور ہو کہ اُسے روک نہ سکے۔ اگر خدا مصیبت روک سکتا ہے اور نہیں روکتا تو وہ نیک نہیں ہے۔ اور اگر روکنا چاہتا ہے اور نہیں روک سکتا تو وہ قادر مطلق نہیں ہے"؟

پھر ایک محقق ملحد یہ لکھتا ہے "دہریہ مذہب میں خدا نہیں ہے۔ دہریہ مذہب یہ نہیں کہتا کہ خدا نہیں ہے وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا خدا سے کیا مراد ہے۔ میں خدا کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ لفظ خدا ایک آواز ہے جو میرے نزدیک صاف اور واضح مطلب نہیں رکھتی۔ میں خدا سے انکار نہیں کرسکتا جو میرے خیال میں نہ آئے اور جس کا تصور خیال کرنیوالے کے نزدیک ایسا ناکمل ہے کہ وہ اُسکی تصریح نہیں کرسکتا۔

پھر ایک اور ملحد لکھتا ہے "دہریہ نہ تو کسی ایسے ظہور کے امکان سے اقرار کرتا ہے نہ انکار جو ان ظہورات سے جدا ہو جس کو انسانی عقل نہ قبول کرے چونکہ کائنات کے بارے میں اُس کا علم محدود ہے اس لیئے وہ اُس شئے کی ہستی سے نہ اقرار کرتا ہے نہ انکار جس کا اسے علم نہیں ہے۔ دہریہ کا مطلب صاف عیاں ہے وہ کہتا ہے مجھے خدا کا علم نہیں اس لیئے میں اُس کا یقین نہیں کرتا۔ پس جو کچھ تم اپنے خدا کے بارے میں کہتے ہو وہ تمھارا بیان ہے اور اسوجہ سے قابل اعتبار نہیں۔ میں خدا سے انکار نہیں کرتا جسکو میں نہیں جانتا۔ میں تمھارے خدا سے انکار کرتا ہوں جو ناممکن ہے۔

پھر ایک اور ملحد لکھتا ہے "میں خدا کا یقین نہیں کرتا۔ میرا دل تلاش کرتا ہے پر ایسی زمین نہیں پاتا جس پر عاقلانہ

اعتقاد کی عمارت تعمیر ہوسکے۔ میرا دل اُس خدائے مطلق کی بے پروائی سے بغاوت کرتا ہے جو وہ ذی روح انسان کی تکلیف کے ساتھ کرتا ہے۔ میرا دل اس ناانصافی بے رحمی اور عدم مساوات سے بغاوت کرتا ہے جو مجھے ہر طرف گھیرے ہوئے ہیں۔ لیکن مجھے انسان اور اسکی قوت کا یقین ہے اور اسکی خدمت کو انسانی فرائض کا جزو اعظم سمجھتا ہوں۔

ایک اور ملحد لکھتا ہے "انسان ایک ایسی شئے ہے جو دنیا میں پیدا ہوتا ہے اور دنیا میں مرجاتا ہے اور اس کے اعمال دنیا ہی میں محدود اور دنیاوی قواعد سے مربوط ہیں۔ زندگی کا مقصد انسان کی جسمانی دماغی اور اخلاقی اصلاح ہے یہ سب چیزیں مادّی ہیں۔

یہ خیالات ہیں جن سے یورپ روز بروز تاریک ہوتا جاتا ہے یہ عجیب استدلال ہے کہ جو بات خیال میں نہ آسکے اُس سے انکار کردیا جائے اور بڑھتے بڑھتے اُسے ناممکنات سے سمجھ لیا جائے۔ چونکہ توحید اور دعا ہم نے لازم و ملزوم قرار دی ہے اس لیئے ہم نے علاوہ اس ملحدانہ تحریر کے جو گزشتہ صفحوں میں گزرچکی یہ خیالات بھی نقل کردیئے۔ جن کا جاننا موجودہ زمانہ میں ضروریات سے ہے۔ دنیا میں کوئی چیز بغیر محنت اور مشقت کے نہیں حاصل ہوتی مگر دہریوں کا اصول موضوعہ یہ ہے کہ بغیر جانفشانی کے باتوں باتوں میں روحانیات کے اسرار کا عالم ہوجانا تجلیات ربّانی جو برسوں کے مجاہدے اور مراقبے کا نتیجہ ہے انھیں بیٹھے بیٹھے حاصل ہوجائے دنیا میں مصیبت اور آفت کا آنا یہ اُنھیں قوانین قدرت پر موقوف ہے جو روز ازل میں خداوند حقیقی مقرر فرما چکا ہے۔ درجہ مساوات کا نہ دنیا میں قائم ہونا خالق برحق کے رحم اور انصاف پر دلالت کرتا ہے کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک شخص نے راتوں کو جاگ جاگ کے اور دو دو چراغ پی پی کے علم تحصیل کیا۔ اور دوسرے شخص نے بے شغلی میں اپنی زندگی بسر کی اور پھر وہ دونوں برابر ہوجائیں جو مصیبت ہم پر آتی ہے ہمارے اعمال سے ہم ہی اپنے لیئے آسایش کے سامان مہیّا کرسکتے ہیں اور ہم ہی اپنے لیئے مصیبت مول لے سکتے ہیں ہمارا یہ مذہب ہے کہ ہماری مصیبتیں دعاؤں سے رفع ہوسکتی ہیں اور اسکے یہ معنی ہیں کہ جب ہم سخت پشیمانی اور شرمندگی سے اپنی غلط کاریوں اور فراموشیوں کا اقرار کرکے اُسکی معافی اپنے معبود برحق کے آگے مانگیں گے تو فطری طور پر انسان جب دل سے اپنی خطا کی معافی مانگتا ہے اُسے نہیں کرتا تو پھر ہمیں اُن آفتوں سے جو ہم پر چھا رہی ہیں نجات ہوجائے گی۔ اسی کو استجابت کہتے ہیں اور یہی گویا روحانی مدارج پر پہنچنے کی پہلی سیڑھی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کا تصور ناممکن ہے۔ انسان اُس کے اندازہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسکی قوتیں جواب دیدیتی ہیں۔ اگر انسان اُس کا تصور نہ کرسکے تو کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نہیں ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا کی ہستی سے انکار کرنا اپنی قوت متخیلہ کی حد سے تجاوز کرجانا ہے۔ یہ بھی عجیب مہمل بات ہے کہ جب خدا جانتا تھا کہ مخلوق کا بیشتر حصہ تکلیف پائیگا تو اُس نے مخلوق کیوں پیدا کی۔ یہ محض غلط ہے کہ مخلوق کا بیشتر حصہ تکلیف پاتا ہے مگر جب اُس کا تکلیف پانا خود اُسی کے اعمال کی وجہ سے ہے پھر اس میں خدا پر کیا الزام آسکتا ہے ہاں بُرے بھلے کے سمجھنے کی انسان میں قوت نہ ہوتی تو بیشک یہ اعتراض ہوسکتا تھا اور جب اسمیں حق و ناحق اور بد و نیک کے سمجھنے کا ادراک موجود ہے پھر مصیبت کی شکایت کیسی یہ دہریت کوئی نئی نہیں ہے ابتدائے زمانہ سے ہوتی چلی آئی ہے اور ہمیشہ

ان خیالات کو شکست ملی ہے دہریئے جسے فطرت کہتے ہیں اور جسے محیط کائنات اور قادر مطلق تسلیم کرتے ہیں وہ فطرت کیا چیز ہے؟ کیونکر پیدا ہوئی؟ اُس کا گھر کہاں ہے؟ اور وہ کیونکر زندہ ہے؟ اُس میں کوئی ادراک بھی ہے یا نہیں ہے؟ تو کہاں سے پیدا ہوا اور نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے۔ یہ سوالات ہیں جو ہم نے چند دہریوں کو لنڈن بھیجے تھے مگر جواب کچھ نہ ملا سوائے اسکے کہ یہ باتیں انسانی عقل میں نہیں آسکتیں۔

دعا کی کیفیت سمجھنا اُس ایمان پر منحصر رہے جو خدائے واحد پر ہو۔ زبانی ایمان نہو بلکہ دل سے ہو۔ ہم زبان سے کہتے ہیں کہ خدائے مطلق پر ہمارا ایمان ہے اور وہ قادر مطلق ہے اور سمیع و بصیر ہے۔ مگر دل قبول نہیں کرتا۔ لاکھوں میں ایک مشکل سے ایسا نکلے گا جس کا دل بھی خدائے برحق کی اُن صفات کی شہادت دیتا ہو اور سمجھتا ہو کہ میرے ہر کام کو خداوند کریم دیکھتا ہے۔ ہم ناشائستہ افعال کے مرتکب ہوتے ہیں اور ہمیں اس کا خیال بھی نہیں گزرتا کہ خلاق اکبر دیکھ رہا ہے۔ جب ہم ایک ذی شخص کے آگے اس قسم کا کوئی فعل نہیں کرسکتے پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ خدا کو حاضر و ناظر سمجھکے وہ فعل کرینگے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خدا کا اقرار کرنا محض زبانی جمع خرچ ہے دل میں مطلق اُس کا اثر نہیں اور جب دل میں اثر نہیں تو پھر ہم کس مُنہ سے اپنی حاجتیں اُسکے حضور لیجا سکتے ہیں عموماً یوں بیان کیا جاتا ہے کہ تمام عمر ناک رگڑ رگڑ کے مرگئے مگر ایک دن بھی دعا قبول نہیں ہوئی یہ محض غلط ہے۔ یہ اُس ذات پاک پر الزام قائم کیا جاتا ہے اُس سے کبھی دعا نہیں کی گئی وہ اپنے وعدہ میں سچا ہے جو پکارتا ہے جواب دیتا ہے اور جو شخص چاہتا ہے وہ ہوجاتا ہے۔ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی بیہودگیوں سے دعا اور اُسکے منشا کو بالکل بدل رکھا ہے انھیں اس بات کا خیال نہیں کہ ہم کس وحدہٗ لاشریک ذات پر الزام قائم کرتے ہیں اور کس کا مضحکہ اُڑاتے ہیں۔ یہ شانِ اسلام ہرگز نہیں ہے اور خدا جانتا ہے کہ ضرور ایسے لوگ قیامت کے دن جواب دہ ہونگے۔

انسانی فطرت میں دعا کی کیفیت ودیعت ہوئی ہے اور اس سے کوئی دہریہ اپنے اصولِ موضوعہ سے بھی انکار نہیں کرسکتا جب انسان صبح سے شام تک محنت کرتا ہے اور اپنی آیندہ کامیابی کے لیے خون پسینہ ایک کرتا ہے تو اِس محنت کے درمیان یا اُس کے بعد جو حالت اُسکے دل کی از خود بغیر کسی تحریک کے پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مجھے اپنی محنت کا پھل ملے اور وہ محض فطری طور پر اس خواہش کا اظہار کرتا ہے اور اُس کا یہ اظہار کرنا قانون قدرت کے مطابق ہے یہ اظہار یا یہ خواہش یا یہ آرزو کیا ہے وہی دعا ہے جسکی نسبت کہا گیا ہے کہ ہم قبول کرتے ہیں۔ کس کی محنت دنیا میں برباد ہوجاتی ہے اور کون شخص اپنی کوشش کا پھل نہیں پاتا۔ بعض اوقات ناکامی بھی ہوجاتی ہے اور یہ ناکامی بڑھتے بڑھتے محنت یا سعی میں سست پے کردیتی ہے اور یہ سست پے ہونا بڑھتے بڑھتے خطرناک حالت میں پہنچا دیتا ہے خدا تعالیٰ کی لازوال قوتوں کے خیال میں کمزوری پیدا ہوجاتی ہے اور یہ کمزوری زیادہ ہوتے ہوتے خودکشی پر آمادہ کردیتی ہے اور اخیر کمزور انسان خلاف مرضی باریتعالیٰ قبل از وقت دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔ اور اس رخصت ہونے کو عرفاً خودکشی کہتے ہیں۔ ایسی خطرناک حالت سے بچانے کے لیئے شارع اسلام نے یہ فرمایا ہے کہ اگر دعا قبول نہ ہو سمجھ لو کہ تمہارے لیے کوئی اعلیٰ درجہ کی خیر خزانہ خداوندی میں مضمر ہے۔ اور وہ کبھی نہ کبھی ملے گی۔ یہ خیال انسان کو خودکشی سے باز رکھ لیتا ہے اور اس سے بہتر حکمت کی تعلیم نہیں ہوسکتی۔ اس کے مقابل میں ایک ملحد کو دیکھو۔ اُسکے اُصول

موضوعہ ہر حالت میں اُسکی رہنمائی کرتے ہیں اور وہ اُصول موضوعہ بلحاظ اپنی قوت کے ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ جبتک اُن میں ادراک اور فہم سلیم کی قوت ہے انسان بہت خوش رہتا ہے اور جہاں اُن اصولِ موضوعہ میں کمی آگئی بس پھر ملحد کی جان کی خیر نہیں ہے اور وہ اُسے نہایت ہی ناکام حالت میں مایوس مار ڈالتے ہیں۔

جو کچھ ہمنے دعا کی نسبت لکھا ہے اور اُسے ایک فطری کیفیت انسان کی ثابت کی ہے اس کے لیے ہمیں کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ ساری بدیہی باتیں ہیں اور ایسی بدیہی ہیں جس طرح چاند اور سورج۔ یہ کبھی اتفاق ہی نہیں ہوتا کہ کوئی شخص اپنی فطرت کے خلاف کسی چیز کی خواہش کرے ایک مزدور ہمیشہ اپنی مزدوری کے لیئے دعا کرتا ہے کہ چار آنہ چھ آنے ملنے لگیں ایک مصنف ہمیشہ اپنی تصانیف کی مقبولیت کی دعا مانگتا ہے ایک بادشاہ ہمیشہ اپنی وسعت سلطنت کی خواہش رکھتا ہے مگر اس قسم کی تمام دعائیں اُسوقت مقبول ہوتی ہیں جب دعا مانگنے والے اپنی کامیابی میں کوشش بھی کرتے رہیں کیونکہ اگر اُنھوں نے کوشش نہیں کی اور یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھکے دعا مانگی تو سمجھنا چاہیئے کہ اُنھوں نے کفرانِ نعمت کیا اور اُن قوتوں کو معطل کر دیا جن قوتوں کی وجہ سے وہ اشرف یعنی کائنات کا سردار بنا یہ دعا نہیں بلکہ ایک قسم کی سخت سوءِ ادبی اور خیرہ چشمی ہے جو جاہل اور ظالم انسان اپنے معبود برحق کی کرتا ہے دعا کے معنے مانگنے اور اجابت یا استجابت کے معنی مراد مانگنے والے کی مراد کو پورا کر دینا۔ منتہی الارب میں جو بطور ترجمۂ قاموس کے ہے یہی معنی لکھے ہیں "اجاب اللہ دعائہ" یعنی قبول کی خدا نے اُسکی دعا۔ قرآن مجید میں سورۂ انبیا میں آیا ہے ونوحًا اذ نادیٰ من قبل فاستجبنا لہ فنجینٰہ واھلہ من الکرب العظیم یعنی لوگوں کو نوح کا واقعہ یاد دلاؤ جب اُنھوں نے ہمیں پکارا اور یہ بہت پہلے کا واقعہ ہے تو ہمنے اُنکی سُن لی اور اُن کو اور اُنکے ساتھ کے لوگوں کو بڑی سختی سے نجات دی۔ اِس صریح قول خدا سے کون انکار کر سکتا ہے حضرت نوح ایک برگزیدہ بندے تھے اور وہ بندے جن کے دل پر مطابق قانون فطرت کے تجلیات ربانی چھا رہی تھیں اول اُن کا بطور خود اُن عقلی قوی سے کام لینا جو اُن میں بحیثیت ایک انسان کے ودیعت ہوئے تھے یعنی ناؤ کا اہتمام کرکے اُس میں سوار ہونا اور پھر خدائے برحق کے حضور میں اپنی اس تدبیر اور عقل کو محض فضول سمجھکر دست بدعا ہونا کہ میں نے تدبیر تو سب کر لی ہے مگر بچانے والا تو ہی ہے یہ خاص دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ پہلے اپنی عقل اور تدبیر سے کام لینا چاہیئے اور پھر خدائے مطلق کے حضور اپنی التجا ئیں جانی چاہیئے۔

مزدور جبتک مزدوری نہ کریگا کیونکر اُسکی ترقی کی دعا مانگ سکتا ہے۔ ایک شخص جب تصنیف نکریگا کیونکر اپنی تصنیف کی مقبولیت عامہ کی دعا مانگ سکتا ہے۔ بادشاہ جب بادشاہ ہے تو اپنی سلطنت کی وسعت کی دعا کریگا اور جب اُسے سلطنت ہی حاصل نہیں ہے پھر وہ کس کی وسعت کی دعا مانگے گا۔ اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی ہی نہ بناتے اور اُس پر سوار ہی نہ ہوتے کیونکر پانی سے نجات پانے کی دعا کر سکتے تھے اسی طرح اس آیت میں ہے رب ھب لی من الصالحین فبشرنا ہ بغلام حلیم یعنی ہم نے صاحب علم لڑکے کی اُسے بشارت دی اس آیت سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیٹے کی بشارت اُسی وقت دی گئی ہے جب خاوند اور بیوی موجود ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی دعا ایسی حالت میں کی جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتے تھے اگر یہ بات

نہ ہوتی تو آپ کبھی دعا نفرماتے۔ بغیر اسباب اور محنت کے دعا نہیں ہو سکتی۔ یہ انتہا درجہ شانِ عبودیت ہے
کہ انسان اپنے قوائے ذہنی اور جسمانی سے کام لینے کے بعد اُسکی کامیابی اور نتیجہ کو اپنے معبود برحق پر چھوڑتا ہے
اپنی عقل اور محنت پر گھمنڈ نہیں کرتا اور اپنے کو اور اپنی محنت کو لاشے محض سمجھتا ہے۔

جو کچھ ہمنے دعا کی حقیقت بیان کی ہے وہ ایک لاثانی حقیقت ہے جسے غور سے پڑھنے کے بعد معلوم ہو گا کہ
ہم نے دعا میں وہ تحقیق کی ہے کہ اور مفسروں کے خیال میں نہیں آئی تو بھی ہم امام غزالی علیہ الرحمۃ کی انتہا
درجہ تعریف کرتے ہیں کہ اُنھوں نے جو کچھ دعا کی نسبت لکھا ہے وہ قریب قریب ہمارا سا بیان ہے اگرچہ ہمارے
بیان میں علوم جدیدہ کا زیادہ رنگ ہے اور محض واقعات اور فطرت انسانی سے ہم نے بحث کی ہے اور یہ باتیں
قدیم زمانہ میں نہ تھیں جو کچھ ہمنے دعا کی نسبت لکھا ہے اور جو کچھ ہمارے امام صاحب نے تحریر فرمایا ہے موازنہ کرنے
سے خود معلوم ہو جائیگا۔ امام صاحب فرماتے ہیں ثم فی الدعاء من الفائدۃ ما ذکرناہ فی الذکر بانہ یستدعی حضور
القلب مع اللہ تعالیٰ وھو منتھی العبادات والعبادات والغالب علی الخلق انہ لا تنصرف قلوبھم الی ذکر اللہ تعالیٰ
الا عند المام حاجۃ وارھاق ملمۃ فان الانسان اذا مسہ الشر فذو دعاء عریض فالحاجۃ تحوج الی الدعاء والدعاء
یرد القلب الی اللہ عز وجل بالتضرع والاستکانۃ فیحصل ھذا الذکر الذی ھو اشرف العبادات ولذلک صار البلاء موکلا
بالانبیاء علیہ السلام ثم الاولیاء ثم الامثل فالامثل لانہ یرد القلب بالافتقار والتضرع الی اللہ عز وجل ویمنع من نسیانہ
واما الغنی فسبب البطر فی غالب الامور فان الانسان لیطغی ان راہ استغنی ترجمہ یعنی دعا میں وہ فائدہ ہے
جسکا ذکر ہم نے ذکر کے باب میں کیا ہے۔ دعا بیشک حضور قلب کو خدائے تعالیٰ کے ساتھ چاہتی ہے اور یہ حضور ہی
منتہائے عبادت ہے اسی سبب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دعا مغز عبادت ہے اور مخلوق کا غالب
احوال یہ ہے کہ ان کے دل خدائے عزوجل کیطرف رجوع نہیں کرتے ہاں جب اُن پر سختی پڑتی ہے اور اُنہیں
کوئی حاجت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے وہ بڑی لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے
پس حاجت حاجتمند کرتی ہے دعا کی طرف اور دعا دل کو اللہ عزوجل کیطرف عاجزی اور تذلل کے ساتھ رجوع کرتی
ہے پس حاصل ہوتی ہے خدا کی یاد جو اشرف عبادات ہے اور اسی سبب سے بلا انبیاء پر پھر اولیاء پر پھر درجہ
بدرجہ موکل ہوتی ہے اس لیئے کہ وہ دل کو احتیاج اور عاجزی سے اللہ عزوجل کیطرف رجوع کراتی ہے اور یاد
خدا کے فراموش کرنے اور تونگری سے جو مال کی مستی کیوجہ سے ہوتی ہے مانع آتی ہے۔ بیشتر اوقات اللہ تعالیٰ نے
فرمایا ہے کہ انسان جب اپنے کو غنی دیکھتا ہے تو سرکشی کرتا ہے۔ فقط

یہ ہے دعا کی حقیقت جو ہمارے فاضل امام اور رکن شریعت غرا نے تحریر فرمائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ خدا کے
حضور پوری عبودیت کی شان سے حاضر ہونا اس سے زیادہ اشرف عبادت نہیں ہو سکتی۔ رو کے اور زاری کر کے
اپنی بے بضاعتی اور نالائقی کا اقرار کرنا اور اپنی ادنیٰ اور ذلیل ترین حالت پر آٹھ آٹھ آنسو بہانا سچی عبودیت اور
بندگی ہے۔ رونا جب دل سے ہوتا ہے قوت دیتا ہے دل کی ربانی قوت کو اور صاف کر دیتا ہے اُن کدورتوں کو
جو دل پر جمی ہوئی ہوتی ہیں جو دل سے رویا ہے وہ اس کی لذت سے پورا واقف ہے اپنے معبود حقیقی کے حضور

زار زار رونا اور آہ و زاری کرنا ایک عجیب برکت ہے جو خاص اُنھیں بندگان خدا کا حصہ ہے جنھوں نے کوچہ معرفت اور حقیقت کی سیر کی ہے۔ ایک شب کی سچی زاری سے خود اس عاجز نے مدینۂ منورہ میں حضور فخر موجودات سرور دو جہاں احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کری جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب سیرۃ محمدیہ میں کر دیا ہے۔ رونا اور وہ بھی اپنی بد کرداریوں اور غلط کاریوں پر رونا خود حضور خداوندی میں سفارشی بن جاتا ہے مولانا قدس اللہ اسرارہٗ فرماتے ہیں۔

چون بگریانم بجوشد رحمتم — آن فروشنده نیوشد نعمتم
رحمتم موقوف آن خوش گریہ ہاست — چون گریست از بحر رحمت موج خاست
تانگرید ابر کے خندد چمن — تانگرید طفل کے جوشد لبن

اسی طرح ابن عطا اسکندری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب حکم میں لکھا ہے ما طلب عنائ شئ مثل الاضطرار ولا اسرع بالمواھب مثل الذل والافتقار یعنی مثل اضطرار کے تو نے کسی چیز کو نہیں چاہا اور مثل عاجزی و محتاجی کے جو بخشایش کی جلد تر موجب ہو۔ ابو عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں العبودیۃ الرجوع الی اللہ تعالیٰ فی کل شئ علی احد الاضطرار وفیہ ایضاً خاصیۃ اجابۃ الدعاء قال اللہ تعالیٰ امن یجیب المضطر اذا دعاہ والاضطرار المطلوب منہ ان لا یتوھم العبد من نفسہ شیئا من الحول والقوۃ ولا یری لنفسہ شیئا من اسباب یعتمد علیہ سیتندالیہ ویکون کالغریق فی البحر والضال فی البتۃ القفر لا یری لغیاثہ الا مولاہ ولا یرجو لنجاۃ عن ھلکۃ احداً سواہ" یعنی عبودیت کے معنے حد الاضطرار کے ساتھ ہر کام میں خدا کی طرف رجوع کرنا ہے اور اضطرار میں دعا کے قبول ہونے کی بھی خاصیت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ کون ہے جو مضطر کی جب وہ دعا کرتا ہے قبول کرتا ہے اور اضطرار جو بندہ سے مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اپنی طاقت اور قوۃ کا اپنے دل میں کچھ وہم بھی نہ کرے اور اپنے حق میں کسی اعتماد اور سبب کو نہ دیکھے کہ اُس پر تکیہ کرے اور ہو مثل غریق کے سمندر میں اور مثل بھٹکے ہوئے کے جنگل میں کہ بجز اپنے مولا جلشانہٗ کے کسی فریادرس کو نہ دیکھتا ہو اور سوائے خدائے تعالیٰ کے اپنی نجات کی ہلاکت سے کسی سے اُمید نہ رکھتا ہو" جو ہم نے لکھا ہے سب کا یہی مدعا ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکتا ہے کہ جب اُس نے دعا مانگی اُس کے دل اور زبان کی ایک حالت تھی۔ کون ہے جو زبان سے تو مشکل کشا کہتا ہے مگر اس کا دل زبان کی صداقت کی شہادت دیتا ہے۔ ہمارا جو کچھ عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص چاہے جو کچھ دعا کرے بشرطیکہ وہ دل میں یہ یقین رکھتا ہو کہ میری دعا قبول ہوگی اور خدا قادر مطلق ہے ضرور اُسکی دعا قبول ہوگی۔ مگر نہیں یہ فطرت انسانی کے خلاف ہے کہ وہ خدا کی قدرت کا خفیف سا بھی اندازہ کر سکے وہ کیونکر ایسا یقین کر سکتا ہے اور اس قسم کی دعا مانگ سکتا ہے جو اُسکی ہستی کے خلاف ہو۔ ایک آرزومند باپ ہمیشہ اپنے لڑکے کے سعادتمند ہونیکی دعا کرے گا نہ اُسکی نبوت کے لیئے دعا مانگے گا۔ ایک بے اولادی عورت سعادتمند عمر والے بچہ ہونے کی دعا مانگے گی ساتھ ہی اُسکے یہ دعا نہ کریگی کہ میرے ہاں بچہ بھی پیدا ہو اور ہو کے وہ بادشاہ ہو جائے۔ خدا کے خزانہ میں تو کچھ کمی نہیں ہے اُس سے جو کچھ مانگو دیگا مگر اصل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی حضوری ہزار دولتوں اور ہزار بادشاہوں سے بزرین و

واعلیٰ ہے کون ایسا نادان ہے جسے دیدار باری تعالیٰ نصیب ہو اور وہ پھر ذلیل اور فانی چیزوں کی خواہش کرے
اور جسکے دل میں ایسی چیزوں کے خواہش کرنے کا مادہ ہے وہ ہرگز حضور خداوندی میں نہیں حاضر ہو سکتا دعا
جو واقعی مغز عبادات ہے عجیب و غریب بندگی ہے خدا ہی جانتا ہے اسکی لذت کیسی ہے۔

آؤ اور نہایت خلوص اور سچی عقیدت سے ایک ہی بار اللہ کا نام لو پھر تجلیات ربانی کو دیکھو اور اس وقت غور کرو
کہ تمھارے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے خیالات میں صفائی اور بلند پروازی کتنی پیدا ہو جاتی ہے آنکھوں میں نور
اور نور کسقدر کوٹ کوٹ کے بھر جاتا ہے۔ اللہ کا نام لیتے ہیں مگر دل پر اُس کا کچھ اثر نہیں ہوتا قرآن پڑھتے
ہیں مگر طوطے کی طرح اول تو معنے ہی نہیں سمجھتے اور سمجھتے بھی ہیں تو دل کو کچھ خبر نہیں ہوتی ہزاروں قسمیں کھا
جاتے ہیں مگر ذرا بھی خوف نہیں آتا کہ ہم کس ذات قادر مطلق وحدہ لاشریک کو نہایت نالائقی اور سوء ادبی سے ہر بار
اپنی ضمانت میں دیتے ہیں اور افسوس ہے وہ ضمانت میں دینا بھی محض زبانی ہوتا ہے دل سے کچھ تعلق نہیں۔ تمام عمر
نمازیں پڑھتے گزر جاتی ہے مگر تمام زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہوا جس میں سچے دل سے ایکبار بھی خدا کا نام
نکلا ہو۔ جب ہم کسی ایسے شخص کا نام لیتے ہیں جو دنیا کی حیثیت سے ہم سے زیادہ ہو یا اسکی حکومت جزوی طور پر ہم پر
ہو اور ہم اُس کا نام لیں تو یکایک اثر ہمارے دل پر ہوتا ہے اور ہمیں خیال ہوتا ہے کہ ہم اُس کا ادب سے نام لیں مبادا
کوئی لفظ خلافِ شان زبان سے نکلجائے اور اُس تک کوئی خبر پہنچ جاوے اور پھر وہ ہمیں کوئی نقصان پہنچائے
مگر وائے بر حالِ ما کہ ہم یہ بھی کہتے جاتے اور عقیدہ رکھتے جاتے ہیں کہ خدا علیم و بصیر ہے اور پھر وہ فعالِ
شنیعہ کرتے ہیں کہ جانوروں ہی کو سزاوار ہیں۔ غیبت ہم کرتے ہیں شراب ہم پیتے ہیں۔ زنا ہم کرتے ہیں سب سے زیادہ حق
العباد میں ہم دست اندازی کرتے ہیں اور ایک بے یار و مددگار مظلوم معصوم کا چھری سے ہم گلا کاٹتے ہیں اور اُف
تک نہیں کرتے یہ ہماری حالت ہے اور یہ ہمارے افعال ہیں کہ شیطان بھی شرم کرتا ہے اور پھر ہماری نادانی حماقت
اور سخت گستاخی دیکھو کہ ہم ان افعال شنیعہ اور افعالِ خبیثہ کے مرتکب ہو کے خدائے مطلق و واحد کے حضور جاتے ہیں
اور اُس سے وہ آرزو کرتے ہیں جو نہ صرف ہمارے حق میں ہم قاتل ہو بلکہ اُس سے کئی بیگناہ بھی برباد ہوتے ہوں
اور جب ہماری وہ دعا قبول نہیں ہوتی تو خالق حقیقی پر الزام رکھتے ہیں اور بطور مضحکہ دعا و استجابت دعا کی ہنسی تاویلیں
کرنے لگتے ہیں اور زبان سے کبھی کبھی کفر آمیز کلمے بھی کہتے ہیں یہ ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں ہماری دعا قبول نہیں
ہوتی اور یہ ہیں وہ بد باطن جو خدا اور اُس کے نبی کے وعدوں کا بطلان کرتے ہیں۔ آہ اے ہماری ضعیفی قلب اور بد باطنی
آہ تو نے ہمیں کیسا ذلیل کر دیا اور خبر نہیں تو ہمیں کہاں تک ذلت و گمراہی کے کانٹوں میں گھسیٹے گی۔ جو کچھ دعا کی
اصلی حقیقت تھی وہ ہم لکھ چکے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایک پہلو بھی ہم نے اُس کا فروگزاشت کیا ہے مختصر یہ ہے کہ
دعا چونکہ مغز عبادت ہے اس لیئے توحید کے ساتھ اس کا لازمی ہونا ضروری ہے۔ توحید و دعا گویا تو لازم و ملزوم
ہیں یا اگر ایک گہری نظر کرو تو دونوں مترادف الفاظ ہیں اگرچہ اُنکے ظاہری معنی الگ الگ ہیں مگر اُن کے باطنی
مفہوم ملے ہوئے ہیں اور اُن میں کچھ بھی فرق نہیں ہے اُسکا موحد ہونا مشکل ہے جو سچا دعا مانگنے والا نہ ہو اور جو
سچائی اور خلوص سے دعا کرنیوالا ہے اُس کا موحد ہونا لازمی ہے۔ دعا اور توحید دو سر چشمے ہیں جن میں سے معرفت

زار زار رونا اور آہ و زاری کرنا ایک عجیب برکت ہے جو خاص اُنھیں بندگان خدا کا حصہ ہے جنھوں نے کوچۂ معرفت اور حقیقت کی سیر کی ہے۔ ایک شب کی سچی زاری سے خود اس عاجز نے مدینۂ منورہ میں حضور فخر موجودات سرور دو جہاں احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کرلی جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب سیرۃ محمدیہ میں کردیا ہے۔ رونا اور وہ بھی اپنی بدکرداریوں اور غلط کاریوں پر رونا خود حضور خداوندی میں سفارشی بن جاتا ہے مولٰینا قدس اللہ اسرارہٗ فرماتے ہیں۔

چوں بگریانم بجوشد رحمتم		آن فروشندہ نیوشد نعمتم
رحمتم موقوف آن خوش گریہ ہاست		چوں گرست از بحر رحمت موج خاست
تا نگرید ابر کے خندد چمن		تا نگرید طفل کے جوشد لبن

اسی طرح ابن عطا اسکندری شاذلی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب حِکم میں لکھا ہے ما طلب منك شئ مثل الاضطرار ولا اسرع بالمواهب مثل الذل والافتقار یعنی مثل اضطرار کے تو نے کسی چیز کو نہیں چاہا اور مثل عاجزی و محتاجی کے جو بخشایش کی جلد تر موجب ہو۔ ابو عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں العبودية الرجوع الى الله تعالى فى كل شئ على احد الاضطرار دو فيه ايضا خاصية اجابة الدعاء قال الله تعالى امن يجيب المضطر اذا دعاه والاضطرار المطلوب منه ان لا يتوهم العبد من نفسه شيئا من الحول والقوة ولا يرى لنفسه شيئا من الاسباب يعتمد عليه ويستند اليه ويكون كالغريق فى البحر والضال فى البرية القفر لا يرى لغياثه الا مولاه ولا يرجو لنجاة عن هلكة احدا سواه " یعنی عبودیت کے معنے حد الاضطرار کے ساتھ ہر کام میں خدا کی طرف رجوع کرنا ہے اور اضطرار میں دعا کے قبول ہونے کی بھی خاصیت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ کون ہے جو مضطر کی جب وہ دعا کرتا ہے قبول کرتا ہے اور اضطرار جو بندہ سے مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ بندہ اپنی طاقت اور قوۃ کا اپنے دل میں کچھ وہم بھی نہ کرے اور اپنے حق میں کسی اعتماد اور سبب کو نہ دیکھے کہ اس پر تکیہ کرے اور ہو مثل غریق کے سمندر میں اور مثل بھٹکے ہوئے کے جنگل میں کہ بجز اپنے مولا جلشانہٗ کے کسی فریاد رس کو نہ دیکھتا ہو اور سوائے خدائے تعالیٰ کے اپنی نجات کی ہلاکت سے کسی سے اُمید نہ رکھتا ہو" جو ہم نے لکھا ہے سب کا یہی مدعا ہے۔ کون ہے جو دعویٰ کر سکتا ہے کہ جب اُس نے دعا مانگی اُس کے دل اور زبان کی ایک حالت تھی۔ کون ہے جو زبان سے تو مشکل کشا کہتا ہے مگر اس کا دل زبان کی صداقت کی شہادت دیتا ہے۔ ہمارا جو کچھ عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص چاہے جو کچھ دعا کرے بشرطیکہ وہ دل میں یہ یقین رکھتا ہو کہ میری دعا قبول ہوگی اور خدا قادر مطلق ہے ضرور اُسکی دعا قبول ہوگی مگر نہیں یہ فطرت انسانی کے خلاف ہے کہ وہ خدا کی قدرت کا خفیف سا بھی اندازہ کرسکے وہ کیونکر ایسا یقین کر سکتا ہے اور اس قسم کی دعا مانگ سکتا ہے جو اُسکی ہستی کے خلاف ہو۔ ایک آرزومند باپ ہمیشہ اپنے لڑکے کے سعادتمند ہونیکی دعا کرے گا نہ اُسکی نبوت کے لیئے دعا مانگیگا۔ ایک بے اولادی عورت سعادتمند عمر والے بچہ ہونے کی دعا مانگے گی ساتھ ہی اُسکے یہ دعا نہ کریگی کہ میرے ہاں بچہ بھی پیدا ہو اور ہو کے وہ بادشاہ ہو جائے۔ خدا کے خزانہ میں تو کچھ کمی نہیں ہے اُس سے جو کچھ مانگو دیگا مگر اصل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی حضوری ہزار دولتوں اور ہزار بادشاہوں سے بڑ ترین و

واعلیٰ ہے کون ایسا نادان ہے جسے دیدار باری تعالیٰ نصیب ہو اور وہ پھر ذلیل اور فانی چیزوں کی خواہش کرے اور جسکے دل میں ایسی چیزوں کے خواہش کرنے کا مادہ ہے وہ ہرگز حضور خداوندی میں نہیں حاضر ہو سکتا دعا جو واقعی مغز عبادات ہے عجیب و غریب بندگی ہو خدا ہی جانتا ہے اسکی لذت کیسی ہے۔

آؤ اور نہایت خلوص اور سچی عقیدت سے ایک ہی بار اللہ کا نام لو پھر تجلیات ربانی کو دیکھو اور اس وقت غور کرو کہ تمہارے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے خیالات میں صفائی اور بلند پروازی کتنی پیدا ہو جاتی ہے آنکھوں میں نوت اور نور کسقدر کوٹ کوٹ کے بھر جاتا ہے۔ اللہ کا نام لیتے ہیں مگر دل پر اُس کا کچھ اثر نہیں ہوتا قرآن پڑھتے ہیں مگر طوطے کی طرح اول تو معنے ہی نہیں سمجھتے اور سمجھتے بھی ہیں تو دل کو کچھ خبر نہیں ہوتی ہزاروں قسمیں کھا جاتے ہیں مگر ذرا بھی خوف نہیں آتا کہ ہم کس ذات قادر مطلق وحدہ لا شریک کو نہایت نالایقی اور سوء ادبی سے ہر بار اپنی ضمانت میں دیتے ہیں اور افسوس یہ ہو وہ ضمانت میں دینا بھی محض زبانی ہوتا ہو دل سے کچھ تعلق نہیں۔ تمام عمر نمازیں پڑھتے گزر جاتی ہے مگر تمام زندگی میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہوا جس میں سچے دل سے ایکبار بھی خدا کا نام نکالا ہو۔ جب ہم کسی ایسے شخص کا نام لیتے ہیں جو دنیا کی حیثیت سے ہم سے زیادہ ہو یا اسکی حکومت جزوی طور پر ہم پر ہو اور ہم اُس کا نام لیں تو یکایک اثر ہمارے دل پر ہوتا ہے اور ہمیں خیال ہوتا ہو کہ ہم اُس کا ادب سے نام لیں مبادا کوئی لفظ خلاف شان زبان سے نکلجائے اور اُس تک کوئی خبر پہنچاوے اور پھر وہ ہمیں کوئی نقصان پہنچائے مگر وائے برحال ما کہ ہم یہ بھی کہتے جاتے اور عقیدہ رکھتے جاتے ہیں کہ خدا علیم و بصیر ہے اور پھر وہ افعال شنیعہ کرتے ہیں کہ جانوروں ہی کو سزاوار ہیں۔ غیبت ہم کرتے ہیں شراب ہم پیتے ہیں۔ زنا ہم کرتے ہیں سب سے زیادہ حق العباد میں ہم دست اندازی کرتے ہیں اور ایک بے یار و مددگار مظلوم معصوم کا چھری سے ہم گلا کاٹتے ہیں اور اُف تک نہیں کرتے یہ ہماری حالت ہو اور یہ ہمارے افعال ہیں کہ شیطان بھی شرم کرتا ہے اور پھر ہماری نادانی حماقت اور سخت گستاخی دیکھو کہ ہم ان افعال شنیعہ اور افعال خبیثہ کے مرتکب ہو کے خدائے مطلق و واحد کے حضور جاتے ہیں اور اُس سے وہ آرزو کرتے ہیں جو نہ صرف ہمارے حق میں سم قاتل ہو بلکہ اُس سے کئی بیگناہ بھی برباد ہوتے ہوں اور جب ہماری وہ دعا قبول نہیں ہوتی تو خالق حقیقی پر الزام رکھتے ہیں اور بطور مضحکہ دعا و استجابت دعا کی نئی نئی تاویلیں کرنے لگتے ہیں اور زبان سے کبھی کبھی کفر آمیز کلمے بھی کہتے ہیں یہ ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں ہماری دعا قبول نہیں ہوتی اور یہ ہیں وہ بد باطن جو خدا اور اُس کے نبی کے وعدوں کا بطلان کرتے ہیں۔ آہ اے ہماری ضعیفی قلب و بدباطنی آہ تونے ہمیں کیسا ذلیل کر دیا اور خبر نہیں تو ہمیں کہانتک ذلت و گمراہی کے کانٹوں میں گھسیٹے گی۔ جو کچھ دعا کی اصلی حقیقت تھی وہ ہم لکھ چکے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ ایک پہلو بھی ہم نے اُس کا فروگزاشت کیا ہو مختصر یہ ہے کہ دعا چونکہ مغز عبادت ہو اس لیئے توحید کے ساتھ اس کا لازمی ہونا ضروری ہے۔ توحید و دعا کیا تو لازم و ملزوم ہیں یا اگر ایک گہری نظر کرو تو دونوں مترادف الفاظ ہیں اگرچہ اُنکے ظاہری معنی الگ الگ ہیں مگر اُن کے باطنی مفہوم ملے ہوئے ہیں اور اُن میں کچھ بھی فرق نہیں ہے اُسکا موحد ہونا مشکل ہے جو سچا دعا مانگنے والا نہ ہو اور جو سچائی اور خلوص سے دعا کرنیوالا ہو اُس کا موحد ہونا لازمی ہے۔ دعا اور توحید دو سرچشمے ہیں جن میں سے معرفت

اور حقیقت کی دو نہریں نکلی ہیں خوش قسمت ہیں وہ جنھوں نے آب معرفت کو پیا ہے۔ زیادہ خوش قسمت وہ جنھوں نے بار بار پیا ہے۔ اور سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں وہ جنھوں نے ایک ہی بار سیراب ہو کے پیا ہے کہ پھر دوبارہ اُنھیں پینے کی ضرورت نہیں رہی۔

جس بات سے واقف نہیں ہو اُس کا انکار نہ کرو جس بات کو نہیں جانتے اُسکے جاننے کی کوشش کرو نہیں کوشش کرنا چاہتے تو اُس کا بطلان نہ کرو ملحد ہو یا دہریہ جسے قانون قدرت اور فطرت پکارتا ہے ابھی اُس کا ہی ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں کرسکتا معمولی مثالوں اور واقعات سے پوشیدہ اسرار کا پتہ لگانا اگر ناممکن نہیں تو محال ضرور ہے۔ ابھی انسان ہی میں بہت سی صفات اور جوہر ہیں جن کا پتہ لگانا بہت دور پڑا ہوا ہے جب یہ منزل ہم پوری کر چکیں گے تو پھر خدا ئے تعالےٰ کے اسرار ڈھونڈنے کی باری آئیگی جسے ابھی صدیاں چاہئیں۔ آسمان پر اُڑنا یا بجلی سے کام لینا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے ان دو چار چیزوں سے ہم کائنات کی ایک ایک چیز کا علم کیونکر حاصل کر سکتے ہیں اور اگر ہمنے اپنے خیال میں اُنکی کوئی حالت قائم کی تو پھر اسکی کیا دلیل ہے کہ ہمارا قیاس صحیح ہوگا۔ زمین ہی کے بہت سے حصص کے حالات اس ترقی علوم اور ایجادات میں بھی باقی ہیں اور کیا عجب ہے کہ صدیوں تک ہماری لاعلمی کی یہی کیفیت رہے اُسکے راز وہی خوب جانتا ہے اور بغیر اُسکی رہنمائی کے اپنی عقل سے پتہ لگانا "دماغ بیہودہ پخت وخیال باطل بست" کا حکم رکھتا ہے۔ غرض یہ ہے کہ ہمیں حکم دیا ہے کہ مجھسے دعا مانگو ہمیں اُسکی حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے لیکن جہانتک ممکن ہو ناقص تعمیل نہ ہو بلکہ اُنہی قواعد کے موافق ہو جو اُس نے ہماری فطرت میں ودیعت کیئے ہیں۔ فطری اور طبعی قواعد کی خلاف ورزی کرنی قانون قدرت کی سرتابی ہے اور قانون قدرت کی سرتابی خدا کی سرتابی ہے اور خدا کی سرتابی انسان کی روحانی اور جسمانی ہلاکت کی نشانی ہے۔ ایسی ہلاکت سے جہانتک ہو بچنا چاہیئے۔

آٹھواں باب

روح

دنیا میں کوئی مسئلہ نہیں ہے جس میں اسقدر اختلاف ہو جتنا روح انسانی میں ہے۔ اور حقیقت میں اس مسئلہ میں اختلاف کا ہونا ضروری امر ہے ایک شے جو نہ محسوس ہوتی ہو اور نہ دکھائی دیتی ہو اور جس کا راز کسی نبی نے بھی نہیں بتایا اور نہ الہامی کتب میں اُس کا پتہ ہے اُس میں جسقدر اختلاف ہو تھوڑا ہے باایںہمہ ہر زمانہ اور ہر صدی اور ہر قوم میں اس کی جستجو بہت کچھ رہی کہ روح کیا چیز ہے اِسکی اصل کیا ہے اور اس کے رہنے کی خاص جگہ کونسی ہے۔ ہر حکیم اور فلسفی نے اپنی اپنی رائے اور اپنے مذاق کے مطابق اس کا جواب دیا مگر اُن سب جوابوں کو جمع کرنے کے بعد بھی کوئی بین نتیجہ نہیں نکلتا نہ اُن سے کوئی عاقلانہ پہلو پیدا ہوتا ہے اور نہ سچا اطمینان حاصل ہوتا ہے اسلام نے اگرچہ اس بحث اور گفتگو کو گنجایش نہیں دی پھر بھی بہت سے علماء گزر گئے ہیں جنھوں نے اسکی حقیقت دریافت

کرنیکی کوشش کی ہے اور جہاں تک اُن سے ہوسکا اسکی کنہہ تک پہنچنے کے لیئے اُنھوں نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں کھا اب یہ بات کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے یا نہیں دوسری ہے اور اسکی بابت ہم ابھی کوئی فیصلہ کرنا نہیں چاہتے۔ مضمون تو نہایت ادق اور مشکل ہے پھر بھی ہم ایک حد تک اس کے حل کرنے کی کوشش کرینگے کیا عجب ہے کہ ہم کسی قدر اپنے ناظرِ تفسیر کا اطمینان کر سکیں۔ اور بدقسمتی سے ہم اس میں ناکام بھی ہوگئے پھر بھی اتنا تو ضرور ہوگا کہ ناظر کو حکمائے سابقین اور علمائے اسلام کے اقوال کا موازنہ ہمارے رائے سے کرنے کا موقع ملیگا اور اُنھیں روح کی بابت ایک ذخیرہ ہاتھ لگ جائے گا اور وہ ضرور اختلاف آرا سے کچھ نہ کچھ نتیجہ اپنے مطلب کے لیئے نکال لیں گے۔

مذہبی دنیا میں قدرتی طور پر روح کو کوئی چیز ماننا لازمی قرار دیا گیا ہے کیونکہ تمام ادیان عالم کا دار و مدار صرف روح پر ہے اگر ہم روح کو لاشے محض مانیں تو پھر ہر مذہب کے کل اصول لغو اور باطل ہوجائیں گے اور پھر کسی شخص کو ضرورت نہ رہے گی کہ وہ اپنے کو مذہبی زنجیروں میں جکڑا رکھے اور بلاوجہ آیندہ زندگی کی بیم و رجا کے بھنور میں پھنسائے رکھے وہ محض آزاد ہے چاہے جو کچھ کرے اور چاہے جس آزاد سے آزاد خیال کا پیرو ہو۔

جس طرح قدرت نے انسان کے ساتھ مذہب لازم کر دیا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری قرار دیدیا ہے کہ یہ خاص اُس بسیط جوہر کو بھی مانے جس نے اسے تمام عالم میں اشرف یا بالفاظ دیگر اسے تمام عالم کا سردار بنایا ہے ساتھ ہی اگر ہوسکے تو اُسکی حقیقت کو بھی جانے اور اسکی پروا نہ کرے کہ اُسے کامیاب ہونے میں کتنی صدیاں درکار ہیں کچھ نہ کچھ تفتیش اس امر کی ہر زمانے اور ہر عصر میں ہونی چاہیئے کیا عجب ہے کہ یہ مسئلہ چھنتے چھنتے ایک دن حل ہوجائے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر کے دکھا دیا جائے۔ وہ چیزیں جس پر انسان کے نیک و بد اعمال کے نتائج کا دار و مدار ہے کیوں پس پشت ڈالی جائیں اور وجہ کیا کہ اپنی فہم و فراست سے ایک حد تک کام نہ لیا جائے کوشش کرنی چاہیئے خدا بھی مدد دے گا۔ کسی مسئلہ کو لاینحل سمجھکر اُس سے دست بردار ہوجانا شان انسانیت اور علم سے بعید ہے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ ابھی تک ہمارا ترکیب اجسام ہی کا علم نہایت ناقص اور ناکمل ہے پھر ہم کیونکر روح کی کنہہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ تو بھی ہم روز بروز اُس میں ترقی کرتے جاتے ہیں اور روزمرہ ہمیں کچھ نہ کچھ نئی بات معلوم ہوتی رہتی ہے کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ سوچنے اور غور کرنے کے بعد ہمیں روح کی حقیقت معلوم ہوجائے اور پھر آیندہ زندگی کا مسئلہ ہمیں آنکھوں سے دکھائی دینے لگے اور اسکے بعد طول طویل مباحث کی ہمیں پھر کچھ ضرورت ہی نہ پڑے اس کا تو ہمیں یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن یہ مسئلہ صاف ہوکے رہے گا اور پھر آیندہ زندگی کے تمام شکوک رفع ہوجائیں گے یہ ہم نہیں کہتے کہ کب اور کس صدی میں اس کے حل ہونے کی باری آئے گی یا کے ہزار برس میں جا کے انسان اسکی کنہہ تک پہنچ سکے گا۔

ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ علمائے اسلام کے اقوال نقل کرنے سے پہلے حکمائے یونان وغیرہ کی آرا اس مشکل مسئلہ کی بابت نقل کردیں اور اس پر کچھ رد و قدح نہ کریں صرف اپنے ناظر تفسیر کے مطالعہ کے لیئے چھوڑ دیں تاکہ اُسکے خیال کو وسعت۔ ذہن کو جودت اور عقل میں روشنی پیدا ہو۔ اس کے بعد علما نے اسلام کے اقوال اسی طرح

نقل کرکے پھر بطور خود ذرا البسط کے ساتھ اس مسئلہ میں بحث کریں گے۔

روح کی نسبت حکمائے قدیم نے چار سوال کیے ہیں (۱) روح حقیقت میں کیا چیز ہے؟ (۲) یہ کہاں رہتی ہے؟ (۳) اس کا منبع کیا ہے؟ (۴) اور موت کے بعد اسکی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ بعض حکماء کا تو یہ خیال ہے کہ قلب خود روح ہے اور یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں۔

(۱) امپی ڈوسلس کہتا ہے روح اُس خون کا نام ہے جو دل کی رگوں میں دوڑتا ہے۔

(۲) بعض کا یہ خیال ہے کہ دماغ کے ایک خاص حصہ کو روح کہتے ہیں۔

(۳) اکثر حکماء کا یہ مقولہ ہے کہ دل اور دماغ روح نہیں ہیں بلکہ یہ روح کے جائے قیام ہیں اور روح کیا تو آگ کی مثل کوئی چیز ہے یا سانس کو روح کہنا چاہیئے۔

(۴) یہی رائے حکیم زینو کی بھی ہے جو مذہب اسٹوئک کا بانی ہے۔

(۵) ارسطوزینس نے روح کو جسم کے مختلف حصص میں شریک مانا ہے۔

(۶) زینوکریٹس نے روح کے کئی حصے کرکے اُسے مختلف اعضا میں تقسیم کیا ہے۔

(۷) فیثاغورث کی بھی یہی رائے ہے کہ روح ایسا مادہ ہے جس کی تفریق نہیں ہو سکتی۔

(۸) افلاطون کہتا ہے کہ روح میں تین ممتاز جوہر ہیں۔ ایک جوہر فراست ہے جو دماغ میں رہتا ہے اور باقیماندہ دو جوہر جو خواہش اور طیش ہیں سینہ اور دل میں رہتے ہیں یعنی خواہش سینہ میں اور طیش دل میں۔

(۹) ارسطو کا بیان ہے کہ چار چیزیں یا اصول جن سے تمام اشیا کی ساخت ہوئی ہے۔ مثلاً فکر۔ علم۔ محبت۔ اور نفرت ان میں سے ایک بھی روح کا ماخذ نہیں ہے پانچواں جوہر اور بھی ہے جس کا نام میں نہیں بتا سکتا۔ ہاں اُس جوہر کا نام اگر روح رکھا جاتا ہے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

(۱۰) سیسرو لکھتا ہے کہ ایک پرقوت غیر ممکن التبدیل اور علی التواتر جاری رہنے والی حرکت کا نام روح ہے۔ جس کنہ تک انسان نہیں پہنچ سکتا اور نہ اُس کا خیال کر سکتا ہے پھر یہی فصیح حکیم لکھتا ہے (بہت سے حکما کی رائے نقل کرنے کے بعد) ان خیالات اور آراء میں کونسا حق ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے ہمیں اسی رائے پر رضامند ہونا چاہیئے جو ممکن الیقین اور ممکن الوقوع ہو۔

(۱۱) ویٹو کریٹس کی رائے ہے کہ روح ایک جز ولاینجزی ہے جسکی حقیقت ہم نہیں پہچان سکتے۔

سسرو نے سب سے زیادہ وسعت سے اس مسئلہ میں بحث کی ہے اور اسکی بحث کسی قدر معقول اور زیادہ دلچسپ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ کذب عام طور پر صدق کے ساتھ ایسا ملگیا ہے اور اب صدق و کذب میں اسقدر مشابہت تامہ ہوگئی ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ نہیں ہو سکتا ہمارے پاس کوئی ایسا امتیازیہ نشان نہیں ہے جس سے ہم پہچان سکیں کہ یہ صدق ہے اور یہ کذب ہے۔ جہاں سسرو روح کے غیر فانی ہونے کا بیان کرتا ہے اسے ایسے مشتبہ طریقہ سے بیان کیا ہے کہ یہی نہیں معلوم ہوتا کہ روح کی فنا اور غیر فنا ہونے میں اُس کا کیا مذہب ہے۔ ہاں یہ تو ضرور ہے کہ جہاں خدا کا ذکر آیا اُس نے ملحدوں کو بہت کچھ بُرا بھلا کہا ہے اور لکھتا

ہے کہ اس سے اندھا پن اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہمیں روشنی کا سرچشمہ نہ دکھائی دے۔ ایم پاسگل لکھتا ہے۔ اس امر کا خیال کرنا ضروری ہے کہ ہمارا تمام کام اور تمام خیالات اُس اعتقاد سے جو ہم اپنے دل میں رکھتے ہیں کسقدر مختلف ہیں۔ پھر ہمیں کیونکر یقین آسکتا ہے کہ دائمی راحت ہمیں حاصل ہوگی۔ یہ محض ناممکن ہے کہ ہم عقل اور انصاف سے کوئی رائے قائم کرسکیں کہ روح غیرفانی ہے اور ضرور روح کو کوئی سزا اور جزا ملے گی یہ محض ناانسانیت اور وحشی پن ہے کہ صرف شبہ میں ہم دائمی راحت اور دائمی مصیبت کے خیال میں پھنسے رہیں۔

بہت سے حکما تو روح کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں اُنھوں نے صرف اجسام سے بحث کی ہے اور اُن کا یقین ہے کہ کوئی جوہر بسیط خواہ وہ روح ہو یا اور چیز ہو مادہ سے علیحدہ نہیں ہے۔ خود حکمائے اسٹوئک جن کا اخلاقی اصول ایک حد تک صاف اور نتھرا ہوا ہے اسی شمار میں ہیں اور روح کو ایک فرضی اصطلاح اقوام قدیم کی سمجھتے ہیں۔ اُن کا یقین نہیں ہے کہ روح بالکلیہ غیرفانی ہے۔ ہاں یہ وہ کہتے ہیں کہ روح کی عمر مثل غراب اور چیل کے بڑی ہوتی ہے اور اسکے بعد وہ فنا ہوجاتی ہے۔ فرقۂ اسٹوئک کے حکما کا یہی مذہب ہے کہ دنیا پہلے آگ تھی خاص خاص روحیں اُس آگ میں موجود تھیں جو بعد ازاں کائنات کی روح میں مل گئیں۔ اخیر وہ کائنات کی بلند جگہ پر آباد ہوئیں وہاں سوائے راحت عمدہ خیال اور لطیف زندگی گزارنے کے اُنھیں کچھ بھی سروکار نہ تھا۔ سسرو نے اس فلسفیانہ خیال کو بڑے جوش وخروش سے بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے ہم اُس وقت اپنے اجسام سے خوشی حاصل کرینگے۔ جب ہم تمام جوش اور بے چینی کو اپنے میں سے نکال کے پھینک دیں گے۔ ہماری خوشی کی تکوین کیونکر ہوتی ہے جب ہم ہر قسم کی حفاظت سے آزاد ہوجاتے ہیں تو ہم دلی شوق سے اپنے کو اُن چیزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جن سے ہمیں لازوال خوشی حاصل ہو جب خوشی حاصل ہوگئی تو آزادی ایک بڑی حد تک حاصل ہوجانا کوئی بات ہی نہیں ہے۔ آزاد ہونے کے بعد ہم اپنے کو تمام اشیا کی حقیقت دریافت کرنے میں مستغرق کردیں گے پھر ہمیں معلوم ہوگا کہ اصل کیا ہے اور کامل حقیقت کس کا نام ہے خود ہمارا یہ مقام ہمیں آپ ہی روحانی اشیا پر خیال کرنے اور اُنکی کنہہ تک پہنچنے کا راستہ دیدیگا اور وہ خیالات جو پہلے ناممکن یا محال معلوم ہوتے تھے سہل ہوجائیں گے پھر ہم میں روحانیات کے حسن میں مستغرق ہوجانے کی آگ بھڑک جائے گی۔ اور پھر فطری طور پر صداقت تک پہنچ جائیں گے اور اُس کی اصلی حقیقت کم وبیش ہم پر منکشف ہوجائیگی۔ پھر ہم میں یہ قابلیت پیدا ہوجائیگی کہ ایک ہی نظر سے تمام دنیا کے حالات کا مطالعہ کرلیں گے اور ہمیں بآسانی جزو کل کا علم ہوجائے گا ہماری زندگی زندگی ہوگی اور ہماری موت موت۔ اُس وقت ہماری نظر کی کیا کیفیت ہوگی جب ہم ایک ہی بار کل دنیا کے مقام۔ شکل حدود اور تمام اُس کے حصص کا مطالعہ کرلیں گے خواہ وہ حصہ آباد ہوں یا ویراں سرد ہوں یا گرم اب یہاں فلسفیانہ خیالات کی وسعت کا اندازہ کرو۔ ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم کس تاریکی اور کس مصیبت میں مبتلا تھے جب ہماری آنکھیں ہوئیں تو ہم نے اسی تاریکی میں ایک قابل توصیف اور آگہی بخش اصول دیکھا اور وہ اصول یہ ہے کہ روح غیرفانی ہے اور آئندہ زندگی میں ہمیں دائمی محبت میں رہنے کا مرتبہ ملے گا اور یہ وہ مقام محبت ہوگا جس کی ہمیں مدت سے تلاش تھی اور جس کا ملنا ہر نیک اور باخبر انسان کے لیئے لازمی قرار دیا گیا ہے۔

جو فلسفی کہ روح کو غیر فانی مانتے ہیں اُنھوں نے بعد موت اسے ایک پرجلال اور شریف مرتبہ دیا ہے جہانتک بغور ارسطو کی کتابوں کا مطالعہ کیا گیا یہ نہیں معلوم ہوا آیا یہ حکیم بھی مذکورہ اصول کا قائل تھا یا نہیں۔ اس مسئلہ نے فلاسفہ کی تفریق کردی ہے۔ افلاطون کی کل تصانیف میں اور اُسکے اُستاد سقراط اور فیثاغورث کی تمام کتابوں میں روح کو غیر فانی تسلیم کیا گیا ہے۔ بستمر ولکھتا ہے کہ افلاطون نے اپنی تائید میں نہ صرف اور حکما کے اقوال نقل کئے ہیں بلکہ وہ بذات خود بھی روح کو غیر فانی تسلیم کرتا ہے اور اُس کا اس اصول پر کامل عقیدہ ہے۔

افلاطون سقراط کے قدم بقدم چلکے بعد از موت روح کی دو حالتیں لکھتا ہے۔ ایک حالت تو روح کی مصیبتناک اور اُن اعمالِ بد کے نتائج میں گرفتار دکھائی گئی ہے جو دنیا پر کیئے تھے اور دوسری حالت روح کی نہایت پرشان بیان ہوئی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ نیک انسان کی روح دیوتاؤں اور پاک و معصوم اشخاص کے پرجلال و جبروت عظیم مجمع میں رہے گی اور ابدتک اس روح کی اسی شادمانی لطافت اور عمدگی سے بسر ہوگی۔ اِن حکما کی معقول اور انصاف پسند دلیل یہ تھی کہ خدائے برحق کو حق سمجھنے کی نشانی یہ ہے کہ آیندہ جزا و سزا پر یقین کیا جائے اور بغیر کسی شک کے تسلیم کرلیا جائے کہ ہمارے دنیاوی نیک و بد اعمال کا معاوضہ ہمیں ضرور ملے گا۔

مآل روح

مآل روح کا بتانا روح کی حقیقت بیان کرنیسے بھی زیادہ مشکل ہے۔ طبیعات قدیم اور جدید کا جاننا اس مسئلہ کا کافی جواب دینے کے لیئے بہت ضرور ہے ہمیں صرف مآل روح کی ایک معتدل حالت بیان کرنی ہے اور وہ ہم علم طبیعات کے پہلو سے بیان کریں گے اور ہم زیادہ تر حکمائے قدیم کے اقوال کی اس میں ضروری تلخیص کردینگے اور جہانتک ممکن ہوگا خاص اس مسئلہ میں فی الحال اپنی رائے دینے سے احتراز کرینگے۔ اگرچہ طبیعات کے بعض بعض مقامات کی توضیح اور تشریح کرنے میں ہمیں کچھ عذر نہ ہوگا۔

ایک زمانہ میں یونانیوں کو علمِ طبیعات میں بہت بڑا مذاق تھا بہت سے حکما ماہر علم طبیعات گزرے ہیں اگرچہ اس علم کو کچھ بہت فروغ ہوا تھا پھر بھی اس کے دلدادہ بکثرت نظر آتے تھے۔ فلاسفہ کے دو مشہور مذہب تھے ایک مذہب آیونک تھا جس کا بانی تھیلس ہوا ہے اور دوسرا مذہب اٹالک تھا جس کا بانی فیثاغورث ہی طبیعات میں زیادہ تر دو حکیم نامور گزرے ہیں ایک ٹریبوکرسیں اور دوسرا الیوسینیس۔ اگرچہ لوگوں نے ایپی کیورس کی نسبت بھی بیان کیا ہے مگر ہم اُسے مذکور الصدر حکماء کا مقلد خیال کرتے ہیں۔

اس مذہب میں جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے صرف دو اصول مانے ہیں اور اُن ہی کو تمام کائنات پر حاوی تسلیم کیا گیا ہے وہ دو اُصول یہ ہیں ایک مآدّہ دوسرا خلا۔ اس مذہب کی لغویت ظاہر ہے اور اخیر کے تمام حکمانے اس لغو مسئلہ سے اختلاف کیا ہے۔ ایپی کیورس کے شاگردوں نے اس کی علانیہ تردید کی ہے اور اس مذہب پر قہقہہ اڑایا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ جو حادثات اجسام کو پیش آتے ہیں اُن کا سبب حدوث ہمیں اجسام ہی کے اندر ملسکتا ہے اور ہم اس سبب کو اس صراحت سے دیکھ سکتے ہیں جس طرح ہم حرکت۔ سکون اور شکل کو دیکھ سکتے ہیں

ان حکمانے اگرچہ خاص اثرات اور نتائج کے بیان کرنے میں فروگزاشت کی ہے اور علت العلل کے بیان کرنے میں تو وہ سخت غلطی میں پڑ گئے ہیں۔ تو بھی اُن کا مذکور خیال قابل لحاظ ہے۔

ارسطو نے اگرچہ طبیعات کی تعلیم کی ہے مگر وہ بھی سطح ہی پر رہا اور گہرائی پر پہنچنے کا خیال بھی اُسے نہیں آیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ مادی علل کا تعلق مطلقاً ضمیر سے ہے مثلاً ہمدردی نفرت اور غضب لیکن ارسطو نے انکے حدوث سے بحث نہیں کی ہے یعنی انکی علت حدوث سے بیان کرنے میں اُس نے خفیف پہلو بھی نہیں اختیار کیا ہے

حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور سے پہلے طبیعات کا چرچہ رومتہ الکبریٰ میں شروع ہو گیا تھا۔ یہاں حکیم لکری ٹیس موجود تھا جو اس علم میں نہایت نامور گزرا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے "وہ فطرت کے راز اب مدت تک چھپے نہیں رہ سکتے اور میں فخر کرتا ہوں کہ میں وہ پہلا شخص ہوں جو فطرت کے راز ملکی زبان میں بیان کرتا ہوں"۔

حکیم سنیکا لکھتا ہے (یہ حکیم حضرت مسیح سے قریب ۵۰ برس کے بعد پیدا ہوا تھا) چاند کا گھٹنا بڑھنا اور فطرت کے حادثات طبیعی کا علم رومتہ الکبریٰ میں پہلے ہی سے پہنچ تو گیا تھا مگر یہ نہیں معلوم کہ اُنھوں نے کیا کیا اسباب ان طبیعی حادثات کے لئے قائم کئے تھے۔ پلینی کی وقت کی تقسیم سے پہلے کسوف و خسوف کے دن اور ساعت اول ہی سے معلوم تھے۔ یسر و یقین دلاتا ہے کہ میرے زمانہ میں ساعت اور چاند سورج کے کسوف خسوف کے انداز مدت سے پائے جاتے ہیں اور اس کا علم ہمارے ہاں قرنوں سے نہایت ترقی پر ہے لیکن تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رومتہ الکبریٰ میں یہ علم بالکل نادرالوجود تھا اور جس شخص کو اس علم میں درک ہوتا تھا وہ مافوق الانسان خیال کیا جاتا تھا۔ جب پرسوکیس اور پالس کی جنگ ہوئی تو حکیم ہٹیٹس گیلس نے پالس سے بیان کیا کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے چاند گرہن چھ بجے شام کے ہوگا۔ اِس قول پر خود شاہ اور تمام فوج نے سخت تعجب ظاہر کیا اور اُسکی صداقت میں شک کرنے لگے آخیر وقت معینہ پر چاند گرہن ہوا اور سب نے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ہر شخص نے اس حکیم کو ایک عجیب و غریب غیر معمولی قوت کا شخص خیال کیا۔

اِس میں شک نہیں کہ یونانیوں نے اس علم میں بہت ترقی کی اگرچہ موجد کا معزز لقب اُنھیں نہیں دے سکتے تاہم یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ یونانیوں نے اس علم کو زندہ ہی نہیں کیا بلکہ اُسے پرورش کیا یا سنوارا اور اُس کو نمایاں ترقی دی جب اِس علم کو یونان اور رومتہ الکبریٰ میں کامل ترقی ہو گئی تو اب مسئلہ روح کیطرف لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی۔ عام طور پر یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ روح کیفیت حیات کا نام ہے وہ خود کچھ نہیں کر سکتی بلکہ اُس پر حادثات طبیعہ کا اثر پڑتا ہے ہر انسان کی روح ایک نہ ایک سیارے یا ستارے سے تعلق رکھتی ہے اور وہ سیارہ یا ستارہ اسقدر مادی ہے کہ انسان کے تمام افعال و اعمال اُسی کی گردش کا نتیجہ ہیں۔ بعض نے روح کو مادی مانا ہے اور ساتھ ہی غیر فانی بھی تسلیم کیا ہے کیونکہ اُن کے خیال میں مادہ غیر فانی ہے۔ ان حکما میں بہت سے ایسے بھی ہیں جن کا بیان ہے کہ چار عنصر کے مزاج کا نام روح ہے اور جب ان میں تفریق ہوتی ہے تو سب اپنی اپنی جگہ چلے جاتے ہیں آگ میں آگ پانی میں پانی خاک میں خاک اور ہوا ہوا میں۔

بعض حکما کا یہ خیال ہے کہ روح ایک علٰحدہ جوہر ہے جو جسم سے علٰحدہ ہونے کے بعد اُس سیارہ یا ستارہ میں

چلا جاتا ہے جس سے اُسکا تعلق رہا ہی بعض حکما تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے میں روح ہی اور وہ ایک ہی ہی اور اُس کا منبع ایک ہی ہے ایک روشنی ہے جو کائنات پر پھیلی ہوئی ہے اور اسی کی شعاعیں چاروں طرف دوڑ رہی ہیں جسطرح کہ شمع سے ایک چراغ روشن کیا جاتا ہے اور شمع کی روشنی میں چراغ جلنے پر بھی کمی نہیں ہوتی اسیطرح منبع روح ہی کہ چاہے جتنی روحیں یا روحانی کیفیات خارج ہوں اُس میں کمی نہیں آتی اور جب انسان مرجاتا ہی تو اس کی مثال بالکل چراغ کے بجھنے کی ہے معلوم نہیں ہوتا کہ چراغ کی لَو کہاں گئی حالانکہ تبدیل ہیئت سے اُس کے نابید ہونے اور اصلیت ہٹنے کا حکم نہیں لگا سکتے۔

رومنۃ الکبریٰ کے حکیم لکری ٹیس نے دعویٰ کیا تھا کہ مجھے فطرت کے راز پر عبور ہوگیا ہے اور میں روح انسانی کی پوری حقیقت بیان کرسکتا ہوں مگر اُسکے اقوال یا اُسکے ملفوظات میں کہیں بھی روح کی حقیقت کا پتہ نہیں لگتا حکمائے قدیم کا جو خیال روح اور مآلِ روح کی نسبت تھا ہمنے نہایت اختصار سے بیان کردیا اگرچہ اُنھوں نے بڑی طویل بحثیں کی ہیں مگر ہمارا اختصار اُنکی کل طول طویل بحثوں پر حاوی ہے اسکے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم علوم جدیدہ سے روح کی حقیقت بیان کریں تاکہ معلوم ہو کہ علوم جدیدہ روح کو کیا سمجھتے ہیں اور اُسے کن لفظوں سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ بحث اگرچہ زیادہ مشکل ہوگی اور نہایت غور سے سمجھنے کے بعد سمجھ میں آئیگا پھر بھی اس کی دلچسپی حد سے زیادہ ہی اور اُس سے پڑھنے والے کو بصیرت ہوگی اسکی ضرورت نہیں کہ ہم علوم جدیدہ کے موضوعہ اصول یا تحقیقات کو خواہ مخواہ تسلیم کرلیں یا اس خیال سے اُسے نہ دیکھیں کہ وہ ہمارے عقائد اور اصول مسلمہ کے خلاف ہی نہیں ہمیں بغور پڑھنی اور سمجھنی چاہیئے اور اُس سے زیادہ نہیں تو اتنا تو ضرور فائدہ اُٹھانا چاہیئے کہ علوم جدید اور قدیم میں کتنا فرق ہے اور ان دونوں کے مقابلہ میں اسلام نے اپنا کیا اصول قائم کیا ہے۔

جب تک کئی چیزیں ایک ہی قسم کی برابر نہیں رکھی جاتیں کسی کا حسن و قبح نہیں کھلتا۔ ہر عقیدہ ہر مذہب بجائے خود عمدہ ہے مگر دوسرے مذہب کے مقابلہ میں آنے سے اُسکی حقیقت کھلجاتی ہے۔ کوئی تقریر یا تحریر ہو خواہ وہ کتنی ہی منافی اسلام کیوں نہو ہمیں اُسکا مطالعہ کرنا ضروری ہے تاکہ ہمارے خیالات میں وسعت ہو اور ہم اپنے مسلمہ اصول سے اُنکا مقابلہ کرسکیں۔ ہم اُن ادق مضامین کو سلیس اور سہل اُردو میں ادا کرینگے اور ہمیں اُمید پڑتی ہی کہ ہماری خوش اسلوبی طرز تحریر بہت آسانی سے اُن مشکل خیالات کو ناظر کے ذہن نشین کردیگی۔

علوم جدیدہ کی روح

علوم جدیدہ میں کہیں روح کا لفظ نہیں ہے لیکن علوم جدیدہ روح کے مفہوم کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں وہ روح کو ایک فرضی چیز سمجھتے ہیں اور اُن کا اُصول ہے کہ اہل مذاہب نے اس لفظ کی ایجاد کرلی ہے بہر حال حیات انسانی کے بارے میں جو کچھ اُنھوں نے بیان کیا ہے وہ لکھا جاتا ہی۔

حیات کی بکثرت تعریفیں بیان کی گئی ہیں مگر ابھی تک کسی تعریف سے حیات کی اصلی حالت نہیں کھلی ہی اُن آرائے میں علمِ ترکیب اجسام کو بہت کم دخل دیا گیا ہے جب تک علم مذکور کی کسوٹی پر نہ پرکھا جائے کوئی تعریف درست اور صحیح

اصول پر نہیں سمجھی جا سکتی - اِس لیئے ضرور ہے کہ ہم اسکی توضیح کرنے کا نیا راستہ اختیار کریں جس سے ہمیں اُمید ہے کہ ہم اپنے مقصود تک پونہچ جائینگے اور ہمیں حیاتِ انسانی کا پتہ لگ جائیگا مختصر سی توضیح کے بعد ہم اپنا بیان شروع کریں گے - اسکی مسلسل تاریخ بیان کرنے سے یہ فائدہ ہوگا کہ ہر زمانہ اور ہر عصر میں اسکی نسبت کیا کیا خیالات اور تبدیلیاں ہوتی رہیں اور اُن میں کیا کیا غلطیاں تھیں -

حیات (روح) عمل کی اُس حالت کا نام ہے جو جسم کی ترکیب کے لیئے مخصوص ہوتا ہے - آغاز ہی سے یہ کیفیت شروع ہوتی ہے پھر یہ نمو اور ترقی کے حدوث طبیعہ میں نمایاں ہوجاتی ہے پھر اسکا خاتمہ جسمانی بناوٹ کی موت میں ہوجاتا ہے جبکہ اسکے اجزائے ترکیبی مادہ کے معمولی عمل سے کم وبیش ناقص ہوجاتے ہیں -

یا دوسری تعریف حیات (روح) کی یہ ہو سکتی ہے "حیات ایک ترکیب شدہ جسم کے کاموں کے مجموعہ کو کہتے ہیں" بجائے اسکے کہ حیات یا روح کو عمل کیحالت بیان کیا جائے بہتر یہ ہے کہ خود عمل ہی بتایا جائے کیونکہ آخر الذکر تعریف اول الذکر کی نسبت زیادہ صحیح ہے -

روح یا حیاتی سرعت ہمارے آگے مختلف صورتوں میں نمایاں ہوتی ہے اور کل حادثات طبیعہ میں اسکا رنگ بدلتا رہتا ہے وہ تبدیلیاں جو کسی زندہ انسان میں باقاعدہ حالت میں ہمیشہ ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں اُن تبدیلیوں کا صرف ایک بدیہی نتیجہ ہے اور وہ یہ ہے کہ بحیثیت ایک کامل بندش یا ترکیب کے اُسکی زندگی کی حفاظت کیجائے ترکیب اجسام میں کیمیائی اور مادی اثرات موجود ہیں اور یہی اثرات کم وبیش بیرونی مضر اثرات کو دفع کرتے رہتے ہیں -

اُن قوانین کو جو کائنات پر حکمرانی کرتے ہیں مشخص کرنے کے لیئے یا بالفاظ دیگر اُن حالتوں کے تمام مشاہدات کو دیکھنے کے لیئے جن کے ذریعہ سے تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں ہمیں مشاہدہ اور تجربہ کی ضرورت ہے - اشکال کی کافی تعداد میں باہمدگر ایک نمایاں رشتہ معلوم ہوتا ہے اور سب کے لیئے یکساں حالتیں لازم ہوگئی ہیں - بلکہ شتاب روی جسکے ساتھ اس سلسلہ کی بنیاد قائم ہوئی ہے اس کا انحصار نمایاں طور پر حادثات طبیعہ کی سادگی پر ہوگا اور ساتھ ہی اُس آمادگی پر جس کی وجہ سے وہ مقابلہ کی حالت میں آجاتے ہیں - قوانین قدرت کی لا انتہا حالت اور حد پیدا کرنے کے لیئے نیوٹن جیسے عجیب شخص کی دانائی کی ضرورت ہے لیکن جو خیال کہ قانون قدرت کا کر لیا گیا ہے اور جسے ہر وقت ہم آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں اُس کے اندر ہوکے تو ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں اور جب ہمارا یہ یقین ہوجائیگا کہ قوانین قدرت کی حد لا انتہا ہے تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ ہم اور کون سے حادثات طبیعہ بنائینگے جو انکی لا انتہائی پر دلالت کریں - لیکن قانون قدرت کی فطرت کیا ہے جس کی نسبت ہم نے ابھی بیان کیا ہے اور جس نے اجرام کو کشش کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے نہایت سادگی سے بیان کیا جاتا ہے کہ خالق نے مادہ کو تمام اشکال مختلفہ عطا کی ہیں اور اس کے اجرام کو کہ وہ ایک دوسرے کے قریب کھیچ کے نہ آجائیں دور دور کر دیا ہے - یہ خیال صرف خیال ہی ہے ہم اسے کیونکر تسلیم کریں جبکہ ہر عمل کا عام سبب ہماری آنکھوں کے آگے ہر وقت ظاہر ہوتا رہتا ہے - اگر انسان ان میں سے کسی عمل کو نہ دیکھتا یا مثلاً فرض کرو کہ مادہ کا ایک ہی جرم کائنات میں ہوتا تو تو ہم مذکورہ بالا اصول کو تسلیم کر لیتے مگر جب کثرت سے اجرام کائنات میں موجود ہیں اور ہم اُنکے قائم رہنے کے اسباب کو نہ خیال کریں تو اس کے معنی

ہیں کہ ہمنے اپنے دماغ کو معطل کر دیا۔

وہ تغیرات جو روزمرہ ہمارے مشاہدے میں آتے ہیں اور اُن کا وقوع ہر روز اور ہر ساعت ہماری آنکھوں کے آگے ہوتا رہتا ہے اور وہ قوانین جن سے ان پر حکومت ہوتی رہتی ہے بجاسئے خود نہایت کامل اور بیّن ہیں تاہم وہ طریقہ جن میں اُنکے عمل وابستہ ہیں ایسا خاص ہے کہ ابھی اُس میں تفحص کی بہت بڑی گنجایش باقی ہے لیکن یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی نیا سبب یا جدید علت موجود نہیں۔

خاص مشکلات جو ہمیں نشتابانہ عمل کے قوانین کے سمجھنے میں لاحق ہوتی ہیں اُنھوں نے ہماری عامۂ واقفیت کی بہت بڑی مزاحمت کی ہے۔حادثات طبیعہ کو ایک ہی جگہ جمع کرنے میں یہ مشکلات پیش آتی ہیں تو بھی ہم نے اُن فلسفیانہ استخراجی اصول کو بخوبی سمجھ لیا ہے جو نشتابانہ حادثات طبیعہ کو ہمارے مشاہدے میں لے آتے ہیں۔اُن کی ظاہری نامطابقت جو ہم اپنے گرد دنیا میں دیکھتے رہتے ہیں اور اُنکی اندرونی مطابقت جس پر اخیر اُنکا خاتمہ ہوتا ہے ہمیں اُن خاص ایجنسیوں تک پہنچا دیتی ہے جو اُن پر حکومت کرتی ہیں۔اور اس صورت سے ہم زمانۂ پاستان کے خیالات میں صریح اور بیّن اغلاط نکال سکتے ہیں اور ہمیں معلوم ہو سکتا ہے کہ فطرت کے رازوں کی تفحص کے طرف جو اب ایجاد ہوئے ہیں وہ کیسے کامل اور کیسے صحیح ہیں۔

جب ہم اُن حالتوں کو دیکھتے ہیں جنکی وجہ سے نشتابانہ عمل کا وقوع ہوتا ہے۔ہمیں خیال ہو جاتا ہے کہ اخیر دو صورتیں اُن کے لیئے لازمی ہیں پہلی صورت تو ترکیب اجسام کی ہے جس کی بناوٹ کی ایک خاص حالت ہے اور دوسری صورت محرک ہے جسکی وجہ سے اعمال صادر ہوتے ہیں۔اس کے علاوہ دنیا میں اور کوئی چیز ہمیں نہیں معلوم ہوتی ہر کام کی یہی دو حالتیں ہیں جو ہمنے اُوپر بیان کیں۔مثلاً جب پانی بھاپ بن جاتا ہے تو اس کی محرک حرارت ہوتی ہے۔جب ایک پتھر زمین پر گرتا ہے تو یہ اُس کشش سے گرتا ہے جو زمین کے بڑے بڑے تودے اور ڈھیر اُسے اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔جانداروں کے ذریعہ سے کاموں کی خصوصیت میں اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ جاندار جسم کے ایک ایک جزو کی حقیقت سے پورے واقف ہو جائینگے اور اُن حادثات طبیعہ کا ہمیں علم ہو جائے گا جو اپنے اکیلے یا مشتملہ عمل سے اپنی متناسب قوت محرکہ کے سایہ میں اثر پذیر ہوتے ہیں لیکن ماہران علم ترکیب اجسام اس سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں وہ اس کا تفحص کرتے ہیں کہ ان حالات کی حقیقت کیا ہے اور ان میں اختلاف ہونے کا سبب کیا ہے۔

تاریخ آراے

دنیا کے ابتدائی زمانے میں جب کہ فلسفیانہ خیالات فرضی دائرے سے نہ نکلے تھے اور حقیقت ترکیب اجسام پر پردہ پڑا ہوا تھا یہ خیال کیا جاتا تھا کہ روح ایک خاص چیز ہے جو الگ تھلگ جسم کے کسی حصہ میں یا کل جسم میں اپنی سکونت رکھتی ہے اور جسم کے مردہ ہونیکے بعد بھی اُس میں ایک قوت رہتی ہے۔اسی بنا پر اجرام فلکیہ کی حرکتیں خاص ایجنسی کے سپرد کردی تھیں اور جس کے قوانین کی جستجو محال گنی جاتی تھی۔مثلاً اُن کا یہ خیال تھا کہ جب

آفتاب کی شعاعیں کسی سوراخ میں ہو کے کچھ فاصلہ پر پڑیں گی اور وہاں اُن شعاعوں سے ایک روشن شکل بن جائیگی تو وہ شکل ضرور فطری طور پر گول ہو گی یہ ارسطو کا مذہب تھا وہ یہ کہتا تھا چونکہ آفتاب گول ہے اس لیئے شعاعوں نے بھی اپنی گول شکل پیدا کر لی حالانکہ یہ آسان بات نہ سمجھا کہ روشنی کی شعاعوں کی رفتار ہمیشہ خط مستقیم میں ہوتی ہے اگر اُن کا خط مستقیم کسی حادثہ طبعی سے نہیں بگڑا تو ضرور شعاعیں اپنی گول شکل پیدا کرلینگی اسیطرح اُنھوں نے جسم میں ایک روح قائم کی اور تمام اعمال کا محرک اُسی کو بنایا اور یہ نہ سمجھا کہ اس روح کا محرک کون ہے یہ مضحکہ خیز خیالات تھے جو پاکیزہ اور نکھرے ہوئے فلسفیانہ خیالات میں آمیز ہو رہے تھے اور جنھیں علٰحدہ کرنے والا اُس زمانہ میں کوئی نہیں پیدا ہوا۔ حیاتی حادثہ طبعی کے خیالی سبب کا نام روح رکھا تھا بعض فلاسفہ اس روح کو مادی سمجھتے تھے اور بعض غیر مادی اُن کا خیال تھا کہ مادہ کی خاص خاص صورتوں میں یہ رہتی ہے جسم کی بناوٹ اور تمام افعال اسی سے سرزد ہوتے ہیں حکمار کا ہر گروہ اس کی اصلیت اور اس کی فطرت کی حقیقت کے نئے نئے خیالات رکھتا تھا بعض تو اسے آگ کہتے تھے بعض اُسے ہوا یا لطیف مادہ خیال کرتے تھے بعض کا یہ یقین تھا کہ روح ایک قسم کا پانی ہے اسکے علاوہ یہ خیال تو کل دنیا کا تھا کہ روح کوئی چیز ہے اور تمام افعال اُسی سے صادر ہوتے ہیں اور مرنیکے بعد اُس میں حس رہتی ہے۔ ارسطو کی رائے روح کے بارے میں بہت ہی دلچسپ ہے اس رائے سے اُس کی عالی دماغی معلوم ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیال میں ہمعصر حکما سے فوق لیگیا تھا اگرچہ اب وہ رائے کیسی ہی ناقص کیوں نہ ہوگئی ہو۔ مگر اُس زمانہ میں وہ قابل وقعت تھی۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے یہ خیال کہ کس چیز کی ریشہ دوانی سے کائنات کا انتظام ہو رہا ہے اور اس خوبی سے ہو رہا ہے کہ کبھی کسی کے خیال میں بھی اسکی خفیف سی خرابی نہیں آسکتی اور جن اُصول سے یہ نظام عالم وابستہ ہے ضرور اُس میں ارادہ۔ وقوف اور دانائی ہے بغیر ان تین چیزوں کے نظام کائنات قائم نہیں رہتا۔ اور یہ تینوں صفات ایک ہی ذات میں ہیں جو نظام کائنات چلا رہی ہے۔ اس خالق اور محافظ کے علاوہ اور بھی چند وکیل قوتیں مانی گئی ہیں جو جانوروں اور پودوں کو حیات سنوار دیتی ہیں اور بیان کیا گیا ہے کہ ہماری فانی آنکھیں ان قوتوں کو نہیں دیکھ سکتیں تمام حیوانی یا نباتی بناوٹیں اور تمام نمو اور غیر نمو کی تبدیلیاں سب ان ہی قوتوں سے ہوتی ہے۔

حیات کی مطابقت کے قدیم اصول پر مع دماغی اصول کے شتال نے کچھ تبدیلی کے ساتھ نظر ثانی کی۔ یہ فلسفی بیان کرتا ہے کہ حیوان ناطق کی روح ترکیب اجسام کی مبدار حرکت کو کہتے ہیں اور یہی ترکیب جسمانی کی اصلی باعث ہے اور خاص قوانین کے مطابق اپنے عمل سے یہ اجسام کو اضمحلال سے بچاتی ہے اور امراض کو بھی صحت بخشتی ہے اور بھی اس فلسفی نے مزاج اور روح کے کاموں میں فرق بتایا ہے جو اسکے سابق حکما کو نہیں سوجھا تھا وہ اُنھیں ایک ہی اصول کے عام نتائج خیال کرتا تھا اور یہ اُسکی بہت بڑی غلطی تھی کہ وہ اُنھیں ایک ہی مبدار سے سمجھا تھا اب ہم اگر اس اصول کو مد نظر رکھ کے گذشتہ صدی کے ماہران ترکیب اجسام کی کتابوں کو پڑھیں گے تو ہرگز ہمیں اُن کا مطلب نہیں کھلنے کا۔ مثال کے طور پر ہم وائٹ کی کتابیں پیش کرتے ہیں جن میں لکھا ہے کہ تمام افعال جسمانی کا سبب روح ہے۔ یہ بالکل بدیہی ہے کہ فاضل مصنف نے یہ کہیں بیان نہیں کیا کہ ضمیر کی ریشہ دوانی اجسام کے ایک ایک

جزو میں ہو رہی ہے۔

اسی طرح اور اور حکمائے بیان کیا مگر وہ اصول حیات کی اصلی حقیقت کو نہیں بتا سکے۔ اخیر ہم اس اصول کی حقیقت سے آگاہ ہونے شروع ہوئے۔ برٹن میں سب سے پہلے ہنٹر نے اس کا کھوج لگایا تاہم ابھی وہ زمانہ بہت دور تھا جس میں اسکی حیات (روح) کی بابت غیر فلسفیانہ خیالات کی خامی کھولی گئی اور روح کے حادثات طبعی کو جس نالیاقتی سے اس نے بیان کیا ہے اس کا اظہار کیا گیا۔ یہ آسان نہیں ہے کہ ہم ہنٹر کی تصانیف سے اس بات کو پیدا کر لیں کہ خاص اس مضمون پر اسکی الفطاعی رائے کیا تھی کیونکہ فاضل مصنف اپنے پریشان خیالات کی بھول بھلیوں میں ایسا پھنسا ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نکالنا مشکل ہو گیا ہے کبھی تو وہ کہتا ہے کہ دماغ ہی تمام افعال انسانی کا سبب ہے۔ کبھی بیان کرتا ہے کہ دماغ ہی کی مثل ایک چیز ہے جس کا نفوذ تمام جسم میں ہو رہا ہے اور وہی چیز خون میں بھی پہنچتی ہے۔ لیکن دوسری جگہ کہتا ہے کہ اصول حیات کو ترکیب اجسام سے کچھ سروکار نہیں ہے کچھ چیز ترکیب اجسام میں حلول کی ہوئی ہے مثلاً لوہے کی مقدار اور بجلی مختلف صورتوں میں اس میں آمیز ہو رہی ہے۔ مسٹر ایبرنیتھی نے اس خیال کی بڑے جوش و خروش سے تائید کی اور ایسے جوش و خروش سے تائید کی کہ اخیر اسے یہ لکھنا پڑا "اگر ہم مسٹر ہنٹر کے اصول حیات میں بجلی کو نہ بھی تسلیم کریں پھر بھی ہمیں یہ ماننا پڑیگا کہ مثل بجلی کے کوئی چیز ہے جس میں برقی افعال کے نظام کی پوری طاقت ودیعت ہوئی ہے۔

مسٹر میو نے بتایا ہے کہ لفظ اصول سے مطلب کیا ہے اور اس کا کیا مفہوم سمجھنا چاہیئے وہ لکھتا ہے کہ لفظ اصول سائنس کی ایک ادنیٰ حالت بناتا ہے اور یہ عام طور پر اُن الف بے تے کے حروف کے لئے استعمال ہوتا ہے جو جبر و مقابلہ والے لایا کرتے ہیں تاکہ اُس سے نامعلوم خبر کا اظہار ہو جائے اور پھر اُس کا آسانی سے تجزیہ ہو سکے۔ اس لحاظ سے ہم اصول کشش۔ اصول برقی۔ اصول علم قوت مقناطیسی سے جو حادثات طبعی کے نامعلوم اسباب ہیں تعبیر کیا کرتے ہیں۔ جب تک ان حادثات طبعی کے قوانین پوشیدہ ہیں وہ مادہ کے سیدھے سادھے اسباب سے بدلائل بیان کیئے جائیں گے مثلاً قیاس ریاضیات کا ثبوت اُسکے اصول موضوعہ سے ہوتا ہے اور اُن ہی اصول موضوعہ پر تمام ریاضیات کا دارومدار ہے مگر لفظ اصول کی اصطلاح ترکیب اجسام میں زیادہ وقیع نہیں شمار کی گئی۔

ہم ابھی تاریکی میں ہیں اور ہمارے حال کے بعض حکمانے اور بھی ہماری عقول اور تجربہ پر پردہ ڈالدیا ہے مثلاً ڈاکٹر پراؤٹ اپنے گلستونی لیکچروں میں یہ بیان کرتا ہے "کل حالتوں میں یہ ضرور خیال کرنا چاہیئے کہ اخیر اصول جو ہمارے خالق نے ہمیں بخشا ہے جوہر دماغی ہے جس کا درجہ عقل سے کم ہے جس کے ذریعہ سے ہم جسم کی بناوٹ کو فطرتی اصول سے تعبیر کر سکتے ہیں اور فطری الجنسیوں کی مدد سے اُنکی صفات سے مزید جلب منفعت کر سکتے ہیں اور انکے استعمال کے لیئے اُسے اپنا معاون بنا سکتے ہیں۔ یہ ساری باتیں محض لغو اور بے سود ہیں اور اُنھیں مشاہدے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ خیال نے ان باتوں کو تراشا ہے اور اس لیے وہ ہماری نگاہ میں وقیع نہیں ہو سکتیں ہم ان اسباب پر بسیط بحث کرتے ہیں۔

حیاتی عمل کی فطرت اور اسباب

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ بیرونی عالم کے تغیرات ہیولائی مادہ کی خاصیتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ مخصوص ذرائع سے یہ اپنا عمل اس میں کرتے ہیں مگر اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ ذرائع ہر ایک خاصیت کے لیئے مختلف ہیں اس طرح سے کشش کی بالقوۃ خاصیت کو مادہ کے تودہ میں نمو دیا جس کو ہم دوسرے تودہ کی کشش میں ملاحظہ کرتے ہیں مگر سنگ مقناطیس کی تتقی خاصیت کو پہچاننے کے لیئے صرف لوہے کے ڈھیر کی ضرورت ہوگی علم کیمیا کے ہر عمل کی اسی اُصول پر بنیاد رکھی گئی ہے۔ ہر چیز میں اپنا اثر دوسرے پر ڈالنے کی قوت ودیعت ہوئی ہے اور وہ صفت اُسی کے لیئے مخصوص ہے اور اسکی اس صفت کے محرک چند خاص خارجی اسباب ہیں جو بدیہی ہیں۔ اب اس خیال سے واقف ہو کے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حیاتی حادثات طبعی کے سمجھنے میں کسقدر غلطی کی گئی ہے باوجودیکہ ہم ایک طرف ترکیب اجسام کے عمل کو یکساں حالت میں مشاہدہ کرتے ہیں اور دوسری جانب اُس محرک کو دیکھتے ہیں جو اس کی خاصیتوں کو کام میں لاتا ہے یہ دونوں حالتیں ہم مشابہ ہیں اور ان حالتوں میں اختلاف ہونا ہمیشہ مختلف نتائج پیدا کرتا ہے علم ترکیب اجسام کے ماہر ہمیشہ اس اختلاف کی دوسری ایجنسیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ اس قسم کے بہت سے مشاہدے ہوتے ہیں جن میں اختلاف نتائج بیّن طور پر پایا جاتا ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ اگر کچھ بھی خفیف سا فرق انسان کے کسی عضو میں پیدا ہو جائے فوراً ہی کامل طور پر اُسکی حیاتی خاصیتوں میں ایک تزلزل عظیم برپا ہو جائیگا یہ خاصیتیں برباد کر دیجائیں گی۔ ہمیں اس میں کچھ بھی تعجب نہیں ہو سکتا کہ قدیم حکما نے اُن قابل لحاظ تغیرات کا بیان کیا ہے جن کا سرچشمہ ہمیں آج محسوس ہوا ہے اگرچہ وہ اس سے محض نابلد تھے مگر جب اندرونی راز کھل گیا اور چھُپی چیزوں کے مشاہدے ہونے لگے تو آگے ترقی کرنے اور اپنی قوتوں کے بڑھانیکا ہمیں پورا ذریعہ ہاتھ آگیا۔

جب ہم حادثات طبعی کے اُس تودہ کا تجزیہ کریں جو ترکیب شدہ عالم حیاتی افعال کے ذریعہ سے پیش کرتا ہے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تخفیف میں آتے آتے متفرق ہو جاتا ہے اور پھر اُسکے علیحدہ علیحدہ مدارج قائم ہو جاتے ہیں اور پھر اُنکے مطالعہ میں زیادہ تسہیل ہو جاتی ہے۔ اسی طرح تمام زندہ چیزوں کی ترکیب اجسام کے اصولی مادے بیرونی سرچشموں سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس صورت سے ہمیں زندہ چیزوں کا امتیاز یہ درجہ پر پہنچنے کا رستہ ملجاتا ہے اور اُن میں سے ہر جاندار حادثات طبعی کا ایک مجموعہ معلوم ہوتا ہے اور یہ دکھائی دیتا ہے کہ سب کی علت ایک ہی ہے۔

جب حادثات طبعی کے حیاتی مجموعوں کی تفریق اور تجزیہ کرلیں گے تو ہمیں کھلجائیگا کہ وہ حالتیں جن میں ان کا وقوع ہوتا ہے اُن سے ہم یہ نکالتے ہیں کہ جسم کے ہر عضو کے لیئے جو سلسلہ ترکیب اجسام میں مستعمل ہوتا ہے خارجی محرک چیزوں پر اُس کا بالکلیہ انحصار ہے اور اُس سے ایک لمحہ بھی وہ مستغنی نہیں ہو سکتا۔

جو لوگ روح کے قائل ہیں اُنھوں نے خارجی امدادی تحریکوں کے اصول سے مطلق چشم پوشی اختیار کی تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ صرف روح ہی ہے جو تمام اعضا سے کام لیتی ہے اور ہر عضو کو ایسے عمدہ نظام میں کر رکھا ہے کہ اُس سے

بہتر انتظام ممکن نہیں یہ ساری باتیں محض خیالی اور لغو ہیں اور انکی لغویت عیاں ہو چکی ہے۔
جاندار جسم میں اعضا کے ہر درجہ کے عضو کے لیئے اسکی صفات کو ظاہر کرنے کے واسطے ایک مخصوص محرک کی ضرورت ہے تاکہ اس کے ذریعے سے غذائی مادے وہ اپنے میں پہنچا سکیں اس غذائی مادہ کا پتلا ہونا بعدازاں خود محرک ہو جاتا ہے تمام جاندار اجسام میں ہمیں یہ نظام ملتا ہے اور جب ہمیں اس کا علم ہو جاتا ہے تو پھر ہم بآسانی اس نظام کے قانون تک پہنچ سکتے ہیں۔
تمام حیاتی افعال میں ایک ٹھیک مقدار کی حرارت کی ضرورت ہے تاکہ انکے عمل کا اجرا برابر رہے اور اس حرارت کا مقدار مختلف حالتوں میں کم زیادہ ہوتا رہتا ہے بجلی کی حقیقت کا علم اگرچہ کماحقہ اب تک نہیں ہوا ہے لیکن یہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ حیاتی قاعدے کے لیئے ایک لازمی اور ضروری ایجنٹ ہے یہ دیکھکر ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے ہم میں ایک جوہر بسیط عنایت کیا ہے جسے روح کہتے ہیں اور اُسی کو ہمارے تمام نیک و بد اعمال کی جزا و سزا ملے گی اور تمام تبدیلیاں یا تغیرات جو دنیا میں ہوتے ہیں اُنکا اصل محرک خدا ہے جس نے اپنی ایک ماتحت چیز یعنی روح کو زمین پر بھیج دیا کہ جانداروں میں جا کے اپنا عمل کرے۔
ہم چاہتے ہیں کہ اپنے بیان کو اور بھی واضح طور پر بیان کر دیں اور اسے اسقدر صاف کر دیں کہ ہماری آنکھوں کے آگے سچا نقشہ کھنچ جائے۔ فرض کرو کہ ایک نوجوان شخص ہے جسے علم طبیعات پر بہت بڑا عبور ہے مگر فن طب سے وہ محض نابلد ہے مگر اُسے حیاتی اُصول پر ذہنی عقیدہ ہے اُس نے اول ہی اول اسٹیم انجن کو دیکھا وہ دیکھے گا کہ ایک کل غیر متناسب پرزوں سے بنی ہوئی ہے اور ایک ایسی پوشیدہ ایجنسی سے چل رہی ہے جس پر برقع پڑا ہے اور وہ اس سے آگاہ ہونا چاہتا ہے ہم دیکھیں گے کہ انجن کے کاموں پر مختلف تجربہ کریگا مثلاً کبھی تو وہ بائلر اور نل کی آمد و رفت کا سلسلہ بند کریگا اور کبھی نل اور کنڈنسر (وہ آلہ جس میں بھاپ رقیق صورت میں ہو جاتی ہے) کا رستہ روکے گا یا جہاں حرارت کی ضرورت ہے وہاں برودت پہنچائیگا یا ٹھنڈے پانی کے حوض کے نیچے آگ روشن کر دیگا اب یہاں سے اُسے اپنی جستجو کا ٹھیک ٹھیک نتیجہ معلوم ہو جائیگا کہ جب کل کا انتظام درست ہے تمام افعال ہر پرزے سے ٹھیک ٹھیک اور یکساں صادر ہوتے ہیں اور سب کا یہی ایک مفہوم ہوتا ہے کہ اس کل کی محرک قوت کی غور و پرداخت کیجائے اُسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ یہ افعال باہم ایسے نامشابہ ہیں جیسے ہر پرزے کے کام لیکن وہ اُسے دیکھکر کم متعجب نہ ہوگا کہ متضاد عنصر حرارت اور برودت کے کتنے اس کام کے لیئے مناسب ثابت ہوئے ہیں۔ اس تمام مشاہدے سے وہ بآسانی یہ نتیجہ نکال لیگا کہ ان تمام حادثات طبعی کا سلسلہ صرف ایک ہی چیز سے چلتا ہے اور جسے وہ اسٹیم (انجن کا اصول) کہتے ہیں جس کے عمل سے مادی ترکیب میں اس سے افعال سرزد ہوتے ہیں۔ یہ مشاہدے اس یقین کرنے میں اور بھی مدد دے گا کہ خود کل میں اُسکی ضرورتوں کے بہم پہنچانے کے ذرائع ہیں باقاعدہ طور پر آگ قائم رہنے کے لیئے لکڑیاں یا کوئلے دیئے جاتے ہیں اور ٹھنڈا پانی حوض میں بھرا جاتا ہے اور اگر دھات کچھ فرسودہ ہو جاتا ہے تو پھر اُسکی مرمت بھی کر دی جاتی ہے پھر کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ اس انجن کی مثال کو دیکھنے کے بعد بھی کوئی شخص کہہ سکے گا کہ روح زندہ اجسام میں ایک علیحدہ چیز ہے جس سے تمام اعضا کا عمل ہوتا ہے اگر وہ نہیں ہے تو جسم مردہ ہے اور ہے تو جسم زندہ ہے

اگر اجسام میں روح تجویز کیجاتی ہے تو پھر خارجی محرک کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے حالانکہ یہ بات نہیں ہے تمام زندگی کا دارومدار خارجی محرکوں پر ہے۔

حیاتی اور اجسامی تعلق

جب ہمارے قوانین طبیعات کی تحقیق مادہ کی کائناتی صفات پر ختم ہو جاتی ہی پھر ہمیں اطمینان ہو جاتا ہی کہ ہمنے علل ثانیہ کے عمل کا پتہ لگا لیا ہی اور ہمیں اس کا علم ہو جاتا ہے کہ اس صفت کا ظہور مادہ کا جزو لاینفک ہی اس بنا پر ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے خالق کی مرضی کا یہ ایک فوری نتیجہ ہے۔ لیکن اشکال کے عظیم اختلاف میں ہم ایسا نہیں پاتے اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ صفات مادہ کی خاص شکل کے ساتھ مخصوص بھی ہیں اور اس کا لازمی جزو بھی ہیں۔ اور جسکے عملی قوانین ایسے ہی بسیط ہیں جیسے سبب اول میں تھے اسی بنا پر ہمارے ادراک کے مادہ کی خاص صفات میں ایک شکل پیدا ہوتی ہے مگر خاص خاص اوقات کے علاوہ ان صفات کا ظہور پیدا نہیں کرتا۔ اور ان حالات کے وقوع کی کمیابی سے ہم باقیماندہ صفات سے محض نابلد رہجاتے ہیں۔ ہم اسبات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مادہ کی ہر ایک شکل جس سے واقف ہیں اپنی خاص خاص صفتیں علیحدہ رکھتی ہے جسکی کنہہ کو ہم ابھی تک نہیں پہنچے صرف ان کے عمل سے ہم واقف ہیں کہ وہ کیا رنگ پیدا کرتی ہیں اور انکے عمل ہی کیوجہ سے ضمیر کو ان کی ہستی سے خبرت حاصل ہوتی ہے ہمیں معلوم ہوتا ہی کہ مادہ اور اسکی تمام اشکال کی ایک ہی ترکیب ہی ان میں خاص خاص صفات موجود ہیں جن سے خود بخود افعال کا صدور ہوتا ہی اور یہ صدور اس وقت ہوتا ہے کہ جب انھیں خاص صورتوں میں رکھا جائے اگر ان میں سے ایک صفت بھی موجود نہ ہو تو تمام کام درہم و برہم ہو جاتے ہیں اور پھر مادہ اور اسکی صفات میں تخلل واقع ہو جاتا ہی

ہم نے مادہ کے اصولی خیالات میں کوئی ایسی بات نہیں پائی جس سے حیاتی صفات کی مخالفت ہو سکے اور جس کا نشوونما ترکیب اجسام کے فعل سے ہوا کرتا ہے لیکن ہم اس مسئلہ کی دوسرے پہلو پر جانچ کرنا چاہتے ہیں اور ہمیں اسکا مشاہدہ ہوا ہی کہ مادہ کی خاص اشکال میں تغیر و تبدیل کا ظہور انکے نئے خلط یا آمیزش سے پیدا ہوتا ہے مثلاً ہم یہ پیش کرتے ہیں کہ نمک اور ترشی میں کتنا بڑا بل ہے۔ اسی طرح بارود اور اس کے ایک جزو یا اجزا میں کتنا بڑا فرق ہے اس میں شک نہیں کہ بارود کے تمام اجزا باہم مرکب ہیں مگر ساتھ ہی یہ بات دیکھنے کی ہے کہ ہر جزو میں کتنا کتنا بڑا فرق ہے اسی طرح انسان کی ترکیب اجسام میں متضاد عناصر جمع ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہیں مگر سب ملکر ایک نتیجہ پیدا کرتے ہیں اور یہی گویا تمام حیاتی افعال کے مصدر ہیں یعنی جو کچھ ہوتا ہے ان ہی کی ترکیب سے ہوتا ہی پھر یہ خیال کہ روح اپنا علیحدہ عمل کرتی ہے اور تمام افعال کا صدور اسی سے ہوتا ہے کس قدر مضحکہ خیز ہے۔

ممکن ہے کہ فطری حادثات طبیعہ کی تحقیق میں نئی صفات یا خواص موجود ہوں اور بغیر انکے اسکی حالت میں تبدیلی واقع ہوتی ہو مگر یہ ضرور لازم ہے کہ ان خاص صفات کی تبدیلی ضروری ہمراہی اشیا سے ہوتی ہی۔ ہمیں اس کہنے کا حق نہیں ہے کہ ہم اس صفت میں جو مادہ میں ودیعت ہوئی ہے خود مادہ سے کوئی اختلاف پائیں یہ عام طور پر بیان ہوا ہے کہ ایک زندہ جسم میں علاوہ ترکیب عناصر اور مادی خواص کے کوئی علیحدہ چیز ہے جس سے

اس کا سلسلۂ حیات قائم ہے مگر اسکے سمجھنے میں کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے کہ کسطرح سے حیاتی خواص کا تعلق ترکیب شدہ مادہ کے ساتھ ہی جسطرح کہ قوت جاذبہ لوہے پر افزود کی گئی ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز ثابت کرنا جو جسم میں علیحدہ کام کرے اور جسم کے فنا ہونے کے بعد قائم و برقرار رہے محال ہی نہیں بلکہ ناممکن محض ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ والدین کے امتزاج سے ترکیب شدہ مادہ کی ابتدا ہوتی ہے اور ان ہی کے ذریعہ سے آیندہ حیاتی خواص مادہ میں ودیعت ہوتے ہیں۔ اور یہ سارے مشاہدات ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ فقط۔

یہ اُن طول طویل ابحاث کا خلاصہ ہے جو ڈاکٹران فرنگ نے لکھی ہیں ان سے یہ مطلب صاف کھلتا ہے کہ روح علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے نہ انسان کے مرنے کے بعد وہ قائم رہتی ہے۔ ہم نے یہ تمام اقوال اس لئے نقل کردیئے ہیں تاکہ ہمارے جواب دینے وقت یہ سارے اعتراضات اور طبی مشاہدے مدنظر رہیں۔ اور پھر یہ شکایت نہ رہے کہ موجودہ زمانہ کے آریا اور ویدپرستوں اور ملاحدہ کے اعتراضوں کا جواب نہیں دیا۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ اس سے زیادہ اور کسی پہلو سے اعتراض ہی نہیں ہوسکتے نہ موجودہ زمانہ کا کوئی تعلیم یافتہ آریا یا ملحد اس سے زیادہ سنگین کوئی نکتہ چینی کرسکتا ہے۔

بطور خود جواب دینے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ اُن علمائے اسلام کے خیالات کا اعادہ کردوں جنھوں نے کم و بیش روح انسانی پر بحث کی ہے اور سب کے بعد اپنی رائے کا اظہار کروں۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کے خیالات بابت روح نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کا خیال بابت روح کے

روح عرض نہیں ہے کہ بدن میں حلول کرے جیسا کہ سیاہی کا حلول سیاہ چیز میں اور عالم کا عالم میں ہوا کرتا ہے بلکہ وہ جوہر ہے کیونکہ اُس میں اپنے آپ کو اور اپنے خالق کو پہچاننے کا مادہ ہے۔ روح معقول کا بھی ادراک کرتی ہے مگر یہ صفتیں عرض میں نہیں ہوتیں۔

روح کو جسم نہیں کہہ سکتے کیونکہ جسم تقسیم ہوسکتا ہے اور روح منقسم نہیں ہے اگر روح کو منقسم مانیں تو پھر لازم آتا ہے کہ ایک شے کا علم ہو اور دوسرے سے بیخبر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ روح ایک غیر منقسم چیز ہے اور اسے سب علما نے جزو لایتجزیٰ تسلیم کرلیا ہے۔ یعنی روح وہ چیز ہے جس کی تقسیم نہیں ہوسکتی۔ اسے جزو بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ جزو کل کی نسبت ہوا کرتا ہے۔ جزو تو جزو یہاں تو کل ہی نہیں۔ پھر جزو کہاں رہ سکتا ہے۔ مگر روح کو اس اعتبار سے جزو کہتے ہیں جس اعتبار سے ایک کو دس کا جزو کہتے ہیں۔ کیونکہ تمام موجودات یا تمام اشیا جن سے انسان کا قوام ہوا ہے اعتبار کی جائیں اُن میں روح بھی ہوگی۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ روح ایک غیر منقسم شے ہے تو وہ حال سے خالی نہیں یا تو ذی مکاں ہوگی یا لامکان

روح کا ذی مکان ہونا تو باطل ہے کیونکہ جو چیز ذی مکان ہوتی ہے وہ منقسم ہو سکتی ہے اور جزو لایتجزی (یعنی ایسا جزو کہ ذی مکان تو ہو مگر تجزیہ اور تقسیم قبول نہ کرے) دلائل عقلیہ اور ہندسیہ سے باطل ہے اُن دلیلوں میں سے آسان دلیل یہ ہے کہ اگر اُسے دو چیزوں کے بیچ میں رکھا جائے تو ضرور ہے کہ وہ دونوں چیزیں اطرف مخالف سے اُسے مس کرینگی جب طرفین اُسکی مخالف نکلیں تو ہو سکتا ہے کہ ایک طرف سے ایک شئے کا علم ہو اور دوسری طرف سے اُس شئے کا جہل پس ایک ہی حالت میں ایک شئے عالم وجاہل ہوئی اور یہ باطل ہے اور جزو لایتجزی سے سطح فرض کیجائے تو اسکی وہ طرف جسکو ہم دیکھ رہے ہیں اس طرف کی مخالف ہوگی جو ہماری نظر کے آگے نہیں ہے کیوں کہ کوئی ایسی شئے نہیں ہوتی جو ایک ہی حالت میں دکھائی بھی دے اور جب سورج اُسکی ایک طرف کے مقابل ہوگا تو وہی طرف روشن ہوگی دوسری طرف نہیں ہوگی پس جب اس کے لیئے دو طرفیں نکلیں تو جزو لایتجزی نہیں رہی

روح نہ تو بدن میں داخل ہے نہ خارج نہ بدن کے ساتھ متصل ہے نہ منفصل کیونکہ یہ صفتیں جسم میں ہوتی ہیں اور روح جسم نہیں پس دونوں ضدوں سے الگ ہوئی جیسا پتھر نہ عالم ہے نہ جاہل کیونکہ علم اور جہل کے لیئے حیات چاہیئے جب حیات ہی نہیں علم وجہل بھی نہیں۔

روح کسی جہت میں ہے یا نہیں

روح محلوں میں حلول کرنے اور جسموں کے ساتھ متصل ہونے اور جہتوں کے ساتھ مختص ہونے سے پاک ہے کیونکہ یہ سب باتیں اجسام اور اعراض کی صفتیں ہیں روح جسم اور عرض نہیں وہ ان عوارض سے پاک ہے۔

رسولِ خدا کو حقیقت روح کے بیان کرنیکا کیوں حکم نہ ہوا

عوام الناس اسے نہیں سمجھ سکتے۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک عام اور ایک خاص جس میں عام ہونیکی صفتیں غالب ہیں وہ ان باتوں کو اللہ جلشانہٗ ہی کے حق میں تصدیق نہیں کرتا روح انسانی کے حق میں کیا تصدیق کریگا۔ اسی لیئے فرقہ کرامیہ اور حنابلہ ان باتوں کا منکر ہے۔ سو جس میں عامیت زیادہ ہوتی ہے وہ ان باتوں کو نہیں سمجھتا اور خدا تعالیٰ کو مجسّم سمجھتا ہے کیونکہ کسی وجود کو سوائے ذی جسم اور مشار الیہ یعنی ذی اشارہ ہونیکے ادراک نہیں کرتا بعضوں نے اس عامیت سے کچھ ترقی کی جسم کی تو نفی کی مگر عوارض جسمیہ کی نفی نہ کر سکے اور جہت کو جو عوارض جسمیہ میں سے ہے خدا تعالیٰ کے لیئے ثابت کیا۔ بعضوں نے ان میں سے ترقی کی اُنھوں نے اللہ جلشانہٗ کو لا فی جہت یعنی لامکان ثابت کیا وہ اشعریہ اور معتزلہ ہیں۔

ایسے لوگوں کو روح کی حقیقت بتانا کیوں جائز نہیں

وہ لوگ اس صفت کو اللہ تعالیٰ اور اُسکے غیر میں مشترک ہونے کو محال جانتے ہیں اگر تو اُن سے یہ ذکر کرے تو تجھے کافر بتائیں اور تجھے یہ کہیں کہ جو صفت اللہ تعالیٰ کی خاص تھی وہ اپنے نفس کے لیئے ثابت کرتا ہے اس لحاظ سے تو اپنے نفس کی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔

اُنھوں نے اس صفت کو خدا اور اُس کے غیر میں مشترک ہونے کو کیوں محال جانا

وہ لوگ جیسا کہ ذی مکان کا ایک مکان میں جمع ہونا محال جانتے ہیں اُسی طرح دو شئے کا لامکان میں جمع ہو

محال سمجھتے ہیں۔ کیونکہ فرق نہونے کی وجہ سے دو جسموں کا ایک مکان میں جمع ہونا محال ہے ویسے ہی لامکان میں اگر دو چیزیں جمع ہووں اُن میں بھی فرق نہیں رہنے کا اس بنا پر کہتے ہیں کہ دو سیاہیاں ایک محل میں جمع نہیں ہوسکتیں اور دو ہم مثلوں کو باہم ایک دوسرے کی ضد سمجھتے ہیں۔

یہ اشکال قوی ہیں ان کا جواب کیا ہوسکتا ہے۔

اس بات میں اُنھوں نے غلطی کی جب اُنھوں نے یہ گمان کیا کہ اشیا میں تین امروں کے ساتھ فرق ہوتا ہے ایک تو مکان کے ساتھ جیسا دو مکانوں میں دو جسم اور دوسرے زمانہ کے ساتھ جیسا کہ دو زمانوں میں دو سیاہیاں ایک جوہر میں ہوں تیسرے ماہیت اور حقیقت کے ساتھ جیسا کہ مختلف عوارض ایک محل میں مثلاً رنگ۔ ذائقہ۔ بو۔ برودت اور رطوبت ایک جسم میں ہوں کیونکہ ان کے لیئے محل بھی ایک ہے اور زمانہ بھی ایک لیکن ایک دوسرے سے ماہیت میں مختلف ہیں پس فرق ذائقہ کا رنگت سے ماہیت کی جہت سے ہوگا نہ کہ مکان اور زمان کے ساتھ اور علم کا فرق قدرت اور ارادہ سے ہوگا اگرچہ سب ایک ہی شے میں ہوں جبکہ اُن میں مکان اور زمان کی جہت سے اختلاف نہیں بلکہ ماہیت کی رو سے ہوتا ہے۔ پس جبکہ ایک مکان میں مختلف ماہیت کے عوارض کا ہونا جائز ہوا تو اشیاء مختلف ماہیت کا لامکان ہونا بطریق اولا جائز ہوا۔

یہاں اور بھی مشکل پیش آتی ہے یعنی روح کو اللہ تعالیٰ سے تشبیہ ہوتی ہے

یہ کیونکر ہوسکتا ہے کیونکہ انسان کو حی۔ عالم۔ سمیع۔ بصیر۔ قادر۔ مرید اور متکلم کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی ہے حالانکہ اس میں تشبیہ نہیں ہے کیونکہ یہ صفتیں اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے نہیں ہیں اسیطرح حیز۔ مکان اور جہت سے پاک ہونا بھی اُسکی اخص صفات میں سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی اخص صفات میں سے تو قیومیت کی صفت ہے یعنے وہ بذاتِ خود موجود ہے اور اُس کے ماسوا سب اُسی کی صفات موجود ہیں بلکہ اشیا کے لیئے تو بذاتِ خود عدم ہے وجود تو اُنکے لیئے عارتیاً غیر کی جہت سے ہے اللہ تعالیٰ کے لیئے وجود صفت ذاتی ہے عارتیاً نہیں ہے اور یہ صفت یعنی قیومیت اللہ تعالےٰ کے غیر میں نہیں پائی جاتی۔

نسبت کے معنی کیا ہیں اللہ تعالےٰ نے من روحی کیوں فرمایا۔

اگر آفتاب کی زبان سے یہ نکلے کہ افضت علی الارض من نوری یعنی میں نے زمین پر اپنے نور کا فیضان کیا تو یہ بات سچ ہوگی اور یہاں نسبت کے معنے یہ ہونگے کہ جو روشنی زمین کو حاصل ہے وہ کسی نہ کسی وجہ سے آفتاب کے نور کی جنس میں سے ہے اگرچہ یہ نسبت اُسکے بہت ہی ضعیف ہے۔ اور یہ تو نے معلوم کر لیا ہے کہ روح جہت اور مکان سے پاک ہے اور تمام اشیا کے علم اور اطلاع پانے کی اُس کو قوت ہے اور شے جسمانی میں یہ مناسبات نہیں ہوتیں (پس ان ہی مناسبات کی وجہ سے خدائے تعالیٰ نے روح کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اور من روحی فرمایا)

قل الروح من امر ربی کے کیا معنے اور عالم امر اور عالم خلق سے کیا مراد ہے

جس شے کی مساحت اور اندازہ ہوسکے وہ عالم اجسام اور عالم عوارض میں سے ہے اُسکو عالم خلق سے کہتے ہیں

اور یہاں خلق کے معنے تقدیر اور اندازہ کے ہیں ایجاد اور پیدا کرنے کے نہیں جیسا کہ کہا ہے خلق الشئ ای قدرہٗ یعنی چیز کا اندازہ کیا۔ اور ایک عربی شاعر کا شعر بھی اسی مناسبت سے آیا ہے۔

ولانت تفری ما خلقت و ... بعض القوم یخلق ثم یفری

اور جس چیز کا اندازہ اور مقدار نہ ہو اُس کو امر بی کہتے ہیں اور اُسے امر ربی کہنا اُن ہی مناسبات مذکورہ کی جہت سے ہے اور جو چیزیں اس جہت سے ہیں خواہ ارواح بشری ہوں یا ارواح ملائکہ اُن کو عالم امر سے کہتے ہیں پس عالم امر سے وہ موجودات مراد ہیں جو حس۔ خیال۔ جہات۔ مکان۔ اور حیز سے خارج ہیں اور مقدار کے نہونے کی وجہ سے مساحت اور اندازہ میں داخل نہیں ہیں۔

اس سے تو روح کی قدامت کا وہم ہوتا ہے

یہ سچ ہے اس بات کا ایک فرقہ کو وہم ہوا ہے مگر وہ اُنکی جہالت ہے بلکہ روح کو غیر مخلوق اس اعتبار سے کہینگے کہ اُس کا مقدار نہیں کیونکہ وہ منقسم اور ذی اجزا اور ذی مکان نہیں ہے اس کے حدوث کی دلیل طویل ہے اور مقدمات بہت ہیں۔ حق تو یہ ہے جب نطفہ میں روح کے قبول کرنے کی استعداد پیدا ہوئی تو روح پیدا ہوئی جیسا آئینہ میں صیقل کرنے کے وقت صورت پیدا ہوتی ہے۔ مختصر دلیل یہ ہے کہ ارواح بشری اگر بدنوں سے اول موجود ہوتیں یا تو بکثرت ہوتیں یا ایک بدنوں سے پہلے اُنکی وحدت اور کثرت تو باطل ہے تو بدنوں سے اول ان کا وجود بھی باطل ہوا۔ وحدت تو یوں باطل ہے کہ بدنوں سے متعلق ہونے کے بعد یا تو اُن کی وحدت باقی رہے گی یا کثرت ہو جائے گی۔ وحدت کا باقی رہنا محال ہے۔ کیونکہ ہمیں امکان اس بات کا کہ زید ایک شئے کو جانتا ہو اور عمرو نہ جانتا ہو صراحتًا معلوم ہے اگر جوہر ادراک کرنے والا یعنی روح ان میں ایک ہوتی تو دو ضدوں کا جمع ہونا اس میں محال ہے اور مقدار والی شئے کا دو ہو جانا اور منقسم ہونا محال نہیں جیسا کہ جسم۔ کہ ایک ہی جسم بسبب اس کے کہ مقدار رکھتا ہے منقسم ہوتا ہے اور اُس کے لیئے اجزا نکلتے ہیں اور جس چیز کے لیئے اجزا اور مقدار نہیں وہ منقسم ہونے کو کس طرح قبول کریگی۔

اور ابدان سے اول ارواح کی کثرت یوں باطل ہے کہ یا تو وہ ایک دوسرے کے ہم مثل ہونگی یا مختلف ہم مثل اور مختلف ہونا تو محال ہے۔ تو کثرت بھی محال ہوئی۔ ہم مثل ہونا یوں محال ہے کہ دو ہم مثلوں کا اصل میں وجود ہی محال ہے اسی لیئے ایک جسم میں دو سیاہیوں کا اور ایک مکان میں دو جسموں کا پایا جانا محال ہے کیونکہ دو ہونا تغایر کو چاہتا ہے اور یہاں تغایر ہی نہیں اور دو سیاہیوں کا دو جسموں میں پایا جانا ممکن ہے کیونکہ یہاں تغایر بسبب جسم کے ہو جائیگا اس لیئے کہ ایک سیاہی ایک جسم کے لیئے خاص ہوگی دوسری دوسرے کے ساتھ ایسا ہی دو زمانوں میں دو سیاہیوں کا ایک ہی جسم میں پایا جانا ممکن ہے کیونکہ زمانہ خاص میں جسم کے ساتھ متصل ہونا ایک ہی سیاہی کی صفت ہوگی دوسری کی نہیں ہوگی سو مطلقًا دو ہم مثلوں کا وجود ہی نہیں بلکہ اگر ہوگا تو کسی کی نسبت کر کے ہوگا جیسا کہ کہیں کہ زید و عمرو دونوں انسانیت اور جسمانیت میں ہم مثل ہیں۔ دوا اسنہ اور کوے کی سیاہی دونوں سیاہ ہونے میں ہم مثل ہیں۔

بدنوں سے اول اُن کا مختلف ہونا یوں محال ہے کہ مختلف ہونا دو قسم پر ہے ایک تو نوع اور ماہیت کے اختلاف کی جہت سے ہوتا ہے جیسا کہ پانی آگ - سیاہی - سفیدی - اور علم وجہل کا اختلاف ہے دوسری قسم کا اختلاف عوارض کے ساتھ ہوتا ہے جو ماہیت میں داخل نہیں ہوتے جیسا کہ سرد وگرم پانی کا اختلاف ہے۔

اب ارواح بشری میں بسبب ماہیت کے تو اختلاف ہونا محال ہے کیونکہ ارواح بشری ایک ہی نوع ہیں اور ماہیت اور حقیقت میں متفق ہیں - عوارض کے ساتھ بھی اختلاف محال ہے کیونکہ ایک ماہیت جب جسموں کے ساتھ متعلق ہو اور اُنکی طرف کسی طرح منسوب ہو اس وقت عوارض کے ساتھ مختلف ہوتی ہے اس لئے کہ جسم کے اجزا میں اختلاف ضروری ہے اگرچہ آسمان ہی نسبت قریب اور بعید ہونے کا اختلاف ہو لیکن جب ایک ماہیت جسموں ہی کے ساتھ ابھی متعلق ہی نہ ہو اُس کا اختلاف محال ہوگا - اس مسئلہ کی تحقیق زیادہ تقریر کی محتاج ہے لیکن جو کچھ بیان ہوا ہے وہی اُس تقریر پر آگاہ کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔

بدنوں سے علٰحدہ ہونے کے بعد روحوں کا کیا حال ہوگا۔

روحوں نے بدنوں کے ساتھ متعلق ہونے کی جہت سے مختلف صفتیں حاصل کی ہیں جیسا کہ علم اور جہل صفائی اور کدورت - خوش خلقی اور بدخلقی ان مختلف صفتوں کی جہت سے مختلف ہی باقی رہیں جن سے اُنکی کثرت سمجھی جاتی ہے بدنوں سے تعلق کے اول یہ بات نہیں تھی - کیونکہ ان کے مختلف ہونے کا کوئی سبب نہیں تھا۔ فقط

یہانتک ہمارے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی بحث بابت حقیقت روح ہوئی - ہم نے تو اپنی طرف سے سلیس اُردو میں ترجمہ کر دیا اب سمجھنے والے جانیں دیکھئے اُنکی سمجھ میں آتا ہے یا نہیں -

اِس کے بعد ہم اپنے فخر ہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی لاجواب کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں سے روح کی حقیقت نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارے ناظر تفسیر کو باہم موازنہ کرنیکا موقع ملے جب وہ تمام حکما فلاسفہ موجودہ ڈاکٹران فرنگ اور علماے اسلام کے خیالات اور اقوال ملاحظہ کر لیگا تو اُسکے بعد وہ ہماری بحث دیکھے گا - اور اُس سے اندازہ ہوگا کہ دل میں اثر کرنے والی اور سمجھ میں آجانے والی بحث کس کی ہے - ہم مناسب جانتے ہیں کہ متن اُردو حاشیہ میں اصل عربی لکھدیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ عربی عبارت کا ترجمہ کس عمدگی سے کیا جاتا ہے اور ہرگز مصنف کے ایک حرف کی فروگذاشت نہیں ہوتی -

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں

خدا تعالیٰ فرماتا ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا تجھسے (یہودی) روح کا

---

[1] قال اللہ تعالیٰ ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا وقرأ الاعمش عن ابن مسعود وما اوتوا من العلم الا قلیلا ویعلم من ھنالک ان الخطاب للیہود السائلین عن الروح ولیست الآیۃ نصًّا فی انہ لا یعلمہا احد من الامۃ المرحومۃ حقیقۃ الروح کما یظن ولیس کل ما سکت عنہ الشرع لا یمکن معرفتہ البتۃ بل

حال دریافت کرتے ہیں تو کہہ روح میرے پروردگار کے عالم امر کی چیز ہے اور تم لوگوں کو معارف الٰہیہ میں سے

كثيرا ما نسكت عنه لاجل ان معرفته دقيقة لا يصلح لتعاطيها جمهور الامة وان امكن لبعضهم - واعلم ان الروح اول
ما يدرك من حقيقتها انها مبدأ الحيات فى الحيوان وانه يكون حيا بنفخ الروح فيه ويكون ميتا بمفارقتها منه ثم اذا
اذا امعن فى التامل يتجلى ان فى البدن بخارا لطيفا متولدا فى القلب من خلاصة الاخلاط يحمل القوى الحساسة والمحركة
والمدبرة للغذاء يجرى فيه حكم الطب يكشف التجربة ان لكل من احوال هذا البخار من رقته وغلظه وصفائه وكدرته
اثرا خاصا فى القوى والافاعيل المنبجسة من تلك القوى وان الآفة الطارية على كل عضو على توليد البخار المناسب له
تفسد هذا البخار وتشوش افاعيله وبسببه تكون الحيوة وبتحلله الموت فهو الروح فى اول النظر والطبقة السفلى من الروح
فى النظر المعمق ومثله فى البدن كمثل ماء الورد فى الورد وكمثل النار فى الفحم ثم اذا امعن فى النظر ايضا انجلى ان هذا الروح
مطية للروح الحقيقية ومادة لتعلقها وذلك انا نرى الطفل يشب ويشيب ويتبدل اخلاط بدنه والروح المتولدة من تلك الاخلاط
اكثر من الف مرة ويصغر تارة ويكبر اخرى ويسود تارة ويبيض اخرى ويكون جاهلا مرة وعالما اخرى الى غير ذلك من
الاوصاف المتبدلة والتشخص هو هو - وان لو فتش فى بعض ذلك قلنا ان نفرض تلك التغيرات والطفل هو هو ونقول كم
تجزم ببقاء تلك الاوصاف بحالها وتجزم ببقائه فهو غيرها فالشئ الذى هو به هو ليس هذا الروح ولا هذا البدن ولا هذه
التشخصات التى تعرف وترى بادى الرائى بل الروح فى الحقيقة حقيقة فردانية ونقطة نورانية يحمل طورها عن طور هذه
الاطوار وتغيرة المتغائرة التى بعضها جواهر وبعضها اعراض وهى من الصغير كما هى مع الكبير ومع الاسود كما هى مع
الابيض الى غير ذلك من المتقابلات ولها تعلق خاصا بالروح الهوائى اولا وبالبدن ثانيا من حيث ان البدن مطية
النسمة وهى كوة من عالم القدس ينزل منها على النسمة كلما استعدت له فالموت المتغير انما جاء تغيرها من قبل الاستعدادت
الارضية بمنزلة حر الشمس يبيض الثوب ويسود القصار وقد تحقق عندنا بالوجدان الصحيح ان الموت انفكاك النسمة عن
البدن لتعذر استعداد البدن لتوليدها لا انفكاك الروح القدسى عن النسمة واذا تحللت النسمة فى الامراض المدنفة
وجب فى حكمة الله ان يبقى الشئ من النسمة بقدر ما يصح ارتباط الروح الالهى بها كما انك اذا مصصت الهواء من القارورة
تخلخل الهواء حتى تبلغ الى حد لا تخلخل بعده فلا تستطيع المص وتبقى القارورة وما ذلك الا لسر ناشئ من طبيعة
الهواء فكذلك سر فى النسمة وحد لها لا يجاوزهما الامر اذا مات الانسان كان للنسمة نشأة اخرى فينبثق فيض
الروح الالهى فيهما قوة فيما بقى من الحس المشترك تكفى كفاية السمع والبصر والكلام بمدد من عالم المثال اعنى القوة
المتوسطة بين المجرد والمحسوس المنبثة فى الافلاك كشئ واحد وربما تستعد النسمة حينئذ للباس نورانى او ظلمانى بمدد
من عالم المثال ومن هنالك تتولد عجائب عالم البرزخ - ثم اذا نفخ فى الصور اى جاء فيض عام من بارى الصور عين له
الفيض الذى كان منه فى بدء الخلق حين نفخت الارواح فى الاجساد واسس عالم المواليد اوجب فيض الروح الالهى
ان تكتسى لباسا جسمانيا او لباسا بين المثال والجسم فيتحقق جميع ما اخبر به الصادق المصدق عليه افضل الصلوات
وايمن التحيات ولما كانت النسمة برزخا متوسطا بين الروح الالهى والبدن الارضى وجب ان يكون لها وجه

بس تھوڑا ہی سا علم دیا گیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے اعمش نے وما اوتیتم من العلم الا قلیلا پڑھا ہے یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں سے خطاب ہے جنھوں نے روح کی حقیقت دریافت کی تھی۔ اس آیت میں اسکی تصریح نہیں ہے کہ امت مرحومہ میں سے روح کا حال کوئی جانتا ہی نہیں جیسا کہ لوگوں کا خیال ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ شرع نے جس چیز کا کوئی حکم نہ بیان کیا ہو وہ معلوم ہی نہ ہوسکے بلکہ شرع میں اکثر اس لیے سکوت کیا جاتا ہے کہ اشکال کیوجہ سے عام لوگ اُسکے برتاؤ کے قابل نہیں ہوتے اگرچہ بعض بعض اُسکو سمجھ سکتے ہوں۔

جاننا چاہیئے کہ روح کی بابت اول یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے جب حیوان میں روح ڈالدی جاتی ہے تو وہ زندہ ہوجاتا ہے اور جب نکال لیجاتی ہے تو وہ مرجایا کرتا ہے۔

اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتی ہے حس اور حرکت کرنیکی اُس میں وہ سب قوتیں ہوتی ہیں جو تدابیر غذا کے متعلق ہیں الکام طب کو اس بھاپ سے بڑا تعلق ہے تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بھاپ کے رقیق وغلیظ اور صاف ومکدر ہونیکا بدنی قوتوں پر اور اُن افعال پر جو ان قوتوں سے پیدا ہوتے ہیں بڑا اثر پڑتا ہے اگر اس عضو پر یا اُسکے بھاپ کے پیدا ہونے پر جسکو عضو سے تعلق ہے کوئی آفت پہونچتی ہے تو وہ بھاپ بگڑ جاتی ہے اُسکے کام مختل اور پریشان ہوجاتے ہیں۔ اس بھاپ کی موجودگی سے زندگی باقی رہتی ہے اور اُسکے تحلیل ہوجانے سے موت ہوجاتی ہے۔

بادی النظر میں روح اسی کا نام ہے مگر نظر غائر میں یہ روح کا ادنی طبقہ ہے بدن میں اسکی ایسی مثال ہے جیسا گلاب میں پانی اور کوئلہ میں آگ۔

پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح حقیقی کے بدن سے متعلق ہونیکا مادہ ہے اس لیئے کہ ہم بچہ کو دیکھتے ہیں کہ جوان ہوتا ہے بڈھا ہوجاتا ہے اور اُس کے بدنی اخلاط میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور جو روح ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے وہ ہزار درجہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ کسی حالت میں وہ لڑکا صغیر سن ہوتا ہے پھر وہ بڑا ہوتا ہے کبھی اُس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے کبھی گورا ہوتا ہے کبھی وہ جاہل ہوتا ہے پھر عالم ہوجاتا ہے اور ان کے علاوہ اُس کے اکثر اوصاف میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن اُس کے وجوہ میں کوئی تغیر نہیں ہوتا وہ وہی رہتا ہے جو پہلے تھا اور اگر اُن اوصاف کے تبدل اور عدم تبدل میں مناقشہ کیا جائے تو ہم ان تغیرات کو فرضی طور پر تسلیم کرتے ہیں تو اُس وقت بھی لڑکا وہی رہے گا جو پہلے رہے یا ہم یہ کہیں گے کہ ہم اُن اوصاف کو اپنے حال پر باقی رہنے کا یقین نہیں کرتے اور لڑکا بعینہ باقی رہنے کا یقین کرتا ہے اس لیے لڑکے کی ذات اُن اوصاف کے خلاف ہے

الی هذا وجه الی ذلک والی المائل الی القدس هو الملکیة والوجه المائل الی الارض هی البهیمیة ولتقصی من حقیقت الروح علی هذا المقدار مالنا لنسلم فی هذا العلم ونمنع علینا الانفار یعد قبل ان تنکشف الحجاب فی علما علی من هذا العلم والله اعلم۔ فقط

اب یہ ہم کہتے ہیں کہ وہ چیز جسکی وجہ سے وہ لڑکا بعینہ وہی لڑکا باقی رہا یہ روح بخاری نہیں ہوسکتی اور نہ بدن اور وہ چیزیں ہوسکتی ہیں جو اُس کے مشخص ہونے کی باعث ہیں اور ظاہر آنکھوں سے دیکھی جاتی ہیں بلکہ حقیقی روح ایک جداگانہ چیز ہے وہ ان تمام تغیرات سے ایک نورانی نقطہ ہے جن میں سے بعض جوہر ہیں بعض عرض اُس کا ڈھنگ نرالا ہے وہ بچہ ہونیکی حالت میں بھی ویسی ہی تھی جیسی بڑے ہونیکی حالت میں جیسے کہ سیاہ زنگی کی حالت میں ایسی ہی سپیدی کی حالت میں ہے ایسی ہی وہ تمام اضداد کی حالت میں یکساں ہے اُسکو ابتداءً روح ہوائی سے تعلق ہے اور ثانیاً بدن سے اس لیئے کہ بدن روح ہوائی سے مرکب ہے وہ عالمِ قدس کا ایک روزن ہے جب روح ہوائی میں قابلیت اور استعداد پیدا ہوجاتی ہے تو اُس روح سماوی کا اُس پر نزول ہوتا ہے۔

جن اُمور میں تغیر پیدا ہوتا ہے وہ زمین کی مختلف استعدادوں کی وجہ سے ہے جیسے کہ دھوپ کپڑے کو سفید کردیتی ہے اور دھوبی کو سیاہ اور ہمیں وجدان صحیح سے معلوم ہوگیا ہے کہ موت روح حیوانی کا بدن سے جدا ہونے کا نام ہے جسوقت بدن میں روح ہوائی پیدا کرنے کی قوت نہیں رہتی۔ روح ہوائی سے روح قدسی کے جدا ہونے کا نام نہیں ہے جب مصنف امراض سے روح ہوائی تحلیل ہوجاتی ہے تو یہ حکمت الٰہی کا مقتضی ہے کہ روح ہوائی اسقدر باقی رہجاے کہ روح الٰہی کا اُس سے تعلق رہ سکے جیسے کہ تم شیشے سے ہوا کو جذب کرلیتے ہو حتی الامکان اس میں تخلخل پیدا ہوجاتا ہے پھر تم اُسکے بعد ہوا کو نکال نہیں سکتے یہانتک کہ اخیر میں شیشہ ٹوٹ جاتا ہے یہ صرف اُس راز کی وجہ سے ہے جو خدا نے ہوا کی طبیعت اور سرشت میں رکھا ہے۔ ایسے ہی روح ہوائی ایک راز اور اندازہ ہے کہ اُس سے تجاوز نہیں ہوسکتا۔

مرنے کے بعد روح ہوائی کو از سرِ نو زندگی ہوتی ہے اور روح الٰہی کے فیضان سے ان اُمور میں جو حسِ مشترک کے ذریعہ سے اُس میں باقی رہ گئے تھے ایک جدید طاقت پیدا ہوتی ہے اور عالمِ مثال (یعنی اُس قوت کے ذریعہ سے جو مجرد اور محسوس کے مابین ہے اور افلاک میں پھیلی ہوئی ہے) کی امداد سے وہ روح حیوانی ایک نورانی یا تاریک لباس پہن لیتی ہے اور اس طرح عالم برزخ کے عجائبات نمودار ہوجاتے ہیں پھر جب صورتوں میں روح ڈالی جائیگی اور جو کچھ صادق و مصدوق علیہ افضل الصلوٰۃ و امین التحیات نے خبریں بیان کی ہیں سبکا حصول ہوگا اور چونکہ روح ہوائی ایک متوسط شے ہے روح الٰہی اور آدمی کے بدن کے بیچ میں اس کا واسطہ ضرور ہے کہ اس کا رخ اُس طرف بھی ہو اور اس طرف بھی اور جو اُس کا رخ عالمِ قدس کیجانب مائل ہوتا ہے اُسے ملکی حالت کہتے ہیں اور جو زمین کی جانب مائل ہے اُسے بہیمیت کہتے ہیں۔

مناسب ہے کہ روح کی حقیقت کے متعلق ان ہی مقدمات پر اکتفا جائے تاکہ اس علم میں اُس کے تسلیم کے بعد تعریفات کی جائیں اور اس علم سے ایک زیادہ بلند مرتبہ علم میں اُسکے چہرے سے پردہ اُٹھایا جائے۔ واللہ اعلم فقط

یہ جو کچھ لکھا گیا ہے اگرچہ زبردست دماغوں کا نتیجہ خیال اور اعلیٰ درجہ کے علمی مباحث ہیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ قائل کا مطلب کیا ہے اور وہ اُسے کس حد تک سمجھا ہے روح کی حقیقت کو انسان کے اختراعی اصول منطق اور فلسفہ سے حل کرنا اور جوہر و عرض کے جال میں پھنسانا قیامت تک اصلی حالت پر مطلع نہیں کرسکتا منطق کے وضعی جملے کبھی اُس گوہر بے بہا کا پتہ نہیں لگا سکتے جو خداوند تعالیٰ نے انسان میں ودیعت کیا ہے شریعت کے راز ہمیشہ سے منطق کی حجتوں اور بے نتیجہ دلائل سے بے نیاز کیئے گئے ہیں۔ منطق یا فلسفہ کی پرواز اُس بلندی پر نہیں ہوسکتی جہاں شریعت کے راز

مشتمل ہیں ان رازوں کو وہ قابلیت پاسکتی ہو جو روح القدس کے ذریعہ سے پیدا ہوتی ہے جس نے معرفت کی شراب نہیں پی وہ حقیقی حالت وجد کا چسکا کیا اُٹھا سکتا ہے "قدر ایں بادہ ندانی بخدا تا نچشی" اس میں شک نہیں کہ حضرت امام غزالی یا شاہ ولی اللہ صاحب یا امام فخر الدین رازی نے اپنی کتاب مباحث مشرقیہ میں جو کچھ روح کی حقیقت بیان کی ہو وہ ایک اعلیٰ درجہ کے منطقی اور علمی پیمانہ پر ہے مگر پڑھنے والے کا تذبذب اُس سے نہیں جا سکتا اور نہیں خیال میں آسکتا کہ روح کیا چیز ہے کیونکر پیدا ہوئی کہاں رہتی ہے اور جسم کے ساتھ اُس کا کیا تعلق ہے اور مرنے کے بعد عذاب ثواب روح پر ہوتا ہے یا کسی اور چیز پر یہ سوالات ایسے ہیں جو ادبا کے دل میں اُٹھتے ہیں اور جب ان کا کافی جواب نہیں ملتا تو مایوسی ہو جاتی ہے۔ ہم اپنی بساط کے موافق ان سوالوں کا جواب دینگے شاید ہماری کوئی بات ناظر تفسیر کا اطمینان کر سکے۔ روح اور جان کے سمجھنے میں سخت غلطی ہوئی ہے تمام حکمائے یونان اور موجودہ حکمائے یورپ نے سخت غلطی کی ہو کہ صرف جان یا "لائف" کو اُنھوں نے روح انسانی خیال کیا ہے۔ علوم جدیدہ جب روح کا پتہ نہ لگا سکے تو اُنھوں نے اُس سے بالکل انکار کر دیا اور لائف ہی کو اُنھوں نے مقدم ضروری اور لازمی قرار دیا اس لحاظ سے لائف کی جو کچھ تعریف کی ہے وہ بالکل صحیح اُصول پر مبنی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اُس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ انسان کے جسم کو ایک کل سے صحیح مثال ہو سکتی ہے جس طرح ایک پرزے کی خرابی تمام کل کو بےکار کر دیتی ہے اسی طرح ایک عضو کا تعطل یا بدنظمی جسم کو سالم نہیں رکھ سکتی۔ پھیپھڑا اگر اندرونی اعضائے شریفہ کو برقرار رکھتا ہے تو دل بھی اس سے کم اعضا پر حکومت نہیں کرتا۔ اگر دل یا گردہ میں چھید کر دو یا اُنھیں چاک کر دو تو کبھی کوئی عضو سلامت نہیں رہ سکتا بلکہ جسم ہی مردہ ہو جائیگا۔ انسان کی کھوپری اگر کسی صدمہ سے پھٹ جائے تو پھر پھیپھڑہ کا اور دل کا عمل بجا نہیں رہ سکتا اسی طرح اگر بائلر وغیرہ میں کچھ نقص واقع ہو جائے تو عظیم الشان کل کے تمام پُرزے کام چھوڑ دینگے یہ تو سب صحیح ہے مگر ان باتوں سے روح کو کیا تعلق ہے۔ روح ایک علیحدہ ہے جس سے اس زندگی کو کچھ سروکار نہیں روح سے نہ انسان زندہ رہتا ہے نہ روح کی مفارقت کے معنے مرنے کے ہیں۔ روح کا نہ کوئی مکان ہے نہ کسی خاص جگہ اُس کا قیام ہو روح باقی ہے فانی نہیں ہے اور روح ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی قرآن مجید سے بھی اسکی شہادت ملتی ہے اور عقل بھی یوں ہی چاہتی ہے روح صفات باری تعالیٰ میں سے ہے پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ خدا کی صفات قدیم نہوں نہ اس روح کو جوہر سے کچھ تعلق ہے نہ عرض سے اور نہ منطق کے اُن پیچیدہ الفاظ سے جو اس کے ثابت کرنے کے لئے وضع کیے گئے ہیں ایک کامل نور ایک کامل روشنی جو کائنات پر محیط ہو اور غیر محدود ہو اُس کا محدود الفاظ احاطہ نہیں کر سکتے خدا نے روح کو ہر جگہ مختلف لفاظ سے تعبیر کیا ہے مگر ایک مقام پر اسکی حقیقت کو کھول دیا ہے لیکن اس حقیقت کو دیکھنے اور نظر کرنے کے لئے دل کی آنکھیں چاہئیں یا اُس رتبہ کی آنکھیں ہوں جو انسان اور روح القدس میں قرار پایا ہے۔ ہماری آنکھیں خداوند تعالیٰ کے فیضان سے روح کی حقیقت دیکھنے کے لئے کھل گئی ہیں اس لئے ہم بیان کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے آدم کی پوری حالت بیان کر کے فرمایا ہے وعلم آدم الاسماء کلھا ثم عرضھم علی الملٰئکۃ فقال انبئونی باسماء ھؤلاء ان کنتم صدقین قالوا سبحنک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم قال یآدم انبئھم باسمائھم فلما انبأھم باسمائھم قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون

واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لاٰدم فسجدوا الا ابلیس ابیٰ واستکبر وکان من الکٰفرین اور آدم کو کُل اسمار تعلیم کیے پھر ان اسمار کو فرشتوں کے آگے پیش کرکے فرمایا کہ تم اگر سچے ہو تو ہمیں ان اسمار کی حقیقت بتاؤ بولے تو پاک ہے جو تو نے ہمکو بتادیا ہے اُسکے سوا ہم کو کچھ معلوم نہیں تو ہی جاننے والا مصلحت کو پہچاننے والا ہے پھر خدا نے آدم کو حکم دیا کہ تم فرشتوں کو ان اسمار کی حقیقت بتادو جب آدم نے فرشتوں کو اُن اسمار کی حقیقت بتادی تو خدا نے فرمایا کیوں ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی سب مخفی باتیں ہمیں معلوم ہیں اور تم جو ظاہر کرتے ہو اور تم جو ہم سے چھپاتے تھے وہ ہمکو سب کچھ معلوم ہے اور ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو شیطان کے سوا سب کے سب سجدہ میں گر پڑے اُس نے نہ مانا اور شیخی میں آگیا اور نافرمان بن بیٹھا۔

اس کل عبارت خداوندی سے جو پتہ چلتا ہے وہ اگرچہ ابھی تک نہیں کھلا ہے مگر کیا ضرور ہے جو ہمیشہ تک ڈھکا رہے اور اُسکے کھلنے کی نوبت نہ آئے۔ ہم اسمار کے معنے روح سمجھتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بنانے اور اُس میں جان ڈالنے کے بعد یعنی اُسے انھیں موجودہ اندرونی اور خارجی اعضا سے زندہ کرنے کے بعد عنایت فرمائی اور پھر اُسے وہ شرف بخشا کہ ملائک سے سجدہ کرایا اور اخیر تمام کائنات کا مسجود بنایا اسلام کا پہلا اصول جب توحید قرار دیا گیا ہے اور غیر اللہ کے آگے پرستش کرنا یا جھکنا حرام مطلق بلکہ درجۂ کفر میں داخل کیا گیا ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ خداوند تعالیٰ خود ہی تو تمام کائنات کا انسان کو مسجود بناتا اور خود ہی یہ فرماتا کہ سجدہ صرف میرے ہی لیئے ہے اور پرستش صرف میری ہی کرنی لازم ہے فرشتوں میں کسی خاص فرشتہ کی تخصیص نہیں کی گئی تو اس سے یہ نتیجہ بھی بآسانی نکل آئیگا کہ ہر فرد آدم یعنی آدمی زادہ کی ذات جبرائیل و میکائیل وغیرہ فرشتوں کی مسجود ہے اور پھر اسکے مقابلہ میں اسلام نے فرشتوں پر ایمان لانا اس طرح اسلام کی نشانی قرار دی ہے جس طرح انبیار علیہم السلام پر ایمان لانے پر قرار دی۔ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ ارفع و افضل ذات ایک ادنی و ارذل ترین ذات پر ایمان لانیکے لیئے مجبور کیجائے اور زبردستی اُس کا گلا گھونٹا جائے کہ وہ اُسکی تعظیم کرے۔ این خیال ست و محال ست و جنوں۔ بلکہ اس روشن آیت کے یہ معنے نہیں ہیں جو عام و خاص مفسر سمجھے گئے ہیں اس کا اصلی منشا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان بناکے اُسے اپنی روح القدس عنایت فرمائی جسکی وجہ سے اُسے کائنات کا علم ہوگیا اور جب وہ اس زیور سے مزین ہو چکا تو عالم مجردات کو حکم دیا کہ اُسکے آگے جھک پڑو کس کے آگے اُس روح القدس کے آگے جو رب العزت کی صفت تھی مگر اُس کے آگے سجدہ کرنے پر اس سرکش قوت نے جو انسان میں ودیعت ہوئی ہے انکار کیا چنانچہ ہمیشہ وہ اس انکار کرنے پر معتوب رہی اور تاقیامت رہے گی۔

اِس میں شک نہیں کہ انسان کا تمام علم و فضل تمام روحانی فضائل تمام اوصاف حمیدہ پر بعض اوقات یہ نیا زبان قوت غالب آجاتی ہے اور اُس سے ایسے ایسے افعال کا صدور ہوجاتا ہے کہ وہ ایک جانور سے بدترین جاتا ہے۔ غرض قیامت تک یہ قوت انسانی فضائل پر کبھی کبھی اپنا غلبہ کرتی دکھائی دیگی۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ روح کیا چیز ہے اور جیسا عام طور پر سمجھا گیا ہے روح فانی ہے یا باقی اور روح حادث ہے یا قدیم۔ ہمارے خیال میں ہی نہیں بلکہ قرآن مجید نے ہمیں بتایا ہے کہ روح قدیم اور باقی ہے اور روح کو ہرگز فنا نہیں ہے روح کا قیام ذات باری کے ساتھ ہے اور روح خداوند تعالیٰ کی ایک خاص صفت ہے چنانچہ قرآن مجید میں صاف طور پر فرما دیا گیا ہے۔

یعنی جب ٹھیک بنا چکوں اور پھوکوں اُس میں اپنی روح تو گر پڑو اُس کے آگے سجدہ میں۔ روحی کا لفظ صاف شہادت دیتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنی روح انسان میں پھونکی پھر کیونکر خیال ہو سکتا ہے کہ ہم خدا کی روح کو فانی اور حادث کہیں اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے بلکہ روح کو باقی اور قدیم نہ کہنے پر کفر لازم آتا ہے۔ اگر اب تک عام مفسر اس غلطی میں سے نہیں نکلے ہیں مگر دعا ہے کہ خدا اُنکی یہ غلطی معاف کرے گا اور اُن سے اس امر میں مواخذہ نہیں کرے گا کہ اُنھوں نے غلطی سے خدا کی روح کو فانی اور باقی نہیں مانا ہے روح کا فانی یا حادث ماننا خدا کا فانی یا حادث ماننا ہے حالانکہ اسلام ایسے شخص کو جس کا یہ عقیدہ ہو کافر سمجھتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ روح چیز کیا ہے؟ روح خدا کی خاص صفت ہے جس کی تشریح انسانی الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔ روح ایک اکتسابی امر ہے جو بقدر محنت ہر شخص کو ہوش سنبھالنے کے بعد ملسکتی ہے وہ ایک ایسا فیضان الٰہی ہے جسکے حاصل ہونیکے بعد انسان تمام علوم ظاہری و باطنی حاصل بھی کر لیتا ہے اور اُن سے نیک نتائج بھی اخذ کرتا ہے جسے روحانی قوت کا بہت بڑا زبردست حصہ ملا ہے اُس کے کمالات ایک عالم میں مسلم ہو جاتے ہیں اور وہ نہ صرف ملائکہ کا مسجود بنتا ہے بلکہ خود انسان اسکی تعظیم کرنی اپنی نجات کا باعث جانتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کفرستان میں پیدا ہوئے بت پرستوں میں پرورش پائی اور نہایت وحشی اور دنیا کے نامہذب لوگوں میں معاشرت رہی پھر کس چیز نے آپ میں وہ قابلیت پیدا کر دی جو شائستہ سے شائستہ ملک کے رہنے والے میں نہیں ہو سکتی۔ پس سوائے اسکے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ روح القدس جو آپ کی ذات میں ودیعت کی گئی تھی اُس نے آپ کو دنیا کے بہت بڑے حصہ کا مالک اور قریب قریب کل دنیا کا مصلح بنا دیا۔ جب روح القدس کا زیادہ زور ہوتا ہے تو وہ شخص نبی کہلانے لگتا ہے بلکہ اپنے ربانی وجد میں خود اپنے کو نبی کہتا ہے نبوت جس کے معنے بلندی کے ہیں اُس کی مرتفع اور اعلیٰ ذات کے ساتھ مل کے شیر و شکر ہو جاتی ہے اور پھر نبوت اور اُس کی ذات کوئی علیحدہ چیز نہیں رہتی۔ روح جسے فیضان باری تعالیٰ سمجھنا چاہیئے نہ اُسکی کوئی جگہ ہے نہ کوئی مقام ہے نہ یہ انسان کے کسی خاص حصہ میں رہتی ہے اِسکی مثال بالکل ہوا کی سی ہے نہ اُس کے رہنے کی کوئی خاص جگہ ہے اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر وقت اور ہر ساعت ہوا ہمارے ساتھ رہتی ہے ہمارے جسم میں بھی موجود ہے اور بیرونی اعضا پر بھی اُس کا اثر برابر ہے ہر طرف سے اُس کا بوجھ پڑتا ہے مگر معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح روح کا ایک سرچشمہ ہے جو دکھائی نہیں دیتا مگر اُس کا فیضان عام طور پر جاری ہے آفتاب کی روشنی سے جس طرح بقدر وسعت ہر جاندار مستفیض ہوتا ہے اسی طرح روح کا فیضان عام طور پر جاری و ساری ہے اور ہر شخص اُس سے بقدر قابلیت و لیاقت اور استعداد حصہ لیتا ہے روح کا نہ کوئی خاص مقام جسم میں ہے نہ کسی اور جگہ نہ وہ مادی ہے اور نہ غیر مادی نہ جوہر ہے نہ عرض بلکہ وہ باریتعالی کا ایک ایسا فیضان ہے جسکی ناپ تول انسانی زبان میں نہیں ہو سکتی قرآن مجید میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا ہے کہ قل الروح من امر ربی یعنی کہہ کہ روح امر ربی میں سے ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ روح کی حقیقت سمجھنے کا تمھیں بہت کم علم دیا گیا ہے یہ ایک عجیب و غریب جواب ہے جسکی باریکی ابھی تک کسی کے خیال میں نہیں آئی ہے۔ یہودیوں نے حضور انور سے یہ سوال کیا تھا اور اُس زمانہ میں یہودیوں کی جو کچھ حالت تھی خواہ بلحاظ اخلاق خواہ بلحاظ معاشرت خواہ بلحاظ مذہب ایسی ارزل اور ناپاک تھی کہ فیضان روح کا اُنھیں

مطلق حصہ نہیں ملا تھا اور جو کچھ ملا بھی تھا وہ بھی اُنکی بدکاریوں سے سلب ہو چکا تھا اور اصل یہ ہے کہ اُنھوں نے روح کی بابت جو سوال کیا تھا اُس کا یہ منشا ہرگز نہیں تھا کہ حق کی تحقیق ہو اور کچھ نامعلوم باتیں ظاہر ہوں بلکہ اس سوال کرنے سے اُن کا خاص منشا مفخر موجودات نبی کریم کی تضحیک کرنی تھی اُس کا ویسا ہی جواب دیا گیا اور بتایا گیا کہ روح امر ربی ہے مگر تمھیں اُس امر ربی کا بہت ہی قلیل حصہ ملا ہے - اب جواب باری نے یہودیوں کی پوری حقیقت کھولدی اور بتادیا کہ وہ کسقدر حکم خدا سے نابلد ہیں اور اُنھوں نے اُن احکامِ خدا کو کسقدر بھلا دیا جو حضرت موسی علیہ السلام کے ذریعہ سے اُنھیں عطا ہوئے تھے اور اُنھیں خداوند زمین و زماں نے جس روح القدس کا حصہ دیا تھا اُنکی بداطواری - نالائقی - احکام خدا سے روگردانی نے اُنھیں ظاہر کردیا اور ساتھ ہی اُنھیں بتادیا کہ تم اس قابل بھی نہیں رہے کہ تم سے یہ حالات بیان کیئے جائیں ہر شخص یہ خیال کرسکتا ہے کہ ایک زانی بداطوار شخص کو مضامین معرفت کی اُس وقت تعلیم کرنی کہ جب اُسے اپنی ناپاک معاشرت پر اصرار ہو کتنی لایعنی اور فضول بات ہے ہر شخص کی عقل کے مطابق ہمکلام ہونا چاہیئے ایک دہریہ جو مذہب کے نام سے نفرت رکھتا ہو اگر بطور مضحکہ کسی قرآن کی آیت کی تفسیر دریافت کرنے اور ربانی مطالب کو حل کرنے بیٹھ جائے کیا کوئی بھی عقلمند شخص اسے کلام ربانی کی باریکیاں سمجھائیگا جب کہ اُسے یہ علم ہوجائے کہ محض توہین دین اور تضحیک اسلام کرنے کی غرض سے اس نے یہ سوال کیا ہے - یہودی جہاں طرح طرح کی تکلیفیں ہمارے ہادی برحق کو پہنچاتے تھے اور شب و روز اسی فکر میں لگے رہتے تھے کہ جہانتک ممکن ہو اس مفخر موجودات کو اسکی کوششوں میں ناکام کیا جائے - عہد شکنی اُنھوں نے کی دشمنان رسول کریم سے وہ مل گئے دست بدست جنگ اُنھوں نے کی حتیٰ کہ ایک یہودی نے حضور انور کو زہر تک دیدیا ایسی شقی قوم کے افراد میں سے اگرچند افراد نے روح کی بابت آپ کے سوال کیا تو اس کا سوا اسکے کیا جواب پایا جاتا - بعض ناواقف یہ اعتراض کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے روح کا کچھ بھی بیان نہیں کیا اور ایک مجمل سا جواب دیکے ٹالدیا حالانکہ یہ سخت غلطی ہے اور ایسا سمجھنا نری جہالت ہے - جو مقدس نفس کہ سرتاج روح القدس بنا ہوا ہو جو پاک نفس پیدا ہوتے ہی روح القدس کا ہمکنار رہا ہو جسکے ساتھ روح القدس کا ہونا روز ازل سے لازمی کردیا گیا ہو - اُس سے زیادہ روح کی حقیقت کون بتاسکتا ہے اگر وہ چاہتا تو اُسکی وہ حقیقت بتاتا کہ کوئی نبی نہ بتاسکتا مگر روح کی حقیقت بیان کرنے سے یہی مناسب جانا کہ انھیں ایسے راستہ پر ڈالدیا جائے کہ وہ روح کی خود تلاش کرلیں اور پھر بتانے کی ضرورت نہ پڑے جس بچہ نے کہ مکتب میں ابھی تعلیم پانی شروع کی ہو اور جس نے ابتدائی کتاب پڑھی ہو معلم کی ہرگز یہ عقلمندی نہیں ہوسکتی کہ وہ ادب کی بڑی بڑی کتابیں اُسے سمجھانے بیٹھ جائے اور پھر یہ خیال کرے کہ میں نے اُسے بڑا عالم بنادیا حالانکہ وہ بیچارہ جو کچھ حاصل کرسکتا تھا اُس سے بھی گیا گزرا ہو گیا حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کس قوم میں مبعوث ہوئے تھے جو تمام عالم میں اپنی درشتی سخت دلی - بداطواری بت پرستی اور غیر اللہ کی پرستش کرنے میں نامور اور مشہور تھی اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ایسی جاہل - وحشی - بات بات پر بھڑکنے والی قوم کو کیونکر ہوسکتا تھا کہ ربانی غوامض کی تعلیم کیجاتی اور وہ وہ ادق مضامین بتائے جاتے جو وہ حشر تک بھی نہ سمجھ سکتے - ناممکن تھا کہ اس سے ایک نفس بھی ہدایت پاتا اور بالکل محال تھا کہ توحید کی روشنی عالم میں پھیلتی - اُنکی ہدایت کے لیئے ایسی کتاب نازل ہوئی جس میں عجیب و غریب معجزہ رکھا گیا جسطرح ایک ادنیٰ جاہل صحرائی وحشی شخص ہدایت پاسکے اسی طرح اُس مقدس کتاب سے ایک فاضل اور مہذب شخص روحانی تعلیم حاصل

کرسکے یہی ایک بڑا معجزہ ہے اور اسی معجزہ کی وجہ سے ہم اسے کتاب اللہ کہتے ہیں قرآن مجید کی ہزارہا تفاسیر موجود ہیں اور سب میں اکثر آیات قرآنی کی نئی نئی طرح کی تفسیر کی گئی ہے کہیں فلسفیانہ اصول پر تفسیر لکھی گئی ہے اور کہیں طبیعات کے اصول پر کلام ربانی کو چسپاں کیا گیا ہے کہیں عوام الناس کے مذاق کے مطابق حل مطالب کیئے گئے ہیں غرض ایک دریا ہے جسکی کاٹ کاٹ کے کئی شاخیں نکالی ہیں اور اُن شاخوں سے کہیں کھیتوں کو سیراب بنایا ہے تو کہیں باغوں کی روشوں کو شاداب کیا ہے اور کہیں عفونت کے مقام کو پاک کیا ہے اور کہیں پیاسوں کی پوری پیاس بجھائی ہے۔ جو شخص قرآن کے رستہ پر پڑ گیا اُس نے اپنے مذاق کے موافق اُس سے ہدایت حاصل کرلی یہی بہت بڑی صفت ہے جس نے قرآن کو کلام خدا کا معزز لقب دیا ہے۔ انسانی تصنیف میں یہ بات قیامت تک حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہر کتاب صرف ایک ہی مذاق کو پورا کرتی ہے اور دوسرے مذاق کا ایک حصہ بھی اُس سے پورا نہیں ہوتا۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوسکتا ہے کہ جو تعلیم حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے وہ لاریب نہایت حکمت بالغہ پر مبنی تھی اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا ضرورت نہ تھی نہ عقل اسکی مقتضی تھی کہ ابتدائے اسلام میں وہ باریک مسائل سمجھانے کی تکلیف گوارا کیجاتی جن کا انکشاف بعد میں خود ہونے والا تھا ضرورت نہیں تھی کہ ایسے پیچیدہ مسائل کو بیان کرکے مباحث کے دروازے کھول دیئے جاتے اور پھر لوگ اسی پیچ و تاب میں ہوکے رہجاتے۔ ضرورت نہیں تھی کہ قبل از وقت اہم مسائل پر ردوکد ہوتی اور پھر اشاعت اسلام کا ڈھانچہ توڑ مروڑ کے وہیں رکھدیا جاتا نادان ہیں وہ جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے روح کی حقیقت بیان نہیں کی۔ اور سخت کم عقل ہیں وہ جو اپنے اِس اعتراض پر بغلیں بجاتے ہیں کہ مسلمانوں کو اس کا جواب کچھ نہیں آتا۔ تعصب جبکہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے تو اسے حق و ناحق میں تمیز نہیں رہتی اپنی انتہا درجہ کی جہالت میں یہ سمجھے جاتا کہ جو کچھ ہمنے اعتراض کیا ہے وہ ٹھیک ہے اور دوسرے کا جواب نہ سنا یا مصلحت وقت اور موقع کو نہ دیکھنا بالخصوص ایک پڑھے لکھے آدمی کے لیئے سخت بدقسمتی کا باعث ہے مسئلہ روح کو دنیا میں کوئی بھی اس طرح سے حل نہیں کرسکتا کہ آنکھوں سے دکھادے ایک نور جو نہ آنکھوں سے دکھائی دے نہ محسوس ہوسکے اُس کا بیان اس صورت سے کرنا کہ ہر شخص تسلیم کرلے محال سے بھی بڑھ کے محال ہے بڑے بڑے فلسفیوں اور داناؤں نے جب کوئی پہلو نہیں دیکھا تو صاف انکار کردیا اور بعض نے اگر کوشش کرکے اُسکی کچھ حقیقت بتائی ہے تو وہ ایسی مضحکہ خیز ہے کہ خیال نہیں ہوسکتا کہ ایک عقیل اور فہیم شخص ایسی باتیں تحریر کرسکے۔ ہم جو کچھ روح کی حقیقت بتانا چاہتے ہیں ہم نہیں دعوی کرسکتے کہ وہ ہی اصلی حقیقت ہوگی اور اُس سے زیادہ تفصیل سے کوئی بیان ہی نہ کرسکے گا بلکہ ہمارا یہ منشا ہے کہ یہ ہر پڑھے لکھے سمجھدار شخص کو اس مسئلہ میں غور و خوض کرنی چاہیئے شاید آیندہ صدی دو صدی چار صدی کے بعد کوئی ایسا یقینی پہلو نکل آئے کہ اُس سے ہر متنفس کی تسکین ہوسکے۔

میرا منشا یہ نہیں ہے کہ میں حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ کی طرح روح کے بیان کو منطقی اور فلسفی اصطلاحات کے جال میں پھنسادوں نہ میرا یہ منشا ہے کہ میں اطبائے اسلام کی تقلید کرکے نفس ناطقہ کی ایک کیفیت بیان کروں نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ڈاکٹران یورپ کی طرح بالکل اُس سے انکار کردوں کہ روح کوئی چیز ہی نہیں ہے اور جو کچھ ہے جان ہے بلکہ جو کچھ میں ہوں وہ یہ ہے کہ روح کا بیان اُن سادے سیدھے جملوں میں ہو کہ کم استعداد شخص بھی بخوبی سمجھ سکے اور ربانی غوامض

کو اس عمدہ پیرائے میں ادا کیا جائے کہ سمجھنے میں ذرا بھی تامل نہ ہو۔ اگر ہمارے اس مضمون سے ایک حصہ بھی ناظر تفسیر کی تسکین ہو گئی تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے کامیابی کے ساتھ ایک اہم فرض انسانی کو ادا کیا اور اگر ہمارے بیان روح نے کچھ بھی تسکین نہ دی تو بھی ہم خوش ہونگے کہ دینی اور قومی کام کی انجام دہی تو ہو گئی کسی اور بھائی کو تحریک ہو گی کہ جس کام کو ہم نے ناتمام چھوڑا ہے اُسے پورا کریگا۔

خیال نہیں ہو سکتا کہ روح کوئی ایسی چیز ہو جو جسم کے کسی محدود حصہ میں مقیم ہو۔ ایک ایسی چیز جو خود محدود نہ ہو کسی محدود مقام میں مقید نہیں ہو سکتی اور اگر فرض کر لیں کہ مقید ہو سکتی ہے تو وہ کچھ کام نہیں دیسکتی۔ مثلاً ایک کمرہ کو چاروں طرف سے ایسا بند کیا جائے کہ کسی دراز سے رمق بھر ہوا کا بھی اُس میں گزر نہ ہو اور وہاں ایک جاندار چیز کو رکھا جائے جس دم ہو کے وہ چند ساعت میں مر جائیگی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ہوا اُس کمرہ میں موجود تھی تو وہ جاندار کیوں مرا جواب یہی دیا جا سکتا ہے کہ غیر محدود چیز اگر محدود ہو تو ہرگز کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ بہر حال یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ روح جو درحقیقت ایک نور مجرد ہے وہ کسی خاص حصہ میں مقید ہو کے رہے اور اُس سے افعال کا صدور ہو اگر روح کو دماغ کی کھوپری میں قید کرتے ہیں تو قلب جسے گزرگاہ جلیل اکبر کہتے ہیں بیکار رہجاتا ہے اور جب دل میں اُسے محدود سمجھتے ہیں تو دماغ کی روشنی کی روایت کہانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھنے کی۔ اگر روح کا مقام آنکھوں میں قرار دیں تو نابینا بے روح ہوئے حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ نہ ہم روح کو کیفیت اعضائے رئیسہ کہہ سکتے ہیں نہ روح کی تقسیم ہو سکتی ہے بلکہ ہمیں مجبوراً روح اور جان کو بالکل علیحدہ علیحدہ ماننا پڑیگا اور روح خواہ وہ کہیں رہے اُسکو ایک غیر محدود جگہ دینی ہو گی۔

پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ روح اور جان بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے جان حقیقت میں اُس کیفیت مزاج کا نام ہے جو اعمال اعضاء سے تعلق رکھتی ہے۔ جب تک پھیپھڑے میں یہ صفت باقی ہے کہ وہ ہوا کو صاف کر کے کل جسم میں پہنچائے جس سے تمام اعضا اپنا کام معطل کر دیں جب تک خون جسم میں ہو موجود ہے جب تک اُس میں اعتدال سے حرارت نہیں بڑھی ہے غرض ہر چھوٹے سے چھوٹے عضو کی حرکت اور حد اعتدال میں ہونا جان کہلاتا ہے۔ اگر معدہ میں چھید کر دیا جائے یا گُردوں کو چیرا جائے تو کل اعضا اپنا کام چھوڑ دینگے اُن کا بالاتفاق کام چھوڑ دینا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جان نکل گئی۔ یا بالفاظ دیگر جان نکل جانے کے معنے یہ ہیں کہ جسمانی اعضا نے اپنا کام کرنا ترک کر دیا۔ اس سے روح کو کیا تعلق روح کے فنا اور غیر فنا ہونے کے متعلق بحث کرنا ایک لاحاصل امر ہے۔ روح قدیم اور باقی ہے اُسے نہ جسم کے فنا ہونے سے کوئی نقصان پہنچتا ہے اور نہ اس کے باقی رہنے سے کچھ فائدہ۔ بعض نے صرف اوپری سطح پر ہاتھ پیر مارے ہیں اور یہ بحث کی ہے آیا جسم کے فنا ہونے یا بالفاظ دیگر انسان کے مرنے کے بعد روح بیکار ہو جاتی ہے یا نہیں یہ بحث انتہا درجہ فضول ہے روح کی ہمیشہ ایک حالت رہتی ہے اور اسے کبھی فنا و بیکاری کی ہوا تک نہیں لگتی۔ روح درحقیقت ایک خاص نور ہے جو بقدر وسعت استعداد ہر شخص اور ہر جاندار کو عطا ہوتا ہے۔ حیوانات میں اگرچہ روح ہے مگر نباتات میں صرف جان ہی جان ہے روح نہیں ہے جان حیوانات کی نمو اور مستی کا باعث ہے اور روح بقدر اُس کی استعداد کے اُسے آگاہ کرتی ہے کہ پانی پی تاکہ پیاس بجھے۔ کسی پناہ کی جگہ میں ہو تاکہ دشمن سے محفوظ رہے غرض اسی قسم کی ہر بات کی تعلیم کرتی ہے جس نے

محنتِ شاقہ اُٹھا کے اکتساب نورِ روح کیا ہے وہی معزز و محترم بنجاتا ہے۔ روح ایک لطیف نور ہے جو بُرے افعال سے کثیف ہوجاتا ہے اور وہ روشنی جس میں انسان کے تمام خارجی و اندرونی اعضا چلتے اور کام کرتے تھے مدہم پڑجاتی ہے اور پھر سوائے منافی اخلاق اور مضر صحت افعال کے اُس سے کچھ سرزد نہیں ہوتا۔ روح کا عمل جسم پر ایسا ہی جیسا کہ ہوا اور آفتاب کی روشنی کا کہ نہ اُس کا قیام کسی خاص مقام پہ ہے اور نہ وہ کسی خاص محدود جگہ مقید ہے یہ صحیح ہے کہ مرنے کے بعد وہ انسان سے علیحدہ ہوجاتی ہے مگر یہ خیال کہ جدا ہونے کے بعد بیکار ہوجاتی ہے محض لغو اور مہمل ہے روح ہر جانب اور صورت میں کامل شعور کامل عقل اور کامل دانائی ہے۔ روح کیا ہے تمام عقل و دانش کا منبع ہے اور تمام اسرار ربانی کا سرچشمہ ہے یہیں سے قوانین فطرت کا دریا نکلا ہے اور یہیں اسرار وحدت کا پتہ چلتا ہے روح خدائے برتر کی ایک خاص صفت ہے جسے یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں نہ انسانی افعال اُسکی حقیقت کُنہ پر محیط ہوسکتے ہیں تمام دنیاوی انتظامات تمام عقلی اور کیمیائی مشاہدات تمام علوم متعارفہ کا ایجاد اور عروج محض روح ہی کی وجہ سے ہوتا ہے اگر انسان میں روح نہ دیجاتی تو فکر کرنے اور سوچنے کی اُس میں ہرگز طاقت نہ ہوتی۔ شیرخوار بچہ بالکل مثل حیوان کے ہے نہ اُسے آگ آگ معلوم ہوتی ہے نہ زہر زہر نہ گڑھ گڑھ اور نہ شیر شیر اسکی وجہ یہ ہے کہ بچہ میں فیضان باری سے فیضیاب ہونیکی قابلیت نہیں ہوتی اس لیئے ایک حد تک وہ بالکل اس سے محروم رہتا ہے کیا وجہ ہے کہ رحم اُسکے پاس ہوکے نہیں پھٹکتا اور لحاظ اور شرم کا نام بھی اُس میں نہیں ہوتا وہ ایک چھوٹے سے پرند کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے پھینکدیتا ہے اور خوش ہوتا ہے وہ چھوٹے چھوٹے کیڑوں مکوڑوں کو پیر سے کچل ڈالتا ہے اور شاد ہوتا ہے اخیر یہ بات کیوں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اُس میں روح نہیں ہوتی اور جب روح کے فیضان کا زمانہ آتا ہے تو وہ روز بروز انسانی صفات حاصل کرتا جاتا ہے اور اخیر میں اگر وہ یوں ہی بڑھتا گیا تو مدارج اعلیٰ پر پونہچ کے فیضان باری یا روح کا ایک امتیازی حصہ حاصل کرلیتا ہے اسی کو کامل انسان کہتے ہیں

اگر انسان میں روح کی خصوصیت نہ ہوتی تو مصنوعی بہت سے آدمی تیار ہوجاتے جو چلتے پھرتے باتیں کرتے ہوئے دکھائی دیتے مگر نہ اُن میں نمو کی قوت ہوتی اور نہ وہ کسی قسم کا فکر کرسکتے۔ ایک کل جسکے کل پُرزے درست ہیں بغیر کسی آدمی کی مدد کے چلتی پھرتی اور کام کرتی ہے کپڑا عمدہ سے عمدہ بنتی ہے اور دنیا بھر کی نادر اشیا بناتی ہے۔ اسٹیم بہت بڑا اس کا مدد و معاون ہے اور اسی کی وجہ سے یہ تمام کام ہوتے ہیں۔ کہیں بجلی اسٹیم (یعنی بھاپ) کا کام دیتی ہے۔ ہم ایک قسم کی جان اس کل میں بھی تسلیم کرتے ہیں مگر انسانی اور حیوانی یا نباتی جان میں اتنا فرق ہے کہ انمیں نمو کے بعد تنزل ہوتا ہے اور کلوں میں ابتدا سے سوائے تنزل کے ترقی نہیں ہوتی یعنی پرزوں کا گھس گھس کے بیکار ہوجانا اس امر کی کافی دلیل ہے کہ وہ اخیر بے کار ہوجائیگی اور سوائے اسکے کہ اُن پرزوں کو کسی دوسرے کام میں لے آئیں وہ کسی مطلب کے نہیں رہتے۔ یہی حالت ہو بہو انسان اور حیوان کی ہے اگرچہ بظاہر انسان کا کوئی جزو کام میں نہیں آتا مگر حیوان کی بہت سی چیزیں کام میں آتی ہیں اور انسانی ضروریات کے لیئے اُس کا گوشت پوست اور ہڈیاں کار آمد ہیں اور اکثر اوقات بغیر اُنکے چارہ نہیں جسطرح ایک بڑی کل صرف اپنے پرزوں کی ترتیب پر چلتی ہے اور اُنھیں خارجی چیز سے مدد ملتی رہتی ہے اس طرح انسان کی زندگی اُن گوشت کے پرزوں پر منحصر ہے جو اسے

ودیعت ہوئے ہیں ایک پرزہ کی خرابی تمام نظام جسم کو درہم وبرہم کردیتی ہے اگر وہ خرابی بیرونی امداد سے دور ہوگئی ہو انسان زندہ ہے اور جو وہ خرابی بڑھتی گئی تو اُس کا اثر دوسرے پرزوں پر پڑتا ہے اور پھر کل پرزے اخیر جواب دیدیتے ہیں اور پھر انسان کو مردہ جسم کہنے لگتے ہیں۔ روح کا وہ حصہ جو اسے عطا ہوا تھا اب بھی اُسی شعور کیحالت میں رہتا ہے اور ذرہ برابر بھی تفاوت نہیں ہوتا۔

ہم نے بھی روح کو علیحدہ نہیں کیا ہے اور ہم نے ہی اُسے ایک اعلی درجہ نہیں عطا کیا ہے اور ہم نے ہی اُسے قدیم اور غیر فانی نہیں مانا ہے بلکہ خداوند تعالی نے صاف الفاظ میں اسکی اہمیت۔ جلال۔ جبروت اور عظمت کا بیان کیا ہے اور ایسا بیان فرمایا ہے جسے پڑھکے دل ہل جاتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو کتنی عظیم الشان بزرگی عطا ہوئی جس کا خیال بھی نہیں آسکتا۔ خداوند تعالی فرماتا ہے انا عرضنا الامانة علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنہا واشفقن منہا وحملہا الانسان انہ کان ظلوما جہولا یعنے ہمنے اپنی امانت کو آسمانوں۔ زمین اور پہاڑوں کے آگے پیش کیا انھوں نے قبول نکیا کہ وہ اُسے اُٹھائیں وہ خوف کے مارے کانپ اُٹھے لیکن اُسے آدمی نے اُٹھالیا اور وہ ظالم اور جاہل تھا۔ اس لفظ امانت سے عام طور پر خلاف مراد لی گئی ہے مگر میری رائے یہ نہیں ہے بلکہ امانت سے مراد روح ہے جس کا بوجھ واقعی زمین وآسمان اور پہاڑ برداشت نہیں کرسکتے۔ یہ خدائے برتر کا طرز بیان ہے کہ ہم نے پہاڑوں آسمانوں کے آگے پیش کی اس پیش کرنے سے غرض یہ ہے کہ ہمنے اپنی امانت کا اُٹھانے والا صرف انسان کو بنایا اور اسی وجہ سے ہمنے تمام کائنات پر اُسے شرف بخشا۔ ظالم اور جاہل سے یہی مراد ہے کہ وہ ہماری اس رحمت سے بالکل غافل تھا اور اس شرف کی اُسے خبر نہ تھی جو ہم اُسے عطا کرنے والے تھے ظلم کے معنے لغت عربی میں غیر کی چیز میں تصرف کرنیکے ہیں یعنی اسکی یہ حالت تھی کہ وہ غیر کی چیز میں آسانی سے تصرف کرسکتا تھا اور جب اُسے امانت باری تعالی ملگئی تو اب پس وپیش کرنا پڑتا ہے اور اگرچہ اسکی امانت کے حاصل نہ ہونے کے بعد بھی وہ تصرف کرتا ہے مگر اپنے اس فعل کو ناجائز ضرور خیال کرتا ہے۔ اس سے اتنا مطلب نکلتا ہے کہ امانت کا لفظ انسان بنتے کے بعد استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی ایک پتلا بنایا اور پھر وہ انسان بنا یعنی اُس میں رگوں اور اعضا کا وہ سلسلہ پیدا کیا گیا جس سے اُس میں جان پڑی اور پھر اُسے امانت سے سرفراز کیا۔ یہ امانت وہ روح ہے جس کی بابت ہم گفتگو کررہے ہیں۔ اگر امانت سے مراد خلافت لیں تو مطلب خبط ہوجاتا ہے کیونکہ لفظ انسان نوع انسانی پر دلالت کرتا ہے اور یہ کوئی نہیں تسلیم کرتا کہ ہر انسان خلیفہ بنایا گیا اور سب نبی بنا کے مبعوث کیئے گئے لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ایک نبی یا رسول یا خلیفہ ہوتا ہے اور کل بنی نوع پر اسکی اطاعت لازم ہوجاتی ہے اور اس آیت میں صرف لفظ انسان ہے جو عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ ضرور ہوا کہ کوئی ایسی چیز ہو جو کل انسانوں میں ہو اور اُس سے ایک فرد بھی خالی نہ ہو۔ ہمارا جو کچھ مطلب تھا وہ حل ہوگیا یعنی ہم نے یہ دعوی کیا ہے کہ روح اور جان علیحدہ علیحدہ چیز ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ انسان میں وجہ شرف صرف یہ روح ہے اور اسی سے یہ اعجوبہ کام سرزد ہوتے ہیں جنھیں بعض اوقات سحر۔ خرق عادات کرامات اور معجزہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ روح کے بھی امتیاز یہ مدارج ہیں اور ہر انسان میں اُسکی

حالت مختلف آکے واقع ہوئی ہے۔جس طرح رنگ۔صورت۔قد۔ڈیل ڈول۔ذہن۔ادراک۔عقل۔حافظہ انسانی نوع میں ایک اختلاف عظیم پایا جاتا ہے اسی طرح روح کے مدارج میں بھی بیّن فرق مشاہدہ ہوتا ہے۔

روح کی ترقی بھی کئی طرح سے ہوتی ہے اگر کسی نے آنکھوں کے ذریعہ سے روح کو ترقی دی تو اُس میں اتنی قوت ہوجائے گی کہ وہ ایک تند اور غصیلے شیر کو آنکھوں کے ذریعہ سے ایک ہی مقام پر بحیس اور بے حرکت کرنا چاہے گی تو کر سکتی ہے۔آنکھیں ملاتے ہی کسی شخص کو بے ہوش کرنا اور بیہوش کرنے کے بعد مار ڈالنا یہ آنکھ کی روحانی قوت کا ادنیٰ نتیجہ ہے۔اور اگر قلب کے ذریعہ سے اکتساب قوت روح کیا جائے تو قلب وہ عجائب وغرائب اسرار کا پتہ لگاتا ہے کہ انسان ولی۔قطب۔ریفارمر(مصلح) اور رشی کہلانے لگتا ہے اُسے ہر مقام پر اپنے خلاق اکبر کا جلوہ نظر آتا ہے وہ سو قفلوں میں چھپی ہوئی چیز کو بآسانی دیکھ سکتا ہے وہ ادنیٰ توجہ سے ایک فاصلۂ بعید کے شخص کو اپنا گرویدہ بنا سکتا ہے وہ اپنے قلب کی توجہ سے ایک شقی۔ظالم اور سنگدل کو رحمدل اور نیک کرسکتا ہے۔وہ ایک گروہ کے گروہ کو وجدانی حالت میں لاسکتا ہے۔غرض اُن چھپی ہوئی اور بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کا اُس سے اظہار ہوسکتا ہے کہ ظاہر بیں ہرگز نہیں سمجھ سکتے۔علوم جدیدہ اور موجودہ زمانے میں اگر قلب کی قوت کا انکار کریں تو انکا انکار مسلم نہیں ہوسکتا۔کیونکہ اُنھوں نے دماغ کی روحانی قوت کا اکتساب کیا ہے اور اسی کو ایک بہت بڑی ترقی دی ہے وہ کیا سمجھ سکتے ہیں کہ قلب کی روحانی قوت کیا ہے اور کن مراقبوں اور مجاہدوں کے بعد حاصل ہوتی ہے حقیقت میں قلب کی روحانی قوت کا وجود عالم میں تھا اور اب بھی مشرقی دنیا میں کہیں کہیں موجود ہے اور اصل یہ ہے جسے اس ملکۂ قلبی کا کچھ بھی چسکا لگ جاتا ہے اُسکے آگے درحقیقت ہفت اقلیم کی سلطنت ہیچ معلوم ہوتی ہے۔نامناسب نہ ہوگا اگر ہم اس جگہ ایک صاحب نسبت کے اُس جواب کو جو اُس نے شاہ سنجر کو دیا تھا نقل کردیں۔مختصر یہ ہے کہ شاہ سنجر نے ایک صاحب نسبت شخص کے کمالات روحانی ان معتبر ذرائع سے سنے کہ وہ نادیدہ عاشق ہوگیا۔اور اُس نے اپنے ہاتھ سے ایک عریضہ لکھکے فقیر صاحب کی خدمت میں روانہ کیا اور اس میں یوں ملتجی ہوا اگر حضور میرے پائے تخت میں تشریف لاکے اقامت گزیں ہوں تو میں اپنا نصف ملک حضور کی تحویل میں دیتا ہوں اسکے جواب میں صاحب نسبت درویش نے یہ اشعار لکھکے بھیجدیئے۔

تا یافتہ دلم خبر از ملک نیم شب — من ملک نیم روز بیک جو نمی خرم
چون چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد — در فقر گر بود ہوس چتر سنجرم
سر چون سر قلم زوجودم بریدہ باد — گر سر بطاق عرش فرود آوردم سرم

یہ بالکل صحیح ہے اور اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے جنھیں اس کا مذاق نہیں ہے وہ اسے مشرقی مبالغہ سمجھیں گے مگر خدا جانتا ہے کہ ذرہ برابر بھی اس میں فرق نہیں ہے جسے قلب کی خفیف سی قوت بھی حاصل ہوجاتی ہے اُسکی کیفیت کے آگے وہ بادشاہت کو لات مارتا ہے چہ جائے کہ اُسے پورا ملکۂ قلبی حاصل ہو۔جب اُسے اس ملکۂ قلبیہ روحانی میں غلو ہوجاتا ہے تو پے در پے اُسکی زبان ہی سے نہیں بلکہ جسم کے ہر بُن مو سے یہ سرزد ہوتا ہے۔

ہر چہ جز حق بسوز غارت کن — ہرچہ جز دیں ازو طہارت کن

یہ سارے روح کے کرشمے ہیں جو ایک کل ہیں یا حیوان ہیں یا مصنوعی انسان ہیں نہیں حاصل ہو سکتے ایک غریب بے یار و مددگار انسان ایک فاضل - حاکم - موجد - پیشوا کیوں بنجاتا ہے اور کس قابلیت سے وہ لاکھوں بنی نوع انسان پر حکومت کرتا ہے محض روحانی قوت کے طفیل سے جو لوگ جسمانی رکھ رکھاؤ ہیں اپنی زندگی گزار دیتے ہیں اور انھیں روحانی قوت کی ترقی کا کچھ خیال نہیں رہتا اس میں شک نہیں کہ جانوروں کی اور انکی حالت یکساں ہے اور ذرہ برابر فرق ایسے انسان اور جانور میں نہیں ہے - مگر جس نے خلاق اکبر کی نعمت عظمیٰ کی قدر کی ہے اور اسے اپنی اپنی بساط کے موافق ایک حد تک حاصل کیا ہے وہی اسکی لذت کو بخوبی پہچان سکتا ہے - اسکی وجدانی حالت اس سے وہ وہ الفاظ منہ سے نکلوا دیتی ہے کہ لوگ اسے مجنون سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ مجنون نہیں ہوتا - ایک عارف کے یہ اشعار ایسی حالت کا سچا نقشہ کھینچتے ہیں -

ما ہیچ نہ ایم و جملہ ما ایم
سلطان حقیقتیم ولیکن
گہ چوں ملکیم و گہ ہمائیم
درکسوت آب و گل گدائیم

یہ تو انکی حقیقت ہوئی جو قلب سے اکتساب روحانی کرتے ہیں اور یہی سب سے بڑا اہم کام تھا مگر وہ لوگ ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں ہیں جو دماغ سے اکتساب قوت روح کرتے ہیں جس کے جلوے ہمیں اپنے چاروں طرف نظر آتے ہیں - عالیشان عمارتیں - بروج مشیدہ - طراوت خیز باغ - جہازوں کا سطح آب پر چلنا - سحر انگیز آلات کی روزمرہ ایجاد - تعیش خیز سامانوں کا پیدا ہونا - مختلف کلیں - تار برقی کا سلسلہ یہ سب اس روحانی قوت کا نتیجہ ہے جو دماغ کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے قدرت باری کے کرشمے جو ظاہری آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں سب اسی کا طفیل ہے جب انسان کا کوئی عضو ایسا بگڑ جاتا ہے کہ اس میں اکتساب قوت روح کی قابلیت نہیں رہتی اور نہ اس میں وہ استعداد رہتی ہے کہ جو حصہ روح کا اسنے عطا ہوا تھا اسے وہ اپنے پاس رکھ سکے تو اسے دیوانہ کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ دیوانہ میں روح کا رمق برابر حصہ بھی نہیں رہتا - ہاں اگر کوئی طبیب ایسا پیدا ہو جو اسکے خراب شدہ اعضا کو درست کرے اور پھر وہ اعضا اس قابل ہو جائیں کہ اکتساب روح کر سکیں تو پھر وہ روح دار انسان ہو سکتا ہے - مجنونؔ میں صرف جان ہوتی ہے اور روح نہیں ہوتی - اور جو شخص مجنون میں بھی روح سمجھے اسکی سخت غلطی ہے -

---

لہ یہ جاننا ضرور ہے کہ مجنون کسے کہتے ہیں اور کس حالت میں انسان مجانین کی فہرست میں شمار ہو سکتا ہے - لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ بعض اصطلاحات جن کا استعمال موقع بموقع ہوگا بیان کر دی جائیں تاکہ پھر سمجھنے میں دقت نہ ہو - یہ اصطلاحات چار ہیں (۱) ڈی لیوزن یعنی توہمات (۲) ہلیوسی نیشن یعنی تخیلات (۳) اسے لیوزن یعنی تصورات (۴) لیوشد انٹرول یعنی صحت کا وقفہ -

توہمات اس قسم کے خلاف قیاس اعتقادات ہیں جو صرف مجنون کے واہمہ ہیں اور جن کا وجود فی الخارج نہیں ہے - ان توہمات کا بے اصل ہونا مجنون کی سمجھ میں نہیں آتا - اور ان کے متعلق اس سے مباحثہ کیا جا سکتا ہے -

تخیلات - ایسی اشیائے خارجی کی نسبت خیالات کا جم جانا ہے جن کا فی الواقع وجود فی الخارج نہیں ہے - تخیلات اکثر جنون کی مزمن اور مختلف صورتوں میں واقع ہوتے ہیں ان ہی تخیلات میں سے ہے اپنے کو کسی جانور کی صورت سمجھنا یا خیالی بو یا خیالی آواز یا اشکال کا احساس حسبوقت ان کا وجود

روح اور جان بالکل غیر غیر ہیں اور ان میں باہم تعلق نہیں ہے سوائے اسکے کہ جان اعضا کو اس قابل بنائے رکھتی ہے کہ وہ روح کے متحمل ہو سکیں۔ اور اگر چاہیں تو اُسے اپنی بساط کے موافق ایک حد تک مزید طور پر حاصل کر سکیں اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ملاحدہ یورپ روح سے کیوں انکار کرتے ہیں اور حیات ابدان پر کل افعال خارجی و اندرونی کا کا دارومدار رکھتے ہیں۔ انکا خیال یہ ہے کہ جو چیز آنکھوں سے نہ دکھائی دے اور خیال ہی خیال میں رہے وہ تسلیم کرنیکے قابل نہیں ہے حقیقت میں یہ بات درست ہوتی اُس وقت جب ڈاکٹران یورپ کو انسان کے قوائے عقلی اور اخلاقی کا پورا علم ہو جاتا۔ ابھی تک کوئی ڈاکٹر نہیں بتا سکا کہ ایک اچھی چیز کو دیکھکر جو کچھ کیفیت اور مسرت ہوتی ہے اسکی اصلی وجہ کیا ہے اور کون سے قویٰ ہیں جو یہ کام کرتے ہیں۔ موجودہ زمانے کے ایک بہت بڑے ڈاکٹر کا قول ہے کہ ہمیں انسان کی بابت ابھی بہت کچھ تحقیق کرنا ہے اور ابھی ہم نے ۱/۱۰۰ حصہ بھی اُسکی اصلی حقیقت کا طے نہیں کیا ہے۔ انسان میں کونسی خاصیت ایسی ہے جس سے رنگ کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا کام لیا جاتا ہے مثلاً چار اشخاص میں چار مختلف رنگوں کے پسند کرنے کا مذاق ہے اس مذاق کے پیدا ہونے کا کیا سبب ہے اور اندرونی حالت میں ان چار اشخاص کا کیا اختلاف ہے کیا کوئی ڈاکٹر ایک شخص کے تمام قوائے خارجی اور اندرونی کا امتحان لے کے بتا سکتا ہے کہ اس میں کس رنگ کے پسند کرنے کا مذاق ہے اور یہ کس رنگ سے متنفر ہے۔ غرض اس قسم کی بہت سی موٹی موٹی باتیں ہیں جنکی ابھی تک تحقیق نہیں ہوئی اور وہ راز ابھی بہت دور ہیں جن کا کچھ کچھ اشارہ ہم پیچھے کر آئے ہیں۔ ابھی اسی زمانہ میں خاص یورپ

فی الخارج نہیں ہے۔

تصورات فی الواقع اور موجود فی الخارج اشیاء کی نسبت خیال کرنا ہے۔ مثلاً یہ تصور کہ جو کچھ غذا سامنے آتی ہے وہ مسموم ہے یا کوئی خاص آواز جو فی الواقع کانوں میں آتی ہے کچھ اور ہی ہے یا کوئی خاص شخص جو آنکھوں کے سامنے ہے کوئی اور ہی شخص ہے۔ تخیلات اور تصورات میں فرق اس مثال سے معلوم ہوگا۔ مثلاً اگر کسی آواز کی نسبت تخیل ہو تو وہ آواز بالکل خیالی ہوگی اور اُس کا وجود فی الخارج نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر ایسی آواز کی نسبت تصور ہو تو اُس کے معنے یہ ہونگے کہ آواز موجود ہے لیکن اسکی نسبت غلط تصور بندھ گیا ہے یہ دونوں جنون علی الخصوص مزمن جنون جنون کی بہت بڑی علامات میں سے ہیں اگرچہ مرض کے اوائل میں بھی یہ کبھی کبھی پائے جاتے ہیں۔

وقفہ صحت سے مراد تھوڑے زمانہ کے لیئے بالکل جنون کا موقوف ہو جانا ہے۔ اس زمانہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجنون بالکل اپنی اصلی حالت پر ہے۔ اس وقفہ کی مدت مختلف ہے لیکن اس کے بعد علامات جنون عود کرتے ہیں اور تھوڑے دنوں کے بعد پھر وقفہ ہو جاتا ہے

لفظ جنون کی ایسی تعریف جو اسکی تمام صورتوں پر حاوی ہو کسقدر مشکل ہے کیونکہ مشہور ہے "الجنون فنون" اور جنون کی اکثر تعریفات یا تو کثرت سے جامع ہیں یا کثرت سے مانع۔ ہم جنون کی یہ تعریف قرار دیتے ہیں۔ جنون وہ حالت ہے جس میں انسان کے قوائے دماغی یا اخلاقی یا حیوانی میں (ان میں سے ایک میں یا کل میں) خواہ پیدائشی طور پر یا عمر طبعی کے اندر فرق واقع ہو جائے۔ یہ ایک دماغی مرض ہے جس کی وجہ سے عقل کی مجموعی حالت میں خلل واقع ہوتا ہے۔ اس قسم کا خلل جو کسی سم یا بخار کی وجہ سے نہ ہو اور اُس شخص کی خصوصیات ذاتی کا اثر اس خلل دماغی پر پڑتا ہو۔ غرض یہ ایک مرض ہے جو صحت دماغی کے مقابل میں ہے اور صحت دماغی وہ حالت ہے جو انسان میں اپنے فرائض کے ادا کرنے کی خواہ وہ مذہب سے متعلق ہوں خواہ ذات سے خواہ اپنے بنی نوع سے صلاحیت پیدا کرتی ہے اور جنون کی وہ

اور امریکہ میں ایک بڑا گروہ ہے جو نفس روح کی تحقیق کر رہا ہے اور اسے اس کا کسی قدر کھوج بھی ملا ہے مگر صدیوں کی تحقیق کے بعد یہ ضرور ہے کہ ایسا بیّن نتیجہ نکلے کہ پھر اس پر نکتہ چینیوں کو شبہ نہ ہو سکے۔

روح اور خدا کے اعتقاد کو سائنس یعنی علوم جدیدہ کسی حالت میں شکست نہیں دے سکتے۔ علوم جدیدہ کے وہ مسلم ماہر جنکی دھاک یورپ میں بیٹھی ہوئی ہے صاف پکار پکار کے کہہ رہے ہیں کہ وہ سائنس ناکارہ اور لغو ہے جو روح اور خدا کی ہستی کا قائل نہ ہو۔ مسیحی عقائد کو چھوڑ کے اگر اسلام کو دیکھا جائے تو اس نے دنیا کی پیدائش کا زمانہ محدود نہیں کیا ہی اس روشن مذہب کا اصول ہی کہ خدا دنیا سے علیحدہ نہیں ہے بلکہ ہر ہر ذرہ میں موجود ہے علوم جدیدہ کے بڑے بڑے پروفیسروں نے اپنے اخیر وقت خدا پر ایمان اور اسکی ذات پر بھروسہ اور سہارا ڈھونڈا ہے۔ اب علوم جدیدہ اور مذہب کی مغائرت کم ہوتی جاتی ہے۔ اسلام نے یہ بات پیدا کر دی ہے کہ عام طور پر بڑے بڑے فلسفیوں کا یہ قول ہو گیا ہے کہ نہ علوم جدیدہ مذہب کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ مذہب علوم جدیدہ کو۔ علوم جدیدہ قدرتِ خدا کے ظہور کو بتاتے ہیں اور اس حد سے وہ آگے نہیں بڑھے ہیں مگر مذہب ظہور اور حقیقت کے فاصلہ کو دور کر کے دونوں کے ملانے کا ذریعہ ہے۔ اب وہ زمانہ آگیا کہ مذہب کو علوم جدیدہ کی اور علوم جدیدہ کو مذہب کی ضرورت ہی۔ کیونکہ جو بات عقلاً مانی جائیگی اُس پر ایمان بھی مضبوط ہوگا۔

حالت ہے جو اس کے برعکس ہے لیکن چونکہ جنون کی حالت میں فی الواقع تغیر پیدا ہو جاتا ہے اس واسطے جنون ایک مرض جسمانی ہے۔

جنون کی علامتیں یہ ہیں۔ حرارت مزاج۔ زود رنجی۔ زود برافروختگی اور زیادہ گوئی جنون کی ابتدائی علامات میں سے ہیں۔ بعض اوقات خیالات کو کسی چیز پر جمانا یا کسی ایک امر پر غور کرنا نہایت دشوار ہو جاتا ہے۔ مریض کے افعال بالکل خلاف طبیعت ہو جاتے ہیں اور مریض اپنے فرائض منصبی کو بلا وجہ ترک کر دیتا ہے اور اگر کام کرتا بھی ہے تو اُسکے خیالات بٹے رہتے ہیں، لباس میں صاف اور صریح بے پروائی اور مزاج میں کثافت آجاتی ہے ممکن ہے کہ نیند کم ہو جائے اور مریض رات کو اُٹھ کے پھرا کرے اور آرام نہ کر سکے۔ بعض وقت غیر معمولی یاس اور ناامیدی اور بعض وقت غیر معمولی خوشی اور فرحت ہوا کرتی ہے۔ اکثر اوقات مریض تنہائی کو پسند کرتا ہے۔ اور یہ علامات اوائل جنون میں بہت عام ہوتی ہیں۔ مریض اپنے دوست احباب سے علیحدگی اختیار کرتا ہے اور اُن سے بدگمان ہو جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ وہ اُسے نظر بد کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس وقت توہمات۔ تخیلات اور تصورات موجود نہ ہوں۔ لیکن اس کے بعد ان کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ حافظہ ضعیف ہو جاتا ہے اور گفتگو میں تکرار آجاتی ہے۔ اکثر اوقات کفر کے خیالات اور پریشان خواب مریض کو ستاتے ہیں۔ طبیعت میں بے انتہا پریشانی اور کاہلی آجاتی ہے بلکہ موت کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ مریض جانتا ہے کہ طبیعت درست نہیں ہے۔ لیکن طبیب سے رجوع کرنے کی خواہش نہیں ہوتی۔ ان ابتدائی علامات کے زمانۂ قیام اور شدت میں اختلاف ہوا کرتا ہے اور بعض بالکل چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور جنون دفعتہ شروع ہو جاتا ہے ایسی صورتوں میں اگرچہ دماغی کوئی علامت نہیں ظاہر ہوتی لیکن صحت میں پہلے سے فرق آجاتا ہے اور عموماً بیداری کا مرض بھی ہوتا ہے لیکن بعض اوقات یہ علامات بھی مفقود ہوتی ہیں۔ جو شخص دیوانگی کے قریب ہے اسکی نیند ہمیشہ بے آرام ہوتی ہے۔ خواب پریشان اُسے ستایا کرتے ہیں اور وہ چیخ مار کے نیند سے چونک پڑتا ہے۔ اکثر اوقات قبض کی شکایت ہوتی ہے۔ دردِ سر غثیان اور قے بھی۔ قریب کے عزیزوں سے اکثر اوقات نفرت پیدا ہو جاتی ہے بعض اوقات طبیعت کو میلان خودکشی یا قتل کی طرف

سائنس کا اصلی کام یہ ہے کہ ہر شے کے تعلق کو دوسرے کے ساتھ ثابت کر کے یہ دکھادے کہ کل کائنات ایک سلسلہ سے قائم ہے۔ مذہب اس مسئلہ کو حقیقت تک پہنچا دیتے ہیں۔ پس خیالات مذہبی بھی اسی صورت میں مضبوط ہوں گے جب ظاہری اشیاء کے تعلقات کو دیکھکر اُن سے اصلی حقیقت پہچانی جائیگی۔ اس لیئے سائنس بغیر مذہب کے باعثِ عافیت نہیں ہو سکتا اور مذہب بغیر سائنس کے محض تعصب ہوگا۔ انسان کی دو قوتیں ہیں یعنی دل اور دماغ اور دونوں کی ترقی ہی سے اصلی ترقی ہو سکتی ہے۔ مشرق میں صرف روح کو دل کے ذریعہ سے کام میں لانے کا غلو رہا اور مغرب میں روح کو محض دماغ کے ذریعہ سے کام میں لایا گیا جیسا کہ ہم گزشتہ صفحوں میں بوضاحت ثابت کر چکے ہیں اسلیئے دونوں مقامات پر کامل ترقی نہیں ہوئی۔ اب وہ زمانہ آگیا کہ مشرق اور مغرب دونوں کی ترقی کی برابر کوشش کیجارہی ہے کیا عجب ہے کہ صدی دو صدی کے بعد دنیا میں کامل ترقی کی پھر ایکبار اور صورت نظر آئے۔

پروفیسر ہکسلی کا قول ہے کہ اصلی سائنس اور اصلی مذہب دو بہنیں ہیں جن میں ایک کی علحدگی سے دوسری کی موت لازم آتی ہے اس کا فروغ اسی قدر ہوگا جس قدر اس کا مذہب سے تعلق ہوگا اور مذہب کا فروغ اتنا ہی ہوگا کہ جتنی اسکی بنیاد بلحاظ سائنس کے گہری اور مضبوط ہوگی۔ یہ مسلم ہو چکا ہے کہ بڑے بڑے فلسفیوں کے کام محض انکی عقل کے نتیجے ہیں جو مذہب پر مبنی تھے اور حقیقت کا ظہور اُنکے حلم و محبت، یکسوئی طبیعت اور نفس کشی کی وجہ سے بہ نسبت اُنکی تیزی عقل کے

ہوتا ہے۔ غرض اُس شخص کی عادات اور مزاج میں یا تو بتدریج یا دفعتاً ایک تغیر پیدا ہو جاتا ہے جو اسکی اصلی طبیعت کے بالکل برخلاف ہے۔ ایسی صورتیں بھی موجود ہیں کہ مجلسِ وعظ میں بیٹھے بیٹھے اشخاص کو دفعتاً جنون ہو گیا ہے۔ لیکن ان صورتوں میں مرض کی ابتدا پہلے ہی سے ہو چکی تھی مثلاً کسی گناہِ عظیم یا بدفعلیوں کے تصور نے طبیعت کو مائل کر دیا تھا جسکی وجہ سے کل مادہ جنون دفعتاً ہیجان میں آگیا۔ بعض اشخاص بیداری کی حالت میں بھی خواب دیکھا کرتے ہیں اور اشیائے خارجی کا اُنھیں مطلق احساس نہیں ہوتا۔

انھیں علامات ابتدائی کے ساتھ حاد درجہ کی کاہلی بھی ہوتی ہے اور خود مریض اور اُس کے پاس رہنے والوں کو محسوس ہوتی ہے اکثر اوقات حرارت عزیزی بڑھ جاتی ہے اور بعض صورتوں میں قوت تکلم میں فرق آجاتا ہے۔ بعض اوقات بچوں کا سا مزاج ہو جاتا ہے اور کبھی دفعتاً طبیعت میں سرور پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ علامات بالکل آہستہ آہستہ نمودار ہوتی ہیں۔ اور اکثر اوقات جب تک مرض اچھی طرح شروع ہولے محسوس نہیں ہوتیں ایک آدھ اندرونی عضو میں بھی مرض پیدا ہو جاتا ہے اور جنون کی ابتدا میں اکثر اوقات جگر ماؤف ہو جاتا ہے۔

جنون اور کجروی میں فرق کرنا ضرور ہے کجروی ایک طبیعی چیز ہے اور اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ علاوہ اسکے کجرو شخص اپنے طبیعی خاصہ کو جانتا اور سمجھتا ہے برخلاف اس کے مجنون اپنے جنون کا معترف نہیں ہوتا۔ اکثر عدالتوں میں ان دونوں میں فرق پوچھا جاتا ہے اور یہ فرق ہرگز آسان نہیں ہے۔ کجرو شخص اپنی پیدایش سے کجرو رہا ہے اور اُس کے مزاج میں کچھ تغیر محسوس نہیں ہے۔ اور اگر وہ بے پروا ہے تو ہمیشہ سے بے پروا رہا ہے اور کوشش کرنے سے اپنے کو مثل اوروں کے بنا سکتا ہے۔ لیکن مجنون بالکل معذور ہے اُس میں وہ قوت فاعلہ جو صحت دماغی کی علامت ہے سلب ہو جاتی ہے۔ ابتدائی جنون کی علامت میں بڑی علامت مزاج اور طبیعت میں اور افعال میں ایسے تغیر کا پیدا ہونا ہے جو فوراً محسوس ہوتا ہے جو کجرو شخص میں عجب نہیں معلوم ہوتا لیکن مجنون میں مرض کی خبر دیتا ہے۔ درست تشخیص مرض کے لیئے ضرور ہے کہ مریض کی حالت صحت کی عادات اور افعال کا نہایت باریکی اور احتیاط کے ساتھ اسکی حالت مرض کی عادات اور افعال سے مقابلہ کیا جائے۔

زیادہ ہوتا ہے ہربرٹ اسپنسر کا قول ہے کہ سائنس بجائے لامذہب کرنیکے جیساکہ اکثر لوگوں کا خیال ہے اسکی عدم واقفیت ہی سے لامذہبی پیدا ہوتی ہے یعنی اس دنیا کی جو ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں اصلیت نہ جاننا ہی لامذہبی ہے فرض کرو کہ کسی مصنف کی نہایت مبالغہ کے ساتھ تعریف کیجائے اور اسکی تصنیفات کی عمدگی کی صدا ہر وقت اسکے کان میں پونہچے مگر وہ لوگ جو اسکی تعریف کریں بجائے اسکی کتابوں کے پڑھنے اور سمجھنے کے صرف اسکے ورق الٹنے یا اُنکی صورت دیکھنے ہی پر اکتفا کریں پس ایسے آدمیوں کی تعریف پر کیا اعتبار ہوسکتا ہے۔ اور اُنکی صداقت پر کوئی کیا بھروسہ کرسکتا ہے۔ یہی حالت انسان کی بمقابلہ کائنات اور اسکے پیدا کرنے والے کے ہے بلکہ اس سے بھی بدتر ہے کیونکہ انسان نہ صرف اُن چیزوں کی طرف جن کو روزمرہ عجیب غریب کہتا ہے غور ہی نہیں کرتا بلکہ اُن لوگوں پر جو قدرت خدا کی طرف آنکھ اُٹھا کے دیکھتے ہیں ہنستا ہے۔ پس ہم مکرر کہتے ہیں کہ سائنس سے لامذہبی نہیں آتی بلکہ سائنس کی عدم واقفیت ہی لامذہبی ہے سائنس کی پرستش اُن چیزوں کی پرستش ہے جن کو سائنس بتاتا ہے اور ایسی پرستش بمنزلہ اُنکی خالق کی پرستش کے ہے یہ پرستش محض زبانی نہیں ہے بلکہ عملی ہے یہ ادب محض ظاہری ادب نہیں ہے بلکہ اصلی ادب ہے جو وقت خیال محبت اور عقل کے صرف سے ثابت کیا جاتا ہے اسکے علاوہ چونکہ سائنس سے ادب اور ایمان اس قانون قدرت میں جو تمام کائنات کی بنا ہے پیدا ہوتا ہے اور بجائے اس ایک مروجہ یقین نسبت سزا و جزا کے جو انسان نے مجمل طور پر بلحاظ اپنی معاشرت اور حالت کے قائم کرلیا ہے سائنس بتاتا ہے کہ یہ جزا اور سزا قانون قدرت کا اصلی نتیجہ ہے اور اس قانون کی خلاف ورزی کے

ایک خیال یہ بھی ہے کہ جب تک مجنون بکنے اور افعال ناشائستہ اور وحشیانہ کا مرتکب نہونے لگے وہ مجنون ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے جنون کی اتنی کثرت سے اقسام و مدارج ہیں کہ ابتدائی علامات کو معلوم اور تشخیص کرنا ایک ایسے طبیب کا کام ہے جس کو مجانین کے حالات کا پورا تجربہ حاصل ہے قبل اسکے کہ طبیب کسی مجنون کا امتحان شروع کرے اُسے ضرور ہے کہ مریض کی حالت صحت کے تمام واقعات سے اس کے مزاج عقل اور ذہن کی کیفیت۔ اس کی عادات و اطوار اور افعال سے پوری واقفیت حاصل کرلے۔

اسباب جنون

اسباب جنون کی دو قسمیں ہیں روحانی۔ جسمانی۔ روحانی اسباب یہ ہیں غم اور خانگی مصائب۔ عزیزوں کا مرجانا (۴۴ر۴ فیصدی) زمانہ کی ناموافقت علی الخصوص روپیہ کی تنگی (۳ر۷ فیصدی) فکر و تردد۔ کام کی کثرت۔ کاروبار کی مصیبتیں (۴۴ر۴ فیصدی) مذہبی جوش اور فکر۔ عشق کے معاملات میں ناکامی۔ عورت کی عزت کا جانا۔ خوف اور اعصابی صدمہ۔ بدچلنی اور بدافعالی۔ اسباب سیاسی کی وجہ سے روحانی تکلیفیں۔ اسباب جسمانی یہ ہیں الکاہل اور مسکرات کا کثرت استعمال (۲ر۱۸ فیصدی) کسی وقت میں جنون کا ہونا (۶ر۱۴ فیصدی) دیگر امراض جسمانی کی وجہ سے (۹ر۱۰ فیصدی) اتفاقی چوٹیں (۳ر۵ فیصدی) امراض شہوانی۔ امراض رحم و حملت و رضاعت اور آوری یعنی بیضہ گاہ کے متعلق امراض۔ امراض سر و نخاع مرگی۔ تپ اور امراض حاوی۔ بعض قسم کے پیدائشی نقصانات امراض متعلق بلوغ و کبر سن۔ فاقہ کشی۔

۲۳ فیصدی صورتوں میں کوئی سبب خاص نہیں پایا گیا۔ بہت سی صورتوں میں سابق سے رجحان طبیعت جنون کی طرف پایا اور یہ رجحان کسی محرک سبب کی وجہ سے متبدل بمرض ہوگیا۔ زیادہ تر صورتوں میں تو اسباب مندرجۂ بالا میں سے ایک ہی سبب ہوا کرتا ہے لیکن بعض صورتوں میں دو یا زیادہ سبب شامل ہوجاتے ہیں۔

بُرے نتائج سے ہم نہیں بچ سکتے۔ سائنس کا جاننے والا یہ معلوم کرے گا کہ قانون قدرت جسکی پابندی ہم پر لازم ہے نہ صرف معیّن ہے بلکہ نیک ہے اُسی قانون قدرت کی رو سے ہر شئے زیادہ کمال اور بہبودی کی طرف رجوع ہے اسی سائنس کی بدولت انسان کو اپنی اصلی حالت اور دنیا سے اُس کا تعلق معلوم ہو سکتا ہے اور یہ ظاہر ہو سکتا ہے کہ اُسکی عقل کی حد کہاں تک ہے اور کہاں پر اسکی عقل کی رسائی نہیں ہے۔ پس اگر سائنس کا جاننے والا انسانی روایتوں اور رواجوں کی طرف نفرت کی نگاہ سے دیکھے تو کچھ عجب نہیں ہے کیونکہ وہ حقیقت کی طرف نہایت عجز و انکسار سے دیکھتا ہے اس لیئے وہ شخص جو سائنس کا دل سے پابند ہے نہ کہ وہ جو محض ایک شئے سے دوسری شئے کی دوری کو معلوم کرے یا مرکبات کو علیحدہ کرے۔ یا اقسام کو الگ الگ کر کے دکھائے بلکہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے اصلی حقیقت جس کا یہ کائنات۔ زندگی اور خیال ظہور ہیں انسان کی عقل سے کسقدر دور ہے معلوم کرے۔

ہم نے اپنے گزشتہ صفحوں میں ڈاکٹران فرنگ اور ملحدانِ یورپ کے جو قول نقل کیئے تھے ان کا ان اقوال بالا سے کچھ جواب ہو گیا ہو گا مگر اصل بات یہ ہے کہ نفس سائنس نے لوگوں کی طبائع پر دو قسم کا اثر ڈالا ہے جنکی روحانی قوت نے بلند پروازی کی وہ بہت ہی گہرائی میں پہنچ گئے اور وہاں سوائے سر بسجود ہونے کے اُنھیں کچھ نہ دکھائی دیا مگر جو لوگ روحانی قابلیت نہیں رکھتے وہ سمجھ گئے کہ اتنی سی تحقیق پر ہمیں کائنات کے اصلی راز کا پتہ لگ گیا اب آگے قدم اُٹھانے کی جگہ باقی نہیں رہی ایسے لوگ ملحد بنجاتے ہیں اور اُن کا خاتمہ انتہا درجہ ناکامی اور مایوسی پر ہوتا ہے قدرت کے عجیب و غریب راز بیشک ہے کہ کھلتے جاتے ہیں مگر اس کا تو کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اب کوئی راز تحقیق کے لیئے نہیں رہا۔ روح جسکی اُوپر سے بحث چلی آرہی ہے کائنات اور قدرت باری کا ایک بہت بڑا راز ہے جسکے حل ہونے کے لیئے زمانہ درازکی ضرورت ہے۔ ایک ایسی شئے کا جس کی کچھ کچھ اُوپری صفتیں معلوم ہوتی چلی ہیں اپنی لاعلمی سے محض انکار کر دینا اپنے کو ہمیشہ کے لیئے جاہل رکھنا ہے۔ یہ اعتراض روح کی نسبت ٹھیک نہیں ہو سکتا کہ روح ایک خیالی امر ہے جسکی جستجو کرنی جہالت اور حماقت پر دال ہو۔

روح کے کرشمے اور افعال جب ہم اپنی آنکھوں سے روزمرہ دیکھتے ہیں اور اُنھیں محسوس کرتے ہیں پھر ہم کیوں کر اُنھیں خیالی کہہ سکتے ہیں۔ ہر متنفس میں روح کی ایک نئی صورت دکھائی دیتی ہے اور ہر شخص نئی طرح سے روح سے جلب منفعت کرتا ہے جس طرح کہ آفتاب کی روشنی سے نباتات جمادات۔ حیوانات علیحدہ علیحدہ اپنی اپنی فطرت کے مطابق فائدہ اُٹھاتے ہیں ایک آفتاب ایک روشنی اور ایک ہی قسم کی شعاعیں مگر اُنکے اثرات ہر ہر ذرہ پر علیحدہ علیحدہ نمودار ہوتے ہیں۔ یہی روح کی کیفیت ہے کہ اُس کا منبع ایک اثر اور مختلف صورتوں میں جلوہ دیتا ہے اور سر دست اس سے انکار کرنا محال ہے۔ خدا کی نعمت سب کے لیئے عام ہے خصوصیت اس میں کسی کی بھی نہیں ہے ایک پنہاری کا بچہ بہت بڑا فاضل اور امیر بن سکتا ہے۔ جبکہ اُسکے مقابلہ میں ایک فاضل کا لڑکا جاہل اور ایک بادشاہ کا لڑکا غریب ہو سکتا ہے ہمارے اسلامی فلاسفر سعدی علیہ الرحمۃ نے تو نبوت کو بھی ایک حد تک اکتسابی امر مانا ہے چنانچہ اُن کا یہ شعر زبان زد عوام ہے

پسر نوح با بداں بنشست　　　خاندانِ نبوتش گم شد

اس سے یہی مطلب نکل سکتا ہے کہ اگر حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا بری صحبت میں نہ بیٹھتا تو اُسے ضرور خاندانی نبوت

سے حصہ ملتا۔ سوائے اسکے اس شعر کی اور کچھ توضیح نہیں ہو سکتی۔ خیر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ نبوت اکتسابی امر ہے یا نہیں ہے لیکن ہم بہ ضرور کہیں گے کہ روحانی قابلیتوں کے ایک بڑے حصہ کا دارومدار محض محنت۔ شوق اور اچھی صحبت پر موقوف ہے۔ جس طرح ریاضت نفس سے روحانی قوت بڑھتی ہے اسیطرح کثرت سے جسم کی حالت میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے یہ بات دوسری ہے کہ ہم روحانی قوت کا نام قوائے اخلاقی اور تمدنی رکھ لیں اور روح کہکے نہ پکاریں بلکہ روح کے نام پر مضحکہ اُڑائیں۔ مگر غور ہیں نظروں کے آگے قوائے اخلاقی اور عقلی یا تمدنی یا قوائے روحانیہ میں اتنا فرق نہیں ہے جس طرح کہ قوائے اخلاقی محسوس نہیں ہوتے اسی طرح قوائے روحانی کی حس نہیں ہو سکتی۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ روحانی سزا جزا کیا ہے۔ روح جس کا فیضان دنیا میں ہم پر ہو رہا ہے آیا آخرت میں بھی ہوگا اور آیا اسی فیضان کو آخرت میں جزا و سزا کی راحت اور تکلیف دیجائیگی یا کچھ اور صورت پیدا ہوگی اس کا جواب دینا ایک سخت مشکل کام ہے اور اُس سے زیادہ ناظر تفسیر کا اطمینان کرنا ہے۔ یہ بحث اگرچہ ہماری قدرت سے باہر ہے مگر پھر بھی ہم کچھ نہ کچھ اس کی بابت ضرور لکھتے ہیں تاکہ ہمارے اور دوستوں کو بھی لکھنے کا موقع ملے اور اُن میں ایسے لطیف مضامین پر بحث کرنے کی تحریک پیدا ہو۔ یہ تو ذرا بھی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ روح پر کوئی تکلیف ہوگی یا اُسے کسی نئی قسم کی راحت پہنچانے کی صورت نکالی جائیگی۔ بلکہ روحانی تکلیف سے غرض یہ ہے کہ فیضان باری تعالیٰ جو دنیا میں ایک محدود مدت تک انسان پر نازل ہو چکا ہو اور روح القدس جو ایک زمانۂ دراز تک اُسکے ساتھ رہ چکی ہوگی قیامت کے دن وہ اعمال انسان سے علحدہ کر لیجائیگی اور حکم باری تعالیٰ نہیں ہوگا کہ ایسے بداعمال شخص پر پھر نزول روح ہو جس نے دنیا میں نہ اُسکی قدر کی اور نہ اُن سے برکت لی۔ ادھر گناہوں اور بداعمالیوں کی تاریکی اور اُدھر بخشش کا نور یہ دونوں ایک سکتہ کے عالم میں ہونگے اور چونکہ ایک کو دوسرے سے مغائرت ہوگی اس لیئے اُنکی دوری لازمی ہو جائے گی اور جب دوری لازمی ہو گئی تو بداعمال شخص اور نور بخشش یا روح کے لیئے ضرور ایک کشش پیدا ہوئی پس اس کشش یا سکتہ یا دوری کو عذاب روح کہتے ہیں یہ دراصل شاعرانہ خیال نہیں ہے۔ جسے معرفت آلہیہ سے کچھ بھی حصہ ملا ہے وہ ان باتوں کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ ناسمجھ اور کم مذاق معذور ہے وہ چاہے جو کچھ کہے اور اپنی رائے قائم کرے ہمارے اس بیان بالا کی کچھ کچھ جھلکی عرفی شیرازی کے اس شعر میں معلوم ہوتی ہے۔

آیت لا تقنطوا من رحمۃ اللہ شد گرہ برزبان جبرئیل از شرم عصیاں ہائے من

کوئی شک نہیں کہ انسان کی بداعمالی جبکہ اُسے عقل و حواس کا سالم حصہ ملا ہو اکثر اوقات خزانۂ رحمت پر قفل لگا دیتی ہے۔ دنیا میں اسکی مثال پوری سمجھ میں آسکتی ہے۔ جابجا دار العلوم۔ مدارس اور مکتب قائم ہیں معلموں کی بھی کافی تعداد موجود ہے اس پر بھی اگر کوئی محنت شاقہ اُٹھا کے تعلیم حاصل نہ کرے تو دار العلوم کا قصور ہے نہ مدرس کی خطا ہے اور نہ معلموں کی کوئی فروگزاشت ہے اپنی ہی خطا ہے اور اپنا ہی گناہ ہے کیوں نہیں محنت کی اور کیوں نہیں تعلیم حاصل کی۔ اسی طرح جب ہم نے تمام عمر بداعمالی ہی میں بسر کی اور کبھی خدا کی برکتوں اور رحمتوں کے حاصل کرنے کے قابل اپنے کو نہ بنایا تو خود بخود ہمپر لازمی طور پر اُسکی بخششوں کا دروازہ بند ہو جائیگا اور اسوقت اسکی عام رحمتوں پر کوئی الزام نہ لگا سکیں گے۔

سقراط کہتا ہے "جن لوگوں نے حقیقت کو دریافت کرکے اپنے کو پاک کرلیا وہ ہمیشہ اس مکان سے بھی زیادہ خوش مکان میں کہ جسکو بیان کرنا ممکن نہیں رہیں گے۔ وہ شخص جو اپنی روح کی بقا چاہتا ہے دنیا کی لذتوں کو اپنی اصلی حالت کے مقابلہ میں غیر سمجھے اعتدال و انصاف اور استقلال و آزادی و راستی کا زیور جو اسکی روح کا اصلی زیور ہے پہنکر اُسوقت کے لیئے تیار رہے کہ جب اُسے یہاں سے جانا پڑیگا۔"

افلاطون کا قول ہے "کہ دنیا مثل ایک قید خانہ کے ہے جس میں انسان الیسا قید ہے کہ نہ وہ آگے دیکھ سکتا ہے نہ پیچھے صرف جو چیز سامنے ہے اُسکو دیکھتا ہے اور اُسی کو سچا سمجھتا ہے۔"

حکیم سنیکا کہتا ہے "خدا تمھارے پاس ہے۔ تمھارے ساتھ ہے۔ تمھارے اندر ہے۔ ایک پاک روح تمھارے اندر موجود ہے وہ ہمارے نیک و بد کو دیکھتی ہے اور وہی ہماری محافظ ہے۔"

اسپکٹیٹس کہتا ہے "دنیا میں کوئی چیز از خود آرام دہ یا تکلیف دہ نہیں ہے بلکہ ہمارا خیال جو اُسکی نسبت ہو وہی تکلیف یا آرام بتاتا ہے"

مارکس اریلیس (روم کا ایک بہت بڑا بادشاہ) کہتا ہے "اگرچہ تونے اپنے کو اپنی قدرتی وحدانیت سے علیحدہ کرلیا ہے تاہم اب بھی تجھ میں اُس میں ملجانے کی طاقت ہے۔ غور کر اُس نعمت پر جو خدا نے تجھے عطا کی ہے۔ کیونکہ اُس نے تجھے یہ اختیار دیا ہے کہ مفارقت کے بعد بھی اپنی اصلی جگہ کو عود کرکے اُس تک پہنچ سکے۔"

سینٹ اگسٹین کا قول ہے کہ "تمام کائنات کا وجود ہے اور نہیں بھی ہے اُس کا جو کچھ وجود ہے وہ خدا سے ہے اور اس وجہ سے کہ اُسکو مثل ذاتِ پاک کے قیام نہیں ہے اُس کا کچھ وجود نہیں۔"

اسپینوزہ کہتا ہے "قانون باری کی ہدایت اخیر یہ ہے کہ خدا ہی سے محبت کریں نہ کسی تکلیف یا سزا کے خوف سے نہ کسی اور کی رغبت سے کہ اُس سے ہم کو خوشی حاصل ہو بلکہ یہ جان کے کہ خدا سے محبت کرنا ہی ہمارے تمام افعال کا آخری نتیجہ ہے۔ عقل ہی سے دل کی تاریکی دور ہوتی ہے اور حیات ابدی سے یہ مراد ہے کہ وقت اور مقام سے علیحدہ ہو کے انسان اپنے میں اور تمام کائنات میں بقا ہی بقا دیکھے۔"

گیٹی (جرمن کا بہت بڑا شاعر) کہتا ہے کہ "اُس خدا کو جس پر میرا یقین ہے الفاظ سے کون ظاہر کرسکتا ہے میری زبان میں اُس کے اظہار کے لیئے کوئی لفظ نہیں ہے۔"

فکٹے (جرمنی مسلم فلسفی) کہتا ہے "ہماری تمام زندگی اُسیکی زندگی ہے ہمکو بقا ہی کیونکہ اُسکو بقا ہے۔ وہی ہماری زندگی کا منبع ہے۔ اے خدا تو ہی ایک ہے۔ تو وہی ہے جو میں ہوں وہاں پر نہ عقل کی رسائی ہے۔ نہ زبان کو طاقت ہے۔"

سوپن ہار (ایک بڑا فلسفی) کہتا ہے "ہماری جہالت ہی ہمکو اصلیت سے دور رکھتی ہے جب ہماری جہالت دور ہوجائیگی تو ہم اس دنیا کی ظاہری چیزوں کو اصلی نہ سمجھیں گے"، کارلائل کہتا ہے "تو اس موجودہ حالت میں قید ہے اور اُس بادشاہت کے لیئے روتا ہے جہاں تجھے حکومت ملیگی۔ پس یہ بات سچ جان جس کو تو تلاش کرتا ہے وہ تیرے ہی اندر ہے۔"

یہ اقوال ہم نے اِس لیئے نقل کیئے ہیں تاکہ لوگوں کو اطمینان ہوجائے کہ دنیا کے بڑے بڑے حکما اور فلسفی ابتدا سے خدا اور روح کے قائل ہیں اگر موجودہ زمانے کے چند ملاحدہ نے انکار کردیا تو انکا انکار کرنا کچھ قابلِ توجہ نہیں ہوسکتا۔

ہم کچھ یہاں روح کی بابت لکھنا تھا لکھ چکے ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہماری یہ تحریر کہانتک ہمارے ناظرین تفسیر کا اطمینان کرسکے گی

نواں باب

مسئلہ تقدیر

قرآن مجید نے اگرچہ مسئلہ تقدیر کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا ہے مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیوں اختلاف عظیم پڑا اور کیوں جبریہ اور قدریہ گروہ قائم ہوئے اور کس بنا پر صدہا کتابیں اس مسئلہ کے حل کرنے میں سیاہ کی گئیں۔ اسکی وجہ سوا اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتی کہ قدیم سے یہ مسئلہ تمام دنیا کی اقوام میں قریب قریب مسلّم گنا جاتا تھا اور سب سے زیادہ اس کا زور ایران میں بہت تھا۔ آب و ہوا اور خون کے اثر نے نومسلموں کا خیال اس طرف رجوع کیا کہ وہ اپنے مذاق اور طرز معاشرت اور قدیم تمدن کی تائید جسے وہ اب تک بہت عزیز رکھتے تھے قرآن مجید سے ڈھونڈیں اور جہاں تک ممکن ہو ایک حد تک وہ اپنے تمدن کو قائم رکھیں۔ یہ صحیح ہے کہ تمدن کا اثر بعض اوقات مذہبی فرائض پر غالب آجاتا ہے اور اخیر رسومات قدیمہ بمنزلہ ایک قانون اور مذہب کے تسلیم کی جاتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ فاتحین مجبوراً اپنے جدید قوانین کی وضع مفتوحہ ممالک کی رسوم کی بنیاد پر کرتے ہیں اور بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

یہودیوں میں تقدیر کا مسئلہ اسقدر رائج تھا کہ وہ بغیر تقدیر کے لکھا ہر ایک قدم بھی نہیں اُٹھاتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہم تقدیر کی زنجیروں میں بندھے ہیں اور اس سے ہمیں دم بھر مفر نہیں۔ رومۃ الکبریٰ جسنے ایک زمانہ میں بہت کچھ عروج حاصل کیا تھا اس مہلک مرض سے بچا نہ تھا اور اس اعتقاد تقدیر میں یہاں تک غلو ہوگیا تھا کہ کسی منجم نے تقدیر کا حال بتایا اور یہ کہدیا کہ یہ تقدیر ہو چکا ہے کہ تیرا بچنا محالات سے ہے۔ پھر وہ کمبخت اُس آنے والی موعودہ موت کا بھی رستہ نہ دیکھتا تھا اور قبل از وقت طعمۂ اجل ہو جاتا تھا۔ بہت سی جانیں اسی تقدیر کے عقیدہ کی نذر ہوئیں۔ بہت سے گھر اسی تقدیر نے برباد کئے۔ یہانتک کہ قوموں کی قوموں کو ذلیل کر کے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور وہ غضب برپا کیا کہ العظمۃ للہ۔ ہندوستان میں بھی یہی آفت نازل تھی اور بغیر جوتشی کے مرتبہ جنم پترے کے کوئی شخص کسی قسم کا جدید کام کرنا اپنی ہلاکت کا باعث جانتا تھا۔ اُنہیں یقین تھا جس برہمن نے جنم پترہ بنایا ہے اُسے غیب کا حال پورا معلوم ہے اور جو کچھ مصائب و راحتیں اُس نے اُنکے لیئے جمع کی ہیں وہ ضرور ہو کے رہیں گی اور کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتیں۔ مثلاً اُس نے بتایا ہے کہ چالیس برس کی عمر میں جا کے ایک مرض لاحق ہوگا اور اُس سے جانبری مشکل ہے خیال ہو سکتا ہے کہ برہمن نے قبل از وقت اُسے مار ڈالا اور ہر وقت اُس پر یہ خوف طاری رہنے لگا کہ وقت موعود ٹلنے والا نہیں ہے اور ضرور بتایا ہوا مرض آ کے گھیریگا۔ اس خوف سے قوا ریں پہلے ہی سے اضمحلال شروع ہونے لگا اور ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ مرض موعود نے آدبایا اور اخیر مظلوم جان برہمن کی پیشین گوئی کی نذر ہوگئی۔ غنیم نے ملک پر حملہ کیا لیکن غیب دان برہمن رائے نہیں دیتے کہ فلاں وقت تک مہاراجہ افواج کی کمان کرنے اپنے محل سے نکلیں اور وہاں ملک ہاتھ سے نکل گیا اور مہاراجہ برہمن ہی کی پیشین گوئی پر کار بند ہوا کیئے۔ نجوم کا

علم جو تمدن نوع انسانی کے لیئے زہر ہلاہل کا حکم رکھتا ہے۔ خاص مسئلہ تقدیر کو جلا دینے کے لیئے ایجاد کیا گیا تھا جس نے اتنی ترقی حاصل کی کہ اخیر دنیا کی کُل قوموں پر مشرق و مغرب چھا گیا اور ہر شخص نے اپنے کو نجوم یا آیندہ قسمت کی بیاحث میں محدود و سمجھ کے اُسی کو اپنی فلاح و بربادی کے کل اختیارات سپرد کر دیئے۔ نجوم کے مفروضہ مظالم کا منکر کافر گنا جاتا تھا اور ایسے شخص کے لیئے سزائے موت تجویز کی گئی تھی۔ یورپ جو تمدن، تہذیب کے لحاظ سے آج دنیا کی اقوام مختلفہ کا سرتاج بنا ہوا ہے ایک زمانہ میں صدیوں تک اسی مخمصہ میں گرفتار رہ چکا ہے اور اُس نے بھی اُس شخص کے لیئے سزائے موت تجویز کر رکھی تھی جو منکر نجوم یا بالفاظ دیگر منکر تقدیر ہو۔

علم ہیئت کے لطیف اور ضروری علم کو مسائل مفروضۂ نجوم سے پامال کیا جاتا تھا اور اپنی نو ایجادی پر بہت بڑا فخر ہوتا تھا۔ ایک شخص کارڈنیل ویلی جسے علم ہیئت میں پورا ملکہ تھا وہ کمبخت بھی نجوم کی دستبرد سے نہیں بچا۔ اس کی وفات سنہ ۱۴۲۰ء میں ہوئی۔ اِس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی جنم پتری تیار کی تھی اور طوفان نوح کی تقویم کی ترتیب کر رہا تھا کہ اجل نے آدبوچا ورنہ وہ ضرور اپنا کام کر کے رہتا۔ تعجب یہ ہے کہ عوام الناس بے لکھے پڑھے ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے مسلم فاضل اس لاعلاج مرض میں مبتلا تھے۔ چنانچہ سرتاج العلما کیپلر جو علم ہیئت میں اتنا بڑا کامل تھا جس نے بطلیموسی نظام شمسی سے انکار اور کرۂ زمین کو مثل دیگر کرہوں کے فضا میں ہونا اول اول نکالا ہے وہ بھی نجوم کے علم کی صحت سے انکار نہ کر سکا۔ جب علما کی یہ کیفیت تھی تو جہلا کس گنتی میں ہیں اور اُنکے خیالات پر کیا رد و قدح ہو سکتی ہے۔

ایشیا کی کل قومیں اور یورپ کے کل فرقے اسی بلاے بے درمان میں مبتلا تھے اور کسی کو بھی اُس سے مفر نہ تھا۔ تقدیر کی چھری ہر کس و ناکس پر بہت بیدردی اور تیزی سے صدیوں چلا کی اور چالاک پیشواؤں نے اپنے معتقدوں کو یقین دلوا دیا تھا۔ کہ تمہاری تقدیریں روز ازل سے یہ لکھا ہوا ہے کہ تم ہماری اطاعت کرو اور ہماری غلامی کے حلقہ سے ایک دم جدا نہو۔ بادشاہ سے بیان کیا جاتا تھا کہ تیرا ولیعہد بیٹا تجھے قتل کرے گا اور یقین دیا جاتا تھا کہ یہ امر تقدیر ہو چکا ہے ایسا ضرور ہو کے رہے گا۔ وہ بیچارہ کیا تو خودکشی کر لیتا تھا۔ یا اپنے بیخبر بیٹے کو مار ڈالتا تھا اور یا خود خوف کے مارے کہیں روپوش ہو جاتا تھا۔

نجوم کی ایجاد صرف اسی غرض سے ہوئی تھی کہ اول تو مسئلہ تقدیر کو جلا ہو۔ دوسرے ہر شخص کی تقدیر پر منجمین کا پورا پورا قبضہ ہو جائے۔ یہ بیہودہ خیال کہ یہی تقدیریں بلاشک لکھا ہوا ہے جو نجومی بتا رہا ہے کس قدر مہلک ہے۔ اوہام باطلہ اور خیالات فاسدہ کا ایک مدت تک خوب دور دورہ رہا۔ اخیر جب یونانی اپنے ملک کی محدود چار دیواری سے باہر نکلے۔ اور اسکندر اعظم کے ساتھ اُنھوں نے دنیا کے بہت بڑے حصہ کا گشت لگایا تو اب اُنکی آنکھیں کھُلیں اور اپنے تمدن میں واپس آکے ایک جدت پیدا کرنی چاہی۔ بس چاروں طرف ایک غضب برپا ہو گیا اور اندھا دھند لوگ مذہب باطل کی حمایت پر کھڑے ہو گئے اور اب زبانی اور تحریری جنگ شروع ہوئی۔ کفر کے فتوے جاری ہونے لگے اور دھڑا دھڑ نئی روشنی والوں کو مذہب سے دھکے دے دے کے نکالا گیا۔ جب اس سے بھی کام نہ چلا تو تلوار کی نوبت پہنچی اور علم کے حامی بیدردی سے قتل ہونے شروع ہوئے۔ قتل سے بھی کچھ نہ ہوا اور اخیر نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب کو کامل شکست ملی اور میدان علم کے ہاتھ رہا۔ بایں ہمہ مخلوق خدا کی اس سے کچھ اصلاح نہیں ہوئی۔ یونانیوں کی معاشرت میں نمایاں ترقی کچھ بھی نہیں ہوئی متعدد فلسفیوں کا ہونا اور طلبہ کے ایک گروہ کو نظری فلسفہ کی تعلیم دینا ایک کثیر تعداد قوم کے لیئے کچھ بھی فائدہ بخش

نہ تھا۔ تقدیر کا مسئلہ اُسی شدومد سے جاری تھا اور بڑے بڑے حکما اُسے جزوایمان جانتے تھے۔ تقدیر اور خدا پرستی سے جسقدر مغائرت ہے وہ دنیا کی اور کسی چیز میں نہ ہوگی لیکن اُس زمانہ میں تقدیر اور خدا پرستی کو لازم و ملزوم سمجھ لیا تھا اور جانتے تھے کہ ایک کے بغیر دوسرے کو چارہ نہیں۔

جب اسلام کی توحید کی صدائیں مکہ معظمہ سے بلند ہوئی ہیں تمام دنیا کی قوموں کی حالت سخت ناگفتہ بہ تھی اور جس کی مفصل کیفیت ہم نے اپنی کتاب سیرت محمدیہ میں درج کردی ہے۔ یہاں صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ تقدیر پرستی کا ہی زور نہ تھا بلکہ مخلوق خدا نے اپنی تقدیر کی کنجیاں پتھر کے بتوں۔ درختوں۔ دریاؤں۔ فرضی شیطانوں۔ روحوں۔ جانوروں۔ ستاروں سیاروں کے ہاتھوں میں دیدی تھیں۔ اُنھیں وہ اپنا سچا مشکل کشا جانتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے کل افعال و اعمال و کردار کا اختیار بالکل ان ہی کو ہے روستہ الکبریٰ۔ سلطنت مشرقی۔ یونان۔ ایران۔ ہندوستان غرض کل اِسی بلائے بے درماں میں پھنسے ہوئے تھے اور درحقیقت ایسی صورت میں یہ بہت ہی مشکل تھا کہ ایک نفس دنیا بھر کی اصلاح کا بیڑا اُٹھائے اور اعلان دے کہ خدا نے مجھے عالم کی رحمت کہا ہے۔ عرب جہاں وہ پیدا ہوا جہاں اُس نے پرورش پائی جہاں وہ جوان ہوئے سب زبون ترین حالت میں تھا اور بظاہر یہ اُمید ممکن نہ تھی کہ یہ آتش مزاج لوگ راہ راست پر آئیں گے وہ قومیں جو صدیوں سے بتوں کے پاس جاجاتیں لیجانیکی عادی تھیں اور جن کے خون میں یہ فاسد خیالات آمیز ہوگئے تھے کہ ناپاک روحوں۔ خیالی شیطانوں اور چاند اور سورج کے ہاتھ میں کائنات کی باگ ہے اُنھیں نہایت دلیری سے جتایا گیا کہ "کسی قوم کی حالت نہیں بدلتی جب تک وہ اپنی حالت آپ نہ بدلے"۔ اودھر اُنھیں توحید کا سبق پڑھایا اور اُدھر اپنی قوۃ بازو پر زندگی بسر کرنیکی تعلیم دی۔ حضور انور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح عمری بغور پڑھنے سے یہ پتہ لگتا ہے کہ تقدیر کا اُس زمانہ میں مفہوم ہی اور تھا اور موجودہ زمانہ میں جو کچھ خیال کر لیا گیا ہے چھ سات صدی تک تو اسلام میں اُس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ ادہر راحت پسند ایرانی مسلمان ہوئے اور اُنھوں نے محض اپنے مذاق کے مطابق نئے نئے مسائل نکالے اور ایسی ایسی مین میگ پیدا کی جس کا وجود اس سے پہلے اسلام میں کبھی نہیں ہوا تھا۔ چونکہ ایسے مسائل آرام طلب مشرقی طبائع کی جان تھے وہ آنکھیں بند کر کے اُسی پر پڑلیں اور اخیر یہ اختراعی مسائل جن سے فی نفسہ اسلام کو کچھ سروکار نہ تھا مسلمانوں کی مذہبی معاشرت کے جزو اعظم بن گئے۔ تقدیر کے خیالات کو قرآن مجید نے جسقدر شدومد سے رد کیا ہے اُس سے زیادہ اس مسئلہ تقدیر کی اشاعت مسلمانوں میں ہوگئی۔ ہندوستان میں اگرچہ وہ بطور فاتح کے داخل ہوئے تھے لیکن یہاں کی تعیش خیز آب ہوا نے مسئلہ تقدیر پر ملمع چڑھا کے اُنھیں مفتوح کر لیا جس کا اثر ابھی تک اُسی شدومد سے تمام اسلامی دنیا اور بالخصوص ہندوستان میں موجود ہے اور اخیر یہاں تک اس مسئلہ میں غلو ہوگیا ہے کہ اس کا منکر کافر گنا جاتا ہے۔ فوراً علمائے وقت کے فتوے جاری ہو جاتے ہیں اور پھر اُس بیچارہ نوجوان کے لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔ چونکہ ہمیں ایسے فتوں اور علمار کی مطلق پروا نہیں ہے اور ہمارا پورا بھروسہ خداوند کریم پر ہے اس لیئے ہم نے بڑی دلیری سے میدان میں قدم رکھا ہے اور ہمارا ارادہ ہے کہ اس مسئلہ کو ایک حد تک قرآن مجید سے حل کریں۔ ہمارا اسلام وہی اسلام ہے جس کی نسبت فرمایا گیا ہے ان الدین عند اللہ الاسلام پھر ہمیں کسی کا بھی باک نہ ہونا چاہیئے اور جو کچھ قرآن مجید سے ثابت ہو اُسے نہایت دلیری سے ثابت کرنا

کرنا چاہیئے ایک فتویٰ نہیں ہزار فتوے شائع ہوں۔ اگر ہزار ذلتوں کا سامنا ہو یا کچھ مخالفت ہو اور دنیا چاہے جو کچھ کہے مگر اس فخر کے آگے جو نبی کے غلام بننے سے حاصل ہوا ہے سب رد ہیں۔

ماناکہ جاہ و حشمت و دولت نہیں مجھے　　　یہ فخر کم نہیں کہ نبی کا غلام ہوں

مسئلہ جبر و اختیار یا بین الجبر و الاختیار اگرچہ ضروریات دینی میں سے نہیں ہے پھر بھی اس بحث میں بڑی بڑی موشگافیاں کی گئی ہیں اور اس کے سلجھانے میں بہت کچھ کوشش ہوئی ہے جس سے تین فریق ہوگئے ایک تو وہ ہے جو کہتا ہے کہ انسان مجبور ہے دوسرا وہ ہے جو کہتا ہے کہ انسان مختار ہے تیسرا وہ ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ انسان مجبور بھی ہے اور مختار بھی یعنی دونوں کے بین بین ہے۔ کسی فریق کی نسبت مذہب کی طرف سے سوءظنی نہیں ہوسکتی۔ تینوں فریق مسلمان ہیں اور اُن کے اسلام کی طرف کسی قسم کا شبہہ کرنا سخت خیرہ چشمی اور ایک عظیم الشان اسلامی گروہ کے ساتھ سوء ادبی ہے۔ ہمارے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا بہت اچھا فیصلہ کردیا ہے چنانچہ آپ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں ویحکی ان الامام ابا القاسم الانصاری سئل عن تکفیر المعتزلۃ فی ھذہ المسئلۃ فقال لا لانھم نزھوہ فسئل اھل السنۃ فقال لا لانھم عظموہ والمعنی ان کل الفریقین ماطلب الا اثبات جلال اللہ وعلو کبریائہ الا ان اھل السنۃ وقع نظرھم علی العظمۃ فقالوا ینبغی ان یکون ھو الموجد ولا موجد سواہ وقع نظرھم علی الحکمۃ فقالوا لا یلیق بجلال حضرتہ ھذہ القبائح یعنی حکایت کی گئی ہے امام ابو القاسم انصاری سے سوال کیا گیا آیا معتزلہ کافر ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں کیونکہ معتزلہ نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کی ہے۔ پھر آپ سے اہل سنت کی تکفیر کی بابت پوچھا گیا آپ نے جواب دیا نہیں کیونکہ اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی بزرگی کی ہے غرض یہ کہ ہر دو فریق نے اللہ تعالیٰ کے جلال اور بزرگی کے اثبات کے سوا اور کچھ نہیں کیا ہے۔ مگر اہل سنت نے اللہ تعالیٰ کی عظمت پر لحاظ کیا۔ پس اُن کا قول ہے کہ اُسی کا موجد ہونا سزاوار ہے اور بجز اُس کے کوئی موجد نہیں ہے معتزلہ نے حکمت پر خیال کیا اور کہا کہ یہ ناشائستہ اُمور اللہ تعالیٰ کے جلال کے لائق نہیں ہیں وہ ہمارے ائمہ دین کی یہ رائے ہے جس پر جتنا فخر کریں بجا ہے۔ وائے برحال زمانہ ما کہ معتزلہ کا ہم رائے ہونا تو کجا اگر خفیف سی بھی اُنکی تائید کسی مضمون میں ہو جائے تو فتوائے کفر فوراً حاضر ہے۔

فقہاء نے اس مسئلہ میں خوب بحث کی ہے اور اُسے ایک حد تک چھان بین کر کے بین الجبر والاختیار کا مذہب قرار دیا ہے ہر مذہب نے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے جو اُنکے مذہب پر ظاہر الدلالۃ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ وہ آیات مفسر نہیں کہ تاویل کی متحمل نہوں فقہاء کا قول ہے کہ اس قسم کی آیات سے ایسے امور جن کی وہ ظاہر الدلالۃ ہوں بلا شک وشبہہ استدلال ہوسکتا ہے اور اس قسم کے استدلال کی صحت میں کسی طرح کا شک وشبہہ نہیں اور جب تک کہ کوئی دلیل قطعی اس پر نہ ہو کہ ظاہری معنی مراد نہیں تو اُن کے ظاہری معنی پر عمل واجب ہے۔ بعض آیات قرآنیہ میں خداوند تعالیٰ نے واسطوں کا ذکر فرما کے حدوث سبب کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے افرأیتم ما تحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون افرأیتم النار التی تورون ءانتم انشأتم شجرتھا ام نحن المنشئون" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاشتکاری ہماری ہے اور درختوں کا لگانا وجود زراعت اور اشجار کا سبب

قرار دیا ہے۔ تاہم اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے کہ ہمارے فعل کو جو سبب ہے استفہام انکاری الطالی کے تحت میں داخل کر کے اُس کی علت تامہ ہونے کو باطل کیا اور یہ فرمایا کہ نحن الزٰرعون ونحن المنشئون علم معانی میں یہ مسلم ہو چکا ہے کہ خبر معرف باللام قصر اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے یعنی اسباب مذکورہ علت تامہ انشار اشجار وغیرہ کی نہیں بلکہ ہم ہی اگانے والے اور ہم ہی اُس درخت کے پیدا کرنے والے ہیں۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ وسائط اور اسباب بدون انضمام مشیت و ارادہ الٰہی کے کچھ موثر نہیں خداوند تعالیٰ کی اسی میں عظمت اور شان سمجھی گئی ہے کہ ہر شے کا موجد اسی کو سمجھا جائے چنانچہ امام فخرالدین رازی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں ان کل الفریقین ماطاب الا ثبات جلال الله وعلو کبریائہ الا ان اھل السنۃ وقطع نظرھم علی العظمۃ فقالوا ینبغی ان یکون ھو الموجد ولا موجد سواہ والمعتزلۃ وقطع نظرھم علی الحکمۃ فقالوا لا ینبغی بجلال حضرۃ ھذہ النضائح غرض یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک ہر شئی کا اُسی کو موجد سمجھنا اُس کا جلال اور اُسکی عظمت ظاہر کرنا ہے۔ جب ہم غور سے ان تین مذکورۂ بالا مذاہب کو دیکھتے ہیں تو ہمیں اس کا پتہ لگتا ہے کہ اپنے اپنے خیال میں یہ تینوں مذہب حق پر ہیں اور ان سے کچھ بھی تعرض نہیں ہو سکتا مگر زیادہ غور کرنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ گہرائی میں پہنچنے کی کسی نے کوشش نہیں کی اور سب سطح آب پر تیرتے رہے۔ ہمارا ارادہ گہرائی میں جانیکا ہے اور ہم اُس وقت اپنے کو خوش قسمت اور کامیاب سمجھیں گے جب ہم تہ میں سے موتی بھی لائیں اور اگر ہم اس میں ناکام رہے تو ہمارا ناظر تفسیر ہمارا بے بضاعتی کا عذر قبول کر کے ہمیں دل سے معافی دے۔

اِس مسئلہ پر کوئی انقطاعی رائے دینے یا اس کا فیصلہ لکھنے سے پہلے مناسب ہے کہ ہم اُن اعتراضوں کو نقل کر دیں جو ان تینوں مذکورۂ بالا مذہب پر وارد ہو سکتے ہیں اور جن کا جواب ایک حد تک سخت مشکل ہے۔

پہلا تو وہ گروہ ہے جو اپنے کو مجبور مانتا ہے اور اُس کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارا چلنا پھرنا کھانا پینا بغیر خدا کے ارادہ اور حکم کے نہیں ہوتا جن اعمال کا صدور ہم سے ہوتا ہے خواہ وہ نیک ہوں یا بد اُسی کی ذات سے ہوتا ہے یعنے ان نیک و بد افعال کا اصلی اور حقیقی خالق خداوند تعالیٰ ہے۔ تو پھر اعمال نیک و بد کی جزا اور سزا کیسی۔ انسان کو جب ہر حالت میں مجبور کیا جاتا ہے تو بہشت و دوزخ محض افسانہ ہیں۔ اور کوئی عقلمند شخص یہ خیال نہیں کر سکتا کہ ایسی مجبوری کی حالت میں اُس سے کچھ مواخذہ ہو سکتا ہے اس کا جواب دینا محال ہے۔ انسان کو محض مجبور سمجھ لینا اُن گوناگوں نعمتوں کا جو خدا کی طرف سے اُسکی ذات میں ودیعت ہوئی ہیں صریح انکار کرنا ہے خداوند تعالیٰ نے اُسے اپنی روح سے فیضیاب کیا جس سے اُس میں ادراک و شعور پیدا ہوا۔ ایسی حالت میں اُسے مجبور کر دینا اور مجبوری کی زنجیروں میں کس دینا ایک غضبناک امر ہے۔ دوسرا وہ گروہ ہے کہ اپنے ہر فعل کا اپنے کو مختار بتاتا ہے۔ بظاہر یہ عقیدہ نہایت مستحسن اور پسندیدہ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس میں خودی کی بو آتی ہے۔ کیونکہ زندگی میں انسان سے صدہا کام ایسے ہوتے ہیں۔ جو عجیب و غریب ہی نہیں ہوتے بلکہ ایسے متحیر کرنے والے ہوتے ہیں کہ دوسرے انسان کی سمجھ میں نہیں آتے۔ ایسی حالت میں جب انسان اپنے کو مختار سمجھتا ہے اور یہ جانتا ہے کہ ان افعال کا صدور مجھ ہی سے ہوتا ہے تو اُس کی ذات میں اس خیال سے ایک بیجا نخوت اور غرور پیدا ہو جاتا ہے اور یہ نخوت و غرور اخیر اُس کی حالت کو بگاڑ کے تمدن انسانی میں سخت رخنہ انداز ہوتے ہیں۔ ناامیدیوں کے وقت جو طبعًا اُس پر طاری ہوتی رہتی ہیں وہ اپنے

دل کی تسکین کرسکتا ہے اور نہ کامیابی کیوقت وہ اپنی حالت کی ایک حد مقرر کرکے اُس بے مثال انکساری سے جو انسانی زیور ہے فائدہ اُٹھا سکتا ہے وہ ہمیشہ کے لیئے فیضان باری سے محروم ہوجاتا ہے اگرچہ اُس کے خیال سے رحمت خداوندی کا سایہ اُس پر سے نہیں ٹل سکتا پھر بھی اُسے تسکین نہیں ہوتی اور نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ موجودہ حالت خود بخود تبدیل ہونے والی ہے اور نہیں جانتا کہ خزانہ الٰہی میں اُس کے لیئے کیا کیا نعمتیں پوشیدہ کی گئیں ہیں۔ نہ وہ دعا کا قائل ہوتا ہے جو لازمۂ توحید ہے اور نہ کوئی ایسا ذریعہ رکھتا ہے جس سے ایک حد تک وہ تسکین پا سکتا ہے۔ اُس کی زندگی کی کشتی ہمیشہ ڈانواڈول رہتی ہے اور موجودہ زمانہ میں جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں ایسے لوگوں کی زندگی کچھ زیادہ خوش اسلوب نہیں ہوتی۔ اُمید پیاری امید اور ہر دل عزیز اُمید جو انسان کی سچی ہمدرد اور بنی نوع کی حقیقی ڈھارس بندھوانے والی ہے وہ اُس سے ہمیشہ کے لیئے محروم ہوجائیگا۔ اُسے خواب بھی کبھی اُمید کا نہ آئیگا اور وہ ہمیشہ اپنے ہی ساختہ و پرداختہ پر جیا کرے گا۔ فلسفی ہو یا جاہل دونوں کی زندگی کی خوش اسلوبی صرف امید پر موقوف ہے اور جب اُمید ہی نہیں تو زندگی بھی نہیں۔ کامل مایوسی کے بعد انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ زندگی کے لیئے اُمید کا ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے یہ سمجھنا ضرور ہے کہ اُمید کہتے کسے ہیں۔ اُمید یہ نہیں ہے کہ اگر ہم یہ فعل کرینگے تو ہمیں وہ فلاح ہوگی۔ اِس میں شرط ہوئی اور اُمید میں درحقیقت شرط کی ضرورت نہیں ہے صرف اُس خیال کو اُمید کہتے ہیں جو غائبانہ طور پر دل میں کسی غائب اور نامعلوم چیز کے پیدا ہونے کی تحریک کرے اور اُس پر موقوف نہ ہوسکے کہ یہ تحریک کس چیز کی ہے اور اس تحریک سے آیندہ کیا ہونے والا ہے۔ اُمید کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ اُمید ہے کہ موجودہ مصیبت سے خلاصی پانے پر ہوا کرتی ہے مثلاً ایک شخص نامعلوم زمانہ کے لیئے قید میں بھیجدیا گیا اگر اُسے یہ خیال ہو کہ یقیناً میری رہائی ممکن نہیں تو پھر اُس کا چند روز جینا بھی محال ہے۔ نہیں اُمید اُسے زندہ رکھتی ہے اگرچہ حکومت کا حکم یہی ہو کہ وہ تمام عمر قید میں رکھا جاویگا پھر بھی اُسکے دل میں صدہا خیالات آئیں گے جن سے اُسکی تسکین ہوگی کہ میعادِ قید سے پہلے بھی رہائی پانا ممکن ہے۔ شاہ وقت کے ہاں کوئی تقریب ہو۔ سالگرہ ہو۔ غسل صحت ہو یا مرض کی حالت شدید ہو اور کچھ نہو تو انقلابِ سلطنت ہو تو ہر حالت میں ممکن ہے یہ ایسے خیالات ہیں جو ایک مایوس قیدی کے دل میں گزر سکتے ہیں۔ اِن ہی خیالات کو اُمید کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات کبھی تو ایک شفیق ناصح کا کام دیتے ہیں اور کبھی تسلی دینے والے کا فرض ادا کرتے ہیں اور کبھی مصیبت زدہ کے لیئے رحمت کا فرشتہ بن جاتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ خدا ہمیشہ ایسی مصیبت میں رحم کیا کرتا ہے اور اُس کے رحم کی صورتیں ہزاروں ہیں۔ دوسری اُمید ایک لمحہ کے لیئے بھی انسان سے جدا نہیں ہوتی خواہ اُسکی اچھی حالت ہو یا بُری وہ آیندہ ترقی اور موجودہ حالت سے زیادہ فارغبالی کا خواہشمند رہتا ہے اور یہ جانتا ہے اُس کے لیئے ایک اعلیٰ درجہ کی حالت پیدا ہوجانا ممکن ہے چلتے چلتے ایک خزانہ ملجانا یا خلاف اُمید کسی شئے کا حاصل ہوجانا ہمیشہ اُسے زندہ رکھتا ہے۔ اپنے کو مختار کل سمجھنے کا مذہب اگرچہ عاقلانہ بنیاد پر قائم کیا گیا ہے مگر فطرت انسانی اسکی مقتضی نہیں ہے ہو اگرچہ انتہا درجہ کا ادب اپنے خالق کا ہے کہ ہر قسم کا صدور فعل اپنی ہی ذات کی طرف منسوب کیا جائے مگر نہیں واقعات زندگی جو روزمرہ نئی نئی صورتوں میں جلوہ پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ کبھی اس قسم کے عقیدہ کو قائم نہیں رہنے دیں گے بڑے بڑے ملاحدہ کو دیکھ لیا کہ اُنکی زبان اور قلم تو کچھ اور ہے اور دل کچھ اور ہے آب و ہوا کا خواہ کتنا ہی اثر ہو۔ انجمن احباب کا

کتنا ہی زور ہو مگر یہ ساری باتیں محض ناممکن ہے کہ اصلی فطرت کو بدل سکیں اور وہ اصلی فطرت یہ ہے کہ غیب پر انسان کا عقیدہ ہو اور اکثر اوقات نہ سہی بعض اوقات ہی اُس سے مدد طلب کیجائے یا اُس چھپی ہوئی قوت کا شکریہ ادا کیا جائے مثلاً ایک شخص صحرائے لق و دق میں جا رہا ہے۔ آسمان پر بادل چھا رہے ہیں۔ گرج اور کڑک کی آواز بلند ہو رہی ہے بجلی کوندتے کوندتے زمین پر لوٹ لوٹ جاتی ہے اور کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے۔ خیال کرو وہ شخص جو گھوڑے پر جا رہا ہے ایک ملحد ہے یا ایسے عقیدہ کا شخص ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ خدا کچھ بھی نہیں کرتا جو کچھ بھلائی بُرائی ہوتی ہے اُسکے حقیقی فاعل ہم ہی ہیں اور ہمارے اختیار میں ہے خواہ ہم اپنے لیئے بُرائی جمع کریں یا بھلائی ایسے شخص یا شخص سابق الذکر کی کیا کیفیت ہوگی اور اُس کے خیالات کی دوڑ کس طرف کو جاری ہوگی یہ خیال تو لامحالہ ضرور ہی آئے گا کہ کہیں پناہ کی جگہ ملجائے یا کوئی ایسا شخص نکل آئے جو کسی بستی کا رستہ بتا دے۔ اس خیال کے پیدا ہونے پر اب اس کی تعمیل کی پریشان خواہش پیدا ہوگی اور لامحالہ طبع انسانی بمقتضائے قانون قدرت پوشیدہ قوت سے طالب مدد ہوگی خواہ مدد ملے یا نہ ملے مگر اس خواہش سے پریشانی میں گونہ تسکین ہو جانی لازمی ہے۔ پھر اسی حالت میں بجلی گری اور وہ رانوں میں سے صرف گھوڑے کو نکال کے لے گئی اور جلا کے کوئلہ کر دیا مگر سوار کو آنچ بھی نہیں آئی۔ اب خیال ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے دل کی کیا حالت ہوگی آیا اب بھی وہ اپنے الحاد کے موضوعہ اُصول اور اپنی خود مختاری کی مفروضہ بنیاد پر قائم رہے گا یا زیادہ دیر کے لیئے نہ سہی چند ساعت ہی کے لیئے لیسے خیالات سے کہ یہ عجیب طلسم ہوا اور کس پوشیدہ ہاتھ نے اُسے بچا دیا ضرور ہی متاثر ہوگا۔ اتفاق کا لفظ کہہ نہیں سکتا کیونکہ اتفاق کا لفظ ایک مہمل اور بے معنی ہے اور جس کا کچھ بھی مفہوم نہیں۔ جس طرح کہ موجودہ فلسفہ کا پہلا اصول یہ ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب کے حادث نہیں ہوتی اسی طرح مذہب اسلام کا بھی سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ بغیر سبب کے کسی شئے کا حادث ہونا ناممکنات سے ہے۔ جب اتفاق نہیں ہے تو بوضاحت اس بیان کرنے میں اُسے دقت ہوگی کہ بجلی کا خفیف سا شعلہ بھی اُسے کیوں نہ پہنچا اور کیا وجہ ہے کہ رمق برابر بھی صدمہ نہیں ہوا جبکہ گھوڑا رانوں کے نیچے سے نکل کے کوئلہ ہو گیا۔ ایسے واقعات ناممکن الوقوع نہیں ہیں بلکہ روز مرّہ اس کرۂ زمین پر کہیں نہ کہیں ہوتے ہیں۔ اسی قسم کے اور بھی حادثات ہیں جن کی بنیاد تو کسی نہ کسی سبب پر ضرور ہے مگر وہ سبب ان اصول طبعیہ سے جنھیں ہم قائم کر چکے ہیں معلوم نہیں ہوتا اور پھر ہم اُس میں سرگردان ہوتے ہیں اور ایک زمانہ تک ہمیں حقیقت کا پتہ نہیں لگتا اور اگر فرض کریں کہ کسی حادثہ کا سبب بھی دریافت کر لیا مگر اُس سبب کی علت غائی معلوم ہونی محالات سے ہے ہم نے اکثر ملاحدہ کو دیکھا ہے اُن سے باتیں بھی کی ہیں اور اُنکی کتابیں بھی پڑھی ہیں مگر اصل یہ ہے کہ عالم کبھی ملحد نہیں ہو سکتا اور وہی شخص ملحد بن سکتا ہے جو علم کی سطح پر تیر رہا ہے اور اُسے چند انچ بھی پانی کے اندر جانیکا موقع نہیں ہوا۔ وہ شخص جو اپنے کو مختار بتاتا ہے اگر ایسے حادثات پیش آئیں تو وہ دل میں کیا خیال کر سکتا ہے اور اپنی اختیاریہ صفت سے کیا کام لے سکتا ہے۔ مجبوراً اُسے تسلیم کرنا پڑیگا کہ پوشیدہ ہاتھ ضرور مدد کرتا ہے اور بغیر پوشیدہ ہاتھ کی مدد کے بچنا محال ہے۔

تیسرا فریق اہل سنت کا ہے جو بین بین ہے یعنی اُس نے انسان کو مجبور بھی مانا ہے اور مختار بھی اگرچہ یہ اصول

اعلیٰ درجہ کی تسکین دینے والے ہیں اور فی الحقیقت ان سے بہتر ہونے ممکن نہیں پھر بھی انہیں اس طرح سے نہیں سمجھا گیا ہے کہ ہر شخص سمجھ لے بلکہ فقہانے ایسے پیچیدہ مسائل میں پھنسا دیا ہے کہ اس مسئلہ بین الجبر والاختیار کا سمجھنا محالات سے ہوگیا ہم مسئلہ تقدیر اور اُن کل مذکورہ مذاہب پر ایک بسیط بحث کرینگے تاکہ یہ دلچسپ مسئلہ تا دیر تک بے حل نہ رہے۔

سب سے اول ہمیں تعلیم قرآن مجید پر غور کرنا لازم ہے کیونکہ ہم صرف یہی ایک ایسی کتاب رکھتے ہیں جس کا ایک ایک لفظ خدا کا لفظ گنا جاتا ہے اور سچ یہ ہے کہ کلام مجید ہے بھی کلام خدا اس کا فیصلہ ہر شخص کو ناطق ماننا پڑیگا اور ہر مسلمان خواہ وہ کسی فرقہ اور مذہب کا ہوگا قرآن کا نام آتے ہی سر خم کر دیگا اور پھر چون وچرا کی گنجایش نہیں رہنے کی پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ عام طور پر جو یہ خیال ہے کہ روز ازل سے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے سو ہی ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے خود فرما دیا ہے کہ ہم نے ہر ایک قسمت کا حال لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے اُس کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ اِس سے یہ مطلب ہے کہ ہر انسان وحیوان۔ نباتات۔ جمادات۔ حتیٰ کہ ذرہ ذرہ کا جنم پترا لوح محفوظ پر لکھا گیا ہے اور اسی طرح اُس پر عمل ہوگا۔ اور قیامت تک ہوتا چلا جائے گا۔ لوح محفوظ بھی ٹھیک ہے اور اُس پر لکھا ہونا بھی درست ہے مگر اس سمجھنے میں سخت غلط فہمی ہوئی ہے اور اُس کے اصلی مقصد تک پہنچنے کے لیئے بہت ہی بے پروائی اور غفلت کی گئی ہے۔ قلم اور لوح محفوظ کیا چیز ہے۔ کیا واقعی قلم سے مراد یہی قلم ہے جو ہمارے استعمال میں آتا ہے اور تقطیع سے مراد یہی تقطیع ہے جس پر ہم بچے لکھا کرتے ہیں اور تحریر سے مراد یہی تحریر ہے جو ہم لکھتے ہیں؟ نہیں ان میں سے ایک بات بھی نہیں ہے بلکہ قلم اور لوح محفوظ سے مراد قوانین قدرت یا علم الٰہی ہے۔ قوانین قدرت اور علم الٰہی دو مترادف الفاظ ہیں جن کے معنے ایک ہیں۔ مسلمانوں ہی کو یہ بہت بڑا فخر ہے کہ اُنکی کتاب دین قانون قدرت میں لکھی ہوئی ہے یعنی ہو بہو مضامین قرآن قوانین قدرت کے مطابق ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ ایک ایک لفظ اس کا لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور اُس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا جو کچھ لکھا ہوا ہے درست ہے اور فی الحقیقت اُس میں کبھی فرق بھی نہیں ہو سکتا مگر یہ سمجھ لینا کہ جو کچھ مصائب ہم پر آتے ہیں یا جو آفتیں کہ وقتاً فوقتاً دنیا میں ہم پر نازل ہوتی ہیں یہ سب ہماری تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں محض غلط ہے اور معاذ اللہ خداوند تعالیٰ کی ذات پر بہت بڑا الزام قائم کرنا ہے۔ اگر ہم انصاف اور غور سے دیکھیں گے تو سب ہمارے اعمال کی شامت ہوگی۔ ہم اپنے لیئے آپ ہی مصیبت مول لیتے ہیں اور آپ ہی اپنے لیئے تباہی کے سامان جمع کرتے ہیں۔ فرض کرو کہ ایک شخص چوری کرنے گیا اور پکڑا گیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے لکھ دیا تھا کہ فلاں تاریخ یہ شخص چوری کریگا اور پھر گرفتار ہو جائیگا چونکہ خدا کا نوشتہ غلط نہیں ہو سکتا اس لیئے یہ کل الزام خدا ہی پر ہوا۔ اگر وہ اُس شخص کے لیئے روز ازل سے یہ تجویز نہ کرتا تو ہرگز اُسے نہ چوری کی جرأت ہوتی اور نہ وہ پکڑا جاتا۔ ایسا خیال کرنا اپنے کو ابدی جہنمی بنانا ہے خداوند تعالیٰ نے ہرگز اُس کی تقدیر میں یہ نہیں لکھا تھا اور اُس کی ہرگز مرضی نہیں ہے کہ اُس کی پیاری مخلوق پر مصیبت اور ہلاکت کی بلا نازل ہو بلکہ اُس شخص نے خود ایک حرکت کی اور اُس کا نتیجہ اُسے بھگتنا چاہیئے تھا پس اُسنے بھگتا

تقدیر کے معنی کیا ہیں؟ تقدیر کے معنے وزن کرنے کے ہیں خداوند تعالیٰ نے اپنے قوانین قدرت کو ٹھیک پیمانہ پر وزن کر کے ترتیب دیا ہے اور یہ ایسا ٹھیک انداز ہ ہے کہ قیامت تک اُس میں تغیر کی گنجائش نہیں ہے خداوند

تعالیٰ نے قرار دیدیا ہے کہ گیہوں بوؤگے گیہوں پاؤگے جو بوؤگے جو پاؤگے بس یہی انتظام تقدیر میں لکھا ہوا ہے اُس نے چند قوانین ترتیب دیدیئے اور اُس کے خلاف قیامت تک ممکن نہیں۔ اُس نے ہمیں بالکل مختار بنا دیا ہے۔ ہم آزادانہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔ مگر ہماری خیر اسی میں ہے کہ ہم قوانین قدرت کے دائرے سے باہر قدم نہ نکالیں۔ یہ تقدیر ہو چکا ہے کہ وہ قوم کبھی برباد نہ ہوگی جس میں اتفاق ہوگا۔ اتفاق گویا قوانین قدرت میں سے ایک قانون ہے جو قوم یا گروہ اس قانون قدرت کی مخالفت کریگا وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائیگا۔ یا کم از کم ذلیل کر دیا جائیگا۔ یہ ہے تقدیر الٰہی اور یہ ہے لوح محفوظ کا لکھا ہوا اور یہ ہے قانونِ قدرت۔ ایک شخص نے آنکھ کھولتے ہی اوامر باری تعالیٰ سے روگردانی اور نواہی پر اصرار اپنا شیوہ بنالیا۔ عقل بھی ہے۔ ہوش بھی ہے اور ہر قسم کا ادراک حاصل ہے اور وہ یہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں یہ نہ صرف قوانین قدرت کے خلاف ہے بلکہ ملکی تہذیب اور تمدن کے بھی خلاف ہے مگر اپنے اختلاط نفسانیہ کے آگے وہ کسی کی پروا نہیں کرتا اور علی الاعلان کہتا بھی ہے کہ ہمیں کسی کی پروا نہیں ہے اور پھر اس زبون ترین معاشرت سے اُس پر کوئی آفت آئے تو کیا خیال میں آسکتا ہے کہ ہم اس کا الزام خدا پر رکھنے بیٹھ جائیں اور معاذ اللہ اُس ذات وحدہ لاشریک کو ملزم گردانیں تو بس یہ صورت دیکھ کے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو کچھ کرتا ہے بندہ ہی کرتا ہے اور اُس کے کرنے میں کسی کا بھی دخل نہیں ہے۔ عام طور پر شاید کوئی ناسمجھ یہ خیال کرے کہ جب کوئی کام ہی خدا کے متعلق نہیں رہا تو وہ معطل ہو گیا حالانکہ یہ ایک سخت سوء ادبی ہے کہ معطل کا لفظ اُس مالک ارض وسما کی نسبت استعمال کیا جائے۔ یہ ساری باتیں اور اس قسم کے کل خیالات محض لچر پوچ ہی نہیں ہیں بلکہ سخت جاہلانہ ہیں۔ باکار بیکار یا معطل وغیرہ وہ ادنیٰ الفاظ ہیں جو ہم نے تراشے ہیں اور جن کا مفہوم بے انتہا محدود ہے کیونکر یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ایک ان دیکھی ذات کامل دانائی کامل نور اور کامل رحمت کا احاطہ یہ ادنیٰ الفاظ کر سکتے ہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک سمندر کا پانی وزن کرنے کے لیئے ہم ایک پیالہ لیجائیں اور بھر بھر کے دیکھیں ہمارا یہ فعل محض ایک احمقانہ ہوگا یا نہیں اور ہمارا یہ عمل دیکھنے والوں کو ہم پر ہنسائے گا یا نہیں بس اس سے بھی زیادہ اُن ادنیٰ الفاظ کی نسبت ہے جن سے ہم اُسکی صفات کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں ایسے معترضوں کی عقل پر افسوس آتا ہے اور جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کرۂ زمین جس پر ہم آباد ہیں اُن لاکھوں بلکہ کروڑوں کروں کے آگے جو فضا میں گردش کرتے ہیں کوئی حقیقت نہیں رکھتا تو ہمیں اور بھی تعجب ہوتا ہے ہر کرے میں ایک مخلوق آباد ہے خدا کی خدائی کو ہم نے محدود سمجھ لیا ہے اور یہ ہماری جہالت پر دال ہے ہم اُسکی خدائی کا کبھی احاطہ نہیں کر سکتے اگرچہ ہم نے اپنی عقل کے زور سے سماوی کروں کے بہت کچھ حالات معلوم کر لیئے ہیں لیکن اسپر بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابھی ہمارا علم بالکل شیر خوارگی کی حالت میں ہے اور ہمارے مشاہدے جو ہمیں دوربینوں اور اسی قسم کے آلات کے ذریعہ سے ہوئے ہیں محض ناقص ہیں ہماری تحقیق نہایت کمزور اُصول پر مبنی ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم اپنی تحقیق سے چند اُصول قرار دیتے ہیں اور کل اُنھیں بدل دیتے ہیں ایک مدت تک ہم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ چاند میں آبادی نہیں ہے۔ اور اُس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ اُس میں ہوا نہیں ظاہر ہے کہ جس کرے میں ہوا نہ ہو وہاں مخلوق نہیں آباد ہو سکتی مگر اب چند روز سے اس تحقیق پر پانی پھر گیا اور اب تسلیم کر لیا گیا کہ نہیں کرۂ قمر میں آبادی ضرور ہے بلکہ ایک آلہ کے ذریعہ سے آبادی کا بڑا مشاہدہ بھی کر لیا۔

گیا ہے۔ جب ہماری بے ثباتی کی یہ کیفیت ہے تو ہم اپنی کسی تحقیق کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بالکل صحیح ہے اور اب اُس میں تغیر و تبدل کی حاجت نہیں ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس ادنی سے کرہ میں تو ہر قسم کی لہر بہر ہو آبادی ہو مخلوق کی ہدایت کے لیئے نبی پر نبی بھیجے جائیں اور خداوند تعالیٰ روح القدس کے ذریعہ سے اپنے خاص بندوں سے ہمکلام ہو اور اس سے زیادہ عظیم الشان کرے بالکل بنجر پڑے رہیں اور اُن پر کبھی توجہ نہ کیجائے اور اُن بیچاروں کو کس مپرسی کی حالت میں چھوڑ دیا جائے۔ خداوند تعالیٰ کی عظمت۔ شان اور ربوبیت سے یہ ساری باتیں بہت ہی بعید ہیں جو شخص علم ہیئت سے واقف نہیں ہے اور جس نے قرآن مجید کے اس حکم پر عمل نہیں کیا ہے کہ آسمان وزمین میں فکر کیا کرو وہ درحقیقت خداوند تعالیٰ کے جلال کو نہیں پہچان سکتا اور اُس کی عظمت وجبروت کی ہوا تک بھی اُسے نہیں لگی ہے۔ وہ مثل اُن مچھلیوں کے ہے جو تالاب میں رہتی ہیں اور یہ سمجھتی ہیں کہ تمام دنیا اسی تالاب میں ہے اور جو کچھ ہے یہی تالاب ہے۔ غرض جب علوم متعارفہ سے جبروت باری تعالیٰ کو دیکھیں گے تو ہمیں اپنے ہی تراشے ہوئے معطل اور غیر معطل کے الفاظ بہت ہی لچر دکھائی دیکھیں گے۔ نادانی سے یہ خیال کرنا کہ خداوند تعالیٰ کیا کرتا ہے کہاں ہے اُسکی روزمرہ کی کارروائی کیا ہے محض لغو اور لایعنی ہے اور اپنا عزیز وقت برباد کرنا ہے جتنی مخلوق کہ اس کرۂ زمین پر آباد ہے اُس سے لاکھوں درجہ زیادہ مخلوق اُن کروں پر آباد ہے جو شب کو ستاروں کی صورت میں بہت ہی کم مقدار سے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کل کروں کی مخلوق اُسکے قوانین کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے اور اُس سے ایک لمحہ کے لیئے نہیں نکل سکتی۔ اُس کا ہاتھ ایک کرۂ عظیم سے لے کے ذرہ تک میں کام کرتا ہے اور ہر جگہ اُس کے جلال کی عظمت نظر آتی ہے۔ سب کی قسمتیں اُسکے ساتھ وابستہ ہیں اور اس میں شک نہیں کہ بغیر اُسکے حکم کے ایک ذرہ بھی جنبش نہیں کھا سکتا۔ اسکے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُسے روزمرہ نئے نئے احکام اور تجاویز جاری کرنی پڑتی ہیں بلکہ حکم کے معنی قانون کے ہیں جس قانون کی زنجیر میں اُسنے اپنی مخلوق کو باندھا ہے اُس سے بیشک تجاوز نہیں ہو سکتا۔ جنھیں روح القدس کی مدد نہیں ہے وہ منشار باری تعالیٰ کو نہیں سمجھ سکتے اور محض اپنی ناچیز رائے اور ادنی خیال پر تکیہ کر کے ناز کرتے ہیں مگر جنکو روح القدس کی تائید ملی ہے وہ اسکی مدد سے کچھ نہ کچھ معرفت کی اصلی حقیقت کا پتہ لگا لیتے ہیں اور پھر کوئی چیز اُنکی راہ میں خلل انداز نہیں ہوتی۔

قرآن مجید موجود ہے جس سے ہم بآسانی اپنے مسئلہ تقدیر کا فیصلہ کر سکتے ہیں یہ ضرور ہے کہ تھوڑی دیر کے لیئے تقلید کی پٹی آنکھوں سے کھولنی پڑیگی اور قدیم تعصب کو کچھ عرصہ کے لیئے الوداع کہنا ہوگا پھر یقیناً قرآن مجید کا فیصلہ بآسانی سمجھ میں آجائیگا اور خدا علیم ودانا ہے کہ پھر شک کی ہرگز گنجایش نہیں رہے گی یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن مجید کی تعلیم اور ہے اور ملایان زمانہ کی تعلیم اور ہے نفس پرستی میں اندھے ہو کے انکے منہ سے حق بات نہیں نکلتی اور یہ وہی باتیں تراشتے ہیں جن سے اُنکی جیبیں بھریں۔ اصل یہ ہے جنکی تمام عمر مفت کی روٹیاں کھا کھا کے گزر گئی ہو وہ کیونکر ربانی کلام کی باریکیاں سمجھ سکتا ہے اس کے سمجھنے کے لیئے ایک بیدار منصف اور غیر طرفدار دل کی ضرورت ہے جو اکل حلال سے پیدا ہوتا ہے اسی میں اُسکی پرورش ہوتی ہے اور اسی میں اُسے نشوونما ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ بیان کرینگے اپنی بساط کے موافق قرآن ہی سے بیان کرینگے اور پھر ہم خدا سے دعا کرینگے کہ ہماری تحریر کو مسلمانوں میں درجہ مقبولیت حاصل ہو۔ آمین

قرآن مجید میں ابتدا ہی سے انسان کی خود مختارانہ حالت کی طرف بہت زور سے اشارہ کیا گیا ہے بلکہ دراصل ایک تہدید آمیز حکم ہے اور انقطاعی فیصلہ ہے کفر و اسلام کا یہ فیصلہ جس قدر مختصر ہے اُسی قدر جامع ہے اور خوب غور کرنے کے بعد سمجھ میں آتا ہے کہ اس سے جامع اور انقطاعی فیصلہ نہیں ہو سکتا وہ فیصلہ یہ ہے کہ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ قرآن مجید اُن ہی کی ہدایت کے لیئے ہے یا اُن ہی کو ہدایت کرتا ہے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور جو کچھ انھیں دیا گیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

ان چند لفظوں میں انسان کی روحانی خصوصیات اور تمدنی محسوسات کو اس عمدگی اور جامع طور پر ادا کر کے انسان کو اُسکے روحانی اور تمدنی افعال کا مختار کل بنایا ہے اور یہ بھی جتا دیا ہے کہ جن لوگوں نے اپنی قوت مختاری کو فراموش کر دیا ہے اور آزادی کی نعمت غیر مترقبہ کو بھلا دیا ہے انھیں اس کتاب سے جس میں ذرا بھی شک نہیں ہے یعنی جس کے فیصلے ناطق اور جسکے احکام غیر تبدیل ہیں کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا قوت اور ادراک انسانی کو خداوند تعالیٰ نے ایک مضبوط بنیاد پر قائم فرما کے اور اُسے کامل آزادی اور کامل خود مختاری کی صفت سے موصوف کر کے یہ خطاب کیا ہے کہ ہماری کتاب اُن ہی کو فائدہ پہنچاتی ہے جن کا اَن دیکھی ذات یعنی معبود برحق پر ایمان ہو اور جو ایمان کے بعد اُسکی عبادت کرتے ہوں اور پھر عبادت کے بعد جو کچھ اُس نے دیا ہے اُسے خرچ کرتے ہوں غرض قرآن مجید پر ایمان لانے سے پہلے یہ تین مذکورہ صفتیں ضرور ہونی چاہئیں بغیر اِنکے معرفت اور حقیقت کا رستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ یہ باتیں یا ہدایتیں گویا سیڑھی ہیں معرفت کی بلندی پر چڑھنے کی اور جس میں یہ تین صفتیں نہیں ہیں وہ گویا سیڑھی نہیں رکھتا جس سے بلندی پر چڑھ سکے۔ آغاز کلام باری میں جب اس صفت خود مختاری کا ذکر آ گیا ہے پھر کون اس میں چون و چرا کر سکتا ہے۔ آگے جا کے یہ فرمایا گیا ہے کہ ہمنے اُن کے دلوں پر کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اس سے عام طور پر ایک نا سمجھ کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ خدا ہی نے جب ایک انسان کے دل کان آنکھ پر حق کی طرف سے مہر کر دی پھر اُس پر ہدایت نہ پانا تعجب انگیز نہیں ہے اور نہ اُس پر الزام قائم ہو سکتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ گاہے بگاہے انسان کی خود مختاری اور آزادی میں دست اندازی بھی کرتا رہتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے اُس نے اس آیت سے پہلے یہ صاف طور پر فرما دیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی جو منکر ہوئے اُنھیں تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ راہ راست پر آنیوالے نہیں ہیں۔ برائیاں کرتے کرتے جنکے دل پتھر کے ہو گئے قوانین قدرت کا انحراف کرتے کرتے جو اس انحراف اور سرکشی کے عادی ہو گئے تو پتھر کا سا دل ہونا اور عادی ہونا اس کا مقتضی ہے کہ گویا خداوند تعالیٰ کی مُہر اُنکے دل کان اور آنکھ پر لگ گئی یعنی اُنکی ہدایت کا خیال مایوسی سے بدل دینا چاہیئے اور وہ گمراہی کی اُس حد تک پہنچ گئے ہیں کہ پھر اُدھر سے پھرنے والے نہیں ہیں دوسرے ہم اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر فعل کا فاعل حقیقی باری تعالیٰ ہے لیکن اسے سمجھنا چاہیئے کہ فاعل حقیقی ہونیکے کیا معنے ہیں خداوند تعالیٰ نے تمام کائنات کو پیدا کیا اُسکے لیئے قوانین منضبط فرمائے تو اب جو کچھ ہوگا ان ہی قوانین قدرت کے دائرے میں ہوگا یعنی یہ قانون قدرت ہے کہ جو شخص محنت نکریگا اُسے پڑھنا نہیں آئیگا نہ وہ کسی قسم کا ہنر سیکھ سکے گا تو اب اُسے خداوند تعالیٰ ہی نے جاہل رکھا کیونکہ اس کا اس طرح جاہل رہنا اُسی کے قانون کے مطابق ظہور پذیر ہوا ہے اگر وہ یہ قانون بناتا کہ چاہے کوئی شخص محنت کرے یا نہ کرے اُس کا فاضل ہونا ضروری ہے تو بیشک ایک سست شخص بھی ماں کے پیٹ ہی سے عالم پیدا ہوتا جب یہ

بات نظام عالم نہیں رکھ سکتی تھی جبکہ عین انصاف یہ نہیں تھا جب کہ محنتی اور سست سب ایک ہی درجہ میں رکھے جاتے ہیں خداوند تعالیٰ کی حکمت بالغہ اس کی مقتضی نہیں ہوئی کہ ایسے ظالمانہ اور لایعنی قوانین بنائے جائیں۔ اس لیئے اُسنے وہ قوانین ترتیب دیئے جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور جن کا مفہوم یہ ہے جو کرے گا سو پائیگا۔ اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر فعل انسانی کا خالق خداوند تعالیٰ ہے اور اسی بنا پر وہ ارشاد فرماتا ہے کہ ہم ہی سب کام کرتے ہیں ہم نے ہی آسمان سے مینہ برسایا اور ہم ہی نے پھل اُگایا اور ہم نے تمھیں ہدایت دی اور ہم نے ہی تمھیں گمراہ کیا غرض اُس کے قوانین قدرت کے خلاف اس تمام کائنات میں ایک ذرہ کبھی حرکت نہیں ہوتی اور جس دن ایسا ہوا خوب سمجھ لو کہ قیامت آگئی اور کائنات کا انتظام الٹ پلٹ ہو گیا۔ یہ اُسکی انتہا درجہ معبودیت اور ترحم ہے کہ اپنے قوانین قدرت حرف بحرف سنا بھی دیئے اب بدنصیب ہے وہ جو اُس کے قوانین قدرت کے دائرے سے باہر نکلے اور خوش قسمت ہے وہ جو قدم بقدم اُسکے احکام پر چلے۔ قانونِ قدرت روز ازل سے یہ ہو چکا ہے کہ بے ابر پانی نہیں برس سکتا چنانچہ کبھی نہ برسے گا قانون قدرت یہ ہے کہ تم ہی اپنے لیئے راحت اور مصیبت کے سامان جمع کر سکتے ہو اور ساتھ ہی یہ بھی قانون ہے کہ اگر کوئی ایسا حادثہ پیش آئے جس کا فی الفور سبب نہ معلوم ہو سکے تو تمھیں صبر کرنا چاہیئے صبر نہ کرو گے پریشان ہو گے پریشانی کے بعد جنون موجود ہے اور جنون کے بعد موت اُس کا یہ فرمانا صحیح ہے کہ ہم ہی عزت دیتے ہیں اور ہم ہی ذلت دیتے ہیں اور ہم ہی ہر شے پر قادر ہیں جو شخص عزت حاصل کرتا ہے اُسی کے مرتبہ قوانین پر عمل پیرا ہو کے۔ اس لحاظ سے وہ فرما سکتا ہے کہ ہم ہی نے عزت دی اور جو شخص ذلیل ہوتا ہے وہ بھی اُسی کے مرتبہ قوانین سے انحراف کے مطابق اس لحاظ سے وہ قادر حقیقی کہہ سکتا ہے کہ ہم ہی ذلیل کرتے ہیں۔ یہ ایسا بدیہی مسئلہ ہے کہ ادنیٰ توجہ اور غور پر بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے اور جہاں تک خیال کیا جاتا ہے کوئی بھی اس کے تسلیم کرنے میں چون وچرا نہ کریگا تھوڑی دیر کے لیئے انصاف کو اپنا شیوہ بنا لو اور یہ ہرگز نہ خیال کرو کہ فلاں مجتہد یہ لکھ گیا ہے اور فلاں مفسر نے یہ لکھا ہے یہ ہرگز نہ سمجھو کہ قرآن فہمی خاص کسی کا حصہ ہے یہ ہرگز نہ خیال کرو کہ سوائے فلاں فلاں کے اور کوئی قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اپنی اپنی محبت اور اپنا اپنا تعلق ہے۔ یہ کلام خدا ہونیکی دلیل ہے کہ صدہا برس تک نئی نئی تفسیریں لکھی جائیں گی اور ان کا سلسلہ قیامت تک تمام نہیں ہونے گا۔

انسان کی زندگی اور اُس کے جلد جلد بدلنے والے حالات پر اول سے اخیر تک غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت ایک سحر آمیز زندگی معلوم ہوگی۔ کبھی تو اُسے انتہا درجہ کا اولوالعزم پایا جائیگا اور کبھی اول درجہ کا سست اور کم ہمت کبھی بے غایۃ شجیع اور کبھی حد درجہ بزدل۔ کبھی وہ ایک غریب بڑھیا کی جھونپڑی میں زمین پر کھیلتا ہوا معلوم ہوگا کبھی اُسکے آگے بڑے بڑے علماء فضلاء امرا اور وزرا کو سر خم کیا ہوا دیکھیں گے جبکہ اُسکے ساتھی ابتدائی نکبت و مصیبت میں غلطاں وپیچاں معلوم ہونگے ایک جماعت میں چند طلبہ ساتھ پڑھتے نظر آئینگے ایک استاد ایک نصاب تعلیمی ایک امتحان میں کامیاب پھر چند روز کے بعد جو دیکھیں گے تو ایک حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا ملے گا اور دوسرا معمولی ملازمت میں سرگرداں دکھائی دیگا تیسرا اُس سے بھی ادنیٰ درجہ میں پراگندہ معلوم ہوگا چوتھا معاش ہی کی تلاش میں اپنی عمر گزار دیگا اور ایکدن بھی اُسے آرام نصیب نہ ہوگا پانچواں بے انتہا دولتمند نظر آئیگا چھٹا ایک عظیم سیاح بن کے دنیا میں ناموری پیدا کریگا ساتواں اپنی تصانیف سے ملک میں دھوم مچا دیگا آٹھواں ملک التجار دکھائی دیگا نواں ایسی ارزل ترین حالت میں دکھائی

دیگا کہ لوگ اُس سے عبرت پکڑینگے۔ اِن تبدیلیوں کو دیکھکر عام طور پر یہ خیال ہو سکتا ہے کہ جو کچھ انکی تقدیر میں لکھا ہوا تھا وہ ہوا حالانکہ یہ بات نہیں ہے کوئی شخص اُن پوشیدہ اسباب کو نہیں دیکھتا جن کے باعث یہ مختلف حالتیں پیدا ہوئی ہیں جبکہ یہ قرار پا چکا اور مسلم ہو چکا ہے کہ بغیر سبب کے کوئی چیز ظہور پذیر نہیں ہوتی تو پھر لازم ہوا کہ ان حالات مختلفہ کے لیئے بھی اسباب ہوں اگر وہ ظاہری اسباب نہ ہوں مگر اُن کی بنیاد حاوثات طبیعہ پر ضرور ہونی لازم ہے۔ اگر اُن اسباب کا پتہ لگایا جائے جو ان حالات مختلفہ کے ساتھ لاحق ہوئے ہیں تو صاف طور پر عیاں ہو سکتا ہے کہ ہر نیکی اور بدی انسان نے اپنے لیئے آپ ہی جمع کی ہے اور غیب سے از خود کسی چیز کا ظہور نہیں ہوا۔ اسباب خارجی پر جب بہت کم نظر پڑتی ہیں تو پوشیدہ اسباب کیطرف کیوں توجہ مبذول ہونے لگی۔ ایک منصف عاقل ہوشیار شخص خود اپنے حالات کے اُتار چڑھاؤ کو دیکھے اور اول سے اخیر تک کل حاوثات پر منصفانہ نظر کرے تو اسے کھلجائے گا کہ ہر حادثۂ طبیعی جس کا اُسپر ظہور ہوا اُس کا اصلی محرک وہی ہے اُسے بعض اُن اسباب کا بھی پتہ لگانا پڑیگا جو اُسکو آنکھوں سے نہیں دکھائی دیتے مگر اُنکا حدوث ہونا ضرور ہے تو اُسے صاف کھلجائے گا اور ہر شبہ رفع ہو جائیگا جو اپنے حال کی تبدیلی کی نسبت اُسے واقع ہوا ہے۔ قوانین فطرت میں جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں اتفاق کوئی چیز نہیں ہے ضرور ہر حادثے کے لیئے ایک سبب ہونا چاہیے خواہ وہ سبب ظاہری ہو یا پوشیدہ خداوند تعالی کسیکی محنت کو ضائع نہیں کرتا اور ضرور قوانین فطرت کے مطابق ہر شخص کو اسکی جان کاہی کا صلہ دیا کرتا ہے۔ ایک کم ہمت سست آدمی کبھی عالی ہمت اور محنتی شخص کے برابر راحت نہیں پاسکتا عجائبات کرۂ زمین ایسے سحر انگیز ہیں کہ یہاں ہر شخص حیرت میں ہے اور عام عقول ان عجائبات کا راز کبھی نہیں پاسکتیں جنھوں نے غور بین نظروں سے دیکھا ہے اور اس راز کو اچھی طرح دیکھا ہے وہی عارف باللہ ہیں اور انکی معرفت میں ہرگز شبہ نہیں ہو سکتا اور جو پاک نفوس اس راز کیطرف رہنمائی کرتے ہیں وہی سالک ہیں اور اُنکے سلوک میں ذرہ برابر بھی شک کو گنجائش نہیں ہو سکتی یہی حقیقی معرفت الہیہ اور یہی یقینی سلوک طریقت ہے اور ان دونوں صفات کی طرف صرف قرآن مجید ہی رہنمائی کرتا ہے۔ دوسری کتاب اس دنیا میں نہیں دکھائی دیتی۔

مسئلہ تقدیر جسکی ریشہ دوانی کائنات کے عظیم کرے سے لے کے ایک چھوٹے سے چھوٹے ذرے میں ہو رہی ہے آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا اگرچہ ہمارا جزو جزو اور رونگٹا رونگٹا اُسکے بندھنوں سے جکڑا ہوا ہے اور ہمیں کسی حالت میں اُس سے مفر نہیں۔ ایسی چیز کو افسوس ہے کہ ہماری آنکھیں دیکھتیں ہیں اور نہ ہماری عقل اُس کا اندازہ کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ خداوند کائنات نے انسان کو ظلوم اور جہول فرمایا ہے۔ اُس میں ہر قسم کی قوت ودیعت ہوئی ہے مگر وہ اُسے کام میں نہیں لاتا اس لیئے اس سے زیادہ ظالم اور جاہل کون ہو سکتا ہے۔ خود ہمارے روزمرہ کے افعال مسئلہ تقدیر کا فیصلہ بخوبی کر سکتے ہیں اس میں نہ منطق کی ضرورت ہے نہ فلسفہ کی لیکن ایسی نظیریں کہاں سے آئیں جو حاوثات کے پوشیدہ اور ظاہری اسباب کو دکھلیں سمجھیں اور اُن پر غور کریں اس لیئے پھر ہر قسم کے دلائل کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر پہلو سے مخاطب کا اطمینان کیا جاتا ہے مگر ہم نہ بیچارا منطق کی مین میگ کو پسند کرتے ہیں نہ یونانی فلسفہ کو ہماری طرز تحریر میں اگرچہ فلسفہ کی چاشنی دی ہوئی ہوتی ہے مگر وہ نظری فلسفہ کی نہیں بلکہ جدید عملی فلسفہ کی جس سے انکار کر دینا ایک عاقل کے لیئے سخت دشوار ہے۔ یہ ہمارا خیال ہے اور ہم اپنے اس خیال کو ایک حد تک نبھائیں گے کہ جو دعوی کیا جائے اُسکے لیئے دلیل کی ضرورت نہو کیونکہ جس دعوے کو دلیل کی ضرورت

ہوتی ہے اور وہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں ہوتا ہم اس کا اشارہ پہلے بھی کر آئے ہیں اور اب پھر کرتے ہیں کہ جو کچھ ہم لکھینگے ایک حد تک اُسکے لیئے دلیل کی ضرورت نہوگی اور کہیں مجبوری کی نسبت کہا نہیں جا سکتا خداوند تعالیٰ مچھر کی مثال بیان فرماکے ارشاد کرتا ہے یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا الفسقین الذین ینقضون عھد اللہ من بعد میثاقہ ویقطعون ما امر اللہ بہ ان یوصل ویفسدون فی الارض اولئک ھم الخسرون یعنی ایسی ہی مثال سے خدا بہتیروں کو گمراہ کرتا اور ایسی ہی مثال سے بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے لیکن بدکاروں ہی کو گمراہ کرتا ہے جو پختہ قول کر لینے کے بعد خدا کا عہد توڑ ڈالتے ہیں اور جن تعلقات کے قائم رکھنے کو خدا نے فرمایا اُنکو توڑتے اور ملک میں فساد پھیلاتے ہیں یہی لوگ اخیر نقصان اُٹھائیں گے" اگر صرف معمولی نظروں سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ ہی گمراہ کرتا ہے اور خداوند تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ قوانین قدرت یا اوامر باری تعالیٰ کی خلاف ورزی کرنی گویا خداوند تعالیٰ سے انحراف کرنا ہے اسلیئے جو شخص اس طرح گمراہ ہوتا ہے اُسکی نسبت بھی خداوند تعالیٰ کو اپنے ہی ساتھ کرنی لازم ہے کیونکہ قوانین فطرت اُسی کے بنائے ہوئے ہیں اور وہی انکا اصلی اور حقیقی موجد ہے یہاں ایک نئی بات اور بھی فرمائی گئی ہے اور انسانی فطرت کی انتہا درجہ کی زبون ترین حالت بیان ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کے عہد توڑنے کا عادی ہو یعنی قوانین قدرت کی خلاف ورزی کرنے میں اُسکی تمام عمر گزر گئی ہو پھر اخیر وہ اس سے نہیں سنبھل سکتا اور برابر گمراہی کے گڑھے میں گرتا جاتا ہے اور پھر اُسکے بچنے کی اُمید قطعی یا یوں سمجھے بدلجاتی ہے ایک بدکار شخص جسکی تمام عمر بدکاری میں گزر جاتی ہے اور یہ بدکاری اُسکے خون میں ملجاتی ہے پھر اُس کا جانا ناممکن ہوجاتا ہے۔ جو کیفیت کہ روحانی امراض کی ہے وہی حالت ہو بہو جسمانی امراض کی ہے جب کسی سخت مرض کا زہر خون میں ملجاتا ہے پھر تمام جہان کے روشن دماغ اطبا کچھ بھی نہیں کر سکتے" ایسی بھی قہرناک بیماریاں ہیں جنکا زہر نسلاً بعد نسلاً برابر خون میں ملتا چلا جاتا ہے اور ایک مدت دراز تک اُس کا اثر رہتا ہے اسیطرح جب کوئی روحانی مرض لگ جاتا ہے اگر اُسکے دفعیہ میں کوشش نہیں کیجاتی تو پھر اس مرض کا اثر روح میں آمیز ہوجاتا ہے جب آمیز ہوگیا تو پھر اُسکا زائل ہونا ناممکنات سے ہوجاتا ہے ایسے ہی مرض کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی اس فطرت انسانی کا اظہار کردیا گیا کہ خدا بدکاروں ہی کو گمراہ کرتا ہے بدکاروں ہی کے گمراہ کرنے کے یہ معنی ہیں جو ہم نے بیان کیئے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسیکو بھی اس میں شبہ ہوسکتا ہے جبکہ ایک بات بدیہی ہے اور انسانی فطرت کے آثار چڑھاؤ کا بیان ہوا ہے ایک تھوڑی سی غور اور توجہ سے یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے طبی قواعد کی رو سے یہ بات مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ابتدا سے اپنی حالت سنبھالنے کی کوشش نکرے حالانکہ اُس میں سنبھل جانیکی قوۃ اور اپنی اصلاح کی پوری استعداد موجود ہے تو ایک زمانہ گزرنے کے بعد پھر اسکی اصلاح کی امید بالکل محال ہوجاتی ہے اور کیسی ہی سخت سے سخت سزائیں اور نصائح کی جائیں مطلق اثر نہیں ہوتا۔ روزمرہ ہماری آنکھوں کے آگے ایسے مشاہدے ہوتے رہتے ہیں کہ ایک شخص کئی سال کی قید سے آج ہی تو رہا ہو کے آیا اور آج ہی اُس نے پھر کہیں نقب زنی کی یعنی ایک دن بھی کئی برس کی سخت قید کا اثر اُس میں نہیں رہا پھر پکڑا گیا پٹا اور قید ہوا اور پھر رہائی پاکے اس نے وہی فعل کیا اخیر اسکی کیا وجہ ہے بس سوا اسکے کچھ وجہ نہیں کہ بُری عادتیں اُسکے خون میں مل گئی ہیں اور جبتک اُسکی جان میں جان باقی ہے وہ کبھی اس فعل سے باز نہیں آئیگا۔ اسی فطرت کے آدمیوں کی طرف خدا کا یہ اشارہ ہے کہ ہم بدکاروں کو ہی گمراہ کرتے ہیں یعنی اُن کا مرض بدکاری لاعلاج ہوجاتا ہے اور وہ یہی لوگ ہیں جو اخیر میں نقصان اُٹھائیں گے۔ ان

روشن اقوال سمجھنے کے لیئے جس طرح بیدار دلی۔ روشن ضمیری اور انصاف کی ضرورت ہے اسیطرح انسانی فطرت کے علم کی بھی حاجت ہے یہ کلام باری تعالیٰ ہے اور دنیا کی ہر مخلوق کا زبردست قانون ہے اسے معمولی نظروں سے نہ دیکھو بلکہ حکمت اور انصاف سے اسکی تلاوت کرو تاکہ قوانین قدرت کی باریکیاں کھلتی چلی جائیں اور غوامض الٰہیہ کا انکشاف اپے درپے ہوتا چلا جائے۔

پھر خداوند تعالیٰ نے انسانی خود مختارانہ حالت کو بہت ہی کھلے لفظوں میں بیان فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے ولو انھم اٰمنوا واتقوا لمثوبۃ من عند اللہ خیر لو کانوا یعلمون یعنے اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگار بنتے تو جو ثواب انکو خدا کی درگاہ سے ملتا وہ اُنکے حق میں اس سے کہیں بہتر تھا کاش یہ لوگ اتنی بات سمجھتے وہ کونسی بات باقی رہ گئی اور کونسا پہلو انسان کی خود مختارانہ حالت کے بیان کرنے میں فروگذاشت کیا گیا۔ اس سے زیادہ صاف اور روشن الفاظ اور کیا ہو سکتے ہیں نہ جنکی تفسیر کی ضرورت ہے اور نہ اُنکے مطالب کی توضیح کرنیکی حاجت ہے۔ ادنیٰ بات یہ سمجھنے کی ہے کہ اگر انسان کامل خود مختار نہ بنایا جاتا تو جزا و سزا ایک افسانہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں دوسرے مقام پر خداوند تعالےٰ نے حکومت رجال اور نظام مملکت کے بارے میں فرمایا ہے جیسا ارشاد ہوا ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العٰلمین یعنی وہ اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض کو (حکومت کی کرسی پر سے) نہ ہٹاتا رہے تو ملک (کا انتظام) درہم برہم ہو جائے لیکن اللہ دنیا کے لوگوں پر (بڑا مہربان ہے) یہاں بھی وہی مطلب ہے جو ہم اوپر دو جگہ بیان کر آئے ہیں یعنی جو قوانین کہ ایک بادشاہ کے تخت پر قائم رہنے کے بنائے گئے ہیں جب وہ اُن سے تجاوز کرتا ہے تو خلقت پر مظالم کی بلا نازل ہونے لگتی ہے لازم ہوا کہ ایسا بادشاہ تخت سے اُتار دیا جائے اور اسکی جگہ دوسرا وہ حکمران ہو جو قوانین قدرت کی پوری پابندی کرتا ہو تاکہ خلقت کو آرام ملے۔ جب سے دنیا میں تاریخ کا سلسلہ ملتا ہے اُسکے مطالعہ سے پایا جاتا ہے کہ خاص خاص خرابیوں کیوجہ سے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں غارت ہو گئیں حکمران خاندان اکثر اوقات بالکل برباد کر دیئے گئے سلاطین اپنی خوابگاہوں میں ذبح کر دیئے گئے یا زہر دیدیئے گئے دور کیوں جاؤ صرف مسلمانوں ہی کی حکومت کو خیال کرو وہ افعال جن سے مسلمانوں کی سلطنتیں برباد ہوئیں کچھ پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ تاریخ نے اُنھیں آئینہ کر دیا ہے۔ بنو امیہ کی سلطنت کیوں غارت ہوئی بنو عباس کیوں دنیا سے مٹا دیئے گئے بنی فاطمہ کیوں برباد کر دیئے گئے خاندان اُندلس کا کیوں ستیاناس ہوا خاندان مغلیہ کیوں صفحہ دنیا سے مٹا دیا گیا۔ خاندان صفویہ کی کیوں شان و شوکت جاتی رہی۔ خاندان عثمانیہ کی کیوں سنین ماضیہ کی سی وہ بات یورپ کے جگر پر نہیں ہے ان سب باتوں کے اسباب ظاہر ہیں اور ایسے ظاہر ہیں کہ اُنکے بیان کرنیکی چنداں ضرورت نہیں۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی محبت اور مہربانی کا جو اُسے مخلوق پر ہے پورا ثبوت دیا ہے ان سلطنتوں کو یقیناً قوانین قدرت نے برباد کر دیا یا کمزور بنا دیا اس لحاظ سے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر ہم بعض لوگوں کو حکومت کی کرسی پر سے نہ ہٹاتے رہیں تو نظام عالم درہم و برہم ہو جائے۔ فرض کرو کہ اگر یہ قوانین قدرت نہ ہوتے کہ ان بے انتہا الیوں اور بربادکن اسباب جمع کرنے کے بعد بھی وہ سلامت رہتے اور اُن مظالم اور بے پروائی کے بعد بھی جن کا حال پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں وہی لوگ قائم رہتے اور اُنکی ہی بادشاہت رہتی تو پھر کیونکر مخلوق خدا باقی

رہتی اور نظام عالم کیوں نہ برباد ہوتا حق تو یہ ہے کہ جزا اور سزا کا قائم ہونا خود اسبات کا شاہد ہے کہ انسان ضرور خود مختار اور آزاد پیدا کیا گیا ہے اسے کامل اختیار ہے خواہ وہ نیک بنے یا بد کوئی چیز اُسے روکنے والی نہیں ہے آنکھیں ہیں اُن سے وہ ٹھوکر اور گڑھے کو دیکھ کے چلتا ہے اگر آنکھیں ہونے پر بھی وہ قدم قدم پر ٹھوکر کھائے تو ایسے شخص کا کیا علاج ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ اُسے اُس کی حالت پر چھوڑ دیا جائے۔ ایک دوسرے مقام پر خداوند زمین و زماں نے اپنے جلال اپنی جبروت اور اپنی ہیبت کا پورا نقشہ کھینچا ہے چنانچہ فرماتا ہے قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شئ قدیر یعنی اے پیغمبر تم تو یہ دعا مانگو کہ اے خدا سارے ملک کے مالک تو ہی جسکو چاہے سلطنت دے اور تو ہی جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جسے چاہے عزت دے اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے اور ہر طرح کی خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے"۔ اپنے نبی سے خطاب باری تعالیٰ ہوا ہے کہ تمھاری ہر وقت یہ دعا ہونی چاہیئے کہ اُسے تمام ممالک بلکہ کائنات کا مالک سمجھا جائے اور اپنی کامیابیوں اور ہوشیاریوں پر بھروسہ نکرکے یہی خیال کرنا چاہیئے کہ جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے اور ہم اُسکے بندے ہیں۔ یہاں بھی عزت دینے اور ذلت دینے کے وہی معنی ہیں جو ہم نے اُوپر بیان کیئے۔ مگر یہاں عبادت کی تعلیم ہوئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ شان عبودیت کیا ہے اور بندہ کو کیا کرنا چاہیئے۔ ایک شہنشاہ نے فرض کرو کہ اپنی تدابیر اور جانفشانی سے ایک دوسرا ملک سر کیا اور کوشش اور اعلیٰ تدبیری پر گھمنڈ نہ کر کے اُس نے یہی سمجھا کہ میری کیا حقیقت ہے خدا ہی کو منظور تھا کہ اُس ملک میں بھی میرا سکہ چلے اور میں بادشاہ کہلاؤں اور اُسوقت وہ وجد کی حالت میں یہ پڑھے تو ہی عزت دیتا ہے اور تو ہی ذلت دیتا ہے ہر شئے پر تو ہی قادر ہے۔ خدا ہی کو براہ راست صرف نیکیوں کا فاعل ماننا ہماری محنتوں کا اخلاقی نتیجہ ہے۔ جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر قسم کی عزت اور ذلت ہمارے ہی اختیار میں ہے اور ہم ہی دیتے ہیں وہاں یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ یہ بھی دعا مانگا کرو کہ ہر طرح کی خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ ہر قسم کا شر اور خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے بلکہ اس خیر و خوبی کے یہ معنی ہیں کہ ایک نیک بادشاہ کے ہاتھ میں دوسری سلطنت کی باگ دیدینے سے جسقدر خیر پیدا ہوئی اسی طرح ایک ظالم بادشاہ کو تخت سے خارج کرنا بڑی خیر اور خوبی کا باعث ہے۔ یہ ہے خیر و خوبی اور یہ ہے اُس کا مطلب انصاف کی زنجیروں میں ذرہ ذرہ جکڑا ہوا ہے اور کوئی شخص ان زنجیروں کو توڑ نہیں سکتا۔ جو شخص سلامت روی میں اپنی زندگی گزارتا ہے یا بالفاظ دیگر جو شخص قوانین فطرت باری تعالیٰ کی خلاف ورزی نہیں کرتا وہ اپنے پر آپ رحم کھاتا ہے یہ مسلم ہے جو شخص اپنے پر آپ رحم نہ کھائیگا۔ دوسرا ہرگز اُس پر رحم نہیں کھائیگا۔ اس میں شبہ نہیں کہ خداوند تعالیٰ رحیم اور کریم ہے مگر رحم اور کرم کے یہی معنی ہیں کہ جو قوانین قدرت اُس نے منضبط کیئے ہیں وہ کائنات میں ایک عظیم کرے سے لگا کے ذرے تک کے لیئے یکساں ہیں اور کبھی اس سے تجاوز نہیں ہوتا نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی ہے اس سے ہرگز تجاوز ممکن نہیں قاتل کی سزا پھانسی ہے وہ قیامت تک اس سے بچ نہیں سکتا جس شخص نے کوئی اخلاقی جرم کیا ہے وہ ضرور اپنے دل ہی دل میں اُس کی سزا بھگتے گا اس لیئے اُس نے نہایت ہوشیاری اور بیداری کی حالت میں وہ جرم کیا ہے اگر خارجی طور پر اُسے کوئی سزا نہیں دی گئی اُس کا دل اُسے ملامت کرنے کے لیئے کافی ہے اور دل کی تعزیری قوانین کا اُس پر نفاذ ہوگا اور وہ ایک

مدت تک اُس سزا کو بھگتا کریگا۔ مثلاً ایک شخص نے کسیکی دل آزاری کی ہو وہ برسوں اپنے ہی دل میں خود پشیمان ہوا کرتا ہے کہ مجھ سے یہ امر کیوں سرزد ہو گیا؟ اور میں نے کیوں ایسا کیا یہی بہت بڑا رحم اور بہت بڑا انصاف ہے۔ انصاف اور رحم خود لازم و ملزوم ہیں اور ایک کا انحصار دوسرے پر ہے غور کرنیکے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ عین انصاف کا نام رحم ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اس کی تائید اس کلام مجید کی آیت سے ہوتی ہے اذ تصعدون ولا تلوٗن علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم فاثابکم غماً بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم ولا ما اصابکم واللہ خبیر بما تعملون یعنی اُسوقت کو یاد کرو جب تم بدحواس بھاگے چلے جاتے تھے اور باوجودیکہ رسول تمھارے پیچھے تمھیں کھڑے تمکو بلا رہے تھے لیکن تم مڑ کے کسیکو نہیں دیکھتے تھے پس اس مخالفت سے جو تم نے رسول کو آزردہ کیا اسکے بدلے خدا نے تم کو شکست کا رنج پہنچایا تاکہ جب کبھی تم سے کوئی مطلب فوت ہو جائے یا تم پر کوئی مصیبت آپڑے تو تم صبر کی عادت رکھو اور اس کا رنج نہ کرو اور تم کچھ بھی کرو اللہ کو اُسکی خبر ہے۔ اِس آیت شریفہ میں انصاف اور رحم کو لازم و ملزوم بنایا ہے مسلمانوں کو اس امر کی سزا کہ انھوں نے رسول کریم کو آزردہ کیا شکست دیگئی یعنی یہ تو انصاف کیا گیا اور پھر اُنپر رحم فرما کر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر مصیبت پر صبر کیا کرو یعنی اُس سے شکستہ خاطر اور پریشان اس لیئے نہوا کرو کہ تمھیں تمھارے اعمال کی سزا دیگئی اسبات پر صبر کرنا چاہیئے کہ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو کیوں ہمارا مطلب فوت ہوتا اور کیوں ہمپر مصیبت آتی۔ ایسی حالت میں صبر کرنا اس بات کو سمجھنا ہے کہ فلاں غلط کاری کی یہ سزا دیگئی ہے آیندہ اس سے احتراز کرنا چاہیئے۔ وہ انصاف تھا اور یہ رحم تھا اگر کسی مصیبت کی وجہ سے انسان اپنے آپے میں نہ رہے اور سخت پریشان ہو جائے تو اُسے اِس خیال کرنیکا احساس نہیں رہتا کہ کس جرم میں یہ سزا دیگئی ہے اسکے یہ معنی ہیں کہ پریشانی کے دور ہونیکے بعد وہ پھر اسی جرم کا ارتکاب کریگا اور پھر اُسی موعود مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ ہاں اگر اُسنے صبر کیا تو اس صبر میں اُسے اپنی گزشتہ غلط کاریوں پر فکر کرنے اور غور کرنیکا موقع ملیگا اور پھر یقیناً اس سے وہ خطا جس نے اُسے مصیبت میں پھنسا دیا تھا کبھی نہوگی قرآن مجید کی ایک ایک آیت میں بہت بڑی حکمت مضمر ہے اور اُسے وہی لوگ دیکھ سکتے ہیں جنہیں عقل اور عقل میں انصاف کی روشنی ہے۔ قرآن کیا ہے قوانین فطرت کا ایک مجموعہ ہے اور اُسے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جسے فطرت باری اور فطرۃ انسانی کا علم ہے اندھا دھند اپنی رائے سے کوئی بات قائم کرلینی اور محض اندھے پنے سے قرآن مجید کی پاک تعلیم پر نکتہ چینی کردینی اپنی لاعلمی کا خود اظہار کرنا ہے۔

اسکے بعد خداوند تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو عبودیت کے دائرے میں رہنے کی کیا اچھی تعلیم کی ہے اور سمجھایا ہے کہ شان عبودیت کسے کہتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک وارسلناک للناس رسولا وکفی باللہ شہیدا یعنی اے بندے حقیقت حال تو یہ ہے کہ تجھے کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ اللہ کی طرف سے ہے اور تجھے کوئی نقصان پہنچے تو سمجھ کہ تیرے نفس کی طرف سے ہے اور اے پیغمبر ہمنے تمکو لوگوں کی طرف پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور تمھارے پیغمبر ہونے کے لیئے خدا کی گواہی بس کرتی ہے" جو قوانین فطرت ہیں وہ تو ہیں لیکن شایان عبودیت کو اس خوبصورتی سے سادے سادے الفاظ میں بیان کرنا یہ خدا ہی کا کام ہے۔ کہ نیکی کو خدا کی طرف پھیرنا اور برائی کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرنا عین عبودیت ہے دنیا میں اسکی نظیر خود موجود ہے آقا پرستی کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ اپنے آقا کی

غلطی کو اپنی غلطی کہے اور اپنی آقا پرستی کا پورا ثبوت دے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ محبت میں بھی اس کی بہت سی نظیریں مشاہدہ کی گئی ہیں اس آیت شریفہ میں ایک طرف شان عبودیت دکھائی گئی ہے اور دوسری طرف معیار محبت قائم کیا گیا ہے۔ ہمیں محمود غزنوی کی ایک حکایت یاد آئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شانِ بندگی اور اصلی محبت کیا چیز ہے۔ محمود کے کان میں جب آوازیں پے در پے آنے لگیں کہ سلطان کیوں ایاز کو زیادہ عزیز رکھتا ہے تو ایک دن اُس نے اس امر کا اظہار کرنا چاہا۔ دربار میں اپنے کل غلاموں کو بلایا اور سب کو ایک ایک موتی دیا اور حکم دیا کہ اسے توڑ لاؤ چنانچہ سب غلام مع ایاز کے جاکے اسکو چورا چور کر لائے۔ جب وہ موتی کا چورا کر لائے تو محمود نے ایک ایک سے دریافت کر کے اُن پر خفگی کرنی شروع کی کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ وہ گھبرا گھبرا کے عرض کرنے لگے کہ حضور ہی نے حکم دیا تھا ہماری کیا مجال تھی کہ ہم اپنی رائے سے کچھ کرتے جب سب غلاموں کا سلسلہ ختم ہوچکا تو وہی ناراضگی ایاز پر بھی ہوئی اُس نے دست بستہ سرنگوں ہوکے عرض کیا خداوند نعمت یہ اسی عاجز کی خطا ہے اور یہ عاجز بندہ ہر سخت سے سخت سزا کے لئے تیار ہے جو اسکے جرم کے لئے تجویز کیجائے یہ سُن کے محمود خاموش ہو رہا اور تھوڑی دیر کے بعد کل غلام اور اہل دربار سمجھ گئے کہ محمود نے ہماری باتوں اور اعتراضوں کا جواب دیا ہے۔ اس محبت اور عین آقا پرستی کی مثالیں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں اسی وجہ سے خداوند تعالیٰ نے اپنی محبت اپنی مخلوق کے دل میں پیدا کرنے اور اپنا سچا شیدا بنانے کے لئے یہ ارشاد کیا کہ کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھ کہ اللہ کی طرف سے پہنچا اور کوئی نقصان پہنچے تو سمجھ تیرے نفس کی طرف سے ہے اگر فی الحقیقت دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے تو اس سے زیادہ عین عبودیت اور ہو نہیں سکتی۔ یہ ایک خیال ہے جس میں معرفت الٰہیہ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے قرآن مجید کے ہر جملہ اور ہر چھوٹی سی آیت میں وہ راز فطرت باری تعالیٰ اور تہذیب انسانی کے مضمر ہیں کہ جتنا غور کرو نئی نئی باتیں پیدا ہوتی چلی جائیں گی صرف فہم سلیم اور انصاف کی ضرورت ہے قرآن کے مضامین کو نہیں سمجھ سکتے وہ لوگ جو اپنی نفسانی خواہشوں کے مطیع اور جن کی آنکھوں پر خود غرضی کا پردہ پڑا ہوا ہے اے کلام پاک تیرے لعل جوہری ہی پرکھ سکتا ہے "قدر جوہر شہ بداند یا بداند جوہری" تو قوانین قدرت کی ایک بیاض ہے اور تجھ میں فطرت انسانی کا بڑی دور تک کھوج ملتا ہے۔ جو نہیں سمجھ سکتے وہ بدنصیب ہیں۔ جن کے لئے تو خود یہ فیصلہ کرتا ہے انظر کیف کذبوا علی انفسھم وضل عنھم ما کانوا یفترون ومنھم من یستمع الیک وجعلنا علی قلوبھم اکنۃ ان یفقھوہ وفی اذانھم وقرا وان یروا کل آیۃ لا یؤمنوا بھا حتی اذا جاءوک یجادلونک یقول الذین کفروا ان ھذا الا اساطیر الاولین وھم ینھون عنہ وینئون عنہ وان یھلکون الا انفسھم وما یشعرون یعنی اے محمد دیکھو تو سہی یہ لوگ کس طرح اپنے اوپر آپ جھوٹ بولنے لگے اور انکی افترا پردازیاں سب اُن سے گئی گزری ہوگئیں اور بعض اُن میں سے ایسے بھی ہیں کہ تمہاری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں اور اُن کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیئے ہیں اور اُنکے کانوں میں ٹینٹ تاکہ تمہاری بات نہ سمجھ سکیں اور اگر وہ دنیا جہان کی ساری نشانیاں یعنی معجزے بھی دیکھ لیں تاہم وہ ایمان لانے والے ہی نہیں اُنکی ہٹ دھرمیاں تو یہاں تک بڑھی ہوئی ہیں کہ جب تمہارے پاس تم سے جھگڑتے ہوئے آتے ہیں تو یہ کافر قرآن کو سن کر بول اُٹھتے ہیں کہ قرآن میں اور رکھا ہی کیا ہے اس میں تو صرف اگلوں کی کہانیاں ہی کہانیاں ہیں اور یہ قرآن سننے سے دوسروں کو منع کرتے ہیں اور آپ بھی بھاگتے ہیں اور ایسی شرارتوں سے بس اپنی ہی ہلاکت کے درپے ہیں اور غضب یہ ہے کہ اس نکتے کو بھی نہیں سمجھتے۔ مضحکہ اُڑانے والوں اور متعصبوں کے حق میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے

اس میں شک نہیں کہ ایسے لوگوں کی شرارتیں خود اُنکے حق میں زہر ہلاہل ہیں۔ پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے والذین کذبوا بایٰتنا صمٌّ وبکمٌ فی الظلمٰت من یشأ اللہ یضللہ ومن یشأ یجعلہ علیٰ صراط مستقیم یعنی اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اُنکی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے میں گونگے اور بہرے ہوتے ہیں خدا جسے چاہے اُسے گمراہ کر دے اور جسے چاہے اُسے راہ راست پر لگا دے"۔ خدا تعالیٰ کا گمراہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ شخص اُن قوانین قدرت سے انحراف کر کے گمراہ ہوا جو خداوند تعالیٰ نے ترتیب دیئے تھے اس کے یہ معنی ہیں کہ خدا ہی گمراہ کرنے والا اور خدا ہی ہدایت دینے والا ہے چنانچہ اس مضمون کو وضاحت کے ساتھ یوں بیان کیا ہے قد فصلنا الاٰیٰت لقوم یذکرون جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں اُن کے لئے تو ہم اپنی آیتیں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے ہیں"، پھر خداوند تعالیٰ نے اور بھی تشریح سے فرمادیا ہے سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا ولا اٰباؤنا ولا حرمنا من شیء کذٰلک کذب الذین من قبلھم حتیٰ ذاقوا بأسنا قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون یعنی مشرکین سے کچھ بعید نہیں کہ یہ حجت پیش کریں کہ اگر خدا چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا ایسا کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو اپنے اُوپر حرام کرتے اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے یہانتک کہ اخیر ہمارے عذاب کا مزا چکھا پر چکھلائے پیغمبر ان لوگوں سے پوچھو کہ آیا تمہارے پاس کوئی علمی سند بھی ہے اگر ہے تو اُسکو ہمارے دکھانے کے لئے نکالو اور پیش کرو سند تو تمہارے پاس کچھ ہے نہیں نرے واہموں پر چلتے اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہو"، جو کچھ ہمارا مطلب تھا خدائے حقیقی نے صاف الفاظ میں بتادیا یہ عذر ہرگز نہیں چلنے کا کہ اگر خدا چاہتا تو یہ کر دیتا اور خدا چاہتا تو ہمیں اس غلطی سے بچا لیتا۔ خدا چاہتا تو ہم سے یہ گناہ نہونے دیتا۔ خدا چاہتا تو یہ کر سکتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ خداوند تعالیٰ میں ہر قسم کی قدرت ہے اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے مگر جو قوانین کہ روز ازل سے اُس نے ترتیب دیئے ہیں اُن کے خلاف ذرہ برابر بھی نہیں ہوتا۔ اُس کا جلال جتنا ہم اندازہ کرتے ہیں اُس سے کہیں زیادہ ہے اُس کی بزرگی جو ہمارے خیال میں آسکے اُس سے کہیں برترین و اعلیٰ ہے ہم اگر اُن عظیم لاکھوں بلکہ کروڑوں کُرّوں کا خیال کریں تو حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک پشہ کے رونگٹے کی برابر بھی ہستی نہیں رکھتے ہم کیا اور ہماری عقل کیا ہاں جو کچھ اور جتنا اُس نے بتادیا ہے وہی جانتے ہیں اور کوئی علم ہمیں نہیں ہے وہ خلاق اکبر بار بار کہہ چکا کہ قانون قدرت کے خلاف کچھ نہیں ہوتا اور ہر جگہ اُس نے اُن لوگوں کی حقارت کی ہے جو ہر ایک بات خدا پر سونپتے ہیں اور اپنی بخت اور اولوالعزم قوتوں کو معطل کر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھ جاتے ہیں اور کمبخت کچھ نہیں کرتے وہ کن پرزور الفاظ میں اپنے اُن نافرمان اور سرکش بندوں کی تحقیر کرتا ہے جو خود تو اپنی عقل سے کچھ کرتے نہیں مگر خدا پر چھڈا رکھتے ہیں کہ اگر وہ چاہتا تو یہ ہو جاتا اور اگر وہ چاہتا تو ہم مشرک نہ رہتے اُنکی نسبت ارشاد ہوا ہے اور وہ بھی اپنے پیغمبر سے کہ ان سے دریافت کرو کہ تمہارے پاس اِسکی کچھ سند ہے کہ اگر خدا چاہتا تو مشرک نہ رہنے دیتا پھر خود ہی جواب دیتا ہے کہ نہیں یہ کوئی سند پیش نہیں کر سکتے۔ انتہا درجہ عتاب ہے اور سخت غصہ ہے صرف اس باعث سے کہ یہ بدبخت اپنی بدکاری سے عذاب کا مزا چکھیں گے۔

یہ خیال بالکل لغو اور سراسر غلط ہے کہ انسان اپنی فطرت میں مجبور پیدا کیا گیا ہے جیسا کہ بعض کا خیال ہے۔ یہ کہنا سخت غلطی ہے کہ انسان دو صورتوں سے سخت مجبور کیا گیا ہے اول تو تمدن و معاشرت اور رسم و رواج قومی و ملکی کے

باعث اور دوسرے اپنی خاص فطرت سے یہ ساری باتیں محض بے بنیاد اور مضحکہ خیز ہیں اور جو شخص طبع انسانی اور ضمیر کے عجیب وغریب جوہروں کو جانتا ہے وہ ہرگز یہ خارجی اور فطری مجبوری قبول نہیں کریگا۔ فرض کرو کہ ایک شخص ہندوستان میں مذہبًا ہندو پیدا ہوا۔ شیرخوارگی کے زمانہ سے لے کے بلوغ تک اُن والدین کی گودی میں پلا جو بت پرستی کرتے ہیں بتوں کو علی الصباح لڈو کھلاتے ہیں اُنکو نہلاتے اور اُن کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالتے ہیں۔ کھانے میں تفریق کرتے ہیں۔ پکا کھانا پوری کچوری لڈو بغیر چوکے کے کھاتے اور کچا کھانا مثلاً روٹی بغیر گوبر لیپے کھانا ممنوع جانتے ہیں یہ معاشرت اُنکے خون میں ایسی ملجانی چاہیئے کہ پھر کسی خارجی تمدن وتہذیب کا اُس پر اثر نہ پڑے مگر یہ بات نہیں ہوتی وہ فوراً غیر اشیا سے متاثر ہوتا ہے اور اسکی معاشرت بہت جلد بدلجاتی ہے۔ انسان کے خیالات کا عجیب اُتار چڑھاؤ ہے دم بدم اُن میں تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے۔ ایک شہر ایک آب وہوا اور ایک معاشرت اور پھر اُسی میں معاشرت اور تمدن کا اتنا فرق کہ خیال میں نہیں آسکتا یہ صحیح ہے کہ آب وہوا ایک حد تک مجبور کرتی ہے یہ صحیح ہے کہ قوانین تمدن ملکی انسان کو ایک خاص طرف پھیرنے کے لیئے دباتے ہیں مگر دراصل وہ مجبوری نہیں ہے بلکہ اُسے خلقت کہنا چاہیے حالانکہ یہ خلقت بدل سکتی ہے اور اس میں ایک بڑی حد تک تبدیلی آسکتی ہے مگر نہیں قوانین قدرت اور خدا پرستی کو اس تمدن اور آب وہوا سے کچھ بھی تعلق نہیں یہ سارے طبعی اور فطری امور ہیں جن سے نہ نفس انسانیت میں کچھ نقصان پہنچتا ہے نہ فائدہ بلکہ روحانی صفات کے لحاظ سے قوانین قدرت نے دنیا کا ایک ہی تمدن قرار دیا ہے اور اس سے جو شخص تجاوز کرے سمجھ لو کہ اُسنے اپنی ہلاکت کا آپ سامان کیا۔ مثلاً خدا کو ایک جاننا چوری نکرنا زنا نکرنا اور ہمسایہ کو تکلیف نہ دینا وغیرہ دنیا کے کس ملک کا تمدن ہوگا کہ جو ان باتوں سے کسی بات کے تسلیم کرنے میں رخنہ اندازی کرے گا۔ اور کہاں اور کس جگہ آب وہوا انکے تسلیم کرنے اور ان پر عمل کرنے سے مانع آئیگی تقریبًا تمام ہی دنیا اسے مانتی ہے اور سوائے چند نافہموں کے خدا کی بدموں مخلوق اس پر کاربند ہے خدا کی نسبت سب کے خیالات یکساں ہیں عیبوں کو عیب اور نیکیوں کو سب نیکی جانتے ہیں۔ کس ملک کے تمدن نے ایک خدا کے دو کر دیئے اور کس ملک کے تمدن نے زنا چوری اور قتل کو جائز قرار دیدیا ہے خدا پرستی یا تزکیہ نفس میں کسی قسم کا تمدن اور کسی قسم کی معاشرت کچھ بھی نہیں رخنہ ڈال سکتی۔ ایشیا کے باشندے اپنی معاشرت میں خدا پرستی کر سکتے ہیں اور تزکیہ نفس کے مدارج بھی طے کر سکتے ہیں اور افریقی اقوام اپنی ملکی آب وہوا میں وہی کر سکتے ہیں جو ایک ہندوستانی یا عربی یا رومی یا یوروپی باشندہ۔ یاد رکھو کہ اچھی چیز ہر جگہ اچھی ہے اور بُری چیز ہر جگہ بُری ہے مگر اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ اچھی وہ چیز ہے جسے خدا نے اچھا کہا ہے انسان کی اچھی سمجھی ہوئی کوئی چیز عام مقبول نہیں ہے نہ کبھی ہوسکتی ہے مثلاً ایک ملک والے کسی خاص چیز کو اچھا سمجھتے ہیں لیکن دوسرے ملک میں وہ مقبول نہیں ہندوستان میں مرچ زیادہ پسند کیجاتی ہے مگر روم وعرب اور یورپ میں کوئی مرچ کو جانتا ہی نہیں جو ترکاریاں پھول پھل اور کھانے کی ہندوستانیوں کو مرغوب ہیں وہ دوسرے ملک میں نفرت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ انگریز جس سڑے ہوئے پنیر اور مچھلی کو مزا لے کے کھاتے ہیں ہندوستانیوں کا اُس سے جی متلاتا ہے۔ غرض ہر چیز میں فرق ہے جو ہم عیاں دیکھتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی طبیعت یا بمقتضائے آب وہوا اپنی معاشرت کے سامان پیدا کیئے ہیں اُس کے فائدے محدود ہیں دوسرے ممالک پر اس تمدن کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ گرمی میں انسان

برہنہ رہتا ہے آسمان کی نیلی چھت کے نیچے شب کو سوتا ہے پھر بھی اُسے آرام نہیں آتا مگر ممالکِ روم اور یورپ یا امریکہ میں ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ مجبوری نہیں بلکہ اپنی صحت اور زندگی کے لیئے اسی فطری طور پر ہر ملک کی آب و ہوا کے مطابق اپنے لئے سامان کرنے پڑتے ہیں برخلاف اس کے خداوند تعالیٰ نے جس چیز کو اچھا کہا اور جس چیز کو بُرا کہا یا بتایا ہے وہ ہر ملک اور ہر تمدن اور ہر مرز و بوم میں یکساں تسلیم کیا جاتا ہے اور اس میں نہ کسی نے تبدیلی کرنے کی جرأت کی نہ کر سکتا تھا تمدنی اثر خواہ وہ کسی قسم کا ہو روحانی فضائل میں کوئی فرق پیدا نہیں کر سکتا۔ ہر ملک میں نیک و بد پیدا ہوتے ہیں اور قریب قریب ہر ملک کے نیک و بد کی ایک ہی صورت اور ایک ہی صفت ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ جس صورت سے انسان کے قویٰ بنائے گئے ہیں اُن سے ویسے ہی افعال سرزد ہونگے مثلاً ایک رحم دل اور ظالم کی کھوپری کی بناوٹ کبھی یکساں نہیں ہو سکتی یا ایک عیاش اور متقی کی کھوپری کی بناوٹ میں بہت بڑا فرق ہوگا یہ مسئلہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ جتنی خاصیتیں ہیں سب قوائے عقلی کی محکوم کی گئی ہیں اور ہر صدورِ فعل پر عقل ان خصوصیات پر غالب ہو سکتی ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر قوانین ملکی کا عملدرآمد ان پر کیوں کیا جاتا ہے کیوں ایک ظالم کو اُس کے مظالم پر سزا دیجاتی ہے۔ کیوں نہیں قانون کی رسّی ڈھیلی چھوڑ دیجاتی کہ جو کچھ وہ چاہے کرے اس لیئے کہ وہ خود نہیں کرتا بلکہ اپنی خلقت سے مجبور ہے۔ یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں بڑے بڑے عقلا نے تسلیم کر لیا ہے کہ ہر حالت میں قوائے عقلی اس خلقت پر غالب آجاتے ہیں جو پیدایش سے اُس کی ہمسفر بن رہی ہے۔ اسی بنیاد پر تو انسان کو جزا و سزا آخرت میں ملسکتی ہے۔ یعنی اُس میں قوت ہے کہ وہ ایک شخص کو قتل کر ڈالے اُس میں قوت ہے کہ وہ ایک شخص کا مال چھین لے اس میں قوت ہے کہ زنا بالجبر کرے۔ مگر نہیں کرتا اور قوانین ملکی یا اپنی دنیاوی عزت یا دوستوں کی شرم یا خدا کے خوف سے اپنی طبیعت کو روکتا ہے اور کبھی کسی جرم کا ارتکاب نہیں کرتا۔ دیکھ لو یہاں بھی قوائے عقلی اُس کی خلقت پر غالب آگئے انسان تو انسان شیر جس میں درندگی کی خاصیت ہے گھر میں پرورش پا کے مثل بلی کے بنجاتا ہے اور اپنے آقا کے ساتھ محبت کرتا چوکڑیاں بھرتا رہتا ہے چیتا تو عام طور پر پالا جاتا ہے اور مثل کتوں کے اُس سے شکار کا کام لیتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ کبھی کبھی شیر یا چیتا اپنی حالت اصلی پر عود کر کے اپنے آقا پر حملہ کرے مگر اُسکی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص جو تمام عمر نیک رہا ہو کسی قبیح فعل کا اخیر عمر میں مرتکب ہو جائے۔ ایسی باتیں یا ان غیر معمولی افعال کا صدور بعض اوقات دماغی تبدیلیوں اور خارجی محسوسات کا بے انتہا دباؤ پڑنے سے ہو جاتا ہے اور ایسی خطائیں ہمیشہ توبہ کرنے یعنی خود اپنے دل میں نادم ہونے سے معاف ہو جاتی ہیں اور پھر اُسکی وہی کیفیت ہو جاتی ہے یعنی وہ نیک بن جاتا ہے اور جو خفیف سی تاریکی اس ناگہانی خطا سے اُسکی روح پر چھا گئی تھی وہ یکلخت دور ہو جاتی ہے۔ ہماری جو غرض ہے وہ یہ ہے کہ خلقی قویٰ پر عقلی قویٰ ہمیشہ غالب آجاتے ہیں۔ اُسکی مثال اس حکایت سے معلوم ہو سکتی ہے جو ہم نیچے لکھتے ہیں کہ اقلیمون صاحب فراست کا یہ زعم تھا کہ میں ترکیب اعضاء انسان سے اُسکے اخلاق کو دریافت کر سکتا ہوں۔ بقراط کے تلامذہ نے اُس کا امتحان کرنا چاہا اور بقراط کی تصویر کھینچی اہل یونان تصویر کشی میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور چونکہ وہ لوگ تصویر پرست تھے اِس لیئے تصویر کشی کے فن میں خوب ہی دستگاہ رکھتے تھے اس عمدگی سے بقراط کی تصویر کھینچی گئی کہ سر مو فرق نہ رہا گویا کہ خود بقراط ہی موجود ہیں پھر وہ اُس تصویر کو اقلیمون کے پاس لیگئے اور کہا جسکے اعضا کی یہ ترتیب ہو اُسکے اخلاق بیان کرو اقلیمون نے اعضائے مصوّرہ پر غور کر کے کہا کہ یہ

کسی زانی کی تصویر ہے جو زنا کو بہت ہی دوست رکھتا ہے۔ بقراط کے تلامذہ نے اسکی تکذیب کی اور کہا کہ یہ تصویر حکیم بقراط کی ہے اقلیمون نے جواب دیا میری فراست غلط نہیں ہے تم بقراط سے تو جا کے دریافت کرو یہ سن کے شاگرد استاذ بقراط کے پاس آئے اور سارا واقعہ حکیم بقراط سے بیان کیا بقراط نے کہا اقلیمون سچ کہتا ہے گو میرا نفس زنا پر بہت حریص ہے لیکن میں اپنے نفس پر قادر ہوں اس لیئے مجھسے وہ فعل سرزد نہیں ہوتا (تاریخ الحکماء) اس قسم کی بہت سی حکایتیں ہیں اور سب سے ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے مگر ہم ان حکایتوں سے بھی درگزر کرتے ہیں موجودہ حالت پر بحث کرتے ہیں اسوقت ایک کھوپری ہمارے آگے میز پر رکھی ہوئی ہے اور کنکیہو ہے یعنی اس شکل کی ہے  اس کھوپری کی اصلیت اس امر کی مقتضی ہے کہ جس شخص کی اس صورت کی کھوپری ہو وہ زانی ہوتا ہے مگر یہ ہم حکم نہیں لگا سکتے کہ اس نے تمام عمر زنا کیا اور کبھی زندگی میں ایک موقع بھی ایسا نہیں ہوا کہ وہ اپنی خلقی عادت کو روک سکا ہو یہ عام حکم ہم کیونکر لگا سکتے ہیں اور کیونکر دعوی کر سکتے ہیں کہ وہ کسی وقت اور موقع سے چوکتا ہی نہ تھا موجودہ زمانہ میں صدہا بلکہ ہزارہا انسان اس صورت کی کھوپری کے ہوتے ہیں کیا کوئی یہ کہسکتا ہے کہ انکی یہ خلقت بازار اور دوستوں کے جلسہ میں بھی اس جرم کے ارتکاب پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ نفسانی قوت کا اُن پر غلبہ ہو لیکن یہ غلبہ ہمیشہ قوائے عقلی کو مغلوب نہیں کر سکتا۔ قوائے عقلی اس غلبہ نفسانیت سے اُس وقت مغلوب ہو سکتے ہیں جب اُس کا محل اور موقع بھی ہو۔ مثلاً تنہا مکان ہے اور وہاں اس نوعیت کی کھوپری والے شخص کا پورا قبضہ ہے۔ بدنصیب عورت کسی صورت سے اُس کے جال میں آ پھنسی ایسی حالت میں تو ممکن ہے کہ خارجی اسباب کی مدد سے وہ اپنی خلقت کو قوائے عقلی پر غالب کرے مگر بغیر اسباب خارجی کی مدد کے ممکن نہیں۔ ایک شخص کسی عورت پر فریفتہ ہے شب و روز اُسے بازار میں دیکھتا ہے جلسہ میں اُس سے ملتا ہے باتیں کرتا ہے اور اُس کے وصل کا انتہا درجہ مشتاق ہے ساتھ ہی کھوپری بھی کنکیہو رکھتا ہے چونکہ اسباب خارجی اُسکے معاون نہیں ہیں وہ اپنی خلقت سے اپنے قوائے عقلی پر کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایک ظالم کی کھوپری ہمارے آگے رکھی ہوئی ہے۔ ہم کیونکر ایک ایک دن اور ایک ایک ساعت کے سوانح عمری اُس کھوپری کے بیان کر سکتے ہیں اور کیونکر دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے اپنی خلقت کے خلاف کبھی بھی رحم کا کام نہیں کیا اور یہ ہمیشہ مظالم ہی میں ہاتھ رنگتا رہا۔ یہ ساری باتیں قیاسی ہیں اور ان موضوعہ اُصول کے سب کلیے غلط ہیں۔ یہ صحیح ہے اور اس سے انکار کرنا بداہت سے انکار کرنا ہے کہ ضرور اختلاف قوی کا ایک اثر مرتب ہوتا ہے اور اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں لیکن زیادہ تر یہ باتیں جسمانی حالت پر اثر کرتی ہیں ایک قوی الجثہ شخص کمزور اور نحیف کی نسبت زیادہ کھائے گا اور قوت ہاضمہ بھی اُسکی قوی ہوگی مگر یہ ضرور نہیں کہ قوائے عقلی میں بھی اُس سے بہتر ہوں اور اُسکی روحانی قابلیت یا علمی لیاقت بھی زیادہ ہو ایک شخص جو حلیم الطبع پیدا ہوا ہے ظالم بن سکتا ہے اور ایک ظالم شخص اکثر اوقات حلیم الطبع ثابت ہوا ہے۔ جن بادشاہوں کی خونریز حالت سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اُن کی رحم کی کہانیاں بھی سنی گئی ہیں اور وہ ایسی کہانیاں ہیں کہ سن کے تعجب ہوتا ہے کہ ایسا ظالم رحم دل کیونکر بن گیا۔ جس طرح انسان کے قوائے جسمانی میں تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں اسی طرح قوائے عقلی میں بھی تنزل و ترقی کے آثار پائے جاتے ہیں جس شے کو ہم ایک زمانہ میں پسند کرتے تھے دوسرے زمانہ میں اُس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ جس رائے پر ہم آج ناز کرتے ہیں کل خود ہی اُس سے احتراز کرینگے۔ جس خیال کی بلند پروازی آج

ہمارے ذہن میں سما رہی ہے کل اُسکی پستی کا یقین ہو جائیگا۔ اخیر یہ بات کیوں ہے اور کیوں نہیں انسان اپنی کھوپری کیوجہ سے تمام خاص صفات کا موصوف نہیں رہتا؟ یہ صرف اس لیئے ہے کہ قوائے عقلی بالکلیہ قوائے جسمانی پر غالب ہیں اور جب کبھی یہ مغلوب ہو جاتے ہیں تو انسان مجنون کہلاتا ہے۔ کھوپریوں کا علم جس سے مزاج اور خو کا اندازہ ہو سکے اس لیئے موضوع نہیں کیا گیا ہے جیسا بعض نے غلط فہمی سے سمجھ لیا ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مزرِدم اور خصوصیات اقوام کی پوری تشریح ہو۔ ایک خشک کھوپری کو دیکھکر اس علم کا جاننے والا یہ بتا سکتا ہے کہ یہ شخص کس ملک کا باشندہ تھا اور کس قوم میں تھا اور بس۔ اگرچہ وہ یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اپنی عمر میں یہ عیاش تھا یا رحم دل تھا یا ظالم تھا لیکن اُس کا یہ کہنا قطعی الدلالت نہیں ہو سکتا یہ ساری ظنی باتیں ہیں جنھیں مشاہدہ سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے مثلاً ترکمانوں کی کھوپری میں اور ہندوستانیوں کی کھوپری میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ ایک ظالم ترکمانی کی کھوپری ہندی ظالم سے ہرگز نہیں ملسکتی۔ اسی طرح ایک ہندی رحمدل کی کھوپڑی کی بناوٹ ترکمانی رحم دل کی کھوپری سے ذرا بھی مشابہت نہیں رکھتی یہ بات اگر نامناسب نہوتی تو ہم دنیا کی کل اقوام کی کھوپریوں کی تصویریں بنا دیتے کیونکہ صرف ایک تصویر سو صفحے کے بیان سے زیادہ اصلی حالات کی تشریح کر سکتی ہے مگر ہم کلام خدا کی تفسیر میں تصاویر کا ہونا کسی قدر نا ملائم سمجھتے ہیں اگرچہ تصاویر کی نسبت ہماری کچھ ہی رائے کیوں نہ ہو اس مسئلہ کو علم قیافہ سے بہت بڑا تعلق ہے جو کسی زمانہ میں یونان میں بہت رائج تھا۔ کھوپری کی جو کچھ صورت ہوتی ہے یا ناک بھوں کی جو کچھ ہیئت کذائی ہوتی ہے اُس کا اثر ہمیشہ یکساں نہیں ثابت ہوا ہے یہ ممکن نہیں کہ بڑی ناک والے ہمیشہ ایک ہی خاصیت کے ہوں یہ ممکن نہیں جن کا کتاب رو چہرہ ہے اُنکی ایک ہی طبیعت ہو۔ یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ جو گربہ چشم ہوں وہ بیوفا ہی ہوتے ہوں ممکن ہے کسی کسی میں اس مطابقت سے عیب و ہنر ہوں مگر کل مخلوقات پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ سوال صرف یہ ہے کہ کھوپریوں کی بناوٹ کا اثر ہمیشہ یکساں رہتا ہے یا بدل بھی سکتا ہے اگر نہیں بدل سکتا ہے تو انسان مجبور ہی کب ہوا۔ پہلے سوال کا جواب ہم دیتے ہیں۔

تاریخ اقوام عالم کے مطالعہ سے ہمیں یہ ثابت ہوا ہے کہ ہمیشہ دنیا کی قوموں کی حالت ایسی بدلتی رہی ہے کہ اس کے تعجب ہوتا ہے۔ آج ایک قوم کو آنکھ بند کر کے تماشا گاہ عالم پر دیکھتے ہیں کہ وہ انتہا درجہ ذلیل حالت میں ہے۔ روٹی کھانے کو نہیں کپڑا پہننے کو نہیں تمام انسانی معائب اُسکی ذات کے ساتھ لازم ہیں تمام بد اخلاقیاں اُس میں خون کی طرح آمیز ہو رہی ہیں وہ جرائم کبیرہ کی بہت شوق سے مرتکب ہو رہی ہے اور دنیا کا ہر عیب اُس کے لیئے شیر مادر کا حکم رکھتا ہے چاروں طرف سے اُس پر لعنت برس رہی ہے اور ہر آسمانی مصیبت کے لیئے فطرۃً موزوں کی گئی ہے۔ اس ذلیل قوم نے تماشہ گاہ عالم پر ہماری آنکھوں کے آگے کھیل کیا اور فوراً پردہ پڑ گیا۔ جوں ہی دوسرا پردہ اُٹھا تو ہم نے اُسی قوم کو ترقی کی اعلیٰ حالت میں ملاحظہ کیا۔ فضائل حمیدہ اُس کے ساتھ لازم ہو گئے ہیں۔ پسندیدہ خصائل اُس کا لباس بن گئے ہیں دولت۔ ثروت۔ جلال۔ تمدن اور تہذیب نے قول ہار دیا ہے۔ دنیا کی بڑی بڑی مغرور قومیں اُس سے جلب منفعت کی آرزو کر رہی ہیں بڑے بڑے شاہنشاہوں کے سفیر اُسکے آگے سربسجود ہیں۔ فوجیں فتح ممالک کی کنجیاں لا لا کے حاضر خدمت کر رہی ہیں ہر فرد قوم نیکی کے لحاظ سے فرشتہ نظر آتا ہے جانی دشمنی کی جگہ دلی محبت پیدا ہو گئی ہے۔ خونریزی کے بدلے مظلوم کی

حمایت پر سب کمر بستہ ہیں۔ ایک طرف میدانِ کارزار گرم ہے تو دوسری جانب تعلیم کے لیئے دار العلوم کھلے ہیں یہ کیفیت پوری نہ ہونے پائی تھی کہ آنکھ کھل گئی۔ سوال صرف یہ ہے کہ قوم کی حالت کا کایا پلٹ ہوجانا کیونکر ہو گیا۔ کہاں گئی وہ کھوپری کی بناوٹ جو صدیوں سے اُنھیں ایک حالت پر رکھتی چلی آتی تھی اور کہاں گئی وہ آب و ہوا جس نے صدہا برس سے وحشی۔ جاہل۔ بے شرم اور نامہذب بنا رکھا تھا۔ کہاں گئی وہ عادت جس نے اُنھیں کسی کام کا ہی نہ رکھا تھا۔ ایک نفس کی چند سالہ تعلیم نے ہزاروں برس کی عادت۔ اطوار اور طرز و انداز کو بدل دیا۔ وہ نفس جو اُنھیں میں سے پیدا ہوا جس نے اُنھیں میں اور اُسی آب و ہوا میں پرورش پائی جس نے اُسی تمدن اور تہذیب میں ہوش سنبھالا جو زبون ترین حالت میں تھا جس نے وہی زبانی تعلیم پائی جو اور قوم کے بچے پا لیتے تھے جسے اُونٹوں اور بھیڑوں کا چرانا سکھایا گیا جسے دودھ ہونے کی تعلیم دیگئی اُس نے کیونکر دنیا کا رخ ادھر سے اُدھر پھیر دیا اور صدیوں کی برائیوں کو کیونکر آناً فاناً میں مٹا دیا فوج اُسکے ساتھ نہ تھی دولت اُس کے پاس نہ تھی مددگار اُسکے نہ تھے اخیر پھر کیا بات تھی جس نے وہ تماشا دکھایا جو نہ کسی آنکھ نے پہلے دیکھا تھا نہ کسی کان میں ایسی آوازیں پڑی تھیں اور نہ کبھی اُس کا خطرہ بھی کسی کے دل میں آیا تھا۔

کہاں گئی وہ کھوپریوں کی خلقت اور کہاں گیا وہ اصول کہ کھوپریوں کی بناوٹ ہی کل افعال کے صدور کا باعث ہوتی ہے۔ نہیں یہ نہیں ہے۔ تمام اکتسابی امور ہیں اور اُن سب کا سلسلہ رب الافواج کی لوح محفوظ سے وابستہ ہے۔ موجودہ زمانہ میں جبکہ مسلمان انتہائی ذلت کی حالت میں ہیں۔ تمام دنیا کی عادات خبیثہ اُن کی خصوصیات قومی میں سے ہوگئی ہیں نہ علم ہے نہ غرت نہ محبت ہے نہ حمیت اسلام کیا موجودہ حالت سے یہ حکم لگایا جاسکتا ہے۔ چونکہ قدرت نے انکو اُلٹی کھوپری کا پیدا کرنا شروع کر دیا ہے اس وجہ سے وہ ترقی نہیں کرتے اور روز بروز تنزل اور بربادی کے ہمکنار ہوتے جاتے ہیں اُنکے مقابلہ میں دوسری اقوام ہند اچھی اور موزوں کھوپری کی پیدا ہوتی ہیں اور اس ودیعت خداوندی سے وہ آج عروج حاصل کر رہی ہیں۔ اخیر کیوں ہندوستان ہی میں اتنا فرق ہے۔ مسلمانوں کے کیوں قومی محسوسات۔ اور خصوصیات دوسری اقوام سے نرالے ہیں وہی زمین وہی آسمان وہی مرز و بوم وہی آب و ہوا وہی تمدن وہی معاشرت وہی آفتاب وہی مہتاب پھر کیوں اور کس وجہ سے مسلمان جاہل۔ سست۔ کاہل۔ مغرور۔ حاسد۔ نالائق پیدا ہوتے ہیں اور دوسری قوم کے افراد عالم۔ ہوشیار۔ محنتی۔ چاق و چوبند۔ منکسر المزاج اور محبت والے پیدا ہوتے ہیں۔ فرنیالوجی یعنی علم قیافہ یا کھوپریوں کے علم سے اگر ہم اُس کا وہی مفہوم مانیں جو زبردستی ہمارے بعض جدید مفسروں نے مان لیا ہے تو کیوں یہ کلیہ غلط ٹھیرتا ہے کہ کھوپریوں کی بناوٹ میں آب و ہوا اور ملک کو بھی بہت بڑا دخل ہے۔ سوال یہ ہے کہ آٹھ کروڑ ہند اور جزائر ہند کے باشندوں میں کیا دس بیس سو پچاس بھی اس کھوپری کے نہیں پیدا ہوتے جنھیں قوم عزت کی نظر سے دیکھے اور وہ درحقیقت قوم کے مصلح ہوں۔

اس تمام بحث سے یہ ثابت ہو گیا ہوگا کہ کھوپریوں کی بناوٹ ہرگز صدور افعال کا بالکلیہ سبب نہیں ہوا کرتی بلکہ انسان اس جوہر مجرد کی وجہ سے آزاد اور مختار پیدا کیا گیا ہے جو خداوند تعالیٰ کی طرف سے اُس کی ذات میں ودیعت ہوا ہے اور وہ روح ہے جنگل کے وحشی اور غیر مانوس جانور جبکہ آقا پرستی کا سبق سیکھ جاتے ہیں اور اُنکی فطرت اور طبعی حالت میں بہت بڑا بدل ہو جاتا ہے تو پھر انسان جس میں خدائے زمین و زمان نے اپنی روح پھونکی ہے کیوں نہیں اپنی ناجائز

خواہشات نفسانی کو مغلوب کرکے مدارج اعلیٰ پر پونہچ سکتا ہے۔ بکرا جسے کچھ بھی وقوف نہیں ہوتا اور کسی قسم کا بھی ہوش نہیں ہوتا صرف انسانی تعلیم اور صحبت کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آقا کے حکم کے مطابق سجدہ کرنے لگتا ہے۔ چوہے اور چوہیاں تماشہ کرتی ہوئی دیکھی گئی ہیں ایک گائے کو ہم نے خود دیکھا کہ وہ رنگوں کے الفاظ سمجھتی تھی جہاں اُس کے آقا نے کہا کہ سُرخ کوٹ والے شخص کے پاس جاکے کھڑی ہوجاوے گئی اور خاموشی سے کھڑی ہوگئی اسی طرح سیاہ۔ زرد۔ دھانی چمپئی غرض ہر رنگ کے لباس والے کے پاس حکم ہوتے ہی جا کھڑی ہوتی تھی۔ اخیر یہ بات کیوں ہو؟ اور کیا وجہ ہے کہ ایسا مشاہدہ ہوتا ہے صرف اصل یہ ہو کہ ایک قسم کا وقوف ہر جاندار میں عطا ہوا ہے اُسے چلاؤ چلا ہوتا چلا جائیگا اور جہاںتک اُس میں جِلا ہونے کی گنجائش ہوگی کوئی مزاحم نہیں ہونیکا۔

انسان میں اس وقوف کا درجہ بہت اعلیٰ ہے اور اُس پر خداوند تعالیٰ نے اُس میں اپنی روح پھونکی ہو اس لحاظ سے وہ ہرگز کھوپریوں کی بناوٹ کا تابع نہیں ہوسکتا بلکہ تمام خواہشیں اُسی کی مطیع فطرۃً بنائی گئی ہیں اور اُس میں اتنی زبردست قوت ودیعت ہوئی ہو کہ ہر وقت اُنکو اپنے قابو میں رکھ سکے۔

اگر یہ بات نہوتی تو دنیا کے تمام کام درہم وبرہم ہوجاتے اور نظام کائنات جو قدرت کی زنجیروں سے بندھا ہوا ہے آناً فاناً میں مٹ جاتا اور پھر سوائے معبود برحق کی ذات کے اور کچھ بھی نہیں دکھائی دیتا۔ دوسرا شک یہ ہو کہ فطرت نے ہر جاندار کو بلکہ ہر مخلوق کو مجبور کردیا ہے اُس مجبوری سے کوئی مخلوق سر نہیں اُٹھاسکتی مثلاً پرندوں کو پر دیے ہیں کہ وہ ہوا ہی میں اُڑا کریں۔ مچھلیوں کو پانی ہی میں رہنے کی فطرت دیگئی۔ شیر اور اسی قسم کے اور جانوروں کو پھاڑنے کی فطرت ودیعت ہوئی ہے چوپایوں کو اسی صورت سے پیدا کیا کہ وہ ہوا میں نہ اُڑسکیں بلکہ زمین پر چلیں غرض اسی طرح سے خلقت نے تمام مخلوق کو مجبور کردیا ہو جس طرح شیر گھانس اور دانہ کھاکے زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح بکری گوشت کھاکے اور خون پی کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ علیٰ ہذالقیاس یہی کیفیت انسان کی بھی ہو کہ وہ مجبور پیدا کیا گیا ہو اس سے یہ مطلب نکلتا ہے جب انسان اور حیوان مجبور ہیں پھر سزا اور جزا کیسی۔ اسکی تو بالکل یہی مثال ہو۔

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہٗ | باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایسا خیال کہ کسی خاص قسم کے جانور کو اُسکی خلقت میں مجبور ماننا سمجھ کی غلطی ہو عین فطرت ہرگز مجبوری کا نام نہیں ہے یہ تو وہی بات ہوئی کہ انسان مجبور کیا گیا ہو کہ اپنا دس گز کا ہاتھ نہ بڑھا سکے۔ انسان مجبور کیا گیا ہے کہ پرندوں کے ساتھ فضا میں نہ اُڑسکے۔ اِسکو مجبوری نہیں کہتے خلقت اور مجبوری میں بہت بڑا فرق ہے اگر پرند کے لیئے یہ لازم ہی ہوجاتا کہ وہ اُڑا ہی کرے تو پنجرہ میں بند ہوکے فوراً مرجاتا حالانکہ یہ بات نہیں ہے اسکی پرواز اور چوپائے کا چلنا ارادی ہے قسری نہیں ہے جب ارادہ ہوا تو وہ اس میں مجبور نہیں ہوسکتا۔ فطرت کا نام مجبوری نہیں ہے۔ ہزاروں لاکھوں اقسام مخلوق کی ہیں اور ہر ایک کی فطرت جداگانہ پیدا کی گئی ہے اور وہ اُسی فطرت میں آزاد ہے

اب صرف بحث اس میں ہو آیا ایک شخص جس کا رجحان مصوری کی طرف ہو وہ ادیب ہوسکتا ہے یا نہیں ہاں ہمارا یہ خیال ہے کہ ہوسکتا ہے اور اُس کے ہونے میں کچھ بھی شبہہ نہیں ایک قوی الحافظ ضعیف الحافظ اور ایک غبی ذہین

اور ایک ذہین غبی ایک شریر غریب اور ایک غریب شریر بن سکتا ہے یہ ساری باتیں ایسی بدیہی ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ ایک شخص جسے ابتدا سے ریاضی کا مذاق ہو وہ اعلیٰ درجہ کی تاریخ جان سکتا ہے اگرچہ تحصیل کرنے کے بعد وہ زیادہ اُس سے کام نہ لے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر شخص کی ایک ہی فن میں شہرت ہوتی ہے لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُسے دوسرا فن آتا ہی نہ تھا۔ یہ سمجھنا کہ ہر انسان کی خاص علم اور خاص ہنر سیکھنے کے لیے اُسکے قوائے جسمانی موزوں کیے گئے ہیں محض لغو اور بچوں کی سی باتیں ہیں۔ اگر اسے تسلیم کر لیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کروڑوں مسلمانوں میں سے دو تین ہزار بھی سائنس داں نہیں پیدا ہوئے کہ اس وقت مسلمان اس کہنے کے قابل ہوتے کہ ہم میں بھی لائق لوگ موجود ہیں۔ موجودہ زمانہ میں تو جب تک کئی علوم میں برابر کا پیمانہ نہو سند فضیلت ہی نہیں ملتی۔ بھائی خوب سمجھ لینا چاہیے کہ سوائے اس کلیہ کے کہ انسان مختار اور آزاد پیدا کیا گیا ہے اور کوئی صحیح کلیہ نہیں ہے اور یہ تمام اختراعی باتیں ہیں جنھیں نفس فطرت انسانی سے کوئی سروکار نہیں۔

یہ کتنی رکیک اور چھوٹی سی بات ہے کہ ایک شخص کی آنکھ سے دور کی چیز دکھائی دیتی ہے پس وہ آنکھ دور کے دیکھنے پر مجبور ہے۔ اول تو اعتدال سے زیادہ جس شخص کو دور کی چیز دکھائی دے وہ مریض ہوگا اور علاج سے ضرور ایسے مرض کا ازالہ ہو سکتا ہے اور اگر فرض کرو کہ وہ مریض نہیں ہے بلکہ پیدائش ہی سے اُس میں یہ صفت یا یہ عیب پیدا ہوا تو پھر مجبوری اسے کیونکر کہہ سکتے ہیں بصارت کی وہ شعاعیں جو آنکھوں سے نکل کے چیزوں کا عکس آنکھ میں پیدا کرتی ہیں آیا اُنکی یہ حرکت طبعی ہوگی یا ارادی یا قسری۔ ہاں اُنکی یہ حرکت طبعی ہے جب طبعی ہوئی تو اس میں مجبوری کا لفظ نہیں آسکتا۔ مجبوری کے معنی خلاف فطرت کسی فعل کا سرزد ہونا ہے۔ اور ساتھ ہی صادر ہوتے وقت جبر و اکراہ کا بھی علم ہو یا وہ محسوس ہو اور جب یہ بات نہیں ہے تو پھر جبر و اکراہ نہیں ہو سکتا۔ اسکی مثال یوں سمجھ میں آسکتی ہے مثلاً انسان جسے ہم بالطبع آزاد اور مختار مانتے ہیں اگر مقید رکھا جائے اور ایک جابر ظالم شخص اُسے اُس سے روکے تو وہ حالت مجبوری اُسے محسوس ہوگی اور ایک زمانہ تک اُس کا محسوس ہونا معلوم ہوتا رہے گا مگر جب اُس قید کی عادت پڑ جائے گی تو پھر مجبوری کی حس میں کمی ہو جائیگی چونکہ یہ مسلمہ ہے کہ عادت فطرت ثانی بنجاتی ہے اسلیے وہ مجبوری فطرت ثانی بن کے پھر زیادہ محسوس نہیں ہونے کی اور اخیر بعد ازاں مساوات ہو جائیگی۔

اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ تسلیم کر لیں کہ انسان مجبور پیدا کیا گیا ہے تو پھر اُسکی تمام فضیلتیں جو مذہب نے قائم کی ہیں اور وہ فضائل جو علوم جدیدہ نے اُس کے تسلیم کیے ہیں سب برباد ہو جاتے ہیں یہ تمام فضیلتیں محض آزادی اور خود مختاری کیوجہ سے اسے حاصل ہیں اور اصل یہ ہے کہ نفس خود مختاری اور آزادی ہی ایسی چیز ہے جس سے وہ اور مخلوق پر شرف رکھتا ہے۔ انسان کی فضیلت کا ابھی تک یقیناً ہزارواں حصہ بھی نہیں معلوم ہوا وہ انسان جس کی نسبت خلاق اکبر فرماتا ہے کہ میں نے اپنی روح اُس میں پھونکی۔ جب تک کہ فیضان باری تعالیٰ نہ ہو انسان کی عظمت او جلال کا ہزارواں حصہ بھی نہیں معلوم ہوتا۔ اسے اسی بنیاد پر عالم صغیر کہا گیا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ اس میں عالم صغیر بننے کے جوہر بھی ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں اور کلام خدا ہماری تائید کرتا ہے کہ انسان مجبور نہیں پیدا کیا گیا بلکہ اُسے آزاد اور خود مختار پیدا کیا گیا ہے اور یہی اُس کے عالی مرتبہ ہونے کی دلیل۔ جو اُس کی موجودہ آزادی

مجبوری کی زندگی میں جکڑتے ہیں اور اُس سے کام نہیں لیتے اُس کا نتیجہ حسرتناک ہوگا چنانچہ خداوند تعالیٰ نے اس بات کا نہایت زور کے الفاظ میں فیصلہ کردیا ہے چنانچہ وہ فرماتا ہے ولقد ذرأنا لجهنم كثيرا من الجن و الانس لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم اضل اولئك هم الغفلون" یعنی اور ہم نے بہتیرے جن اور انسان جہنم ہی کے لیئے پیدا کیئے ہیں انکے دل تو ہیں مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے اور اُنکی آنکھیں بھی ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے اور اُن کے کان بھی ہیں مگر اُن سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ غرض یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی گزرے ہوئے یہی وہ لوگ ہیں جو دین سے بالکل بے خبر ہیں" کیا زبردست کلام ہے اور کسقدر جامع ہے اور انسان کی خودمختاری کو کن پرزور الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ بہتیرے جن والنس ہم نے جہنم ہی کے لیئے پیدا کیئے ہیں۔ اور پھر اُس کا سبب بتاتا ہے کہ کیوں کثرت سے لوگ جہنمی ہونگے اس لیئے کہ دل رکھتے ہیں مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے آنکھیں رکھتے ہیں مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے کان رکھتے ہیں مگر اُن سے سننے کا کام نہیں لیتے جب یہ بات ہی تو قطعی وہ جہنمی ہوئے اپنی معبودیت اور جلال کا سچا اظہار اور اپنے سخت قہر کیطرف اشارہ فرما کے یہ فرمایا گیا ہے کہ ہم نے ہی بہتیرے جن اور انسان جہنم کے لیئے پیدا کیئے ہیں اسکے یہی معنی ہیں کہ وہ بدبخت خود ہم سے اپنی بداعمالی کی وجہ سے جہنم مول لیتے ہیں۔ انسان میں جو جلال۔ جبروت اور عظمت خدائے برحق کی طرف سے عطا ہوئی ہے وہ ایسی لاانتہا ہے کہ اُس کا اندازہ نہ اطبا نے کیا اور نہ علوم معرفت نے ہاں قرآن مجید نے جو کچھ انسان کی فضیلت بیان کی ہے وہ اُسکی حقیقی حالت ہی۔ ایسی صورت میں اُسکی نافرمانی اور سرکشی کتنی غضبناک امر ہی اور ان اعلیٰ درجہ کی صفات پر اُس کی بدکرداری کتنی قہرناک ہی۔ ہم پھر انسان کی بناوٹ پر ایک نظر کرتے ہیں تاکہ تمام شکوک جو اُس کی خلقت کی نسبت کیئے گئے ہیں جاتے رہیں۔

تمام عجائب و غرائب چیزیں جو فطرت ہمارے مشاہدے میں پیش کرتی ہے کوئی شک نہیں کہ ان میں سب سے زیادہ ہماری توجہ انسان کی طرف مبذول ہوتی ہے اگر ہم اس بات کو قبول کریں کہ عقل و فراست فطرت نے صرف اسی کی ذات میں ودیعت کی ہے تو پھر تمام کائنات کی کوئی مخلوق بھی ہمارے سامنے ایسی نہیں لائی جاسکتی جسکا انسان سے خفیف بھی مقابلہ ہوسکے۔ لاریب جب ہم اُس کی یکتائی کی عظمت کا خیال کرتے ہیں تو ہمیں نہ صرف اُسکی شکل و صورت و وضع طرح ہی بےمثال معلوم ہوتی ہے بلکہ اُس میں عقل کا وہ امتیاز معلوم ہوتا ہے جو اور جاندار مخلوق سے اُس میں نمایاں پایا جاتا ہے اسکی تمدنی حالت اُسکی محبت آمیز فطرت۔ اُس کا اتحاد اُسکی ممنونی۔ فیاضی۔ اور کل خارجی حادثات کے لیئے موزوں ہونا اور اسی طرح علم و دانائی میں علی التواتر ترقی کرتے رہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سب سے دلکش اور عجیب و غریب حصہ ہے اگر ہم اُس کے قوائے عقلی اور اخلاقی۔ تمدنی اور معاشرتی۔ روحانی اور جسمانی کا امتحان کرینگے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہم فطرت کے سب سے عجیب سب سے اہم اور سب سے عظیم الشان چیز کا امتحان کر رہے ہیں۔

صورت اول میں تو ہم اسے دنیا کے اور جانداروں کے گروہ میں سے ایک جاندار خیال کرینگے۔ اگرچہ اپنے ڈیل ڈول امراض اور حالات مختلفہ کے لحاظ سے وہ اُن سے ممتاز معلوم ہوگا اُسکی جسمانی بناوٹ کا امتحان کرنے کے لیئے ایک

علیحدہ علم درکار ہے اور اُسکی قابلیت کو جانچنے کے لیئے دوسرے علم کی ضرورت ہے اور اسکی فطرت اور اُس کے جوہر کے جاننے اور سمجھنے کے لیئے تیسرے علیحدہ علم کی حاجت ہے جبکہ اسکی فراست کی قوتیں مختلف طور پر مختلف شاخ درشاخ علوم سے جانچی جاتی ہیں یعنی ہر قوت کے جانچنے کے لیئے ایک جدا علم کی شاخ ہے۔

صورت دوم میں خیال کیا گیا ہے کہ انسان اپنی صورت و شکل۔ قد۔ رنگ۔ بلندی۔ وضع طرح۔ حالات۔ طرز و انداز اور تمام ان حالتوں اور گوناگونی میں جو خارجی اسباب سے اُس میں پیدا ہوتے ہیں اور جانداروں سے امتیاز کلی رکھتا ہے غرضکہ نہایت ادق اسباب کا اثر جو علی التواتر صدیوں پر صدیاں گزرنے سے اسکی مذکورۂ بالا حالتوں پر پڑ رہا ہے اور جن پے درپے اثرات کو ہم ہر ملک اور ہر قوم کے آدمیوں میں ملاحظہ کر رہے ہیں۔ فطرت کے تماشہ گاہ کا ایک بے نظیر نظارہ پیش کرتا ہے۔

صورت سوم میں انسان غیر مختار اور جوابدہ شمار کیا گیا ہے اور وہ اپنے خالق سے اِسی قسم کا تعلق رکھتا ہے اس لحاظ سے اُسکی خواہشیں اور جذبات دلی اسیطرح اُس کے تمدنی اور مذہبی فرائض اُسکی معاشرانہ تاریخ۔ اُس کی ملکی اور سیاسی قوانین کی طرز اور رازدارانہ تعلق جو اُسے اپنے معبود برحق سے ہے جو اُس کا سچا خالق ہے اور جس کی ذات پر اُس کا بالکلیہ دار و مدار ہے۔ اس خیال نے نئے نئے علوم کی شاخیں پیدا کر دیں اور خیال کرنا پڑا کہ اپنے ضمیری جوہروں کو کیونکر کام میں لائیں اور اپنے قوائے روحانی کو کس طرح اس حد تک پہنچائیں کہ انسانی ذات اپنے خالق کو پہچان سکے

اخیر میں اس تعلق پر غور کیا گیا ہے جو انسان اور مخلوق سے رکھتا ہے کیونکہ اُس کی راحت و آسایش۔ بلکہ زندگی کا دار و مدار اپنے سے ادنی مخلوق پر ہے۔ اور یہی مخلوق گویا خداوند تعالی کی طرف سے روز ازل سے اُس کے ہر کام میں کفیل بنائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کی عجیب شان ہے اور اُسے اب تک کوئی نہیں پہچان سکا ہے فلسفیوں اور اخلاقی کتابوں کے لکھنے والوں نے اُسے بے چون و چرا انتخاب کائنات تسلیم کر لیا ہے۔ علم جغرافیہ کے ماہروں نے اُسکی زندگی اور اُس کے تغیرات کا حال قلمبند کیا ہے۔ مورخوں نے اُس کی سوسائٹی کی اصل اور صنعت و حرفت و تمدن میں اُسکی ترقی کا کھوج لگایا ہے اور اُن تبدیلیوں کو دکھایا ہے جو خواہ اسباب طبعیات سے۔ خواہ اس کی نالائقی۔ بدکرداری۔ بدافعالی سے وقتاً فوقتاً ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ اور اب تک ان تبدیلیوں کا برابر سلسلہ جاری ہے اور جب تک دنیا قائم ہے یہی کیفیت ہوتی چلی جائیگی۔ سوانح عمری لکھنے والوں نے اسکی ایک طرف تو اعلی درجہ کی نیکیاں اولوالعزمیاں۔ بے نظیر جوہر اور نتھرے ہوئے خیالات دکھائے ہیں اور دوسری طرف ارزل ترین برائیاں۔ پست ہمتی اور خباثت باطنی کو ظاہر کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسانی گروہ میں ہمیشہ پہلو بہ پہلو دونوں باتیں لازم و ملزوم رہیں۔ علم طبعیات کے ماہروں نے انسان کی خارجی صورت کی تحقیق کی ہے اور ان اختلافات کا کھوج لگایا ہے جو مختلف اقوام میں بین طور پر پایا جاتا ہے اور اُن دلکش اور عجیب خصوصیات کو بتایا ہے جو انسانی ذات کے ساتھ ودیعت ہوتی ہیں انسان کی ان عادات و اطوار کو بتایا ہے جو بلحاظ اختلاف مرز و بوم اُس میں نمایاں ہیں۔ اُس ترقی اور تنزل کا اظہار کیا ہے جو حالت شیر خواری سے روز وفات تک اُس میں پیدا ہوتی ہے۔

جہاں تک غور کیا جائیگا۔ اور جس حد تک تحقیق کی جائے گی انسان کی ذات میں عجیب عجیب جوہروں کا اظہار ہوتا چلا

جائیگا اور اُن سب کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ انسان خود مختار پیدا کیا گیا ہے۔ مختلف آب و ہوا اور اختلاف مرز بوم کی وجہ سے بعض مصنفوں نے غلطی سے اُسے مجبور مان لیا ہے حالانکہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں ہے مرز بوم کے اختلاف سے جو معاشرت اسکی پیدا ہوتی ہے اور جو تمدن کہ روز پیدایش سے اُسے اختیار کرنا پڑتا ہے اُس میں بالکل آزاد ہے اور ممکن نہیں کہ اُس ملک کی معاشرت اور اُس تمدن میں داخل ہونے اور اپنے قومی خصوصیات اور محسوسات اور معاشرت میں زندگی بسر کرنے سے کوئی چیز اُسکی مانع اور مزاحم ہو سکے۔ مثلاً وہ قومیں جو شمال کے یخ بستہ ممالک میں رہتی ہیں اُنکی زندگی کا دار و مدار محض شکار او مچھلی پہ ہے نہ تو اُن ممالک میں نباتات پیدا ہوتی ہے اور نہ مویشیوں کو چرانے کے لیئے چراگاہیں ہیں۔ وہ اُسی مرز بوم میں پیدا ہوئے وہیں اُنھوں نے پرورش پائی اور وہیں رہنے کے عادی ہیں اگرچہ اُن برفستانی منجمد ممالک میں اُن کی خوراک مچھلی اور شکاری گوشت نہوتا تو اُنکا جینا محال تھا۔ اس سے یہ استنباط کرنا کہ وہ مچھلی اور گوشت کے کھانے پر مجبور کر دیئے گئے ہیں ایک نازیبا بات ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس ملک کے باشندے تمدن اور صنعت میں ہرگز ترقی نہیں کر سکتے اُن کا ترقی نہ کرنا اُن کے لیئے کوئی الزام نہیں ہو سکتا۔ تمدن چیز کیا ہے؟ اور صنعت کہتے کسے ہیں؟ صرف تمدن اپنی خیالی ضروریات کو بے انتہا وسعت دیتا ہے اور صنعت اُن وسیع خیالات کا قیام پیدا کرتی ہے۔ ملک کی آب و ہوا سے جبکہ اُن کی ضرورتیں نہیں پیدا ہوتیں جبکہ یخ بستہ حصص عالم میں کسی قسم کے تمدن کی ضرورت نہیں ہے تو نہیں کہہ سکتے کہ ان ساری باتوں پر منصفانہ نظر کرنے کے بعد ہم کیونکر انسان کو مجبور خیال کرلیں اور سمجھ لیں کہ ہر ملک کی آب و ہوا نے انسانی گروہ کے ہاتھ پیر باندھ رکھے ہیں یہ لوگ صرف جھونپڑے بناتے ہیں تاکہ اُن میں بیٹھکر چمڑا تیار کریں اور پھر وہ چمڑا اُنکے اوڑھنے کے کام میں آئے۔ اسی طرح سائبیریا کے شمالی اور شرقی حصص کے باشندے اور شمالی امریکہ کے وحشی ابتک اپنی ابتدائی حالت میں دکھائی دیتے ہیں اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ ملک کی آب و ہوا اُنکی ضرورتیں نہیں بڑھاتی اور جس دن اُنکی ضرورتیں بڑھنے لگیں تو پھر وہ چند سال میں اپنی وحشیانہ حالت سے بآسانی نکل آئیں گے۔ اِن کے علاوہ بہت سی قومیں ایسی ہیں جنھیں خانہ بدوش کہتے ہیں اور اس خانہ بدوشی کی وجہ کو اگر بغور ملاحظہ کیا جائے گا تو یہ نکلے گی کہ وہ ابتدا سے کسی کی مطیع نہیں ہوئیں اور اب تک اُنکے خون میں یہی اثر ہے کہ مطیع ہونا اپنی انسانی فطرت کو پامال کرنا ہے۔ وہ قومیں یہ ہیں شمال یورپ کے لیپ لینڈر۔ تاتار جو ایشیا کے جگر میں آباد ہیں۔ عرب کے بدو جو عرب اور شمالی افریقہ کے ریگستانوں میں پھرا کرتے ہیں۔ جنوبی افریقہ کے کافر اور ہوٹنٹٹس جنکو خانہ بدوشی کرتے کرتے صدیاں گزر گئیں کیا ہم اُنھیں مجبور کہہ سکتے ہیں؟ بلکہ عادت جو فطرت ثانی ہوتی ہے مجبوری پر قیامت تک نہیں دلالت کر سکتی۔

اسے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انسان کی شکل و شباہت پر مرز و بوم کا ضرور اثر پڑتا ہے اور یہ بھی ممکن بلکہ لازمی ہے کہ آب ہوا کا اثر عادات۔ طرز معاشرت اور خصوصیات قومی پر بہت بڑا پڑتا ہے، قوائے جسمانی اور اخلاقی بھی اُس سے کافی طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ صدہا برس گزرنے پر بھی ایک ملک کے باشندے ایک ہی رنگ روپ اور ایک ہی قوائے جسمانی کے ہوتے ہیں۔ نگیریا کے سیاہ اور یورپ کے گورے رنگ کے زمانہ دراز سے برابر چلے آرہے ہیں۔ پیرو والوں کا رنگ تانبے کا سا اور جزائر ملایا کے آدمیوں کا بھورا رنگ ایک مدت سے برابر چلا آتا ہے مگر بعض جگہ یہ کلیہ

بھی غلط ہو گیا ہے مثلاً حبش میں اگرچہ سیاہ رنگ کے لوگ بکثرت ہیں تو وہیں اُسی ملک اور آب و ہوا میں گورے بھی موجود ہیں۔ ونیڈائمین لینڈ کے باشندے بالکل سیاہ ہیں جبکہ یورپ کے اسی شمالی درجہ عرض البلد کے باشندے بالکل گورے ہیں مالابار کے رہنے والوں پر اگرچہ آفتاب اُسیطرح سے چمکتا ہے جیسے کہ سائبیریا کے باشندوں پر تو بھی اُنکے رنگ سیاہ نہیں ہیں۔ ڈچ جنھوں نے کیپ آف گڈ ہوپ میں اپنی بستیاں قائم کرلی ہیں حالانکہ اُنھیں وہاں آباد ہوئے پوری دو صدیاں گزر چکی ہیں پھر بھی ہاٹینٹوٹس کی طرح سیاہ نہیں ہوئے۔ ہندوستان میں پارسیوں کی گوری قوم خود اس امر کی شہادت دیتی ہے کہ انسانی نسلوں میں تبدیلیاں تو ضرور ہوتی ہیں مگر صدہا برس تک محسوس نہیں ہوتیں اور ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حادثات طبعی کا اثر سب پر یکساں نہیں پڑتا اُس حالت میں کہ جب تک اُس اثر سے متاثر ہونیکا موقع نہ ہو۔ ہندوستان میں مزدوری پیشہ اقوام کبھی گورے رنگ کی نہیں ہوسکتیں۔ ایک لکڑہارا جسکی معاش یہ ہے کہ صبح سے شام تک دھوپ میں کھڑے ہوکے لکڑیاں چیرے کب اُس کا خون لطیف اور سرخ ہوسکتا ہے ابتدا میں اگر گورا بھی تھا تو اتنی سخت محنت کے بعد اُس کا کالا ہونا لازمی ہے۔ تاہم اس دھوپ اور محنت سے ایک بین فرق نظروں کو کبھی محسوس نہیں ہوسکتا۔ ہاں ناگہانی حادثے اور بڑے بڑے تغیرات بہت جلد قومی خصوصیات کو پلٹ دیتے ہیں اور پھر گزشتہ صورت مدت تک بھی حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن یہ تبدیلیاں جو قوم میں اپنا ظہور کرتی رہتی ہیں نسلوں پر نسلیں گزرنے کے بعد محسوس ہوتی ہیں مثلاً عالمگیر کے وقت مغل گھوڑے کا گوشت کھایا کرتے تھے اور انھیں برسوں میں بھی بھیڑ کا گوشت کھانیکا اتفاق نہ ہوتا تھا اور وہ اُسے سخت عیب سمجھتے تھے اور کہتے تھے یہ مریضوں کا کھانا ہے اُن ہی مغلوں کی اولاد اب بھی ہندوستان میں موجود ہے اور اب وہ ایسی ضعیف ہو کہ اُس سے بھیڑ کا گوشت بھی بمشکل ہضم ہوتا ہے متعدد نسلیں بدلنے کے بعد یہ عظیم تبدیلی اب جاکے محسوس ہوئی ہے۔ نہ مغلوں کے سے ہاتھ پیر ہیں نہ رنگ روغن ہے اور نہ خوراک اور ہاضمہ ہے۔ ایک ہی آب و ہوا ایک ہی مرز و بوم میں کیا کیا تبدیلیاں ہوتی ہیں اور ایک زمانہ گزرنے کے بعد محسوس ہوتی ہیں۔

ہر ملک کے باشندوں کے خال و خط دوسرے ملک کے باشندوں سے تطابق نہیں کھاتے مگر تغیرات زمانہ پکار پکار کے کہہ رہے ہیں کہ انکی بھی یکساں حالت نہیں رہ سکتی۔ آج نہیں ہزار دو ہزار برس کے بعد ضرور ان میں تبدیلیاں واقع ہوں گی اور موجودہ حالت ایسی چھپ جائیگی کہ جس کا کھوج لگانا مشکل پڑ جائے گا۔ دنیا کی قوموں کی بہار بالکل ایک باغ سے مشابہ ہے جس میں ایک ہی قسم کے ایک ہی کیاری میں طرح طرح کے پھول لگتے ہیں۔ وہ سب جس طرح مختلف اللون ہیں اسیطرح اُنکی بو میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے۔ یہی کیفیت انسانی مخلوق کی ہے رنگ و روغن اور خال و خط سے قوائے باطنی میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے۔ مثلاً یورپ کے باشندے عام طور پر جس طرح گورے رنگ کے ہوتے ہیں اُسی طرح اُن میں جبلی خداداد فراست اور نو ایجادی کا مادہ بھی ممتاز ہوتا ہے۔ تار تاری جن کی نسل سے عثمانی ترک ہیں۔ سرکیشین اور دوسری قومیں جو کوہ قاف اور اُس کے گرد و نواح میں آباد ہیں خدا کی کل مخلوق سے زیادہ جمیل اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ ایرانی ہندوستان کے باشندے۔ عرب۔ مور جو شمالی افریقہ میں بستی ہیں اور حبشی جن کی نسل عربوں ہی سے نکلی ہے یہ تمام قومیں شمال میں خوبصورت بھی ہیں اور دراز قد بھی ہیں اور اُنکے خوبصورت بال اور اُنکی آنکھیں نیلی ہیں۔ مگر یہی قومیں جنوب

ہیں سیاہ رنگ اور گندمی رنگ کی ہوتی ہیں اور انکی آنکھیں اور بال سیاہ ہوتے ہیں۔ نہایت معتدل حصص ملک میں بھی رنگ کا یہ میل پایا جاتا ہے۔

(۱) دو براعظموں کے شمال میں وہ لوگ بستے ہیں جن کے رنگ سیاہ ہیں۔ چہرہ بھدّا سیاہ بال سیاہ آنکھیں جسم موٹا اور قد چھوٹا۔ اِن براعظموں کے شمال کے باشندوں سے یورپ میں لیپ لینڈرس۔ ایشیا میں سموئی دیس آس تی آکس۔ چینگی۔ امریکہ میں گرین لینڈرس اور ایسکوئی ماکس۔ تعلق رکھتے ہیں۔ فینلینڈ کے باشندے اگرچہ کل باتوں میں ان سے ملتے ہیں مگر قد میں مثل یورپیوں کے ہوتے ہیں ہنگیرین اور ایشیا کی بہت سی خانہ بدوش قوموں کی قریب قریب یہی شباہت ہوتی ہے۔ زبان بھی ایک ہی اور معاشرت بھی قریب قریب ایک ہی۔

(۲) منگول جن سے وہ قوم تعلق رکھتی ہے جسے تاتار کہتے ہیں اور منچوزا اور کالموکس بھی ان ہی کا نام ہے اسی قوم نے اپنی فتوحات چین سے ہندوستان تک اور ہندوستان سے یورپ تک پھیلائی تھیں انکی چپٹی پیشانی چھوٹی ناک۔ رخساروں کی ابھری ہوئی ہڈی۔ سیاہ بال خفیف ڈاڑھی۔ خمدار چھوٹی آنکھیں۔ موٹے ہونٹ اور رنگ کم زیادہ زرد ہوتا ہے چینی جاپانی گنیجر کے پرے کے رہنے والے ہندوستانی جنکو ہم ملا یائی کہتے ہیں بہت ہی قریب کی مشابہت منگولیوں سے رکھتے ہیں جنوبی سمندر کے جزائر میں اور نیو ہالینڈ کے عظیم براعظم میں ملایا ہی قوم کے اصلی لوگ آباد ہیں۔ ان میں سے جو گروہ خط استوا کے قریب آباد ہیں حبشیوں کی طرح انکی جلد سیاہ ہوتی ہے۔

(۳) حبشی جنوبی افریقہ کے کناروں پر آباد ہیں دریائے سینگال سے بحر احمر تک ان ہی کی آبادی چلی گئی ہے۔ اپنی جلد کے سیاہ ہونیکے علاوہ وہ اپنی چپٹی ناک چپٹی پیشانی بڑے دہانہ۔ رخسارے کی اٹھی ہوئی ہڈیوں اور گھونگروالے بالوں سے بہت ممتاز ہیں۔ گائنا کے باشندوں سے بھی وہ زیادہ کالے ہیں اور انکی ناک بے تحاشا لمبی ہوتی ہے۔ مگر کونگو کے رہنے والے بہت ہی حسین اور شکیل ہوتے ہیں۔ کیپری کارن کے خط جدی پر وہ بہت ہی پھیکے رنگ کے ہوگئے ہیں اور ان ہی کو کافر کہتے ہیں۔ افریقہ کے مشرقی کناروں کے باشندے مختلف صورت و شکل کے ہیں۔ ہوٹین ٹوس جو جنوبی حصہ میں بکثرت دکھائی دیتے ہیں انکی سب سے علیحدہ ہی قسم ہے انکے رخساروں کی ہڈیاں اتنی اونچی ہیں کہ انکے چہرہ کی شکل مثلثی بن گئی ہے۔ ان کا رنگ بھورا زیتونی ہوتا ہے۔

(۴) امریکہ میں تانبہ کے سے رنگ کے لوگ آباد تھے۔ سیاحوں کا انکے سر کے بالوں اور ڈاڑھی میں بہت بڑا اختلاف ہے بعض تو یہ کہتے ہیں کہ وہ ڈاڑھی اور سر کے بال رکھتے تھے اور بعض کا یہ بیان ہے کہ وہ بالکل جڑ سے اکھیڑ ڈالتے تھے یہی قوم امریکہ کی وحشی قوم کہلاتی ہے اور اس کا باقیماندہ حصہ میکسیکو اور پیرو میں آباد ہے مگر اس براعظم کے جنوبی کنارہ پر ایک قوم آباد ہے جو لمبے قد والی ہے اور جس کی نسبت بہت سی کہانیاں مشہور ہیں۔ زمانہ حال کے سیاح بیان کرتے ہیں کہ چھ فیٹ سے کم کوئی شخص نظر نہیں پڑا۔ اس قوم کے لوگوں کو پیٹے گونیٹس کہتے ہیں جو لمبے تو بیشک ہیں مگر خوفناک نہیں ہیں۔

فقط ہمارے اس مختصر سے لکھنے سے یہ بات تو بخوبی ظاہر ہوگئی ہے کہ انسان ایک دنیا ایک آفتاب ایک مگر اسکی صورت اور عادات میں کتنا بڑا اختلاف پڑا ہے اور کیا طرز و انداز نظر آئے ہیں مگر ان سب اختلافات اور قومی فرق دیکھنے کے بعد بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ نیکی بدی اور خود مختاری کے محسوسات میں ذرا بھی کسی میں فرق ہے، ہر قوم اور اس کا ہر فرد اپنے

ملک کی آب ہوا کے موافق ترقی کے مدارج اعلیٰ طے کرسکتا ہے۔ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ ایک سست شخص کی عمر جو کچھ یورپ میں ہوگی وہی ہندوستان میں وہی چین میں وہی افریقہ میں اور وہی امریکہ میں۔ ایک قانون ہے جو مرزوبوم میں یکسان رہتا ہے اور کبھی اُس میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ ماں ہر جگہ ماں ہے۔ بہن ہر جگہ بہن ہے اور بیٹی ہر جگہ بیٹی ہے اور بی بی ہر جگہ بی بی ہے۔ اگرچہ خلاف قوانین قدرت بعض اوقات افعال سرزد ہو جاتے ہیں مگر ایسے چند افعال کا صدور کس گنتی میں ہے یہ اختلاف جو بیان ہوا دور دراز ممالک کی اقوام کا ہے مگر غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک ماں باپ کے چند بچوں میں صورت شباہت اور طبیعت کا اسقدر اختلاف ہوتا ہے کہ اُس کی تشریح نہیں کیجا سکتی۔ ایک ہی گھر۔ ایک ہی خون ایک ہی قسم کی پرورش کا طریقہ ایک ہی معاشرت اور پھر اختلاف عظیم اس سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ فطرت نے انسان کو آزاد پیدا کیا ہے اور ہر انسان خود مختار ہے چاہے اپنے جو کچھ خیالات رکھے۔ انسانی خیالات کی تہ تک پہنچنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر کام جو وہ کرنا چاہتا ہے اُس کا دل یا اجازت دیتا ہے یا مانع آتا ہے اور اکثر صورتوں میں تو قوائے عقلی ہی خلقت پر غالب دیکھے گئے ہیں۔ ہم نے گزشتہ صفحوں کے حاشیہ میں مجانین کا حال بیان کیا ہے اور جنون کی بھی کچھ علامتیں لکھی ہیں اس بیان سے ہماری غرض صرف یہ تھی کہ جس شخص کے قوائے عقلی ہمیشہ اُسکی خلقت سے مغلوب ہی ہوتے رہیں اور کبھی اُنھیں غلبہ نہوا ہو تو وہ شخص فہرست مجانین میں گنا جاتا ہے اور اطبا کہتے ہیں کبھی ہوشیار صحیح وسالم شخص نہیں ہوسکتے مجنون کی تعریف اطبائے یورپ نے اپنی طب کے لحاظ سے خواہ کچھ ہی کیوں نہ کی ہو مگر ہم اُسکی تعریف یہ کرتے ہیں کہ جنون ہمیشہ خلقت سے قوائے عقلی کے مغلوب رہنے کو کہتے ہیں۔ جہانتک غور کیا جائیگا ہماری یہ تعریف ہر حالت میں حقیقت پر مبنی نکلے گی اور اس میں شک بھی نہیں کہ ہوشیار اور مجنون کی شناخت کے لیئے یہی کافی ہے۔ ہم مثال کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ ایک شخص ناجائز خواہشات ایک غیر عورت سے نکالنا چاہتا ہے اُس نے اُسے بازار میں دیکھا جہاں ہزاروں آدمی چل رہے ہیں پولیس علیحدہ موجود ہے دیکھتے ہی اس عورت کی عصمت پر حملہ کیا اب ایسے شخص کو جس نے یوں دیدہ ودانستہ اپنی جان ہلاکت میں ڈالی ہم کیونکر ہوشیار کہہ سکتے ہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ جنون کی علامتیں اُس میں پہلے ہی سے موجود تھیں اور وہ ذراسی تحریک سے اُبھر آئیں اور اُسے اندھا کر دیا۔ اب ایسے شخص کا طبی امتحان کیا جائیگا تو یقیناً اُس کے حواس خمسہ میں فرق نکلے گا۔ یہ کیا بات ہوئی اور اس کا راز کیا ہے۔ راز صرف یہ ہے کہ اُسکی عیاشانہ خلقت اُس کے قوائے عقلی پر غالب ہوگئی یہ دوسری بات ہے کہ اس غالب آنے میں خارجی اور داخلی اسباب محرک ہوئے ہوں مگر یقینی طور پر نکلے گی یہی بات جو ہم نے بیان کی ہے۔

آب وہوا و مرزوبوم کے اثر سے مخلوق کے متاثر ہونے کو مجبور کہنا بالکل فہم کی غلطی ہے۔ یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حبشی فرنگی نہیں بن سکتا اور فرنگی حبشی نہیں ہو سکتا اس نہ ہونے پر یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ حبشی سیاہ رہنے پر مجبور ہے۔ اور فرنگی سفید رہنے پر کیا اس خلقت کا نام مجبوری ہے کیا اس کے مقابلہ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان پیروں سے چلنے پر مجبور ہے سر کے بل نہیں چل سکتا۔ اگر جبر کے معنے یہی ہیں جو ہمارے بعض جدید مفسروں نے بیان کیئے ہیں تو زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہم انسان کی ہر بات کو مجبوری پر محمول کرینگے ہم یہ بھی کہیں گے کہ انسان مجبور کیا گیا ہے کہ پیر سے نہ کھائے ہاتھ سے کھائے انسان مجبور کیا گیا ہے کہ کان کے رستہ سے کھانا پیٹ میں نہ پہنچائے بلکہ منہ اور حلق کے

رستہ سے پہنچائے انسان مجبور ہے کہ اشاروں سے باتیں نہ کرے بلکہ زبان سے بولے۔ یہ باتیں اگر کسی کے آگے کہی جائیں۔ تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ سننے والا قائل کو مجنون بنائیگا یا نہیں اور اُسے ایسے شخص کو مجنون کہنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ ہم اپنے ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

چند آیتیں اور بھی کلام الٰہی کی ہم درج کرتے ہیں جس سے کچھ زیادہ ہمارے مطالب کی توضیح ہو جائے گی۔ خداوند تعالے انتہا درجہ نالائق کج فہم بدکردار ضدی طبائع کی کیفیت یوں بیان فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا ہے ولو علم اللہ فیہم خیرا لاسمعہم ولو اسمعہم لتولوا وہم معرضون یعنی اور اگر اللہ ان میں کچھ بھی بہتری پاتا تو اُنہیں سننے کی قابلیت بھی ضرور عطا فرماتا (یہ ایسے کج سرشت ہیں کہ) اگر خدا انکو سننے کی قابلیت بھی دیتا تاہم یہ بدی ہوئی بات ہے کہ یہ لوگ مُنہ پھیر کے اُلٹے بھاگتے"۔ اِس روشن آیت سے بھی انسان کی اعلیٰ درجہ کی خودمختاری اور اس کا اُس کے افعال پر قادر ہونے کا ثبوت پایا جاتا ہے اور خداوند تعالیٰ کے نہ قابلیت دینے کا وہی مطلب ہے جو ہم گزشتہ صفحوں میں بیان کر آئے ہیں۔ دوسری جگہ اپنے پیغمبر آخرالزمان کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے ھو الذی ایدک بنصرہ وبالمؤمنین والف بین قلوبہم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبہم ولکن اللہ الف بینہم انہ عزیز حکیم یعنی اے پیغمبر وہی ذات پاک ہے جس نے اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے تمکو قوت دی اور مسلمانوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی اگر تم روئے زمین کے سارے خزانے بھی صرف کر ڈالتے تو بھی اُنکے دلوں میں الفت نہ پیدا کر سکتے مگر وہ تو اللہ ہی تھا جسنے ان لوگوں میں اُلفت پیدا کر دی بیشک وہ زبردست اور صاحب تدبیر ہے۔ یہاں اپنے نبی سے خطاب کیا گیا ہے اور اپنی رحمت اور امداد کا اظہار کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جو الفت ہم نے مسلمانوں میں پیدا کی ہے وہ ہمارا ہی کام تھا تم روئے زمین کے خزانے جمع کرنے کے بعد بھی ایسا نہ کر سکتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ اگر کلام خدا اُنھیں نہ سنایا جاتا یہ صحیح ہے اگر قوانین قدرت کی کتاب کی اُنھیں تعلیم نہ دیجاتی تو بیشک صرف خزانے جمع کر لینے سے ان میں ہرگز محبت پیدا نہ ہوتی کلام خدا کے ربانی اثر نے اُنھیں ایک دوسرے کا عاشق زار بنا دیا ایسے موقع پر یہ کہسکتے ہیں کہ خدا نے اُن کے دلوں میں محبت پیدا کر دی۔ نبی نے جو کچھ تعلیم دی وہ خدا کی تعلیم تھی اور خدا نے جو کچھ تعلیم فرمائی وہ اپنے اُنھیں قوانین قدرت کی تعلیم تھی جو روز ازل سے وہ مقرر کر چکا ہے اس لحاظ سے خدا کا ہر فعل اُسی کی طرف منسوب کرنا لازمی اور حق ہے۔

ایک مقام پر خداوند تعالیٰ نے پیدایش عالم کے متعلق یہ فرمایا ہے ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر ما من شفیع الا من بعد اذنہ ذالکم اللہ ربکم فاعبدوہ افلا تذکرون" یعنے لوگو تمھارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کیا پھر عرش پر جلوہ کیا وہیں سے دنیا کا انتظام کر رہا ہے اُسکی سرکار میں کوئی کسی کا سفارشی نہیں ہو سکتا مگر ہاں اُسکی اجازت ہوئے پیچھے۔ یہی اللہ تو تمھارا پروردگار ہے تو اُسی کی عبادت کرو کیا تم غور کو کام میں نہیں لاتے خدا کے ہاں اُس کے انتظام کے متعلق کسی کی سفارش نہیں چلتی مگر ہاں اُسکی اجازت ہو جائے اس سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جو قوانین اُس نے مقرر کیے ہیں اور جن کا انتظام خود اُس کے ہاتھ میں ہے اس میں کسی کی سفارش کام نہیں دیسکتی۔ ہر شخص کے اعمال اُس کے

خود سفارشی بن سکتے ہیں مگر یہ بھی اسکی مرضی پر موقوف ہے اور اُسکی یہ وجہ ہے کہ قوانین باریتعالیٰ میں نیک اعمال کا نتیجہ نیک اُسی کے حکم سے مقرر ہوا ہے اور یہی اُس کا سفارش کے لیئے اجازت دینا ہے ایک جگہ اور ارشاد ہوا ہے قل لا املك لنفسي ضرا ولا نفعا الا ما شاء الله لكل امة اجل اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون یعنی اے پیغمبر تم ان سے کہو کہ میرا اپنا نفع و نقصان بھی میرے اختیار میں نہیں مگر جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اُسکے علم میں ہر ایک اُمت کے دنیا میں رہنے کا ایک وقت مقرر ہے جب ان کا وہ وقت آ پہنچتا ہے تو اُس سے ایک گھڑی بھی نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اس آیت میں حادثات عالم کا خداوند تعالیٰ کے علم میں ہونا اور وقت مقررہ پر ایک کام کا ہونا اور نفع و ضرر کا اول ہی سے علم ہونیکا بیان ہے۔ تینوں باتیں صحیح ہیں۔ خدا کو علم بھی ہے کسی شخص کو یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ کل کیا ہوگا اور یہ بھی درست ہے کہ ہر اُمت کا ایک زمانہ ہوتا ہے۔ دنیا کی تاریخیں صاف طور پر بیان کر رہی ہیں کہ جس قوم نے ایک زمانہ میں ترقی کی کسی آیندہ زمانہ میں اُس کا تنزل لازمی ہے۔ مگر یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ ترقی اور تنزل دونوں قوانین کے دائرہ میں ہیں اور ان سے باہر نہیں نکل سکتے۔ خداوند تعالیٰ نے اسکی تشریح دوسرے مقام پر فرمادی ہے جہاں ارشاد ہوا ہے خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت آپ نہ بدلے۔ جس قوم نے تنزل سے ترقی کی ضرور اُس نے اُن اسباب خارجی و داخلی سے مدد لی جو قوانین باری تعالیٰ مقرر کر چکے ہیں اور جس قوم نے ترقی سے تنزل کیا ضرور اُس نے اُن قوانین سے انحراف کیا جو روز ازل سے مقرر ہو چکے ہیں اور اُن میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ دنیا کی تاریخ موجود ہے اور اس میں ہر قوم کی ترقی اور تنزل کے اسباب بوضاحت دکھائے گئے ہیں۔ اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی قوم یا اُس کے کسی فرد کو بغیر فروگذاشت کے نقصان اُٹھانا پڑا ہو یا بغیر بداعمالی کے سزا ملی ہو۔ حضرت نوح ؑ کی اُمت کیوں ڈبوئی گئی۔ اپنی بداعمالی کی وجہ سے۔ قوم عاد پر کیوں عذاب نازل ہوا؟ اُسکی نافرمانی پر۔ یہودی کیوں صفحۂ ہستی سے مٹائے گئے؟ اپنی بدکرداری سے۔ پارسیوں سے کیوں ہمیشہ کے لیئے سلطنت چھین لی گئی؟ اُنکی اعمال کی زبونی سے۔ مسلمان کیوں پست کر دیئے اور کیوں روز بروز پست ہو رہے ہیں صرف اِس لیئے کہ اُنھوں نے اوامر باری تعالیٰ کو پس پشت ڈال رکھا ہے اور آخر الزماں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن ہدایتوں کو کچل رہے ہیں۔ دوسری غیر اسلام قومیں کیوں ترقی کر رہی ہیں صرف اس لیئے کہ مسلمانوں کی ترقی کے اسباب اُن میں موجود ہیں اور وہ ان پر کاربند ہو رہی ہیں۔ وہ اسباب کیا تھے جو نبی معصوم نے اُنھیں بتلائے تھے؟ وہ اسباب یہ تھے جو آج یورپ کو حاصل ہیں جن سے وہ ترقی کر رہا ہے۔ وہ اسباب کیا تھے؟ جو نبی معصوم نے اُنھیں بتائے تھے؟ وہ اسباب یہ تھے ایک دوسرے کو بھائی سمجھو۔ قومی ہمدردی میں ڈوبے رہو۔ قانون کا برتاؤ سب کے لیئے یکساں رکھو حسب اور نسب پر بیجا فخر نہ کرو بلکہ اُسکی عزت کرو جس میں جوہر ہیں اپنے بھائی کے نفع میں اپنا نفع سمجھو۔ قوم کی بھلائی میں فنا ہو جاؤ۔ یہ اسباب تھے جو آج یورپ کو حاصل ہیں جن سے وہ ترقی کر رہا ہے ان ہی اسباب سے مسلمانوں نے ترقی کی تھی اور ان ہی اسباب سے دوسری آنیوالی قومیں ترقی کریں گی شریعت کا یہ گُر ہے اور اسلام کا علاوہ خدا پرستی کے یہی بہت بڑا مفہوم ہے ان اسباب کی جب تک کچھ رمق باقی ہے دو ایک سلطنتیں مسلمانوں کی نظر آتی ہیں اور جب یہ رمق نہ رہے گی یہودیوں کی طرح محض بے دست و پا ہو جائیں گی۔

اس کے بعد ہم دوسرے پہلو پر بحث کرتے ہیں اور وہ اس سے بھی زیادہ سخت اور دشوار ہے۔ ہم خداوند تعالیٰ کی مدد کے

اس پر بھی قائل ہیں اور ہمارا یقین ہے کہ غیب سے بھی وہ اپنی کل مخلوق کے ہر فرد کی مدد کیا کرتا ہے بیشک نیک کاموں میں اُس کا ہاتھ شرکت کرتا ہے اور اُس نے ہمیشہ اپنے خالص بندوں کی سرپرستی کی ہے۔ اُس نے ایک جگہ تو یہ فرمایا ہے کہ میں رگ شریان سے بھی زیادہ قریب ہوں اور دوسری جگہ یہ فرمایا ہے کہ جو بندہ میرے قریب ہوتا ہے میں بھی اُسکے قریب ہوتا ہوں اور جو بندہ مجھسے دور ہوتا ہے میں بھی اُس کے پاس نہیں جاتا۔ یہ تعلیم ہے گہری معرفت کی جنکو عام عقول نہیں سمجھ سکتیں خدا اپنی مخلوق سے باتیں کرتا ہے خدا اپنی مخلوق کی خاطر اس کے ہر نیک فعل میں رہبری کرتا ہے۔ جس دل میں خداوند تعالےٰ کی محبت کی سچی آگ لگ رہی ہو۔ جس دل سے توحید خدا کا فوارہ اُچھل رہا ہو جس کے پاک دل نے اپنے خالق کی نافرمانی نہ کی ہو جس مقدس دل نے تمام عمر اطاعت میں گزار دی ہو جس مبارک دل نے بھولے سے بھی اوامر باری تعالیٰ کی نافرمانی کا خیال نہ کیا ہو اُس پر ہر وقت خدا کا ہاتھ رہتا ہے۔ اُس کی آنکھوں میں جلالِ ربانی اور چہرہ پر رعب برستا ہے کہ بڑے بڑے بادشاہ صورت دیکھ کے کانپ اُٹھیں۔ کوئی اُسکی طرف آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا اور کوئی اُسے اذیت نہیں پہنچا سکتا۔ اگر اُسے کوئی اذیت بھی پہنچے گی اُس میں بھی لاکھوں مخلوق خدا کی اصلاح مضمر ہوگی اور خود جسے اذیت پہنچی ہے معرفت میں اُس کا درجہ بلند ہوگا۔ اس راز کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے کچھ بھی اس کا مزا چکھا ہے۔ مولانا روم نے بہت ہی موزوں فرمایا ہے کہ جو کچھ کوشش کرو اگر اُس پر بھی نہ حاصل ہو تو ہمارا ذمّہ۔

لب ببند و گوش بند و چشم بند　　گر نہ بینی سرِ حق بر ما بخند

لب بند کرنے سے مطلب یہ نہیں ہے کہ منہ بند کر لو اور خداوند تعالیٰ کی نعمت کو کام میں نہ لاؤ بلکہ لب بند کرنے سے یہ مطلب ہے کہ ناحق بات منہ سے نہ نکالو اسی طرح گوش بند کرنے سے بھی یہی مطلب ہے کہ بُری باتیں نہ سنو۔ آنکھ بند کرنے سے بھی یہی غرض ہے کہ خلاف شرع باتوں پر نگاہ نہ ڈالو جب تین مدارج طے ہو جائیں اور اُس وقت بھی شریعت کا راز نہ کھُلے تو ہماری باتوں پر مضحکہ کرنا کہ رومی نے غلط کہا تھا۔ یہاں بھی یہی بات لازم آتی ہے کہ جب تک ہم خود نہ کرینگے کامیابی ممکن نہیں۔ وجہ کیا کہ قوائے عقلی اور تمدنی کے معطل کرنیکے بعد ہم مورد عتابِ الٰہی نہ ہوں۔ یہ خدا کی نعمتیں ہیں جو ہمیں عطا ہوئی ہیں۔ اگر ہم نے ان سے کام نہ لیا تو گویا ہم نے کفران نعمت کیا اور کفرانِ نعمت کی جو سزا تجویز ہو چکی ہے وہ ضرور ہمیں ملنی چاہیئے۔

ایک عام نظر اُن لوگوں پر ڈالو جو خوش قسمت مشہور ہیں یا کسی زمانے میں مشہور تھے اُن کے خارجی اسباب پر زیادہ نظر نہ کرو کیونکہ خارجی اسباب ہمیشہ دھوکا دیا کرتے ہیں بلکہ اندرونی اسباب کو دیکھو کہ کن ذرائع سے اُنھیں یہ عزت اور دولت حاصل ہوئی ہے اور وہ اُس کے قائم رکھنے کے لیئے کون سے ذرائع کام میں لاتے ہیں یہ تو صحیح ہے کہ بادشاہ کا بیٹا بادشاہ ہوگا۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ وہ نالائق ہو کے بھی تخت پر قائم رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں؟ ایک دولتمند کا بیٹا ضرور دولتمند ہوگا لیکن یہ دولتمندی اُسکے کچھ بھی کام نہ آئیگی اگر اُسنے اپنی ناہنجاری سے اُسے گنوا دیا اور رکھ رکھاؤ نہ کیا۔ بہت سی سلطنتیں برباد ہو کے صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں بہت سے سلاطین اپنی خوابگاہوں میں ذبح کر ڈالے گئے بہت سے قیدخانوں میں مر گئے۔ بہت سے جلاوطن کر دیئے گئے روزمرّہ ہر شہر میں دولتمند بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ ساری بات یہ ہے کہ خوش قسمتی اور دولتمندی کسی کا حصہ نہیں ہے نہ اُسکے لیئے یہ ضروری ہے کہ ایک پنہاری کا بچہ دولتمند نہیں ہو سکتا۔ جو جاگا اُس نے پایا اور جو سویا اُس نے کھویا۔ محنتی کا خدا بھی ساتھی ہے اور کاہل کا خدا بھی دشمن ہے ہاتھ پر ہاتھ

رکھے قسمت کا رونا نہ روؤ محنت کرو نیک عمل کرو خدا اُس کا اجر دیگا اُس سے بہتر اجر دینے والا کوئی نہیں۔

ہمیں جو کچھ مسئلہ تقدیر پر لکھنا تھا لکھ چکے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہمارا یہ بیان ہمارے ناظر تفسیر کا ایک حد تک اطمینان کریگا بھی یا نہیں اگرچہ مسئلہ تقدیر اسلام کے اہم مسائل میں سے نہیں ہے مگر ہمیں اس لیئے لکھنا پڑا کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی حالت پستی کی انتہا تک پونہچ گئی ہے اور روز بروز پونہچتی جاتی ہے۔ وہ انتہا درجہ کے سست اور کاہل ہو گئے ہیں محنت کرتے نہیں اور اُس سے جو کچھ اُنھیں نقصان پونہچتا ہے وہ بڑی دلیری سے تقدیر پر سونپتے ہیں اور اپنے خالق پر الزام لگاتے ہیں کہ اُس نے اسیطرح ہماری تقدیر میں لکھدیا تھا۔ ایک تو وہ اپنی کاہلی سے یہاں دنیا میں نقصان اُٹھاتے ہیں اور دوسرے آخرت میں اپنے لیئے عذاب مول لیتے ہیں اُنھیں سمجھنا چاہیئے کہ اُن کا برحق ہادی کب ہاتھ پر ہاتھ رکھ کے بیٹھا تھا اُس نے کیا کیا قوم کے لیئے جانفشانیاں کیں اور کیا کیا مصائب اُٹھائے۔ جب کہیں خدا پرستی کا جھنڈا گاڑا اُسکے صحابہ نے کیا کیا تکلیفیں جھیلیں اور کتنی کتنی آفتوں کا اُنھیں سامنا کرنا پڑا پھر کہیں اشاعت اسلام ہوئی اُس زمانہ میں سفر کی کیا کیفیت تھی کیسے سخت راستے تھے مگر پہاڑ۔ جنگل۔ بیابان۔ ریگستان سمندروں کا سفر وہ مخملی فرش پر آرام کرنے سے زیادہ پسند کرتے تھے آج اُنھیں مقدس انفاس کی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مشرق و مغرب جنوب و شمال پانچوں وقت توحید خدا کی آوازیں بلند ہوتی ہیں اور دنیا کی ۱/۵ مخلوق کلمۂ طیبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑہتی ہے اُن ہی کی جانکاہیوں کا صدقہ تھا کہ اس کفرستان ہند میں چھ کروڑ مسلمان نظر آتے ہیں۔ اپنے اُن بیش قیمت جوہروں سے کام لو جو خداوند تعالیٰ نے تمھیں عطا کیئے ہیں اور جن جوہروں سے تمھیں تمام کائنات پر شرف ملا ہے قرآن مجید اور احادیث نبوی اور آثار صحابہ اور اپنے بزرگوں کے سنہری اقوال کو بغور پڑہو سمجھو اور دیکھو کہ اُنھوں نے تمھاری قسمتوں کا فیصلہ کیا ہے۔ ہمیں جو کچھ لکھنا تھا وہ ہم لکھ چکے اور ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں شاید اسی قدر کافی ہو ہاں ہماری آنیوالی نسلیں اگر اُن کا اطمینان ہماری اس تحریر سے نہو تو وہ اور بھی تفصیل اور وضاحت سے تحریر کر سکینگی خدا کے اس ارشاد کو دل میں جما لو کہ جو شخص نیک اعمال ہے اور خدا کی ہدایتوں پر چلتا ہے اُسی کے لیئے دنیا و آخرت کی فلاح ہے۔ نہ چلوگے عذاب الٰہی نازل ہوگا اور پھر دنیا و دین میں خوار و رسوا ہوگے۔

ہم نے جو کچھ لکھا ہے بہت غور و تامل کے بعد لکھا ہے اس سبب سے ہمیں اُمید ہے کہ اسی غور و تامل سے ہمارے مضامین مندرجہ تفسیر الفرقان پڑھے جائینگے۔ ایک ایک لفظ ہمارے خون جگر کی ایک ایک بوند ہے جو ہم نے ناظرین کے آگے پیش کیئے ہیں جس طرح خداوند تعالیٰ اپنے بندوں کی ہنگامی خطاؤں سے چشم پوشی کرتا ہے ہمیں اُمید ہے کہ ہمارا ناظر تفسیر اگر کہیں سہو اور خطا کا احتمال ہو تو دل سے معاف کر کے ہمارے حق میں دعائے خیر کرے۔ یہاں سے ہم دوسرے مضمون کیطرف اپنی توجہ پھیرتے ہیں اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ ربانی اغراض کے سمجھنے کے لیئے ہمیں روشن دل عطا کرے۔

آمین ثم آمین

دسواں باب

ناسخ و منسوخ

منجملہ اور مسائل شریعت کے ناسخ و منسوخ بھی بہت ہی لطیف اور قابل بحث مسئلہ ہے علمار کرام نے خاص اس مسئلہ میں بڑی موشگافیاں کی ہیں اور اس کو بے انتہا چھانا ہے اس میں شک نہیں کہ ابتدا سے مفسرین فرقان حمید کا کم و بیش اس پر اتفاق رہا ہے کہ ناسخ و منسوخ قرآن مجید میں مثل اور کتب سماویہ کے موجود ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ سب باہم متفق نہیں ہیں بعض نے آیتوں کی کچھ تعداد بیان کی ہے اور بعض نے کچھ مگر ایک تعداد پر بہت کم اتفاق دیکھا گیا ہے مفسروں نے جو کچھ بیان کیا اور جو کچھ انھوں نے تحقیق کی وہ محض نیک نیتی اور سچے اسلامی جوش پر مبنی تھی مگر سیاسی اثر نے جو اُن پر ہر زمانہ میں قطعی طور پڑتا تھا اُن کی تحقیق میں بہت کچھ رخنہ اندازی کی اور اخیر وہی رنگ اُس میں بھی جلوہ دینے لگا۔ مسلمانوں کی روز افزوں ترقی اور کشور کشائی نے اس مسئلہ ناسخ و منسوخ پر بہت بڑا اثر ڈالا اور یہی وجہ تھی کہ وہ غوامض کلام مجید کی تہ تک نہ پہنچ سکے۔ یہ حقیقت میں ایک نئی بات ہے جو ہم لکھ رہے ہیں نہ کبھی کان میں پڑی اور نہ کبھی اس کا خیال آیا کہ کشور کشائی سے اس مسئلہ کو کیا تعلق ہو سکتا ہے مگر نہیں جنھوں نے اسلامی واقعات تاریخی کو دیکھا اور اُنکی جانچ کی ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ دباؤ اُن پر نہ پڑتا تو وہ ضرور احتراز کرتے اور ایک آیت کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ کبھی قرار نہ دیتے یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ سارے مسئلہ کی ساخت صرف اسلامی سیاسی اثر سے ہوئی ہے مگر اس تسلیم کرنے میں چارہ بھی نہیں ہے کہ بہت حصہ اُن منسوخہ آیتوں کا اُسی سیاسی اثر سے مملو ہے مثلاً جہاں خداوند تعالیٰ کا خطاب اپنے پیغمبر سے ہوا ہے کہ کافروں سے کہدو جو تمھارا معبود ہے وہ میرا معبود نہیں تمھارا دین تمھارے لیئے ہے اور میرا دین میرے لیئے ہے۔ اِس آیت کو بالاتفاق علمار نے منسوخ لکھا ہے اُن کا بیان ہے کہ جب جہاد کی اجازت آگئی تو یہ آیت منسوخ ہو گئی یہ سیاسی اثر ہے مسلمانوں کی ترقی فتوحات اس قدر بڑھ گئی تھی کہ اُنھیں اچھا نہ معلوم ہوا کہ وہ اس آیت کو جس میں بظاہر عاجزی اور انکسار پایا جاتا ہے منسوخ کہیں اسیطرح اور بھی بہت سی آیتیں ہیں جن میں مذکورہ رنگ بخوبی پایا جاتا ہے۔ ہمیں اس سے بہت بڑا اختلاف ہے اور ہم نہیں یقین کرتے کہ قرآن مجید میں جو خدا کی اخیر کتاب ہے جو صرف ایک ہی ذات پر نازل ہوئی جس کے نازل ہونے کا ایک ہی زمانہ تھا جو نہ صرف عرب کے لیئے بلکہ تمام دنیا کی ہدایت کے لیئے نازل ہوئی تھی اس میں ناسخ و منسوخ کو دخل دیا جاتا اور اس قدرت کی بیاض کا ایک حصہ بیکار کر دیا جاتا۔ دنیا کی موجودہ اور آیندہ حالت کا اگر مفسرین اندازہ نہیں کر سکتے تھے تو باری تعالیٰ کو اس کا علم تھا کہ آیندہ مسلمانوں کی کیا حالت ہو گی اور اسلام دنیا کے ہر ملک میں کس صورت میں ہو گا اُسی کے مطابق آیتوں اور سورتوں کا نزول ہوا۔ اور کوئی نہ کوئی سورت کہیں نہ کہیں جاری وساری ہے اور اس پر عمل ہو رہا ہے قرآن مجید اگرچہ عربی زبان میں نازل ہوا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کو اس کا مولد کہنا چاہیئے مگر پھر بھی اُس سے صرف عرب ہی کی اصلاح مقصود نہیں رہی بلکہ دنیا بھر کی اصلاح سے غرض تھی اس لیئے بمقتضائے

قانون قدرت لازمی ہوا کہ ہر ملک اور ہر قوم کی حالت اور معاشرت کا لحاظ کیا جائے اور قومی اختلاف کو مدنظر رکھ کے مرز بوم کا انطابق کیا جائے اسی بنا پر مسلمان دعوی کر سکتے ہیں کہ قرآن کلام خدا ہے جبکہ انسانی کتاب ہرگز دنیا بھر پر حاوی نہیں ہوسکتی۔ خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں جس طرح ایک جاہل بدوی یا وحشی افریقی کی طبیعت کا لحاظ کیا گیا ہے اسیطرح ایک مہذب ملک کے شخص کا بھی پاس طبیعت ہوا ہے اور سارے قرآن مجید میں کہیں بھی اس سے فروگذاشت نہیں ہوئی ہے۔ ایک ہی مضمون کو مختلف مقامات پر بیان کرنے کی حکمت عملی اس امر پر مبنی ہے کہ اُسے مختلف عقول کا لحاظ کرکے مختلف پیرایے میں سمجھایا ہے اور اس طرح مختلف خیالات کے ساتھ چسپاں کیا ہے کہ انسانی عقل اُس کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ وہ لوگ سخت غلطی پر ہیں جو قرآنِ کریم سے ایک ہی مضامین کو ایک ہی جگہ جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں بہت بڑی خوبی خیال کرتے ہیں۔ قرآن مجید کو ایک ہی حالت میں رہنے دینا چاہئے کیونکہ یہ وہ حالت ہے جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھنا پسند کیا تھا۔ مفسروں نے قرآن مجید میں جو ناسخ و منسوخ کی بحث کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھوں نے تمدن انسانی کے اختلاف کو بغور نہیں دیکھا نہ اُنھوں نے اس پر خیال کیا کہ مسلمان دنیا کے کن دور دراز حصص میں پھیلیں گے اور وہاں اُنکی کیا کیفیت ہوگی۔ کیا معاشرت ہوگی حاکمانہ تمدن ہوگا یا محکومانہ آب و ہوائے ملک کا اُن پر کیا اثر پڑیگا اور اخیر وہ کہانتک اپنے دوسرے بھائیوں سے جو اُن سے ہزارہا میل پر آباد ہونگے مشابہت رکھیں گے۔ ایک رومی ایک شامی ایک چینی ایک یورپی ایک ہندی اور ایک افریقی مسلمان کو لو اور سب کو ایک جگہ جمع کرو اُن کے خیالات اُن کے محسوسات اُن کے خصوصیات قومی اُن کی اخلاقی تمدنی حالت اُنکی ملکی نوعیت اُن کی حاکمانہ یا محکومانہ قوت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا۔ مگر یہ سب مسلمان ہیں اور کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ ان میں سے ہر ملک کا باشندہ اپنے مذاق کے موافق قرآن کریم کو پڑھتا اور اُس سے دلچسپی لیتا ہے یہ تو بدیہی ہے کہ جس طرح اُن کی معاشرت اور زبان جدا ہے اسیطرح اُن کا مذاق بھی ضرور علیحدہ ہے پھر ایک ہی سا مذاق حاصل کرنا اور وجد میں آجانا اس بات کی خاص دلیل ہے کہ قرآن مجید میں ممالک مختلفہ کے مختلف مذاق کا لحاظ کیا گیا ہے اور اس بدیہی مسئلہ سے ہرگز انکار نہیں ہوسکتا۔ یہی قرآن کریم کا بہت بڑا معجزہ ہے۔ مگر تعجب آتا ہے کہ بہت کم مفسروں نے اس معجزہ پر توجہ کی ہے۔ ایک ہی مذاق سے اُنھوں نے ہر جگہ بحث کی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں تفسیر لکھنے کی ضرورت پڑی۔

جہانتک ہم نے تحقیق کی ہے اور جس حد تک ہم نے ربانی مطالب کو جانا اور اُنکی تہ تک پہنچے ہیں ہمیں ایک لفظ بھی قرآن مجید میں ایسا نہیں معلوم ہوتا جس پر ناسخ و منسوخ کا نام عائد ہوسکے۔ ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں دلائل پیش کرینگے ہمیں امید ہے کہ ایک حد تک ضرور ناظر تفسیر کا اُس سے اطمینان ہو جائیگا۔ ہمارے ایمان اور خیال میں کلام خدا میں ناسخ و منسوخ ماننا درحقیقت بہت بڑی بے ادبی ہے اُس کلام پاک کی جس کو خالق زمین و زمان سے نسبت دیجاتی ہے کسی مفسر کی رائے سے اختلاف کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ اور یہ بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ کسی خاص مسئلہ میں کل مفسرین سے اختلاف کیا جائے۔ ہر فاضل مفسر نے جہاں اپنی رائے دی ہے وہ درحقیقت اُسی کی ذاتی رائے ہے اور کوئی شخص مجبور نہیں ہے کہ اُس کی رائے کو ضرور ہی مانے۔ ایک مفسر یا چند مفسروں یا کل مفسروں کی رائے سے اختلاف

کرنا شاید بعض معمولی طبائع کو گراں گزرے مگر سمجھدار کبھی بھی اس پر اعتراض نہیں کرنے کا۔ درحقیقت کسی مفسر نے خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قرآن مجید کی تفسیر نہیں سنی کہ اُس کی تفسیر کو خواہ مخواہ ماننا پڑے ہر مفسر نے اپنے طور پر تحقیق کی محاورات عرب کو دیکھا لغت کی تحقیق کی حدیثوں سے اُسکی روشن آیتوں کو چسپاں کیا اور بعض مفسر مثلاً ابن کثیر وغیرہ نے تو حدیثوں سے ہی قرآن کریم کی تفسیر لکھدی۔ مگر ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ تو بالکل صحیح ہے کہ کوئی مفسر اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کرکے لکھا ہے مگر ہاں جسے نبی معصوم اور کلام مقدس سے زیادہ نسبت ہی جس نے عرب کی تمدنی حالت کا بغور مطالعہ کیا ہے جس نے دنیا کی اقوام کی گوناگونی اور خیالات کی رنگارنگی ملاحظہ کی ہے۔ جس نے علوم متعارفہ کو ایک حد تک سبقاً سبقاً پڑھا ہے جس نے مدت تک تعلقات فطریہ انسانی کو اُس کے خالق کے ساتھ جانچا ہے۔ وہ قرآن مجید کی تفسیر ایک حد تک اچھی لکھ سکتا ہے اور اس میں شک بھی نہیں کہ اُس کی تفسیر مقبول بھی زیادہ ہوگی۔ ہر نئے زمانہ میں ایک نئی تفسیر کی ضرورت ہے اور اِسکی وجہ یہ ہے کہ مذاق اور خیالات بدلجاتے ہیں اور نئی نئی باتوں جدید اختراعات نئی تحقیقات کو دل چاہتا ہے اور اس طرح دل چاہنا خلاف قوانین فطرت نہیں ہے۔ اسی بنا پر ہم نے موجودہ مذاق کے موافق تفسیر لکھنے کا ارادہ کیا ہے اور ہم نے اس بات کو پہلے سے جان لیا ہے کہ اسی عرصہ میں جو دو چار تفسیریں لکھی گئی ہیں وہ کشادگی کیساتھ مطالب خداوندی پر حاوی نہیں ہیں اور نہ عام مذاق کو پورا کرتی ہیں۔

ناسخ ومنسوخ کی بحث ہر تفسیر میں بوضاحت تمام کی گئی ہے اور سب نے اپنی اپنی تحقیق کے موافق اس میں قلم فرسائی کی ہے بعض نے تفصیل سے اس پر لکھا ہے اور بعض نے اختصار سے مگر بعض نے تو علیحدہ رسالہ ہی لکھ ڈالے اور قریب قریب قرآن کریم کے ½ حصہ کو منسوخ ثابت کردیا اور کچھ دلائل بھی دی ہیں جن پر ہم آگے چل کے بحث کرینگے۔ پہلے ہم اپنے علمائے کرام کا اختلاف دکھاتے ہیں۔ یہ سمجھنا چاہیئے کہ نسخ کہتے کسے ہیں۔ نسخ کے معنے لغت میں زائل کرنے اور نقل کرنے کے ہیں مگر علمائے اسلام کے نزدیک یا اُن کی اصطلاح میں نسخ اُس امر کو کہتے ہیں جو کسی حکم کی انتہائے مدت پر دلالت کرے۔ عبدالرحمٰن بن محمد الدمشقی فرماتے ہیں۔ وہ سورتیں جن میں ناسخ ومنسوخ نہیں ہے یہ ہیں۔ سورہ اولیں ام الکتاب۔ یوسف۔ یٰسین۔ الرحمٰن۔ الحدید۔ الصف۔ الجمعہ۔ التحریم۔ الملک۔ الحاقہ۔ نوح۔ جن۔ مرسلاۃ۔ النبار۔ النازعت۔ انفطار۔ المنفقین۔ الانشقاق۔ بروج۔ فجر۔ البلد۔ الشمس۔ واللیل۔ والضحیٰ۔ الم نشرح۔ والتین۔ والقلم۔ والقدر ولم یکن۔ سورزلزلت۔ والعادیات۔ والقارعہ۔ والتکاثر۔ والعصر۔ والہمزۃ۔ وارآیت۔ والکوثر۔ والنصر۔ وتبت۔ والاخلاص۔ والفلق۔ والناس۔ فقط

وہ سورتیں جو ناسخ ومنسوخ دونوں ہیں۔ البقر۔ آل عمران۔ والنسار۔ والمائدۃ والانفال والتوبۃ وابراہیم والنحل ومریم والنبیا۔ الحج۔ والنور۔ والفرقان۔ والشعرار۔ والذاریات۔ والطور والواقعہ۔ والمجادلہ۔ والمزمل۔ والتکویر۔ فقط

وہ سورتیں جو صرف ناسخ ہیں منسوخ نہیں ہیں۔ الفتح۔ والحشر۔ والمنافقون۔ والتغابن۔ والطلاق۔ والاعلیٰ۔ فقط

وہ سورتیں جو ناسخ نہیں ہیں بلکہ منسوخ ہیں۔ الانعام۔ والاعراف۔ یونس۔ ہود۔ والرعد۔ والحجر۔ سبحان۔ والکہف طٰہٰ۔ والمؤمنون۔ والنمل۔ والقصص۔ والعنکبوت۔ والروم۔ لقمان۔ والسجدۃ۔ والاحزاب۔ والملائکہ۔ والصافات۔

وص - والزمر غافر - والمصابیح - وعسق - والزخرف - والدخان - والجاثیہ - والاحقاف - والقتال - وق - والنجم والقمر - والممتحنہ - ون - معارج - والمدثر - والقیامۃ - والانسان - عبس - والطارق - والغاشیۃ - والکافرون - فقط

مولانا عبدالرحمن صاحب محمد الدمشقی کا بیان ختم ہوگیا - انھوں نے بغیر کسی حجت ودلیل کے انقطاعی طور پر یہ فیصلہ کیا ہے اور سمجھتے ہیں جو کچھ لکھا گیا ہے ایسا مسلم ہے کہ اس میں چون وچرا کی گنجائش نہیں ہے مگر مفسرین کلام ربانی کا اس پر اتفاق نہیں ہے جو ذیل کی تحریر سے معلوم ہوگا - ہمارے فاضل امام سیوطی نے اتقان کی ۴۷ ویں نوع میں تحریر فرمایا ہے " دوسری قسم کی آیتیں ہیں جن کا حکم منسوخ ہوگیا ہے مگر ان کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی یعنی قرآن میں موجود ہیں اور اس بیان میں لوگوں نے کتابیں تالیف کی ہیں مگر سب سے زیادہ جب ہم قاضی ابوبکر بن العربی کی تحقیق وتنقید کو دیکھتے ہیں تو ایک حد تک اس فاضل کو تعریف کا مستحق پاتے ہیں کیونکہ انھوں نے منسوخ وغیر منسوخ میں ایک تمیز قائم کرکے دکھائی ہے مجکو بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ لوگوں نے اکثر آیات ایسی منسوخات میں داخل کردی ہیں جو در اصل منسوخ کیا مخصص بھی نہیں بلکہ نسخ سے اُن کو کچھ بھی علاقہ نہیں چنانچہ بطور نمونہ لکھا جاتا ہے کہ آیت مما رزقنھم ینفقون اور آیت وانفقوا مما رزقنکم اور دیگر آیات میں جن میں خرچ کرنے کا آیت زکوٰۃ کے نزول سے منسوخ ہوگئی ہیں اور علیٰ ہذا القیاس وہ آیتیں ہیں جن میں عدم جہاد کا حکم ہے اور کفار کی جور واذیت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر ودرگزر کا حکم ہے مثلاً لکم دینکم ولی دین یا مثلاً واصبر لحکم ربک یا مثلاً الیس اللہ باحکم الحکمین وغیرہا کی ایک آیت جہاد یعنی وقاتلوا المشرکین سے منسوخ ہوگئی ہیں (علامہ سیوطی فرماتے ہیں) یہ آیتیں منسوخ نہیں ہوئیں کیونکہ آیات انفاق اور آیات زکوٰۃ جمع ہوسکتی ہیں اس لیئے کہ زکوٰۃ منافی انفاق نہیں بلکہ اُسی میں داخل ہے علاوہ اسکے زکوٰۃ مانع تبرعات وصدقات نہیں ہوئی بلکہ زکوٰۃ کے ان امورات مندوبہ کا یہی حکم ہے اور اسیطرح جہاد کی ممانعت کی آیتیں اکثر موقت وموجل تھیں پس اس واسطے اُنکو منسوخ کہنا جائز نہیں اور اللہ تعالیٰ ہر وقت احکم الحاکمین ہے خواہ جہاد کی اجازت دے یا ممانعت کردے - فقط

اس کے بعد ہمارے امام فاضل سیوطی نے اتقان میں ہر سورت کی منسوخہ آیت کو لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں " ۴۳ سورتوں میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ اور ۲۵ سورتوں میں ناسخ ومنسوخ دونوں موجود ہیں اور چھ سورتوں میں بعض آیات ناسخ ہیں منسوخ نہیں اور ۴۰ سورتیں ایسی ہیں جن میں ناسخ ومنسوخ دونوں طرح کی آیتیں ہیں - اس کے بعد ہر سورت کی منسوخہ آیات کو لکھکر فرماتے ہیں - یہ سب اکیس آیات منسوخہ ہیں اور ان سے زیادہ ہرگز نہیں اور اصح یہ ہے کہ آیت و اذا حضر القسمۃ اولوا القربی والیتامی والمساکین فارزقوھم منہ وقولوا لھم قولا معروفا اور آیت یاایھا الذین اٰمنوا لیستاذنکم الذین ملکت ایمانکم الخ محکم ہیں منسوخ نہیں فقط اس صورت سے گویا سارے قرآن مجید میں ۱۹ آیتیں رہ گئیں - ابن عباس کی روایت کے بموجب آیت فول وجھک شطر المسجد الحرام کو شامل کریں تو اس حساب سے بیس پوری ہوجاتی ہیں -

اس کے بعد علامہ سیوطی نے نثر سے نظم میں آیات منسوخہ کو بیان فرمایا ہے - چنانچہ ارشاد کرتے ہیں -

قد اکثر الناس فی المنسوخ من عدد + وادخلوا فیہ ایاً لیس تنحصر

وما لحنحری ابی لا هزیدلها   عشرین حرسها الحذاق والکبر

غرضکہ علامہ سیوطی نے کل بیس آیتیں منسوخ ثابت کی ہیں اور اپنی تائید میں بڑے حذاق واکابر کا مذہب بھی یہی لکھا ہے مگر جب زیادہ تحقیق کیا جاتا ہے تو علامہ کے قول سے بھی سب نے اتفاق نہیں کیا ہے اور سب نے اپنی خداداد ذہانت اور اعلیٰ درجہ کی تحقیق سے کام لیا ہے۔ منسوخ آیتوں کی تعداد میں جوں جوں تحقیق گہرائی میں پونہچتی گئی تعداد میں کمی ہوتی گئی اور اخیر کمی ہوتے ہوتے صرف دو کی تعداد باقی رہگئی یعنی امام فخرالدین رازی نے فرمایا ہے کہ صرف دو آیتیں منسوخ ہیں لیکن محی الدین بن عربی نے اس تمام بحث کو لجملۃ واحدۃ لکھکے ختم کردیا۔

ہم قرآن مجید کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور خود اس کلام پاک سے دریافت کرتے ہیں کہ اس میں منسوخ آیتیں کتنی ہیں اور کتنی نہیں ہیں یا ایک بھی منسوخ نہیں ہے۔ مثال کے طور پر چند آیتیں پیش کیجاتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوجائے گا کہ جیسا سمجھ رکھا ہے ان آیتوں میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ۔ چنانچہ ایک آیت سورۂ بقر کے اخیر کی یہ ہے وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ یعنی جو کچھ تمہارے دلوں میں ہو ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ دونوں صورتوں میں خدا حساب لیگا پھر فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا یعنی خدا وسعت وطاقت کے موافق تکلیف دیتا ہے ہمارے علامہ سیوطی کا یہ مذہب ہے کہ وہ آخری آیت کو منسوخ مانتے ہیں مگر جو روایت اُنھوں نے اس کے منسوخ ہونیکی سند میں لکھی ہے ضعیف ہے ابن عباس وغیرہ مفسرین اسے منسوخ نہیں تسلیم کرتے یہی ہمارا مذہب ہے کہ یہ آیت کبھی منسوخ نہیں ہوسکتی خطرات قلبی جو آنی وفانی ہیں وہ بچند وجوہ داخل نہیں اولاً دلالت عقل وعرف قرینہ بینہ ہے کہ کوئی عاقل امور اضطراریہ پر مواخذہ نہیں کرتا۔ لہذا اس کے بیان کی حاجت نہیں ثانیاً دلالت نقل ایسے خطرات کے اخراج پر شاہد موجود ہے کیونکہ آیۂ ثانیہ آیۂ اولیٰ کی مخصص ہے اور نیز احادیث صحیحہ سے ظاہر ہے کہ اس آیت میں خطرات اضطراریہ داخل نہیں ہیں پس حرف جار یعنی فی، مثبت یا مستقر فعل مقدر کے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو امر نفس میں ثابت وراسخ ومستقر ہو اس کا محاسبہ ہوگا خواہ اسکو ظاہر کرو خواہ چھپاؤ۔ ظاہر ہے کہ خطرات نفسانیہ مستقرہ قابل محاسبہ ہیں ان ہی پر ایمان وکفر موقوف ہے استقرار کے بعد اضطراری نہیں رہتے کیونکہ اگر یہ خطرات برے ہیں اُن کا دفع کرنا ممکن ہے اگر وہ خطرات اچھے ہیں تو اُن کے باعث سے اعمال بھی اچھے صادر ہونگے۔ اعمال کا صدور ارادۂ قلبی اور اعتقاد پر موقوف ہے بلکہ عمل وفعل ظاہری اعتقاد باطنی کا آئینہ ہے بہرحال دونوں آیتوں میں ذرا بھی تخالف نہیں معلوم ہوتا۔

جس محمود ومسعود زمانہ میں علمار کرام تھے وہ زمانہ انتہا درجہ کے عروج کا تھا اُن کے خیال میں بھی یہ کبھی نہیں گزرا ہوگا۔ کہ ایک وہ زمانہ آنے والا ہے کہ مسلمان پست ہوجائیں گے علوم کی ترقی ہوگی آزادی کی گھر گھر ڈونڈی پٹے گی اسلام پر چاروں طرف سے اعتراضوں کا مینہ برسے گا اگر یہ خیال ہوتا تو وہ ضرور سوچ سمجھ کے لکھتے اور مخالفین کو اسقدر اعتراضات کا موقع نہ دیتے پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ بہت سے علمار ایسے ہوئے ہیں کہ اُن کی تحقیق وتنقید پر مخالفین کا زہرا نہیں ہے کہ ایک خفیف سا اعتراض بھی کرسکیں جن آیتوں کو ناسخ ومنسوخ کہا گیا ہے اُن پر ہم ایک نظر کرتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ ایک مقام پر تو یہ فرماتا ہے کل من عند اللہ یعنی ہر بات خدا کی طرف سے ہے پھر فرماتا ہے وما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک یعنی جو بھلائی آتی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے اور جو برائی ہے وہ تیری طرف سے ہے

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان آیتوں میں نہ کچھ مخالفت ہے نہ ان میں ناسخ و منسوخ ہے۔ یہ دونوں آیتیں یکے بعد دیگرے متصل ہیں اور اس طرح ہیں اینما تکونوا یدرککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ وان تصبہم حسنۃ یقولوا ھذہ من عند اللہ وان تصبہم سیئۃ یقولوا ھذہ من عندک قل کل من عند اللہ فمال ھؤلاء القوم لا یکادون یفقہون حدیثا ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک وارسلناک للناس رسولا وکفی باللہ شہیدا اب غور کرنا چاہیئے کہ آیۂ ثانیہ "فمن نفسک" حرف من تعلیلیہ ہے اور علت سبب کیواسطے آیا ہے ترجمہ ہوا کہ جو تجھے بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تجھ کو برائی پہنچتی ہے پس وہ تیری ذات کیوجہ سے ہے خواہ بطور انتقام خواہ بنظر تادیب وافادہ وغیرہ ہاں اگر یہاں بھی لفظ عند ہوتا جس طرح پہلی آیت میں عند اللہ ہے تو اس وہم کو گنجائش بھی ہوتی اور حرف من تعلیلیہ وسببیہ کلام عرب میں موجود ہے۔

یغضی حیاءً و یغضی من مہابتہ ؛ فما یکلم الا حین یبتسم (حماسہ و المغنی)

پھر خداوند تعالیٰ ارشاد کرتا ہے فان جاؤک فاحکم بینہم بما انزل اللہ یعنی حکم کیا اُنکے درمیان جیسا خدا نے تجھ پر نازل کیا علامہ طبری نے یہ فرمایا ہے کہ آیۂ لاحقہ سابقہ کی ناسخ اور سابقہ منسوخ ہے اور اکثر مفسرین کی بھی یہی رائے ہے مگر ہم ان رایوں سے اتفاق نہیں کرتے حضرت امام شافعی نے ہماری رائے کی تائید کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ امر وجوبی نہیں ہے بلکہ بمعنے مطلق اذن واباحت کے آیا ہے۔ یہ قول امام صاحب کا بہت ہی درست ہے دوسرے مقامات پر بھی یوں ہی وارد ہوا ہے جیسا کلوا واشربوا اور قل سیروا فی الارض یہاں کھانے پینے اور چلنے کا حکم وجوبی یا تاکیدی نہیں اور آیت میں بھی کوئی لفظ مشعر تاکید نہیں ہے۔ پس آیۂ سابقہ سے تخالف کہاں رہا یہاں بھی وہی اختیار باقی ہے اور حکم دینا ضرور نہیں مقصود یہ ہے کہ اگر تو حکم کرے ان میں تو بما انزل اللہ ہی سے کر۔

پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ یعنی کوئی کسی کا بوجھ نہ اُٹھائے سب اپنا اپنا بوجھ اُٹھائینگے پھر سورۂ عنکبوت میں فرماتا ہے ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم یعنی ضرور اُٹھائیں گے اپنے بوجھ اور اور بوجھ اپنے بوجھوں کے ساتھ پھر سورۂ نحل کے تیسرے رکوع میں ہے لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیمۃ ومن اوزار الذین یضلونہم بغیر علم یعنی اُٹھاویں اپنے پورے بوجھ قیامت کے دن اور انکے بوجھ جن کو بہکاتے تھے بے تحقیق بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلی آیت کا تو یہ مضمون ہے اپنی کرنی اور اپنی بھرنی اور پھر یہ ہے کہ دوسروں کے گناہ بھی اُٹھانے پڑینگے۔

یہ صرف فہم کی غلطی ہے کہ سورۂ عنکبوت اور سورۂ نحل کی آیتیں سورۂ والنجم کے خلاف سمجھی جائیں گی سورۂ عنکبوت کی آیت تو بہت صاف ہے اس میں یہ کہاں لکھا ہے کہ جنہیں بہکایا ہے اُنکے بوجھ بھی کچھ اُٹھائیں گے بلکہ صاف طور پر یہ ارشاد ہوا ہے کہ اُن کے بوجھ کے ساتھ کچھ بوجھ اُٹھائیں گے اور یہ اس واسطے ہے کہ جس طرح گمراہی کا جرم ہے اسی طرح گمراہ کرنے کا جداگانہ جرم ہے اور جب بہکانے والا اغوا کے جرم کا مرتکب ہوا تو یہ جرم اُسی کا ہوا نہ دوسرے کا ہاں چونکہ گمراہ کی معذرت کے وقت گمراہ کنندہ بھی طلب ہوگا اور دونوں کو ہمراہ سزا ہوگی لہذا لفظ "مع" فرمایا ہے لیکن بہرحال بہکانے والا اپنا ہی بوجھ اُٹھائیگا۔

سورۂ نحل کی آیت کا یہ جواب ہے کہ زبان عربی کے قاعدے کے موافق لفظ "اوزارا" قبل من کے محذوف ہے اور

اصل عبارت یہ ہے لیحملوا اوزارھم کاملۃ یوم القیٰمۃ واوزار من اوزار الذین یضلونھم الخ ابن بابویہ العکبری والطبرسی کا یہی مذہب ہے) اور حرف من یہاں تعلیلیہ اور سببیہ ہے تبعیضیہ ہرگز نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے لکھدیا ہے مطلب صرف یہ ہے کہ اپنے افعال کے پورے پورے بوجھ اٹھائینگے اور کچھ بہکنے والوں کے بوجھ کے سبب کہ اُن کو بہکایا تھا اُن سے مواخذہ ہوگا۔ یہاں اس طرح نہ فرمانے میں کہ اضلال کے سبب بوجھ اٹھائیں گے بلکہ اس ارشاد میں کہ ضالین کے بوجھ کے سبب کچھ بوجھ اٹھائیں گے۔ بڑا فائدہ اور عجیب بلاغت ہے اگرچہ پہلی طرح فرمایا جاتا تو شبہ ہوتا کہ شاید صرف بہکانے والے پر عذاب ہو ضال یعنی بہکنے والا بری ہو جائے چنانچہ کفار کے بڑے بڑے سرغنہ اور عوام مؤمنین سے یہی کہتے تھے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی چھوڑ کے ہمارے پیرو بنجاؤ اور جو تم ہماری پیروی میں گناہ سمجھتے ہو تو تمہارے گناہ ہمارے ذمہ ہیں۔ سورۂ عنکبوت میں یہ مضمون موجود ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وقال الذین کفروا للذین اٰمنوا اتبعوا سبیلنا ولنحمل خطٰیٰکم وما ھم بحاملین من خطٰیٰھم من شیءٍ انھم لکٰذبون بنی اسرائیل کے پہلے رکوع میں فرمایا ہے امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا یعنی وہاں کے امیروں کو بدی کرنیکا حکم دیا پس انھوں نے بدی کی پھر اعراف کے ۱۳ رکوع میں ہے ان اللہ لا یامر بالفحشاء یعنی خدا بُری بات کا کبھی حکم نہیں دیا کرتا۔ بعض مفسروں نے اِن دونوں آیتوں میں ایک کو ناسخ اور ایک منسوخ مانا ہے مگر ہمارے خیال میں نہ کوئی ناسخ ہے نہ منسوخ۔ اس آیت کے معنی کئی طرح سے ہو سکتے ہیں اور جو معنے اوپر بیان ہوئے وہ بھی نادرست نہیں ہیں کیونکہ جس مفسر نے یہ معنے لکھے ہیں اُس نے اُس کا جواب بھی لکھدیا ہے کہ فسق کا امر کرنا حقیقۃً نہیں مجازاً ہے بایں معنی کہ ہمنے اُن کو دولت نعمت دی اور وہ باعث فسق ہوئی پس عطاء نعمت کو امر تعبیر کیا ہے۔

اعتراض یہ ہو سکتا ہے کہ بعد امر کے جو کچھ واقع ہو سکتا ہے امر کا مامور بہ سمجھا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی کہے امرتہ فقام امرتہ فقرأ تو یہاں بجز قیام اور قرأت کے کچھ اور مامور بہ نہیں سمجھا جاتا ہے اس لیئے یہاں بھی امرنا کا مامور بہ فسق ہونا چاہیئے ہم کہتے ہیں یہ قاعدہ درست ہے مگر اس قاعدے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ جب امر کے بعد ایسا لفظ واقع ہو جو امر کا مامور بہ نہو سکے تو وہاں وہ لفظ مامور بہ نہوگا بلکہ کچھ اور ہوگا مثلاً کوئی کہے امرتہ فعصانی وامرتہ فلم یمتثل ودعوتہ فابی تو اس مقام پر عصیان یعنی نافرمانی کا امر کرے جسکو بالفعل کہتا ہے بلکہ اُس کے یہ معنی ہیں کہ میں نے اُسے اطاعت کا حکم کیا پس اُس نے نافرمانی کی اور میں نے اُسے اجابت وقبول کے لیئے بلایا پس اُس نے انکار کیا ایسے مقام پر ضرور لفظ ”طاعت“ اور ”اجابت“ مامور بہ ہوتے ہیں اور بوجہ مقابلہ اور بوجہ مخالفت عقلیہ مذکورہ کے عقل اس مقدر کو فوراً سمجھ لیتی ہے کسی کی تعلیم کی حاجت بھی نہیں ہوتی اور یہ بھی لکھا ہے کہ لفظ امر کیواسطے کچھ مامور بہ نہیں ہوتا مثلاً کہتے ہیں یامر وینھی یعنی فلاں شخص حکم کرتا ہے اور نہی کرتا ہے (قول علامہ زمخشری) اس بحث کے بعد ہم کہتے ہیں کہ جب لفظ فسق معنے لغوی خروج از طاعت یا ترک امر ہیں تو امرنا ففسقوا مثل امرتہ فعصانی کے ہوگیا چنانچہ سید مرتضی فرماتے ہیں انما یجری ھذا مجری قول القائل امرتہ فعصی ودعوتہ فابی والمراد انی امرتہ بالطاعۃ ودعوتہ الی الاجابۃ والقبول اور علامہ طبرسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں ومثلہ امرتک فعصیتنی پھر عقل کیونکر تجویز کر سکتی ہے کہ خروج از طاعت اور ترک امر فعل امرنا کا مامور بہ ہو مگر بطور مجاز بلاشک۔ اس وقت بوجہ مقابلہ کے لفظ طاعت مامور بہ مقدر ہے جس طرح امرتہ فعصانی میں ہم

بیان کر چکے ہیں اور یہی روایت ابن عباس اور سعید بن جبیرؓ سے مروی ہے کہ امرنا کا مامور بہ لفظ طاعت ہے اور دیگر نصوص قرآنیہ بلکہ ماقبل آیہ مذکورہ و ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا بھی اسی کا قرینہ ہے کہ طاعت مامور بہ ہے۔

مخالفین اسلام نے ناسخ و منسوخ سے فائدہ اٹھا کے وہ وہ اعتراضات قرآن مجید پر کیئے ہیں کہ معمولی لیاقت کے آدمی کو ٹھہرا دینے کے لیئے کافی ہیں چنانچہ ہم مثلاً دو ایک اعتراض نقل کرتے ہیں ایک مخالف اسلام کہتا ہے کہ سورۂ نمل میں لکھا ہے سآتیکم "میں تمھارے پاس آؤنگا یہ قطعی وعدہ ہے مگر سورہ طٰہٰ میں لکھا ہے لعلی آتیکم" شاید میں تمھارے پاس آؤں ضرور ایک آیت ان میں سے ناسخ اور دوسری منسوخ ہے۔ ہمارے خیال میں یہ اعتراض زیادہ وقعت نہیں رکھتا مگر پھر بھی ہم اس میں علمی بحث کرتے ہیں مگر جواب سے اس کے اثبات کے لیئے لعل کا کچھ حال بیان کرتے ہیں صحاح و صراح میں لعل کی نسبت یہ لکھا ہے وھی کلمۃ شک اصلھا عل واللام زائدۃ قاموس میں لکھا ہے لعل کلمہ طمع و اشفاق نہایہ ابن اثیر میں ہے لعل وھی کلمۃ رجاء وطمع او شک وقد جاءت فی القرآن بمعنی کی وقیل اصلھا عل واللام زائدۃ وفی حدیث حاطب ما یدریک لعل اللہ قد اطلع علی اھل بدر الخ ظن بعضھم ان معنی لعل ھنا من جھۃ الظن والحسبان ولیس کذالک وانما ھی بمعنی عسی ولعل من اللہ تحقیق انتھی اس پر بھی کچھ منحصر نہیں نحو کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ لعل استفہام کے واسطے بھی آتا ہے مثل لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا (معنی) پس یہاں لعل شک کے واسطے نہیں جس طرح معترض نے ترجمہ کیا ہے کہ شاید میں تمھارے پاس آؤں بلکہ یہاں لعل بمعنی عسی یعنی عنقریب لاتا ہوں میں آگ سے چنگاری اور یہی پہلی آیت کا مطلب ہے کیونکہ حرف سین اور سوف مضارع پر معنے عنقریب کا فائدہ دیتے ہیں۔ اہل لغات سے بھی قطع نظر کر کے دیکھیں تو شعرائے عرب نے بھی اسے پورا حل کر دیا ہے چنانچہ نافع اسعد الحماسی کہتے ہیں

ولست بلواہ علی الامر بعد ما   یفوت ولکن عل ان تقدما

پھر شارح علی بن زکریا کہتا ہے یقول اذا فاتنی امل الاحجر علی نفسی باللوم الکثیر تحسرا فی اثرہ لکننی حقیق بان اتقدم فی تحصیلہ قولہ عل وھو حرف موضوع للطمع والاشفاق واسمہ مضمر کانہ قال ولکن لعلنی ان اتقدم ھو یجئ بان و ان واذا کان ماء ہ ان افاد فائدۃ عسے واذا جاء بغیر ان کان الفعل اقرب وفی عامۃ ان للاستقبال لعل وان کان حرفا یعد مع افعال المقاربۃ وھی عسا و کاد ایک شاعر کہتا ہے۔

لعلک یوما ان تلم ملمۃ   علیک من اللائی ید عنک اجدما

پھر صاحب مغنی لکھتا ہے وقیترن خبرھا ای خبر لعل بان کثیرا حملا علی عسی

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں لعل بمعنی کے تعلیلیہ یعنے سبب کے واسطے بھی ہو سکتا ہے اور اس صورت میں لعلی آتیکم فعل امکثوا کے واسطے تعلیل ہے اور انی انست نارا جملہ معترضہ مطلب یہ ہے کہ موسیٰ نے اپنے عیال سے کہا کہ تم ٹھہر جاؤ تاکہ میں آگ لے آؤں میں نے آگ دیکھی ہے۔ اسکی سند میں دو شعر مفصلہ ذیل ہیں۔

وقلتم لنا کفوا الحروب لعلنا   نکف و وثقتم لنا کل موثق

فلما کففنا الحروب کانت عھودکم   کلمح سراب فی الملاء المتالق

یہاں لعل بمعنی کی ہے۔ یہاں تک ایک اعتراض اور اس کا جواب ختم ہو گیا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ سورۂ بقر میں

آیا ہے کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة یعنی فرض کیا گیا تم پر جب موت آئے تو وصیت کرے مگر آیت توریث اس آیت کی ناسخ ہے ایک حدیث میں بھی آیا ہے لا وصیة للوارث یعنی کسی وارث کے لیے کچھ وصیت کی حاجت نہیں۔ اگرچہ مفسرین کی کثیر جماعت نے اس آیت کو منسوخ لکھا ہے لیکن محققین اسے منسوخ نہیں سمجھتے۔ حدیث کیطرف اگر خیال کریں تو اس حدیث کی سند غیر مسلم ہے اور اس حدیث کو معتبر سمجھنا مغالطہ ہے اور بفرض تسلیم خبر احاد کے دائرہ سے نہیں نکل سکتی۔ بیضاوی میں اسکی تصریح پورے طور پر آگئی ہے ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ تین حدیثیں اسکی معارض موجود ہیں چنانچہ ما من مات بغیر وصیة مات میتة جاهلیة ومن لم یحسن وصیة عند موت کان نقصا فی مروته وعقله وما ینبغی لامرء مسلم ان یبیت الا ووصیة تحت راسه ہمارا خیال تو یہ ہے کہ کسی حدیث سے قرآن کی کسی آیت کا منسوخ سمجھنا نہایت ناجائز ہے کیونکہ خبر ظنی ہے اور اس سے موضوعیت کا بھی احتمال ہے اور قرآن قطعی اور یقینی ہے اور ظن یقین کا معارضہ نہیں ہو سکتا اس پر طرہ یہ کہ اجماع ثابت نہیں اور اگر اجماع ہو بھی تو قرآن مجید کے مقابلہ میں اجماع کی کچھ اصل ہے۔ ہمارے بعض علماء کا یہ بیان ہے کہ آیۂ توریث کی مخالفت آ کے واقع ہوئی ہے اور علامہ سیوطی نے بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے اور آیہ کو آیات منسوخہ کی فہرست میں شریک کر دیا ہے مگر ہم علامہ سیوطی کے حجت نہیں سمجھ سکتے۔ ہمیں خدا نے عقل اور علم دیا ہے جس سے ہم بطور خود تحقیق و تدقیق کر سکتے ہیں خود بیضاوی بھی سیوطی کے قول کو تسلیم نہیں اور علامہ زمخشری وغیرہ نے بھی منسوخیت کا انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ آیۂ توریث اور آیۂ وصیت میں منافات نہیں ہے۔ بلکہ بیضاوی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ آیۂ توریث آیۂ کریمۂ وصیت کی موکد ہے اور حق بھی یہی ہے کیونکہ مخالفت اسوقت ہوتی جب کہ دونوں حکم جمع نہ ہو سکتے حالانکہ دونوں حکم جمع ہو سکتے ہیں ہاں اگر فرق نکلے گا تو اسقدر کہ آیۂ توریث سے آیۂ وصیت کے وجوب کا نسخ ہو سکتا ہے۔ استحباب یا جواز باقی ہے اور یہ جواز منافی وجوب نہیں کیونکہ جملہ فروض و محرمات و ممنوعات و مکروہات جو خدا نے تعالیٰ نے خود فرمائے ہیں انکی نسبت عباد پر بھی تاکید ہے کہ تم بھی اپنے توابعین پر ان احکام کیواسطے حکم کرو مثلاً باپ کو حکم ہے کہ اولاد کو صوم و صلوٰۃ کا حکم کرے اور تاکید کرے اور اگر وہ اسکی تعمیل نہ کریں تو انکو مارے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ہر شخص پر واجب کیا ہے حالانکہ خدا کے حکم کے بعد عباد کے حکم کی کیا اصل ہو۔ سورۂ طٰہٰ میں فرمایا ہے وأمر اهلك بالصلوٰة یعنی اے رسول اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم کر حالانکہ خود خداوند تعالیٰ نے حکم کر دیا ہے غرضکہ خدا کا حکم فرمانا اور پھر اسکی نسبت عباد پر حکم کرنا باہم منافی نہیں۔ ہمیں خوب یقین ہے کہ جو شخص موکدات پر غور کرے جیسا کہ فرمایا ہے حقا علی المتقین اور بعدہٗ فرمایا ہے فمن بدله بعد ما سمعه فانما اثمه علی الذین یبدلونه ان الله سمیع علیم وہ ہرگز اس آیت کو منسوخ نہیں کہنے کا۔ علامۂ زمخشری نے بھی اسکی عدم منسوخیت پر چند توجیہ لکھی ہیں جن سے وہی نتیجہ نکلا ہے جو ہمارے بیان سے اخذ ہو سکتا ہے۔

پھر ایک اور آیت ہے جسے قریب قریب بالاتفاق سب نے منسوخ مانا ہے چنانچہ ایک جگہ تو بقر میں فرمایا ہے وعلی الذین یطیقونه فدیة یعنی جو کوئی روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے وہ ایک غریب کو کھانا کھلائے بعوض اپنے روزے کے پھر فرمایا فمن شهد منکم الشهر فلیصمه یعنی جب رمضان کا مہینہ آوے تو تم سب روزے رکھو۔ بظاہر اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ناطاقت اور طاقتور دونوں کو حکم ہے اس بنا پر پہلی آیت جس میں بسبب ضعف اور ناطاقتی کے روزہ رکھنے کی بجائے غریب کے کھانا کھلادینے

کا حکم ہے منسوخ ہے۔ افسوس ہے کہ اس پر کل مفسر یکزبان ہیں مگر ہم ہرگز اتفاق نہیں کرتے بلکہ مزید براں ہمارا یہ خیال ہے کہ ایک آیت دوسری آیت کی تائید کرتی ہے اور تائید بھی نہایت پرزور الفاظ میں ہم اس پر بالتفصیل بحث کرنا چاہتے ہیں تاکہ معرکہ کا مسئلہ معرض التوا میں نہ پڑا رہے اور ایک حد تک اس عمدگی سے حل ہو جائے کہ پھر اس میں چون وچرا کی گنجائش نہ رہے پہلی آیت میں تو یہ لکھا ہے کہ جو کوئی روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھے وہ ایک غریب کو کھانا کھلائے یعنی بعوض اپنے روزے کے پھر یہ فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آوے تم سب روزے رکھو یہاں بظاہر بیماروں یا مسافروں کو مستثنے نہیں کیا ہے۔

علماء نے محض بلا توجہ اور غور ان میں سے ایک آیت کو ناسخ اور ایک کو منسوخ قرار دیدیا ہے حالانکہ یہ بات ہرگز نہیں ہے ان آیتوں میں ناسخ ومنسوخ کو دخل دینے سے غرض ہی کیا ہے جب پہلی آیت میں مستثنیٰ کر دیا گیا ہے تو پھر دوسری آیت میں اسکی توضیح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام میں اسقدر جبر ہے کہ ایک ایسا شخص جس میں واقعی روزہ رکھنے کی طاقت نہیں ہے اور وہ بسبب مرض کے یا زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے ایسا ضعیف ہو گیا ہے کہ روزے سے اس کی ہلاکت متصور ہے کون شخص اس یقین پر بھی اسے مجبور کر سکتا ہے کہ وہ روزہ رکھے۔ اگر پہلی آیت نہ بیان فرمائی جاتی اور صرف دوسری آیت پر اکتفا کیا جاتا تو بھی استثنا ہو سکتا تھا کسی امر کی تعمیل اسی شخص پر ہمیشہ واجب ہوا کرتی ہے جو اسکے قابل بھی ہو۔

جہاں قرآن مجید میں جہاد کے احکام آئے ہیں وہ احکام اگرچہ عام ہیں لیکن ان میں بھی استثنا موجود ہے۔ کبھی مریض۔ لنگڑے لولے بوڑھے جو بمشکل لکڑی کے سہارے چل سکتے ہوں میدان جنگ میں آنے پر مجبور نہیں کئے گئے۔ یہ کیوں ہوا اور کیوں انھیں مجبور کیا گیا کہ وہ گرز خارا شگاف سے میدان کارزار میں لڑکے دشمنوں کا بھیجہ پاش پاش کریں عقل اس بات کی شہادت دیتی ہے قرآن مجید کی روشن آیتیں اول سے اخیر تک اسی حکمت بالغہ سے بھری ہوئی ہیں۔ صرف توجہ اور فکر درکار ہے ہر نکتہ اور کل غوامض خداوندی آسانی حل ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید میں جبکہ بارہا نماز وزکوٰۃ کا حکم ہے اور کہیں بھی کوئی نفس مستثنیٰ نہیں کیا گیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مجانین پر اگر وہ نماز نہ پڑھیں کسی شیخ الاسلام یا مفتی کا فتوی جاری نہیں ہو سکتا نہ کسی قاضی کی طرف سے کبھی شریعت کے تعزیری احکام جاری ہوئے ہیں۔ یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ خطاب ان ہی لوگوں سے کہا جاتا ہے جو اسکے اہل ہوں اور جن میں ان احکام کے تعمیل کی اہلیت نہیں ہے وہ ہمیشہ ان احکام کی تعمیل سے بری کئے گئے ہیں۔ دنیا میں جتنے قوانین کہ اس وقت رائج ہیں خواہ وہ انسان کی طرف سے ہوں یا خدا کی طرف سے سب میں فطرتاً اس قسم کا استثنا لازمی طور پر ماننا پڑیگا۔ اور کبھی کسی حالت میں کوئی شخص اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

وہ روحانی سختیاں جسے ہم نفس کشی سے تعبیر کرتے ہیں وہ زبردست مہلک مجاہدے اور مراقبے جو دوسرے مذاہب میں شدومد سے جاری تھے اسلام نے یہ کہکے ان کا قلع قمع کر دیا کہ خدا کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر جہانتک اسکی وسعت ہو وہ باتیں جو معرفت کی اعلیٰ رہبر گنی جاتی ہیں اور جن کے ذریعے سے فنا فی اللہ ہونے میں امداد ملتی تھی انکی اسلام نے علی الاعلان تکذیب کی اور بتادیا کہ نفس کشی اور مجاہدے کا نام خدا پرستی نہیں ہے۔ اسی طرح روزہ جو تمدن انسانی کا درحقیقت ایک بہت بڑا جزو ہے اور جس سے انسان کو سکھایا جاتا ہے کہ تو اپنے سرکش نفس یا قوائے خلقی کو قوائے عقلی کے کیونکر تابع رکھ سکتا ہے یا اپنے ناجائز جذبات دلی کو کیونکر محو یا فنا کر سکتا ہے۔ یہ تعلیم ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے

اور اس سے بہتر اور کوئی تعلیم تزکیہ نفس اور انسان بننے کی نہیں ہو سکتی۔ مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی ارشاد کیا گیا ہے کہ جنکو طاقت نہ ہو وہ چند مساکین کو کھلا دیا کریں۔ اس حکم میں بہت بڑی حکمت بالغہ مضمر ہے اور اُس حکمت کو یہ ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ حکمت یہ ہے کہ اگر یہ حکم نہ دیا جاتا تو وہ لوگ جو درحقیقت روزہ کی طاقت نہیں رکھتے اور فطرۃً معذور ہیں روزہ رکھنے پر مجبور کیئے جاتے اس لیئے کہ رمضان المبارک سال میں ایک بار دورہ کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہر شخص کو اُن کی آؤ بھگت ضرور ہوتی ہے اور وہ طوعًا و کرہًا اُن کا خیر مقدم کرتے اور اس طرح اپنی جان ہلاکت میں ڈالتے۔ یہی وجہ تھی کہ ناطاقتوں کا استثنا کر دیا۔ اور ضرورت بھی بہت بڑی داعی ہوئی کہ ایسا حکم ضرور دیا جاسئے اگر اور اوامر کی طرح کمزوروں اور کم قوتوں کا استثنا نہ بھی کیا جاتا جب بھی وہ عقلاً ہر حالت میں معذور تھے لیکن اس استثنا میں وہی حکمت تھی جو اوپر ہم بیان کر چکے ہیں۔ نماز جسکی تاکید سے سارا قرآن مجید بھرا ہوا ہے اور جہاں کبھی کسی وقت کسی نفس کو بھی مستثنی نہیں کیا ہے پھر بھی عورت و مرد کی بہت سی فطری حالتوں نے خود بخود استثنا کر دیا ہے جیسے ہر عاقل و بالغ شخص خوب سمجھتا ہے۔ انسان کے حالات کی تبدیلیوں نے نماز کے اصول میں بہت کچھ تراش خراش پیدا کر دی ہے۔ ایک مریض جو جنبش نہیں کھا سکتا اشاروں سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ ایک سپاہی جو میدان جنگ میں لڑ رہا ہے اگر اُسے گھوڑے سے اتر کے نماز پڑھنے کا موقع نہیں ہے تو گھوڑے کی پشت پر نماز پڑھ سکتا ہے۔ مسافر کے لیئے بے انتہا آسانی کر دی گئی ہے وہ صرف دو رکعت ہی پر اپنی ایک وقت کی نماز محدود کر سکتا ہے۔ ایسی ایک عورت جس کا وضع حمل ہوا ہے مدت مقررہ تک نماز سے معاف کی گئی ہے۔ ایک مجنون فطری طور پر نماز روزے سے معذور ہو جاتا ہے اور کوئی قاضی یا مفتی اُسے آنکھ بھر کے بھی نہیں دیکھ سکتا۔ نابالغ بچے شریعت کے اوامر و نواہی سے آزاد کئے گئے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب ہر فرض اور شریعت اسلامی کے ہر اصول میں تبدیل حالات انسانی پر تبدیلی لازم آتی ہے پھر کیوں اور کس وجہ روزہ میں تبدیلی نہ کیجاسئے اور کسی قاعدے سے اُس میں استثنا نہ کیا جاسئے۔ اسلام کے اصول جبکہ فطرۃ انسانی پر مبنی ہیں اور جن میں نفس کشی جبر و اکراہ وغیرہ کا نام تک نہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ایسا کم طاقت شخص جو واقعی روزے نہیں رکھ سکتا مجبور کیا جا سکتا ہے کہ خواہ وہ ہلاک ہی کیوں نہ ہو جاسئے مگر روزے رکھے یہ صرف فہم کی غلطی ہے ورنہ اسلام نے تو کبھی کوئی جبر نہیں کیا۔

یہ خود بخود تسلیم کرنا پڑیگا کہ دنیا میں ایک یہی مذہب ہے جسکے اُصول اسقدر سہل اور آسان ہیں کہ ہر ملک ہر مرز بوم اور ہر کشور کا شخص بآسانی ان پر عملدرآمد کر سکتا ہے۔ پانچوں وقت کی نماز معمولی زکوٰۃ سال بھر میں ایکبار حج بشرطیکہ استطاعت بھی ہو اور سال میں ایک مہینہ روزے بشرطیکہ قوت بھی ہو اور بس یہ اسلام ہے اور یہ اُسکے اصول ہیں۔ فقہی ہیر پھیر کو علیحدہ کر کے اگر ہم ابتدائی اسلام کو دیکھیں گے تو ہمیں معلوم ہو جائیگا کہ اسلام کیا تھا اور ہم نے اسے کس قدر ہوا بنا رکھا ہے جو دو آیتیں جن میں نسخ کو دخل دیا گیا ہے حق یہ ہے کہ اس عیب سے بالکل پاک ہیں۔ یہ دونوں آیتیں درحقیقت لازم و ملزوم ہیں اور ایک آیت دوسری آیت کے بغیر کوئی معنی نہیں دے سکتی۔ علمائے کرام نے جو کچھ لکھا ہے وہ اگرچہ نیک نیتی اور سچے جوشِ اسلام سے تحریر کیا ہے مگر ہم مجبور نہیں ہیں کہ آنکھیں بند کر کے اُنکی رائے کو مانیں ہمیں تمدن انسانی اور فطرت انسانی کی ترازو میں ہر حکم وزن کرنا چاہیئے اور جب تک وزن ٹھیک نہ ہو کبھی ایسی چیز کو قبول نہ کرنا چاہیے۔ قرآن مجید

ہیں نہ کوئی آیت ناسخ ہے نہ منسوخ ہے اور ہمارا الیقین اور ایمان گوارا نہیں کرتا کہ کلامِ خدا میں خفیف سا نسخ بھی ممکن ہے اس خیال سے ہمارا کلیجہ کانپا جاتا ہے اور اس بیان سے ہمارا جگر پاش پاش ہوا جاتا ہے۔

ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ خداوند تعالیٰ انسان کو بقدر وسعت تکلیف دیتا ہے اور اول سے اخیر تک قرآن مجید میں اس اصول کو بے انتہا نبھایا گیا ہے یہاں تک ہوا ہے کہ اگر کوئی ایسا حکم ہوا کہ مومنین بعد ازاں اُس کے متحمل نہ ثابت ہوئے تو فوراً اُس میں ترمیم کر دی۔ ترمیم کے لفظ سے یہ غرض نہیں ہے کہ حکم سابق منسوخ ہو گیا بلکہ اُس کے یہ معنی ہیں کہ اگر اس طرح عمل کرو تو بھی درست ہے اور اُس طرح عمل کرو تو بھی درست ہے مثلاً پہلی آیت تو یہ ہے کماکتب علی الذین من قبلکم یعنی تم پر روزہ فرض ہے جس طرح تم سے اگلوں پر تھا۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ شب کو ہمبستر ہونے کی اجازت اپنی بی بیوں سے بھی لیکن جب مسلمانوں کے قوائے فطری کے یہ حکم کسیقدر خلاف ہوا اور اُنھیں سخت تکلف سے اس کی تعمیل کرنی پڑی تو یہ حکم آیا احل لکم لیلۃ الصیام الرفث یعنی حلال اور جائز ہے روزہ کی شب میں اپنی بی بیوں سے ہمبستر ہونا۔ اس آیت کی شانِ نزول علامۂ طبری۔ زمخشری اور بیضاوی نے یہ لکھی ہے ابتدا ًسو نے کے بعد شب میں کھانا حرام اور جماع مطلقًا رمضان میں حرام تھا۔ عبداللہ بن جبیر کو ایک گھاٹی پر منجملہ پچاس تیر اندازوں کے مقرر کیا کچھ عرصہ کے بعد اکثر اشخاص منتفرق ہو گئے کل بارہ آدمی اُس جگہ رہ گئے حضرت عبداللہ بن جبیر وہاں شہید ہو گئے آپ کے بھائی مطعم بن جبیر بہت بوڑھے تھے اور اُنھوں نے روزہ پر روزہ بھی رکھا جب شب کے کھانے میں ذرا دیر ہوئی تو آپ کو نیند آ گئی۔ جب جاگے تو اپنے اہل وعیال سے کہا کہ اب کھانا حرام ہے۔ ناچار بھوکے سو رہے۔ دوسرے دن پھر روزہ رکھا اور بدستور خندق کھودنے لگے ایک تو آپ ضعیف تھے دوسرے روزہ پر روزہ رکھا تھا ضعف سے غش آ گیا۔ حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے آپکی یہ افسوسناک حالت ملاحظہ فرمائی اور شب کی کیفیت بھی گوش گزار فرمائی آپ نے بہت ہی تاسف کیا اور آپ کو بے انتہا صدمہ ہوا اسی اثنا میں قیس بن صرمہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے شب کو اپنی زوجہ سے جماع کیا اور بھوکا سو رہا اور جب جاگا تو کھانا نہ کھا سکا اسوقت حضرت فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے آپنے بھی اسی صورت سے اپنی حالت بیان کی :........

.... بیضاوی نے صرف حضرت فاروق اعظم ہی کا ذکر کیا ہے قیس کا کوئی بیان نہیں تحریر کیا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی اور فجر تک اکل وشرب اور جماع کی اجازت ہو گئی۔ اگر ہم یہ شانِ نزول جو یہاں ہوئی نہ بھی تسلیم کریں اور صرف آیتوں پر غور کریں تو ہمیں کھلجائیگا۔ کہ عام حکم شے کے اُسے چند قیود سے آزاد کر دیا ہے پہلے تو یہ فرمایا کہ مثل اگلوں کے تم پر روزے فرض ہیں اور پھر اُنکی بابت مفصل بیان کر دیا کہ ان امور میں تمھیں اگلوں کی تقلید کرنی غیر ضروری ہے۔ اس میں بہت بڑی حکمت ہے اور غور کرنیکے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کیا کیا تمدنی جوہر اس میں پوشیدہ ہیں دکھایا گیا ہے کہ سابق میں تمدن انسانی اور فطرت انسانی کا پاس ولحاظ ذرہ برابر نہیں ہوتا تھا اسلام چونکہ عین فطرت ہے اس لیئے دونوں احکام بیان کر کے موازنہ کر دیا گیا ہے اور بتا دیا گیا ہے کہ اسلام اور یہودیت ونصرانیت میں یہ بین فرق ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس صورت اور کس وجہ سے ہم ایک آیت کو ناسخ اور ایک کو منسوخ کہسکتے ہیں جبکہ عام حکم دیکھے چند بیہودہ قیود سے آزاد کر دیا ہے

اس کے علاوہ اور بھی دو آیتوں میں اختلاف ہی اور جب کل مفسروں نے باتفاق ناسخ و منسوخ کے دایرہ میں رکھا ہی اور وہ آیتیں یہ ہیں والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا یتربصن بانفسہن اربعۃ اشہر و عشرا فاذا بلغن اجلہن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسہن بالمعروف واللہ بما تعملون خبیر یعنی اور تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو عورتوں کو چاہیئے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے کو روکے رکھیں پھر جب اپنی عدت پوری کریں تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق میں کریں اس کا تم پر کوئی الزام نہیں اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کو اُسکی خبر ہی پھر سورہ بقر میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے والذین یتوفون منکم و یذرون ازواجا وصیۃ لازواجہم متاعا الی الحول غیر اخراج فان خرجن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسہن من معروف واللہ عزیز حکیم یعنی اور جو لوگ مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو اپنی بیبیوں کے حق میں ایک برس تک کے سلوک (یعنی نان و نفقہ) اور گھر سے نہ نکالنے کی وصیت کر مریں۔ پھر اگر عورتیں از خود گھر سے نکل کھڑی ہوں تو جائز طور پر جو کچھ اپنے حق میں کریں اس کا تم پر کچھ گناہ نہیں اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے،، ایک آیت میں چار مہینے اور دس دن کی مدت ہے اور ایک آیت میں برس دن کی مدت ہے۔ مدت کے اختلاف نے جمہور مفسرین کو دھوکے میں ڈالدیا ہی حالانکہ غور کر نیکے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایک حکم کو دوسرے حکم سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے وہ حکم علیحدہ ہے اور دوسرا حکم علیحدہ ہے۔ خوب غور کرنیکے بعد یہ راز کھلجاتا ہے مثلاً پہلے حکم میں یہ بیان ہوا ہے کہ تم میں سے جو لوگ مرجائیں اور بی بیاں چھوڑ مریں تو عورتوں کو چاہیئے کہ چار مہینے اور دس دن اپنے کو روکے رکھیں اور جب اپنی عدت کے یہ دن پورے کر چکیں تو انھیں جائز طریقہ سے زندگی بسر کرنیکی اجازت ہے اور وہ بالکل آزاد ہیں کہ جائز طور پر کسی دوسرے شخص سے نکاح کریں یا نہ کریں۔ یہاں صرف عورتوں کو حکم دیا گیا ہی مگر دوسری آیت میں مردوں کے لئے حکم ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں سے یہ وصیت کرجائیں کہ ایک سال تک وہ نان و نفقہ دیئے جائیں لیکن ساتھ ہی اسکے یہ بھی فرمایا ہی کہ اگر عورتیں اپنے عدت کے دن پورے کرکے از خود اپنے گھر سے نکل کھڑی ہوں اور دس دن چار مہینے سے زیادہ نہیں تو جائز طور پر اُن عورتوں کو آزادی ہے کہ جو چاہے جو کچھ اپنے حق میں کریں یہ دونوں احکام باہمدگر جس طرح علیحدہ علیحدہ ہیں اسی طرح لازم و ملزوم بھی ہیں عرب میں قاعدہ تھا کہ جہاں کوئی شخص مرا اور اس کی کوئی اولاد نہ ہوئی فوراً اُس کی بی بی کو نکال دیا جاتا تھا یا عورت خود نکل کھڑی ہوتی تھی اس لئے ادہر تو عورتوں کو تاکید کی بشرطیکہ وہ جائز طریقہ سے زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جمہور مفسرین نے کیوں اور کس بنا پر ان میں سے ایک آیت کو ناسخ اور دوسری کو منسوخ لکھا ہی جبکہ احکام میں سوائے تطابق کے مخالفت کا نام بھی نہیں ہے۔

ایک اور آیت ہی جس کی نسبت منسوخیت کا الزام لگایا گیا ہے اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ منسوخ ہے حالانکہ نسخ سے اُسے بھی کچھ تعلق نہیں چنانچہ ایک جگہ فرمایا ہے کہ تمہارا دین تمہارے لیئے اور ہمارا دین ہمارے لیئے اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ جہاں پاؤ اُنھیں قتل کرو سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس بنا پر ایک کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ کہا جاتا ہے۔ یہ حکم کہ جہاں پاؤ اُنھیں قتل کرو محض عہد شکنی پر دیا گیا تھا اور اُن ہی ظالم کا انتقام لینا تھا جو کفار مکہ نے عہد شکنی کرکے مسلمانوں پر توڑے تھے یہ حکم اس لیئے نہیں دیا گیا تھا کہ اُنھیں جبراً مسلمان بنایا جائے کیونکہ یہ صاف بیان ہو چکا ہے کہ دین میں زبردستی نہیں ہے۔ نہ قرآن مجید سے ایسا کہیں ثابت ہوتا ہی کہ دین کے لیئے تلوار اُٹھائی گئی ہو نہ کسی

تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے تمھارا دین تمھارے لئے اور ہمارا دین ہمارے لیئے ہے یہ آیت کیونکر منسوخ ہو سکتی ہے جبکہ ہر جگہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ تمھارا دین تمھارے لیئے ہے اور ہمارا دین ہمارے لیئے ہے۔ اس آیت سے نہ جہاد کی ممانعت ثابت ہے اور نہ آیت جہاد کے احکام میں کسی قسم کی مزاحمت کر سکتی ہے۔ ہر شخص کے دین کے اعمال اور اُن کا نتیجہ صرف اُسی کی ذات پر محدود ہے دوسرے پر اُس کا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا۔ مثلاً فرض کرو کہ عیسائی صلیب پرستی کرتے ہیں مقدس مریم کے آگے سربسجود ہوتے ہیں ہندو بت پرستی کرتے ہیں اور بتوں کے آگے سجدہ کرتے ہیں تو اُن کے یہ اعمال اُن ہی تک محدود ہیں اس قسم کے حالات دیکھنے سے ہم پر کوئی الزام قائم نہیں ہو سکتا وہ جانیں اور اُن کا کام جو کچھ کرینگے اُس کا بھلا بُرا نتیجہ بھگتیں گے ایک شخص کے نیک و بد اعمال کی کسی دوسرے شخص کو جزا سزا نہیں ملتی۔ جب یہ آیت اسقدر صاف ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے منسوخ کیوں کیا گیا ہے اور کس بنا پر جمہور علماء نے اسے منسوخ مان لیا ہے اسیطرح جتنی آیتیں ہیں اور جنکو منسوخ کیا گیا ہے اُنھیں فی الحقیقت نسخ سے کوئی بھی تعلق نہیں اب ہم ناسخ و منسوخ پر فقیہانہ بحث کرتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ فقہا نے اس پر کیا بحث کی ہے اور ان کا منشا کیا ہے اصولِ فقہ کی کتابوں میں چونکہ اس بحث کو بہت شرح و بسط سے بیان کیا ہے اور ہمیں اسکے پورے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیئے مختصر بیان کیا جاتا ہے یہ مسلم ہے کہ حجج شرعیہ بیان کے متحمل ہوتے ہیں اور ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے بیان کی پانچ قسمیں کی ہیں (اول) بیان تقریر یعنی کلام کی تاکید جس سے مجاز کا احتمال کچھ بھی باقی نہ رہے (دوم) بیان تفسیر مثل صلوٰۃ۔ صیام اور زکوٰۃ کے بیان کے (سوم) بیان تغیر مثل استثنار کے جس سے یہ بات ظاہر ہو کہ منجملہ اُن چیزوں کے جن کو کلام متناول تھا بعض مراد ہیں نہ کل (چہارم) بیان ضرورت یعنی کوئی لفظ تو ایسا نہ بولا گیا ہو جو اُس بیان پر دلالت کرے مگر سکوت مراد پر دلالت کرتا ہو مثلاً وورثہ ابواہ فلامہ الثلث چونکہ اس کلام سے یہ بات تو محقق ہوئی کہ میراث کے مستحق بجز ماں باپ کے اور کوئی نہ ہوں اور حصر میراث کا ان ہی دونوں میں ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ان دونوں میں سے ماں صرف ایک ثلث کی مستحق ہے پس گو کہ دو ثلث کی نسبت سکوت ہے لیکن چونکہ حصر میراث اُن ہی دونوں میں تھا یہ سکوت ہی بیان ہے اس امر کا کہ دو ثلث باقیماندہ کا مستحق باپ ہے یا مثلاً وطعام الذین اوتوا الکتب حل لکم مشرکین کے ذبایح کی حرمت کا بیان ہے اس لیئے کہ اُس زمانہ میں اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کے ذبائح سے پرہیز کرتے تھے جب اہل کتاب کے ذبائح کی حلت کی تخصیص فرمائی گئی تو بحکم ضرورت مشرکین کے ذبائح کی حرمت ثابت ہو گئی۔

پنجم بیان تبدیل ہے جسکو اصطلاح میں نسخ کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور اسکی تعریف یوں بیان کیجاتی ہے۔ کہ ایک زمانہ کے بعد ایک شرعی دلیل کا دوسری دلیل شرعی پر وارد ہونا کہ مقتضی سابق کے حکم شرعی کے خلاف ہو ہمارا ایمان اور یقین ہے کہ قرآن مجید میں نسخ نہیں ہے اور اگر بفرض محال نسخ تسلیم کیا جائے تو قرآن مجید کی یہ آیت باطل ہوتی ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی یعنی شریعت کی جو نعمت عظمیٰ ہے تمام تر اسکی تکمیل اب ہو چکی اور چونکہ اسکے بعد سلسلہ نبوت اور وحی تشریعی کا ختم ہو گیا پس اب یہ شریعت بہمہ وجوہ مکمل ہے لفظ تکمیل پر زیادہ غور اور توجہ کی ضرورت ہے جس کتاب میں بہت سے احکام منسوخ ہو گئے ہوں اور بعض مقام پر احکام تو نہ منسوخ ہو گئے ہوں بلکہ اُن کا پڑھنا ناجائز قرار دیا گیا ہے

یا ایسے مقامات ہوں جہاں اوامر کا پڑھنا اور بجالانا دونوں ممنوع کیے گئے ہوں وہ کتاب کیونکر کامل ہوسکتی ہے تعجب ہے کہ ایک طرف تو قرآن مجید کے دو ثلث حصہ کو منسوخ کہا جاتا ہے اور دوسری طرف اسے کامل کتاب کا لقب دیا جاتا ہے جس کتاب کا ایک بڑا حصہ منسوخ کردیا گیا ہو کیونکر یقین آسکتا ہے کہ وہ کتاب کامل ہوگی یہ ساری باتیں ایسی ہیں کہ انھیں صدق سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ زمین اپنے مرکز سے ٹل جائے۔ آفتاب اپنا دورہ بدلدے سب ممکن ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ قرآن کے ایک لفظ میں بھی تبدیلی آکے واقع ہو اور اسکی ایک چھوٹی سی چھوٹی آیت بھی منسوخ ہو۔ اب ہم خاص ایک آیت کی طرف توجہ کرتے ہیں جس میں نسخ کا بیان ہوا ہے اور اسی پر تمام ناسخ و منسوخ کی بحث کا دارومدار ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ما ننسخ من اٰیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شئی قدیر یعنی اے پیغمبر ہم کوئی آیت منسوخ کردیں یا تمہارے ذہن سے اسکو اتار دیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی نازل بھی کردیتے ہیں اے پیغمبر کیا تمکو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے" آیت کے لفظ سے کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن ہی کی آیت مراد ہے اور اگر بفرض محال یہ مان بھی لیں کہ قرآن ہی کی آیت سے مراد ہے تو پھر یہ کب لازم آتا ہے کہ قرآن مجید میں منسوخہ آیتیں ہیں جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک سے اتر گئی اور اسکی جگہ دوسری آیت ویسی ہی یا اس سے بہتر نازل ہوگئی پھر ہم کیوں کر کہہ سکتے ہیں کہ ایک آیت بھی منسوخ ہے کیونکہ منسوخہ آیتیں تو ذہن مبارک سے اتر چکی ہیں۔ خود اس آیت شریفہ پر غور کرنیسے صاف پایا جاتا ہے کہ ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہوئی کیونکہ جو آیتیں رسول کریم کے ذہن مبارک سے فراموش ہوگئی تھیں ویسی ہی یا اُن سے بہتر خداوند تعالیٰ نے دوسری نازل کردیں ظاہر ہے کہ دوبارہ نازل ہوئی آیات پر لفظ نسخ نہیں عائد ہوسکتا جو آیتیں بھلادی گئیں وہ تو قرآن مجید میں درج نہیں ہوسکتیں جب وہ نبی کریم کو نہ یاد رہیں تو اور کسیکو کیونکر یاد رہ سکتی ہیں اور اگر بفرض محال یاد بھی رہیں تو جب اُنکے مساوی یا اُن سے بہتر دوسری آیات نازل ہوگئیں تو پھر قرآن مجید میں اُنکے داخل کرنیکی کیا ضرورت تھی مگر جب ہم کسی گذشتہ باب میں یہ ثابت کرآئے ہیں کہ جامع القرآن خود وہ ذات پاک تھی جسے محمد کے نام سے پکارتے ہیں پھر بھولی ہوئی آیتوں کا داخل کرنا باطل ہوا ایک شے جو ذہن سے اتر چکی ہو ایک شے جس کے مساوی یا اُس سے بہتر دوسری آچکی ہے پھر یاد آنے پر بھی اُس کا داخل کرنا غیر ضروری ہے اس آیت نے ناسخ و منسوخ کے تمام شلیلے مٹادیئے اور ثابت کردیا کہ جو آیتیں منسوخ ہونیکے قابل تھیں وہ پہلے ہی نبی کریم کے ذہن مبارک سے اتار دی گئیں اور انکی جگہ وہ آیتیں نازل کردی ہیں کہ اُن میں نسخ کا لفظ استعمال ہی نہیں ہوسکتا۔ علمائے کرام نے اس عمیق راز اور گہرے نکتہ کو جو اس آیت شریفہ میں مضمر ہے غور سے نہیں دیکھا ورنہ صریح مطلب کھلجاتا اور ناسخ و منسوخ کا پیچیدہ مسئلہ حل ہوجاتا۔

اس کے بعد ہم اس آیت پر دوسرے پہلو سے بحث کرتے ہیں اور وہ پہلو یہ ہے کہ آیت میں خداوند تعالیٰ کا ایک کام سے اپنی ذات کو نسبت دینا وہی حکم رکھتا ہے جو ہم مسئلہ تقدیر میں بیان کرگئے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کو شایاں ہے کہ وہ ہر کام کی نسبت اپنی طرف کرے اور ہر شئے کا فاعل اپنے ہی کو بتائے جبکہ اُس کے مرتبہ قوانین کے دائرہ میں ہر امر ہوتا ہے اور کبھی ایک ذرہ بھی اُس سے جنبش نہیں کھاسکتا۔ اسی طرح اُس نے یہاں بھی بھلا دینے یا ذہن سے اتار دینے کی نسبت اپنے ساتھ کی ہے اور بتایا ہے کہ جب ہم اپنی ایک آیت یعنی ایک نشانی تیرے ذہن سے اتار دیتے ہیں تو

تو اُس سے بہتر یا اُسکے مساوی نشانی نازل کردیتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی ایک نشانی دکھائی کہ وہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ روح القدس سے کیا کیا اور کس کس جگہ تائید کرتا ہے اُسکی غیر معمولی تائید جو کسی خاص موقع پر ہوئی تھی وہ کسی آنے والی مصیبت سے محو ہو گئی اور اُس وقت دل پر مایوسی طاری ہونے لگی تو خداوند تعالیٰ محض تسکین کے لیے یہ فرماتا ہے کہ اے پیغمبر جبکہ ہم کوئی آیت تمہارے ذہن سے اُتار دیں تو اس کے برابر یا اُس سے بہتر پھر نازل کر دیتے ہیں اور کیا تم نہیں جانتے کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔ ایک ایسے وقت میں جبکہ دشمنوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہوا اور اپنے رفیق شکستہ خاطر ہو چکے ہوں اور تمام اُمیدیں نجات کی منقطع ہو چکی ہوں تو اُس وقت روح القدس اپنے خالق کی طرف بلند ہوتی ہے اور اللہ کا برگزیدہ بندہ بھی روح القدس کے ساتھ بلند ہوتا ہے اور آخیر وہ بلندی درجۂ کمال پر پہنچکے ضمیر کے گونا گوں جوہروں میں اس طرح دست و گریبان ہو جاتی ہے کہ پھر عبودیت۔ فطرت۔ روح القدس اور فیضان ربانیہ میں فرق نہیں رہتا۔ یہ ربانی حالت ایک عجیب و غریب قدرت اُس کے دل میں پیدا کر دیتی ہے اور پھر وہ وہ باتیں اُسے اپنے بچاؤ اور دشمن کے زک دینے کی سوجھ جاتی ہیں کہ جن کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا فتح اور ظفر کے راستے خود بخود اُسکے آگے کھلے جاتے ہیں اور آخیر معمولی جد و جہد سے وہ اپنے دشمن پر کامل فتح پا لیتا ہے۔ اور اُس کے دل کی پرزور قوت سب کو نیچا دکھا دیتی ہے۔ یہی گویا خدا کی آیت یا نشانی ہے جو اُس نے اپنے بندہ پر نازل کی ہے پھر اس کے چند روز کے بعد اس سے بھی زیادہ سخت ایک واقعہ پیش آیا اور انسان اپنی خلقت کی کمزوری کی وجہ گزشتہ فیضان بارہی یا تائید روح القدس یا فطرت کی بلندی کو بھول گیا اُس بھولنے کو رب العرش نے حسب عادت اپنی طرف نسبت فرما کے ارشاد کیا ہے کہ ایک ایسی ہی یا اس سے بہتر نشانی تجھپر نازل کرینگے کہ جسے تو کبھی نہ بھولے اور ہم ہر بات پر قادر ہیں۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ جس طرح رب الافواج ہر کام کی نسبت اپنی طرف کرنے کا عادی ہے اسیطرح جب اُسے اپنی مخلوق کو کوئی اہم امر کرنا اور کوئی بڑی تنبیہ کرنی ہوتی ہے تو اپنے پیغمبر سے مخاطب ہو کے بیان کرتا ہے اور اُس سے مراد خلقت کی اصلاح ہے۔ یہ طریقہ زیادہ موثر اور زیادہ زبردست ہے۔ لوگ خیال کر سکتے ہیں جب خداوند تعالیٰ کا اپنے نبی کے ساتھ یہ خطاب اور اپنے نبی کو یہ حکم ہے تو پھر ہم کس گنتی میں ہیں۔ اِس خیال سے طبائع انسانی کا میلان اطاعت کی طرف ہوتا ہے اور ایک دہشت طاری ہو کے فرماں برداری کیطرف فطرت انسانی خود بخود رجوع ہوتی ہے اور یہ رجحان آخیر میں خلقی بن جاتا ہے خوب سمجھ لیا جائے کہ سوائے بعض بعض موقعوں کے خداوند تعالیٰ نے ہمیشہ اہم اور ضروری اُمور میں اپنے رسول سے بظاہر خطاب کیا ہے لیکن مراد اس سے اُمت ہے چنانچہ اس آیت میں بظاہر محمد عربی مخاطب ہیں لیکن مراد کل اُمت ہے۔ وہ نشانیاں جو وقتاً فوقتاً خدا کی طرف سے ظاہر ہوتی رہتی ہیں اگر انکا اظہار طبائع انسانی سے نسیاً منسیاً ہو بھی جاتا ہو پھر بھی خداوند زمین و زمان اپنے کرم اور رحم سے ایسی نشانیاں پیدا کرتا ہے جو سابق نشانیوں کے مساوی بھی ہوتی ہیں اور اُن سے بہتر بھی ہوتی ہیں۔ بہرحال اس آیت کا کچھ ہی مطلب کیوں نہ لیا جائے اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید میں اب بھی نسخ موجود ہے بلکہ پورا ثبوت اس امر کا ہے کہ قرآن مجید ناسخ اور منسوخ سے بالکل پاک ہے اسکے بعد ہم اس آیت پر ایک اور صورت سے بحث کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مفسرین کی اسکی بابت کیا رائے ہے ابو مسلم جاحظ جو رئیس معتزلہ ہے وہ اس امر کا قائل ہے کہ یہاں توریت کی نسخ سے مراد ہے

مگر اس کا یہ قول قابل سند نہیں ہے علمار نے اُس سے بہت مخالفت کی ہے اور اُنکی یہ مخالفت ایک حد تک صحیح ہی مگر ہم اس پر خود جرح وقدح کرتے ہیں ما شرطیہ الفاظ عموم سے ہے اور علم اصول میں بھی یہ امر مسلم ہے چنانچہ یہ تحریر ہو چکا ہی ما للعموم لا یحتمل الخصوص ما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ ما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ هو خیرا واعظم اجرا اسی سبب سے جار اللہ زمخشری نے ما ننسخ کی تفسیر اس طور پر کی ہے کل آیة تذهب بها الخ اور من استغراقیہ جو من آیة میں ہے یہ بیان ہی اسی کلمۂ ما کا جو واسطے عموم کے ہے پس ایسے عام کا جس میں کچھ بھی احتمال خصوص نہیں بلا دلیل قوی سکے آیات کتب مقدسہ سے مخصوص کرنا اور ایسے قرآن پر مشتمل نہ سمجھنا صراحةً مخالف لغت ہی کلمۂ ما اس جگہ خصوصیت کا متحمل بھی نہیں ہو سکتا اسکے علاوہ اگر مشرکین کا ذکر بھی آیۂ سابقہ میں نہوتا اور سبب نزول آیت کا اعتراض اہل کتاب ہی کا ہوتا تو بھی سبب نزول کی وجہ سے حکم عام مخصوص نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مسئلہ مسلم الثبوت ہی کہ العبرة لعموم الالفاظ لا لخصوص الاسباب ہمارے علمار نے نسخ کی تقسیم تین طرح پر کی ہے (اول) آیہ منسوخہ منسوخ التلاوة والحکم (دوم) صرف منسوخ التلاوة مع بقاء الحکم (سوم) صرف منسوخ الحکم مع بقاء التلاوة اول اور دوم قسم کے وقوع میں اختلاف ہی باہم علمار نے اس میں مختلف رائیں دی ہیں مگر قسم ثالث کی نسبت کل علمار کا اتفاق ہے ہاں ابو مسلم جاحظ معتزلی نہیں مانتے اصول امام فخر الاسلام بزدوی۔ توضیح صدر الشریعت۔ مسلم الثبوت مولانا محب اللہ اور انکی شرح مولانا بحر العلوم رحمة اللہ علیہم سے معلوم ہوتا ہے کہ جاحظ کا یہ مذہب ہے کہ عموماً نسخ خواہ نسخ کتب سابقہ کا ہو یا بعض احکام قرآن کا ہو واقع نہیں ہوا چنانچہ وہ لکھتے ہیں اجمع المسلمون علی جوازہ ووقوعه سمعا خلافا لابی مسلم وهو لا یصح من مسلم الا بتاویل پھر اُنکے قول کی تاویلات کی ہیں منجملہ اُن تاویلات کے یہ تاویل بھی ہے کہ جاحظ کا مطلب یہ ہی کہ قرآن مجید کے خاص احکام میں نسخ نہیں احکام کتب سابقہ میں البتہ نسخ ہے۔

ابو مسلم کی اس آیت پر مفصلہ ذیل رائے ہی چنانچہ وہ لکھتا ہی قال ابو مسلم ان المراد من الآیات المنسوخة هی الشرائع التی فی الکتب القدیمة من التوراة والانجیل کالسبت والصلوة الی المشرق والمغرب مما وضعه اللہ عنا وتعبدنا بغیره فان الیهود والنصاری کانوا یقولون لا تؤمنوا الا لمن تبع دینکم فابطل اللہ ذالك بهذه الآیة" (از تفسیر کبیر)

یعنی اس کا بیان ہی کہ قرآن مجید میں نسخ واقع نہیں ہوا اور اس کا قول ہی کہ آیات منسوخہ سے مراد وہ شریعتیں ہیں جو کتب متقدمہ یعنی توریت اور انجیل میں تھیں جیسے کہ سبت کا ماننا اور مشرق ومغرب کی طرف نماز کا پڑھنا اور اس قسم کے حکموں کے مانند جن کی غیر بجا آوری کے لیئے اللہ نے ہمیں مامور کیا۔ یہود ونصاریٰ کہتے تھے کہ بجز اس کے کہ جو ہمارے دین کے تابع ہو اور کسی پر ایمان نہ لاؤ پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اُسکو باطل کیا۔ علمار نے ابو مسلم کے اس قول کو نہیں مانا ہے اور اُن کا مقولہ یہ ہے کہ اُس کا کل قول سیاق آیت سے بالکل مختلف ہی اور ساتھ ہی قاعدہ عربیہ کے بھی خلاف ہی بلکہ ایک احتمال پر تو آیات کتب متقدمہ مراد ہی نہیں ہو سکتیں۔ اس کا بیان اوپر ہو چکا ہے اب بحث صرف اس پر ہے آیا آیت قرآن مجید کی آیت مراد ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اولاً کلمۂ آیت اور آیات کا اطلاق قرآن مجید میں کئی چیزوں پر آیا ہے اول معجزات۔ دوم قدرتی نشانیاں جو باری تعالیٰ عز اسمہ کی ذات اور صفات پر دلالت کرتی ہیں۔ سوم مطلق نشانی پر جو اسکے معنے لغوی ہیں۔ چہارم قرآن کے جملوں پر منجملہ اُن چار معنی کے

اول اور دوم اور سوم تین معنی اس آیت میں باتفاق ہمارے اور ابو مسلم کے مقصود نہیں کلام ہے تو چوتھے معنی ہیں یعنی جب یہ کلمہ کسی کتاب معہود و معین کے جملوں میں بدون ارادہ پر واقع ہوتا ہے تو اُس سے مراد آیات قرآن ہی ہوتی ہیں یا جملہ توریت و انجیل اور دیگر کتب متقدمہ کی بھی ۔ مقصود یہ ہے کہ معہود و معین یہی بات کہ آیات قرآن ہی مقصود ہوتی ہیں۔ اس دلیل کا جواب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ عام ہر دلیل پر بولا جاتا ہے اس لیئے کہ ہر دلیل تو ہمارے اور ابو مسلم کی بالاتفاق یہاں مراد نہیں البتہ اگر ہماری اس دلیل پر کسیکو شبہہ ہو تو اُسے یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ فلاں مقام پر قرآن میں یہ کلمہ مطلق بلا قرینہ کسی کتاب کے وارد ہوا ہے اور اس سے مراد توریت و انجیل کے جملے ہیں جب تک یہ بات ثابت نکرے یہ شبہہ ہماری دلیل میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا۔

ثانیاً کلامِ مجید کے جملوں کو آیات سے جمع کرنیکے یہ ہیں کہ اُسکے جملہ فصاحت و بلاغت میں حد اعجاز کو پہنچے ہیں اور اس سبب سے وہ اس امر کی دلائل اور نشانیاں ہیں کہ قرآن منزل من اللہ ہے اور اسکی مثل بنانا جن و انس کی حد طاقت سے باہر ہے۔ اس بات میں امام رازی بھی ہمارے ساتھ متفق ہیں اس کے بعد ہم امام فخر الدین رازی کا قول نقل کرتے ہیں جو آیت ما ننسخ کی تفسیر میں اُنھوں نے لکھا ہے پھر اُس پر ریمارک دینگے۔ چنانچہ امام صاحب تحریر فرماتے ہیں واعلم انا بعد ان فرغنا هذه الجملة فی کتاب المحصول فی اصول الفقه تمسکنا فی وقوع النسخ بقوله تعالی ما ننسخ من آية او ننسها نات بخير منها او مثلها والاستدلال به ايضا ضعيف لان ما هنا يفيد الشرط والجزاء وكما ان قولك من جاءك فاكرمه لا يدل على حصول المجئ بل على انه متى جاء وجب الاكرام فكذا هذه الاية لا تدل على حصول النسخ بل على انه متى حصل النسخ وجب ان ياتی بما هو خير منه فالاقوى ان نعول فی الاثبات على قوله تعالى واذا بدلنا اية مكان اية وقوله يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتب والله اعلم یعنی ہم نے کتاب محصول میں جو اصول فقہ میں ہے تمام بحثیں جو عدم نسخ پر دلالت کرتی ہیں بیان کرکے ہم نے وقوع نسخ پر اسی آیت ما ننسخ پر استدلال کیا ہے مگر اُس آیت پر استدلال کرنا ٹھیک نہیں ہے اس لیئے کہ "ما" کا لفظ اس جگہ بطور شرط اور جزا کے ہے جیسے کہ تم کسی سے کہو کہ جو شخص تیرے پاس آئے تو اُسکی تعظیم کر تو یہ کہنا کسی شخص کے آنے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ صرف اتنا نکلتا ہے کہ جب کوئی آدمی آئے تو اُس کی تعظیم کرنی واجب ہے اسیطرح یہ آیت بھی حصول نسخ پر دلالت نہیں کرتی بلکہ اس سے یہ نکلتا ہے کہ جب کوئی آیت منسوخ ہو تو اُس کے بدلہ دوسری آیت جو اُس سے اچھی ہو لانی واجب ہے پس ٹھیک بات یہ ہے کہ نسخ کے ثبوت میں ہم اور آیتوں کو اختیار کریں یعنی اس آیت کو واذا بدلنا اية مكان اية اور اس آیت کو يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب امام رازی کے اعتراض کا یہ جواب ہو سکتا ہے جو اُنھوں نے ما کو بمعنی متی کے ٹھیرایا ہے یہ صحیح نہیں ہے یہاں کلمہ ما محض شرطیہ ہے ظرفیہ نہیں ہے اور متی کو لازم ہے۔ ثانیاً اپنے قول کی تائید کے واسطے جو ایک مثال یعنی من جاءك فاكرمه پیش کی ہے وہ اسکی نظیر نہیں ہو سکتی کیونکہ اس مثال سے جزا جملہ انشائیہ ہے کیونکہ وقوع و عدم اُس کا زمانہ آئندہ میں متحمل ہے اور یہاں شرط و جزا دونوں بالانفراد جملہ خبریہ ہیں پس یہ دیکھنا چاہیے کہ آیت کی بنا نزول حصول نسخ پر ہے یا نہیں چونکہ یہ آیت جواب ہے منکران نسخ کا جو وقوع نسخ پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ تم جو شریعت موسیٰ کے بعض احکام کو تبدیل کرتے ہو اور

بعض احکام جو خود دیتے ہو چند روز کے بعد انکو تبدیل کر دیتے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں اسی اعتراض کا یہ جواب ہے پس چونکہ اعتراض کی بنا وقوع نسخ کے متحقق ہونے پر ہے اگر نسخ کا وقوع ہی نہ ہوتا تو اعتراض کس بنا پر ہو سکتا تھا پس ظاہر ہوا کہ شرط و جزا کے دونوں فعل متحقق الوقوع ہیں اور جب دونوں فعل متحقق الوقوع ہیں یا تو ثبوت وقوع نسخ میں اس آیت سے کسی طرح کا شک و شبہہ نہیں یہ سچ ہے کہ نفس کلمات آیت سے حصول نسخ کا لازم نہیں آتا جیسا کہ امام صاحب فرماتے ہیں اور دیگر مفسرین نے لکھا ہے اور انکی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے اعتراض و جواب میں ہے اور ساتھ ہی مشرکین کے اعتراض کا ان کا اعتراض حصول نسخ پر مبنی ہے اور اسی بنا پر یہ جواب دیا گیا ہے اور چونکہ بقرینہ اعتراض و جواب کے حصول نسخ میں کچھ شبہ نہیں ہے لہذا اس آیت سے حصولِ نسخ پر استدلال کرنا ہر طرح صحیح ہے اور اسی کی نظیر متنبی کے قول میں موجود ہے جہاں وہ کہتا ہے

وما کنت ممن یدخل العشق قلبه　　　ولکن من یبصر جفونك یعشق

اس میں بھی اگرچہ (یبصر جفونك یعشق) سے حصول عشق کا لازم نہیں آتا مگر مصرع اول کے قرینہ پر اسکے حصول میں کچھ تردد باقی نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ مفسرین و مترجمین دونوں فعلوں کو معنی حال ترجمہ کرتے ہیں پس ثابت ہو گیا کہ اعتراض وقوع نسخ پر جو امام رازی نے شبہ کیا ہے محض شبہ ہی شبہ ہے اور انکے اس شبہ سے کسیطرح کا ضعف استدلال میں واقع نہیں ہوتا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب آیت سے وقوع نسخ کا ہونا ثابت ہو گیا تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید میں ایک بھی منسوخہ آیت داخل نہیں ہوئی کیونکہ وہ آیتیں جو منسوخ ہوئی تھیں ذہن رسول خدا سے انھیں فراموش کر دیا گیا اور چونکہ قرآن مجید کی ترتیب خود فخر موجودات کے دست مبارک سے ہوئی تھی یا اگر یہ بھی تسلیم نہ کریں پھر بھی یہ ماننا پڑیگا کہ جو آیتیں واقعی بھلا دی گئی ہوں وہ کسیطرح پر قرآن میں خواہ اسکی ترتیب آنحضرت نے دی ہو یا نہ دی ہو نہیں ثابت ہو سکتیں ہر حالت میں قرآن مجید میں منسوخہ آیتوں کی موجودگی ثابت نہیں ہوتی اور کوئی سمجھدار آدمی یقین نہیں کر سکتا کہ جب ایک آیت ذہن سے اتار دی گئی پھر وہ کیسے باقی رہ سکتی ہے اور کیونکہ اسے قرآن میں دخل ملسکتا ہے۔

ہم افسوس سے کہتے ہیں کہ ہمیں علماء کرام کی رائے سے اتفاق نہیں ہے کہ قرآن میں نسخ کو ہم مان لیں ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ خدا کے کلام میں ایک حصہ کو ناسخ اور دوسرے کو منسوخ مانیں۔ ہم اخیر میں پھر ایک عام نظر کریں گے پہلے ہم محدث ہند حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں سے اس بحث کو نقل کر دیتے ہیں۔ جو آپنے نسخ کے باب میں کی ہے پھر خود ایک عام بحث کر کے اسے ختم کر دینگے چنانچہ آپ فرماتے ہیں[1] "نسخ کے باب میں یہ آیت آئی ہے ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها یعنے ہم کوئی آیت منسوخ نہیں کرتے نہ اسے بھلاتے

---

[1] اسباب النسخ والاصل فیه قوله تعالیٰ "ما ننسخ من آیة او ننسها نات بخیر منها او مثلها" اعلم ان النسخ قسمان احدهما ان ینظر النبی صلی اللہ علیه سلم فی الارتفاقات او وجوه الطاعات فیضبطها بوجوه الضبط علی قوانین التشریع وهو اجتهاد النبی صلی اللہ علیه وسلم ثم یقره اللہ علیه بل یکشف علیه ما قضی اللہ فی المسئلة من الحکم اما بنزول القرآن حسب ذالك له تغیر

اس کے بدلے میں اس سے بہتر ویسی ہی نازل کرتے ہیں نسخ کی دو قسمیں ہیں۔ اول یہ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نافع اور عبادات کے طریقوں میں غور کر کے قوانین شریعت کے ڈھنگ پر انکو کر دیتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے ہوا کرتا ہے لیکن خداوند تعالیٰ اس حکم و اجتہاد کو باقی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس حکم کو حضرت رسالت مآب پر ظاہر کر دیتا ہے جو خدا نے اس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے اس حکم کا اظہار یا یوں ہوتا ہے کہ قرآن میں وہ بیان کیا جائے یا اس طرح پر کہ حضرت رسالتمآب کے اجتہاد ہی میں تبدیلی اور دوسرا اجتہاد آپ کے ذہن میں قرار پا جائے پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ حضرت رسالتمآب نے نماز میں بیت المقدس کیطرف منہ کرنے کا حکم دیا پھر قرآن میں اس حکم کی منسوخیت ہوئی اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ حضرت رسالتمآب نے بجز چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے ممانعت کر دی تھی پھر ہر ایک برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لیئے جائز قرار دیدیا اور فرما دیا نشہ کی کوئی چیز مت پیو کہ نشہ پیدا کرے اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ نشہ پیدا ہونا ایک مخفی امر ہے اس سبب سے اسکی ظاہری علامت بتا دی کہ ان برتنوں میں نبیذ نہ بنائی جائے اور چھاگل میں نبیذ بنانے کو آپ نے خیال فرمایا کہ تین روز تک اس سے نشہ نہیں ہوتا ہے پھر آپ کے اجتہاد میں تبدیلی ہو گئی اور نشہ آور ہونے کو آپ نے حرمت کا مدار ٹھیرایا کسی چیز کا نشی ہونا جوش اور جھاگ آنے سے معلوم ہو سکتا ہے اور اس چیز کو جو لوازم مسکر سے ہو یا اس میں مسکر کی صفات پائی جائیں اسکار کا موقع اور مظنہ قرار دینا اسکار کے کسی امر اجنبی کے موقع کے قرار دینے سے بہتر ہے۔

ایک اور توجیہ اس اجتہاد کی تبدیلی کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت رسالتمآب نے جب ملاحظہ فرمایا کہ لوگ نشی چیزوں کے زیادہ مشتاق ہیں اگر صرف مسکر ہی سے ممانعت کر دی جاتی تو اس کا احتمال تھا کہ کوئی شخص نشی چیز کو پی لے اور یہ عذر کر دے کہ میں نے خیال کیا تھا وہ مسکر نہیں ہے یا مجھے اسکار کی ٹھیک علامتیں معلوم نہ تھیں اور نیز اس زمانہ میں لوگوں کے برتن نشی اشیاء سے آلودہ رہتے تھے ایسے برتنوں میں جو نبیذ تیار کی جاتی ہے اس میں فوراً نشہ آ جاتا ہے لیکن جب اسلام قوی ہو گیا اور لوگوں نے اطمینان سے نشہ کی چیزوں کو ترک کر دیا اور نہ وہ آلودہ برتن باقی رہے پھر نشی ہونے کو حرمت کا مدار علیہ آپ نے قرار دیا۔ اس توجیہ کے لحاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ موقعوں کے بدلنے

اجتہادا الی ذلک، وتقریرہ علیہ مثال الاول ما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاستقبال قبل بیت المقدس ثم نزل القرآن بنسخہ ومثال الثانی انہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن الانتباذ الا فی سقاء ثم اباح لہم الانتباذ فی کل انیۃ وقال لا تشربوا مسکرا وذلک انہ لما رای ان الاسکار امر خفی نصب لہ مظنۃ ظاہرۃ وہی الانتباذ فی الاوعیۃ التی لا مسام لہا کالماخوذۃ من الخزف والخشب والاسقیاء فانہ یسرع الاسکار فیما نبذ فیہا ونصب الانتباذ فی السقاء مظنۃ لعدم الاسکار الی ثلثۃ ایام ثم تغیر اجتہادہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ادارۃ الحکم علی الاسکار لانہ یعرف بالغلیان وقذف الزبد ونصب ما ہو من لوازم السکر ومن صفات الشئ المسکر مظنۃ اولی من نصب ما ہو امر اجنبی وعلی تخریج اخر نقول رای النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان القوم مولعون بالسکر فلو نہی عنہ کان مدخلا ان یشربہ احد متعذرا بانہ ظن انہ لیس بمسکر او انہ اشتبہ علیہ علامات الاسکار وکان اوانیہم متلطخۃ بالمسکر والاسکار یسرع الی ما ینبذ فی مثل ذلک فلما قوی الاسلام واطمئنوا اجتنبوا المسکرات

سے حکم بدلجایا کرتا ہے اِسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا ہے کہ میرا کلام کلام الٰہی کو ناسخ نہیں کر سکتا اور کلام الٰہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے اور کلام الٰہی بعض اس کا بعض کو منسوخ کرتا ہے کلامی لا ینسخ کلام اللہ وکلام اللہ ینسخ کلامی وکلام اللہ ینسخ بعضہ بعضا نسخ کی دوسری قسم یہ ہے کہ کسی شے میں ایک وقت میں کوئی مصلحت یا خرابی ہوا کرتی ہے اُسی کے مطابق اُس کا حکم متعین ہو جاتا ہے اسکے بعد ایک زمانہ آتا ہے جس میں وہ حالت اُس شے کی نہیں رہا کرتی اسکی مثال یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی جانب ہجرت فرمائی اور مسلمانوں اور اُنکے قرابتیوں میں کوئی باہمی موافقت و امداد کا دینے والا نہ اس وقت مصلحت ضروری کی وجہ سے صرف اخوت ہمدردی کا ذریعہ تھی اسی بنا بر قرآن میں نازل ہوا کہ وراثت کے حقوق اخوت سے متعلق کر دیئے جائیں اور اس کا فائدہ بھی ذکر کر دیا گیا اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں شورش اور بڑا فساد ہوگا الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیرا" اور جب اسلام کو قوت ہو گئی اور محاصرین سے اُنکے رشتہ دار آملے تو وہی طریقہ نسبی وراثت کا متعین ہو گا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بعض اشیا میں ایسی حالت میں کہ نبوت کے ساتھ خلافت کا مرتبہ شامل نہیں کرتا کوئی مصلحت اور خوبی نہیں ہوا کرتی جیسے حضرت رسالتمآب کی بعثت سے پہلے یا آپ ہی کے عہد میں زمانہ ہجرت سے پیشتر اور آپکی نبوت کے ساتھ خلافت منضم ہو جاتی ہے تو اُن اشیا میں مصلحت پیدا ہو جاتی ہے اسکی مثال یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے مال غنیمت کو اگلی امتوں کے لیئے جائز نہیں کیا تھا لیکن ہمارے لیئے جائز کر دیا۔

حدیث میں اس علت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں (۱) یہ کہ خداوند تعالیٰ نے ہماری ناتوانی اور عاجزی دیکھ کے مال غنیمت ہمارے لیئے حلال کر دیا (۲) یہ کہ اس علت سے حضرت رسالتمآب کی فضیلت اور انبیا علیہم السلام اور امت محمدیہ کی اور اُمتوں پر ظاہر کرنی مقصود ہے۔ اِن دونوں وجہوں کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت رسول خدا سے پہلے اور انبیا کی بعثت صرف اپنی قوم کے لیئے ہوا کرتی تھی جن کی تعداد محصور تھی۔ کبھی کبھی سال دو سال میں جہاد کی نوبت آجاتی تھی اور نیز اُنکی اُمتیں قوی اور زبردست تھیں اور جہاد بھی کر سکتے تھے اور کاشتکاری یا تجارت وغیرہ سے سامان معیشت بھی کر سکتے تھے اُنکو غنیمتوں کی کچھ ضرورت اور پروا نہ تھی اس واسطے خدائے تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ اُنکے عمل میں کسی دنیاوی غرض کی آمیزش نہ ہو جائے اور اس اخلاص عمل کی وجہ سے اُنھیں پورا پورا ثواب ملے اور ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم

الدین بالرجل الفاجر ولا یجاھدا ولعلہ بغرض عاجل وکانت الرحمۃ شملتہم فی اھل الجہاد شمولا عظیما وکان غضب ومتوجہا الی اعدائہم توجہا عظیما دھو قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ نظر الی اھل الارض فمقت عربہم وعجمہم فاوجب ذلک زوال عصمۃ اموالہم ودمائہم علی الوجہ الاتم اوجب اغاظۃ قلوبہم بالتصرف فی اموالہم کما اھدی الی الحرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعیر ابی جہل فی الحدیبیۃ فضۃ یغیظ الکفار وکما امر بقطع النخیل واحراقہا اغاظ لاھلہا فلذلک نزل القرآن باباحۃ الغنائم لہذہ الامۃ منال اخر ثم یحرم لہذہ الامۃ قتال الکفار فی اول الامر ولم یکن حینئذ ھنالک جند ولا خلافۃ ثم لما ھاجر النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتاب المسلمون وظہرت الخلافۃ وتمکنوا من مجاھدۃ اعداء اللہ انزل اللہ تعالیٰ اذن للذین یقتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لقدیر

کی بعثت عموماً تمام لوگوں کی جانب تھی جن کا شمار حصر و انداز سے زیادہ تھا اور زمانہ جہاد بھی اُنکے لیئے متعین نہ تھا یہ ممکن نہ تھا کہ وہ جہاد بھی کرسکیں اور سامان معیشت بھی بہم پہنچا سکیں کاشتکاری یا تجارت کا بھی سرانجام کرسکیں اسی لیئے اُنھیں مال غنیمت کے جائز ہونیکی بڑی ضرورت تھی اور نیز چونکہ دعوت اسلام عام تھی اِس لیئے اُس میں ایسے لوگ بھی شامل ہوتے ہیں جنکی نیتیں کمزور اور اعتقاد سست ہوا کرتے ہیں اِن ہی کے حق میں وارد ہوا ہے کہ خدا اس دین کی تائید بدکار آدمی سے کریگا ان اللہ یؤید ھذا الدین بالرجل الفاجر اور اس قسم کے ضعیف الاعتقاد لوگ دنیاوی فائدے ہی سکیلیئے جہاد پر مستعد ہوجایا کرتے ہیں۔ اِن مجاہدات میں خداوند تعالیٰ کی نظر رحمت و انعام سب پر برابر تھی۔ جیسے کہ اعدائے اسلام پر نظر غضب عام تھی حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "خداوند تعالیٰ نے تمام لوگوں کو دیکھا اور عرب و عجم وہ سب سے ناخوش ہوا ان اللہ نظر الی اھل الارض فمقتھم عربھم و عجمھم اسی بیزاری اور ناخوشی کی وجہ سے ضروری قرار دیا گیا کہ اُنکے مالوں اور جانوں کی حفاظت بالکل منقطع ہوجائے اور اُنکے مالوں میں تصرف کرکے خوب اُنکے دل جلائے جائیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کا اونٹ خانہ کعبہ کو اس ہیئت سے بھیجا تھا کہ اُسکی ناک میں چاندی کی کیل پڑی تھی اس سے کافروں کو جلانا ہی مقصود تھا ایسے ہی آپنے کافروں کے نخلستان کاٹ ڈالنے اور جلادینے کا حکم دیا تھا تاکہ اُنکو پیچ و تاب ہو یہی وجہ ہے کہ اس اُمت کے لیئے قرآن میں غنائم کی حلت کا حکم نازل ہوا۔ ایک دوسری مثال اسی قسم کی یہ ہے کہ ہدایت اسلام میں اس اُمت کے کفار سے جنگ کرنیکی اجازت نہ تھی۔ اُسوقت نہ لشکر تھا نہ خلافت۔ لیکن جب حضرت رسالتمآب نے ہجرت فرمائی اور مسلمان واپس آگئے اور خلافت کا ظہور ہوا۔ اور دشمنان خدا سے مقابلہ کی قوت ہوگئی تو خدائے تعالیٰ نے یہ حکم نازل کیا کہ اب ان لوگوں کو اجازت ہے جنگ کرنیکی جنکے ساتھ جنگ کیجاتی ہے اس طرح پر کہ وہ مظلوم ہیں اور بیشک خدا اُنکی مدد دینے پر قادر ہے اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر اسی قسم کے متعلق خدا کا قول ہے کہ ہم جب کوئی آیت اے محمد تیرے ذہن سے اُتار دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور نازل کرتے ہیں ما ننسخ من آیة او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا بخیر منہا سے وہ صورت مراد ہے کہ نبوت میں خلافت شامل ہوگئی تھی اور مثلہا سے وہ صورتیں مراد ہیں جن میں موقعوں کے مختلف ہونیسے حکم بدل دیا جاتا ہے ہمارے فخر ہند حضرت شاہ ولی اللہ نے جمہور مفسرین سے ایک نیا جادہ اختیار کیا ہے اور آپکے مختصر مگر جامع بحث دیکھنے کے بعد بخوبی یہ ثابت ہوجائیگا کہ آپنے مسئلہ ناسخ و منسوخ کو زیادہ اہمیت کی نظروں سے نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ آپ کا اصلی مقصود جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ جوں جوں ضرورتیں وسیع ہوتی گئیں احکام باری تعالیٰ بھی اسی صورت سے نازل ہونے لگے حالانکہ ایک حکم دوسرے حکم کا ناسخ نہیں ہوسکتا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو ضرورتیں حضرت رسالتمآب کو پے درپے تمام زمانہ زندگی لاحق ہوتی رہیں کیا اب وہی ضرورتیں آپ کی اُمت مرحومہ کو نہیں لاحق ہوتی ہیں مسلمانوں کی حالت اس کرۂ ارض پر کیا بلحاظ قوت و ثروت اور کیا بلحاظ علم و دولت اور کیا بلحاظ حکومت و عظمت بالکل مختلف ہے اور اس دنیا کے مختلف ممالک میں

وفی ھذا القسم قولہ تعالیٰ ما ننسخ من آیة او ننسھا نات بخیر منھا فیما یکون النبوة مضمومة بالخلافة وقولہ او مثلھا فیما یختلف الحکم باختلاف المظان واللہ اعلم فقط

ئی نئی صورت اور طرح سے اپنی زندگی گزار رہے ہیں جب یہ کیفیت ہے اور قرآن مجید نے انسان کی مختلف حالتوں کا کامل طور سے پاس ولحاظ کیا ہے پھر کتنے غضب کا مقام ہوگا کہ ہم ایک صورت کی آیتوں کو تو مانیں اور دوسری صورت کی آیتوں کو منسوخ کہدیں۔ وہ طول طویل نحوی اور منطقی بحثیں جو ماننسخ کی تفسیر میں ہمارے علمائے مفسرین نے کی ہیں شاہ صاحب کی دو لفظی تحریر سے اُس کا فیصلہ ہوگیا کہ پہلے صرف نبوت ہی نبوت تھی اور بعد میں نبوت کے ساتھ خلافت کی آمیزش ہوگئی یہی اُس آیت کے معنی ہیں کہ اُس کے مساوی بھی ہوا اور اُس سے بہتر بھی ہوا۔ شاہ صاحب اسکے قائل نہیں ہیں کہ اتنی آیتیں منسوخ التلاوۃ ہیں اور اتنی نہیں ہیں بلکہ آپکا جو اصلی منشا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں وامر وباری کا اُتار چڑھاؤ تبدیل حالات اور زمانہ سے ہوا ہے اور یہی ایک کتاب ہے جو قیامت تک انسان کے تبدیل حالات پر صادق آتی رہیگی۔

اب ایک بحث یہ باقی ہے کہ پہلے حضرت رسالتمآب نے بیت المقدس یعنی یہودیوں کے کعبہ کی طرف سجدہ کیا اور پھر اسلام کا سجدگاہ علیحدہ قائم کیا اس میں حکمت کیا تھی اور کونسا ایسا راز تھا کہ خداوند تعالیٰ نے کبھی یہ فرمایا اور کبھی یہ دونوں حکم آپس میں ضد ہیں پس ضرور ہوا کہ پہلا حکم منسوخ اور دوسرا حکم ناسخ قرار دیا جائے حالانکہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ ان دونوں آیتوں میں بھی ناسخ ومنسوخ کا نام نہیں ہے اور اپنی اپنی جگہ درست اور مناسب ہیں۔ یہ قدرت باری تعالیٰ کا ایک راز ہے جسے صاحب بصیرت سمجھ سکتے ہیں۔ اسلام جبکہ قوانین قدرت کی بیاض قرار دیا جاتا ہے تو لازم ہوا کہ اس کا کوئی حکم قانون قدرت کے مخالف نہو اگر ابتدا ہی سے کعبہ کی طرف سجدہ کیا جاتا اور اخیر زمانہ نبوت تک یہی حکم بجا رہتا تو ضرور یہ لازم آتا کہ خدا ایک ہی جگہ مقید ہے اور ایک مقررہ طرف سجدہ کرنے سے خدا کو سجدہ ہو سکتا ہے اور اگر انسان ایسی جگہ چلا جائے جہاں سمت کی تعین نہ کر سکے تو اس کا سجدہ کرنا ایک فضول امر ہے اس بات کو مٹانے اور اس قید کو توڑنے کے لئے خداوند تعالیٰ نے پہلے اپنے نبی سے بیت المقدس کی طرف سجدہ کرادیا اور پھر کعبہ کی طرف اور صاف طور پر قرآن مجید میں اسکی تشریح بھی کردی کہ خدا کا مونہ ہر طرف ہے اور وہ ذات تمام کائنات پر محیط ہے۔

دوسری وجہ جو خداوند تعالیٰ نے اس کی بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ سچے اور بناوٹی مسلمانوں کی آزمایش تھی کہ آیا وہ بھی قبلہ کے بدلجانے پر نبی کا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں اس سے ایک یہ بات اور بھی مستنبط ہوتی ہے کہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کرنا اور کعبہ کی طرف سجدہ کرنا یکساں ہے صرف آزمایش کے لئے کیا گیا تھا چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے سیقول السفہاء من الناس ما ولٰھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا قل للہ المشرق والمغرب یھدی من یشاء الی صراط مستقیم یعنی جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں ہی گے کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے (یعنی بیت المقدس) اُس سے انکی دوسری طرف کو مڑ جانیکی کیا وجہ ہوئی اے پیغمبر تم یہ جواب دو کہ مشرق ومغرب سب اللہ ہی کا ہے جس کو چاہتا ہے دین کا سیدھا رستہ دکھاتا ہے" صاف بیان کیا گیا ہے کہ تعین قبلہ کوئی چیز نہیں ہے مشرق ومغرب ہر طرف اُسی کا منہ ہے جس طرف چاہو سجدہ کرو مگر ایک ہی رخ کا مقرر کرنا یہ حکمت رکھتا ہے کہ مسلمانوں میں یکجہتی قائم ہو اور اُن میں اتحاد کے ساتھ دوسری اقوام سے ایک امتیاز بھی قائم ہوجائے بہت سے ممالک ایسے ہیں اور بہت سی حالتیں انسان پر سیاحت میں ایسی واقع ہوجاتی ہیں کہ وہ تعین قبلہ نہیں کر سکتا اس لئے وہ جس طرف

منہ کرکے نماز پڑھے گا اسکی نماز جائز قرار دی جائیگی چنانچہ خداوند تعالیٰ نے خود اس امر کو صاف طور پر کھول دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ولکل وجھۃ ھو مولیھا فاستبقوا الخیرات این ما تکونوا یات بکم اللّٰہ جمیعا ان اللّٰہ علیٰ کل شی قدیر یعنی ہر فریق کے لیئے ایک سمت مقرر ہے جدہر کو نماز میں وہ اپنا مونہہ کرتا ہے تو مسلمانو تم اختلاف سمت کی چنداں پروا نہ کرکے نیکیوں کی طرف لپکو کہ اوروں سے بڑھ جاؤ اللہ تم سب کو اپنے پاس کھینچ بلائیگا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے تعیین قبلہ کی بھی ساری حقیقت کھل گئی ہر ایک کے لیئے ایک سمت مقرر ہے اور مسلمانوں کو کچھ سمت کی پروا نکرنی چاہیئے بلکہ نیکیوں کی طرف دوڑنا چاہیئے تاکہ مقابلہ میں دوسری قوموں سے بڑھ جائیں اختلاف قبلہ درحقیقت کوئی باعث فضیلت نہیں ہے یہ تو محض امتیاز اور تمدن قائم کرنے کے لیئے ہر قوم کے لیئے علیحدہ علیحدہ سمت مقرر ہوگئی ہے تعیین سمت میں ایک قوم دوسری قوم پر فضیلت نہیں رکھتی مثلاً مسلمان اگر یہودیوں پر اپنے کو اس لیئے افضل سمجھیں کہ وہ بیت المقدس کی طرف سجدہ کرتے ہیں اور کعبہ کی طرف محض ایک غوبات ہے بلکہ خداوند تعالیٰ نے صاف طور پر کہدیا ہے کہ اگر دنیا میں ایک قوم کو دوسری قوم پر فضیلت ہوسکتی ہے تو صرف نیکیوں کی وجہ سے۔

اس ساری بحث سے یہ ثابت ہوگیا کہ قرآن مجید میں انسانی تمدن کے مختلف مدارج کا پاس ولحاظ کیا گیا ہے اور یہی دلیل قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کی ہے اور جہاں تک ہمارا خیال ہے اس سے کوئی انکار نہیں کرسکے گا۔ اِس بات کو دل سے بھلا دینا چاہیئے کہ ہم نے معتزلہ کا مسلک اختیار کیا ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارا دعویٰ کیا ہے اور ہم نے اُس کا کیا ثبوت دیا ہے۔ ہماری بحث کا بغور پڑھنے والا سمجھ لیگا کہ ہماری مراد کیا ہے اور ہم کلام خداوندی کو کس حد تک ہر خطا و نسیان سے بری سمجھتے ہیں علماء نے جو کچھ لکھا ہے وہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کو پورا نہیں کرتا۔ ہاں یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اگر وہی علماء اب ہوتے تو ہم سے بدرجہا بہتر لکھتے اور ایسا لکھتے جو موجودہ زمانہ کے بھی اور آیندہ زمانہ کی بڑی حد تک کامیاب ہوتا۔ ہمیں نہایت فخر ہے کہ ہمارے فاضل محدث و مجتہد حضرت شاہ ولی اللہ نے مذہبی اُمور کے بیان کرنے میں ایک جدت اختیار کی ہے اور اصل یہ ہے کہ اُنہی کا حصّہ بھی ہے حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ نے بھی فلسفیانہ طور پر بہت سے دینی مسائل کو حل کیا ہے مگر ہمارے شاہ صاحب کا رنگ ایمان تو یہ ہے کہ بہت سی جگہ پر اُن سے بڑھا ہوا ہے۔ جو مسئلہ بیان فرماتے ہیں ایسے جدید اور عمدہ پیرایے میں کہ خود بخود دل میں گھر کرتا چلا جاتا ہے اور معرفتِ اسلامی کا عجیب لطف آتا ہے۔ فی الحقیقت ہمارے شاہ صاحب بجائے خود مجتہد اعظم ہیں۔ اور اُنکی واقفیت بہت سی باتوں میں معہودہ مجتہدوں سے بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ آپ کے ناسخ و منسوخ کی بحث کو پڑھنے والا آپ کی آزادی رائے اور جدت کا اندازہ کرلیگا آپ نے نہ کسی مفسر کا قول اپنی تائید میں پیش کیا اور نہ اُن کی بحثوں اور اختلافات پر کچھ رد و قدح کی بلکہ مختصر طور پر سادے جملوں میں اس لاینحل مسئلہ کو حل کردیا جو صدیوں سے اُلجھا ہوا چلا آتا تھا۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیں آپ کی کسی بات سے اختلاف ہی نہ ہو اور ہم ہر مسئلہ کو بغیر ذاتی تحقیق کے مان لیں پھر بھی ہم پر فرض ہے کہ ہم ایسے شخص کی عزت کریں جو ہند میں اور ہند کے جگر دہلی میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی سلطنت کا نتیجہ ہے اور جب تک ہندوستان قائم اور یہاں اسلام باقی ہے شاہ ولی اللہ ...... کو زمانہ نہیں بھلا سکتا۔ اسلام کا وہ زمانہ بھی ہمیں یاد ہے کہ اختلاف رائے خواہ کسی مسئلہ میں ہو سبب رحمت تھی اور اب ہم یہ زمانہ دیکھتے ہیں

کہ اختلاف رائے کا نام جانی دشمنی قرار دی گئی ہے۔ کسی کی رائے کو نہ ماننا اور اُس پر نیک نیتی سے بھی نکتہ چینی کرنا ایک غضب مول لینا ہے۔ جن بزرگان دین کے اختلافی مسائل پر ہم اس زمانہ میں کٹے مرتے ہیں ان ہی مسائل کے اختلاف پر اُن بزرگوں میں کامل اتحاد تھا اور وہ ایک دوسرے کی عزت و وقعت اپنی عزت و وقعت پر مقدم سمجھتے تھے اختلاف ہونا لازمۂ قوانین قدرت ہے اور اسی اختلاف کے صدقہ میں بکثرت علوم کی مسلمانوں میں بنیاد پڑی۔ ہائے اب ہم اُس زمانہ مسعود و محمود کو کہاں سے لائیں اُسے کدھر ڈھونڈیں اور وہ ہمیں کیونکر مل سکتا ہے۔ ہمارے جتنے فضائل تھے وہ دوسری قوموں نے اخذ کر لیے اور غیر اسلام کی جتنی برائیاں تھیں وہ ہم نے لے لیں اور پھر ہم برباد ہو گئے۔

ناسخ و منسوخ کی بابت جو کچھ ہمیں لکھنا تھا لکھ چکے اور ہمیں خیال ہے کہ ہماری یہ بحث موجودہ حالت میں ایک حد تک ناظر تفسیر کا اطمینان کریگی۔ ہمارا بھروسہ اللہ پر ہے اور اس لیے ہمیں موجودہ علماء کے سب و شتم کی کچھ پروا نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہمارا الیقین ہرگز اس امر کی شہادت نہیں دیتا کہ ہم قرآن کریم میں نسخ کو دخل دیں جب کہ ہم مان چکے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے اور اس میں تبدیلی ہونی ممکن نہیں۔ خدائے تعالی کی عادت مستمرہ یہی ہے کہ جو قوانین اُس نے روز ازل میں مقرر کر دیئے ہیں وہ کبھی بھی نہیں بدلنے کے۔ ہم روزمرہ کے مشاہدوں سے اِس کی تصدیق کر سکتے ہیں اگر ہم اُس کے حکم کے مطابق کائنات میں غور وخوض کریں کہ کب اور کس زمانہ میں اُس کا قانون بدلا اور کس نے بدلتے دیکھا۔ دنیا میں جب سے انسانی تواریخ کا کھوج ملتا ہے کبھی بھی یہ نہیں دیکھا گیا کہ بغیر ابر کے پانی برسا ہو اور بغیر نیکی کیے کوئی شخص مدارج اعلیٰ پر پہنچ گیا ہو یا بغیر آفتاب کے دھوپ نکلی ہو جب یہ بات ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہمیں تسلیم کرنی پڑیگی پھر کیوں اور کس لیے ہم قرآن مجید میں جو درحقیقت قدرت کی ایک بیاض ہے ناسخ و منسوخ کو دخل دیتے ہیں اور خود اپنے پیر میں آپ کلہاڑی مارتے ہیں۔ ہمارے شاہ صاحب موصوف نے جو ایک حدیث اپنی بحث نسخ میں نقل کی ہے کہ میرے اقوال کا قرآن مجید ناسخ ہے اور قرآن میں خود بعض آیتیں بعض کی ناسخ ہیں اُسے ہم افسوس ہے کہ نہیں تسلیم کرتے نہ ہمیں اس حدیث کی صحت کی کوئی سند ملی اور اگر سند بھی ملجائے پھر بھی خبر احاد کے دائرہ سے نہیں نکل سکتی ایک حصہ تو اس حدیث کا صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کے مقابلہ میں کوئی حدیث اگر وہ اُس کے معارض آ کے واقع ہو حقیقت نہیں رکھتی مگر ہم دوسرے حصہ کو نہیں مانتے اور اس کیوجہ یہ ہے کہ ہمیں کوئی ثبوت تواتر سے اس کا نہیں پہنچا کہ آپ ایسا فرما سکتے تھے جبکہ توراۃ و اناجیل کے ماننے والے گروہ موجود تھے اور جو اپنی کتابوں کو نہایت وثوق سے بار بار پیش کرتے تھے اور اُنکی پیش کردہ کتابوں پر خدا کی طرف سے یہ الزام رکھا جاتا تھا کہ تم بدل بدل کے پڑھتے ہو لکھا کچھ ہے اور سناتے کچھ ہو ایسی حالت میں اور ایسے سخت معرکہ میں قرآن مجید کی نسبت یہ فرمانا کہ اسکی بعض آیتیں بعض کی ناسخ ہیں ایک مستبعد امر ہے اور سمجھ میں نہیں آتا کہ مقابلہ کی کتاب کے لیے ایسا کہا جا سکے۔ ہماری اس بحث کے بعد بھی جو لوگ قرآن مجید میں ناسخ و منسوخ کو دخل دیں دیا کریں ہمیں اُن سے نہ شکایت ہے نہ اُن پر ہم جبر کرتے ہیں مگر ہاں جو ہماری التجا ہے وہ یہ ہے کہ تقلید کی قدیم پٹی آنکھوں سے کھول کے ہماری اس بحث کو دیکھیں سمجھیں اور اُس پر غور کریں اگر اُن کا اطمینان ہو جائے توانئیں نہ اطمینان ہو تو ہمیشہ تک اپنی تلاش میں سرگرم رہیں شاید یہ دیرینہ شکوک اُنکی طبائع سے مٹ جائیں اور اُنھیں حقیقت کا راستہ معلوم ہو جائے ایک محقق کی شان سے یہ بہت بعید ہے کہ خاص کسی مفسر یا چند مفسروں کی رائے پر تکیہ کرے اور اپنے علم سے کچھ بھی کام نہ لے نہ اہل علم کا یہ شیوہ ہے

نہ ہمارے علمائے دین نے کبھی ایسا کیا۔ عام طور پر منجملہ اور مسائل دینیہ کے مسئلہ ناسخ و منسوخ نے عام مسلمانوں کے دل میں کچھ ایسا گھر کر رکھا ہے اور اُن کا اس مسئلہ پر ایسا واثق عقیدہ ہو گیا ہے کہ وہ سرِ دست اُس سے انکار کر دینا علامتِ کفر خیال کرتے ہیں تاہم ہمیں مایوسی نہیں ہے اور اُمید ہے کہ وہ زمانہ عنقریب آنیوالا ہے کہ مسلمان زمانہ کی ضرورتوں کے ساتھ قرآنی معارف کو محسوس کرنے لگیں گے اور اُنھیں معلوم ہو جائیگا کہ کلامِ خدا کی باریکیوں تک پوہنچنے کی تحقیق گزشتہ علماء ہی پر ختم نہیں ہو گئی بلکہ قیامت تک وہ وہ باریکیاں اس میں پیدا ہوتی رہیں گی جن کا پہلے سان و گمان بھی نہ تھا جیسا خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتٰب والحکمۃ و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون یعنی جیسا ہم نے تم میں تم ہی میں کے ایک رسول بھیجے جو ہماری آیتیں تمکو پڑھکے سناتے اور تمھاری اصلاح کرتے اور تم کو کتاب (یعنی قرآن) اور عقل (کی باتیں) سکھاتے اور تمکو ایسی ایسی باتیں بتاتے جو پہلے سے تمکو معلوم نہ تھیں"، حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید سے ہمیشہ قیامت تک ایسے ایسے نکاتِ حکمت کا ظہور ہوتا رہے گا جو پہلے سے معلوم نہ تھے۔ کوشش کرو اور کلامِ خدا کو غور سے پڑھو اور اپنی خداداد عقل سے کام لو۔ ابھی بڑے بڑے مطالب حل ہونے باقی ہیں اور ابھی وہ قومیں جو آیندہ مسلمان ہونگی اس سے اپنے تمدن اپنی خصوصیات اور اپنے محسوسات کے مطابق جلب منفعت کرینگی جن کا اس زمانہ میں سان و گمان بھی کسیکو نہیں ہے۔ فقط

گیارھواں باب

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت

سوائے قرآن مجید کے دنیا میں کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس کے الفاظ بھی خدا ہی کی طرف سے ہوں یہ شرف اسی پاک کتاب کو ملا ہے اور ملنا بھی چاہیئے تھا کیونکہ یہ تعلیم معرفت کی مکمل کتاب ہے اور اسی پر خدا پرستی کی حجت ختم ہو گئی ہے خداوند تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کے لیئے انبیا مبعوث فرمائے مگر ان قوانین قدرت کے مطابق جو وہ اول روز سے مقرر فرما چکا تھا اُس نے اول ہی اول معرفت اور تمدن کے ابتدائی مدارج کی تعلیم فرمائی اور یہی زیبا بھی تھی وہی احکام بیان فرمائے جو اُنکی ناپختہ فطرت اور ابتدائی حالت کے لیئے زیادہ موزوں تھے مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا تعلیم خداوندی میں ترقی ہوتی گئی اور اخیر ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ محمد عربی رسولِ خدا فخرِ رسل مبعوث ہوئے اور حضور ہی کی ذاتِ اطہر و اقدس پر نبوت کا خاتمہ ہو گیا ضرور تھا فخرِ رسل کو کتاب بھی وہ دیجاتی جو سرتاج کتب سماوی ہوتی اور نہ صرف اُس کا مفہوم ہی باری تعالیٰ سے ہوتا بلکہ اُس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہوتے اور اس طرح گویا معرفت الٰہیہ اور انسان کی اعلیٰ درجہ کی روحانی تعلیم اور ساتھ ہی تمدن انسانی کے برترین مدارج کا خاتمہ ہو گیا۔ ہمارا یہ عقیدہ ہے اور ہم ایک حد تک اسے ثابت بھی کرینگے کہ قرآن کا ایک ایک لفظ خدا کا لفظ ہے اور وہ امتیاز بین طور پر اس کتاب پاک میں

پایا جاتا ہے جس سے بعدازاں خود بخود ثابت ہو جائیگا کہ ایسی صریح بات سے انکار کرنا اپنے کو تعصب اور جہالت کے تاریک گڑھے میں پھنسانا ہے۔ ہمیں فخر ہے کہ علاوہ اُن اعلیٰ درجہ کے معارف کے جو قرآن مجید میں مضمر ہیں معجزۂ فصاحت و بلاغت بھی ایک بلند اور سب سے بلند پیمانہ پر رکھا گیا ہے اور ایسی کتاب کے لیئے جس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہوں اسکی بہت ضرورت بھی۔ ہم ہرگز بعض جدید مفسروں کی طرح قرآنی فصاحت و بلاغت پر ناک بھوں نہیں چڑھا سلنے کے نہ اُسے غیر ضروری خیال کرینگے بلکہ ہمارا یقین ہمارا ایمان اور ہماری علمی قابلیت ہمیں اس امر پر آمادہ کرتی ہے کہ ہم شل اور معجزوں کے فصاحت و بلاغت کو بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ تسلیم کریں اور دکھائیں جس کتاب میں فصاحت و بلاغت نہیں وہ مثل بے جان جسم کے ہے۔ دنیا کی کوئی کتاب خواہ وہ کسی زبان میں ہو اگر فصیح یا بلیغ نہیں ہے تو محض بے سود ہے کوئی شخص نہ اُسے دیکھے گا اور اگر دیکھے گا تو اُس سے متاثر نہیں ہونے کا۔ دنیا کی کل زبانوں کے مصنف کبھی کامیاب نہو سکتے جب تک کہ اُن کے کلام میں روح یعنی فصاحت نہ ہوتی۔ سسرو کیوں اتنا مشہور ہوا اور کیوں اُس نے غیر معمولی کارنمایاں کیئے محض اپنے کلام کی فصاحت سے ملٹن اور شیکسپیر پر کیوں انگلستانی فخر کرتے ہیں محض اس لیئے کہ مطالب کی بلند پروازی کے علاوہ اُن کے کلام میں فصاحت و بلاغت بھی تھی۔ اِسی طرح ہر زبان کے جتنے مشہور شاعر یا نثار گزرے ہیں سب میں کم و بیش جوہر فصاحت کا ہونا لازمی تھا مشرقی دنیا میں کالیداس (ہند میں) سعدی۔ نظامی۔ فردوسی (ایران میں) کیوں مشہور ہوئے محض اس وجہ سے کہ اُن کا کلام ایک حد تک زیور فصاحت سے بہت ہی مزین تھا۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ دنیا کی جتنی کتابیں معہ اُن الہامی کتب کے جو یہود و نصاری اور ہنود و زردشت پیش کرتے ہیں وہ سب کسی نہ کسی ایک ہی قوم کا مذاق پورا کرتی ہیں اور دوسری قوم کے لوگ اُن سے کچھ بھی مذاق حاصل نہیں کر سکتے اب ان الہامی کتابوں کی بھی دو قسمیں ہیں ان میں بعض تو وہ ہیں جو اپنی اصلی زبان میں نہیں ہیں اور بعض وہ ہیں جو اپنی اصلی زبان میں ہیں دونوں کی حالت یکساں ہے۔ جو اصلی زبان میں نہیں ہیں اُن کا تو ذکر ہی کیا اُن میں روزمرہ نئی نئی اصلاحیں ہوتی ہیں اور نئی نئی باتیں گھٹائی بڑہائی جاتی ہیں مگر جو اپنی اصلی زبان میں ہیں اُنکی حالت اور بھی قابلِ رحم ہے کیونکہ اُن کتابوں پر جن پر کڑوڑوں آدمیوں کا ایمان ہے شاید فی کروڑ نہ سہی فی پچاس لاکھ بمشکل ایک ایسا کوئی نکلے گا جو اُنکے مطالب پر کامل عبور رکھتا ہو اور اسی طرح فی کروڑ ایک بھی ایسا نہیں نکلنے کا جو حلفاً اس بات کا اقرار کرے کہ مَیں نے کئی بار نہ سہی ایک ہی بار اپنی کتاب کو اول سے اخیر تک سمجھ کے پڑہا۔ مثال میں ہم ویدا اور ژند وستا کو پیش کرتے ہیں۔ ویدکی زبان کے جاننے والے دو مقامات ہند پر اب بھی پائے جاتے ہیں۔ بنارس اور دکن میں مگر دکن کے پنڈت بدرجہا بنارس کے پنڈتوں سے قابل سند ہیں اور ان کا تلفظ بھی درست ہوتا ہے مگر یہ سن کے تعجب ہوگا کہ پندرہ سولہ کروڑ ہندؤں میں بمشکل پندرہ بیس پنڈت وید کے سمجھنے اور پڑھنے والے ہونگے۔ دس بیس اشلوک کا حفظ یاد کر لینا وید جیسی ضخیم کتاب پر حاوی ہونا تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ پنڈتوں کی کمیابی کی وجہ ہی کہ بعض اوقات مدراس وغیرہ کے دار العلوموں کی طرف سے مسلمان سنسکرت زبان کے ممتحن بنے ہیں یہ تو ویدا اور اُسکے معتقدوں کی صورت ہوئی اب سنئے ژند وستا اور اُس کے معتقدوں کی حالت اور بھی قابل افسوس ہے۔ اول تو دنیا میں پارسیوں کی تعداد بہت کم دوسرے ان میں تو شاید ہی کوئی شخص اُس زبان کو سمجھتا ہو جس میں ژند وستا موجود ہے۔ وہ لوگ جو اُنکی مذہبی طور پر غم و شادی میں مدد دیتے ہیں دستور کہلاتے ہیں۔ مگر اُنکی حالت ایسی خراب ہے کیا بلحاظ

وقعت کیا بلحاظ علم و عزت کیا بلحاظ اتقا و پرہیزگاری اُنکی ذرہ برابر بھی وقعت اُن کے معتقدوں کے دل میں نہیں ہے بس وہ اسی لیئے موزوں ہوسئے ہیں کہ دخمہ کی نگرانی کریں آتشکدے کی آگ نہ بجھنے دیں اور مردوں کو اُٹھا اُٹھا کے کنوئیں رکھیں اور بس ان کی عام شکایت سُنی جاتی ہے اور پارسی انکو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور ہم نے بارہا ایسا دیکھا ہے کہ ایک پارسی نے جب اپنے مقابل کو ذلیل کرنا چاہا تو یہ کہدیا کہ "دستور زادہ" یعنے مُردوں کا مال کھانے والا جب یہ کیفیت ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ژند و ستا کہاں ہے اُسے کوئی دیکھتا بھی ہے یا صرف اُس کا نام ہی نام ہے اور بھی پارسیوں میں ایک فرقہ ہے جسے موبد کہتے ہیں مگر اُن میں پڑھے لکھے نہیں دیکھے۔ پارسی یک لخت اپنے مذہب کو بھول گئے اور سوائے چند فقروں کے جو اُنھیں ابتدا میں سکھا دیئے جاتے ہیں وہ اور کچھ جانتے ہی نہیں۔ یہ تو دنیا کے مذاہب کی الہامی یا سماوی کتب کی کیفیت ہوئی اب سُنئے قرآن مجید کی حالت۔ دنیا میں جہاں جہاں اسلام موجود ہے۔ اور شاید ہی کوئی ملک ایسا ہوگا جہاں اسلام نے اپنے قدم نہ جمائے ہوں بہت سے لوگ قرآن کریم کے حافظ نکلیں گے یورپ ایشیا افریقہ اور چین کے باشندے جب کہ اُنکی زبان الگ اور اُن کے خیالات جدا اُن کے محسوسات علیحدہ اُنکا تمدن اور معاشرت غیر پھر کیا بات ہے کہ وہ قرآن مجید سے یکساں مذاق حاصل کرتے ہیں اور کیوں اور کس وجہ سے اُنکی مادری زبان قرآن مجید کے حفظ کرلنے اور اُسے عربی لہجہ میں پڑھنے میں مانع نہیں آتی۔ کیا اِس پاک کتاب کا بہت بڑا معجزہ نہیں ہے؟ کیا تھوڑی دیر کے لیئے قومی تعصب سے علیحدہ ہو کے ہم اس زبردست راز پر غور نہیں کرینگے جو روز ازل سے اس فرقان حمید میں مضمر رکھا گیا ہے۔ پیکن پایۂ تخت چین کا رہنے والا جس سے ملک عرب بعد المشرقین کے فاصلہ پر آکے واقع ہوا ہے کیوں اس بیاض قدرت کی عربی زبان پر فریفتہ ہے اور کیوں اُسے یہ لوحِ محفوظ کا نوشتہ ازبر ہے اور وہ کیوں ایک حجازی تعلیم یافتہ عرب کے مطابق اُس کے مقاصد پر عبور رکھتا ہے۔ کیوں ایک وسطی افریقہ کا وحشی باشندہ وجد سے قرآن پڑھتا اور اسے حفظ رکھتا ہے ان سوالات کا جواب کیا ہوسکتا ہے سوائے اسکے کہ یہ کلام خدا ہے اور اس کے الفاظ بھی خدا ہی سے ہیں۔ اسکی فصاحت و بلاغت جس طرح ایک یوروپی مسلمان نے تسلیم کی ہے اسیطرح شامی اسی طرح ہندی اور اسیطرح چینی اور افریقی مسلمان نے۔ کیا وجہ ہے کہ جب تک کسی قوم کا آدمی مسلمان نہیں ہوتا مہینوں کی محنت کے بعد بھی قرآن مجید کی چھوٹی سے چھوٹی آیت بھی اُسے یاد نہیں ہوسکتی اور اگر ہوتی بھی ہے تو وہ اسے عام مجمع میں نہیں پڑہ سکتا اور جہاں وہ مسلمان ہوا تمام معرفت اور حقیقت کے دروازے کھُل گئے اور اگر اُس نے برس ڈیڑہ برس توجہ کی تو سارا قرآن ہی ازبر ہوگیا۔ یہ باتیں معمولی نہیں ہیں بہت بڑی توجہ اور عقل کی محتاج ہیں روشن ضمیری سے کام لو تھوڑی دیر کے لیئے تعصب کی پٹی کو آنکھوں سے کھول کر بغور پڑھو دیکھو اور توجہ کرو سنتے ہی کسی بات کو لغو اور غلط نہ کہو بلکہ اُسکی صداقت کا نہایت تن دہی سے کھوج لگاؤ اور بغیر تحقیق و جستجو کبھی کسی چیز پر غلط ہونے کا الزام لگا کے نادانوں میں نہ داخل ہو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کیا چیز ہے اور کلام میں ان صفات کی ضرورت کہاں تک ہے اور آیا کوئی کلام بغیر اُسکے عمدہ کلام ہوسکتا ہے یا نہیں؟ فصاحت و بلاغت کی تعریف جاننے کے بعد خود بخود اِس کا جواب ہوجائے گا فصاحت لفظ مفرد یعنی کلمہ و کلام اور عبارت اور متکلم تینوں میں ہوتی ہے اور بلاغت صرف کلام اور متکلم محدود ہے۔

کلمہ سے اس کا کچھ تعلق نہیں۔ لفظ مفرد کو بھی فصیح کہتے ہیں اور کلام کو بھی فصیح کہتے ہیں اور شخص متکلم کو بھی فصیح کہتے ہیں کلمہ کیلئے بلیغ کا لفظ استعمال نہیں ہو سکتا ہاں کلام اور متکلم کو بلیغ کہتے ہیں۔

کلمہ فصیح اُسے کہتے ہیں جس میں متنافر حروف نہ ہوں تاکہ تنافر کے باعث کلمہ بولنے میں زبان پر ثقیل اور تلفظ میں دشواری ہووے اور یہ بھی اُسی کے ساتھ ہے کہ کلمہ غریب یعنی وحشی نہ ہو وحشی اُس کلمہ کو کہتے ہیں کہ اُن خالص عربوں کے نزدیک جنکی عربی معتبر اور مستند ہے اُس کے معنی ظاہر نہ ہوں اور نہ وہ اُن کے استعمال اور بول چال میں ہو اور نیز قواعد مقررہ لغت کے خلاف نہ ہو۔

کلام فصیح اُسے کہتے ہیں کہ جس میں ہر ایک کلمہ فصیح ہو اور باہم کلمات متنافر اور ثقیلہ بھی نہ ہوں اور کلام مشہور نحوی قاعدے کے خلاف بھی نہ ہو اور اُس میں کسی قسم کی تعقید لفظی و معنوی بھی نہ ہو۔ تعقید کے یہ معنے ہیں کہ عبارت اپنے معنی پر کھلم کھلا دلالت نہ کرے کسی خلل کے سبب جو اُس کے نظم میں واقع ہوا ہے اور نظم میں خلل اس طرح ہوتا ہے کہ لفظوں کی ترتیب کسی لفظ کے مقدم ہونے یا مؤخر ہونے یا اضمار قبل الذکر یا کسی اور سبب سے معنوں کی ترکیب پر نہ ہو اور وہ ایسی عبارت ہو جائے کہ سامع کا ذہن فوراً مرادی معنی کی طرف رجوع نہ کر سکے۔

بعض نے فصاحت کلام میں یہ بھی شرط کی ہے کہ ایک چیز بار بار نہ کہی جائے اور اُس میں پے در پے اضافتیں بھی نہوں اور متکلم فصیح اُسے کہتے ہیں جس میں ایسی طاقت ہو کہ اُس کے سبب اپنا مطلب فصیح عبارت میں بول سکے اور کلام بلیغ وہ ہے کہ کلام فصاحت کے ساتھ مقام و حال کی مطابقت سے بولا جائے اور چونکہ مقامات اور حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اس لیئے کلام کے مقامات بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اور متکلم بلیغ وہ ہے جس میں ایسی طاقت ہو کہ وہ کلام بلیغ بول سکے۔

اس مختصر توضیح سے یہ تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ فصاحت و بلاغت کسے کہتے ہیں اور آیا یہ دونوں صفتیں فی الحقیقت ہر کلام کی خواہ وہ نثر ہو یا نظم جان ہوتی ہیں یا نہیں۔ زمانہ نبوت کے بڑے بڑے فصحاء اور بلغاء جو اپنے عہد کے محاورات اور مواقع بلاغت سے خوب ماہر تھے قرآن مجید کی تحدی کو تسلیم کر چکے ہیں اور اسکے اعجاز بلاغت پر اُنھوں نے سر خم کر دیا ہے علماء اسلام نے جہاں قرآن مجید کے ہر امر میں تحقیق کی ہے وہاں اس امر کی بھی تحقیق کی ہے کہ وہ کون کون چیزیں اور کیا کیا اسباب ہیں جنھوں نے قرآن مجید کو معجزہ کر دیا اور کسی سے اُس کا معارضہ نہ کیا گیا۔ بعض کا قول یہ ہے کہ اعجاز کی وجہ یہ ہے کہ اُس میں جملہ الفاظ پے در پے نہایت فصیح اور شیریں ہیں اور بلا تعقید کے سب کے معنے بھی فوراً ذہن میں آجاتے ہیں بس یہی امر باعث اعجاز ہے۔

بعض کا بیان ہے کہ اسکی نظم۔ تالیف۔ ترصیف و اسلوب ایک ایسے نئے انداز و طرز جدید سے ہے کہ یہ بات نہ اشعار عرب میں تھی نہ رجز اور خطب میں۔ بعض کا قول ہے کہ باوجود خوب اسلوب ہونے کے کہیں ذرا سا بھی عیب نہیں اور آدمی کی اتنی بڑی کتاب میں کہیں نہ کہیں عیب ہو جاتا ہے۔

بعض کا یہ دعویٰ ہے کہ اس میں جملہ اقسام کی فصاحت و بلاغت ہے اور اول سے اخیر تک سب عبارت یکساں چست ہے نہ کہیں سقیم ہے نہ سست اور بشر کی عبارت میں اگرچہ کہیں کچھ عیب و سقم بھی نہ ہوتا تاہم سب یکساں چست نہیں ہوتی۔ بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ الفاظ فصیحہ کے ساتھ اس خوبی سے مطلب اور مقصود کو ادا کیا ہے کہ جس میں کہیں تعقید

لفظی و معنوی نہیں اور ہر مطلب کو ایسا مقتضائے مقام کے موافق بیان فرمایا ہے کہ فوراً ذہن نشین بلکہ دل پر تاثیر کرتا ہے۔

بعض کا یہ بیان ہے کہ قرآنی الفاظ فصیحہ اور تالیف رشیقہ کے سبب اعجاز نہیں کیونکہ یہ الفاظ ہی تھے جن کو سب عرب بولتے تھے اور اس قسم کے مرکبات بھی عرب بولتے تھے بلکہ اخبار غیب حالات ضمائر و قصص ماضیہ احوال مبدا و معاد۔ دلائل باہرہ۔ براہین قاطعہ اور حجج واضحہ کے سبب اعجاز ہے۔

نظام کہتا ہے کہ حق تعالیٰ نے بنظر اعجاز نمائی کفار عرب کے ملکۂ فصاحت اور قدرت بلاغت کو مسلوب کرایا تھا یعنی ایسی عبارت بولنے سے اُنکی زبان روک دی تھی اس واسطے اُن سے ایسی عبارت نہ کہی گئی۔ نظام کے قول کی عربی عبارت یہ ہے جو اتقان میں علّامہ سیوطی نے نقل کی ہے۔ حیث قال ثم زعم النظام ان اعجازہ بالصرفة ای ان الله صرف العرب عن معارضة و سبب عقولهم وكان مقدورا لهم لكن عاقهم امر خارجي فصار كسائر المعجزات

جتنے اقوال ہم نے نقل کیے ہیں ان پر ایک عام نظر کرنے سے یہ بات ضرور ثابت ہوتی ہے کہ قرآن مجید کا خواہ من حیث الفصاحت خواہ من حیث المعنی سب نے اعجاز مانا ہے اخیر میں نظام کے قول کی اگرچہ قرآن مجید سے تصدیق نہیں ہوتی تاہم یہ ضرور کھلتا ہے کہ اُس پر قرآن کی فصاحت اور بلاغت کا اعجاز اس قدر چھا گیا اور وہ اُس کی بے نظیر ترتیب میں ایسا محو ہوا کہ اُس نے بیساختہ یہ کہدیا کہ فصحائے عرب کیا خاک قرآن مجید کے مقابل میں کچھ کہہ سکتے جب کہ خداوند تعالیٰ نے اُنکی قدرت فصاحت کو مسلوب کر لیا تھا۔ قدرت فصاحت کے سلب کرنے کے یہی معنے سمجھ میں آتے ہیں کہ اُن پر ایسا رعب بیٹھا کہ اُنکی ستی گم ہو گئی اور اُن کا زہرہ نہیں رہا کہ وہ ایک جملہ بھی قرآن مجید کے مقابلہ میں کہنے کی جرأت کرتے۔ ایسے واقعات جو روزمرّہ ہماری آنکھوں کے آگے ہوتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا اپنے سے بڑے عالم سے مقابلہ ہوتا ہے تو اُسکے رعب میں آکے رہی سہی قابلیت اور طلاقت لسانی بھی جاتی رہتی ہے اور وہ گم صم آنکھیں پھاڑے ہوئے تکا کرتا ہے تو اُس وقت کہنے والے یہ کہتے ہیں کہ وہ ایسا خاموش ہوا اور خدا نے اُسکی ایسی ستی گم کی کہ ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکال سکا بعینہ یہی مطلب نظام کے قول کا ہے اور اگر اس قول کو واقعات پر مبنی سمجھ کے اس پہلو سے دیکھو کہ فی الحقیقت خداوند تعالیٰ نے اُنکی قدرت فصاحت سلب کر لی تھی تو اسکی تکذیب خود قرآن مجید کرتا ہے جہاں ارشاد ہوا ہے قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا۔ اس آیت میں لفظ ”اجتمعت“ اور ”ظہیرا“ سے صاف ظاہر ہے کہ حق تعالےٰ نے مشرکین سے قدرت فصاحت مسلوب نہیں کی تھی کیونکہ قدرت کے سلب ہونے کی حالت میں اُن کا اجتماع و تظاہر مثل اموات و جمادات کے بیکار تھا بھلا ایسی مجبوری میں مجتمع ہو کے کیا کرتے اور باہمدگر کیونکر اصلاح عبارت تعلیم اور مشورہ کرتے یہ امور تو اسی وقت کار آمد تھے جبکہ اُن میں اُن کی جبلی اور اصلی قدرت فصاحت باقی رہتی۔

بات یہ ہے کہ قرآن الفاظ فصیحہ و عذبہ اور اسلوب جدیدہ و پسندیدہ اور نظم رشیقہ اور تالیف انیقہ اور ادائے مطالب بلا تعقید اور مطابقت مقتضائے مقام بلا عیب و خلل ہو کے سبب اعجاز ہے اور دوسرا اعجاز اخبار غیب و قصص ماضیہ اور پیشین گوئیاں ہیں جن سے کلام پاک پر ہے۔

یہی علمار محققین اور حذاق کا مذہب ہے۔ قرآن مجید کے اعجاز بیان کرنے میں علمار کا اختلاف اسباب کی دلیل ہے کہ قرآن سرتاپا اعجاز ہی اعجاز ہے کیوں کہ جس عالم کی قرآن کے جس پہلو پر نظر پڑی اُس نے اسی کو بہت بڑا اعجاز سمجھا کسی کا خیال ہے کہ الفاظ ہی شیریں ہیں کوئی کہتا ہے کہ نظم و ترتیب ہی نہایت عمدہ ہے کوئی بیان کرتا ہے کہ اخبار غیب ہی باعث اعجاز ہیں۔ قرآن کے اس اعجاز نے نہ صرف مسلمانوں ہی کو اپنا مفتوں بنایا تھا بلکہ دشمنان اسلام کو بھی اپنا شیدا کر لیا تھا وہ فصحائے عرب جو مسلمان نہیں تھے بلکہ مسلمانوں اور بانیٔ اسلام سے عداوت رکھتے تھے قرآن کی معجز بیانی پر بیٹے ہوئے تھے اور اپنے اپنے مذاق کے مطابق اُسکو سحر کہتے تھے۔ ولید بن مغیرہ مکہ کا رہنے والا غیر مسلمان ہونے پر بھی قرآن مجید کو سحر کہتا تھا لبید بن ربیعہ قبل اسلام یعنی حالت کفر میں تحدی قرآن کو حق سمجھکے مسلمان ہو گیا تھا۔ اسیطرح بہت سے فصیح اور بلیغ جن کا ذکر ہم گزشتہ صفحوں میں کر چکے ہیں قرآن مجید ہی کے اعجاز سے ایمان لائے تھے۔

عرب میں اُس زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا دریا بہہ رہا تھا اور اُنکی بزرگی اور عظمت علاوہ حسب و نسب کے اسی شاعری پر بہت موقوف تھی۔ کچھ اہل حجاز ہی پر یا قریش پر فصاحت موقوف نہ تھی بلکہ غیر قریش اُن سے بھی بڑھے ہوئے تھے سبعہ معلقہ والا قریشی نہ تھا۔ پچاس قبائل کے شعرار کا ڈنکا تمام عربستان میں بج رہا تھا۔ جن میں چند حسب ذیل ہیں۔ کنانی۔ تغلبی۔ بکری۔ ہذلی۔ تمیمی۔ عبسی۔ نخعی۔ کندی۔ قیسی۔ مرئی۔ ذبیانی۔ شیبانی۔ ثعلبی۔ طائی۔ یشکری۔ نمری۔ خثعمی۔ مازنی۔ انہی پچاس قبائل کے شعرا کی دھوم تھی اور ان ہی کا بہت بڑا عروج تھا۔ ان کا کلام اسقدر مستند ہے کہ بعد از اسلام بھی مسلمانوں کے دار العلوموں میں پڑھایا گیا اور ہنوز انکی درس و تدریس جاری ہے اگرچہ انکے محاورات میں باہم بعض مقامات پر اختلاف ہے لیکن یہ اختلاف عیب میں داخل نہیں ہے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان میں وحشی اور غریب کا استعمال ہوا ہے کیونکہ جو الفاظ اور جو محاورہ ایک قبیلہ کے ہاں متروک ہے وہی الفاظ اور وہی محاورہ دوسرے قبیلہ کے ہاں رائج ہے۔ کتب فصاحت میں تو وحشی اُس لفظ کو کہتے ہیں جو شیریں نہ ہو اور ذوق سلیم اُسکی ترکیب حروفی سے تنفر کرے یا یہ کہ مستندین زبان کے نزدیک مانوس الاستعمال نہ ہو اور غریب اُس کلمہ کو کہتے ہیں جو مستندین زبان کے نزدیک مشہور الاستعمال نہ ہو یا یہ کہ مانوس الاستعمال نہ ہو اور اُسکے معنے بھی کھلے ہوئے نہ ہوں بہر حال الفاظ کی وحشت و غرابت اُن اہل عرب کے استعمال پر موقوف ہے جنکی عربی موثق اور مستند ہے نہ صرف قریش کے استعمال پر اور نہ صرف اہل حجاز پر۔ پھر علمار نے وحشی کی دو قسمیں کی ہیں ایک غریب حسن دوسری غریب قبیح ہاں جو الفاظ کہ بوجہ تنافر حروفی وغیرہ کے ذوق سلیم میں متنفر ہوں وہ غیر فصیح سمجھے جائینگے۔ گو مستندین زبان کے ہاں استعمال ہوں کیونکہ اثبات فصاحت کیواسطے صرف محاورہ و استعمال مستندین زبان ہی کافی نہیں بلکہ دیگر شروط بھی مقرر ہیں جن کے باعث بھی عدم فصاحت ہو جاتی ہے کتب لغت سے ظاہر ہے کہ ان قبائل کے محاورات میں بہت کم فرق تھا مثلاً بقی اور رضی مکسور العین کو قبیلہ طے والے مفتوح العین پڑھتے ہیں اور وعیت مجہول العین کو وعت اور بادیۃ کو باداۃ پڑھتے ہیں اور اہل عالیہ لفظ وتر کو بمعنی فرد بالکسر اور بمعنے کینہ بالفتح بولتے ہیں اور اہل حجاز برعکس۔ لفظ مسکن کو تمام عرب مکسور العین پڑھتے ہیں اور اہل حجاز مفتوح العین اور بنی تمیم تضعیف میں ہمیشہ ادغام کر کے پڑھتے ہیں۔ (صحاح۔ اتقان) قبل از اسلام اہل مکہ اور غیر قبائل میں مشاعرات و مناقشات ہوا کرتے تھے اور طرفین کے کلام میں مقابلہ ہوا کرتا تھا یہ اُنکے اچھے کلام کو پسند کرتے تھے اور یاد کرتے تھے اور وہ اُن کے اچھے کلام کو پسند کر کے حفظ کر لیتے تھے

انکی زبانوں میں کوئی بیّن مغائرت یا اختلاف نہ تھا جبل عرفات کے نیچے مکہ معظمہ کے پاس برسویں دن ایک بازار لگتا تھا بڑی بھاری تجارت ہوتی تھی صدہا کوس سے مال تجارت یہاں لاکر فروخت کیا جاتا تھا اور ایک عجیب چہل پہل ہوجاتی تھی۔ اس کے علاوہ بڑا فائدہ یہ تھا کہ عرب کے ادنی سے ادنی قبیلہ کی برائی بھلائی آناً فاناً میں تمام عرب میں پھیل جاتی تھی اِنکی معاشرت سیدھی سادی اور صاف اور بے لوث تمدن تھا۔ جس طرح کسی زمانہ میں یونان میں پہلوانوں کا دنگل بندھا کرتا تھا اور بڑے بڑے کشتی گیر اور شہسوار دنگل میں زور آزمائیاں اور اسپ تازیاں کیا کرتے تھے یہاں اُنکے مقابلہ میں شعراء کا دنگل ہوا کرتا تھا اور اُنکی بلند خیالی کے گھوڑے دوڑا کرتے تھے۔ تمام بدوی دور دور کے مسافر نہایت سرگرمانہ شوق سے شعراء کے اس مجمع میں شریک ہوتے تھے اور انھیں بالطبع اِس جلسہ سے مذاق حاصل تھا ان میں سے ایک شخص جو ابھی تک خاموش بیٹھا تھا اور جس نے اپنا حسب و نسب یا اپنا نام کچھ بیان نہ کیا تھا دفعۃً اُٹھ بیٹھتا تھا۔ اور اپنے اشعار پڑھنے شروع کر دیتا تھا۔ ان خوش اسلوب اشعار کا مضمون۔ شجاعت۔ جوش و خروش۔ جدال و قتال فخر خاندان۔ رفاقت دوستانہ۔ سخاوت۔ مہمان نوازی۔ نیک نامی۔ دوامی فرحت مقام۔ دریاؤں کی روانی۔ جنگلوں کی ویرانی۔ کوہستانی وحشت۔ خوشنما جزیرے۔ سبز جنگل اور ٹیلے۔ شاداب وادیاں۔ حیوانات کی وحشت۔ گھوڑوں اُونٹوں کی تعریف۔ عشق اور دل کی مایوسی۔ طبیعت کی پریشانی۔ خیالات کی بلند پروازی۔ صبر و استقلال کی شوکت کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا۔ اشعار میں فطری مضامین کے سوا خیالی مضمون کا نام و نشان بھی نہ ہوتا تھا۔ جذبات دلی کی کیفیت اور اُن کا اُبھار عربوں سے بہتر کسی نے نہیں بیان کیا ان کے اشعار سے مردہ دلوں میں زندگی نئی اور تازہ روح پیدا ہوتی تھی اور وہ فطرت انسانی کو صرف اپنے پرزور اشعار ہی کی وجہ سے قدرت کے بلند مقام پر پہنچا دیتے تھے۔ صحرا نوردی اور آزادی کی بے انتہا تعریف اور اس خداداد آزادی کے آگے سلطنت کو ہیچ سمجھنا یہ اُنکے اشعار کا بڑا مفہوم ہوتا تھا۔ ساتھ ہی حسن بلکہ نفس حسن کی سچی تعریف میں بھی وہ ہرگز فروگزاشت نہ کرتے تھے اور حق یہ ہے کہ اُنکی شاعری تصنعات سے بالکل پاک اور بے لوث تھی۔ ان اشعار پر تحسین کی صدائیں اور آفرین کے نعرے ایک نئی جودت شاعر کے دل میں پیدا کرتے تھے۔ دلفی میں جو یونان کا بہت بڑا جولانگاہ تھا اور جہاں بڑے بڑے شہسوار اسپ تازی کیا کرتے تھے ایک شہسوار کو موتیوں کی لڑیوں کے انعام دیئے جاتے تھے مگر یہاں عرب میں جو قصائد مقبول ہوجاتے تھے وہ ہرن یا بکری یا اُونٹوں کی جھلیوں پر۔ ابریشمی کپڑوں پر سنہری نقش و نگار ہوکے کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کر دیئے جاتے تھے اور انھیں مذہبیہ یا معلقہ کہتے تھے۔ بس یہی ایک بہت بڑا فخر تھا جو صاحب قصیدہ کو حاصل ہوتا تھا اور یہی اُسکے کلام کا ایک عالیشان صلہ تھا۔ قصائد کے آویزاں ہوتے ہی قبائل عرب کے مبارکبادی کے خطوط شاعر کے پاس آنے شروع ہوجاتے تھے غرض کعبہ کی برکت یا اس شاعری کے بہانہ سے اُس وحشی صحرا میں اس معاملۂ اتفاقی نے عجیب عجیب کام کیئے۔ ہمت اور شجاعت عام پسند ہوگئی۔ نسب دانی اور معلومات خاندانی سے گزر کے تاریخ دان ہوگئے۔ اُن کے یہ قصائد تاریخ جاہلیت کے لیئے چراغ راہ بن گئے۔ خاص پسند باتیں عام پسند ہوگئیں۔ ان زبان آوروں کا رعب داب عزت و وقار سب پر چھانے لگا وحشی صحرائی مل بیٹھنے سے انسانیت سیکھ گئے۔ اور باہمی کش مکش میں بھی کمی آنے لگی۔ پاکیزہ پاکیزہ الفاظ فصیح محاورے بامذاق اصطلاحیں اور قصد طلب جوڑ لے استعمال میں آنے لگے۔ بے تکلف اور بے مبالغہ کلام میں گرمی اور زور تاثیر پیدا

کرنیکا شوق بوڑھے سے بیکے بچے تک عام ہو گیا۔ اسی بازار کے طفیل سے اکثر اشخاص اور اشیا کے لیئے وجہ تسمیہ ہو گئی۔ اور اسی طرح ابتک مشہور ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کے قصے یہانتک کہ ایک بدوی عورت نے جو لفظ اپنے اونٹ کے پانی پلانے میں کہا وہ بھی مشہور ہو کے گھر گھر زبان زد ہو گیا۔ اب تک ہر شخص جہاں چاہتا ہے نظم و نثر میں کہاوت کی طرح بول جاتا ہے کہ یہ شہرت آج اخباروں میں اشتہار دینے سے بھی نہیں حاصل ہوتی۔

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں زیادہ تر کن کن قبائل کے محاوروں اور الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے چنانچہ علامہ سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے اخرج ابی عبید من وجہ اخر عن ابن عباس قال نزل القراٰن بلغۃ الکعبین کعب قریش وکعب خزاعۃ قیل وکیف ذلک قال لان الدار واحدۃ لان خزاعۃ کانوا جیران قریش یعنی ابو عبید نے ابن عباس رض سے روایت کی ہے کہ قرآن دو کعب کے لغات پر نازل ہوا ہے ایک کعب قریشی دوسرا خزاعی کیوں کہ ان دونوں کی اولاد قریب قریب رہتی تھی پھر آگے چلکے اتقان میں آیا ہے نزل الفرقان بلغۃ مضر لقول عمر نزل القراٰن بلغۃ مضر یعنی حضرت عمر فاروق کا قول ہے کہ قرآن لغت مضر میں نازل ہوا ہے اور بعض نے قبائل مضر کی یہ تفصیل کی ہے۔ ہذیل۔ کنانہ۔ قیس۔ ضبہ۔ تیم الرباب۔ اسد بن خزیمہ۔ قریش۔

مگر ابو حاتم سجستانی کہتا ہے کہ قرآن لغت قریش۔ ہذیل۔ تیم۔ اور ازد۔ ربیعہ۔ ہوازن۔ اور سعد بن بکر پر نازل ہوا ہے اور ثعلب اور ازہری۔ ابن عطیہ اور بیہقی وغیرہم بہت علماء اور محدثین کا قول ہے کہ قرآن سات لغات پر نازل ہوا ہے۔ یہی ابو صالح کی ابن عباس سے روایت ہے کہ قرآن کا نزول سات لغات پر ہوا ہے منجملہ اُنکے پانچ قبائل عجز ہیں۔ یعنی سعد بن بکر۔ جشم بن بکر۔ نضر بن المعاویہ اور ثقیف یہ سب ہوازن ہیں۔ ابن قتیبہ کا قول ہے کہ قرآن صرف قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جلال الدین بن مالک کہتا ہے کہ قرآن لغات حجاز میں نازل ہوا ہے مگر قلیل الفاظ لغت تمیم کے موافق ہیں جس طرح یشاق اللہ ومن یرتد منکم عن دینہ میں ادغام ہے کیونکہ تمیم مجزوم پر ادغام پڑھتے ہیں اور اسی طرح عبد البر نے تمہید میں لکھا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اہل لغت کا اول دن سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ جو لفظ غیر فصیح ہوتا ہے یا خاص کسی قبیلہ کا تو اسکی غیر فصاحت اور تخصیص کو بیان کر دیتے ہیں مثلاً یہ لکھدیتے ہیں وتقول العامۃ وھذہ لغۃ ردیۃ وھذہ لغۃ تمیم وھذہ لغۃ ھذیل لیکن قرآن مجید میں ایک لفظ بھی کسیکو غیر فصیح نہیں معلوم ہوا نہ ہم کسی قسم کی بدگمانی جامعین لغت پر کر سکتے ہیں انھوں نے نہایت صفائی سے قرآن کے اُن الفاظ کو جو اُنکے نزدیک کسی قبیلہ سے مخصوص تھے اُس کی خصوصیت کو ظاہر بھی کر دیا ہے۔ اگر تعصب سے یہ بات نہ قبول کیجائے اور اہل لغات پر یہی اتہام رکھے کہ انھوں نے عمداً حق سے چشم پوشی کی ہے کہ وہ سبعہ معلقہ۔ عقد ثمین اور حماسہ کو دیکھ لے کہ جس لفظ کو واسطی نے ایک قبیلہ کا محاورہ لکھا ہے اسی لفظ

لہ حماسہ جس کا جامع ابو تمامہ حبیب بن اوث ہے اپنی کتاب کو مفصلہ ذیل ترتیب دیتا ہے

(۱) حماسہ وہ اشعار جن سے بہادری۔ شجاعت اور قوت رزم معلوم ہوتی ہے۔

(۲) مراثی۔ وہ اشعار جن سے عزیز و اقارب کی مفارقت پر آہ و زاری ہوتی تھی۔

(۳) ادب۔ وہ نظمیں جن میں اُن کے طریق معاشرت اور ادب آداب کے مضمون تھے۔

کو دوسرے قبیلہ کے شاعر نے استعمال کیا ہے۔ واسطی نے جن جن الفاظ کو خاص قبیلہ کا لکھا ہے غالباً اس کا یہ مطلب ہوگا کہ قدیم الایام میں یہ الفاظ اُن قبائل کے تھے نہ زمانہ نبوت میں۔ یا کچھ اور مراد ہوگی بہر حال قرآن مجید پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید کی فصاحت کو عام طور پر زمانہ نے تسلیم کر لیا۔ ہر ملک نے اپنی مختلف آب ہوا ہونے پر بھی اسکی فصاحت کی شہادت دی اور در و دیوار سے اُس کی صداقت پر آوازیں بلند ہوئیں شجر وحجر نے اُسے ایک زبردست فصیح تسلیم کر لیا بچہ سے لے کے بوڑھے تک سب نے اس پر سر خم کر دیا۔ اختلاف مرز بوم۔ تمدن۔ زبان اور محاورے نے بھی اسکی فصاحت پر کبھی نکتہ چینی نہیں کی۔ ہر کتاب کی فصاحت اِسی ملک کے لوگوں یا اہل زبان پر زیادہ اثر کرتی ہے۔ مگر قرآن کی فصاحت نے تو غیر زبان اور غیر ملک کو بھی اپنا قائل کر دیا۔ بغیر معنے سمجھے جس طرح ایک زنگی وجد میں آ جاتا ہے اسی طرح ایک چینی بھی از خود رفتہ ہو جاتا ہے دنیا میں کونسی کتاب ایسی ہے کہ خواہ وہ کتنی ہی خوش آوازی سے پڑھی جائے ایک ایسے غیر ملک کے شخص پر اثر کرے جو وہ زبان نہ جانتا ہو مگر یہ تاثیر اس کتاب پاک ہی میں ہے کہ زبردستی غیر ملک والوں کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور کھینچتی بھی کیسی کہ پھر اپنی مٹھی سے نہیں نکلنے دیتی۔ فصاحت وہ فصاحت ہے جس کے ثبوت کے لیئے نہ تو اختراعی قواعد نحویہ کی ضرورت ہو اور نہ موضوعی استدلال اور محاورات کی بلکہ ان سب باتوں سے پاک ہو اور از خود بولے بغیر کسی دلیل اور

(۴) نسعت۔ وہ تیر و تفنگ کی طرح حرماں نصیبوں کے دلوں کو نشانہ بنانے والے اشعار جو عشق مجازی کا سچا فوٹو ہے۔

(۵) ہجا۔ وہ ہجو جو حریف کو کاٹنے میں تیغ ہندی اور تیر خطی سے کم نہ تھیں۔

(۶) اضیاف بدیح۔ مہمانداری اور مہمان نوازی کے متعلق برجستہ اشعار۔

(۷) صفات۔ عام صفت۔

(۸) السیر و نعاس۔ سفر اور خواب کے تعریفی شعر۔

(۹) الملح۔ متسخر۔ ظرافت اور مذاقیہ اشعار۔

(۱۰) مذمت النسا۔ مستورات کی ہجو۔

مگر ان سب میں مضمون کے لحاظ سے پہلے باب میں حجم کتاب نے اتنا حصہ لیا ہے کہ ساری کتاب کا نام حماسہ ہو گیا۔ حماسہ پر ایک عام نظر کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب کرنے میں بہت ہی جلدی کی گئی۔ عام طور پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ابو تمام نے حماسہ میں کچھ ایسی کانٹ چھانٹ کی ہے کہ بعض اچھے اچھے شاعروں کا ذکر تک نہیں کیا۔ وہ اشعار جو فی الحقیقت مضامین کی روانی۔ فصاحت و بلاغت میں بے مثل تھے انھیں بالکل قلم انداز کر دیا اور اکثر کو لا اعلم وقال اخر وقال بعضھم کہکے خاموشی اختیار کی۔ دوسرا غضب یہ کیا کہ بعض شعرا کے اعلیٰ درجہ کے کلام کو انتخاب کرنے میں سخت بے پروائی کی بلکہ بیدردی کو کام میں لایا گیا مثلاً حبیب بن عوف کے ایک نادر الوجود قصیدہ کو بیکار کر کے صرف ایک ہی شعر پر قناعت کی حق یہ ہے کہ اُس کے پورے قصیدہ کا درج نہ کرنا اُس کے اعلیٰ مرتبہ کی شاعری کا خون کر دینا ہے۔ یہ ایک شعر ہے جو اُس کے قصیدہ سے انتخاب کیا گیا ہے۔

فتی ازداد السلطان فی الحمد رغبة اذا غیر السلطان کل خلیلی

اگر اسی پر قناعت کیجاتی جب بھی افسوس کے بعد صبر آ جاتا مگر نہیں غضب یہ کیا ہے کہ بہت سے گمنام و نشان مجدے شعرا کے بے لذت اشعار

تحدّت سے کہ میں فصیح ہوں۔ یہ صفت تو سوائے قرآن کے آجتک کسی میں نہیں دیکھی کہ یہ خود ہی مدعی اور خود ہی شاہد اور خود ہی استدلال اور خود ہی ثبوت ہے۔ اسے خارجی امداد کی نہ کبھی ضرورت ہوئی نہ ہوگی۔ تمام قواعد اسی پاک کتاب سے نکلے اور پھر اسی میں جذب ہو گئے یعنی اسکی حقیقت کو پورا نہیں پہچان سکے اس کے دو لفظوں نے بڑے بڑے کام کیے اور اس کا ایک ایک لفظ دنیا کی ۱/۲ آبادی کا بہت بڑا قانون ہے۔ کب اور کس زمانہ میں اس سے روتابی کی کسی کو مجال ہوئی اور کس نے روتابی کی اور پھل پایا۔ بڑا شرف جو اس نے اور الہامی کتب پر پایا ہے یہ ہے کہ اس کے رہنے کی جگہ دل ہے جو گزرگاہِ جلیل اکبر ہے مگر اور الہامی کتب ہاتھوں میں یا الماریوں میں رہتی ہیں۔ کون اس پر معترض ہو سکتا ہے اور کون اس کا مقابلہ کر سکتا ہے چند ناسمجھ اور ناریک دل لوگوں نے اگر اس پر کچھ اعتراض کیئے تو اوندھے منہ گر پڑے اور سوائے پشیمانی کے کچھ نتیجہ نہ پایا۔ اعتراض اُس وقت سرسبز ہوتا اور معترض کو اُس وقت کامیابی ہوتی کہ جب اُسکی قدر کم ہوتی مگر جب یہ بات نہ ہوئی بلکہ رَو کی طرح اُس پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور دنیا کے دور دراز حصص اُس کے قبض و تصرف میں آتے جاتے ہیں۔ پھر معترضوں کی پشیمانی اور ذلت بدیہی ہے۔ آفتاب کی کرنیں کب میلا ہاتھ لگانے سے میلی ہو سکتی ہیں۔ چاند پر خاک کب

کا بھی انتخاب کیا ہے جس سے خود جامع کی قابلیت پر بہت بڑا حرف آتا ہے۔ جہاں تک دیکھا جاتا ہے حماسہ میں اچھے اچھے دیوان اور کلیات کے اشعار کا بمشکل پتہ لگتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انتخاب اول سے اخیر تک لغو اور مہمل ہے۔ نہیں بعض موقع پر اچھا انتخاب ہوا ہے لیکن اکثر جگہ بھدّے انتخاب کا عیب موجود ہے۔ پھر بھی اگر عام نظر سے دیکھیں تو یہ ایک ضروری کتاب ہے جس سے نہ صرف زمانۂ جاہلیت کے محاورے معلوم ہوتے ہیں بلکہ قرآن مجید کے محاوروں اور نکات کے سمجھنے میں خاص مدد ملتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک اور حماسہ لکھا گیا ہے مگر اس سے کچھ بھی نسبت نہیں۔

سب سے پہلے سنہ ۵۰۲ھ ہجری میں علامۂ تبریزی ابو ذکریا یحییٰ نے حماسہ کی شرح لکھی ہے جس میں علم بیان اور اشتقاق اصول کلمات کو خوب واضح طور پر ادا کیا ہے۔ بیروت میں ایک جدید شرح مع حواشی طبع ہوئی ہے جو ایک مجمع فضلا کی جانکاہیوں کا نتیجہ ہے۔ حماسہ کے بعض مقطعات کا ترجمہ انگریزی میں سنہ ۱۷۹۰ء جونس پریزیڈنٹ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ نے کیا ہے۔ دوسرا ترجمہ بنگال سول سروس کے چارلس لائل نے کیا ہے پھر فرانس کی مشہور علمی انجمن کے ممبر مجلس نے بعض حصوں کا ترجمہ فرانسیسی میں کیا ہے۔ جو بہت شوق سے فرانس میں دیکھا جاتا ہے۔

ابو تمامہ کی تالیف سے حماسہ کی طرز پر ایک اور کتاب بھی ہے جس کا نام کتاب الاختیارات ہے۔ اس میں بھی شعرا کے کلام کا انتخاب کیا ہے مگر اُسے چنداں شہرت نہیں ہوئی۔ نخو الشعرا میں اُس نے جاہلی۔ مخضرمی۔ اور اسلامی شاعروں کا تذکرہ لکھا ہے۔ کتاب کے عام فہم اور سلیس ہونے میں شک نہیں مگر اصلیت کا پتہ نہیں چلتا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ سبعہ معلقہ کے شعرا کے نسبت وہ واقعات قلم بند کر دیئے ہیں کہ ہمارے مشہور مورخ ابن خلدون اور اغانی نے مضحکہ اُڑایا ہے۔ صوبی ابو تمامہ کے حالات کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ ابو تمامہ نے جب حاضر بارگاہ ہو کے محمد بن عبداللہ کا قصیدہ پڑھا بادشاہ نے خوش ہو کے فرمایا تیرے اشعار کی خوبی۔ الفاظ کی جودت۔ فسانہ کی لطافت اُن جواہرات سے کہیں زیادہ دل فریب ہے جو چودہ پندرہ برس کی حسین لڑکی کے گلے میں چمکتے ہوں۔ جو کچھ ان کا صلہ طلب کریگا دونگا۔ ابو تمامہ نے عرض کیا موصل کی حکومت چاہتا ہوں۔ خلیفہ کے دربار میں ایک قیافہ شناس بیٹھا تھا اُس نے حضور میں عرض کیا جو کچھ مانگتا ہے دیدیا جائے۔ مجھے اسکی جدّت۔ ذکاوت اور فطنت سے معلوم ہو گیا ہے کہ اس کا نفس روحانی جسم کو تیغ ہندی کی طرح کھا جائیگا اور یہ چند ہی روز کے

پر سکتی ہے۔ ایک بحر بے پایاں کتے اور چند سوروں کے پانی پینے سے کب ناپاک ہو سکتا ہے۔ اسی طرح قرآن پر اعتراضات کرکے کبھی سرسبز نہیں ہو سکتے۔

انجیل و توراۃ کے الفاظ چونکہ خدا سے نہیں ہیں اس لیئے اُن میں زندگی نہیں اور نہ فصاحت کی روح ہے۔ عیسائی مجبور ہو ہو کے یہ اعتراض کرتے ہیں کہ کلام میں فصاحت ہونی محض غیر ضروری ہے بلکہ حکمت اور ہدایت ہونی کافی ہے چنانچہ عیسائیوں کے پولوس مقدس نے بھی اس معاملہ کا کہیں اشارہ کیا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک کلام جس میں حکمت بالغہ بھی ہے ہدایت بھی ہے اور فصاحت بھی ہے تو سرتاپا خوبی کونسا کلام ہوا جن الہامی کتب کو قدرت سے فصاحت کا زیور نہیں ملا ہے اُن کے ماننے والے فصاحت سے ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اسکی مثال بالکل لومڑی اور انگوروں کی ہے کہ جب انگوروں کی بیل تک نہ پونہچی تو اُنھیں کھٹا بنا دیا۔ حسن صورت کے ساتھ اگر حسن سیرت بھی ہو تو اُسے کون بُرا کہہ سکتا ہے قرآن مجید چونکہ آخری کتاب تھی اس لیئے یہ لازمہ قانون قدرت تھا کہ وہ ہر صفت سے موصوف ہوتی۔ قرآن مجید کا ایک جملہ کسی بڑی عربی عبارت میں نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے۔ صدہا قصائد اور ادب کی کتابیں موجود ہیں قبل از اسلام اور بعد از اسلام کی مگر قرآن کے ایک جملہ سے بھی کسی کو نسبت نہیں ہے۔ سبعہ معلقہ جسے تمام عرب نے مان لیا تھا قرآن کی فصاحت کے آگے پانی بھرتا ہے قرآن مجید میں صدہا معجزے ہیں اور ہر معجزے نے اپنا اپنا علیحدہ کرشمہ دکھایا ہے کہیں اسکی فصاحت

بعد فنا ہو جائے گا۔ غرض حکومت تو مل گئی مگر قیافہ شناس کی پیشین گوئی بہت جلد پوری ہو گئی۔ یعنی قبل از وقت دنیا سے رخصت ہو کے موصل کی خاک میں ہمیشہ کے لیئے آرام کیا۔

ابو تمامہ کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ انساب اشعار عرب اُسے خوب یاد تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ علاوہ قصائد و قطعات کے چودہ ہزار جزیہ اشعار نوک زباں تھے۔ حاضر جوابی میں بھی ید طولی رکھتا تھا چنانچہ محمد بن عبدالملک کے دربار میں اُس نے قصیدہ پڑھا ہے جس کے صلے میں اُسے موصل کی حکومت ملی تھی تو اس شعر پر

اقدام عمرو فی سماحۃ حاتم   فی حلم احنف فی ذکاء ایاس

وزیر نے کہا واہ کیا خوب ہمارے امیر المؤمنین کی اجلافوں سے تشبیہ دی ہے کچھ حواس بھی درست ہیں یا نہیں ابو تمامہ نے کچھ تامل کے بعد یہ جواب دیا۔

لا تنکروا ضربی له من دونه   مثلا شرودا فی الندا والبائس

فللہ قد ضرب الاقل بنورہ   مثلا من المشکوۃ والنبراس

وزیر نے بیساختہ ابو تمامہ کو اُسکی ذکاوت پر مبارکباد دی۔ ابو تمامہ کی زندگی کے حالات عجیب دلچسپ ہیں۔ کیا کیا حالتیں اُس پر گزر گئیں اور اُس نے کیونکر ترقی کی۔ ابو تمامہ کی سنہ پیدایش ابھی ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم ہوئے بعض ۱۷۲ھ ہجری کہتے ہیں اور بعض ۱۹۲ھ ہجری یہ قوم کا نصرانی تھا۔ ابتدائی تعلیم میں اسے بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں۔ اپنے باپ کے ساتھ اس نے شام کے بڑے بڑے شہروں کی سیر کی یہ زمانہ مسلمانوں کے آغاز بلکہ عروج سلطنت کا تھا۔ دار العلوم کھل چکے تھے۔ مسلمان فتوحات ملکی سے فتوحات علوم کی طرف رجوع ہو چکے تھے یونانی کتب کا بڑی سرگرمی سے ترجمہ ہو رہا تھا۔ تمام شہروں میں پھر پھر کے اخیر حمص میں ابو تمامہ نے ڈنڈے ڈیرے ڈالدیئے اور اعلی درجہ کی تعلیم پانی شروع کی۔ غرض یہاں اُس نے کامل تعلیم پائی۔ ابھی تک اسکی حالت بحیثیت دنیاوی ثروت کے ردی تھی مسلمانوں کی سلطنت میں چونکہ ہر قوم

اور بلاغت سے ہزاروں کو رام بنایا اور کہیں اس کے پُر از حکمت مضامین نے مخلوق خدا کو توحید کی چاشنی چکھائی اور کہیں اسکی پیشین گوئیوں نے جنھیں آیات سے تعبیر کیا ہے لاکھوں کو اپنا شیدا بنا لیا۔ ایک قرآن ہے لیکن اُسکی صدہا شاخیں معجزات کی پیدا ہوئی ہیں اور روز بروز دنیا پر پھیلتی جاتی ہیں ایک فرانسیسی پادری نے محض لاعلمی اور تعصب سے اپنی کتاب "معجزہ اور قرآن" میں لکھا ہے "ہر زبان میں ایسی بہت سی کتابیں موجود ہیں جن کی نظیر نہیں ملتی" ہم کہتے ہیں یہ صحیح ہے بلکہ مزید براں یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہر کتاب اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ سوال صرف یہ ہے آیا کسی زبان کی کتاب کو بھی یہ عروج حاصل ہوا جو قرآن کو ہوا ہے اور کسی کتاب نے بھی آجتک کروڑوں بندگان خدا کے دلوں کو تسخیر کیا اور آیا بنی نوع انسان میں کسی کتاب نے بھی ایسا زبردست تمدن قائم کیا۔ اور آیا دنیا میں کوئی کتاب بھی ایسی ہے جس کا ایک ایک لفظ قانون محکم کہتا ہوا اور اُس پر جان فدا کردینا نجات کا باعث خیال کیا جائے۔ لامحالہ یہی جواب پایا جائیگا کہ نہیں بدیہیات اور مشاہدات کا انکار قیامت تک ممکن نہیں ہزار زور مارا جائے اور لاکھ ایڑیاں رگڑی جائیں مگر مشاہدات کا منکر مجنون ہی کہلائے گا۔

وہ زمانہ جب یہ قرآن نازل ہوا ایک خطرناک شور و شغب کا تھا۔ عرب اپنے مقابل کسی کو سمجھتے ہی نہ تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ ہمارے برابر دنیا میں کوئی فصیح اور بلیغ پیدا ہی نہیں ہوا اُنھیں جس طرح اپنی شجاعت پر ناز تھا اسی طرح اپنے حسب نسب

اور فرقہ کو بے انتہا آزادی تھی اور صرف ترقی کے لیئے سوائے علمی لیاقت کے اور کوئی قومی امتیاز نہ تھا اس لحاظ سے ابو تمامہ نے شہنشاہی دربار کی طرف نظر اُٹھا کے دیکھا۔ خوش قسمتی سے خلیفہ وقت کی سالگرہ کا زمانہ آگیا۔ ابو تمامہ نے فوراً ایک قصیدہ موزوں کیا اور چاہا کہ عین جشن کے روز دربار میں خود جا کے پڑھے۔ دقت یہ تھی کہ اول تو خلیفہ کے دربار میں پہنچنا اور دوسرے قصیدہ پیش کرنے اور پڑھنے کا پھر حکم ہونے کا مرحلہ بہت ہی دشوار گزار تھا۔ سوچتے سوچتے ابو حارث نصرانی یاد آیا جو وزیر اعظم کا بڑا منہ چڑھا اور اُس کے باپ کا بڑا دوست تھا۔ یہ اُس کے پاس گیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ ابو حارث رضامند ہوگیا اور نوجوان ابو تمامہ کو وزیر کے پاس لے گیا وزیر نے پوری کیفیت سن کے اجازت دیدی۔ غرض ابو تمامہ پیش ہوئے اُس نے بڑی دلیری سے اپنا موزوں کیا ہوا قصیدہ پڑھا۔ خلیفہ اسکی خداداد ذکاوت سے بہت خوش ہوا خلیفہ کی علم دوستی نے مذہب اور قوم کا امتیاز اُٹھا دیا تھا وہ لائق شخص کا عاشق تھا خواہ وہ کسی مذہب اور ملت کا ہو۔ فوراً قصیدہ ختم کرنے پر خلیفہ نے خلعت فاخرہ اور انعامات سے سرفراز کیا اور ساتھ ہی طبیعت بڑھانے کے لیے یہ حکم دیا "جب کوئی موقع ہو تم اپنی طباعی کا زور دکھاؤ قطعہ لکھو یا قصیدہ یہ تمھاری مرضی" یہ سنتے ہی ابو تمامہ کی باچھیں کھل گئیں۔ خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اب کیا تھا خلیفہ کی قدردانی نے اُسے عزت کے آسمان پر چڑھا دیا۔ آئے دن قطعہ اور قصیدے انعام اور خلعت کا باعث ہونے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کے بہت سے قصائد خلفاء کی تعریف میں پائے جاتے ہیں۔

سنہ ۲۱۲ ہجری کا تذکرہ ہے کہ ابو تمامہ ایک پر زور قصیدہ خراسان کے حاکم عبد الملک کی خدمت میں پیش کرکے واپس آرہا تھا کہ رستہ میں خونی برف گری۔ مجبوراً ابو الوفا بن سلمہ کے ہاں ہمدان میں اسے قیام کرنا پڑا۔ چونکہ اُسے کام کرنے کی فرصت کافی تھی اور ابو الوفا کا کتبخانہ بھی بہت تھا حماسہ کی ترتیب شروع کردی یہی وجہ ہے کہ انتخاب قصائد و اشعار میں اُسے ایک حد تک کامیابی نہیں ہوئی اور موسم کی ناموافقت نے اُس کے انتخاب پر اچھا اثر نہیں کیا۔ فقط

پر اور اس سے بھی زیادہ اپنی زبان آوری پر۔ وہ جانتے تھے کہ تمام دنیا گونگی پیدا ہوئی ہے۔ حقیقت میں اُن کا یہ تجبر ایک حد تک بجا بھی درست اُنھیں نہایت آسان تھا کہ وہ اپنے آتشین اشعار سے دو قبیلوں میں جنگ کرا دیں خون کی ندیاں بہا دیں مردہ دل پر اُن کا کلام جادو کی تاثیر رکھتا تھا۔ وہ کہنے والے ہی نہ تھے بلکہ بولنے والے بھی تھے اُن کی آتش زبانی غضب کی تھی اور اُن کا طرز بیان پر جلال اور شاندار تھا کہ اُسی گروہ میں اُسی مجمع شعرا میں اُسی فصاحت و بلاغت کے میدان میں اور اسی سرزمین پر اُسی حلقہ میں ایک پر زور آواز گونجی اور اُس کی گونج مشرق و مغرب پونہچی۔ آواز میں گرج اور کڑک جسقدر تھی اُسی قدر بجلی کی چمک بھی تھی۔ آواز کیا اُٹھی در و دیوار بولنے لگے تمام فصحا اور بلغا جمع ہوئے اور سخت حیرت زدہ ہوکے آواز کو سننے اور متعجب ہونے لگے۔ وہ آواز قرآن کی تھی جو اُنھیں مقابلہ کے لئے طلب کرتا تھا وہ آواز خدا کی آواز تھی جس نے کہا تم اپنی فصاحت پر گھمنڈ نہ کرو۔ وہ آواز ایک یتیم بچہ کی زبان سے نکلی تھی جس نے نہایت بے بسی کی حالت میں اُنہی کے آگے پرورش پائی جو نہ کبھی اُن کے مجمع شعرا میں شریک ہوا جس نے کبھی ایک حرف کی بھی تعلیم نہیں پائی جس نے کبھی ایک مصرع بھی موزوں نہیں کیا۔ عبد اللہ کا بیٹا ابو طالب کا بھتیجا عبد المطلب کا پوتا جسکی صغر سنی کا پورا حصہ اپنے چچا کی خدمت میں بسر ہو گیا جس نے دنوں تک اونٹوں کا ریوڑ جنگل اور پہاڑوں میں چرایا ہو جس نے اونٹنیوں کا دودھ دھویا ہو جس کا مبارک بچپن اس بے بسانہ اور قابل افسوس حالت میں گزر گیا ہو جس نے ہوش سنبھالتے اپنے بزرگ باپ کو نہ دیکھا ہو جسکی ماں صغیر سنی میں اُس سے دائمی مفارقت اختیار کر گئی ہو۔ جس کے وقت کا بہت سا حصہ اپنے چچا کے ہمراہ شام اور تجارت میں گزر گیا ہو جس نے کبھی عربوں ہی کے قاعدے کے بموجب بھی تعلیم نہیں پائی یتیمی حالت میں رہا اور جس نے دعویٰ نبوت کیا محض تنہا حالت میں۔ اسی مقدس نبی نے اسی پیشوائے عالم اور عالم کی رحمت نے باواز بلند پکارا سن لو اگر تمھیں کچھ گھمنڈ ہے تو قرآن کی سی دس سورتیں بنا لاؤ دس نہیں ایک ہی سہی مگر نہیں ہرگز نہیں تم اور جن سب بھی ملجاؤ پھر بھی ناممکن محض ہے کہ ایک سورت بھی ویسی بنا سکو۔ یہ سنتے ہی سب کی ہٹی گم ہوگئی اور سب کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے اور وہ ایسے دم بخود ہوئے کہ کچھ زبان پر نہ لا سکے سوا اسکے کہ سحر سحر کی آوازیں چاروں طرف سے اُٹھنے لگیں۔ مخالفت بھی کی ستایا بھی سرکشی بھی کی اپنی جانوں پر ظلم بھی توڑے مگر نتیجہ کیا ہوا نتیجہ وہی ہوا جو دنیا نے دیکھا خوار و ذلیل ہوئے مارے گئے رسوا ہوئے یہانتک کہ مقدس سرزمین عرب سے نام و نشان تک مٹ گیا اور مٹا تو ایسا مٹا کہ اب کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا اُنکی فصاحت و بلاغت کو چڑیاں چگ گئیں اُنکی آتش مزاجی رفو چکر ہوگئی کسی کا زہرہ نہیں ہوا کہ دو کلمہ بھی زبان سے نکالتا ادہر اُنکی قوت اور مجمع اور خودسری کے مقابلہ میں یہ فرمایا وعد اللہ الذین اٰمنوا و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا یعنی تم سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے رہتے ہیں اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ اُنکو ملک کی خلافت (یعنی سلطنت) ضرور عنایت کرے گا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو اُن سے پہلے ہو گزرے ہیں اور جس دین کو اُس نے اُن لوگوں کے لئے پسند کیا ہے اُس کو اُن کے لئے جا کر رہیگا اور جو خوف و خطر اُن کو لاحق ہے اُس کے بعد عنقریب ہی اُنکو اُسکے بدلے میں امن دیگا۔

یہ وعدہ تھا جو روز ازل سے کیا جا چکا تھا اور ایک دن ضرور پورا ہونا تھا چنانچہ پورا ہو کے رہا۔ کس الہامی کتاب نے یہ

دعویٰ کیا اور وہ بھی مدعیان فصاحتؔ بلاغت اور قوت کے آگے اور پھر دعویٰ مسبز ہوا۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ الہامی کتب کی کیا گت بن رہی ہے انجیل کی تو یہ کیفیت ہے کہ سوائے چند لکھے پڑھے آدمیوں کے کسی کو یہ معلوم ہی نہیں کہ حضرت مسیح کی کیا زبان تھی اور جن اقوال کی نسبت اُن کی ذات سے کی گئی ہے آیا فی الحقیقت یہ اُن کے اقوال بھی تھے یا نہیں۔ پارسیوں کی الہامی کتاب عنقا صفت ہو گئی ہے۔ اور اگر کہیں اُس کا وجود بھی ہے تو یہ ثابت کرنا مشکل ہے کہ اگر اس کا کوئی مصنف ہے تو کون ہے اور کونسا زردشت ہے جس کی تصنیف سے موجودہ ژندوستا ہے۔ اور اگر الہامی ہے تو کب اور کس پر نازل ہوئی یہ ساری باتیں بالکل تاریکی میں پڑی ہوئی ہیں اور انہیں ابھی تک کوئی روشنی میں نہیں لاسکا۔ پھر وید ہے اُسکی بھی یہی کیفیت ہے کہنے والے تو لاکھوں اور کروڑوں ہیں مگر اُسکی صورت ہی دیکھنے والے لاکھوں میں سے دو ایک ہی نکلیں گے مگر پڑھنے والا تو شاید کوئی ہو۔ یہ ساری بدیہی باتیں ہیں جن سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ برخلاف قرآن مجید کے جس زبان میں نازل ہوا اسی زبان میں موجود ہے اور اُسی زبان میں مشرق و مغرب جنوب و شمال پڑھا جاتا ہے نہ ہندوستانیوں سے اسکو کچھ مغائرت ہے اور نہ افریقیوں سے نہ یورپیوں سے بات تو یہ ہے کہ غیر زبان ہونے پر بھی اس کے الفاظ کی شیرینی اور لطافت پُراثر ثابت ہوتی ہے اور یہی اس کا بہت بڑا معجزہ ہے۔

کلام کا فصیح ہونا کلام کی اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے۔ ہدایت اور حکمت کی باتیں اگر اعلیٰ درجہ کی فصیح ہوں تو کیا بُرائی ہے جس پر نہایت دریدہ دہنی سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ ہمیشہ علم ادب ہی نے فتح پائی ہے اور جس قوم میں ادب نہیں وہ مردہ قوم ہے۔ قرآن کی بزرگی لفظ قرآن ہی سے پائی جاتی ہے۔ قرآن کا نام آتے ہی فصاحت و بلاغت اور حکمت و ہدایت کا ایک نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ جس نے اسے آنکھیں کھول کے پڑھا ہے وہ بتا سکتا ہے کہ اس کا کیا اثر ہے اور اسکی حکمت بالغہ کیا اثر رکھتی ہے۔ جب ہم کسی آیندہ باب میں قرآن مجید کے مضامین کا اور کتب الہامیہ کے مضامین سے مقابلہ کرکے دکھائیں گے تو حقیقت کھلے گی اب تو ہم نے صرف فصاحت و بلاغت پر مختصر سی بحث کی ہے اور ہمارا خیال ہے کہ شاید اسی قدر کافی ہو۔ اے کلام پاک تیری بزرگی بہت بڑی ہے۔ تیرا جلال کون دیکھ سکتا ہے۔ تو حقیقت میں لوح محفوظ کا نوشتہ ہے۔ تجھ میں سے از خود خدا کی آواز نکلتی ہے۔ تو بجلی کی دوڑ دوڑ رہا ہے اور تو دنیا کے دور دراز حصص تک پہنچ گیا ہے۔ تیرے فتوحات میں ابتدا سے ابتک کوئی کمی نہیں ہوئی۔ نہ کبھی تجھے تلوار کی ضرورت پڑی نہ روپیہ کی۔ تو اپنی ہدایتوں نشانیوں اور حکمتوں کی فوج لے کے شرک اور کفر کے ممالک پر دھاوا کرتا ہے اور فتح پاتا ہے۔ تیری اِن فوجوں کے روکنے کا کسی کو زہرا نہیں ہے۔ تیرے نام لیوا اپنی بدکرداریوں سے اور تجھے پس پشت ڈال کے خواہ کیسے ہی ذلیل کیوں نہ ہو گئے ہوں پھر بھی تو اپنا معجزہ برابر دکھا رہا ہے تجھے نہ کسی کی حمایت کی پروا ہوئی نہ ہوگی تیرا خدا حافظ ہے اور تیرے لیئے یہی بس ہے۔ بڑے بڑے تغیر و تبدل۔ اور بڑی بڑی مخالفتیں۔ جبر تمناک مد و جزر تجھ میں ایک حرف کی بھی تبدیلی نہ کرسکے کیا یہ تیرا ایک بیّن معجزہ نہیں؟ نہیں ہے اور قطعی ہے؟ جو نہ سمجھیں اُنکی عقل کا قصور ہے۔ بنی اُمیہ کی سلطنت میں بھی تو وہی محترم گنا جاتا تھا جو خلفائے راشدین کی خلافت میں۔ بنو عباس اور بنو فاطمہ میں بھی تیرا ایک ایک لفظ پر زور قانون گنا گیا۔ وحشی ترکمانوں نے تجھے قبول کیا آنکھوں سے لگایا اور اپنا دستور العمل بنایا اس سے زیادہ اور کیا معجزہ ہو سکتا ہے۔ دشت ہا پشت کا تمام تکلفت فراموش کر دینا اور تجھی پہ اپنا دھن من

تن قربان کر دیتا کہاں اور کس جگہ اپنا نظیر رکھتا ہے۔ تو بیشک خدا کا کلام ہے اور بیشک تو ایسا ہی کلام ہے کہ سوائے انسان کے کوئی تیرا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ تیرا جلال ابد تک قائم رہے اور اسیطرح گروہ گروہ تیری ہدایتوں پر روز و شب فریفتہ ہو ہو کے تجھے اپنا دستور العمل بناتے رہیں۔ آمین ثم آمین۔

بارھواں باب

جہاد

سب سے بڑا اعتراض اور سب سے سخت حملہ جو اسلام پر کیا جاتا ہے یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا خود پیغمبر اسلام نے اسلام کی اشاعت کے لئے تلوار اٹھائی۔ خلفائے راشدین نے اپنے نبی کی سنت پوری کی اور لاکھوں بلکہ کروڑوں کو مسلمان بنا لیا اور بعد ازاں مذہبی خونریزی کا یہی سلسلہ جاری رہا اور اب تک جہاں کوئی ملکی لڑائی ہوئی چند روز میں اس کا رنگ بھی مذہبی ہو جاتا ہے اور پھر مخلوق خدا پر ایک آفت نازل ہو جاتی ہے اور بڑے حصۂ مخلوق سے کرب و بلا کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ غرض خدا کی ہری بھری کھیتی نہایت بیدلی سے پائمال کیجاتی ہے۔

یہ خلاصہ ہے اُن دھواں دھار اعتراضوں کا جو اسلام پر کیئے جاتے ہیں کئے گئے اور عجب نہیں کہ اس کا سلسلہ آئندہ تک جاری رہے اور ختم نہ ہو اُس وقت تک جب تک تمام دنیا مذہب اسلام نہ قبول کر لے۔ یہ ہونا ہے اور ہو کے رہے گا روز ازل سے تقدیر ہو چکا ہے کہ ایک دن تمام عالم پر اسلام محیط ہو جائیگا۔ اور اس بات کو تمام دنیا کی مشتمل قوت بھی نہیں روک سکتی۔

یہ غلط فہمی کہ مسلمانوں کے ہاں جہاد ہر حالت میں فرض ہے اور جب کبھی اُن میں قوت ہوتی ہے وہ اشاعت مذہب کے لیئے تلوار لے کے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں عام طور پر سب پر محیط ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ چند متعصب اور واقعات اسلام سے ناواقف یورپیوں نے اپنی بعض تصانیف سے جہاں اس کی اشاعت کی اور عام طور پر اُن کی وہ تحریریں ایسی مقبول خلائق ہوئیں اور اُن کے بغیر استدلال نے ایسا لوگوں کے دلوں میں گھر کیا کہ اب کسی دوسری مخالف بات کا انھیں یقین نہیں آتا۔ انگریزی زبان میں ابھی تک کوئی کتاب اسلام پر ایسی نہیں لکھی گئی جس کی کچھ بھی وقعت ہو سکے سب سے زیادہ قابل تصنیف سر ولیم میور اور اسپرینگر کی گنی جاتی ہے مگر فی الحقیقت واقعات سے ان تصانیف کو کچھ بھی تعلق نہیں۔ جب ہم ان کتابوں سے جرمنی اور فرانسیسی کتب کا مقابلہ کرتے ہیں۔ جو اسلام پر بڑی شرح و بسط کے ساتھ لکھی گئی ہیں تو ہماری آنکھوں سے ان انگریزی کتب کی اور بھی وقعت جاتی ہے اور یہیں کھلتا ہے کہ یہ ابھی تک کنارۂ دریا پر بھی نہیں پہنچے۔ بلکہ دریا کی چمکتی ریت میں غلطاں و پیچاں ہیں اور محض اپنی کم فہمی سے اسی کو دریا سمجھ کے نئی نئی رائیں قائم کرتے ہیں۔ یہ ہم خیالی باتیں نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ ہمارے پاس اسکی وجوہات ہیں۔ ڈاکٹر موسیو لیبان کی کتاب "سیویلیزیشن ڈی عربس

یعنی تمدن عرب موجود ہے اور اس بیش قیمت تصنیف میں فاضل مصنف نے اسلام کے ہر پہلو پر بحث کی ہے۔ کوئی کتاب انگریزی میں آج تک ایسی عمدہ نہیں لکھی گئی۔ اس فاضل مصنف نے یہ لکھا ہے کہ جب تک تمام اسلامی دنیا کی سیر نکی جائے اور موجودہ اسلامی تمدن کو نہ دیکھا جائے محض ناممکن ہے کہ اسلامی تاریخ کوئی لکھ سکے۔ اس فاضل مصنف نے اسلام کے ہر اصول اور مسئلہ کو طبعیات سے جانچا ہے اور اس کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خاص اس معاملہ میں بے انتہا تحقیق کی ہے۔ ہمارے سرولیم میور صاحب کی کتاب کو اس فاضل کی تصنیف سے واقعی کوئی نسبت بھی نہیں ہے اور دونوں مصنفوں کی کتابوں سے مقابلہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ایک نرا ابجد خواں ہے اور دوسرا فاضل اسی طرح موسیو سدیو ہے جس نے فرانسیسی زبان میں حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوانح عمری لکھے ہیں جس خوش اسلوبی سے اس فاضل مورخ نے زمانہ جاہلیت کا بیان اور عربوں کی مختلف سلطنتوں کی حالت اور اُن کا تمدن بیان کیا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اگرچہ فاضل مصنف کا استدلال بہت جگہ سے غلط بھی ہے لیکن اُن اغلاط سے گزر کے ہم اسکی خوبی کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ فضائد عرب سے اسکی انمول واقفیت اسلامی کتب پر پورا عبور تاریخی سلسلہ کا ایک عمدہ پیمانہ پر قائم کرنا۔ اسلامی و فتوحات ملکی۔ سیاسی جنگی اور تمدنی کا باہم تطابق یہ ایسی صفتیں ہیں جن کی تعریف ہی کیجاتی ہے اور اوبدا کے زبان سے یہی نکلتا ہے کہ سرولیم میور کی سیرت محمد بربنی الحقیقت اس کے آگے بھی پانی ہی بھرتی ہے۔

اسلام کی روشنی روز بروز پھیلتی جاتی ہے اور خدا نے اپنی حکمت بالغہ سے مخالفین ہی میں سے ایسے فاضل اشخاص پیدا کر دیئے ہیں جو برسوں تک محنت شاقہ اٹھا کے تحصیل زبان عربی کرتے ہیں اور پھر ایک حد تک انصاف سے اس مذہب کی تحقیق کر کے اپنے ملک میں اس کی اشاعت دیتے ہیں۔ کتابیں تو سینکڑوں ہیں جو صرف فرانسیسی اور جرمنی میں لکھی گئی ہیں مگر جو کتابیں ہماری نظر سے گزری ہیں اور جن کا مطالعہ بھی ہم نے کیا ہے ان ہی کا ذکر ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ جرمنی زبان میں ایک کتاب عربی علم ادب پر تصنیف ہوئی ہے اسکی ضخیم ضخیم آٹھ جلدیں ہیں اس میں چالیس ہزار علمائے اسلام کے سوانح عمری ہیں اور وہ بھی زمانہ مامون الرشید تک ان لاجواب کتابوں کے مقابلہ میں جو جرمنی اور فرانسیسی میں تصنیف ہوئی ہیں ہمیں یہ دیکھ کے لامحالہ کہنا پڑتا ہے کہ انگریزی زبان ابھی تک بہت ہی بدقسمت ہے اور خدا معلوم کس زمانہ تک بدقسمت رہے گی۔ انگریزی میں خواہ غلط فہمی سے خواہ عمداً حق سے چشم پوشی کر کے شاہان اسلام یا اس سے پہلے خلفائے راشدین یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حالات نقل کیے ہیں جو تلوار سے تعلق رکھتے ہیں اور انہیں اس غلط استدلال کی بنیاد پر قائم کیا ہے کہ ایک ناواقف دیکھنے والا یہ سمجھ لیتا ہے کہ اسلام سے زیادہ خونریز مذہب دنیا میں نہ ہوگا۔ اسکے علاوہ بڑے تماشے کی بات یہ ہے کہ انگریزی کتابوں میں جن واقعات تاریخی کا انتخاب کیا گیا ہے وہ خود مسلمانوں کے ہاں کچھ وقعت نہیں رکھتے مثلاً الواقدی کی تاریخ جس کی نسبت تمام مورخین اسلام کا فیصلہ ہو چکا ہے کہ الواقدی کے بہت سے واقعات غلط ہیں اور بڑی حد تک اس مورخ کی کتاب ناقابل اعتبار ہے۔ تمام علماء متفق اللفظ اُسے کذاب کہتے ہیں اور اس کی روایتوں پر بہت کم اعتبار کیا جاتا ہے مگر ہمارے فاضل مصنف سرولیم میور نے بلاوجہ الواقدی کے بیان کردہ غلط واقعات سے فائدہ اٹھا کے اس امر پر زور دیا ہے کہ یہی بہت معتبر تاریخ ہے اور میں نے بہت سے واقعات کو اسی سے اخذ کیا

ہے۔ یہ نری ہٹ دہرمی نہیں تو اور کیا ہے۔ حالانکہ جرمنی اور فرانسیسی کتب میں کہیں الواقدی کا اس شدومد سے ذکر نہیں کیا گیا یہ دوسری بات ہے کہ کہیں کہیں اس کے واقعات پر بحث کی ہے مگر کچھ زیادہ وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا فرانسیسی اور جرمنی تصانیف کے ماخذ وہ نادر الوجود کتابیں ہیں جو ہم نے کبھی نہیں نہیں اور نہ ہندوستان میں دستیاب ہو سکتی ہیں۔ اندلس اور بغداد یا مصر کا کتبخانہ اگرچہ متعصب اور جاہل پیشوایان غیر اسلام کے ہاتھوں تباہ ہو گیا پھر بھی جو کچھ بچی کھچی کتابیں مسلمانوں کی برباد ہونے یا جلنے سے رہ گئی تھیں وہ یورپ کے کتبخانوں میں موجود ہیں اور جرمنی اور فرانسیسی مصنفین نے اُن ہی سے زیادہ فائدہ اُٹھا کے اپنی تصانیف کو قابلِ وقعت بنایا ہے برخلاف ہمارے انگریزی مصنفوں کے کہ وہ کیا تو سنی سنائی باتیں لکھ دیتے ہیں اور یا اُن کتابوں سے اپنے تاریخی واقعات اخذ کرتے ہیں جو مسلمانوں ہی میں قابل اعتبار نہیں ہیں۔

یہ انگریزی کتابیں ہیں جنکی وجہ سے ہندوستان کے دیسی عیسائیوں اور ہندوؤں کو اسلام پر اعتراض کرنے بلکہ گالیاں دینے کا رستہ سوجھ گیا ہے اور وہ ان ہی غلط نویس مصنفوں کو اپنا ذریعۂ اعتراض بنا کے جو چاہتے ہیں لکھ مارتے ہیں مگر افسوس ہے کہ وہ اپنے ان حملوں میں کامیاب نہیں ہوتے۔ سر ولیم میور کی تصانیف کے بعد جتنی کتابیں اسلام کے خلاف عیسائیوں اور ہندوؤں میں لکھی گئیں وہ سب قریب قریب میور صاحب کی ہی کتاب کا خلاصہ ہیں اور ابھی تک کسی ہندو یا دیسی عیسائی کی کوئی کتاب ایسی نظر نہیں پڑی جو اپنی جدید تحقیقات سے بھرا ہو اور زیادہ نہیں دو ایک ہی نئی باتیں دیکھنے میں آتیں بیشک ایک تجدید ضرور ہے اور ہم اُس کا علانیہ اعتراف کرتے ہیں یعنی پیغمبر اسلام کو محض بازاریوں کی طرح دل کھول کر گالیاں دی گئی ہیں اور ایسے فحش الفاظ سے یاد کیا گیا ہے کہ اسلام تو اسلام کسی مذہب کا آدمی ایسے الفاظ کا سننا گوارا نہ کریگا زبان سے نکالنا تو کجا۔ ان ہی اور اسی قسم کی تصانیف میں منجملہ اور اعتراضات کے بڑا اعتراض مسئلہ جہاد پر کیا گیا ہے اور کچھ ایسے مہمل استدلال سے اِس مسئلہ کو بانس پر چڑھایا ہے کہ عوام الناس میں غلط خیالات غلط روایات اور مہمل استدلال کا اسقدر زور ہو گیا کہ العظمة لِلّٰهِ ہزاروں بلکہ لاکھوں کتابیں ہر سال عیسائیوں کی طرف سے مختلف مدائن ہند میں تقسیم کیجاتی ہیں اور مظلوم ناواقف عیسائی ایسی لغویات کو آسمانی نوشتہ سمجھ کے اپنے مصنوعی اور کہنہ مذہب کی فتحمندی پر بغلیں بجاتے ہیں اسی طرح جو اپنے کو آریہ کہتے ہیں چندے کر کر کے کتابیں شائع کرتے ہیں اور اپنے ناواقف پودہ کے معنفا دماغوں کو بے بنیاد خیالات کی تاریکی سے بھر دیتے ہیں اور پھر وہ بیچارے اسی جہالت کی بھول بھلیوں میں ہمیشہ سچے ٹوئیاں مارا کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی طرف سے ان کتابوں کے جواب ہوتے ہیں اور ایسے جواب ہوتے ہیں جو حقیقت میں لاجواب ثابت ہوئے تاہم ابھی کچھ لکھنا باقی ہے اور ہر مسئلہ میں بہت کچھ گنجائش ہے۔ دنیا میں جب سے کہ تاریخ کا کھوج ملتا ہے سوائے کشور کشائی اور خونریزی کے اور کوئی بات نہیں ملتی۔ دنیا کی زمین ہمیشہ سے انسانی خون سے سینچی گئی اور اسی سے انسانی تہذیب کا پودہ لگا۔ کوئی صدی بلکہ کوئی قرن بلکہ کوئی سال دنیا میں ایسا خالی نہیں گیا کہ دولت و ثروت کے لیئے تلوار نہ اُٹھائی گئی ہو اور مخلوق خدا کا بہت سا حصہ اس کے نذر نہ ہوا ہو۔ دنیا میں جب مذہب کی حکومت ہوئی اور کچھ نہ کچھ عقائد لوگوں کے ہونے لگے تو اب ملکی جنگوں نے مذہبی لڑائیوں کا جامہ پہن لیا کشور کشائی کا بہانہ جاتا رہا اور اب مذہب کا پہلو سب نے اختیار کر لیا۔ سکندر اعظم سے پہلے جتنی لڑائیاں ایران میں ہوئیں

سب مذہبی تھیں اور اُنھیں فی الحقیقت جہاد کہنا چاہیئے۔ ایرانی اور تورانی لڑائیاں یونانی اور ایرانی میدان کارزار محض مذہب کی اشاعت کیلئے کئے گئے تھے۔ ہندوستان پر جو گشتاسپ نے متواتر حملہ کیئے وہ محض ژند وستا کی اشاعت اور وید کو مٹانے کی غرض سے ہوئے تھے۔ ایرانیوں اور آریاؤں کی مذہبی لڑائیاں بہت ہی معروف و مشہور ہیں۔ سکندر اعظم کی ایران پر چڑھائی خواہ کسی نیت سے کیوں نہ ہوئی ہو مگر دارا نے اسے مذہبی جنگ سمجھی تھی اور وہ لڑا تھا محض مذہبی صورت سے سکندر اعظم کے بعد یونان میں جو کچھ قتل و غارت ہوئی محض مذہب کی آڑ میں اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ مذہب نے یونان کی شاہراہوں پر خون کی ندیاں بہادی تھیں۔ سلطنت کا مذہب پرانے خیالات پر مبنی تھا اور نئے خیالات گویا اُس کے لیئے سم قاتل تھے اخیر تلوار کی نوبت آئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور چاروں طرف سے غضب آلہی ٹوٹ پڑا حضرت موسیٰ کی لڑائیاں زمین فراعنہ میں مذہبی جامہ میں ہوئیں اور اخیر جو کچھ خونریزی ہوئی وہ سب مذہب کے سر تھوپی گئی۔ پھر حضرت مسیح پیدا ہوئے اور کئی برس اپنے باپ یوسف نجار کی دوکان پر پرورش پاکے یوحنا کے وعظوں میں جانے لگے وعظ سنتے سنتے انھیں بھی جوش ہوا کہ میں بھی کچھ منادی کروں کیونکہ اپنے باپ کا پیشہ نجاری اُنھیں اچھا نہ معلوم ہوا اور اُنھوں نے نہ چاہا کہ اس گمنامی سے زندگی بسر کروں چنانچہ آپنے یوحنا کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر اُنکی اجازت سے منادی کرنے لگے مگر اس منادی نے آپ کو کچھ پھل نہ دیا مرید تو کوئی ہوا نہیں مگر مخالفت زیادہ پھیل گئی اور یہودی برافروختہ ہو کے حضرت مسیح کو کافر یا کفر بکنے والا کہنے لگے گویا مذہب نے فساد اور خرابی کی ریشہ دوانی شروع کردی یہودی حضرت مسیح سے محض مذہب کی خاطر بگڑے تھے۔ اُنکی مخالفت سے حضرت مسیح سخت پریشان ہوئے اور ادہر اُدہر چھپتے پڑے پھرے آخر یہودیوں نے نہ چھوڑا اور صلیب دیدی۔ قرآن مجید نے صلیب دینے سے انکار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ اپنی موت سے مرے مگر اتنا تو ضرور کُھلتا ہے کہ صلیب پر اُنھیں چڑھایا تو گیا۔ چونکہ دوسرے دن سبت کا روز شروع ہونے کو تھا اُنھیں چند ہی گھنٹہ کے بعد اُتار لیا گیا اور پھر وہ قبر میں دفن ہوئے اور وہاں سے شب کو اُن کے شاگرد چُرا کے لے گئے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ مذہبی فساد نے یہ آفت ڈہائی۔ اگر مذہبی رنگ نہ ہوتا تو حضرت مسیح کا عنفوان جوانی کیوں سخت مایوسی کے ساتھ تمام ہو جاتا۔

فخر رسل حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور محمود و مسعود تک کوئی تاریخ داں کسی ایک ایسی لڑائی کا پتہ نہیں دے سکتا جو مذہبی پہلو پر نہ ہوئی ہو محض ناممکن اور بالکل ناممکن ہے کل قوموں نے سوائے اسلام کے ہمیشہ مذہب کے لیئے تلوار اُٹھائی ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ عیسائیت محض تلوار کے زور سے پھیلی ہے پچاس پچاس ہزار یہودی زندہ جلا دیئے گئے یا عیسائی کر لئے گئے۔ امریکہ میں بارہ حواریوں کے نام پر لاکھوں کو صلیب پر کھینچ دیا جس مذہب کی بنیاد ایسی انکساری اور رحم پر رکھی گئی ہو وہ ایسی سخت خونریزی میں مبتلا ہو جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملنے کی۔

فاضل ڈریپر کی کتاب معہ کانفلکٹ بٹوین سائنس اینڈ ریلجن" موجود ہے جس میں یہ تمام خونی واقعات مشرح لکھے ہوئے ہیں اور کوئی عیسائی ان کا ابطال نہیں کر سکتا۔ جب تک عیسائیوں کے ہاتھ میں تلوار نہ آئی تھی تو یہ ادہر اُدہر منادی کرتے پھرتے تھے اور جب ایک گروہ کثیر اُنھوں نے اپنا ہمخیال بنا لیا تو پھر تلوار اُٹھائی اور اخیر اُس زمانہ تک وہ تلوار

ہاتھ سے نہیں چھوڑی ہے بحث ۱۹ء میں روسیہ نے جب ترکوں پر حملہ کیا ہے تو یہ بیان کیا تھا کہ میں مذہب عیسویت کے تحفظ کے لئے اور عیسائیوں کی حمایت پر تلوار اُٹھاتا ہوں گو یورپ کی بعض دول مثلاً انگلستان بوجہ اپنے اعلیٰ تمدن اور تعلیم کے کسی ملک پر مذہبی پہلو سے چڑھائی نہیں کرتا بلکہ اُسے کسی مذہب سے کوئی سروکار نہیں ہے مگر خود یورپ ہی کے جگر میں اور یورپی تمدن میں اب بھی مذہب کے لئے تلوار پر نظر جاتی ہے مگر موجودہ زمانہ کی حالت زیادہ دیر تلوار پر نظر ٹھیرنے نہیں دیتی۔

یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اسلام نے محض تحفظ دین کے لئے تلوار اُٹھائی ہے۔ لیکن اشاعت اسلام کے لئے اُس نے کبھی جہاد نہیں کیا۔ جب اُس کے سفیر دوسری سلطنتوں میں مارے گئے جب اُس سے صریح طور پر عہد شکنی کی گئی جب اُس سے بلاوجہ بغاوت کی گئی جب اُس کے مذہبی فرائض کی بجاآوری کو روکا گیا تو ناچار اُس نے تلوار اُٹھائی اور اپنی قدرت کے موافق ایک حد تک اُسے نبھایا۔ تاریخ موجود ہے ہمعصر شہادتیں حاضر ہیں جو صاف بتاتی ہیں کہ اسلام نے ہمیشہ علاوہ وجوہات بالا کے کبھی مخالف کے مقابلہ میں تلوار نہیں اُٹھائی۔ حضور انور کے تمام خلفاء راشدین کی ساری لڑائیاں اور پھر بنی اُمیہ بنو عباس اور بنی فاطمہ کی جنگیں موجود ہیں جنھیں مخالفوں نے نئے نئے انداز سے بیان کیا ہے۔ کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اشاعت دین کی غرض سے مسلمانوں نے تلوار اُٹھائی اور خون کے دریا بہائے۔

انگریزی۔ جرمنی۔ اور فرانسیسی مورخوں میں باہم اس مسئلہ جہاد میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ مورخین یورپ کا ایک بڑا گروہ ہماری تائید کرتا ہے۔ مگر جن یورپی مورخوں نے تاریخ اسلام کو صرف اُوپری نظروں سے دیکھا ہے اور زیادہ تحقیق نہیں کی ہے وہ تو چاہے جو کچھ لکھیں اور اسلام اور اُنکی جنگوں کو خواہ کتنا ہی ہوّا بنا کے ثابت کریں مگر خود یورپ کے جگر میں ایسے محقق پیدا ہو چکے ہیں جو معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے ہیں اور اُنھوں نے کھلی کھلی شہادتیں دینی شروع کر دی ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ اسلام نے اپنے سادے اور اعلیٰ اصول توحید سے ترقی کی ہے۔ بہرحال ہمیں اس وقت نفس جہاد پر بحث کرنی ہے اور دکھانا ہے کہ جہاد کسے کہتے ہیں اور اسلام کا جہاد کتنا قابل وقعت رکھتا ہے۔ اسلام نے دنیا میں مخلوق کے پیدا کرنے کی غایت ایسی بتائی ہے کہ کسی مذہب کو نصیب نہیں ہوئی اور نہ کوئی مذہب اُسکی تہ تک پونہچا۔ بتایا گیا ہے کہ خالق کائنات کی اصلی غرض اور ٹھا منشا مخلوق کے پیدا کرنے اور دنیا میں بھیجنے کا کیا ہے قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس نے اس سوال کا جواب دیا ہے اور اس کا ایسا لطیف فیصلہ کیا ہے کہ پھر کسی مین میگ نکالنے کی ضرورت ہی نہیں رہی چنانچہ خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی جن و انس کے پیدا کرنے کی غرض یہی ہے کہ وہ خدائے واحد و مطلق کی خالص عبادت کریں۔ جس مذہب نے انسانی پیدائش کی غرض عبادت اور خدا پرستی ٹھیرائی ہو اور اسی کو اعلیٰ درجہ کا منشا بتایا ہو اُس سے زیادہ خدا پرست مذہب اور کون ہو سکتا ہے۔ پھر دوسرے مقام پر فرمایا ہے وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین حنفاء ویقیموا الصلوٰة ویؤتوا الزکوٰة یعنی ان کو بجز اُس کے کچھ حکم نہیں ہوا کہ وہ خدا کی خالص عبادت کریں۔ نماز پڑہیں اور زکوٰة دیں۔ اس آیت میں خدا پرستی اور تمدن کو لازم و ملزوم کر دیا ہے۔ عبادت کے ساتھ زکوٰة کا حکم دینا ایک زبردست حکمت بالغہ ہے جو زیادہ غور کے بعد سمجھ میں آئے گی۔ ایک دوسرے کی مدد کرنے کا نام اعلیٰ تمدن ہے قومیت بھی

اِسی سے پیدا ہوتی ہے اور اتفاق قومی کی بھی یہی بنیاد ہے۔ خدا کی غرض یا رب العرش کا بہت بڑا منشا مخلوق کے پیدا کرنے کا یہ ہے کہ وہ خاص ایک خدا کی پرستش کریں جو لوگ حاجتمند ہیں اُنکی مدد کریں بس یہی اُن کے لیئے حکم ہے اور اُنکے پیدا کرنے کا بہت بڑا منشا یہی ہے۔ اِن آیتوں پر غور کرنے کے بعد کون شخص کہہ سکتا ہے کہ جہاد اسلام کے اعلیٰ اصول میں سے ہے اور کون متعصب سے متعصب شخص یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اسلام کی بنیاد محض خونریزی اور کشور کشائی پر اول دن سے رکھی گئی۔ اول ہی اول نبی معصوم و برحق نے کس بات کا وعظ فرمایا تھا صرف یہی نا کہ بتوں ۔ ستاروں ۔ درختوں اور فرضی شیطانوں کی پرستش نکرو۔ اور خدائے کائنات پر ایمان لاؤ۔ جب اس روشن ہدایت سے اُنھوں نے مخالفت کی اور محض اپنی شقاوتِ قلبی سے اُس مخبر صادق کو صرف حق گوئی پر ستانا اور تکلیف دینا شروع کیا اور جتنے مظالم کہ وہ کر سکتے تھے اور اُنکے دستِ قدرت میں تھے سب ہی اِس معصوم و برحق نبی پر توڑے حتیٰ کہ اُسے اُس کے پیارے وطن اور موروثی گھر سے نکال دیا جس گھر میں اُس نے پرورش پائی۔ شہر کی جن راہوں میں وہ بچپن سے بڑا ہوا جس تنہا مقام میں اُس نے برسوں عبادت خدا کی اور جہاں رہتے ہوئے اُس کی کئی پشتیں گذر گئی تھیں بلاوجہ وہاں سے اُسے مجبور کرنا کہ وہ اُس عزیز سرزمین کو نہایت مایوسی اور خون کی بھری ہوئی نظروں سے الوداع کہے اور اخیر اُسے یہ کرنا پڑا ہم کہتے ہیں کہ اس پاک نفس نے کبھی اُنکی مخالفت میں تلوار نہیں اُٹھائی کبھی اُن پر ظلم نہیں کیا کبھی اُنکو مجبور نہیں کیا کہ وہ اپنا وطن چھوڑ دیں۔ جتنے مظالم اُنھوں نے کیئے وہ بلاوجہ تھے اور اسکی سزا انھیں ضرور ملنی تھی۔ وطن چھوڑ نیکے بعد وہ از خود اُن سے کبھی برسر پرخاش نہیں ہوا اُس نے نہ صرف اُن سے قطع تعلق کیا بلکہ اُن کی کسی بات سے سروکار نہ رکھا۔ اُس نے کبھی مسلمان واعظ مکہ میں تبلیغ اسلام کے لیئے نہیں بھیجے اگر مشرکانِ عرب کو یہ شکایت تھی کہ آپ اُن کے مذہب کے خلاف وعظ فرماتے ہیں تو وہاں سے چلے آنیکے بعد تو وہ شکایت مٹ جانی تھی مگر نہیں مشرکین عرب نے مدینہ منورہ میں بھی پیچھا نہیں چھوڑا ناچار حضور انور نے اپنے مذہب کے تحفظ کے لیئے تلوار اُٹھائی اور جب تک اپنی کامل حفاظت دشمنانِ اسلام سے نکرلی تلوار ہاتھ سے نہیں چھوڑی ہم آیندہ مفصل طور پر غزوات نبی علیہ السلام پر بحث کرینگے۔ فی الحال ہم قرآن مجید سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ جہاد کے لیئے کیا حکم دیتا ہے اور اس نے جہاد کی بابت کیا فیصلہ کیا ہے۔

قرآن مجید نے یہ فیصلہ کر دیا ہے وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔ خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اس سے تجاوز نہ کرو خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا جہاد عام طور پر غیر اسلام کی نظروں میں اس خوفناکی سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سے زیادہ دہلا دینے والا لفظ نہ صرف عربی میں بلکہ کسی زبان میں بھی نہو گا۔ اس آیت میں جابرانہ حملہ آوریوں کو بہت شد و مد سے روکا ہے اور وہ حملہ آوری خواہ مذہبی جامہ میں کیجائے یا کشور کشائی اور ملکی لباس میں چونکہ دنیا میں مخلوق کے پیدا کرنے سے مقصود خداوندی خدائے کائنات کی پرستش قرار پا چکی ہے اس لیئے خونریزی اور کشور کشائی کی ہوس کو روکنے کے لیئے صاف حکم دیدیا ہے کہ جب تک تم سے نہ لڑیں ہرگز پیشقدمی نہ کرو۔ کیونکہ آیت کے اختتام کے الفاظ میں پیشقدمی کو حد سے بڑھ جانا بیان کیا گیا ہے جسے خدا کبھی دوست نہیں رکھتا۔ دنیا میں اسلام کا ظہور تلوار چلانے یا حضرت مسیح کے حکم کی

تعمیل[1] کرنے نہیں ہوا تھا بلکہ مقصود خداوندی یہ تھا کہ لوگوں کی زبون ترین حالت میں اصلاح ہو شرک وکفر کی تاریکی مٹ جائے مصنوعی دیوتا جنھوں نے قومی خیالات کو سخت پست کر رکھا تھا نیست ونابود کردیئے جائیں مظلوموں کی داد رسی کی جائے اور مستورات کو آفت سے نجات دیجائے یہ خاص[2] منشا ظہور اسلام کا تھا اسی بنا پر خداوند تعالیٰ نے مومنین کو حکم دیا ہے کہ جو تم سے لڑتے ہیں اُن سے تم بھی لڑو مگر خبردار حد سے آگے بڑہنا مجھے پسند نہیں آتا۔ حد سے آگے بڑہنے کے یہی معنے ہیں کہ بلا وجہ تلوار اُٹھائی اور ایسے شخص یا قوم کے مقابلہ میں شمشیر بدست ہونا جو ہم سے نہیں لڑتی اور نہ ہم سے کوئی سروکار رکھتی ہے۔ پس اسی کو حد سے بڑہنا کہتے ہیں اور یہی خداوند تعالےٰ کو ناپسند ہے۔

قرآن مجید میں ہر مقام پر انتہا درجہ عاجز ہونے وطن سے بے وطن ہونے برباد ہونے اور مذہبی ارکان کی بجا آوری سے روکے جانے پر تلوار اُٹھانے کا حکم دیا ہے اور بھی اُسوقت کہ تلوار اُٹھانے کی طاقت ہو چنانچہ قوم شموئیل کا قول قرآن مجید میں نقل ہوا ہے جو اُنھوں نے اپنے نبی سے کہا تھا۔

یعنے ہم خدا کی راہ میں کیوں نہ لڑینگے جبکہ ہم اپنے گھروں سے بے گھر اور اولاد سے محروم ہوئے ہیں۔ جب یہ کُل آفتیں گزر جائیں۔ جب گھروں سے نکال دیئے جائیں اور جب اولاد چھین لی جائے اُس وقت اس انتہا درجہ کی مجبوری میں لڑنے کا حکم دیا ہے۔ اب کون مذہب کہہ سکتا ہے کہ اُس نے اس سے زیادہ خونریزی سے نفرت کی ہے دنیا میں اس سے زیادہ صلح پسند منکسر مگر طبع انسانی اور قانون قدرت کے مطابق مذہب کوئی بھی نہیں پیدا ہوا۔ اسکے بعد مسلمانوں کی طرف خطاب کرکے فرمایا گیا ہے وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا تمکو کیا ہوا تم خدا کی راہ میں عاجز لوگوں اور عورتوں اور بچوں کے لیئے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں خدایا ہمکو ان ظالموں کی بستی سے نکال،، یہاں بھی ان مظلوم بچوں اور

[1] حضرت مسیح فرماتے ہیں ’’یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا۔ صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے کو آیا ہوں کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اُس کے باپ اور بیٹی کو اُس کی ماں اور بہو کو اُس کی ساس سے جدا کروں اور آدمی کے دشمن اُسکے گھر ہی کے لوگ ہونگے (انجیل متی باب آیت ۳۴-۳۵-۳۶) یہ قول ہے حضرت مسیح کا جس سے خون اور کرب وبلا کی صدائیں آتی ہیں۔ انجیل کے مفسروں نے اس خون آلود قول کی عجیب غریب توضیحات کی ہیں مگر وہ ثابت نہ کر سکے کہ حضرت مسیح کا یہ مقولہ تمدن اور امن کا برقرار رکھنے والا ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی اس قسم کی کوئی آیت موجود نہیں ہے جس میں اس شد ومد سے فرمایا گیا ہو۔

[2] ہدایہ کے حاشیہ فتح القدیر میں منشائے جہاد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے المقصود منہ (من الجہاد) لیس مجرد ابتلاء المکلفین بل اعزاز الدین ودفع شر الکفار عن المومنین بدلیل قولہ تعالیٰ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ (فتح القدیر صفحہ ۶۹۳ جلد ۲) یعنی جہاد سے مقصود نہ صرف امتحان مکلفین ہے بلکہ دین (اسلام) کو عزت دینا اور مسلمانوں سے کفار کی تکلیف دہی کو روکنا اس سے مقصود ہے اس پر خداوند تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے کہ تم کفار سے لڑو تاکہ مسلمانوں کو تکلیف نہ ہو اور دین کا کوئی مزاحم نہ رہے،، غرض جہاں جہاد کا حکم ہے وہاں وجوہات جہاد بھی موجود ہیں۔ ممالک روسیہ میں جہاں مذہبی آزادی کا نام بھی نہیں ہے اور جہاں مسلمان حسب دلخواہ اپنے ارکان مذہب ادا نہیں کر سکتے وہاں یہ بھی حکم ہے کہ ہدایہ کا باب الجہاد ہدایہ میں سے ہلکا نکال ڈالا جائے اور قانوناً کوئی شخص مجاز نہیں ہے کہ وہ باب الجہاد

اور عورتوں کی حمایت کے لیئے جو اپنے گھر سے بے گھر ہوئے تھے اور جن پر بے انتہا ظلم توڑا گیا تھا لڑنے کا حکم دیا ہے۔ ایسی حالت میں مقتضائے قانون قدرت او فطرت انسانی یہی ہے کہ ایسے بیکسوں پر جان دیدے اور اپنا خون بہا کے اُن کی جان آفت سے بچائے یہی انسانیت اور یہی ہمدردی اور یہی عین رحم ہے آگے اور بھی بوضاحت ارشاد کیا ہے ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواءً فلا تتخذوا منھم اولیاء حتی یھاجروا فی سبیل اللہ فان تولوا فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم ولا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا الا الذین یصلون الی قوم بینکم وبینھم میثاق او جاؤکم حصرت صدورھم ان یقاتلوکم او یقاتلوا قومھم ولو شاء اللہ لسلطھم علیکم فلقاتلوکم فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا۔ یعنی مکہ اور اُس کے اطراف کے کافر چاہتے ہیں تم بھی ویسے ہی کافر ہو جاؤ پس ایک جیسے ہو رہو تم انکو دوست نہ بناؤ جبتک وہ خدا کی راہ میں وطن نہ چھوڑیں یہ لوگ تمھاری دوستی سے منہ پھیریں تو انکو پکڑو اور جہاں پاؤ مارو بجز اُنکے جو تمھارے عہدوپیمان والوں سے جا ملیں یا یہ کہ وہ تم سے یا تمھارے دشمنوں دونوں سے لڑنے کو پسند نہ کریں خدا چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کرتا اور وہ تم سے لڑتے اب جو وہ تم سے کنارہ گزیں ہیں اور تم سے نہیں لڑتے اور صلح کا پیام دیتے ہیں تو خدا نے اُن پر تم کو لڑنے کا راستہ نہیں دیا۔

صلح ہو جانے اور معاہدہ ہو جانے کے بعد قطعی ممانعت کا حکم دیدیا ہے اس سے بھی زیادہ توضیح اس آیت میں کردی ہے ان اللہ یدافع عن الذین امنوا ان اللہ لا یحب کل خوان کفور اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوات ومساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا۔ یعنی خدا مسلمانوں سے ایذا کو روکتا ہے۔ وہ ناشکر خائنوں کو

اپنے پاس رکھے۔ کوئی مسجد بطور خود نہیں بنا سکتا جبتک کم سے کم تین سو آدمیوں کی دستخطی عرضی معہ مقررہ شرائط اور ذمہ داری کے حاکم ضلع کو نہ دے کوئی شخص حج میں نہیں آ سکتا جبتک تین سو سکہ روبل بطور ضمانت گورنمنٹ کو نہ ادا کرے۔ قازان میں ایک شخص نے جو ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھا مجھسے یہ ساری کیفیت بیان کی تھی اُسنے یہ بھی کہا تھا کہ روسیہ نے ایکبار یہ چاہا تھا کہ قرآن مجید سے آیات جہاد خارج کردی جائیں مگر اس سے کل مسلمان آبادی بھڑک اُٹھی اور اخیر اُسے اپنا یہ ارادہ فسخ کرنا پڑا برخلاف انگریزی سلطنت کے کہ مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی ہے اور آزادی بھی اتنی کہ انکو کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ مگر روسیہ چونکہ ایک جابرانہ اور سخت متعصب سلطنت ہے اس لیئے وہاں مسلمانوں کی مذہبی آزادی ہمیشہ معرض زوال میں رہتی ہے۔ تاہم ابھی وہاں بھی وہ وجوہات جن سے روسیوں پر جہاد ہو سکے قائم نہیں ہوئی ہیں۔ جن مجبوریوں پر مسلمانوں کو تلوار اُٹھانیکا حکم ہوا ہے کیا علاوہ مسلمانوں کے کوئی قوم جب اُسے ایسی مجبوریاں لاحق ہوں تلوار نہ اُٹھائیگی۔ برہمنوں نے تو بغیر کسی وجہ کے ہندوستان بھر سے مذہبی جہاد کرکے پُر امن و صلح پسند قوم بودھ کو نکالدیا تھا اور ایسا نکالا تھا کہ ایک بودھ کا نام و نشان بھی اس وسیع خطہ میں باقی نہ رہا تھا۔ خونریزی اسقدر ہوئی تھی جسکی نظیر عالم میں نہیں ملتی۔ عیسائیوں کی صلیبی جنگیں مشہور عام ہیں جنکی جنگجوں کی بنا محض تعصب اور کشور کشائی پر موقوف تھی۔ سوائے مسلمانوں کے دنیا کی کوئی متمدن قوم یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ اُسنے مجبور ہو کے اور وجوہات بالا پر کاربند ہو کے حریف کے مقابلہ میں تلوار اُٹھائی نتیجہ یہ ہے کہ اسلام پر کوئی الزام نہیں آسکتا دوسری قومیں مذہبی لڑائیوں کے حق میں خود بہت بڑی ملزم ہیں۔ اسلام تمام الزاموں سے پاک ہے جو اُس پر محض تعصب سے قائم کیئے جاتے ہیں وہ ایک صلح پسند اور پرامن مذہب ہے اور اس سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں پیدا ہوا۔

پسند نہیں کرتا جن سے ظالم لوگ لڑتے ہیں اُنکو مظلوم ہونیکے سبب لڑنے کی اجازت ہے خدا اُنکی مدد پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں اسی بات کے سبب کہ اُنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ بچائے تو گرجے اور یہودیوں کے عبادتخانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے سب ہی ڈھا دی جائیں" اب نہایت انصاف اور غور سے اِس آیت کو پڑھنا چاہیئے کئی کئی باتیں اس سے پیدا ہوتی ہیں اور فی الحقیقت دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔ جہاد کا منشا صرف یہی بیان ہوا ہے کہ جب گھر سے بے گھر ہوں۔ بال بچے چھین لیئے جائیں اور خدا کا نام لینے اور اسکی خالص عبادت کرنے سے بالجبر روک دیئے جائیں اور تمام مظالم کی انتہا ہو چکے تو اُس وقت تلوار اُٹھانی چاہیئے یہ گویا وجوہات جہاد ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ اگر مسجدیں۔ گرجے اور یہودیوں کی خانقاہیں جن میں خدا کا نام لیا جاتا ہے اُنکے منہدم ہونیکا اندیشہ ہو اور یہ یقین کر لیا جائے کہ مخالف نہیں چھوڑیگا تو فوراً جدال و قتال پر آمادہ ہو جاؤ اور حتی الامکان ان مقامات کی جہاں خدائے واحد و مطلق کا نام لیا جاتا ہے حفاظت کرو۔ یہاں نہ صرف مسجدوں کے ڈھانے پر ہی جہاد کا حکم دیا ہے بلکہ گرجوں اور خانقاہوں پر بھی تلوار پکڑنے کا حکم ہوا ہے اگر کہیں مشرکوں کی حکومت ہو اور وہاں یہودی عیسائی اور مسلمان مل جل کے رہتے ہوں اور کسی بیجا خود غرضی سے وہ مشرک حکمراں گرجوں کو صدمہ پہنچانا یا منہدم کرنا چاہتا ہو تو بموجب فیصلۂ خداوندی کل موجودہ مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ اگر اُن میں طاقت ہے تو وہ تحفظ گرجا کے لیئے فوراً شمشیر بدست ہو جائیں اور جب تک انقطاعی فیصلہ نکرلیں ہرگز باز نہ آئیں یہ ہے اسلام اور یہ ہیں اُسکے احکام اُس نے معابد نصاریٰ اور یہود کو اسلام کے ساتھ ایک پیمانہ پر رکھا ہے نہ اُسنے مسجد قبلہ کو کچھ افضل ٹھیرایا ہے اور نہ خانقاہ وغیرہ کو مساجد گرجوں اور خانقاہوں کی ایک حالت دکھائی گئی جس طرح مسجدوں پر لڑنا فرض قرار دیا گیا ہے اسی طرح گرجوں پر اسی طرح خانقاہوں پر سمجھ میں نہیں آتا کہ بعض یوروپی مصنفوں نے لفظ جہاد اور اُسکے منشا سے لفظی پر کیوں اسقدر خونی رنگ چڑھایا ہے اور کیوں بلاوجہ اُسے ہوّا بنا دیا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے لیئے قرآن اور اُسکے قدرتی فیصلوں کو الگ رکھدیں اور ایک عام نظر دنیا کے تمدن پر کریں اور دیکھیں کہ اگر دنیا کی کوئی حکمران قوم وہ جبر کرے جس جبر پر مسلمانوں کو شمشیر بدست ہونیکا حکم ہوا ہے اور جن پر جبر کیا جائے وہ ایسے لوگ ہوں جنھوں نے قرآن کو کبھی دیکھا نہ ہو تو کیا وہ لوگ جبر سہتے رہیں گے اور شمشیر بدست نہونگے اور آیا ایسے جابر حکمران کی حکومت کُچھ دن باقی رہے گی یہ ایسی کچی تلی باتیں ہیں اور ایسے بدیہی مشاہدے ہیں جن کا منکر مجنون گنا جا سکتا ہے۔ پھر اگر ایسی مجبوری کی حالت میں مسلمانوں کو شمشیر بدست ہونیکا حکم ہوا اور وہ اُس پر کاربند ہوئے تو کیا غضب ہوا۔

اس کے برخلاف جہاں اور جس ملک میں وہ آزادی اپنے مذہبی فرائض کی انجام دہی کرتے ہیں جہاں خدائے واحد کی عبادت کرنے کے علاوہ اُنھیں اشاعتِ دین کی پوری پوری آزادی ہے جہاں وہ حکومت کے مذہبی پیشواؤں سے کلّہ بکلّہ لڑ سکتے ہیں اور جہاں وہ کل ممکن وسائل اور جائز ذرائع اشاعت اسلام کے برت سکتے ہیں تو بحیثیت اُسکے مذہبی احکام کے اُن پر فرض ہے کہ وفادار اور اطاعت گزار ہو کے رہیں اور ہر مصیبت میں اپنی حکمران قوم کی مدد کریں یہ عین احسان پرستی اور عین انسانیت اور عین اسلام ہے وہ مسلمان نہیں ہے جو رسول کے فیصلہ سے دل تنگ ہو

اور ہم اُسے کافر سمجھتے ہیں جو محض اپنی تاریکی قلب اور ناجائز تعصب سے خدا کے احکام ناک بھوں چڑھائے۔

ہم دنیا کے کل مذاہب کو مقابلہ کے لیئے طلب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی مذہب ایسا ہو جس میں غیر مذہب کے معابد کا تحفظ اسی طرح لازم وضروری بلکہ فرض ہو جسطرح خود اُسکے معابد کا۔ جہانتک ہم نے دنیا کے بڑے بڑے مذاہب کو جانچا دیکھا اور غور وخوض سے پڑھا ہے ہمارا خیال نہیں ہے کہ کہیں بھی ایسا اشارہ آیا ہو ہر مذہب اپنے ہی دائرہ میں محدود اور اپنی ہی ہدایت کے لیئے چست اور مستعد ہے بلکہ دوسرے مذہب کو مٹانے یا گھٹنے کی خواہش کرنے میں ید طولیٰ رکھتا ہے برخلاف اسلام کے کہ وہ دوسرے مذہب کا تحفظ بمنزلہ اپنے تحفظ کے سمجھتا ہے اور اسی زبردست اصول پر اُسکی ساری بنیاد ہے۔ اسلام بہت صاف ہے اور کھُلے لفظوں میں یہ بیان کرتا ہے

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی

حضرت انس نے اِن آیات کی شان نزول میں فرمایا ہے روی ابن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قالت کانت المراۃ تکون مقلاۃ فتجعل علی نفسہا ان عاش لہا ولد ان تہودہ فلما اجلیت بنو النضیر کان فیہم من ابناء الانصار فقالوا لا ندع ابناءنا فانزل اللہ عز وجل لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی (ابی داؤد) یعنی اگر انصار میں کوئی عورت لاولد ہوتی تو یہ منت مانتی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو میں اُسکو یہودی بناؤنگی پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی نضیر کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے اطراف مدینہ سے جلاوطن کرنا چاہا تھا تو ان بچوں کی نسبت یہودیوں اور اُنکے وارثوں (انصار) کا جھگڑا ہوا انصار نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ ہماری اولاد ہیں ہم انکو جانے نہ دینگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ دین میں زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے پھر تفسیر معالم والا لکھتا ہے فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد خیر اصحابکم فان اختاروکم فہم منکم وان اختاروہم فاجلوہم معہم وقال مجاھد کان الناس مسترضعین فی الیہود من الاوس فلما امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم باجلاء بنی النضیر قال الذین کانوا استرضعوا فیہم لنذھبن معہم ولندینن بدینہم فمنعہم اھلوہم فنزلت لا اکراہ فی الدین الخ (معالم صفحہ ۱۴۲) یعنی اس موقع پر حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ ان لوگوں کو اختیار ملگیا ہے یہ تمکو پسند کریں تو تم میں سے ہیں یہودیوں کو پسند کریں تو اُنکے ساتھ یہ بھی جلاوطن ہوں"۔ اگر ہم اس شانِ نزول کو صحیح مانیں تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ حضرت رسالتمآب کے زمانہ محمود ومسعود کے طاقتور ہونیکے بعد بھی کسقدر آزادی ہے کہ باوجود قدرت کے بچوں کو آزاد کر دیا کہ چاہے جہاں جائیں اور چاہے جہاں رہیں کچھ روک ٹوک نہیں ہے نہ زبردستی مسلمان بنایا جاتا ہے اُسکی وجہ یہ ہے کہ جب ہدایت سے گمراہی ممتاز ہو چکی تو اب جبر واکراہ کی ضرورت نہیں ہے ہر شخص آزاد ہے کہ چاہے کوئی سا مذہب اختیار کرے اور اگر ہم اِس شانِ نزول کو نہ بھی تسلیم کریں تو ہمیں نفس آیت پر غور کرنیکے بعد خود اس کا مطلب بہت آسانی سے معلوم ہو جائیگا کہ جو مذہب اپنی ہدایت پر اسقدر ناز کرتا ہے اُسکے لیئے یہ بھی لازمی ہے کہ وہ آزادی بھی کسقدر دیدے جبر واکراہ ہمیشہ باطل مذاہب کا لازمہ ہوا کرتی ہے پر از ہدایت مذہب کو جبر واکراہ سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ گاہک اُسی دوکاندار کے پاس دوڑ کے جائیگا جس کا سودا کھرا اور جسکی تول ٹھیک ہوگی اور جس دوکاندار کا سودا بھی خراب اور تول بھی ٹھیک نہ ہوگی وہاں بُلانے پر بھی رخ نہ کریگا اور دوکاندار کی منتوں عاجزیوں پر ہرگز گاہک کی نظر نہ ہوگی۔ اسیطرح قرآن مجید ہے نہ اسکو روپیہ کی ضرورت ہے نہ نادار کی نہ حکومت کی نہ واعظین کی یہ خدا کی حفاظت میں قدم بڑھا رہا ہے اور روز بروز اُس کا قدم بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ ہندوستان میں مذکورہ بالا مددوں میں سے ایک قسم کی مدد بھی اس پاک کتاب کو حاصل نہیں ہے مگر جو کچھ کرشمہ

یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی۔ کہاں ہیں یہ کھلے الفاظ کسی الہامی کتاب میں اور کہاں ہیں وہ معترض جو اپنے دل کے جلے پھپولے پھوڑا کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور اسلام کا پہلا اصول ہے کہ یا تو اسلام قبول کرو اور نہیں قتل کر دیئے جاؤ گے۔ یہ ساری باتیں محض خیالی ہیں اور واقعات کہہ رہے ہیں کہ انکو صدق سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے۔ آگے آنے والی آیت میں تو خداوند تعالیٰ نے ہر ایک بات کا انقطاعی فیصلہ کر دیا ہے جس میں نہ تاویل کی ضرورت ہے نہ کسی توضیح کی حاجت ہے چنانچہ ارشاد خداوندی ہوتا ہے لا ینھٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظلمون یعنی خدا تمکو ان لوگوں سے سلوک و احسان کرنے سے مانع نہیں جو تم سے دین کے سبب نہیں لڑے اور تمکو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا خدا انصاف والوں سے خوش ہے تمکو ان ہی لوگوں کے ساتھ سلوک اور دوستی سے خدا روکتا ہے جو تم سے دین کے سبب لڑتے ہیں اور تمھارے دشمنوں کو تمھارے مقابلہ میں مدد دیتے ہیں جو انکو دوست سمجھیں گے وہ ظالم

اس قرآن خداوندی سے ظاہر ہو رہے ہیں وہ کسی سے چھپے ہوئے نہیں۔ سب جانتے ہیں کہ مسلمان مفلس ہیں اور سب کو معلوم ہے کہ انکے پاس اتنا نہیں ہے کہ خود بھی کھائیں اور دوسروں کو بھی دیں نہ انکی باقاعدہ انجمنیں اشاعت اسلام کی ہیں اور نہ کوئی روپیہ خرچ کرنیوالا ہے پھر کونسی ایسی بات ہے کہ قرآن نسبتًا انجیل سے زیادہ مخلوق خدا کے قلوب مسخر کیئے لیتا ہے اور کوئی چیز اسکی سدراہ نہیں ہوتی۔ کوئی خوبی تو ہے اور کوئی معجزہ تو ہے۔ آریا اس پر اعتراض کریں نہ صرف اعتراض بلکہ بازاریوں کی طرح سے سخت گالیاں دیں دیسی کرسٹان اور محض ناواقف یورپی لاکھوں روپیہ سالانہ خرچ کر کے اسکی تردید میں کتابیں چھاپیں مفت تقسیم کریں اور اپنی تہذیب اور مذہبی اثر کے مطابق ناپاک اور غلیظ الزامات اور سب و شتم سے بھی درگذر نہ کریں پھر بھی اسکی ترقی میں ذرا فرق نہیں آتا اور ہر سال لاکھوں ہندو اور عیسائی مسلمان ہوئے جاتے ہیں اور انکا مسلمان ہونا بغیر کسی لالچ کے بدیہی ہے۔ خدا نے عقل و فہم ہر انسان کو عطا کی ہے اسے سوچنے اور سمجھنے کی بھی طاقت ہے وہ موجودہ واقعات پر غور بھی کر سکتا ہے اور ان سے نتیجہ بھی نکال سکتا ہے وہ تعصب سے علیحدہ ہو کے سوچ سکتا ہے کہ بغیر کسی انسانی امداد کے کسی مذہب خاص کا ترقی کرنا اور پھر اس ترقی میں زندگی کا ہونا ضرور ایک بڑا راز رکھتا ہے اور پھر ساتھ ہی ہر موجودہ تمدن کے مطابق اترنا یہ ایک معجزہ ہے جس سے کبھی انکار نہیں ہو سکتا۔ ہم جانتے ہیں کہ انجیل وغیرہ الہامی کتب کی تعلیم بعض مواقع پر بہت ہی دل خوش کن اور اخلاق سے پر ہے مثلاً ایک گال پر تھپڑ کھا کے دوسرا گال آگے کر دینا مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کبھی کسی نے اسپر عمل کیا اور فرض کرو کہ دنیا اس پر عمل کرے تو کیا کیفیت ہو اور تمدن انسانی کا ڈھانچہ کتنی جلدی توڑ مروڑ ڈالا جائے۔ یہ ساری باتیں محض ناممکن الوقوع ہیں اور انھیں فی الحقیقت طبع انسانی اور قوانین قدرت یا اثرات مرز و بوم سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے برخلاف قرآن مجید کے کہ اسکے تمام اوامر و نواہی طبع انسانی۔ اثرات مرز بوم۔ اور قوانین قدرت پر بالکلیہ مبنی ہیں اور نہایت غور کی جانچ کے بعد بھی ان میں کبھی فرق نہیں معلوم ہوا

ہیں" اس سے زیادہ کھلا فیصلہ اور ہو نہیں ہو سکتا سمجھ میں نہیں آتا کہ معترضین ان آیتوں کے دیکھنے سے کیا اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں یا تعصب انھیں ایسا اندھا کر دیتا ہے کہ یہ روشن آیتیں انھیں نہیں سجھائی دیتیں۔ ان لوگوں پر یا اس حکومت پر جو غیر اسلام ہے اور جس نے نہ مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا اور نہ ان سے دین کی وجہ سے لڑے ہر طرح مسلمانوں پر فرض ہے کہ ان پر احسان کریں دین کے سبب لڑنے سے یہ غرض ہے کہ کوئی غیر اسلام حکومت مسلمانوں کے خلاف اس بنا پر تلوار اٹھائے کہ وہ مذہب اسلام کو چھوڑ دیں اور فرائض اسلام نہ ادا کریں اس مجبوری کی حالت میں جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس روشن آیت کے اخیر حصہ میں صاف بتایا گیا ہے کہ ان پر نہ احسان کرو نہ انکے ساتھ کوئی سلوک کرو جو تمکو گھروں سے نکال چکے ہیں اور تمھارے دشمنوں کو تمھارے خلاف مدد دے چکے ہیں یہ ساری باتیں ایسی ممکن التعمیل ہیں کہ کسی زمانہ میں کسی قوم کو اس سے چارہ نہیں ہوا۔ موجودہ قوانین بین الاقوام پر جب ہم نظر کرتے ہیں تو انکی بھی یہی بنیاد ہے۔ کون قوم ایسی ہے جو گھروں سے نکالی جائے اور اس پر جبر کیا جائے کہ تو اپنے دینی عقائد کو چھوڑ دے اور پھر قوت ہونے پر وہ بر سر پرخاش نہو۔ یہ تو قرآنی احکام ہیں مگر جب ہم موجودہ زمانہ میں ایک صدی کی جنگوں کی وجوہات دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ معمولی بہانہ سے جنگ چھیڑ دینی اپنی عظمت اور طاقت کا بہت بڑا اصول گنا جاتا ہے۔ طاقتور دولتیں ہمیشہ کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈا کرتی ہیں اور بعض اوقات تو اپنی قوت کے آگے انھیں کسی بہانہ کی بھی ضرورت نہیں پڑتی اور وہ بہت آزادی سے خون بہانے کو مستعد ہو جاتی ہیں۔ مخلوق خدا کی خونریزی ایسا خطرناک اور مکروہ امر ہے کہ شاید اس سے بدتر دنیا میں اور کوئی امر نہیں۔ اسلام چونکہ قوانین قدرت کا ایک مجموعہ ہے اس لیے اسلام نے بالطبع خونریزی کو ناپسند کیا ہے اور نہایت مجبوری کی حالت میں جب جان پر آبنے تلوار پکڑنے کا حکم دیا ہے۔

مذکورہ بالا آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان مسلمانوں کی طرف خطاب کیا گیا ہے جو غیر اسلام شاہ کی عملداری میں رہتے ہوں۔ انھیں حکم دیا گیا ہے کہ تم ایسی غیر مسلمان سلطنت کے دوست بھی ہو اور اسکے ساتھ سلوک بھی کرو کہ جو تمھیں نہ گھروں سے بے گھر کرے اور نہ تم سے کبھی اس نظر سے لڑے کہ تمھیں اسلام سے دست بردار ہونے پر مجبور کرے۔ اسلام کی بنیاد اول روز سے تمدن انسانی کے اعلیٰ پیمانہ پر قائم کی گئی ہے مسلمان تو مسلمان کافر کے ساتھ بھی دوستی کرنیکی بہت شد و مد سے اجازت ملی ہے۔ جبتک کسی قوم میں محسن پرستی کا جوہر نہیں ہوتا وہ متمدن اقوام میں فی الحقیقت وحشی گنی جاتی ہے۔ اپنے منعم اور محسن کو حتی الامکان اپنے تن من دھن سے مدد دینا اور ہر ممکن سلوک اس کے ساتھ کرنا امن اور ملکی قومی ترقی کا بہت بڑا ضامن ہے۔ اس آیت میں نہ کسی اہل کتاب کی قید ہے اور نہ کسی مشرک کی ہر ایک سے احسان کرنے اور دوست رہنے کا حکم ہوا ہے جس حکومت میں ہم بآرام زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہماری جان ہمارے مال اور ہمارے حقوق۔ ہماری مذہبی آزادی انتہا درجہ محفوظ ہے۔ ہمیں اپنے مذہبی فرائض کے ادا کرنے میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ ہم کھلے بھاؤ جو کچھ جی چاہتا ہے کرتے ہیں وہ تقریبات رسمیہ جنھیں واقعی مذہب اسلام سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے ہم بآزادی کرتے ہیں اور انکی حکومت کی طرف سے کافی حفاظت ہوتی ہے نہ صرف فرائض اسلام کی انجام دہی بلکہ اشاعت اسلام کے ذرائع بھی بالکل ہمارے ہی ہاتھ میں ہیں اور کسی امر میں کوئی ہمارا مزاحم

نہیں ہے تو ہم بحکم خدائے قرآن ایسی حکومت کے ساتھ سلوک کرنا اور اُن کا دوست بننا اور اُنکے ساتھ ہر قسم کا ممکن احسان کرنا فرض ہوا۔ وہ مسلمان نہیں ہے جو ان باتوں سے دل تنگ ہو اور اُس کا بناوٹی اسلام ہے جو اس حکم خداوندی سے مُنہ پھیرے۔

یہی حکم ہے جسے ہم بار بار کہتے ہیں اور افسوس ہے کہ کسی دوسری الہامی کتاب میں نہیں پاتے۔ اس بنا پر قرآن مجید نے یہ دعویٰ کیا تھا وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فأتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین یعنی اور وہ جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر (قرآن) اُتارا ہے اگر تم کو اس میں شک ہو (اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ کتاب خدا کی نہیں بلکہ آدمی کی بنائی ہوئی ہے اور اپنے دعوے میں) سچے ہو تو اسی کی سی ایک سورت (تم بھی بنا) لاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے حمایتی ہیں اُنکو بُلا لو۔" وہ تو بیچارے کیا بناتے اُن سے بھی لائق اور زیادہ قابل دشمنان اسلام کا قافیہ تنگ ہوتا ہے۔ بعض ادنیٰ درجہ کے لوگوں نے اس عرصہ میں ضرور زبان درازیاں کی ہیں اور قرآن جیسی متمدن کتاب پر نافہمی سے ہرزہ درائی کی ہے مگر اُنکے کل اعتراض منہ کے بل گر پڑتے ہیں اور اُن میں ذرا بھی قیام کرنے کی سکت نہیں رہتی۔ خود ہی تو یہ ارشاد ہوا اور خود ہی نہایت زور سے اُسکا جواب بھی دیدیا۔ پس اگر اتنی بات بھی نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو دوزخ کی آگ سے ڈرو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے اور وہ منکروں کے لیئے دہکی دہکائی تیار ہے۔ کون شک کرسکتا ہے کہ قانون قدرت کے منکر یا بالفاظ دیگر منحرف کی سزا آگ نہیں ہے۔ ایسے غافلوں کو تو دنیا ہی میں ایسی ایسی ناقابل برداشت سزائیں ملجاتی ہیں جن کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

جہاد جس کا نہایت ہی مجبوری کی حالت میں حکم دیا ہے اسلام کے اعلیٰ درجے کے احکام میں پھر بھی اُسکا شمار نہیں ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے د السنۃ ان افضل الاعمال واحبها الی اللہ العبادۃ والذکر عن بن مسعود عرض قال سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الاعمال احب الی اللہ قال الصلوۃ لی قتها قلت ثم ای قال بر الوالدین قلت ثم ای قال الجہاد فی سبیل اللہ رواہ الشیخان (مشکوۃ صفحہ ۵۰) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (آیت الذی خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا کی تفسیر میں) فرمایا کہ سب کاموں سے افضل خدا کی عبادت اور ذکر ہے۔ ابن مسعود نے حضور سے دریافت کیا کہ خدا کے نزدیک سب عملوں سے زیادہ پیارا کونسا عمل ہے تو آپ نے فرمایا کہ نماز اپنے وقت پر۔ کہا پھر کونسا عمل آپ نے فرمایا ماں باپ سے نیکی کرنا۔ کہا اسکے بعد کونسا عمل۔ آپ نے فرمایا خدا کی راہ میں جہاد کرنا۔ یہ ہے اسلام کی تعلیم جو تمدن اور روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر مبنی ہے۔ خدا کی عبادت جو کنجی ہے عین انسانیت کی تعلیم کی حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے تمام فرائض سے مقدم فرمایا اور انحصار کردیا کہ رب الافواج کو اس سے زیادہ اور کوئی بات پسند نہیں ہے۔ پھر نماز سے دوسرا درجہ والدین کی خدمت رکھی اور فی الحقیقت جب تک انسان خدا کو نہ پہچانے گا والدین کی خدمت و اطاعت نہیں کرسکتا خداوند تعالیٰ خالق حقیقی اور والدین خالق مجازی ہیں پہلے خداوند تعالیٰ کی عبادت فرض ہے۔ اور پھر والدین کی اطاعت۔ دنیا کی تمام متمدن قوموں میں والدین کی محبت اور اطاعت کو عین انسانیت یا عین تہذیب شمار کیا گیا ہے مگر اتنا سمجھنا ضرور ہے کہ حضور انور

حضور انور رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کس زمانہ میں ہوا تھا اور اس وقت اولاد اور والدین کے تعلقات کس زبون ترین حالت میں پہنچ گئے تھے۔ یہ نہایت پرآشوب زمانہ تھا اور انسانی تہذیب کے لیئے زہر ہلاہل کا حکم رکھتا تھا والدین کو اپنی اولاد کی تو یہ محبت تھی کہ وہ زندہ لڑکیوں کو پیوند زمین کر دیتے تھے اور اولاد کو اپنے والدین کا یہاں تک پاس و ادب تھا کہ ایک نوجوان شخص کے لیئے باپ کے مرنے کے بعد سوتیلی ماں حلال و جائز تھی۔ یہ تعلق تھا اور یہ پاس و ادب تھا۔ کچھ مشرکین عرب ہی پر موقوف نہ تھا بلکہ نصاریٰ میں بھی یہ رسم جاری تھی اور اسے عین انسانیت خیال کیا جاتا تھا۔ ایسے پرآشوب زمانہ میں۔ ایسے خطرناک وقت میں۔ انسانیت کی ایسی زبون ترین حالت میں۔ والدین اور اولاد کے ایسے شرمناک تعلقات میں انقطاعی طور پر اس کا فیصلہ کر دینا کہ خدا کی عبادت کے بعد والدین کی خدمت اور اطاعت کرنا خدائے عزوجل کو بہت پسند ہے۔ خیال کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ یہ حیرت انگیز تمدن انسانی کو قائم کرنے والی عین تہذیب عین اخلاق عین انسانیت کس کی آواز تھی اُس تنہا بے یار و مددگار مقدس نفس کی آواز تھی جو یتیم پیدا ہوا جسکے گلے میں چھ برس کی عمر میں دوہری یتیمی کا ہار پڑا جس نے نہ کسی دار العلوم میں تعلیم پائی نہ کسی پیر نے مجاہدے اور مراقبے کرا کے اُسے روحانیت کے اعلیٰ درجے طے کرائے نہ اُسے ادب آداب اور تمدن کے قواعد سکھائے گئے اور نہ کسی شفیق معلم سے اُس نے تعلیم پائی جب سے اُس نے ہوش سنبھالا آب ہوا۔ در و دیوار۔ کوہ و بیابان سنگلاخ چٹان سب ہی میں وحشت کا رنگ پایا اس میں رہنا اسی میں پرورش پانا اور اُسی میں اپنی زندگی بسر کرنا۔ اپنے چچا کے اونٹوں کو چرانا اور اونٹنیوں کا دودھ دوہنا غرض بچپن کا سارا زمانہ اسی میں بسر ہو گیا۔ جب خداوند تعالیٰ کو منظور ہوا کہ عرب کی گمنام قوم کو اُبھارے اور اُس کا دنیا میں سکہ بٹھائے تو اسی یتیم بچے کے آگے قانون قدرت کی کتاب کھولدی اور اُس نے اُس کتاب کی تعلیم اپنی قوم کو دینی شروع کی وہ تعلیم جو قیامت تک نہیں بدل سکتی اور وہ تعلیم جو بالکل قانون قدرت کے مطابق ہے یا جس کا ایک ایک لفظ قانون قدرت کا لفظ ہے۔ یہ صاحب قانون قدرت ہی کی تعلیم تھی کہ عبادات خداوندی کو سب سے افضل خدمت و اطاعت والدین کو اس سے دوم درجہ پر اور جہاد کو اس سے تیسرے درجہ پر بیان فرمایا اگرچہ یہاں قیود جہاد کی طرف اشارہ نہیں کیا پھر بھی یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپنے اسے اہم فرائض انسانی میں نہیں شمار کیا۔ قرآن مجید میں جہاں نماز اور زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے کہیں بھی اُن کثیر تعداد آیتوں میں جہاد کا اشارہ بھی نہیں ہے۔ جہاد کو انتہا درجہ حالت مجبوری میں جائز رکھا ہے اور یہ ایسا روشن قانون ہے کہ ہر قوم اور ملک میں ابتک جاری ہے خود انگریزی قانون کو دیکھو جس میں حفاظت خود اختیاری کے لیئے دوسرے کا خون کر دینا جائز قرار دیا گیا ہے مثلاً ایک شخص کو جب اُسپر قاتلانہ حملہ کیا جائے جائز ہے کہ اپنی جان کی حفاظت کرے اور جان کی حفاظت پر اگر قاتلانہ حملہ کرنیوالا مارا جائے تو اس پر کوئی الزام قائم نہیں ہو سکتا بس اسی بنا پر اور ان ہی جیسی وجوہات پر جہاد قائم کیا گیا ہے باقی جہاد فی سبیل اللہ نہ اشاعت اسلام کے لیئے جائز ہے اور نہ ملک گیری کے لیئے اب ذیل میں ہم چند وہ حدیثیں نقل کر دیتے ہیں جو جہاد کے بارے میں آئی ہیں۔ تاکہ ہر شخص جہاد کے منشاء کو بخوبی سمجھ سکے۔

(۱) وعن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا انبئکم بخیر الاعمال وازکاھا عند ملیککم وارفع فی	(۱) یعنی ابو درداء سے روایت کی ہے کہ حضرت رسالتمآب نے فرمایا کہ میں تمکو سب عملوں سے بہتر اور خداوند تعالیٰ کے نزدیک پاکیزہ تر

درجاتکم وخیر لکم من انفاق الذهب والفضة وخیر لکم من ان تلقوا عدوکم فتضربوا اعناقهم ویضربوا اعناقکم قالوا بلی قال ذکر الله رواه احمد ومالک وترمذی مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۰

اور درجات میں سب سے برتر اور چاندی سونا خرچ کرنے اور دشمن سے لڑکے اُسکی گردن کاٹنے اور اپنی کٹوانے سے بہتر نہ بتاؤں لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں بتایئے۔ آپنے فرمایا وہ خدا کا ذکر ہے۔

(۲) وعن ابی سعید الخدری ان رسول الله صلی الله علیه وسلم سئل ای الاعمال افضل وارفع درجة عند الله یوم القیمة قال الذاکرون الله کثیرا والذاکرات قیل یا رسول الله ومن الغازی فی سبیل الله قال لو ضرب بسیفه فی الکفار والمشرکین حتی ینکسر ویختضب دما فان ذاکر الله افضل منه درجة (رواه احمد وترمذی مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۰)

(۲) ابو سعید خدری نے روایت کی ہے کہ حضور انور سے کسی نے سب عملوں سے افضل اور درجہ میں بالاترین عمل کا سوال کیا تو حضور نے ذکر کرنے والوں کا حال بیان فرمایا سائل نے پوچھا کہ وہ خدا کی راہ میں لڑنے والوں سے بھی بہتر ہے حضرت رسالتمآب نے ارشاد کیا ہاں اگرچہ لڑنے والا مشرکین پر تلوار توڑدے اور خون میں رنگا جائے تو بھی اللہ کا ذکر اس سے افضل ہے۔

(۳) وعن معاذ قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یا معاذ هل تدری ما حق الله علی عباده وما حق العباد علی الله قلت الله ورسوله اعلم قال حق الله علی العباد ان یعبدوه ولا یشرکوا به شیئا وحق العباد علی الله ان لا یعذب من لا یشرک به شیئا (رواه الشیخان مشکوٰۃ)

(۳) معاذ بن جبل سے حضرت رسالتمآب نے دریافت کیا تو جانتا ہے خدا کا حق بندوں پر کیا ہے؟ اور بندوں کا حق خدا پر کیا ہے؟ اُنھوں نے عرض کی کہ خدا اور رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور نے ارشاد کیا کہ خدا کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اُسکی عبادت کریں اور کسیکو اُس کا شریک نہ بنائیں اور بندوں کا حق خدا پر یہ ہے کہ وہ پھران پر عذاب نہ کرے۔

(۴) وعن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من آمن بالله ورسوله واقام الصلوٰة وصام رمضان کان حقا علی الله ان یدخله الجنة جاهد فی سبیل الله او جلس فی ارضه التی ولد فیها قالوا افلا نبشر به الناس قال ان فی الجنة مائة درجة اعدها الله للمجاهدین (رواه البخاری مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۱)

(۴) حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہی کہ حضرت رسالتمآب نے فرمایا ہے کہ جو کوئی خدا اور رسول پر ایمان لایا اور نماز و روزہ کو اُس نے ادا کیا اُس کا خدا پر حق ہوچکا کہ اُسے بہشت میں داخل کرے خواہ وہ خدا کی راہ میں لڑا ہو خواہ اُسی جگہ بیٹھ رہا ہو جہاں وہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا یہ خوش خبری ہم لوگوں میں نہ سنائیں آپنے فرمایا بہشت میں سو درجے ہیں جو مجاہدین کے لیئے تیار ہیں۔

(۵) عن عائشة رضی الله عنها انها قالت رسول الله نری الجهاد افضل العمل افلا نجاهد قال لکن افضل الجهاد حج مبرور۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا اے رسول خدا ہم جہاد کو اور کاموں میں سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔ کیا ہم عورتیں جہاد نکریں آپنے ارشاد کیا کہ اے عورتوں تمھارے لیئے بہترین جہاد حج مبرور ہے (حج مبرور وہ ہے جو پورے کامل طور پر ادا ہو اور نافرمودہ گناہ کی اُس میں شرکت نہ ہو)

(۶) ان ام الربیع بنت البراء وهی ام حارثة بن سراقة اتت النبی صلی الله علیه وسلم فقالت یا نبی الله الا تحدثنی عن حارثة وکان قتل یوم بدر اصابه سهم غرب فان

(۶) یعنی ام ربیعہ یا ام حارثہ بن سراقہ حضرت رسالتماب کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے پیغمبر خدا کیا آپ حارث کی مجھے خبر نہ دینگے کہ اُس کا کیا حال ہے۔ وہ جنگ بدر میں ایک ناگہانی تیر سے

كان فى الجنة صبرت وان كان غير ذلك اجتهدت عليه فى البكاء قال يا ام حارثة انها جنان فى الجنة وان ابنك اصاب الفردوس الاعلى

مارا گیا۔ اگر وہ جنت میں گیا ہو تو صبر کروں اور اگر کسی دوسرے مقام پر ہے تو روؤں پیٹوں اور آہ و زاری کروں۔ آپ نے فرمایا کہ ام حارثہ بہشت میں درجے ہیں اور تیرا بیٹا بالتحقیق فردوس اعلیٰ میں پہنچا جسکے معنی درجہ عالی کے

(۷) ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں) قال جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم فقال الرجل يقاتل للمغنم والرجل يقاتل للذكر والرجل يقاتل ليرى مكانه قال من قاتل لتكون كلمة الله هى العليا فهو فى سبيل الله

(۷) ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ایک شخص کافروں کے ساتھ اس سے مقابلہ کرتا ہے کہ کچھ مال غنیمت ہاتھ لگے اور ایک شخص کہ مقاتلہ شہرت کے لیئے کرتا ہے اور ایک شخص اس لیئے مقاتلہ کرتا ہے کہ اس کی شجاعت کی چار دانگ عالم میں دھوم مچے پس ان میں سے کون سے شخص کی نسبت کہہ سکتے ہیں کہ وہ راہ خدا میں لڑتا ہے ارشاد ہوا کہ جو شخص اس نظر سے قتال کرتا ہے کہ کلمۂ خدا کو پستی سے بلند کرے۔ وہی راہ خدا میں قتال کرتا ہے۔

(حضرت ابن عباس سے روایت ہے)

(۸) ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب الى قيصر يدعوه الى الاسلام وبعث بكتابه اليه مع دحية الكلبى وامره رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يدفعه الى عظيم بصرى ليدفعه الى قيصر وكان قيصر لما كشف الله عنه جنود فارس مشى من حمص الى ايليا شكرا لما ابلاه الله فلما جاء قيصر كتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قال حين قراه التمسوا لى هٰهنا احدا من قومه لاسأله عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ابن عباس فاخبرنى ابو سفيان بن حرب انه كان بالشام فى رجال من قريش قدموا تجارا فى المدة التى كانت بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين كفار قال ابو سفيان فوجدنا رسول قيصر ببعض الشام فانطلق بى وباصحابى حتى قدمنا ايلياء فادخلنا عليه فاذا هو جالس فى مجلس ملكه وعليه التاج واذا حوله عظماء الروم فقال لترجمانه سلهم ايهم اقرب نسبا الى هذا الرجل الذى يزعم انه نبى قال ابو سفيان فقلت انا اقربهم اليه نسبا قال فاقرابة

(۸) یعنی حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کو دعوت اسلام کا ایک خط لکھا اور اُسے اسلام کی طرف بلایا اور اپنے خط مبارک کو دحیہ کلبی کے ہاتھ روانہ کیا اور آپ نے دحیہ کلبی سے ارشاد کیا کہ والی بصرہ کو یہ خط دیدینا کہ وہ اسے قیصر کے پاس پہنچا دے کیونکہ آجکل ایرانی فوجوں پر اُسے فتح حاصل ہوئی تھی اور وہ حمص میں بیت المقدس جانے کے لیئے آیا تھا کہ وہاں اپنی فتح پر شکر خدا کرے غرض جب خط قیصر کے پاس پہنچا اور اُس نے پڑھا پڑھتے ہی حکم دیا کہ کسی ایسے شخص کو بلاؤ کہ جو اُسی قوم میں سے ہو تاکہ میں کاتب خط کا اُس سے کچھ حال دریافت کروں۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا کہ وہاں اُس وقت ابو سفیان بن حرب پدر معاویہ موجود تھا اور وہ ان ایام میں جو مسلمان اور مشرکین کے مابین صلح حدیبیہ کے عہد و پیمان کے موافق زمانہ صلح کا تھا تجارت کرنے چلا گیا تھا ابو سفیان کا بیان ہے کہ شام کے ایک شہر میں تلاش کرتے کرتے قیصر کا قاصد ہم تک پہنچا۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ لے آیا اور ہم بیت المقدس میں آکے پہنچے اور پھر قیصر کے دربار میں حاضر ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ دربار میں بیٹھا ہے اور اُس کے گرد سرداران روم ہیں

ترجمان عربی

ما بینك و بینه ولیس فی الرکب یومئذ احد من بنی عبد مناف غیری فقال ادنوه وامر باصحابی فجعلوا خلف ظهری عند کتفی ثم قال لترجمانه قل لاصحابه انی سائل هذا الرجل عن الذی یزعم انه نبی فان کذب فکذبوه - قال ابو سفیان واللہ لولا الحیاء یومئذ من ان یاثر اصحابی عنی الکذب لکذبته حین سالنی عنه ولکن استحییت ان یاثروا الکذب عنی فصدقته ثم قال لترجمانه قل له کیف نسب هذا الرجل فیکم قلت هو فینا ذو نسب قال فهل قال هذا القول احد منکم قبله قلت لا قال فهل کان من اٰبائه من ملك قلت لا قال فاشراف الناس یتبعونه ام ضعفاؤهم قلت بل ضعفاؤهم قال فیزیدون ام ینقصون قلت بل یزیدون قال فهل یرتد احد سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه قلت لا قال فهل یغدر قلت لا ونحن الاٰن منه فی مدة نحن نخاف ان یغدر قال ابو سفیان لم یمکنی کلمة ادخل فیها شیئا انتقصه به لا اخاف ان یوثر عنی غیرها قال فهل قاتلتموه او قاتلکم قلت نعم قال فکیف کان حربه وحربکم قلت کانت سجالا یدال علینا المرة وندال علیه الاخری قال ماذا یامرکم به قلت یامرنا ان نعبد اللہ وحده لا نشرك به شیئا وینهانا عما کان یعبد اٰباؤنا ویامرنا بالصلوٰة والصدقة والعفاف والوفاء بالعهد واداء الامانة فقال لترجمانه حین قلت ذلك له قل له انی سالتك عن نسبه فیکم فزعمت انه ذو نسب وکذلك الرسل تبعث فی نسب قومها وسالتك هل قال احد منکم هذا القول قبله فزعمت ان لا فقلت لو کان احد منکم قال هذا القول قبله قلت رجل یاتم بقول قد قیل قبله وسالتك هل کنتم تتهمونه بالکذب قبل ان یقول ما قال فزعمت

ترجمان کو حکم ہوا کہ ان سے دریافت کرو تم میں سے قریب کا رشتہ دار اس شخص کا جس نے دعویٰ نبوت کیا ہے کون ہے - ابوسفیان کا بیان ہے کہ میں نے اپنی نسبت کہا کہ میں اُس کا قریب ترین رشتہ دار ہوں - قیصر نے کہا تیرا اس سے کیا رشتہ ہو میں نے کہا وہ میرا چچازاد بھائی ہے اور اس وقت میرے سوا عبد مناف کی کوئی اولاد نہیں ہے - یہ سنتے ہی مجھے آگے سرکنے کا حکم دیا میں آگے سرکا اس نے ترجمان کے ذریعہ سے میرے ساتھیوں سے کہا کہ میں ابوسفیان سے کچھ حال دریافت کرنا چاہتا ہوں اگر یہ جھوٹ بولے تو تم ضرور اُسکی صحت کر دینا - ابوسفیان کا بیان ہے اگر قیصر یہ ترکیب نہ کرتا یا مجھے اپنے دوستوں کی شرم دامنگیر نہ ہوتی تو میں ضرور اس موقع پر جھوٹ بولتا - قیصر نے ترجمان کو حکم دیا کہ اس سے پوچھو اس شخص (یعنی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم) کا نسب تم میں کیسا ہے - ابوسفیان نے کہا وہ ہم میں عالی نسب ہے کہا اس سے پہلے تم میں سے کسی نے دعویٰ نبوت کیا ہی میں نے انکار کیا - کیا تم نے اس پر کبھی جھوٹ کی تہمت لگائی ہو - کہا نہیں کہا اس کے باپ دادا میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے کہا نہیں

قیصر - آیا بزرگ اور بڑے آدمی اُس کی پیروی کرتے ہیں یا کمزور اور فقیر -

ابوسفیان - نہیں بلکہ ناتوان اور خردسال -

قیصر - اُسکے پیرو بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں -

ابوسفیان - نہیں بڑھتے جاتے ہیں -

قیصر - آیا کوئی اسلام لاکے بھی پھرا ہے -

ابوسفیان - نہیں ایمان لانے کے بعد پھر کسی نے جنبش نہیں کھائی

قیصر - کسی نے اُس سے کبھی بیوفائی کی -

ابوسفیان - نہیں کبھی نہیں - لیکن ہمیں اس سے علیحدہ ہوئے بہت عرصہ گزرا مگر ہمیں خوف ہے کہ کسی نے غدر کیا ہو - ابوسفیان کا یہ بھی بیان ہے کہ میرے لئے ممکن نہ تھا کہ اس گفتگو میں کوئی کلمہ نقیض آنحضرت کہتا کیونکہ خوف یہ تھا کہ دوسرا شخص ابھی اُس کے

ان لا فعرفت انہ لم یکن لیدع الکذب علی الناس و
یکذب علی اللہ وسالتک ہل کان من اٰبائہٖ
من ملک فزعمت ان لا فقلت لو کان من اٰبائہٖ ملک
قلت رجل یطلب ملک اٰبائہٖ وسالتک اشراف الناس
یتبعونہ ام ضعفاءھم اتبعوہ وھم اتباع الرسل وسالتک
ھل یزیدون ام ینقصون فزعمت انھم یزیدون
وکذلک الایمان حتی یتم وسالتک ھل یرتد احد
سخطۃ لدینہ بعد ان یدخل فیہ فزعمت ان لا وکذلک
الایمان حین تخلط بشاشتہ القلوب لا یسخطہ احد
وسالتک یغدر فزعمت ان لا وکذلک الرسل لا تغدر
فزعمت ان لا وکذلک الرسل لا یغدر وسالتک ھل
قاتلتموہ وقاتلکم فزعمت ان قد فعل فان حربکم
وحربہ تکون دولا یدال علیکم المرۃ وتدالون علیہ
الاخری وکذلک الرسل تبتلی وتکون لھا العاقبۃ
وسالتک بماذا یامرکم فزعمت انہ یامرکم ان تعبدوا اللہ ولا
تشرکوا بہ شیئا وینھاکم عما کان یعبد اٰباؤکم ویامرکم

خلاف کہدیگا۔
قیصر۔ اس نے تم سے جنگ کی یا تم نے اُس سے جنگ کی۔
ابوسفیان۔ ہم نے اُس سے جنگ کی۔
قیصر۔ پھر جنگ کا نتیجہ کس طرف بہتر نکلا۔
ابوسفیان۔ کبھی ہم اُس پر فتح پاتے ہیں اور کبھی وہ ہم پر۔
قیصر۔ اخیر وہ تمھیں کس بات کی ہدایت کرتا ہے۔
ابوسفیان۔ وہ حکم کرتا ہے کہ خدائے واحد کی عبادت کرو اور عبادت میں کسیکو خدا کا شریک نہ بناؤ اور ہمیں اُس عبادت سے روکتا ہے جو ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے۔ ہمیں نماز کا حکم دیتا ہے۔ راہ خدا میں خیرات کرنے کو کہتا ہے اور حرام چیزوں سے منع کرتا ہے اور زور دیتا ہے کہ عہد و پیمان ایفا کیا کرو اور امانت کو بے خیانت ادا کیا کرو۔
قیصر (اپنے ترجمان کی طرف خطاب کرکے) اس سے یعنی ابوسفیان سے کہو کہ میں نے جب یہ پوچھا کہ تم میں وہ نسب میں بالاترین ہے تو نے کہا ہاں پھر میں نے تجھ سے پوچھا کہ آیا تمھاری قوم میں سے کسی نے پہلے پیغمبری کا دعویٰ کیا تو نے جواب دیا نہیں۔

لہ اس سے اتنا پایا جاتا ہے کہ عین اسلام کیا ہے اور اصول اسلام کیا ہیں اور حضرت رسالتمآب نے اگر ہدایت بھی کی تو کس امر کی۔ یہ وہ ہدایتیں ہیں جن میں روحانی اور تمدنی اصلاحیں اعلیٰ درجہ کی موجود ہیں اور جن ہدایتوں پر عمل کرنے سے انسان روح و تمدن کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ سکتا ہے۔ ابوسفیان جیسے دشمن اسلام سے بھی یہ بات چھپ نہ سکی اور اُسے مجبورًا اسلام کی حقیقت کا اظہار کرنا پڑا۔ پہلے جو کچھ اُس نے کہا وہ یہ تھا کہ خدائے واحد اور مطلق کی عبادت کیجائے اور اُسی کے حضور اپنی کمزوریوں اور خلقی ناتوانیوں کا اظہار کرکے اور انھیں پیش نظر رکھ کے جبین نیاز ٹکانی چاہیئے اور اس عبادت میں کسیکو شریک نہ بنانا چاہیے۔ اشرف المخلوقات کی پیشانی اگر سجدہ کرتی ہے تو وحدہٗ لاشریک کو یہی ایمان یہی یقین اور یہی عقیدہ ہونا چاہیئے نجات کی یہی کنجی ہے اور اس پر چلنا عین جنت اور عین فردوس ہے۔ یہ روحانی ترقی کی جان ہے اور اس سے بہتر کوئی ذریعہ روحانی اعلیٰ مدارج پر پہنچنے کا نہیں۔ پھر آگے دنیاوی تمدن کے قائم کرنے کی ہدایت ہے یعنی حرام چیزوں سے اجتناب وہ حرام چیزیں جن سے درحقیقت جسقدر روحانی جوہروں کو صدمہ پہنچا ہے اُسی قدر انسانی دنیاوی ترقی کے لئے زہر ہلاہل ہیں۔ مثلاً شراب خواری جو اسلام کی اشاعت سے پہلے اہل عرب بلکہ تمام دنیا میں رائج تھی اُس کو ایک حد تک مٹا دیا اور مسلمانوں کو اس بلائے بیدرمان سے ایسا محفوظ کیا جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی جب یہ بڑا جہاد ام الخبائث پر ہو چکا تو پھر دوسری تمدنی صفت پر مسلمانوں کی توجہ مبذول کی گئی یعنی زکوٰۃ جو درحقیقت کنجی ہے اتحاد قومی اور قومیت قائم کرنے کی اسکی تعلیم بدرجۂ اتم مسلمانوں کو فرمائی پھر عہد و پیمان پر قائم رہنے اور ایفائے وعدہ کی طرف ارشاد کیا اور اس کے بعد امانت میں

بالصلوٰۃ والصدقۃ والعفاف والوفاء بالعهد واداء الامانۃ قال وهذه صفۃ نبی قد كنت اعلم انه خارج ولكن لم اظن انه منكم وان يك ما قلت حقا فيوشك ان يملك موضع قدمی هاتين ولو ارجو ان اخلص اليه لتجشمت لقيه ولو كنت عنده لغسلت قدميه قال ابو سفيان ثم دعا بكتاب رسول الله صلی الله عليه وسلم فقری فاذا فيه بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله ورسوله الی هرقل عظيم الروم سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعوك بداعيۃ الاسلام اسلم تسلم فقط

(۹) [1] فقال جعفر ايها الملك كنا قوما اهل جاهليۃ نعبد الاصنام ونأكل الميتۃ ونأتی الفواحش ونسیء الجوار ويأكل القوی منا الضعيف فكنا علی ذلك حتی بعث الله الينا رسولا منا نعرف نسبه وصدقه وامانته وعفافه فدعانا الی الله لنوحده ونعبده ونخلع ما كنا نعبد نحن واباؤنا من دونه من الحجارۃ والاوثان وامرنا ان نعبد الله وحده ولا نشرك به شيئا وامرنا بالصلوٰۃ والزكوٰۃ والصيام (فعدد عليه امور الاسلام ثم قال) وامر بصدق

ابوسفیان۔ پہلے بھی بہت ہوئے ہیں (اور قوموں میں) جنھوں نے دعویٰ نبوت کیا ہے۔

قیصر۔ پھر میں نے تجھ سے دریافت کیا آیا تم میں سے کسی نے اُس پر جھوٹ کی تہمت رکھی پیشتر اسکے کہ اُس نے دعوی نبوت کیا۔ پس تو نے اِس کا یہ جواب دیا کہ ہم میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا پس اس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ نہ وہ ایسا ہے کہ لوگوں کو دہوکے میں پھنسائے نہ ایسا ہے کہ خدا پر بہتان اُٹھائے پھر میں نے تجھسے سوال کیا آیا اُس کے آباواجداد میں کوئی بادشاہ تھا تو نے انکار کیا پس میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر اس کے باپ داداؤں میں کوئی بادشاہ ہوتا تو ضرور میں سمجھتا کہ وہ اپنے باپ کا ملک چاہتا ہے پھر میں نے تجھسے سوال کیا کہ بڑے آدمی اُس کے پیرو بنتے ہیں یا ناتوان اور فقیر اُس کے پیرو ہوئے ہیں پس کل پیغمبروں کے پیرو اول اول ناتوان وفقیر ہی ہوتے ہیں پھر میں نے تجھسے دریافت کیا آیا روز بروز اُسکے پیرو زیادہ ہوتے جاتے ہیں یا کم تو نے کہا کہ زیادہ اور اسی طرح ایمان ہمیشہ زیادہ ہوتا جاتا ہے کیونکہ یہ کیفیت ایمان ہی کی ہے کہ دلوں کو بجائے مکدر کرنے کے بشاش کرتا ہے اور یہی حال صادق القول پیغمبروں کا ہے۔ کہ

خیانت کرنے کے خطرناک نتائج سے آگاہ کر کے اس مہلک بُرائی سے بچایا۔ یہ تھی تعلیم اسلام جس کا دشمن کو بھی اعتراف کرنا پڑا اور جو بیان بخاری شریف جیسی مستند کتاب رسول یا کتاب حدیث میں درج ہے۔ ہاں اگر کوئی قوم مسلمانوں کو ان اعلیٰ درجہ ہدایات پر عمل کرنے سے باز رکھے یعنے اُنھیں خدائے واحد ومطلق کی عبادت نہ کرنے دے زکوٰۃ نہ دینے دے اُن پر جبر کرے کہ وہ حرام چیزیں زبردستی استعمال کریں اُن سے بیشک قدرت ہونے پر قتال کرے اور ایسا ہی ہمارے نبی معصوم اور بعد ازاں ہمارے پیشوایانِ دین نے کیا ہے مطلب یہ ہے کہ جہاد اسلام کا اصول نہیں ہے اور نہ جہاد سے کوئی اعلیٰ درجہ کا مقصد خداوندی پورا ہوتا ہے۔ جہاد کا مفہوم بس سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ مظلوموں کی حمایت ہو اور نام خدا تذلیل سے بچے۔ اور جب نام خدا یا کلمۂ خدا کو بلند کرنے کے لیئے ہر طرح کی آزادی مسلمانوں کو حاصل ہو اور وہ کل فرائض اسلامی کو نہایت آزادی سے بے روک ٹوک ادا کر سکتے ہوں اُس حالت میں اسلام نے اُن پر فرض کر دیا ہے کہ وہ نہایت پرامن حالت میں اپنی زندگی بسر کریں اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں پڑنے سے بچائیں۔

[1] حضرت جعفر نے فی الحقیقت اسلام کی وہ سچی سچی حقیقت بیان فرمائی جو عین اسلام ہے اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا نہ یہاں خونریزی کا ذکر ہے نہ کہیں قتل وغارت کا بیان ہے نہ ظالم کی زیادتیوں پر شمشیر بدست ہونیکا حکم ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مظالم کی حد

الحد بیث واداو الامانة وصلة الرحم وحسن الجوار والکف عن
المحارم والدماء ونہانا عن الفواحش وقول الزور واکل
مال الیتیم وقذف المحصنات فصدقناه وامنا به واتبعناه علی ماجاء
به من الله تعالیٰ فعبدنا الله تعالیٰ وحده ولا نشرك به و
حرمنا ماحرم الله علینا واحللنا ما احل لنا فعدی علینا قومنا
فعذبونا وفتنونا عن دیننا لیردونا علی عبادة الاوثان من
عبادة الله تعالیٰ وان نستحل من الخبائث لما قهرونا و
ظلمونا وضیقوا علینا وحالوا بیننا وبین دیننا خرجنا الی
بلادك واخترناك علی من سواك ورغبنا فی جوارك ورجونا
ان لا نظلم عندك یا ایها الملك

بیوفائی نہیں کرتے۔ پھر تو نے یہ کہا کہ وہ قتال بھی کرتا ہے کیونکہ
تو نے کہا کہ کبھی وہ اور کبھی ہم غالب ہوتے ہیں۔ اور پیغمبر بھی یوں
ہی جنگ وجدل میں مبتلا ہوا کرتے ہیں اور اخیر اُن ہی کو فتح
ہوتی ہے۔ ہرقل نے کہا کہ یہ ہے پیغمبر کی صفت تمہاری خبروں
سے اور سوا اس کے جو اور خبریں مجھے پونہچی ہیں یہ نہیں معلوم
ہوتا کہ وہ تم میں سے ہے یعنی قوم قریش میں سے ہے۔ جو کچھ
تو نے کہا ہے اگر وہ سچ ہے تو عنقریب وہ اس زمین تک پہنچ
جائے گا۔ اگر یہ اُمید ہوتی کہ میں اُس تک پہنچ سکتا تو اُس کی
صورت دیکھا کرتا اور اگر میں اُس کے پاس ہوتا تو اُس کے
دونوں پاؤں دہو دہو کے پیتا اور غلاموں کی طرح اُس کی

گزر جائے اور تمام دنیا کی آفتیں ٹوٹ پڑیں تو تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالنے سے اگر کسی دوسرے شہر میں جا سکو اور پناہ ملے تو چلے جاؤ۔ اور خدا کی زمین میں فساد نہ کرو۔ یہ ہجرت جو حبشہ کو ہوئی تھی کم وبیش بیاسی زن ومرد تھے جنھوں نے ہجرت کی تھی اسکی مفصل کیفیت صحیح بخاری معالم التنزیل۔ شرح قسطلانی وغیرہ میں لکھی ہے۔ باوجودیکہ شاہ نجاشی عیسائی تھا مگر حضرت رسالتمآب نے اُسکے نیک دل اور عادل ہونیکی شہادت دی جو کتب احادیث میں بوضاحت موجود ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وقال انہا ملکا صالحا لا یظلم ولا یظلم عنده احد فاخرجوا الیه حتی یجعل الله للمسلمین فرجا واراد به النجاشی واسمه اصحمه وهو بالحبشة عطیة و انما النجاشی اسم الملك کقولهم قیصر وکسری فخرج الیها سرا احد عشر رجلا واربع نسوة وهم عثمان بن عفان وامرأته رقیه بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم وزبیر بن عوام وعبد الله بن مسعود وعبد الرحمن بن عوف وابو حذیفه بن عتبه وامرأته سهلة بنت سهیل بن عمرو ومصعب بن عمیر وابو سلمه بن عبد الاسد وامرأته ام سلمة بنت ابی امیة و عثمان بن مظعون وعامر بن ربیعة وامرأته ام لیلی بنت ابی حثمة وحاطب بن عمرو وسهیل بن بیضاء فخرجوا الی البحر واخذوا سفینة الی ارض الحبشة بنصف دینار وذلك فی رجب فی سنة الخامسة من مبعث رسول الله وهذه الهجرة الاولی ثم خرج جعفر بن ابی طالب وتتابع المسلمون الیها وکان جمیع من هاجر الی الحبشة من المسلمین اثنین وثمانین رجلا سوی النساء والصبیان (معالم) یعنی حبشہ کا بادشاہ نیک آدمی ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا نہ اُسکے ملک میں کوئی اور کسی پر ظلم کرتا ہے تم وہاں چلے جاؤ تو امید ہے کہ امن اور خلاصی پاؤ گے۔ اس ارشاد پر گیارہ آدمی اعیان صحابہ نے جن میں حضرت عثمان اور آپکی حرم محترم حضرت بی بی رقیہ لخت جگر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زبیر اور حضرت ابن مسعود اور حضرت عبد الرحمن بن عوف اور ابو حذیفہ بن عتبہ وغیرہ شامل تھے روانہ ہوئے۔ پھر حضرت جعفر بن ابی طالب روانہ ہوئے یہانتک کہ ۸۲۔ اکابرہ مع بال بچوں کے شاہ نجاشی کے ہاں جمع ہو گئے قریشیوں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور وطن سے بے وطن ہونیکے بعد بھی اُنھوں نے چاہا کہ مسلمان جہاں جائیں کچل دیئے جائیں اور انکو کہیں پناہ نہ ملے اس تشدد اور اس خطرناک ظلم کی کوئی انتہا نہ تھی اس سفارت نے جو مشرکین قریش کیطرف سے شاہ نجاشی کے ہاں بھیجی

خدمت کرتا۔

ابوسفیان کا بیان ہے کہ پھر آنحضرت کا خط طلب کیا گیا اور پڑھا گیا اس میں یہ لکھا ہوا تھا بسم اللہ کے بعد از جانب محمدؐ کہ بندۂ خدا اور رسول خدا ہے بطرف ہرقل کلاں ملک روم سلامتی اُسی کے لیئے ہے جس نے ہدایت کے رستے کی پیروی کی ہے۔ اِس کے بعد میں تجھے دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں (یعنے بکلمۂ توحید) اسلام لا تاکہ تو سلامت رہے"

اس کے بعد ہم حضرت جعفر کی وہ تقریر نقل کرتے ہیں جو اُنھوں نے شاہ حبشہ کے مقابلہ میں کی تھی اُس سے معلوم ہوگا کہ عین اسلام کیا ہے اور جہاد ہرگز اہم اصول اسلام سے نہیں ہے۔

(۹) یعنے حضرت جعفر نے کہا کہ اے بادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے۔ بت پوجتے مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے ہمسایوں سے بہ بدی پیش آتے تھے۔ زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا اور ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی یہانتک کہ خدا نے ہمارے ہی میں سے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جسکی شرافت نسب۔ راستبازی۔ ایمانداری۔ اور پاک دامنی سے ہم خوب واقف تھے۔ پس اُسنے ہمکو خدا کی طرف بلایا تاکہ ہم صرف اُسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اسی کی عبادت کریں اور اُن بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اور حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسیکو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُس کے ساتھ شریک نہ کریں اور ہمکو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ پھر ایک ایک کرکے تمام ارکان اسلام اُس کے سامنے بیان کیئے اور کہا کہ اس پیغمبر نے ہمکو سچ بولنے اور امانت کو اُس کے مالک کے پاس پہنچانے اور قرابت داروں سے رعایت و مروت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور برے اور حرام کاموں اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا اور بدکاریوں اور جھوٹی

گئی تھی اور ان مہاجرین کا مطالبہ کیا تھا منہ کی کھائی اور دربار نجاشی میں ناکامی کے علاوہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی برجستہ تقریر نے انھیں سخت ذلیل کیا وہ اپنا سا منہ لے کے مکہ واپس چلے آئے اور غصہ اور ناکامی کی حالت میں اُنھوں نے اور بھی نئے نئے ظلم حضرت رسالتمآب کی ذات اقدس و اطہر پر توڑنے شروع کیئے۔ منصف اور بے تعصب شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک گروہ یا ایک قوم پر اتنی سختیاں کیجائیں اور ناواجب زیاد تیوں کی کوئی حد نہ رہے اور ایک ظالم قوم کسی کروٹ آرام نہ لینے دے تو اُس کا بدلہ کیونکر اُتارے قانون قدرت اور موجودہ یوروپی دولتوں کے قوانین ایسی قوم کے مقابلہ میں شمشیر بدست ہونے کا فتویٰ پکار پکار کے دے رہے ہیں مگر واہ رے معصوم نبی تیرا رحم اور تیری امن پسندی کے صدقہ کہ اس تشدد و اس ظلم و ستم اس جور و ایذا پر بھی اف نہیں کی اور جب دیکھا کہ ہاشمیوں کے اگرچہ وہ تھوڑے تھے تیور بدلتے جاتے ہیں اور کیا عجب ہے کہ خون کا ایک دریا مقدس شہر کی شہراہوں میں بہجائے خاموشی سے یہ مناسب سمجھا کہ اس جھگڑے ہی کو اُڑا دینا چاہیئے تاکہ خونریزی کا خیال ہی جاتا رہے چنانچہ حضور انور نے اسی نظر سے ہجرت فرمائی۔ اور ان ہی امن پسند خیالات اور مصالح پر آپ کی ہجرت مبنی تھی۔

یہ تھا رحم۔ یہ تھی امن پسندی۔ اور یہ تھی مخلوق خدا سے محبت۔ اے رحم اور انصاف کے پتلے تو نے رحم اور انصاف کی دنیا میں سچی نظیر قائم کردی تو مخلوق خدا کا برحق ہادی ہے اور تو ہی دراصل سچی نجات کی کنجی ہے۔

جھوٹی گواہی دینے اور یتیم بچوں کا مال کھا لینے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ پس ہم نے اُسکو سچا جانا اور جو احکام خدا کی طرف سے اُس نے پہنچائے اُن سب کی پیروی اختیار کی پس ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اُس کے ساتھ شریک نہیں کرتے اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کردی ہے اُس کو حرام اور جو حلال کردی ہے اُس کو حلال جانتے ہیں پس اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی۔ اور طرح طرح سے ہمکو دکھ دیا اور ہمکو ہمارے دین سے پھیرنا چاہا کہ خدا کو چھوڑ کے پھر بت پوجنے لگیں اور جن بُری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے اُنکو ناجائز جانیں۔ پس جب اُنھوں نے ہمکو عاجز کردیا اور طرح طرح کے ظلم کئے اور نہایت تنگ اور دق کیا اور ہمارے دین میں مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کے اور تجھ کو اَور بادشاہوں کی نسبت اچھا جان کے تیرے ملک میں چلے آئے اور یہ اُمید کر کے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہم پر ظلم نکر سکے گا تیری پناہ اختیار کی،، فقط

اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غزوات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مختصر سا تذکرہ کیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ حضور انور نے کس وقت تلوار پکڑنے کا حکم دیا اور کس انتہائی مجبوری پر آکے مسلمانوں کو جنگ مدافعت لڑنے کی رخصت عنایت فرمائی۔ چنانچہ ہم آپکے مختصر سوانح عمری سے غزوات کا بیان شروع کرتے ہیں۔

(حضرت رسالت مآب کے مختصر حالات زمانۂ نبوت سے پہلے کے)

آپ ۲۹۔ اگست ۵۷۰ء مطابق ۱۲ ربیع الاول سال فیل میں پیدا ہوئے۔ قبیلۂ عرب کی رسم و رواج کے مطابق آپ پیدا ہونے کے دن سے سات دن تک ایک بدوی عورت کے پاس رہے آپکے والد ماجد حضرت عبداللہ آپ کی پیدائش سے کچھ عرصہ پہلے ۲۵ برس کی عمر میں وفات پاچکے تھے۔ آپکی قریب چھ سال کے عمر ہوگی کہ آپکی والدۂ ماجدہ نے بھی رحلت کی اور اس طرح گویا دوہری یتیمی کا ہار قدرت نے آپکے گلے میں پہنایا۔ ماں کی وفات کے بعد آپ اپنے دادا عبدالمطلب کی سرپرستی میں آئے۔ عبدالمطلب کی اگرچہ اٹھارہ اولادیں تھیں لیکن اُنھوں نے اپنے پوتے کو بڑی محبت سے پرورش کرنا شروع کیا۔ چونکہ ابھی اور آپ کو صدمہ ہونا تھا آپ کی نو یا ساڑھے نو برس کی عمر ہوگی کہ عبدالمطلب کا انتقال ہوگیا۔ دادا کی وفات کے بعد آپ اپنے چچا ابوطالب کی سرپرستی میں آئے آپنے اپنے چچا کی اسقدر خدمت اور اطاعت کی کہ ابوطالب کو آپسے بے انتہا محبت ہوگئی۔ آپ کی سعادتمندی نے نہ صرف ابوطالب ہی کو اپنا گرویدہ بنالیا بلکہ کنبے کے اور لوگ بھی آپ کو محبت کی نظروں سے دیکھنے لگے۔

آپ کی ابتدائی زندگی محنت کے بوجھ سے سبکدوش نہ تھی آپ ابوطالب کے گلّے کو جنگل میں پانی پلانے لیجایا کرتے تھے اور جتنے کام گھر سے متعلق ہوتے آپ اُن کے انجام دینے میں عاری نہ تھے۔ بماہ ذیقعد جب عرب کی لڑائیاں بند تھیں آپ اپنے چچا کے ساتھ جو تجارت کے لیئے جاتے تھے شام روانہ ہوئے۔ ابوطالب تو اپنی تجارت میں لگے اور آپ نے مخلوق خدا کی سخت زبون ترین حالت پر نظریں ڈالنی شروع کیں آپنے ملاحظہ فرمایا کہ انسانی اشرفیت کی عزت کس طرح کچلی جارہی ہے اور تمدن انسانی کی کھیتی پائمال ہورہی ہے خدا پرستی کی جگہ بت پرستی نے لے لی ہے رحم والانصاف کا ڈھونڈھے سے بھی پتہ نہیں ملتا اور تمام انسانی جوہر جو خدا کی طرف سے ودیعت ہوئے ہیں محض بیکار

اجڑے ہوئے ہیں۔ عاجزی اور خاموشی سے خیالات کا اٹم اپنے دماغ میں جمع کرکے اور اس خطرناک حالت انسانی سے متاثر ہوکے آپ مکہ واپس تشریف لائے۔ اسی اثنا میں آپ کو تجارت میں بھی کچھ تجربہ ہوگیا تھا اور آپ ہمیشہ اپنی قوم کی حالت سے سخت پژمردہ رہا کرتے تھے۔

۲۵ برس کی عمر تھی کہ آپ کو اور بھی ایک بار شام کا سفر اختیار کرنا پڑا اب کے آپ صرف بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا مال تجارت فروخت کرنے کے لیئے تشریف لے گئے تھے آپ نے نہایت جانفشانی اور ہوشیاری سے مال تجارت فروخت کیا اور اُس میں خیال سے زیادہ نفع کثیر ہوا۔ جو رقم ملی تھی آپ نے پوری کی پوری بی بی خدیجہ کے آگے رکھدی اور کوڑی کوڑی کا حساب سمجھا دیا۔ بی بی خدیجہ کی اسوقت قریب قریب چالیس برس کے عمر تھی۔ آپ بیوہ تھیں اور مدت سے حضرت رسالتمآب کی صداقت اور راستبازی کی آوازیں آپکے کانوں میں پڑرہی تھیں اور اب اس کا ذاتی تجربہ ہوگیا تھا۔ وعدہ سے زیادہ جفاکشی اور خیال سے زیادہ راستبازی دیکھکے بی بی خدیجہ آپ پر مفتوں ہوگئیں اور جس صفت کے شخص کی آپ کو تلاش تھی وہ کل صفات آپکی ذات میں ملاحظہ فرمائیں۔ اخیر آپ کا نکاح بی بی خدیجہ سے ہوگیا اور نہایت خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آپنے تمام عمر اپنی وفادار بی بی کےساتھ جب تک وہ زندہ رہیں اس دلی الفت سے بسر کی جس کی نظیر عرب میں نہیں ملنے کی۔ اس شادی سے آپ اُس گرانبار روزانہ محنت سے سبکدوش ہوگئے جس میں آپ کے وقت کا بہت بڑا حصہ صرف ہوجاتا تھا۔ اس آسایش اور بیفکری نے آپ کو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی کے لیئے مشغول کیا جس سے اہم اور جس سے بزرگترین کام ہونا ممکن نہیں۔

نکاح کی تاریخ سے ۱۵ برس تک کے حالات کسی کو نہیں معلوم۔ صرف اسیقدر معلوم ہے کہ آپ ایک غار میں عبادت کرنے تشریف لیجاتے تھے اور گویا دن اور رات کا پورا حصہ وہیں صرف ہوتا تھا۔ ۶۰۵ء میں جب آپ کی پوری ۳۵ برس کی عمر تھی کعبہ کی مرمت کا ایک نیا جھگڑا اٹھا اور قبائل عرب میں کشمش پیدا ہونے لگی اور خوف اسقدر بڑھا۔ کہ خونریزی تک نوبت پہنچتی ہی تھی کہ آپ نے فیصلہ کردیا اور بہت جلد اس خونریز جھگڑے کو رفع دفع کردیا۔ اسی عرصہ میں قحط پڑا اور حضرت ابوطالب کی تجارت میں ٹوٹا آیا اور حالت سخت ردی ہوگئی۔ آنحضرت نے اپنے شفیق چچا کی کافی مدد کی اور چونکہ وہ اپنے بچوں کی پرورش نہ کرسکتے تھے حضرت علی کو اپنی سرپرستی میں لے لیا اور ایک بچہ حضرت عباس نے اپنی سرپرستی میں لیا اور اس طرح ابوطالب کو گونہ اپنے کنبہ کی پرورش سے سبکدوشی ہوئی آپنے حضرت علی کو بطور خود پرورش کرنا اور تعلیم دینا شروع کیا چونکہ آپ کی کوئی اولاد نہ تھی اس لیئے اور بھی آپ نے محبت سے حضرت علی کو پالا اس کے بدلہ میں حضرت علی رضؓ نے بھی وہ اطاعت اور فرمانبرداری کی کہ اخیر حضرت رسالتمآب نے اپنی لاڈلی بیٹی بی بی فاطمہ سے حضرت علی کی شادی کردی۔ یہ ہیں مختصر حالات آپ کے زمانۂ نبوت کے قبل کے۔ اس کے بعد نبوت کا سال شروع ہوتا ہے

(آغاز نبوت)

پوری چالیس برس کی عمر تھی کہ آپ پر وحی نازل ہوئی۔ اور آپ نے وحی نازل ہونیکا حال سب سے پہلے اپنی بی بی خدیجۃ الکبریٰ سے بیان کیا یہ سنتے ہی بی بی خدیجہ اپنے رشتہ دار ابن نوفل کے پاس گئیں اور وحی نازل ہونے کی مفصل کیفیت بیان کی۔ ابن نوفل ضعیف اور نابینا شخص تھا اسے انجیل اور توریت پر بہت بڑا عبور تھا۔ اور کل اُن پیشین گوئیوں

کی ماہیت بخوبی جانتا تھا جو حضرت رسالتمآب کی نبوت کی بابت دونوں مذکور الصدر الہامی کتب میں درج تھیں۔ جونہی حضرت بی بی خدیجہ نے بیان کیا وہ سنتے ہی پکار اُٹھا "قدس قدس" اور اُس نے بیساختہ کہا یہ ناموس اکبر تھا جو حضرت موسٰی کے پاس بھی آیا یقیناً اُسے نبوت ملی ہے تو اُس سے جا کے میری طرف سے کہدے کہ اپنا دل مضبوط رکھے اور بہادروں کی طرح اپنے ارادہ میں مستقل رہ۔ یہ مزید خوش خبری سُن کے بی بی خدیجہ تو چلی آئیں اور جو کچھ سُنا تھا سب عرض کر دیا مگر چند روز کے بعد ابن نوفل خود حضور میں حاضر ہوا اور کہنے لگا میں اُس ذات کی قسم کھا کے کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ خداوند تعالیٰ نے خلقت کی نجات دینے کے لیئے تجھے نبی منتخب کیا ہے۔ بیشک ناموس اکبر تیرے پاس خدا کی وحی لے کے آیا۔ کاش میں اُس دن تک زندہ رہوں تو ضرور تیرے عوض منکروں سے لڑوں گا۔ پھر ابن نوفل نے حضرت رسالتمآب کی مصفا اور نورانی پیشانی پر بوسہ دیا اور چند اطمینان بخش کلمے عرض کیئے۔ افسوس کہ ابن نوفل کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور وہ بیچارہ چند ہی روز کے بعد فوت ہو گیا۔

گویا بی بی خدیجہ ایمان لانے والوں میں پہلی تھیں۔ ابن ہشام اور ابو الفدا کی تحریر کے مطابق پھر حضرت علی ایمان لائے ابھی تک گویا دو ہی نفس ایمان لائے تھے حضرت علی بہت ہی صغیر سن تھے مگر پھر بھی اُنھوں نے اسلام کے بعد خدائے واحد کی عبادت میں بہت ہی سرگرمی دکھائی۔ آنحضرت اپنے بھائی علی اور اپنی بیوی حضرت بی بی خدیجہ کو لیکے ایک پوشیدہ غار میں چلے جاتے تھے تاکہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ ایک دن نبی کریم۔ بی بی خدیجہؓ اور علیؓ عبادت میں مصروف تھے اور استغراق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ کہیں ابو طالب بھی اُدھر سے آنکلے اور خاموشی سے اپنے بیٹے اپنے بھتیجے اور اپنی بھتیج بہو کی سیر دیکھتے رہے۔ اخیر ذرا دیر کے بعد ابو طالب نے یہ کہا "اے میرے بھتیجے جو مذہب کہ تو نے اختیار کیا ہے اور جس کے ارکان تو ادا کر رہا ہے یہ کیا مذہب ہے۔ آپ نے جواب دیا یہ وہی دین خدا فرشتوں پیغمبروں اور ہمارے دادا ابراہیم کا ہے دپھر آپ یہ فرمانے لگے خدا نے مجھے اپنی مخلوق میں اس لیئے بھیجا ہے کہ میں اُس کے بندوں کو راستبازی اور نیکی کا رستہ دکھاؤں اے میرے چچا تو اپنی قوم میں بڑا سمجھدار اور لائق ہے یہ موقع اچھا ہے کہ میں تیری بھی دعوت اسلام کروں اور تجھے بھی اپنے سچے راستہ کی طرف بلاؤں مجھے اُمید ہے کہ تو میری اس راستبازی میں مدد کریگا اور اس نیکی کے پھیلانے میں میرا معاون بنے گا۔ یہ سن کے ابو طالب نے جواب دیا اے میرے بھتیجے اپنی سچی روح اور اپنے سچے دل سے کہ میں اپنے باپ داداؤں کے دین سے کبھی نہیں پھرنے کا لیکن قوی ترین خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں جب تک میں زندہ ہوں کوئی تجھے آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا۔ پھر ابو طالب نے اپنے بیٹے علی سے خطاب کر کے کہا کہ اے میرے بیٹے تیرا مذہب کیا ہے علی نے جواب دیا اے باپ میں خدا اور اُسکے نبی پر ایمان لے آیا اور اب سے اسکے ساتھ ہوں ابو طالب نے کہا اے میرے بیٹے محمد کبھی تجھے اُس سے باز نہ رکھیگا جو نیک راہ ہے اس لیئے تو آزاد ہے۔ ابن ہشام اور ابن اثیر نے اس گفتگو کو تفصیل وار لکھا ہے۔ حضرت علی کے بعد زید ابن حارث ایمان لایا یہ وہی زید ہے جسے حضرت رسالتمآب نے آزاد کر دیا تھا اسکے بعد حضرت ابو بکر صدیق ایمان لائے۔ حضرت ابو بکر حضرت رسالتمآب سے پورے دو برس چھوٹے تھے اور قریشیوں میں اپنی ثروت صداقت اُولوالعزمی اور عالی ہمتی میں بڑے نامور تھے۔ آپکے ایمان لانے نے قریشیوں میں ہلچل ڈالدی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے

بعد پانچ سردار قوم قریش سے اور ایمان لائے۔ عثمان بن عفان جو خاندان بنی اُمیہ میں سے تھے اور جو تیسرے خلیفہ ہوئے۔ عبدالرحمن بن عوف۔ سعد ابن ابی وقاص جو بعد ازاں فاتح ایران ہوا۔ زبیر بن عوام یہ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا بھتیجا تھا۔ صداقت اپنا راستہ خود پیدا کر لیتی ہے۔ یہی بہت بڑا معجزہ سمجھنا چاہیے کہ ایک بے سرو سامان پر وہ لوگ ایمان لائے جو اپنی قوم میں سردار اور دولتمند تھے نہ کسی قسم کا دولت کا لالچ نہ حکومت کی طمع اور نہ تلوار کا خوف اور بالخصوص یہ بات دیکھنے کی ہے کہ یہ سردار قوم قریش وہی تھے جن کے آگے حضرت رسالتمآب نے پرورش پائی چھوٹے سے بڑے ہوئے اور پھر اُن ہی کے آگے دعویٰ نبوت کیا وجہ اگر تھی تو یہ بہت بڑی تھی کہ آپکی راستبازی سب میں مسلم تھی اور اس کے خلاف کسی خفیف سا خیال نہ گزرتا تھا پھر قرآن مجید کی حیرت انگیز تعلیم نے اور بھی اُن کے دلوں کو مسخر کر لیا تھا اور یہ تسخیر ایسی بے نظیر ہے جسکی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔

اتنے سرداران قریش کے مسلمان ہونے سے قریشی جماعت میں ہلچل پیدا ہو گئی اور اب وہ مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوئے اُدھر آپ نے علی الاعلان وعظ فرمانا شروع کیا کہ تمھارے یہ معبود محض ناکارہ اور فضول ہیں تم ہی نے اپنے ہاتھ سے انھیں بنایا ہے اور شرم کی بات ہے کہ اشرف المخلوقات ہو کے تم ان پتھروں کو سجدہ کرتے ہو۔ اس توحید کے وعظ نے مہیگزین میں شتابہ کا کام دیا اور اب وہ اس قدر بھڑکے کہ سوائے ستانے اور تکلیف دینے کے اُنھوں نے اور کوئی چارۂ کار نہ دیکھا ظلم کیا۔ ستایا۔ تکلیف دی۔ گالیاں دیں۔ عبادت کی جگہ کانٹے بچھائے۔ اونٹوں کی اوجھڑیاں پھینکیں غرض جو کچھ اُن سے ہو سکا اُنھوں نے کسر نہیں کی۔ ادھر زیادتی کی حد ہو چکی تھی اور ادھر صبر و استقلال کی گالیوں کی عوض دعائیں دیجاتی تھیں اور تکلیف کے بدلے برکت یہ تھی شان نبوت اور یہ تھا اسلام۔ یثرب میں آپ کی نبوت اور ساتھ ہی راستبازی کی آوازیں پہنچ چکی تھیں اور لوگ آپ کی نبوت پر گفتگو کرنے لگے تھے۔ ادھر مکہ میں طوفان بے تمیزی بڑھتا جاتا تھا اور ادھر ابو طالب چونکنے ہوتے جاتے تھے۔ اخیر اُنھوں نے نہایت پریشانی سے اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا سنو میرے بھتیجے قریشیوں کا یہ غصہ ضرور میری خرابی کا باعث ہوگا اور یہانتک نوبت آجائیگی کہ میں تیری سرپرستی بھی نہ کرسکونگا خدارا اپنی ان باتوں کو روک اور نئے دین کی اس دھڑلے سے اشاعت نکر ایسا نہ ہو کہ ہاشم و مطلب کی اولاد ہیگنا ہوں پر کچھ مصیبت برپا نکرے۔ آپ سوا اسکے کیا جواب دیسکتے تھے کہ دین خدا کی اشاعت جب تک جان میں جان باقی ہے کبھی نہیں رک سکتی۔ ابو طالب خاموش ہو رہے۔ کرتے تو کیا کرتے۔ یہاں مخالفت اور وہ بھی زہریلی مخالفت کی روز بروز آگ بھڑکتی جاتی تھی مرد ہی مخالفت نہ کرتے تھے بلکہ عورتیں بھی بڑی سرگرمی سے اس مخالفت میں حصہ لے رہی تھیں۔ چنانچہ ام جمیل ابو لہب کی بیوی اور آپکی چچی آپ کی تلخ ترین دشمنوں میں تھی یہی عورت آپ کی عبادت کی جگہ پر اندھیرے میں کانٹے بچھا آتی تھی اور اس طرح آپ کو اور آپ کے صحابہ کو بلاؤ ستاتی تھی اس کی اور اس کے خاوند کی مخالفت اس حد پر پہنچ گئی تھی کہ اخیر قرآن مجید میں اُس کی نسبت یہ فیصلہ کر دیا تبت یدا ابی لھب و تب ما اغنی عنہ مالہ وما کسب سیصلی نارا ذات لھب وامرأتہ حمالۃ الحطب فی جیدھا حبل من مسد

لہ حمالۃ الحطب کے لفظی معنے لکڑیوں کی اُٹھانے والی کے ہیں مگر عربی محاورہ میں چغلخور کو کہتے ہیں۔ فارسی میں شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے بھی ان ہی معنوں میں لیا ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں "میان دو کس جنگ چوں آتش ست ✢ سخن چین بدبخت ہیزم کش ست"

ابولہب نے پیغمبر کو کوسا تھا اُسکے ابولہب ہی کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ آپ ہی ہلاک ہوا نہ تو اُس کا مال ہی اُسکے
کام آیا اور نہ اُس کی کمائی نے اُس کو کچھ فائدہ پہنچایا وہ عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جا داخل ہوگا۔ اور
اُسکے ساتھ اُسکی جورو بھی جو لگائی بجھائی کرتی پھرتی ہے کہ انکی گردن میں بٹی ہوئی بلدار رسّی ہوگی یہ پیشین گوئی پوری
ہوئی اور ابولہب جس بے بسی اور سخت کرب کی حالت میں مرا ہے وہ قریشیوں کے لیئے بہت ہی عبرت کا مقام تھا۔ بات یہ
ہوئی کہ جب آیت انذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو آپ نے سب قریشیوں کو جمع کر کے وعظ فرمایا یہانتک کہ خود
اپنی بیٹی اور پھوپی سے کہا کہ تمکو میری قرابت آخرت میں کچھ فائدہ نہ دیگی۔ قریشیوں میں ابولہب بھی تھا اور یہ بدنصیب سب سے
زیادہ دشمن تھا کئی بار حضرت رسالتمآب کے شہید کرنے کی ترکیب کر چکا تھا وعظ سنتے سنتے اسکی آنکھوں میں خون اُتر آیا
اُسکی جان پر بجلی ٹوٹ پڑی اُس نے زور سے حضرت رسالتمآب کو پتھر مارا اور اپنے محاورہ کے مطابق کہا کہ تیرے ٹوٹیں
دونوں ہاتھ اور تیرا جائے ستیاناس کیا تو نے یہی باتیں سنانے کے لیئے ہمیں تکلیف دی اس بات کے جواب میں یہ
سورت نازل ہوئی۔ اُم جمیل کا حشر خداوند تعالیٰ کے ارشاد کے بموجب ہوا چنانچہ ایک دن وہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر
لا رہی تھی کہ اُسے ٹھوکر لگی اور گر پڑی اور گٹھے کی رسّی اُسکی گردن میں آگئی اور وہ وہیں مری کی مری رہ گئی۔ یہی نتیجہ
حق سے لڑنے والوں کا ہوا کرتا ہے۔ اسی عرصہ میں حضرت حمزہ جو آپکے چچا تھے مسلمان ہو گئے۔ قریشیوں میں یہ بہت
ہی بہادر اور شجاع مشہور تھے عام طور پر آپ کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ قریشیوں نے حضرت رسالتمآب کے پیروان پر
ظلم کا ہاتھ دراز کیا جن پر اُن کا آسانی سے بس چل سکتا تھا اُنھیں پکڑا۔ کانٹوں دار لکڑیوں سے کھال اُڑا دی گرم پتھروں
پر چت لٹا کے ایک وزنی پتھر چھاتی پر رکھ دیتے۔ جلتی ریت پر لٹایا گیا اور کہا گیا کہ تم کلمۂ توحید نہ پڑھو اس ظلم میں عورتیں
بھی شریک تھیں چنانچہ حضرت بلال جو اسلام کے پہلے مؤذن مشہور ہیں سب سے زیادہ کرب وبلا میں مبتلا تھے آپکے آقا
نے بطحا میں تمام دن جلتی ریت پر برہنہ لٹائے رکھا اور جب اُوپر سے دھوپ کی سخت تپش ہوئی اور بلال کی حالت دگرگوں
ہونے لگی تو اُنکے آقا نے کہا " تو اسی حالت میں رکھا جائیگا جب تک کہ تو مر نہ جائیگا یا دین اسلام سے تائب نہو جائیگا۔
بلال نے اسکے جواب میں یہ کہا خدا ایک ہے۔ پیاس کے مارے زبان پر کانٹے پڑ گئے تھے اور تمام جسم تنور
بن رہا تھا۔ جلتی ریت چھاتی پر وزنی پتھر اُوپر سے سخت اور تیز دھوپ پھر پانی کی مار اور اُس پر سخت تشدد مگر واہ ری قوت
ایمان ایسی ناقابل برداشت سختیوں پر بھی جنبش نہوئی اور ہر وقت کلمۂ توحید زبان پر رہا حضرت ابوبکر صدیق سے رہا نہ گیا
آپ بلال کے بے رحم آقا کے پاس گئے اور کہا تم ناحق اس پر اتنا ظلم کرتے ہو اگر تمھارے کام کا نہیں ہے تو تم اسے
فروخت کر ڈالو وہ راضی ہو گیا آپنے بلال کو مع اور پانچ غلاموں کے خرید کے آزاد کر دیا۔ اخیر یہ کیا بات تھی اور یہ لوگ کیوں
دین اسلام میں اتنے مضبوط تھے۔ نہ دولت تھی جس کا اُنھیں لالچ تھا اور نہ سلطنت تھی جس کا یہ حصہ بٹانا چاہتے تھے

کیا تو چغلی کے اعتبار سے اُسے حمالۃ الحطب کہا یا اس اعتبار سے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادتگاہ میں کانٹے بچھا دیتی تھی یا اس لحاظ سے
کہ وہ مارے خست کے لکڑیوں کا گٹھا اپنے سر پر اُٹھا کے لاتی تھی اور گردن میں رسی کے ہونے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح یہاں اپنے کتوں کے
پلّوں کے گلے میں رسی باندھ کے گھسیٹتے پھرتے ہیں اسطرح قیامت میں اُسکی بجر مٹی کھینچا جائے گی۔

ہاں اس وقت ایک مصیبت تو بہت بڑی تھی جو نومسلم کی جان پر ٹوٹ پڑتی تھی۔ اور باقی سب خیر سلا تھی۔ اپنے بے بس غریب معتقدوں کا یہ نظارہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت رسالتمآب کے مبارک دل پر کیا اثر کرتا ہوگا۔ مگر آپ صبر فرماتے تھے اور یہ صبر وہ تھا جس میں عالی ہمتی اور بے نظیر جرأت کوٹ کوٹ کے بھری ہوئی تھی۔ ایک دن آپ کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اُس سے کچھ ہی دور فاصلہ پر سرداران قریش کا ایک بڑا مجمع ہو رہا تھا۔ اُس میں یہی گفتگو تھی کہ کیونکر محمد کو روکا جائے اور کیا تدبیر ایسی کی جائے کہ توحید کی منادی نہ ہونے پائے ان میں بڑی دیر کی قیل و قال کے بعد کچھ فیصلہ پایا اور اسی اثنا میں عتبہ بن ربیعہ مجمع سے اُٹھ کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے میرے بھائی کے بیٹے تو اپنی قابلیتوں اور خاندانی شرافت سے ممتاز ہے اب تو نے ہماری قوم میں اختلاف پیدا کیا ہے اور ہمارے قبائل میں قضیئے برپا کر دیئے ہیں۔ تو ہمارے دیوتاؤں اور دیبیوں پر ناکارہ ہونے کا الزام لگاتا ہے تو ہمارے باپ داداؤں پر کفر و الحاد کا فتویٰ دیتا ہے۔ ہم تجھسے التجا کرتے ہیں ذرا توجہ سے ہماری بات سُن غور کر اور پھر اُسے قبول کر یا نہ کر یہ تجھے اختیار ہے۔ حضور انور نے ارشاد کیا کہہ اے ولید کے باپ میں سنتا ہوں عتبہ نے عرض کیا "اے میرے بھائی کے بیٹے اگر تو اس کام سے کچھ دولت حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم تیرے لیئے اتنی دولت جمع کرینگے کہ ہم میں سے کسی کے پاس نہیں نکلنے کی۔ اگر تجھے عزت اور بڑے رتبہ کی خواہش ہے تو ہم تجھے اپنا سردار آنکھوں سے بنانا منظور کرتے ہیں۔ اور ہم اقرار کرتے ہیں کہ تیرے حکم کے بغیر کبھی کوئی کام نہ کرینگے۔ اگر تیری آرزو سلطنت کی ہے تو ہم تجھے اپنا بادشاہ بنائینگے اور اگر تجھے ایسا مرض لاحق ہو گیا ہے جس سے تو اس کام کے کرنے پر مجبور ہوا ہے تو ہم تیرے علاج کے لیئے حاذق طبیب لائیں گے اور تجھے کامل شفا ہو جائیگی"۔ جب عتبہ اپنی تقریر ختم کر چکا تو حضور نے ارشاد کیا اے ولید کے باپ کیا تو اپنی تقریر ختم کر چکا۔ عرض کیا ہاں۔ ارشاد کیا تو میری بھی بات سنے گا عرض کیا سنونگا۔ آپ نے ارشاد کیا رحیم کریم خدا کے نام پر میں سچ کہتا ہوں مجھپر خدائے عزوجل کی طرف سے وحی آتی ہے۔ جو کتاب مجھپر نازل ہوتی ہے وہ اُن ہی لوگوں کو ہدایت کرتی ہے جو اُسے توجہ سے سنتے ہیں۔ اُس پر غور کرتے ہیں۔ اُس میں نیک کاموں کے پھلوں کی بشارت دیگئی ہے۔ اور بُرے اعمال سے خوف دلا کر اُنکے لیئے سزا مقرر کی گئی ہے۔ فی الحقیقت میں بھی تمھاری طرح ایک آدمی ہوں خدا کی طرف سے مجھپر وحی اُترتی ہے کہ تیرا خدا ایک خدا ہے اس لیئے تو اپنا راستہ سیدھا اُس کی طرف کر اور جو کچھ تو نے کیا ہے اُس کی معافی مانگ اور بت پرستوں پر رُو کہ وہ خیرات نہیں کرتے اور نہ آیندہ زندگی پر اُن کا ایمان ہے۔ لیکن جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اُن کو آخرت میں اس کا دائمی صلہ ملیگا۔ یہاں حضور انور نے اپنی تقریر ختم کی۔ پھر عتبہ نے اس کے جواب میں عرض کیا "جو کچھ سمجھانا تھا تجھے سمجھا چکا اب جو کوئی راستہ تجھے اچھا معلوم ہو اُس پر چل"۔ ابن ہشام نے بوضاحت اس تقریر کو نقل کیا ہے۔

جب حضور انور کے معتقدین پر سختیاں توڑی جانے لگیں تو اخیر حضور نے اپنے معتقدین کو شاہ نجاشی کے ملک میں ہجرت کر جانے کا حکم دیا فوراً تعمیل ارشاد کی گئی۔ یہ ہجرت پہلی ہجرت کہلاتی ہے۔ جو نبوت کے پانچویں سال ۶۱۵ء میں وقوع میں آئی۔ اول ہی اول ۱۵ آدمی گئے تھے مگر ان کے بعد بتدریج اور بھی روانہ ہوتے رہے یہانتک کہ ابن ہشام ابن اثیر اور ابوالفدار کی تحریر کے مطابق اُنکی تعداد ۸۳ تک پہنچگئی۔ جس میں ۱۸ مستورات بھی تھیں۔

قریشیوں نے ایکبار اور بھی چند سرداروں کو حضور انور کی خدمت میں بھیجا اُنھوں نے قریب قریب وہی باتیں بیان کیں جو عتبہ نے کی تھیں آپ نے اس سخت زہریلی مخالفت پر جو اس زمانہ میں ہو رہی تھی بڑی دلیری سے اُنکے سبز باغ دکھانے کا یہ جواب دیا "نہ تو مجھے دولت کی خواہش نہ جاہ و حشم کی نہ عالی مرتبہ نہ سلطنت کی۔ خدا نے مجھے دنیا میں اس لیئے مبعوث کیا ہے کہ میں تمھیں اچھی اچھی باتیں سکھاؤں میں اپنے خالق کا کلام تمھیں سناتا ہوں میں تمھیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم بُری باتیں نہ کرو اگر تم نے اس کلام خدا کو قبول کر لیا جو میں تمھارے پاس لایا ہوں خدا تم پر دونوں عالم میں مہربانی کریگا اور اگر تم نے اس سے انکار کیا تو میں صبر کرونگا اور اپنا اور تمھارا انصاف خدا پر چھوڑ دونگا" یہ سُن کے بت پرست قریشیوں نے آپکی ان باتوں پر مضحکہ اُڑایا۔ آپ پر طعنہ زنی کی اور عیارانہ طریقہ سے آپ کی تلقین اور نبوت پر اوٹ پٹانگ سوالات کیئے تاکہ یہ مشہور کریں کہ ہم نبی کو ساکت کر آئے اُنھوں نے کہا تم اپنی نبوت کے ثبوت میں معجزے دکھاؤ۔ تم اسی خشک زمین میں دریا اور کنوئیں پیدا کر دو۔ آسمان کے ٹکرے ٹکرے اڑا کے زمین پر گرا دو۔ آسمان پر سیڑھی لگا کے چڑھ جاؤ۔ غرض اسی قسم کی بکواس تھی جسے نبوت اور منشار نبوت سے کچھ بھی سروکار نہ تھا حضرت مسیح سے بھی ایسے ہی درماندہ سوالات کئے گئے تھے جس کا جواب آپ نے (یعنی حضرت مسیح نے) یہ دیا تھا کہ اس زمانہ کے بدکار اور حرام کار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ حضرت مسیح سے اُن کے معتقد یہ سوالات کرتے تھے جیسا کہ پروفیسر مومیری نے لکھا ہے اور حضور انور سے دشمنان اسلام یہ سوالات کیا کرتے تھے ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا" آپنے ان درماندہ واٹکل پچو سوالات کے جواب میں یہ ارشاد کیا "ان عجیب باتوں کے کرنے کے لیئے خدا نے مجھے نہیں بھیجا اُس نے مجھے تمہیں نصیحت کرنے کے لیئے مبعوث کیا ہے خدا ہی سب صفتوں کا مستحق ہے۔ میں ایک آدمی سے زیادہ نہیں ہوں ہاں تم پر نبی کر کے بھیجا گیا ہوں۔ میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اللہ کے خزانے میری مٹھی میں ہیں نہ میں نے یہ دعوی کیا کہ میں چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں نہ میں ایک فرشتہ ہوں نہ میں خود اپنی مدد کر سکتا ہوں نہ مجھے اپنے پر کچھ بھروسہ ہو سکتا ہے لیکن اگر اللہ چاہے۔ پھر دوسرے موقع پر آپنے ارشاد کیا "و نادانوں کیا تم ایک نشانی چاہتے ہو جب کہ تمام مخلوق خدا کی نشانیوں سے بھری ہوئی ہے۔ تمھارے جسم کی بناوٹ کیسی تعجب انگیز باریکی اور کس خوبصورتی سے باقاعدہ ہے۔ دن اور رات کا تغیر و تبدل۔ موت۔ زندگی سونا اور جاگنا ہوائیں تیار اور سنعد بادلوں کو اس طرح چلاتی ہیں جیسے خالق کے رحم کے پیشرو۔ بوقلمونی میں ہم آہنگی اور انتظام انسانی مخلوق کی تفریق۔ اور پھر اُنکی یک جہتی۔ میوے پھول جانور اور خود انسان کیا خدا کی ہستی کی یہ چیزیں کافی شہادت نہیں دیتیں۔

جب قریشیوں کا جبر و تعدی اور حضور انور کا صبر و استقلال حد سے گزر گیا تو ناچار مشرکین قریش نے صاف الفاظ میں یہ کہدیا "و محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سُن لو ہم تمھاری تلقین دینی روکنے سے کبھی باز نہ آئیں گے جبتک ہم میں سے ایک ایک نیست و نابود نہ ہو جائے"

جب قریشیوں نے چاہا کہ تلوار سے اس جھگڑے کا فیصلہ کرنا چاہیئے تو وہ اس خیال کو پختہ کرنے اور عملی طور پر کرگزرنے کے لیئے حضرت ابو طالب کے پاس گئے اور بقول طبری اور ابن اثیر اور ابن ہشام اُنھوں نے یہ بیان کیا

"سن ابو طالب ہم تیری عمر اور تیرے درجہ کی عزت کرتے ہیں لیکن ہمارا عزت کرنا تیرے ساتھ ایک محدود حد تک ہے اب ہم سے زیادہ صبر نہ ہو سکے گا۔ ہم اپنے خداؤں کی بُرائی تیرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانی نہیں سننا چاہتے ہمارے ضبط کی حد ہو چکی ہے۔ ہم اپنے باپ داداؤں کی بُرائی پر خاموش نہیں رہ سکتے اب تجھ سے یہ کہنا ہے کہ آیا تو اپنے بھتیجے کو ان باتوں سے روک سکتا ہے اور منع کر سکتا ہے یا تیرا ارادہ اسی کے ساتھ شرکت کرنے کا ہے ہم جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہیں ہم ہرگز تلوار نیام میں نہیں کرنے کے جب تک کہ ایک گروہ ہم میں سے نیست و نابود نہ ہو جائیگا" یہ کہکے سب چلے گئے۔

حضرت ابو طالب نے حضور انور کو بلایا اور مشرکین قریش کے غصّہ اور انقطاعی فیصلہ کے ارادہ کی پوری کیفیت بیان کی اور کہا میری تو یہی رائے ہے کہ مصلحت وقت کو بھی دیکھنا چاہیئے اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جب معاملہ تلوار پر آپہنچا ہے تو اپنا وعظ بند کر دینا چاہیئے۔ حضور انور نے اپنے چچا کی یہ باتیں سن کے اپنے دل میں خیال فرمایا کہ میرا چچا قریشیوں کے خوف سے شاید اپنی سرپرستی کا ہاتھ میرے سر پر سے اُٹھانا چاہتا ہے مگر مجھے اسکی کچھ پروا نہیں ہے میرا بھروسہ براہِ راست خدا پر ہے اور اُسی کی امداد بس ہے۔ یہ خیال کر کے آپ نے بڑے زور میں ارشاد کیا سن لو میرے چچا جان "اگر مشرکین قریش کرۂ آفتاب کو میرے داہنے ہاتھ پر اور کرۂ ماہتاب کو میرے بائیں ہاتھ پر رکھدیں اور پھر یہ زور ڈالیں کہ میں اپنی توحید پرستی کی تلقین روک دوں محض ناممکن ہے کہ میں اپنے کام سے باز آجاؤں۔ جس بات کے لئے میں مبعوث کیا گیا ہوں جب تک اُس کا نتیجہ نہ نکل آوے یعنی توحید پرستی کی دنیائے معلوم کے بڑے حصہ تک ڈونڈی نہ پٹ جائے اور خدائے کریم کا سچا جلال نہ چمک جائے یا میں اسی منشائے عالی کے پورا کرنے میں نیست و نابود نہ ہو جاؤں نہیں باز آسکتا۔ باز آسکتا" یہ فرما کے آپ واپس پھرے اور آپکو یقین ہو چکا تھا کہ میرے چچا قریشیوں کے پورے ڈر میں آگئے ہیں اور وہ آئندہ میری مدد نہیں کرینگے۔ جب آپ کئی قدم نکل گئے تو حضرت ابو طالب نے آواز دی محمد محمد آپ آواز سن کے واپس پھرے کیونکہ آپ کو اپنے چچا سے بیحد محبت تھی حضرت ابو طالب نے فرمایا "جو کچھ تمھارا جی چاہے کہو اور کرو میں تمھیں کبھی نہیں چھوڑنے کا کبھی نہیں چھوڑنے کا۔

تیسری بار اور بھی قریشیوں نے حضرت ابو طالب کو جتایا کہ آپ کیا تو اپنے بھتیجے کو روکیں اور یا ہم سے جنگ کرنیکے لئے آمادہ ہو جائیں اور ساتھ ہی یہ بھی مشورہ دیا کہ ایک نوجوان کو خاندان قریش میں سے لے کے اپنا متبنیٰ بنا لیں تاکہ پھر تمھیں اپنے بھتیجے کی ضرورت نہ رہے یہ درخواست کسی طرح بھی حضرت ابو طالب منظور نہ کر سکتے تھے۔ اخیر نہایت پریشان ہو کے اور چاروں طرف سے اپنے کو دشمنوں سے گھرا ہوا دیکھ کے حضرت ابو طالب نے بنی ہاشم اور بنی مطلب سے یہ فریاد کی کہ مخالف قبیلے تم سے ایک ممتاز شخص پر دست درازی کرنا چاہتے ہیں اور اُسکے قتل کے درپے ہیں بڑے شرم کی بات ہے کہ تم چپکے بیٹھے دیکھا کرو اور اُسے ہلاکت سے نہ بچاؤ یہ سُن کے سب مدد پر آمادہ ہو گئے مگر ابولہب نے مدد دینے سے انکار کیا۔

اسی عرصہ میں اس نئے مذہب نے اپنا فیضی اثر ایک زبردست خونخوار جری اولوالعزم شجاع پر کیا جس کا نام عمر رضی اللہ عنہ تھا جو بعد ازاں فاروق اعظم کے لقب سے مشہور ہوا آپ نے اسلام کی جمہوری سلطنت میں وہ ناموری پیدا کی اور رسول عربی

صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی وہ خدمات انجام دی ہیں جو قیامت تک تاریخ دنیا سے نہیں مٹ سکتیں۔ آپ کا پر جلال نام مبارک بہادران یورپ کے کانوں میں تا قیامت گونجیگا اور ہمیشہ شجاعانِ دہر کی نظروں میں ادب سے دیکھا جائیگا آپ عادبن الکعب کے قبیلہ کے ایک ممتاز شخص تھے آپ کے والد کا نام خطاب تھا اور آپ دین اسلام میں داخل ہونیسے پہلے نبی معصوم کے سخت مخالفوں میں سے تھے صرف سورۂ طٰہٰ کے سننے نے آپ میں دین اسلام کی روح پیدا کردی اور سیدھے رسول مقبول کی خدمت میں حاضر ہو کے حلقۂ غلامانِ نبی میں داخل ہوئے۔ حضور انور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے اسقدر خوش ہوئے کہ بیان نہیں کیا جاتا۔ منجملہ اُنکے جو لوگ ایمان لائے تھے حضرت امیر حمزہ رضی حضرت ابوبکر رضی اور حضرت عمر رضی میں سب سے بڑے تھے۔ اسلام کی پے درپے کی کامیابیوں سے مشرکین قریش کی مخالفت کی آگ اور بھی بھڑکی اور اخیر انھوں نے باہم مشورہ کرکے قبیلۂ ہاشم اور مطلب سے شادی بیاہ اور لین دین ترک کر دیا۔ نبوت کے ساتویں برس اور ۶۱۶ء کے اختتام پر اس انفراق قومی سے ہاشمیوں اور مطلبیوں میں سخت پریشانی پیدا ہوگئی اور وہ گھر بار چھوڑ ادہر اُدہر تتر بتر ہوگئے۔ اور سب مرد عورتیں بچے ملکر حضرت ابوطالب کی جائے قیام چلے گئے۔ یہ مکان مکۂ معظمہ کی مشرقی حدود کی طرف ایک تنگ پہاڑی کے بیچ میں واقع تھا اور اُسے چٹانوں اور دیواروں نے شہر سے علیحدہ کر دیا تھا صرف ایک تنگ راستہ آمدورفت کا باقی رہگیا تھا۔ ابولہب ان لوگوں کے ساتھ نہ آیا بلکہ دشمنان رسولِ مقبول کی جماعت میں رہا۔ قریشیوں نے بعدازاں اس مکان کا محاصرہ کرلیا اور تمام قسم کی خورونوش کی چیزیں اندر آنے سے روکدیں۔ حضور انور رسولِ خدا ان لوگوں کے بیچ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ تمام مایوسانہ حالت اپنے کنبہ کی سخت آزردہ دل اور خونی نگاہوں سے مگر صبر اور استقلال کے ساتھ ملاحظہ فرمارہے تھے جب کھانا پینا بند ہوگیا تو عورتوں اور بچوں کی آہ وزاری کی صدائیں ملبند ہوئیں اور جب اُن کی گونجیں محاصرین کے کانوں تک پہونچیں تو مشرکین عرب کے چند سردار اپنے اُس نبردلانہ حملہ سے شرمائے۔ اخیر ہاشم بن عمرو طرفین میں میل ملاپ کرانے کے لیئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ ہاشم کے ساتھ زبیر بھی اس کوشش میں تھے غرض باہم ملاپ ہوگیا اور طرفین کے وہی حقوق قائم ہوگئے جو پہلے سے دونوں کو حاصل تھے اور ہاشمی اور مطلبی سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ہی کے مکان میں رہے۔ اس زمانہ میں اسلام نے کوئی ترقی نہیں کی جب متبرک مہینے آئے اور تمام لڑائیوں اور جھگڑوں کا دروازہ بند ہوا تو زائرین مختلف دیار و مصار سے آنے شروع ہوئے حضور انور بھی اپنی جائے قیام سے برآمد ہوئے اور پھر اُسی سرگرمی سے توحید خدا کا وعظ کہنا شروع کیا۔ ابولہب کی مخالفت کل مخالفین پر فوق لیگئی تھی وہ آپ کے پیچھے پیچھے پھرتا تھا اور جہاں آپ نے وعظ فرمایا اور اُس نے باآواز بلند کہدیا کہ یہ شخص دہوکا دینا چاہتا ہے اور محض جھوٹا ہے (معاذ اللہ)

اس سال کے بعد جو سال آیا وہ اسلام کی تاریخ میں سال غم کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ اور حضرت ابوطالب کی وفات ہوگئی۔ ان دو وفاتوں نے قریش کو مزید مخالفت کا موقع دیا اور اب وہ اور بھی کھلم کھلا دشمنی پر اُتر آئے ادہر اُن کی مخالفت کی شدت اور ادہر آپ کو انتہا درجہ کا صدمہ ایک عجیب مہلک نقشہ ناظر تفسیر کی آنکھوں میں کھینچے گا۔ آپ کو کامل مایوسی ہوگئی کہ یہ قوم قریش ہرگز بت پرستی سے باز نہ آئیگی اور کبھی دین اسلام نہیں

قبول کرنے کی۔ اس سخت مایوسی میں چور ہوکے آپ نے ارادہ فرمایا کہ دوسرے مقامات میں چلکے توحید کا وعظ کہا جائے آپ اپنے وفادار ملازم کو ساتھ لیکے طائف پہنچے اور وہاں بت پرستی کی ممانعت اور خداپرستی کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کی لیکن جس طرح مکہ نے محض اپنی بدقسمتی سے کلام خدا سننے سے انکار کر دیا تھا اسی طرح طائف نے بھی اس بدقسمتی میں مکہ کا ساتھ دیا۔ اہلِ طائف میں کمینے اور عوام پتھر لے کے دوڑے اور آپ کو مارنے شروع کیے اور آپ کو سخت مجروح کیا۔ آپ کے ہاتھوں سے خون شرشر بہ رہا تھا اور آپ زخموں سے چور تھے اسی خونی حالت میں آپ وہاں سے واپس پھرے اور طائف سے ذرا فاصلہ پر جہاں تھکے ماندے مسافر دم لیا کرتے تھے آپ چند خرمے کے درختوں کے نیچے بیٹھ کے اپنے اُنھیں مجروح ہاتھوں کو اُٹھا کے درگاہ رب العزت میں یہ دعا کرنے لگے اللھم انی اشکوا الیک ضعف قوتی وقلة حیلتی وھوانی علی الناس انت ارحم الراحمین انت رب المستضعفین انت ربی الی من تکلنی الی عھد یجھمنی۔ او الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ھی اوسع لی اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمت وصلح علیہ امر الدنیا والاخرة ان ینزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوة الا بک یعنی اے رب جلیل یہ مسکین بندہ اور ذلیل عبد تیری عزت وجلال کی بارگاہ میں اپنی کمزوری اور صبر وقوت کی کمی اور اپنی ذلت وخواری کی فریاد لاتا ہے۔ کیونکہ تو سب سے زیادہ رحم والا اور ہر ایک عاجز وناتوان کا مددگار اور خود میرا مالک اور پروردگار ہے تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے؟ کیا ایسے دوست کے جو مجھے دیکھ کے ناک بھوں چڑھاتا ہے؟ یا ایسے دشمن کے جسکو تو نے میرا معاملہ سونپ دیا ہے لیکن اگر یہ بلا تیری خفگی کی وجہ سے نہیں ہے تو مجھے اُسکی کچھ پروا نہیں لیکن تیری حفاظت میرے لیے بہت زیادہ وسیع ہے۔ میں تیری قدرت ورحمت کے نور میں جو تمام تاریکیوں کا روشن کرنے والا اور دنیا وآخرت کے بگڑے ہوئے کاموں کو سنوارنے والا ہے تیرے غیظ وغضب کے نزول سے پناہ لیتا ہوں لیکن اگر خفگی ہی میری بھلائی ہے تو تجھے وہاں تک اختیار ہے کہ تو مجھسے راضی ہوجائے اور بغیر تیری مدد کے نہ میں برائی ہی سے بچ سکتا ہوں اور نیکی ہی کی قدرت وطاقت رکھتا ہوں“ خیال کرنا چاہیے اور ہر سمجھدار آدمی کو سوچنا چاہیے کہ جن لوگوں نے بغیر کسی خطا وگناہ کے پتھر برسائے زخمی کیا اُنکی نسبت اپنی دعا میں ایک ادنی اشارہ بھی نہیں ہے نہ اُنھیں بُرا کہا گیا ہے نہ کوسا گیا ہے حتی کہ یہ بھی تو نہیں دعا مانگی کہ اے خدا اُنھوں نے مجھ بے گناہ کو ستایا ہے تو اُن سے میرا انتقام لے۔ جس پیشوائے دین کی یہ تعلیم یہ طرز وانداز اور دشمنوں کے مظالم سے یہ فروگذاشت ہو اس کا مذہب بنی نوع انسان کی خونریزی کی طرف کاہے کو ہدایت کرے گا۔ آپ اپنے دشمنوں کے بہی خواہ اور اپنے مخالفوں کے ہمدرد تھے اور آپنے اپنے کسی دشمن کے بھی برائی نہیں چاہی۔ بس منشائے اسلام یہی ہے اور دشمنوں پر مہربانی کرنا اسلام کے سب سے اعلیٰ اصول میں داخل ہے۔

جب طائف نے بھی کلام خدا سننے سے انکار کر دیا ناچار آپ پھر مکہ تشریف لے آئے اور اب آپ نے اپنا وعظ صرف پردیسیوں تک محدود کر دیا۔ اور وہ بھی پوشیدہ طور پر۔ ایک دن آپ کا گزر نہایت غمگینی اور پژمردگی میں چھ آدمیوں کے ایک چھوٹے سے گروہ پر ہوا۔ آپ نے اُن سے ارشاد کیا کیا تم یہاں بیٹھ کے میری بات سنو گے اُنھوں نے کہا ہاں سنینگے۔ وہ بیٹھ گئے اور آپ بھی اُن کے برابر بیٹھے اور فرمایا میں تم کو خدا کا پیغام سناتا ہوں۔ خدائے واحد

کی پرستش کرو اور اپنے فرضی اور دستی خداؤں کے مکروہ ناموں پر فریفتہ نہ ہو۔ اس صاف اور بے لوث کلام نے اُن کے دل پر اثر کیا وہ یہ توحید خدا کی تعلیم پا کے یثرب چلے گئے اور اُنھوں نے اپنے ہموطنوں سے ساری کیفیت اُمی نبی اور آپ کی تعلیم کی بیان کی یہ واقعہ ۶۲۱ء میں ہوا۔ دوسرے سال یہی چھ یثربی اپنے ساتھ اپنے چھ اور دوستوں کو لے آئے اور وہ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ اُنھوں نے آپ کی نبوت کا سچے دل سے اعتراف کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کر کے یہ اقرار کیا۔ ہم کسی چیز کو خدائے واحد کی ذات کے ساتھ شریک نہیں کرنے کے ہم بدکاری اور حرام کاری سے ہمیشہ کے لیئے توبہ کرتے ہیں۔ ہم آیندہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرینگے۔ ہم کسی پر افترا پردازی نہیں کرینگے نہ کسیکی بدگوئی کرینگے۔ جو چیز حق ہے ہم اُس میں پیغمبر کی متابعت کریں گے۔ ہم کامیابی اور غم میں ایمانداری سے نبی کا ساتھ دینگے" یہ اقرار مدار کر کے وہ یثرب چلے گئے اور اُنھوں نے دین خدا کی اشاعت یثرب میں شروع کی۔ اب اسلام تیزی سے اپنے قدم اُٹھانے لگا اور بہت سے دلوں میں اسلام نے اپنا گھر کر لیا۔ دوسرے سال یہی چھ یثربی اپنے ساتھ ۷۵ آدمیوں کو اور بھی لے آئے اور اُنھیں بھی مشرف باسلام کرایا۔ ابن ہشام کہتا ہے ان یثربیوں نے حضور انور سے درخواست کی کہ آپ یثرب تشریف لے چلیں اور وہاں توحید خدا کی تعلیم فرمائیں۔ اس درخواست کی خبر مشرکین قریش کو مطلق نہ تھی۔ یہ سب لوگ اسلام کے دلدادہ پوشیدہ طور پر ایک پہاڑی میں جمع ہوئے اور پھر حضور انور اپنے چچا عباس کے ساتھ تشریف لائے ابھی تک حضرت عباس اسلام نہیں لائے تھے مگر آپ اپنے بھتیجے کے کاموں سے بہت مذاق رکھتے تھے اور حتی الامکان ہر معاملہ میں مدد کرنیکو تیار تھے۔ حضور انور نے اپنے نئے معتقد یثربیوں کو صاف صاف جتا دیا کہ جو مذہب تم نے قبول کیا ہے۔ اس میں تمھیں دشواریاں بہت پڑیں گی۔ تمھیں سخت آفتوں کا سامنا کرنا ہوگا۔ تمھاری جانیں بھی خطروں میں پڑ جائیں گی۔ اُنھوں نے یکزبان ہو کے دلیری سے جواب دیا دین قبول کرنے سے پہلے ہم نے ان تمام آفتوں کو سمجھ لیا تھا اور ہم جانتے تھے کہ نئی نئی آفتیں اور تازہ تازہ بلائیں ہم پر نازل ہوں گی لے خدا کے سچے نبی تو اپنا دین اور اُسکے اصول ہمیں تلقین کر تاکہ ہم اُن پر کاربند ہوں۔ حضور نے جب اُنھیں ایسا مستقل پایا تو اپنی قدیم عادت کے مطابق پہلے قرآن مجید کی آیتیں پڑھیں اور پھر خدا پرستی کی تعلیم کی اور خدا کی برکت دی۔ اور کہا تم پیغمبر کے احکام کی متابعت جہاں تک حق ہو کرنا پھر اُنھوں نے کہا کہ ان مصائب کے سہنے کا صلہ ہمیں کیا ملیگا آپ نے ارشاد کیا مرنیکے بعد راحت پھر اُنھوں نے عرض کیا ایسا نہ ہو کہ آپ عروج اور سرسبزی کے زمانہ میں چھوڑ کے اپنی قوم میں چلے جائیں۔ حضور انور نے مسکرا کے جواب دیا "تمہارا خون میرا خون ہے میں تمھارا ہوں تم میرے ہو" اس کے بعد ہر شخص نے علیحدہ علیحدہ بیعت کی اور مشرف باسلام ہوئے اسلام میں اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔

یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک مکی کی اس تاریک شب میں آہٹ معلوم ہوئی وہ سب ڈر گئے مگر حضور انور نے نہایت استقلال سے اُن کی ڈھارس بندھوائی اور وہ سب رخصت ہو گئے۔ اُس مکی نے جواوٹ میں کھڑا ہوا یہ ساری باتیں سن رہا تھا اس کامیابی کی خبر کو سارے شہر میں پھیلا دیا۔ اس خبر کی اشاعت نے قریشیوں کی غصہ کی آگ میں گویا تیل کا کام دیا۔ علی الصباح وہ یثربی کاروان کی طرف بھاگے ہوئے آئے تاکہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اُنھیں اصلی

دین کیطرف پھیراجائے مگر وہاں ایک مسلمان یثربی بھی نہ رہا تھا وہ سب یثرب جا چکے تھے۔ اس ناکامی نے اور بھی اشتعال دلایا اور اب اُنھوں نے مصمّم ارادہ کرلیا کہ معصوم نبی کو قتل کرڈالیں اب زیادہ سوچنے اور غور کرنے کا مقام نہیں ہے۔ اس منصوبہ کی خبر آپ کو بھی ہوگئی اور آپ کا حال روز بروز سخت خطرناک ہونے لگا۔ آپ نے ناچار اپنے معتقدوں سے یثرب ہجرت کرجانے کو کہا۔ قریب قریب سو خاندان یکے بعد دیگرے یثرب پہنچ گئے یہاں نہایت برادرانہ جوش سے ان کا استقبال ہوا۔ مکہ سے اتنے آدمیوں کے نکل جانے پر بہت بڑا حصہ شہر کا ویران ہوگیا۔ ربیعہ کے بیٹے نے مکہ کو یوں ویران دیکھ کے یہ پرانا گیت گایا" ہر ایک مبارک مقام جو یوں مبارک رہا ہو ایک دن ناخوشی اور تلخی کی زہریلی ہواؤں کا شکار بن جاتا ہے (پھر اسی غم آلود آواز میں یہ کہا) یہ سارے کرتوت ہمارے بھائی کے بیٹے کے ہیں جس نے ہمارے جلسوں کو تباہ کیا۔ ہمارے معاملات اور کاروبار کو برباد کردیا اور ہم میں پھوٹ ڈالدی" حضرت مسیح نے اپنی زبان سے خود یہ جملے فرمائے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوں آلود اور آنحضرت کی نسبت دشمن اسلام نے یہ کہا بس اگر فرق ہے تو صرف اسقدر ہے۔ "ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا"

اخیر قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے جہاں دیگر قبائل کے عرب بھی مع چند سردار مدعو ہوئے تھے یہاں ساری بحث کا لب لباب موت اور زندگی تھی جلسہ طوفان خیز اور شور انگیز تھا کسی کی رائے تھی محمد اور اُنکے ساتھیوں کو دائم الحبس کردو کوئی کہتا تھا فیصلہ کیوں نہیں کردیا جاتا ایک شخص نے بہت زور سے اس امر پر بحث کی کہ قتل کرڈالنا سب سے بہتر ہے ان کو قیدخانہ میں رکھنا اور زندہ چھوڑنا خلاف مصلحت ہے۔ اسی طوفانی گفتگو میں ابوجہل کھڑا ہوا اور کہنے لگا ہر قبیلہ میں سے چند بہادر بہادر شخص منتخب کیے جائیں اور اُنھیں محمد کے قتل کے لیے بھیجا جائے تاکہ اپنی زہر میں بجھی ہوئی برچھیوں سے وہ محمد پر فتحمندی حاصل کریں اُس کے ساتھی اور رشتہ دار اتنے کمزور ہیں کہ کبھی بھی انتقام نہیں لے سکتے۔ یہ تجویز سب نے پسند کی اور سب کا اس پر اتفاق ہوگیا۔ پھر چند نوجوان دلچلے بہادر منتخب ہوئے اور شب کو حضور انور کے مکان کا گھیراڈالدیا۔ ایک روزن سے یہ لوگ پوری تاک جھانک کررہے تھے اور دیکھ رہے تھے کہ ابھی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے بستر پر ہیں۔ آنحضرت کو پوری کیفیت معلوم ہوگئی۔ آپ نے اپنا سبز جبّہ حضرت علی پر ڈالدیا اور کہا تم چپکے یہیں پڑے رہنا اور پھر حضور انور اس طرح سے بچگئے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کھڑکی میں سے کود کے بچگئے تھے حضور انور سیدھے ابوبکر صدیق اکبر کے مکان پر پہنچے۔ یہاں پہلے ہی سے دو اُونٹ تیار تھے دونوں اُن اُونٹوں پر سوار ہوکے یثرب کی طرف روانہ ہوئے لیکن چند روز تک آپ غار ثور میں جو مکہ کے جنوب کی طرف ایک پہاڑی ہے قیام پذیر رہے اب تو اور بھی مشرکین قریش کی جانوں پر بجلی ٹوٹ پڑی اور اُنکی غضب کی آگ اور بھی بھڑکی۔ قاتلوں کی ناکامی نے شہر پر ایک غضب ڈھایا۔ تمام شہر میں ڈھنڈورا پٹ گیا جو کوئی محمد کا سر لائیگا اُسے یہ انعام ملیگا۔ ابن الاثیر کی روایت کے بموجب جبتک آپ غار ثور میں رہے صدیق اکبر کی صاحبزادی چھپ چھپا کے کھانا اور دودھ دے آتی تھیں۔ تیسرے دن کی شام کو پناہ گزینوں نے ثور کی پہاڑی کو چھوڑ دیا بدقت دو اونٹ بہم پہنچا کے غیر راہوں سے یثرب کی طرف روانہ ہوئے۔ انعام کے لالچ سے صدہا دلچلے نوجوان گھوڑوں پر سوار ہوہو کے ادھر ادھر تلاش میں سرگرم تھے ان میں سے ایک وحشی خطرناک عرب نے آپ کو جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ آواز دی کہ ٹھیرو یہ کہتے ہی وہ نہایت خوفناکی سے ننگی تلوار لیئے

چھپتا کہ یکایک اُس کا گھوڑا چراغ پا ہوا اور وہ چاروں خانہ چت جا رہا۔ اس شخص نے محض بے قابو ہونے پر حضور انور سے معافی مانگی آپنے فوراً اُس کو معاف کیا اور اسکی جان بخشی کر دی۔ آپ تین دن کے عرصہ میں یثرب پونہچے۔ جون کا مہینہ تھا آفتاب کی تیز شعاعیں سخت گرم اور آتشیں تھیں۔ بیم و رجا اور نبوت دونوں دست و گریبان ہو رہی تھیں۔ آپ بروز جمعہ ۱۶ ربیع الاول مطابق ۲ جون ۶۲۲ء کو یثرب میں داخل ہوئے۔

ہجرت کے بعد کے واقعات

اب وقت آگیا کہ ہم اس یتیم بے یار و مددگار معصوم کو سلطان شہنشاہ اور ہزارہا مخلوق خدا کے دلوں پر حکومت کرتا ہوا دیکھیں۔ اب اُس کے فرمان آیندہ سے کروڑوں بندگانِ خدا کے لیئے ناطق ہونگے اور اس کا ایک ایک لفظ بڑے بڑے سلاطین کے لیئے غیر تبدیل قانون بنے گا۔ یثرب جس میں آپ داخل ہوئے مکہ کے شمال میں گیارہ دن کی راہ پر ایک آباد شہر ہے۔ اس زمانہ میں یہ شہر بالکل بے پناہ تھا۔ آپ نے احتیاطاً اس کے گرد کھائی کھدوائی تاکہ قریشیوں کے حملوں سے نجات ہو آپ نے انصار اور مہاجرین کو شیر و شکر کرنے کی کوشش کی اور کچھ ہی عرصہ میں آپ کو ایک نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ اس وقت یثرب کا نام مدینۃ النبی سے بدل گیا انصار نے اپنے واجب التوقیر نبی کی یادگار میں یثرب کا یہ نام رکھا جسے اختصار اور کثرت استعمال کیوجہ سے مدینہ کہتے ہیں۔

اِس کے بعد ایک مسجد کی تعمیر شروع ہوئی اور حضور انور نے اپنے دستِ مبارک سے گارا بھر بھر کے اس مسجد کی تعمیر میں دیا اور اس کے آس پاس چھوٹے چھوٹے مکان تعمیر کرائے جہاں تارک الوطن آ کے پناہ لے سکیں۔ یہ زمین جہاں مسجد بنی دو بھائیوں کی ملکیت تھی اگرچہ اُنھوں نے خوشی سے اس زمین کو مسجد کے لیئے وقف کر دیا تھا لیکن چونکہ وہ یتیم تھے اِس لیئے آپنے اُنھیں زمین کی قیمت دیدی۔ یہ عمارت نہایت سادہ تھی۔ دیواریں اینٹ اور گارے کی۔ چھت کھجور کی چھال سے پٹی ہوئی۔ مسجد کا ایک حصّہ خاص مسافروں اور بےگھروں کے لیئے تجویز کر دیا گیا تھا۔ یہیں حضور انور بیٹھ کے وعظ فرمایا کرتے تھے۔ اس غریب عمارت میں جو چیز تھی وہ بہت ہی سادہ تھی بے فرش زمین پر حضور انور کھڑے ہو کے نماز پڑہتے تھے۔ یہیں خدائے واحد کو سجدہ کرنے کی ابتدا ہوئی تھی۔ آپ یہاں اس مقدس سادے معبد میں جو آیندہ شہنشاہاں عالم کی بازگشت بننے والا تھا یہ وعظ فرمایا کرتے تھے "جو شخص خدا کی مخلوق سے محبت نہیں رکھتا اور اپنے بچوں پر مہربان نہیں ہوتا وہی کہے گا کہ خدا مجھپر مہربان نہیں ہے۔ جو مسلمان کہ ننگے کو کپڑا پہنائیگا خدا اُسے بہشت کا لباس پہنائیگا پھر آپنے فرمایا تمھارا بخندہ پیشانی اپنے بھائی کی طرف دیکھنا سخاوت ہے۔ ایک گروہ کو نیک کام کی نصیحت کرنا ہی سخاوت کرنے کے برابر ہے۔ بھٹکے ہوئے کو رستہ بتانا خیرات اور سخاوت ہے۔ سڑک پر سے پتھر کنکر یا ٹھوکر کی چیز کو سرکا دینا بڑی خیرات ہے پیاسے کو پانی پلانا بھی خیرات ہے وہ شخص اُس عالم میں سرخرو ہوگا جس نے اس دنیا میں نیکی کی ہے مرنے کے بعد دنیا میں تو یہ پوچھا جاتا ہے کہ کتنا مال چھوڑ کے مرا لیکن قبر میں فرشتے سوال کرتے ہیں کہ تو نیک اعمال کا توشہ کتنا اپنے ساتھ لایا۔

آپ ہمیشہ یہ ارشاد کیا کرتے تھے کہ "میں اس لیئے بھیجا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کو پورا کروں" ایکدن طے قبیلہ کے قیدی آپ کی خدمت میں حاضر کیئے گئے ایک لڑکی بھی اُن قیدیوں میں تھی اُسنے عرض کیا اگر آپ مصلحت سمجھیں تو مجھے رہا کر دیں یا نیو تلہ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہوں لوگ مجھپر ہنسیں گے۔ میرا باپ اپنی قوم کی حمایت کرتا تھا قیدی کو رہائی

اور بھوکے کا پیٹ بھرتا تھا کبھی اُس نے کسی حاجتمند کو محروم نہیں کیا اُس کا نام حاتم تھا۔ حضور نے ارشاد کیا یہ صفت سچے ایمانداروں کی ہے اور پھر اُسکی رہائی کا حکم دیا آپ ہمیشہ حضرت انس کی روایت کے موجب یہی فرمایا کرتے تھے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان الآیۃ یعنی اللہ انصاف اور نیکی کرنیکا حکم کرتا ہے۔

ہمارے آخر الزمان نبی کی نبوت کا مفہوم اور اسلام کا خاص منشا ریہ ہے جو آگے بیان ہوتا ہے یعنی آپ نے معاذ بن جبل کو یہ نصیحت کی تھی مگر خطاب ساری اُمت سے ہے اس میں نہ جہاد کا کہیں اشارہ ہے اور نہ اس کا ذکر چنانچہ آپ فرماتے ہیں "اے معاذ میں تجھے خدائے تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ تو سچ بول۔ عہد پورا کر۔ امانت میں خیانت نہ کر۔ ہمسایہ کا لحاظ رکھ یتیم پر رحم کر نرم گفتگو کر۔ سلام کو فاش کیا کر۔ قرآن کی سمجھ پیدا کر۔ آخرت کی محبت اور حساب سے خائف رہا کر۔ کبھی کسیکو گالی نہ دیجو اور سچے شخص کو جھوٹا نہ بنائیو۔ کسی گنہگار کی اطاعت نہ کیجیو۔ عادل امام کی نافرمانی نہ کیجو۔ زمین میں فساد کرنے سے احتراز کرنا" یہ تعلیم ہے جس پر اسلام ناز کرتا ہے خونریزی سے اسلام نے ہمیشہ نفرت کی ہے اور اسے ایک ہیبتناک امر خیال کیا ہے قرآن میں جب کھلا کھلا حکم آچکا ہے کہ فساد نہ کرو زمین میں فتنہ نہ پھیلاؤ یہانتک قرآن میں آگیا ہے کہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ شدید ہے پھر اس سے زیادہ امن کی تعلیم کرنے والا مذہب اور کیا ہو سکتا ہے تمام عمر میں ایسے تین دن نہیں ہوئے کہ آپ نے گیہوں کی روٹی دونوں وقت پیٹ بھر کے کھائی ہو اللہ اکبر یہ حلیمی اور یہ انکساری تھی بصرہ کا ایک شخص حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے مسلمان ہونیکے بعد عرض کیا کہ آپ مجھے کسی نیک عمل کی ہدایت فرمائیں آپ نے ارشاد کیا "سب سے زیادہ نیک عمل یہی ہے کہ تو کسیکی بُرائی نہ کیا کر۔

حضور انور نے اگرچہ مشرکین عرب کے جور وظلم پر اپنا مالوفہ وطن چھوڑ دیا تھا مگر پھر بھی اُنکے غصہ کی وہی کیفیت تھی۔ اُنھوں نے ہمارے فخر رسل کے سر مبارک کے لیئے اشتہار دے رکھا تھا اور ایک بڑا بھاری انعام مقرر کر رکھا تھا حضور انور بھی اس سے غافل نہ تھے اُدھر یہودیوں کی چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی تھی لامحالہ آپکو جمہوری اُصول کی بنیاد ڈالنی پڑی اور اُسکے مختصر طور پر یہ اُصول تھے "صلح وجنگ کی حالت کل مسلمانوں پر یکساں عائد ہوگی اُن میں کسی ایک یا دو اشخاص کو یہ اختیار نہوگا کہ وہ خود ہی جنگ کا اعلان دیں یا خود ہی صلح کریں۔ یہودی جو ہماری سلطنت میں پناہ گزین ہونگے ہر حالت میں ہمارا فرض ہوگا کہ ہم اُنکی حفاظت کریں اور اُنکے لیئے بیرونی حملوں پر سینہ سپر ہو جائیں اُنکے حقوق ایسے ہی ہونگے جیسے مسلمانوں کے وہ مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو عہدوں پر ممتاز ہوں گے اور اُن سے کوئی تعرض نہ کرے گا۔ یثرب میں جتنی قومیں یہودیوں کی آباد ہیں وہ سب ایک نظر سے دیکھی جائیں گی اور اُنھیں اُنکے مذہبی فرائض انجام دینے کی مسلمانوں کی طرح کامل آزادی ہوگی مجرم خواہ یہودی ہو یا مسلمان سزایاب ہوگا۔ اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ کریگا تو یہودی مسلمانوں کے ساتھ ہو کے اُس کو پسپا کرنے کے لیئے میدانِ جنگ میں آئیں گے۔ جو شخص یثرب میں داخل ہوگا اُسکے یہی حقوق ہونگے۔ جرم پر کسیکی رعایت نہوگی خواہ کوئی سردار ہو یا عام شخص ہو سب ایک دوسرے کی عزت کریں گے اور بمحبت پیش آئیں گے۔ تمام گزشتہ جھگڑوں اور قضیوں کی انتہا سمجھی جائے گی اور اب آئندہ کوشش کیجائے گی کہ باہم مخالف اور متضاد گروہوں کا اتحاد قائم ہو اور روز بروز اس اتحاد میں ترقی ہو (ابن ہشام)

یہودیوں کی تین قومیں جو یثرب میں رہتی تھیں اس معاہدہ پر اول اول رضامند نہ ہوئیں لیکن اخیر میں اُنھوں نے بھی مصلحت وقت دیکھ کے اُس پر دستخط کر دیئے۔ اور اپنی اندرونی مخالفت میں اسیطرح سرگرم رہیں۔ سب سے زیادہ ان یہودیوں نے مسلمانوں کو چڑانا اور اُن کے مذہب کی نسبت بد تہذیب الفاظ کہنے شروع کیئے اور بھی غضب یہ ہوا کہ قرآن مجید کی روشن آیتوں میں تحریف کر کر کے عام مجمع میں پڑہنی شروع کیں اور پھر اُن پر خود ہی قہقہہ اُڑایا۔ اسی پر قناعت نہ کی بلکہ یہودی سرداروں نے اپنے شعرا کے انعام مقرر کیئے کہ جو شاعر مسلمانوں کی بہتر ہجو کرے گا اُسے یہ انعام دیا جائیگا اب کیا تھا انعام کے لالچ میں چاروں طرف سے ہجو کی بوچھاڑ ہو گئی۔ عورتیں بچے جوان بوڑھے سب مسلمانوں کو دق کرنے اور سر بازار گالیاں دینے کے لیئے آمادہ ہو گئے۔ مسلمانوں کا نکلنا مشکل کر دیا جہاں کسی مسلمان کی صورت دیکھی اور ہجویہ اشعار پڑہنے شروع کیئے۔ یہ اسرائیلی تو مشرکین عرب سے بھی بڑھ گئے اور اُنھوں نے تو وہ ہاتھ پیر نکالے کہ العظمۃ للہ حضور انور کا حکم تھا کہ اُنکے جواب میں ایک حرف بھی کوئی مسلمان زبان پر نہ لائے اور سوائے صبر کے کوئی بات نہ کرے۔ ان بد نصیبوں نے اسی پر قناعت نہ کی بلکہ پوشیدہ پوشیدہ مشرکین عرب سے خط و کتابت شروع کی اور صاف لکھ دیا کہ گو ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کر لیا ہے لیکن اگر تم یہاں حملہ آور ہو گے تو ہم تمھاری مدد کرینگے۔ یہ خط دیکھتے ہی مشرکین عرب کے ہاں گھی کے چراغ جل گئے اور اب وہ خوش ہوئے کہ محمد کو یثرب میں بھی نہ رہنے دینگے۔ مشرکین قریش نے اخیر حملہ کی تیاری کی۔ ادھر حضور انور کو بھی یہ خبر ہو گئی کہ معاہدہ کے برخلاف یہودی دشمنان اسلام سے مل گئے ہیں۔ آپ نے یہودیوں کی حرکات کی نگرانی شروع کی اور بہت جلد چھ مخبر یہودیوں کو گرفتار کیا جو ایک مراسلہ مشرکین قریش کے نام کا یثربی یہودیوں کی طرف سے لیئے جاتے تھے اُنکی تلاشی لی گئی مہری خطوط برآمد ہوئے جن میں یہ لکھا ہوا تھا جب یثرب تک آ جاؤ گے تو ہم یہاں جنگ شروع کر دینگے ہم اندر سے ماریں گے اور تم باہر سے حملہ آور ہونا بس مسلمانوں کو بیچ میں رکھ کے پیس ڈالیں گے ان مخبروں کو انھیں مقررہ اصول و قواعد کے مطابق سزا دی جو یہودیوں اور مسلمانوں میں مقرر ہو چکے تھے اب حضور انور کو سخت اندیشہ ہوا کہ کیونکر انتظام کیا جائے آپکو خونریزی سے ہمیشہ نفرت تھی اور ابھی تک آپنے تلوار کا استعمال نہ کیا تھا۔ آپکا رحیم اور رقیق قلب کبھی یہ گوارا نہ کرتا تھا کہ تلوار چلانے کا موقع آئے اور مخلوق خدا درد سے غل مچائے۔ آپکے دل پر اپنے بچوں کی وفات نے پہلے ہی گہرے چرکے بٹھا رکھے تھے اور پھر آپ کو اپنے دشمنوں کی زیادتی اور حملہ کا خیال آیا اور مسلمانوں کی خون آلود صورتوں کا نقشہ آنکھوں کے آگے کھنچ گیا اس درد سے آپ بے اختیار رو پڑے اور اپنے رفقا کی آیندہ تکلیف سہنے پر آپ سے ضبط نہو سکا۔ آپ صرف اپنے رفقا پر زاری فرماتے تھے اور اُنکی تکالیف کا آپ کو بہت درد تھا بد کیش یہودیوں نے جب آپ کو روتے دیکھا تو یہ کہنا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عورتوں کی طرح سے روتے ہیں حالانکہ آپ اپنے رفقا کی آیندہ مصیبت پر آنسو بہاتے تھے اور آپ کی ہرگز یہ خواہش نہ تھی کہ تلوار چلانی پڑے آپ کو بہت بڑا درد یہ تھا کہ بیگناہ جانیں ضائع ہونگی۔ اور معصوموں کے گلے پر خنجر پھیرا جائیگا۔ آپ تو ہمیشہ کے رقیق

القلب تھے یہ کبھی اتفاق نہیں ہوا کہ آپکے آنسو ایک روتے ہوئے کو دیکھ کے نہ ٹپک پڑے ہوں آپکی اصلی غرض یہ تھی کہ خدا کی مخلوق کو آرام میں دیکھیں آپ اسی لیئے مبعوث ہوئے تھے اور آپکی نبوت کا بڑا منشا امن کا قائم کرنا تھا۔

اخیر تکی سامان جنگ کرکے مکہ سے روانہ ہوئے اور مضافات مدینہ میں پہنچے۔ مسلمانوں کے باغات کو جلادیا اُنکے مویشیوں کو پکڑ لیا اور آگے بڑھے چلے آئے۔ یہ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی غرض سے بھی آئے تھے اور یہ بھی ان کا منشا تھا کہ اُس قافلہ کی حفاظت کریں جو سامان جنگ لیئے آرہا ہے۔ ایک ہزار انکی تعداد تھی اور سب عمدہ ہتھیاروں سے آراستہ تھے ابوجہل ان کا سپہ سالار تھا عین وقت پر مسلمانوں کو ابوجہل کے لشکر کی خبر ہوئی۔ اخیر حضور انور کی سرکردگی میں اُنھوں نے بدر پر اپنے مورچے جمائے مسلمانوں کی کل تعداد تین سو سے زیادہ نہ تھی۔ سب کے پاس سواری کے گھوڑے تھے نہ ہتھیار تھے۔ حضور انور نے مشرکین قریش کی ایک ہزار جرار سپاہ پر نظر کی تو اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کے یہ دعا کی "اے خدا تو اپنی مدد کا وعدہ نہ بھول اے خدا اگر یہ چھوٹا سا گروہ نیست و نابود ہوگیا تو پھر تیری خالص عبادت کرنے والا ایک متنفس بھی نہیں رہنے کا۔"

میدان کارزار گرم ہوا اور عربوں کے قوانین جنگ کے مطابق تین عرب مشرکین میں سے میدان میں آئے گویا اس میں بھی تقدیم اُن ہی کی طرف سے ہوئی۔ مسلمانوں کی طرف سے تین مرد میدان نکلے حضرت حمزہ۔ حضرت علی حضرت عبیدہ۔ تینوں لڑے اور تینوں نے فتح پائی۔ یہ دیکھکر بت پرستوں نے قانونِ جنگ توڑ ڈالا اور اب اُنھوں نے ملکے حملہ کیا ایک ہزار مسلح قریشیوں کے تین سو مسلمانوں پر دھواں دھار حملہ کرنے سے مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے لیکن جب اُنھوں نے حضور انور کی ماتحتی میں سمٹ کے حملہ کیا تو دشمن کے پروں کو پارہ پارہ کردیا ہوا کے خوب ہی تیز جھکڑ چل رہے تھے مخالف اسلام نوک دم ہو کے بھاگے۔ اُن کے بہت سے سردار قتل ہوئے ابوجہل بھی میدانِ جنگ میں مارا گیا۔ بکثرت قریش گرفتار ہوئے اس زمانہ کے قوانین جنگ کے مطابق جنگی قیدی قتل کردیئے جاتے تھے مگر حضور انور نے اس قانون کو بدل دیا اور مسلمانوں کو ہدایت کردی کہ اُنکی خاطر مدارات کریں اُنھیں کھانا دیں اور کوئی کلمہ ایسا زبان پر نہ لائیں کہ اُنکا دل دکھے اور وہ آزردہ خاطر ہوں مسلمانوں نے اپنی خوراک میں سے اُنھیں حصہ دیا اُنھیں خرمے کھلائے۔ اُن سے نہایت اخلاق اور شیریں زبانی سے پیش آئے بلکہ اُلٹا اُنکی بدقسمتی پر روتے تھے حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں ہم نے اپنے کو تو یہ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پناہ ڈھونڈتے تھے اور آپ دشمنوں کی صف کے ہم سے بہت ہی قریب ہوتے تھے جب آپ حملہ کا حکم دیتے تھے تو پہلے خود بڑھکے حملہ کرتے تھے بہادر وہی شخص ہوتا تھا جو جنگ میں حضور انور کے قریب رہتا تھا آپ عین معرکہ جنگ میں یہ فرمایا کرتے تھے ان النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب یعنی میں نبی ہوں جھوٹا نہیں میں تو بیٹا مطلب کا ہوں۔

(دوسری لڑائی)

حضور انور نے اخیر قریشی قیدیوں کو چھوڑ دیا اور اُنھیں اجازت دی کہ وہ مکہ چلے جائیں جب وہ مکہ پہنچے تو قریشیوں کا جوش اور بھی بڑھا اور بجائے اسکے کہ ان کا حوصلہ پست ہوتا اُنھوں نے انتقام لینے کی ٹھان لی۔ ابوسفیان دو سو آہن پوش سوارے کے خاموشی سے مدینے کی طرف بڑھا۔ ابھی مسلمانوں کو اسکی مطلق خبر نہ تھی چند نہتے مسلمان مدینہ

کے باہر کھجوروں کے درختوں پر کام کر رہے تھے ابوسفیان دو سو سوار لیکے آندھی اور مینہ کی طرح اُن بےخبر مسلمانوں پر آپڑا اور اُنھیں نہایت ظالمانہ طور پر شہید کر دیا اُنکے درخت اُکھیڑ کے پھینک دیئے اور ہر شئے کو برباد کر دیا اس دغا بازی اور قصائی پنے کی خبر مسلمانوں کو ہوئی وہ اپنے مظلوم رفقا کی مدد پر باہر نکلے اور اُنھوں نے ابوسفیان پر حملہ کیا حالانکہ ابوسفیان کے پاس دو سو آہن پوش سوار تھے پھر بھی وہ پریشان بھاگا اور سواروں نے بھاگتے وقت خرجیوں میں جتنی کھجوریں بھری تھیں وہ اس غرض سے پھینکدیں کہ گھوڑے ہلکے ہو جائیں اور اُنھیں بھاگنے میں آسانی ہو۔

اسی اثنا میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا حضورِ انورؐ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقا سے الگ ایک درخت کے نیچے سو رہے تھے اور آپ بالکل تنہا تھے کہ یکایک ایک وحشی بدو کے شور سے آپ کی آنکھ کھلی آپ نے دیکھا کہ ایک وحشی عرب ننگی تلوار سونتے ہوئے سرہانہ کھڑا ہے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہشیار پاکے اُس نے یہ درشت الفاظ کہے "اے محمدؐ اب کون ہے جو تیری حفاظت کریگا اور تجھے میری خون آلود تلوار سے بچائیگا؟" حضورِ انور نے جواب دیا "خدا" یہ سنتے ہی اُس وحشی بدو نے تلوار کا وار کرنا چاہا حضرت رسالتمآب نے اچک کر اُس کی تلوار چھین لی اور فرمایا اب تجھے یہاں پناہ دینے والا کون ہے اور تیری کون جان بچائیگا اُس وحشی بدو نے جواب دیا "افسوس کوئی نہیں"، آپ نے اُس کے آگے تلوار ڈالدی اور ارشاد کیا مجھسے رحم کا پیشہ سیکھو وہ بدو فوراً مسلمان ہو گیا اور حضورِ انور کی غلامی کا فخر حاصل کیا اور تا وفات اسلام کا جان نثار خادم بنا رہا۔

اُحد کی تیسری لڑائی

اس دوسری شکست پر بھی قریشیوں کے حوصلے پست نہ ہوئے اور اب اُنھوں نے انقطاعی جنگ کا سامان شروع کیا اور چاہا کہ بغیر فیصلہ کیئے قدم پیچھے نہ ہٹائیں۔ تین ہزار کی ایک جرار فوج تیار ہوئی۔ ہر سپاہی اپنے جوش میں آپے کے باہر ہوا جاتا تھا۔ ان تین ہزار میں سات سو آزمودہ کار اور مرد میدان تھے۔ یہ جرار فوج اُس چھوٹے سے گروہ پر حملہ کرنے کے لیئے تیار ہوئی تھی جس کے پاس نہ کافی ہتھیار تھے اور نہ گھوڑے تھے نہ کوئی قلعہ تھا تعداد میں کم اور بے سرو سامان۔ ہاں بڑی بات اگر تھی تو وہ یہ تھی کہ نبی برحق کے ساتھ جب اُن پر اُنکے لگتے اور چوکنے دشمن حملہ کرتے تھے تو تحفظ دین کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اب کے بھی ابوسفیان ہی سپہ سالار تھا یہ تین ہزار جرار فوج مدینہ کیطرف بڑھی اور مدینہ کے قریب پہنچکر ایک ایسے مقام پر قبضہ کر لیا جو جنگ کی جان تھا اُس نے یہاں خوب مورچہ بندی اور فوجی دستوں کی تقسیم کری اور اب مسلمانوں کی نقل حرکت کو دیکھنے لگا۔ حضورِ انور نے جب یہ خبر سُنی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا اور مشرکوں کی اس زیادتی پر آپ آزردہ دل ہوئے۔ اپنی قوم کے بچوں عورتوں ناتوان مردوں اور سب سے زیادہ اپنے دین کے تحفظ کے لیئے آپ مجبوراً آمادہ ہوئے۔ اور ایک ہزار آدمی منتخب کیئے۔ مگر ان میں منافق یہودی بھی تھے جو بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن دل میں مسلمانوں کے سخت دشمن تھے پہلے تو اُنھوں نے جنگ میں جانے کی مرضی ظاہر کی اور جب میدان جنگ میں آئے تو تعداداً تین سو صفوں میں سے نکل کے بھاگ گئے۔ یہ اگرچہ لڑاکو فوج کے لیئے دل شکن صدمہ ہوتا ہے مگر پھر بھی مسلمان اپنی جگہ قائم رہے اور ان منافقوں کی اس دغا بازی سے ذرا بھی شکستہ خاطر نہ ہوئے ... ۷ مسلمان گردنیں نیچی کیئے ہوئے آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہے تھے ادھا خبر حضرت

رسالتمآب کے حکم کے مطابق احد کی پہاڑی پر قبضہ کر لیا شب کو خاموشی سے بسر کی اور علی الصباح نماز صبح جماعت سے پڑھ کر میدان جنگ میں آئے۔ ہمیشہ مشرکین قریش نے دغابازی کی۔ ایک ایک دو دو لڑنے کرتے تھے یکایک بھیڑی میں سب آ پڑتے تھے۔ اب خیال کرنا چاہیئے کہ ایک قوم ایک آب وہوا ایک خون سب شجاع مرد میدان بات بات پر لڑنے والے پھر مٹھی بھر اُن ہی میں کے آدمیوں کا وہ بھی محض بے سروسامانی میں غالب آ جانا ضرور ایک پوشیدہ قدرتی راز اپنے ساتھ رکھتا ہے اور وہی قدرتی راز ہے جو بعد ازاں کھل گیا اور دنیا نے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا

حضور انور احد کی پہاڑی کے نیچے کھڑے ہوئے اور بلندی پر جنگ آور مسلمان دستہ کے پیچھے چند تیر انداز کھڑے کیئے اور اُنھیں حکم دیدیا کہ خواہ کچھ ہو تم اپنی جگہ سے نہ سرکنا مشرکین قریش اپنے باقاعدہ پرے جما کے آگے بڑھے اُنکے بت اُنکے بیچ میں تھے جن کی حمایت میں وہ جنگ کرنے آئے تھے۔ سرداروں کی بی بیاں دف بجا رہی تھیں۔ قریشیوں کی پہلے حملہ میں سخت زک ملی حضرت امیر حمزہ نے معہ اپنے جانباز دستہ کے اُنکے حملہ کو روکا اور پھر آپ خود شمشیر برہنہ لیکے قریشی حملہ آوروں میں گھس گئے اور اُنھیں پراگندہ کر دیا۔ ہر طرف سے مخالفین کا گروہ برابر پسپا ہو رہا تھا۔ عظیم اور نمایاں فتح مسلمان حاصل ہی کر چکے تھے کہ تیر اندازوں نے حضرت رسالتمآب کی ہدایت کا خیال نہ رکھا اور غنیمت کیلیئے ادہر اُدہر پراگندہ ہو گئے۔ خالد جو ایک بڑا جرّار اور مرد میدان تھا اور جو اس موقع کی تاک میں لگا ہوا تھا اپنے پرے کو سمیٹ کے آگے بڑہا اور آندہی مینہ کی طرح پراگندہ بیخبر مسلمانوں پر گر پڑا دشمن کی پیادہ فوج جو پسپا ہو چکی تھی واپس پھری اور چاروں طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ پھر دوبارہ خوفناکی سے جنگ شروع ہوئی اور مسلمانوں کے چند جانباز بہادر عین معرکۂ جنگ میں شہید ہوئے حضرت امیر حمزہ نے بھی اسی میدان میں شربت شہادت پیا۔ حضرت علی حضرت ابوبکر۔ حضرت عمرؓ نہایت سخت مجروح ہوئے۔ بت پرست اپنی چیرہ دستی سے فائدہ اُٹھا کے حضور انور کی طرف رجوع ہوئے آپ مع چند صحابہ کے مشرکین قریش کے حق میں رب الافواج کی بارگاہ میں دعائے خیر کر رہے تھے

حضرت علی قلب لشکر میں جنگ کر رہے تھے اور اُنھیں یہ خبر نہ تھی کہ مشرکین نے حضور انور کی طرف رخ کیا ہے۔ اخیر آپ لڑتے لڑتے اس گھاٹی کے کنارہ پر آئے اور یہاں آپ کو غنیم کے حملہ سے کسیقدر نجات ملی کہ اتنے میں حضور انور کے شہید ہونے کی آوازیں حضرت علی کے کانوں میں آئیں آپ سخت شکستہ خاطر ہو گئے مگر آپ پھر یہ دیکھکے کہ مسلمان برابر مشرکین سے جنگ کر رہے ہیں دل مضبوط کر کے مشرکین کے مجمع میں گھس گئے۔ اور پھر تیسری بار میدان کارزار گرم ہوا یہ جنگ آور لڑتے لڑتے اُس موقع پر پہنچ گیا جہاں حضور انور اپنے مٹھی بھر صحابہ کے ساتھ غنیم کے دھواں دہار حملوں کا جواب دے رہے تھے جونہی حضور انور کو صحیح وسالم دیکھا صحابہ کے دل باغ باغ ہو گئے اور جو کچھ شکستہ خاطری ہوئی تھی وہ سب جاتی رہی۔ سب ملکے احد کی بلندی سے رسول مقبول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہاں اُنھوں نے کسیقدر دم لیا حضرت علی رضؓ نے چٹان کے ایک سوراخ سے حضور انور کی ڈہال میں پانی ڈالا جس سے آپ کا زخم دہویا گیا اور پھر سب نے ملکے ظہر کی نماز پڑہی۔

یہ جنگ جیسا کہ مشہور ہے مشرکین کے حق میں مفید ثابت نہیں ہوئی۔ اُنھوں نے ارادہ کیا تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دیں اور اُنھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔ اس جنگ میں سوا اسکے کہ حضرت رسالتمآب مجروح ہوئے اور کسی قسم

کی نمایاں فتح کفار کو نصیب نہیں ہوئی۔ بلکہ سمجھنا چاہیئے کہ اُنھوں نے سخت شکست کھائی اور بے انتہا زچ ہو کے اخیر بزدلانہ حملہ پر اُتر آئے وہ بزدلانہ حملے جن کی نظیر تاریخ میں نہیں ملنے کی۔ یعنی اُنھوں نے مسلمان شہدا کے ساتھ سخت ناانسانیت کا برتاؤ کیا اور اُنکے بے روح اجساد کو پارہ پارہ کر کے اپنی فتحمندی سمجھی۔ زیادہ تر حضرت امیر حمزہ کے جسد مبارک کے ساتھ وحشیانہ برتاؤ کیا جس سے ایک آگ مسلمانوں کے تن بدن میں لگ گئی اور سب نے ارادہ کیا کہ آیندہ مشرکین کے مقتولین کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا جائیگا مگر حضور انور نے فرمایا کہ صبر کرنا اور ہر مصیبت میں خدا پر بھروسہ کرنا اسلام کی عین نشانی ہے۔ آپ کی ہدایت سے سب مسلمانوں کو تسکین ہو گئی اور اُنھوں نے ہمیشہ اپنے مخالفین سے اُسی انسانیت کا برتاؤ کیا جو اسلام کے لیئے شایاں تھی۔ قریش اس شکست کے بعد مکہ بھاگ گئے حضرت رسالتمآب نے اُنکے تعاقب پر مسلمانوں کو روانہ کیا مگر جوں ہی ابوسفیان کو یہ خبر ہوئی کہ مسلمان تعاقب کر رہے ہیں وہ اور بھی بدحواس ہو گیا اور اسقدر پریشان ہو کے بھاگا کہ اُسے کسی طرف کی سُدھ بدھ نہ رہی۔ ایک اور غضب ابوسفیان نے کیا اور وہ سخت بزدلانہ تھا یعنی دو بیتری مسلمان مدینہ آ رہے تھے اُنھیں اس جنگ کی خبر بھی نہ تھی بلا وجہ اور بغیر کسی سبب کے انھیں شہید کر دیا بلکہ پہنچ کر اُس نے حضور انور کی خدمت میں ایک مراسلہ بھیجا جس میں سخت ہذیان بکا تھا اور اخیر کے فقرے یہ تھے "پھر دوبارہ تمھیں نیست و نابود کرنے کے لیئے آتا ہوں" اس تلخ ترین مراسلہ کا جواب حضور انور نے یہ دیا "خدا ہمارے لیئے کافی ہے اور وہی ہمارا محافظ"

ماہ شوال ۲ھ مطابق فروری ۶۲۴ء

ایک نوجوان مسلمان لڑکی یہودیوں کے بازار میں دودھ خریدنے گئی یہودیوں نے اُس پر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ ایک مسلمان بھی کو یہ نظارہ برا لگا اُسنے یہودیوں کو ہدایت کی کہ یہ باتیں تم خلاف معاہدہ کرتے ہو تمھیں زیبا نہیں ہے۔ لیکن یہودی باز نہ آئے اور نوجوان خاتون پر دست درازی کر کے اُسے بے عزت کرنا چاہا پھر وہ مسلمان بیچ میں آ گیا اور بالتجا اُن سے کہا کہ اس ناانسانیت سے باز آؤ اُنھوں نے سخت بزدلی سے اُس بیگناہ مسلمان کو شہید کر ڈالا۔ یہ خبر آگ کی طرح تمام شہر میں پھیل گئی۔ مسلمانوں کو یہودیوں کی اس بیجا حرکت پر سخت غصہ آیا وہ اپنے بھائی کا انتقام لینے کے لیئے جھپٹ پڑے اور اب یہودیوں سے دو دو ہاتھ ہونے شروع ہوئے۔ اسی اثنا میں حضرت رسالتمآب کو خبر ہوئی آپ فوراً برسر موقع تشریف لائے اور طرفین میں بیچ بچاؤ کیا۔ اس کے بعد یہودیوں نے علی الاعلان کہدیا کہ ہم اس معاہدہ سے دست بردار ہوتے ہیں جو آپ کا اور ہمارا ہو چکا ہے۔ اب ہم آپ سے لڑیں گے۔ جب یہودیوں کی طرف سے یہ جواب ملا تو آپ کو اس انتظام کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہوا جو مدینہ کا فرما چکے تھے آپ حجت تمام کرنے کے لیئے یہودیوں کے ایک قبیلہ بنی قینقاع کے پاس تشریف لے گئے اور اُن سے ساری کیفیت بیان کر کے کہا کہ اور قبائل یہود کے مقابلہ میں تمھیں اپنے عہد و پیمان پر قائم رہ کے مدینہ کے انتظام میں مدد کرنی چاہیئے۔ اس محبت آمیز تقریر کا جو جواب اُنھوں نے دیا وہ یہ تھا "اے محمد تو اس فتح پر فخر نہ کر جو تو نے قریشیوں پر حاصل کی ہے تجھے ایسے لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑا ہے جو قانونِ جنگ سے محض نابلد ہیں جب ہمارے ساتھ تو جنگ کریگا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ ہم کیا ہیں" کل یہودی قبائل بھڑک اُٹھے اور اب وہ اس تاک میں رہنے لگے کہ کہیں تنہا پا کے حضرت رسالتمآب

پر ہاتھ صاف کریں۔

ربیع الاول ۴ھ مطابق جون و جولائی ۶۲۶ء

آخر یہودی مدینہ سے خارج کر دیئے گئے۔ اس سال کا باقیماندہ حصہ اور آئندہ سال کا ابتدائی حصہ ان مخالف قوموں کی سرکوبی میں گزرا جو مدینہ کے حدود میں سازش کر رہی تھیں اور وقتاً فوقتاً اکیلے دوکیلے مسلمان کو پا کے قتل کر دیتی تھیں۔ ان یہودیوں کے مظالم حد سے زیادہ بڑھ گئے تھے۔ انھیں نہ عورتوں پر رحم آتا تھا اور نہ معصوم بچوں پر نہ بوڑھوں پر کئی بے گناہ عورتیں اور بچے ان ظالموں کے ظلم کی نذر ہوئے اور انھیں اس بے رحمی سے شہید کیا جس سے اُس کی دشمنی اور سخت بزدلے پن کا نقشہ کھنچتا ہے۔ سازشوں کے دروازے چاروں طرف سے مسلمانوں کے خلاف کھل گئے تھے اور فی الحقیقت یہ زمانہ مسلمانوں کے سخت امتحان کا تھا حضرت رسالتمآب کی علی التواتر کامیابیوں نے مخالف قبائل میں اور بھی سخت آگ مشتعل کر دی تھی اور وہ مسلمانوں کے نیست و نابود کرنے میں جان کھپا رہے تھے۔ کوئی بات مخالفت کی جو اُن کے خیال میں آتی وہ فوراً کر گزرتے اور اصل یہ ہے کہ اُنھیں کسی ناجائز سے ناجائز فعل کرنے میں نہ عار تھی اور نہ خوف خدا تھا۔

۵ھ مطابق ۳ مئی ۶۲۶ و ۶۲۷ء

مشرکین عرب نے مختلف قبائل عرب کے پاس قاصد بھیجے اور کہلا بھیجا کہ یہی وقت ہے کہ ہم سب جمع ہو کے اسلام کو نیست و نابود کر دیں جب تک ہم اتفاق کر کے مسلمانوں پر حملہ نہ کریں گے انکی ترقی نہیں رک سکتی اور نہ یہ شکست پا کے مدینہ کو خالی کر سکتے ہیں۔ اُدھر خیبر میں ابھی تک یہودی قبائل موجود تھے اور روز مرّہ نئے نئے گروہ جمع ہوتے جاتے تھے تاکہ مسلمانوں سے کافی انتقام لے سکیں۔ ان یہودیوں سے مشرکین عرب کے برابر نامۂ و پیام ہو رہے تھے اخیر یہ امر طے پا گیا اور ابوسفیان ایک لشکر کثیر کے ساتھ جس میں دس ہزار چیدہ مرد میدان عرب تھے آندھی اور مینہ کی طرح حملہ آور ہوا۔ راستہ میں اُسکی کہیں بھی مزاحمت نہیں ہوئی اور وہ آنکھیں بند کیئے ہوئے سیدھا چڑھا چلا آیا اور مدینہ کے قرب و جوار میں اُحد کے پاس آ کے دم لیا۔

شوال ۵ھ مطابق ۲ فروری ۶۲۷ء

اب کے دور دور فوج کے دلبادل چھا گئے دس ہزار فوج مع سامان حرب اور باربرداری کے کوسوں پر پھیلی ہوئی نظر آئی۔ جب آفت سر ہی پر آ گئی تو ناچار مسلمانوں نے بھی اپنی حفاظت کا بندوبست کیا اور بمشکل تین ہزار مسلمان حضرت رسالتمآب کی ماتحتی میں مدینہ منورہ سے باہر نکلے۔ عورتوں بچوں بوڑھوں کی حفاظت کے لیئے شہر کے گرد ایک کھائی کھود دی گئی اور آخر دشمنوں کے مقابلہ میں مسلمانوں نے بھی مورچہ بندی کر لی۔ قریشیوں نے اول اُن یہودی قبائل پر حملہ کیا جو ہنوز معاہدے پر قائم تھے اور اُنھوں نے علانیہ مسلمانوں سے عہد شکنی نہ کی تھی جب یہودیوں نے یہ دیکھا کہ قریشیوں کی اتنی کثیر تعداد فوج اُنکی مدد پر آ گئی وہ فوراً کھلم کھلا عہد شکنی کر کے قریشیوں سے مل گئے۔ جب حضرت رسالتمآب نے یہ خبر سُنی تو آپنے سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ کو اُنکے پاس بھیجا اور کہا کہ تمھیں لازم نہ تھا کہ تم اس طرح عہد شکنی کرتے اور ہمیں ایسے نازک وقت میں یوں دھوکا دیتے اُنھوں نے بجائے کسی عذر کے تلخ ترین

اور نامعقول جواب دیا "محمدؐ کون ہے؟ خدا کا نبی کس کو کہتے ہیں؟ تم میں ہم میں کوئی معاہدہ نہیں ہے" مسلمانوں کو ان یہودیوں کی مخالفت سے بہت ہی صدمہ ہوا کیونکہ یہ شہر کے اندرونی حالات سے بالکل واقف تھے اور انہیں مسلمانوں کی بے سروسامانی اور کمزوری کا پورا علم تھا وہ عورتیں اور بچے جو شہر میں محفوظ چھوڑے گئے تھے انھیں اپنی بے گناہ جانوں کے لالے پڑ گئے۔ اخیر مسلمان مدینے میں چلے آئے اور چاروں طرف سے اُنکا محاصرہ یہودیوں اور قریشیوں نے کر لیا۔ ہر چند قریشیوں نے چاہا کہ مسلمان باہر نکل کے جنگ کریں مگر مسلمانوں نے خلاف مصلحت دیکھا اور شہر سے جنبش نہیں کھائی۔ وہ وحشی قومیں جو محض لوٹ کے لالچ میں قریشیوں کے ساتھ ہو گئی تھیں بیس دن کے لگاتار محاصرہ سے تنگ آگئیں یہ جرأت تو پڑی نہیں کہ کھائی میں ہو کے شہر کے اندر گھس آئیں اور مسلمانوں کا قلع قمع کر دیں۔ مدینہ میں مسلمانوں کی حالت بھی سخت ناگفتہ بہ تھی۔ گھوڑوں کے لیئے چارا اور دانہ مطلق نہ رہا تھا۔ سامانِ خورونوش بالکل ہو چکا تھا اور فاقوں کی نوبت آگئی تھی۔ اُدہر یہ جبر و تعدی اور اِدہر یہ صبر اخیر خدا کا قہر جنبش میں آیا اور ایک ایسا طوفان آیا کہ مشرکین کے تمام ڈیرے خیمے اُکھڑ گئے۔ روشنی گل ہو گئی۔ ابوسفیان اپنی پراگندہ فوج کو لیکے کافور ہوا۔ یہودیوں نے اپنی اپنی گڑھیوں میں پناہ لی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن پہلے ہی سے مسلمانوں کو یہ خوش خبری سنادی تھی کہ آج تمھارے دشمن پراگندہ ہو کے بھاگ جائیں گے دوسرے ہی دن مسلمانوں نے اپنی نبی کی پیشین گوئی کی صداقت دیکھ لی۔ یہ فتح محض "تائید غیبی" سے مسلمانوں کو حاصل ہوئی اگرچہ اُنھیں پوری مطمئن کرنی والی تھی مگر اُن یہودیوں کا کھٹکا باقی تھا جو مدینہ کے قرب وجوار رہتے تھے اور برابر مخالفت پر تلے ہوئے تھے۔ اور شب و روز اپنی معاندانہ کوششوں میں سرگرم تھے مسلمانوں نے پھر بھی قانون کو ہاتھ سے نہیں دیا اور اُنھیں باقاعدہ مراسلہ بھیجا کہ چونکہ تم نے ایسے نازک وقت میں نکس عہد کیا اسلیئے تم پر تاوان لازمی ہو گیا اب تم ہمیں تاوان دیدو اور نئے سرے سے پھر ہم سے معاہدہ کرو۔ کوتاہ اندیش یہودیوں نے تاوان ہی دینے سے انکار نہیں کیا بلکہ ہمارے معصوم فخر رسل کی بے انتہا توہین کی اور سخت لفظ استعمال کیئے۔ آخر مسلمانوں نے اُنکی گڑھیوں کا محاصرہ کر لیا اور بہت جلد اُنھیں مجبور کیا کہ وہ مسلمانوں کے آگے اپنے ہتھیار ڈالدیں۔ یہ سب گرفتار کر لیئے گئے اور آخر ان یہودیوں کی سزا اُنکے سردارِ قوم سعد بن معاذ کے فیصلہ پر طے پائی۔

ذیقعد ۵ھ ۲۸ فروری سے ۲۴ مارچ ۶۲۷ء تک

سعد بن معاذ جسے خود یہودیوں نے اپنے فیصلہ کے لیئے منتخب کیا تھا ایک تند اور تیز مزاج کا سپاہی تھا اور یہودیوں کے محاصرہ کرنیکے وقت سخت مجروح بھی ہو چکا تھا اور اُن ہی زخموں کی وجہ سے دوسرے دن اُسکی وفات بھی ہو گئی اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ کل وہ یہودی جو عہد شکنی کر کے مسلمانوں کے مقابلہ میں میدان جنگ میں آئے تھے قتل کر دیئے جائیں اور اُنکے بیوی بچے لونڈی غلام بنائے جائیں چنانچہ فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی یوروپی مصنف آنکھیں بند کر کے اس قتل عام پر سخت معترض ہوتے ہیں مگر ذرا وہ تاریخ اقوام کے صفحے اُلٹیں تو اُنکو

معلوم ہو کہ باغیوں اور عہد شکن اقوام کی سزا دنیا کی حکمران اقوام نے کیا دی ہے تمام ممالک کی تاریخیں موجود ہیں اور وہ جدال و قتال جو نہ صرف باغیوں پر بلکہ بیگناہوں پر ہوا کسی پر چھپا ہوا نہیں ہے۔ اُندلس میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا۔ روسیہ نے رومی عورتوں اور بچوں کے ساتھ بلغاریہ میں کیسا رحیمانہ برتاؤ کیا ۱۸۵۷ء میں باغیوں کو ہندوستان میں کیا سزا دیگئی۔ غرض اسی طرح ہزاروں مثالیں موجود ہیں اگر آنکھیں نہ بند کر لیجائیں تو سب کچھ نظر آسکتا ہے اور کسی صورت سے بھی اس فعل پر نکتہ چینی نہیں ہو سکتی۔

سنہ ۶ ہجری مطابق ۲۳۔ اپریل سنہ ۶۲۷ء سے ۱۲۔ اپریل سنہ ۶۲۸ء تک

مشرکین قریش اور یہودیوں کی ساری مشتملہ کوششیں جو اسلام کی جمہوری حکومت مدینہ کے خلاف ہوئی تھیں بالحمد للہ برباد گئیں اور حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بین معجزے نے مسلمانوں کو ان دو خوفناک دشمنوں سے تو اطمینان دیا مگر ہنوز صحرائی اقوام عرب کی تاخت و تاراج اور قتل و غارت کے وہی دم خم باقی تھے اور وہ اپنا موقع پا کے مدینہ کو لوٹ بھی لیتے تھے قتل بھی کر ڈالتے تھے اور اُنکے بال بچوں کو بھی پکڑ کے لیجاتے تھے جب مسلمان جمع ہو کے اُن سے انتقام لینے یا اپنے بھائی کی مدد کرنے نکلتے تھے وہ بھاگ جاتے تھے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ بنی لحیان نے حضور انور کی خدمت بابرکت میں چند آدمی بھیجے اور عرض کی کہ آپ ایسے مسلمان واعظ ہمارے ہاں بھیجیں کہ ہمیں اصول اسلام کی تعلیم کریں اُنکی درخواست قبول کر لی گئی اور فوراً آپ نے چند واعظ روانہ کیئے جونہی یہ بیگناہ واعظ پہنچے بلا سبب اُنھوں نے ان مسلمانوں کو قتل کر ڈالا مصلحت وقت کی وجہ سے ابھی تک ان لوگوں سے کوئی انتقام نہ لیا گیا تھا مگر جب قریشیوں کا زور کم ہو گیا تو اب مسلمانوں نے اس ناواجب قتل کا انتقام لینا چاہا وہ سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے اور پہاڑوں میں جا کے چھپ گئے حضور انور بغیر انتقام لیئے واپس چلے آئے اسی اثنا میں غطفان کی ایک شاخ نے مدینہ کے حوالی میں حملہ کیا اور کثرت سے مسلمانوں کے اُونٹ لے گئے اور ایک مسلمان کو شہید بھی کر گئے۔ مسلمانوں نے سنتے ہی اُن کا تعاقب کیا۔ چند اُونٹ تو اُن سے چھڑا لیئے مگر اُن سے کوئی انتقام نہ لے سکے کیونکہ وہ بھاگ کے پہاڑوں میں چھپ گئے تھے۔ اسی عرصہ میں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سینٹ کیتھلے رائن کے پادریوں کو وہ حقوق بخشے جو اُنھیں کبھی عیسائیوں کی سلطنت میں بھی نہ بخشے گئے تھے۔ اس آزادانہ بخشش پر اسلام ہمیشہ فخر کریگا۔ اور جبتک اسلام قائم ہے اُسکے یہ آزادی بخش قوانین یادرہیں گے۔ مسلمان مورخین نے نہایت ایمانداری سے اس معاہدے کو پورا پورا اپنی تاریخوں میں درج کر دیا ہے کہ حضور انور نے عیسائیوں کو کیا کیا حقوق بخشے تھے اور دین اسلام سے مخالف ہونے پر بھی اُنکے ساتھ کیا کیا رعایتیں ملحوظ رکھی تھیں چنانچہ وہ حقوق یہ ہیں۔

جو مسلمان ان باتوں کی جو اس فرمان میں منضبط ہیں مخالفت کرے یا اُن پر عملدرآمد کرنے میں جی چرائے تو وہ مسلمان خدا کے فرمان کا منکر سمجھا جائیگا اور خدا کا بہت بڑا گنہگار ٹھیریگا۔ اور یہ سمجھا جائیگا گویا اُسنے خدا کے دین کی حقارت کی۔ نبی نے اپنے اور اپنے پیروان پر یہ لازم کر دیا ہے اور ہر مسلمان کو یہ تاکید کر دی جاتی ہے کہ ہمیشہ عیسائیوں کی حفاظت کریں اُنکے گرجاؤں کی دستگیری اور نگرانی کریں اور اُن مکانوں

کی خبرداری کریں جہاں پادری رہتے ہیں اور تمام نقصانات اور آفات سے اُنکے سینہ سپر رہیں اُنسے ہرگز ناموزوں طریقہ سے ٹکس نہ لیا جائے کوئی بشپ اپنی بشپی کے عہدے سے علیحدہ نکیا جائے کوئی عیسائی کبھی اس بات پر مجبور نکیا جائے کہ وہ اپنے دین کو ترک کردے۔ کوئی بطریق اپنے عہدے سے برطرف نکیا جائے کوئی عیسائی زائر اپنے معبد کی زیارت سے کبھی نہ روکا جائے نہ عیسائیوں کے گرجے کبھی اس خیال سے کہ انکی جگہ مسجدیں بنائی جائیں منہدم کیے جائیں نہ انکی تعمیری صورت کو بصورت مسجد بنایا جائے جب مسلمان عیسائی عورتوں سے شادی کریں تو اُن کا فرض ہے کہ اُنھیں اُنکے دین کے ارکان ادا کرنے یا اُنکی مذہبی عبادت کرنے کی بالکل آزادی دیدیں جس طرح اُن کا جی چاہے وہ عبادت کریں ہرگز اُنکو نہ روکا جائے اور اس میں اُنھیں نہ کوئی تکلیف دیجائے جس سے وہ اپنی مذہبی عبادت نکرسکیں نہ اُنھیں ایسا مجبور کیا جائے جس سے اُنکے ارکان دین میں خلل پڑجائے۔ اگر عیسائی اپنے گرجوں یا خانقاہوں کی مرمت کے لیئے یا اور مذہبی ضروریات پورا کرنے کے لیئے روپیہ وغیرہ کے حاجتمند ہوں تو مسلمانوں کو چاہیئے اُن کی مدد کریں۔ مگر یہ مدد کرنا وہ اپنا مذہبی اُصول نہ سمجھ لیں بلکہ اُنکی مدد کرنی ضروری امور میں سے خیال کریں اور جہاں تک ہو ہر ضرورت میں اُنکی مدد کریں اور اُنکی مصیبت میں شریک ہوں۔ ان قواعد و احکام کی پیروی کل مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ خدا اور اُسکے نبی کی طرف سے سمجھ کے ان احکام پر عمل کریں۔ اگر مسلمان باہر عیسائیوں سے جنگ کرنے میں مشغول ہوں تو اُنھیں لازم ہے کہ وہ ان عیسائیوں سے جو ان میں زندگی بسر کرتے ہیں کبھی حقارت سے پیش نہ آئیں اگر کوئی مسلمان بُرے طور سے ایسے وقت میں عیسائی سے پیش آیا تو گویا اُس نے نبی کے احکام کی مخالفت کی۔ فقط

یہ تھی آزادی اور یہ تھی مساوات حقوق، دنیا نے اپنی آنکھ سے کبھی ایسی مذہبی آزادی کو نہیں دیکھا جو ایک قوم نے دوسری غیر مذہب قوم کو بخشی۔ ایک طرف تو صحرائی عرب آئے دن کے حملوں سے تنگ آ گئے اور مدینہ پر یورش کرکر کے تھک گئے۔ ادہر مشرکین قریش کی حالت راستہ بند ہونیکی وجہ سے دگرگوں ہونے لگی تو اُنھوں نے ایک عریضہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ارسال کیا اور لکھا جو کچھ ہمنے کیا اُس کا خوب مزا چکھا ہماری تجارت کا ستیاناس ہوگیا اور ہم برباد ہوگئے ہمیں اجازت دیجائے کہ ہم آزادی سے جہاں چاہیں جائیں اور اپنے دھندوں سے لگیں آپنے فوراً اجازت دیدی اور اس اجازت دینے میں کچھ بھی قیل و قال نہیں ہوئی دو واقعے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں جن سے یہ پتہ چلیگا کہ آپ اپنے دشمنوں پر بھی کیسے مہربان تھے۔ آپ کی صاحبزادی معاہدہ حدیبیہ کے بعد مکہ سے مدینہ تشریف لارہی تھیں آپ کا اونٹ کسی وجہ سے قافلہ سے آگے بڑھ آیا تھا کہ ایک قریشی جس کا نام ضرار تھا راستہ میں ملا اس قریش کو نبی اور آپ کی اولاد سے سخت دشمنی تھی اس نے بغیر کسی وجہ کے صاحبزادی صاحبہ پر اپنے زہر کے بجھے ہوئے نیزہ سے حملہ کیا اور آپکے جگر میں ایسا کاری زخم لگایا کہ آپ وہیں شہید ہوگئیں۔ جب مکہ فتح ہوا ہے تو اس بے رحم قاتل کی تلاش کے لیئے ڈھنڈورا پٹوایا گیا۔ کچھ عرصہ تک تو وہ روپوش رہا لیکن بعد ازاں خود حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور اپنے کو حضور انور کے رحم پر چھوڑ دیا اگرچہ اُس کا یہ جرم ناقابل معافی اور سخت تھا مگر چوں کہ اُس

میں معاملات ذاتی کا رنگ پایا جاتا تھا یعنی حضور انور کی لخت جگر کا قتل تھا آپ نے اُسی معافی بخشدی وہ یہود دن جس نے حضور انور کو گوشت میں زہر ملا کے دیا تھا گرفتار ہو کے رہا کردی گئی۔ عکرمہ ابو جہل کا بیٹا جو حضور انور کے تلخ ترین دشمنوں میں سے تھا گرفتار کر کے رہا کردیا گیا۔ جب انتہا درجہ مجبور ہو کے آپ کوئی مہم روانہ فرماتے تھے تو فوجی افسر کو یہ ہدایت فرمادیا کرتے تھے۔

اُن مظالم۔ تکالیف اور مصائب کا انتقام لینے کے لیئے جو ہمارے دشمن ہم پر توڑیں یہ باتیں دیکھنی فرض ہیں اور اُن پر عملدرآمد کرنا ہر فوجی افسر کو لازم ہے بالخصوص اُس فوج کے سردار کو آپنے یہ ہدایت کی تھی جو اہل قسطنطینیہ کے مقابلہ کے لیئے بھیجا گیا تھا۔ بیگناہوں کو نہ ستانا نہ گوشہ گزین لوگوں کو کچھ تکلیف دینا عورتوں پر ہمیشہ رحم کرنا اُس بچہ کو جو ماں کی چھاتی سے لگا ہو کبھی آنکھ بھر کے بھی نہ دیکھنا۔ اُن لوگوں کو کبھی نہ ستانا جو مریض ہوں یا بستر پر پڑے ہوئے ہوں۔ لوگوں کے بنے ہوئے گھروں کو مت ڈہانا نہ اُنکی معاش کے ذرائع کو تباہ کرنا نہ اُنکے میوہ دار درختوں کو ہاتھ لگانا نہ خرمے کے درختوں پر نظر اُٹھانا۔

جس جہاد کو ہوّا بنا رکھا ہے اور اسلام پر حملہ کیئے جاتے ہیں اُس جہاد کا یہ مفہوم ہے جو گزشتہ صفحوں میں بیان ہوا۔ حضور انور نے جو کچھ تعلیم کی تھی اُس کا اثر اب تک موجود ہے اور اُس لے مدت تک دنیا میں سلطنت کی۔ خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر نے بھی اپنے سپہ سالار کو یہ ہدایت کی تھی جو نیچے لکھی جاتی ہے "اے یزید خبردار اپنے آدمیوں میں سے ہرگز کسی کو تکلیف نہ دینا لیکن تمام کاموں میں اُنکو اپنا جلیس اور انیس بنانا اُنسے ہر کام میں مشورہ لینا اور وہی کام کرنا جو انصاف اور راستبازی پر مبنی ہو جو لوگ ایسا نہ کرینگے وہ کبھی نجات نہ پائیں گے۔ جب تم اپنے دشمنوں سے ملو اپنے کو آدمیوں کی طرح بناؤ اور اُن سے اپنی پشتیں نہ پھیرو اگر تمھیں فتح حاصل ہو چھوٹے بچوں کو نہ قتل کرنا نہ بوڑھے آدمیوں کو نہ عورتوں کو۔ خرمے کے درختوں کو برباد نہ کرنا نہ کھیتوں کو جلانا۔ میوہ دار درختوں کو نہ کاٹنا نہ مویشیوں کو کچھ نقصان پہنچانا ہاں وہاں تک کہ وہ تمھاری خوراک کے لیئے کافی ہوں یعنی صرف اپنی خوراک کے لیئے ذبح کرنا۔ جب کبھی تم کوئی عہد و پیمان اور معاہدہ کرو تو اُس پر برقرار رہو اور ہرگز اُس سے نہ پھرو۔ جب آگے جاؤ گے تمھیں ایسے مذہبی لوگ ملیں گے جنھوں نے دنیا سے کنارہ کشی کر کے خانقاہوں میں اپنی بود و باش اختیار کی ہے اور اپنے کو خدا کا بندہ کہتے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں جس راہ پر ہم چل رہے ہیں وہی خدا کا راستہ ہے اُنھیں ہرگز قتل نکرنا اور انھیں اُن ہی کی جگہ چھوڑ دینا،، یہ تھا جہاد اور یہ تھا اُس کا منشا۔ اس کے مقابل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے معتقدوں نے کیا کیا غضب ڈہائے اور مخلوق خدا کا کسقدر ستیاناس کیا۔ کیتھولک پروٹسٹنٹ اور یونانیوں نے سینٹ لیک میں ہٹس کے زمانہ سے کووی نین ٹرس کے زمانہ تک وہ وہ ہولناک قتل عام کیا جسکے پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور یہ سب کشت و خون محض مذہب کے لیئے کیا گیا تھا اور کوئی دوسری وجہ نہ تھی۔ اس طویل قتل و غارت میں نہ عورتیں بچی تھیں نہ یتیم بچے اور نہ بوڑھے۔ زندہ جلایا گیا۔ تین تین دن تک سولی پر لٹکائے رکھا حاملہ عورتوں کے پیٹ نیزوں سے چاک کیئے گئے غرض کیا کیا کچھ نہیں ہوا سب کچھ ہوا اور دنیا نے دیکھا مگر اسلام کے جہاد پر اعتراض کرتے وقت یہ ساری باتیں نظر انداز کردی جاتی ہیں اور انکی طرف خیال کر کے اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالا جاتا جو

بہم ہی مصطلق پر بھیجی گئی تھی اسکی وجہ یہ تھی کہ اس گروہ نے اپنے سردار حارث کے اغواء سے عہد شکنی کرکے بلاوجہ مدینہ پر تاخت کرنی شروع کردی تھی جب وہ سمجھانے کے بعد بھی نہ سمجھے تو اُن پر حملہ کیا گیا اور اس حملہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔

حج کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اور اب حضور انور نے حج میں جانیکا ارادہ فرمایا کل مسلمانوں نے اس ارادۂ نبی کی تائید کی اور اب تیاری ہونے لگی۔ سات سو آدمی انصار و مہاجرین میں سے تیار ہوئے مشرکین عرب آپ کے ارادہ کی خبر سُن کے شہر کے باہر آ پڑے کہ نبی کے سد راہ ہوں مگر جب اُنھوں نے یہ سنا کہ آپ مع اپنے ساتھیوں کے نہتے تشریف لاتے ہیں اور آپکی غرض محض زیارت کعبہ سے ہے تو وہ شہر میں چلے آئے اور اُنھوں نے کل راستے زیارت کے روک دیئے اور مستقل ارادہ کر لیا کہ ہم کبھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپکے پیروان کو زیارت کے مقامات میں نہ آنے دینگے۔ آپ مکہ کے باہر مقیم ہوئے قریش اس تاک میں لگے کہ اگر کوئی اکیلا دُکیلا مسلمان ملے تو اُسے چٹنی کر جائیں۔ حضور انور نے ایک مسلمان کو قریشیوں کے پاس اجازت طلب کرنیکے لیئے بھیجا اس قاصد سے مشرکین نے سخت بدسلوکی کی خود آپ پر بھی بعض اوقات پتھر مارے اخیر حضور انور نے انھیں دوبارہ کہلا بھیجا کہ میں صرف زیارت کرنے آیا ہوں جو شرطیں تم کرو مجھے قبول ہیں صرف مجھے زیارت کر لینے دو حضور انور کے ساتھی سب کے سب نہتے تھے اور قانون ملکی کے موافق جنگ بھی نہو سکتی تھی۔ آپ صرف حج کرنا چاہتے تھے اور اس لیئے آپنے اُن ہی کی مرضی پر فیصلہ چھوڑا۔ بڑی دقت اور مشکل کے بعد یہ عہد نامہ ہوا (۱) تمام لڑائی جھگڑے دس برس تک بند رہیں (۲) جو شخص نبی کے پاس قریش میں سے اپنے محافظ یا آقا کی بے اجازت کے آئے اُسے فوراً قریش کے حوالہ کر دیا جائے (۳) وہ شخص واپس نکیا جائیگا جو مسلمانوں میں سے مکیوں کے پاس چلا جائے (۴) اگر کوئی قوم مسلمانوں یا قریشیوں سے میل جول کرنا چاہے گی تو وہ محض آزاد ہے اُسے کوئی مانع نہ آئیگا (۵) مسلمان صرف حج کرتے ہی واپس چلے جائیں (۶) وہ اس سال میں ہمیشہ مکہ آسکتے ہیں لیکن سوائے سفری اسلاح مثلاً نیام دی ہوئی تلواروں کے اُنکے پاس اور کچھ نہو (ابن ہشام صفحہ ۷۴۷ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۱۵۳)

اس معاہدہ سے بعض صحابہ نے اتفاق نہیں کیا کیونکہ اُنکے دل دکھے ہوئے تھے اور مکیوں کے بیجا مظالم سے اُنکا کلیجہ چھلنی ہو رہا تھا پھر بھی اُنھیں اپنے معصوم نبی کی اطاعت کرنی پڑی مگر اُسوقت اُنکی حالت سخت دگرگوں ہوگئی جب حضرت رسالتمآب نے مکیوں کے مطالبہ پر چند مسلمانوں کو عہد نامہ کے مطابق دیدیا۔ فطری محبت کی وجہ تھی کہ مسلمانوں کو صدمہ ہوا لیکن نبی کے فیصلہ اور حکم کے آگے وہ دم نہ مار سکے۔ حج کے بعد حضرت رسالتمآب مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ چونکہ پے درپے کی مخالفتوں سے کسی قدر آرام ملا تھا آپ نے اردگرد کے حکمرانوں کے پاس قاصد روانہ کیئے کہ وہ دین اسلام کی برکتوں کو دیکھیں اور اُسے قبول کریں۔ محض دعوت اسلام تھی اور خوشی کا سودا تھا۔ نہ کسی قسم کا جبر و اکراہ نہ زبردستی۔ صرف اسی قدر کہا جاتا تھا کہ اگر اسلام قبول کر لوگے خدا دنیا اور آخرت میں برکت دیگا جن بادشاہوں کی دعوت اسلام کی گئی تھی اُن میں دو سب سے زیادہ نامور اور قوی ترین تھے ایک ہرقل یونانیوں کا بادشاہ دوسرا خسرو پرویز ایران کا کسریٰ۔ خسرو پرویز نے جوں ہی

یہ رقعہ دیکھا جس میں سوائے کسریٰ عظیم کے اور کچھ نہ لکھا تھا بہت ہی برافروختہ ہوا اور ہمسری کی یہ تحریر دیکھ کے آپے کے باہر ہو گیا اس بدبخت نے رسولِ خدا کے مبارک رقعہ کو غصہ میں آکے چاک کر ڈالا۔ اور قاصد کو نہایت ناانصافی سے دربار کے باہر نکالدیا۔ قاصد نے حضورِ انور کی خدمت میں حاضر ہو کے ساری کیفیت سنادی۔ آپ نے صرف اسقدر فرمایا کہ جس طرح اُس نے میرے رقعہ کو پھاڑا ہے خدا اُسکی سلطنت کو یوں ہی پارہ پارہ کر دے گا۔ برخلاف اس کے ہرقل نے خلافِ انسانیت کا برتاؤ نہیں کیا اور بڑی خاطرداری سے ایلچی کو رخصت کیا تھا۔ حضورِ انور کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی دنیا نے اُسے آنکھوں سے دیکھا اور ہمیشہ یاد رکھے گی۔

دوبارہ حج بیت اللہ

ہجرت کے ساتویں سال کے اختتام پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حج بیت اللہ کرنا چاہا کیوں کہ صرف ان ہی دنوں میں تمام فتنہ و فساد بند ہو جاتے ہیں اور صدیوں کی دشمنی پر پانی پھر جاتا ہے حضورِ انور نے ۲۰۰۰ ہزار مسلمانوں کو ساتھ لیکے مکہ کا رخ کیا۔ جوں ہی مسلمان مکہ میں داخل ہوئے تمام قریش اپنے اپنے مکان خالی کر کے شہر کے باہر نکل گئے۔ یہ نظارہ بھی بہت ہی عبرت انگیز تھا۔ سر ولیم میور بھی اس واقعہ سے بہت ہی متاثر ہوئے ہیں چنانچہ اُن کا بیان ہے "یقیناً یہ عجیب منظر تھا۔ ایک نامعلوم تحریک تمام مکہ پر چھا گئی تھی۔ دنیا کی تاریخ میں یہ ایک بےمثال نظارہ تھا۔ یہ پرانا شہر تین دن کے لیئے اُس کے باشندوں سے خالی ہو گیا تھا۔ سارے آدمی نشیب و فراز کے رہنے والے اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کے مکہ سے باہر چلے گئے تھے ہر مکان خالی ہو گیا تھا اُنکے چلے جانے کے بعد وہ مہاجرین جنھیں شہر سے خارج کر دیا گیا تھا داخل ہوئے انھوں نے اپنے اُن گھروں کو جن میں اُنکا بچپن گزرا تھا حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور اس تھوڑی سی فرصت میں اُنھوں نے اپنے ارکانِ حج کو پورا کیا۔ قریش مکہ کی بلند پہاڑیوں پر چڑھ گئے تھے بہت سے خیموں میں مقیم تھے بہت سے پہاڑوں کے دروں میں پڑے ہوئے تھے کہیں تو سامنے کے بلند ابو قبیس پر جمگھٹا معلوم ہو رہا تھا اور کہیں قریب کی بلندیوں پر گروہ گروہ نظر آرہے تھے۔ سب کی آنکھیں مسلمانوں کی طرف لگی ہوئی تھیں جو اپنے ہادیٔ برحق کے ساتھ طواف کعبہ میں سرگرم تھے کئی برس ہجرت کو ہو گئے تھے۔ ان قریشیوں کو مسلمانوں کے اس گروہ میں اُنکے قریب کے رشتہ دار اور دوست نظر آرہے تھے جنھیں وہ حسرت بھری نگاہوں سے تک رہے تھے۔ قریش کے لیئے یہ ایک دردناک نظارہ تھا اور اخیر اسی نظارے نے اسلام میں جان ڈالدی"۔

غرض معاہدہ کی شروط کے مطابق تین دن حج کر کے مسلمانوں نے مکہ چھوڑ دیا۔ اس زبردست پابندی اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے نے قریشیوں پر بہت بڑا اثر کیا اور وہ مسلمانوں کی اس صلح کل حالت اور اپنے قول و قرار پر برقرار رہنے سے بہت ہی متاثر ہوئے۔ اُنھیں یہ یقین ہوتا چلا کہ مسلمان بڑے ایماندار اور خداپرست ہیں اسلام کا یہی بہت بڑا معجزہ تھا کہ بڑے بڑے زبردست قریشیوں کے دل ہل گئے تھے اور اس ثابت قدمی اور راستبازی کو دیکھ کے اُنکے دل اسلام کیطرف مائل ہو گئے یہ وہ لوگ تھے جو حضورِ انور کے تلخ ترین دشمنوں میں تھے اور اسلام کے برباد کرنے میں اُنھوں نے مشرکین قریش کو بہت ہی مدد دی تھی۔ اخیر وہ مسلمان ہوئے اور مسلمان بھی کیسے

مسلمان جنکی نظیر قیامت تک ملنی ممکن نہیں۔ مثلاً خالد بن ولید جو جنگ احد میں حضور انور کے مقابلہ میں لشکر قریش کی کمان کر چکا تھا اور عمرو بن عاص جو آیندہ فاتح مصر بنا یہ دونوں لطیب خاطر مسلمان ہوئے۔

مسلمان ایلچی کا مارا جانا اور جنگ بلقا

غسانی شاہزادے کے پاس دعوت اسلام کے لیئے ایک قاصد بھیجا گیا تھا۔ اس شہزادہ نے نہایت ناانسانیت سے اس قاصد کو قتل کر ڈالا تھا جس طرح سفیر یا ایلچی کا مارا جانا موجودہ زمانہ میں اعلان جنگ کا باعث ہوتا ہے اسی طرح اُس زمانہ کی بھی یہی کیفیت تھی مسلمانوں کو سخت غصہ تھا اور وہ اپنے بیگناہ بھائی کے خون کا انتقام لینے کے لیئے شمشیر بدست ہو رہے تھے۔ بکثرت صحابہ کی تحریک پر اخیر ایک مہم تین ہزار آدمیوں کی روانہ ہوئی۔ مسلمانوں کی اس نقل و حرکت نے عیسائی سرزمین میں ہلچل ڈالدی بجائے اسکے کہ وہ ایلچی کے خون کا "تاوان" حسب قواعد دیدیتے اُنھوں نے مسلمانوں کے مقابلے کے لیئے فوجیں جمع کرنی شروع کیں۔ مقام بلقا کے قریب جو شام میں ایک شہر ہے مقام عیسائیوں کی فوجیں جمع ہوئیں اُنکی تعداد رفتہ رفتہ ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ کچھ بھی برابر کا مقابلہ نہ تھا۔ مسلمان صرف تین ہزار تھے اور یونانی ایک لاکھ۔ مسلمانوں نے پہلے پیغام بھیجا کہ ہم اپنے ایلچی کا خون بہا لینے کے لیئے آئے ہیں ہمیں جنگ سے کچھ سروکار نہیں مگر اس کا جواب سخت درشتی سے دیا گیا۔ اخیر تلوار پر نوبت پہنچی۔ جس طرح حضور انور نے ہدایت فرمائی تھی مسلمانوں نے اسی طرح صف بندی کی۔ اور بازار قتل و خونریزی گرم ہوا۔ مسلمانوں کو اپنے کثیر تعداد دشمن اور جدید آلات حرب کا کچھ بھی خوف نہ تھا۔ اُن کے آگے بہشت کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ اپنے نبی کی تعمیل ارشاد پر اپنی نجات سمجھتے تھے۔ عیسائیوں نے بڑی شجاعت اور جمعیت سے پہلے دھواں دھار حملہ کیا اور اُنھیں مسلمانوں پر کامیابی ہوئی۔ مسلمانوں کے تین سردار شہید ہوئے۔ زید ابن حارثہ جعفر حضور انور کے چچازاد بھائی اور عبداللہ مع اور چند سرداروں کے شہید ہوئے۔ زید کی جنگ بھی یادگار زمانہ رہے گی۔ پہلے خوب تیراندازی ہوئی۔ پھر نیزوں پر نوبت پہنچ گئی۔ عیسائی صلیب کے مقدس نشان کے نیچے فوجی وردیوں سے آراستہ اپنے اولوالعزم سرداروں کی ماتحتی میں نہایت ثابت قدمی اور شجاعت سے جنگ کر رہے تھے اُنکے چمکتے ہوئے خود فولادی اُنکی مرصع زرہ بکتریں اُنکے جواہر نگار ہتھیار اُنکی دولتمندی اور بہادری کا نقشہ کھینچ رہے تھے۔ بہادر زید عیسائیوں کے اس جاہ و حشم کو اپنے سادہ موٹے عربی لباس اور دودھاری تلواریں نہایت جوش سے ملاحظہ کر رہا تھا۔ اُس کا جی چاہتا تھا کہ بہادر غنیم کے مقابلہ میں اپنی عربی تلوار کے جوہر دکھاوں۔ اخیر زیادہ صبر نہ کر سکا اور جس عربی دستہ کی کمان کر رہا تھا اُسے اخیر حرکت کا حکم دیا۔ اپنے فیل پیکر گھوڑے کو مہمیزیں ماریں۔ بہادر زید کے پہلے حملہ میں دشمن کے پیر اُکھڑ گئے حالانکہ دشمن تعداد میں کئی درجہ زیادہ تھا لیکن بہادر زید کے دھواں دھار حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ بڑی شان سے یہ مورچہ زید نے فتح کر لیا اور اُسی جوش سے آگے بڑھا چلا گیا۔ یہانتک کہ اخیر قلب لشکر میں جا گھسا۔ یہاں صلیب کا نشان اُڑ رہا تھا اور مسیحی بہادروں کا جمگھٹ اس کو گھبراڈالے ہوئے کھڑا تھا۔ زید نے چاہا کہ نشان دار کو مار کے اُس سے صلیبی نشان چھین لوں۔ لیکن یہ صلیبی نشان شیر دل زید کی اولوالعزمی کے تو بہت قریب تھا لیکن آنکھوں سے بہت دور تھا۔ زید نے جب اپنے نشان کا فاصلہ بہت دور پایا تو اُسے سخت مایوسی کے ساتھ کچھ دیر بے حس و حرکت کھڑا رہنا

پڑا۔ اخیر نوبت یہ آگئی کہ نصرانی شجاعوں نے اُسے گھیر لیا۔ چجاچخ تلوار چلنی شروع ہوئی۔ بہادر نصرانی شیر دل زید کی دودہاری تلوار کے نذر ہوئے۔ کہاں تک لڑتا اور ہزاروں سواروں پر کیونکر غالب آتا شجاعت کی پوری داد دیکے عین معرکۂ جنگ میں شہید ہوا۔ نصرانیوں نے اُسے زندہ پکڑنا چاہا تھا مگر یہ ناممکن تھا کہ وہ بھپرے ہوئے مجروح شیر کو گرفتار کر سکتے۔ جب حضرت جعفر حضرت علی ابن ابی طالب کے بھائی نے دیکھا کہ صلیبی نشان آگے بڑھ رہا ہے اور شیر دل زید شہید ہو چکا ہے تو نصرانیوں کی طرف جھپٹے ایک ہاتھ میں تلوار اور ایک ہاتھ میں جھنڈا۔ بڑی دیر تک لڑائی ہوتی رہی کہ نصرانی کے ایک وار سے آپ کا دایاں بازو کٹ گیا آپنے فوراً جھنڈے کو دوسرے ہاتھ میں لیلیا۔ جب دوسرا ہاتھ بھی اُڑ گیا تو وہ جھنڈا دانتوں میں پکڑ لیا۔ پورے پچاس زخم کھا کے آپنے بھی شہادت کا شربت پیا۔ آپ کی اس بے نظیر شجاعت نے عیسائیوں کو دہلا دیا اور اُن پر مسلمانوں کی جنگی قوت کا بہت ہی رعب غالب ہوا۔ عبداللہ اس تمام خونی نقشہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا اُس نے للکار کے مسلمانوں سے کہا "بڑھے چلو غنیم کی کثیر التعدادی کا خیال نہ کرو میدان ہمارا ہو چکا ہے" یہ آواز سن کے مسلمانوں کو اور بھی جوش آیا اور وہ تازہ دم سپاہیوں کی طرح قدم بڑھا کے جھپٹے۔ عبداللہ برابر بڑھا چلا جاتا تھا اور نصرانیوں کے پرے کے پرے چیر ڈالے تھے کہ یکایک ایک یونانی کے نیزے نے آپ کا کام تمام کر دیا۔ خالد کی تیز تیز نظریں شہدا کی اُن جانبازیوں پر بہت دیر سے پڑ رہی تھیں اُس کے شجاعانہ جوش میں ان پے درپے کی شہادتوں نے اور بھی آگ لگا دی بجائے اسکے کہ وہ تین اولوالعزم شجاعوں کی شہادت سے شکستہ خاطر ہوتا مثل شیر کے بپھر پڑا اور گھوڑے کو مہمیزیں لگا کے صلیبی نشان کی طرف جھپٹا۔ نصرانی بھی کٹ کٹ کے لڑ رہے تھے اور تین مسلمان سرداروں کی پے درپے کی شہادت نے اور بھی اُنکے حوصلے بڑھا دیئے تھے مگر ابھی خالد کی خوں آلود تلوار کی بانگی اُنھیں اور دیکھنی باقی تھی۔ جوں ہی اُنکی نظر خالد پر پڑی وہ ایک جگہ سمٹ کے جمع ہو گئے اور نصرانیوں کے سردار نے اپنی فوج کو یہ کہہ کے آگے بڑھایا "میدان ہمارے ہاتھ لگ چکا ہے صرف یہ ایک کانٹا رہ گیا ہے ابھی نکال کے پھینک دو" یہ سنتے ہی عیسائی بہادر جھپٹے۔ خوب ہی دست بدست جنگ ہوئی جس دستۂ فوج کو خالد لڑا رہا تھا تعداد میں غنیم کی فوج سے اُسے کچھ نسبت نہ تھی مگر خالد جیسے خطرناک دلیر کی ماتحتی میں ایک ایک دس دس پر بھاری تھا خوب ہی تلوار چلی اور تلوار کا خوب ہی کھیت پڑا۔ کشتوں کے پشتے ہو گئے اور نصرانی اخیر بدحواس ہو کے بھاگے یہ عظیم فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی مفتوحین کا بے انتہا سامان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اس جنگ میں مسلمان شہید بھی بہت ہوئے۔ کامل فتح کے بعد خالد مدینہ واپس چلے آئے حضور انور نے اُس بے نظیر شجاعت کے صلہ میں خالد کو سیف اللہ کا لقب عنایت فرمایا۔

فتح مکہ

اسی اثنا میں قریشیوں نے عہد شکنی کی اور بنو باقر کو ملا کے حدیبیہ میں واخل ہوئے اور بلا وجہ بنو خزاعہ پر جو مسلمانوں کی پناہ میں تھے حملہ کیا۔ بنو خزاعہ بہت سے مارے گئے اور امن کا شیرازہ اس طرح سے درہم وبرہم ہوا۔ بنو خزاعہ روتے ہوئے حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مشرکین عرب نے ہماری یہ گت بنائی خلاف معاہدہ ہمیں لوٹا مارا اور چلدیئے۔ ہم آپکی حفاظت میں تھے۔ آپ ہمارا انصاف کریں۔ اب لازم تھا کہ حضور انور شر

وبت پرستی سے ہمیشہ کے لئے خدا کے گھر کو پاک کردیں آپ دس ہزار مسلمان لیکے مکہ کیطرف بڑھے اور آپ نے حکم دیا کہ حتی الامکان تلوار کا استعمال نہ ہو۔ عکرمہ نے ایک گھاٹی میں چھپ کے مسلمانوں کے اس دستۂ فوج پر حملہ کیا جو خالد کے زیر کمان تھی جب کئی مسلمان شہید ہوئے تو ناچار خالد نے حملہ کی اجازت دی چند منٹ میں فیصلہ ہو گیا اور دو چار مشرکوں کے مارے جانے پر عکرمہ بھاگ گیا یہ فی الحقیقت ایک بہت ہی خفیف مقابلہ تھا اور اسے جنگ سے ہرگز تعبیر نہیں کر سکتے غرض حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فاتح ہو کے مکہ میں داخل ہوئے۔ یہی وہ مقام تھا جو آپکا مالوفہ وطن تھا اور آپ اسی جگہ بے انتہا ستائے گئے تھے۔ کیا کیا ظلم آپ کی اقدس و اطہر ذات پر نہیں کئے اور کیسی کیسی ناقابل برداشت تکلیفیں آپکو نہیں دیں۔ اب کل اہل مکہ آپکے رحم پر تھے اور آپکے خفیف اشارہ سے کافی انتقام لیا جا سکتا تھا۔ تمام شہر جسنے بےگناہ آپ کو جلاوطن کر دیا تھا آپکے اور آپکے صحابہ کے قدموں کے نیچے تھا آپنے اُن تکلیفوں اور شدید شدید مصائب کو دل سے بھلا دیا۔ آپنے ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ ہر قاتل کا گناہ اور ہر ظالم کا جرم بخشا گیا۔ صرف چار آدمیوں کو سزائے موت دگئی۔ حضور کی فوج نے جس صلح پسندی اور امن سے مکہ میں قدم رکھا وہ بھی یادگار زمانہ رہیگا۔ نہ کسی گھر کو لوٹا نہ کسیکو ستایا نہ کسی خاتون کی بےعزتی کی اور نہ کسی طرف آوازے پھینکے۔ آپ نے اہل مکہ سے مخاطب ہو کے کہا لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین یعنی آج میں نے تمہارے قصور معاف کئے خدا جو سب سے زیادہ رحم والا ہے وہ بھی معاف کرے اسکے بعد فرمایا اذھبوا فانتم الطلقاء یعنی جاؤ میں نے تم سب کو آزاد کیا۔

مشرکین مکہ یہ سمجھتے تھے کہ ان کا شہر فتح نہیں ہو سکتا اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ بت جو ہمنے بنا رکھے ہیں بڑی قدرت والے ہیں اور ہر حملہ آور کو زک دینے کے لئے کافی ہیں۔ ابرہہ کی ناکامیابی نے اُنکے خیال کو اور بھی مستحکم کر دیا تھا اُن کا گمان حضور انور کی نسبت بھی یہی تھا کہ آپ کعبہ کو کبھی فتح نکر سکینگے۔ اب اسکے خلاف ظہور ہوا ہبل جسے احد کی لڑائی میں اپنے ساتھ لے گئے تھے اور بڑے بڑے بت توڑ ڈالے گئے۔ اب اُنکی آنکھیں کھل گئی تھیں اور اُنھیں معلوم ہو گیا تھا کہ اخیر حق ہی کا غلبہ رہتا ہے وہ جوق جوق آ کے مسلمان ہونے لگے اور اُنھیں یقین ہو گیا فی الحقیقت یہ بت محض بیکار ہیں۔ آپ نے مکیوں سے اس اقرار پر بیعت لینی شروع کی " خدا کے ساتھ کسیکو شریک نہ کرینگے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ استحقاق عبادت نہ استعانت میں آیندہ سے چوری نکرینگے۔ حرام کاری کے مرتکب نہونگے۔ خون ناحق نہ کرینگے۔ بیٹیوں کو نہ ماریں گے اور نہ کسی پر بہتان لگائیں گے۔ تمام حق امور میں آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کرینگے "۔ عورتوں سے بھی اسی مضمون پر بیعت لی مگر اتنا اور زیادہ کیا " کہ کسی کے سوگ میں منہ نہ نوچیں گے نہ پیٹیں گے نہ چھاتی کوٹیں گے نہ سر کے بال کھسوٹیں گے نہ گریبان چاک کریں گے نہ سیاہ کپڑے پہنیں گے۔ نہ غل مچا کے روئیں گے نہ قبروں پر سوگواری میں بیٹھیں گے " غرض اسطرح خدا کا وعدۂ نصرت پورا ہوا جو خدا نے فرمایا تھا اذا جاء نصر اللہ والفتح ورأیت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا یعنی جب خدا کا وعدۂ نصرت پورا یعنی مکہ فتح ہو جائے اور تو لوگوں کو دین خدا میں فوج فوج داخل ہوتا ہوا دیکھے تو اپنے پروردگار کی حمد بجا لا اور اُس سے طلب آمرزش کر دگنہگاروں کیلئے کیونکہ بیشک خدا معاف کر دینے والا ہے۔

حضور انور نے رباح کو حکم دیا کہ اسی کعبہ پر چڑھ کے جس میں لات و منات۔ عزیٰ و ہبل کی مدح و ثنا کے شب روز غلغلے ہوتے تھے اور اُنکی مدح میں قصیدے پڑھے جاتے تھے بلند آواز سے یہ کہہ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان محمدا رسول اللہ اشہد ان محمدا رسول اللہ جوں ہی یہ مقدس آواز گونجی خدا کے جلال سے تمام کوہ دشت اور بیاباں بھر گئے حضور انور نے اپنے دست مبارک سے تمام بتوں کو توڑا آپ جسوقت بتوں کو توڑ رہے تھے یہ فرماتے جاتے تھے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا جب آپ بت توڑ چکے اور جہانتک آپ کا ہاتھ پہنچتا تھا سب کا صفایا کر دیا تو آپ نے اُن بتوں کی طرف توجہ فرمائی جو ذرا بلندی پر نصب تھے اور وہاں آپ کا دست مبارک نہیں پہنچ سکتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا کہ میرے کندھوں پر پیر رکھ کے کھڑے ہو جائے اور ان بتوں کو توڑ ڈالیئے آپ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ تم میرے دونوں کندھوں پر پیر رکھ کے کھڑے ہو جاؤ ظاہر اس سے غرض یہ تھی کہ نبوت کا بوجھ تم نہیں سنبھال سکتے غرض حضرت علی فرمودہ رسول کے مطابق کھڑے ہوئے اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔ کعبہ میں فرشتوں اور پیغمبروں کی تصویریں کے مٹانے کے لیئے حضرت عمر کو حکم ہوا آپنے کل تصویروں کو مٹا دیا پیغمبروں کی تصویریں باقی رہی تھیں کہ انھیں خود رسالتمآب نے ملیا میٹ کر دیا۔

سنہ ۹ھ مطابق ۲۰ اپریل سنہ ۶۳۰ع ۱۹ اپریل سنہ ۶۳۱ع تک

حضور انور فتح مکہ کے بعد مدینہ واپس چلے آئے اور پھر چاروں طرف سے مختلف قبائل کی سفارتیں آنی شروع ہوئیں بغاوت اور خونریزی کی گھٹا صاف ہو چکی تھی اور توحید خدا کی ڈونڈی پٹ گئی تھی۔ مختلف قبائل کے ایلچیوں کا مدینہ میں ورود ہونے لگا۔ حضور انور کے ارشاد کے بموجب صحابہ اُن سفراء کو اپنے ہاں مہمان رکھتے تھے اور عربی قاعدہ کے بموجب اُنکی پوری آؤ بھگت کیجاتی تھی۔ ہزاروں مسلمان ہونے لگے۔ اور بڑے بڑے شیوخ قبائل نے حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی۔ حضرت رسالتمآب نے یہ قاعدہ مقرر فرما دیا کہ جب کوئی نیا قافلہ آئے ایک اسلامی واعظ خاص طور پر اُنکے لیئے مقرر ہوا اور اُنھیں اسلام کے روشن اُصول کی تعلیم دے۔ حضور کے ارشاد کی بڑی سرگرمی سے تعمیل ہوئی اور صحابہ نے بڑی مستعدی سے وحشی عربوں کو اسلامی اصول کی تلقین کرنی شروع کی۔

رومی ابھی تک عربوں کی طرف سے غافل تھے اُنکے دماغوں میں پہلی فتوحات عرب بس رہی تھیں جو آگسٹس جنرل کی ماتحتی میں اُنھیں زمانہ سابق میں حاصل ہو چکی تھیں وہ عربوں کو لاشئے محض سمجھتے تھے اور اُنھیں یقین تھا کہ جب چاہیں گے آسانی سے قبضہ کر لینگے۔

ہرقل ایرانیوں پر نمایاں فتح حاصل کر کے اپنے پائے تخت کو واپس ہو چکا تھا اور عربوں کی حال کی فتح نے اُسے چوکنا بنا دیا تھا۔ پائے تخت میں پہنچتے ہی اُس نے ماتحت رئیسوں اور جاگیرداروں کے نام احکام جاری کر دیئے کہ فی الفور لشکر کثیر جمع کیا جائے اور جہانتک جلد ممکن ہو اس نو پیدا اسلامی قوت کو برباد کر دیا جائے۔ اُدھر فوجوں کا جمع ہونا اور اِدھر سلطنت مشرقی کی عظمت اور دولت کی افواہوں نے مسلمانوں کو اندیشہ میں ڈالدیا سوائے اسکے کہ رومی اتنی لاکھ فوج رکھتے ہیں اور ایسے دولتمند ہیں اور اتنے قوی ہیں دوسری باتیں مسلمانوں کے کانوں میں

پڑی ہی نہ تھیں۔ جب حضور انور نے سُنا کہ حدودِ عرب پر رومی افواج کا اجتماع ہو رہا ہے اور وہ عرب پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو حفظ ماتقدم کے لیئے حضور انور تھوڑے سے مسلمانوں کو ساتھ لیکے روانہ ہوئے رجب کا مہینہ تھا۔ شدت سے گرمی پڑ رہی تھی اور آفتاب کا پورا شباب تھا اسی قیامت خیز موسم میں بڑی مسافت طے کر کے حضور انور تبوک میں داخل ہوئے جو مدینہ منورہ اور دمشق کے بیچ میں ایک سرسبز مقام تھا یہاں آپ نے رومی فوجوں کا مطلق اجتماع نہیں دیکھا بیس دن تک آپ نے قیام فرمایا اور یہ بات محض ناجائز سمجھی کہ بطور خود جنگ کا اعلان دیں۔ حضور انور نے کبھی کسی قوم سے جنگ نہیں کی جبتک اُس نے عہد شکنی نہ کی ہو یا خود آمادۂ جنگ ہو کے حملہ نکیا ہو آپ بیس دن قیام فرما کے مدینہ واپس تشریف لے آئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور گرمی کی شدت میں اور بھی رنگ چڑھ گیا تھا۔ سنگلاخ چٹانوں کی تپش اور گرم لوئیں آفتاب کے شباب کی شہادت دے رہی تھیں مدینہ میں پہنچنے پر آپ کو معلوم ہوا کہ ایک سفارت مشرکین طائف کی طرف سے آئی ہوئی ہے۔ یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے نہایت ظالمانہ طور پر نبی معصوم کو پتھر مارے تھے اور ایک تنہا بے یار و مددگار کی اس طرح گویا مہمان داری کی تھی۔ سفارت آنے کی یہ وجہ تھی کہ ایک طائفی سردار مسلمان ہو کے اپنے بھائیوں کو دین حق کی تلقین کرنے کے لیئے پھر طائف ہی چلا گیا تھا وہاں اُسکے پہلا ہی وعظ سے قوم میں ایک جوش پیدا ہو گیا اور اخیر اہل طائف نے نہایت بیدردی سے اُسے پتھر مار کے شہید کر ڈالا تھا زخموں سے اُس کا جسم چور چور ہو گیا تھا اور سیروں خون بہگیا تھا جب وہ زمین پر گر پڑا ہی تو اُسنے مرتے وقت یہ کہا تھا

میں نے خدا کے نام پر مخلوق کی بہتری کے لیئے جان دی ہے خدا کا شکر ہے کہ اُسنے شہادت کی عزت مجھے بخشی"

اے میرے دوستو اور بھائیو میری التجا یہ ہے کہ مجھے اُن مسلمانوں کے پہلو بہ پہلو دفن کرنا جو غزوۂ حنین میں شہید ہوئے ہیں"

ان الفاظ کے بعد اُسکی وفات ہو گئی۔ اُن کے اِن آخری الفاظ نے سننے والوں پر جادو کا اثر کیا۔ اُنکے کلیجے ہل گئے۔ اُس کا خوں آلود چہرہ اور اُس پر شہادت کی سُرخی نے تمام معائنہ کرنے والوں کو اُنکے قدیم عقائد سے جنبش دیدی تھی۔ ایک سچے خادم نبی کی خون کی بوندیں بڑی قیمت رکھتی ہیں۔ اس فدائی اسلام کے سرزمین طائف میں خون گرنے کی تاریخ سے اسلام نے نہایت مضبوطی سے قدم جما لیئے۔ اہل طائف کے دل نرم ہو گئے اور وہ مسلمان ہونیکے لیئے بیتاب ہوئے اخیر اُنھوں نے ایک سفارت روانہ کی جس نے یہ عرض کیا "یا رسول اللہ ہماری خطا بخشی جائے اور ہمیں اجازت دیجائے کہ ہم سچے دل سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوں اور ساتھ ہی ہماری یہ بھی التجا ہے کہ ہمارے دیوتاؤں کو کچھ مدت تک اسی طرح برقرار رکھا جائے۔ پہلے دو برس کی مہلت مانگی پھر برس دن کی پھر چھ مہینے کی مگر اخیر یہ ساری باتیں فضول ثابت ہوئیں خدائے واحد کی پرستش اور بتوں کا قائم رہنا محض ناممکن تھا وہ خود ہی راہ پر آ گئے اور ایک ہی مہینے کے بعد اُنھوں نے اجازت دیدی کہ بتوں کو توڑ ڈالا جائے۔ پھر اُنھوں نے یہ عرض کیا کہ پنج وقتہ نماز ہم پر معاف کر دیجائے حضور انور نے ارشاد کیا کہ اگر نماز نہیں تو اسلام نہیں یہ بات اُنکی قبول نہیں ہوئی طائف کے بتوں کے توڑنے کے لیئے مظلوم شہید کا بھتیجا مقرر ہوا۔ چچا کے مقدس خون کی بوندوں نے یہ کرامت

دکھائی کہ چند روز کے بعد اُس کا بھتیجا بت شکن کے معزز لقب سے ممتاز ہوا۔ جس وقت بت توڑے جا رہے تھے عورتیں بہت ہی رو رہی تھیں اور انھیں سخت صدمہ تھا ایک شور برپا ہو گیا تھا۔ اور عورتیں غل مچا مچا کے کہہ رہی تھیں ہمارے معبودوں کو نہ توڑو۔

طائف کے اسلام قبول کرنیکے بعد قبیلہ طے کے لوگ آمادۂ فساد ہوئے اور اُنھوں نے مدینہ کے حدود پر حملہ کی تیاری کی حضور انور نے تھوڑے مسلمان حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ماتحتی میں روانہ کیے اور حکم دیا کہ اگر بغیر تلوار چلے وہ مان جائیں تو سب سے بہتر ہے۔ پہلے اُنھیں اصول اسلام کی تلقین کیجائے اور توحید کا سیدھا رستہ دکھایا جائے قبیلہ طے کا سردار مشہور حاتم کا بیٹا عادی تھا۔ جوں ہی اُس نے حضرت علی کے آنے کی خبر سنی وہ بھاگ کے شام چلا گیا اور ایک خفیف مقابلہ کے بعد حاتم کی بیٹی معہ چند اور لوگوں کے مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔

جب یہ قبیلہ مدینہ میں داخل ہوا ہے حضور انور نے ان لوگوں کی بڑی عزت کی اور آپ بے انتہا خاطر داری سے پیش آئے حاتم کی بیٹی پر گوناگوں نوازشیں کر کے رہائی دیدی وہ رہائی پاتے ہی سیدھی شام اپنے بھائی کے پاس آئی اور حضرت رسالتماب کے اخلاق اور رحم کا حال مفصل بیان کیا یہ سنتے ہی حاتم کا بیٹا مدینۂ منورہ میں حاضر ہوا حضور انور کے قدموں پر گر پڑا اور سچے دل سے مسلمان ہو گیا۔ پھر وہ اپنی قوم میں چلا گیا اور اس نے دین اسلام کی فضیلت بیان کی غرض چند روز میں ساری قوم کی قوم کو مسلمان کر لیا۔

کعب بن زہیر شاعر

یہ شخص جیسا بے نظیر شاعر تھا اُسی قدر اسلام کا دشمن تھا۔ شب و روز اُسے یہی کام رہتا تھا کہ مسلمانوں کے ہجویہ اشعار موزوں کرے اور اپنی برجستہ نظم سے قبائل عرب میں مسلمانوں کے خلاف دشمنی کی آگ بھڑکائے۔ اِس کے اشعار نے مسلمانوں کو ایک حد تک بہت ہی صدمہ پہنچایا تھا اور بہت سے بے گناہ مسلمانوں کی شہادت کے باعث اسی کے اشعار ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں کعب کا سگا بھائی مسلمان ہو چکا تھا ایک دن اُسنے اپنے بھائی سے کہا کہ تو کیوں مسلمانوں کے خلاف اتنا سرگرم ہے تجھے نبی عربی کے حالات کا ذاتی علم نہیں ہے اُس کی کامیابی خود اُسکی صداقت کی شہادت دے رہی ہے وہ رحم کا پتلا ہے اپنے دشمنوں پر بھی رحم ہی فرماتا ہے اُسکی برکتیں عام ہیں خدا کا ہاتھ اُسکے ساتھ کام کرتا ہے۔ اُسکی مخالفت کبھی سرسبز نہیں ہونے کی جس نے اُسکی مخالفت کی اُسی نے نیچا دیکھا تو کیوں اپنے حق میں کانٹے بوتا ہے اور کیوں اپنی عاقبت خراب کرتا ہے وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہتا کہ خدائے مطلق کی پرستش کیجائے۔ اُس کے معتقد اُس پر فریفتہ ہیں اور جان فدا کرتے ہیں اُنکے قلوب تسخیر ہو چکے ہیں اور اُنھوں نے اُسی کی جائز اطاعت میں نجات دیکھی ہے۔ تو چل کے دیکھ تو تجھے معلوم ہو کہ کسی بادشاہ کا بھی ایسا دربار نہوتا ہوگا سب اُسکے آگے باادب بیٹھے ہیں اور بہت توجہ سے اُسکی باتیں سنتے ہیں اُس کا فدایانہ عشق ایک ایک کے دل پر نقش ہو گیا ہے۔ جب تو وہاں جائیگا تو عجیب منظر دیکھے گا ایک کمبل پوش شخص کے آگے بڑے بڑے سرداران قریش کو جھکتا ہوا پائیگا۔ قول کی صداقت۔ معاملات کی صفائی۔ گفتگو میں غیر جنبہ داری ملاحظہ کریگا جو کہتے ہیں وہ کرتے ہیں اُن کا قول و فعل یکساں ہے۔ اس برجستہ تقریر نے کعب کے دل پر اُمید سے زیادہ اثر کیا۔

بت پرستی کی تاریکی اُسکے دل ودماغ سے دور ہونے لگی اور وہ نادیدہ عاشق ہوگیا اب اُسنے بیتابانہ حضورانور کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا لیکن اُسے یہ خوف تھا مبادا میں ہلاک کیا جاؤں کیونکہ میں نے نبی اور آپکے یاران کو بہت ہی ستایا ہے۔ اُس کے بھائی نے کہا تو نبی کے رحم پر بھروسہ کر اور اطمینان رکھ کہ تیری طرف کوئی آنکھ بھر کے بھی نہ دیکھے گا۔ تیری خاطرداری ہوگی اور تجھپر خود حضورانور نوازش فرمائیں گے۔ بھروسہ اور اطمینان سے منزلیں طے کرتا ہوا مدینہ میں داخل ہو کے سیدھا اُس مسجد میں آیا جہاں حضورانور تشریف رکھتے تھے یہاں اُس نے ایک عجیب منظر دیکھا ایک شخص کو بہت لوگ گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں اور نہایت ادب اور عزت سے مستغرق ہو کے بہت خاموشی سے اُسکی باتیں سُن رہے ہیں۔ بغیر کسی سے دریافت کئے کعب پہچان گیا کہ یہی معصوم نبی ہیں کیونکہ خدا کا جلال آپ کے روشن چہرہ سے نمایاں ہورہا تھا۔ کعبؓ نے حضورانور کے آگے کھڑے ہو کے یہ عرض کیا یا نبی اللہ اگر اس وقت کعب بن زبیر آپکی خدمت میں حاضر ہو تو حضور اسکی خطا معاف فرمائیں گے ارشاد ہوا ہاں اُسکے جرم معاف کئے جائیں گے پھر عرض کیا کہ وہ کعب میں ہی ہوں یہ سنتے ہی صحابہ کے تیور بدلے اور اُنھیں بہت ہی جوش آیا اور چاہا کہ گزشتہ بدکرداریوں کا اُس سے انتقام لیا جائے۔ صحابہ کا یہ جوش حق بجانب تھا کیونکہ کعب سے اُنھیں تکلیفیں بہت ہی پہنچ چکی تھیں مگر حضورانور نے ارشاد کیا میں اُسکی خطا معاف کرچکا ہوں یہ سنتے ہی سب دم بخود ہوگئے اور محبت آمیز نظروں سے کعب کو دیکھنے لگے۔ پھر کعبؓ نے اجازت چاہی کہ میں اپنا ایک قصیدہ پڑھنا چاہتا ہوں۔ ارشاد ہوا پڑھو کعبؓ نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ لیکن جوں ہی اُس نے یہ شعر پڑھا۔

ان الرسول لنور یستضاء بہ + وصارم من سیوف اللہ مسلول

یعنی پیغمبر وہ مشعل ہے جس نے دنیا کو روشن کردیا ہے اور وہ ایک تلوار ہے جو بدبختی کا سنیاناس کرتی ہے یہ سنتے ہی حضورانور نے اپنا خرقہ[1] مبارک اُتار کے کعب کو مرحمت فرمایا۔ یہ تھا رحم اور یہ تھی مجرمانہ خطاؤں سے درگزر بدبخت

---

[1] اس خرقۂ شریف کو کعب کے خاندان نے امیر معاویہ کے ہاتھ چالیس ہزار درم کو ہدیہ کیا۔ جب خاندان بنو اُمیہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا تو بنو عباس کے قبضہ میں آیا اور ایک زمانہ کے اُلٹ پھیر کے بعد خاندان آلِ عثمان کے پاس پہنچا۔ کئی بار سخت نازک موقعوں پر جنگی پھریرے کے طور پر اس کا استعمال ہوا ہے۔ یہ خرقہ قسطنطنیہ میں خاص سلطان کی حفاظت میں رہتا ہے۔ سلطان وقت مقررہ پر اپنے ہاتھ سے کھولتا ہے اور عطریات وغیرہ ملکے پھر اسی طرح رکھدیتا ہے۔ یہ مبارک خرقہ کبھی اور کسی وقت باہر نہیں نکالا جاتا۔ ہاں ایک ایسے خطرناک موقعہ پر نکالا جاتا ہے جب تخت ہی پر آبنتی ہے۔ کئی بار یہ خرقہ جنگ کے پھریرے کی صورت میں نکل چکا ہے۔ جان نثاریوں کی بغاوت میں بھی نکالا گیا تھا اور اس کے نکلتے ہی ترکوں میں ایک جوش پیدا ہوا اور سب نے ملکے جاں نثاریوں کے ہاتھ سے تخت سلطنت کو نجات دی۔ وائنا کے محاصرہ کے وقت بھی یہ نکالا گیا تھا جس سے مسلمانوں کو اُمید سے زیادہ کامیابی ہوئی تھی ۱۸۷۷ء کی روم وروس کی جنگ میں بھی موجودہ حکمران دولت ترکی نے نکالنا چاہا تھا اور یورپ کو اس خبر سے سخت انتشار ہوا تھا مگر اخیر صلح ہوگئی اور اس خرقۂ شریف کے نکلنے کی نوبت نہ آئی۔

جس قصیدہ کے صلہ میں کعب کو یہ خرقۂ شریف عطا ہوا تھا اُسے قصیدۂ بردہ کہتے ہیں مگر اور بھی چند قصائد ہیں جو قصیدۂ بردہ کے نام سے مشہور ہیں اور جن کا مصنف ابوعبداللہ محمد بن سعد ہے جس نے ملک ظاہر کے عروج سلطنت میں یہ قصائد تصنیف کیے تھے ایک

ہیں وہ جو اس رحم مجسم پر خونریزی کے الزام لگاتے ہیں اور اندھے ہیں وہ جنھیں یہ صریح رحم نظر نہیں آتا۔ جس نے اپنے لختِ جگر کے قاتل کو معاف کر دیا ہو وہ کب گوارا کریگا کہ بے گناہ مارے جائیں اور اُن پر خواہ مخواہ جہاد کیا جائے اُسنے ہمیشہ اپنی حفاظت میں تلوار اٹھائی ہے مگر پھر بھی مختلف غزووں سے کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی کی تلوار سے کوئی مقتول یا مجروح ہوا ہمیشہ آپنے بڑے بڑے سنگین معرکوں میں کمان کی ہے لیکن کبھی دشمن کے مقابلہ میں تلوار کا استعمال نہیں کیا۔ غزوۂ اُحد میں جب خالد نے پتھر مارا ہے اور نیزہ کا وار کیا ہے آپنے اُسوقت بھی تلوار نہیں نکالی آپ کا یہ رحم تھا جس سے دشمن بھی دوست بنجاتا تھا یہی ایک نبی ہوا ہے جس نے اپنے دشمنوں کے حق میں بھی دعائے خیر کی ہے۔ سب بے وطن ہی حضور کے ہاں مہمان ہوتے تھے اور آپ کا چھوٹا سا گھر پردیسیوں اور بیگھروں کے لیئے ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ تاریخی واقعات کے مٹانے کی کوشش نکرو۔ آنکھیں کھول کر دیکھو اور واقعات کی تطبیق کر کے اُس سے نتیجہ نکالو۔ تعصب کی عمر پائدار نہیں ہوتی۔ جہاد جو دراصل خطرناک ظالم دشمن سے اپنی حفاظت کرنے کا نام ہے اُسے ہوّا نہ بناؤ اور خواہ مخواہ اُسے خونریزی کا جامہ نہ پہناؤ خود اپنی حالت پر آپ رحم کرو اور عمداً اپنے کو گمراہ نہ بناؤ۔ آہ اے تعصب آہ تونے تحقیق اور صداقت پر ہمیشہ تاریکی پیدا کی ہے اور تو کبھی حق تک نہیں پہنچنے دیتا

بت پرستوں کو کعبہ میں آنے کی ممانعت

کعبہ فتح ہو چکا تھا بُت توڑ ڈالے گئے تھے مگر ابھی بت پرست برابر جمع ہوتے تھے اور اپنے ارکانِ مذہبی اپنے اصول بت پرستی کے موافق ادا کرتے تھے۔ اصل میں یہ ایک نہایت نازیبا بات تھی جبکہ خانۂ خدا بتوں سے صاف ہو چکا ہو اور پھر

علاوہ اور بھی ایک قصیدہ بردہ ہے جو شرف الدین بوصیری نے تصنیف کیا تھا اور یہ بھی نعت ہی میں تھا۔ جب قصیدہ کہہ چکا تو شرف الدین نے خواب میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اپنا قصیدہ سُنایا حضور انور نے خوش ہو کے اپنا خرقۂ شریف شرف الدین کو اڑھا دیا۔ صبح کو جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مرض برص کا نام و نشان بھی نہیں ہے اور بالکل تندرست ہے برص کی اسقدر شدت ہوئی تھی کہ اطبا جواب دے چکے تھے اور کوئی اُمید شرف الدین کو تندرست ہونے کی نہ رہی تھی۔ حضور انور کے معجزے سے خدائے حقیقی نے اُسے بھی شفا بخشی۔

مگر موجودہ زمانہ میں بھی اور گزشتہ عصر میں بھی کعب بن زہیر کا ہی قصیدہ مقبول رہا۔ اسکی یہی ایک خاص وجہ تھی کہ حضور انور نے خود گوش گذار فرمایا اور اپنا خرقۂ شریف صحابہ کے مجمع اور مسجد نبوی میں بیٹھ کے اپنے دست مبارک سے پہنایا عام طور پر تمام اسلامی ممالک میں اس قصیدے کی بڑی عزت کیجاتی ہے اور اسے بطور وظیفہ کے پڑھا جاتا ہے اکثر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ سخت سے سخت آفت اسکے پڑھنے سے ٹلجاتی ہے اور مشکل سے مشکل کام اسکے ورد سے حل ہو جاتا ہے اکثر لوگ پڑھا کرتے ہیں اور اُنکا بیان ہے کہ ہم کامیاب ہوتے ہیں۔ اس قصیدے کے مضامین فی الحقیقت نہایت دلکش ہیں اور واقعات کا سچا نقشہ کھینچا ہے۔ حضور انور کی بیجا تعریف ایک مصرعہ میں بھی نہیں ہے۔ آپکے عادات و اطوار۔ خلق و رحم اور ہدایات کا کھلا کھلا بیان ہے ہر شعر کی دلچسپی پڑھنے والے سے دریافت کیجائے۔ ایک ایک لفظ میں شیرینی بھری ہوئی ہے مبارک ہیں شعر جو نبی معصوم نے گوش گزار فرمائے اور اُنھیں پسند کیا۔ یہی اس قصیدے کی مقبولیت کی بڑی بھاری وجہ ہے اور اسی لیئے مسلمان اُسے آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ کی برکتیں عام ہیں جس پر رحمت کی نظر ہو جائے اسی کا بیڑا پار ہے۔ کعب اگر حالت کفر میں مرجاتا تو دنیا اُسکے نام سے بھی واقف نہ ہوتی مگر یہ فخر اسلام میں داخل ہو کے اُسی حاصل ہوا ہے کہ تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی م

بھی اُس میں بت پرستی کی رسمیں جاری رہیں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بت پرستی کی رسم کعبہ سے بالکل مٹا دیجائے اور سوائے خدائے واحد کی پرستش کے اور کوئی پرستش خدا کے گھر میں نہ ادا کی جائے۔ حضور انور نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس کام کے لیئے مقرر فرمایا کہ آپ جا کے نبی معصوم کی طرف سے مفصلہ ذیل اعلان خاص یوم النحر میں پڑھ کے سنادیں (وہ اعلان یہ ہے) "اس سال کے بعد کوئی مشرک یا بت پرست زیارت کعبہ نہ کرنے پائیگا کوئی شخص برہنہ ہو کے طواف کعبہ نکرنے پائیگا۔ جس نے نبی کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا ہے وہ ہمیشہ اس کا پابند رہیگا باقیماندہ لوگوں کو چار مہینہ کی مہلت دیجاتی ہے کہ وہ مکہ کے حدود سے نکل جائیں اس مدت گزرنے کے بعد کسی کا عذر نہ سنا جائیگا۔ سوائے اُنکے جن سے عہد و پیمان ہو چکا ہے" (ابن ہشام صفحات ۹۲۲-۹۲۱- ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ ابو الفدا صفحہ ۱۷۶) یہ اعلان بڑی حکمت بالغہ پر مبنی تھا کیونکہ جن مشرکین کو کعبہ میں آنے سے روکا گیا تھا اُن میں انسانی قربانی کی ہولناک رسم ابھی تک موجود تھی اور وہ علی الاعلان اپنے بتوں کے قدموں پر بیگناہ انسان کو ذبح کیا کرتے تھے اور اپنی عبادت کی ساری شرمناک رسمیں آزادی سے ادا کرتے تھے۔ اس اعلان نے اُن میں ہلچل پیدا کر دی۔ آپ نے حکم دیا کہ آیندہ سے انسانی قربانی نہونے پائے اور ایسے گروہ یا شخص کے لیئے سخت سخت سزائیں مقرر کیں۔ اخیر عرب کی سرزمین سے یہ غضبناک رسم ہمیشہ کے لیئے جاتی رہی۔

تکمیل نبوت

سنہ ۱۰ ہجری مطابق ۱۰ اپریل سنہ ۶۳۱ عیسوی سے ۲۹ مارچ سنہ ۶۳۲ء تک

یمن اور حجاز کے رئیسوں کی جتنی سفارتیں باقی رہ گئی تھیں وہ اس سال چلی آئیں اور اُنھوں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے فدویت نامے پیش کیئے اور سب کی مشرف باسلام ہونیکی خوش خبری سنائی۔ حضور انور جن واعظوں کو تلقین اسلام کے لیئے مختلف حصص عرب میں روانہ فرماتے تھے اُنھیں یہ ہدایت فرمادیا کرتے تھے "لوگوں سے بہت شرافت اور نرم مزاجی سے پیش آنا ہرگز تندخوئی کو کام میں نہ لانا۔ اُن پر آفرین بھیجنا۔ نفرین نہ کرنا۔ تم اُن لوگوں سے ملوگے جو اہل کتاب ہیں وہ تم سے سوال کرینگے اور دریافت کرینگے کہ نجات کی کنجی کیا ہے اُنھیں یہ جواب دینا کہ نجات کی کنجی یہ ہے کہ خدا کو ایک جانے اور نیک کام کرے"

اب حضور انور کی نبوت کا ماحصل نکل آیا تھا اور جو برکتیں کہ اُس سے حاصل ہونی تھیں سب ہو چکی تھیں ہٹیلے وحشیوں میں تمدن اسلامی نے اپنا گھر کر لیا تھا۔ شرمناک رسمیں اور ناکارہ عقائد برباد کر دیئے گئے تھے خدا کی مخلوق کا بڑا حصہ نیکی کو نیکی اور بدی کو بُرائی سمجھنے لگا تھا اور خدا کی سچی مرضی مخلوق خدا کو پوری پوری معلوم ہو گئی تھی اپنی وفات سے

کروڑوں آدمیوں کی زبان پر اُس کا نام اور کلام باقی ہے اس سے زیادہ اور کیا اسلام کا معجزہ ہو سکتا ہے ۱۲

پہلے حضور انور نے اور بھی ایکبار حج بیت اللہ کرنا چاہا چنانچہ آپ ۲۵ ذلیقعد ۲۳ فروری ۶۳۲ء کو مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے اس وقت آپکے ہمراہ نوے ہزار سے ایک لاکھ چالیس ہزار مسلمان تھے آپ بخیر وعافیت مکہ پہنچے اور ارکان حج ادا کرنے سے پہلے آپنے جبل عرفات کھڑے ہو کے دیر تک ایک پُراثر وعظ فرمایا جس کا ماحصل یہ ہے۔ یا ایہا الناس اسمعوا قولی (یعنی اے مسلمانو میری بات سُنو) میں نہیں جانتا شاید اس سال کے بعد اس موقف میں میں تم سے مل سکوں تمہاری زندگی اور مال غیر ممکن الفتح اور پاک و مستحکم تم میں اُس دن تک ہی جب تم خدا کے آگے حاضر ہوگے جو تمہارے کاموں کا تم سے مطالبہ کریگا۔ اے لوگو تمہارے حقوق تمہاری بی بیوں پر ہیں اور اُنکے تم پر ہیں۔ اپنی بی بیوں سے مہربانی سے پیش آنا۔ یقیناً خدا کی کفالت اور ضمانت سے ہم نے اُن پر قبضہ کیا ہے خدا تم میں اور اُن میں کفیل ہے تاکہ تم اُن سے بانصاف پیش آؤ۔ دیکھو تم اپنے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو تم آپ کھاتے ہو اور وہی کپڑے پہناؤ جو تم آپ پہنتے ہو۔ اگر وہ کوئی ایسی خطا کریں جسے تم معاف نہ کرو تو اُنھیں آزاد کردو اس لیئے کہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں اور وہ اس لیئے نہیں ہیں کہ اُن سے سنگدلی اور ناانسانیت سے پیش آؤ۔ اے لوگو میری بات سنو اور اُس کو سمجھو کہ سب مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ جو چیز کہ ایک شخص کی ہو وہ اُسی کی ہو ہاں جب تک کہ اپنی خوشی سے کسی کو نہ دے قانوناً کوئی اور اُس کا مالک نہیں ہوسکتا۔ دیکھو اس بات سے اپنی حفاظت کرتے رہو کہ تم سے ناانصافی نہ ہوجائے جو شخص میری یہ باتیں سُن رہے ہیں وہ اُن لوگوں سے کہیں جو اس وقت موجود نہیں ہیں وہ شخص جو کسی سے کہے گا اُس شخص کی نسبت جس نے سنا ہے اچھا یاد رکھے گا" پھر نبی معصوم نے ان الفاظ پر اپنا وعظ ختم فرمایا" ای میرے حقیقی مالک جو کچھ مجھے تیرا پیغام پہنچانا تھا پہنچا چکا اور اپنا فرض پورا کرچکا" مسلمانوں کے جم غفیر سے یہ آواز آئی اے نبی اللہ یقیناً تو اپنے اہم فرائض کی تکمیل کرچکا" اے میرے مالک تجھسے التجا کرتا ہوں کہ تو اس امر کا گواہ رہیو"

ان الفاظ پر رسولِ خدا نے اپنا وعظ ختم فرمایا وہ وعظ جو روایات کے بموجب نہایت سرگرمی اور فصاحت سے بڑی دیر تک کہا گیا۔ ارکان حج ختم کرنیکے بعد آپ مع اپنے ہمراہیوں کے مدینہ واپس تشریف لے آئے

سنہ ۱۱ ہجری مطابق ۲۹ مارچ ۶۳۲ء سے ۱۸ مارچ ۶۳۳ء تک

آپکی مبارک زندگی کا آخری سال مدینہ منورہ ہی میں ختم ہوا۔ آپنے اُن صوبوں میں جہاں اسلام پھیل گیا تھا باقاعدہ انتظام مقرر فرمایا۔ گو ابھی تک شام وعراق عرب کے حصوں میں عیسائی موجود تھے لیکن اور تمام عرب مسلمان ہوگیا تھا اسلامی واعظین بڑی بڑی قوموں میں روانہ کردیئے گئے تھے تاکہ اُن لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں اور مساوات کا قانون سکھائیں۔ آپ نے یمن میں جب معاذ بن جبل سردار کو بھیجا ہے تو یہ ہدایت فرمادی تھی" اگر ایسے معاملات آئیں جن کا ذکر قرآن میں موجود نہیں ہے تو اپنی رائے سے فیصلہ کرنا" حضرت علی کرم اللہ وجہ جب یمامہ بھیجے گئے تھے تو اُنھیں بھی یہ ہدایت کردی تھی" اے علی جب دو گروہ تیرے پاس انصاف کے خواہاں آویں تو جب تک دونوں کی نہ سن لے فیصلہ نہ کیجو"

ابھی تک مسلمانوں میں رومیوں سے انتقام لینے کی آگ بھڑک رہی تھی۔ خلاف قاعدہ نصرانیوں نے اسلامی سفیر کو مار ڈالا تھا۔ حضور انور نے اخیر اسامہ بن زید کو جو بعد ازاں میدان شام میں شہید ہوا ایک مہم کا سرگروہ بنا کے روانہ کرنے کی تجویز فرمائی۔ مگر اُس زہر کا ہنوز اثر باقی تھا جو ایک یہودن نے خیبر میں حضور انور کو دیا تھا۔ روز بروز حالت نازک ہونے لگی اور یہ یقین ہونے لگا کہ حضور انور کی وفات کا زمانہ قریب آگیا ہے۔ یہ زبوں خبر کہ رسول خدا کی ایسی نازک حالت ہے خوفناک آگ کی طرح سارے عرب میں پھیل گئی اور اس مہم میں تو سب سے پہلے پہنچی جو اسامہ بن زید کی ماتحتی میں روانہ کی جاتی تھی۔ اندیشہ یہ تھا کہ رسول خدا کی وفات سے کہیں صوبوں میں بدنظمی نہ پھیل جائے یہ اندیشہ بہت ہی ٹھیک تھا۔ تین کذاب نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے اور اپنی نبوت کا اعلان دیا۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک ایک حبشی یمن کا سردار تھا۔ جو علاوہ ہوشیار ہونے کے دولتمند بھی بہت بڑا تھا۔ اُس نے ہر ایک کو دولت سے مالامال کرنا شروع کیا۔ چند بندۂ شکم اُسکے مرید ہو گئے اور اُسکی نبوت کا اقرار کیا۔ اخیر یہ ایک شرمناک حالت میں مارا گیا۔ دوسرا نبوت کا دعویٰ کرنے والا طلیحہ بن خویلد الفقعصی تھا۔ جس نے بہت کچھ شورش پیدا کر دی تھی۔ تیسرا مسیلمہ کذاب تھا جس نے شرارت سے حضور انور کی خدمت میں یہ لکھا تھا "مسیلمہ پیغمبر کیطرف سے محمد نبی اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو معلوم ہوئیں تمھارا شریک ہوں قوت میں دونوں کی تقسیم ہونی چاہیئے نصف دنیا میری ہے اور نصف تمھارے قریش بھائیوں کے لیئے موجود ہے لیکن قریش حریص قوم ہے وہ نصف پر قناعت کرتی نہیں معلوم ہوتی"۔ اس کا جواب حضرت رسالتمآب نے یہ دیا "محمد رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو معلوم ہو سلامتی اُن ہی لوگوں کے لیئے ہے جو ہدایت کی راہ پر ہیں زمین خدا کی ہے وہ اُسی کو بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے۔ خوف کھانیوالے ہی اُس سے پھوتے پھلتے ہیں۔

آپ کے آخری دن نہایت خاموشی سے گزرے آپ اخیر میں بہت کمزور اور ضعیف ہو گئے تھے لیکن پھر بھی آپ مسجد میں تشریف لا کے نماز پڑھاتے تھے۔ ایک دن آدھی رات کو حضور انور قبرستان میں جہاں آپ کے جاں نثار فدائی ہمیشہ کی نیند میں آرام کر رہے تھے تشریف لے گئے۔ آپ اُنکی قبور کے پاس بیٹھ کے خوب روئے اور اُن کی مغفرت کی رب الافواج کی عالی درگاہ میں دعا مانگی۔ آپ نے اپنے آخری دن گزارنے کے لیئے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ پسند فرمایا جو مسجد کے پہلو ہی میں تھا۔ مرض کی شدت اس عرصہ میں برابر ہو رہی تھی اور آپ روز بروز مضمحل ہوتے جاتے تھے۔ اخیر وقت جب آپ مسجد میں تشریف لائے تو آپ سے خود نہیں چلا جاتا تھا ایک طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسری طرف سے حضرت فضیل رضی اللہ عنہ حضرت عباس کے صاحبزادے سہارا دیئے ہوئے تھے۔ اسی اثنا میں ایک خوشنما تبسم آپکے مبارک لبوں پر معلوم ہوا جس نے حاضرین کے دل پر بہت ہی اثر کیا۔ حضرت ابن مسعود رضؓ فرماتے ہیں کہ ہم سب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرہ میں وفات تک برابر حاضر ہوتے رہے ہم ایکبار جو حاضر ہوئے تو آپ نے ہماری طرف دیکھا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے" اور فرمایا "خوب ہوا جو تم آئے خدا تم کو زندہ رکھے اور پناہ دے اور مدد فرمائے میں تم کو خدائے تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ کہ بلاوجہ شہروں اور بندوں پر چڑھائی نہ کرنا۔ موت کا وقت آلگا ہے اور رجوع جام وصال کی طرف ہے تو تم میری طرف سے اپنے آپ کو اور جو شخص میرے بعد تمھارے دین میں داخل ہو اُسے سلام اور خدا کی رحمت کہیو۔ پھر آپ نے یہ ارشاد

فرمایا "اب میری آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور فکر مٹا"

جانم فدائے تو کہ تراہست بے گماں ✦ از مہد تا بلحد ہمیں فکر امتاں

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور انور نے وفات کے وقت مہاجرین سے ارشاد کیا "اے گروہ مہاجرین تم بڑھتے جاتے ہو اور انصار کی یہ صورت ہے کہ جس حالت پر وہ آج ہیں اُس سے زیادہ نہیں ہونگے۔ وہ لوگ میرے خاص ہیں جن میں میں نے رہنا پسند کیا بس انکے محسن کی تعظیم کیجو اور بُرائی کرنے والے کی خطا سے درگزر کریو" اور بھی آخری الفاظ جو اپنی وفات کی نسبت فرمائے وہ یہ تھے "ایک بندہ کو دنیا میں اور خدا کے پاس کی چیز میں اختیار دیا گیا اُس نے خدا کی چیز پسند کی" جوں ہی حضرت صدیق اکبر نے یہ سُنا آپ زار زار رونے لگے اور آپ سمجھ گئے کہ حضور انور اپنی وفات کی خبر دیتے ہیں آپنے ارشاد کیا "اے ابوبکر استقلال رکھ گھبرا نہیں یہ دروازے جو مسجد میں کھلے ہیں سب بند کر دینا مگر ابوبکر کا دروازہ بند نہو کیونکہ اپنے نزدیک میں ابوبکر سے زیادہ کسیکو دوست نہیں سمجھتا" سعد بن عبداللہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب انصار نے سُنا کہ حضور انور کی مبارک طبیعت بہت ہی ناساز ہے اور مرض خطرناکی کی حد تک پہنچ گیا ہے وہ سب در دولت پر حاضر ہوئے سب کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے اور اُنکی عورتیں زار زار رو رہی تھیں کہ اتنے میں حضرت فضیل آپکے چچازاد بھائی حاضر ہوئے اور انصار کے اجتماع کی کیفیت بیان کی پھر حضرت علی آئے اُنھوں نے بھی یہی عرض کیا۔ یہ سنکر حضور انور اُٹھے اور حضرت علی اور فضیل پر سہارا دیکے باہر تشریف لائے۔ حضرت عباس آگے آگے تھے۔ سر مبارک پٹی سے بندھا ہوا تھا اور قدم شریف گھسیٹ کے رکھتے تھے یہاں تک کہ ممبر کے سب سے نیچے کے درجہ پر بیٹھ گئے اور لوگ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپنے خدا کی حمد کے بعد فرمایا "لوگوں میں نے سُنا ہے کہ تم میری موت سے ڈرتے ہو گویا موت سے نفرت کرتے ہو اور تم جو میری موت کا انکار کرتے ہو کیا میں نے تمھیں اپنی موت کی خبر نہیں دی؟ یا تمھاری اپنی خبر مرگ نہیں پونہچی۔ جو انبیا مجھسے پہلے تم میں بھیجے گئے اُن میں سے کوئی بچا؟ اور تم میں ہمیشہ کون رہا ہے۔ سنلو کہ میں اپنے رب سے ملنے والا ہوں اور تم بھی اُس سے ملوگے اور میں تم سے وصیت کرتا ہوں کہ جو لوگ پہلے ہجرت کرکے آئے اُن کے ساتھ بھلائی کرنا اور مہاجرین کو آپس میں سلوک سے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اس لیئے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصٰلحٰت وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر یعنے اُترتے دن کی قسم مقرر انسان ٹوٹے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کیئے اور آپس میں سچے دین کی وصیت کی اور صبر کی وصیت کی۔ سب معاملات خدائے تعالیٰ کے حکم سے ہوتے ہیں ایسا نہو کسی امر کی تاخیر کے باعث تم اُس میں جائز ہونے کی درخواست کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کی جلدی کے باعث جلدی نہیں کرتا۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر غالب ہونا چاہے گا اللہ تعالیٰ اُسے مغلوب کریگا اور جو خدائے تعالیٰ سے داؤں کرے گا خود دھوکا کھائے گا۔ پھر تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تمھیں حکومت حاصل ہو تو ملک میں خرابی نہ ڈالنا نہ اپنے ناطے توڑنا۔ اور میں تم کو انصار کے بارے میں خیر کی وصیت کرتا ہوں اِس لیئے کہ اُنھوں نے تم سے پہلے مدینہ میں اقامت کی اور ایمان کا خلوص حاصل کیا۔ تم انکے ساتھ احسان کرنا دیکھو اُنھوں نے اپنے پھل آدھے تمکو دیئے

تمھیں اپنے گھروں میں اُتارا اپنی ضرورتوں پر تمھاری حاجتوں کو ترجیح دی یاد رکھو کہ اگر تم میں سے کوئی دو آدمیوں پر بھی حکومت پائے تو چاہیئے کہ اُنکے محسن کی طرف سے نیکی کو قبول کرے اور اگر ان میں سے کچھ بُرائی کرے تو اُس سے درگزر کرے اور آگاہ ہو کہ ان پر اپنے کو ترجیح نہ دینا اور سمجھ لو کہ میں تمھارا گواہ ہوں اور تم مجھسے ملنے والے ہو اور خبردار رہو کہ ایک دن سب کو یہی راہ فنا اختیار کرنی پڑیگی - پھر حضرت عباس نے عرض کیا اے نبی اللہ کچھ قریش کے لیئے بھی ارشاد کیجیے - آپنے فرمایا یہ امر یعنی خلافت کی وصیت میں قریش کو کرتا ہوں اور لوگ قریش کے تابع ہیں نیکوں کے نیک اور بدوں کے بد - پس اے اہل قریش لوگوں کو راست بازی کی وصیت کرتے رہنا اے لوگوں گناہ نعمتوں کو بدلڈالتے اور اخلاق کو متغیر کر دیتے ہیں - پس جب لوگ نیکی کریں گے تو اُنکے امام بھی اُنکے ساتھ نیکی کریں گے اور جب بدکار ہوں گے تو حاکم بھی اُن پر رحم نکرینگے -

اخیر ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ ہجری مطابق ۸ ویں جون ۶۳۲ء جس وقت آپ لبوں ہی لبوں میں خدا کی عبادت کر رہے تھے پاک روح نے آپکے تن مبارک سے مفارقت کی - یہ ہیں مختصر سوانح عمری اُس رسول مقبول کے جس کی نسبت معاذاللہ یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اُس نے خود بھی خونریزی کی اور اپنے صحابہ کو بھی خونریزی کا حکم دیا - جو کچھ گزشتہ صفحوں میں ہم نے قرآن مجید اور صحیح احادیث سے جہاد کی بحث کی ہے اور جس طرز سے ہم نے معصوم نبی کے واقعات زندگی کو دکھایا ہے غور سے پڑھنے والا یہ اندازہ کر لے گا کہ اسلام میں جہاد کسے کہتے ہیں اور اُس پر کیونکر عمل کیا گیا اور غیر اسلام اُسے کیا سمجھتے ہیں - کوئی مخالف سا مخالف شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی عربی اور آپکے صحابہ نے مخالفین اسلام کے مقابلہ میں بغیر قوی حجت کے بھی تلوار اُٹھائی اور ناحق کسی کے خون کی ایک بوند بھی گرائی - رہا ملکی لڑائیوں کا سلسلہ یا فتوحات ملکی کا جوش یہ دنیا میں کس قوم میں نہیں ہوا اور اب دنیا کی کس قوم میں نہیں ہے ملک گیری کے آگے پھر ساری تہذیب اور شائستگی بالائے طاق رکھدی جاتی ہے اور آنکھیں بند کر کے دوسرے کے ملک پر گرا جاتا ہے بڑی خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں نے تو بلاوجہ آجتک کسی ملک پر بھی محض ملکی فتوحات پوری کرنے کے لیئے چڑھائی نہیں کی - اسپین میں خود عیسائیوں نے اُنھیں بلایا تھا - ہندوستان میں بغیر چھیڑے وہ کبھی نہ آئے نہ جے پال بلاوجہ اور بلا سبب سبکتگین پر حملہ کرتا نہ مسلمانی سفارت کو محض دہوکے اور دغابازی سے قید کیا جاتا نہ مسلمان ہندوستان کا رخ کرتے - ہند میں تو اسقدر نہیں مگر یورپ میں سب سے زیادہ جہاد کو ہوا بنا رکھا ہے اور بلاوجہ یہ غلط خیال تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے دین میں درست ہے کہ کافروں کو اُنکے کفر کی سزا دیجائے یہ محض ایک مضحکہ خیز بات ہے اور ایسے خیالات ظاہر کرتے ہیں کہ اس روشن زمانہ میں بھی لوگ کسقدر اسلام اور اُس کے اصول سے نابلد ہیں - مسلمان اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ بہت ہی مجبوری کی حالت میں اُنھیں لڑنے کا حکم ہوا ہے یعنی جب وہ بیگناہ گھروں سے بے گھر کر دیئے جائیں نہایت ظالمانہ طریقہ سے جلاوطن ہونے پر مجبور ہوں - اُن کے ارکان مذہب جبراً روک دیئے جائیں اُنکے معابد منہدم کر دیئے جائیں اور اُنکی بربادی میں کوئی دقیقہ اُٹھا نرکھا جائے تو اُس وقت مسلمانوں کا فرض ہے کہ قوت ہونے پر تلوار پکڑیں اور جان و مال کے ساتھ اپنے دین کا تحفظ کریں اور اگر اس پر بھی قوت نہیں ہے تو اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالیں - عیسائیوں کے مجنونانہ جوش اور صلیبی لڑائیاں

جب ہمیں یاد آتی ہیں تو ہنسی آتی ہے کیا خدا کی شان ہے کہ جو عیب اُن میں ہے وہ ہمارے سر تھوپتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہمنے کامیابی حاصل کرلی - مگر اُنھیں خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ تحقیق کا راستہ جبتک بند نہیں ہوا ہے اُنکے ہوائی اعتراضات کچھ بھی نہیں چلنے کے - قرآن مجید موجود ہے صحیح حدیثوں کی کتابیں حاضر ہیں معتبر تواریخ کا کہیں کال نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ اپنے متعصب بزرگوں کی تقلید کی پٹی آنکھوں سے نہیں کھولتے اور کیوں نہیں خود تحقیق کرکے اس بیہودہ قید سے آزاد ہوتے - یاد رکھو کہ صداقت اپنا راستہ آپ پیدا کرلیتی ہے - صدہا مذہب ہوئے اور مٹ گئے اُن کا نام بھی دنیا میں نہیں رہا اسلام کی ترقی خود اُسکی صداقت کی شہادت دے رہی ہے اور ہمارے خیال میں صرف یہی شاہد اس کے لیئے بس ہے -

مسئلہ جہاد پر جو کچھ مجھے لکھنا تھا لکھ چکا میرے خیال میں اسی قدر بحث کافی ہوگی - اگرچہ اس مسئلہ پر بڑی وسعت کے ساتھ بحث ہوسکتی ہے اور اسکی ایک ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے - مگر اس مقدمۂ تفسیر میں شاید اسی قدر کافی ہو میں نہیں کہتا کہ میری اس مختصر بحث سے ناظرین تفسیر کی پوری تشفی ہوجائیگی لیکن ہاں اتنا مجھے خیال ہے اور خدا کی ذات سے اُمید پڑتی ہے کہ کچھ نہ کچھ تسلی ضرور ہوجائے گی -

اسی جہاد کے معاملہ میں جس ناجائز طور پر حضور انور کی ذات اقدس و اطہر پر دریدہ دہنی سے نکتہ چینیاں ہوئی ہیں بس خدا ہی جانتا ہے کہ اُنھیں دیکھ کے کتنا صدمہ ہوتا ہے صرف اس لیئے نہیں کہ ہمارے ہادیٔ برحق کی شان میں گستاخی کی گئی ہے بلکہ اس لیئے کہ خدا کی مخلوق کا ایک معزز رکن یعنی انسان کس کور باطنی اور تاریکی میں ڈوبا ہوا ہے اور اُس نے اپنی اشرفیت کو کتنا مٹایا ہے اسکی حالت قابل رحم ہے اور اُسے بجائے ملامت کرنے کے دعا دینی چاہیئے یورپیوں کے بھی اعتراضات دیکھے - دیسی عیسائیوں کی بھی دریدہ دہنی نظر سے گزری اور دہریوں وغیرہ کے الزامات پر بھی غور کی مگر افسوس ہے کہ کسی میں بھی راستبازی کا پتہ نہ پایا نہ کسی میں حق کی تلاش دیکھی - کاش ان میں حق کی تلاش ہوتی تو یہ اتنا بر ہا دنہ ہوتے - حق کی تلاش میں نہ تعصب کا پتہ ہوتا ہے اور نہ زک دینے اور اپنی بات بڑی کرنے کا خیال جسے دیکھا خودی میں ڈوبا ہوا اور تعصب میں اندھا ہوا - کون ہے جس نے حق کی تلاش کی اور اُسے نہ ملا - راستبازی سے حق کی تلاش کرو تمھیں حق ملجائے گا - بیجا گھمنڈ - لفاظی اور منطق کی مین میگ حق کی تلاش میں کچھ بھی کام نہیں آتی - کسی کو بُرا بھلا کہنا ذلیل اور ادنی درجہ کے آدمیوں کا کام ہے - کسی کو گالیاں دینا یا کسی پر اعتراضات کردینا نہایت آسان ہے مگر سچے دل اور سچی روح سے حق کا پتہ لگانا مشکل ہے - فرانسیسی اور جرمنی کتابیں بھی موجود ہیں انگریزی کتابیں بھی حاضر ہیں اور دیسی عیسائیوں کی کتابیں بھی گم نہیں ہوگئی ہیں ان کل کتابوں میں انصاف سے نظر کرنے والا بتائیگا کہ اختلاف خیال کے ساتھ نکتہ چینیاں کن کتابوں میں ہوئی ہیں اور کن کتابوں کے اعتراضات سے دشمنی اور وہ بھی ناپاک دشمنی کی بو آتی ہے - موسیو سدیو نے حضرت رسالتمآب کے سوانح عمری تحریر کیئے ہیں اور جس بے نظیر تحقیق سے لکھے ہیں وہ دیسی عیسائی تو کجا ولایتی مصنف بھی نہیں لکھ سکے فاضل فرانسیسی مصنف نے اپنی اس کتاب میں حسد اور دشمنی سے مطلق کام نہیں لیا ہے یہ ضرور ہے کہ اختلاف کا رنگ کہیں کہیں پایا جاتا ہے اور اس طرح اختلاف کرنا لازمۂ قوانین قدرت ہے - اسلام کے بہت سے مسائل

سے جہاں اُس نے اتفاق کیا ہی وہاں بعض مسائل سے اختلاف بھی کیا ہی لیکن اُس کا یہ اختلاف عالمانہ اور شریفانہ ہے جہاد پر بھی اُس نے بحث کی ہی لیکن اُسے خوفناک پیرایہ میں نہیں جیسا کہ بعض متعصب مصنفین نے دکھایا ہے۔ جھوٹے الزامات نے صدیوں تک یورپ کو بالکل غبار آلود رکھا تھا مگر اب وہ تاریکی دور ہوتی جاتی ہے اور ناحق وحق میں تمیز قائم ہوگئی ہے۔ جہاد جس نے متمدن دنیا کو ابھی تک سہمار کھا ہی در اصل کچھ بھی نہیں ہی محض ظالم دشمن سے اپنی حفاظت کرنیکو جہاد کہتے ہیں۔ وہ مذہب جس نے دنیا میں تہذیب پھیلائی اور عدل کی اشاعت کی اُسکی نسبت ایسے نا ملائم الزامات عائد کرنے سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہی حضرت رسالتمآب نے اپنی مبارک زندگی کے اخیر دنوں میں بھی یہی ہدایت فرمائی کہ کسی ملک پر چڑہائی نہ کیجائے نہ خدا کے بندوں پر خونریزی کی آفت نازل کیجائے۔ اسلام کا منشا رہ یہ ہے کہ مخلوق خدا کا کنبہ ہی اور اُسکے کنبہ سے محبت کرنا خدا سے محبت کرنا ہی۔ خیال ہو سکتا ہی جس نبی نے اپنی لخت جگر صاحبزادی کے قاتل کو چھوڑ دیا جس نبی نے اپنے جانی دشمنوں کی خطا معاف کردی اور اف تک نہیں کی اُس پر خونریزی کا کیونکر الزام قائم ہو سکتا ہے۔ آپ کے اخلاق اور رحیمانہ فطرت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک یہودی نے آپ کی چادر پکڑ کے گھسیٹ لی اور اُس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصہ آیا لیکن آپ نے کچھ نہ کہا آپ محض بے سروسامانی اور کمبل پوش حالت سے سلطان وقت بن گئے تھے پھر بھی آپکے مزاج کی حلیمی اور طبیعت کی انکساری کی وہی کیفیت تھی۔ آپ کا امیروں سے بخلق و تواضع پیش آنا۔ آپ کی غربا کے ساتھ ملنساری اور مروت آپکا عاجزوں کو تسلی دینا۔ یتیموں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنا۔ مظلومین کی حالت پر آنسو بہانا۔ غربا پر ہمیشہ ترس کھانا اور بے گھروں کو اپنے گھر میں پناہ دینے نے آپ کو مخلوق کا سرتاج بنادیا تھا حضرت انس آپکے خادم فرماتے ہیں کہ میں دس برس تک حضرت رسالتمآب کی خدمت میں حاضر رہا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسولخدا نے مجھے اُف تک کی ہو اگر میں حساب لگاؤں تو مجھے معلوم ہوگا کہ میں نے اتنی خدمت رسولخدا کی نہیں کی جتنی آپنے میری کی۔ آپ اپنے سادہ حجرہ میں اپنے دست مبارک سے جھاڑو دے لیا کرتے تھے اور اپنے کپڑوں میں آپ پیوند لگایا کرتے تھے۔ کبھی آپنے کسی بات پر یہ نہیں فرمایا کہ "انس اگر تو یہ نکرتا تو بہتر ہوتا" آپ کو اپنے کنبہ کی بہت ہی محبت تھی آپ کا ایک صاحبزادہ انا کی دھواں دہار کوٹھری میں آپ کے سینہ پر وفات پا گیا۔ اُس وقت جو کچھ آپ کو صدمہ ہوا ایک شفیق باپ کا دل بخوبی اندازہ کرسکتا ہے آپ کو اولاد ہونے کی بہت آرزو تھی اس لیئے آپ کو معصوم بچوں سے دلی محبت تھی آپ رستے میں چلتے چلتے ننھے ننھے بچوں کو ٹھیرا لیتے تھے اُنکے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے تھے اور پیار کرتے تھے۔ جب آپکی وفات ہونے لگی تو آپنے مجمع کو مخاطب کرکے یہ فرمایا تھا "اگر میں نے کسیکو تکلیف دی ہی یا کسی کا دل دکھایا ہے میں اُس کا عوض دینے کو موجود ہوں اور اگر کسی کا مجھپر قرض آتا ہے تو جو کچھ میرا ہے وہ سب تم لوگوں کا ہے" یہ سن کے ایک شخص اس مجمع میں سے اُٹھا اور عرض کیا اے رسول اللہ فلاں روز جو حضور نے ایک مفلس کو تین درم دلوائے تھے وہ میرے، آپ پر آتے ہیں آپنے فوراً ان الفاظ کے ساتھ اُسکے درہم ادا کردیئے "دو اس دنیا کی خجالت اُس عالم کی خفت سے بہتر ہے" جب آپ کو بہت ہی غصہ آتا تھا اور آپ انتہا درجہ ستائے جاتے تھے تو صرف یہ فرمادیا کرتے تھے "دو اس کا کیا ہونا ہے خدا کرے اُسکی پیشانی تاریکی کی کیچڑ سے لت پت ہوجائے" آپ ہر مریض کی عیادت کے لیئے اُسکے مکان پر

تشریف لیجاتے تھے جو جنازہ راستہ میں ملتا تھا آپ اُس کے ہمراہ ہو جاتے تھے اگر کسی ادنی غلام نے بھی آپ کی دعوت کی تو آپ نے انکار نہیں کیا۔ آپنے بکریوں کا دودہ اپنے ہاتھ سے دوہا ہے۔ آپ کا ہاتھ انتہا درجہ کا فیاض آپ کا دل اول درجہ کا بہادر۔ آپ کی زبان انتہا درجہ کی پُر از صداقت یہ صفتیں تھیں جنھوں نے عالم میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا اور ہنوز تیرہ سو برس گزرنے پر بھی اسلام میں زندہ روح باقی ہے اور اب بھی یہی نبی معصوم و برحق کروڑوں بندگانِ خدا کو اسی سرگرمی سے اپنے روضۂ مبارک کے اندر سے کلمۂ اسلام پر قائم کیئے ہوئے ہے ای آخر الزماں نبی تیری شان بہت بڑی ہے۔ صدیوں پر صدیاں گزرتی جاتی ہیں ہزاروں انقلاب ہوئے اور ہونگے مگر تیرا جلال اے خدائے واحد کے آخر الزماں نبی دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے تو انبیائے سابقین کا سچا محسن ہے اور صرف تیری ہی ایک ذات ہے جس نے ان الزامات سے انبیا کو بری کیا جو ناہنجار مخلوق نے اُن پر لگائے جو کچھ تو نے کیا اُس کا سچا اندازہ کون کر سکتا ہے تیرا ایک ایک لفظ قوانین قدرت کی ایک بیاض ہے اور تیرا ایک ایک فعل دنیا کی رہنمائی کے لیئے کافی ہے تیری ہی برکت سے یونانی فلسفہ کی تیرے مصفادین کے آگے کچھ نہ چل سکی اور تیری ہی بزرگی سے علوم جدیدہ اسلامی اصول سے پے در پے مات کھا رہے ہیں۔ تیرا بزرگ نام روز بروز بلند ہوتا جاتا ہے بدقسمت ہیں وہ جو تیری معصوم و پاک ذات پر خونریزی کا الزام لگاتے ہیں اے اپنے جانی دشمن کے سچے خیر خواہ تیرا جلال ابد تک قائم رہے اور دنیا روز بروز تیری روشنی سے منور ہوتی رہے۔ آمین

تیرھواں باب

معجزہ اور نبوت

معجزہ اور نبوت کی حقیقت سے کم لوگ واقف ہیں اور جن لوگوں نے جانا ہے اُس کے اظہار میں اُنھیں ایسی دقتیں پڑی ہیں کہ اخیر وہ کہیں سے کہیں بھٹک کے نکل گئے اور منزل مقصود پر پہنچنا اُنھیں محالات سے ہو گیا ہر شخص کا خواہ وہ کسی مذہب ملت کا ہو معجزہ اور نبوت کی حقیقت کا سمجھنا فرض ہے اور جب یہ دو اہم امور سمجھ میں آگئے تو پھر آسانی سے مذاہب کی اصلیت سمجھ میں آجائے گی میں کوشش کروں گا کہ اس ضروری اور مشکل مسئلہ کو ایک حد تک وضاحت سے بیان کروں اور اس عمدگی سے سمجھا دوں کہ بڑی حد تک ناظر تفسیر کا اطمینان ہو جائے۔ خدا میری مدد کرے اور مجھے توفیق دے اُسی کا سہارا بس ہے۔

علمائے اسلام نے جن اُمور کو معجزہ قرار دیا ہے اور معجزہ سے جو مفہوم لیا ہے وہ انتہا درجہ محدود ہے اور اسلامی کتب میں کہیں بھی اسکی زیادہ توضیح نہیں کی ہے۔ صرف اسی قدر اس کا مفہوم سمجھا یا ہے کہ انسان کی طاقت سے باہر اگر کوئی کام صادر ہو اور انسانی عقول اسکے صدور پر قادر نہ ہوں اُس فعل کو معجزہ کہتے ہیں۔ گو ہر مفسر اور عالم کا طرز بیان جدا جدا ہے مگر قریب قریب سب کا مفہوم ایک ہی ہے پھر مدارج انسانی کے لحاظ سے اُس کی تقسیم کر دی ہے۔ کسی کو خرق عادت کہا ہے اور کسیکو کرامت اور کسیکو شعبدہ مگر جب غور سے دیکھا جاتا ہے تو سب کا ایک ہی مفہوم ہے اور ذرا بھی

فرق نہیں ہے۔ خاص الفاظ اور بھی ہیں جو ہمارے علمانے معجزہ کے ہم معنی پیدا کئے ہیں مثلاً معونت ارہاص اور استدراج اسکی تفصیل یہ ہے کہ جو چیز خلاف عادت اور برخلاف قانون قدرت کے کسی شخص سے سرزد ہو تو اُسے خارق عادت کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جو سحر یا طلسم کے ذریعہ سے سرزد ہوں تو اُسے خارق عادت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے اگر خارق عادت مدعی نبوت سے سرزد ہو تو اُسے معجزہ کہتے ہیں اور اگر یہی خارق عادت نبی کے پیرو سے سرزد ہو تو اُسکو کرامت بولتے ہیں اور اگر غیر مؤمن صالح سے صادر ہو تو اُسکو معونت کہتے ہیں اور یہی خارق عادت نبی سے قبل نبوت سرزد ہو تو اُس کو ارہاص کہتے ہیں اور جو کسی بدکار آدمی سے سرزد ہو تو اُس کو استدراج کہتے ہیں۔ اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ آیا الفاظ کی تبدیلی سے مفہوم میں بھی کچھ فرق آسکتا ہے یا نہیں؟ مختلف زبانوں میں ایک چیز کا نام علیحدہ علیحدہ بیان ہوا ہے کیا الفاظ کی تبدیلی نے اُس چیز کی اصلیت میں کچھ خلل پیدا کر دیا؟ مثلاً اُردو میں گھوڑا کہتے ہیں فارسی میں اسپ کہتے ہیں انگریزی میں ہارس کہتے ہیں اسیطرح ہر زبان میں اس جانور کا نام علیحدہ علیحدہ ہے کیا اسکی اصلیت اور حقیقت میں الفاظ کی تبدیلی سے کچھ فرق آگیا؟ اسیطرح معجزہ کرامت معونت ارہاص اور استدراج سب چیزیں ایک ہی ہیں اور اُن میں الفاظ کی تبدیلی کچھ بھی فرق نہیں پیدا کر سکتی۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ معجزہ کے معنی یہ ہیں کہ خشک درخت میں میوہ پیدا ہو جائے۔ ریت میں پانی کے چشمے بہنے لگیں۔ پہاڑیں سے پانی کی چادریں گرنے لگیں۔ جنم کے اندھوں کے آنکھیں ہو جائیں بانجھ عورتوں کے ہاں بچہ ہو جائے۔ سنگلاخ چٹان پر ایک ترو تازہ باغ لہلہانے لگے۔ حملہ آور فوج اندھی ہو جائے۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے بہ نکلیں۔ بکری کے خشک تھنوں میں دودھ پیدا ہو جائے۔ تلوار اپنا کاٹ نہ کرے۔ آگ جلا نہ سکے۔ لق و دق صحرا شہر بن جائیں۔ آسمان سے خون برسنے لگے۔ انسان ایک ہاتھ سے ایک عظیم پہاڑ کو اُٹھالے۔ غرض اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو معجزہ بیان کی جاتی ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ یہ باتیں قانون قدرت سے جس طرح مستبعد ہیں اسی طرح انسانی قوت ان کا احاطہ نہیں کر سکتی۔

اب ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ انسان کی قدرت کا اندازہ کیونکر کر لیا گیا اور اس اُنیسویں صدی میں جبکہ دینی اور دنیاوی علوم کی ہر شاخ کی بے انتہا جانچ اور چھان بین ہوئی ہے انسانی قوت کا اندازہ کہاں تک کیا گیا ہے اور اُن جوہروں کا جو انسان کی ذات میں ودیعت ہوئے ہیں کہاں تک اور کس حد تک پتہ لگایا گیا ہے۔ مذاہب نے انسان کو کیا فرض کیا ہے اور اس کی عظمت کا کہاں تک کھوج لگایا گیا ہے اور مذاہب کے مقابلہ میں قرآن مجید نے انسان کے حق میں کیا فیصلہ دیا ہے اور آیا اُس کا یہ فیصلہ ناطق بھی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ یہ سوالات ہیں جن کا جواب دینا ہے اور یہ کٹھن راستہ ہے جسے طے کرنیکے بعد منزل مقصود آجاتی ہے۔

جس طرح معجزہ کی حقیقت کو تاریکی میں ڈال رکھا ہے اسیطرح نبوت اور منشائے نبوت کو بہت ہی کم سمجھا گیا ہے اور تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ یہاں تو سب ہی کو سکوت ہے اور اگر معجزہ کی طرح سے کسی نے اٹکل پچو نبوت کی حقیقت بھی بیان کر دی تو اُس سے ایک سچے طالب کی پیاس نہیں بجھ سکتی اور نہ خدا کی عام مخلوق کا اُس سے کچھ اطمینان ہو سکتا ہے تمام اعتراضات اور تمام قسم کی نکتہ چینیاں اور تمام شکوک اسی مسئلہ کی تحقیق سے رفع ہو جائیں گے بشرطیکہ پوری تحقیق ہو جائے اور اس کے چہرہ سے صدیوں کا گرا ہوا پردہ اُٹھ جائے۔ یہ ایسا جامع مضمون ہے

کہ اس کا تعلق دنیا کے ہر مذہب والے سے ہی مگر چونکہ بالخصوص یہ مسلمانوں کے لیئے لکھا گیا ہے اس لیئے امید ہے کہ وہ اسے غور سے پڑہیں گے رنبوت اور معجزہ کی حقیقت نہ سمجھنے نے فی الحقیقت اسلام میں بڑے بڑے اختلافات پیدا کردیئے اور اسی سے بیسیوں فریق قائم ہوگئے بعض تو اسقدر بڑہ گئے کہ اُنھوں نے نبی معصوم کی ذات کو خدا سے ملادیا اور بعض اتنے گھٹ گئے کہ اُنھوں نے نبوت کو کچھ مال ہی نہ سمجھا بعض اسکے بین بین رہے لیکن طرفین کے مسلمہ مسائل سے اپنا پہلو بچا نہ سکے اور کامل یکسوئی اُنھیں حاصل نہیں ہوئی- ایک پڑھا لکھا قابل مسلمان سوائے اسکے اور کچھ نہیں بتا سکتا کہ نبی پر خدا کی طرف سے فرشتہ وحی لاتا ہے اور وہ معجزے دکھاتا ہے اور بس- یہی نبی کی تعریف عام طور پر سمجھ لی گئی ہو اور اسی کو منشائے نبوت کہتے ہیں ایک گروہ کا خیال ہے کہ نبوت اور معجزہ لازم و ملزوم ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہے یعنی نبی کے لیئے ضرور نہیں ہے کہ وہ معجزہ بھی دکھائے- یہ بڑے ہی اہم مسائل ہیں نہ تو یہ سرسری اور معمولی طور پر قلمبند ہو سکتے ہیں اور نہ انکو معمولی توجہ سے دیکھا جا سکتا ہے بہت کچھ غور و خوض کے بعد لکھا جاتا ہے اور اسی قدر دقت کے بعد سمجھ میں آتا ہے-

سالہا غوطہ بخوناب جگر باید خورد ؛ تا ز دل یک نفسے معتدل آید بیروں

اگر خدائے عز و جل نے میری مدد کی اور اُس کے ہاتھ نے میرے ساتھ کام کیا اور یہ مسئلہ کسی قدر حل ہوگیا تو تمام معارف اور شریعت کے دقائق آئینہ ہو جائیں گے اور حقیقت کے رازوں کے چہرہ پر سے پردہ اُٹھ جائیگا اور ہر شخص کو نجات کا راستہ آنکھوں سے دکھائی دینے لگے گا اور اگر بدقسمتی سے کامیابی نہیں ہوئی تو ناظر تفسیر سے معافی کا خواستگار ہوتا ہوں اور التجا کرتا ہوں کہ وہ میرے حق میں رب الافواج کی عالی بارگاہ میں دعا کرے تاکہ میری اس غلطی سے چشم پوشی کیجائے اور میرا خاتمہ بخیر ہو- آمین

ایسے سخت اور اہم مسائل پر بحث کرنے سے پہلے ہی دل ہچکچاتا تھا اور اندام میں ایک لرزہ پیدا ہوتا تھا مگر خدا کے بھروسہ پر اپنی تمام کمزوریوں اور بے بضاعتی کا اقرار کرکے قدم اُٹھایا ہے شاید کچھ کامیابی نصیب ہو اور ناظر تفسیر کو ایک حد تک فائدہ ہو- دقت اگر ہے تو یہ ہے کہ ادہر تو اصول اسلام کا خیال ہے کہ وہ ہاتھ سے نہ جاتے رہیں اُدہر علوم جدیدہ آنکھیں دکھا رہے ہیں کہ مشاہدات کے خلاف نہ ہو ورنہ دقیانوسی خیال کا فتوئی موجود ہے ادہر اپنا ذاتی عقیدہ اور یقین آنکھیں بدل رہا ہے کہ جو کچھ بیان کیا جائے اُس کا ظاہر و باطن یکساں ہو اور وہم سے ذرا بھی مخالفت نہ کیجائے ان تینوں باتوں ہی کو نبھانا اور تینوں اصولوں کو برقرار رکھ کے کچھ بیان کرنا چاہیئے ورنہ ایک طرف سے قدم ڈگمگایا اور مصیبت آئی- اور اصل یہ ہے کہ تینوں پہلوؤں کو نبھانا بڑا کٹھن کام ہے آزادانہ تمام دنیا سے علحدہ کسی رائے کا قائم کردینا کچھ مشکل نہیں ہے مگر تمام اُمور پر نظر کرکے ایک نئی بات پیدا کرنا ایک مشکل کام ہے بہرحال اب تو ایک کام کے کرنے کا بیڑا اُٹھایا ہے اور اُسے بُرا بھلا کیا جانا ہے آگے خدا مالک ہی-

موجودہ زمانے میں کچھ خیالات نے ایسا رنگ بدلا ہے کہ بہت سی مافوق الفطرت باتیں مشتبہ نظروں سے دیکھی جانے لگی ہیں اور مشاہدات کے علم نے ایسا زور پکڑا ہے کہ غیب کی باتوں پر یقین کرتے ہوئے طبیعت ہچکچاتی ہے قدرت اور فطرت انسانی کے وہ راز جن کا ایک زمانہ میں اُبھار ہوا تھا اور جو فی الحقیقت بنا ہیں تمام دنیا کے مذاہب کی

ایسے فراموش ہوئے ہیں کہ اُنکی طرف توجہ کرنی بھی عقل کے خلاف خیال کی گئی ہے۔ قوانین قدرت کو عام طور پر محدود سمجھ لیا ہے اور اُسکے گہرے رازوں کو تقویم پارینہ سمجھ کے کوئی خیال بھی نہیں کرتا۔ روحانی قوتیں معطل اور ضمیری جذبات بیکار کر دیئے گئے ہیں اور علوم جدیدہ نے بظاہر سب کے خیالات پر ایک نمایاں فتح حاصل کر لی ہے ہر مذہب کا عالم یہ کوشش کرتا ہے کہ جدید مسلمہ اصول کے مطابق اپنے خیالات کو بنائے اور جہاں تک ممکن ہو ان باتوں کو مذہب سے اُڑا دے یا اُن کا انکار کر دے جو مشاہدہ میں نہیں آتیں نہ موجودہ عقل اُنکی شہادت دیتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر مذہب میں جدید خیالات کے لوگ پیدا ہونے لگے ہیں اور وہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس زمانہ میں جو قوانین قدرت تسلیم کیئے گئے ہیں اپنے مذہبی اُصول کھینچ تان کے اُن ہی کے ساتھ چسپاں کیئے جائیں۔ یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ علوم جدیدہ کی عمر کتنی بڑی ہے اور ان کی حکومت کا دور کب تک رہے گا۔ سب بیوقوف بھیڑوں کی طرح ایک ہی بٹیا پر پڑ لیے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ جو راہ اُنھوں نے اختیار کی ہے اُس سے منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے

فطرت کے راز جنکی تلاش اور تحقیق نے دنیا کو بہت کچھ فائدہ پہنچایا ہے معرض زوال میں آ گئے ہیں اور روز بروز اُن پر تاریکی چھائی جاتی ہے۔ مسلمانوں میں ایک نیا گروہ پیدا ہو گیا ہے اور وہ علوم جدیدہ کی بڑی سرگرمی سے حمایت کر رہا ہے اسی طرح ہندوؤں میں ایک جدید مذہب کی اشاعت نے اپنا بالکلیہ دارومدار علوم جدیدہ کے مفروضہ اصول پر سمجھ لیا ہے۔ بانیانِ مذہب کے اصلی خیالات کو مٹایا جا رہا ہے اور اُنکے نئے عقائد کی خلق اللہ میں اشاعت دی جا رہی ہے۔ تھوڑی دیر کی توجہ اس بات کو ثابت کر دیگی کہ جن خیالات کی اُن بزرگوں سے نسبت دیجاتی ہے انکی ہوا تک اُنھیں نہیں لگی تھی اور وہ اس سے مطلق واقف نہ تھے کہ آیندہ وہ اس بھیانک صورت میں پیش کیئے جائیں گے۔ کلوں کی ترقی اور جدید صنعت کی روز افزوں اشاعت نے سب کی توجہ فطرت کے رازوں پر غور کرنے سے پھیر لی ہے اور اب یہ تعلیم یافتہ گروہ کے لیئے شرم کی بات معلوم ہوتی ہے کہ قدیم خیالات کی حمایت کریں اور اُنکی اشاعت اسی سرگرمی سے کریں جو اُن کے اب وجد نے کی تھی۔ اگر علوم جدیدہ نے بجلی سے کام لیا یا پانی اور ہوا کو جو فطرت کی زبردست قوتیں ہیں اپنے ہاتھ میں لے لیا تو اس سے یہ کیونکر لازم آتا ہے کہ ان ظاہری قوتوں میں کوئی راز ہی کی بات نہیں ہے اور جو کچھ ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں بس یہی انکی کائنات ہے۔ یہ ایک سخت غلط فہمی ہے جو عالمگیر ہو رہی ہے اور جس نے قوانین قدرت کے راز میں جستجو کرنیوالوں کو شکستہ خاطر بنا رکھا ہے علوم جدیدہ انکار کرتے ہیں کہ روح اور قوت روح اور فطرت کے راز کوئی چیز نہیں ہیں جو کچھ مشاہدہ میں نہیں آتا وہ ہرگز قابلِ تسلیم نہیں ہے۔ یہ خیالات کچھ علوم جدیدہ نے ہی پیدا نہیں کیئے ہیں بلکہ ان خیالات کا ظہور حضرت مسیح سے کئی صدی پہلے دنیا کی غیر متمدن اقوام میں ہو چکا تھا اور ہر زمانہ میں ان خیالات کا کچھ نہ کچھ اثر رہا خود حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ محمود و مسعود میں ایسے لوگ موجود تھے جن کا عقیدہ خدا اور اُس کی لازوال قوتوں اور فطرت کے رازوں پر مطلق نہ تھا اور جس طرح علوم جدیدہ کے ماہران خیالات پر اب مضحکہ اُڑاتے ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی جو صحرائی وحشی تھے اور جنھیں تمدن کی مطلق ہوا تک نہ لگی تھی مضحکہ اُڑایا کرتے تھے وہ موت کو زندگی کا اختتام خیال کرتے تھے اور ایسے شخص کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے جس کا ایمان ان دیکھے خدا اور اُسکی

فطرت کے رازوں پر ہو۔ علوم جدیدہ نے کوئی بھی نئی بات پیش نہیں کی ہے بلکہ اُنھوں نے ان وحشی اور غیر متمدن اقوام کی تقلید کی ہے جو انسانی فضیلت سے معرا اور انسانی اشرفیت کے دامن پر مثل داغ کے نمایاں ہیں۔

بہرحال ہم علوم جدیدہ کے مفروضہ اصول پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اُنکے خیالات کی گہرائی کتنی ہے اور وہ کتنے پانی میں ہیں صرف ایک مادہ مانا جاتا ہے اور اسی کی ریشہ دوانی تمام کائنات میں تسلیم کی جاتی ہے خیالات اور انسانی جذبات اسی مادہ کی ترقی یافتہ صفات ہیں خدا اور بقا خواب و خیال ہیں سوال کیا جاتا ہے کہ تمھارا خدا کہاں ہیں؟ وہ کیا کرتا ہے اور کب سے زندہ ہے؟ ان خیالات نے اگرچہ اہل ہند پر پورا اثر نہیں کیا ہے پھر بھی اُنکے خیالات میں انتشار پیدا کر دیا ہے اور اس انتشار سے پریشان ہو کے اُنھوں نے نبوت اور معجزہ سے انکار کر دیا اور اس انکار ہی پر قانع نہیں رہے بلکہ اُنھیں اس میں شک ہونے لگا آیا نبوت کوئی چیز بھی ہے یا نہیں اور کیا ضرور ہے کہ نبی کوئی خاص ہی شخص ہو ہر شخص اپنے فن کا نبی ہو سکتا ہے۔ نبوت اور نبی کے لفظی معنے لے کے خوش فہمی سے اُسی پر قناعت کر لی ہے حالانکہ نبوت اور نبی کی اصلی حقیقت پہچاننے کے لیے لفظی معنی کوئی چیز نہیں ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس اصول کو انصاف سے جانچیں کہ آیا یہ الحادی اصول کوئی عاقلانہ بنیاد رکھتا ہے اور کائنات میں اس اصول کو کہاں تک دخل ہے۔

اسکی تحقیق اور جانچ کرنے کے لیے یہ ضرور ہے کہ ہم موجودہ مفروضہ اصول کی اصلیت کو دیکھیں اگر ہمیں اس کی اصل کا پتہ لگ گیا تو پھر ہمیں اختلاف خیالات کا پورا اندازہ ہو جائے گا۔ قدیم فلسفہ کی تاریخ پر گہری نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نیگ چاؤ جو حضرت مسیح علیہ السلام سے چار صدی پہلے ہوا ہے اس الحادی مذہب کا بانی ہے اور تمام چین میں اسی نے اس الحادی مذہب کی اشاعت نصف صدی میں کامل طور پر کر دی تھی۔ یہ شخص اپنے خیالات میں نہایت دلیر اور مستقل تھا اور اس نے خدا کی مخلوق کو ہر بری سی بُری خواہش کی تکمیل پر آزاد کر دیا تھا۔ اس کا اصول تھا کہ جہانتک انسان کی قدرت میں ہو راحت میں زندگی بسر کرے اور جس صورت سے وہ راحت میں رہ سکے اُس میں کوتاہی نکرے وہ ہر کام کے لیئے آزاد ہے اور دنیا کا کوئی کام اُسکے لیئے ممنوع نہیں ہے۔ خوش رہنا چاہیئے اور وہ خوشی خواہ کسی طریقہ سے حاصل ہو جائز ہے اُس کا مقولہ ہے "جب تک ہم زندہ ہیں تو ہمیں عقل نادانی اور عزت اور ذلت کا امتیاز ہے اور جب ہم مرجاتے ہیں پھر ہمیں ان سے کچھ تعلق نہیں رہتا اور یہ ساری باتیں رفو چکر ہو جاتی ہیں عاقل اور نادان عزیز اور ذلیل جو پیدا ہوئے ہیں مرینگے بھی ضرور۔ بعض نوعمری ہی میں مرجاتے ہیں۔ نیک اور حکیم بھی مرینگے شریر اور بیوقوف بھی موت کی چاشنی چکھینگے مگر موت کے بعد سب کی حالت یکساں ہو جائیگی۔ نادان ہیں وہ جو اس سے ڈرتے ہیں کہ موت کے بعد زندگی کا امتیاز قائم رہے گا۔ ایک شخص پیدا ہوا اور جوان ہوا اُسے چاہیئے کہ ہر ممکن ذریعہ سے اپنے کو خوش رکھے اور جب موت آئے تو مر جائے۔ جب مرنے لگو تو بے پروائی سے کل چیزوں کو دیکھو اور موت کی تکلیفوں کو جوانمردی سے برداشت کرو اور سمجھ لو کہ تم اپنا سفر پورا کر چکے اور اپنے کو فنا سمجھ لو"، پھر یہی فلسفی نیگ چاؤ لکھتا ہے کہ نیکی اور تعریف کوئی چیز نہیں ہے جس کے ثبوت میں اُس نے چار حکمار کو پیش کیا ہے اور کہتا ہے کہ اُنھوں نے کس مصیبت سے تکلیفیں اُٹھا کے عمر گزاری مگر اخیر نہایت غمگینی سے قبروں میں چلے گئے وہ لکھتا ہے موت تک اُنکی

بہت ہی شہرت تھی اور ایسی شہرت جو صدیوں تک قائم رہیگی۔ لیکن اس شہرت سے خود اُنکی ذات کو مرنے کے بعد کچھ بھی نتیجہ نہیں ملا اُنھیں چاہے جسقدر مشہور کرو اور چاہے جتنی اُنکی تعریف کرو مگر اُنھیں اس کا کچھ بھی علم نہیں ہے۔ اُن کے نام پر جان بھی دیدو گے جب بھی اُنھیں مطلق خبر نہیں ہونیکی اُنکی شہرت اُن کی ذات کے لیئے ایک درخت کے تنے اور مٹی کے ڈھیلہ کی نسبت زیادہ فائدہ نہیں دیسکتی۔ اچھا اُن کے مقابلہ میں چار ہزار جاہل شریر اور شیطان سیرت آدمیوں کو لو جو کبھی اپنی زندگی میں سیدھے رستہ نہیں چلے جنھوں نے کبھی نیکی نہیں کی اور اخیر اُنھیں اسی حالت میں موت آگئی۔ اپنی موت کے زمانہ تک تو اُنکی شہرت بدکاری اور جور و ستم میں تھی لیکن فی الحقیقت کسی قسم کی شہرت سے اصلی خوشی ہرگز نصیب نہیں ہوسکتی۔ اگر اُنھیں لعنت ملامت کروگے تو اُنھیں خبر نہوگی۔ اُنکی تعریف کروگے تو اُنھیں معلوم نہ ہوگا۔ اُن کی بدنامی اُن کے آگے ایک درخت کے تنے اور مٹی کے ڈھیلے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

نیگ چاؤ کا یہ اصول کچھ انوکھا نہیں ہے صدہا لوگوں کے ایسے خیالات اُس زمانہ میں تھے اور اب بھی ہیں جن سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ موجودہ زمانہ میں علوم جدیدہ کی اشاعت سے پہلے بھی ان خیالات سے ہمارے دماغ اور ان ماندہ آوازوں سے ہمارے کان آشنا ہیں۔ نیگ چاؤ کے ملحدانہ خیالات جن کی بنا انسانی ذلیل حالت پر رکھی گئی ہے انسانی زندگی کے مفہوم سے سخت متغایر ہیں پھر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ ان ذلیل اور ادنیٰ خیالات کی مقبولیت کا مادہ لوگوں میں بہت پایا جاتا ہے اور عام طور پر اُنکی تائید اگر زبان سے نہیں کیجاتی تو سر تو ضرور ہی ہلا دیئے جاتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ہندو فلسفہ کا اصول بھی یہی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں خواہ یہ اصول ہو یا نہ ہو لیکن اتنا ہم جانتے ہیں کہ ہندو فلسفہ جتنا وسیع ہے اُسیقدر غیر مشخص ہے اور آجتک کسی نے اُس کے خاص اُصول نہیں بتائے سکتے ہیں کہ دہریئے بھی ہندو ہیں۔ بت پرست بھی ہندو ہیں اور ستارہ پرست بھی ہندو ہیں اور پانی کی پرستش کرنے والے بھی ہندو ہیں۔ ہر مذہب میں فروعات میں اختلاف ہوا کرتا ہے مگر تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ ہندو مذہب میں اصول کا بڑا اختلاف ہے اور اب تک کوئی مستقل صورت ہندو مذہب کی قائم نہیں ہوئی۔ آریا تو کل سے پیدا ہوئے ہیں لیکن قدیم سے جتنے گروہ ہندوؤں کے ہندوستان میں ہیں سب کا نیا مذہب اور نئے اصول ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ سبکے اصول جدا سبکے خیالات الگ اور سبکے معبود علیحدہ۔ ہر شخص نے اپنی پسند کے موافق ایک رستہ اختیار کرلیا ہے اور اُسی پر آنکھیں بند کرکے چلتا ہے بیان کیا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے معبودوں کی تعداد خود اُنکے شمار سے بھی زیادہ ہے۔

مگر یورپ کے موجودہ الحادی خیالات کا ذریعہ یونان کو سمجھنا چاہیئے حضرت مسیح علیہ السلام سے سات صدی پہلے یونان میں تھیلس کا فلسفہ قبلہ و کعبہ سمجھا جاتا تھا۔ اُس نے علت و معلول کی تحقیق میں بڑی جانفشانی کرکے اُسکے ابتدائی اصول مرتب کیئے۔ اُس نے اور لوگوں کی طرح ہومر اور ہیسی آد کے وحشی فسانوں پر تکیہ نہیں کیا نہ اُس نے اُن سوالات کے جواب دینے میں تامل کیا جو اشیا کی اصلیت کی بابت خود اُس کے دماغ سے پیدا ہوئے۔ اُس کے مرتبہ اصول اور علی التواتر علمی تحقیق کا اخیر نتیجہ یہ نکلا کہ کائنات میں ایک مستقل اور اصلی چیز پانی ہے۔ ارسطو کا قول ہے کہ

غالباً اس حکیم نے اس لیے پانی کو کائنات کا لب لباب قرار دیا ہے کہ تمام اشیا کے بیجوں میں رطوبت موجود ہے تمام نشو ونما صرف رطوبت ہی سے ہوتی ہے۔ حرارت خود رطوبت ہی سے پیدا ہوتی ہے اور حرارت سے زندگی" یہ اصول موجودہ زمانہ میں کسقدر طفلانہ سمجھا جائیگا۔ لیکن اُس زمانہ میں انسانی دماغی ترقی کا ایک اعلیٰ درجہ کا نمونہ تھا اور تمام علمی مشاہدات کا حقیقی اصول تھا۔ تھیلس کے بعد ابنکزی ماندر پیدا ہوا جس نے یہ اصول قرار دیا کہ مادہ تمام اشیا کی ابتدا اور انتہا ہے لیکن مادہ خود ایک غیر معین چیز ہے پھر حکیم ابنی زمینس ہوا جس نے قرار دیا کہ ہوا ہی ہے جو کچھ ہے اور اس میں دانائی اور شعور دونوں ہیں لیکن ہیر قلیتس ان تمام اصول سے مخالف تھا بلکہ اُس نے آگ کو اپنا معبود بنایا اور کہا ہر چیز آگ ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ اخیر ڈیموکریٹس پیدا ہوا اور اُس نے اس الحادی اصول کی بنیاد ڈالی جسکی یورپ بڑی سرگرمی سے تقلید کر رہا ہے اس حکیم کا بیان ہے کہ "مادہ قدیم ہے اور اس میں اسی صفت کے اجزائے لایتجزیٰ ملے ہوئے ہیں جن کی کبھی تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ اُن اجزا کی شکل وصورت باہم بہت ہی مختلف ہے ان اجزائے لایتجزیٰ میں اُس نے عرصہ قائم کیا اور اُنکی تقسیم ناممکن قرار دی اور پھر اُس نے یہ کلیہ بنایا کہ کائنات اجزائے لایتجزیٰ اور عرصہ سے بنی ہوئی ہے اُس میں خلا بھی ہے اور نہیں بھی ہے اشیا کی اشکال کا اختلاف محض اُن اجزائے لایتجزیٰ پر موقوف ہے جو اُن میں موجود ہیں مثلاً پانی کے اجزائے لایتجزیٰ چکنے اور گول ہیں اور بہت ہی ڈھیلے پن سے ملے ہوئے ہیں مگر لوہے کے اجزا نہایت ناہموار اور غیر مسطح ہیں۔ انسانی روح انسانی جسم میں اپنا ایک علیحدہ جسم رکھتی ہے جو لطیف اجزائے لایتجزیٰ سے بنا ہوا ہے۔ اجزا کی حرکت اور شکل اختیار کرنیکی اس طرح توضیح کرتا ہے کہ انکی تمام حرکت اور مختلف اشکال اختیار کرنا محض فطرت اور قانون کی ضرورت سے ہوتا ہے جسوقت ضرورت پیدا ہوتی ہے وہ چیزیں خود بخود بن کے تیار ہو جاتی ہیں یہ اجزا ایک بے پایاں عرصہ میں گرنے شروع ہوتے ہیں اور اسی میں نئی نئی اشکال اور رفتار اختیار کرتے جاتے ہیں گرنے میں ایک کو دوسرے سے ہچکولا لگتا ہے اور اس سے کل اجزا ادہر اُدہر پریشان ہو جاتے ہیں اور پھر وہ گھومنا شروع کرتے ہیں پس اسی صورت سے ہزاروں عالم قائم ہو گئے سمندر بن گئے زمینیں پیدا ہو گئیں اور پودے جانور اور آدمیوں کا ظہور ہو گیا۔

یہ بات نہایت دلچسپ ہے کہ جب ڈیموکریٹس یہ خیالات پھیلا رہا تھا اُسی زمانہ میں انکزیگورس پیدا ہوا جس نے ان تمام اصول کو مہمل اور ان سارے خیالات کو بے بنیاد ثابت کیا اور صدیوں تک انکا باہم جھگڑا ہوتا رہا۔ آخرالذکر حکیم نے بیان کیا کہ قدرت کا ایسا باقاعدہ انتظام اور انسان کی اس خوشنما شکل وصورت کی بنانے والی ضرور ایک ہستی ہے جس میں ادراک اور ضمیر دونوں ہی ہیں۔ اسی حکیم نے گویا یہ اصول پیدا کیا اور اسی زمانے سے گویا کائنات کے موجد کا خیال پیدا ہونے لگا۔ عقل کا یہ سلسلہ ایسا صاف اور سیدھا ہے کہ انسان اول ہی خیال میں اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے ایک تفحص کناں ضمیر کے لیے اگرچہ بہت کچھ کذب اور فاسد خیالات اُسے رستہ سے بھٹکاتے ہیں پھر بھی فطرت خود بخود صداقت کا رستہ کھول دیتی ہے ابھی نفس ادراک محض اپنی طفلانہ حالت میں تھا کہ تھیلس نے خیالات سے مافوق الفطرت مادہ کو نکالنا چاہا مگر اُسے کامیابی نہیں ہوئی۔ پسندیدہ رایوں کے نکتہ چینیوں کے قضیہ سالبہ نے انسانی ضمیر اور مذہبی یقین کی ہمیشہ نیک خدمت انجام دی ہے۔ تھیلس کی کوشش یہ تھی کہ یونانیوں کے مذہب پر

بالکل جھاڑ و پھیر دوں اگرچہ اس خیال میں اُمید کے موافق کامیابی نہیں ہوئی پھر بھی یہ تو ہوا کہ کوہ اولمپس پر سے یونانیوں کے فاسد خیالات کا کوڑا کرکٹ سمیٹ کے لیگیا۔ انگزیکورس گیا اور اس نے ایک بے پایاں دانائی کو خدا خیال کیا اور سمجھا کہ عین دانائی کے معنی خدا ہیں۔ سقراط۔ افلاطون اور ارسطو نے اس خیال پر کافی التفات کیا اور یہ عقیدہ نسلاً بعد نسلاً نشو و نما پاتا رہا یہانتک کہ موجودہ زمانہ میں جے۔ ایس مل نے بڑی زبردست دلیلوں سے خدا کی اُس ہستی پر بحث کی جسے انسان کی عقل تراش سکتی ہے۔ ارسطو کا مذہب خدا کی ہستی کی بابت یہ ہے "حیوانات اور فطرت میں صرف ایک ضمیر ہے جو دنیا کے سلسلہ کی علت غائی ہے جو بالکل اُسکے ساتھ ہم آہنگی کرتی ہے اور اسی کا ظہور انسان میں حواس خمسہ بن کے ہوتا ہے جس کا خیال ابتدا میں کسیکو بھی نہ آیا تھا"

ڈیموکریٹس کے بعد صوفیوں کا ایک گروہ پیدا ہوا جس کا یہ اصول تھا کہ صدق اور کذب نیکی اور بدی کی ہستی بغیر جماعت کے قائم نہیں رہ سکتی اُن کا عقیدہ تھا کہ انسان میں سوائے اپنے خیالات کے دوسری اشیا کے جاننے کی طاقت ہی نہیں ہے۔

پھر سقراط پیدا ہوا جس نے اپنے ضمیری جوہروں سے بہت کچھ نئے اصول قائم کیئے۔ اس خیال میں اُس نے انگزیکورس کی تائید کی کہ انسانی خیال ہی میں فہم و ادراک مدفون ہیں اور روح جسم سے زیادہ قوی ہے اور یہ جسم کے فنا ہونے کے بعد بھی قائم رہتی ہے۔ وہ زور دیکے بیان کرتا ہے کہ انسان ایک اخلاقی فطرت اور یقین کا نام ہے الانصاف اور قدیم و غیر فانی ضمیر کا نام خدا ہے جو سب پر حاکم ہے اُس میں راستبازی اور نیکی انسان کے لیئے چھپی ہوئی ہے جو جستجو کرنیسے اُسے ملسکتی ہے اُسکے شاگرد افلاطون اور پھر ارسطو نے بھی اسی کی تقلید کی اور سب نے اپنے نئے خیالات قائم کیئے لیکن یہ ضرور ہوا کہ ان دونوں استاد شاگردوں نے الحاد کے اصول سے سخت مخالفت کی اور اُنکے خیالات نے انسانی نسلوں کو بہت ہی فائدہ پہنچایا۔ بایںہمہ اُنکے خیالات زیادہ مقبول نہیں ہوئے اور کامل طور پر حضرت مسیح سے پہلے الحادی اصول عام مقبول رہے ایپی کیورس اور لکریٹیس نے ان خیالات میں اور بھی جان ڈالدی اور اخیر یہ مقولہ زبان زد ہو گیا کہ "راستبازی چیز ہی کیا ہے" ایپی کیورس نے یہ تعلیم کی کہ شادمانی زندگی کا ایک عظیم اہتمام ہے دانائی صرف اس لیئے ہے تاکہ خوشی حاصل کرنیکے رستے بتائے اور تدابیر پیدا کرے راستبازی کی جستجو انسانی اولوالعزمی کو برباد کر دینے والی ہے انسان کو لازم ہے کہ معبودوں کے خوف کو دل سے اُٹھا کے خوشی کی طرف اپنا خیال رجوع کرے

الحادی مذہب کا سب سے بڑا امام لکریٹیس رومی ہوا ہے اُس میں قوت بیانیہ کی ایک عجیب طاقت تھی اور اسکی نظم جو اشیا کی فطرت پر تصنیف کی ہے ایک غیر معمولی دلفریبی اپنے ساتھ رکھتی ہے اور اُس کا علمی دنیا میں بہت ہی چرچا ہے اُس کا خیال کسی علمی بنیاد پر نہ تھا اور نہ اُس کے اصول سے کوئی معتد بہ فائدہ اُسکی ذات کو پہنچ سکتا تھا اُس کا منشاء صرف یہ تھا کہ انسان اُس مصیبت سے بچ جائے جو آیندہ عذابوں سے اُس پر آتی ہے اور وہ عذابوں کے فرضی خیالات سے پیسا جاتا ہے اُس نے دیکھا کہ اس کے اہل ملک کے مذہبی خیالات میں سوائے بزدلی اور ناتراشیدگی کے ہمت اور شائستگی کا نام تک نہیں پایا جاتا۔ یونان اور رومۃ الکبریٰ کے معبود اپنے پرستش کرنے والوں کو جرائم سے نہیں بچا سکتے بلکہ اُنکے خیالات میں آیندہ تکالیف کی تاریکی کو کوٹ کوٹ کے بھر دیا ہے اُس کا یقین تھا کہ اس قسم کا یقین مشتبہ ہے اُس نے

پیدا ہوا کہ اگر کوئی بے پایاں ذات موجود ہے تو پھر اور چیزوں کی ہستی کیسی - اگر کہو کہ کچھ ہے تو اس کے یہ معنی ہونگے کہ کچھ زیادہ بھی ہوسکتی ہے لیکن جو کچھ سب بے پایاں ہے وہاں اس سے بھی زیادہ ہونا چاہیئے - بس اس کا جواب یہ ہے کہ جو بے پایان سے زیادہ چیز ہے وہ ایک ہی ذات ہے - اگر ضمیر کو اس میں کچھ پریشانی ہو تو تعجب نہ کرنا چاہیئے واقعات اگرچہ بدیہی ہیں مگر انکا عقلی طور پر سمجھنا بعض اوقات پریشانی میں ڈالدیتا ہے - پریشانی فی الحقیقت کلامی ہے - مثلاً ہم یہ کہیں کہ بہت سی اشیا مختلف قسم کی بے پایاں ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے کو جگہ سے نہیں ہٹا سکتیں بے پایاں وقت بے پایاں عرصہ کے ساتھ مجتمع ہوسکتا ہے - ضمیر جیسا کہ بہت سے عاقل یوروپیوں کا خیال ہے مادہ کو عرصہ سے جگہ سے بے جگہ نہیں کرسکتا - بے پایاں محبت بے پایاں دانائی کو خارج نہیں کرسکتی اور نہ قوت نیکی کو نکال سکتی ہے پھر دوسری صورت سے خیال کرو بے پایاں اشیا میں بہت سی بے پایاں خاصیتیں ہیں اور اُن پر بلا حد مدارج اُنکا قبضہ ہے یہی خاصیتیں اپنے ساتھ دنیا میں پیدا کرنے کی قوتیں شامل رکھتی ہیں جو پیدا ہوا ہے کہ ضرور نہیں ہے کہ وہ خود ہی ظہور میں آیا ہو - جو کچھ ہے گزر جائیگا اُس کا صانع اسی طرح برقرار رہے گا - ان ہی خاصیتوں میں ایسے باوقوف نفوس کے پیدا کرنے کی قوت ہے جو اس قابل ہیں کہ تعلیم پائیں اور شائستگی سیکھیں - حاصل کلام یہ کہنا پڑیگا کہ ایک ذات ہے ہاں اُسکی قوتوں سے اگر انکار کیا جائے تو یہ ایک بے معنی سی بات ہوجائیگی کیونکہ انکار کرنے سے پہلے یہ سمجھنا چاہیئے کہ بے پایان کیا ہے اور اسے کیوں بے پایان کہتے ہیں - قرآن مجید نے جو کچھ خدا کی ہستی پر بحث کی ہے وہ ایک ایسی عاقلانہ توضیح ہے کہ اُس سے بہتر ممکن نہیں نہ تو عیسائیوں کی طرح یہ کہا ہے کہ خدا محبت ہے اور نہ دانایان ہنود کی طرح صرف یہ کہدیا ہے کہ بس ایک ذات کا نام خدا ہے اور اُسے برہما کہتے ہیں بلکہ اس طرح سمجھایا ہے کہ ایک جاہل سے لیکے حکیم تک کے دل پر اپنے خالق کی عظمت جم جائے اور اسکی جبروت خداوندی کا ایک سچا نقشہ اُسکی آنکھوں کے آگے کھیچ جائے اس سے بہتر نہ کوئی سمجھ سکتا ہے اور نہ کسی نے سمجھایا - ناواقف اعتراض کرتے ہیں کہ کل انسانی صفات خدا پر اُڑھا دی ہیں اور اس لیئے مسلمانوں کا خدا مثل ایک انسان کے ہے مگر یہ بات نہیں ہے معترض اتنی سی موٹی بات نہیں سمجھتے وجہ یہ ہے کہ انسان کے ساتھ رحیم کریم وغیرہ کے الفاظ محض مجاز کے طور پر آتے ہیں حقیقت سے ان الفاظ کو جب وہ انسان کے لیئے مستعمل ہوں کوئی واسطہ نہیں ہے مگر جب ان کا استعمال برحق خالق کے لیئے ہوتا ہے تو ان الفاظ کے حقیقی معنے لیتے ہیں - اگر مسلمان عیسائیوں سے یہ سوال کریں کہ خدا محبت ہے اس کے کیا معنی ہوئے ؟ اور آیا خالق کائنات انسان کی طبیعت کا ایک ادنی جذبہ بن سکتا ہے کیونکہ محبت طبع انسانی کا ایک خیال یا جذبہ کا نام ہے -

اب دیکھنا یہ ہے کہ ہندو جسے برہما اور پان کہتے ہیں اگر اُسے ذات واحد مان لیں تو اور معبودوں کی نسبت کیا خیال کریں بہت سے ہندو فلسفی ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے خارجی عالم کو محض اپنی ذات کا ایک خیال تصور کیا ہے اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ہیں ہم ہی ہیں اُن میں سے ایک بڑے فاضل کا یہ قول ہے "میں خیال کرتا ہوں اس لیئے کہ میں ہوں،، لیکن یہ آدھا تیتر آدھا بٹیر والا عقیدہ ایک عاقل اور بالغ شخص کو مطمئن نہیں کرسکتا - اگر تنہا ایک شخص کھڑے ہوکے یہ کہے کہ جو کچھ ہوں میں ہوں اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ محض خیال ہی خیال ہے اور جو شخص

نظر آتا ہے میرے خیال کا سایہ ہے ایسا شخص ضرور برہما ہونا چاہیئے یا اُس سے بھی کچھ زیادہ ہر شخص کی کائنات پر نظر ہے اور اُسے دو حصوں پر تقسیم کرتا ہے میں اور میں نہیں یہ کچھ نادانی اور بیوقوفی نہیں ہے جس نے دو غیر مساوی حصوں میں اشیا کی تقسیم کردی ہے بلکہ اسے خیال کی ضرورت کہتے ہیں۔ خیال کرنے والا اپنے کو جانتا ہے اور جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کا خیال کرتا ہے اور تمام چیزوں پر نظر کرتا ہے اور اُنھیں خارجی اشیا میں شمار کرتا ہے ماخبران بے تعداد ذاتوں کی لاینحل مشکلات کے ساتھ کیا کیا جائے ہر ایک باوقوف بھی ہے اور علٰیحدہ علٰیحدہ زندگی بھی رکھتی ہے ہندو اسے نہایت مؤثر اور پُرزور طریقہ پر بیان کرتے ہیں اور اُن کا قول ہے کہ یہ سب مایا یعنی دہوکے کی ٹٹی ہے۔ خبرت خود یک دہوکے کی ٹٹی ہے اور اسی بنا پر دنیا کو محض دھوکا ہی کہا جاتا ہے۔ برہما اپنی ذات سے خود بیخبر تھا اور جس طرح ہم اپنی حالت جانتے ہیں اُسے اتنا بھی وقوف نہ تھا نہ اُس نے خارجی اشیا کو کبھی جانا کیونکہ خارج میں سوائے دہوکے کی ٹٹی کے اور کچھ نہیں ہے نہ اُن میں صفات ہیں نہ خواص ہیں کچھ بھی نہیں ہے مگر پھر برہما ہے۔ اس لیئے ہندو دانائی کی پختگی یہ بھی اور ہے کہ کوئی چیز بھی نہیں ہے اگر ہے بھی تو کچھ نہیں سب خواب خیال ہے اور اسکی کچھ ہستی نہیں ہے اخیر یہ دہوکے کی ٹٹی بھی اُٹھے گی اور ہم پھر برہما کی ذات میں غرق ہو جائیں گے۔ جسکی ذات لاشئے محض کا دائمی امن ہے اور پھر بہت جلد ہمیں خطرناک قید یعنی زندگی سے نجات ملجائیگی ۔

اب ہم ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ خودکشی کیوں نہیں کر لیتے؟ کیونکہ اس سے وہ بات حاصل ہو جائیگی جسکے حاصل کرنے کا اب اُنھیں بہت ہی تردد ہے۔ ایک فلسفی دماغ ہندو کے لیئے خود بخود فنا ہو جانا جہنم واصل نہیں کرتا بلکہ اُسکے خیال کے موافق اُسے مکتی نصیب ہو جاتی ہے مگر قدیم داناؤں نے خودکشی کو نہایت عقلمندی سے ایک مشکل کام تصور کیا تھا۔ یہ فی الحقیقت ایک آسان بات تھی کہ جب تمام عالم اور تمام اشیا محض خیال ہی خیال ہے تو وہ ایک خیالی چھری اپنے گلے پر پھیر لیتا مگر خیال کی اس گاڑی میں ایک روڑا اور بھی اٹکا دیا گیا ہے کہ اسطرح سے مرنیوالا سانپ یا شیر یا کتے کی جون میں پیدا ہوگا یہ گویا تناسخ کی ایک فلسفیانہ نظر تھی اُنھوں نے یقین کیا کہ انسان بیشمار دورے خیالی زندگی کے پورے کرتا رہتا ہے اور موت اُسے ہولناک حالتوں میں نئی نئی صورت سے گرفتار کرتی رہتی ہے اچھا وہ ذات جو برہما کی ذات میں ملجانے کی قابلیت رکھتی ہے اُسے خارجی اشیا کے مذاق سے اپنی توجہ بالکلیہ پھیر لینی چاہیئے تمام معمولی خواہشوں کو مٹا دینا اور تمام ظاہری دلفریبیوں کو محض لغو اور بے بنیاد سمجھنا چاہیئے اور خیال کو بالکل برہما کی ذات میں ملا دینا چاہیے جب یہ صورت ہو جائیگی تو ہزارہا برس کے دورہ کے بعد اپنی خبرت اور خودی کا خیال جاتا رہے گا اور ایک ذات کے کامل امن میں محو ہو کے پھر کسی چیز کی خبر نہ رہے گی یعنی وہ انسان لاشئے محض کے درجہ پر پہنچ جائیگا۔ یعنی کامل فنا صدہا ہزارہا برس کے دوروں اور تکالیف سہنے کے بعد حاصل ہوگی اور ہندوں کے عقیدہ میں کامل فنا ہو جانے کا نام مکتی یا نجات ہے انکے مذہب کی یہی کائنات ہے اور یہی ان کے فلسفہ کا لب لباب ہے۔ ہزارہا سال کے مجاہدوں مراقبوں اور عبادتوں کا اخیر یہ صلہ دیا گیا ہے کہ کامل فنا ہو جائیگی اس ۱۹ صدی میں بھی ایسے ہندو نظر آتے ہیں جو برہما کی ذات میں جذب ہو جانے کی کوشش کرتے ہیں اور فی الحقیقت انکی کوشش نہایت ہی خطرناک ہوتی ہے مثلاً ایک ہاتھ یا ٹانگ کو خشک کر لینا اور اُلٹا درخت میں

آئی اور ہیں مثل اُس شخص کے ہوں جو سمندر کے کنارہ پڑا ہوا چمکتی ریت میں ہاتھ پیر پٹیتا ہے ان عمومی مشاہدوں کا نام کہ بغیر ابر کے پانی نہیں برستا اور بغیر بوئے غلہ پیدا نہیں ہوتا اور بغیر پانی پئے پیاس نہیں بجھ سکتی قوانین قدرت کی تکمیل نہیں ہے اور اگر قوانین قدرت کا سبق پڑھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ انکی تکمیل ہوچکی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ جدید تحقیقات میں صدہا جانیں اور کڑوڑوں روپیہ خرچ کیا جارہا ہے اور تمام عالم کو چھان ڈالا ہے کائنات کے علم کی تکمیل تو ایک طرف رہی ابھی اس زمین کی پوری تحقیق نہیں ہوئی جس پر ہم رہتے ہیں ہمارے جغرافیہ کے علم کا بہت حصہ محض فرضی اور ناقابل تسلیم ہے۔ ہر جنگ میں کچھ نہ کچھ جغرافیہ کی تحقیق میں خامی نکلتی ہے اور اسکی بعد ازاں اصلاح کیجاتی ہے۔ نہ ہمیں ابھی تک افریقیہ کا حال معلوم ہوا ہے نہ چین کا نہ بحر منجمد کے پار ہم جا سکے ہیں نہ ہندوستان کے کوہ ہمالیہ پر چڑھ سکے ہیں ہماری مجبوری اسی سے عیاں ہے اور ہماری کمزوری کے لیئے یہی کافی شہادت ہے۔

تو کار زمین را نکو ساختی + کہ با آسمان نیز پرداختی

بہرحال جو کچھ ترقی ہوئی وہ غنیمت ہے اور جو کچھ فطرت کی ظاہری قوتیں قبضہ میں آئیں قابل تعریف ہیں مگر ہنسی تو اُس وقت آتی ہے کہ جب ایک شخص کی سمجھ میں فطرت کا راز یا قوانین قدرت کی کوئی باریکی نہ آئے یا اور کوئی نازک مسئلہ خیال میں نہ سکے اور وہ بہت جلد بول اُٹھے کہ یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ جن باتوں کو آج قانون قدرت کا مخالف بنایا ہے کل بھی اُنکی یہی کیفیت رہے گی اور کون یقین کر سکتا ہے کہ جن اُصول کی علوم جدیدہ آج حمایت کر رہے ہیں کل بھی اسی طرح اُنکی حمایت کرتے رہیں گے۔

دنیا فی الحقیقت ایک باغ ہے جس میں صدہا قسم کے پھول لگے ہوئے ہیں اور سب کی خوشبو الگ الگ ہے۔ ہزاروں گروہ ہیں اور سب کے عقائد محسوسات۔ معاشرت۔ خصوصیات علیحدہ علیحدہ ہیں ایک دوسرے کی تکذیب کرتا ہے۔ علوم جدیدہ والے قدیم خیالات کے لوگوں پر مضحکہ اُڑاتے ہیں اور قدیم خیالات والے اُنھیں مجنون سمجھتے ہیں۔ ثالث بالخیر ہونا چاہیئے اور اسی کا ملنا کٹھن ہے۔ دنیا میں ایک بہت بڑا گروہ موجود ہے جو کئی ہزار برس سے چلا آتا ہے اور جس کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم خدا ہے۔ یا کل کائنات خدا ہی ہے ہم بیشمار اشیا کی گوناگونی اور اُنکی تبدیلیاں دیکھتے ہیں۔ اور جو علی التواتر حرکت اور تبدیلی کے ساتھ دست و گریبان رہتی ہیں۔ ان کے تمام اختلاف اور تبدیلیاں ضمیری تفحص کی عجیب یگانگت سے صاف معلوم ہو جاتی ہیں۔ ملحدوں کا تو یہ مذہب ہے کہ اُن تمام حادثات کا ظہور اُس خاص چیز سے ہوتا ہے جسے مادہ کہتے ہیں اور توحید کی تلاش کرنا گویا کائنات کو گھٹا کے اجزائے لاتیجزی کی انتہائی تعداد تک پہنچا دینا ہے "عالم کو خدا ماننے والے کہتے ہیں" تمام یہ حادثات طبیعہ منظر یا سایہ ہیں صرف ایک چیز کے جسے خدا کہتے ہیں خدا کی کوئی حد یا پایاں نہیں اندر یا باہر خارج داخل سوائے اُسکے کچھ بھی نہیں ہے اسلیئے جو کچھ ہے۔ وہ خدا ہی ہے" اس عقائد کے بعض علما کا یہ قول ہے کہ مادہ درحقیقت کوئی چیز ہی نہیں ہے صرف ہمارے ضمائر کا ایک خیال ہے بعض کا یہ قول ہے کہ مادی دنیا خدا کا جسم ہے۔ بے پایاں روح اس طرح سلسلۂ فطرت میں عیاں رہتی ہے جیسے کہ انسانی جسم میں ہے مگر سب سے زیادہ دلفریب خیال یہ ہے جس سے زیادہ دلچسپ اس عقیدہ کی کسی کتاب میں نہیں پایا جاتا مثلاً انکا خیال ہے کہ وہ قوت کا نام خدا ہے وہ فکر بھی ہے اور باخبر روح بھی ہے۔ سب چیزوں سے بڑا ہے۔ اور اُنکی

اپنی قوت سے رہنمائی کرتا ہے مگر جو آن کا اصلی اور حقیقی اصول ہے وہ یہ ہے سوائے سلسلۂ فطرت کے خدا ہیں زندگی نہیں ہے اس لیئے وہ صاحب وقوف نہیں ہے اور جتنے لوگ صاحب وقوف ہیں وہ گویا خدا ہی کے حصہ ہیں مختصر یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں اور اُن میں سے ہر شخص کا یہ قول ہے کہ میں خدا ہوں اور کوئی شئے میرے سوا نہیں ۔

اب ہندوؤں کی حالت اور اُنکے مذہب پر خیال کیا جائے تو عام طور پر لوگ اُنھیں نا سمجھ بت پرست سمجھتے ہیں مگر تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ اس بت پرستی کا سلسلہ ایک قدیم فلسفہ سے نکلا ہے اصل یہ ہے کہ ہندو علم ادب کا علم ہمیں براہِ راست نہیں ہے انگریزی علمار کے طفیل سے ہمیں ویدوں سے واقفیت ہو گئی ہے اگرچہ ہم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ویدوں کا ترجمہ صحیح صحیح کیا گیا ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ آجتک کسی ہندو کو اس پر نکتہ چینی کرنیکا موقع نہیں ملا اس لحاظ سے ویدوں کا ترجمہ بہت صحت کے ساتھ کیا گیا ہے جنھوں نے اور بھی زیادہ تحقیق کی ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ یورپ میں جسقدر سنسکرت جاننے والے ہیں ہندوستان میں ایسے کم نکلیں گے ۔ پھر بھی ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بت پرستی کے فلسفہ کا علم بہت ہی ناکامل ہے ۔ خیالات اور موجودہ مذہبی معاشرت اور کتابی مذہب میں اس قدر اختلاف ہے کہ محقق سخت پریشان ہو جاتا ہے ۔

یہ عام طور پر یقین کیا جاتا ہے کہ توحید ہندوستان کا ابتدائی اصول ہے اور یہاں خالص توحید عام طور پر پھیلی ہوئی تھی اس ثبوت میں رامچندر جی کی وہ قسم موجود ہے جو اُنھوں نے بششٹ جی کے آگے کھائی تھی کہ اگر میں ایسا کروں تو خدائے واحد کی پرستش چھوڑ کے دیبی دیوتاؤں کی پرستش کرنے لگوں یعنی غیر خدا کی پرستش کرنی ایسی بُری ہے اب ہم وید پر اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں کہ اُنکے مذہبی عقائد کیا ہیں؟ اور ویدوں نے پرستش کس کی قرار دی ہے سب سے پہلے وید کی مناجاتوں پر غور کرنا چاہیئے ۔ اس میں فطرت کی اشیا کی بہت سادہ طریقہ سے پرستش کی گئی ہے ۔ مثلاً روشن آسمان کے چمکتے سورج اور ستاروں کی صبح کے طلوع ہونے کی بادلوں اور دریاؤں اور درختوں کی اور ساتھ ہی خارجی فطرت کی تمام اشیا کی ۔ پھر یہ پرستش کی اشیا بتدریج نظم میں لائی گئیں اور ان نظموں نے لوگوں کے دلوں کو اسقدر مسخر کیا کہ وہ مذہبی عبادت کا ایک جزو اعظم بن گئیں ۔ بعینہ یہی کیفیت یونانیوں اور عبرانیوں کی تھی کہ وہ بھی اپنی اپنی مذہبی نظموں کے ساتھ اپنے معبودوں کی عبادت میں سرمست دکھائی دیتے ہیں ۔ اس تعظیم و تکریم نے بت پرستی کی طرف رہنمائی کی چونکہ انسان کے دل میں خوشی و غم اور خوف و دلیری کا مادہ ہے اس لیئے ان نظموں نے وقتاً فوقتاً ان قوتوں کو اُبھارا اور مذہب اور عقیدہ کی نئی صورت قائم کر دی اور نئے نئے رواج اور رنگ برنگ کی رسمیں اس میں سے پیدا ہونے لگیں ۔ بت پرستی نہ گزشتہ زمانہ میں نہ اب تفحص کنان دماغوں کی تسکین کر سکی ۔ کیونکہ ایک عاقل شخص کے دل سے بار بار یہ سوال پیدا ہوتا ہے " اتنے بے تعداد معبود عالم ہستی میں کیونکر آ گئے؟ انکا باہم کیا تعلق ہے اور انکا دنیا ۔ زمانہ گزشتہ ۔ آیندہ اور موجودہ سے کیا تعلق ہے ۔

مگر جب روشن ضمیری نے آگے انتشار سنہ پیدا کیا اور دل و دماغ نے آگے کا کھوج لگایا تو اتنا ضرور معلوم ہوا کہ ان بے تعداد معبودوں کے پیچھے ایک ذات واحد بھی ہے جو سب کی مالک اور سب کی خالق ہے اور نہایت دانائی سے اُنھوں نے خیال کیا کہ یہ اکیلی ذات ضرور سب چیزوں کی مالک ہے اور جو کچھ ہے وہی ہے ۔ پھر یہ مابعد الطبیعت عقیدہ

اپنی نظم میں ان معبودوں کی ہجو لکھی ہے اگرچہ مذہبی خیال لوگوں نے اسکی اس نظم کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھا تھا وہ کہتا ہے خواہ کوئی مافوق الفطرت انسان ہو یا نہ ہو لیکن اس میں یہ طاقت ہرگز نہیں ہے کہ وہ سلسلۂ قدرت کو بدل سکے یا برباد کر سکے اور مرنے کے بعد صرف یہی ہوتا ہے کہ جن اجزا کا انسان بنا ہوا ہے وہ علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ موت انھیں کو تکلیف دیتی ہے جو آیندہ عذاب و ثواب کے قائل ہیں اور جن کے یہ بے بنیاد خیالات ہی نہیں ہیں وہ موت کی پرواہی نہیں کرتے۔

اُس کا اصول یہ ہے کہ ربانی ذریعہ سے کوئی چیز نہیں پونہچی صرف فطرت چیز کو اُسکی خاص حالت میں کر دیتی ہے اور کوئی چیز کبھی فنا نہیں ہوتی یہ اجسام جن میں عرصہ پایا جاتا ہے ہرگز پارہ پارہ نہیں ہو سکتے اور نہ کبھی انکی صورت میں فرق آئیگا یہ قدیم ہیں اور قدیم ہی رہیں گے وہاں ایک عرصہ ہے جس میں خلا ہے اگر خلا نہ ہوتا تو بغیر ذرائع اور وسائل کے بھی چیزیں حرکت کرتیں کیونکہ اجسام کی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے سد راہ ہوتے رہیں اور تمام اجسام کی مخالفت کرتے رہیں اس عرصہ کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہا ہے سوائے خالی عرصہ کے اور کسی تیسری فطرت کی ہستی نہیں ہے کوئی تیسری فطرت نہیں ہے جس کا کبھی بھی ادراک ہو سکے یا جسے کوئی شخص اپنی عقل سے پہچان سکے۔ اور جو چیزیں کہ دیکھتے ہیں وہ سب یا تو ان ہی سے پیدا ہوتی ہیں اور یا ان ہی کا سایہ ہیں۔

غرض جہانتک ان قدیم الحادی اُصول کو چھانا جائیگا یہ معلوم ہو جائے گا کہ علوم جدیدہ نے الحاد کے جو اصول قائم کیے ہیں اُن میں ایک بھی نئی بات نہیں ہے۔ پروفیسر ٹنڈل نے اپنی کتاب میں یہ فقرہ لکریٹس کا نقل کیا ہے "بغیر معبودوں کی امداد کے فطرت اپنا کام کرتی ہے" یہ خیال لکریٹس کا تھا اور اس خیال کی اشاعت آج ترقی یافتہ براعظم یورپ میں ہو رہی ہے لکریٹس نے یہ بھی بتایا ہے کہ اجزائے لایتجزی کیونکر ایک جگہ مجتمع ہو گئے اور فطرت کی ساخت کب ہوئی حکیم مذکور یہ تو جانتا ہی تھا کہ حرکت ایک جسم کو دوسرے جسم پر لگنے سے پیدا ہوتی ہے لیکن اس نے اس سوال کا کہ "جسم کو کون شے حرکت دیتی ہے" جواب نہیں دیا۔ عرصہ تو حرکت دے ہی نہیں سکتا اور ساتھ ہی وہ اس سے بھی انکار کرتا ہے کہ سوائے عرصہ اور خلا کے اور بھی کوئی چیز ہے اور اسی بنا پر وہ دلیری سے کہتا ہے کہ اجزا میں خاصیت حرکت کرنیکی ہے میل مرکزی سے کچھ تھوڑے بہت علم سے بھی وہ واقف تھا اس لیئے وہ جانتا تھا کہ تمام اجسام اپنے وزن سے گر پڑتے ہیں جب تک کہ انکو کوئی سہارنے والا نہو۔ اسی بنا پر مثل ڈیموکرٹیس کے اُس نے اشیا کی ابتدائی حالت کی تصویر کھینچی ہے جس میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بے پایاں عرصہ میں اجزائے لایتجزی کی آبشار گر رہی ہے۔ اب خیال ہو سکتا ہے کہ زمانہ حال کی تحقیق کے آگے یہ خیال کیسا لغو اور بیہودہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ عرصہ میں نشیب فراز کے خطوط جن سے واقف ہیں متوازیہ نہیں ہیں جیسا کہ لکریٹس کا خیال ہے بلکہ عرصہ میں ہر ممکن کی سمت سے دائرہ کا محیط فراز کی طرف جاتا ہے لکریٹس کو اگرچہ ناکامی نصیب ہوئی پھر بھی اپنے مفروضہ اجزا کے حرکت دینے کے لیئے بڑے ہی عقلی جوڑ توڑ لگائے ہیں۔ ڈیموکریٹس کا قول ہے کہ جب اجزا خلا میں سے ہوکے ایک خط مستقیم میں گرتے ہیں تو بڑا جزو بہ نسبت چھوٹے جزو کے تیز چلتا ہے اور پھر وہ چاروں طرف پریشاں ہوکے باہم ملجاتے ہیں اور اُنکے ملنے سے دنیائیں قائم ہو جاتی ہیں مگر ارسطو نے اگرچہ طبیعات میں اُس سے صریح غلطیاں ہوئی ہیں اسکی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ ایک کامل خلا میں جس میں

کسی قسم کی مزاحمت نہو چھوٹے اور بڑے اجزا ایک ہی حالت میں گرینگے اور کبھی باہم مس نہ کرینگے۔ مگر یہ اجزا کبھی خط مستقیم میں نہیں گرینگے تم خود ہی خیال کرو ارسطو کہتا ہے کہ وزنی اجسام کو بغیر حرکت دیئے کبھی جنبش نہیں ہو سکتی کون ہے جو اجزا کو دیکھ سکتا ہے کہ اجزا اپنے سیدھے رستہ کے دور سے ذرا بھی حرکت نہیں کر سکتے" دیکھنا یہ ہے کہ جن حکما پر اب نکتہ چینیاں ہو رہی ہیں اور اُنکی رایوں پر مضحکہ اُڑایا جاتا ہے وہ اپنے زمانہ میں بہت بڑے نامور تھے اور لوگ یہ سمجھتے تھے کہ ان سے زیادہ عقلمند کوئی پیدا ہی نہیں ہوا جو ان کے اصول ہیں وہ کبھی نہیں بدلے جا سکتے مگر موجودہ زمانہ میں اُنکے اصول کو محض طفلانہ شیریں کلامی سے زیادہ وقعت نہیں دیجاتی یہی کیفیت آیندہ زمانہ میں ہمارے موجودہ مفروضہ اصول کی ہوگی اور ہماری اولاد ہمارے خیالات پر ہنسینگی۔ ہمیشہ سے یہ چلا آتا ہے اور ہمیشہ تک یہی ہوتا چلا آئیگا۔ مگر دیکھنے کی یہ بات ہے کہ جن اصولی عقائد کے ساتھ خدا کی مرضی بھی شامل رہی انکی صدیوں سے ایک حالت ہے وہ نہ کبھی بدلتے ہیں نہ بدلیں گے اور نہ اُن میں کوئی تبدیلی پیدا کر سکا نہ کسیکو آیندہ تبدیلی پیدا کرنے کی جرأت ہوگی۔ دنیا کیونکر بنی اور کب بنی یہ بے نتیجہ خیالات ہیں نہ اسے کوئی ثابت کر سکتا ہے نہ آیندہ کر سکے گا۔ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ رائے ہے اور باہم فلسفیوں میں بڑا اختلاف ہے۔ یہ عظیم اختلاف خود اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ اصول ہی سرے سے ہی لغو ہے۔ علوم جدیدہ نے یہ صحیح ہے کہ طبیعات کے اصول میں قدیم فلسفیوں کی اغلاط کی اصلاح کی ہے مگر علوم جدیدہ کیا اُمید رکھ سکتے ہیں کہ آیندہ نسلیں اسی طرح اُنکے مفروضہ اصول کی اصلاح نہ کرینگی مِل اور ڈاروِن کے موضوعہ اُصول فی زمانہ ایک حد تک یورپ نے تسلیم کر لئے ہیں مگر حقیقت کا ابھی تک پتہ نہیں لگا ہے اور مذہبی گروہ جو اسی آب و ہوا میں رہنے والا اور وہی دماغ رکھنے والا اور وہی خون اُسکی رگوں میں ہے بہت شد و مد سے تردید کر رہا ہے کسی ایک خیال کا پابند ہونا یا کسی کی آنکھیں بند کر کے تقلید کرنا سخت نادانی ہے ہم نے مِل کی کل تصنیفات بغور دیکھی ہیں ہم نے ڈارون کے موضوعہ اصول پر بخوبی توجہ کی ہے ہم نے یونانی حکما کے خیالات پر مدتوں غور کی ہے مگر اخیر میں جو سوال ہمارے دل میں پیدا ہوا وہ یہ ہے کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیں کہ تمام دنیا کے یہی خیالات ہو جائیں تو انتظام کی کیا کیفیت ہو اور اخلاقی اثر کسقدر معدوم ہو جائے یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ جن چیزوں کو ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں ایک تو انکا جسم ہے جو ہمیں معلوم ہوتا ہے اور ایک انکی خاصیت ہے جو ہمیں تجربہ سے معلوم ہو جاتی ہے اور ایک راز ہے جو نہ ان ظاہری آنکھوں سے معلوم ہو سکتا ہے نہ تجربہ سے بلکہ روشن ضمیری اور فیضان الٰہی سے۔ اگر ڈارون نے فرض کرو کہ یہ ثابت کر دیا کہ پودہ اور آدمی کی زندگی کی بہت سی حالتیں باہم ملتی جلتی ہیں اور آدمی ترقی یافتہ بندر ہے پھر بھی وہ کوئی شہادت ایسی نہیں دے سکا جس سے اُس کا آخرالذکر اصول تسلیم کر لیا جاتا۔ علوم جدیدہ نے ہمیں تعلیم کی ہے کہ جو چیز مشاہدہ میں نہ آئے وہ ہرگز تسلیم کرنے کے قابل نہیں ہے۔ جب تک ڈارون ایک بندر کو انسان بنا کے نہ دکھا سکے ہرگز اُسکے مفروضہ اصول پر یقین نہیں ہو سکتا۔ بہرحال انسان کی ساخت خواہ کسی صورت سے ہوئی مگر علوم جدیدہ ابھی تک اُن جوہروں کا پتہ نہ لگا سکے جو اسکی ذات میں مضمر ہیں۔ قوانین قدرت کو اپنے خیال کے موافق محدود کرنے کا نام عقلمندی نہیں ہے مسٹر اسحٰق نے نہایت انصافانہ طور پر لکھا ہے کہ باوجود جد و جہد اور ترقی مجھے قوانین قدرت کی ابجد خوانی بھی ابھی نہیں

لٹکتا رہنا یا اپنے کو سکھا سکھا کے مار ڈالنا۔ یہ بیچارے بہت ہی قابل رحم ہیں کیونکہ یہ تمام ناقابل برداشت تکالیف محض اس ادنی اور بے بنیاد صلہ پر برداشت کرتے ہیں جس سے فی الحقیقت انھیں کچھ بھی فائدہ نہیں ہے ہم اسکے بعد ایک اور گہری نظر ویدوں پر کرنا چاہتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ ویدوں کا نفس مطلب ناظر تفسیر کے آگے بیان کردیں ہم نہایت منصفانہ طور پر ویدوں کی ہر بات کو جانچیں گے اور ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ایک حد تک ہماری جانچ غلط نہ ہوگی۔ جو کچھ لکھا جائیگا راستبازی اور انصاف سے لکھا جائیگا اور کوئی فاضل برہمن اس میں ایک حرف کی بھی غلطی نہ نکال سکے گا۔

وید مقدس اور ویدک زمانہ کا تمدن

(ویدوں کی کمیابی)

ہرچند ہندو اپنے مقدس وید کی نہایت تکریم و عزت کرتے ہیں لیکن اکثر ایسے ہیں جنھیں ویدوں کی ماہیت اور حقیقت کا بہت ہی کم علم ہے۔ جب تک یورپ کے ممالک میں طبع نہیں ہوئے انکی صورت عام طور پر کسی کو دیکھنی نصیب نہ ہوئی ہندوستان میں اس سے پہلے بہت کم نسخے باقی تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر برنیر صاحب اپنے مشہور وقائع سیر و سیاحت ہند میں لکھتے ہیں کہ "اورنگ زیب کے زمانہ میں جب نواب دانشمند خان کو جو امراء دربار عالمگیر میں ایک بڑا منصبدار اور معزز و مکرم اور اپنے علمی کمال کے سبب ملا شفیعائے یزدی مشہور تھا ویدوں کی خریداری کا شوق ہوا تو بہت بڑی تلاش اور جستجو پر بھی ایک کتاب نہ ملی لیکن یہ کتابیں بنارس میں مجھے دکھائی گئی تھیں اور اگر وہ مقدس وید ہی تھے تو فی الواقع انکی ضخامت بہت بڑی تھی۔ ہندو انکو بڑی ہوشیاری سے چھپائے رکھتے ہیں کہ مبادا مخالفین کے ہاتھ لگ جائیں اور وہ انکو جلادیں" یہ بیان ڈاکٹر برنیر صاحب کا ہے جو انتہا درجہ کا متعصب اور غلط وقائع نویس ہے اور تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اس نے آجتک کوئی بھی صحیح واقعہ عالمگیری دربار کا اپنے سیاحت نامہ میں درج نہیں کیا۔ اکبر کا زمانہ جب ہندوؤں کے لیے خیر و برکت کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے وجہ کیا کہ اس طویل زمانہ میں ویدوں کی اشاعت نہیں ہوئی۔ جہانگیر کے زمانہ میں بھی ہندوؤں پر مذہبی پہلو سے کوئی نکتہ چینی نہیں ہوئی نہ شاہ جہاں کے عہد میں انھیں ستایا گیا پھر شہنشاہ کے وزیر کا وید کی تلاش میں ناکام رہنا محض اسوجہ سے سمجھ میں آتا ہے کہ ہندو اپنی مقدس کتاب کی ان لوگوں کو ہوا بھی نہ دیتے تھے جو انکے خیال میں ملیچھ یعنی ناپاک تھے اور نہ عام طور پر مسلمان تو درکنار ہندوؤں کی دوسری ادنی ذاتوں کو اسکی تعلیم دیجاتی تھی جلانے کا خوف محض لغو اور بے بنیاد ہے کوئی تاریخ ایسی نہیں ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ عالمگیر نے یا کسی اور بادشاہ نے فلاں دن وید کی کوئی جلد جلادی بہرحالی صحیح جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ ابتدا ہی سے وید عنقا کی صفت رکھتا ہے اور ایک مقدس کتاب کے لیے جسے الہامی یا آسمانی کہا جاتا ہے یہ ایک نہایت ہی نا واجب امر ہے۔

پروفیسر میکس مار صاحب لکھتے ہیں کہ جب راجہ رام موہن رائے لندن میں تھے تو انھوں نے ایک روز انگریزی عجائب خانہ میں دیکھا کہ جرمنی کے مشہور عالم سنسکرت فریڈرک روسن صاحب رگ وید کی نقل کرنے میں ہمہ تن مشغول ہیں راجہ کو سخت استعجاب ہوا انھوں نے روسن صاحب سے کہا کہ آپ منتروں کے ادراک مطالب میں تضیع

او وفات نہ کریں اس میں اقوال اپ نشد زیادہ تر مطالعہ کے قابل ہیں"۔ یورپ کے علماء کو مدت تک وید کے اکتساب میں عوائق ومشکلات لاحق رہیں اگرچہ انگریزوں کو سنسکرت کی نادر الوجود اور نایاب کتابیں دستیاب ہوئیں لیکن وید کی کوئی قلمی پوتھی نہ ملتی تھی اور اگر کہیں کوئی نسخہ ہاتھ آگیا تو پنڈت صاحبان ملچھوں کے لئے اُسکے ترجمہ کرنے سے محض انکار کر دیتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صرف کولبروگ صاحب ہی ان تمام دشواریوں اور دقتوں پر غالب آئے اُنھوں نے ویدوں یا ہندو کتب مقدسہ پر مضامین لکھے جو ۱۸۰۵ء میں شائع ہوئے تھے اور اب تک اُنکی قدر ومنزلت کیجاتی ہے۔

سنہ ۱۸۳۰ء میں روسن صاحب نے رگ وید کے منتروں کا ایک نمونہ چھاپا اس کے بعد ان کا انتقال ہو گیا انھوں نے رگ وید کا پہلا مقالہ لاطینی میں ترجمہ کیا تھا جو اُنکی زندگی ہی میں ختم ہو گیا تھا مگر سنہ ۱۸۳۸ء میں اُنکی وفات کے بعد شائع ہوا۔

سنہ ۱۸۴۵ء میں پروفیسر میکس ملر صاحب نے اصل رگ وید اور مجتہد سایانا کی تفسیر کی نقل لکھی اور ایک یا دو سال بعد آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی نے اُنھیں اپنے مصارف سے اُسکے چھاپنے کی اجازت دی چنانچہ سنہ ۱۸۴۹ء میں اُس کی پہلی جلد شائع ہوئی اور جلدوں کے اہتمام میں بیس سال صرف ہوئے اور پھر ایک نئے ایڈیشن کے مصارف مہاراجہ وزیانگرم نے ادا کئے۔

سنہ ۱۸۶۱ء میں بمقام برلن اصل رگ وید رومن حروف میں چھاپا گیا۔ پروفیسر ولسن صاحب نے رگ وید کا ایک انگریزی ترجمہ مجتہد سایانا کی تفسیر کے مطابق مرتب کیا تھا۔ پادری میکڈانلڈ صاحب شنکر پنڈت کے ویدارتھ کا ذکر کرتے ہیں جو ایک انگریزی اور مرہٹی ترجمہ ہے جس میں حل معنی اور شرح بھی شامل ہے۔ چار مجلدات جنکی ہر جلد میں نو سو صفحے سے زیادہ ہیں جس میں ۲۷۵ منتر مندرج ہیں شائع ہو چکی ہیں اور ایک بنگالی ترجمہ ابھی حال میں ختم ہوا ہے ڈاکٹر جان میور کے سنسکرت اقوال ہیں جن کی پانچ مجلدات ہیں بہت سے اقتباس وانتخاب ہیں جو مختلف سرخیوں میں منقسم ہیں یہ ایک نہایت قیمتی مجموعہ ہے۔ مابقی وید یورپ یا ہندوستان میں شائع ہوئے ہیں۔

ویدوں کے نام اور اُن کی تقسیم

وید سنسکرت لفظ ود سے نکلا ہے جس کے معنی حکمت یا شریعت الٰہی ہیں یہ لفظ لاطینی وڈا اور انگریزی وٹ سے بالکل ملتا ہے۔ ہندو حاملان شریعت اس لفظ کے عام مفہوم کو کبھی کبھی اپنے نہایت قدیم اور مقدس علم ادب کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن اس سے صحیح طور پر دعاؤں کے دو چار مجموعہ مراد ہیں جو علی الترتیب رگ وید یجر وید سام وید۔ اور اتھر وید کے ناموں سے مشہور اور ان تمام علوم وفنون کے حاوی ہیں۔ جو ہندو دنیا میں سب سے افضل اور قابل تلقین وتعلیم خیال کیئے جاتے ہیں۔

ویدوں میں علی العموم موسیقیانہ نظم ہے اس میں وہ زمزمے یا گیت ہیں جن میں ہندوں کے قدیم دینی بزرگوں نے اُس وقت جب ہند میں ایک علیحدہ قوم کی صورت میں اُنکی ابتدا ہوئی یا یوں کہیئے کہ ابھی اُنھوں نے اس عظیم ملک کے دروازے ہی پر قدم رکھا تھا جسکو اُنھوں نے بعد میں اپنی شائستگی تہذیب اور علوم وفنون سے مالا مال کر دیا۔

اپنے آسمانی دیوتاؤں کی تحمید اور تمجید کی ہے اور اُنکے اختیارات و اقتدارات بیان کیئے ہیں اور وہ راگ گائے ہیں جس سے اُنکی شاعرانہ حرارت اور شوق کو اشتعال پیدا ہوا ہے ویدوں کی زبان نہایت قدیم ہے اور اُسکی تقسیم یہ ہے -

دعاؤں کا نام منتر یا سوکت ہے اور ان ہی منتروں سے سنگھتا (سنتھا) یعنی مجموعہ کی تدوین ہوئی ہے اُن کی ترتیب دو طریق پر ہے ایک میں تو آٹھ کھنڈ یعنے حصہ یا اشٹک ہیں اور ہر کھنڈ میں آٹھ آٹھ ادھیایا یا لکچر ہیں دوسرے میں سوکتوں کی تقسیم منڈلوں پر ہوتی ہے جو شمار میں دس ہیں اور پھر یہ سو سے زائد انواک یعنی تتموں پر منقسم ہیں سوکتوں کی ایک اور تقسیم ہے جو ورگوں یا جملوں میں ہے اور یہ مذکورۂ بالا دونوں تقسیموں میں عام و تام ہے -

رگ وید - اس نام سے وہ وید مراد ہے جس میں دیوتاؤں کے ستائشی منتر یعنے محامد و مناقب ہیں - رچ کا لفظ جو وید کے قبل ہے رگ کے ساتھ تبدیل ہو گیا ہے جو سنسکرت میں ایک ایسے مخرج سے نکلا ہے جسکے معنے حمد اور ستائیش ہیں - جب رچ کا لفظ علیحدہ آتا ہے تو اُس کا تلفظ رگ ہو جاتا ہے - رگ وید میں دس منڈل (منڈلا) یا مقالے ہیں اس کا ہر فقرہ ہر لفظ ہر حرف اوائل ہی میں شمار کر لیا گیا ہے چنانچہ اشلوکوں کی تعداد ۱۰۴۰۲ اسے ۱۰۶۲۲ تک ہے اور پدیا لفظ ۱۵۳۸۲۶ ہیں اور حروف یا ارکان تہجی ۴۳۲۰۰۰ ہیں اس وید کے دس منڈل بجائے خود ایک ایک مجموعہ ہیں اور ان میں ہر مقالہ ہندوستان کے کسی نہ کسی خانوادے سے متعلق ہے اُن کے سات مقالے ترتیب اور تہذیب میں باہم مشابہ ہیں اُن میں سب سے پہلے اگنی کے منتر ہیں اور یہ منتر باستثنائے دسویں منڈل کے بلا تغیر اُن منتروں کے ذیل میں آتے ہیں جس میں اندر کو مخاطب کیا گیا ہے - ان منتروں کے بعد پھر بسو دیو کے منتر آتے ہیں جو خدا کی اُن آٹھ صفتوں میں ہیں جن سے گن یعنے اجتماع نفوس قدسیہ مراد ہے - آٹھویں منڈل میں ۹۲ منتر ہیں اور نویں میں ۱۱۴ جن میں سوم کو مخاطب کیا گیا ہے -

رگ وید میں نہایت قدیم زمزمے ہیں جن کو آریا اپنے ساتھ لائے تھے اور ویدوں میں کچھ تو اسی رگ وید کا اقتباس و انتخاب ہے اور کچھ جگ کے قواعد اور منتر ہیں اس کے اشلوکوں کو خصوصیت کے ساتھ برہمن پڑھتے تھے اُن کا لقب ہوتری ہوتا تھا -

یجر وید - یجر کا لفظ یج سے مشتق ہے جسکے معنے ہوم جگ ہے اُن میں وہ مسائل و قواعد ہیں جن کو وہ علمائے دین یا اُنکے پیرو پڑھتے تھے جن کا کام یہ تھا کہ جگ کے سامان اور لوازم جمع کریں قربان گاہیں بنائیں اور قربانی کے جانوروں کو ذبح کریں اور سوم لتا کا عرق چڑھائیں - اصل میں یجر وید کے دو حصے ہیں جن کا نام علی الترتیب سفید اور سیاہ اور چھپی یا تیر یا سنگھتا ہے اور یہ اسود و ابیض یجر اپنی خاص ترتیب کے سبب سے متمیز ہوتے ہیں حصہ اول میں جگ کے قاعدے ہیں اور اُس میں اُنکی توضیح و تشریح مندرج ہے لیکن دوسرے حصہ میں اُن کا طریقہ عمل بیان کیا گیا ہے اور وہ دونوں بالکل ایک دوسرے سے جدا ہیں یجر وید کا ایک بہت بڑا حصہ رگ وید سے مستنبط اور ماخوذ ہوا ہے لیکن اُس کے چھند اور مقالے بالکل نئے ہیں اور چونکہ یہ پرستش اور عبادت کا ایک دستور العمل ہے اس لیے علماء دین پر اس کا مطالعہ فرض تھا جو پنڈت اس وید کو پڑھتے تھے وہ ادھوار کو یہ لیعنی نذر و نیاز کرنیوالے کہلاتے

جاتے تھے یہ دونوں حصہ ہندوستان اور یورپ میں چھپ گئے ہیں۔

سام وید۔ یہ وید تمام وکمال منظوم ہے اس میں ۱۵۴۹ چھند ہیں جن میں فقط ۷۸ کا سراغ رگ وید میں نہیں ملا ان کے چھند اُن جگوں میں گائے جانے کے لیئے جن میں سوم لتا منشی عرق ایک جزو اعظم ہوتا تھا منتخب اور مرتب ہوئے تھے اس میں سوم لتا کی بہت سی دعائیں ہیں باقی کچھ اگنی اور کچھ اندر کی ہیں اس میں خاص خاص گیت کے رسالے ہیں جن سے اُن کے سروں کی کیفیت معلوم ہوتی ہے سام وید کے پڑھنے والوں کا نام اوگاتری یعنی مغنی تھا۔ یہ وید طبع ہو گیا ہے اور اس کا ایک انگریزی ترجمہ بھی ہے۔

اتھرب وید۔ یہ وید سب ویدوں کے بعد کا ہے۔ اس مجموعہ کا حصہ نثر ہے اس میں تقریباً ایک سدس ایسے منتر ہیں جو رگ وید میں پائے جاتے ہیں۔ منتروں کی تعداد تقریباً ۷۶۰ اور چھندوں کی ۶۰۰۰ ہے۔

برہمن (برہمنا)

برہمن یا برہمنا وید کے وہ حصے ہیں جن میں برہمنوں کے لیئے منتروں کے استعمال کی ہدایتیں ہیں اُن میں ویدوں کے مسائل کی جن کا شعائر اور رسوم دین سے تعلق ہے تشریح و توضیح ہے اور اُنکی اصلیت اور معنی بیان کیئے گئے ہیں اور یہ بھی ہدایت کیگئی ہے کہ کونسے چھند یا دعائیں کس موقع کے لیے منضبط یا مختص ہیں۔

اگرچہ اُن کا مقصود اعمال جگ کی تعلیم و تلقین ہے لیکن اس میں رسوم اور دستورات مذہبی کی نسبت فلسفہ اور تصوف اور اسرار توحید اور خدا شناسی کے خیالات زیادہ بھرے ہوئے ہیں۔

ہر سنگھنا (مجموعہ) کے ساتھ اُس کا برہمن ہے اور یہ اُس وید کے اصولی مسائل کے جس سے وہ متعلق ہیں تائید و تشریح کرتے ہیں چنانچہ رگ کے برہمن میں علی الخصوص ہوتری کے فرائض ہیں اور یجر کے برہمن میں ہوم جگ کی ہدایتیں اور احکام ہیں۔ سام کا برہمن اور کاتریوں کو گانے کا طریقہ بتاتا ہے۔ رگ وید کا اتیریا برہمن نہایت قدیم ہے اس میں اور برہمن بھی ہے جس کا نام کوشتیکی ہے۔ سیاہ یجر وید کا برہمن تیتریا ہے اور سفید کا ستھ پتھ ہے جو عام برہمنوں میں نہایت اکمل اور ضروری ہے۔ سام وید میں آٹھ برہمن ہیں جس میں ایک نہایت مشہور و معروف ٹانڈیا ہے اتھرب میں صرف ایک برہمن ہے جس کا نام گوپتھ ہے۔ ان برہمنوں سے ہندوستان کی قدیم دماغی اور تمدنی ترقی معلوم ہوتی ہے اُنکی سنسکرت اور اُنکا طرز بیان بھی نہایت صحیح اور پاکیزہ ہے۔

ارنیک اُپ نشد

ارنیک کے معنے صحرا یا متعلق بہ صحرا ہیں۔ یہ ارنیک برہمنوں میں شامل ہیں انکا وہ برہمن مطالعہ کرتے تھے جو تارک دنیا ہو کے جنگل اور بیابانوں میں توطن اختیار کر لیتے تھے اس میں تصوف روحانیت اور مسئلہ وحدت وجود کی تشریح اور بحث ہی انکی تعداد چار ہے (۱) برہد (۲) تیرتا (۳) نیترتا (۴) کوشتیکی۔

ارنیک اُپ نشدوں میں شامل ہیں اور اُنکے نام کبھی کبھی تبدیل بھی ہو جاتے ہیں چنانچہ برہد بالتخصیص برہد ارنیک یا برہدارنیک اُپ نشد کہا جاتا ہے۔ یہ شت پتھ برہمن میں ملحق ہے اتیریا اب اتیریا برہمن کا ایک جزو ہے۔

سوتر

سوتر کے معنے رشتہ ہیں اور اس خاص طرز میں جو کچھ تالیف یا قلمبند ہوا ہے اُسکے جملے نہایت مختصر اور مسلسل ہیں جو پرمعنی اور متین ہونے کے علاوہ باہم مربوط بھی ہیں اس طرز بیان کی علت غائی محض ایجاز و اجمال ہے سوتر عموماً اُن حصوں سے مراد ہے جن کا تعلق ویدوں سے ہے چنانچہ کلپ سوتر میں آئین و رسوم مذہبی ہیں اور گریہ سوتر ہیں خانہ داری کے فرائض اور سماچار کا سوتر میں رسم و رواج کا ذکر ہے۔

ویدوں کی اصلیت

علی العموم ہندوں کا عقیدہ ہے کہ وید ازلی اور ابدی ہیں۔ وہ تخلیق عالم سے پہلے خدائتعالیٰ کے ضمیر میں پنہاں تھے ہر کلپ یعنی دنیا کی پیدایش کے شروع میں خدا برہما پر انھیں منکشف یا نازل کرتا ہے اور وہ ان الہامات کو اپنے چار منہ سے بیان فرماتے ہیں اور پھر رشیوں کو اُنکی تعلیم و تلقین کرتے ہیں۔ ہندؤں کی سماوی کتب میں ویدوں کے ازلی اور ابدی ہونے کی نسبت اقوالِ ذیل سے استشہاد کیا گیا ہے۔

(۱) وید انفاس الٰہی ہیں۔

(۲) وید انسان کی روحانی قربانی سے نکلے ہیں۔

(۳) وید اسکمبھ (اصولِ قائمہ) سے تراشے گئے ہیں۔

(۴) اندر سے ویدوں کا ظہور ہوا ہے اور ویدوں سے اندر پیدا ہوئے ہیں۔

(۵) وید کال یعنی زمانے سے نمودار ہوئے ہیں۔

(۶) وید جگ کی اُلش سے نکلے ہیں۔

(۷) وید اگنی یعنی آتش وایو یعنی ہوا اور سوریہ یعنی آفتاب سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۸) ویدوں کو دیوتاؤں نے قعر دریا سے نکالا ہے۔

(۹) واچ یعنی کلمہ ویدوں کی ماں ہے۔

(۱۰) وید برہما کے مونہ سے نکلے ہیں۔

(۱۱) وید گاتیری سے پیدا ہوئے ہیں۔

(۱۲) وید ہی وشنو (بشن) ہیں۔

وید اپنے نزول سے کئی صدی تک قلمبند نہیں ہوئے صرف لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھے۔ استاد ایک حصہ پڑہتا تھا اور شاگرد اسکو دوہرا لیتے تھے۔ صدہا برس تک یہ آسمانی کتابیں صرف ازبر تلاوت کیجاتی تھیں کوئی ایک وید یاد کر لیتا تھا اور کوئی دو چنانچہ تمام ویدی منتر نسلاً بعد نسلاً زبانی ہی محفوظ چلے آتے ہیں۔

کسی زمانہ میں آریا قوم کے بزرگ وسط ایشیا کے بالائی حصوں میں سکونت پذیر تھے جو ہندوستان سے کہیں زیادہ سرد ملک تھا کیونکہ یہ لوگ اپنے برسوں کا شمار جاڑے سے کرتے تھے ویدوں کی دعاؤں میں جہاں اُن لوگوں نے درازیٔ عمر کی خواہش ظاہر کی ہے وہاں سو جاڑوں (سمم) کا مذکور ہے۔ یہ لوگ شمالی اقوام کی طرح آشومیدھ

یعنی گھوڑوں کی قربانی پر زیادہ زور دیتے تھے اور اپنی ہمسایہ قوموں کے مقابلہ میں سرخ وسفید اور گورے چٹے ہوتے تھے۔ جب آریوں کی نسل اسقدر بڑھی کہ اُن کا مالوفہ وطن گزران کے قابل نہ رہا تو اُنھوں نے جوق جوق جلاوطنی اختیار کی۔ کچھ لوگ مغرب کو گیئے اور یوروپی ممالک کو بسایا۔ اور کچھ مشرق کو وادیٔ سندھ کی طرف سے آئے اُن کا بڑا گروہ اہل وعیال غلام اور مویشی لیئے آگے بڑھا غالبًا یہ لوگ سب سے پہلے کوہی دروں میں ہو کے پشاور میں داخل ہوئے۔

اس وقت ہندوستان کا ایک بڑا حصہ جنگل ہی جنگل تھا جس میں اصلی اقوام کے گاؤں اور قصبے آباد تھے ان لوگوں کی رنگتیں کالی تھیں اور اجنبی زبان بولتے تھے۔ آریوں کو اپنی قومیت کا بڑا ناز اور غرہ تھا یہ اُن قوموں کو جن سے اُنکا سابقہ پڑا تھا بہت ہی حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے چنانچہ یہ لوگ اُنھیں کالا سیاہ فام کہتے تھے اور چونکہ آریوں کی طرح اُنکی ناکیں لمبی نہ تھیں اس لیئے اُنکو بکرنکے یا نکٹے کا لقب ملا تھا۔ یہ لوگ اصلی باشندوں کو دسو بھی کہا کرتے تھے جس کے مجازی معنے مخالف یا منافق کے ہیں۔ لیکن یہ لوگ اس کثرت سے غلام بنائے گئے کہ انجام کار عمومًا داس کا لفظ خادم کے لیئے استعمال ہونے لگا۔

بس دسو قومیں ہو بہو ویسی ہی تھیں جیسے اب بھیل اور بعض صحرائی اور خانہ بدوش لوگ ہیں لیکن اور فرقے کسیقدر مہذب اور شائستہ بھی تھے۔ وید منتروں میں جا بجا دسوں کی دولت اور ثروت کا ذکر ہے چنانچہ لکھا ہے کہ "ہم اندر کی مدد سے دسوں کو مغلوب کر کے اُنکی ساری دولت تقسیم کرینگے" "اُن کے پاس قلعہ اور شہر ہیں" "اور اندر اور اگنی تم دونوں نے ملکے دسوں کے نوے قلعے توڑے ہیں" "اے منور اندر تو نے اپنے جلال سے پورو کے لیئے ننانوے شہر فتح کیئے ہیں"۔

جو جو آریا بڑھتے گئے جنگلوں کھیتوں اور اصلی باشندوں کے گاؤں پر قبضہ کرتے گئے۔ اصلی باشندوں نے بھی حتی الوسع اپنے حملہ آوروں کا بڑی دلیری سے مقابلہ کیا چونکہ اُن کا رنگ سیاہ اُنکی عادات وحشیانہ اور بات چیت نامہذب اور آواز بھاری اور مہیب تھی اور یہ لوگ شبخوں مارنے کے عادی تھے اس لیئے اُنھیں دیت یا عفریت کہا کرتے تھے۔

آریا نہایت قوی اور زبردست تھے اُنھوں نے دسوں کو مار کے نکالدیا اور بقیۃ السیف کو اپنا غلام بنالیا اسوقت ہندوستان میں آریوں اور دسوں قوموں کے مابین فاتح یا مفتوح یا آزاد و غلام یا گورے اور کالے کا لفظ امتیاز آ مستعمل ہوا اور اوائل میں جس فرقے نے آریوں کی اطاعت قبول کی اُس کا نام شودر رکھا گیا اور اخیر اس کا استعمال تمام مفتوح قوموں کے لیئے ہونے لگا۔

یہ خونریزی اور حملہ آوری کئی صدی تک رہی لیکن یہاں کے تمام وکمال باشندے کسی زمانے میں مفتوح ومغلوب نہیں ہوئے۔ آریہ رفتہ رفتہ مشرقی جانب پھیلے اور سرستی کے کنارے پہنچے جو ویدک ایام میں ملک کی سرحد تھی ویدوں میں اس زمانہ کے تمدن کے جو حالات بیان کیئے گئے ہیں ان کا اقتباس یہ ہے۔

گاؤں اور قصبے

یہ حملہ آور پہلے پنجاب میں آباد ہوئے اور اُن مقامات پر گاؤں بسائے جہاں ندی نالے اور دریا تھے۔ اور جو چرائی اور زراعت کے لیئے موزوں سمجھے گئے تھے یہی چھوٹے چھوٹے گاؤں اخیر بڑھتے بڑھتے بڑھتے شہر اور قصبے ہوگئے اسوقت آریوں کے مکانات مٹی کے بنے تھے بعض مکان ایسے بودے اور ناپائیدار تھے جو ہوا کے جھگڑوں اور آندھیوں میں اُڑ جایا کرتے تھے مگر جہاں پہاڑوں کی قربت کیوجہ سے پتھر بہت ملتا تھا بعض اوقات سنگی محل بھی بنائے گئے تھے بیان ہوا ہے کہ اندرنے پتھر کے ایک سو شہر ڈھائے تھے۔ آہنی شہروں اور گڑھیوں کا بھی ذکر ہے۔ ایوان شاہی میں ہزاروں ستون اور ہزاروں ہی دروازے ہوتے تھے۔

راجہ اور سردار

آریوں نے جن ملکوں یا علاقوں پر تسلط کیا تھا اُن میں مختلف قومیں آباد تھیں اور وہ بہت سی راجدھانیوں یعنی دار الریاستوں میں منقسم تھے۔ رگ وید میں بہت سے راجاؤں کے نام مندرج ہیں اُنکی دوستانہ اور مخاصمانہ مجلسوں اور جلسوں کا بھی ذکر ہے۔ راجہ یا سردار کسی بڑے مہاراجہ یا شہنشاہ کے باج گزار نہ تھے اس لیئے کبھی کبھی آریا سردار بھی آپس میں لڑ بیٹھتے تھے۔ پورپتی یعنی امرائے شہر اور گولمپتی یعنی مقدمان دیہ بھی ہوتے تھے۔

قرابت

ویدک زمانہ میں کثیر الازدواجی ہی نہیں بلکہ ایک عورت کو بھی ایک ہی حالت میں کئی کئی شوہروں کے کرنیکی اجازت تھی۔ چار سگے بھائی ایک ہی بی بی پر بس کرتے تھے پہلی اولاد بڑے بھائی کی کہلائی تھی اور دوسری اُس سے چھوٹے کی اسی طرح اخیر تک یہ رسم اب بھی جاری ہے اور پہاڑی قومیں اس پر کاربند ہوتی ہیں کہتے ہیں رگ وید میں متعہ بھی جائز تھا اور بیوہ کا نکاح بھی۔

لباس

عورتیں کپڑوں اور گہنے پاتے سے خوب زرق برق رہا کرتی تھیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں تزئین کا بہت خیال تھا سوتی اور اونی کپڑے استعمال کیئے جاتے تھے ویدوں میں جابجا پگڑی کا ذکر ہے اور سینے پرونے کا حوالہ دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرکب کپڑے غیر مشہور نہ تھے۔

غذا

کھانے میں دودہ اور گھی لازمی اور ضروری غذا تھی بُھنا ہوا غلہ جس میں دودہ بھی ڈالا جاتا تھا جو اور گیہوں پیس کے روٹیاں پکائی جاتی تھیں گوشت نہایت لطیف اور اعلیٰ درجہ کی غذا تھی (دشت پتھ برہمن میں لکھا ہے)

اندیو ہا و سلے پرامم انا دیم بن مامسم

وید منتروں میں منشی عرقیات کا ذکر ہے۔ رگ وید کا قریبًا ایک منڈل یعنی مقالہ سوم لتا کے عرق کی توصیف کی نذر ہوا ہے۔ سوم ایک قسم کی بیل ہے جس کا چھوٹا اور سفید پھول نہایت خوشبودار ہوتا ہے اس بیل سے شیردار عرق نکلتا ہے جو خمیر دینے کی حالت میں منشی اور کیف ہو جاتا ہے جن منتروں میں سوم کو مخاطب بنایا گیا ہے وہ اسوقت

گائے یا پڑ رہے جاتے تھے جب اُس کا عرق نچوڑا اور چھانا جاتا تھا جس طرح یہ بیل حاصل کی جاتی تھی اُسکی نسبت مختلف بیانات ہیں بعض اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو پہاڑوں سے لاتے تھے چنانچہ بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ شاہ سوم کا مسکن قندھار ہے۔ سرا یعنی شراب بھی لنڈھائی جاتی تھی اور سوم لیتا کا عرق تو دیوتاؤں کو نہایت ہی مرغوب و محبوب تھا شراب عام طور پر دکانوں میں بھی بکتی تھی رگ وید سنگتا ہیں ایک منتر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شراب مشکیزوں میں رکھی جاتی تھی اور سر بازار کھلم کھلا بکتی تھی۔ یہ شرا چانول کی بنائی جاتی تھی راماین میں لکھا ہے کہ بشسٹ جی نے بسوامتر کی سرا سے تواضع کی تھی مہابھارت میں لکھا ہے کہ جادو گر بہت شراب پیتے تھے ہر چند بودہ مذہب نے شراب اور گوشت کا قطعی امتناع کیا ہے لیکن کسی زمانہ میں اس کا تمام و کمال انسداد نہیں ہوا۔

سوسائٹی کے درجے

وید کے زمانہ میں بڑی دو نفریقیں تھیں ایک آریا اور دوسرے قدیم باشندے جو بعد ازاں شودر کے نام سے مشہور ہوئے آریوں کا اعلیٰ اور شریف پیشہ لڑنا اور کھیتی باڑی کرنا تھا جو آریہ لڑائی پر جاتے تھے اُنھوں نے رفتہ رفتہ اقتدار اور اعتبار حاصل کیا اور اُنکے سرغنہ راجا بن گئے مگر جو لوگ لڑائی میں شریک نہیں ہوئے اُن کا نام دیس دلبیا یعنی خانہ دار ہو گیا۔

پہلے ہر شخص کسی رسم یا جگ کے وقت مقتدا نہیں بن سکتا تھا ویدوں میں اکثر راجاؤں کا ذکر آیا ہو جنھوں نے خود مذہبی کاموں میں امامت کی ہے راج رشیوں میں جن کو دینی اور دنیوی دونوں اقتدار حاصل تھے وسوامتر مؤلف گائتری چھتری تھے۔ اوائل میں برہمن جگوں میں محض ایک مددگار ہوتے تھے جو بعد ازاں پروہت یعنی پیشوائے دین ہو گئے اور اس طرح وقار اور غلبہ حاصل ہو گیا۔

کبھی کبھی جنگ اور زراعت متحد کردی جاتی تھی۔ مسٹر کنٹی کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں بڑے بڑے رشی اور منی اور اُنکے بیٹے اور پوتے کھیتی باڑی میں لگے رہتے تھے۔ لیکن جب ضرورت ہوتی تھی تلوار لے کے گھوڑے پر سوار ہوتے تھے اور غنیم کے مقابلہ پر جاتے تھے اس وقت تک برہمنوں کو تلوار پکڑنے کا کوئی خوف نہ تھا اور نہ چھتری ہی ہل چلانے میں کچھ شرم و حجاب کرتے تھے۔ اخیر زمانے تک قومی تفریق کے قاعدے میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔

حرفت و تجارت

ڈاکٹر ٹولسن صاحب اپنی کتاب موسومہ "ہندوستان تین ہزار قبل" میں آریوں کی حسن معاشرت اور تمدن کا بیان اس طرح کرتے ہیں۔ ایام وید میں آریا اکثر مویشی پالتے تھے اُن میں ایک حد تک کاشتکار بھی تھے یہ لوگ گاؤں اور قصبوں میں متوطن تھے اُنکو کپڑے بننے کی ترکیب معلوم تھی یہ لوہے کا استعمال بھی جانتے تھے آلات حرب و ضرب میں تلوار تیر اور برچھی کا رواج تھا۔ پیالے۔ گھڑے۔ چمچے خانگی استعمال میں تھے۔ اُنکے ہاں پیشہ ور حجام بھی تھے قیمتی دھاتوں یا سکوں کا چلن تھا۔ زیورات بھی پہنے جاتے تھے جنگی رتھوں کی کثرت تھی گاڑیوں میں گھوڑے جوڑے جاتے تھے امیروں کے ہاں خواجہ سرا اور غلام ہوتے اُن کو جہازوں اور کشتیوں کا بھی بنانا آتا تھا۔ تمدن اور بحری فنون کا بھی ذکر ہے جو غیر ممالک کے بیوپار و فوجیں آتے تھے۔ ویدوں میں بحر قلزم سے عبور کرنے کی ممانعت نہیں پائی

جاتی غالبًا یہ امتناع بعد کو جاری ہوا ہے۔

جنگ

رگ وید میں اکثر جنگوں کا بیان ہے جو گایوں یا گھوڑوں کے لیئے لڑی گئی ہیں۔ چنانچہ اندر سے یہ دعا مانگی گئی ہے "اے قادر اندر تو ہماری مدد کر ہم گایوں اور گھوڑوں کے لیئے لڑنے جاتے ہیں" آریوں کے مختلف قبائل اپنے اپنے افسروں کے زیر کمان کوچ کرتے تھے ہر قبیلہ کا نشان علیحدہ ہوتا تھا۔ یہ لوگ اپنے آبا واجداد کی بہادری کے رجز پڑھتے تھے اور اندر و برہسپتی کے مناقب ومحامد گاتے اور ناقوس بجاتے تھے۔ رئیس لشکر جنگی رتھوں پر سوار ہوتے تھے بعض لوگ تیر وکمان کا استعمال کرتے تھے اور باقی نیزوں کا۔ فوج میں پیدل اور سوار دونوں ہوتے تھے اکثر اوقات سالار فوج کسی قصبہ پر حملہ کرتا تھا اور اُسکے باشندوں کو تہ تیغ کرکے متصرف ہوجاتا تھا اور کبھی کبھی صرف مال غنیمت ہی پر قانع ہوجاتے تھے۔ چنانچہ اکثر آریا سرداروں نے داس اور دسو قوموں سے جنگ کی اور اُن کو مغلوب کیا ہے۔

جگ کا امتناع

وید کے زمانہ کے بعد ہندوں کے مذہبی عقائد میں بہت کچھ انقلاب ہوا ہے اور اُنکے اعمال وافعال میں بھی تغیر آیا ہے کہا جاتا ہے کہ ان ساری تبدیلیوں کا باعث گوتم بودھ کا اصلاحی مذہب ہی جو دو ہزار چار سو برس قبل مسیح جاری ہوا تھا اس اصلاح کو راجہ اشوک نے بڑی تقویت دی جسکی سلطنت بنگال سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی تھی گوتم کا پہلا حکم یہ تھا "کسی کی جان نہ مارو" یہ حکم ہر جاندار کے لیئے تھا بودھ مذہب کے ہر سالک کو نباتات کے توڑنے کی بھی ممانعت تھی جو اُنکے نزدیک ذی روح خیال کیئے جاتے تھے بودھ قربانی کے خلاف یہ حجت پیش کرتے تھے "وید میں مذکور ہوا ہے کہ جس جانور کی قربانی کی جاتی ہے وہ سیدھا بیکنٹھ پہنچتا ہے پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے باپ دادا کو بہشت چڑہائے تاکہ اُسکو بہشت ملے" گوتم بودھ کا یہ دوسرا حکم تھا کہ کوئی منشی چیز نہ چھوئی جائے بودھ کے یہ دونوں مسائل بہت زور سے ہندوؤں میں جاری وساری ہو گئے تھے۔ چنانچہ اب تک ان تبدیلیوں کا بعض مذہبی کتب سے سراغ ملتا ہے۔

ان تمام اقتباسات پر جو ہم نے ویدوں کے کیئے ہیں منصفانہ اور عاقلانہ نظر کرنے سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آریوں کے علم ادب کے یہ اعلیٰ نمونہ ہیں اور انکے مختلف مصنف ہیں اور انکے زمانہ تصنیف میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ ایک وید کا خلاصہ دوسرے وید میں ہونے سے صاف پایا جاتا ہے کہ مصنف بالکل الگ ہیں اور ایک کو دوسرے سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ وید فی الحقیقت خاکا ہیں اُس زمانہ کی معاشرت کا اور نقشہ ہیں ابتدائی زمانہ کے عقائد کا کہ اول ہی اول انسان نے فطرت کی خارجی اشیا کو کس طرح معبود بنا لیا تھا۔ ویدوں میں اگرچہ کہیں توحید کی جھلکی ضرور پائی جاتی ہے لیکن یہ جھلکی کچھ ایسی مبہم ہے کہ صاف عیاں نہیں دکھائی دیتی ویدوں کے مصنفین نے یہ ضرور خیال کیا ہے کہ ہزاروں معبودوں کے پیچھے ایک ذات واحد اور بھی ہے جو ان سب پر حکمراں ہے مگر اُسکی حقیقت تک اُن کا دماغ نہیں پہنچا اور اُنھوں نے اُسے نہ صرف معطل خیال کیا بلکہ لاشئے

محض بھی سمجھا۔ اُس کے اختیارات سلب ہی نہیں کر لیئے۔ اسکو کامل فنا بھی مانا ویدوں کے مصنفین کے ایسے خیالات کچھ تعجب انگیز اور قابل اعتراض نہیں ہیں کیونکہ ابتدا میں آج تک کسی خاص امر کی آغاز ہی میں تکمیل نہیں ہوگئی ہے۔ خواہ معرفت الٰہیہ سے تعلق ہو یا دنیاوی علوم و فنون سے ہر چیز نے بتدریج ترقی کی ہے اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ وید الہامی ہیں تو بھی یہ بات باقی رہتی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے روحانی تعلیم اپنے اُسی قانون قدرت کے مطابق دی جو وہ روز ازل سے مقرر کر چکا ہے اور جس حصہ قانون قدرت کا ہمیں بخوبی علم ہے۔ جس طرح بچہ بتدریج بڑھتا ہے اور اُسے ابتدائی غذائیں دیجاتی ہیں اسیطرح خداوند تعالیٰ کی طرف سے روحانی تعلیم ملتی ہے انبیا علیہم السلام کے صحائف موجود ہیں جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اُن میں اصلاح ہوتی گئی۔ اور آخر قرآن مجید نے انسانی اور روحانی فضائل کی تکمیل کر دی۔ وید مجموعہ ہیں ہندوؤں کی سادہ معاشرت کے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ ملشی عرق کی یوں کشید ہوتی تھی اور دودھ کا دلیا یوں پکایا جاتا تھا اور جگ اس صورت سے ہوتا تھا اور گایوں اور گھوڑوں کے لیئے یوں خونریزی ہوتی تھی اور ذاتوں کی یہ تقسیم تھی۔ آگ پانی اور آفتاب سے یہ دعائیں کی جاتی تھیں جبتک انسان ان سادہ احکام کے موزوں رہا ویدوں کے مضامین کی اشاعت ہوتی رہی مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اشاعت میں کمی ہوتی گئی اور اخیر اُنکی اشاعت بالکل بند ہوتے ہوتے خیالی رہ گئی۔ شہزادہ گوتما نے ویدوں کے اُصول کو اور بھی صدمہ پہنچایا اور تمام مسلمہ اصول کو غلط اور ناکارہ بنایا۔

گوتما کی ذاتی تاریخ پر اب تک ایک تاریکی چھائی ہوئی ہے اور جو کچھ اُسکی زندگی کے واقعات بیان کیئے جاتے ہیں وہ وحشی فسانوں پر زیادہ مبنی ہیں۔ یہ معلوم ہی نہیں کہ وہ کب پیدا ہوا کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام سے ۶۲۰ سال قبل پیدا ہوا اور حضرت مسیح سے ۵۰۰ سال قبل اُس نے وفات پائی۔ اس میں شبہ نہیں کہ اُسکی حیات و ممات کے اس مشتبہ زمانے میں اُس نے بڑے بڑے نمایاں کام کیئے۔ بودھوں کا اس وقت یہ عقیدہ ہے کہ گوتما ایک عظیم معبود تھا اور صرف خدا کی مخلوق میں امن کی اشاعت کی غرض سے اس دنیا میں بھیجا گیا تھا بڑی بڑی روایتیں اُسکی پیدایش اور چال وچلن کی نسبت مختلف ممالک میں جاری ہیں اور ہر ملک میں نئے انداز سے بیان کی جاتی ہیں مسٹر ایڈون آرنیلڈ نے اپنی کتاب لائٹ آف ایشیا یعنی ایشیا کی روشنی میں اُن روایتوں کا جو چین و جاپان کے مختلف ممالک میں مروج ہیں انگریزی میں ترجمہ کیا ہے تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ گوتما کی زندگی کے واقعات حضرت مسیح علیہ السلام سے بہت ہی ملتے جلتے ہیں کہتے ہیں کہ گوتما کا باپ بڑا ہی عیاش تھا جب یہ جوان ہوا اس نے اس کے لیئے اسقدر سامان عشرت جمع کیا جتنا کہ مشرقی ملک اور مشرقی آب و ہوا مہیا کر سکتی تھی اور اُسکے باپ نے اس بات کی کوشش کی کہ گوتما سے زندگی کے مصائب کو پوشیدہ رکھا جائے مگر جب گوتما کے آگے اُسکے ہموطنوں کی تکالیف کھل گئیں اور تمام انسانی مصائب کے چہرہ سے پردہ اُٹھ گیا تو اُس پر بہت ہی اثر ہوا اُس کا دل بیٹھ گیا اور وہ غم میں دوہرا ہو گیا اور ایسا ایک ہچکولا لگا کہ تمام عیش خیز سامان خاک ہو گیا۔ جب اُس نے دیکھا کہ حسن پر اخیر موت کا سایہ پڑتا ہے بی بی اور بچوں کی محبت بھی اسے انسانی جانکندیوں سے کم محسوس نہیں ہوئی ان مہیب نظاروں نے اُس کا دل اپنی مٹھی میں دبوچ لیا اور اخیر اُس نے تمام عیش و عشرت پر لات مار کے عزلت گزینی اختیار کی جس طرح کہ حضرت مسیح

کے پندرہ برس کے حالات جب وہ اپنے باپ یوسف نجار کے ہاں کام کرتے تھے چھپے ہوئے ہیں اسیطرح گوتما کے گوشہ نشینی کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے صرف اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ گوشہ میں بیٹھ کے اُس نے ضرور دنیا میں امن کی اشاعت کی تدابیر سوچی ہونگی اور بنی آدم کی فلاح کا سامان کیا ہوگا اُس کے تجربہ اور فکر نے اُسے تعلیم دی کہ انسان کے لیے حقیقی راحت کیا ہی یعنی نروآنا یا غفلت خیز آرام کیونکر میسر ہو اس دائمی راحت کے حاصل ہونیکے اُس نے چار طریقے بتائے ہیں اور اُس کا بیان ہے کہ ان چار راستوں سے منزل مقصود آ جاتی ہے۔

ہوتے ہوتے گوتما کو اپنی نبوت کا یقین ہوا کیونکہ بودہ یا بودھا کے معنی نبی کے ہیں جب اُسے پورا پورا یقین ہو گیا تو وہ تنہائی سے نکل کے لوگوں کے گروہ میں آیا اور اُنھیں تعلیم کرنی شروع کی معلوم نہیں کہ نروآنا کے کیا معنے ہیں بعض علمار کا یہ بیان ہے کہ برہما کو گوتما نے نروانا سے تعبیر کیا ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ نہیں نروانا سے غرض غیر فانی حیات ہی۔ آخر الذکر خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ گوتما کے منشا اور مفہوم کے خلاف پڑتا ہے۔ سابق الذکر رائے بہت صحیح معلوم ہوتی ہے اور اس رائے کے بیان کرنے والے بھی وہ علما ہیں جو نہایت مستند اور مسلم ہیں۔ اُن میں ایک مسٹر ایڈون آرنیلڈ ہیں جنکی تحقیق بالخصوص بودہ مذہب میں تمام انگلستان میں نہایت قدر سے دیکھی جاتی ہے۔ اُنکا بیان ہے کہ نروآنا کی توضیح فلسفیانہ اصول پر مبنی نہیں ہے بلکہ خیالی باتوں کی آمیزش اُس میں سرتاپا پائی جاتی ہے۔

پروفیسر بلیکائی کا بیان ہے کہ نروآنا فی الحقیقت ایک خیال ہے جسکی کوئی بھی عاقلانہ بنیاد نہیں ہے چنانچہ وہ بہت زور سے لکھتا ہے کہ ہماری دائمی زندگی فنا کے برقع میں چھپی ہوئی ہے یہ گویا بودہ کے نروانا کا مفہوم ہے اس کے بعد پروفیسر موصوف نے بودہ کی اصولی کتابوں سے چند فقرے نقل کئے ہیں۔ میں بسبب طول کے اُنکا یہاں نقل کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔ لیکن یہ بات دیکھنے کی ہے کہ اُن کل فقروں میں ایک جگہ بھی نروانا کا لفظ نہیں ہے۔ بودہ کا خیال ہے کہ چند خاص راستے ہیں جہاں سے گزر کے روح نروانا میں پہنچ جاتی ہے یہ درمیانی منازل فی الحقیقت خواہش کی اخیر مفہوم ہیں اور بس اسی بنیاد پر کل بودہ مذہب کی عمارت بنی ہے۔

جہانتک غور کیا جاتا ہے یہ تحقیق ہوتا ہے کہ بودہ مذہب والے روح کو اس حیثیت سے نہیں مانتے جس حیثیت سے کہ اور مذاہب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ انسانی حصص اور طاقتوں سے علیحدہ کوئی چیز ہے اور جو موت کے بعد بھی صاحب ادراک رہتی ہے۔ بودہ مذہب کی نروآنا تو صرف ایک فنا کا نام ہے اور گویا اس مذہب میں انسان کے کامل فنا ہو جانے کو مکتی کہتے ہیں۔

گوتما نے اپنی علمی تعلیمات کے لحاظ سے ایک علیحدہ راستہ اپنے سابق کے پیشوایان مذہب ہنود سے اختیار کیا۔ اس میں شک نہیں کہ گوتما کی بہت سی ہدایتیں مثل انجیل کے زیادہ دلفریب ہیں مگر اُن میں طبع انسانی کی فطرت کا بہت کم پاس و لحاظ کیا گیا ہے۔ خاص معاملات میں جب اُسکے اصول پر گہری نظر کی گئی تو معلوم ہوا کہ مسیحی مذہب سے اس میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ اُس کا بہت بڑا منشا یہ ہے کہ دائمی لاشئے محض ہونے کا نام اصلی نجات ہی۔ گوتما کہتا ہے۔ اپنے آپ جہاد کرو وہ کام کرو جو تمھاری خواہشوں کے خلاف ہو دوسروں کی خدمت

ہمہ تن اطاعت ہوکے کرو مگر صلہ کی خواہش نہ رکھو پھر تمہیں انسانی معارف معلوم ہو جائیں گے یہ اصول اگرچہ دیکھنے میں نہایت پیارا اور خوشنما ہے مگر انسانی فطرت سے بہت ہی متغائر آکے واقع ہوا ہے۔ کون شخص ہے جو اپنی محنت کا صلہ نہیں چاہتا اور کس کا دل چاہتا ہے کہ بے انتہا مجاہدوں اور مراقبوں کی شاقہ محنت کے بعد اُسے دائمی فنا کے سمندر میں غرق ہونا پڑے۔ انسان تو انسان جانور بھی اپنی محنت کا صلہ چاہتا ہے۔ اور معمولی تعریف کرنے یا اُس کے سر پہ ہاتھ پھیرنے سے وہ اور زیادہ کام میں مستعدی دکھاتا ہے۔ عیسوی اور بودھ مذہب کے اصول قریب قریب بہت سی باتوں میں مشابہ ہیں اور بظاہر ایسے لطیف اور پیارے معلوم ہوتے ہیں کہ بادی النظر میں یہ کہنا پڑتا ہے کہ اس سے بہتر مذہب اور نہیں ہوسکتا مگر جب گہری نظر کرکے انسانی فطرت سے اُن کا انطباق کیا جاتا ہے تو اول درجہ کا تضاد پایا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنا فرض پورا کر بیٹھتے ہیں تو والدین یا اُستاد کی شاباش سننے کے اُمیدوار رہتے ہیں۔ جب سے دنیا میں انسان کا کھوج ملتا ہے اور جب سے اس کائنات کے لب لباب یعنی انسان کی تاریخ مرتب ہوئی ہے اپنے کاموں سے صلہ لینے کی خواہش اختلاف مرز و بوم پر بھی ہر متنفس میں پائی گئی ہے اور کبھی کسی صدی میں کوئی قوم اس سے خالی نہیں ہوئی۔ کسی وجہ سے اپنی آرزو کا پورا کرنا یہ بھی گویا اپنی کوشش کا صلہ چاہنا ہو مثلاً ایک شخص کی یہ آرزو ہے کہ میں اپنے بھائیوں کی خدمت کروں اور اُس خدمت کا کوئی صلہ نہ چاہوں گویا صلہ نہ چاہنا اُسکی آرزو کو پورا کریگا جب وہ آرزو پوری ہوگئی تو اُسے اپنی محنت کا کامل صلہ ملگیا۔

گوتما بت پرستی کا بہت ہی مخالف تھا اور اس نے اپنے مذہب میں کسی قسم کی پرستش جائز نہیں رکھی۔ مگر لنکا اور چین کا مذہب ہرگز وہ مذہب نہیں ہے جسکی بنا گوتما نے ڈالی تھی۔ اب اُس میں باطل اوہام اور بت پرستی کی پوری آمیزش ہوگئی ہے اور ہونی بھی چاہیئے تھی کیونکہ وہ مذہب کبھی دیرپا نہیں رہ سکتا جو انسانی طبع کے خلاف ہو۔ عیسائی مذہب کی بھی اسیطرح شہرت ہی شہرت رہ گئی ہے اور کوئی نہیں بتا سکتا کہ خود حضرت مسیح کے کیا عقائد تھے اور اُنکی خالص تعلیم کیا تھی۔ ہر بودھ مذہب کے مندر میں جاکے دیکھو گوتما بت کی صورت میں تشریف رکھتے ہیں اور اُنکی پرستش کی جاتی ہے۔

یونان میں خدائے واحد کی پرستش کی منادی کرنے والا سب سے اول حکیم زنوفن ہوا ہے اس کا پہلا منشا یہ تھا کہ ہومر اور ہیسیڈ نے لوگوں کے دلوں میں خیالی معبودوں کا جو نقش کر رکھا ہے اُسے چھیل ڈالوں وہ بیان کرتا ہے "آدمیوں اور دیوتاؤں میں صرف ایک قوت والا خدا ہے۔ وہ نہ جسم رکھتا ہے نہ ضمیر۔ انسان اپنے طور پر خیال کرسکتا ہے کہ دیوتا پیدا ہوتے ہیں ہمارا سا لباس پہنتے ہیں اور ہماری شکل و صورت رکھتے ہیں اگر اسیطرح بیلوں اور شیروں کے بھی ہاتھ ہوں اور وہ مثل انسان کے نقش و نگار کرسکیں تو وہ بھی دیوتاؤں کی سی صورت بنا سکتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں گھوڑے گھوڑوں کی سی ہیئت اختیار کرتے ہیں اور بیل بیلوں کی سی۔

اس اُصول میں زنوفن سے ایک چوک رہ گئی اور وہ یہ ہے کہ اُس نے یہ نہیں سمجھا کہ بہ نسبت جانوروں کے آدمی اپنے دیوتاؤں کا زیادہ ہمشکل ہوتا ہے اور اگر یہ بھی ہم فرض کرلیں کہ شیر اور بیل کے ہاتھ ہوں اور وہ نقش

ونگار کرنا اور اپنے کو آراستہ کرنا جانتے ہوں پھر بھی اخیر اُنھیں کسی نہ کسی کی اقتدا کرنی پڑے گی کیونکہ انسان بھی تو ہمشکل ہونے پر اقتدا ہی کرتا ہے تو بھی یہ حکیم تعریف کے قابل ہے کیونکہ بت پرستی کا سخت مخالف ہے اور توحید کا مذہب رکھتا ہے اور خدائے قادر مطلق کی ہستی پر اُس نے بہت کچھ دلائل دیئے ہیں۔ مثل ارسطو کے وہ بھی اس بات کا قائل ہے کہ ضرور وحدہٗ لاشریک کوئی ذات ہے اگرچہ اُسکی ماہیت پہچاننے میں اُس نے غلطی کی ہے اُس نے اخیر میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل کائنات ایک ہی ذات سے وابستہ ہے اور یہی ایک ذات ہے جو قدیم بھی ہے اور غیر تبدیل کمال اس میں پایا جاتا ہے پھر وہ لکھتا ہے کہ یہ عالم جو ہمیں دکھائی دیتا ہے محض بے اصل ہے اسکی کچھ بھی ہستی نہیں یہ سب کچھ ہمارے ضمیر کا پرتو ہے۔

حکیم زینو نے اس خیال پر اور بھی رنگ چڑھا دیا اور مثل ہندو فلسفیوں کے اُس نے تو یہانتک کہا کہ نہ محسوس دنیا کی کچھ ہستی ہے اور نہ اُس خیال کی کچھ ہستی ہے جو ہمارے دل میں موجود ہے جس ذات کی نسبت وہ بحث کرتا ہے اُسکی صفات ہندوں کے برہما سے ملتی ہیں اور جس غیر ذات کی نسبت اُس نے استدلال کیا ہے اُسکے معنی بالکل مایا یعنی خیال باطل کے ہیں وہ کہتا ہے کہ ضرور ایک روح یا ادراک ہے جو مادہ کے اندر باہر کام کرتا ہے لیکن مادہ سے علیحدہ ہونے پر اُسکی زندگی قائم نہیں رہتی مع انسان کے تمام چیزیں خدا کے حصے ہیں۔ خاص ضرورتوں سے اُس سے علیحدہ ہوگئے ہیں مگر پھر اُسی میں جاکے ملجائیں گے اس لیے نہ کوئی خود مختارانہ زندگی ہے اور نہ کوئی آزاد مرضی ہے مثل گوتما بودہ کے اُس نے تعلیم دی ہے کہ عاقل وہ شخص ہے جو تمام خوشیوں سے اپنے کو علیحدہ رکھے اور اپنے کو موت کی مصیبتوں اور بلاؤں سے بچنے کے لیئے ہروقت آمادہ رکھے۔ اس حکیم نے خودکشی کی بھی بڑی زبردست تعریف کی ہے اور وہ بودہ سے زیادہ خوش قسمت ہے کہ خودکشی سے تناسخ کا خوف اُسے متعلق نہیں رہا ہے۔ گرم حمام میں بیٹھ کے کسی رگ کے منہ کھولدینے سے یا ایک زہر کا پیالہ پینے سے یا ایک انچ لوہے کے صیقل کیئے ہوئے ٹکڑے سے تمام خواہشوں کی بآسانی تکمیل ہوسکتی ہے اور ایک دانا شخص گویا اس طرح جس لمحہ چاہے دائمی آرام حاصل کرسکتا ہے۔

عالم کو خدا ماننے کے موجودہ عقیدہ کا بانی اسپینوزا سمجھا گیا ہے اور اس نے اپنی کتابوں میں بہت کچھ برونو کی تصنیفات کی نقل کی ہے۔ آخرالذکر عالم سنہ ۱۶ء میں رومۃ الکبریٰ کی شاہراہوں میں جلادیا گیا تھا اور پادریوں نے اس پر کفر کا فتوی دیا تھا حکیم اسپینوزا سے بھی وہی غلطی ہوئی جو زنوفن کو ہوئی تھی بجائے اسکے کہ وہ فطرت اور انسانی ضمیر کے لحاظ سے اپنی بحث شروع کرتا اور پھر اس سلسلہ سے توحید خدا تک پہنچتا پہلے ہی سے اُس نے خدا کی بابت بحث شروع کردی اور خدا کی تعریف بیان کرنے لگا۔ اُس کا سب سے بڑا اصول یہ ہے کہ سوا اپنے کسی چیز کی ہستی نہیں پاتا۔ وہ کہتا ہے جو چیز پیدا کی گئی ہے اُس میں ذاتی زندگی نہیں ہوسکتی۔ کوئی شے پیدا ہی نہیں ہوسکتی خیال ایک باطل وہم کا نام ہے جو چیز موجود ہے خدا کا حصہ ہے جو ایک بسیط ذات ہے اور اُس میں لاانتہا صفات موجود ہیں جتنی چیزیں ہم دیکھتے ہیں سب اُسکی صفات ہیں اور اُسکی ہستی کی شہادت دیتی ہیں اس لیئے انسان میں کوئی خودمختارانہ زندگی نہیں ہے نہ اخلاق کوئی چیز ہے نہ صدق و کذب کوئی شے ہے یہ سب فی الحقیقت خدا کے مختلف

کام ہیں۔ ذاتی ذمہ داری اور کائنات کے پیدا ہونے کی نسبت ہمارے کل خیالات محض لغو اور بے بنیاد ہیں اِسکے بعد ہیگل پیدا ہوا اور اس نے سابق الذکر حکیم کی کسی بات میں تردید اور کسی میں تائید کی مگر کوئی اصول بات کا کہ جو طبع انسانی کے ماننے کے قابل ہو پیدا نہ کر سکا۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ مذہبی خیالات کی اس وسعت اور ترقی نے موجودہ یورپ پر کیا اثر ڈالا اور وہاں ان خیالات نے کیا رنگ اختیار کیا ہے۔ اہل جرمنی نے عالم کو خدا ماننے کے عقیدہ سے ایک نیا عقیدہ پیدا کیا اور وہ مذہب بودہ مذہب سے بالکل ملتا ہے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ بودہ کے مذہبی اصول کو اُنھوں نے یوروپی زبان کا لباس پہنا دیا ہے اِس نئے مذہب کا جو براعظم یورپ میں پھیلتا جاتا ہے آرتھر شوپن ہر بانی ہوا ہے اور اُسے پیسی ازم کہتے ہیں۔ فاضل مذکور نے اپنے مذہبی اُصول کو کسی قدر عاقلانہ بنیادوں پر قائم کیا ہے وہ کہتا ہے کہ تیقن تمام چیزوں کا اصل الاصول ہے اور یہی تمام کائنات میں ایک چیز ہے مگر اس تیقن میں ادراک نہیں ہے لیکن یہ اپنی ہی فطرت سے ایک مدت میں ادراک پیدا کر لیتا ہے اور صرف زندگی تک اُس میں یہ قوت باقی رہتی ہے جب تک یہ ایکبار اور ہے ادراک نہیں ہو جاتا اُسے کامل آسایش یا کامل امن میسر نہیں آتا۔ یہ دنیا مجسم تضحیک ہے اور یہ اتنی بُری ہے کہ اس سے زیادہ بری خیال میں نہیں آسکتی کیونکہ اس میں بغیر گناہ کے بھی تکلیفیں سہنی پڑتی ہیں۔ اگر اس دنیا میں تھوڑی سی بُرائی ہوتی پھر بھی یہ بہتر ہوتی کیونکہ پھر انسان زیادہ رہنے کی خواہش نہ کرتا اور جب اسکی زندہ رہنے کی خواہش تمام ہو جاتی اسکی زندگی اُسکے ساتھ معاً ختم ہو جاتی۔

میں ضرور خودکشی کی سفارش کرتا ہوں اور دعویٰ کرتا ہوں کہ اس سے بہتر رستہ تیقن کو ادراک کی قوت سے مضبوط بنانے کا اور نہیں ہے۔ بودہ نے خودکشی کو برا کہا ہے جیسا کہ ہم اُوپر بیان کر چکے ہیں اس کا مقولہ ہے کہ اپنی ہستی کو بھول جانا اور خودی کو نکال ڈالنا ہی خودکشی کرنا ہے مگر ہمارا جرمنی فلاسفر یونانی حکما کی تقلید پر خودکشی کو اعلیٰ درجہ کی راحت خیال کرتا ہے مگر تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ اُسنے اپنی ذات کے لیئے خودکشی روا نہیں رکھی ہے۔ اس خیال کے لوگ روز بروز ہوتے جاتے ہیں اُن کا خیال ہے کہ بتدریج دنیا سخت زبون ترین حالت کو پہنچے گی اور تمام انسانی نسل میں توالد و تناسل بالکل بند ہو جائیگا اور سب انسان سخت اور مہیب آفتوں سے بچنے کے لیئے خودکشی کریں گے۔ یہانتک کہ کامل فنا یعنی نروانا حاصل ہو جائیگی ساتھ ہی ان لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ دنیا کے فنا ہونے پر قوت تیقن زندہ رہے گی اور پھر اس سے نئی دنیا پیدا ہونے کا سلسلہ شروع ہوگا۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ اس غمناک مذہب اور عالم کو خدا ماننے والے مذہب میں کوئی بھی تعلق نہیں ہے اور دونوں مذاہب کے اصول محض شاعرانہ ہیں۔ واقعات سے کسی کو بھی کوئی سروکار نہیں۔ یہ خوب سمجھ لیا جائے کہ جسے ہم مادہ یا رُوح یا خدا کہتے ہیں اگر وہ ایسی ذات ہی کہ اُس میں اپنی مرضی سے حکمرانی کی قوت نہیں ہے اور نہ وہ کوئی انتظامی قانون بنا سکتی ہے تو سمجھو کہ کسی اخلاقی ذمہ داری کا نام کائنات میں نہیں ہے اگر ہم خدا ہی کے اجزا ہیں تو پھر وہ کسی امر میں ہم میں گناہ نہیں پا سکتا نہ ہمیں اسکی ضرورت ہی کہ ہم کیا ہیں اور کیا ہونے والے ہیں۔ ہماری ذاتی پسندیدگی اور ذاتی ارادہ کا ادراک کرنا محض ایک غلطی ہے۔ ہم اپنے ارادہ سے زندہ نہیں ہیں۔

ہم خدا کی رہنمائی پر چلتے ہیں۔ جب ایک شخص جو عالم کو خدا مانتا ہے کسی ذات کی عبادت کرتا ہے تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں ایسی ایک غیر ادراک ذات کی عبادت کر رہا ہوں جس کا میں ایک جزو ہوں۔ یہاں عابد و معبود کی گویا ایک ہی حالت ہے پرستش کرنے والا اور وہ چیز جس کی پرستش کی گئی ہے ایک حالت رکھتی ہے۔ اپنے مقصود کا اعتراف کرنا لغو ہے۔ تو یہ ایک باطل خیال ہے۔ تصدیق ایک بیوقوفانہ کام ہے۔ یہ ساری ایسی بے بنیاد باتیں ہیں جنکی لغویت عیاں ہے اور اس سے بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ جب قدیم فلسفیوں نے عبد اور معبود کے تعلقات کے بیان میں ایسی صریح غلطیاں کی ہیں تو کیونکر خیال ہو سکتا ہے کہ خدا اور اُس کے رازوں کا اُنھیں خفیف سا بھی علم ہوگا۔

نبوت اور نبی کے باریک راز اور پھر معجزوں کا اُنکی ذات کے ساتھ تعلق ہونے کو جاننا ایک مستبعد امر ہے فی الحقیقت فلسفہ کی جدوجہد نے انسانی خیال کو بہت ہی وسعت دیدی اور تخیلات کے نئے نئے عالم بنا کے کھڑے کر دیئے مگر فی الحقیقت حقیقت کو ان سے کچھ بھی واسطہ نہ تھا اور معرفت کے خم پر اُس وقت تک مہر لگی رہی جبتک کہ کائنات کا برگزیدہ اور فطرت کا لب لباب نہ پیدا ہوا اور اُس نے کائنات کے سر پر قدم رکھ کے اُس مہر کو اپنے ہاتھ سے نہ کھولا۔

جتنے حکما کے اقوال کہ اُوپر نقل ہو چکے ہیں وہ اصل میں ایک سایہ ہیں انسانی ادنیٰ اور اعلیٰ مگر ابتدائی خیالات کے خدا اور اسکی لازوال قوتوں کو اُن خیالات سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے کائنات کا انتظام ابتدا سے جس ڈھنگ پر چل رہا ہے اسکی کنہہ کو کسی کا دماغ نہیں پہنچا۔ ان حکما نے ظاہری اسباب پر طبع آزمائیاں کی ہیں مگر گہرائی تک پہنچنے کا اُنھیں خیال ہی نہیں پیدا ہوا۔ پیدا ہوئے تعلیم پائی اور اپنے چند ہمخیال بنا لیئے اور چل بسے۔ نہ تمدن میں اُن سے کچھ اصلاح ہوئی اور نہ خدا کی مخلوق کے مصائب کو کھو سکے افلاطون الٰہی نے اپنے استاد سقراط سے تناسخ میں بہت بڑا اختلاف کیا ہے اور خدا کی ہستی کی ایک حد تک شہادت دی ہے اسیطرح ارسطو نے کم و بیش خدا کو مانا ہے اُسے سوائے فلسفیوں کے اور لوگ سمجھے نہیں ہیں۔ نہ انھیں علم الاقوام کی خبر تھی اور نہ علم ہیئت پورے طور پر آتا تھا نہ وہ کائنات کے نظام کی باریکی کو پہچان سکے۔ اُنھیں اس کا خیال ہی نہ پیدا ہوا کہ خدا کا ہاتھ بھی ہر چیز میں کام کرتا ہے اور نہ صرف اس دنیا میں بلکہ ہزاروں عالموں میں بغیر اسکی مرضی کے ذرہ بھی نہیں ہلتا۔ دنیا میں ہزاروں قومیں اور لاکھوں خاندان ہوئے نشو نما پائی پھلے پھولے ترقی کی اور برباد ہو گئے اور اخیر ایسے صفحۂ ہستی سے مٹے کہ کسی نے بھی نہ جانا کہ وہ یہاں پیدا ہوئے تھے یا نہیں۔ یہ کیا قوت ہے جو نئے نئے رنگ بدل رہی ہے اور یہ کیا انتظام ہے جو اس طرح چل رہا ہے۔ یہی دنیا۔ یہی سرزمین یہی ممالک پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو گئے اور کسے معلوم ہے کہ آیندہ کیا ہونگے۔ مادہ اگر کل چیزوں کی جڑ ہے تو اس میں یہ ادراک کیونکر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اپنی کس صفت سے کائنات کے تماشہ گاہ پر نئے نئے روپ میں جلوہ کر رہا ہے اور اُس کے تماشوں کی جدت میں کبھی فرق نہیں آتا۔ مثلاً ایک بار بنی اسرائیلی تماشہ گاہ پر نمودار ہوئے اور وہ تماشے دکھائے کہ عالم سکتہ میں رہ گیا اُنکی قومی ترقی اُنکی حکومت کی وسعت اُنکی بلند خیالی اُنکے

شاہوں کے جاہ و جلال اُنکے سپاہیوں کی شجاعت اُنکے انبیا کی تعلیمیں جب یہ سب اپنا دورہ پورا کر چکیں یکایک فنا کا پردہ پڑ گیا اور وہ سب آنکھوں کے آگے سے غائب ہو گئے نہ بادشاہ رہے نہ سپاہی رہے نہ انبیاء رہے پھر نیا دانہ نیا پانی شروع ہوا اور دوسری قوم تماشا گاہ پر نمودار ہوئی اس نے وہ زور پکڑا وہ زور پکڑا کہ تمام دنیا کو تھرا دیا اور پھر وہ بھی اپنی عمر پوری کر کے چلتی بنی۔ رومۃ الکبریٰ کی شوکت کارتھج والوں کا اتفاق قومی اور دبدبہ یاد ہے اخیر وہ ترقی یافتہ قومیں کہاں گئیں اور اُن کا کہاں کھوج ملیگا۔ کروڑوں مخلوق اور سب کے خیالات جدا جدا سب کی صورتیں الگ الگ سب کی ضرورتیں علیحدہ علیحدہ اخیر یہ کیوں ایک ہی مادّہ ہے جو سب میں موجود ہے پھر یہ اختلاف عظیم کیوں؟ کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے۔ اور کوئی بڑا زبردست ہاتھ ہے جو ان تغیرات میں اپنا کام کر رہا ہے انسانی تاریخ کو بغور دیکھنے والا خدائے مطلق و واحد کا کھوج اچھی طرح لگا سکتا ہے بشرطیکہ بیدار دل اور روشن ضمیری سے اُس کا مطالعہ کرے۔ کیوں بڑے بڑے عقلا کے منصوبے بگڑ جاتے ہیں اور کیوں اولوالعزم ارادوں پر خاک پڑ جاتی ہے کیوں ہزار ہا سال سے کائنات کا ایک ہی سلسلہ چلا آتا ہے اور کیوں نہیں اُس میں فرق پڑ جاتا وجہ کیا کہ بڑے بڑے حکما ایڑیاں رگڑ کے مرجائیں اور اُنکے معتقدوں کی تعداد اُنگلیوں پر ہو اور کیوں ایک یتیم بے یار و مددگار بچہ عالم کا سرتاج بن جائے۔ یہ خاص راز ہیں جو ابھی تک نہیں کھلے ہیں اور یہ خاص باتیں ہیں جو عقل کو چکر میں ڈالتی ہیں اور فہم کو پریشان کرتی ہیں۔ یونانی یا مصری یا ہندی حکما کی محض ابتدائی حالت تھی اور اُس حالت میں جو کچھ اُنھوں نے کیا ہے وہ بھی تعریف کے قابل ہے کسی نے فطرت کی خارجی اشیا کی پرستش کی اور اُن ہی کو اپنا معبود بنایا کوئی اُس سے بھی آگے گزر گیا اور اُس نے کائنات کے خالق کا پتہ لگایا مگر پھر گیا۔ رہے سب نیم پختہ خیالات اور محض ابتدائی حالت میں کسی نے تفصیل سے عبد اور معبود کے تعلقات پر بحث نہیں کی اور کسی کا خیال یہانتک نہیں پہنچا خدا کی مخلوق کے بڑے حصہ نے اِن حکما سے کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ مصائب میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی اور اُنکے پیچیدہ فلسفیانہ مقولے امرا اور حکمرانوں کا ہاتھ ظلم سے نہیں روک سکے۔

افلاطون کے زمانہ میں ہر نو پیدا بچہ جو کمزور خیال کیا جاتا تھا فوراً ممتا بھری ماں کی گودی سے چھین کے دفن کر دیا جاتا تھا۔ افلاطون کی آنکھوں کے آگے یہ ظالمانہ کارروائی ہوتی تھی اور وہ بے پروائی سے دیکھتا تھا مگر افسوس سے یہ سنا گیا ہے کہ اُس نے ایسا کرنے کا خود فتویٰ دیدیا تھا۔ ارسطو کی حکمت سکندر اعظم کو مظالم اور وہ بھی مہیب مظالم سے کم باز رکھ سکی۔ زنوفن نے کیا کیا اور لوسٹن نے کیا فائدہ پہنچایا اور سقراط نے بیلوں اور بکریوں کے کان میں باتیں کر کے خدا کی مخلوق کی کیا اصلاح کی۔ اب اُنکی حکمت کہاں ہے اور اُنکے معتقدوں کی تعداد کتنی ہے۔

خوب سمجھ لیا جاتے کہ فطرت کے رازوں اور معرفت آلہیہ کو فلسفہ اور منطق کی باریکیوں سے بیرہے جتنی عقل آرائی کروگے معاملہ اور بھی پیچیدہ ہوتا جائیگا۔ انسان بغیر خدا کی مدد کے کچھ نہیں کرسکتا اور اس کا کوئی فعل جب تک خدا کا ہاتھ اس میں شریک نہ ہو کبھی دیرپا نہیں رہ سکتا۔ یوں تو سب کے خیالات الگ الگ ہیں اور ہر شخص کو اختیار

ہے کہ اپنی ذاتی رائے چاہے جو کچھ قائم کرے مگر انصاف سے یہ بھی دیکھنا ضرور ہے کہ کذب کی حکومت دیرپا نہیں ہوتی پرنہیں ہوتی۔ ہزارہا حکیم ہوئے اور صدہا آدمیوں نے نبی ہونے کا دعوی کیا اور وہ وہ جال پھیلائے جن کا حد و پایاں نہیں پھر وہ کیوں کر مٹ گئے اور کیوں اُنکے نام و نشان صفحۂ دنیا سے مٹ گئے اگر یہ کہیں کہ دنیا میں ابتدا سے جاہل زیادہ پیدا ہوتے ہیں اور اُن میں مافوق الفطرت باتوں کے قبول کرنیکا مادہ بہت ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوگا کہ کاذب نبیوں کے وقت میں بھی تو ایسی مخلوق موجود تھی انکی کیوں نہیں عالمگیر سلطنت ہوئی اور کیوں نہیں دنیا کے ایک بڑے حصہ نے اُنھیں تسلیم کیا؟ لامحالہ جواب یہی دیا جائیگا کہ اور بھی ایک قوت ہی جو راز دارانہ کام کر رہی ہے اور وہ کبھی جھوٹے کو رسنہ نہیں دیتی نہ اُسے دیرپا رکھتی ہے۔

علوم جدیدہ فتوی دیچکے ہیں کہ جس خاص معاملہ میں مختلف رائیں یا جس خاص بات میں ایک گروہ کا اختلاف ہو وہ مسئلہ ہی سرے سے لغو اور بے بنیاد ہے ہم اس فیصلے کو مانتے ہیں اور بہت زور سے کہتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے ہم نے جتنے حکما کے اقوال نقل کیے ہیں وہ خاص ایک مسئلہ میں بالکل مختلف ہیں اس لیئے وہ مسئلہ ہی ہم غلط سمجھتے ہیں جس پر صدیوں سے بحثیں ہوتی چلی آتی ہیں برخلاف انبیا علیہم السلام کے کہ وہ سب ایک مسئلہ پر متفق ہیں اور صدیوں پر صدیاں گزرنے کے بعد بھی کسی نبی نے اُس پر اختلاف کیا۔ حضرت آدم سے لیکے حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک سب نے ایک ہی خدا ہونے کی شہادت دی اور ایک نبی نے دوسرے نبی کی بہت زور سے تصدیق کی اس لیئے یہ مسئلہ بالکل صحیح ہے اور اسکی صحت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں۔ ابراہیم علیہ لسلام ہوئے تو یہی کہتے آئے خدا ایک ہے اُسی کی عبادت کرو داؤد علیہ السلام آئے تو یہی کہتے آئے۔ یعقوب علیہ لسلام نے کی تو یہی تلقین کی غرض کسی نے بھی خفیف سی تبدیلی نہیں کی کون کہہ سکتا ہے کہ اب بھی اس مسئلہ کی صداقت میں کچھ فرق رہا۔ اور کون شبہ کر سکتا ہے کہ ذرہ برابر بھی فرق اس عقیدہ میں پایا جاتا ہے یہ ہے صداقت اور یہ ہے راستبازی اور یہ ہے فطرت کا راز جسکی ہوا تک کسی فلسفی کو نہیں لگی اور کل حکمار کا خاتمہ زندگی کے محض ابتدائی اصول پر ہوا۔

یہ اُس اہم اور عظیم مسئلۂ نبوت اور معجزہ کی تمہید ہے جو ہمنے بیان کی ہے اور ہم آگے اسے اور بھی توضیح کے ساتھ بیان کرینگے تاکہ اس مسئلہ کا ہر پہلو ایک حد تک حل ہو جائے اور فطرت کا راز صاف طور پر معلوم ہو جائے اسکے بعد ہم نبوت اور معجزہ کی حقیقت کو بیان کرینگے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہماری یہ تحریر ناظر تفسیر کو بہت فائدہ پہنچائے گی۔ اور اُسے اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور فائدہ ہو جائیگا کہ وہ گزشتہ اور موجودہ زمانے کے الحادی خیالات اور اُن حکمار کی منتشر رایوں کا مطالعہ کرکے اُنکی اصلی حالت کو پہچان جائیگا اور بخوبی سمجھ لیگا کہ صدق کی ہوا بھی ان خیالات کو نہیں لگی ہے۔ التجا ہے تو صرف یہ ہے کہ ہمارے اس مضمون کو غور سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیئے کیونکہ یہ مثل اور مضمونوں کے زیادہ سہل اور ممکن الفہم نہیں ہے۔

جو کچھ اُوپر لکھا جا چکا اُس سے یہ ناممکن ہے کہ ہم فطرت میں کسی الہام یا وحی یا اُس طریقہ کا پتا لگا سکیں جو

خداوند تعالیٰ اپنے بندوں سے باتیں کرنے کا رکھتا ہے نہ یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اس دنیا کی پیدائش اور نظام کائنات میں خدائے تعالیٰ کا کیا مقصود ہے اور اسکی علت غائی کیا ہے اگر یہ سلسلہ صرف اس بنا پر ہے کہ اس کا رنگ یوں ہی بنتا بگڑتا رہتا ہے اور کچھ اُس سے سروکار نہ ہو تو فی الحقیقت یہ محض بے بنیاد ہے۔ اتنا عظیم سلسلہ جو خیال میں بھی نہ آسکے اور اُس کا یہ باقاعدہ انتظام ضرور کسی ایسے مقصد کو پورا کر رہا ہے جس تک ابھی ہمارا خیال نہیں پہنچا ہے اور نہ اُمید ہوتی ہے کہ ہم اُسے پاسکیں ہم اپنی بساط کے باہر کبھی کوئی کام نہیں کرسکتے ہماری ناچیز عقل کبھی اُن باتوں کا کھوج نہیں لگا سکتی جو اسکی رسائی سے باہر ہیں۔ الہام اور ملہم کے تعلقات کو سمجھنا واقعی ایک کٹھن کام ہے اور اُس کا پالینا ایک مشکل امر ہے جبکہ ہم انسانی خیالات کی گہرائی کو نہیں پاسکتے اور خود اپنے تصورات کی دوڑ کے ساتھ نہیں چل سکتے تو کیونکر ممکن ہے کہ ہم فطرت کے سب سے اہم اور اعلیٰ راز کو پالیں گے قرآن مجید نے اگرچہ معجزہ۔ نبوت۔ الہام اور وحی کو صاف طور پر بیان کیا ہے لیکن سوائے الفاظ کے ظاہری مطالب کے اور کیا خاک سمجھ میں آسکتا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ نبوت۔ معجزہ یا الہام و وحی کی توضیح کوئی اعلیٰ درجہ کی بنیاد پر قائم ہو سکتی ہے یا یہ کل اُمور محض خیالی ہی خیالی ہیں اور انھیں انسانی خیال کا صرف ایک اُبھار ہی سمجھیں۔

ہم پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ خاص اس اہم معاملہ میں جو کچھ موجودہ فلسفی مل نے لکھا ہے اُسی کو نقل کر دیں تاکہ پھر ہم کو اپنے طور پر لکھنے کا موقع ملے۔ مل لکھتا ہے "میرے مضمون الہام کو اس سے کچھ بحث نہیں ہے کہ میں عیسائیت یا کسی دوسرے مذہب کے علوم متعارفہ کو وحی یا الہام کے بارے میں بطور شہادت پیش کروں ان کل مذاہب کا دعویٰ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے ہیں۔ لیکن اس قسم کا عام خیال کوئی خاص سلسلہ اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔ ہاں عام طور پر الہام مانا جاتا ہے جو ان تمام خیالات کا اصل الاصول ہے الہام اور معجزہ کا مفہوم ایک ہی معلوم ہوتا ہے مثلاً قانون قدرت کی سلطنت میں ربانی مرضی کی براہ راست مداخلت کرنا اور ہم اپنے اسباب میں اس اصول پر بحث کریں گے۔ مفروضہ خدا جس نے دنیا بنائی اور اپنی مخلوق کی خوشی کے سامان مہیا کیے تو اس بنا پر معجزہ پیدا ہوا ہے کہ جو ذات وحدۃ الوجود کائنات پیدا کر سکتی ہے اُس میں یہ بھی قدرت ہونی چاہیئے کہ وہ اسکی تراش خراش یا اس میں قطع و برید بھی کر سکے یہ ساری باتیں محض خیالی اور بے بنیاد ہیں۔ اس قسم کا آسمانی تعلق کسی انسان کو نہیں ہو سکتا وہ فرضی ذات نہ انسان کو کچھ دے سکتی ہے اور نہ کسی علم کیطرف اسکی رہنمائی کر سکتی ہے نہ انسانی زندگی کی مشکلات کو وہ حل کر سکتی ہے۔ سوال صرف یہ ہے۔ کیا کوئی شہادت ایسی مل سکتی ہے جس سے ربانی الہام کی صداقت ہو جائے تو پھر یہ سمجھنا چاہیئے کہ اُس شہادت کی فطرت کیا ہوگی اور وہ شہادت اپنے ساتھ کیا وزن رکھے گی" یہانتک مل کا بیان ہوا اُسکے سوالات کا جواب دینا مشکل نہیں ہے مگر خرابی یہ ہے کہ وہ سرے سے خدا ہی کا قائل نہیں پہلے اُسے خدا کی ہستی سمجھائی جائے اور پھر اُن تعلقات پر بحث کیجائے جو عبد اور معبود میں ہیں ہم اگر خدا کی ذات پر بحث کرینگے تو ہمارا مقصود ساقط ہو جائے گا ہمیں صرف معجزہ اور نبوت پر بحث کرنی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ اسی بحث سے تمام شبہات رفع ہو جائیں گے۔

ہمارے علما نے معجزہ کے جو معنی لیے ہیں اور جس صورت سے وہ معجزہ کو سمجھے ہیں فی الحقیقت اُنھوں نے فطرت کے بڑے راز کی کچھ بھی وقعت نہیں کی اور اُسے بازاری آدمیوں کے ہاتھوں میں دے کے اُس کی سخت توہین کی ہے۔ یہ سمجھنا چاہیئے کہ معجزہ اگر اس کا نام ہے کہ ایک فعل کو دیکھ کے عقل عاجز ہوجائے اور اُسکی کنہ تک نہ پہنچ سکے تو یہ بہت ہی معمولی بات ہے ہزاروں کام ہیں اور ہماری سمجھ میں نہیں آتے اور ہزاروں فن ہیں جن کے سمجھنے کا ہم خیال بھی نہیں کرسکتے کیا ہم اُن انسانی افعال کا نام معجزہ رکھیں گے؟ یہ نہ معجزہ ہے کہ خشک درخت میں میوہ لگ جائے چٹانوں سے شیریں پانی کا چشمہ بہنے لگے اور جنم کے اندھے بینا ہوجائیں کوڑیوں کو آرام ہوجائے گھوڑا آسمان پر اُڑنے لگے خلاف ہوا پانی برسنے لگے۔ یہ باتیں نہ صرف مجنونانہ خیالات ہیں بلکہ اُسکی بھی سخت توہین کی باعث ہیں جس کی ذات سے ان واقعات کی نسبت دیجاتی ہے خدا تعالیٰ نبی کو اس لئے معبوث نہیں کرتا کہ وہ اُسکے قانون قدرت کو ہمیشہ بدلا کرے اور اُس کے کڑوروں برس کے قواعد کو ہوش سنبھالتے ہی ستیاناس کرنے لگے یہ قانون قدرت ہوچکا ہے کہ جب درخت کے ریشوں میں زمین سے عرق چوسنے کی طاقت سلب ہوجائے اور وہ اپنی کل رطوبت سے بےبہرہ ہوجائیں ہرگز پھل نہیں دیسکتے اور نہ اُن میں دوبارہ سرسبز ہونے کی قوت باقی رہتی ہے اب ایک شخص اُسی کو سرسبز کردے اور خلاف معمول اُس میں میوے لگادے یہ تو گویا اُسنے آتے ہی قوانین قدرت پر ہاتھ صاف کیا اور اگر یہ بات نہیں ہے اور اُس نے دوسرا پہلو اختیار کیا ہے یعنی چیزوں کی اصلی فطرت کو نہیں بدلا ہے بلکہ لوگوں کو نئی صورت یا خلاف فطرت ہیئت میں دکھا دیا ہے تو اُس نے خدا کی مخلوق کو بڑا ہی دھوکا دیا کہ چیز تھی کچھ اور دکھائی کسی صورت میں گئی۔ آج دنیا میں کسی نبی کے ایسے معجزہ کا پتہ نہیں لگتا جو خلاف فطرت باری تعالیٰ کسی زمانہ میں ظہور پذیر ہوا ہو اور کچھ نہ کچھ اُس کا اثر باقی ہو مثلاً کسی نبی نے کسی پہاڑ سے چشمہ بہادیا مگر آج جا کے دیکھو تو وہاں نہ چشمہ ہے نہ تری ہے نہ سبزہ ہے۔ اور اگر ان باتوں کو فرض کرلیں کہ یہ صحیح ہیں تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ معجزہ کے دکھانے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ اگر ایک شخص نے سوکھے درخت میں میوہ لگا دیئے اور وہ کھلا بھی دیئے تو اخلاقی اثر ان پھلوں کا کھانیوالے پر کیا ہوا۔ انسانی تمدن میں اس سے کیا ترقی ہوئی۔ کوئی شخص کسی ایسے درخت کا پتہ دیسکتا ہے کہ اب بھی اُس میں پھل لگتے ہیں یا کسی ایسے شہر کا نشان بتا سکتا ہے جو معجزہ سے بسایا گیا ہو اور وہ اب تک آباد ہو جب یہ بات نہیں ہے تو نبیوں کے معجزے اور ولیوں کی کرامتیں محض ہنگامی ہوئیں اور ایسی ہنگامی باتوں کی جسقدر قدر منزلت ہوسکتی ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ قرآن مجید نے جہاں اور مافوق الفطرت باتوں سے انکار کیا ہے وہاں اس قسم کے معجزوں سے بھی پہلو بچایا ہے اور جب کبھی معجزوں کے طلبگاروں کے آگے کوئی بات پیش بھی کی ہے وہ فطرت اور اُسکے گہرے رازوں کی ہے۔

ہماری اس تحریر سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہمیں نفس معجزہ سے انکار ہے بلکہ ہم معجزہ کو مانتے تو ضرور ہیں مگر اُسکے ایسے محدود معنی نہیں لیتے جو عام طور پر سمجھ لیئے گئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ معجزہ فطرت کا بہت بڑا راز ہے کہ جب تک فطرت قائم ہے وہ بھی باقی ہے دراصل معجزہ نبوت اور فطرت لازم و ملزوم ہیں اور ایک چیز دوسری چیز کے

بغیر کبھی قائم نہیں رہ سکتی۔ ہم اسبات کے قائل ہیں کہ ہمارے نبی معصوم فخر انبیا نے معجزے دکھائے لیکن آپکے وہ معجزے دیرپا اور غیر فانی ہیں اور جبتک یہ دنیا قائم ہے اُنکی بزرگی میں فرق نہیں آسکتا۔ ہماری نظریں اُن تعلقات کیطرف ہیں جو آپ کو اپنے خالق کے ساتھ تھے اور ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اس تعلق کو ہم نہیں سمجھ سکتے۔ وہ کیا بات تھی جس نے آپ کے بزرگوں کو آپکا مطیع بنا دیا تھا اور اُس وقت کہ آپ بے سرو سامان تھے کیوں آپ کے چچا آپ پر ایمان لائے اور انسانی فطرت کے خلاف کیوں اُنھوں نے ایسا کیا۔ کیوں اُن بوڑھے سرداروں نے جن میں صحرائی آزادی خون کی طرح ملی ہوئی تھی اور جن کے سامنے آپ پیدا ہوئے پرورش پائی بڑے ہوئے اور پھر نبوت کا دعوی کیا وہ کیوں اور کس صورت سے معتقد ہو گئے اور معتقد بھی ایسے کہ آپکی اطاعت مثل غلاموں کے کی۔ ایک بے سرو سامان شخص ہیں جس نے نہ کبھی تعلیم پائی نہ حکما کی صحبت میں بیٹھا کہاں سے یہ قدرت پیدا ہو گئی کہ اُس نے زمانہ کا ساتھ نہیں دیا بلکہ زمانے کو اپنا کر کے دکھا دیا۔ یہ باتیں کچھ معمولی نہیں ہیں ان پر سخت غور و فکر کی حاجت ہے اور بغیر ایک کافی توجہ کے ان کا سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ کوئی نظیر دنیا کی تاریخ میں ایسی نہیں ملتی کہ وحشی خطہ سے جہلا کے گروہ سے بت پرستوں کے مجمع سے صحرائی قوم سے ایک ایسا شخص پیدا ہو جو نہ صرف قدیم ادیان ہی پر غالب آجائے بلکہ قدیم پرشوکت سلطنتوں کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دے جتنے حکما پیدا ہوئے علم و حکمت کے معدن سے۔ بودہ پیدا ہوا تو ہندوستان جیسے ترقی کناں خطہ سے۔ زرتشت پیدا ہوا تو ایرانی سرزمین سے جسکی سلطنت حکمت اور صناعی کی دھوم مچ رہی تھی اسی طرح جتنے حکیم اور مصلح پیدا ہوئے وہ سب متمدن ممالک سے مگر کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک شخص وحوش و بہائم میں پیدا ہو اُن ہی میں پرورش پائے نہ اُسے تعلیم ملی ہو اور نہ تمدن کے قواعد سکھائے گئے ہوں پھر وہ ایک جدید تمدن کی بنیاد ڈالے اور اُس کے تمدن کا اثر نہ صرف عرب پر بلکہ اور متمدن ممالک پر بھی پڑے۔ اسکی وفات کے بعد کیوں نہیں اور لوگ نبوت کے دعوے میں کامیاب ہوئے اور کیوں وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیئے گئے۔ کس غیر معمولی عقل سے اُس نے کام لیا جو وہ نہ لے سکتے تھے اور کیا ایسی اعلی تدبیری کی جو مدعیداران نبوت نہ کر سکتے تھے۔ نہ کسی بڑی عقل سے کام لیا گیا نہ کوئی ایسی اعلی تدبیری کی گئی جو سمجھ میں نہ آئے وہی سادہ معاشرت وہی معمولی تدبیر وہی کارروائی جو عام طور پر کی جا سکتی ہے زمانۂ نبوت تک کی۔ زندگی بسر کرنے کا بھی وہی طریقہ رکھا جو اور لوگ رکھتے تھے۔ جب کوئی غیر معمولی بات نہ تھی تو پھر رہ کے یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس پاک نفس نے کیا افسوں پڑھا جس کا تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی اثر زائل نہیں ہوا ہے اور جو حرارت کہ ابتدائی سنین اسلام میں تھی جوں کی توں باقی ہے اگر یہ کہا جاتے کہ سلطنت مذہب کی زندگی کی باعث ہے تو پھر اسلام ایسے دور دراز ملک میں کیوں ترقی کر رہا ہے جہاں ایک دن بھی مسلمانوں کی سلطنت نہیں ہوئی اور نہ وہاں کی زمین کا ایک حبہ اُن کے قبضہ میں آیا۔ اسلام کیوں انسانی فطرت کے مطابق ثابت ہوتا جاہے اور کیونکر ایک ناخواندہ نفس نے فطرت کا اس گہرائی سے مطالعہ کیا کہ اپنے تمام اصول اُسی کی بنیاد پر قائم کیئے۔ کس حکیم یا مصلح نے اپنے نئے معتقد بنانے کی کوشش نہیں کی اور آج ہزاروں حکما اور مصلحان قوم میں کس کس کے نام لیوا نظر آتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت کہاں گئی

حضرت داؤد علیہ السلام کی اُمت کیا ہوگئی حضرت لوط حضرت نوح حضرت یعقوب حضرت یوسف حضرت موسیٰ کی اُمتیں کہاں گئیں اور اب اُن کا کوئی کھوج نکال سکتا ہے۔ حضرت مسیح یا حضرت موسیٰ کے نام لیوا اگرچہ باقی ہیں مگر اُنکے اعتقادات کا خدا ہی حافظ ہے اُنکی اصلی تعلیم کہاں ہے اور وہ کونسی کتابیں ہیں جو اُن پر نازل ہوئی تھیں ہزارہا اختلافات قومی تفریق۔ سلطنتوں کے اُلٹ پھیر اور نئے نئے عقیدوں کے سرگروہوں نے قرآن میں کیوں نہیں تبدیلی پیدا کردی جبکہ دنیا کی ہر چیز میں فطرتاً تبدیلی لازمی کردی گئی ہے یہ مسلمہ مسئلہ کہ عالم متغیر ہے اور جو چیز متغیر ہے حادث ہے پس عالم حادث ہے ہر مقام پر صحیح ہوتے ہوئے قرآن کے مقابلہ میں کیونکر غلط ہوگیا دنیا میں کونسی کتاب ہے جو بلا تبدیل و تحریف دنیا میں تیرہ سو برس سے چلی آتی ہو اور لاکھوں خاندانی تغیرات اُس میں ایک حرف کی بھی تبدیلی نہ پیدا کرسکے اخیر کیا بات ہے اور کیوں نہ ہمیں اُس راز کا پتہ لگانا چاہیئے اور اسکی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے ممکن ہے کہ ہم اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور اگر بفرضنا بدقسمتی سے نہ بھی کامیاب ہوئے جب بھی کچھ نہ کچھ ہمیں حاصل ہوجائیگا اور بہت سی نامعلوم باتیں معلوم ہوجائیں گی۔

ہمیں کچھ دیر کے لیئے ذرا پیچھے ہٹ کے دنیا کے انتظام پر غور کرنا چاہیئے اور سب سے پہلے یہ دیکھنا ضرور ہے کہ دنیا میں بتدریج اور مسلسل طریقہ ہزاروں برس سے یکساں ہوکر چلا آتا ہے اور کیا وجہ ہے کہ اُس ترتیب و تسلسل میں کسی صدی کسی قرن کسی سال کسی ماہ اور کسی دن میں ذرا بھی فرق نہیں پڑا۔ ابتدائی زمانہ میں انسان کی کیا کیفیت تھی اور اُسکے تمدن کی کیا حالت تھی وہ کیا لباس پہنتا تھا اور اُسکے کیا خیالات تھے۔ کیوں وہ ایک ہی حالت میں نہیں رہا اور نسلاً بعد نسلٍ اسے اپنے خیالات محسوسات۔ معاشرت اور تمدن میں کیوں نئی نئی اصلاحوں کی ضرورت پڑی اور کس چیز نے اُسے رستہ دیا کہ وہ تمام کائنات میں ایک حد تک اپنے کو اشرف المخلوقات ثابت کرے۔
انسان کی جو اب حالت ہے یہی کئی صدی بلکہ ہزار برس پہلے تھی۔ یہی دماغ یہی ہاتھ پیر یہی قد اور یہی آنکھیں ایک ہی آب و ہوا ایک ہی مرز و بوم وجہ کیا کہ زمانہ گزرتے گزرتے انسان انسان بن گیا اور کیوں نہیں اُس نے ایک ہی بار ترقی کرلی اور کیوں نہیں وہ ایک ہی حالت پر قائم رہا۔ یہی مادہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت میں تھا یہی اجزاے لاتجزیٰ بھی موجود تھے یہی خلا یا غیر خلا بھی تھا مادہ نے کیوں نہیں وہ ترقی کی جو آج ہو رہی ہے اگر مادہ میں فی الحقیقت ادراک ہوتا تو ضرور وہ اسی زمانہ میں کچھ ہاتھ پیر مارتا اور اسکی حالت ہمیشہ یکساں رہتی مگر یہ نہیں ہوا مادہ اگر قدیم ہے تو ہو۔ یہ نہیں ثابت ہوسکتا کہ اُس میں ادراک اور شعور بھی ہے۔ مادہ کی قدامت غیر قدامت میں بحث کرنا عبث ہے جبکہ یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ مادہ میں کسی قسم کا بھی ادراک ہے۔ ان سب باتوں میں غور کرنیکے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ضرور ایک ہستی ہے کہ جو مادہ میں غیر معلوم ادراک پیدا کرتی ہے اور خاص اُسی مادہ سے انسان بنتا ہے جو اجزا کہ انسان میں ہیں وہی ایک درخت میں ہیں اور وہی ایک حیوان میں پھر کس چیز نے اُسے یہ وقوف دیا اور ایسی کونسی پوشیدہ قوت ہے جس نے اُسے آسمان پر چڑھا رکھا ہے۔ ایک بندر یا ایک کتے میں جبکہ وہ ایک ہی مادہ سے بنا ہوا ہے یہ عقل کیوں نہیں پیدا ہوگئی۔ مادہ کیوں نہیں ایک بیل کو انسان بنا دیتا اور مادہ کی جب

خاص خاص صفات مشخص ہوگئی ہیں اُنکی تبدیلیاں مختلف اجسام میں کیوں جاکے نیا نیا رنگ اختیار کرتی ہیں۔ بکری اور شیر کے مزاج میں کیوں بہت بڑا بل ہے۔ شیر کیوں گوشت کھانے پر مجبور ہے اور بکری کیوں نہیں گوشت کھاتی۔ وجہ کیا کہ شیر میں اتنی غیر معمولی قوت ہے اور گھوڑے میں جو اُس سے زیادہ جسیم اور چالاک ہے یہ قوت نہیں ہوتی۔ مادہ میں کیوں اتنا فرق پیدا ہوگیا اور مادہ نے کیوں ان جانوروں کو یکساں حالت پر نہیں رکھا۔ اجسام کے معمولی اختلاف کے سوا کوئی بھی فرق ایک کتے اور بھیڑیئے یا شیر میں نہیں ہے وہی گوشت وہی پوست وہی خوراک وہی انتڑیاں وہی گردے وہی خون پھر کیا وجہ ہے کہ قوت اور خونخواری میں ایسا اختلاف ہے یہ باتیں ہیں جو زیادہ توجہ کی محتاج ہیں اور یہ اہم امور ہیں جن میں فطرت کے رازوں کا کچھ پتہ لگتا ہے۔ پھر یہ دیکھنے کی بات ہے کہ ایک ہی جنس کی اشیا میں بھی باہم ایک اختلاف عظیم ہے جس طرح ایک ماں باپ کے بچوں کی صورتوں۔ مزاج۔ محسوسات۔ معاشرت۔ خیالات میں فرق ہوگا اسی طرح ایک شیر کے بچوں میں بھی اختلاف ہوگا۔ ایک ہی خون کے سب بنے ہوئے ایک ہی ماں کے دودھ پیئے ہوئے ایک ہی آب ہوا میں پرورش پائی ہوئی پھر بھی اُن میں کیوں اختلاف رہتا ہے اور اُنکے مزاجوں میں خواہ جانور ہوں یا انسان کیوں عظیم فرق پایا جاتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ انسان اپنی کھوپریوں کی بناوٹ سے مجبور کیا گیا ہے کہ جیسی اُسکی کھوپری کی بناوٹ ہو ویسا ہی اُس کا مزاج ہو تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی والدین کے بچوں کی کھوپری کی بناوٹ یکساں کیوں نہیں ہوئی اور اُن میں کیوں اختلاف رہا۔ اس اختلاف سے اتنا پتہ تو ضرور چلتا ہے کہ مادہ سب باتوں کی جڑ ہے مگر اُس میں ادراک نہیں ہے۔ اور یہ ادراک جو اس میں ودلیعت ہوا ہے ضرور ایک پوشیدہ قوت کی طرف سے ہے اور جسقدر تبدیلیاں ہوتی ہیں سب اُسی قوت سے پیدا ہوتی ہیں اور جہانتک غور کیا جاتا ہے ان ہی تبدیلیوں سے کائنات کا انتظام چلتا ہے اگر ابتدا سے انسان اور حیوان کی ایک ہی رفتار ہوتی اگر آغاز پیدایش سے کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ ہوتا تو یہ اُس وقت ضرور خیال آسکتا تھا کہ منتظم کوئی ذات نہیں ہے زمانہ اپنے ڈھنگ سے پر چل رہا ہے اور یوں ہی ہوتا چلا جائیگا۔ فی الحقیقت اگر خدائے تعالیٰ کی ذات کا پتہ لگ سکتا ہے تو صرف اس اختلاف سے اور اسی تغیر و تبدل میں ہم خدا کو پا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ ایک اور پہلو بھی خداشناسی کا ہے اور وہ انسان کے مختلف مدارج ہیں۔ اول دن سے انسان کی فطرت میں یہ ودلیعت ہوا ہے کہ اُن کا ایک سرگروہ ہو کچھ انسان ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ جانوروں میں بھی ایسا دیکھا گیا ہے مثلاً ہرنوں کے جھنڈ میں ایک رہتا ہے اور شکاری اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔ بھیڑوں کی مثل تو عوام کے بھی زبان زد ہے کہ اگر آگے والی بھیڑ ایک ٹیلہ پر ہو لے تو سب بھیڑیں اُسی کے پیچھے ہو لیتی ہیں۔ ہوا میں قازیں جب پرا باندھ کے اُڑتی ہیں تو ضرور ایک قاز سب کے آگے ہوتی ہے اور جس سیدھ میں وہ جاتی ہے سب اُسکے پیچھے پڑ جاتی ہیں۔ شہد کی مکھیوں کی کیفیت تو عام طور پر سب کو معلوم ہے کہ ایک بادشاہ ان میں ہوتا ہے اور سب مکھیاں اسکی متابعت کرتی ہیں۔ غرض اسیطرح سے کم و بیش یہی انتظام فطرت کی طرف سے قائم ہے اور اس انتظام پر بھی کوئی شک نہیں کرسکتا اسی طرح سے انسان بالطبع ایک دوسرے کا محتاج پیدا ہوا ہے اور

اول روز سے ہوش سنبھالتے ہی اُسے ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے پہلے وہ والدین کی سرپرستی میں رہتا ہے اور جب تک اپنا دادا یاں بابا یاں نہ پہچاننے لگے اُن ہی کی اطاعت کرتا ہے اور جب بالغ ہوتا ہے اور اُس پر اپنی زندگی بسر کرنے کا بوجھ پڑتا ہے تو وہ پہلے رہنما کی تلاش کرتا ہے جو اُسے زندگی بسر کرنے کے قاعدے بتائے اور اپنے تجربہ سے اُسے نئی باتیں سکھائے۔ ہر حالت میں اُسے ایک معلم کی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ کوئی فن سیکھے خواہ کوئی علم خواہ سپاہی بنے خواہ فقیر خواہ چور بنے خواہ نیک بخت بغیر معلم کے وہ کچھ نہیں کر سکتا جب یہ ساری باتیں ثابت ہوگئیں تو یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ فطرت نے خود اسکی طبیعت میں دوسرے شخص کی اطاعت کرنے کی ضرورت پیدا کردی ہے اور یہ ضرورت آخر میں اسکی زندگی کا جزو اعظم بن گئی ہے ممکن نہیں کہ وہ دنیا میں پیدا ہو اور بغیر دوسرے کی مدد کے زندہ رہے بڑے بڑے رشیوں اور ولیوں کی داستانیں سنی ہیں اور تارک الدنیا اصحاب کو بھی دیکھا ہے مگر اُن کا دنیا کے ترک کرنے کا ادعا محض غلط اور مہمل معلوم ہوا ہے۔ کیا تماشہ کی بات ہے کہ دنیا ہی میں رہتے ہیں۔ اسی آب وہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں بناس پتی پر گذرا کرتے ہیں اور پھر یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ ہم نے دنیا کو چھوڑ دیا آبادی سے کنارہ کرنے کا نام ترک دنیا رکھا ہے کسی غار میں گوشہ گزین ہونا اور کسی سے سروکار نہ رکھنا اُس فطرت کو نہیں بدل سکتا جو باریتعالی نے انسان میں ودیعت کی ہے وہاں بھی ان لوگوں کو وہی احتیاج رہتی ہے جو زندگی کے لیئے لازمی ہے اگر ہوا نہ ہو تو وہ ایک لمحہ میں مر جائیں۔ اور اکثر تو ایسا دیکھا گیا ہے کہ ان لوگوں کے معتقد تر مال انھیں جنگل ہی میں پہنچاتے ہیں اور انکی زندگی کا دارومدار مریدوں کی مدد پر بہت بڑا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے اور اسکی زندگی کا دارومدار اوروں کی مدد پر رکھا گیا ہے ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ایک کو دوسرے سے احتیاج ہے۔ جب احتیاج ہوئی تو اُسے اطاعت بھی لازمی ہوگئی اور اُس کا فرض ہوگیا کہ وہ اپنے ہی جنس کے کسی شخص کی اطاعت کرے۔ اب یہ لیاقت اور قابلیت پر موقوف ہے کہ کسی شخص نے اپنے دس مرید بنالیئے اور کسی نے سو اور کسی نے ہزار اور کسی نے دس ہزار اب اس مطیع یا مرید بنانے کا دوسرا پہلو ہے۔ مرید بنانا تو آسان ہے لیکن اُن مریدوں کو ہمیشہ اپنا مطیع بنائے رکھنا یہ دوسرا امر ہے۔ مثلاً چند آدمی ایک شخص کو اپنا مرشد مانتے ہیں اور اُنکی کوئی خاص غرض ہے جس سے وہ ایسے معتقد دکھائی دیتے ہیں اگر وہ غرض اُنکی نکل گئی تو پھر اُنکے اعتقاد کی وہ کیفیت نہیں رہنے کی جو ابتدا میں تھی اور اگر وہ غرض اُنکی نہیں نکلی اور اُسے ایک زمانہ گزر گیا پھر بھی وہ اعتقاد میں کچے ہو جائیں گے۔ اور اگر فرض کرو نہ بھی ہوئے پیر کے مرنے کے بعد تو ضرور اعتقادات میں سستی آجائے گی اور چند سال کے بعد کوئی جاننے کا بھی نہیں کہ کوئی پیر صاحب یہاں بستے تھے اور اُن پر لوگوں کے یہ اعتقادات تھے۔ ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے ہر ملک میں ہزاروں پیر ہوئے مگر اب اُنکا معتقد بمشکل کوئی نکلے گا۔ کہیں ان لوگوں کو پیر کہتے ہیں کہیں ریفارمر یعنی مصلح کہیں رشی اور کہیں اوتار اور کہیں سینٹ کہتے ہیں۔ ان سب کا ایک ہی مفہوم ہے اور یہ ہر ملک میں زبان اور محسوسات کے اختلاف کی وجہ سے نئے نئے ناموں میں پکارے جاتے ہیں، ہزاروں ہوئے اور فنا ہوگئے مگر آج اُن کا نام لینے والا ایک بھی نہیں نکلنے کا اور اگر ان میں سے بعض کے نام بھی مشہور ہیں

تو اُنکے اعتقادات ایسے سرد ہوگئے ہیں کہ جتنا چاہیئے وہ احترام اُن کا نہیں ہوتا۔

اِسکے علاوہ ایک اور بات بھی پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ قدرت نے کائنات کی ہر چیز میں ایک امتیاز پیدا کیا ہے اور اُس امتیاز کا سلسلہ ذرہ سے لیکے آفتاب اور تمام بڑے بڑے کرہوں میں پایا جاتا ہے ایک گھوڑا ہے کہ وہ کرایہ کی گاڑیوں میں یا یکوں میں جوتا جاتا ہے اور بیچارہ سارے دن چکر لگاتے لگاتے مرجاتا ہے کبھی نہ اُسے اچھی طرح کھانے کو ملتا ہے اور نہ اُسکی خدمت ہوتی ہے ایک گھوڑا ہے جو شاہ کے اصطبل میں بندھا رہتا ہے اور دودھ جلیبیاں کھاتا ہے اور گھڑی آدہ گھڑی کی سواری کے بعد پھر آرام اپنی زندگی بسر کرتا ہے یہ صحیح ہے کہ مثل انسان کے حیوان کو خوشی اور رنج زیادہ محسوس نہیں ہوتا پھر بھی اُس میں تکلیف و راحت محسوس کرنے کی حس موجود ہے اور وہ ضرور اس سے متاثر ہوتا ہے آقا کا معمولی طور پر اسکی ایال اور سر پر ہاتھ پھیرنا اسکی بے انتہا شادمانی کا باعث ہوتا ہے اسیطرح ہر جانور کا درجہ ہے۔ جانور تو اپنی حالت آپ بدل ہی نہیں سکتا پھر کونسی پوشیدہ قوت ہے کہ ایک جانور کو میدان جنگ میں گولیوں اور گولوں کی بارش میں لیجاتی ہے اور ایک جانور کو امیرانہ اصطبل میں رکھتی ہے۔ کس چیز نے جانوروں میں امتیاز پیدا کیا ہے اور کونسی قوت ہے جو اُنھیں اعلی اور ادنی درجہ پر پونہچاتی ہے؟ اسی طرح فطرت نے انسان میں بھی ابتدا ہی سے مدارج قائم کیے ہیں اور انسان کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں بلکہ اُس کے خون میں امتیاز کرنا ملا ہوا ہے اور یہ امر اُس کا طبعی ہے کسبی نہیں ہے۔ ایک بادشاہ ہے ایک فقیر ہے ایک مریض ہے ایک صحیح ہے ایک عالم ہے ایک جاہل ہے۔ غرض مدارج میں امتیاز ہونے ہی کی وجہ سے ایک دوسرے کی اطاعت کرتا ہے۔ اسی انسانی فطرت کے مطابق خداوند تعالی نے فرمایا ہے کہ ہمنے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اس صریح بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا تو فطرتاً انسان کا فرض ہے کہ سب بزرگ کی تعظیم کرے۔ اب دیکھنا صرف یہ ہے کہ وہ بزرگی اُسے کسی پوشیدہ قوت سے پونہچی ہے یا اسکی کسبی ہے۔ اگر فطرت کا ہاتھ اُسکے سر پر ہے اور وہ اسی بنا پر بزرگ بنا ہے تو تو اُسکی یہ بزرگی فطرت کے قیام تک رہے گی اور اُسے کسی حالت میں بھی زوال نہیں آسکتا اور اگر اُسکی بزرگی میں فطرت کا ہاتھ نہیں ہے تو وہ قیامت تک دیرپا نہیں رہ سکتی اور بہت جلد فنا ہو جائیگی۔ اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ انسان کو اپنے خالق کے ساتھ کیونکر تعلق ہوتا ہے اور اس تعلق کے معنے کیا ہیں۔ اس بات کو سبنے تسلیم کرلیا ہے کہ انسان کائنات کا لب لباب ہے اور سب میں اشرف ہے اب یہ شرف اور بزرگی اُسکی پیدا کی ہوئی تو ہرگز نہیں ہوسکتی کیونکہ اگر ہر شے میں خود کچھ ہونے یا بننے کی قدرت ہوتی تو فطرت کی ہر شے میں ہونی چاہیئے تھی۔ جب کوئی منتظم ہی نہیں ہے پھر کس نے انسان کو اشرف بنادیا۔ اگر یہ آپ ہی آپ بنا ہے تو اس کا یہ دعوی جھوٹا ہے کیونکہ جن اجزا سے اسکی ساخت ہوئی ہے ان ہی اجزا سے ایک حیوان کی اور اُن ہی اجزا سے ایک درخت کی۔ اُن میں یہ بھی طاقت ہونی چاہیئے تھی کہ بتدریج ترقی کرتے کرتے یا زمانہ گزرتے گزرتے وہ بھی اشرفیت کے دائرے میں آجاتے مگر جب یہ بات نہیں ہوئی تو ہم سمجھتے ہیں کہ علاوہ ان اجزا کے جو کل حیوانات نباتات جمادات میں شامل ہیں ضرور ایک علیحدہ جوہر بھی ہے جو کائنات کی کسی چیز میں نہیں ہے اور اسی جوہر کیوجہ سے اسے تمام کائنات کی اشیا پر

شرف ملا ہے۔ وہ جوہر اُس نے نہ از خود پیدا کیا ہے نہ آپ سے آپ اُسکی طبیعت میں پیدا ہوا ہے کیونکہ اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بات ہوتی تو ضرور اُس جوہر کا خود انسان ہی پتہ لگا لیتا اور جبکہ علوم جدیدہ صاف صاف اعتراف کر رہے ہیں کہ ابھی تک انسانی بزرگی کا ایک ہزارواں حصہ بھی نہیں پہچانا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جوہر کسی ایسی پوشیدہ قوت کا عطا کیا ہوا ہے جو ہر جگہ ہے گر دکھائی نہیں دیتی جسکی ریشہ دوانی ذرہ ذرہ میں ہو رہی ہے مگر ان آنکھوں سے نہیں سوجھتی اس بنا پر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ میں تمھاری رگ شریان سے بھی زیادہ قریب ہوں جتنا تم میرے پاس آتے ہو میں تمھارے قریب آتا ہوں جتنا تم مجھسے دور ہوتے ہو میں تمسے اور بعید ہو جاتا ہوں۔ بہرحال یہ ثابت ہو گیا کہ کوئی خاص جوہر انسان میں ضرور ہے اور وہ ایک پوشیدہ قوت کا عطا کیا ہوا ہے وہی پوشیدہ قوت امتیاز یہ مدارج قائم کرتی ہے اور اُسی پوشیدہ قوت نے انسان میں یہ تفریق پیدا کر رکھی ہے جو ہم روزمرہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اخیر اسی پوشیدہ قوت کا نام ہمنے حقیقی خالق رکھا ہے۔ اب یہاں سے دونوں باتیں ثابت ہو گئیں ایک تو باریتعالی اور دوسرے کائنات میں اُس کا دخل۔ جب دخل ہوا تو اب اُسکے اختیار میں ہے خواہ کسی کو اپنے خاص کام کے لیئے چن لے اور اُس سے اپنی مخلوق کی بہتری کے نئے نئے سامان پیدا کرے اُس جوہر میں جو خاص اُس خالق نے ہر انسان کو عطا فرمایا ہے اپنی مرضی شامل کر دے اور اس سے وہ وہ کام لے جو وہ محض ایک معمولی انسان کی صورت میں ہرگز نہیں کر سکتا تھا۔ اور اُن کاموں کو کبھی آیات بینات کے نام سے پکارے اور کبھی معجزے سے تعبیر کرے وہ ایسے پاک نفس سے جسے اُسنے اپنی مرضی کے پورا کرنے کے لیئے چن لیا ہے باتیں بھی کرے اور اسکی باتیں کرنا ہماری سی باتیں کرنا تو بے شک نہیں ہونے کا بلکہ وہ رازدارانہ طریقے ہونگے جن کے بیان کرنے کی نہ ہمیں طاقت ہے اور نہ ہماری زبان میں الفاظ پیدا ہوئے ہیں۔

یہیں سے عبد اور معبود کے تعلقات کا حال کھلتا ہے اور یہیں سے مخلوق اور خالق کے ارتباط کا راز معلوم ہوتا ہے اُس نے اپنی مخلوق کو پیدا کر کے اُن قوانین کے مطابق تعلیم دی جو روز ازل میں بنا چکا ہے اور اُن قوانین کو چونکہ اُس کی ذات سے ایک خاص نسبت ہے اس لیئے کوئی شخص اُس کا کھوج نہیں لگا سکتا اور جسطرح اُسکی ذات کی کنہہ کے سمجھنے میں عاجز ہے اسی طرح اُن قوانین کی باریکی اُسکے خیال میں حشر تک نہیں آسکتی۔ اُس نے اپنے اُن ہی قوانین قدرت کی بنا پر پہلے انسانی مخلوق میں حضرت آدم کو چن لیا اور انسانی زبان میں اُنکے کچھ حالات بیان فرما دیئے اور وہ حالات ایسے ہی ہیں جو حضرت آدم کے زمانۂ معاشرت سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً اُنھیں منع کرنا کہ جس درخت کے پاس جانے کے لیئے ہمنے منع کیا ہے وہاں نہ جانا اگر جاؤگے تو نافرمانوں میں سے ہو گے قرآن کا اس بیان سے اصلی مقصود یہ ہے کہ ابتدائی دنیا کی معاشرت۔ محسوسات اور خیالات معلوم ہوں اور یہ سمجھ میں آجائے کہ خالق حقیقی نے اول ہی اول انسانی تعلیم کا طریقہ کیا رکھا تھا اسیطرح جتنے قرآنی قصص ہیں سب میں یہی بالغہ حکمت مضمر ہے ناسمجھ نہیں سمجھتے اور محض اپنی لاعلمی سے اعتراض کرتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کا قصہ کہ وہ مٹی کے پرند بناتے تھے اور اُن میں جان ڈالدیتے تھے محض اس بنا پر کیا گیا ہے

کہ اُس زمانے کے لوگوں کے یہ عقائد اور خیالات تھے مگر اخیر یہ ساری باتیں جاتی رہی تھیں اسلیئے حضور انور رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جن اُمور کی نسبت دی ہے اُن میں یہ مافوق الفطرت باتیں مطلق نہیں ہیں جب آپ سے معجزے کی خواہش کی گئی تو آپ نے صاف فرمایا اے نادانو کیا معجزہ چاہتے ہو جبکہ عالم خدا کے معجزوں سے بھرا ہوا ہے دن اور رات کا تغیر و تبدل ہوائیں مسنعد اور تیز۔ فطرت کے کاموں میں ہم آہنگی کیا ان فطرت کی اشیا کے آگے بھی کسی معجزہ کی ضرورت ہے۔ انسانی طبائع فطرت کے مشاہدات کے قابل بن چکی تھیں اور اُن میں یہ قابلیت پیدا ہو چکی تھی کہ وہ کائنات کی چیزوں کی اصلیت سمجھنے لگیں نہ اُنکے آگے یہ ضرورت رہی تھی کہ حضرت ابراہیم کے قصے بیان کیئے جائیں کہ آگ اُنکے لیئے کس طرح باغ بن گئی تھی اور نہ یہ حاجت تھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح سے مٹی کے جانوروں میں جان ڈالی جاتی نہ اُنھیں یہ ضرورت تھی کہ حضرت موسیٰ کے صبر اور ضبط کا قصہ بیان کیا جاتا۔ قرآن مجید کو بغور دیکھنے والا سمجھ سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے طبائع انسانی کی تدریج ترقی کا حال بیان کیا ہے اور دکھایا ہے کہ پہلے ہم نے اُنھیں کیونکر تعلیم دی اور اب اُنکو کیونکر تعلیم دیتے ہیں ہمارا پہلا طریقہ تعلیم کیا تھا اور بعد ازاں ہوتے ہوتے اُس میں کیا کیا تغیر پیدا ہوا۔

سب کے بعد حضور انور رسولخدا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا اور نبوت کے لحاظ سے یہ زمانہ اخیر تھا یا بالفاظ دیگر خدا کی تعلیم کا سلسلہ یہیں ختم ہوتا تھا یعنی ربانی تعلیم کی تکمیل ہو چکی تھی اسلیئے جو تعلیم آپ کو دی گئی وہ ہی تعلیم ہے جو ہزاروں برس گزرنے کے بعد بھی زمانہ کے ساتھ برابر لگا کھاتی چلی جائیگی۔ ہماری ان باتوں کو وہی اصحاب بہتر سمجھ سکتے ہیں جنھوں نے قرآنی مضامین کو غور سے پڑھا ہے۔ غرض اس سے جو کچھ نتیجہ نکل سکتا ہے یہ ہے کہ اس تعلق کا نام جو خالق حقیقی کو اپنے کسی خاص بندے سے ہوتا ہے اور اُس بندے کو وہ مخلوق پر اپنی مرضی پوری کرانے کے لیئے چن لیتا ہے نبوت کہتے ہیں اور اس نبوت سے جو کام سرزد ہوتے ہیں اُنھیں معجزہ کہا جاتا ہے یہ اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ معجزہ کی نہ تو کوئی قسمیں ہیں اور نہ معجزہ کو کرامت یا استدراج کہتے ہیں نہ معجزے سے یہ مطلب ہے کہ بجان مٹی کے سانگ دکھائے جائیں بلکہ معجزہ سے جو غرض ہے وہ یہ ہے کہ نبی ایسے قوانین بناتے جو قیامت تک بلا تبدیل رہیں اور صدیوں پر صدیاں گزرنے پر اُن میں ایک شوشہ کا بھی فرق نہ آئے۔ اُن قوانین کا چاہے تسلیم کرنے والا ہو یا نہ ہو مگر وہ خود مخلوق کے دلوں میں گھر کرتے جائیں اور ہر متنفس اُن قوانین کی پابندی سے اپنی دنیاوی اور دینی بہبودی سمجھے۔ مثلاً آج ہندوستان میں کسی شہر میں کوئی ایسا حاکم مسلمانوں کا نہیں ہے جو اُنھیں دینی ارکان کے ادا کرنے کی تاکید کرے۔ اور اگر وہ شریعت کے احکام کی بجا آوری نکریں تو اُنکے لیئے سزائیں تجویز کی جائیں۔ جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ مسلمان اس آزادی پر بھی اپنے مذہبی ارکان ادا کرتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں روزے رکھتے ہیں اور حج کرنے جاتے ہیں ایسی کونسی قوت ہے جس نے اُنھیں ان فرائض کی تکمیل میں جن کو قائم ہوئے تیرہ صدیاں گزریں ایسا سرگرم بنا رکھا ہے نہ اُنکا کوئی کہنے والا ہے نہ اُنھیں ترغیب دینے والا ہے۔ بس، اسی کا نام معجزہ ہے اور ایسی ہی تعلیم کو جو ہزاروں سال کے بعد بھی یکساں حالت میں رہے خاص نبی سے تعلق ہوتا

ہے اور غیر نبی کی قیامت تک ایسی دیرپا تعلیم نہیں ہو سکتی۔

اب اس سے ایک بات اور پیدا ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نبوت اور معجزہ لازم و ملزوم ہیں اور ایک دوسرے سے کبھی علٰحدہ نہیں ہو سکتے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض قدیم اور جدید علما نے یہ لکھا ہے کہ نبوت کے لیئے معجزہ لازمی نہیں ہے ہمارے امام صاحب تو یہ تحریر فرماتے ہیں کہ اگر معجزوں کا نہ بھی ذکر کیا جائے پھر بھی ہمارے آخرالزماں نبی کی صفات اتنی بڑھی ہوئی ہیں کہ نبوت کی شہادت دینے کے لیئے کافی ہیں۔ مگر ہم اُنکے قول کو نہیں مانتے اور ہمیں خیال ہے کہ اُنھوں نے نبوت اور معجزہ کی جڑوں کو نہیں دیکھا کہ کائنات کی کس انتہائی حدود تک پہنچی ہوئی ہیں اور خالق کائنات سے اُن کا کیا تعلق ہے۔ الحمدللہ کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے معرفت اور حقیقت کے دروازے ہماری آنکھوں کے آگے کھول دیئے اور ہمیں سمجھا دیا کہ خالق کائنات کا یہ تعلق ہے اور قدیم حکما اور فلسفی معرفت کے نکات سمجھنے میں کیسے ناکام رہے۔ اُس کا قاعدہ ہے کہ ہر صدی میں وہ اپنی مخلوق میں سے ایک عبد کو اس لیئے چن لیتا ہے کہ جو غلط خیالات بعض خارجی محسوسات اور باطلہ اوہام کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئے ہیں اُنکی اصلاح اپنے اُن ہی قوانین قدرت کے مطابق کرائے جو ہزاروں برس سے رائج ہیں اور کائنات کا انتظام اُن ہی پر چل رہا ہے۔ اس صدی میں اُس نے خاص اس عاجز کو چنا ہے اور وہ خود مدد کرتا ہے۔ چونکہ اس عاجز عبد کے کام میں برابر اسکی مرضی شامل ہے اور عاجز کے ساتھ اُس کا ہاتھ کام کر رہا ہے اس لیئے خود بخود وہ معارف اور شریعت کے وہ دقائق جو ابھی تک سربمہر رکھے ہوئے تھے کھلنے شروع ہو گئے ہیں ورنہ اس عاجز عبد کی تو لیاقت سے فی الحقیقت یہ عظیم اور اہم کام بہت ہی مستبعد ہے۔ نہ جس نے کبھی باقاعدہ تعلیم پائی نہ جسکے سر پر کبھی فضیلت کی پگڑی بندھی نہ جس نے کبھی مولوی کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا نہ جسے صرف و نحو کا علم ہو نہ اُس نے فلسفہ اور منطق پڑھی ہو نہ صدرہ اور شمس بازغہ کی ورق گردانی کی ہو اور پھر جب وہ آنکھ بند کرکے دیکھے ظاہری علوم اور باطنی معارف کے کل عقدے حل ہوتے چلے جائیں اور وہ قلم برداشتہ لکھتا چلا جائے اور اجزا کے اجزا تکلف لکھ ڈالے۔ ان باتوں سے شاید وہ لوگ چونکیں جنھوں نے مدت سے اُن تعلقات پر غور کرنا ترک کر دیا ہے جو عبد اور معبود میں برقرار چلے آتے ہیں اور جنکے دماغوں میں موجودہ فلسفہ کے مفروضہ اُصول نے بجائے روشنی کے تاریکی پیدا کر دی ہے اور جو آنکھیں بند کر کے بے وقوف بھیڑوں کی طرح اُسی ٹیا پر پڑ گئے ہیں جس پر یورپ کے ملحد جا رہے ہیں۔ مگر جن کے قلوب تجلیات ربانی سے کسیقدر بھی منور ہیں اور جن کے ربانی تعلقات میں کوئی فرق نہیں آیا ہے وہ ہماری باتوں کو کان لگا کے سن لینگے اُنکو یقین کرینگے اور کوشش کرینگے کہ اُنکے تعلقات بھی بڑھیں خالق کی مرضی کا نقشہ اُنکی آنکھوں کے آگے کھنچ جائے اور وہ اُن ہی آنکھوں سے خدا کا جلال دیکھ لیں۔ اس عاجز عبد کو خواب میں خاص مدینہ منورہ میں حضور انور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت زیارت کا اُس وقت شرف حاصل ہوا ہے جب حضور ایک کمرہ میں تشریف رکھتے ہیں اور اُس عالم کی رحمت نے اس عاجز عبد کی صورت دیکھتے ہی اپنے پاس بٹھا لیا سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت دی جب آنکھ کھلی تو طبیعت کی عجیب کیفیت پائی بڑے غوامض

اور گہرے سے گہرے نکات خود بخود حل ہونے لگے اور شریعت محمدی کا راز صاف عیاں ہو گیا۔ خالق حقیقی کی یہ رحمت سمجھنی چاہیئے ورنہ من آنم کہ من دانم۔

ہمارے اس بیان سے معجزہ اور نبوت کا کچھ نہ کچھ مفہوم ناظر کی سمجھ میں آ گیا ہوگا اور اُسنے جان لیا ہوگا کہ نبوت وہ نبوت نہیں ہے جسے لوگوں نے سمجھ رکھا ہے نہ معجزہ کا وہ مقصود ہے جو عام طور پر خیال کیا جاتا ہے تاہم ابھی بہت کچھ باقی ہے اور اس بحث میں ابھی اور کچھ بھی ہمیں لکھنا ہے ہم اُسے ایک حد تک تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے اور تمام حکمائے قدیم و جدید کے خیالات پر ایک نظر کرینگے اور دکھائیں گے کہ اُنھوں نے قدم قدم پر کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں اور اخیر کس ناکامی میں اُنھوں نے دنیا سے کوچ کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مضمون ہی بھی بہت کٹھن اور اُسے کوئی حکیم ہو یا فاضل یا عالم کبھی نہیں سمجھ سکتا جب تک خدا کی مرضی اُسکے ساتھ نہو خدا اور فطرت کے رازوں کا پتہ لگانے میں محض انسانی عقل کی جستجو ہمیشہ ناکام ثابت ہوئی ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اپنی بساط سے باہر کام نہیں کر سکتی جب تک اُسے دوسری مدد نہ ہو بڑے بڑے وزنی جگادری پتھر صرف جر ثقیل کے ذریعہ سے بآسانی ایک مقام سے دوسرے مقام پر اُٹھا کے رکھدیئے جاتے ہیں۔ غرض اسیطرح جتنے کام ہیں بغیر امداد دوسری چیز کے حل نہیں ہوتے اسی طرح روحانی نکات اور شریعت کے غوامض ہیں جن کو انسان بغیر ربانی تائید کے محض اپنی عقل کے زور نہیں سمجھ سکتا۔

جن حکمانے صرف اپنی عقل کے بھروسہ پر فطرت کے رازوں کا پتہ لگانا چاہا ہے اُنھوں نے بجائے صاف کرنے اور مشکلات کے حل کرنے کے اور بھی پیچیدگی ڈال دی ہے۔ اور یہ پیچیدگی ایسی پڑتی چلی گئی کہ صدیوں پر صدیاں گزر گئیں پر اُن میں اور بھی گرہیں زیادہ پڑتی گئیں اور اخیر یہ مسئلہ یونان کی دیواروں میں اُلجھ کے رہگیا۔ اور اگر اُس نے باہر بھی اثر ڈالا تو اُسی پیچیدگی کا جس میں اب تک یورپ کا بڑا حصہ غلطاں و پیچاں دکھائی دیرہا ہے۔

سائنس یا علوم جدیدہ معجزہ اور نبوت تو درکنار ابھی تک اسی کا پتہ نہ لگا سکے کہ صداقت کیا چیز ہے اور ہمارا یہ خیال ہے کہ جب تک صداقت کی پوری توضیح نہ ہو جائے ہرگز معجزہ اور نبوت کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ صداقت سے خود معجزہ اور نبوت پیدا ہوتا ہے اور گویا صداقت اس عظیم اشرفیت اور فضیلت کا سرچشمہ ہے۔ علوم جدیدہ کے ماہر کے لیئے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ صداقت کا معیار کیا ہے۔

مسئلہ اول

سوال صرف یہ ہے کہ صداقت کا معیار کیا ہے۔ یہ ایک ایسا ضروری مسئلہ ہے کہ اس کے حل ہونے پر معجزہ اور نبوت کی حقیقت کھلجائےگی۔ علوم جدیدہ کے تمام مسائل میں بھی یہی مسئلہ سب سے انتہا ضروری اور لحاظ کرنے کے قابل ہے۔ سائنس فی الحقیقت ضمیر سے صداقت کی شناخت کا نام ہے۔ اور جب تک کہ اسکی پوری طور پر شناخت نہ ہو جائے اس کا راز ہرگز نہیں کھلتا۔ جب راز کھل گیا تو گویا صداقت کا معیار معلوم ہو گیا۔ سائنس کی تو وہی تعریف موزوں ہو سکتی ہے جو ہم ابھی اوپر بیان کر آئے ہیں مگر اس وقت نہایت افسوس سے دیکھا جاتا ہے

کہ سائنس کا تمام علم ادب شرمناک الحاد سے پُر ہو رہا ہے اور کہیں بھی صداقت کا پتہ لگانے کی مطلق کوشش نہیں کی گئی ہے۔ بجائے اِسکے کہ صداقت کے معیار کی تحقیق میں تکلیف گوارا کیجاتی سائنس کے طلبہ نے اپنی اپنی خود رائی اور تحکم سے اس پر ایسی تاریکی ڈالی ہے کہ نفس مطلب کو خبط کر دیا ہے۔ ایک ہی مسئلہ ہے اور اُس میں اختلاف ہے اور ایک گروہ دوسرے گروہ کے اصول کو مطلق تسلیم نہیں کرتا۔ سائنس کے ماہروں میں سے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اور اک ہی سب چیزوں کا اصل الاصول ہے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ استدلال ہی کل باتوں کی جڑ ہے۔ تیسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ ان میں سے کوئی بات نہیں ہے بلکہ عقیدہ ان تمام باتوں کا سرچشمہ ہے۔ ہر گروہ اپنا ایک اصول رکھتا ہے اور ایک دوسرے کی تردید کرتا ہے مگر منزل مقصود ان سب سے بہت دور ہے یہ جھگڑا بہت ہی طولانی ہے اور یہ قیامت تک ختم ہونے والا نہیں ہے اصل میں صداقت کی معیار کا پتہ نہ لگانے نے سائنس کے دامن پر شرمناکی کا بدنما دھبہ لگا رکھا ہے اگر کوئی شخص سائنس کی اصلیت دیکھنا چاہتا ہے تو اُس کا فرض ہے کہ خورائی کے عیب سے اپنے کو پاک کرے بغیر اس کے ممکن نہیں کہ وہ منزل مقصود تک پہنچ سکے۔ سوال صرف یہ ہے کہ صداقت کا معیار کیا ہے اُسے کہاں پا سکتے ہیں بس یہی ایک کٹھن کام ہے یہ محض ناممکن ہے کہ خود رائے اصحاب میں بطور ثالث کے کوئی فیصلہ کیا جا سکے کیونکہ اُن کا جھگڑا کسی بنیاد پر نہیں ہے وہ سب خیالی تکے لڑاتے ہیں اور ہر گروہ کو اپنے مفروضہ اُصول پر بہت بڑا ناز ہے ہر ایک اپنے ہی دائرہ میں غلطاں پیچاں ہے جہاں سے وہ کبھی آپس میں نہیں مل سکتے۔ نہ تو ہم اُن میں ثالث بن سکتے ہیں اور نہ ہم اُن میں سے کسی ایک گروہ کی تقلید کر سکتے ہیں جب تک ہم بطور خود اپنا ایک اصول نہ قائم کر لیں۔ ہر شخص کا یہ خیال ہے کہ وہ ٹھیک اُصول پر چل رہا ہے اور اُس کے مقابلہ میں سب کے اصول غلط ہیں اور اپنے اُسی مفروضہ اُصول پر قائم رہ کے وہ اپنا پہلو بہت ہی مضبوط خیال کرتا ہے۔ مگر سوال صرف یہ ہے کہ بغیر شہادت کے کیونکر ہم ایک اصول کو تسلیم کر لیں ایک بار اور بھی ہم اپنے قدیم دشمن خودرائی سے مقابل ہوتے ہیں اور اسکی شہادت کو جانچتے ہیں کہ وہ کتنے پانی میں ہے ایک غلطی ہے کہ جس نے سب کو گھیر رکھا ہے اور وہ غلطی یہ ہے کہ اُنھوں نے علم کے سرچشمہ کو صداقت کے معیار کے ساتھ مخلوط کر دیا ہے۔ اُنھوں نے معیار صداقت کے مسئلہ ہی کو چھوڑ دیا ہے اور اُنھیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ علم کا سرچشمہ جس پر اُنھوں نے تکیہ کیا ہے اور اُسی سے استدلال کرتے ہیں معیار صداقت ہے اور اپنے مخالفین کا منہ بند کرنے کے لیے اُنھوں نے یہ بیان کیا ہے کہ تمھارا سرچشمۂ علم کوئی سرچشمہ ہی نہیں ہے ایک گروہ کا عقیدہ ہے کہ الہام یا وحی سرچشمۂ علم ہو ہی نہیں سکتا دوسرے کا خیال ہے کہ مذہب سرچشمۂ علم نہیں بن سکتا۔ اور چند خندہ آور خود رائی یقین رکھتے ہیں کہ استدلال بھی سرچشمۂ علم نہیں ہو سکتا خودرائی کا یہ اصول بڑا مضحکہ خیز ہے۔ دنیا کی تو ہر شے سرچشمۂ علم ہی ہے اور اس مشاہدہ سے کون انکار کر سکتا ہے مگر وہ لوگ جنھوں نے اپنی خورائی سے اس روشن مسئلہ پر تاریکی ڈال رکھی ہے۔ سمجھ لو کہ ایسے صریح مشاہدہ کا منکر دیوانہ ہونا چاہیئے۔ ایک خودرائے شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ جب میں سرچشمۂ علم کہوں تو اُس سے حقیقی سرچشمۂ علم مراد سمجھو لیکن تھوڑی دیر کی توجہ اس بات کو بتا دے گی کہ ہر سرچشمۂ علم اُنکے لیئے حقیقی بن سکتا ہے جو اُس سے

خبرت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس میں احتیاط اور روشن ضمیری کی ضرورت ہے اور اگر روشن ضمیری اور احتیاط سے کام نہ لیا گیا تو حقیقت بھی مجاز کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے اور پھر اُس سے بھی گر جاتی ہے۔

علم کا سرچشمہ اور علم کی محک دو مختلف چیزیں ہیں۔ سابق الذکر سے تم علم حاصل کر سکتے ہو اور آخر الذکر سے اُسکو پرکھ سکتے ہیں۔ یہ یقین کہ تمہارا سرچشمہ علم حقیقی ہے محض ایک قیاس ہی قیاس ہے اور اس خیال کا سفسطہ بدیہی ہے اسلیئے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ انسان خطا اور نسیان سے بنا ہوا ہے۔ سرچشمہ علم میں خود ایک حقیقت موجود ہے ہاں جو علم اس سے پیدا کیا جاتا ہے زیادہ تر اُس کا انحصار روشن ضمیری پر ہوتا ہے۔ جس درجہ کی روشن ضمیری ہو اسیقدر اُس سے خبرت حاصل ہوگی۔ الہام بجائے خود حق ہو سکتا ہے مگر وہ علم جو تم اس سے حاصل کرتے ہو محض تعصب ہو سکتا ہے خالص مذہب حق ہو سکتا ہے۔ پھر بھی تمہارا مذہب محض تعصب بن سکتا ہے وجہی استدلال بجائے خود حق ہے اور پھر بھی ہمارا استدلال خیال باطل بن سکتا ہے۔ ایسا رہنما کہاں ہے کہ سائنس دانوں کی راہ مستقیم کی طرف رہنمائی کرے۔ وہ محک کہاں ہے جو صداقت کو تمام خیالی نار استیوں سے علیحدہ کر کے نکال لے۔ وہ بنیاد کہاں ہے جہاں مختلف خیالات کے لوگ دوستانہ طور پر اپنی عمارتیں بنائیں ایک دوسرے کے معمار و معاون بنیں اپنی اغلاط کی اصلاح کریں۔

کیا یہ واقعی بات نہیں ہے کہ مغربی علم طبیعی کے ماہروں نے سائنس کے اس پہلے مسئلہ کی طرف مطلق توجہ نہیں کی ہے جبکہ وہ شیخی مارتے ہیں کہ ہمنے سائنس کو تکمیل کی حد تک پہنچا دیا ہے موجودہ ماہران علم طبیعی فلاسفہ اور مذہبی سرگروہوں نے سائنس کے اس وسطی پہلو سے بالکل اپنا پہلو بچایا ہے اور اخیر مثل شرابیوں کے ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو رہے ہیں۔ غالباً پہلے یہ بات ہرگز نہ تھی۔ روحانی حکمانے جہاں طبیعات اور فلسفہ کو دیکھا ہے وہاں مذہب کے بھی پہلو بہ پہلو رکھ کے جانچ کی ہے۔ سب سے پہلے اُنھوں نے اسی اہم اور ضروری مسئلہ کی چھان بین کی ہے اور ہسکی کامل تحقیقات کے بعد مخلوق کے لیئے حقیقت اور معرفت کے رستے کھول دیئے۔ ان روحانی حکما کی تعلیم کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھو۔ اُنھیں روحانیات ہی کا علم ہی نہیں تھا بلکہ وہ فلسفہ اور طبیعات کو بھی بخوبی جانتے تھے۔ فلسفہ علم کی اُس شاخ کو کہتے ہیں جو اُن مشروط صداقتوں اور اشکال کی تعلیم کرتی ہے جو غیر مشروط صداقت یا حقیقت میں پنہاں ہیں۔ غیر مشروط صداقتوں کو عام طور پر بحیثیت مشروط صداقتوں کے جانا گیا ہے۔ ہم یہاں صداقت کا لفظ اسکے عام معنی میں استعمال کرینگے تاکہ طرفین کی غلط فہمی دور ہو سکے اور غیر مشروط صداقت کا بطور روح صداقت امتیاز کر سکے۔ فلسفہ کی اب یہ تعریف ہوگی فلسفہ علم کی وہ شاخ ہے جو روح صداقت کی تعلیم کرتا ہے اور تمام صداقتوں کی اُسی کی ذات سے دستگیری ہوتی ہے اگر آپ روح صداقت کو جاننا چاہیں تو آپ کو لازم ہے کہ آپ اُس صداقت کو جانیں جو روح صداقت کے لقب سے ملقب ہوتی ہے۔

روح صداقت کسے کہتے ہیں یا جس طرح ایک فلسفی تعبیر کرتا ہے حقیقت اور ماہیت جو تمام اشکال اور حادثات طبیعات میں پنہاں ہے کیا چیز ہے؟ مغربی فلاسفہ نے نہایت تندہی سے اس مسئلہ کو چھپانا ہے اور بڑی دشواریو

کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ نہ مادہ ہے نہ ضمیر ہے۔ اس نتیجہ پر بہت بڑی بڑی بحثیں ہوئیں اور خوب رد و قدح ہوا اخیر اس زمانہ کے مسلم فلاسفہ نے اُسے تسلیم کرلیا۔ اگر ہم اُن کی رایوں کی لطور خود جانچ پڑتال کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں اختلاف رائے بہت بڑا ہے بعض کا تو یہ خیال ہے کہ روح صداقت کا کوئی پتہ ہی نہیں لگا سکتا کیونکہ یہ نہ مادہ ہے کہ اسے کوئی جان سکے اور نہ ضمیر ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر روح صداقت علم میں آنے کے قابل ہوتی تو کیا تو یہ ضمیر ہوتی یا مادہ ہوتی مگر ایسا خیال کرنا ہماری کم فہمی ہے۔ یہ کیونکر قید لگائی جاسکتی ہے کہ جو چیز مادہ اور ضمیر دونوں ہی نہ ہو کبھی اُس کا علم نہیں ہو سکتا۔ صرف ایک قیاس پر ہم اپنے تفحص کو کیوں مقید کردیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ لوگ جو اس خط سے پھیلانگ کے آگے پہنچے ہیں اس کی نسبت اُن کی کیا رائے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ روح صداقت مثل مطلق قانون کے جانی جاسکتی ہے۔ یہ نہ مادہ ہے نہ ضمیر ہے بلکہ کبھی تو یہ بحیثیت مادہ کے حیات کی خارجی سطح پر اپنے کو نمایاں کرتی ہے اور کبھی بحیثیت ضمیر کے زندگی کی داخلی سطح پر نمایاں ہوتی ہے اب یہ سمجھنا چاہیئے کہ انسان کا ضمیر کس قسم کا ہو جو اُس قانون کا علم حاصل کرے جس قانون کو ضمیر سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ جس چیز کی کہ انسان جانچ کرسکتا ہے یہ وہی چیز ہوسکتی ہے جس کا تعلق ضمیر سے ہو یا جو ضمیر کا ایک جزو ہو اور اگر ہم یہ کہیں کہ قانون کی جانچ ضمیر کرسکتا ہے تو پھر قانون کے مطلق ہونے کی صفت زائل ہوتی ہے اور مطلق کے لفظ میں تباین کلی پیدا ہوجاتا ہے سوال یہ ہے کہ ضمیر قانون کا کیونکر ادراک کرے جبکہ قانون اُس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ یہ نہایت ہی مشکل بات ہے اور قریب قریب یہ مسئلہ لاحل سا معلوم ہوتا ہے تاہم اس پر بحث کی جاتی ہے شاید یہ ایک حد تک سلجھ جائے اور کسی درجہ تک سمجھ میں آجائے۔ وجہ کیا کہ ہم مطلق قانون کو غیر مشروط صداقت نہ کہیں جبکہ گزشتہ زمانہ میں اسکی ہستی تھی۔ موجودہ زمانہ میں یہ موجود ہے اور اسیطرح آیندہ زمانہ میں بھی یہ قائم رہے گا یہ کلیہ بھی ہے۔ اور غیر تبدیل بھی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ قانون ہی روح صداقت ہے اور ہم مذکورۂ بالا استدلال سے اسے معیار صداقت کہہ سکتے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ ہے کہ علمی تحقیقات میں صداقت کی معیار کو استعمال کرنے کا طریقہ ہے۔ اسکی ہم یوں توضیح کرینگے۔ ہم نے ادراک سے ایک حادثۂ طبیعی کو وقوع پذیر ہوتے ہوئے دیکھا اگر ہم ہمیشہ اسے یوں ہی ظہور پذیر ہوتا ہوا دیکھیں تو ہمارا یہ ادراک بجائے خود ایک صداقت ہے۔ کسی خاص امر میں ہمیں استدلال سے ایک نتیجہ معلوم ہوگیا تو یہ استدلال ہمارا اُس وقت تک صحیح ہے کہ جب تک اُس سے ایسے نتائج پیدا ہوتے رہیں۔ ایک عقیدہ پر جو اصول قائم کیا گیا ہے وہ حق ہے بشرطیکہ وہ عقیدہ اُس اصول میں قضیہ مطلق ہو۔ ایک مصنف کی رائے حق ہے بشرطیکہ اور مصنفین بھی اسکی رائے سے اتفاق کریں۔

اگر ایک حادثہ طبیعہ کا وقوع حالتوں میں بیان کیا جائے مگر پھر دوبارہ اُس کا وقوع اُن ہی حالتوں میں نہ ہوا خواہ وہ حادثہ طبیعہ خیالی ہو یا اُن حالتوں کی توضیح کرتا ہو جن میں اُس کا وقوع ہوا ہے وہ کبھی بھی صحیح نہیں ہوسکتا۔

اگر چند عالم ایک ہی اصول سے مختلف نتائج پیدا کریں اُن کی منطق غیر قابل یقین اور اُن میں سے ایک بھی

راہِ حق پر نہیں ہے جب تک اُن میں سے ایک عالم یہ ثابت نہ کرے کہ باقیماندہ علما نے منطق میں یہ غلطی کی ہے اگر ایک ہی پہلو پر مختلف لوگوں کے مختلف عقائد ہوں تو سمجھ لو کہ یہ سب عقائد باطل ہیں ایک شخص کو جو یہ دعوی کرتا ہو کہ میرا عقیدہ حق ہے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ ان ان وجوہات سے اوروں کے عقائد باطل ہیں بعض کا یہ خیال ہے کہ صداقت جماعت سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر ایک کثیر گروہ کی کسی خاص مسئلہ پر کوئی رائے ہونا ہرگز اس بات کو ثابت نہیں کرسکتا کہ وہ مسئلہ حق ہے یہ ضرور نہیں کہ چند آدمیوں کا خیال بمقابلہ گروہ کثیر کے ہمیشہ ہی غلط ہو۔ ہمیں روشنضمیری سے ہر ایک کی اغلاط کو جانچنا چاہیئے اور ہر ایک کے عقائد کی ماہیت پہچاننی چاہیئے یہ فی الحقیقت ایک دشوار گزار مرحلہ ہے اور اس کا طے کرنا ایک کٹھن کام ہے

مسئلہ دوم

ایک عالم کے لیئے سب سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ وہ معیار صداقت کی ماہیت پہچانے جس کا ابھی ہم بیان کرچکے ہیں۔ دوسرا مسئلہ جو اُس کے لیئے بہت ہی ضروری ہے وہ ایسا طریقہ تحقیق ہے جو عام فہم اور عام پسند ہو جب تک وہ اپنے طریقہ تفحص میں صراط مستقیم نہ پیدا کرے گا کبھی مخلوق کی طبائع اُسے قبول نہیں کریں گی۔ پھر ایسا کونسا طریقہ پسند کرنا چاہیئے یا بالفاظ دیگر علمی تحقیقات کا بہترین طریقہ کونسا ہے؟ یہ سوال ہے جو اس وقت پیش نظر ہے۔

بعض علمار کا بیان ہے کہ قاعدہ استقرائی کو قاعدہ علمی کہتے ہیں اسکے علاوہ اور تمام قاعدے لغو اور بے بنیاد ہیں علمار کا دوسرا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ علم استقرائی سے صرف صداقتوں کی ماہیت جان سکتے ہیں جس سے حیات اور ضمیر کے ضروری مسائل کا بہت تعلق ہے غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ علم استقرائی کے معترفوں میں ایک غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے اور اس لیئے علوم جدیدہ کے ماہروں سے صراط مستقیم بہت دور رہ گئی ہے۔ اُن کا یقین ہے کہ علوم جدیدہ خالص استقرائی ہیں۔ ایسے یقین کی بنیاد کسی عمدہ اصول پر نہیں معلوم ہوتی۔ تفحص کے ضروری قواعد کی بنا پر علوم جدیدہ نے کامیاب ترقی کی ہے لیکن وہ قواعد جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں استقرائی نہیں ہیں۔ یہ ایک پیچیدہ قاعدہ ہے جس کی استقرائی اشکال مبہم ہیں اگر ہم یہ بھی فرض کرلیں کہ علوم جدیدہ کا قاعدہ خالص استقرائی ہے پھر بھی اس سے یہ تو ہرلازم نہیں آسکتا کہ اور قاعدے جو اس کے علاوہ ہوں لغو ہیں۔ علم کی روح کو تفحص کے دوسرے طرق کے ساتھ کچھ مباینت نہیں ہے بلکہ تحقیق کی ہر شاخ میں علم واقعات کے مسلسل انکشاف کا نام ہے۔ جو قاعدہ تحقیق کی خواہ کسی شاخ میں واقعات کی مسلسل توضیح انکشاف کی طرف رہنمائی کرے وہ بھی علمی قاعدہ ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایک شخص نے اپنی تحقیق میں دوسرے قواعد سے کام لیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایک قاعدہ غلط قرار دیدیا جائے اور صرف ایک ہی قاعدہ یا طریقہ پر صداقت کی مہر لگ جائے۔ قدیم حکمار کی تو یہ نادانی تھی کہ انھوں نے استقرائی قاعدہ کو لغو ٹھیرایا تھا اور موجودہ حکمار کی یہ حماقت ہے کہ انھوں نے قیاسی کو لچر اور پوچ سمجھ رکھا ہے ہم سے

بیان کیا جاتا ہے کہ قیاسی قواعد اس لئے لغو ہیں کہ یہ کسی علمی بنا پر نہیں ہیں۔ یہ ہم قبول کرتے ہیں کہ اگر قیاسی قواعد علمی بنیاد پر نہ ہوں تو اُنھیں ضرور لغو ہونا چاہیئے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قاعدہ علمی بنیاد پر نہیں ہے تو وہ آپ سے آپ لغو ہوا۔ اُس کی لغویت سے کون انکار کر سکتا ہے۔

اب ہم علم کے قواعد کی جانچ کرتے ہیں کہ اُس میں کسی قسم کے تعصب یا خود رائی کو دخل نہیں دینگے بلکہ علم کے ہر طریقہ کی انصاف سے جانچ کرینگے۔ یہ عالمگیر غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ تمام قیاسی علوم غیر مستحق نتائج سے پیدا ہوئے ہیں۔ تحقیق کی وہ شاخ جو محض قیاس کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہے کبھی علمی نہیں ہو سکتی۔ ایسی تحقیق کے نتائج لغو ہونگے۔ تاہم اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ تفحص کا قیاسی طریقہ لاطائل بنیاد پر مبنی ہے ہر تحقیق میں دو ضروری امر غور طلب ہیں۔ اول تو وہ طریقہ اور پھر وہ مواد جس پر اسکی بنا ہے۔ اس صورت میں اگر مواد نہیں ہے جو ہونا چاہیئے تھا تو یہ محض ایک قیاس ہی قیاس ہے خواہ کتنا ہی عمدہ طور پر اُسے ثابت کیا جاسکے۔ ان ہی وجوہات کی وجہ سے تحقیق کے نتائج غلط ثابت ہونگے۔ لیکن اس سے یہ کبھی لازم نہیں آتا کہ طریقہ تفحص خود اُسکے جوہروں اور خصوصیات سے جانچا جاتا ہے۔ طریقہ استقرائی اور طریقہ قیاسی میں یہ فرق ہے جو بیان کیا جاتا ہے۔ سابق الذکر طریقہ تو خاص سے عام سچائی کی طرف رہبری کرتا ہے اور آخر الذکر طریقہ عام سے خاص کیطرف یعنی ایک عمومیت پیدا کرتا ہے اور دوسرا خصوصیت کی طرف لیجاتا ہے مثلاً پچاس آدمیوں کی ایک جماعت لو اگر ہم اس جماعت میں سے ایک ایک شخص کو پورے طور پر جانچیں اور دیکھیں کہ ہر شخص پر عرب ہونے کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پوری جماعت کی جماعت ہی عربوں کی ہے اسی کو قاعدہ استقرائی کہتے ہیں جو خاص سے عام کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اب دوسری شکل بھی دیکھنی چاہیئے اگر ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ اس کل جماعت میں عرب ہی عرب ہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس جماعت کا ہر خاص شخص عرب ہی۔ جو قاعدہ ہم نے یہاں استعمال کیا وہ قیاسی ہے۔

یہ خاص صداقت سے اُس عام سچائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اسکی ذات میں موجود ہے ہم ایک اور بھی مثال دیتے ہیں جس سے یہ مسئلہ اور بھی آئینہ ہو جائے گا۔ علم نباتات کا ماہر تمام اقسام کے اُن پودوں کی خاصیتوں کا مطالعہ کرتا ہے جو ایک ہی جنس کے ہیں۔ اور دیکھتا ہے کہ اُن میں سے ہر پودہ زہریلا ہے اور ان خاصیتوں سے وہ یہ حکم لگاتا ہے کہ اس قسم کے تمام پودے زہر دار ہوتے ہیں وہ اس عام صداقت کی اپنے تلامذہ کو تعلیم دیتا ہے جو اس تعلیم سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ خاص وہ پودے زہر دار ہوتے ہیں جو اس جنس سے تعلق رکھیں۔ یہاں استاد نے تو قاعدہ استقرائی اختیار کیا ہے اور تلامذہ نے قاعدہ قیاسی۔ یا بالفاظ دیگر سابق الذکر عام سے خاص کی طرف گیا ہے اور آخر الذکر خاص سے عام کی طرف دونوں ہی سچے ہیں اور دونوں ہی کا طریقہ تفحص حقیقت کی بنیادوں پر قائم ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ دونوں کا قاعدہ علمی بنیاد ہے یا نہیں اور آیا ایسا قاعدہ علمی ہو سکتا ہے یا نہیں یہ ساری باتیں بدیہی ہیں اور کون شخص ہے جو ایک کو علمی اور دوسرے کو غیر علمی کہے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ قاعدہ استقرائی حق ہے۔ ہر شے کا نتیجہ اُسکے مقدمۂ صغری کبری سے برآمد ہوتا ہے بلکہ اُس کے نتیجے سے خود مقدمات صغریٰ وکبری پیدا ہو جاتے ہیں۔ اگر مقدمات صغری وکبری حق ہیں تو ہم نہیں خیال کرسکتے کہ نتیجہ کیونکر ناحق نکلے گا۔ اور اگر مقدمات صغری وکبریٰ غلط ہو جائیں ہوا کریں قاعدہ یا طریقہ میں کوئی فرق نہیں آسکتا یہ قاعدہ استقرائی اس لیئے حق ہے کہ عام میں وہی خاص کی صفت ہوتی ہے اگر خاص صحیح ہے تو عام یقیناً صحیح ہوا پھر قاعدہ کو ہم غیر علمی کیوں کہنے لگے۔ یہی صورت قاعدۂ قیاسی کے صحیح ہونے کی ہے۔ غرض دونوں ہی فائدہ مند ہیں اور دونوں ہی اپنی اپنی جگہ کارآمد ہیں۔ قوانین قدرت عام طور پر کشادہ ہیں۔ اب یہاں سے صرف خالص استقرار کر کے ایک قانون کو سیکھ لینا جس کا عمل ہر جگہ ہو رہا ہے بالکل ہی ناممکن ہے ہم اُس رستہ میں ایک چھوٹے پیمانہ پر تو حکم لگا سکتے ہیں مگر بڑی وسعت کے ساتھ اُس کا احاطہ نہیں کرسکتے جب علوم جدیدہ کے ماہروں کو یہ مشکلات لاحق ہوئیں تو اُنھوں نے ایک اور قسم کا جدید استقرائی قاعدہ نکالا کہ جس سے چند اشیا کو دیکھ کے باقیماندہ کل اشیا کا اندازہ ہوسکے خواہ وہ ایک ہی جنس کی ہوں یا نہ ہوں مثلاً خالص قاعدہ استقرائی اور بنائے ہوئے قاعدہ استقرائی میں یہ فرق ہے کہ سابق الذکر تو اُن خاص اشیا کا مشاہدہ کرنا چاہتا ہے جو عام صداقت میں پھیلی ہوئی ہیں اور آخر الذکر قاعدہ پھلانگ کے آگے بڑھ جاتا ہے اور فطرت کی چند چیزیں دیکھ کے سب کو ہی یکساں سمجھنے لگتا ہے۔

بات یہ ہے کہ قانون قدرت جس کا سبق بلا سمجھے بوجھے پڑھا جاتا ہے کیوں ہر جگہ جا کے بدل گیا ہے فرض کرو ایک قانون ہے اور خاص ایک مقام پر اُسکی ایک حالت ہے تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اور مقامات پر بھی اُسکی یکساں حالت رہے مگر یہ نہیں ہوسکتا۔ وجہ کیا ایک ہی فطرت ایک ہی قانون اور اُس کے نئے نئے مشاہدے۔ لنڈن کی انجمن مابعد الطبعیت میں ایک بار یہ سوال کیا گیا تھا کہ ہم کیونکر جانیں کہ قوانین قدرت کوئی خاص شکل رکھتے ہیں یا بالفاظ دیگر اُن کا کوئی خاص لباس ہوتا ہے۔ پروفیسر ہکسلی نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ قوانین قدرت کے ہمشکل ہونے کے یہ معنے ہیں کہ جو مفروضہ صورتیں انکے عمل کی خیال کرلی گئی ہیں وہ کبھی غلط نہ ثابت ہوں۔ ان قوانین کو کبھی کسی شخص کے معجزے نہیں بدل سکتے۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ فطرت کے سلسلوں میں معجزوں کو دخل ہو۔ جو شخص معجزے دکھانے کا دعوی کرتا ہے اُس کا بہت بڑا منشا یہی ہوتا ہے کہ اُس میں مافوق الفطرت قوت تسلیم کیجائے۔ کوئی بین شہادت کبھی کسی معجزے کے ثبوت میں نہیں پیش کی گئی کبھی کسی ہمعصر مورخ نے ایسے کسی معجزے کی شہادت نہیں دی جو صدہا برس گزرنے پر مشہور ہو گئے یہ ساری قیاسی باتیں ہیں جنھیں مشاہدات سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے۔ یہ اعتراضات ہیں جو عام پر کیئے جاتے ہیں۔ ہم علوم جدیدہ کے ماہروں کی اس غلط فہمی کو دور کرنا چاہتے ہیں اور ہم صرف اسلامی معجزات پر بحث کرینگے۔

سوال صرف یہ ہے کہ مفروضہ اشکال قدرت کے قوانین اور عمل کی تسلیم کرلی گئی ہیں۔ کیا غیبی شہادت اس امر کی پیش ہوسکتی ہے کہ ان مفروضہ اشکال کے علاوہ قوانین قدرت کی اور اشکال نہیں ہیں اور کیا ثبوت ہے کہ یہ مفروضہ اشکال ویسی ہی صحیح ہیں جیسا اُنھیں تسلیم کرلیا گیا ہے۔ بڑے بات دیکھنے کی یہ ہے کہ یورپ کے علما اور فلاسفہ نے

مسیحی معجزات دیکھ کے تمام مذاہب کے معجزات کی ایک ہی نوعیت سمجھی ہے مگر نفس اسلام کو ایسے معجزات سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا مسیحی مذہب پیش کرتا ہے۔ اسلام کی بنیاد مثل عیسائیت کے معجزوں پر ہرگز قائم نہیں کی گئی ہے مثلاً عیسائیت کی بنا صرف تین اُصول پر رکھی گئی ہے اور وہ یہ ہیں حضرت مسیح کا بے باپ کے پیدا ہونا۔ مرکر زندہ ہو جانا اور پھر مجسم آسمان پر چلا جانا۔ نصرانیت نے فتویٰ دیدیا ہے کہ ان میں سے ایک معجزہ کا منکر بھی کافر گنا جائیگا یہ ایسی مافوق الفطرت باتیں ہیں جو کبھی سمجھ میں نہیں آسکتیں اور علوم جدیدہ کا ماہر انھیں محض لغو اور وحشی فسانہ خیال کرتا ہے مگر اسلام اسکے مقابل میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اُس کا بہت بڑا اور سب سے بڑا اصول توحید ہے۔ اور بس باقی اُسکے جتنے اُصول ہیں وہ سب شاخیں ہیں تزکیہ نفس اور تمدن کی مثلاً نماز پڑھنا زکوۃ دینا روزے رکھنا وغیرہ۔ ہم چاہتے ہیں کہ نفس معجزہ کی توضیح کرنے سے پہلے معجزہ کی کچھ تاریخ بیان کردیں اور بتادیں کہ اسلام میں معجزہ کسے کہتے ہیں اور موجودہ مسلمانوں کے خیال کے معجزے اسلام میں کب اور کس وقت پیدا ہوئے اور اُنکی اشاعت عام طور پر کیوں کر ہو گئی اور اصلی معجزہ کو جس پر اسلام کی بنیاد ہے مسلمانوں نے کیوں فراموش کردیا جب حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور آپ نے نبوت کا اعلان دیا تو دنیا کی عجیب کیفیت تھی۔ سب کے خیالات بت پرستی۔ ستارہ پرستی۔ آتش پرستی۔ آفتاب پرستی اور دریا پرستی سے مافوق الفطرت باتوں کے قبول کرنے کے عادی تھے اور قدم قدم پر اُن کے یہی خیالات تھے۔ قدرت کے کرشموں پر بالکل تاریکی پڑ گئی تھی اور فطرت کی قوتیں معبود بن گئی تھیں۔ جب حضور انور نے علانیہ طور پر ان بدیہی غلط ناکارہ باتوں کی تردید کی اور اُن کے معبودوں کو لاشے محض بنایا تو وہ لوگ پہلے تو چونکے۔ لیکن جب اُنھوں نے آپ کی بے لوث اور کھلی کھلی باتوں پر کان لگایا اور اخیر بہت جلد اپنی غلطی سے آگاہ ہو کے اپنی ان حرکات سے باز آئے اور سچے دل سے توبہ کی اور خدائے واحد کی پرستش کرنے لگے۔ جہاں تک غور کیا جاتا ہے حضور انور کی زندگی بہت ہی سادہ طور پر بسر ہوتی تھی نہ کسی قسم کا شاہانہ سامان نہ امیرانہ جاہ و جلال نہ واقعات زندگی میں کسی قسم کا تصنع کچھ بھی نہ تھا۔ سادہ لباس۔ سادہ کھانا۔ معاملات کی صفائی۔ سادی گفتگو۔ تلقین اسلام کے سادے قاعدے اور معمولی الفاظ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ جو معجزے رسول خدا کے بیان کیے جاتے ہیں اگر وہ تھوڑی دیر کے لیے صحیح بھی تسلیم کر لیے جائیں پھر بھی اُن سے اشاعت اسلام میں کبھی آپ نے کام نہیں لیا۔ نہ کبھی دشمن کے مقابلہ میں آپنے ان مفروضہ معجزوں سے کام لیا اور نہ کبھی سخت سے سخت اوقات میں آپ نے ان مفروضہ معجزوں کو استعمال کیا۔ جب اسی بے نظیر پاک حالت میں آپ کی وفات ہو گئی تو صحابہ کا دور دورہ ہوا سب سے زیادہ حضرت فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت خاص اس معاملہ میں بہت ہی نامور ہے۔ رسول کریم نے تو وہ خیالات دبا دیئے تھے جو صدہا ہزارہا سال سے لوگوں کے چلے آتے تھے مگر اب وہ کچھ کچھ ابھرنے لگے تھے کیونکہ صدہا سال کا خوگر اثر چند سال میں نہیں جا سکتا تھا مافوق الفطرت خیالات اُن لوگوں کو بطور ورثہ پہنچے تھے۔ مسلمانوں میں ہزاروں تو وہ لوگ تھے جو پہلے نصرانی تھے ہزاروں وہ لوگ تھے جو پہلے یہودی تھے اور لاکھوں وہ لوگ تھے جو پہلے بت پرست تھے۔ حضرت عمر نے یہ پُر خوف نظارہ دیکھا اور آپ کو اندیشہ

ہوا مبادا مسلمانوں کے خیالات پھر ما فوق الفطرت باتوں کی طرف عود نہ کر آئیں۔ یہ اندیشہ آپ کا درست تھا کیونکہ خود مدینہ منورہ میں آپ نے اپنی آنکھوں کے آگے ان خیالات کا کچھ اُبھار دیکھا تھا یعنی آپ نے دیکھا کہ خاص اُس درخت کے نیچے اکثر مسلمان آ آ کے بیٹھتے ہیں جہاں کبھی کبھی رسول کریم وعظ فرمایا کرتے تھے اور چند ہی روز کے بعد آپ نے یہ ملاحظہ فرمایا کہ مسلمان غیر معمولی طور پر اسکی تعظیم زیادہ کرتے ہیں اور مجمع روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے آپ نے فوراً اُس درخت کو جڑ سے اُکھڑوا کے پھینکوا دیا اور گویا رسول کریم کے بہت بڑے منشار کو اس طرح پورا کیا گیا۔ اگر وہ درخت نہ اکھڑوایا جاتا تو ضرور شجر پرستی کی بنیاد پڑ جاتی اور مسلمان پھر اپنے اُن ہی خیالات پر اُتر آتے جو اُنھیں بطور ورثہ ملے تھے۔ حضرت عمر کی یہ حکمت بہت ہی غائر نظر سے دیکھنے کے قابل ہے دوسری حکمت حضرت عمر نے یہ بہت بڑی کی کہ صحابہ کو بکثرت حدیثیں روایت کرنے سے روک دیا اور سخت حکم دے دیا کہ نو مسلموں میں زیادہ حدیثوں کا وعظ نہ کہنا جب آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک مفتوحہ صوبہ کا عامل بنا کے بھیجا تو سخت تاکید کر دی تھی کہ حدیثیں نہ بیان کرنا اور چلتے وقت یہ فرما دیا تھا اے ابو ہریرہ مسلمان تیرے پاس جوق جوق آئیں گے اور یہ کہیں گے رسول کریم کے صحابی آئے ہیں ہم سے حدیثیں بیان کرینگے تو سوائے قرآن کے ہرگز حدیثوں کا درس نہ دیجو۔ حضرت عمر کی اِس حکمتِ بالغہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیثوں میں قطعی اختلاف واقع ہوگا اور جب حدیثوں کی اشاعت یوں علی الاعلان ہونے لگے گی تو بہت سی حدیثیں جدید بن جائیں گی اور پھر لوگوں کے اس سادہ عقیدہ میں جو رسول کریم نے پیدا کر دیا تھا سخت انتشار پیدا ہوگا اور پھر وہی ما فوق الفطرت مادہ زور کریگا اور چونکہ انھیں اپنے نبی کریم کا زیادہ ادب اور پاس ہے خبر نہیں اسلام کے سادہ اصول میں کن کن باتوں کی آمیزش ہو جائے اور پھر توحید خدا کا صاف مسئلہ خراب ہو جائے۔ جب تک آپ تخت خلافت پر قائم رہے آپ نے نہایت تندہی سے اس امر میں کوشش کی اور مصنوعی حدیثوں کی اشاعت کا دروازہ بند رکھا۔ لیکن آپ کی شہادت کے بعد اس انتظام میں کچھ خلل سا پڑ گیا۔ چونکہ آپکے جانشین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی اس عاقلانہ حکمت عملی کو پورے طور پر سمجھ لیا تھا اور جس امر کا خوف تھا وہ آنکھوں کے آگے آنے لگا تھا آپ نے اس بنا پر فوراً ایک اعلان جاری کر دیا کہ جن حدیثوں کی روایت حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر نے کی تھی یا جو حدیثیں ان دونوں جلیل القدر صحابہ کے زمانہ میں رائج ہوگئی تھیں اُنکے علاوہ نہ کوئی حدیث بیان کیجائے نہ کسی حدیث کی اشاعت دیجائے۔

اس اعلان نے جیسا کہ اُمید تھی زیادہ اثر نہیں کیا کیونکہ خلافت کے چند ہی روز بعد سے مخالفت شروع ہوگئی تھی اور مروان آپکے معتمد خاص کی بعض بے عنوانیوں سے اُس زبردست انتظام میں جو حضرت عمر قائم کر گئے تھے خلل آنا شروع ہو گیا تھا۔ تاہم بہت کچھ روک تھی اور ایک حد تک لاکھوں مسلمان اس بات کا خوف کرتے تھے کہ رسول کریم کے نام سے کبھی ایسا قول نہ بیان کیا جائے جس میں ایک لفظ کا بھی شبہ نہ ہو مسلمانوں کی بدقسمتی سے یہ حالت مدت تک قائم نہیں رہی حضرت عثمان کی مظلومانہ شہادت نے اس روک ٹوک کا خاتمہ کر دیا اور اب دو متضاد گروہ اسلام میں پیدا ہوگئے اور ان دونوں گروہوں کو ضرور ہوا کہ اپنی اپنی تائید میں وہ

رسول کریم کے پاک اقوال بیان کریں۔ جھگڑا صرف ملکی تھا اُسے مذہبی رنگ پہنایا گیا اور اب طرفین کی روز بروز کشش بڑھنے لگی۔ یہانتک کہ باتوں سے تلوار تک نوبت پونہچگئی اور بڑے بڑے خوں ریز میدان ہوئے مگر نتیجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں نکلا کہ دشمنی خون میں ملگئی اور آگے چلکے یہی دشمنی زندگی ہی نہیں بلکہ ایمان اور یقین کا جزو اعظم بن گئی یہی صورت گویا جھوٹی حدیثوں کی اشاعت کا بہت بڑا ذریعہ بنی اور ہم خیال کرتے ہیں کہ نئی نئی حدیثیں وضع کرنے کا شوق پیدا ہوا اور یہ شوق اُس وقت تک قائم رہا جب تک حدیثوں کے پرکھنے کی کسوٹی نہ نکلی۔ خیال کرنے کی بات ہو کہ جب امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو الگ کرنا چاہا تو کئی لاکھ حدیثوں میں سے انتخاب کرکے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں اس میں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں موضوع حدیثوں کا چاروں طرف سے دریا اُمنڈنے لگا تھا اور اسلامی دنیا میں اس آفت نے ایک قہر برپا کردیا تھا جنھیں صحیح حدیثیں یاد تھیں وہ بھی زبان ہلاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ صدق کے ساتھ کذب خوب گھی شکر ہوگیا تھا۔ حماد بن زید کا بیان ہے کہ صرف ایک فرقہ زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں وضع کرلیں (فتح المغیث صفحہ ۸) ایک وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں میں نے وضع کی ہیں۔ بہت سے اُسی زمانہ میں ایسے بھی ثقات ہوئے ہیں جنھوں نے محض نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں موضوع کیں۔ زین الدین عراقی کا بیان ہے کہ ان حدیثوں سے اسلامی دنیا کو بہت سخت نقصان پونہچا کیونکہ ان واضعین کے زہد و تقوی کی وجہ سے اُنکی موضوع حدیثیں عام مقبول ہوگئیں بعض نے محض انتہا درجہ تعظیم و تکریم کی وجہ سے نئی نئی باتیں اپنے نبی کریم سے نسبت دینی شروع کیں اور جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے راہبوں اور بطریقوں کے فرضی معجزات اور کرامتیں بیان کرتے تھے مسلمانوں نے بھی اُنکے مقابل میں وہ مافوق الفطرت باتیں بیان کیں جن کا وہم و گمان بھی رسول کریم کے زمانۂ مسعود و محمود میں مطلق نہ تھا وضع کے بعد مساہلات غلط فہمیوں اور بے احتیاطیوں کا درجہ تھا جن کی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول کریم کے بھی آگے بڑھا دیا۔ شیعی گروہ نے اپنا دار و مدار بالکل اہلبیت پر کرلیا اور اُن کے فضائل میں ایسی ایسی مافوق الفطرت باتیں تراشیں کہ اُن بزرگوں نے اپنی زندگی میں کبھی اُن کا وہم بھی نہ کیا ہوگا۔ اسیطرح سنیوں نے اپنے اماموں کو مختلف کرامتوں سے لاد دیا اور جتنی مافوق الفطرت باتیں کہ ایک تعلیم یافتہ دماغ ایجاد کرسکتا ہے وہ سب ایجاد کی گئیں انکی نسبت اُن بزرگ انفاس سے دیگئی جو فی الحقیقت بیگناہ تھے اور انھیں ان اُمور سے کوئی بھی سرو کار نہ تھا پانسو برس کے رنڈ کا دریا میں سے نکلنا اور عزرائیل کے کلہ پر تھپڑ مار کے روحوں کی تھیلی اُس سے چھین لینا بہ کم درجہ کی باتیں نہیں ہیں۔ ایک شاعر کا بے لگام خیال اور ایک مصور کا خود سر قلم بھی ایسی بزرگیوں کی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔ بس ان اعتقادات نے مسلمانوں کے عقائد میں کامیابی سے خلل اندازی کی۔ گور پرستی پیر پرستی۔ گوسالہ پرستی کی زبون ترین رسمیں اسی کمبخت کرامتوں کے عقیدہ سے جاری ہوئیں اور اُنھوں نے اتنا زور باندھا کہ اصلی معجزوں کا خیال کبھی کا دل سے محو ہوگیا۔ بس یہی معجزے رہ گئے کہ آفتاب کو ایک گھنٹہ یا تین گھنٹہ اس لئے ٹھیرائے رکھا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عصر کی نماز قضا ہوتی تھی۔ حضرت جبریل آسمان سے ایک

نوشتے لے کے اُترے تھے اور اُس پر حضور انور کی مہریں کرائیں تھیں۔ اس کے یہ معنی تھے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں شہید ہوں مجھے منظور ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ ایک کوئیں میں اُتر کے سو یا کئی ہزار یا کئی لاکھ جنوں کو قتل کیا تھا۔ میدانِ کربلا میں شہنشاہ جنّات کئی لاکھ لشکر کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی امداد کے لیئے حاضر ہوا تھا مگر آپ نے امداد منظور نہیں فرمائی۔ درخیبر کو حضرت علی نے اپنے ایک ہاتھ سے اُٹھا لیا تھا۔ آسمان سے روزمرہ کھانے کے خوان بھر بھر کے اُترتے تھے۔ یا فلاں پیر دریا پر چلتے ہیں اور اُنکے پیر نہیں بھیگتے یا مرنے کے بعد بھی فلاں پیر نے یہ یہ کرامتیں دکھائیں کوئی زندہ ہوگیا اور کوئی بینا ہوگیا فلاں پیر نے ایک مردہ سے کہا اُٹھ میرے حکم سے اور وہ اُٹھ بیٹھا۔ یہ اور اس قسم کی کل باتیں انسانی شرافت اور فضیلت سے بہت دور ہیں غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ انسان کو دنیا میں پیدا کرنے کی غایت خداوند تعالی کی یہ نہیں ہے کہ وہ پانسو برس کی ڈوبی ہوئی رتھ مع سواریوں کے نکال دے اور عزرائیل کو تھپڑ مار کے روحوں کی تھیلی چھین لے اور پھر تھیلی کھولدے اور وہ روحیں اڑ کے اپنے اپنے جسم میں چلی جائیں اور پھر ایک مدید زمانہ تک وہ لوگ زندہ رہیں یا ایک مقتول کو زندہ کردے۔ فرض کرلو کہ یہ ساری باتیں ممکن ہیں اور ایک وقت اُن کا ضرور ظہور ہوا تو اب سوال یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کے پیروں کے ان افعال سے کیا عاقبت درست ہوئی یاد رکھو کہ خدا کے معاملات یا قانون قدرت میں کوئی دخل نہیں دیسکتا اور جب تک کسی کام میں خدا کا ہاتھ نہو وہ ہرگز مفید بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ ہم اسباب کو تسلیم کرتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب چلتے چلتے زمین میں سے ایک گھوڑا پیدا کر لیتے تھے اور پھر اُس پر بیٹھ کے اُڑ جایا کرتے تھے اور آسمان کی سیر سے کئی کئی دن میں اترا کرتے تھے سوال یہ ہے کہ اُنھوں نے خود تو آسمان کی سیر کی اور مزے آپ اُڑائے اب یہ بتاؤ اُنھوں نے ہمیں کیا دیا۔

اسی قسم کے باطل اوہام نے معجزہ کی اصلی حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے لکھے پڑھے جاہل سب یہی سمجھنے لگے کہ معجزہ کے معنے یہ ہیں کہ کیا تو خداوند تعالی کے اُن قوانین میں تبدیلیاں پیدا کریں جو روز ازل سے پیدا کرچکا ہے یا لوگوں کو دہوکا دیں۔ معجزہ اور نبوت یہ لازم و ملزوم ہیں نہ منشائے نبوت کو ان شعبدہ بازیوں سے کچھ سروکار ہے اور نہ معجزہ کو۔ معجزہ کسے کہتے ہیں؟ یہ سوال ہے جو مدت سے ہوتا چلا آتا ہے اور ان کا کافی جواب کسی نے بھی آج تک نہیں دیا۔ معجزہ اُن عظیم اصلاحوں کے نتیجہ کو کہتے ہیں جن میں خدا کا ہاتھ کام کرتا ہے اور وہ اصلاحیں ایسی پرزور اور بدیہی ہوتی ہیں کہ انسان کو مجبورًا تسلیم کرنی پڑتی ہیں اور اُن اصلاحوں کا قیام جبکہ خداوند تعالے اپنا ہاتھ دے چکا ہے دیرپا بلکہ دائمی ہوتا ہے۔ نبوت خاص اُس راز کا نام ہے جو کسی خاص بندہ کو عطا ہوتا ہے اور یہ صفت اُس کے کلام میں وفات کے بعد بھی رہتی ہے۔ فی الحقیقت اُس راز کا پانا محال ہے اور بیساختہ منہ سے یہی نکلتا ہے "قدر ایں بادہ ندانی بخدا تانچشی"

سخت غلط فہمی ہے کہ نبی یا نبوت کے لفظی معنی لیکے یہ حکم لگا دینا کہ مصور بھی نبی ہے اور بڑھئی بھی نبی ہے اور لوہار بھی نبی ہے۔ ان مبارک الفاظ کی ایسی بے توقیری نہیں کرنی چاہیئے اگرچہ یہ الفاظ انسانی زبان کے ہونے کی

وجہ سے محدود ہیں مگر نکلتا تو اُن سے ہے بڑا عالیشان منشا اُنکی ایسی گستاخی نہیں کرنی چاہیئے جب ہماری کمزوری اور زبان کی بے بضاعتی کی یہ کیفیت ہی کہ ہم درد دُکھ کٹھاس مٹھاس کی کیفیت لفظوں میں نہیں بیان کر سکتے پھر کیونکر خیال میں آسکتا ہے کہ خدا اور اُسکے زبردست راز یعنے نبوت اور اُسکے نتیجہ یعنے معجزہ کی حقیقت سمجھ سکیں گے اور پھر اپنی نہایت محدود زبان سے اُسے ادا کر سکیں گے قدرت ہی کی طرف سے وہ زبان عطا نہیں ہوئی پھر کیونکر سمجھا جا سکتا ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ تھوڑا سا ہی اگر بہت نہیں ہو سکتا خدائے مطلق سے اپنی تمام کمزوریوں کا اقرار کرکے عاجزی اور فروتنی کے ساتھ تعلق پیدا کرو اور چند ہی روز راستبازیوں سے اُسے یاد کرکے تو دیکھو معرفت اور حقیقت کے دروازے کس طرح کھلتے ہیں دیکھ سب کچھ لوگے مگر یاد رکھو زبان سے کچھ نہ کہہ سکو گے میرے بھائیو میری بات سنو حق یہ ہے کہ تم نے کبھی راستبازی سے خدا کو یاد نہیں کیا۔ اگر چند ہی لمحہ کر لو تو تمھیں معلوم ہو کہ بادشاہت کیا چیز ہے حقیقی شادمانی کس کا نام ہے اور قلب مطمئنہ کسے کہتے ہیں کچھ دین ہی کا فائدہ نہیں ہے بلکہ اس سے تو دنیا بھی سنورتی ہے۔ تعلق تم کرتے نہیں مگر اُن لوگوں پر ہنستے ہو جن کا تعلق ہو چکا ہے یا جو تعلق پیدا کرنے کی کوشش میں ہیں پھر تم کیونکر سمجھ سکتے ہو کہ بغیر شاقہ محنت کے تمھیں آجائے کا کیا تماشہ کی بات ہے ریاضی میں تو جان توڑ کے محنت کرو جب وہ کہیں آئے اسیطرح دنیا کا ادنی اور اعلی ہنر کبھی بغیر محنت کے نہ حاصل کر سکو مگر روحانیات اور روحانی اسرار کا علم ایک منٹ کی محنت سے حاصل کرنا چاہو بلکہ اپنی غلط فہمی سے اُس کے عالم ہونے کا دعوی کرو اور بغیر ایک لمحہ کی محنت کے یہ خیال کرنے لگو کہ اول تو روحانی اسرار کوئی چیز نہیں ہیں اور اگر ہیں تو وہم سمجھے بیٹھے ہیں ایسے لوگوں کی حالت افسوس کے قابل ہے جنکی زندگی مشتبہ جن کی موت سخت ناکامی پر ہوگی اور جنکی روحانی نجات مخدوش ہو جائیگی۔

ہندوستانی طبائع میں چونکہ اول روز سے تقلید کی صفت ودیعت ہوئی ہے خواہ وہ کیسے ہی تعلیم یافتہ ہو جائیں پھر بھی اُن سے یہ صفت نہیں جاتی بلکہ زیادہ تعلیم سے تقلیدی مادہ کو اور بھی قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اُن کی بالکل اُس ہرن کی سی مثال ہے جو بھیڑیوں کے غول سے تو بچ گیا مگر شکاری کے تیر کا نشانہ ہو گیا۔ اسیطرح ہندوستان کے مسلمانوں نے نئی تعلیم پا کے مشرقی علمار کی تقلید سے تو اپنے کو آزاد کر لیا مگر وہ مغربی علمار کے پھندوں میں پھنس گئے۔ تعجب ہے دیکھا جاتا ہے کہ ایک شخص بھی ایسا نہیں دکھائی دیا جو آزاد رائے رکھتا ہو اور اپنی اُس خداداد عقل سے کام لیتا ہو جو بحیثیت انسان اور اشرف المخلوقات ہونیکے فطرت کی طرف سے اُسے ودیعت ہوئی ہے۔

اس وقت ہندوستان ایک افسوسناک کرب وبلا میں پھنسا ہوا ہے یورپ کے الحاد اور ہندوستان کی بت پرستی نے ایک ہندی مسلما ن پر نمایاں فتح حاصل کی ہے موجودہ ہندی اسلام وہ اسلام نہیں رہا جو خلاصہ ادیان اور سرتاج ادیان تھا بلکہ اُس میں الحاد اور بت پرستی کی کچھ ایسی آمیزش ہو گئی ہے کہ دودہ کا دودہ اور پانی کا پانی الگ کرنا مشکل پڑ گیا۔ پیر پرستی۔ گور پرستی۔ فقیر پرستی۔ گوسالہ پرستی۔ تقلید پرستی نے تو ایک طرف آفت برپا کر رکھی ہے اور دوسری جانب الحاد پرستی۔ طبیعات پرستی۔ مادہ پرستی نے غضب ڈھا رکھا ہے علوم

جدیدہ کے مفروضہ اُصول پر اگرچہ وہ بہت جلد جلد بدل رہے ہیں مسلمان نوجوانوں کے نئے تعلیم یافتہ گروہ نے تکیہ کرلیا ہے اور لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں نے ہندوؤں کی بت پرستی سے اپنا نیا اسلام بنایا ہے اور پابندی اسقدر اختیار کی ہے کہ کسی عالم کی کسی رائے پر نکتہ چینی کرنا کفر خیال کیا گیا ہے۔ اسلام کی وہ آزادی ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی جو ابتدائی سنین اسلام میں تھی کہ ادنی ادنی بڑھیا خلیفۂ وقت سے جھگڑتی تھی اور چلتے چلتے راستہ روک کے کھڑی ہوجاتی تھی اور خلفا کو کبھا قائل ہونا پڑتا تھا یا اسکی غلطی پر اُسے مطلع کیا جاتا تھا مگر ہماری جب یہ زبون ترین حالت ہی تو معجزہ اور نبوت کا باریک مسئلہ کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے اور کون شخص ہے جو اُسے سمجھا سکتا ہے جبتک کہ خدا کا ہاتھ اُسکے ساتھ کام نہ کرے اور خدا کی مرضی اُسکے ساتھ شریک نہ ہو۔ مسلمانوں کی اسی خرابی اسی زبونی اور اسی انتہائی نکبت کی حالت میں بھی نبوت اور اُسکے نتیجہ معجزہ کی جھلکی پائی جاتی ہے اور اسکی جھلکی کو وہی آنکھیں دیکھ سکتی ہیں جو تجلیات ربانی سے منور ہوچکی ہیں اور جن میں خدا کے جلال کی روشنی کوٹ کوٹ کے بھر چکی ہے۔ خدا نے ہماری آنکھوں میں وہ قوت اور جوہر دیا ہے اور ہم خوش ہیں ہم نے اس صفت الٰہی کا مسلمانوں کے خلاف اور ناپاک عقائد میں نظارہ کرلیا ہے اور یہ وہ ہے کہ بڑے سے بڑے بت پرست سے بت پرست ملحد سے ملحد مسلمان کے دل میں ایک حرارت پائی جاتی ہے جو کبھی سرد نہیں ہوتی اور صدیوں پر صدیاں گزرنے پر بھی اُسکی ایک ہی حالت رہتی ہے یہ حرارت کیا ہے اور اس حرارت کا معیار کیا ہے اور آیا اس حرارت کا بھی کسی نے کھوج لگایا ہے۔ ظاہری قوانین قدرت تو یہ فتویٰ دے چکے ہیں کہ جہاں چیز قدیم ہوئی پھر اُسکی وہ صفات زائل ہوجاتی ہیں جو ابتدا میں اُس میں دیکھی جاتی ہیں اور ہم بھی روزمرہ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر کیا وجہ ہے کہ اس انتہائی خرابی پر بھی اسلام میں زندہ روح باقی ہے اور وہ زندہ روح برابر اپنا اثر دکھا رہی ہے اور قدم قدم پر اُس کے اثرات نمایاں ہیں اسی کو روح صداقت کہتے ہیں اور اُسی کو معجزہ کہتے ہیں۔ اور قرآن مجید نے آیات بینات سے اسکو تعبیر کیا ہے۔

سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہے کہ کسی ملحد فلسفی کی تقلید پر بڑھئی۔ سنار۔ لوہار اور درزی کو نبی بنادیں اور نبوت کا اعلیٰ درجہ کا جوہر جو خاص باری تعالی کی مرضی پر موقوف ہے ان ادنی پیشہ وروں کو دیدیں اور پھر بغلیں بجائیں کہ ہم نے خوب ہی نبوت کی حقیقت سمجھی اور اس راز کی تہ تک ہم خوب ہی پہنچے۔ سخت شرم کی بات ہے کہ ایک سمجھدار شخص کسی ہندو ملحد کی آنکھیں بند کرکے تقلید کرے اور اپنی خداداد ذہانت کو تقلید کے آگے بیکار کردے۔ ضمیری جوہروں کی حقیقت یاد رکھو الفاظ سے نہیں پائی جاتی ظاہری الفاظ میں ہرگز اُن معنی کا ایک ہزارواں حصہ بھی شامل نہیں ہے جو فطرت نے اُس میں ودیعت کیے ہیں۔ تم جبکہ مجسّم اور ظاہری اشیا کی ماہیت الفاظ میں مطلق نہیں بتا سکتے پھر کیونکر خیال کرسکتے ہو کہ غائب اشیا کی ماہیت بتا دوگے۔ مثلاً آم تمھارے سامنے رکھا ہے۔ ابھی تم نہیں جانتے کہ یہ کس مزے کا ہے مگر جب تم نے کھایا اُس کا اصلی مزا اگرچہ تم پر کھل گیا مگر تم چاہو کہ اُس مزے کو الفاظ میں بیان کردو محال سے بھی بڑھ کے محال ہے ہاں اُس کے مزے کو تشبیہوں سے بیان کروگے کبھی مٹھاس میں گڑ اور شکر سے تشبیہ دوگے اور کبھی کھٹاس میں کھٹا کہوگے مگر جو اُس کا اصلی

مزا ہے اور جو تمھارے دل کو آیا ہے اور تمھاری طبیعت نے اُس سے کیفیت حاصل کی ہے ہرگز ہرگز نہیں بتا سکتے۔ اسی طرح انسانی طبیعت کے پوشیدہ جوہر ہیں جن کا کھوج علوم جدیدہ بھی نہیں لگا سکے اور انھیں نہیں معلوم کہ ادراک کیا چیز ہے کیونکر پیدا ہوتا ہے اعضا سے ان چیزوں کا کیا تعلق ہے۔ انسان کے باطنی جوہروں کا ادنی درجہ خواب ہے ابھی اسکی حقیقت میں اختلاف ہے اور خاص ایک فیصلہ خواب ہی کی نسبت علوم جدیدہ نہیں کر سکے ہیں۔ خواب چیز کیا ہے۔ اسکی ہستی کیا ہے؟ کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ اور کن اعضا سے بالخصوص اسکو تعلق ہے۔ کن کن اعضا کی حرکت سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے کہ انسان لیٹا ہوا ہے مگر اپنے کو پھرتا ہوا دیکھتا ہے۔

اگرچہ ان سوالوں کے جوابات ہزاروں دیئے گئے اور دیئے جاتے ہیں مگر ابھی تک اتفاق نہیں ہوا جتنے جوابات ہیں سب خیالی ہیں اور مشاہدے سے انھیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے۔ پھر سوال کیا جاتا ہے کہ دل اور دماغ کی خواب دیکھنے کے وقت کیا کیفیت ہوتی ہے اور ان اعضا کی وہ کیا خاص حرکتیں ہیں جن سے غم اور خوشی کے خواب نظر آتے ہیں کیا کوئی دوائی ایسی پلائی جا سکتی ہے کہ دل اور دماغ کی ایسی حالت ہو جائے کہ خوشی۔ غم۔ خوف اور بے باکی کا سماں آنکھوں کے آگے نظر آئے اور طبیب اپنی دوائی کے زور پر جیسا خواب چاہے خوابیدہ شخص کو دکھا سکے۔ یہ ساری باتیں ہیں جو ابھی حل ہونی باقی ہیں اور یہ سارے عقدے جو ابھی کھلنے کو موجود ہیں جب تک کامل طور پر انسانی ذات کا کھوج نہ لگ جائے گا اور اسکی ظاہری اور باطنی حالتیں کما ینبغی نہ معلوم ہو جائینگی کبھی اُن جوہروں کا خیال بھی نہ آئیگا جو رب الافواج اپنی مخلوق کے کسی خاص بندے کو اپنی مستمرہ عادت کے مطابق بخشش کرتا ہے۔ طفلانہ طور پر انسانی جوہروں کا پتہ لگانے میں فطرت کی باطنی قوتوں کا مضحکہ نہ اڑاؤ اور انسانی الفاظ کے ظاہری معنی پر قناعت نہ کرلو بلکہ پاک اور صاف دل سے اپنی عاجزی اور فروتنی کا اقرار کر کے خضوع اور خشوع کے ساتھ رب الافواج کی اعلی بارگاہ پر نیاز کی پیشانی جھکاؤ اور التجا کرو کہ ہمارے دل میں وہ قوت دے جو ہم تیری بزرگی کا ادراک کر سکیں۔ اور ہماری آنکھوں میں وہ نور عطا کر جس سے ہم تیرا جلال جو ذرہ ذرہ میں چمک رہا ہے نظر کر سکیں۔ تمھاری دعا قبول ہوگی کیونکہ وہ ضرور اسکی سنتا ہے جو اُسے پکارتا ہے اور اُسکے سوالوں کا جواب دیتا ہے جو اُس سے خطاب کرتا ہے کن بیہودہ خیالات میں پڑے ہو اور کیا سوچ رہے ہو اپنی عمروں کا بڑا حصہ بیکاری میں صرف کر چکے اور خدا کا وہ خزانہ جو تمھیں عطا ہوا تھا ابھی یوں کا یونہی سربمہر رکھا ہوا ہے۔ دیکھو تو سہی کہ اُس خزانہ میں کیا کیا ہے اور معلوم تو کرو شاید یہی خزانہ ہو جسکی وجہ سے تمکو انسانیت کا شرف ملا ہے جو کچھ تم نظر کر رہے ہو اور سحر انگیز منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو یہ کیا ہے کہ اسی نے تمھیں فریب دے رکھا ہے اور یہی طلسمی سامان تمھیں خالق ارض و سما کی طرف رجوع ہونے سے روکتا ہے اگر ایسا ہے تو بڑی ہی بدقسمتی کی بات ہے۔ اس تمام طلسمی سامان کے تو تم ہی موجد ہو۔ تمھاری ہی ایجاد کی ہوئی غیر ذی روح چیز تمھیں بے خبر بنا دے اور کہیں کا بھی نہ رکھے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ تمام سحر انگیز اشیا تمھارے خیالات کا نتیجہ ہیں اور چونکہ تمھارے دل و دماغ کا یہ جزو اعظم ہیں اس لیے تمھیں مناسبت ضرور ہونی چاہیئے مگر مناسبت کے یہ معنی نہیں

ہیں کہ تم ان ہی چیزوں کے ہو کے رہجاؤ اور اپنے خالق کو بھول جاؤ۔ یہ کل سامان یہ تمام طلسمی اشیا کیا ہیں تمہارے خیالات کا ادنی اور سب سے ادنی نتیجہ ہیں۔ تمہاری ذات کے صدقہ سے ان کا ظہور ہوا ہے اور تمہیں انکے موجد ہو عقل تو یہ چاہتی ہے کہ تم ان سے چونکہ ہر طرح اشرف ہو اس لیئے کسی طرح بھی مغلوب نہ ہو اور اگر تم مغلوب ہوئے تو تمہاری قسمت اُن بت پرستوں کی سی ہو گی جو خود ہی پتھر کی مورتیں بناتے ہیں اور خود ہی اُنکے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ تمہیں ان چیزوں سے جو تمہارے ارد گرد ہیں فریب نہ کھانا چاہیئے کیونکہ یہ تمہاری بنائی ہوئی اور تمہاری ہی ایجاد ہیں تمھیں اپنے خالق کی مرضی پر پابند ہونا چاہیے اور یہ پابندی تمہاری دینی اور دنیا کی حقیقی بہبودی ہے اسی سے دنیا کے معاملات میں اصلاح ہوتی ہے اور اسی پابندی سے روحانی فضائل ملتے ہیں۔

اگر کوشش کروگے نور روحانی فضائل کا تمھیں اچھی طرح کھوج لگ جائیگا اور تم سمجھ جاؤگے کہ معجزات اور نبوت کیا ہے اور اُن کا تعلق خدا اور اُسکی مخلوق سے کیا ہے۔ قرآن مجید فی الحقیقت فطرت کی ایک مکمل بیاض ہے مگر جب تک اُس سے مذاق نہ پیدا کروگے وہ ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا۔ تم اسے مثل معمولی کتابوں کے پڑھتے ہو اور اُسکے ظاہری معنے لے کے یہ سمجھتے ہو کہ ہم قرآن مجید کے مطالب پر حاوی ہوگئے حالانکہ حقیقت کی راہ اُس سے بہت دور ہوتی ہے پہلے روحانی مضامین کے سمجھنے کا مذاق پیدا کرو پھر قرآن کے سمجھنے کا نام لو اور ادنی خیال کر کے سمجھ سکتے ہو کہ جبتک مصنف سے تمہارا تعلق نہو گا ہرگز اسکی کتاب کے سمجھنے کا مذاق نہیں حاصل ہو سکتا کیا وجہ ہے کہ تم جب قرآن پڑھتے ہو تو صرف اسکی عبارت سے اگرچہ معنی نہ بھی سمجھو وجد میں آجاتے ہو مگر دوسرے مذہب کے شخص کی جو ایک ہی شہر میں رہتا ہو ایک ہی خوراک کھاتا ہو ایک ہی معاشرت رکھتا ہو یہ کیفیت نہیں ہوتی اسکی وجہ عیاں ہے اور اس کا سبب صاف ظاہر ہے۔ تمھیں اس سے دلی تعلق ہے اس لیئے اس کا نام سنتے ہی یا اُسکے الفاظ کان میں پڑتے ہی تمہاری حالت بدل جاتی ہے مگر دوسرا شخص اُس سے متاثر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر تم اپنے تعلقات خالق ارض وسما سے زیادہ پیدا کروگے تمہارا قرآن سمجھنے کا مذاق بڑھتا جائیگا اور پھر تم ترقی کرتے کرتے قرآن مجید کے ان اصلی معنی کو سمجھنے لگوگے جو الفاظ کی تہ میں مضمر ہیں۔

نبوت کا بڑا نتیجہ قرآن مجید ہے اور اس پاک کتاب کو ہم دوسرے لفظوں میں آیات بینات یا معجزہ سے تعبیر کرینگے اس مقدس کتاب کو غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس میں روحانی فضائل حاصل کرنے کے مدارج مقرر کیئے گئے ہیں اور جب تک کوئی شخص درجہ بدرجہ طے نکریگا سب سے اعلی مرتبہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن مجید میں شروع ہوتے ہی صرف ایک جملہ نکلتا ہے اور وہی جملہ گویا آگے آنے والی روحانی تعلیمات کا بہت بڑا سرچشمہ ہے۔ یعنی وہ جملہ یہ ہے ذلک الکتب لا ریب فیہ ھدی للمتقین ۝ الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوۃ و مما رزقنٰھم ینفقون ۝ یہ ایک جملہ ہے جسکی تفسیر سارا قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کی خواہ کسی چھوٹی سی آیت کو پڑھو اسی آیت یا جملہ کی شرح پاؤگے اور جب تک اس آیت کا اصلی مفہوم دل میں نہ جمالوگے اُسکی شرح کو نہ سمجھ سکتے ہو نہ اس سے کچھ مذاق حاصل کرسکتے ہو بیان کیا گیا ہے کہ اگرچہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جس میں شک کی ذرہ برابر گنجائش نہیں ہے۔ لیکن اُن ہی لوگوں کو ہدایت کرتی ہے جو خدا سے ڈرتے ہیں اور غیب کی چیزوں پر اُن کا ایمان ہے۔ اور پھر آگے اُن لوگوں کی صفت بیان

کی گئی ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں یعنی عبادت آلہی کرتے ہیں اور جو کچھ اُنھیں دیا گیا ہے اس میں سے خیرات کرتے ہیں
غیب پر ایمان لانیکے یہی معنی ہیں کہ اُن پوشیدہ قوتوں یا جوہروں کا یقین کیا جائے جو دنیا کی ہر شے میں مضمر ہیں۔
اور اُس سے کائنات کا بڑا سا بڑا کرہ اور چھوٹے سے چھوٹا ذرہ خالی نہیں ہے اگرچہ بقدر مراتب اُن جوہروں یا قوتوں
کا حصہ اُن میں ودیعت ہوا ہے۔ اُن ہی پوشیدہ قوتوں سے خالق کا کھوج ملتا ہے اور ان ہی جوہروں نے ہر شی میں
ایک امتیاز پیدا کر رکھا ہے۔ انسان ان ہی سے انسان بنا ہے اور حیوان ان ہی سے حیوان کہلایا ہے۔ ان پوشیدہ
باتوں پر جن کا ایمان نہیں ہے اُنھیں اُنکی تلاش بھی نہیں ہونے کی اور جب تلاش نہ ہوئی تو پھر خدا کا ملنا بہت ہی
مشکل ہو جائیگا۔ ان پر ایمان رکھنے کے یہ معنی ہیں کہ انھیں جانے انکی حقیقت سے آگاہ اور ان میں پیوست ہو جانے
کی کوشش کرو۔ یہ قوتیں اگرچہ چھپی ہوئی ہیں مگر ان کے نام ہر زبان میں موجود ہیں اور سب نے اُنھیں تسلیم کر لیا ہے اگرچہ
اُنکی حقیقت کے سمجھنے میں سب نے ہی دھوکا کھایا ہے۔ اور کم ہیں جو اُنکی تہ تک پہنچتے ہوں۔ ان ہی قوتوں کے
نام ہر زبان پر جاری ہیں اگرچہ وہ نام کافی احاطہ اُنکے مفہوم کا نہیں کر سکتے۔ مثلاً ایمان۔ یقین۔ اعتقاد۔ ادراک۔
فہم۔ حس وغیرہ یہ الفاظ تو بیشک ہمیں یاد ہیں لیکن چونکہ ہماری زبانیں محدود ہیں اور جنھیں ہم بارہا ثابت کر چکے ہیں
اس لیئے اُن جوہروں میں سے ایک جوہر کی ایک صفت کے ہزارویں حصہ کا مفہوم بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ ان جوہروں
کی شناخت کرنی اور یہ سمجھنا کہ صرف مادہ ہی ان صفتوں کو پیدا نہیں کر سکتا بلکہ ارض و سما کے خالق کے ہاتھ میں ہی اہم
وہی ان عناصر میں جن سے انسان بنا ہوا ہے یہ صفتیں ودیعت کرتا ہے اور بغیر اسکی مرضی کے انھیں کوئی بھی نہیں
پا سکتا۔ جب ہم نے یہ سمجھ لیا کہ ضرور ایسے جوہر جو انسان کی بزرگی اور کل مخلوقات پر اشرفیت کا باعث ہیں خدا کی خاص
نعمتوں میں سے ہیں اور وہی عطا کرتا ہے تو اُس خیال کے پختہ ہونے سے معاً ایسے خالق کی عبادت کا خیال آتا ہے
اور وہ فوراً اپنی بے بضاعتی کا اقرار کر کے سر بسجود ہو جاتا ہے بس پھر یہیں سے معرفت اور حقیقت کے دروازے
اس پر کھلجاتے ہیں اور وہ عالم روحانیات میں ترقی کرتے کرتے کامل انسان بنجاتا ہے جب انسانیت میں اُسے
کمال ہو جاتا ہے تو پھر وہ اپنے حقیقی خالق کی مخلوق کی اصلاح کیطرف رجوع ہوتا ہے اور جو کچھ خداوند تعالیٰ نے اُسے
عنایت کیا ہے وہ اپنے بھائیوں کے دینے میں دریغ نہیں کرتا خواہ روپیہ سے خواہ نصائح سے خواہ نیکی سے خواہ کسی
اور طرح سے پہلا درجہ روحانی فضائل کا کمال ہے کیونکہ بغیر اسکے آدمی نہیں بن سکتا اور پھر دوسرا درجہ تمدن کا قائم
کرتا ہے اس سے ایک یہ بھی بات ثابت ہوئی کہ مخلوق کو وہی شخص فائدہ پہنچا سکتا ہے جس کا تعلق خداوند تعالیٰ سے
ہوگا اور جسے اپنے خالق سے کوئی واسطہ نہیں ہے جس نے کبھی بھولے سے بھی اپنے معبود کو یاد نہیں کیا وہ اُسکی
مخلوق پر کیا مہربانی کر سکتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیئے فرض کر لیں کہ ملحدوں کے مفروضہ اُصول صحیح ہیں تو سوال
یہ پیدا ہوتا ہے کہ آجتک ان ملحدوں نے بنی نوع کی کچھ اصلاح کی اور آجتک دنیا میں انکی ذات سے کون سے تمدن قائم
ہوئے۔ اُنھوں نے خدا کی مخلوق کو کیا فائدہ پہنچایا اور اُنکی ذاتی حالت زندگی بھر کیا رہی۔ بہت سے یوروپی ملحدوں
کی حکایتیں سنی ہیں کہ مرتے وقت اُن پر کیا مایوسی کی حالت طاری ہوئی اور اخیر اُنھیں اپنے مذہبی پیشوا کے آگے خداوند
مسیح کا اقرار ہی کرنا پڑا۔ کاش زندگی میں بھی اُنکے دل پر عیسائیوں کے خداوند مسیح کا کچھ اثر ہوتا تو ضرور وہ اُنکے دہنے

بازو پر بیٹھ کے انگور کا شربت نوشجان کرتے مگر آخری توبہ سے کیا ہوتا ہے اب تو اُنھیں کچلچانا اور دانت پیسنا پڑیگا۔ الحمد للہ مسلمانوں میں ملحد بہت کم پیدا ہوئے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلام نہ تو یہ کہتا ہے کہ مذہب کی بنیاد کسی مافوق الفطرۃ بات کے ایمان لانے پر منحصر ہے نہ اسلام کوئی عقل کے خلاف عقیدہ پیش کرتا ہے وہ تو یہ کہتا ہے کہ خدا کو ایک مانو اور کسیکو اُس کا شریک نہ بناؤ اور بس۔ جب خدا پر کامل ایمان ہوگا تو نبوت اور معجزہ کا راز بآسانی سمجھ میں آجائیگا اور پھر کوئی دشواری نہ رہیگی۔ خدا تعالیٰ کے یہ راز ہیں جنکا پتہ اُس سے تعلق پیدا کرنے پر موقوف ہے محض عقل کے تکے لڑانے سے یہ باتیں نہیں حاصل ہوتیں۔ جو کچھ مجھے معجزہ اور نبوت کے بارے میں لکھنا تھا لکھ چکا اور خیال ہے کہ فی الحال شاید اسی قدر کافی ہو اگر یہ مضمون غور سے پڑھا گیا تو اُمید پڑتی ہے کہ بہت سے شکوک رفع ہو جائیں گے اور نبوت اور معجزہ کا مفہوم آنکھوں سے نظر آجائیگا محض اپنی عقل اور علم کے زور سے ہرگز خدا کا راز نہ تلاش کرو منطق اور فلسفہ کو ہرگز ایسی باتوں میں دخل نہ دو بلکہ نہایت روشن ضمیری اور پاکبازی سے خدائے تعالیٰ کے اس راز کی جستجو کرو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

چودہواں باب

کثرت ازدواج

کثرت ازدواج کا مسئلہ چونکہ معاشرت اور تمدن سے زیادہ تعلق رکھتا ہے اس لئے بہت ہی دلچسپی سے پڑھا جائیگا اور عام طور پر خیال رجوع کرنے کے لئے اس سے زیادہ ضروری مضمون شاید اور نہ نکلے۔ عورت جو انسانی معاشرت کی ایک جزو اعظم ہے ہمیشہ سے نئی نئی صورتوں میں دنیا کی تماشہ گاہ پر اُس نے جلوہ کیا ہے۔ کہیں وہ ماں کی صورت میں آئی ہے اور کہیں بی بی اور کہیں بہن اور کہیں بیٹی کی۔ تعلقات کے اختلاف کی وجہ سے اس کے مدارج میں بھی فرق ہوگیا اور یہ فرق اگرچہ کل قوموں میں بیّن طور پر پایا جاتا ہے مگر اس کا رنگ بھی ہر ملک میں جا کے بدل گیا ہے اور قدرت کبھی اُسے ایک حالت پر قائم نہیں رکھتی۔ عورت جسکی تعظیم اخلاقی طور پر بہت ضروری تھی اور وہ بحیثیت اسکے کہ دنیا کی ماں ہے بہت ہی محترم گنی جاتی ہے مگر انسانی غرور نے اول روز سے اُس کا مناسب احترام نہیں کرنے دیا اور اُسے ایسی شرمناک حالت میں رکھا جس سے زیادہ شرمناک ملنی ممکن نہیں۔

اگر نفس تمدن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ واجب الاحترام چیز دنیا میں کوئی نہیں ہوسکتی کیونکہ ایکطرف تو یہ انبیا کی ماں ہے اور دوسری طرف شہنشاہوں کی اور پھر علما اور فقرا کی اسی سے پیدا ہوئے اور اسی کا خون کھا کھا کے رحم میں پرورش پائی مگر بڑے ہو کے سب نے اس کے واجب اعزاز سے پہلوتہی کی اور نہایت ناانصافی سے اُسکے ساتھ برتاؤ کیا یہ کمال اُس عورت میں ہے کہ پیٹ میں یہ رکھے پیدا ہونے کے بعد پرورش یہ کرے دودھ یہ پلائے اور نہایت بے بس حالت میں انسان کی خبرگیران ہو مگر جب وہ بڑا ہو جائے اور اُس میں قوت آجائے تو پھر ایسی اتنی بڑی محسنہ کیطرف توجہ بھی نہ کرے بلکہ حاکمانہ طور پر اُس پر نظر کرے اور یہ سمجھے کہ جس طرح دنیا کی اور چیزیں نباتات جمادات کی قسم سے میرے فائدے کے لئے بنائی ہیں اسیطرح عورتوں کو بھی میری اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے۔

ہیں جس طرح ان سے چاہے پیش آؤں مجھے زیبا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے انسان کو ناسپاس فرمایا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس میں ناسپاسی کی صفت موجود ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ جبلی ناسپاس ہے۔

جب سے دنیا میں تاریخ کا کھوج لگتا ہے کبھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کسی قوم نے بھی عورت کی عزت کرنا تو کجا اُس پر رحم کھایا ہو اور اُس کے حقوق اُسے پورے دیئے ہوں۔ ہمیشہ عورتوں پر ظلم ہوا اور ہمیشہ اُن کے حقوق غصب کئے گئے اور بلاوجہ اُن پر تاخت کی گئی۔ اسلام اگر اُنکی حمایت نہ کرتا تو وہ خبر نہیں بربادی کی کس حد تک پہنچ جاتیں اور اُس سے مخلوق پر کسدرجہ تباہی آتی۔ عورت کیسی ہی پارسا ہو اور کیسی ہی عاقل اور ہوشمند ہو مگر مرد کے آگے نادان سمجھی جاتی ہے اور کبھی اُس سے اہم معاملات میں مشورہ نہیں لیا جاتا اور نہ اُسکی کسی بات پر عمل کیا جاتا ہے حضرتِ مسیح علیہ السلام جیسا عیسائیوں کا خیال ہے بے باپ کے پیدا ہوئے اگر یہ سچ بھی مان لیا جائے تو یہ معجزہ حضرت بی بی مریم علیہا السلام کا تھا نہ کہ حضرت مسیح کا مگر قوم نے اپنی اُسی موروثی عادت کے بموجب اور اپنی جبلی خاصیت کے مطابق حضرت مریم کو تو پوچھا بھی نہیں اور حضرت مسیح کی آؤ بھگت کی اور اخیر اُنھیں تیسرے آسمان پر چڑھا دیا۔ زیادہ محبت کا جوش آیا تو حضرت مسیح سے اُنکی ماں کو جھڑکیاں دلوادیں اور گھر میں تک نہ گھسنے دیا۔ یہ تعظیم ہے جو گزشتہ دنیا نے عورتوں کی کی اور یہ توقیر ہے جو اُس کائنات کی ماں کی کی گئی۔ موجودہ زمانہ میں عورتیں خواہ کتنی ہی ترقی کر جائیں لیکن رہیں گی مرد ہی کی دست نگر اور اس درجہ سے وہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

عورتوں کی ایک دردانگیز کہانی ہے اور اُنکی بپتی ایسی خون آلود ہے کہ سخت سے سخت دل بھی چار لفظ بھی نہ سن سکے گا۔ دنیا کی پیدایش سے ابتک (سوائے زمانۂ اسلام کے) عورتوں کا ہمیشہ زوال رہا ہے اور اُنھوں نے کبھی قوم کے ساتھ ترقی نہیں کی اور نہ اُنھیں کبھی کچھ عروج ہوا۔ وہ ہمیشہ مطیع رکھی گئیں اور وہ بھی اس بری طرح سے کہ خدا نہ دکھائے۔ رومۃ الکبریٰ جو مغربی عیسائیت کا پایہ تخت تھا عورتوں کے لحاظ سے سخت زبون ترین حالت میں تھا۔ پادریوں کے ادنی سے اشارہ میں شاہراہوں پر ذبح کروا ڈالی جاتی تھیں اور بے درد اف تک نہ کرتے تھے۔ اُنھیں نہ مثل لونڈیوں کے بنا رکھا تھا بلکہ سنگدلی سے اُن پر جابرانہ حکومت کرتے تھے۔ نہ اُن کی آسایش سے غرض تھی اور نہ خوشی سے وہ چاہے دکھ میں رہیں یا خوشی میں رکھیں مرد کو خوش۔ اُن کے خلاف پادریوں کے جتنے فتوے جاری ہوتے تھے اُنکی بہت آسانی سے بے چون وچرا تعمیل ہو جاتی تھی اور اُنکی جان سب سے زیادہ ضیق میں پھنسائی جاتی تھی۔

جادو کے الزام میں بھی خدا کی اسی مظلوم مخلوق پر دنیا میں کیا کیا آفتیں برپا ہو گئیں اور کیا کیا ستم ٹوٹ گئے کس طرح ایشیا اور یورپ میں زندہ جلا دی گئیں اور کس بیدردی سے اُنھیں تھو تھے تیروں اُڑا دیا گیا۔ حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر کر کے بچے نکالے گئے اور اُف ظالموں کو ذرا ترس نہ آیا جتنے خراب نام کہ انسان اپنی زبان میں تراش سکتا تھا سب ان ہی بدبختوں کے لیئے موزوں کیئے گئے اور پھر بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا۔ اُنھیں شیرخوارگی کی حالت میں زندہ درگور کیا گیا اور نامردوں نے اپنی اُس بزدلی پر بغلیں بجائیں۔ اُف سنگدلی تو کیسی بے رحم ہے کہ تجھے کبھی اُن معصوم بچیوں پر ذرا رحم نہ آیا جن مظالم کا ذکر پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں وہ دیدہ و دانستہ

بے گناہ بے بس عورتوں پر توڑے گئے اور ذرا بھی درد نہ آیا۔ وحشی اقوام کے دستی معبودوں کے قدم مدت تک
بیگناہ عورتوں کے خون سے تر رہے ہیں۔ خانقاہوں اور گرجوں کے تہ خانے اور مندروں کی کوٹھریاں، ان
بیگناہوں کی لاشوں سے مدتوں سڑا کی ہیں۔ ایک راہب یا پادری کا معمولی اشارہ صدہا عورتوں کے لیئے عزرائیل کا
حکم رکھتا تھا اُنھیں صدیوں تک نہایت شرمناک حالت میں رکھا گیا ہے وہ شرمناک حالت جو نہ آنکھوں سے دیکھی
جاسکتی ہے نہ شیطانی اوہام اُنکا احاطہ کرسکتے ہیں۔ رومتہ الکبریٰ میں کیا ہوا مشرقی سلطنت یعنی قسطنطنیہ میں کیا
بیتی ہندوستان میں ان سے کیا سلوک کیا گیا ایران میں ان پر کیا کیا آفتیں نازل ہوئیں اور سب سے زیادہ یورپ میں انپر
کیا کیا ستم ٹوٹے۔ عیسائیوں کے خانقاہوں اور گرجوں نے ہندؤں کے مندروں اور شوالوں نے آتش پرستوں
کے آتشکدوں نے یہ کل شرمناک اور خونی منظر اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اور وہ کل قیامت کے دن رب الافواج
کی بارگاہ میں عورتوں کے مظالم کی عینی شہادت دینگے۔

جہاں اُن پر یہ ظلم کیئے جاتے تھے وہاں اُنکی اخلاقی حالت کو بھی بالکل مٹایا جا رہا تھا۔ ایران میں تو بی بی اور
بہن کی تمیز ہی اُٹھ گئی تھی مشرقی نصاریٰ ماں کو ماں ہی نہ سمجھتے تھے اور ہندؤں نے تو اُنھیں یہانتک برباد کیا
تھا کہ ایک ہی عورت کئی بھائیوں سے تعلق پیدا کرے۔ جسمانی سزاؤں کے علاوہ یہ اخلاقی آفتیں تھیں جو اُن پر
توڑی جاتی تھیں اور کائنات کی ماؤں کی علانیہ یہ درگت بنائی جارہی تھی پیغمبر۔ اوتار۔ اور مصلح پیدا ہوئے اور اپنی
ہی جنس کے بہبودی کے قواعد بنا کے چلدیئے مگر کسی نے بھی سوائے خاتم النبیین کے انکی دردناک حالت پر
توجہ نہیں کی حضرت موسیٰ حضرت داؤد حضرت یعقوب علیہم السلام نے عورتوں کے ساتھ کیا کیا اور کون سے
احکام نافذ فرمائے۔ حضرت مسیح نے عورتوں کے کون سے حقوق برقرار رکھے ہندوستان میں ویدوں کے مصنفوں
نے کیا کیا اور بودھ نے اپنے اصلاحی اور فنا فی اللہ مذہب سے عورتوں کو کیا فائدہ پہنچایا۔ کچھ بھی نہیں بس اگر کیا تو یہ
کیا کہ اُنھیں اور بھی آفت میں پھنسا دیا اور اُنکی کچھ بھی چارہ جوئی نہیں کی۔

دنیا میں اگرچہ کل قوموں کے مرزبوم کے اختلاف کی وجہ سے خیالات۔ محسوسات۔ معاشرت اور تمدن بالکل
الگ الگ ہیں مگر عورتوں کے معاملہ میں یہ عجیب بات ہے کہ سب کی ایک ہی رائے اور ایک ہی خیالات ہیں اور جہانتک
ممکن ہوا ہے ہر شخص نے دوسرے شخص کی تائید ہی کی ہے۔ ظلم کی ایک حالت ہے جو جنوب و شمال اور مشرق
و مغرب یکساں پائی گئی ہے اور اس میں نہ یورپ میں جا کے کچھ فرق آیا ہے اور نہ ایشیا میں جا کے۔ سمجھنے کی
بات ہے کہ جس چیز سے دنیا دنیا بنی وہ کتنی احترام کے قابل ہونی چاہیئے مگر نہیں اُسے حتی الامکان قدموں کے
نیچے کچلا گیا اور اُس کے برباد کرنے کی کوشش کی گئی۔ نہ مذہبی قوانین نے عورتوں کی رعایت کی نہ ملکی قوانین نے
اُن پر کچھ ترس کھایا۔ ان کے حق میں تو سب ہی عزرائیل ثابت ہوئے اور اُن کے گلے پر تو ہمیشہ سب کی چھری
تیز رہی۔

جتنی قومیں دنیا میں ہوئیں اور برباد ہوگئیں اور جتنی قومیں کہ آج دنیا میں موجود ہیں سوائے ایک قوم کے
(بشرطیکہ اُسے اُس کے دینی پہلو سے دیکھا جائے) کوئی قوم نہ ایسی ہوئی نہ اب موجود ہے جس نے عورتوں کا

پاس ولحاظ کیا ہو اُنھیں مردوں کے پہلو بہ پہلو حقوق دیئے ہوں اور اُنکی ایسی تعظیم کی ہو کہ اُن کے قدموں کے نیچے جنت رکھدی ہو یعنی اُنکی اطاعت کو نجات کی کنجی بنایا ہو۔ کس نے عورتوں کو ام المؤمنین کا محترم لقب دیا ہے اور کس نے عورتوں کو مردوں کا سرتاج بنایا ہے۔ قرآن نے جہاں روحانی فضائل کی بنیاد دنیا میں قائم کی ہے وہاں انسانی تمدن کو بھی آسمان پر چڑہا دیا ہے اور کائنات کی ماں یعنی عورت کو مرد کے ساتھ ایک ہی پیمانہ میں رکھا ہے مثلاً جہاں اولاد کو حکم ہوا ہے کہ تم اول کس پر احسان کرو تو وہاں "والدین" کا لفظ فرمایا ہے۔ اس میں ماں باپ دونوں ہی آگئے اب یہاں سے گویا عورت و مرد کی مساوات کا سلسلہ قائم ہوا اور اُس نے مہیب مظالم کی تقویم پارینہ کو بالکل پارہ پارہ کر دیا۔ یہ ایک عجیب اُصول تھا جو اسلام نے تمام دنیا کے خلاف قائم کیا اور یہ ایک عجوبہ قانون تھا جو دنیا نے اس سے پہلے کبھی آنکھ سے نہ دیکھا تھا اگرچہ اب یہ محض معمولی نظروں سے دیکھا جائے گا مگر جب یہ خیال کیا جائیگا کہ یہ حکم کسوقت دیا گیا تھا تو اُسکی وقعت پوری اُسوقت دل میں جمے گی۔ دنیا ایک ہی طریقہ پر چلرہی ہو اور تمام عالم کا ایک ہی خیال ہو اور پھر ایک شخص دنیا کے بدترین خطہ میں پیدا ہو کے مخالفت کرے اور دنیا سے لڑنے کھڑا ہو جائے اور پھر اپنے اس دشوار کام میں تمام اقوام سے بازی لیجائے فی الحقیقت ایک نادر الوجود بات ہے بظاہر فطرت نے عورت و مرد میں فرق رکھا ہے اور دونوں کی جسمانی بناوٹ میں جو کچھ اختلاف ہے وہ چھپا ہوا نہیں ہے مگر اس اختلاف کا یہ نتیجہ نہیں ہے کہ عورت مرد کی اطاعت کرے اور اطاعت بھی کیسی کہ مثل جمادات۔ نباتات کے اُس کے مقابلہ میں سمجھی جائے۔ دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جو عورتیں نہ کر سکیں وہ کسی حالت میں معذور نہیں ہیں۔ میدان جنگ میں اُنھوں نے کام کیا ہے اور جہانداری میں یہ حصہ دار اور نامور بنی ہیں۔ انکے کارنامے عالم میں مشہور ہیں اور انکی ذہانت۔ طبّاعی اور عقل کے زمانہ نے ہمیشہ داد دی ہے۔ بایں ہمہ ہر قوم نے ان پر ظلم کیا اور دنیا کے ہر ملک میں انھیں انسانی اشرفیت کا ایک بدنما داغ خیال کیا گیا۔ رحم اور صبر فطری طور پر ان میں زیادہ ودیعت ہوا ہے اور یہ بہ نسبت مردوں کے زیادہ جفاکش اور محسن پرست ہوتی ہیں۔ ان بیچاریوں پر طرح طرح کے حملے کیئے گئے کبھی انھیں انتہا درجہ بزدل ثابت کیا گیا کہیں انکی عصمت پر منہ آیا گیا اور کہیں انھیں شیطان سیرت بنایا گیا ہمیشہ ان کے عیب تل کے پہاڑ بنا کے دکھائے گئے اور مردوں کے مقابلہ میں بہر صورت انھیں ناچیز ٹھہرایا گیا۔ وجہ نہیں معلوم ہوئی کہ ایک ہی جرم ہے اور دو عورت و مرد اُس کے مرتکب ہیں۔ مرد سے تو کچھ نہ کہا جائے مگر عورت کی گردن ماردی جائے۔ مرد نے زبردستی خلاف فطرت عورت کو اپنا محکوم بنا لیا ہے اور وہ اس پر جابرانہ حکومت کرتا ہے۔ عورتوں کے فریب دغا بازیاں ہر قوم میں مشہور ہیں اور عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ عورت سے زیادہ فریبی دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ مگر یہ یکطرفہ فیصلہ ہے خود ہی مدعی خود ہی مجوز بن کے جا ہے جو کچھ کر دیا۔ فیصلہ ہمیشہ ثالث شخص کیا کرتا ہے۔ اور چونکہ ثالث کوئی ہے نہیں اس لیئے اُس فیصلہ کی کوئی وقعت نہیں جو مدعی نے خود ہی کرلیا ہو۔ عورتوں کے سر جسقدر فریب چیپکے جاتے ہیں اگر وہ سب تسلیم کر لیئے جائیں پھر بھی اُن دغا بازیوں اور جعلسازیوں سے جو شب و روز مرد کرتے رہتے ہیں عورتوں کا درجہ بہت ہی گھٹا رہے گا اگر مرد نے لاکھ خون کیئے ہیں تو عورت نے بمشکل ایک کیا ہوگا اگر مرد نے ہزار بار فریب کیا ہے تو عورت نے ایک بار کیا ہوگا۔ یہ ایسی

بدیہی باتیں ہیں کہ ان سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ مگر محض ذاتی اغراض کو مدّنظر رکھ کے اپنے معائب سے چشم پوشی کی گئی ہے اور عورت کے ہر ادنیٰ سے ادنیٰ عیب کو بانس پر چڑھایا ہے۔ عورت کی بدکاری سخت پر خوف نظروں سے دیکھی جاتی ہے جبکہ مرد کی بدکاری پر اتنا خیال نہیں کیا جاتا۔ یہ انتہا درجہ کی خود غرضی نہیں تو اور کیا ہے۔

عورت ایک دفعہ عیب کرنے کے بعد پھر تمام عمر کسی کام کی نہیں رہتی مگر مرد تمام عمر بھی عیب کرے اُس کے عیب عیب ہی نہیں گنے جائیں گے۔

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا جب ظہور ہوا ہے دو سلطنتیں ہمسایہ بھی تھیں اور قوی ترین بھی تھیں ایک زردشتی مذہب کا پایۂ تخت تھا اور دوسرا مشرقی عیسویت کا دارالامارۃ تھا یعنی ایران اور قسطنطنیہ رومۃ الکبریٰ کا کبھی کا چراغ گل ہو چکا تھا اور وحشی قومیں کبھی کی اُسکی اینٹ سے اینٹ بجا چکی تھیں۔ ایران میں نو عورتوں کے لیئے کوئی بھی قانون نہ تھا نہ اُن کے کچھ حقوق سلطنت کی طرف سے اُنھیں عطا ہوئے تھے اور نہ شوہر کے گھر جانے سے وہ کسی قسم کے حقوق حاصل کر سکتی تھیں۔ بلکہ اُن پر تمام دنیا کے حق تھے اور ذلیل سے ذلیل کام لینا جائز قرار دیا گیا تھا۔ اسی آزادی نے قدیم سے کئی کئی شادیوں کی رسم کی دنیا میں بنیاد قائم کی اور لوگ محض اس وجہ سے کہ یہ مثل ایک بازار کی چیزوں کے ہیں جتنی چاہتے گھروں میں بھر لیتے۔ بس اُنکی خبر گیری اسی قدر کیجاتی تھی کہ بہت معمولی کھانا دیدیا موٹا جھوٹا کپڑا پہنا دیا اور اُس کے صلہ میں اُن سے تمام دنیا کے کام لیئے اس کے علاوہ اور کسی قسم کی خبر گیری سے کام نہ تھا اور مثل بیکار جانوروں کے اُنھیں سمجھا جاتا تھا عام طور پر یہ خیال تھا کہ دنیا میں عورتیں صرف اولاد کے لیئے پیدا کی گئی ہیں ورنہ ایسی بیکار چیز کے پیدا کرنے کی کوئی غرض نہیں ہو سکتی تماشہ کی بات ہے کہ ان عورتوں سے جو اولاد پیدا ہوتی تھی وہ تو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور کل وارث وہی قرار دی جاتی تھی مگر اس کمبخت کے لیئے وہی ڈھاک کے تین پات موجود تھے۔ مثلاً ہندوؤں کے ملکی قانون میں موجود ہے کہ بی بی خاوند کی جائداد میں سے سوائے گزر اوقات کے اور ایک پیسہ لینے کی مستحق نہیں ہے اور قانوناً اُسے کچھ بھی اختیار نہیں ہے کہ بیٹے کے مقابلہ میں جو اُسی کے بطن سے ہے ایک پیسہ بھی لے سکے اسیطرح بھائیوں کے مقابلہ میں وہ اپنے باپ کے ورثہ کی بھی مالک نہیں بن سکتی اور اس حسرتناک حالت میں وہ اپنی زندگی گزار دیتی ہے وہ مظالم جو قدیم زمانہ میں عورتوں پر ہو چکے ہیں اُن کا بقیہ چلا جاتا ہے اور شاید جب تک یہ کل قومیں مسلمان نہو جائیں عورتوں کی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ ایران کی بھی یہی کیفیت تھی بلکہ ایرانی معاشرت تو ہندوستان سے بھی کئی درجہ آگے بڑھ گئی تھی۔ ہندوستان میں تو صرف اسی قدر تھا کہ چار بھائی ایک ہی عورت سے شادی کر سکتے تھے۔ اور بعض اوقات عورت جبراً راضی کیجاتی تھی۔ کیا کرتی ظالم مارے اور رونے نہ دے۔ مگر ایران میں صلبی تعلقات پر بھی مٹی پڑ گئی تھی۔ سگی بہن۔ بیٹی اور بعض اوقات ماں بھی بی بی بنائی جاتی تھی اور ایک شخص کے لیئے اسکی بیٹی اسلیئے جائز کر دی گئی تھی کہ باغبان جس طرح درخت بو کے اس کا پھل کھانے کا قدرتاً حقدار بنایا گیا ہے اس بنا پر باپ کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ بیٹی کو اپنے استعمال میں لائے۔ اگرچہ ایران میں اس قبیح رسم کو کوئی عیب نہیں گنا جاتا تھا اور چونکہ عام طور پر رائج تھی اس نظر سے یہ کچھ عیب بھی نہ رہی تھی۔ تو بھی عورتوں کی انتہائی نکبت کا اس سے پتہ چلتا ہے

جب ان ناپاک تعلقات کا سلسلہ قائم تھا پھر ادب آداب اور عورتوں کی تعظیم وتکریم اور اُنکے حقوق کیونکر قائم ہوتے اگر تھوڑی دیر کے لیئے ہم یہ فرض کرلیں کہ یہ رشتے دنیا میں انسان کے قائم کیئے ہوئے ہیں اور خدا کو اس میں کچھ دخل نہیں تو یہ سوال کرتے ہیں کہ یہی قاعدہ دنیا میں جاری ہوجائے تو پھر معاملات۔ تغیر وتبدل۔ انتقال جائداد پاس ادب۔ حقوق کی نگہداشت۔ تمدن کے اجزا میں کیونکر قائم رہ سکتی ہے اور جب دنیا سے تمدن اُٹھ گیا تو پھر آبادی اور سرسبزی ہر ایک کام میں باقاعدگی اور انتظام کیونکر قائم رہ سکتا ہے یہ تعلقات اگر براہ راست خدا کی طرف سے قائم کئے گئے ہیں تو الحمد للہ پھر تو کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر انسان نے قائم کیئے ہیں تو خوب سمجھ لو کہ جس عقل نے یہ قوانین تراشے وہ فطری عقل ہے اور اس میں ایزدی تائید ضرور ہے۔

سلطنت مشرقی یعنے قسطنطنیہ کی اور ہی کیفیت تھی یہاں کثرت ازدواجی نے بہت ہی دقتیں پیدا کردی تھیں۔ پادری اگرچہ شادی نہیں کرتے تھے مگر شادی والوں سے اچھے پڑ رہتے تھے۔ خانقاہوں میں جہاں خداوند مسیح کی مجسم تصویر کی پرستش ہوتی تھی اور جہاں روح القدس روزمرہ تیسرے آسمان سے پادریوں پر نازل ہوتی تھی زناکاری کی انتہا ہوچکی تھی پادریوں کا لوہا چونکہ سب پر تیز تھا اس لیئے اُنکے فیصلہ سے کوئی انکار ہی نہیں کرسکتا تھا۔ سب کی بہو بیٹیاں اُنکے لیئے جائز اور حلال تھیں اور مظلوم عورتیں بھی اپنی جان اور اپنے رشتہ داروں کی بربادی کے خوف سے اپنی عصمت کا تاج فروخت کرنے میں کچھ بھی پس وپیش نہ کرتی تھیں۔ باایںہمہ پادری اپنے تقدس کی وجہ سے اس تعلق کا اظہار بھی نہیں کرنا چاہتے تھے اس لیئے حاملہ عورتیں اُن تہخانوں میں رہتی تھیں جو ہر خانقاہ اور ہر گرجے میں بنے ہوئے ہوئے تھے۔ وہیں اُن بیگناہ لڑکیوں کا وضع حمل ہوتا تھا اور وہیں رحم دل پادری کے حکم سے نوپیدا بچہ مار دیا جاتا تھا۔ اور اسی طرح روح القدس کی برکت کی پوری تکمیل ہوجاتی تھی۔

جب تک سلطنت مشرقی میں شخصی حکومت رہی عام طور پر زیادہ عورتوں کے کرنے کی روک ٹوک رہی مگر جب سے پادریوں کی جمہوری حکومت کا رنگ سلطنت نے اختیار کیا یہ قید بھی جاتی رہی اور عام طور پر ہر شخص کو اجازت ہوگئی کہ وہ چاہے جتنی عورتیں رکھے۔ ساتھ اس حکم کے عورتوں کے حقوق میں کچھ بھی رعایت نہیں کی گئی اور نہ اُنھیں کوئی ایسا قانون دیا گیا کہ وہ مردوں کے مقابلہ میں اپنی حفاظت کرسکیں۔ اُنھیں مثل اثاث البیت کے خیال کیا جاتا تھا عدالتیں تھیں مجوزا اور منصف تھے مگر عورتوں کے لیئے اُن کے دروازے بند کردیئے گئے تھے۔ خاوند کو حق حاصل تھا کہ وہ چاہے جسطرح اپنی بیبیوں کو رکھے اُنکی جانوں کا بھی اُسے اختیار حاصل تھا اور اُنکے مال کا بھی وہی مالک ہوتا تھا چونکہ حضرت مسیح نے کوئی صاف یا مبہم حکم عورتوں کے حقوق کا نہیں دیا تھا اور نہ کثرت ازدواجی کی طرف کوئی اشارہ کیا تھا اس لیئے ہر شخص سلطنت کی طرف سے عورتوں کو رکھنے اور اُن سے ہر قسم کا برتاؤ کرنے کا مجاز کردیا گیا تھا۔

ان سلطنتوں کی تو یہ کیفیت تھی مگر جہاں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تھا وہاں عورتوں کی اور بھی ناگفتہ بہ حالت تھی۔ سوتیلی ماں کو بی بی بنا لینے کا قانون نصرانیوں میں عام طور پر جاری تھا۔ نوپیدا بچیوں کو زندہ درگور کردینے کی ہولناک رسم بہت شدت سے کی جاتی تھی۔ یہودی۔ نصرانی۔ بت پرست اور ستارہ پرست قومیں سب کئی کئی بیبیاں رکھتی تھیں مگر اُنھیں مثل معمولی جانوروں کے خیال کیا جاتا تھا اور خاندان میں اُنکی کوئی بھی وقعت نہ تھی

اُس زمانہ میں حضور انور کا ظہور ہوا اور آپ نے بہت غور اور درد سے عورتوں کی موجودہ حالت کو دیکھا اور آپ نے ان کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا۔ قدم قدم پر خدائے تعالیٰ کی تائید شامل تھی اور آپ کا ایک ایک لفظ روح القدس کی آمیزش سے سرزد ہوتا تھا آپ نے عورتوں کی معاشرت کو جیسا بلندی پر پہنچایا قیامت تک فرقہ اناث آپ کا ممنون رہیگا آپ نے سب سے پہلے عورت و مرد کے اُس امتیاز کو دور کیا جس سے عورتیں بے حقیقت لونڈیاں اور مرد اُن پر حاکم بن گئے تھے آپ نے دونوں کے جرم کو ہموزن قرار دیا اور زانی اور زانیہ کی ایک سزا رکھی۔ ساتھ ہی آپ نے دونوں کے حقوق کی مساوات کی اور ایک قدیم فرق کو بیچ میں سے اُڑا دیا۔ آپ نے اُنکے مدارج مقرر کیئے اور سب کے ساتھ احسان کرنا فرض قرار دیا۔ آپ نے اگر مرد کو طلاق دینے کی قوت عطا کی تو عورت کو اُسکے مقابلہ میں خلا کی قوت عنایت کی۔ آپ نے لڑکی کا ورثہ باپ کی جائداد میں سے بھائیوں کے مقابلہ ایک حصہ مقرر فرمایا اسوجہ سے کہ لڑکی کو اپنے خاوند کا بھی حصہ ملیگا اور ساتھ ہی مہر کا بھی وہ حق رکھتی ہے اور لڑکے کو دوہرا حصہ اس لیے دیا کہ وہ کسی غیر شخص کے ورثہ کا مالک نہیں ہو سکتا۔ قاضی مقرر فرمائے اور عورتوں کو بالکل آزادی دے دی کہ اگر اُن کا خاوند کوئی تکلیف دے یا ظلم کرے تو فوراً قاضی سے دادرسی کی جائے۔ عورت اپنے مال کی آپ مالک ہے اور خاوند کسی صورت سے بغیر اسکی مرضی کے اُسکے مال کا مالک نہیں بن سکتا ہمیشہ اُسے اپنے خاوند سے مہر لینے کا حق حاصل ہے اور وہ بغیر خاوند کی اجازت کے اپنے قرضدار پر عدالت میں دعویٰ کر سکتی ہے۔ اور ان سب باتوں پر مافوق یہ بات ہے کہ اگر عورت نصرانی ہے اور خاوند مسلمان وہ ہرگز اپنی بی بی کو گرجے میں جانے اور مذہبی ارکان ادا کرنے سے نہیں روک سکتا اس سے زیادہ آزادی دنیا کے کس مذہب اور کس ملحد گروہ نے عورت کو دی عورت کو کائنات کی سچی ماں بنا دیا اور اُس کا احترام اسی شدّومد سے کیا گیا جتنا کہ ہونا لازمی تھا۔

اب بحث یہ ہے کہ اسلام میں کثیر الازدواجی کا مسئلہ کس حد تک رائج ہے اور اس کی اصلیت کیا ہے آیا یہ ایجاد مسلمانوں کی ہے یا پہلے بھی یہ مسئلہ اُن میں جاری تھا اسلام نے اس مسئلہ کے متعلق کیا رائے ظاہر کی ہے اور اسے کس حد تک سلجھایا ہے اور کتنی اس میں اصلاح کی ہے اور اسلام کی کثرت ازدواجی کے کیا معنی ہیں۔ غور کرنیکا مقام ہے کہ اب بھی یعنی اس تمدن اور تہذیب کے زمانہ میں بھی دنیا کے تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں کثرت ازدواجی جاری ہے خواہ جائز طریقہ پر اور خواہ ناجائز صورت سے اور کبھی دنیا اس سے خالی نہیں ہوئی نہ آیندہ کوئی اُمید کیجاتی ہے کہ یہ مہیب رسم انسان میں سے مٹے گی اگر یہ بھی قبول کر لیا جائے کہ مسلمانوں میں کئی کئی نکاح کرنے جائز ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا کہ اُنکے ہاں جائز طریقہ سے کثرت ازدواجی جاری ہے برخلاف متمدن اقوام یورپ کے کہ اُن کے ہاں کثرت ازدواجی جاری تو ہے مگر ناجائز اور مہیب طریقہ سے اور اس کا بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہ ناجائز طریقہ قوم اور ملک کے لیئے کیسا خطرناک ثابت ہو رہا ہے۔ پیرس۔ لنڈن برلن اور وائنا کے سیاح جنھوں نے مدتوں رہکے ان مغربی ممالک معاشرت دیکھی ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں کثرت ازدواجی کس مہیب طریقہ پر جاری ہے اور تمدن پر اُس کا کیسا خطرناک اثر پڑ رہا ہے منصف مزاج یعنی حق گو شخص کہہ سکتا ہے کہ فی ہزار مشکل سے ایک شخص ایسا نکلے گا جو ناجائز کثرت ازدواجی سے

بچا ہوا ہو ورنہ سب اس بلائے بے درماں میں گرفتار ہیں۔ اگر اس ناجائز کثرت ازدواجی کے کوئی نئے معنی پیدا کر لیئے یا اسے مغربی تمدن کا ایک جزو خیال کیا جاتا ہے تو یہ دوسری بات ہے مگر انسانی اخلاق کی رو سے ایسی کارروائی سخت ناجائز اور خلاف شان ہے۔ پیرس کی جو کچھ حالت ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور اسی طرح یورپ کے کل پایۂ تختوں کی یہی کیفیت ہے ایک کتاب میں جس پر مصنف کا نام نہیں لکھا ہے اور جو یورپ میں انتہا درجہ مقبول ہے اور جو یورپ میں ہر زبان میں کئی کئی بار طبع ہو چکی ہے اور جس کا نام ایلیمنٹس اف سوشل سائنس ہے یورپ کی کثرت ازدواجی کی بحث ہے اس نے دکھایا ہے کہ پیرس میں بالخصوص کیا خرابی پھیلی ہوئی ہے وہاں حرام کاری کے لئے کیسے اڈے بنے ہوئے ہیں اور کس طرح غریب دیہاتیوں کی ناواقف دوشیزہ لڑکیاں محض فریب دہی سے امرا کے لیئے لائی جاتی ہیں اور امرا کی حالت کیسی خراب ہے اور فرقۂ اناث کی کیا کیفیت ہے۔ اور وہ عام طور پر ایک شراب کے پیالہ پر کس طرح اپنی عصمت علانیہ فروخت کر ڈالتی ہیں اور ایک ایک دولتمند شخص کتنی کتنی لڑکیوں سے تعلق رکھتا ہے اور عام طور پر یہ ناپاک رسم سارے براعظم یورپ پر پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس حجم غفیر میں پارسا مرد و عورت بھی ضرور ہونگے مگر ایسوں کا شمار صرف انگلیوں پر ہے۔ اور کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ انکی ہمیشہ یہی کیفیت رہے گی۔ ڈاکٹر موسیو لیبان مصنف تمدن عرب نے بھی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ مسلمانوں کا جائز کثرت ازدواج یورپیوں کے ناجائز کثرت ازدواج سے ہزار ہا درجہ بہتر ہے اسلام پر جس دریدہ دہنی سے نکتہ چینی کیجاتی ہے اور جس بری صورت میں اسے پیش کیا جاتا ہے وہ مہیب صورت بھی یورپ کی موجودہ معاشرت کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ فی الحقیقت عصمت عنقا ہوگئی ہے اور یوروپی ممالک میں اس کا بمشکل کھوج ملتا ہے۔ فرض کرو کہ اسلام میں اگر دو دو چار چار بیبیوں کے کرنیکی رسم رائج بھی ہو پھر بھی ایک منصف مزاج شخص کے آگے انکا یہ فعل بدرجۂ مستحسن گنا جائیگا اور یورپ کی ناجائز کثرت ازدواجی سخت مکروہ معلوم ہوگی۔ جب سے دنیا کا ظہور ہوا ہے کثرت ازدواجی کی رسم ہر قوم میں برابر چلی آتی ہے۔ اور اس وقت بھی تمام دنیا پر بڑے زور شور سے جاری ہے ایسے شخصوں پر ہنسی آتی ہے جو مسلمان تو نہیں ہیں مگر ہندو یا عیسائی ہیں جب کبھی کثرت ازدواجی کا ذکر آتا ہے تو بہت ہی آنکھ بھوں چڑھا کے کہتے ہیں کہ مسلمان کئی کئی بیبیاں کر لیتے ہیں یہ قوم نفسانی خواہشوں میں کیسی گرفتار ہے مگر جب وہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں اور باقرار صالح شہادت دیں کہ سوائے دو ایک صلحا اور زاہد نفوس کے کون شخص ہے جو اپنی بی بی پر قانع رہا اور اس نے کسی دوسری طرف آنکھ بھر کے نہیں دیکھا بڑے بڑے رئیسوں۔ رشیوں۔ سادوؤں کی کیفیت ہمیں معلوم ہے غربا اور متوسط درجے کے لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں پھر ایسی شرمناک معاشرت میں گرفتار ہو کے مسلمانوں کی جائز معاشرت پر اعتراض کرنا یہ کچھ خوبی کی بات نہیں ہے

دوسرا پہلو ہماری بحث کا یہ ہے کہ جس ہیبت ناک طریقہ سے اسلام کی کثرت ازدواجی دکھائی گئی ہے اِس میں حق سے بہت ہی کم کام لیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ کوئی حق بات قلم سے نہ نکل جائے۔ ہم اس مسئلہ پر بھی ایک بسیط بحث کرینگے اور خدا کی امداد کی امید پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری کثرت ازدواج کی بحث ایک حد تک کامل ہوگی مطلب بھی صاف عیاں ہو جائیگا اور معترضوں کے کل اعتراض بھی رفع ہو جائیں گے۔ سخت افسوس ہے

لکھا جاتا ہے کہ پچھلے سال ایک ایسی کتاب کی ہندوستان میں اشاعت ہوئی ہے جو نہ صرف نہایت بدتہذیبی سے لکھی گئی ہے بلکہ بانی پی پی کے کوسا گیا ہے اور جی بھر بھر کے خدا کی کروڑہا توحید پرست مخلوق کے ہادی برحق کو ناپاک سے ناپاک گالیاں دی گئی ہیں۔ وہ کتاب ہم نے بھی دیکھی تھی اور ہمیں اس نظر سے سخت افسوس ہوا تھا کہ تعلیم یافتہ انسان ہو کے ایسا ناشائستہ بنے اور ایک ایسے معصوم نبی کی شان میں جسے ۱۳ صدیاں گزر چکی ہوں یوں دریدہ دہنی سے حملہ کرے اس ناپاک کتاب کے کئی جواب بھی لائق مسلمانوں نے دیئے اگرچہ وہ جوابات بہت ہی اچھے اور کامل ہیں مگر پھر بھی ہر شخص کو اس وسیع اور عمیق مضمون پر بحث کرنے کی بہت ہی گنجائش ہے اور اُمید پڑتی ہے شاید پے درپے کی بحثوں سے کوئی نئی بات اور پیدا ہو۔

تمام اعتراضات جو امہات المومنین یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پر کیئے جاتے ہیں اُنکی اگرچہ کوئی بنیاد نہیں ہے مگر اُنھیں جھوٹی منطق اور فرضی و خیالی فلسفہ کا ایسا جامہ پہنایا ہے کہ ناواقف غیر اسلام اُن سخت نکتہ چینیوں کو دیکھ کے سر دھننے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام میں یہ بڑی خرابی ہوئی ہے اور اس سبب سے اسلام کا یہ دعویٰ کہ مجھے دوسرے ادیان پر شرف حاصل ہے کرکرا ہو جاتا ہے ناواقف کچھ ہی کیوں نہ خیال کریں ہمیں اس سے بحث نہیں اگر وہ تاریکی میں رہنا چاہتے ہیں رہیں اُنھیں اختیار ہے ہمیں تو اپنا سیدھا مسلک اختیار کرنا چاہیئے شاید ہم اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں اور ناظر تفسیر کا ایک حد تک اطمینان کر سکیں۔

ہمیں سب سے پہلے حضور انور کے اصلی منشا کو بغور دیکھنا چاہیئے اور اُن نکاحوں کی فطرت پر غور کرنا چاہیئے جو آپنے اپنی مبارک زندگی میں کیئے۔ اگر اُنکی فطرۃ کا ہمیں پتہ لگ گیا تو ہم سمجھینگے کہ ہم نے اسلام کا ایک اہم فرض انجام دیا۔ یہ مسئلہ اگرچہ بہت صاف ہے مگر بعض اختلافی روایتوں نے اُسے ایسا پیچیدہ بنا دیا ہے کہ ایک محقق کو بعض اوقات اُس کے سلجھانے میں سخت دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس میں شک نہیں کہ بعض علمار کی مختلف رایوں نے اس مسئلہ کو گوناد شوار بنا دیا ہے اور اس کا سمجھنا ایک حد تک مشکل ہو گیا ہے اور حق بہت ہی گہرائی میں چلا گیا ہے مگر پھر بھی ایک محقق کے لیئے تحقیق کا بڑا میدان موجود ہے اور وہ ان ہی متضاد روایتوں سے سخت دقتیں اُٹھانیکے بعد حق کے دریافت کر لینے میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لیئے دنیا میں اگر کوئی کتاب ہو سکتی ہے اور اُنکے تمام قضیوں اور اختلافات کا فیصلہ کر سکتی ہے تو وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہے اس میں کُھلی کھلی باتیں بھی ہیں اور فطرت کے راز بھی چُھپے ہوئے ہیں اور اس قسم کے کل اعتراضات کے جو آجکل چاروں طرف سے ہو رہے ہیں باشافی اور کافی جوابات بھی ہیں اسی میں عورتوں کا بھی بیان ہے اور کہیں کہیں بر سبیل تذکرہ آپ کی بعض ازواج کا بھی حال ہے مگر افسوس یہ ہے کہ اُسے سمجھنے میں ابتک بہت غلطی کی گئی ہے اور یہ اُسی غلط فہمی کی وجہ ہے کہ مسلمان خمیازہ اُٹھا رہے ہیں اور ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو رہے ہیں اگر ان آیتوں کا مطلب بخوبی سمجھ لیا جاتا اگر اُس راز سے جو خداوند تعالیٰ نے اُس میں مضمر رکھا ہے خبرت حاصل کر لیجاتی تو پھر اُسکے مقابلہ میں بناوٹی روایتوں کو کبھی نہ دیکھا جاتا اور صحیح حدیثوں کی بآسانی توضیح ہو جاتی۔

چونکہ ہم یہاں سب سے پہلے آپ کی ازواج پاک سے بحث کرینگے اس لیئے ہمیں اول سے جاننا چاہیئے اور درجہ بدرجہ ہر نکاح کی حقیقت اور فطرت کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیا ہے اور اُس کا کیا مفہوم ہے اور اُس میں صداقت کا مادّہ ہے حضور انور کے بچپن کا زمانہ جس راست بازی سے گزرا اُس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ۲۵ برس کی عمر تک آپ بن بیاہے رہے اور یہ پر شباب زمانہ جس اتقا اور پرہیزگاری سے بسر ہوا اُسے وہ بزرگ قوم اچھی طرح سمجھتے تھے جو بعد ازاں آپ پر ایمان لائے تھے۔ اگرچہ آپ اپنے چچا ابوطالب کے پاس رہتے تھے مگر وہ آپ کا ہاتھ تنگ نہ رکھتے تھے۔ تجارت کا کاروبار آپ کے سپرد کر رکھا تھا اور آپ جس دیانت داری سے اپنے فرائض کی انجام دہی کرتے تھے وہ ایسی مصدقہ ہے کہ اُس میں کسی مخالف کو بھی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے ۲۵ برس کی عمر میں جوانی کا پورا اُبھار ہوتا ہے اور عرب کی ناپاک معاشرت اور نصرانیوں کے غلیظ رسم و رواج سے اگر ایسی عمر میں کوئی حصہ لیا جاتا تو وہ اُس خطہ میں نہ دشوار تھا نہ زیادہ نکتہ چینی قابل تھا مگر نہیں روح القدس جو پیدا ہوتے ہی آپکی ہمسفر بن رہی تھی ایسی ناجائز اور انسانی فضیلت پر داغ لگانے والی معاشرت کا آپکی طبیعت میں کبھی خیال بھی نہ آنے دیتی تھی۔ جب آپ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا تجارتی سامان لے کے فروخت کرنے تشریف لے گئے ہیں تو آپنے نصرانیوں اور یہودیوں کی شرمناک معاشرت کو دیکھ کے بہت ہی افسوس کیا تھا اور آپ انسان کی ارزل ترین حالت سے بہت ہی متاثر ہوئے تھے آپنے ملاحظہ فرمایا تھا کہ عصمت۔ حیا۔ راستبازی یہ تین صفتیں کس بیدردی سے کچلی جا رہی ہیں اور پرہیزگاری کا نام و نشان صفحۂ ہستی سے مٹ گیا ہے یہ نظارہ آپکے لیئے بہت دردناک تھا آپ کو چونکہ خدا کی مخلوق سے دلی اُنس تھا اس لیئے ایسے نظارہ جو اخلاق تمدن اور معاشرت کے حق میں زہر ہوں آپ کو سخت صدمہ پہنچاتے تھے۔ غرض جب آپ انسان کی ارزل ترین حالت کا یہ نقشہ دیکھ کے واپس پھرے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ساتھ اُن ہی کی خواہش کے بموجب آپکا نکاح ہو گیا تو آپنے عزلت گزینی اختیار کی اور یہ عزلت گزینی اگر ظاہری معنی سے لیجائے تو یہ تھی کہ آپ خلق اللہ کی نکبت اور مصیبت کو کھونے کے لیئے فکر فرمانے لگے اور آپنے وہ صورتیں سوچیں جو آیندہ مخلوق کی سرسبزی کے لیئے نیک فال ہوں اور بنی نوع انسان کی اُن سے پوری اصلاح متصور ہو اور اگر اس عزلت گزینی کے راز دارانہ معنے لیئے جائیں تو اس سے یہ غرض تھی کہ آپ اپنی لوح قلب کو اُن ربانی نقوش کے لیئے مہیا کر رہے تھے جو خدائے کائنات کیطرف سے روح القدس کے ذریعے سے اس پر ہونے والے تھے اور ایسے گرامی مہمان کے لیئے آپ اپنا حجرۂ قلب آراستہ کر رہے تھے۔ کسی مضمون پر فکر و غور کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اُنکی کیا کیفیت ہوتی ہے اور اُنکے حواس خمسہ کس حالت میں ہو جاتے ہیں نہ انھیں کسیکا خیال رہتا ہے اور نہ فکر اور نہ وہ سوائے مدعا کے جو اُنکے پیش نظر ہے کسی دوسری شئی کا تصور ذہن میں لا سکتے ہیں۔ ہمہ تن ایک شئے کی طرف مصروفیت ہو جاتی ہے اور یہ مصروفیت ایسی ہوتی ہے کہ اُسے اُن ہی کا دل جانتا ہے جنھوں نے غائر توجہ سے کسی مضمون کا کبھی خیال کیا ہو۔ انسان کی طبیعت کا یہ خاصہ رکھا گیا ہے کہ جب وہ اپنی توجہ چاروں طرف سے علٰحدہ کر کے کسی خاص طرف پھیر لیتا ہے اور اُس میں ایک زمانہ گزر جاتا ہے پھر اُسکی طبیعت ایسی عادی ہو جاتی ہے کہ دوسری طرف اس کا خیال ہی نہیں رہتا اور

وہ تمام عمر اسی کا ہو کے رہجاتا ہے اور اپنے اس مدعا کے پورا کرنے کے لیئے ہر ممکن ذریعہ سے کام لیتا ہے اور جہانتک اُس سے خود ممکن ہوتا ہے اور جس حدتک اُس کی تائید ایک پوشیدہ قوت کی طرف سے ہوتی ہے وہ اپنی کوششوں کی کامیابی کی دُھن میں لگا رہتا ہے اور جب تک اُسے تکمیل پر نہیں پہنچا لیتا اُسے ایک حدتک صبر نہیں آتا۔ اور اخیر یہ مدعا اس کا جزو زندگی ہو جاتا ہے اور اُسے دوسرے خیال کیطرف جانیکی ضرورت نہیں رہتی اور اگر وہ چاہے بھی تو دوسری طرف اپنی طبیعت رجوع نہیں کر سکتا۔

ہر شخص اس رجحان قلبی کا خود اپنی ذات پر تجربہ کر کے دیکھ سکتا ہے اگر ابتدا سے ایک شخص اپنے کو خاصا صحیح و تندرست ہوتے پر دیوان پنے میں ڈالدے اور مجنونانہ حرکتیں کرنے لگے تو ابتدا ءً یہ حرکتیں ارادی ہونگی لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا جائیگا ان میں فطرت انسانی کی آمیزش ہو جائیگی اور اخیر ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پونہچے گی کہ وہ مجنونانہ حرکتیں طبعی ہو جائیں گی اور پھر وہ اپنی پوری قوت سے بھی اُنکا دفعیہ نکر سکے گا یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں جن کے لیئے کسی قسم کے استدلال کی ضرورت نہیں ہے یہ شب و روز مشاہدہ میں آتی ہیں اور جنھوں نے انسانی طبیعت کے آثار چڑہاؤ پر غور کیا ہے وہ اسے بخوبی سمجھ سکتا ہے ممکن نہیں کہ کوئی عاقل یا بالغ شخص ایسے صریح مشاہدوں اور بدیہات سے انکار کر سکے۔ یہ طبیعت کی قوت کا ایک ادنی نمونہ ہے مگر جن مبارک انفاس نے اپنے قلب کو ربانی غوامض اور فطرت کے رازوں کیطرف رجوع کیا ہو اور ہمہ تن خلق اللہ کی بہتری کے لیئے متوجہ ہو گئے ہوں وہ قیامت تک اپنی طبیعت کو ارادہ بھی کریں انسانی ارذل ترین حالت کی طرف رجوع نہیں کر سکتے۔ اب خیال کرنے اور انصاف سے غور کرنے کی بات ہے کہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵ برس کی عمر سے کہ اُسوقت تمام جسمانی قوتیں بہت ہی اُبھار پر ہوتی ہیں ایک غار میں اسطرح عزلت گزیں ہوئے کہ کسیکو یہ خبر نہ ہوئی کہ آپ وہاں کیا کیا کرتے ہیں اور کامل ۱۵ سال آپنے کیونکر گزارے تو پھر کب خیال ہو سکتا ہے کہ ایک کام کے فکر میں پندرہ سال گزر گئے ہوں پھر دوسری طرف طبیعت کا رجحان کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ آپ مہینوں شب کو نہیں سوئے ہیں اور وحی نازل ہونے سے پہلے کسی نے بھی آپکے ان پندرہ سال کے حالات سے شمہ برابر بھی علم نہیں حاصل کیا۔ آپ اُس غار میں بیٹھ کے ضرور فطرت کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہونگے اور آپ اپنی روحانی قوت کو ایسا قوی بناتے ہونگے کہ تمام دنیا کی مشتملہ قوت آپکے ارادوں میں خامی پیدا کر سکے آپ ابتدا ہی سے روشن ضمیر پیدا ہوئے تھے اور چونکہ روح القدس گہوارہ ہی سے آپ کی ہمقرین رہی تھی اسلیئے آپ کو اپنے عالی فرض کی انجام وہی میں جن جن مصائب کا پیش آنا ضرور تھا پہلے سامنے آگیا ہوگا اور آپ بخوبی جانتے ہونگے کہ زمانہ کے رنگ کو بدل دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے دنیا میں عام مقولہ یہ چلا آتا ہے کہ زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بساز" لیکن یہاں بالکل اس کے خلاف کرنا تھا اور لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے دلوں کو اپنی مٹھی میں لینا تھا۔ اُن زبردست مذاہب سے مقابلہ کرنا تھا جن کی قومی سلطنتیں بھی موجود تھیں اور اپنے ہی ہموطنوں کی آتشیں طبیعت کا بھی پورا لحاظ تھا اپنی بے سروسامانی کا بھی خیال آتا تھا اور اپنی بے بسی کا افسردہ نظارہ آنکھوں کے آگے گردش کھا رہا تھا یہ سارے ایسے زبردست خیالات تھے جو پے در پے طبیعت میں

آرہے تھے اور کامل پندرہ سال تک ان ہی کی اُدھیڑ بُن رہی تھی۔

اس کشمکش نے آخیر چالیسوں سال اطمینان کا رنگ بدلا اور طبیعت نے خاص ایک صورت اختیار کرلی اور فیصلہ کردیا کہ ہر سخت سے سخت مخالفت کی برداشت کرنے کے لیئے بالکل آمادہ ہوں بسم اللہ کر اور قدم اُٹھا۔ گویا پندرہ سال کے بعد طبیعت نے جو آخری زبردست رنگ اختیار کیا وہ یہ تھا کہ تو عالم کی رحمت بنا کے بھیجا گیا ہے اور تو ہی دنیا کو موجودہ کرب وبلا سے نجات دیگا اور تو ہی توحید خدا کی منادی کرکے کروڑوں نفوس کو موحد بنائیگا تو اس قابل ہے کہ خدا کا پیغام تیرے پاس آئے اور روح القدس تجھسے باتیں کرے۔ جب یہ تمام خیالات مضبوط ہوگئے اور طبیعت نے فیصلہ سنادیا تو فوراً اُس کا ظہور ہوا اور روح القدس مجسم بن کے اس معصوم نبی کے سامنے آگئی اور اُس کے فطرت کی پوری کتاب اُس کے آگے کھول کے کہا کہ پڑھ یعنی اس پر عمل کر اور دیکھ کہ ہم نے انسان کو ایک گوشت کے ٹکڑے سے بنایا ہے اگرچہ اُسکی کچھ ہستی نہیں ہے لیکن ہم محض اپنے فضل سے اُسے برکت دیتے ہیں اور ہمنے ہی اُسے قلم کا استعمال سکھایا ہے اور وہ اس پر بھی ناسپاس بنتا اور سرکشی کرتا ہے اس ارشاد میں بہت بڑا فطرت کا راز مضمر ہے اور اُسے ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں جب تک روح القدس کی تائید نہو اسکے معنے یہ ہیں جو ہم بیان کرتے ہیں اور جہاں تک ہمنے تفسیریں دیکھی ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ کم مفسر اس گہرائی میں پہنچے ہیں۔ حضور انور نے جب تمام دنیا کی اصلاح کا ارادہ کیا ہوگا اور پھر اپنی بے بسی کا بحیثیت انسان ہونے کے خیال فرمایا ہوگا تو ضرور اپنی بے بضاعتی اور کمزوری کو پیش نظر رکھ کے اتنے عظیم فرض کی کامل طور پر انجام دہی سے دل ہچکچایا ہوگا کہ مجھ جیسے ناچیز عبد سے یہ کیونکر ہو سکے گا ایسا خیال بمقتضائے قانون قدرت آپکے دل پر ضرور آنا چاہیئے تھا ادھر یہ خیال آیا اُدھر خدائے کائنات نے روح القدس کے ذریعہ سے باتیں کیں اور سمجھایا کہ تو فطرت کی کتاب کو جو ہم نے تیری آنکھوں کے آگے کھول دی ہے پڑھ اور دیکھ کہ اگرچہ ہمنے انسان کو ایک گوشت کے ٹکڑے سے پیدا کیا ہے لیکن ہم ہی نے اُسے برکت دی ہے اور ہم ہی نے اُسے قلم کا استعمال سکھایا ہے چونکہ یہ ساری باتیں ہمارے ہی دست قدرت میں ہیں کہ اپنی ناچیز مخلوق کو اگر چاہیں تو آسمان پر پہنچا دیں تو مایوس نہ ہو اور ہمارے نام سے اس فطرت کی کتاب کو پڑھ یعنی جو کام تو کرنا چاہتا ہے ہمارا نام لے کے کر پھر انسانی فطرت کی وہ کمزوری جو بحیثیت گوشت کے ٹکڑے ہونیکے اُس میں ودیعت ہوئی ہے تیرے اہم فرائض کی انجام دہی میں مانع نہیں آئے گی اور تو اپنی مرادوں میں کامیاب ہو جائیگا اپنے رب کا نام لے کے پڑھ اس کے یہ معنے ہیں کہ تو اپنے رب پر نظر رکھ وہ تجھے ہر کام میں مدد دیگا اور اسکی تائید تیرے شامل حال رہے گی۔ جب قدرت کی طرف سے یہ فرمان آگیا اور طبیعت نے قبول کرلیا تو وہ جھجک جو پہلے بحیثیت کمزور انسان ہونے کے دل میں آئی تھی بالکل جاتی رہی اور حضور انور نے اپنے خالق کا ہاتھ اپنے ساتھ کام کرتا ہوا ملاحظہ فرماکے زمانہ کے مقابلہ میں بہت آزادی۔ جرأت اور اولوالعزمی سے توحید کا وعظ فرمانا شروع کیا۔ اس لکھنے سے اور فطرت انسانی کے اُتار چڑھاؤ دکھانے سے ہماری یہ غرض ہے کہ جس پاک نفس کا جزو زندگی خلق اللہ کی تعلیم اور اصلاح بن گیا ہو جس نے ہمہ تن خلق اللہ کی بہتری کے لیئے اپنے کو مصروف کردیا ہو۔

جس نے پندرہ سال مجاہدوں اور مراقبوں کے بعد اپنے کو ایک نئی زندگی میں پایا ہو جس کے جوش کی انتہا ہوگئی ہو یعنی سخت سے سخت مخالفتوں کے بعد بھی وہ اپنے کام سے باز نہ آیا ہو اُسکی نسبت کیونکر یہ الزام صحیح ہو سکتا ہے کہ اُس نے پچاس سال کی عمر تک تو ایک حالت میں گزاری اور پھر اپنی طبیعت کو بدل دیا اور لذائذ نفسانیہ کی طرف (معاذ اللہ) اُس نے اپنا خیال رجوع کیا۔ یہ تو طبع انسانی کے بھی خلاف ہے اور حاذق اطبار اسکی پوری تصدیق کرینگے کہ انسانی فطرت سے ایسا امر کس درجہ مستبعد ہے۔ جب تک حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ زندہ رہیں آپنے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا اور فی الحقیقت کسی دوسرے نکاح کرنے کی ضرورت بھی داعی نہیں ہوئی تھی۔ اگر آپ کو ضرورت ہوتی اور آپ کوئی دوسرا نکاح کرتے تو قومی تمدن کے بموجب آپ پر کوئی نکتہ چینی نہیں کرسکتا تھا۔ نہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ معترض ہوتیں۔ کیونکہ اُس ملک کی یہی رسم تھی کہ کئی کئی شادیاں کرتے تھے اور بی بیاں بغیر حسد اور دشمنی کے ساتھ ساتھ ملکے رہتیں اور باہم کسی قسم کی کوئی بات مخالفت کی نہ ہوتی تھی۔ ہم اپنے خیال میں چاہے یہ سمجھ جائیں کہ ایسی چند عورتیں جو ایک ہی شخص کی بی بیاں ہوں کبھی باتفاق نہیں رہ سکتیں لیکن یہ ہمارا نرا خیال ہی خیال ہے واقعات سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے جس امر کی طبیعت اول روز سے عادی ہو جاتی ہے وہ خواہ مخواہ مستحسن ہی معلوم ہوتا ہے اگرچہ غیر لوگ اس پر کچھ ہی نکتہ چینی کیوں نہ کریں۔ ڈاکٹر موسیو لیبان نے اپنی کتاب تمدن عرب میں اپنے چشم دید حالات عربوں اور اُنکی بیبیوں کے درج کیئے ہیں اور وہ اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ میں نے ایک عرب کی کئی کئی بیبیاں دیکھیں جو باہم سگی بہنوں سے زیادہ محبت رکھتی تھیں اور ایک دوسری پر جان فدا کرتی تھیں وہ کہتا ہے کہ میں نے کوئی مثال عرب میں ایسی بیبیوں کی نہیں دیکھی جو باہم دشمن ہوں یا ایک دوسری سے حسد کرتی ہوں ساتھ ہی وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ جب عورت دو تین بچے ہونے سے کمزور ہو جاتی ہے اور گھربار کا کام اُس سے نہیں سنبھل سکتا تو وہ خود اپنے خاوند سے درخواست کرکے دوسرا نکاح کراتی ہے اور بعض اوقات تو یہ دیکھا گیا ہے کہ اپنے خاوند کے دوسرے نکاح کی سربراہی وہ بہت شوق سے خود ہی کرتی ہے۔ موسیو لیبان کے اس بیان سے عرب عورتوں کی فطرت اور معاشرت۔ خیالات اور محسوسات کا پورا علم ہوتا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ اُنکی فطرت ابتداہی سے اس امر کی عادی چلی آئی ہے کہ وہ کئی کئی مل کے ایک شخص کی بیبیاں بنیں اور خوش ہوں اسطرح اگر حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی حیات میں دوسرا نکاح کرلیتے تو نہ احسان فراموشی ہوتی اور نہ خدیجۃ الکبریٰ بُرا مانتیں۔ مگر نہیں آپ اپنے جس عظیم فرض کی انجام دہی فرما رہے تھے اُس میں دنیا کی باتوں کا خیال آنا ایک مستبعد امر تھا اور فطرت ہرگز ایسے فعل کو جائز نہیں کرسکتی تھی یہ محض تہمتیں اور الزام ہیں کہ آپنے اپنی بی بی سے عہد و پیمان کرلیا تھا اور چونکہ اپنی بی بی کیوجہ سے آپ فارغ البال ہوگئے تھے اور آپ کو گونا ثروت حاصل ہوگئی تھی اس لیئے آپ دوسرا نکاح کرتے ہوئے رکتے تھے ان میں سے ایک بات بھی نہ تھی۔ ابتدا سے ایسے معاملات کی طرف توجہ کرنے کا خیال ہی آپ کو نہ تھا اور اصل یہ ہے کہ آپ ایسے خیال کرنیکے عادی بھی نہ تھے۔

حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی اور ذرا تفصیل کے ساتھ کیفیت بیان کیجائے تاکہ اصلی واقعہ سمجھ میں آجائے کیونکہ میں نے یہ التزام کیا ہے کہ ہر ام المؤمنین کا مختصر سا تذکرہ کروں اور بتاؤں کہ نکاح کی اصلیت کیا تھی اور کیونکر آپ نے نکاح کیا حضرت خدیجۃ الکبریٰ خویلد کی صاحبزادی تھیں اور قریشی خواتین میں اپنی دولت - ثروت - جمال اور علم وفضل میں بڑی نامور تھیں - یہ اکثر تجارت کیا کرتی تھیں اور اسی تجارت کیوجہ سے آپ کو ترقی بھی ہوئی تھی - دستور یہ تھا کہ عربوں کو مال دیکے مختلف بلاد میں بھیجا کرتی تھیں اور ان سے نصف پر معاملہ ٹھیر جاتا تھا کہ جو کچھ نفع ہو نصف فروخت کرنے والے کا اور نصف بی بی خدیجہ کا - اتفاق سے حضرت ابو طالب کی تجارت میں ٹوٹا آیا اور کثیر الاولادی کی وجہ سے اپنے کنبہ کی پرورش کے متحمل نہو سکے اس لیئے حضور انور سے بلا کے کہا کہ میری تو یہ کیفیت ہے کہ جو تم دیکھ رہے ہو میں تمھیں صلاح دیتا ہوں کہ تم بی بی خدیجہ کے پاس جاؤ اور اُن سے مال کی درخواست کرو وہ تمھاری دیانت راستبازی اور ہوشیاری سے قطعی تمکو مال دیدیں گی تم اُسی قاعدہ شرکت مضاربہ پر مال لے لینا اور نصف نفع بی بی موصوف کو دیدینا اور نصف تمھارے ہاتھ لگ جائے گا - اس صورت سے کچھ فلاح ہو جائیگی اور مجھپر سے بھی کنبہ کا بار ہلکا ہو گا - حضور انور نے جواب دیا کہ میں پیشقدمی نہیں کرنا چاہتا نہ جا کے درخواست کرنا مناسب سمجھتا ہوں حضرت ابو طالب نے کہا اگر تم اس میں قیل وقال کرو گے اور تساہل کرو گے تو اور لوگ لے اُڑیں گے -

آپنے سوائے خاموشی کے اور کچھ جواب نہ دیا - اتفاق سے یہ خبر بی بی خدیجہ کو پہنچ گئی - بی بی موصوف نے اپنے ایک خاص خادم کو آپ کی خدمت میں بھیجا اور کہلا بھیجا میں نے سنا ہے کہ تجھے تجارت کی رغبت ہے اگر تو راضی ہو اور میرا مال تجارت لے جائے تو میں تجھے دوسروں سے دُگنا حصہ دونگی کیونکہ تیری راست بازی اور دیانت داری کی میں نے بہت شہرت سُنی ہے - یہ سن کے حضور انور نے اپنے چچا ابو طالب سے بی بی خدیجہ کے پیغام کی کیفیت بیان کی - ابو طالب سنتے ہی خوش ہو گئے اور بیساختہ کہہ اُٹھے ھذا الرزق ساقہ اللہ الیک یعنے یہ وہ رزق ہے جو خدا نے تعالیٰ نے تجھے مرحمت فرمایا ہے اخیر حضرت ابو طالب کی مرضی کے مطابق آپنے اپنی رضامندی بی بی خدیجہ سے کہلا بھیجی اور سفر کا تہیّہ کیا - بی بی خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ کو آپ کی خدمت میں دیا یا بعض دوسری روایت کے بموجب اپنے ایک رشتہ دار خزیمہ بن حکیم کو آپ کے ساتھ کیا اور آپ مال تجارت لیکے حدود مصر کی طرف روانہ ہوئے - آپ ایک کارواں کے ہمراہ نسطور یا نسطورا راہب کے صومعہ کے پاس فروکش ہوئے بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں سے آپ نے کیونکر گفتگو کی اور بتوں سے کسقدر آپنے حقارت ظاہر فرمائی مگر ان روایتوں کا یہاں بیان کرنا ضروری نہیں ہے صرف اسی قدر لکھا جاتا ہے کہ آپنے بڑی تندہی سے بی بی خدیجہ کے مال کو فروخت کیا اور کثیر نفع حاصل کر کے آپ واپس مکہ تشریف لائے اور کوڑی کوڑی حساب سمجھا دیا - بی بی خدیجہ حضور انور کی یہ ہوشیاری

اور دیانت داری دیکھ کے دنگ رہ گئیں اور آپ کی اس بے نظیر کامیابی اور ساتھ ہی عجیب و غریب راستبازی کا اثر آپ کے دل پر بہت ہوا۔ اودھر اپنے غلام یا رشتہ دار سے آپ کی نیکبختی۔ محنت اور روشنضمیری کا حال سن کے بیخود ہوگئیں اور انھیں یقین ہوگیا کہ اگر کوئی دیانت دار سرپرست مل سکتا ہے تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بہتر ملنا ممکن نہیں۔ بڑے بڑے عرب رئیس بی بی خدیجہ سے نکاح کرنے کے خواہشمند تھے مگر آپ اپنی شوہری میں کسیکو منظور نکرتی تھیں۔ اخیر آپنے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا کہ اگر نکاح کرونگی تو محمدؐ ہی سے کرونگی۔ اس مستقل ارادہ کے بعد آپنے ایک رازدار خاتون سے جس کا نام نفیسہ تھا اپنا دلی منشا ظاہر کیا۔ نفیسہ جسقدر خوبصورت تھی اسیقدر عقلمند بھی تھی اُس نے بی بی خدیجہ کے اس انتخاب کو پسند کیا اور کہا کہ میں محمدؐ کے پاس جاکے اُس کا دل لیتی ہوں اور اسکی مرضی تلاش کرتی ہوں چنانچہ وہ عورت خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور معقول تمہید کے بعد اُس نے یہ ساری کیفیت بیان کی اور بی بی خدیجہ کی خواہش کا اظہار کیا آپ راضی ہوگئے اُس نے بی بی خدیجہ کو یہ خوش خبری سنادی کہ محمدؐ آپسے نکاح کرنے پر راضی ہیں۔ بی بی خدیجہ یہ سن کے بہت خوش ہوئیں اور ایک دن مقرر کرکے حضور انور کو ایک مکان میں بلایا آپکے ساتھ حضرت ابوطالب اور چند اور لوگ تھے اور بی بی خدیجہ کی طرف سے اُنکے چچا عمرو بن اسد اور ایک رشتہ دار ورقہ ابن نوفل اُس مکان میں آئے حضرت ابوطالب نے پہلے خطبہ پڑھا جس کا مضمون یہ تھا "خدا کا شکر ہے کہ ہمیں ابراہیم اور اسمعیل کا فرزند بنایا اور ہمیں اپنے گھر اور حرم کا محافظ کیا اور اُس گھر کو جو مطاف اور خلق اللہ کا قبلہ ہے ہمیں سونپ دیا۔ امابعد میرا بھتیجہ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب جو ایسا نوجوان صالح ہے کہ کوئی قریش نوجوان اُسے نہیں پہنچتا اگرچہ اُس کے پاس مال کم ہے مگر اس کا خیال نکرنا چاہئیے کیونکہ مال شرافت کے آگے کوئی چیز نہیں ہے اور وہ اشرف بزرگان قوم میں سے ہے اور محمدؐ کون ہے جس کا رشتہ میرے ساتھ ہے اور اب وہ خدیجہ کی خواستگاری میں بایۂ شتر مہر پر جو میری ملک ہے ذکر تاہے) اور اُس سے مہر معجل اور موجل دونوں کی تصدیق ہوتی ہے کرتا ہے۔ خدا کی قسم محمدؐ کو ایک امر عظیم اور بزرگ مرتبہ درپیش ہے" یہ کہکے حضرت ابوطالب خاموش ہوگئے اور پھر ورقہ نے اپنا خطبہ شروع کیا اور خدا کی حمد و ستایش کے بعد وہ یہ کہنے لگا کہ اب میں خدیجہ کو چارسو مثقال طلائی کے مہر پر محمدؐ کی زوجیت میں دیتا ہوں حضرت ابوطالب نے کہا میں چاہتا ہوں کہ خدیجہ کا چچا عمرو بن اسد بھی تیرے ساتھ خطبہ میں شریک ہوجائے چنانچہ ورقہ نے عمرو بن اسد کو اپنے ساتھ شریک کرلیا اور اس صورت سے گویا آپ کا نکاح ہوگیا۔ اب یہاں کسیقدر روایتوں میں اختلاف ہے حضرت ابوطالب کے خطبہ سے تو بیس بایۂ شتر پائے جاتے ہیں اور ورقہ ابن نوفل کے خطبہ سے چارسو مثقال طلائی کا ثبوت ہوتا ہے بہرحال کچھ ہو اسی کے بین بین مہر بندھا۔ اس وقت بی بی خدیجہ کے والد زندہ نہ تھے۔ اس لیے چچا نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔

یہ ہیں مختصر حالات حضور انور کے پہلے نکاح کے جب نکاح ہوا ہے تو آپ کی عمر ۲۵ سال کی تھی اور حضرت بی بی خدیجہ کی ۴۰ سال کی۔ اس نکاح کی فطرت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نکاح کی بابت اشارہ

بھی نکیا تھا مگر جب اُدھر سے درخواست ہوئی تو آپ نے منظور کرلیا اور اس منظور کرنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کو ایک بڑے فرض کی انجام دہی کرنی تھی اور وہ بغیر فارغ بالی اور معاش سے بے نیاز ہوئے پورا نہیں ہوسکتا تھا چنانچہ آپنے نکاح کرلیا اور اب آپ کو گھنٹوں بلکہ مہینوں گزر گئے صرف اُس کام کی انجام دہی کے فکر میں جسکے پورا کرنے کے لیئے آپ مبعوث ہوئے تھے اور آپ کو خاص جس غرض سے عالم کی رحمت بنا کے بھیجا گیا تھا۔ اس نکاح کی اصلی غایت زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتی ہے۔ یعنی آپنے نکاح تو کرلیا مگر کیوں کیا اور اسکی غایت کیا تھی۔ اِس لیئے کیا کہ جو کام آپ کرنا چاہتے تھے وہ اطمینان سے ہوگا اور چونکہ اُس وقت کوئی بہتر ذریعہ اطمینان قلب کے ساتھ خدائے کائنات کے آگے گھنٹوں بلکہ مہینوں سربسجود ہونے کا نہیں ملسکتا تھا اس لیئے آپ اس نکاح پر راضی ہوئے دیکھ لو اس نکاح میں وہی دھن لگی رہی اور کسی دوسری طرف مطلق خیال نہیں کیا کیونکہ نکاح ہوتے ہی آپ نے عزلت گزینی اختیار کی اور کامل پندرہ سال اِسی تنہائی میں گزار دیئے۔ اے سرور کائنات یہ تیری ہی بزرگی ہے کہ تو ظاہرا تمام دنیاوی امور میں بحیثیت انسان ہونے کے مشغول دکھائی دیتا ہے مگر پھر سب سے الگ ہے اور تو اپنے مبعوث ہونے کی غایت دنیاوی اسباب کے ذریعہ سے پوری کرتا ہے عالم کی رحمت ہونا تجھی کو شایاں ہے۔

اے گہر تاج فرستادگاں　　تاج دہِ گوہر آزادگان
مہر شد ایں نامہ بعنوان تو　　ختم شد این خطبہ بدوران تو

آپ کے ساتھ غار میں کبھی کبھی حضرت بی بی خدیجہ بھی جا کے بیٹھا کرتیں اور خدائے واحد کی عبادت کیا کرتیں۔ آپنے باوجود ان عظیم مشاغل کے اپنی بی بی کے ساتھ حسن الفت اور محبت کا برتاؤ کیا وہ مشہور زمانہ ہے۔ روحانی فضائل کی تکمیل کیساتھ آپ دنیاوی فرائض کی نگہداشت کرتے جاتے تھے۔ آپکی چند اولادیں ان بی بی سے ہوئیں اور اُن کے نام یہ ہیں زینب۔ رقیہ۔ ام کلثوم۔ اور فاطمہ زہرا۔ دو تین لڑکے بھی ہوئے لیکن ان سب نے صغیر سنی میں وفات پائی۔

حضرت سودا رضی اللہ عنہا

آپ کے والد کا نام زمعہ اور ماں کا نام شموس بنت قیس تھا آپ کا پہلا نکاح سکران بن عمر سے ہوا تھا اور اُس سے ایک لڑکا عبدالرحمن پیدا ہوا۔ حضرت سودا اور اُن کا لڑکا عبدالرحمن دونوں مسلمان ہوگئے تھے۔ آپ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب آپ اور آپ کا خاوند اور آپ کا بیٹا مسلمان ہوگیا تو مشرکین عرب نے آپ پر زیادتیاں کرنی اور آپ کو ستانا شروع کیا اور اخیر یہاں تک نوبت پونہچی کہ آپ حبش چلی گئیں۔ آپکا خاوند صرف اس جرم میں کہ وہ مسلمان ہوگیا تھا قتل کردیا گیا تھا۔ جب بی بی سودا حبش سے واپس آئیں تو انکی حالت بہت ہی خراب تھی ان پر بڑے بڑے مظالم ہوچکے تھے اور اب انھیں کوئی پناہ دینے والا بھی نہ رہا تھا۔ روایتوں سے اگرچہ اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کی عمر کتنی تھی۔ لیکن اندازہ

اور ٹھیک اندازہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ عمر میں آنحضرت سے بڑی تھیں حضور انور کی عمر جب بی بی سودا سے نکاح کیا ہے پوری پچاس برس کی تھی اور بعد از وفات سرور کائنات ۲۳ سنہ ہجری میں بی بی سودا کی وفات ہوئی اور وفات کے وقت آپکی عمر ۸۰ سے بھی تجاوز کر چکی تھی۔

آپ کی بنسبت بہت سی مختلف روایتیں مشہور ہیں اور بعض غلط روایتوں کی وجہ سے عام طور پر بہت کچھ دھوکا ہوا ہے۔ مگر ہم اسے بالکل روشنی میں لانا چاہتے ہیں اور انشاءاللہ ہم اس نکاح پر ایک بسیط بحث کرینگے اول تو یہ دیکھنا ضرور ہے کہ حضرت بی بی سودا سے نکاح کرنے کی آنحضرت کو ضرورت ہی کیا تھی جب آپ قریش کی اعلیٰ درجہ کی لڑکیوں سے بلا تکلف نکاح کر سکتے تھے۔ پچاس سال کی آپ کی عمر ہو چکی تھی اور بی بی سودا کی بھی اتنی عمر تھی یا آپ سے دو ایک برس کچھ بڑی تھی۔ اگر معاذاللہ یہ نکاح لذائد نفسانیہ کے لیئے ہوا تھا تو ایسا خیال کرنا محض بے بنیاد ہے اور نرا تعصب ہے۔ نہ آپ نے دولت دیکھ کے یہ نکاح کیا تھا کیونکہ بی بی سودا آپ مفلس اور ستم رسیدہ تھیں۔ نکاح کرنے کی کوئی نہ کوئی غایت ضرور ہوگی۔ اور کوشش کرنے سے اُس کا پتہ لگ جائے گا۔

حضور انور کا ابتدا سے یہ قاعدہ تھا کہ آپ دوسروں کا کام خود کر دیتے تھے مگر آپ کو کسی کا احسان لینا گوارا نہ تھا حضرت انس کی روایت ہم اُوپر نقل کر آئے ہیں کہ دس برس میں میں نے رسول مقبول کی اتنی خدمت نہیں کی جتنی آپ نے میری کی آپ کی عادت میں داخل تھا کہ ہر شخص کے کام میں لگ جانا اور غربا اور مساکین کی حتی الامکان سرپرستی کرنا آپنے اپنی اس رحیم فطرت سے بی بی سودا پر نظر کی اور فرمایا کہ اس نے عورت ہو کے میرے لیئے کتنی کتنی سختیاں سہیں۔ گھر سے بے گھر ہوئی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ جو کچھ اور جتنی تھی صرف میری وجہ سے برباد ہوئی اس کا خاوند صرف قبول اسلام کی وجہ سے بہت ہی بے دردی سے ذبح کر ڈالا گیا اور اب یہ محض بے سروسامان اور پریشان ہو کے میرے پاس آئی ہے ایسی حالت میں بھی میں اُسے اپنا ہاتھ نہ دوں تو نبوت کے عالی فشار کے خلاف ہے۔ یہ خیال تھا جو حضور انور کے مبارک دل میں پیدا ہوا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے صرف اس لیئے کہ سودا کے تمام نقصانات اور تکالیف کا اچھا معاوضہ ہو جائے گا بخوشی نکاح کر لیا۔ اور خاتم النبیین جیسے رحم مجسم کے لیئے ایسے نکاح کی ضرورت بھی تھی۔ آپ کا بحیثیت نبی اور وہ بھی جلیل القدر نبی ہونے کے فرض تھا کہ آپ ایسی بے بس۔ ناچار اور مصیبت زدہ خاتون کی سرپرستی فرمائیں جس نے محض خلوص سے اپنی گزشتہ بداعمالیوں اور بت پرستی سے تائب ہو کے دین خدا اختیار کیا اور حضور انور کے دست مبارک پر بیعت کی اور پھر محض اسلام کے لیئے اُس نے تکلیفیں اُٹھائیں جلاوطن ہوئی اور عورت ہو کے اسلام سے اُس کا قدم نہیں ڈگمگایا۔ عاقبت میں تو جو کچھ اس کا معاوضہ ملتا وہ ملتا ہی لیکن زندگی میں بھی ایسی شجاع اور نیک دل خاتون کو ضرور صلہ ملنا چاہیئے تھا اور وہ صلہ ایسا ہوتا کہ اُس سے قیمتی صلہ دنیا میں اور ممکن نہ تھا یعنے وہ خاتم النبیین کی بی بی بنتی اور ام المؤمنین کا معزز لقب پاتی۔ اس سے بہتر کوئی صلہ نہیں دیسکتے تھے کیونکہ جو کچھ بے نظیر مردانگی اسلام پر قائم رہنے کی اس خاتون نے دکھائی تھی وہ عجیب غریب

بھی ہے اور اسی مرتبہ کے صلہ کی مستحق بناتی ہے جو حضور انور کی طرف سے اُسے عطا ہوا۔
اگر حضور انور اپنی زوجیت میں بی بی سودا کو قبول نہ فرماتے تو تو اُنکی عمر اور بے سروسامانی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی ہاتھ نہیں رکھتا اس لیئے کہ اول تو وہ پریشانی کا زمانہ تھا مشرکین قریش کے پے در پے حملے ہو رہے تھے اور مسلمان برابر ستائے جا رہے تھے ابھی مسلمانوں کو کچھ قوت اور اطمینان بھی حاصل نہ ہوا تھا اور نہ کوئی مستقل جائے قیام کسی مسلمان کی ہوئی تھی یہ وقت مسلمانوں کی سخت آزمایش کا تھا اور اسی وجہ سے خود نبی کریم کو بھی نکاح کرنے کا خیال نہ تھا اور نہ ابھی تک کوئی فطری ضرورت داعی ہوئی تھی مگر اس حالت میں بھی اور اس زمانہ رستخیز میں بھی آپ نے بحیثیت نبی ہونے کے اپنا فرض سمجھا کہ سودا جیسی مجروح القلب بے بس اور ثابت قدم خاتون کو اپنی زوجیت میں لیں تاکہ اسکی پورے طور پر سرپرستی ہو اور مسلمانوں میں ایسی بے پناہ مستورات کی معاونت کرنے کی ایک زبردست نظیر قائم ہو جائے۔ آپنے بی بی سودا سے نکاح کر کے نفس نکاح کی ایک غایت بتادی اور ظاہر فرما دیا کہ نکاح کی اصلی غرض مستورات کی سرپرستی ہے اور سب سے بڑی بات جو اس نکاح سے پیدا ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں عورتوں کی حمایت کرنے کی روح پھونک جائے اور وہ مثل دوسری قوموں کے عورتوں کو لاشئے محض نہ سمجھیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ عرب ہی نہیں بلکہ دنیا کی کل قوموں میں عورت مثل اثاث البیت کے سمجھی جاتی تھی اور دنیا کی بڑی بڑی متمدن اقوام نے کبھی عورتوں کے حقوق کی نگہداشت نہیں کی اور نہ اُنکی خدمات کا کبھی اُنکو صلہ دیا گیا۔ انسانی تمدن میں اُنکی کوئی وقعت نہیں تھی اور اُن سے مثل چوپایوں کے برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اب وہ تاریک زمانہ گزر گیا تھا اور عورتوں کی تعظیم اور تکریم ہونے لگی تھی۔ بی بی سودا نہ تو میرزادی تھیں نہ کچھ ایسی عالی خاندان تھیں اس پر بھی اُنھیں وہ مرتبہ حاصل ہو گیا تھا کہ وہ بڑے بڑے قریش سرداروں کی اور اخیر میں بڑے بڑے قہار سلاطین کی ماں کہلائیں کیا اس سے زیادہ کسی قوم یا کسی مذہب نے عورتوں کو عزت دی اور آجتک کسی ملک میں بھی عورتوں کو اسقدر آسمان پر چڑھایا گیا؟ موجودہ قومیں اس سوال کا جواب خواہ کسی صورت سے دیں لیکن مختلف قوموں کی مذہبی کتابیں اور تواریخ اس کا صاف جواب دیتی ہیں۔

سمجھ میں آگئی ہوگی کہ بی بی سودا سے نکاح کرنے کی کیا غایت اور غرض تھی اور اُسے کس حد تک پورا کیا گیا۔ بی بی سودا کی نسبت بہت سی جھوٹی روایتیں مشہور ہیں اور وہ ایسی لغو ہیں کہ عقل کبھی اُنھیں تسلیم نہیں کر سکتی۔ پہلی روایت تو ایک یہ مشہور ہے کہ جب اُنکے پہلے خاوند مریض ہوئے تو اُنھوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور انور نے میری گردن پر پیر رکھدیا آنکھ کھلی تو اپنے مریض خاوند سے یہ خواب بیان کیا اُس نے یہ تعبیر دی کہ میرے بعد تو دوسرا نکاح کریگی۔ یہ خواب اور اسکی تعبیر عجیب و غریب ہے۔ عرب میں عام دستور تھا کہ بیوہ عورت فوراً نکاح کر لیتی تھی اور ایک دن بھی خالی نہ رہتی تھی یہ ایک عام رواج تھا اور چونکہ رسم و رواج آگے چل کے قانون بن جاتا ہے اس لیئے یہ ایک قانون ہو گیا تھا جسے بعد ازاں اسلام نے اور بھی مضبوط کر دیا۔ بی بی سودا کے شوہر کا یہ تعبیر دینا بھی عبث تھا جب کہ اُسے اپنے ملکی قانون کی پوری خبر تھی اور ساتھ ہی گردن پر پیر رکھنے کی

تعبیر بھی ثانی نکاح کیطرح سمجھ میں نہیں آسکتی۔ مگر واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خواب اور اُسکی تعبیر اور بی بی سودا کے خاوند کا مریض ہوکے مرجانا ہی غلط ہے جب کہ وہ بالکل صحت کی حالت میں دشمنان اسلام کے مقابلہ میں شہید ہوا تھا۔ دوسرا سب سے زیادہ سنگین اعتراض یہ ہے کہ جب بی بی سودا ضعیف ہوگئیں تو آنحضرت نے اُنھیں طلاق دینی چاہی وہ یہ خبر سن کے یا یہ خیال کر کے کہ پیغمبر خدا طلاق دینی چاہتے ہیں سخت پریشان ہوئیں اور اُنھوں نے ایک دن رسول کریم سے کہا کہ میں اپنی باری بخوشی حضرت عائشہ صدیقہ کو دیتی ہوں اے نبی اللہ تم مجھے طلاق نہ دو۔ چنانچہ آنحضرت نے یہ منظور فرمایا اور اُنھیں طلاق نہ دی۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ حضرت بی بی سودا کے دل میں یہ خیال گزرا تھا کہ مبادا آنحضرت بسبب ضعیفی کے مجھے طلاق دیدیں آپ نے اپنے اس خیال کا اظہار آنحضرت کی خدمت میں اس صورت سے کیا تھا۔ یہ ساری باتیں محض لغو اور بے بنیاد ہیں جس نبی نے محض سرپرستی اور رحمدلی فرماکے آپ کو اُس وقت اپنے ہاں پناہ دی جب آپ جوانی کی عمر کاٹ چکی تھیں پھر کب سمجھ میں آسکتا ہے کہ چند ہی روز کے بعد آپ نے آنکھیں پھیر لی ہوں۔ اور ایسی بے پناہ بی بی کو طلاق دیکے نکال دینے کا ارادہ کیا ہو۔ جس شخص کی ایسی طبیعت ہو ہرگز اُس کی نصائح کا اثر نہیں ہوسکتا اور ممکن نہیں کہ کبھی کسی کے دل پر اُسکی باتیں کوئی نیک خیال پیدا کرسکیں۔ اس قسم کی روایتیں اگرچہ بعض کتب اسلامی میں دیکھی گئی ہیں مگر اُنھیں قرآن کے مقابلہ میں صحیح سمجھنا اور اُن ہی پر تکیہ کرکے بیٹھ رہنا تحقیق اور انصاف کے خلاف ہے۔ اسلامی کتب میں ہزارہا اس قسم کی روایتیں موجود ہیں کہ اگر اُن کا انتخاب کیا جائے اور صرف اُن ہی کو پیش کیا جائے تو کبھی اُن سے اُس اسلام کا مفہوم نہیں ہوتا کہ جو قرآن پیش کرتا ہے یا اسلام کی بے نظیر کامیابی جسکی شہادت دیتی ہے۔ ایک عیسائی مصنف اپنے دعوے میں روضۃ الاحباب کو پیش کرتا ہے دوسرا الواقدی کو تیسرا ابوالفدا کو اور چوتھا طبری کو پانچواں ابن ہشام کو۔ یہ صحیح ہے کہ یہ اسلام کی تاریخیں ہیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ مسلمانوں کی لکھی ہیں لیکن جمہور کا اتفاق ان کتابوں کے مصنفین کی معصومیت پر نہیں ہے اور نہ خدا کی طرف سے انھیں کوئی سند صداقت کی ملگئی ہے نہ ان کتابوں کو اسلام سے کچھ تعلق ہے کیونکہ یہ کتابیں اسلام کے بعد کی تصنیف کی ہوئی ہیں۔ ان میں تحریف کا ہونا بھی ممکن ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مصنف سے غلطی ہوئی ہو۔ جب قرآن مجید موجود ہے پھر ہم اُسی سے کیوں نہ تحقیق کریں اور وجہ کیا کہ ہم اپنا دارومدار جھوٹی روایات پر کرلیں اسلام پر کیا مقرر ہے دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے جس کا تکیہ اُسکے معتقد مصنفوں کی رائے پر ہو۔ سر ولیم میور نے جہاں اسلام پر اور عنایتیں کی ہیں وہاں آپ یہ بھی زور دیتے ہیں کہ الواقدی کو جسے کل مسلمان مصنف کاذب کہہ چکے ہیں صحیح مانا جائے اور وہ بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی روایتیں اسی سے منتخب کی ہیں۔ خیر یہ اُنکی ذاتی رائے ہے اور اُنھیں اختیار ہے کہ وہ اپنی رائے خواہ کچھ ہی کیوں نہ رکھیں مگر اسلام میں نہ ان باتوں کی کچھ وقعت ہے اور نہ یہ ذاتی خیالات مسلمانوں کے لیئے حجت ہوسکتے ہیں۔

ہمیں بی بی سودا کی اس روایت پر ایک نظر کرنی ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ یہ روایت کیا ہے اور اسکی حقیقت

کیونکر ہے مسلمانوں کی صحیح کتابوں میں بھی اس روایت کا ذکر ضرور ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اس سے حضور انور کی ذات پر کیا الزام آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی باری دینے کا خیال آنا اور اُس کی درخواست کرنا یہ حضرت بی بی کی ضعیفی پر دال ہو سکتا ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے کبھی اس قسم کا اشارہ کیا یا کسی دوسرے شخص سے کہا کہ میں طلاق دینا چاہتا ہوں حضرت بی بی سودا اگرچہ اسلامی خواتین کی ایک عمدہ نظیر تھیں اور آپ بہت پکی مسلمان تھیں پھر بھی آپ میں اُس موروثی خون کا اثر موجود تھا جو نسلاً بعد نسلاً آپ میں چلا آتا تھا اور وہ خون وہی عربی صفت کا خون تھا جس میں بڑھیا بیبیوں کو بلا وجہ چھوڑ دینا اور گھر سے نکال دینا ملا ہوا تھا۔ چونکہ آپ کو ام المؤمنین کا فخر حاصل ہو چکا تھا اور اس فخر کی عزت آپ محسوس کر چکی تھیں اس لئے آپکے دل میں یکایک یہ خوف گزرا کہیں پیغمبر خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور یہ عزت جو مجھے حاصل ہوئی ہے نہ جاتی رہے۔ اس خوف سے اگر آپ نے رسول خدا کی خدمت میں یہ عرض کر دیا ہو تو کچھ بعید نہیں ہے۔ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب ادنیٰ درجہ سے یکایک اُسے کوئی عزت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ سخت پریشانی اور بے مائیگی کے بعد کوئی اطمینان اور وقعت حاصل کر لیتا ہے تو اُسے معمولی طور پر یہ خیال ضرور آیا کرتے ہیں کہیں پھر وہی کیفیت نہو جائے اور ایسی صورت میں کہ اُس عزت پر پہنچنے کی اُسے لیاقت نہیں ہوتی اور اتفاق سے اُسے عالی مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دل ہی دل میں سہما کرتا ہے حضرت بی بی سودہ ابتدا میں ایک مصیبت زدہ خاتون تھیں اور آپنے اسلام قبول کرنے کے بعد بڑی بڑی سختیاں اور پریشانیاں اُٹھائی تھیں اور ہر آن مہیب رسوم کا اثر آپکے دل و دماغ میں موجود تھا جو صدہا برس سے آپ کی قوم میں چلی آتی تھیں اور چونکہ آپ ضعیف بہت ہو گئی تھیں اور اُس ضعیفی کا اثر آپکے خیالات پر بخوبی پڑنے لگا تھا آپنے یکایک یہ تصور کیا اور آپ کو ایک خوف سا معلوم ہوا اور آپنے اپنا دلی اظہار حضور انور کیخدمت میں کر دیا۔ اب سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کسی صحیح روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آپنے بی بی سودہ کی باتوں کا کیا جواب دیا اور آیا آپنے اُنکی اس پریشانی میں کچھ ڈھارس بندھوائی یا نہیں اور پھر آپ کبھی حضرت بی بی سودا کے پاس گئے یا نہیں۔ یا اخیر دم تک اُنکی صورت نہیں دیکھی۔ یہ ساری باتیں بہت ہی غور طلب ہیں اور ان پر معمولی توجہ سے ہرگز کام نہیں نکلتا باری سونپنے اور پھر اُس باری کی درخواست کو قبول کرنے کے یہ معنے ہیں کہ آپنے اُن سے زن و شوئی کا تعلق قطع کر دیا تھا اور اخیر تک آپنے بی بی سودہ کی صورت نہیں دیکھی تھی حالانکہ رسول خدا کے اخلاق سے یہ امر بہت ہی بعید ہے۔ جس پاک نفس کی تعلیم کا یہ اثر ہو کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی کروڑوں بندگان خدا صرف آپکے مبارک نام پر جان دینے کو موجود ہوں اور آپ کا نام اُنکے کلیجے ہلا دینے کے لئے عجیب اثر رکھے اُسکی نسبت ایسے مہمل خیالات پکانے سخت بے انصافی ہے یہاں سے یہ بات پیدا ہوتی ہے کہ اگر اس روایت کو ہمہ وجوہ بھی صحیح مان لیا جائے پھر بھی رسول مقبول پر کوئی الزام نہیں عائد ہوتا۔ کیونکہ درخواست کی بی بی سودا نے اپنے موروثی خیالات کے مطابق محض بڑھاپے اور کمزور دل ہونے کی وجہ سے از خود بی بی سودا کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا اور اُنھوں نے معمولی طور پر اُس کا دفعیہ حضور انور سے ذکر کرکے کر دیا اور ساتھ ہی

ری سے دست بردار ہونیکے یہ معنی ہیں کہ میری عمر بڑھاپے کی آگئی ہے میں نے کچھ شوہر کی خواہش کی وجہ سے
کاح نہیں کیا تھا بلکہ غرض یہ تھی کہ میں حضور انور کی سرپرستی میں آجاؤں اور بس باری دینے کے معنی یہی ہیں کیونکہ
بلا درخواست اپنی باری سے دست بردار ہونے کا یہی مطلب ہے جو بیان ہوا ایک پہلو تو یہ تھا جو ہمنے بیان کیا
ور اس روایت کا دوسرا پہلو اور ہے جس پر ہم بحث کرتے ہیں اور ہم اس قسم کی جتنی روایتیں ہیں خواہ وہ صحیحین
یں ہوں یا قرآن مجید میں تواریخ میں ہوں یا تفسیروں میں سب کے ایک ہی معنی لیتے ہیں اور کل روایتوں کا ایک
ہی پہلو ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ قرآن میں رسول کریم کو ازواج کے معاملہ میں خطاب کیا گیا ہے اصل میں اس
خطاب کے اصلی مخاطب مسلمان ہیں۔ عورتوں کا معاملہ چونکہ زیادہ پیچیدہ تھا اور بہت ہی خطرناک صورت پکڑ گیا
تھا اس لیئے اُس کا زیادہ سمجھانا مقصود تھا اور سمجھانے کا عمدہ پیرایہ یہی تھا کہ خود نبی کو مخاطب بنا لیا جائے
جب نبی سے خطاب کیا جائیگا تو مسلمانوں پر اس کا بہت اثر پڑے گا اور وہ نہایت کوشش سے اُس پر عمل کرینگے
اسیطرح جتنی صحیح حدیثیں اس قسم کی آئی ہیں اُن میں بھی دوراندیش پیشوایان اسلام نے بالخصوص عورتوں
کے معاملہ میں آنحضرت ہی سے نسبت دی ہے تاکہ مومنین کو تنبیہ ہو۔ مثلاً بی بی سودا ہی کے معاملہ سے ایک
زبردست تنبیہ مسلمانوں کو نکلتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایک بی بی بڑھیا ہو جائے اور تمھاری اور جوان بیبیاں
موجود ہوں یا تم نکاح کرو تو اُس بڑھیا کو محض بڑھاپے کی وجہ سے طلاق دینی نہیں چاہیئے اور باہم اس کا
معاملہ طے ہو جانا لازم ہے جیسا خداوند تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وان امراۃ خافت من بعلها نشوزا
او اعراضا فلا جناح علیهما ان یصلحا بینهما صلحا والصلح خیر (سورۃ نساء) یعنی اگر کسی عورت کو اپنے شوہر
سے علیحدگی اور بے پروائی کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح
بہتر ہے اس آیت کے شان نزول میں اختلاف ہے بعض راوی تو یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت بی بی سودا کیلیئے
نازل ہوئی تھی جب اُنکے دل میں یہ خوف پیدا ہوا تھا کہ رسول خدا مجھے طلاق نہ دیدیں اور بعض راویوں کا یہ
قول ہے کہ اس آیت میں عام حکم ہے اس کا نزول بالخصوص بی بی سودا کے لیئے نہیں ہوا تھا بہر حال کچھ ہی
کیوں نہ ہو اس آیت سے یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ مفارقت کسی صورت سے جائز نہیں ہے اور باہم صلح ہو جانی
بہتر ہے۔ اب عورت کے دل میں اپنے خاوند کی طرف سے خوف پیدا ہونا بے بنیاد بھی ہو سکتا ہے اور اسکی
معقول وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ خاوند کسی فکر یا کسی خیال کی وجہ سے چند روز تک بی بی سے اپنی معہود
عادت کے مطابق برتاؤ نکرے اور بی بی کو شبہ ہو کہ یہ مجھسے ناراض ہے اور مجھے چھوڑنا چاہتا ہے۔ ایسی حالت
میں خیالات کی صفائی ضرور ہو جانی چاہیئے اور یہی حکم خدائے تعالیٰ کا ہے یا شوہر کو اپنی بی بی کی کوئی بات بُری
لگی ہو اور وہ کسی وجہ سے نہ کہہ سکتا ہو مگر کشیدہ خاطر رہنے لگے اور عورت کو اپنی خطا کا علم نہ ہو اور وہ دل میں مفارقت
کا اندیشہ کرنے لگے تو اس حالت میں بھی صفائی ہو جانی بہتر ہے تاکہ طرفین کے دل سے کدورت نکلجائے۔

غرض حضرت بی بی سودا کا ایسا معاملہ نہیں ہے جس پر یہ طوفان بے تمیزی برپا ہو رہا ہے اور یا وجہ اُسے
رنگ چڑھا چڑھا کے بیان کیا جاتا ہے۔ بات صرف یہ ہے جو روایت سے ثابت ہوتی ہے کہ انکے دل میں از خود

یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت بسبب ضعیفی کے مبادا مجھے طلاق دیدیں اور اُنھوں نے اپنے بے بنیاد شبہ کو آنحضرت سے عرض کرکے رفع کرلیا۔ بس بات اتنی ہے اور اس میں اور کوئی اعتراض کے قابل امر نہیں ہے۔

بی بی سودا اگرچہ خاتم النبیین کی بی بی تھیں مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ میں نبوت کی بھی شان پائی جاتی تھی اور اُن ربّانی صفات سے مملو تھیں جو خاص نبیوں کو فطرت کی طرف سے عطا ہوتی ہیں آپ میں علاوہ موروثی خون ہونیکے عورتوں کی وہی فطرت تھی جو روزازل سے اُنھیں عطا ہوئی ہے اور اسی وجہ سے آپ کے دل میں وہی خیال آیا جو اس عمر والی بی بی کو آسکتا تھا۔ بڑی حکمت جو آپکے اس خیال میں مضمر ہے وہ یہ ہے کہ آپنے اس طرح اپنا اندیشہ ظاہر کرکے اس بات کا نقشہ کھینچ دیا کہ اس زمانہ میں عورتوں سے کیسا شرمناک برتاؤ کیا جاتا تھا اور بیبیاں مثل جوتی کے تھیں کہ پُرانی ہوئی اور اُتار کے پھینکدی۔ یہی راز تھا جو اس روایت میں مضمر ہے اور جس کا بڑی دقت سے کھوج لگایا گیا ہے۔

جو کچھ ہم نے اُوپر لکھا ہے اس روایت کو صحیح مان کے لکھا ہے مگر ہماری رائے جہانتک ہمیں تحقیق ہوا ہے یہ روایت سراسر بناوٹی اور لغو ہے اور رسول کریم کی معاشرت پر ہرگز چسپاں نہیں ہوتی یہ روایت منجملہ اُن لاکھوں غلط روایات کے ہے جو جدید فرقوں نے اسلام میں داخل ہونے پر تراشی ہیں اور کسی اعلیٰ درجہ کے مورخ یا محدث کو واقعات یا احادیث کی تدوین کرتے وقت اس کا خیال نہ رہا ہو اس لیئے کہ کسی محدث کسی مفسر کسی مجتہد کو معصوم نہیں تسلیم کیا گیا ہے اور کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ فلان محدث یا مفسر یا مجتہد معصوم تھا جب اسماء الرجال بنا ہے اور کھری کھوٹی حدیثیں پرکھنے میں آئی ہیں ممکن اور قرین قیاس ہے کہ لاکھوں جھوٹی سچی حدیثوں کے انتخاب کے وقت دس بیس پچاس ایسی بھی انتخاب ہوگئی ہوں جنھیں سچا سمجھ لیا ہو اور وہ اخیر میں اُن صحیح کتابوں میں باقی رہ گئی ہوں جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہیں۔ ہمارے اس رائے سے کسیکو بھی انکار نہیں ہوسکتا اس لیئے کہ سوائے رسول کریم کے ہم کسی کی معصومیت کے قائل نہیں ہیں۔ اسکی بابت ہم آیندہ کہیں مفصل بحث کریں گے اور اب بی بی سودا کے حالات کو یہ لکھ کے ختم کرتے ہیں کہ اول تو یہ روایت ہی صریح طور پر لغو ہے خواہ علاوہ قرآن کے کسی کتاب میں کیوں نہ ہو اور اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو ہماری اُوپر والی توضیح اُسکے لیئے کافی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اس خاتونِ اعظم کی نسبت بہت کچھ اعتراضات کیئے گئے ہیں نہ صرف عیسائیوں کی طرف سے بلکہ مسلمانوں کے ایک فریق کی جانب سے بھی بہت کچھ نکتہ چینیاں ہوئی ہیں ہم ان اعتراضوں کی اصلیت پر غور کرینگے اور دیکھینگے کہ وہ کہانتک صحیح ہیں اور اُنکی اصلیت کیا ہے۔

مختلف روایتوں کے طوفان بے تمیزی نے غضب ڈھایا ہے اور جب ایک محقق شخص اُس ڈھیر میں سے سچی روایتیں منتخب کرنا چاہتا ہے تو اُسے سخت دقتیں پڑتی ہیں اور وہ پریشان ہو کے کبھی منہ نوچتا ہے اور

کبھی گریبان پھاڑتا ہے اور پھر غور کرنے بیٹھ جاتا ہے۔ بڑی کوشش اور دقت کے بعد ہم نے کچھ واقعات کا انتخاب کیا ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ انتخاب ایک حد تک ناظر تفسیر کا اطمینان کرے گا حضرت صدیقہ حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی تھیں۔ اور آپ کی سال کی عمر تھی جب رسول کریم سے آپ کا نکاح ہوا تھا اور تین برس کے بعد آپ وداع ہوئی ہیں۔ اس کم عمری کے نکاح پر بعض دریدہ دہن عیسائیوں نے بہت بڑی زباندرازیاں کی ہیں اور محض بازاری الفاظ سے رسولِ کریم کو یاد کیا ہے مگر ہم نہ اُن الفاظ کو نقل کرینگے اور نہ اُن کا ترکی بترکی جواب دیں گے بلکہ جو طریقہ کہ نہایت شائستگی کا ہمنے اختیار کر لیا ہے اُس سے ہم تجاوز نہیں کرینگے اور انھیں مہذب الفاظ میں کل جوابات آجائیں گے۔

پہلا اعتراض صرف یہ ہے کہ نبی کی شان سے بعید ہے کہ اس چھوٹی سی عمر کی بچی سے نکاح کرے۔ اِس اعتراض کا مطلب نہیں سمجھ میں آیا۔ نکاح کے لئے کوئی عمر خاوند یا بی بی کی آسمانی مقرر کی ہوئی نہیں ہوتی چونکہ یہ دنیا کے معاملات ہیں اس لئے ملکی رسوم کے موافق ان پر کاربند ہونا پڑتا ہے۔ اگر ایک شخص کا نکاح اپنی عمر سے بہت کم کی لڑکی سے ہوا تو اسکے یہ معنے ہرگز نہیں ہوئے کہ بدنیتی سے نکاح ہوا۔ جب جائز طریقہ مناکحت کا برتا گیا پھر اُس کے ناجائز ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ عرب چونکہ گرم ملک ہے اس لئے وہاں چھوٹی عمر میں اکثر نکاح ہو جاتے ہیں کچھ عرب ہی پر مقرر نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں عورت و مرد کی عمر میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ ہر قوم میں ہزاروں ایسے لوگ موجود ہیں جنکی عمر میں پچاس ساٹھ سے زیادہ تجاوز کی ہوئی ہیں مگر اُنکی بی بیوں کی عمر پندرہ سولہ سال سے زیادہ کی نہیں ہے۔ اگر نکاح کرنے میں عمروں کی کوئی قید ہو تو وہ بتانی چاہیئے۔ مثلاً یوسف نجار کی عمر ستر اسی سال کی تھی اور حضرت بی بی مریم عیسائیوں کے فرضی خداوند کی والدہ ماجدہ کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی جب شادی ہوئی ہے کیا ہم اپنی نادانی سے اس شادی کو ناجائز کہیں گے اور کیا یہ ممکن ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ ناجائز شادیوں کا مرتکب گنا جائے۔ یہ عجیب قانون ہے اور غریب استدلال ہے جس کا سر نہ پیر۔ رسول کریم بدنیت تھے اس لئے اُنھوں نے بہت کم عمر کی لڑکی سے نکاح کیا تھا اس سے زیادہ تعصب اور ہو نہیں سکتا کہ بلا وجہ الزام قائم کر دیا اور خوش ہو گئے کہ ہم نے بڑا پالا مارا۔

اس نکاح کا ایک سیاسی پہلو ہے اور اُسے بغور دیکھنا چاہیئے حضرت صدیق اکبر قریشی سردار تھے اور اُنھیں رسول کریم نے ایک خاص عزت بخشی تھی۔ ہجرت کے وقت بھی اُنھوں نے رفاقت کی تھی اور حضرت صدیق کی صاحبزادی اپنی جان کا خوف نہ کر کے غار میں ایک وقت کھانا پہنچا آتی تھیں یہ خلوص اور محبت تھی مگر صدیق اکبر کے بہت سے رشتہ دار ابھی مخالفت پر تلے ہوئے تھے اور برابر مخالفانہ کارروائی کیئے جاتے تھے حضرت ابوبکر کے خیال میں اس سے بہتر کوئی حکمت نہیں آئی کہ اپنی صاحبزادی کا نکاح رسول کریم سے کر دیں تاکہ رشتہ داروں کے غصہ کی آگ رشتہ ہو جانے کی وجہ سے ٹھنڈی پڑے اور بعد ازاں [illegible] نہ ہو۔ سات برس کی عمر میں نکاح کرنے سے یہی بہت بڑی غرض تھی اور فی الحقیقت حضرت ابوبکر صدیق کا خیال

بھی صحیح تھا۔ آپ نے اپنے خیال کو پختہ کر کے رسول کریم سے درخواست کی اور عرض کیا کہ میں اپنی چاہیتی بیٹی آپ کے نکاح میں دینا چاہتا ہوں۔ رسول کریم نے قبول فرمالیا۔ یہ ممکن ہے کہ صدیق اکبر نے اِس جدید نکاح کے راز اپنے معصوم نبی کو سمجھائے ہونگے اور تمام اونچ نیچ بتا دی ہوگی۔ غرض باقاعدہ نکاح ہوا اور تین برس کے بعد حضرت بی بی عائشہ وداع کر دی گئیں۔

اس جدید تعلق نے ایک نئے اتحاد کی اور بنیاد ڈالی اور جو مقاصد کہ اس سے حاصل ہونے خیال کیئے گئے تھے سب آسانی سے حاصل ہو گئے۔ اب یہ باتیں بیان کرنا کہ رسول کریم کو سب بی بیوں سے زیادہ بی بی عائشہ سے بہت محبت تھی اور آپ اُن ہی کے پاس زیادہ رہتے تھے فضول بات ہے ہم بھی کہتے ہیں ہاں محبت تھی اور بہت ہی محبت تھی سخت شرم کی بات ہے کہ خاوند بی بی کی محبت پر بھی نکتہ چینیاں ہوتی ہیں۔ اور اسے بھی عیب گنا جاتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آپ نے اپنی بی بیوں سے محبت کر کے اسبات کی نظیر قائم کر دی کہ بی بیاں اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں کہ اُن سے بحقارت پیش آیا جائے اور اُنھیں مثل لداؤ جانوروں کے سمجھا جائے اور نفرت سے اُن سے بات کیجائے اور کبھی بخندہ پیشانی اُن سے پیش نہ آیا جائے یہ ساری باتیں دنیا کی تمام متمدن اور غیر متمدن اقوام میں عورتوں کے ساتھ برتی جاتی تھیں اور جیسا کہ ہم اُوپر لکھ آئے ہیں عورتوں کو اثاث البیت خیال کیا جاتا تھا۔ نیا لے لیا پُرانا پھینکدیا۔ آپ نے اس لیئے بھی اتنی شادیاں کی تھیں کہ خود برتاؤ کر کے اپنی اُمت کو بتا دیں کہ کس طرح بی بیوں سے محبت رکھتے ہیں اُنکے فرائض کیا ہیں اور اُنھیں کیوں کر ادا کیا جاتا ہے۔ متعدد بی بیاں ہونے پر بھی سب کے ساتھ یکساں برتاؤ کیا جاتا ہے اور یکساں سب کے حقوق کی نگہداشت کی جاتی ہے۔ زبانی نصیحت کا اتنا بڑا اثر نہیں پڑتا جتنا عملی نصیحت کا ہوتا ہے اور آپ کو بحیثیت ایک جلیل القدر نبی ہونے کے لازمی بلکہ ضروری تھا کہ دنیا کی قدیم معاشرت میں آپ نے جو کچھ ترمیمیں کی تھیں وہ خود کر کے دکھا دیں جو کچھ آپ کی ترمیم شدہ معاشرت تھی وہ نہ صرف قریشیوں سے بلکہ یہود و نصاریٰ سے بھی غیر تھی۔ عورتوں کے حقوق کی نگہداشت اس طرح اُن سے محبت کرنا یہ ایک عجیب و غریب سماں تھا جو دنیا تعجب سے دیکھ رہی تھی اور بعد ازاں مسلمانوں کی یہ معاشرت کہ لونڈیاں بیگموں سے زیادہ بڑھ گئیں غیر قوموں میں تعجب سے دیکھی گئی۔

اگر آپ متعدد نکاح نہ کرتے تو مسلمانوں کو عملی طور پر کیونکر سمجھا سکتے تھے کہ بی بیوں سے کیونکر برتاؤ کرنا چاہیئے اور اُن کے حقوق اگر متعدد ہوں تو مساوی رکھنے کا خاوند کا بہت بڑا فرض ہے۔ عیسائی حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ آپ کو عورتوں سے بہت ہی محبت تھی۔ یہ بھی عجب تماشہ کی بات ہے کہ عورتوں سے محبت کرنے کو اس انیسویں صدی کے متمدن زمانہ میں جرم قرار دیا جاتا ہے۔ لاکھ کچھ تہذیب پھیلے اور ہزار کچھ تمدن میں ترقی ہو لیکن ممکن نہیں کہ عیسائیوں کی عورتوں سے نفرت کرنے کی موروثی عادت جائے۔ انسان کی جو اصلی فطرت ہونی چاہیئے اور جسکے بغیر انسان کبھی انسان نہیں بن سکتا اُس صفت پر دریدہ دہن معترض حملہ کرتے ہیں اور اُس کا شمار دنیا کے بدترین عیبوں میں کرتے ہیں۔

عیب نماید ہنرش در نظر، کا مضمون ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے اور اسکی صداقت میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ آپ نے فرمایا ہے مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں۔ نماز۔ خوشبو اور عورت۔ بظاہر اس حدیث سے نفس پرست کچھ ہی خیال کیوں نکریں مگر اس حدیث قدسی میں عورتوں کے اعلیٰ مدارج کا پورا خاکہ کھینچ دیا اور بتا دیا ہے کہ عورتوں کے کیا درجے ہیں اور اُنکے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیئے۔ دنیا بھر کی اس شرمناک رسم پر کہ عورتوں کو مثل مویشیوں کے خیال کیا جاتا تھا اس حدیث سے ایک بہت بڑا تازیانہ لگا اور تمام قدیم خیالات کی جڑ اکھیڑ کے پھینک دی گئی۔ آپ نے عورتوں کی محبت کو عبادتِ الٰہی کے پہلو بہ پہلو رکھا ہے اور اس سے زیادہ عورتوں کی تعظیم ممکن نہیں۔ کون اعتراض کرسکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کی کوئی وقعت نہیں کی گئی۔ اور کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ اسلام عورتوں کے حق میں ظالم ثابت ہوا ہے آپنے عورتوں سے محبت کرنے کا بڑی سرگرمی سے اُس وقت اعتراف فرمایا کہ جب عورتوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کرنے کی مہیب رسم تمام عرب میں جاری تھی اور تمام قوموں نے عورت کو شیطان کا لقب دیا تھا۔ اس رستخیز اور عورتوں سے انتہا درجہ نفرت کے زمانہ میں عورتوں کی محبت کو عبادت رب الافواج اور خوشبو کے پہلو بہ پہلو رکھنا ایک زبردست دلیری اور اعلیٰ درجے کی عورتوں کے مدارج میں ترقی تھی۔ اور انصاف سے نظر کرنے کے بعد معلوم ہوسکتا ہے کہ عورتوں سے محبت اور اُن کا پاس و ادب کرنے کا فخر اسلام سے زیادہ کسی مذہب کو بھی نہیں ہے۔ جو عیسائی مصنف کہ اس غیر معمولی محبت پر حضور انور پر اعتراض کرتے ہیں وہ بھی حق بجانب ہیں کیونکہ اُنھیں اپنے آباؤ اجداد کی نفرت کا ورثہ ملا ہے اگرچہ بظاہر وہ کیسی ہی باتیں بنائیں لیکن ممکن نہیں کہ دل سے اُس نفرت کو مٹا دیں جو اُن کے خون میں صدہا سال سے ملی ہوئی ہے۔

حضور انور نے زبانِ مبارک ہی سے نہیں فرمایا کہ مجھے عورتوں سے دلی محبت ہے بلکہ اس کا عملی ثبوت بھی دیدیا اور دنیا کو سکھا دیا کہ عورتوں کی محبت انسانیت اور شرافت کی جزو اعظم ہے اور وہ انسان نہیں ہے کہ جسکے دل میں عورتوں کا پاس و ادب نہو۔ حضور انور کی اس عملی تعلیم کا اثر مسلمانوں پر بین طور سے ہوا اور آج دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں نکلنے کی جسکے ہاں عورتوں کا اتنا بڑا احترام کیا جاتا ہو جتنا مسلمانوں کے ہاں ہوتا ہے حضور انور کی کل ازواج پاک امہات المؤمنین کے معزز لقب سے ممتاز ہیں اور ہمیشہ مسلمانوں نے اس کا وہی احترام کیا ہے جو اُنکے ساتھ بمقتضائے اصول اسلام ہوسکتا تھا حضرت فاطمۃ الزہرا حضور انور کی صاحبزادی دنیا کی خاتونوں میں اول درجہ سمجھی جاتی ہیں اور آپ ہی خاتون محشر بھی کہلاتی ہیں یہانتک آپکا احترام کیا گیا کہ مسلمانوں نے اپنی اخروی نجات کا دارومدار آپ ہی کی تعظیم پر منحصر کردیا۔ اسیطرح حضرت بی بی عائشہ کو تمدن اسلام میں بہت بڑا مرتبہ عطا کیا گیا اور احادیث صحیحہ کے بڑے حصہ کی صحت کا دارومدار صرف آپ ہی کی ذات پر موقوف ہے آپ سے صدہا احادیث منقول ہیں اور آپ نے مذہب اسلام کو ایسی مدد دی ہے کہ جبتک دنیا قائم ہے وہ آپ کا ممنون رہیگا۔

حضرت بی بی عائشہ کے مفصل سوانح عمری سے جو ہم آگے لکھیں گے آپ کا علم وفضل آپکا سیاسی

دماغ اور آپکی سپاہیانہ کارروائیوں کا پورا علم ہو جائیگا اور کافی طور پر اس امر کی صداقت ہو جائیگی کہ اسلام نے عورتوں کو کتنا عروج پر پہنچایا تھا اور انکی مردوں کے ساتھ کس حد تک مساوات ہو گئی تھی۔

اس نکاح کی بابت اگر عیسائیوں کا کوئی اعتراض ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ بہت کم عمری میں نکاح ہوا اور بس سوائے اسکے وہ کوئی اعتراض نہیں کرتے یا اُن روایتوں کو نقل کرتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کی نسبت مشہور ہیں کہ انھوں نے اپنی زبان سے اپنے تعلقات زوجیت کا اظہار کیا اور اُس محبت کو بتایا جو حضور انور آپسے رکھتے تھے چنانچہ ہم اُن روایتوں کا خلاصہ کر دیتے ہیں جو حضرت بی بی عائشہ کے ساتھ نسبت دیجاتی ہیں اور انھیں کو اُن کا قائل بنایا جاتا ہے وہ روایتیں یہ ہیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ میں پیغمبر خدا کی ساری ازواج میں کئی وجہ سے اچھی ہوں اول آپ کی ساری بی بیوں میں میں ہی بن بیاہی آئی۔ دوم میرے ماں باپ مہاجر تھے سوم جب زنا کاری کا بہتان لگایا گیا تھا آسمان سے میرے بیگناہ ہونے پر آیت آئی تھی چہارم جب میں بن بیاہی تھی جبرائیل نے میری تصویر پیغمبر خدا کو دکھائی تھی کہ اس سے نکاح کر پنجم میں اور پیغمبر خدا دونوں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے اور کسی بی بی کے ساتھ ایسا نہیں ہوا۔ ششم شب کو پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور میں سامنے لیٹی رہا کرتی تھی۔ ہفتم کسی بی بی کے ہاں سوتے ہوئے وحی نہیں آئی مگر میرے ہاں سوتے وقت کبھی کبھی وحی بھی آتی تھی۔ ہشتم آپنے اسوقت وفات پائی جب میرے زانو پر سر مبارک رکھا ہوا تھا۔ نہم جس شب آپنے وفات پائی وہ میرے مکان میں رہنے کی شب تھی۔ دہم میرے ہی حجرہ میں آپ مدفون ہوئے اسکے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں مشہور ہیں جو حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے بیان کی جاتی ہیں یعنی آپ فرماتی ہیں جب میرا نکاح ہوا میں چھ سال کی تھی اور جب میں اپنے گھر سے وداع ہوئی میری عمر نو برس کی تھی میرا مہر پانسو درہم کا بندھا تھا وغیرہ وغیرہ اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو ہمنے عمداً قلم انداز کر دی ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ سب کا ایک ہی مفہوم یہ ہے کہ پیغمبر خدا کو آپ کے ساتھ سب بی بیوں سے زیادہ خصوصیت تھی۔ اب ہم ان روایتوں کی فطرت پر ایک نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان میں صداقت کا کتنا مادّہ ہے۔

جہانتک غور کیا جاتا ہے ان میں سے ایک روایت بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ جبتک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ دوسری ازواج نے آپکے مقابلہ میں رسول خدا کی محبت کا اظہار کیا تھا ہرگز یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بلاوجہ حضرت عائشہ نے اُن رازدارانہ تعلقات کے بیان کرنے میں جو زوجیت سے متعلق تھے اتنی دردسری فرمائی ہو کسی حدیث اور کسی تاریخ اور کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور کے وصال کے بعد خلفائے راشدین میں سے ایک خلیفہ نے بھی امہات المومنین کی تکریم اور عزت کرنے اور اُنکے حقوق بحال رکھنے میں کچھ بھی کمی کی ہو یا اُن میں کچھ امتیاز قائم کیا ہو مثلاً حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ میں کل ازواج پاک سے ادب اور بے انتہا تکریم کا یکساں برتاؤ کیا جاتا تھا سب کی تنخواہوں میں مساوات تھی اور ایک تل برابر فرق بھی کسی سے برتاؤ کرنے میں نہ تھا حضرت بی بی عائشہ کی زیادہ تنخواہ مقرر نہیں ہوئی تھی نہ اُنھیں کوئی جاگیر بخشدی گئی تھی۔ نہ بی بی حفصہ کے ساتھ کوئی خاص رعایت حضرت

فاروق اعظم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ جب یہ بات نہ تھی اور مساوات اس درجہ قائم تھی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیونکر کسی بی بی نے حضور انور کے ساتھ اپنی خصوصیات کا جبکہ مقابلہ میں اور کوئی مدعی نہ تھا بلاوجہ اظہار کیا یہ ایک گہرا راز ہے جو زیادہ توجہ کا محتاج ہے اور یہ ایک بڑی بات ہے جس کے ذریعہ سے مذکورہ روایتوں کی صداقت اور غیر صداقت معلوم ہو جاتی ہے۔

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ جب وہ کسی سرپرست کی وفات کے بعد اپنے حقوق زائل ہوتے ہوئے دیکھتی ہے یا یہ نظر کرتی ہے کہ دوسرا مدعی مقابل میں اپنی خصوصیت کا اظہار کر رہا ہے تو اس وقت اد بدا کے اُسے اُن تعلقات کا خواہ زبانی ہوں یا تحریر میں آچکے ہوں اظہار کرنا پڑتا ہے جو مرحوم کے ساتھ اُسے تھے اس کا ذکر نہیں کہ اس کے بیان میں صداقت کس قدر ہوتی ہے اور لغویت کتنی اور جب یہ بات نہیں ہو اور کوئی مدعی بھی نہیں کھڑا ہوا ہے اور نہ حقوق زائل ہونیکا اندیشہ ہے پھر نہیں ممکن ہو سکتا کہ وہ بلاوجہ بولنے لگے کہ مجھسے یہ خصوصیت تھی اور یہ گہرا تعلق تھا۔ ایک پہلو تو یہ ہے دوسرا پہلو ان روایات کا جنکی نسبت حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے دی جاتی ہے یہ ہے کہ خیال نہیں ہو سکتا کہ زوجیت کے رازدارانہ تعلقات کا کوئی خاتون علی الاعلان اظہار کرے۔ عورت کی فطرت میں خواہ وہ کسی ملک کی کیوں نہو شرم کا مادّہ و دیعت ہوا ہے اور ساتھ ہی وہ اپنے خاوند کے رازوں کو بھی کبھی کسی حالت میں دوسروں کے آگے بیان نہیں کرنے کی یہ باتیں جن کا تعلق خاص اپنے نفس سے ہوتا ہے کسی دوسرے شخص کے آگے اُن کا دوہرانا محض فضول ہو اور بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ جیسی عالمہ کی نسبت یہ خیال کرنا کہ آپ نے زوجیت کے رازوں کا اس طرح اظہار کر دیا تھا سمجھ میں نہیں آتا۔ یہ ہم مانتے ہیں کہ یہ روایتیں اسلامی کتب میں موجود ہیں اور اس کا بھی ہم اعتراف کرتے ہیں کہ اُن میں بعض روایات کا پتہ اسلامی کتب صحیح میں بھی ملتا ہو مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم ان روایتوں کا وہ مفہوم سمجھیں جسکو عام لوگ سمجھتے ہیں ہم کہتے ہیں جسطرح ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کی عزت اور تحریم کا خیال تھا اسی طرح آپ کے بعد علما اور محدثین کو بھی اس کی طرف پوری توجہ تھی چونکہ یہ ترمیم عورتوں کے تمدن میں نئی نئی ہوئی تھی اسلئے علما راسلام کو خیال تھا کہ مبادا نو مسلم پھر اپنی موروثی عادت پر آتر آئیں اور عورتوں کو اسی نفرت کی نظر سے دیکھنے لگیں جس نظر سے کہ اُنکے آبا و اجداد یا وہ خود قبل از اسلام دیکھتے تھے اس نظر سے ایسی روایتیں بنائی ہوں جن میں یہ تذکرہ ہو کہ نبی معصوم کس طرح اپنی ازواج پاک سے محبت رکھتے تھے اور آپ نے عام مسلمانوں کو کس طرح عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی عمدہ تعلیم دی ہے۔ ان روایات کے بیان کرنے میں سوائے اس حکمت کے اور کوئی حکمت سمجھ میں نہیں آتی۔ ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کے سادہ خیالات اور سادی معاشرتیں تھیں جو انکے دل میں تھا وہ اُنکی زبان پر تھا اور وہ ہرگز یہ نہیں سمجھتے تھے کہ جو اقوال نیک نیتی سے بیان کیے گئے ہیں اُن پر اسطرح نکتہ چینیاں ہونگی اور یہ طوفان تمیزی اٹھے گا۔ وہ اپنا سا نیک نیت دنیا کو سمجھتے تھے اور انھیں اسلام نے اول ہی روز سے یہ تعلیم ہی نہیں دی تھی کہ بدظنی کو اپنے خیال میں رستہ دیتے ان روایات کی مجموعی صورت

پر جب نظر جائیگی تو معلوم ہوگا کہ کسی طور سے بھی انکی نسبت حضرت عائشہ کی ذات کے ساتھ نہیں ہوسکتی اور ممکن نہیں کہ انھوں نے بلاوجہ اور بلا سبب اپنی زوجیت کے اندرونی تعلقات کا اس طرح افشا کیا ہو اور اگر ہم اسے صحیح تسلیم کرلیں اور یہ سمجھیں کہ یہ روایتیں کسیطرح بھی غلط نہیں ہوسکتیں بیشک جتنے اقوال کہ مشہور کیئے جاتے ہیں یہ سب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہیں تو ہم اُن روایات کو صحیح سمجھکے ہر ایک کی توضیح کرینگے تاکہ عام طور پر یہ معلوم ہوجائے کہ ایک روایت سے بھی کوئی نقص حضور انور یا ام المؤمنین کی ذات میں نہیں آسکتا جن کے خیالات اس معاملہ میں مذبذب ہیں وہ اور جو ان اقوال پر اعتراض کرتے ہیں وہ ذرا توجہ اور غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ ہم الزامی جواب دینے پسند نہیں کرتے ہمارے جتنے جواب ہونگے وہ سب تحقیقی ہونگے ہمیں مطلب کیا کہ دوسرے مذہب میں فلاں فلاں بدتہذیبی کی باتیں ہیں اور یہ یہ نقائص ہیں جب ہم یہ سمجھ چکے کہ اسلام سے بہتر دنیا میں کوئی مذہب نہیں ہے پھر آگے کسی بات کی گنجایش ہی نہیں رہی اگرچہ ہم مانتے ہیں کہ خاص خاص موقعوں پر الزامی جواب دینا لازمی ہوجاتا ہے اور بغیر اُس کے چارہ نہیں ہوتا مگر اس موقع پر چنداں الزامی جواب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم جو کچھ لکھ رہے ہیں اس سے ہماری غرض بحث و مباحثہ میں پڑنے کی نہیں ہے بلکہ ہمارا اصلی منشا اُس غلط فہمی کو مٹانے کا ہے جو بعض کوتاہ اندیشیوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگئی ہیں اور بعض بدتہذیب ناشائستہ کرسٹانوں نے بات کا بتنگڑ بنا کر ان واقعات پر شرمناکی کا ایسا رنگ چڑھایا کہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ فرضی خداوند کے ماننے والوں اور پولوس کے کی بھی اس قدر جرأت ہوئی کہ وہ اس دریدہ دہنی سے فخر رسل پر معترض ہونے لگے اور انھیں اپنے آپے کی کچھ خبر نہ رہی کہ بی بی مریم کو یہودی کیا کہتے ہیں۔ اُنکے فرضی خداوند کی نسبت یہودیوں کی مذہبی انجمن میں کیا فیصلہ ہوچکا ہے اور اُنکے مصنوعی مذہب کی بنا کس ناقابل یقین اصول پر ہے۔ بایں ہمہ ہم ان پر کچھ سب وشتم نہیں کرتے بلکہ دعا کرتے ہیں کہ خدا انھیں راہ ہدایت دکھائے۔

(اول) حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ میں پیغمبر خدا کی کل ازواج میں اچھی ہوں کیا بُرائی پیدا کرتا ہے۔ یہ مانا کہ سب نبی کی بیبیاں تھیں لیکن یہ تو نہیں کہا جاتا کہ اُن بیبیوں کے خیالات قابلیتیں اور دماغی قوت بھی یکساں تھی۔ چونکہ ایک شخص ہمیشہ کچھ نہ کچھ دوسرے شخص پر فضیلت رکھتا ہے اگر آپ کی ازواج میں ایک کو دوسرے پر فضیلت ہوگئی تو اُس میں عیب کیا نکلتا ہے مگر جو باتیں کہ حضرت بی بی عائشہ سے وجہ فضیلت روایت کی گئی ہیں وہ یہ ہیں۔ اول کوارپنے میں نکاح ہونا۔ اس میں بھی کچھ غلطی نہیں ہے نہ جھوٹ ہے نہ کوئی افترا ہے یہ صحیح ہے جب رسول مقبول سے نکاح ہوا ہے تو آپ بن بیاہی تھیں۔ معلوم نہیں کہ ایک خاتون کا یہ قول کہ رنڈاپے میں نکاح ہوا یا کوارپنے میں کیوں لائق سرزنش خیال کیا جاتا ہے۔ اگر لفظ کواری کوئی فحش لفظ ہے تو بی بی مریم کے ساتھ کواری مریم عیسائیوں کی مقدس کتابوں میں کیوں لکھا ہے۔ اور کیوں شب و روز فرضی خداوند کے ماننے والے گرجاؤں میں کواری مریم کا نام جپا کرتے ہیں۔ شب و روز ہر قسم کی گفتگو اور مہذب سے مہذب علم ادب میں کیوں کوارے یا کواری کا لفظ مستعمل ہوا کرتا ہے یہ ساری باتیں محض تعصب کی بنا پر بنائی

جاتی ہیں مگر ان کا کذب تو اسقدر عیاں ہے کہ معترض خود دل میں سمجھتا ہوگا کہ میں دیدہ و دانستہ جھوٹ بول رہا ہوں
دوسرا فخر حضرت عائشہ کا یہ ہے کہ میرے والدین مہاجر تھے یہ بھی غلط نہیں ہے نہ اس بیان کرنے میں کسی قسم کی برائی عائد ہو سکتی ہے حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر کرنا انتہا درجہ تعلق اسلام پر دال ہے کہ انکے والدین مہاجر ہیں یعنی اُنھوں نے اپنا وطن اور اپنے رشتہ دار رسولِ خدا کے لیئے چھوڑ دیئے تھے شاید ہجرت کرنا عیسائیوں کی نظروں میں اس لیئے کھٹکتا ہوگا کہ جب حضرت مسیح پر مصیبت آئی ہے تو ایک بھی نہ دکھائی دیا تھا اور جو شب و روز مسیح کے ساتھ مفت کے مال اُڑاتے تھے انھوں نے بھی صورت نہیں دکھائی تھی اس لحاظ سے عیسائیوں نے سچی رفاقت اور اُس پر فخر کرنے کو آیندہ جرم قرار دیدیا اور وہ اس امر کو سخت معیوب سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی وفاداری یا اپنے والدین کی وفاداری پر جو ایک سچے محسن کے ساتھ ہوئی ہو فخر کرے یا اُس کا اظہار کرے اس وہ اسی فخر پر جو حضرت بی بی عائشہ اپنے والدین کے مہاجر ہونا کا کرتی ہیں سخت حقارت سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ اُنکے فرضی خداوند مسیح کی عملی تعلیم ہے اسلیئے وہ بھی قابل معافی ہیں۔
تیسرا فخر بی بی عائشہ کا یہ بیان ہوا ہے کہ بہتان عظیم مجھپر اُٹھایا گیا تھا خداوند تعالی نے اسکی تردید کرکے آسمان سے آیت اُتار دی اس میں شک نہیں کہ اس سے زیادہ اور کیا تقدیس اور بزرگی ہو سکتی ہے کہ آسمان سے کسیکی صداقت کی آیت نازل ہو حضرت بی بی عائشہ پر بہتان قائم ہونیکے واقعہ کی خواہ کچھ ہی اصلیت کیوں نہ ہو اور مفسرین میں اُسکی نسبت خواہ کچھ ہی غلط فہمی کیوں نہ پڑ گئی ہو مگر اس وقت ہم اس واقعہ کو اُن ہی معمولی معنوں میں لے کے بیان کرتے ہیں جو عام طور پر سمجھ لیئے گئے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کے قافلہ سے پیچھے رہجانے پر شبہہ ہوا تو حضور انور کو بحیثیت اسکے کہ آپ انسان تھے اور انسانی جذبات اور خیالات سے مملو تھے بدگمانی ہوئی اور چند روز تک باہم کشیدگی رہی اس عرصہ میں حضرت بی بی عائشہ سے درخواست کی گئی کہ وہ توبہ کریں اور معافی مانگیں مگر اُنھوں نے صاف انکار کیا کہ میں بالکل مقدس اور پاک ہوں اور مجھے توبہ کرنے اور معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے یہ مسئلہ صحابہ میں بھی پیش ہوا اور کسی نے کچھ رائے نہ دی کیونکہ یہاں رائے دینے کا کوئی موقع نہ تھا۔ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت بھی متردد تھے اور کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا رسول کریم کی کشیدگی سے صحابہ اور خود حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بزرگ والد حضرت ابو بکر صدیق ناراض تھے مگر حضرت بی بی عائشہ کو کسیکی ناراضی کی مطلق پروا نہ تھی اور وہ اُن بدگمانیوں یا شبہات کا جو لوگوں کو اُنکی طرف ہو گئے تھے بہت دلیری سے مقابلہ کرتی تھیں اور اپنی تقدیس کا پورا پورا خیال رکھتی تھیں چونکہ وہ حق پر تھیں اسلیئے وہ نہایت دلیری کے ساتھ اپنی صداقت پر قدم جمائے رہیں یہاں تک کہ آسمان سے اُنکی صداقت کی شہادت نازل ہوئی اور تمام ازواج میں فی الحقیقت یہ فخر حضرت بی بی عائشہ ہی کو ملا ہے کہ خداوند تعالی نے اُن کے لیئے آیت نازل کرکے اُنکی تقدیس کی شہادت دی۔ کسی کے تہمت لگانے سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ تہمت لگانے والے سچے ہیں اور جن پر تہمت لگائی گئی ہے وہ ملزم ہیں حضرت بی بی مریم پر یہودی تہمت لگاتے ہیں اگر محض تہمت لگانا کچھ وزن رکھتا ہے تو حضرت بی بی مریم کی عصمت اور تقدیس کی کچھ شہادت نہیں ہے نہ حضرت

مسیح کا ایسا کوئی صریح قول موجود ہے جس سے اُس الزام کی تردید ہوتی ہو جو یہودی اُن پر قائم کرتے ہیں ہاں قرآن مجید نے حضرت بی بی مریم کی تقدیس کی کچھ شہادت دی ہے اور بس۔ ایک عیسائی معترض یہ لکھتا ہے کہ سوائے قرآن کی ایک آیت کے اور کوئی ثبوت بی بی عائشہ کی پاکدامنی کا مسلمانوں کے پاس نہیں ہے مگر مشکل یہ ہے کہ حضرت بی بی مریم کی پاکدامنی کی تو ایک بھی شہادت نہیں ہے۔ رہا سوائے قرآنی آیت کے دوسرا ثبوت مسلمانوں کے پاس نہ ہونا یہ کوئی قابل الزام امر نہیں ہے۔ مسلمانوں کے ہاں قرآن مجید کی دو لفظی شہادت ہزار ہا روایتوں اور شہادتوں پر سبقت رکھتی ہے۔ جب قرآن مجید نے شہادت دیدی پھر انھیں دوسرے شاہد کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی اور بحیثیت اس کے کہ وہ مسلمان تھے وہ قرآن مجید کے مقابلہ پر دوسرا شاہد تلاش بھی نہ کر سکتے تھے۔ بہرحال اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر قابل اعتراض نہیں ہے بلکہ اُنھیں جتنا فخر کریں زیبا تھا۔

چوتھا فخر یہ ہے کہ جب میں بن بیاہی تھی جبریل نے رسول خدا کو میری تصویر دکھا کے کہا تھا کہ اس لڑکی سے نکاح کر۔ اگر ہم اس روایت کو صحیح بھی مان لیں تو ہم نہیں خیال کر سکتے کہ اس میں کیا قباحت ہو اور کیوں حضرت جبریل کا تصویر دکھانا ناجائز گنا جاتا ہے۔ تصویر دکھانے سے یہ مطلب صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے یہ نکاح ہوا اور اس نکاح میں خاص خاص مصلحتیں اور حکمت عملیاں تھیں جنکا مختصر ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق کوئی کام بغیر خدا کے حکم کے نہیں ہوتا اگر حضرت عائشہ نے یہ روایت بیان کی تو اس کے لفظی معنی کیوں لیئے جاتے ہیں اور مجازی معنی سے کیوں روگردانی کی جاتی ہے ہم کہتے ہیں اگر جبرئیل کے تصویر دکھانیکے معنے حکم خدا کے لیں تو کیا قباحت لازم آتی ہے۔ چلو یہ بھی نہ صحیح اس روایت کے وہی معنے لیتے ہیں جو ظاہرا الفاظ سے لیئے جاتے ہیں تاہم اس میں اُس وقت بھی نکتہ چینی کو کوئی گنجایش نہیں رہتی جبکہ انجیلوں اور توریت میں ہزاروں لغو اور دور از قیاس اور فحش باتیں بھری ہوئی ہیں۔ ہم کس بنا پر انھیں تسلیم کرتے ہیں اور اس معمولی روایت پر کیوں ناک بھوں چڑھاتے ہیں۔ حضرت بی بی عائشہ کا یہ فخر بھی فی الحقیقت بجا و درست تھا۔

پانچواں فخر۔ پیغمبر خدا اور میں ایک برتن میں نہایا کرتے تھے یہ فخر اور کسی بی بی کو حاصل نہیں ہوا سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک برتن میں نہانیکے کیا معنے ہیں۔ اگر یوروپی تہذیب کا مضمون لیں کہ ایک ٹب میں گھر کا گھر نہاتا ہو اُسی میں صابون گھلتا ہے اور ایک بار نہانیکے بعد وہی پانی بھرا رہتا ہے اور پھر اُسی میں دوسرے دن غوطہ لگایا جاتا ہو اور اخیر وہ پانی سڑ جاتا ہے پھر کہیں بمشکل پھینکا جاتا ہے تو یہ تہذیب عرب میں رائج نہ تھی ہاں یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک برتن سے نہایا جاتا ہو اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں ہے ہاں اُس شخص کے لیئے فخر کی بات ہے جو مسلمان ہو اور جس برتن سے رسول کریم نے غسل کیا ہو اُسی کو وہ استعمال کرے تو اس سے زیادہ فخر اُسے ہو نہیں سکتا اگر فرض کریں کہ حضرت عائشہ نے ایک ہی برتن میں نہانے کا فخر کیا تو اُنکی یہ اعلیٰ درجہ کی ایمان کی نشانی ہے کہ رسول کریم کی ادنی ادنی مہربانیوں کا اُنھیں کسقدر فخر تھا اور وہ اُسے کس درجہ اپنی عزت اور امتیاز کی نشانی سمجھتی

نہیں اس پر اعتراض کرنا اور ان باتوں کا مضحکہ اُڑانا یہ نہ صرف عقل سے بعید ہے بلکہ عین ناانسانیت ہے اس قسم کے بیہودہ اعتراضات اپنے ساتھ کچھ وزن نہیں رکھتے بلکہ ان سے معترض کا سفاہہ پن پایا جاتا ہے کیا تماشہ کی بات ہے کہ اس اُنیسویں صدی میں ایک برتن میں نہانا عیب خیال کیا گیا ہے اور اس امر کو منافی نبوت سمجھا گیا ہے کہ اگر یہ اُمور صحیح بھی ہوں تو ان سے اتنا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ عورت و مرد کی اُس مغائرت کو کھونے کی تدبیر کی گئی تھی جو مخلوق میں خون کی طرح پیوست ہوگئی تھی اور کسیطرح بھی نہیں نکل سکتی تھی۔ الحمد للہ کہ رسول کریم کو اس میں کامیابی ہوئی۔

چھٹا فخر۔ پیغمبر خدا نماز پڑھتے تھے اور بی بی آگے بیٹھی رہتی تھی۔ یہ بھی کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے شکر ہے یہ بات تو ثابت ہوئی کہ رسول کریم حضرت بی بی عائشہ جیسی چاہیتی بی بی کے ہاں بھی آکے خدا کی عبادت میں مشغول ہوتے تھے اور اگر بفرض محال یہ بھی صحیح ہو کہ نماز پڑھتے وقت حضرت عائشہ آگے لیٹی رہتی تھیں تو یہ بھی اپنی اُمت کے لیے ایک زبردست تعلیم ہے کہ انسان اپنے جذبات دلی کو بالخصوص اُس وقت جب اُسکی جوان بی بی آگے لیٹی ہوئی ہو کس طرح مغلوب کر کے خدا کی عبادت کر سکتا ہے یہاں گویا انسانی قوت اور دلی جذبات پر غالب آنے کی ایک بے نظیر مثال قائم کی ہے جس کی نظیر دنیا میں ملنی ممکن نہیں۔ اگر ہر بات کو حق سمجھ کے غور کیا جائیگا تو سب میں ایک زبردست تعلیم اور حکمت کا پہلو ضرور ہوگا اگر بینے کے چھوٹے اس حکمت کو نہ دیکھیں تو یہ قصور حکمت کا نہیں ہے بلکہ دلی بصارت کا نقص ہے سعدی نے بہت ہی درست کہا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم — چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کریم کا کوئی فعل حکمت اور تعلیم سے خالی نہ تھا۔ آپ کا اُٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا کھانا پینا غرض ہر کام میں بالغہ حکمت مضمر تھی اگر آپ نے پچاس برس کی عمر تک دوسرا نکاح نہیں کیا تو یہ بھی اعلیٰ درجہ کی تعلیم تھی کہ مرد جوانی کی عمر میں اپنی سی بڑی بی بی پر کس طرح قانع رہ سکتا ہے متعدد نکاح کیے ان میں بھی بہت بڑی تعلیم تھی کہ انسان کئی کئی بیبیاں کر کے کس طرح مساوات قائم رکھے۔ اور اُسے کیسا برتاؤ کرنا چاہیئے ایک اعلیٰ درجہ کے برتاؤ کے یہ معنی ہیں کہ ہر بی بی خوش ہو اور یہ سمجھے کہ مجھ ہی سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اگر حضرت بی بی عائشہ کے فخر نقل کیئے گئے ہیں تو اُنکے مقابلہ میں کسی اور بی بی کی شکایتیں بھی درج نہیں ہیں کہ فلاں بی بی کو رسول کریم سے یہ شکایت تھی اور وہ اس وجہ سے ناراض رہتی تھیں ایک قسم کا کھانا ایک قسم کا لباس خوشی ہے تو سب کو برابر مصیبت ہے تو سب کو مساوی۔ فاقہ ہے تو سب پر یکساں اگر ایک بی بی کے حجرہ میں چراغ نہیں ہے تو سب کے حجروں میں اندھیرا ہے۔ یہ مساوات تھی اور یہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم تھی جو نہ کبھی زمانے نے دیکھی اور نہ کبھی کسی قوم میں پھیلی۔ آنحضرت کی اور بیبیاں بڑی عمر کی تھیں بعض جوانی سے ڈھلی ہوئی بعض اُدھیڑ اور بعض بوڑھی مگر حضرت بی بی عائشہ سب میں جوان تھیں اسپر بھی آپنے یکساں برتاؤ کر کے بتا دیا کہ خاوندوں کو اپنی مختلف العمر بیویوں کے ساتھ کس طرح مساوات رکھنی چاہیئے اگر آپ بھی مثل حضرت مسیح کے فرضی کنواریوں کے تذکرہ کرتے رہتے اور دولہ دولہنوں سے مشابہت دیتے رہتے اور

عورتوں کی معاشرت میں کوئی عملی اصلاح نہ کرتے تو کیا کیفیت ہوتی اور عورتوں کی حالت کیسی ناگفتہ بہ ہو جاتی۔ نہ انھیں حقوق ملتے نہ انکی عزت کیجاتی نہ اُن پر رحم کیا جاتا وہ اسیطرح مردوں کی خواہشوں کی شکار ہوتیں اور اُنکا دادرس ڈھونڈے سے بھی نہ ملتا۔ الحمد للہ کہ اس وقت تک کروڑوں عورتیں ان حقوق سے فیضیاب ہو چکیں اور کروڑوں فیضیاب ہو رہی ہیں۔ یہ اُسی معاشرت کا پرتو ہے جس پر نامہذب دریدہ دہن اعتراض کر رہے ہیں۔

ساتواں فخر پیغمبر خدا پر میرے حجرہ میں وحی نازل ہوتی تھی یا آنحضرت نے میرے زانو پر سر رکھکے وفات پائی یا آنحضرت میرے حجرہ میں مدفون ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ وحی کا حضرت بی بی عائشہ کے کمرہ میں آنا وہی معنی رکھتا ہے جو ہم نے نماز پڑھنے کے بیان کئے ہیں حضرت جبریل یا روح القدس وحی لانے تھے جس سے پایا جاتا ہے کہ آپکی مبارک زندگی کا ایک لمحہ بھی تعلیم وتلقین سے خالی نہ ہوتا تھا۔ بی بی کے حجرہ میں جاکے بجائے اسکے کہ آپ آرام کرتے مگر نہیں وہاں بھی لَو اپنے معبود سے لگی رہتی تھی اور فی الحقیقت آپ کا کوئی نفس یاد خدا اور اصلاح بنی نوع سے خالی نہ تھا ایک عیسائی کے اعتراض میں لفظ کبھی کبھی کا موجود ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمیشہ آپکے حجرہ میں وحی نازل نہ ہوتی تھی اس میں بھی ایک عجیب بات پائی جاتی ہے اگر ہمیشہ نازل ہوتی تو ایک عادت خیال کیجاتی اور جب کبھی کبھی نازل ہوئی تو اس سے بخوبی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آپکے دل میں ربانی جذبوں کا اُبھار اور آپ کے منور قلب سے وحی کا فوارہ اُچھلنا کسی خاص تنہائی میں ہو سکتا تھا خاص حجرہ ہی پر کیا مقرر ہے وہ مقام اور وہ شخص جس سے جو مقام تعلق رکھتا ہے وحی نازل ہونے پر جتنا فخر کرے بجا ہے اسی طرح وفات کے وقت حضرت بی بی عائشہ کے زانو پر سر رکھنے کے یہ معنے ہیں تاکہ مسلمان سمجھ لیں کہ عورتوں کا پاس ولحاظ آپ کتنا فرماتے تھے اور آپ کو اس کائنات کی ماں سے کس بلا کی محبت تھی بیشک جس طرح بی بی عائشہ کو ان باتوں پر فخر ہے اسی طرح تمام دنیا کے مسلمانوں کو فخر ہے کہ ہمارے رسول کریم نے متعدد نکاح کرکے تعلقات زن وشوئی کی کیسی تصویر کھینچدی ہے۔

یہ ساری باتیں جو بیان ہوئی ہیں ان میں سے بہت سی معتبر کتابوں میں نہیں ہیں جن مسلمان مورخوں نے ان روایات کو نقل کیا ہے وہ مسلمانوں کے ہاں قابل اعتبار نہیں ہیں یہ صحیح ہے کہ حضرت بی بی عائشہ سے بکثرت حدیثیں منقول ہیں اور زیادہ تر اُن میں وہ حدیثیں ہیں جو عورتوں کی رازدارانہ معاشرت سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً جب عبداللہ بن عمر نے عورتوں کو سر کھول کے نہانے کا حکم دیا تو حضرت بی بی عائشہ بہت ہی ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ عبداللہ یہ کیوں نہیں فتویٰ دیتا کہ عورتیں سر ہی منڈوا ڈالیں۔ اس قسم کی اصلاحیں عورتوں کی خاص معاشرت میں آپنے بہت سی فرمائی ہیں حضور انور کی اور ازواج پاک سے بھی بہت سی حدیثیں منقول ہیں مگر اُن حدیثوں کی تعداد سب میں زیادہ بڑھی ہوئی ہے جو آپنے روایت فرمائی ہیں۔ مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ ہمارے علماء نے کل اُن روایتوں کو تسلیم نہیں کر لیا ہے جو حضرت بی بی عائشہ کی طرف منسوب ہیں مثلاً معراج کے بارے میں اس خاتون ام المومنین کا یہ مذہب ہے کہ پیغمبر خدا کو روحانی معراج ہوئی مگر اور علما اس روایت کے خلاف گئے ہیں اور اُنھوں نے معراج کو بجائے روحانی کے جسمانی

جاتا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ضرور نہیں کہ جو روایتیں آپ کے نام کے ساتھ منسوب کیجاتی ہیں فی الحقیقت وہ سب آپ ہی کی روایت ہوں جبکہ لاکھوں اقوال کی نسبت رسول کریم کی اطہر و اقدس ذات سے دیدی گئی تو یہ کونسی بڑی بات تھی کہ آپ کی ازواج پاک سے ہزاروں روایتوں کی نسبت نہ دیجاتی۔ ہر راوی کا حدیث کے موضوع کرتے وقت فرض تھا کہ وہ کسی بڑے شخص کا نام لے اور اپنے موضوعی قول کو اسکی نسبت دے تاکہ سننے والے اس پر اعتراض کریں اور انھیں اس کے یقین کرنے میں کچھ تامل نہو۔

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے چونکہ سیاسی معاملات میں بہت بڑا حصہ لیا ہے اس لئے آپکی شہرت بہ نسبت اور ازواج پاک کے بہت ہی زیادہ ہوگئی تھی یہی وجہ ہے کہ اکثر اقوال کی آپکے نام کے ساتھ نسبت دی گئی ہے۔ اکثر آپ پر نئے نئے الزام قائم کیئے گئے ہیں حتیٰ کہ آپ کو رسول کریم کا پکا دشمن بنا کے دکھایا گیا ہے (معاذ اللہ) وہ اقوال جو سنیوں کی کتابوں میں آپکے نام سے مرقوم ہیں اُن اقوال سے بہت ہی کم درجہ کے ہیں جو شیعوں کی کتابوں میں آپکے سر چپکے گئے ہیں۔ پھر خوارج کی کتب ہیں اُن میں بھی صدہا بلکہ ہزارہا اقوال آپ سے نقل ہیں مگر صداقت کی روشنی بہت ہی کم اقوال پر پڑ سکتی ہے۔ جب سے آپ کو ام المومنین کا فخر حاصل ہوا ہے اور جب تک آپ کی وفات ہوئی ہے روایتوں۔ الزاموں۔ اتہاموں۔ اور ناروا طوفانوں کا ایک دریا ہے جو موجیں مار رہا ہے اور ایک انبار ہے جو کتابوں میں بھرا ہوا ہے۔ اس طوفان بے تمیزی سے پہلو بچانا اور اس لایعنی انبار میں سے صحیح صحیح باتوں کا انتخاب کرنا حقیقت میں بہت بڑا کام رکھتا ہے عیسائی معترضین کو تو ان الزامات کی ہوا بھی نہیں لگی ہے جو اس ام المومنین پر مسلمانوں ہی کے ایک فریق نے قائم کیئے ہیں۔ وہ روایتیں کہ خود رسول کریم کے زمانہ میں آپ پر تہمت لگائی گئیں اور آپ کا ناقہ قافلہ سے بھٹک کے ذرا پیچھے رہ گیا تھا اور پھر آپکی تطہیر کی نسبت وحی نازل ہوئی ایک عجیب بے معنے قیاس ہے جسے بلا وجوہات سنیوں کی معتبر کتابوں نے بھی تسلیم کرلیا ہے نہ آپ کبھی قافلہ کے پیچھے رہ گئیں نہ آپ پر رسول کریم کے سامنے کوئی تہمت لگائی گئی نہ آپ کی تطہیر کی نسبت کوئی وحی نازل ہوئی یہ ساری باتیں بعد ازاں تراشی گئی ہیں اور اُنھیں فی الحقیقت صداقت سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ ہم ان روایتوں پر جب بالتفصیل بحث کرینگے اور اُنھیں نفس صداقت کی محک پر رکھکے پرکھیں گے تو معلوم ہوجائیگا کہ حقیقت سے ان کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے اور ساری شرمناک باتیں صرف اُس مخالف فریق کی معاندانہ خیالات کا نتیجہ ہیں جو مسلمانوں میں خلیفۂ ثالث کے وقت سے پیدا ہوگیا اور اُسی نے ان مصنوعی روایات کو اسقدر شہرت دی کہ وہ درجۂ تواتر تک پہنچ گئیں اور عام طور پر سب کو اس کا یقین ہونے لگا اگر قرآن مجید بہت سی روایتوں کی تکذیب نہ کرتا تو اسلام میں اور بھی خرابی پیدا ہوجاتی اور پھر صحیح واقعات کا بمشکل کھوج مل سکتا حضرت بی بی عائشہ کی مثل اور ازواج پاک کے خانگی زندگی نہ تھی کہ اُنکے حالات قلمبند نہ ہوتے اور بہت سی جھوٹی باتیں اُنکے نام سے مشہور نہ ہوتیں جتنے مشہور لوگ ہوئے ہیں بشرطیکہ وہ مذہبی بھی ہوں اُنکے نام سے ہزاروں اقوال ایجاد ہوگئے اور ایسی ہزاروں باتیں موضوع کرلی گئیں جنھیں صداقت سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے مثلاً لاکھوں حدیثیں حضور انور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے شہرت پاگئیں اگرچہ بعد ازاں اُنکی تحقیق و تدقیق

بے انتہا کی گئی لیکن پھر بھی بہت سی روایتیں ایسی باقی رہ گئیں جن کا کسی طرح بھی اعتبار نہیں ہو سکتا- ابتدائی سنین ہجری میں خلفا کا باہم جھگڑا نئے گروہوں کا پیدا ہونا اور اُن میں کشمکش ہونی روایتوں کے موضوع ہونیکی کافی شہادت ہو سکتی ہے- ہزاروں اقوال جو حضرت ابو بکر صدیق کے نام سے بیان کیئے جاتے ہیں فی الحقیقت اُن کے نہیں ہیں اسیطرح نئے نئے اقوال کی ہر خلیفہ اور امیر المومنین کے نام سے نسبت دی گئی ہے جنسے واقعی انھیں کچھ بھی سروکار نہیں تھا مصنوعی حکایتوں کا طوفان بے تمیزی برپا ہے اور صداقت پر یہ موضوع اقوال مثل ایک جال کے پھیلے ہوئے ہیں ایک محقق کے لیئے صداقت کو اُس جال میں سے نکال لینا اگر ناممکن نہیں ہے تو مشکل تو ضرور ہے-

ان جھوٹی روایتوں کی ایجاد کا باعث در اصل وہ خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں ہوئی ہیں جو آغاز سنین ہجری میں بد قسمتی سے مسلمانوں میں پھیل گئی تھیں اور جن کا سلسلہ دراز عرصہ تک رہا اگرچہ زمانہ نے اُن لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا ہے مگر جو نتائج کہ ایسی خانہ جنگیوں سے فطرتاً پیدا ہو سکتے ہیں وہ مسلمانوں کو بہمہ وجوہ حاصل ہیں اور صدیوں کا غبار اُنکے خون میں ایسا آمیز ہو گیا ہے کہ نسلوں پر نسلیں گزری چلی جاتی ہیں مگر اس اثر میں کچھ کمی نہیں آتی اگرچہ اس زہریلے اختلاف میں بھی اسلام کا معجزہ باقی ہے یعنی سب کلمۂ توحید پڑھتے ہیں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں اور اسلام کے دل سے پیرو ہیں مگر پھر بھی اس خطرناک اختلاف نے نہ صرف اخلاقی حالت پر بُرا اثر کیا ہے بلکہ دنیاوی معاشرت پر بھی کچھ اچھا اثر نہیں کیا یہ مخالفت جو اسوقت ہو رہی ہے یہ صرف اُن اختلافی روایات کی خرابی ہے جو اسلام کے عظیم گروہوں میں لاکھوں پائی جاتی ہیں ان اختلافی روایتوں نے قرآن مجید کے معنی پر بھی اثر ڈالا اور مجبوراً اُسکی آیتوں کو اُن ہی جھوٹی روایات کا جامہ پہنایا گیا جو مسلمانوں کو بطور ورثہ پہنچی تھیں اس لیئے اکثر تفاسیر میں وہ وہ واقعے بیان ہوئے ہیں کہ جن کا نہ کبھی ظہور ہوا اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ اُنکی کچھ اصل ہے بھلا کہاں شام- کجا چین اور کجا ایک درخت کا وجود اور کجا اُسکی شاخوں کا چین جا کے گرنا یہ ایسی باتیں ہیں جن میں محض مشرقی فسانوں کا رنگ پایا جاتا ہے اور کلام الٰہی یا فطرت کی بیاض کو ان بیہودہ باتوں اور خیالی لطیفوں سے کچھ بھی سروکار نہیں-

یہی وجہ بہت بڑی ہے کہ ہمیں بہت سی روایتوں کی اگرچہ وہ مشہور ہونے ہوتے تواتر تک پہنچ گئی ہیں تکذیب کرنی پڑی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارا یہ جدید قسم کا استدلال آیندہ نسلوں کے لیئے مفید ثابت ہوگا تاریخوں میں ہزاروں واقعات بھرے پڑے ہیں ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ ہم آنکھیں بند کر کے اُن واقعات کو تسلیم کر لیں اور یہ تحقیق نہ کریں کہ آیا جو واقعہ بیان ہوا ہے اُس کا انطباق بھی اُس زمانہ کی معاشرت سے ہوتا ہے اور آیا جس کی نسبت مذکور ہوا ہے اُس پر پھبتا بھی ہے یا نہیں اور اُسکی معاشرت اسکی شان اور اُسکی وضع سے کہانتک مخالف ہے اور کہانتک موافق ہے- اس کا راوی کون ہے آیا وہ سنی ہوئی لکھتا ہے یا چشم دید بیان کرتا ہے- اگر سنی ہوئی کہتا ہے تو اُسنے کس شخص سے سُنا اور آیا جس شخص نے اُس سے بیان کیا ہے اُس نے بھی آنکھوں سے دیکھا ہے یا وہ بھی سنی سنائی کہتا ہے- اور اگر لکھنے والا چشم دید واقعات لکھ رہا ہے تو یہ دیکھ

فرض ہے کہ وہ کس کی تائید اور کس کی مخالفت میں ہے اور جو واقعات اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں اُن سے نتیجہ نکالتے ہیں تو اُس نے دہو کا نہیں کھایا غرض جبتک ایسی اور ان جیسی بہت سی باتوں کا نہ خیال کرلیا جائے گا کبھی مختلف تواریخوں میں سے خواہ ہمعصر مورخوں کی ہوں یا بعد کی صحیح واقعات کا انتخاب نہیں ہوسکتا۔ کون ہے جو یہ عرقریزی کرکے واقعات کا انتخاب کرتا ہے اور کون ہے جس نے انصاف سے کبھی ایسی جاں کاہی کی ہے۔

ہم نے جو اصول واقعات کے جانچنے کے اُوپر لکھے ہیں انشاءاللہ ہم ان پر کاربند ہونیکی کوشش کرینگے اور حتی الامکان اُنھیں نبھائیں گے۔ خدا ہماری مدد کرے اور اُس کا ہاتھ ہمارے ساتھ کام کرے۔

ہم سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے شرمناک واقعہ کو اپنے اصول متعارفہ سے جانچ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں تک صحیح ہے زیادہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی ہمعصر شہادت اس واقعہ کی نہیں ہے کہ آپ کاروان سے پیچھے رہ گئی تھیں اور اس وجہ سے آپ پر کچھ شبہہ ہوا تھا اور اگر فرض کریں کہ اس واقعہ کی کوئی ہمعصر شہادت ہے بھی تو وہ اُس وقت قلمبند نہیں ہوئی تھی بلکہ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں یہ واقعہ تحریر میں آیا اور جس وقت یہ واقعہ لکھا گیا وہ زمانہ المامون کی سلطنت کا تھا جو معتزلی تھا اور ایسے اس جیسے واقعہ کے لکھے جانے کی زیادہ پروا نہیں تھی۔ اگرچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ لکھنے والوں نے بہ نسبت کہنے والوں کے محض نیک نیتی سے قلمبند کیا اور اُنکی نیک نیتی اسی سے عیاں ہے کہ اُنھوں نے ساتھ ہی آیۂ تطہیر کو بھی قلمبند کردیا جو اُس الزام کے غلط ہونے پر آسمان سے نازل ہوئی تھی پھر بھی وہ انسانی مجبوری کیوجہ سے اُس غلطی سے نہیں بچ سکے جو بحیثیت انسان ہونے کے لازمی تھی اور اُس سے بچنا کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ یعنی اُنھیں تحقیق کے سخت مراحل درپیش تھے اور بہ نسبت ہمارے انھیں صدہا درجہ مشکلات کا سامنا تھا اُن پر سلطنت کا بھی کچھ نہ کچھ دباؤ تھا۔ اُنھیں لاکھوں غلط روایتوں میں سے صحیح روایات کا انتخاب کرنا تھا اُنھیں لوگوں کے خیالات اور محسوسات کو بھی مدنظر رکھنا تھا۔ اُنھیں عامۂ خلائق کے اعتقادات پر بھی پوری نظر کرنی تھی اور ان سب مشکلات پر ایک یہ مشکل اُنھیں درپیش تھی کہ کوئی معیار ابھی تک صحیح اور غیر صحیح روایت کے جانچنے کی اُنکے پاس نہ تھی پھر بھی جو کچھ اُنھوں نے کیا وہ معمولی انسان کی طاقت سے باہر کیا اور ایسا کیا جس کی زمانہ تابقائے اسلام یعنی تاقیامت داد دے گا۔ چونکہ وہ اسلامی اصول کے مطابق معصوم نہ تھے اس لئے ممکن ہے کہ اُن سے کہیں اغلاط رہ گئی ہوں اور وہ انسانی مجبوری کی وجہ سے اس فروگزاشت میں پڑ گئے ہوں جس میں اگر وہ واقف ہوتے تو کبھی بھی نہ پڑتے۔

منجملہ اور واقعات کے جن میں قطعی فروگزاشت ہوئی حضرت صدیقہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے عقل باور نہیں کرتی کہ جو الزام آپ پر لگایا جاتا ہے وہ نبی اور آپ کی نبوت اور پھر اُم المومنین کی حالت پر چسپاں ہو۔ جب نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ الزام اگرچہ ظاہراطور پر حضرت بی بی عائشہ پر لگایا جاتا ہے مگر اصلی ملزم

(معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ٹھیرتے ہیں کیونکہ حضرت صدیقہ نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ کوئی نافرمانی نہیں کی بلکہ اتفاق سے اُن کا اونٹ پیچھے رہ گیا تھا صرف اونٹ کے پیچھے رہ جانے سے کسی کو کیا حق تھا جو آپ کی طرف بدگمانی کرتا اور خیال میں بھی کوئی بُرا نتیجہ پیدا کرتا جبکہ کسی نے کوئی شکایت نہیں کی تھی کسی نے کوئی علینی شہادت نہیں دی تھی پھر کیوں اور کسو جہ سے ایسا ہوا کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جیسا جلیل القدر نبی شبہ کرنے لگے اور شبہ بھی ایسا کہ دنوں بات نہ کرے اور سخت متردد رہے کہیں اپنے صحابہ سے مشورہ کرے کہ کیا کروں کہیں بی بی عائشہ سے یہ کہے کہ تم توبہ کرو۔ پس معلوم ہوگیا کہ یہ ساری باتیں گھڑی ہوئی ہیں اور اُنھیں حقیقت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

اسی واقعہ کا ایک پہلو اور بھی غور کرنے کے قابل ہے عرب میں مثل ہندوستان کے پردہ نہیں تھا اور نہ عرب کی یہ معاشرت کے خلاف تھا کہ کوئی عورت کسی مرد کے ساتھ کسی کام کو کہیں چلی جائے تو اُس پر شبہ کیا جائے۔ عورتوں کی حالت مثل مردوں کے آزاد تھی خواہ اُن سے برتاؤ کیسا ہی ہوتا تھا مگر وہ مردوں کے پہلو بہ پہلو ہر جنگ میں جاتی تھیں۔ اپنے خاوندوں بھائیوں اور باپ کے علاوہ کنبہ کے اور مردوں کے ساتھ بھی سفر کرتی تھیں مگر بدگمانی کا خیال بھی کسی کے دل میں نہ آتا تھا۔ مثلاً جب مشرکین عرب نے پے در پے مدینہ منورہ پر حملے کیئے ہیں تو مشرکین عرب کی عورتیں برابر فوج کے ساتھ آئی تھیں اور دف بجا بجا کے اپنے سپاہیوں کو جنگ کا جوش دے رہی تھیں۔ اور کوئی شبہ کرنے والا نہ تھا۔ حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا قبل از نکاح نبی معصوم غیر مردوں سے تجارت کے معاملات طے کرنے اور آزادی سے کل کاموں کا انجام دینا اس امر کی کافی شہادت ہے کہ معمولی لین دین اور آمد و رفت میں اُن کے ہاں شبہ کرنے کا کوئی طریقہ نہ تھا۔ ابولہب کی بی بی کا لکڑیاں لینے کے لیئے تنہا جنگل میں جانا اور رسی میں پھنس کے مرجانا عورتوں کی آزادی کے یہ کل واقعات پورے شاہد ہیں اسیطرح اگر حضرت عائشہ پیچھے رہ گئیں اور بسبب بھٹک جانیکے کچھ عرصہ تک نہ پہنچ سکیں تو یہ عربوں کی آزادانہ معاشرت اور ملکی رسم کے موجب اعتراض اور شبہ کی جگہ نہ تھی۔ جب یہ ساری باتیں ایسی بدیہی ہیں پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ معمولی بات پر ایک جلیل القدر پیغمبر شبہ کرتا اور کئی دن تک خود بھی پریشان رہتا اور اپنے صحابہ اور اپنی پیاری بی بی کو بھی پریشان رکھتا۔ ایسے بیہودہ شبہوں کی اسلام میں کوئی بھی وقعت نہیں ہے تمام متواتر تواریخی واقعات جو صحابہ راشدین کے سامنے گزرے اور اُنھوں نے ایسے امور میں فیصلہ کیا اسکی خاص دلیل ہیں کہ اسلام نے اس قسم کے شبہات کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ حضرت فاروق اعظم کے زمانہ خلافت میں ایک عورت پر زنا کا الزام لگایا گیا اور جو شہادتیں برہنہ وغیرہ ہونیکی گزریں اُن سے بظاہر کافی ثبوت وقوع جرم کا ہوسکتا تھا مگر جبکہ کوئی شہادت وقوع فعل کے متعلق نہ تھی آپ نے عورت و مرد کو بری کر دیا۔ اور فی الحقیقت انصاف بھی یہی چاہتا تھا جب یہاں تک معاملات کی چھان بین ہوتی تھی تو بھلا کب خیال میں آسکتا ہے کہ قافلہ سے بھٹک کے پیچھے رہ جانے پر شبہ کیا گیا ہو اور خواہ مخواہ ایک فرضی معاملہ کو اسقدر طول دیا گیا ہو یہ الزام اور اس قسم کے بہت سے الزام محض معاملات سیاسی کی کشش اور خانہ جنگیوں سے بنائے گئے ہیں

ورنہ ایسی باتوں کی کوئی وجہ نہیں دکھائی دیتی۔

جب حضرت بی بی عائشہ کی سوانح عمری پر ایک گہری نظر ڈالی جائے اور اُن الزامات کو بھی قبول کر لیا جائے جو آپ پر قائم کئے گئے ہیں پھر بھی آپ کو غیر معمولی فقیہانہ قابلیت اور انتظامی و جنگی لیاقت میں کسی کو بھی شبہ نہیں ہے اور یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ صرف آپ ہی کے طفیل سے ہزاروں ایسے مسائل کا کھوج ملتا ہے جو عورتوں کے متعلق ہیں اور ایسے مسائل کا سمجھانا ایک مرد کے لیئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ جس طرح دنیاوی معاشرت اور تمدن کے بارے میں مردوں کو اصلاح کی بہت ضرورت تھی اسیطرح عورتوں کو بھی اسکی ازحد حاجت تھی۔ اور بغیر اسکے پاکی کے مسائل کبھی سمجھ ہی میں نہ آسکتے تھے۔ جب تک آپ زندہ رہیں آپنے بہت کچھ مسائل جو رسول کریم سے آپ کو معلوم ہو چکے تھے بیان فرمائے اور ملکی معاملات میں بھی آپنے پورا حصہ لیا۔ آپ نے ہمیشہ امیر معاویہ کے مقابلہ میں حضرت امام حسین شہید کربلا کی بڑی سرگرمی سے تائید فرمائی اور آپ دو بدو امیر معاویہ سے حسنین کے بارے میں لڑی ہیں۔ چنانچہ جب امیر معاویہ مدینہ آئے ہیں اور ایک جلسہ کیا ہے تو وہاں حضرت امام حسین کو بلایا تھا۔ ادہر ادہر کی باتیں کر کے اپنے بیٹے یزید کی خلافت کا ذکر چھیڑا اور حضرت امام حسین سے درخواست کی کہ آپ اُس کے ہاتھ پر بیعت کرلیں آپنے انکار کیا تو چند شامی سپاہی جو امیر معاویہ کے ہمراہ شام سے آئے تھے اس انکار پر بھڑک اُٹھے اور اُنھوں نے تلواریں نکال لیں امیر معاویہ نے یہ دیکھکے سپاہیوں کو ڈانٹا کہ خبردار تلوار نہ نکالنا امام حسین فہمیدہ شخص ہیں سوچ سمجھ کے راضی ہو جائیں گے۔ چنانچہ اخیر میں حضرت امام حسین نے بیعت کی مرضی ظاہر فرمائی۔ اِس جلسہ کی خبر فوراً حضرت عائشہ کو ہوئی اور آپ کو یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام حسین کی جناب میں شامیوں نے گستاخی کی آپ یہ سن کے مارے غصہ کے کانپ گئیں اور کئی عورتوں کو ساتھ لے کے مسجد نبوی میں آئیں اور امیر معاویہ کو طلب کیا وہ فوراً آئے صورت دیکھتے ہی بہت ہی للکارا اور فوراً تلوار نکال کے کہا میں نے سنا ہے کہ تو نبی معصوم و برحق کے نواسہ سے اس طرح پیش آیا ہے تو نہیں جانتا کہ میں زندہ ہوں تیری ساری امیری کو خاک میں ملا دونگی۔ یہ سن کے معاویہ نے باادب عرض کیا اے ام المؤمنین کسی نے آپ کو غلط خبر دی ہے میں نے حضرت امام حسین کی ایسی گستاخی کی نہ ہیں کر سکتا تھا یہ بیشک ہوا کہ بعض غیر محتاط شامیوں نے بیعت کے انکار پر تلوار نکال لی تھی اس لیئے یہ خبر اُڑی ہے حالانکہ میں نے اُنھیں ڈانٹ دیا حضرت ام المؤمنین نے فرمایا کہ زبردستی بیعت لینے کا تجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے توجان اگر پھر کوئی ایسی بات ہوئی تو اپنی خیر نہ سمجھیو۔

یہ تھا فدائیانہ عشق جو آپ اہلبیت سے رکھتی تھیں اور یہ تھی سپاہیانہ روح جو آپ میں اول روز سے ودیعت ہوئی تھی۔ آپکے پرجلال اقوال اور آپ کے زبردست کلمے ابھی تک موجود ہیں جنگ جمل میں جب بڑا گھمسان کا میدان ہو چکا ہے تو حضرت علی نے آپکے بھائی کو آپکے پاس سمجھانے کے لیئے بھیجا چنانچہ وہ آئے اور اُنھوں نے کجاوے پر ہاتھ رکھ کے پاس آکے کچھ کہنا چاہا تھا آپ چونکہ پردہ میں تشریف رکھتی تھیں اپنے بھائی کی صورت نہیں دیکھ سکیں نہایت دلیری سے بولیں یہ کون ہے جو یہاں تک ہاتھ لے آیا ہے حالانکہ سوائے

نبی معصوم کے کسی کا ہاتھ کبھی میری طرف نہیں بڑھا ہے میں تلوار سے اڑاتی ہوں نہیں ہاتھ کو ہٹالے یہ سن کے آپکے بھائی نے کہا بہن میں ہوں تم سے علیؓ کا ایک پیغام کہنے آیا ہوں۔ پھر آپنے پاس بلا کے وہ پیغام سنا اللہ اکبر جس خاتون کا یہ دبدبہ اور یہ جلال ہو اسکی نسبت شبہ کرنا اور بلاوجہ اُس شبہ کو یقین کا جامہ پہنانا عقل اور انصاف سے کس درجہ بعید ہے۔

آپکے آگے آنیوالے مختصر سوانح عمری سے پوری کیفیت کھلجائیگی کہ آپ کیا تھیں اور آپ نے اپنی زندگی میں کیا کیا۔ بغیر سوچے سمجھے ایک ایسے واقعہ پر رائے قائم کردینی جسے تیرہ سو برس گزر چکے ہوں اور پھر اپنی رائے کو صحیح سمجھ کے اُس سے نتیجہ نکال لینا یہ فہمیدہ اشخاص کا کام نہیں ہوسکتا جتنے اعتراضات اسلام کا ایک فریق حضرت بی بی عائشہ پر کرچکا ہے وہ ہمارے پیش نظر ہیں اور جتنی نکتہ چینیاں کہ نو پیدا عیسائیوں اور آریوں نے کی ہیں انھیں بھی ہم نے نظر انداز نہیں کیا ہے۔ خوب غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعتراضوں کی بنیاد تقلید۔ ناواقفیت اور موروثی عداوت ہے۔ ورنہ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں معلوم ہوتا جو سچا ہو اور اُصول تاریخ سے اس کا ثبوت ہوتا ہو اور صداقت کی محک پر گھسنے کے بعد وہ کھرا اُترتا ہو۔ اسلامی فریق نے اگر کچھ اعتراض کیئے تھے تو وہ محض کشیدگی کی بنا پر مگر عیسائیوں اور آریوں کے نو پیدا گروہوں نے جو نکتہ چینیاں کی ہیں بلکہ بعض تو تہذیب سے بھی معرا ہو گئے اور اُنھوں نے وہ گالیاں سنائیں کہ العظمۃ للہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ازواج پاک سے اُنھیں کاہے کی دشمنی پڑگئی اور اُنھوں نے ناحق بیٹھے بٹھلائے کیوں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کیا۔ تین میں نہ تیرہ میں۔ مثل لوند کے مہینے کے بیچ میں آ کودے۔ ہاں اگر حضرت بی بی مریم کی شان میں گستاخی کی جاتی۔ اور یہودیوں کے اقوال بیان کیئے جاتے اور ہنود کی دیبیوں پر تبرے بازی ہوتی یا ان سے کوئی سیاسی تعلق رہتا اور مثل جنگ جمل وغیرہ کے کٹا چھنی ہوئی ہوتی تو ایک بات بھی تھی مگر جب ان میں سے کوئی بات نہیں ہے تو پھر محض ذاتی خباثت کے سوا اور کیا خیال کیا جاسکتا ہے خوب سمجھ لیا جائے کہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جس میں ہزاروں اس قسم کی روایتیں نہ ہوں کہ اُنھیں ہر شخص اپنے پہلو پر لا کے بہت کچھ اعتراضات نہ کرسکے۔ کسی شخص کی عالم بالا پر پرورش نہیں ہوئی ہے۔ سب اسی دنیا کے رہنے والے ہیں سب کے ساتھ فرو گزاشت اور کمزوری لگی ہوئی ہے اور سب کے ساتھ مرتے دم تک ضرورتوں کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا پھر کتنی حماقت ہے کہ اپنے گریبان میں منہ تو نہ ڈالا جائے اور دوسروں کو گالیاں دیجائیں۔

ہمارا شیوہ نہیں ہے کہ ہم نا ملائم الفاظ زبان سے نکالیں یا الزامی جواب دینے بیٹھ جائیں بلکہ ہمیں بہت ہی صبر سے اُن گالیوں کو سننا چاہیئے اور گالیاں دینے والے کی حالت پر افسوس کرنا چاہیئے کہ وہ کس تاریکی میں مبتلا ہے اور اسکی اخلاقی حالت حالانکہ وہ اشرف المخلوقات ہے کس درجہ ردی ہوگئی ہے۔ گالی کا جواب گالی بہت آسان ہے کون گالی دینا نہیں جانتا اور کس کو سیر کا جواب سوا سیر اور اینٹ کا جواب پتھر دینا نہیں آتا مگر اس قسم کے ترکی بترکی جواب دینا کچھ خوبی کی بات نہیں ہے انسان کی عین شرافت یہ ہے کہ وہ ایسے شخصوں کے حق میں رب الافواج کی عالی بارگاہ میں دعا کرے اور کبھی اس قسم کی گالیوں سے آزردہ نہ

اور خوب یقین کرلے کہ آفتاب کی کرنیں میلا ہاتھ لگانے سے میلی نہیں ہوا کرتیں۔ اگر ایک دریا میں سے چند کتے پانی پی لیں اور چند سور اُس میں منہ ڈال دیں تو وہ دریا ناپاک نہیں ہو جائیگا جس کی شان میں گستاخی کی گئی ہے اور جن امہات المومنین کو گالیاں دی گئی ہیں اُنکی شان ان گالیوں اور الزاموں سے بہت ہی ارفع ہے اُن پر سر جھکانے والے کروڑوں موجود ہیں اور اُنکی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے۔ ان گالیوں سے اُن کے مرتبہ میں کچھ فرق نہیں آسکتا جب کہ تیرہ سو برس سے برابر گالیاں دیجا رہی ہیں اُن کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا تو ان نو پیدا عیسائیوں اور آریوں کی گالیوں سے کیا نتیجہ ہوگا سوائے اس کے کہ اخلاق مسیحی اور اخلاق ہنود کا وزن معلوم ہو جائیگا اور بس۔

ہمارا فرض ہے کہ اس دیرینہ غلط فہمی کو مٹائیں جو اسلام کے دونوں فریقوں میں پڑ گئی ہے اور فریقین اُسے صحیح سمجھے بیٹھے ہیں۔ یہ محض غلط ہے کہ حضور انور رسول کریم کی ازواج پاک میں کچھ کشمکش تھی یہ محض غلط ہے کہ وہ ایک دوسرے کے تعلق پر رنجیدہ ہوتی تھیں یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کوئی راز کی بات اپنی کسی بی بی سے کہی اور اُس نے ظاہر کر دی یہ محض غلط ہے کہ آپ نے کسی کو طلاق دینے کا محض بڑھاپے کی وجہ سے ارادہ کیا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا ہو اور آپ کو اُنکی نسبت شبہ ہوا ہو یہ محض غلط ہے کہ حضرت بی بی عائشہ حضرت علی سے اپنی قدیمی دشمنی کی بنا پر لڑی ہوں اور آپ کو اہلبیت سے کچھ عداوت ہو ان کا اور اس قسم کی اور باتوں کا ہرگز ثبوت نہیں ہوتا اگرچہ تاریخوں میں اور فریقین کی معتبر کتابوں میں درج ضرور ہیں مگر اُن کے اختلافات سے صاف پایا جاتا ہے کہ اُن میں صداقت کا مادہ مطلق نہیں ہے۔ اب ہم مختصر طور پر حضرت بی بی عائشہ کے سوانح عمری لکھتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ہم اُن الزامات کا بھی جواب دیتے جائیں گے جو معترضوں نے آپ پر کیے ہیں۔

آپ سات سال کی عمر کی تھیں جب آپکا نکاح حضور انور سے ہوا اور تین سال کے بعد آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کے حضور انور کے ہاں چلی آئی تھیں۔ آپ کی زندگی کے واقعات کچھ عجیب و غریب ہیں جو جو کچھ تعلقات آپ کے ساتھ حضور انور کو تھے وہ ایسے بدیہی ہیں کہ اُن سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ جو کچھ آپ کو رسول کریم کے گھر میں تعلیم ملی تھی اُس کا نتیجہ بعد ازاں اُمت نے دیکھا آپکی فقیہانہ قابلیت اور عالی دماغی سے کوئی انکار نہیں کر سکتا جو کچھ زندگی تک آپنے کیا وہ اسلام میں بڑی ہی وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے آپنے عورتوں کی معاشرت میں ایک بڑی بھاری اصلاح کی اور صحابہ کو بہت سی غلط فہمیوں سے جو عورتوں کے متعلق پڑ گئی تھیں بچا لیا۔ اس میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ آپ کو حضور انور کی احادیث پر عبور تھا اور کسیکو کم ہو سکتا ہے آپ کی صداقت اور راستبازی کی ادنیٰ شہادت یہ ہے کہ آپ کی روایتیں سب قبول کر لیتے تھے اور کسی کو بھی انکار کرنے کا یارا نہ تھا۔ آپ کی زندگی کے واقعات نے اگرچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت سے نیا رنگ اختیار کر لیا اور اسی سبب سے ایک فریق کی آپ مورد طعن و تشنیع بنیں لیکن حضور انور کی زندگی ہی میں بہت سی باتیں ایسی پیدا ہو گئی ہیں جنھوں نے ایک سخت غلط فہمی میں لاکھوں مخلوق خدا کو

بتلا کر رکھا ہے اور اسلامی دنیا میں اسی سے ایک عجیب ہلچل پیدا ہو گئی ہے۔

واقعات جو بیان کیئے جاتے ہیں اُنکی بنیاد در اصل کچھ بھی نہیں ہے نہ اُنھیں نفس صداقت سے کچھ تعلق ہے مگر اُن غلط روایات نے ایسا مذہبی جامہ پہن لیا ہے کہ اُن کو دلوں سے نسیاً منسیاً کرنا اگرچہ ناممکن تو نہیں ہے مگر مشکل ضرور ہے۔ ایک طرف تو یہ روایتیں بیان کی جاتی ہیں کہ حضرت عائشہ سے آنحضرت کو بہت ہی محبت تھی اور دوسری طرف یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بی بی عائشہ آنحضرت کی جانی دشمن تھیں لیکن یہ ثابت نہیں کیا گیا ہے کہ دشمنی کے کیا اسباب تھے اور کیوں ایک بی بی جب کہ اُس کا خاوند اُس پر فدا ہو بلاوجہ اور بسبب دشمنی کرے گی اس دشمنی کے متعلق جتنی روایتیں ہیں وہ ایسی مہمل اور خلاف قیاس ہیں کہ مطلق سمجھ میں نہیں آتیں اور نہیں کھلتا کہ اخیر ان باتوں کا ظہور کیوں ہوا اور آیا ایسی شرمناک اُمور حضور انور کے سامنے ہو بھی سکتے تھے یا نہیں۔

ڈھائی پونے تین صدی تک تو یہ باتیں دبی رہیں اور کسی نے کچھ بھی نہ جانا ہاں تیسری صدی کے آغاز میں جب صحیح بخاری کی ترتیب ہوئی ہے تو کچھ سرگوشیاں ہونے لگی تھیں اور کوشش کیجانے لگی تھی کہ اُسکے مقابلہ میں ضرور کچھ تصنیف کیا جائے۔ تحریک ہوتی رہی اور اسے پورا پچاس سال کا عرصہ گزر گیا اخیر نصف صدی کے بعد روایتیں بنی شروع ہوئیں اور اُنھیں زبردستی مخالفت کا جامہ پہنانا شروع کیا۔ مگر سلطنت ایسے خلفا کی تھی جو ایسی صریح غلط باتیں شائع ہونی شاید گوارا نکرتے اس لیئے اُن میں صداقت کا بھی کچھ رنگ دیا گیا اور بعدازاں ان صحیح اقوال کی ایسی مٹی خراب ہوئی کہ الغطنہ للہ کہیں مقتضائے وقت بتایا گیا اور کہیں مجبوری کا عذر کیا گیا اور ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ جتنے صحیح اقوال درج کئے گئے ہیں وہ سب فرضی ہیں یا ائمہ نے ظالموں کے ظلم سے ایسا کہدیا ورنہ ہیں یہ سب غلط۔

ان ہی مذہب اقوال میں سے بہت سے اقوال حضرت بی بی عائشہ کی نسبت بھی ہیں اور نہایت سختی سے بیان کیا گیا ہے کہ اگر رسول خدا کی کوئی بی بی دشمن تھی تو وہ عائشہ صدیقہ تھیں۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ پونے تین صدی کے بعد جب کہ ہزارہا انقلاب ہو چکے ہوں اور سوائے قرآن مجید کے اور کوئی نوشتہ موجود نہ ہو کئی نسلیں بھی اس عرصہ میں گزر گئی ہوں پھر راویوں کو جدید اقوال کہاں سے ملگئے اور اُنھوں نے اُن کی صحت کی کیونکر تصدیق کر لی۔ پھر مسلمانوں کے ایک گروہ کثیر نے کیوں اُن روایتوں سے اختلاف کیا اور کیوں نہیں مجبوراً اُنھیں تسلیم کرنا پڑا۔

جہانتک ہمارا خیال ہے یہ مخالفت کا مادہ کبھی نہ اُبھرتا اگر حضرت بی بی عائشہ کی روایتوں کا انضباط نہ ہوتا چونکہ آپ ملکی معاملات میں بخوبی حصہ لے چکی تھیں اور آپ کا ایک مخالف گروہ خلیفہ ثالث ہی کیوقت سے پیدا ہو گیا تھا اس لیئے وہ گروہ ابھی تک موجود تھا جب اُس نے دیکھا کہ احادیث نبوی کا ایک دفتر منضبط ہو گیا ہے تو اُس نے بھی ایک نئے دفتر کے انضباط کی جرأت کی اور اخیر ایک بہت بڑی کتاب تصنیف کر کے ائمہ پاک کے مبارک ناموں سے اُسے مرتب کیا۔ کیونکہ پہلے دفتر میں ائمہ پاک کے اقوال یا اُنکی روایتیں

رہ گئی تھیں اور پھر انکی اس بُری طرح سے ترتیب دی گئی کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو کبھی بھی پسند نہ کرتے۔

ہزاروں الزامات ہیں جو ان ہی فرضی روایتوں کے ذریعہ سے حضرت بی بی عائشہ پر لگائے ہیں مگر اُن الزاموں میں سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ آپنے ایک راز حضور انور پیغمبر کا افشا کردیا تھا اُس سے آنحضرت کو بہت ہی صدمہ ہوا تھا اور آپنے ۲۳ روز اپنی کسی بی بی سے بات چیت تک نہیں کی تھی اور اس راز کے افشا کرنے کا ذکر قرآن مجید میں بھی بصراحت آگیا ہے اور مفسرین نے اس راز والی آیت کے عجیب وغریب معنے بیان کیئے ہیں جن سے آیت کے نفس مطلب کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ ماریہ قبطیہ حرم رسول کریم اور حضرت بی بی حفصہ اور حضرت بی بی عائشہ کی ایک روایت بنائی ہے اور وہ حکایت گویا اُس آیت کی تفسیر بیان کی جاتی ہے۔

یہ حکایت دیکھ کے عیسائیوں کو موقع ہاتھ لگا انھوں نے فوراً اُسے رنگ آمیزی کرکے شائع کردیا اور دور از کار توضیحات سے رسول کریم کی شان میں ہزاروں نا ملائم الفاظ کہدیئے اور اپنی اُس بزدلانہ فتحمندی پر خوب ہی بغلیں بجائیں۔ مسلمان فی الحقیقت اُس آیت ہی کو نہیں سمجھے اور نہ انھوں نے اُس کے اصلی معنوں پر غور کیا اور نہ خدائے تعالیٰ کی مرضی کی اُس میں جستجو کی کسی نے کچھ اُس کے معنی لکھے اور کسی نے کچھ مگر سب نے اٹکل پچو تفسیر کی ہے اور محض ایک فرضی قصہ کی بنا پر جو آغاز ہجری ہی سے مشہور چلا آتا تھا سب نے اسی قصہ کو اس آیت کا شان نزول ٹھہرا کے وہ نئے نئے معنی اُسے پہنائے ہیں کہ جس کا سر نہ پیر اور عجیب تماشہ کی بات تو یہ ہے کہ ایک ہی قصہ اور اسی میں اختلاف کوئی راوی کچھ بیان کرتا ہے اور کوئی کچھ حسب خاص ایک ہی واقعہ میں اختلاف ہے پھر کیونکر سمجھ میں آسکتا ہے کہ وہ واقعہ سچا ہوگا۔ جس آیت پر مفسروں نے مغالطہ کھایا ہے وہ آیت قرآن مجید کی یہ ہے وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْہَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَہَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ ہٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ یعنی اُسوقت جب پیغمبر نے اپنی بعض ازواج سے کوئی بات خفیہ یا راز وارانہ کہی پس اُس عورت نے وہ راز افشا کردیا اور آپ کو خدائے تعالیٰ نے اُسکی خبر دیدی اور آپ نے اُن میں سے بعض سے اعراض کیا اور پھر آپسے اُس عورت نے پوچھا کہ تجھے کہاں سے خبر ہوئی آپ نے کہا خدائے علیم نے مجھے خبر دی ہے۔ اس راز سے ایک حکایت بنائی گئی ہے اور وہ ایسی ہی لغو ہے کہ جس کا سر نہ پیر خیر ہم اُس حکایت کو تو پیچھے نقل کریں گے پہلے ہم اس آیت کو دیکھتے ہیں کہ اس کے کیا معنی ہیں اس آیت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی راز کی بات تھی جو آنحضرت نے اپنی کسی بی بی سے کہی تھی اور وہ اُس نے نہیں چھپائی اور وہ بات دوسری سے ذکر کردی اور بس سوائے اسکے اور کوئی بات نہیں ہے اب رہا یہ کہ وہ راز کیا تھا جو ظاہر کردیا اور وہ ایسا کونسا عظیم امر تھا کہ جس کا ذکر قرآن مجید میں آیا یہ بات فی الحقیقت غور کرنے کی ہے اور بغیر مزید توجہ کے سمجھ میں نہیں آئیگی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ رسول کریم کو عورتوں کی اصلاح بھی مردوں کے برابر منظور تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ جو عیب بعض مردوں کی نادرانی

سے عورتوں میں آگئے ہیں وہ جاتے رہیں آپ نے ہزاروں صورتیں اُنکی اصلاح کی نکالی تھیں اور خداوند تعالیٰ کی یہ مرضی ٹھیر چکی تھی کہ خاتم النبیین کے ہاتھ سے عورتوں کی اصلاح ہو۔ جن بی بیوں سے آپنے نکاح کیا تھا اور متعدد نکاحوں سے آپ کی یہ غرض تھی کہ ان ہی کے ذریعے سے عورتوں کی اصلاح کا سلسلہ جاری ہوگا وہ بی بیاں اُسی آب وہوا اور ملک کی رہنے والی تھیں جس میں عورتوں کی نفرت کا زہر ملا ہوا تھا اور بات بھی یہ تھی کہ عورتوں کے ظلم سہتے سہتے اخلاق بھی بہت بگڑ گئے تھے اور یہ فطری قاعدہ ہے کہ جب ابتدا سے کسی پر جا و بیجا زیادہ دباؤ ڈالا جائے گا تو ضرور اُس کے اخلاق میں خرابی پیدا ہو جائے گی ان جیسی عورتوں سے تو آپ کو سابقہ پڑا اور آپ نے اُن ہی کے ذریعہ سے اصلاح کرنی چاہی تو یہ بات اُس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی تھی جب تک خود وہ عورتیں تعلیم یافتہ نہ ہوجاتیں یہ ایک بڑا ضروری امر تھا۔ آپ نے اُنھیں تعلیم دینی شروع کی اور آپ نے ہر پہلو جسمانی معاشرت اور روحانی صفات کا اُنھیں بتایا کہ رازداری کیسی اعلیٰ درجہ کی چیز ہے اور رازداری سے کس قدر فوائد ہیں۔ شوہر اور زوجہ میں اتحاد قائم ہونے اور بی بی کی وقعت شوہر کی نظروں سے ہونے کی پہلی سیڑہی رازداری ہے۔ آپ نے ممکن ہے کوئی معمولی بات فرمائی ہو اور تاکید کر دی ہو کہ دوسری بی بی سے ذکر نہ کرنا اور اُس نے اپنی عادت مستمرہ کے مطابق ذکر کر دیا ہو اور پھر اُس کے راز کے افشا کرنے پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے اعتراض نازل ہوا کہ ایسا کرنا زیبا نہ تھا یہ گویا ایک زبردست تعلیم تھی جو مستورات کو دیگئی اور اصل یہ ہے کہ رازداری کی تعلیم سے زیادہ اور کوئی تعلیم ہو بھی نہیں سکتی چونکہ عورتوں کی معاشرت ابتدا سے بہت ہی کمزور ہوگئی تھی اور اُنکے دل بھی نہایت کمزور تھے اور راز کو افشا کرنیکا عیب اگرچہ مردوں میں زیادہ ہوتا ہے مگر عورتوں کو سہار نہیں ہوتی اور وہ محض اپنی سادہ لوحی سے اپنی ہمجولیوں سے کہدیتی ہیں اور اُس سے فساد کا بہت بڑا اندیشہ ہوتا ہے اس لیئے لازم تھا کہ اسکی بابت تاکید کیجاتی اور جس پیرایئے میں بیان کیا گیا ہے سوائے اس کے اور کوئی پیرایہ بہتر بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اگر راز کے افشا کرنے پر امہات المؤمنین کو فرمایش نہ کیجاتی تو اس کا زیادہ اثر مؤمنوں کی مستورات پر نہ پڑتا۔ ہر خاتونِ اسلام سمجھ لیگی کہ جب راز نہ پوشیدہ رکھنے پر ازواج پاک پر یہ خفگی ہوئی تو ہم کس گنتی میں ہیں۔ یہ ایک تازیانہ ہے جو عورتوں کی اُس کمزور فطرت پر لگایا گیا ہے جس سے وہ راز کو نہ چھپا سکتی تھیں اور اُنھیں ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ ظاہر النظروں سے دیکھا جائے تو یہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے مگر غور کرنے کے بعد کھلے گا کہ اس سے بڑا عیب انسان میں اور ہو نہیں سکتا کہ ایک کا راز دوسرے سے کھولدے اور منع کرنے پر بھی باز نہ آئے دنیا کے تمام کاموں کا دار و مدار محض راز کے پوشیدہ ہونے پر ہے۔ جس کام کا راز چھپا ہوا ہے وہ برابر چلتا رہے گا اور جہاں راز کھلا پھر اُس کا قیام محال ہو جائے گا۔ چھوٹے کاموں سے لیکے سلطنت کے عظیم الشان معاملات تک سب میں راز موجود ہے اور گویا ہر کام کی بنا راز ہی پر سمجھنی چاہیئے کل سلطنتیں خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی اپنے رازوں کے پوشیدہ ہونے پر زندہ ہیں اگر کسی سلطنت کا راز کھلجائے تو اسکی بنیادیں ہلجائیں اور پھر وہ سنبھالے بھی نہ سنبھلے۔ یہ ایک بہت بڑی تعلیم تھی جو رسول کریم نے اپنی ازواج پاک کے پردے میں

...ورتوں کو دی- اب یہ کھوج لگانا کہ وہ کیا راز نہاں عبث ہے- اس راز کے دریافت کرنے میں جبکہ ہمارا کوئی دینی یا دنیاوی فائدہ نہیں ہے اور لطف یہ ہے کہ رسولِ کریم نے بھی بیان نہیں فرمایا پھر کیا ضرور ہے کہ ہم اس میں جدوجہد کریں اور خواہ مخواہ اپنے عزیز وقت کو ضائع کریں- اگر فرض کرو ہمیں راز کا کھوج لگ گیا تو کیا فائدہ ہوا نہ کھوج لگا اور ہمنے اپنے قیاس سے خودبخود سمجھ لیا اور وہ نہوا تو ہماری عاقبت خراب ہوئی-

غور کا مقام ہے کہ نبی کریم کے خانگی معاملات کی جس طرز سے تصویر اُتاری گئی ہے وہ انتہا درجہ نازیبا ہے اپنے خانگی حالات کو جب پیغمبر خدا نے خود نہیں بیان فرمایا اور بعد ازاں راویوں نے اپنے اقوال کی صداقت جتانے کے لیئے اُن روایتوں کی جن کے حقیقی راوی وہ خود تھے ازواج پاک سے نسبت دی- سمجھنے کی بات ہے جب رسول کریم نے مرد ہو کے زن و شوئی کے تعلقات نہیں بیان کیئے تو امہات المؤمنین عورتیں ہو کے کیونکر بیان کرتیں یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ جس امر پر ایک جماعت کا اتفاق ہو وہ ضرور صحیح بھی ہو ہم مانتے ہیں کہ کم و بیش کل محدثوں- مفسروں اور مورخوں نے اختلاف کے ساتھ ان روایتوں کو تسلیم کر لیا ہے جو ازواج پاک کی زبان سے بیان کی گئی ہیں مگر ہم کیا کریں جب کہ اُن کا اختلاف عظیم خود اُن کے سرتاپا غلط ہونیکی شہادت دے رہا ہے- مثلاً شیعوں نے جو کچھ حضرت بی بی عائشہ کا حال ہے اُسے ایک سنی کیوں نہیں مانتے اور جو کچھ شیعوں نے قلمبند کیا ہے اُسے کیوں نہیں تسلیم کرتے اور جو کچھ خارجی کہتے ہیں اُسے یہ دونوں فریق کیوں نہیں قبول کرتے اس کا جواب غالباً یہی دیا جائیگا کہ ایک فریق دوسرے فریق کی روایات کو غلط سمجھتا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ جو ذریعہ اُن روایات کا اُس نے حاصل کیا ہے وہی سراسر غلط ہے ثبوت ہر فریق کے پاس موجود ہے مگر ایک فریق کا ثبوت دوسرے کے آگے صداقت کی کافی شہادت نہیں ہو سکتا مثلاً شیعہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ حضرت بی بی عائشہ نبی کریم کی دشمن تھیں اور انھوں نے بی بی حفصہ سے مشورہ کر کے کئی بار رسول کریم کو زہر دینے کا قصد کیا مگر موقع نہ ملنے کی وجہ سے اُنکی آرزو دل کے دل ہی میں رہی سنی اس واقعہ سے محض انکار کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ کو رسول کریم سے کیسی محبت تھی- اور آپ اُن پر کسقدر مہربان تھے یہانتک جب آپ پر مرض کا زور ہوا ہے آپ ہی کے مبارک حجرہ میں آپ کو وصال باری تعالیٰ ہوا- اب ایک محقق شخص جب ان دو متضاد روایتوں پر نظر کرے گا تو اُسے کیا نتیجہ نکالیگا اور کس کو صحیح اور کسکو غلط بتائیگا- اُسے فی الحقیقت بہت ہی بڑی دقت ہو گی اور جب وہ دونوں کے ثبوتوں کو دیکھے گا تو اُسے اور بھی پریشانی ہو گی کہ اس ثبوت کا کیا مطلب سمجھے اور کیا رائے قائم کرے- یہی اس وقت ہماری کیفیت ہے اور ہم سخت پریشان ہیں کہ ثبوتوں کو کیونکر تسلیم کریں- ہر فریق نے اپنا دعوی مضبوط کرنے کے لیئے خود اُن ہی کی زبانی اقوال بیان کیئے ہیں تاکہ سننے والے کو پھر کچھ شبہ ہی نہ رہے اور وہ بے چون و چرا یقین کر لے- مگر اس قسم کے اقوال زیادہ تر فریقین کی مخالفت سے پیدا ہو گئے ہیں ورنہ اُن کے منضبط ہونیکی کوئی وجہ نہ تھی- یہ ہم نہیں کہتے کہ ایسی روایتوں کا دفتر دریا برد کر دینے کے قابل ہے بلکہ جو ہمارا منشا رہے وہ یہ ہے کہ صحیح اور اصلی اقوال بھی ضرور ہوں گے مگر غلط واقعات اور صریح اتہامات بہت ہیں جسے عقل کبھی

گوارا نہیں کرتی اور ہرگز نہیں خیال آتا کہ کبھی ایسا ہوا ہوا اور ایک جلیل القدر نبی ایسا فعل کرے جو محض معمولی آدمی کی وضع کے بھی خلاف ہو مثلاً اسی اُوپر والی بحث کے متعلق کہ حضرت بی بی عائشہ نے رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا اس کی نسبت مجمع البیان طبرسی میں جو شیعی گروہ کی بڑی معتبر قرآنی تفسیر ہے یہ لکھا ہوا ہے قیل ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم الایام بین النساء فلما کان یوم حفصة قالت یا رسول اللہ ان لی الی ابی حاجة فاذن لی ان ازورہ فاذن لها فلما خرجت ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی جاریتہ ماریة القبطیة ام ابراہیم وقد کان اهداها المقوقس فادخلها بیت حفصة فوقع علیها فاتت حفصة فوجدت الباب مغلقا فجلست عند الباب فخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووجهه یقطر عرقا فقالت حفصة انما اذنت لی من اجل هذا ادخلت امتك بیتی ثم وقعت علیها فی یومی وعلی فراشی ما رأیت لی حرمة وحقا فقال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الیس هی جاریتی قد احل اللہ ذلك لی اسکتی وهی حرام علی التمس بذلك رضائك ولا تخبری بذلك امرأة منهن وهی عندك امانة فلما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرعت حفصة الجدار الذی بینها وبین عائشة فقالت الا ابشرك ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد حرم علیہ امتہ ماریة وقد اراحنا اللہ منها واخبرت عائشة بما رأت وکانتا متصافیتین متظاهرتین علی سائر ازواجہ فنزلت یا ایها النبی لم تحرم ما احل اللہ لك فاعتزل نساءہ تسعة وعشرین یوما وقعد فی مشربة ام ابراہیم ماریة حتی نزلت آیة التخییر وقیل ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خلا فی یوم عائشة مع جاریتہ ماریة القبطیة فوقفت حفصة علی ذلك فقال لها رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا تعلمی عائشة بذلك وحرم ماریة علی نفسہ فاعلمت حفصة عائشة واستکتمتها ایاہ فاطلع اللہ نبیہ علی ذلك وهو قولہ تعالی واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا یعنی حفصة ولما حرم ماریة القبطیة اخبر حفصة انہ یملك من بعدہ ابو بکر وعمر فعرفها بعض ما افشت من الخبر واعرض عن بعض ان ابا بکر وعمر یملکان بعدی وقریب من ذلك ما رواہ العیاشی بالاسناد عن عبد اللہ بن عطاء المکی عن ابی جعفر علیہ السلام الا انہ زاد فی ذلك ان کل واحد منهما حدثت اباها بذلك فعاتبهما فی امر ماریة وما افشتا علیہ من ذلك واعرض ان یعاتبهما فی الامر الآخر انتهی یعنی کہتے ہیں کہ رسول کریم نے اپنی راتیں اپنی بی بیوں میں تقسیم کر رکھی تھیں جس دن حضرت بی بی حفصہ کی باری تھی اُنھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنے والد سے کچھ کام ہے اگر حضور انور حکم فرمائیں تو میں ہو آؤں آپ نے اجازت دیدی جب بی بی حفصہ باہر چلی گئیں تو رسول کریم نے اپنی کنیز ماریہ قبطیہ کو جو ابراہیم کی ماں تھی اور جسے مقوقس نے ہدیۃً بھیجا تھا بلوایا وہ آئی اور آپ نے اُس سے مقاربت کی پھر حفصہ آگئیں تو اُنھوں نے دروازہ کو بند دیکھا وہ دروازہ سے لگ کے بیٹھ گئیں پھر حضور انور باہر تشریف لائے آپ کے مبارک چہرہ سے پسینہ ٹپک رہا تھا حفصہ نے دیکھتے ہی کہا کہ میرے حجرہ میں تو نے لونڈی سے ایسا فعل کیا اور میرے ہی بستر پر اور تو نے نہ میری حرمت کی اور نہ میرے حق کی طرف خیال رکھا حضور انور نے ارشاد کیا حفصہ تو جانتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے میرے لیے حلال کی ہے مگر تو خاموش رہ کہ میں اسے آیندہ سے اپنے اُوپر حرام کر لیتا ہوں میں صرف تیری رضامندی

بتاتا ہوں تو اور بی بیوں سے اسکی خبر نہ کیجو یہ بات تیرے پاس امانت ہے۔ جب حضور انور رسول کریم باہر تشریف
لائے تو بی بی حفصہ نے حضرت بی بی عائشہ کی دیوار میں ایک سوراخ (یہ دیوار بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کے
حجروں کے بیچ میں تھی) کر کے کہا کہ میں تجھے ایک خوشخبری سناتی ہوں، وہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی کنیز
ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر آیندہ سے حرام کر لیا ہے خدا نے ہمیں اسکے فکر سے نجات دی۔ اس کے علاوہ جو کچھ
دیکھا تھا اسکی اطلاع بھی بی بی عائشہ کو دیدی۔ یہ دونوں رسول کریم کی کل ازواج کے مقابل میں باہم بڑی
دوست تھیں اور ان میں اتفاق بھی زیادہ تھا۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اے نبی جو چیز خدا نے تجھ پر حلال کر دی
ہے وہ تو نے اپنے اوپر حرام کیوں کر دی۔ اِس آیت کے نازل ہونے پر آنحضرت نے ۲۹ دن اپنی بی بیوں
سے صحبت ترک کر دی اور ماریہ قبطیہ ابراہیم کی ماں کے بالاخانہ پر رہے۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ رسول
کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی عائشہ کے حجرہ میں ماریہ قبطیہ سے مقاربت فرما رہے تھے کہ بی بی حفصہ نے
دیکھ لیا آنحضرت نے منع فرمایا کہ عائشہ سے اس کا تذکرہ نہ کیجو میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے لیکن
بی بی حفصہ نے کہہ دیا اور بی بی عائشہ سے تاکید کر دی دیکھو یہ بات کھلنے نہ پائے مگر خدا تعالیٰ نے
رسول کریم کو اس پر مطلع کر دیا پھر یہ آیت نازل ہوئی واذ اسر النبی الیٰ بعض ازواجہ حدیثا یعنی حفصہ۔ اور
جب ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کیا تو حفصہ کو اطلاع دی کہ میرے بعد ابوبکر و عمر خلیفہ ہونگے۔ بعض نے اس سے
اعراض کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے جو عیاشی نے باسناد عبداللہ بن عطار المکی ابی جعفر سے روایت
کیا ہے کہ دونوں بی بیوں نے اپنے اپنے باپ کو خلافت کی خبر دی اور جوں ہی رسول کریم کو اسکی خبر ہوئی تو
آپ نے دونوں پر عتاب فرمایا (ماریہ قبطیہ کے معاملہ میں) چونکہ انھوں نے رسول کریم کا راز افشا کر دیا تھا
اُس سے آپنے اعراض کیا وغیرہ وغیرہ یہ روایت ہے جو بیان کی گئی ہے اور یہ واقعہ ہے جو رسول کریم
کے سر چپکا گیا ہے۔ اب ہم اس روایت کی اصلیت پر نظر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس روایت میں صداقت
کہاں تک ہے۔ سرسری توجہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ روایت میں جو واقعے نقل ہوئے ہیں وہ کسی صورت سے
بھی قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے مثلاً پہلی روایت میں تو یہ بیان ہوا ہے کہ رسول کریم بی بی حفصہ کے حجرہ
میں آئے کیونکہ اُس دن اُنکی باری تھی پھر بی بی حفصہ نے کہا کہ مجھے کچھ کام ہے میں اپنے باپ کے پاس
جاتی ہوں۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ خاص اُسی دن اُنھیں کوئی کام نکلا ہو کیونکہ نویں یا دسویں دن اُن کی
باری آتی تھی اس صورت میں ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اپنی باری کے روز چلی جائیں جبکہ اور دن اُنھیں ملنے
ملانے کے کافی طور پر مل سکتے تھے نہ اس روایت میں یہ بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو آدمی
بھیج کے بلایا ہو تاکہ سمجھا جائے کہ کوئی ضرورت نکل آئی ہو گی اِس لیے خاص باری کے دن جانا ضرور ہوا
اچھا اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ آپ تشریف لے گئیں تو پھر یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ رسول کریم نے ماریہ قبطیہ
کو وہاں کیوں بلایا جبکہ ماریہ قبطیہ کا مکان علیحدہ رہنے کا تھا آپ وہاں جا سکتے تھے اور وہ بہت ہی قریب
تھا کچھ فاصلہ پر بھی نہ تھا کہ وہاں جانا دشوار ہوتا اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ آپ نے اُسے بلایا اور آپنے

اُس کے ساتھ مقاربت بھی کی اور بی بی حفصہ نے دیکھ بھی لیا اور آپ خفا بھی ہوئیں تو رسول اللہ نے اسقدر خوف کیوں کھایا اور اچھا یہ بھی فرض کرو کہ آپ کا خوف کھانا لازمی تھا تو پھر اس ارشاد کی کیا ضرورت تھی کہ میں نے آج سے اسے اپنے اُوپر حرام کر لیا ہے تو عائشہ سے اس کا ذکر نہ کیجو۔ حضرت بی بی عائشہ سے اس امر کو چھپانے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی جبکہ نہ اُنکے حجرہ میں ایسا فعل ہوا اور نہ اُن کے باری کے روز ایسا ہوا پھر اُنسے اندیشہ کرنا کیا معنی رکھتا تھا یہ اسقدر بے معنی استدلال ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا۔ اور خیال ہو سکتا ہے کہ ایسی روایت کا موضوع کرنے والا کسقدر عقلمند اور فہمیدہ شخص ہوگا اور اگر ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ آپ کو حضرت بی بی عائشہ سے کوئی اندیشہ تھا اس لیے آپ نے منع فرما دیا تھا تب بھی اس میں کوئی اندیشہ کی بات نہیں معلوم ہوتی یہ تو کل ازواج اور بالخصوص حضرت بی بی عائشہ کے لیے نہایت خوشی کا موقع تھا کہ ماریہ قبطیہ کو جس پر ابراہیم کے پیدا ہونے کی وجہ سے رسول اللہ کی زیادہ توجہ بیان کی جاتی ہے آج نبی نے اپنے اُوپر حرام کر لیا یا دوسرے الفاظ میں اُسے چھوڑ دیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی روایت کے چھپانے سے کیا فائدہ تھا اور کیوں اندیشہ کیا گیا۔ اور پھر آگے قرآن مجید کی آیت لکھی گئی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ جس چیز کو ہمنے تجھپر حلال کر دیا ہے تو اُسے اپنے اُوپر کیوں حرام کرتا ہے اور اس آیت کے نازل ہونے یا رازوالی آیت کے اُترنے سے آپ ناراض ہو گئے اور ۲۹ روز آپ نے کل ازواج کی یا ان دو بی بیوں کی صورت نہیں دیکھی اور ماریہ قبطیہ کے برآمدہ یا بالاخانہ میں سکونت پذیر رہے یہ بھی عجیب متضاد مضمون ہے جس کا سر نہ پیر پہلے تو آپ کو اسقدر خوف زدہ بنایا کہ جسکی انتہا نہیں یعنی آپ کو یہ خوف ہوا کہ اپنی حرم اپنے اُوپر حرام بھی کر لی اور زیادہ خوف طاری ہوا تو یہ وعدہ کر لیا کہ میرے بعد ابوبکر و عمر خلیفہ ہونگے اور دلیری ہوئی تو اسقدر کہ ۲۹ دن ماریہ قبطیہ کے بالاخانہ میں رہے اور کسی دوسرے سے بات بھی نہ کی اور پھر کسی بی بی کا زہرہ نہ ہوا کہ ایک بات بھی منہ سے نکالتی اور ذرا بھی زبان ہلاتی خیال ہو سکتا ہے کہ جب رسول کریم کی جراٴت کی یہ کیفیت تھی کہ آپ کسی بی بی کی پروا نکرتے تھے اور ایک ہی کے پاس مہینہ مہینہ بھر گزارتے تھے پھر آپ کو ضرورت کیا تھی کہ آپ بی بی حفصہ سے خوف کھاتے اور ڈر کے مارے اپنی چاہیتی ماریہ قبطیہ کو اپنے اُوپر حرام کر لیتے اور اُنھیں تسکین دینے اور اپنے سے خوش رکھنے کے لیے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کو قبل از وقت خلافت سونپ دیتے۔

ایک صورت تو اس روایت کی یہ ہوئی۔ دوسری صورت یہ بیان ہوئی ہے کہ نہیں بی بی عائشہ کے حجرہ میں ایسا کیا تھا اور بی بی حفصہ نے دیکھ لیا اور آپنے منع کیا تھا کہ عائشہ سے نہ کہنا اور بی بی حفصہ حجرہ میں تھیں اور بی بی حفصہ نے رسول کریم کو ماریہ قبطیہ کے ساتھ مشغول پایا تو یہ فعل اگر اسے جرم قرار دیا جائے بی بی عائشہ کا کیا تو پھر کیا وجہ تھی کہ رسول کریم بی بی حفصہ سے ڈرے اور کیوں اُنکے خوف سے ماریہ قبطیہ کو اپنے اُوپر حرام کر لیا اور کیوں خلافت کی بشارت دی جبکہ اُن کا کوئی جرم ہی نہیں کیا تھا پھر خوف کھانے کے کیا معنے تھے۔ دوسرے حضرت بی بی عائشہ کی باری کے دن بی بی حفصہ کا اُنکے حجرہ میں چلا جانا یہ مطلق سمجھ میں نہیں آتا اور نہ یہ خیال میں آتا ہے کہ بی بی عائشہ حجرہ میں سے نکل کے کہاں گئی تھیں جبکہ اسلام میں پردہ

گیا تھا اور قرآن مجید میں صاف آگیا تھا کہ جب نبی کی ازواج سے باتیں کرو تو دروازہ کے باہر ہو کے اور اگر یہیں کہ وہ بھی اپنے باپ کے گھر گئیں تھیں تو حضرت ابو بکر کا مکان تو مسجد نبوی سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر تھا ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی خاص باری کے دن اپنے باپ کے ہاں چلی گئی ہوں جبکہ وہ ایک ہفتہ میں چاہے جسدن جا سکتی تھیں اور اگر یہ کہیں کہ وہ روز اُنکی باری کا نہ تھا اور رسول اللہ یوں ہی چلے آئے تھے تو بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت بی بی عائشہ کا مکان سنگ مرمر کا محل تھا اور ماریہ قبطیہ کا بالاخانہ بُرا اور رہنے کے قابل نہ تھا اس لیئے آپ وہاں تو نہیں رہے اور یہاں ماریہ قبطیہ کو لیکے چلے آئے۔

ان دو مختلف روایتوں کی یہ توضیح ہے جو ہو سکتی ہے۔ خیال نہیں ہو سکتا کہ شمہ برابر بھی صحیح ہوں۔ جس شخص نے یہ روایتیں موضوع کی ہیں وہ تھا بھی بہت کم عقل کہ اُس نے مذکورہ بالا توضیحات پر ذرا بھی غور نہ کی حضرت ابی جعفر سے اس روایت کا نسبت دینا زیادہ مشکل نہیں ہے جبکہ خود رسول اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے لاکھوں موضوع حدیثوں کا پتہ لگتا ہے۔ عیاشی ہوں یا مکی۔ شامی ہوں یا مدنی۔ جس نے یہ روایت نقل کی ہے اُس میں بوئے اسلام مطلق نہ تھی۔ اب یہ دیکھنا کہ مجمع البیان طبرسی میں یہ روایت کیونکر نقل ہوئی کیونکہ وہ شیعی مذہب کی ایک معتبر تفسیر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان روایتوں میں ہی مخالفت کی بو آتی ہے جو ابتداءً سنین ہجری میں بدقسمتی سے مسلمانوں کے دو گروہوں میں پیدا ہو گئی تھی اور جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے اور اُسی مخالفت کا سبب تھا کہ آج اسی قسم کی لاکھوں روایتیں جو کبھی بھی صحیح نہیں ہو سکتیں کتابوں میں منضبط ملتی ہیں۔ اول اول مخالفت ملکی تھی مگر بعد ازاں یہی مخالفت مذہبی ہو گئی اور اس سے موضوع روایات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مخالفوں پر تازہ تازہ بہتان اُٹھانا اور اُنھیں بہر صورت ملزم بنانا بلکہ اُنھیں شب و روز گالیاں دینا مذہب کا جزو اعظم بن گیا قرآن مجید کی آیتوں کو خاص ایک امر کے لیئے مخصوص کرنا اور اپنی موضوع روایت کا مطلب نکالنا یہ تیسری صدی ہجری کے وسط سے شروع ہو گیا تھا۔

کسی روایت کے ساتھ کوئی سند ایسی نہیں بیان کی گئی ہے جسے خواہ مخواہ تسلیم کرنا پڑے اور لطف یہ ہے کہ اکثر روایتیں تمدن عرب کے بھی بالکل خلاف ہیں اور اُن میں ایرانی تمدن کا رنگ پایا جاتا ہے کیونکہ اکثر راوی ایرانی نژاد ہیں اور کوئی ثبوت اس کا نہیں ہے کہ وہ راوی مسلمان بھی تھے یا نہیں۔ عقل شہادت نہیں دیتی کہ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اپنے نانا کے خانگی تعلقات عام طور پر بیان کرینگے اور اُنھیں ذرا بھی حجاب نہ آئیگا۔ ایسی روایتوں سے اسلام کا بھی تو کوئی خاص اُصول نہیں نکلتا تھا اور نہ کسی خاص اُلجھے ہوئے مسئلہ کی توضیح ہوتی تھی۔ حضرت ابی جعفر علیہ السلام اس میں شک نہیں کہ اہلبیت کے چراغ تھے اور کاش آپ کی کوئی خاص کتاب یا کوئی نوشتہ ہوتا اُس کی صداقت میں پھر کسی طرح بھی کلام نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ سے دوسروں نے جن میں اکثر ایرانی نژاد تھے اور جو مخالفت سے بالکل متاثر

متاثر ہو رہے تھے یہ روایتیں بیان کی ہیں یہی وجہ ہے کہ جب بخاریؒ نے کئی لاکھ حدیثوں کا انتخاب کیا ہے تو اُس نے اہل بیت کی روایتوں پر زیادہ نظر نہیں کی اسکی وجہ یہی ہے کہ اُسے ایسی روایتوں کا ڈھیر ملا اہلبیت کی تو نہ تھیں مگر اُنکے نام سے رواج پا گئی تھیں اگرچہ اس وقت تک وہ کسی کتاب کی صورت میں منضبط نہ ہوئی تھیں لیکن اُنکی اشاعت فریق مخالف میں پورے طور پر ہو گئی تھی اُس نے کوشش تو ضرور کی ہو گی کہ اُن صحیح روایات کا پتہ لگے جو واقعی اُنکی ہو سکتی ہیں مگر ایک مخالف گروہ کی مخالفت کے طوفان بے تمیزی کے آگے اُسکی کوشش کارگر نہیں ہوئی اور اخیر اس دفتر بے پایاں سے اُس نے اپنا پہلو بچایا۔ اور اس الزام کو کہ بخاری نے اہلبیت کی روایتوں سے گریز کی ہے اُس نے اپنے اُوپر ہمیشہ کے لئے لینا قبول کیا مگر اپنی کتاب میں زیادہ غلطیوں کا انبار لگانا اچھا نہ جانا۔ اسی بنا پر اُس نے خاندان بنی امیہ کی روایتوں کو نہیں لیا اور اگر دو ایک روایتیں بیان بھی کی ہیں تو وہ بھی معمولی طور پر کیونکہ بنو اُمیہ میں بھی وہی کشش پائی جاتی تھی جو فریق مخالف میں تھی - اور یہ بھی بہت بڑی وجہ ہوئی کہ جب بخاری ترتیب دیگئی ہے بنو امیہ کا خاندان برباد ہو چکا تھا۔ اور بنو عباس کے عروج سلطنت میں بنی امیہ کا نام لینا بہت بڑا جرم خیال کیا جاتا تھا جب بخاری کی ترتیب ہو چکی ہے تو اسکی پوری نصف صدی بعد ان روایتوں کی ترتیب ہوئی جو مجمع البیان طبرسی اور کلینی وغیرہ کتب میں پائی جاتی ہیں۔ یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ جتنی روایتوں کی ان یا ان جیسی کتب میں ترتیب ہوئی ہے وہ سب کی سب غلط ہوں نہیں بلکہ اُن میں بہت سی روایتیں صحیح بھی ہونگی مگر کوئی محک اُن کے پرکھنے کی ہمارے پاس نہیں ہے اسی طرح سنیوں کی روایتوں کے پرکھنے کا کوئی معیار نہیں ہے تاہم درایت سے ہر ایک روایت کو پرکھا جا سکتا ہے۔ اور جہانتک ہمارا خیال ہے محقق کو سخت جانکاہی کے بعد یہی کامیابی ضرور ہو سکتی ہے اسماء الرجال کا علم اسقدر ہماری مدد ضرور کر سکتا ہے کہ درایت سے جانچنے میں وہ ہمارا رہنما ہے اور اُن دقتوں کو دور کرے جو ہمیشہ ایسی حالت میں آکے حائل ہو جایا کرتی ہیں اور اگر صرف اسماء الرجال پر تکیہ کر لیں گے تو ہمیں سخت سخت مشکلات کا سامنا ہوگا اور پھر ہمیں اسماء الرجال کے ساتھ تواریخ کا ایک عظیم دفتر ترتیب دینا پڑے گا مثلاً اسماء الرجال نے ایک راوی کے ثقہ یا غیر ثقہ ہونیکی شہادت دی مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اُس شخص کے کامل سوانح عمری کہاں ہیں جسے ہم ثقہ اور غیر ثقہ کہتے ہیں نہ اُسکے کارنمایاں کی ہمیں خبر ہے اور نہ ہم اُس کے حالات سے کما ینبغی واقف ہیں اور نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ وہ جس بادشاہ کے زمانہ میں تھا معاملات سیاسی کا اُس پر کتنا اثر پڑا تھا اور وہ مسلمانوں کے کس گروہ کا مذاق زیادہ رکھتا تھا اس میں شک نہیں کہ علمائے اسلام کے واقعات زندگی بہت کچھ بیان ہوئے ہیں ابن خلکان نے ایک حد تک اس معاملہ میں پوری کامیابی حاصل کی ہے اور کشف الظنون نے علماء کی تصانیف کی تحقیق میں بڑی حد تک اسلام کی قابل تعریف خدمت انجام دی ہے مگر پھر بھی راوی کے واقعات زندگی کی سچی تصویر اُتارنے میں ہر مصنف قاصر رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ روایتوں میں اسماء الرجال کے مرتب ہونیکے بعد بھی سخت اختلاف رہا ہے۔ کوئی اصلی معیار روایت کے پرکھنے کی نہ شیعہ نکال سکے نہ سنی اور نہ خارجی نہ معتزلی۔ سب ہی اس میں قاصر رہے

...ب ہی نے اس میں ناکامی اٹھائی۔ اگر واقعی کوئی معیار نکل آتی تو شیعہ سنی کا مذہب جھگڑا قطعی اٹھ جاتا اور یہ
...ی اختلاف جن نے اصول کا جامہ پہن لیا ہے بالکل جاتا رہتا۔ اس تحریر سے میری یہ غرض نہیں ہے کہ روایتو...
...ر حدیثوں کا سارا دفتر ردی اور ناقابل تسلیم ہے بلکہ میرا اصلی منشا یہ ہے کہ کھری کھوٹی روایتوں کی اتنا چھاننے
...ے بعد بھی آمیزش چلی آتی ہے اور کسی زمانہ میں بھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نہیں ہو سکا۔
...ی صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا اور اس طرح منع کیا تھا اور آپ نے یوں فیصلہ کیا
...ا اور اس طرح رخصت دی تھی اور اس کے بعد اس کا یہ قول کہ ہم کو یہ حکم دیا گیا تھا و فلاں امر سے ہم کو منع کیا
...یا تھا یا صحابی کا یہ کہنا کہ فلاں امر مسنون ہے اور جس نے ایسا کیا اس نے ابوالقاسم (یعنی آنحضرت صلی اللہ
...لیہ وسلم کی مخالفت کی اور اس کے بعد اس صحابی کا یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے تو اس سے
...ظاہر اس حکم کا مرفوع ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس نے علت مدار علیہ حکم کے خیال کرنے میں
...پنے اجتہاد کو دخل دیا ہو کہ یہ امر واجب ہے یا مستحب عام ہے یا خاص اور صحابی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ
...لیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے بطور نص کے ہرگز نہیں تسلیم کیا جا سکتا تھا اور اگر بطور نص کے بھی تسلیم کیا جائے
...و یہ ثبوت نہیں ہو سکتا کہ بیشک اُس صحابی کا قول ہے جسکے نام سے روایت کیا گیا ہے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ ایک ہی
...روایت میں جب راویوں کا اختلاف ہو اور وہ تمام راوی فقاہت حفظ۔ کثرت میں ہم مرتبہ ہوں تو پھر کیونکر ممکن
...و سکتا ہے کہ اس اختلافی روایت کے الفاظ آنحضرت ہی کے ہوں ۔

عام راوی ہمیشہ روایت میں اصل معنی کا لحاظ کیا کرتے تھے مگر عربی زبان ایسی وسیع ہے کہ ایک ہی لفظ جب
...ی کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے اور ایک ہی چیز کی معمولی شکل بدلنے سے دوسرے الفاظ آجاتے ہیں تو سمجھ میں
...ہیں آتا کہ الفاظ کا سب نے ایک ہی مفہوم سمجھا ہو اور پھر اُس بیان کردہ مفہوم کو سننے والے نے اُن ہی معنی میں
...یا ہو جو معنی قائل کے ذہن میں تھے۔ عام طور پر راویوں نے کبھی زوائد اور حواشی کا مطلق خیال نہیں کیا ہے خواہ وہ
...راوی سنی ہو یا شیعہ خارجی ہوں یا رافضی سب کی ایک ہی کیفیت رہی اور زوائد سے کسی نے بھی پہلو بچانے کی
...وشش نہیں کی جب یہ مسلمہ امر ہو گیا تو محدثوں یا احادیث نبویہ کے جانچنے والوں نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ راویوں
...ں سے جو راوی ثقہ ہو گا اور اُس قصہ اور واقعہ سے خوب واقف ہو گا اُسی کو اختیار کریں اور اگر ثقہ راوی کے قول
...میں ضبط کا اہتمام بھی زیادہ ہو گا۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ ثوب کا لفظ وارد ہوا ہے قام کا اور " افاض علی جو لاحالماء " آیا
...ہے نہ اغتسل تو اُسے بھی اختیار کریں گے اور اگر حدیث کی روایت میں راویوں نے بہت زیادہ اختلاف کیا ہو گا
...ور وہ سب رتبہ میں مساوی ہونگے اور کوئی مرجح نہ ہو گا تو وہ تمام خصوصیتیں مختلف فیہا لغو ہوں گی۔

ہم نے روایتوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے ہمارا خیال ہے اس سے کوئی فہمیدہ شخص انکار نہیں کر سکتا
...ہم اصول سے بحث کرتے ہیں اور ہماری بحث میں کہیں کوئی کمزور یا خیالی بات نہیں ہونے کی۔ جن روایتوں میں صحابہ
...کا بہت بڑا اختلاف ہے اور جن روایتوں میں کہ راوی باوجود ثقہ ہونے کے مختلف ہیں سمجھ لو کہ وہ روایتیں ہی اسر
...سے سراسر لغو ہیں اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی دیکھے جائیں تو معلوم ہو کہ صحابہ آپ کا

کس قدر ادب کرتے تھے اور صحابہ نے آپ سے کبھی فرائض کے متعلق بھی کوئی مسئلہ بار بار دریافت نہیں کیا سب باادب حاضر ہوتے تھے اور ارشاد نبوی پر کان لگا کے متوجہ ہو جاتے تھے کسی کی مجال نہ تھی کہ رسول اللہ کے خانگی امور کے متعلق کچھ دریافت کرتا اور آپ اُس کا جواب دیتے نہ آپ ایسا کرسکتے تھے کہ اپنے ذاتی اور خانگی حالات بلا سبب صحابہ کے آگے بیان فرماتے نہ وہاں کسی مسئلہ پر بحث تھی اور نہ تکرار تھی اور ایک عجیب سادہ مذہب تھا خدا کو ایک مانو اور محمد کو اُس کا برحق نبی جانو روز آخرت پر ایمان رکھو نماز پڑھو زکوٰۃ دو سال میں ایک مہینہ روزے رکھو اور اگر استطاعت ہو تو تمام عمر میں ایکبار حج بیت اللہ کر آؤ اور بس نہ یہ روایتوں کا طوفان تھا اور نہ فقہی بین میگ نکلتی تھی اور جس طرح بعد ازاں روایتوں کی کثرت ہو گئی اور فقہا کی بحثوں کے ابواب کھل گئے ایک بات بھی نہ تھی راویوں کی تو یہ کیفیت تھی جو ہمنے اوپر مختصراً کچھ بیان کی فقہا کی سن لیجئے انھوں نے نئی نئی صورتیں فرض کیں اور اُن ہی مفروضہ صورتوں پر گفتگو کی اور جہانتک ہوا محض اپنی ذاتی رائے سے انھیں طول دیا اور وہ وہ باریک مسائل نکالے کہ جو کبھی خیال میں بھی نہ آسکتے تھے۔ چونکہ انھوں نے اپنی ذاتی رائے کو دخل دیا تھا اس لیئے اختلاف ہوا اور اختلاف بھی اسقدر کہ کوئی انقطاعی فیصلہ کسی بات میں معلوم ہی نہیں ہوتا۔

حضور انور کی تعلیم عجیب و غریب تھی۔ سو وہی لفظ کہنے کا اثر صحابہ پر اسقدر پڑتا تھا کہ وہ معمولی باتوں کے دریافت کرنے میں حضور انور کو ذرا بھی تکلیف نہ دیتے تھے اور بات بھی یہ تھی کہ اس جلیل القدر شہنشاہ کے سامنے کسکی مجال تھی جو کوئی بات بھی بلا ضرورت اور بے ادبی کی نکال سکتا صحابہ اور رسول کریم کا برتاؤ یہ تھا کہ صحابہ جسطرح وضو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اُسی طرح آپ بھی کرنے لگتے تھے آنحضرت نے کبھی اسکی تشریح نہیں فرمائی کہ یہ امر رکن ہے اور وہ مستحب ہے اسی طرح حضور انور نماز پڑھتے تھے اور صحابہ جس طرح آپ کو نماز پڑھتا دیکھتے تھے پڑھنے لگتے تھے حضور انور نے حج کیا اور صحابہ نے بھی اسیطرح اعمال حج ادا کیئے کسیکی مجال نہ تھی کہ حضور انور سے سوال کرتا اور رکن و مستحب کی بابت دریافت کرتا نہ خود آنحضرت کو ان مسائل کے سمجھانیکی کوئی ضرورت تھی یہ ساری باتیں معاشرت سے تعلق رکھتی تھیں اور نفس مذہب سے انھیں کچھ بھی تعلق نہ تھا اگرچہ فقہا نے انھیں کھینچ تان کے مذہبی جامہ پہنا دیا ہے مگر ٹھیٹھ اسلام اس سے بالکل مبرا ہے اور اُس نے ایسی باریکیوں اور بے مزا پیچیدگیوں کو کبھی وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اسکی تشریح نہیں فرمائی کہ وضو کے فرائض چھ ہیں یا چار ہیں اور یہ فرض نہیں کیا گیا تھا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی شخص بغیر موالات کے وضو کرلے اور اُس وقت وضو رہنے یا نہ رہنے کا حکم کیا جائے الاماشاءاللہ۔ صحابہ اس قسم کے فضول امور کبھی دریافت ہی نکرتے تھے حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کسی قوم کو بہتر نہیں پایا اُنھوں نے حضور انور سے وفات تک صرف تیرہ مسئلے دریافت کیئے جو قرآن میں مذکور ہیں۔ اُن مسائل میں سے یہ ہیں کہ تجھسے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم دریافت کرتے ہیں کہدے اُس مہینہ میں لڑنا بُرا ہے ویسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه قل قتال فيه كبير اور تجھسے حیض کا حال دریافت کرتے ہیں ویسئلونک عن المحیض

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ وہی اُمور دریافت کرتے تھے جو مفید ہوں۔ حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے وہ امور مت دریافت کرو جو ابھی ہوئے نہ ہوں اس لیئے کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سُنا ہے کہ خدا اُس شخص پر لعنت کرے جو ایسے اُمور دریافت کرے جو ابھی تک وقوع میں نہ آئے ہوں قاسم کا قول ہے تم ایسے اُمور دریافت کرتے ہو جن کو ہم نہ دریافت کرتے تھے اور ہم نے ایسے امور کی تفتیش نہیں کی۔ تم وہ اُمور دریافت کرتے ہو جنکو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیا ہیں اور اگر ہم اُنھیں جانتے تو اُن کا چھپانا کسی طرح بھی جائز نہ تھا۔ عمر بن اسحٰق سے روایت ہے کہ میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہوں اُن کی تعداد اُن سے زیادہ تھی جو مجھ سے پہلے گزر چکے تھے میں نے کسی قوم کو ایسا نہیں پایا جس کی روش میں آسانی زیادہ اور سختی کم ہو۔ عبادہ بن بسر کندی سے روایت ہے اُن سے اُس عورت کا حال دریافت کیا جو ایک قوم کے ساتھ مر گئی تھی اُس کا کوئی ولی نہ تھا۔ اُنھوں نے بیان کیا میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جو تمھاری طرح سختی نہیں کیا کرتے تھے نہ تمھارے ان مسائل کو وہ دریافت کرتے تھے (یہ تمام آثار دارمی نے روایت کیے ہیں) دارمی کے ان تمام آثار سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس ابتدائی زمانہ میں ہی لوگوں میں غیر ضروری باتوں کے دریافت کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور صحابہ راشدین اس مہلک بیماری کو روکنے کے لیئے سخت کارروائی کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایسے شخص پر لعنت کرنا کہ جو وہ امور دریافت کرے جو ابھی وقوع میں نہ آئے ہوں اُن غلط روایات کی اشاعت پر ایک تازیانہ ہے جنکی سلسلہ جنبانی شروع ہو گئی تھی۔ سمجھنے کی بات ہے جب خلفا کے وقت میں فضول اور غیر ضروری امور میں جستجو ہونے لگی تھی پھر بعد میں کیا خیال ہو سکتا ہے کہ کیسی آفت برپا ہوئی ہوگی جب تک صحابہ زندہ رہے اُنھوں نے بہت تشدد سے اس قسم کے خیالات کو روکا اور ہمیشہ ایسے لوگوں کی بُرائی کی جو غیر ضروری باتیں دریافت کرتے تھے اور خواہ مخواہ فرضی مسائل میں ردوکد ہوتی تھی اور جب صحابہ کی وفات ہو گئی اور کوئی صحابہ زندہ نہیں رہا تو غلط روایات کا طوفان چاروں طرف سے اُٹھا اور وہ مفسد طبائع جو صحابہ کے دباؤ سے رُکی ہوئی تھیں یکایک اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور اُنھوں نے اپنے قدیم شوق کو پورا کیا پھر کیا تھا لاکھوں حدیثیں بن گئیں اور ہزاروں غلط روایات کی اُن میں آمیزش دیدی گئی۔ خارجیوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آپکے صاحبزادوں کی نسبت ایسی ایسی روایتیں گھڑیں جن کا سر نہ پیر اور وہ طوفان اُٹھائے کہ العظمۃ للہ یہانتک کہ آپکی شان اقدس و اطہر میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کو جزو ایمان قرار دیدیا۔ اسی طرح ایک دوسرا گروہ پیدا ہوا جس نے اُس فریق کے جواب میں اصحاب ثلاثہ پر وہ ناملائم الزام لگائے کہ مشرقی فسانوں کو بھی پرے بٹھا دیا جو باتیں عقل اور نقل کے بالکل خلاف ہوں اور جو ایک سمجھدار بچہ کی بھی سمجھ میں نہ آئیں وہ اُنکے سر چپکی گئیں اور مبالغہ کی انتہا کو یہانتک پہنچایا کہ اصحاب ثلاثہ کی وفات کے بعد اُنکی کیفیت بیان کر دی اور عالم ارواح کے رازوں کو جنھیں کوئی نہیں کھول سکا ہے اپنی فسانہ پسند طبائع کے زور سے آنکھوں سے دکھا دیا۔ اگر کاش اسی پر قناعت کی جاتی کہ اُن کی زندگی ہی کے واقعات بیان کیئے جاتے اور خواہ کچھ ہی اُنکی

نسبت کیوں نہ کہا جاتا مگر بعد از مرگ کی حالت سے بحث نہ ہوتی تو بھی چنداں شکایت کی بات نہ تھی وہاں تو یہ غضب ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے اُن پر سب و شتم رہا اور جب ان کی وفات ہوگئی تو بھی اُن کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس بات کا تماشہ دکھایا کہ اُن پر کیا گزر رہی ہے۔

اگرچہ میں اصل مطلب سے بہت دور ہٹ گیا ہوں پھر بھی میں نمونتاً ایک حکایت بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ ہماری روایتوں میں مشرقی فسانہ کا رنگ کسقدر ہے اور جن لوگوں نے یہ روایتیں گھڑی ہیں اُنکا دماغ کس قسم کا تھا اور وہ کس فطرت کے تھے۔ حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے یعنی آپ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن شام کو جو سیر کرنے نکلا تو میرا گزر ایک وادی میں ہوا میں نے دور کی ایک پہاڑی میں دھواں اُٹھتا ہوا دیکھا اور پھر میں نے نالہ و بکا کی آوازیں سنیں۔ جب میں قریب گیا تو میں نے سنا کہ عمر اور ابو بکر پر عذاب نازل ہو رہا ہے اور یہ آگ اُن ہی کے لیئے روشن کی گئی ہے اتنے میں میں نے انھیں ایک جلتی ہوئی پہاڑی پر کودتا ہوا دیکھا اُن دونوں نے میری صورت دیکھ کے مجھسے طلب آمرزش کی میں نے کہا تمھاری سزا یہی ہے تم اسیطرح رہو“ یہ روایتیں ہیں جو نہایت وثوق سے بیان کی جاتی ہیں اور یہ واقعات ہیں جنھیں مثل کلام خدا کے یقین کیا جاتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہاتھ سے کھانے کا طباق چھین لینا اور حضرت جبرائیل کا ہزار ہا بار حضرت علی کرم اللہ وجہ کے پاس پھیرے کرنا اور بھولے سے وحی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدینا یہ روایتیں ہیں جو مخالف فریق میں بنائے مذہب سمجھی جاتی ہیں اور اُن کا منکر یا ان میں شبہ کرنے والا کافر گنا جاتا ہے۔

روایتوں کا یہ طوفان تمیزی تھا جو برپا تھا اور یہ غضب تھا جو اسلامی دنیا میں ہو رہا تھا اس تلخترین عداوت پر کب ممکن ہو سکتا ہے کہ جتنی روایتیں پیش کیجاتی ہیں ان میں بمشکل ایک بھی صحیح نکلے۔ ستم ہے کہ ازواج پاک اپنے اُن تعلقات کو بیان کریں جو حضور انور کے ساتھ تھے یا حضور انور اپنے ازواج پاک کے اندرونی تعلقات کا اظہار کریں غلط روایات نے فقہ پر بھی پورا اثر ڈالا کیونکہ ہر فقیہ اُس وقت کسی مسئلہ میں اپنی طرف سے اجتہاد کرتا تھا جب اُسے کوئی حدیث نہیں ملتی تھی اور جب اُسے کوئی حدیث مل گئی تو پھر وہ اپنی رائے سے دست بردار ہو جاتا تھا۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ حدیث کے صحیح اور غیر صحیح ہونیکی پرکھ بالکل اُس کی ذاتی تحقیق اور اُسکے ذاتی فیصلہ پر موقوف تھی۔ ایسی بہت سی حدیثوں کا پتہ لگتا ہے جو باہم فقہا میں مختلف فیہ ہیں یعنی ایک فقیہ ان حدیثوں کو صحیح مانتا ہے اور دوسرا غیر صحیح۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کی تحقیق ہر ایک کی نرالی ہے اور ایک مجتہد دوسرے مجتہد کا پابند نہیں ہے۔ اب اگر ان تمام فقہا کی مانی ہوئی حدیثوں کو رسول اللہ کے آگے پیش کرنیکی کوئی صورت نکل آئے تو فی ہزار مشکل سے ایک روایت صحیح نکلے گی۔ قرآن کی سادہ تعلیم خود اس بات کی شاہد ہے کہ یہ روایتیں خود تعلیم الٰہی اور کلام الٰہی کی کیسی متناقض آکے واقع ہوئی ہیں اس میں شک نہیں کہ ہمارے علما محض نیک نیت تھے اور جو کچھ اُنھوں نے کیا وہ اسلام کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے کیا اور ایسا کیا کہ اسلام ہمیشہ اُن کا ممنون رہیگا مگر ساتھ ہی انسانی کمزوری اور فروگزاشت کی عادت سے بھی وہ مبرا نہ تھے اور مسلمانوں کا

کوئی فریق اپنے علماء کو معصوم نہیں تسلیم کرتا ضرور آن پر اُن لاکھوں روایات کا اثر پڑا جو عام طور پر اسلامی ممالک میں رائج تھیں اور اگرچہ اُنھوں نے نہایت نیک نیتی سے حدیثوں کا انتخاب کیا پھر بھی اُس میں کچھ نہ کچھ کسر باقی رہ گئی اور جس کسر کو وہ خود تسلیم کرتے تھے اور بسبب اس کے کہ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ تھے اُنھیں انقطاعی یقین اپنی جمع کردہ احادیث پر نہ تھا۔

حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ کی وہ حکایت مشہور ہے کہ جب خلیفہ ہارون الرشید نے آپ سے کہا ہے کہ میں موطا کعبہ کے دروازہ پر لٹکا کے عام حکم دیدیتا ہوں کہ کل مسلمان اسی کو پڑھیں اور اسی پر عمل کریں تو آپ نے محض اُس فدائیانہ عشق کی وجہ سے جو آپ اسلام اور بانئے اسلام سے رکھتے تھے یہ منظور نہیں فرمایا اور کہا اے امیر المومنین ایسا نہ کر ممکن ہے کہ اور لوگوں کے پاس اس سے صحیح زیادہ احادیث پونہچی ہوں اور وہ اُن پر عمل کرتے ہوں مبادا اس کتاب کی اشاعت سے اُنھیں وہ صحیح احادیث ترک کرنی پڑیں۔

یہ شان تھی ہمارے علمائے کرام کی اور یہ نیک نیتی تھی جسکی نظیر کسی قوم کے علما میں ملنی ممکن نہیں اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ انقطاعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ رسول اللہ کی حدیث ہی کیونکہ آپ نے خود تو رسول کریم کی زبانی کچھ سنا نہ تھا کہ اُس پر یقین ہوتا بلکہ آپ کو راویوں کے ذریعہ سے کچھ پہنچا تھا اسلیے آپ کسی صورت سے بھی کسی ایک حدیث کو قطعی طور پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں کہہ سکتے تھے۔

فقہا بھی بسبب اُس فطری کمزوری کے جو انسان میں روز ازل سے ودیعت ہوئی ہے بہت سے مقامات پر اپنا پہلو ان غلط روایات سے نہیں بچا سکے۔ مثلاً منی کے مسائل میں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں اور اُس کی پاکی اور ناپاکی کے بارے میں آپ کی شہادتیں جو حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے نقل کی ہیں کسیطرح بھی پذیرا نہیں ہوسکتیں حضرت بی بی عائشہ کے زمانۂ حیات میں بکثرت صحابہ موجود تھے اور جلیل القدر خلفا بھی مدینہ منورہ سے باہر کہیں چلے نہیں گئے تھے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی خلیفہ اور کسی صحابی نے تو منی کی پاکی اور ناپاکی کے مسائل نہیں بیان کیے اور آپ ہی نے اُسکے پاک ہونیکی نسبت فیصلہ کیا حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود میں قرآن مجید میں ازواج پاک کے پردہ کرنیکا صاف حکم آگیا تھا اور منع کردیا گیا تھا کہ نہ کوئی صحابی دڑانا اندر چلا جائے اور نہ کسی بی بی سے بات کرے بلکہ کوئی چیز لینی دینی ہوا کرے تو دروازہ کے باہر کھڑے ہوکے دریافت کر لیا کرے۔ جب قرآن مجید میں یہ حکم آچکا تھا تو بعد وصال رسول کریم اس پر پورا عملدرآمد ہونا بھی لازمی تھا اور بیشک ہوا بھی ضرور پھر خیال نہیں ہوسکتا کہ کسی صحابی نے یہ ناپاک مسائل پردہ ہی میں حضرت بی بی عائشہ سے دریافت کیے ہوں اور آپ نے اُس کا ایسا جواب دیا ہو جو فقہ کی کتب میں موجود ہے اور وہ جواب ایسا ہے کہ اُسے نقل کرتے بھی شرم آتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ فقہا کو ایسے مسائل کی تنقیح کرنے کی ضرورت پڑی ہوگی لیکن اُنھوں نے اپنی رائے یا اپنے اجتہاد کو قوی بنانے کے لیئے اُن غلط مشہور شدہ روایتوں میں سے ایک روایت لے کے پیش کردی ہو جو فریق مخالف ابتدائے سنین ہجری سے مشہور کرتا چلا آیا تھا اور اُنھیں اس روایت کو اپنی تائید میں پیش کرنے میں کوئی قباحت نہ معلوم ہوئی ہو۔ یہ

ساری باتیں ممکن ہیں اور قطعی اسی طرح سے ہوئیں اور ہماری وجوہات کو دیکھ کے ہر شخص ہماری تائید کریگا کسی اجتہادی مسئلہ میں اختلاف ہونا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اور اسیطرح استنباط مسائل میں اختلاف ہونا لازمی تھا مگر حدیثوں کی بنا پر جن فقہی مسائل کا دارومدار ہے اُن میں اختلاف ہونا ضرور اس امر کی دلیل ہے کہ کل روایتوں کو تسلیم کیا گیا تھا۔

عام طور پر ایک سخت غلط فہمی چلی آتی ہے اور کم وبیش اسے سب ہی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے ۷۲ یا ۷۳ فرقوں کا اسلام میں ظہور ہوا ہے مگر یہ بات ہرگز نہیں ہے قرآن مجید کبھی اختلاف نہیں ڈال سکتا اگر قرآن مجید کی عبارت میں یہ کیفیت ہوتی کہ اُس سے ہزار ہا معنی پیدا ہوتے تو سب سے پہلے قرآنی مسائل میں صحابہ باہم اختلاف کرتے اور کوئی ایک آیت کے کچھ معنی لگاتا اور کوئی کچھ نہیں مگر جہاں تک تواتر سے پایا جاتا ہے خلفاء راشدین کے زمانہ تک قرآن مجید کے سمجھنے میں مطلق اختلاف نہیں تھا اور سب اُسکے اصلی معنی سمجھتے تھے مگر جوں جوں روایتوں یا حدیثوں یا آثار کی کثرت ہوئی قرآن مجید کی آیتوں کے معنی میں اختلاف پیدا ہوگیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ کئی فریق ہوگئے اور اُن میں کشیدگی یہانتک بڑھی کہ ایک دوسرے کو جہنمی کہنے لگا۔

کبھی باہم خلفا کی ایسی بحثیں نہیں ہوئیں جس سے یہ معلوم ہو کہ ایک نے قرآن کی آیت کا کچھ مطلب سمجھا اور دوسرے نے کچھ یہ صحیح ہے کہ باہم مسائل میں گفتگو ہوتی تھی اور طرز گفتگو بعض اوقات سخت تیز اور جوش آمیز ہوجاتا تھا مگر خاتمۂ کلام پر پھر باہم وہی شیر وشکر ہوجاتے تھے اور ذرا بھی اُس جوش کا اثر نہیں رہتا تھا قرآن مجید کی بے تعداد تفاسیر لکھی گئیں اور بہت سی تفسیریں اگرچہ عجیب وغریب ہیں اور قرآن مجید کا اعلیٰ مفہوم ثابت کرتی ہیں مگر سب میں کچھ نہ کچھ رنگ اُن روایات کا پایا جاتا ہے جو صحیح ہوں یا غلط عام طور پر مشہور ہوگئیں تھیں مگر بعض تفاسیر تو ایسی ہیں جو سراسر اس رنگ میں رنگی گئی ہیں اور بہت فخر سے بیان کیا جاتا ہے کہ فلاں مفسر نے قرآن مجید کی تفسیر احادیث سے کی ہے مثلاً تفسیر ابن کثیر جس کی بنا بالکل احادیث پر ہے اور فاضل مفسر نے اخیر تک حتی الامکان اسی رنگ کو نبھایا ہے اس میں کسیطرح کا بھی شک نہیں ہے کہ ابن کثیر کی تفسیر ایک اعلیٰ درجہ کی تحقیق کا نتیجہ ہے مگر اس بات کا کوئی حلف اُٹھا سکتا ہے کہ جن احادیث سے فاضل مفسر نے تفسیر کی ہے وہ اول سے لیکے اخیر تک سب کی سب صحیح ہوں۔ اسی طرح تفسیر اہلبیت ہے جس میں بہت سی روایتیں اور حدیثیں ائمہ معصومین کی زبان مبارک سے بیان ہوئی ہیں مگر کوئی بھی ثابت نہیں کرسکتا کہ آیا ائمہ معصومین کے یہ اقوال ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اور جو حدیثیں اُنکی روایت سے بیان کی جاتی ہیں ان کے راوی وہ فی الحقیقت تھے بھی یا نہیں۔ یہ بڑی دقت ہے جو ہر تفسیر میں پائی جاتی ہے اور یہی پیچیدگی ہے جس کا سلجھانا بڑا کٹھن کام ہے۔

ناظر تفسیر بخوبی سمجھ گیا ہوگا کہ قرآن مجید کے مطالب سمجھنے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے قرآن مجید کا یہ نقص نہیں ہے بلکہ غلط روایات کی وجہ سے ایسا ہوگیا ہے۔ کاش اختلاف رائے یا اختلاف خیال ہوتا تو اُسکی اصلاح آسان تھی مگر جب حدیث اور روایت کی بنا پر تفسیر کی گئی ہے تو فی الحقیقت اس مشکل کو حل کرنا بہت ہی مشکل امر ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر شیعوں۔ سنیوں۔ خوارج۔ اور معتزلیوں کی تفسیروں میں

کیوں اختلاف ہے اور کیوں نہیں ایک فریق دوسرے فریق کی تفسیروں کو مانتا۔ وجہ نہ ماننے کی یہی ہے کہ ہر فریق نے قرآن مجید کی تفسیر کرنے میں زیادہ تر روایات کو دخل دیا ہے اور چونکہ ایک فریق سوائے اپنے راویوں کے دوسرے کو تسلیم نہیں کرتا اسی لیئے اس کی قرآنی تفسیر کو بھی نہیں مانتا۔ علمائے اسلام نے ایک یہ بھی حدیث بیان فرمائی ہے کہ جو شخص قرآن مجید کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ جہنمی ہے اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے۔ کاش حضرت صدیق اکبر یا حضرت عمر فاروق یا حضرت عثمان غنی یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کوئی قرآنی تفسیر ہوتی اور یہ ثابت بھی ہو جاتا کہ چار خلفا میں سے قطعی ایک خلیفہ کی ہے تو پھر زیادہ چون وچرا کی گنجائش نہیں رہتی اور بیشک اس وقت ہر مفسر جو انکے علاوہ قرآن مجید کی اپنی رائے سے کوئی تفسیر لکھتا تو قطعی جہنمی ہوتا کیونکہ خلفا اپنی اپنی تفسیروں میں وہی باتیں درج کرتے جو رسول خدا سے سنی تھیں۔ اور انہیں اور روایات درج کرنیکا خیال بھی نہ آتا اور ایسی حالت میں اُن کی تفسیر پر جرح و قدح کرنا فی الحقیقت سخت خیرہ چشمی اور سوء ادبی ہوتی اگرچہ کفر تو جب بھی نہ ہوتا مگر جب یہ بات نہیں ہے اور اُن میں سے ایک خلیفہ کی بھی کوئی قرآنی تفسیر موجود نہیں ہے تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اور کس لیئے کسی مفسر کی رائے کو جبکہ وہ نہ معصوم ہے نہ محفوظ ہے نہ اُس پر وحی اُترتی ہے زبردستی تسلیم کیا جائے اور کیوں ہم ایسے شخص کو بددین کہیں جو اُنکی مخالفت کرے۔ جبکہ قرآن مجید کے اصلی مطلب کے جانچنے کا ہمارے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کسی مفسر نے الحمد سے لیکے والناس تک قرآن مجید کا وہی مطلب بیان کیا ہے جو رسول کریم کا اصلی مفہوم تھا۔

اس بیان سے یہ کبھی نہیں سمجھا جائے کہ ہمارا منشا کل تفسیروں پر نکتہ چینی کرنے کا ہے اور ہم کل مفسرین کو ناکارہ بتاتے ہیں نہیں یہ ہماری غرض ہرگز نہیں ہے بلکہ جو ہمارا منشا ہے وہ یہ ہے کہ اگرچہ مفسروں نے قرآنی دقائق اور نکات کے سمجھانے میں عجیب کمال پیدا کیا ہے تاہم ہر مفسر سے فروگزاشت ضرور ہو گئی ہے کہیں کہیں مروجہ غلط روایات سے متاثر ہو کے اُس نے قرآن کے اصل منشا کے خلاف لکھدیا ہے اور ایسا ہونا بھی ضرور تھا کیونکہ مفسر بھی اخیر الشان ن تھے اور انساں کے ساتھ جو کمزوری اور فروگزاشت لگی ہوئی ہے وہ اسکی کمزور فطرت کی وجہ سے ہے ہر انسان کیساتھ یہ کمزوری لازم و ملزوم ہے اور کوئی فرد بشر اس کمزوری سے بچا ہوا نہیں ہے ہم خیال کرتے ہیں کہ اس بیان سے ہم اپنے مطلب سے بہت دور چلے آئے ہیں اور جو کچھ ہمنے احادیث اور روایات کے بارے میں لکھا ہے غالباً اسی قدر کافی ہوگا چونکہ ہم ایک علیحدہ باب میں اسپر بالتفصیل بحث کرینگے اس لیئے فی الحال اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اپنا اصلی مطلب شروع کرتے ہیں۔

عام طور پر یہ مشہور کرتے ہیں کہ اہلبیت سے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت سخت عداوت تھی اور اس عداوت کو ثابت کرنے کے لیئے بہت سے فرضی قصے بنا لیئے ہیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بی بی فاطمۃ الزہرا سے بہت محبت رکھتے تھے اور آپ کو نہ صرف اُن سے بلکہ اپنی اور لڑکیوں سے حقیقتاً

حیات رہیں غایت درجہ الفت تھی آپ کو اولاد کی بہت ہی آرزو تھی اور بالخصوص اولاد نرینہ کی اور چونکہ آپکے لڑکے صغیر سنی ہی میں وفات پا گئے تھے اور حضرت بی بی فاطمہ علیہ السلام کے دو بچے حسنین موجود تھے اسلیئے آپ اُن ہی کو بچہ سمجھتے تھے اور اُن سے پدرانہ محبت رکھتے تھے۔ اولاد کے شوق میں آپنے اپنے غلام کو بیٹا بنا لیا تھا اور آپ اُسکو بچوں کی طرح سمجھتے تھے محبت کی یہ کیفیت تھی کہ جب آپکا صاحبزادہ ابراہیم اناکی تاریک کوٹھری میں فوت ہوا ہے اور آپ کو خبر ہوئی ہے تو آپ بہت ہی روئے تھے یہاں تک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی تھی اس پر بعض صحابہ نے بطور تعزیت خدمت اقدس میں عرض کی یا رسول اللہ آپ اسقدر کیوں زاری فرماتے ہیں جب کہ آپ ہمیں زاری کرنے سے روکتے ہیں تو آپنے یہ ارشاد کیا۔ دل کے تعلقات عجیب و غریب ہیں۔ میں نہیں رو رہا میرا دل رو رہا ہے۔ یا اسی قسم کی دوسری روایت کے مطابق اور الفاظ فرمائے اس سے آپکی محبت کا جو آپ کو اپنے بچوں کے ساتھ تھی اندازہ ہو سکتا ہے۔ آپ رستہ چلتے چلتے چھوٹے بچوں کو پیار کرنے لگتے تھے اُن کے سروں پر ہاتھ پھیرتے تھے اور اُنھیں برکت دیتے تھے۔ جب آپکی یہ کیفیت تھی تو ظاہر ہے کہ بی بی فاطمہ اور اُنکے بچوں سے آپ کسقدر محبت کرتے ہونگے۔ آپ حسنین کو کندھے پر چڑھاتے تھے آپ چاڑھی پر بٹھاتے تھے اور اُن کے سب ناز اُٹھاتے تھے۔ اس محبت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اپنی ازواج پر کم توجہ تھی۔ حضرت بی بی عائشہ کا حسد اس وقت تو ممکن ہو سکتا ہے کہ آپ دوسری بی بی پر بہ نسبت اُن کے زیادہ توجہ فرماتے اور اُنھیں آنکھ بھر کے نہ دیکھتے تو تو ایک بات بھی تھی اور جب یہ امر نہ تھا تو کبھی سمجھ میں نہیں آسکتا کہ حضرت بی بی عائشہ اپنی بیٹی سے گو سوتیلی ہی جلتیں اور قدرتی دشمن بنجاتیں جو کشش کہ بی بی عائشہ اور اہلبیت میں بیان کیجاتی ہے محض فرضی ہے اور ایک صحیح روایت سے بھی اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا نہ حضرت بی بی فاطمہؓ کی یہ شان تھی کہ وہ اپنی ماں سے جلتی ہوں اور خدا واسطہ اُنھوں نے ایک بیر باندھ لیا ہو۔

ایک مشہور روایت چلی آتی ہے اور جسے عیسائیوں نے بھی نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا یا گیا ہے اور آنحضرت نے صحابہ سے مشورہ لیا ہے تو کل صحابہ نے تو حضرت بی بی عائشہ کی سفارش کی تھی یا رائے دینے سے انکار کیا تھا مگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ فرمایا تھا کہ رسول کیوں اتنا تردد فرماتے ہیں حضور کے لیئے اور عورتیں موجود ہیں نکاح کر لیں۔ اس رائے کو دشمنی کی بنا قرار دیا جاتا ہے اور ثابت کیا جاتا ہے کہ حضرت علی اور حضرت بی بی عائشہ میں دشمنی تھی مگر ہمیں اس روایت سے اگر یہ صحیح بھی ہو کوئی وجہ مخالفت نہیں پائی جاتی آپنے بہت ہی معقول کہا کہ اس قسم کے تردد سے کیا حاصل اور بھی نکاح ہو سکتا ہے اور نبی اگر چاہیں تو عورتیں بہت ہیں اور اگر فرض کر لیں کہ حضرت علیؓ نے دل کا غبار نکالا تو پھر کوئی ایسی صحیح روایت نہیں معلوم ہوتی جس میں بیان ہو کہ اس رائے سے حضرت بی بی عائشہ ناراض ہوئیں اور اُنھوں نے اُسکے جواب میں یہ بُرا بھلا کہا جب اُن سے ایک بات بھی نہیں ہوئی پھر خواہ مخواہ محض نیک نیتی کے قول کو دشمنی پر محمول کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

اور بھی بہت سے معاملات قلمبند ہوئے ہیں مگر سب کمزور بنیادوں پر قائم کیئے گئے ہیں۔ یہ روایت کہ حضرت بی بی عائشہ پر الزام لگا اور اس الزام کی بابت رسول خدا نے صحابہ سے استمزاج لیا سراسر غلط ہے اور ہم اُسکی لغویت

بدلائل اوپر بیان کر چکے ہیں۔

غور سے دیکھنا چاہیے کہ حضور انور کی بعثت کا کیا منشا تھا اور آپ کن مقاصد کی تکمیل کے لیئے بھیجے گئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی بعثت کے صرف دو مدعا تھے ایک تو توحید خدا کی اشاعت اور دوسرے خدا کی مخلوق میں اتحاد قائم کرنا۔ شرم کی بات ہے مسلمان ہو کے یہ کہیں کہ پیغمبر خدا نہ اول مدعا میں کامیاب ہوئے نہ دوسرے میں اور سوائے چند مسلمانوں کے لاکھوں منافق۔ بت پرست۔ دشمن دین و ایمان رہے۔ یہ ایسا غلط استدلال ہے جو کبھی پذیرا نہیں ہو سکتا اور یہ ایسا بدیہی دروغ ہے جس کے لیئے کسی شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ نہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ اپنے دونوں مدعاؤں میں کامیاب ہوئے۔ آپ نے توحید کی اشاعت بھی کامیابی کے ساتھ کی اور آپ نے اتحاد کی رسی میں بھی مسلمانوں کو جکڑ دیا۔ حضرت علی ہوں یا حضرت فاروق اعظم حضرت بی بی فاطمہ ہوں یا حضرت عائشہ سب آپس میں متحد تھے اور ایک کو دوسرے سے ذرا بھی مخالفت نہ تھی یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی کو خلیفہ ہونے کی آرزو تھی اور آپ کی دلی خواہش تھی کہ میں خلیفہ بنایا جاؤں مگر قوم نے سب سے پہلے حضرت ابو بکر کو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ حضرت علی نے جب قوم کی عام رائے اس طرف دیکھی تو بہت خوشی سے حضرت صدیق اکبر کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ یہ محض غلط ہے کہ آپ نے چھ مہینے تک بیعت نہ کی اور جب تک حضرت بی بی فاطمہ کی وفات نہ ہوئی آپ بیعت کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ اگر بیعت کرنے میں چھ مہینے کا وقفہ ہو جاتا تو بڑا ہی غضب برپا ہوتا اور ہرگز مدینہ منورہ میں امن قائم نہ رہتا اور وہ گروہ جو حضرت علی کے ساتھ تھا ضرور کچھ نہ کچھ فساد کرتا اور گھر کے اس فساد سے وحشی بدوؤں پر کبھی کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ اسامہ کی ماتحتی میں شام مہم روانہ ہو چکی تھی اور جنگ آور مسلمانوں کی تعداد مدینہ میں بہت ہی قلیل تھی۔ جب بدوؤں نے حملہ کیا ہے حضرت علی نے اس حملہ کو پس پا کرنے میں بہت ہی مدد دی تھی اور اخیر کل صحابہ نے مل کے اس سخت مہم کو سر کیا تھا جب یہ اتحاد تھا تو خیال نہیں ہو سکتا کہ حضرت علی نے چھ مہینے بیعت کرنے میں تامل کیا ہو اور حضرت بی بی فاطمہ رض کی پشت پناہی پر اپنی خلافت کے لیئے موقع ڈھونڈا ہو آپ معاملات سلطنت میں بہت فراخی اور دلی توجہ سے حصہ لیتے تھے اور اگرچہ وزارت یا میر منشی کا کام حضرت عمر ہی انجام دیتے مگر حضرت علی کے مشورہ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ یہ محض غلط ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کے زمانۂ خلافت میں باغ فدک کا کوئی جھگڑا نکلا ہو اور حضرت بی بی فاطمہ حضرت صدیق سے لڑی ہوں۔ باغ فدک در اصل کوئی چیز ہی نہ تھا یہ ساری فرضی کہانیاں ہیں جن پر سنی شیعوں نے بہت کچھ بحثیں کی ہیں اور ناحق کتابوں کے ورق سیاہ ہیں حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بھی جائداد نہ تھی نہ خیبر میں نہ فدک میں اگر کچھ خاص کپڑے یا کوئی اونٹ یا زرہ بکتر یا تلوار بھی تو اس کی تقسیم ہونی ممکن نہ تھی آپ کو دنیا کے مال سے کچھ تعلق نہ تھا نہ آپ نے اپنی مبارک زندگی میں کسی چیز پر قبضہ کیا تھا۔ آپ کل مسلمانوں کے پیشوا ہی نہ تھے بلکہ روحانی باپ تھے اگر آپ کے پاس کچھ تھا بھی تو وہ مسلمانوں کا تھا۔ دوسرے حضرت بی بی فاطمہ خود بہت بڑی سیر چشم خاتون تھیں اگر تو فرضاً کوئی ایسی جائداد ہوتی اور انھیں کوئی دیتا جب بھی وہ نہ لیتیں انھیں ہرگز دنیا کی طمع نہ تھی۔ آپ پر تین تین وقت کے فاقے کر کے گزر گئے ہیں اور جو تھے وقت کھانا میسر ہوا اور سائل

نے سوال کیا ہے آپ نے فوراً وہ کھانا اُس سائل کو دیدیا ہے آپ خود تکلیف میں رہنا پسند کرتی تھیں مگر کسی کو مصیبت زدہ نہ دیکھ سکتی تھیں۔ دنیا آپکی آنکھوں کے آگے ہیچ تھی آپکو یہی فخر کافی تھا کہ آپ خاتم النبیین فخر موجودات کی صاحبزادی ہیں آپنے کبھی حضرت صدیق اکبر سے یہ نہیں کہا کہ ابوبکر تو تو اپنے باپ کی میراث لے اور مجھے میرے باپ کی میراث نہ لینے دے آپ حد درجہ عالی ظرف اور مخیر تھیں آپکی خیرات عرب بھر میں زبان زد تھی۔ اسکے علاوہ نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ فدک اور خیبر کی جائداد میں خلفا نے تصرف کیا جبکہ خود انکی حکومت وسیع حصہ زمین پر پھیل گئی تھی۔ ممکن ہے کہ فدک کوئی مقام ہو یا باغ ہو اور خیبر میں آپنے کوئی خاص قطعہ زمین اپنے لیئے اس لیئے مخصوص کرلیا ہو کہ گھر کا خرچ چلے مگر نہیں کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے یہ نہیں پایا جاتا کہ کسی باغ یا جائداد سکنی یا زرعی کی کوئی خاص آمدنی ہو اور آپ اپنے خرچ کے لیئے لیتے ہوں حصہ رسد جو مسلمانوں کو پہنچتا تھا اُس میں آپ شریک تھے اور بس اور اس کے علاوہ جو چیز زیادہ آتی تھی یا آپ کو زیادہ حصے ملتے تھے وہ آپ نے مسلمانوں کے لیئے وقف کردیئے تھے حضور کے ہاں ہمیشہ بے وطن آ آکے مہمان ہوتے تھے اور آپ کا گھر ہمیشہ سب گھروں کے لیئے کھلا رہتا تھا آپنے گیہوں کی روٹی کبھی پیٹ بھر کے نہیں کھائی۔ کھجور اور دودھ جب کبھی میسر آگیا تو گویا آپنے بڑا ہی پرتکلف کھانا کھایا۔ آپنے بارہا کئی کئی دن تک پیٹ سے پتھر باندھا ہے اور مہینوں آپکے حجرہ میں اندھیرا رہا ہے جب یہ کیفیت تھی تو کسی طرح بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ آپکی باغ فدک یا خیبر کی جائداد سے کوئی مستقل آمدنی تھی اور آپ اُس خاص آمدنی کو اپنے خرچ میں لاتے تھے کیسا باغ فدک اور کس کی خیبر کی زمین اگر قیصر و کسریٰ کا ملک ہوتا تو بھی بی بی فاطمہ مسلمانوں پر قربان کردیتیں وہ بھی تو آخر جلیل القدر نبی کی صاحبزادی تھیں اُنکی ایسی چھوٹی سی طبیعت نہیں تھی جیسی ہماری ہے اور ہم اپنی تنگ ظرفی سے اس نبی زادی کی طبیعت کو جانچتے ہیں جس سے زیادہ بزرگ جس سے زیادہ فدائی اسلام دنیا نے کسی خاتون کو نہیں دیکھا۔ باغ فدک یا حضرت رسول اللہ کی میراث لینے کا اتنا غل نہیں ہے جتنا اس روایت پر زور دیا جاتا ہے کہ جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو حضرت علی گھر چھپکے ہو بیٹھے اور حضرت عمر مکان پر گئے حضرت علی کو پکڑا گلے میں رسی ڈالی اور اس طرح گھسیٹتے ہوئے حضرت ابوبکر کے پاس لائے اور پیچھے پیٹتی ہوئیں بی بی فاطمہ بھاگی چلی آئیں وغیرہ وغیرہ یہ روایتیں ہیں جو بدقسمتی سے مسلمانوں کے ایک گروہ میں جاری ہوگئیں اور اُس گروہ نے ابتدائے زمانہ سے صرف انکو اس لیئے رواج دیا کہ صحابائے راشدین پر سب و شتم کرنے کا موقع ہاتھ لگے اگر حضرت علی کی جھوٹی اور دور از قیاس باتوں سے کتنی ہی توہین کیوں نہ ہوتی ہو۔

حضرت علی بذات خود ایک جری اور شجاع شخص تھے مجال نہیں تھی کہ کوئی آنکھ بھر بھی دیکھ سکتا آپ جیسے بہادر تھے اسیقدر غیور بھی تھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ گلے میں رسی بھی ڈلوائیں پھر مدت تک نائب پیغمبر کا کام بھی انجام دیتے جائیں اور شیر و شکر ہوجائیں۔ خدا جانتا ہے کہ یہ ساری باتیں محض لغو ہیں اور پہلے ان باتوں کو یہودیوں نے جو بظاہر مسلمان بنے ہوئے تھے اور جو نہ صرف خلفاء راشدین اور مسلمانوں کے بلکہ اہلبیت کے جانی دشمن تھے دشمنی سے تراشا تھا اور بعد ازاں اُنکا اتنا زور ہوگیا تھا کہ مسلمانوں کے ایک فریق نے محض غلط فہمی سے انہیں تسلیم

کرلیا اور پھر روایتیں رواج پاگئیں۔

جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت صدیق اکبر کو خلافت کے کاموں میں مدد دی تھی اسیطرح حضرت عمر کو بھی مدد دی اور آپ اُن کے مدار المہام بن گئے کیونکہ جب حضرت عمر بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں تو آپ اپنی جگہ خلافت کے فرائض انجام دینے حضرت علی کو چھوڑ گئے تھے جب حضرت عمر بیت المقدس جانے لگے ہیں تو حضرت علی روکتے تھے اور نجانے دیتے تھے مگر جانا بہت ہی ضروری تھا چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور حضرت علی نے آپکے کام کو انجام دیا اسی طرح جب حضرت عثمان غنی کی خلافت ہوئی ہے آپ اُس وقت بھی ایسے ہی مشیر بنے تھے لیکن جب آپنے دیکھا کہ حضرت عثمان میں بذات خود اتنی بڑی خلافت کی باگ جس سے تنگ آکے حضرت عمر کہا کرتے تھے کاش میری ماں مجھے نہ جنتی تو میں ہرگز خلافت کا بوجھ نہ اُٹھاتا نہ سنبھل سکی اور آپ مروان کے ہاتھوں میں پڑ گئے جب حضرت علی نے یہ سانگ دیکھا تو پہلو تہی کی اُس وقت تک نہیں کی جب تک کئی کئی بار حضرت عثمان کو نہ سمجھا لیا مگر وہاں کوئی کامیابی نہیں دیکھی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عثمان ضعیف بہت ہی ہو گئے تھے اور ایسی ضعیفی کیحالت میں اُمور سلطنت کا چلانا سخت وقت تھا۔ بیشک آنکھیں بہت دہوکے دیئے گئے اور آپ چونکہ معصوم نہ تھے دہوکے میں آ گئے آپکی ذاتی کوئی خطا نہ تھی اور آپنے جو کام کیا اپنی طرف سے تو نہایت نیک نیتی سے کیا آپنے خود خلافت کی خواہش کبھی نہیں کی قوم نے آپکو خلیفہ تسلیم کیا اور اس لیئے مجبورًا آپنے ضعیفی کیحالت میں خلافت کا بوجھ اُٹھایا یہ صحیح ہے کہ جو آپ کو اپنی خلافت میں کامیابی ہوئی وہ صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اثر تھا جب تک یہ اثر رہا مسلمان برابر فتوحات میں ترقی کرتے گئے مگر جب یہ اثر جاتا رہا فتنے اور فساد پیدا ہو گئے اور ان فتنوں کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کو نہایت مظلومانہ شہادت نصیب ہوئی ایسی شہادت جس پر سنگدل سے سنگدل بھی افسوس کریگا اور اُس کے آنسو ٹپک پڑیں گے۔ آپنے فی الحقیقت اُمت محمدی کا تو بھلا ہی کیا اور آپ ہی کی خلافت میں بلاد افریقیہ وغیرہ میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی مگر آپکو کیا معلوم تھا کہ آپ ہی کے قریبی رشتہ دار ایک دن آپ کی ہلاکت کے باعث ہونگے۔

اگر حضرت عثمان غنی کو یہ معلوم ہوتا کہ مجھے دہوکا دیا جا رہا ہے تو آپ ضرور اس کا انتظام فرماتے۔ آپ یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ آپ کیوجہ سے اسلام میں فساد پھیلے۔ ہمیشہ جو کچھ فساد اُٹھا کوفہ سے اُٹھا۔ ابھی اطمینان سے خلافت ہو رہی تھی کہ کوفیوں میں یہ بحث شروع ہوئی کہ چونکہ حضرت عثمان اپنے ہی رشتہ داروں عامل بنا کے بھیجتے ہیں اس لیئے انھیں خلیفہ نہیں ماننا چاہیئے سعید بن العاص ؓ والیئے کوفہ کو جب خبر لگی کہ اس طرح کوفی حضرت عثمان کے خلاف چرچا کر رہے ہیں اُس نے فورًا حضرت عثمان کو اس امر کی اطلاع دی آپنے فرمایا کہ ان لوگوں کے سرغناؤں کو امیر معاویہ کے پاس بھیجدو تاکہ امیر معاویہ انکے شکوک رفع کر دیں۔ چنانچہ والیئے کوفہ نے فورًا اُن لوگوں کو معاویہ کے پاس روانہ کر دیا۔ معاویہ نے اُن کی بڑی خاطرداری کی اور سمجھایا کہ تم ایسی باتیں نکرو ان سے فساد پھیلنے کا اندیشہ ہے تمھیں کچھ اسلام کا بھی پاس ولحاظ کرنا چاہیئے یہ سن کے وہ برافروختہ ہوئے اور اُن میں سے ایک شخص نے جس کا نام صعصعہ تھا امیر معاویہ کی عین دربار میں ڈارہی پکڑلی واہ رے تحمل اور بردباری کہ امیر معاویہ

نے اُف تک نہ کی اور حضرت عثمان غنی کو اُنکی آتش مزاجی کی ساری کیفیت لکھ بھیجی۔ حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ ان پر ہرگز سب وشتم نہ کیا جائے بلکہ اُنھیں واپس سعید ابن العاص کے پاس بھیجدیا جائے۔ سعید ابن العاص نے انھیں بہت کچھ اونچ نیچ کے پہلو سمجھائے اور اُنھیں بتایا کہ اگر تمھاری ان باتوں سے کوئی فساد ہوگیا تو اسلام میں خونریزی کے تم ذمہ دار ہوگے یہ لوگ بظاہر تو کچھ دھیمے ہوگئے مگر ان کے دلوں میں فتنہ کی آگ جلتی رہی۔ ۳۴ ویں سال ہجری سعید خود حضرت عثمان کیخدمت میں حاضر ہوئے اور ساری کیفیت عرض کی حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ اخیر وہ لوگ چاہتے کیا ہیں۔ سعید نے عرض کیا کہ وہ ابو موسیٰ اشعری کو چاہتے ہیں۔ آپ نے فوراً ابو موسیٰ اشعری کو کوفہ کا والی بناد یا۔ اس سے زیادہ اور آپ کیا کر سکتے تھے۔ آپ مسلمانوں کی بہتری چاہتے تھے اور آپ کی کوئی غرض نہ تھی۔ یوں تو اپنے رشتہ داروں سے فطرتاً سب ہی کو محبت ہوتی ہے۔ مگر آپ مسلمانوں کے آگے کسی کی رورعایت نہ فرماتے تھے۔ کوفیوں کے کہنے سے ابو موسیٰ اشعری بھی حاکم ہوگئے۔ پھر بھی سرگوشیوں کا دروازہ بند نہوا اور اخیر یہانتک نوبت پہنچی کہ صحابہ میں سے چند صحابی آپکے کھلم کھلا مخالف بن گئے۔ ان میں زید بن ثابت ابو رشید السعدی۔ کعب بن مالک اور حسان بن ثابت تھے۔ یہ صحابہ اسقدر مخالف ہوئے کہ جہاد کا فتویٰ دینے پر راضی ہوگئے۔ ہم ان صحابہ کی شان میں جو حضرت عثمان غنی سے مخالف ہوگئے تھے کوئی سوء ظنی نہیں رکھتے بلکہ اتنا ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ عام افواہوں نے اُنکے ایسے کان بھرے تھے کہ وہ بلا تحقیق بغاوت پر آمادہ ہوگئے اور جو الزام اُنھوں نے حضرت عثمان پر لگائے وہ یہ تھے۔ اول حضرت عثمان نے حکم ابن العاص کو جسے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جلاوطن کردیا تھا اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر نے اُسے گھسنے نہ دیا تھا مدینہ میں واپس بلالیا۔ دوم آپنے مروان بن الحکم کو پانچواں حصہ افریقیہ کے محصول کا جو پانچ لاکھ دینار سالانہ کی آمدنی تھی دیدیا۔ سوم باغ فدک جو حضرت علی کے خاندان میں چلا آتا تھا چھین کے مروان کو دیدیا اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک مروان کی اولاد اُس باغ پر قابض رہی۔ یہ الزام ہیں جو آپ پر اُسی زمانہ میں قائم ہوئے تھے اور ان الزاموں کا یہانتک چرچا ہوا تھا کہ عبدالرحمن کندی نے چند اشعار بھی موزوں کردیئے تھے جن کا خلاصہ یہ ہے قسم ہے خدا کی : خدائے تعالیٰ نے کوئی امر بے قاعدہ اور لغو نہیں بنایا مگر تونے (حضرت عثمان غنی کی طرف خطاب) ہمارے واسطے فتنہ پیدا کیا ہے تاکہ اُس میں ہماری اور تیری آزمایش کیجائے۔ جو دو خلیفہ پہلے گزرے وہ ہدایت کا ایک مینار بنائے گئے تھے اور کبھی اُنھوں نے ایک درہم بھی فریب سے نہیں لیا نہ کوئی درہم اپنی خواہش نفس میں صرف کیا۔ تونے ایک لعین کو اپنی ناک کا بال بناکے گزشتہ سنت کے خلاف راہ اختیار کی اور پانچواں حصہ جو حق العباد تھا لوگوں کے گلے پر چھری پھیر کے اپنا کنبہ پالا"۔ غرض اس قسم کی آوازیں جن میں خونریزی کی بو آتی تھی چاروں طرف سے آنے لگیں اور ایک تہلکہ عظیم برپا ہوگیا۔ اگرچہ مذکورۂ بالا اعتراض محض لغو اور بے معنی ہیں اور وہ ایسے سنگین نہیں ہیں جو اتنی بڑی خونریزی کے باعث ہوتے پھر بھی روز بروز ان پر رنگ چڑھتا گیا اور ہوتے ہوتے یہانتک پہنچی کہ افسوسناک شہادت کا ظہور ہوگیا۔

اس شہادت کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ کوفہ اور بصرہ اور مصر سے قریب ایکہزار آدمیوں کے مدینہ میں جمع

ہوئے اور اُنھوں نے اپنے اپنے پسند کے خلیفہ بنانے چاہے۔ مصری تو یہ کہتے تھے کہ حضرت علی خلیفہ بنیں اور کوفی حضرت زبیر کو اور اہل بصرہ طلحہ کو امیر المومنین بنانا چاہتے تھے۔ جب پہلا جمعہ ان لوگوں کے داخل ہونے پر آیا تو حضرت عثمان گھر سے باہر تشریف لائے اور مسلمانوں کے ہمراہ نماز پڑھی جب آپ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تو آپنے فرمایا اے لوگو تم جانتے ہو کہ تم جیسے لوگوں پر ہمیشہ رسولِ خدا نے لعنت کی ہے۔ یہ سنتے ہی وہ سب آگ بگولا ہو گئے۔ مدینہ کے بھی بہت سے آدمی اُنکے ساتھ شریک ہو گئے اور لڑائی ہونے لگی۔ طرفین سے پتھر مارے جانے لگے۔ چنانچہ اس طوفانِ بے تمیزی میں بمشکل چند آدمیوں نے حضرت عثمان کو گھر تک پہنچایا۔ پہلے آپکے ایک پتھر ایسا سخت لگا کہ آپ بیہوش ہو کے ممبر پر گر پڑے تھے۔ مدینے کے لوگوں میں سے جنھوں نے مقابلہ کیا تھا وہ یہ تھے سعد بن ابی وقاص حضرت امام حسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بڑے صاحبزادے زید بن ثابت اور حضرت ابوہریرہ۔ حضرت عثمان جب گھر میں داخل ہوئے تو اپنے ساتھیوں سے واپس جانے کی بابت کہلا بھیجا۔ چالیس یا پچاس روز تک آپ اپنے گھر میں محصور رہے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کی حالت روز بروز نازک ہوتی جاتی ہے اور خوف معلوم ہوا مبادا مدینہ منورہ کی مقدس شاہراہیں مسلمان کے خون سے تر ہوں آپ سیدھے حضرت عثمان غنی کے پاس آئے اور کہا کہ آپ مروان کو موقوف کر کے کیوں نہیں فساد کو دفع کرتے۔ حضرت عثمان نے کہا میں فساد نہیں چاہتا مجھے جو کچھ تم تدبیر بتاؤ منظور ہے۔ چنانچہ آپنے فرمایا اول تو مروان کو میر منشی گری سے موقوف کیجیے دوسرے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر سے معزول کر دیجیے حضرت عثمان نے کہا مجھے بدل منظور ہے یہ سنتے ہی حضرت علی باہر آئے اور لوگوں کو سمجھایا کہ تمھارے حسب منشا رکام ہو گیا۔ وہ یہ سنتے ہی خوش ہو گئے اور سب اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ حضرت علی کے جاتے ہی مروان آیا اُس نے کہا دیکھئے ایسا نہ کیجئے گا آپ کے لئے بہتر نہ ہوگا حضرت عثمان نے جواب دیا میں مسلمانوں میں فساد نہیں چاہتا اور علی سے وعدہ کر چکا ہوں اپنے قول سے کبھی نہیں پھرنے کا۔ لاکھ کچھ مروان نے سر ٹپکا لیکن حضرت عثمان نے نہ مانا اور فوراً ابن ابی سرح کو موقوف کر دیا۔ اور محمد حضرت ابوبکر کے صاحبزادے کو مصر کا عامل بنا کے روانہ کیا۔ محمد کے ساتھ انصار اور مہاجرین کا بہت بڑا گروہ روانہ ہوا جب یہ کچھ فاصلہ پر پہنچے تو اُنھوں نے ایک سانڈ سوار آتا ہوا اُس سے دریافت کیا کہ تو کہاں جاتا ہے اُس نے کہا کہ میں مصر کے حاکم کے پاس جاتا ہوں محمد کے ہمراہیوں نے محمد کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ عامل تو یہ ہو گئے ہیں اب تو کہاں جاتا ہے اُس نے کہا کہ موجودہ عامل کے پاس مجھے ایک خط پہنچانا ہے یہ سنتے ہی محمد نے اُسے گرفتار کر لیا جب اُسکی تلاشی لی تو معلوم ہوا کہ اُس کے پاس حضرت عثمان کا مہری ایک خط ہے جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ جس وقت محمد تمھارے پاس پہنچے اُسے فوراً قتل کر ڈالنا۔ یہ دیکھتے ہی محمد معہ ہمراہیوں کے مدینہ واپس چلے آئے اور کل صحابہ کو جمع کر کے وہ خط دکھایا۔ خط دیکھتے ہی سب کے آگ لگ گئی اور ایک شور و غوغا مچ گیا۔ سب ملکے حضرت عثمان کے پاس آئے اور وہ خط پیش کیا آپنے فرمایا کہ مہر بھی میری ہے اور خط بھی میرے منشی کا ہے مگر مجھے اس کا علم نہیں ہے غرض آپنے قسم کھائی اور بالکل اپنی لاعلمی ثابت کر دی۔ صحابہ کو یقین

آ گیا اور اب چونکہ مروان ملزم ثابت ہو چکا تھا کل صحابہ نے مروان کو حضرت عثمان سے مانگا مگر آپ دینے پر راضی نہ ہوئے۔ پھر کیا تھا بغاوت کی آگ جو چند روز سے دبی ہوئی تھی بھڑک اٹھی اور نئے سرے سے لوگوں نے آپ کے مکان کو گھیر لیا۔ جب حضرت عثمان کی جان کے لینے کے دینے پڑ گئے اور حضرت علی نے اس خوف کو زیادہ محسوس کیا تو اپنے بڑے بیٹے حسن علیہ السلام کو دروازہ پر کھڑا کر دیا اور حکم دیدیا کہ بیٹا دیکھنا کوئی شخص اندر نہ داخل ہونے پائے اسیطرح حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو اور طلحہ نے اپنے بیٹے محمد کو دروازہ پر پہرہ دینے کے لیئے مقرر کیا۔ لوگوں نے اندر گھس جانا چاہا تینوں صاحبزادوں نے روکا یہانتک کہ حضرت امام حسن تو اسقدر زخمی ہوئے کہ خون میں نہا گئے تو بھی دروازہ کی راہ سے کسیکو اندر نہیں گھسنے دیا آخیر باغی دیواروں پر چڑھ کے ایک ہمسایہ کے گھر میں جا کودے اور پھر حضرت عثمان کے مکان میں آ گئے۔ ان میں محمد حضرت ابوبکر کے صاحبزادے بھی تھے جوں ہی یہ لوگ اندر داخل ہوئے اور حضرت عثمان کیطرف بڑھے آپکے غلاموں نے مقابلہ کیا طرفین کے کچھ لوگ مقتول و مجروح ہوئے آخیر سب سے پہلے محمد پہنچے اور اُنھوں نے حضرت عثمان کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمان نے آبدیدہ ہو کے فرمایا تجھے شرم نہیں آتی کہ تیرا باپ اس ڈاڑھی کی بڑی توقیر کرتا تھا اور آج تو اسے پکڑ کے گھسیٹتا ہے۔ یہ ایسے پر اثر جملے تھے جنہوں نے جادو کا اثر کیا محمد ڈاڑھی چھوڑ کے پچھلے قدموں ہٹ گئے پھر ایک شخص نے آگے بڑھ کے تلوار کا وار کیا آپ کی بی بی نے تلوار کا وار اپنے ہاتھ سے روکا اُن کی انگلیاں اور آدھا ہاتھ کٹ گیا پھر آپ کو شہید کیا۔ جس وقت شہید ہوئے ہیں قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے اور اُس دن روزے سے بھی تھے۔ یہ جانکاہ حادثہ ۱۸ ذی حجہ ۳۶ھ ہجری کو وقوع میں آیا۔ آپ نے قریب قریب بارہ سال تک خلافت کی آپ کی عمر شہادت کیوقت نوے سال کی تھی۔ تین روز تک آپ دفن نہیں کیئے گئے۔ آخیر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کوشش کر کے آپ کی تجہیز و تکفین کی۔

اب یہاں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ شروع ہوتی ہے کہ آپ کے بارے میں کسقدر اختلاف خیال ہے اور مورخ کیا لکھتے ہیں ہم پہلے مختلف تاریخوں سے واقعات قلمبند کرتے ہیں اور پھر اُن پر رائے دینگے۔ یہ وہ واقعات ہیں جو ایک حد تک مسلم ہیں اور انھیں کم و بیش سب نے تسلیم کیا ہے۔ مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت عثمان کے محصور ہونے کے زمانے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج بیت اللہ شریف کرنے گئی ہوئی تھیں کہ اسی اثنا میں آپ کو خبر پہنچی کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ جس شخص نے آپسے یہ روایت بیان کی ہے آپ نے اُس سے دریافت کیا کہ مسند خلافت پر کون بیٹھا اُس نے جواب دیا کہ علی مرتضیٰ یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا "انا للہ وانا الیہ راجعون" اس واقعہ حال مکہ کے راستے میں سنا تھا آپنے فرمایا کہ میں مکہ واپس جاتی ہوں مدینہ اب میرے رہنے کے قابل جگہ نہیں رہی۔ اور یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ حضرت عثمان مظلوم شہید ہوئے اور میں ضرور اُنکے خون کا انتقام لونگی۔ اس پر عبید سلمان نے کہا تعجب ہے اے عائشہ پہلے تو تم یہ کہا کرتی تھیں "اقتلوا نعثلا فانہ قد کفر" یہ ہے روایت جو بیان کی گئی ہے جس کا سر نہ پیر۔ اول تو کسی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قتل عثمان کی خبر سنتے ہی حضرت بی بی عائشہ نے یہ کہا ہو دوسرے یہ محض غلط ہے کہ رستہ میں آپ کو

یہ خبر لگی۔ آپ ابھی تک مکہ معظمہ ہی میں تھیں جب وہ سانحہ ہوا ہے آپ کو سب سے پہلے طلحہ اور زبیر نے یہ خبر دی تھی اور یہ دونوں اگرچہ جلیل القدر صحابہ تھے مگر خلافت کی انکی بھی خواہش تھی اور مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ آپ کے بھی ساتھ تھا۔ جب حضرت عثمان شہید ہو چکے اور دفن ہو چکے تو یہ دونوں حضرت علی کے پاس گئے تھے اور کہا تھا کہ آپ خلیفہ بنیئے۔ حضرت علی نے خلیفہ بننے سے انکار کیا کیونکہ حضرت علی مسلمانوں کی باہمی کشش کو دیکھ چکے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے ہرگز منظور نہیں ہے تم چاہے جسکو خلیفہ بنا دو جب کوئی خلیفہ ہو جائیگا میں اُسکے ہاتھ پر بیعت کرلوں گا طلحہ نے جواب دیا سوائے آپ کے اب کوئی خلافت کے قابل نہیں ہے آپ انکار نہ کیجیے اور بسم اللہ کیجئے تاکہ ہم آپکے ہاتھ پر بیعت کریں حضرت علی بڑی گفت وشنود کے بعد راضی ہوگئے اور سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی حضرت طلحہ کا ایک ہاتھ جنگ احد میں ٹنڈا ہو گیا تھا جوں ہی حبیب ابن ذویب نے یہ سنا کہ ٹنڈے طلحہ نے بیعت کی تو انھوں نے بیساختہ کہا "انا للہ وانا الیہ راجعون" کیونکہ اول جس شخص نے بیعت کی وہ ہاتھ کا ٹنڈا ہے اب یہ امر بیعت تمام ہوتا ہوا نہیں معلوم ہوتا یہ کہکر ابن ذویب نے بیعت کی پھر حضرت زبیر نے بیعت کی۔ اگرچہ ابھی تک ایک بڑا گروہ حضرت علی کو خلیفہ بنانے پر راضی نہ تھا مگر پھر بھی کثرت رائے آپ کی طرف تھی اور آپ خلیفہ بن گئے مگر بڑی غلطی جو آپنے کی وہ یہ تھی کہ آپ نے حضرت فاروق اعظم کے صاحبزادہ عبداللہ کو سزائے موت دینی چاہی کیونکہ انھوں نے ایرانی شاہزادہ کو قتل کردیا تھا حضرت عثمان کے سامنے بھی یہ مقدمہ پیش ہوا تھا چونکہ ... علی کرم اللہ وجہہ کی یہ منشا کی رائے تھی کہ اسے ضرور سزائے موت دینی چاہیئے اور کل صحابہ معہ حضرت عثمان اس کے خلاف تھے اس لیئے عبداللہ چھوڑ دیئے گئے تھے اس میں شک نہیں کہ حضرت علی حق پر تھے اور وہ اس سبے رو رعایت قانون کا عملدرآمد کرتے تھے جو اسلام نے قائم کیا تھا مگر قاتل کے عذر کو بھی سننا ضرور چاہیئے تھا اور مصلحت وقت بھی دیکھنی چاہیئے تھی۔ بہرحال کچھ ہوا مخالفت کی بنیاد اول تو اس سے قائم ہوئی۔ اور اس سے اور بھی مضبوطی پکڑ گئی کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا حالانکہ وہ لوگ زیادہ تعداد کے نہ تھے اگر چاہتے تو ممکن تھا اور ہرگز فساد نہ ہوسکتا تھا مگر ڈر یہ تھا کہ مبادا زیادہ خونریزی نہ ہو جائے اور مدینہ پر نئے سرے سے مصیبت آپڑے جو صحابہ آپ پر اصرار کر رہے تھے وہ بھی صحیح تھے اور آپ بھی اپنے خیال میں صحیح تھے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر گھر ہی میں یہ فساد نہ ہوتا تو آپ ضرور قاتلوں سے انتقام لیتے مگر سردست قاتلوں کو گرفتار کرنا اور اُنھیں سزائے موت دینی خیال میں نہ آئی اور آپکے خیال میں کسی طرح بھی خامی نہ تھی۔ صدہا آدمیوں کو خون ہو جانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ اُدھر صحابہ کا جوش بڑھ رہا تھا اور یہ جوش بھی بیجا نہ تھا کیونکہ ضعیف اور مقدس خلیفہ واقعی بیگناہ بہت ہی بیدردی سے شہید کیا گیا تھا۔ جب یہ ثابت ہو چکا تھا کہ قصور مروان کا ہی پھر مروان ہی کو پکڑو ہونا بھلا حضرت عثمان نے کیا بگاڑا تھا کہ بزدلوں نے آپ کو شہید کردیا اُن سے زیادہ بزدل اور کون ہوگا جن کا ہاتھ نوے برس کے بڈھے پر اُٹھے۔

غرض جب صحابہ کے پے درپے اصرار کا حضرت علی نے صاف جواب دیدیا کہ جب تک میں کافی طور پر

پر قوی نہ ہو جاؤں اور انتظام نہ کر لوں حضرت عثمان کے قاتلوں پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا تو صدہا صحابہ ناامید ہو گئے اور اُنھوں نے علانیہ بیعت کرنے سے انکار کر دیا طلحہ اور زبیر اگرچہ بیعت کر چکے تھے مگر اُنھوں نے اپنی بیعت واپس لے لی اور وہ بھاگ کے مکہ چلے آئے کہتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر کو جان کا بھی خوف تھا اور انھیں یقین تھا کہ حضرت علی ہمیں قتل کروا ڈالیں گے جب ان دونوں نے حضرت بی بی عائشہ سے ساری کیفیت بیان کی تو انھیں سخت ناگوار گزرا اور اُنھوں نے کہا کہ علی کا پہلا فرض یہی تھا کہ عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کرتا ابھی طلحہ اور زبیر سے مشورہ ہی ہو رہا تھا کہ عبداللہ بن عامر بصرہ سے آ گیا اور یعلی بن اُمیہ یمن سے اور یہ دونوں بکثرت روپیہ اپنے ساتھ لیکے آئے اور پھر باہم مشورہ ہونے لگے حضرت بی بی عائشہ کہنے سننے میں آ گئیں اور واقعی بات یہ ہے کہ اُنھوں نے کسی بدنیتی سے مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ بتقاضائے فطرت اُنھیں حضرت عثمان کی شہادت کا جوش اسقدر تھا کہ دنیا تاریک ہو رہی تھی۔ وہ صرف حضرت عثمان کے لیے ہزاروں کی جان قربان کر دینے پر آمادہ تھے اور یہ جوش اُن کا اسلامی تھا۔ قصہ مختصر یہ کہ یہاں مدینہ میں حضرت علی خلیفہ بنائے گئے اور مکہ میں خونریز مشورہ ہونے لگے۔ اخیر حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو راضی کر لیا کہ وہ بصرہ چلی چلیں بصرہ میں جانے تک متعدد روایتیں ہیں اور مورخوں میں ایک عجیب اختلاف واقع ہوا ہے ایک روایت تو یہ ہے کہ عبداللہ بن عامر نے ورغلان کر آپسے کہا تھا کہ بصرہ میں میرے ہوا خواہ بہت کثرت سے ہیں وہاں ہمیں کامیابی ہو گی دوسری روایت یہ ہے کہ طلحہ نے کہا تھا کہ بصرہ کا بصرہ میرا معتقد ہے اگر ہم وہاں گئے تو سب ہمارے ساتھ ہو جائیں گے اور ہم بآسانی خون عثمان کا عوض لے سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت عائشہ کا ارادہ ہو گیا تو مکہ میں آواز لگا دی گئی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین خون عثمان رضی اللہ عنہ کے لیئے کمربستہ ہوئی ہیں جس شخص کو ام المومنین کا ساتھ دینا ہو وہ آمادہ ہو جائے چنانچہ دو ہزار مسلمان اور مدینہ منورہ کے ہمراہ ہو گئے تیسری روایت یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت بی بی عائشہ ام المومنین ام سلمہ کے پاس آئیں اور اُن سے مشورہ لیا کہ میں امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتقام لینا چاہتی ہوں حضرت بی بی ام سلمہ نے سمجھایا یہ تم کیا غضب کرتی ہو حضرت علی کے مقابلہ میں آمادہ پیکار ہوتی ہو تمھیں وہ حدیث یاد ہے کہ جب رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میری بی بیوں میں سے ایک بی بی باغی ہو گی اور ایک تیز اونٹ پر سوار ہو کے جدال و قتال کریگی تو میں یہ سُن کے خوف کے مارے گر پڑی تھی اور میرے اس خوف زدہ ہو کے گرنے پر رسول کریم نے مسکرا کے فرمایا تھا کہ تم کیوں ڈرتی ہو فلاں بی بی ایسا کریگی اشارہ تمھاری طرف تھا دیکھو بچو! اور اس آفت میں نہ پڑو اعلی کا مقابلہ کرتی ہو؟ یہ بات ٹھیک نہیں ہے تعجب ہے عائشہ جسے تم کافر کہتی تھیں اب تم ہی اُسے امیر المومنین کہتی ہو یہ سُن کے عائشہ ڈر گئیں اور کہا میں اپنا ارادہ عراق عرب جانیکا ترک کرتی ہوں اب کبھی نجاؤنگی ام سلمہ تم سچ کہتی ہو۔ جب حضرت عائشہ اپنے جاے قیام پر آئیں اور زبیر کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے صاف کہا کہ اگر تم نہ چلوگی تو میں دیوانہ وار جنگلوں میں نکلجاؤنگا اور پھر کبھی منہ نہ دکھاؤنگا اور ساتھ ہی میں خودکشی کر لونگا زبیر حضرت بی بی عائشہ کے بھانجے تھے اور آپ اپنے بھانجے سے محبت بھی بہت کرتی تھیں ناچار راضی ہو گئیں اور ام سلمہ کی نصیحت کا کچھ بھی خیال نہ رہا۔ یہ روایتیں ہیں جو اٹکل پچو بیان کیجاتی ہیں کجا حضرت رسول کریم کی حدیث

اور کچا ام سلمہ کا اُس حدیث کو دہرانا یہ سب بے بنیاد اور بنائی ہوئی باتیں ہیں جنھیں صدق سے کوئی بھی علاقہ نہیں حضرت جانتے بھی تھے کہ عائشہ باغی ہوگی اور پھر موالست بھی بڑھاتے جاتے تھے۔ نہ اُس وقت ام سلمہ کا مکہ میں موجود ہونے کا ثبوت ہے نہ حضرت بی بی عائشہ کا اُن سے مشورہ لینے کا۔ بات صرف یہ ہوئی کہ صحابہ نے حضرت بی بی عائشہ کو ڈرایا کہ اگر تم مدینہ میں گئیں تو علی اچھا سلوک نہیں کرینگے۔ ہر شخص فطرتاً اپنی عزت چاہتا ہے آپ چونکہ خاتون تھیں یقین آگیا اور آپ بجائے مدینہ کے بصرہ چلی گئیں۔ نہ آپنے کبھی حضرت عثمان کو کافر کہا نہ آپ کو امور سلطنت میں دخل دینے سے کچھ سروکار تھا۔ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ آپ نے حضرت عثمان کو کافر کہا تھا تو پھر دقت یہ ہوتی ہے کہ حضرت عثمان کو ایک دن بھی خلافت کیوں نصیب ہوئی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر بہ نسبت اور ازواج پاک کے مسلمانوں پر بہت ہی تھا اگر آپ کوئی نقص حضرت عثمان میں دیکھتیں تو ضرور عام مسلمانوں پر اُس کا اثر پڑتا اور سب بر سر پرخاش اُٹھ کھڑے ہوتے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلہ میں صف آرا ہونیکی پروا نہ کی تو حضرت عثمان سے برسر پیکار ہونا بہت بڑی بات نہ تھی۔ ممکن نہیں ہو سکتا کہ ایک ام المومنین مدینہ ہی میں رہے اور خلیفہ وقت کی نسبت کفر کا فتویٰ دے اور پھر خاموشی کے ساتھ سن لیا جائے نہ حضرت عثمان اپنی برئیت کریں اور نہ مسلمان کچھ چون و چرا کریں۔ یہ ساری باتیں خیر القرون اور عقل کے خلاف ہیں اور ہر شخص جس نے کچھ بھی ان واقعات پر غور کی ہے ہرگز انکی صداقت کی شہادت نہیں دیگا۔

یہ ساری باتیں محض مضحکہ خیز ہیں صرف اسی قدر صحیح ہے کہ آپ بصرہ تشریف لیگئیں اور وہاں حضرت علی سے جنگ ہوئی جسکی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب حضرت بی بی عائشہ بصرہ پہنچیں تو پہلا حملہ عثمان بن حنیف پر ہوا جس نے خفیف مقابلہ کے بعد شکست کھائی اور قید کرلیا گیا اُسکی ڈاڑھی منڈوانے اور موچھیں اُکھڑوانے کا قصہ گھڑا ہوا ہے جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے سُنا آپ ایک فوج کثیر کے ساتھ حملہ آور ہوئے حضرت علی کی فوج کا علمدار محمد ابن حنفیہ تھا لشکر کے میمنہ پر حضرت امام حسن میسرہ پر حضرت امام حسین رسالہ پر عمار بن یاسر اور پیادہ فوج پر محمد بن ابی بکر الصدیق یعنی بی بی عائشہ کے بھائی تھے کوفہ کا بھی ایک بہت بڑا گروہ آپکے ہمرکاب تھا مقام خریبہ میں یہ لڑائی ہوئی حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زبیر کو پیغام بھیجا کہ تم ذرا مجھسے آکے ملو چنانچہ زبیر آئے تو حضرت علی نے فرمایا تمکو یاد نہیں زبیر کہ تم سے فلاں روز رسول خدا نے کیا کہا تھا کہ علی کو دوست رکھنا اور اب تم مجھسے لڑتے ہو حضرت زبیر اس کہنے سے بہت ہی متاثر ہوئے اور ارادہ جنگ ملتوی کردیا مگر جب وہ اپنے لشکر گاہ میں واپس گئے آپ کے صاحبزادہ نے کہا کہ تم قسم کو توڑ ڈالو اور اُس کا کفارہ دیدو چنانچہ آپنے عہد شکنی کے کفارہ میں اپنا غلام مکحول نامی آزاد کردیا اخیر میدان جنگ گرم ہوا اور ایک سخت جنگ کے بعد بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو شکست ہوئی جس اُونٹ پر آپ سوار تھیں اُس کا نام عسکر تھا وہ بھی جنگ میں مارا گیا اس جنگ میں مقتولین کا شمار دس ہزار کیا جاتا ہے شکست ہونیکے بعد حضرت علی نے محمد بی بی عائشہ کے بھائی کو آپکے پاس بھیجا اور ہر طرح کی دلجوئی کی اور محمد نے اپنی بہن کو عبداللہ بن خلف کے مکان میں اُتارا اور بعد ازاں حضرت علی نے بڑی حفاظت سے اپنے صاحبزادوں کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا۔ اِس جنگ میں طلحہ اور زبیر بھی کام آئے جب حضرت علی نے طلحہ کی لاش دیکھی تو بیساختہ

روتے لگے اور اُن کے جنازہ کی خود نماز پڑہا کے اُنھیں دفن کر دیا یہ ہے مختصر کیفیت جنگ جمل اور حضرت بی بی عائشہ کے واقعات زندگی کی۔ طرفین میں محض ایک غلط فہمی تھی جس سے یہانتک طول کھچا حضرت علی کسی مصلحت سے حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار نکرتے تھے اور جو لوگ اس میں تساہل کو ناواجب سمجھتے تھے وہ آمادۂ پرخاش ہوگئے تھے یہ ایک رائے کی غلطی تھی اور بس اگرچہ یہ ضرور ہے کہ اس جنگ میں ہزاروں صحابہ بلا وجہ شہید ہوئے اور اسلام کے لئے یہ ایک افسوسناک مقام تھا مگر غلط فہمی کا کوئی علاج نہ تھا اور اس کا ثمرہ مسلمانوں نے دیکھا اس میں شک نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک بہت کچھ امن رہا اور جو کچھ ترقی مسلمانوں کو ہوئی وہ صرف حضرت عمر ہی کی صائب تدبیری کا نتیجہ تھا۔ خلافت یا حکمرانی سے مذہب کو کوئی بھی تعلق نہ تھا یہ ایک بادشاہت تھی جسے مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے جس طرح کمزور شاہ کی تخت نشینی پر بغاوتیں ہوتی ہیں اسی طرح حضرت عثمان اور حضرت علی کے زمانہ میں بغاوتیں ہوئیں۔ لڑائیاں ہوئیں اور خونریزیاں ہوئیں ہمیشہ سے دنیا کا یہی دستور چلا آتا ہے اور اب بھی موجود ہے۔ مخالفت کی اس میں کوئی بات تو نہیں معلوم ہوتی حضرت علی اس امر کو خوب جانتے تھے اور آپ نے کبھی ان کو مذہبی جنگیں نہیں خیال فرمائی ہیں دشمن کے جنازہ کی نماز پڑھا کے آپ نے اس کا ثبوت دیدیا کہ یہ مذہبی لڑائی نہ تھی۔ ہم سب بھائی ہیں اور جب ایک شخص مر چکا ہو اُسکے لئے دعائے خیر ہی کرنی چاہئے۔ خوب سمجھ لیا جائے کہ جتنی بغاوتیں ہوتی ہیں وہ سب ذاتی دشمنی کی بنا پر نہیں ہوا کرتیں دنیا کی سلطنتوں میں اول روز سے بغاوتوں کا سلسلہ جاری ہے باغی ہرگز اپنے آقا کے دشمن نہیں ہوتے بلکہ اُس سے غیر معمولی رعایتیں اور حقوق چاہتے ہیں اور اُسے دینے میں تامل ہوتا ہے اس لئے وہ بغاوت پر آمادہ ہوتے ہیں کامیاب ہوگئے وہ حقوق لے لئے ناکام ہوئے پھر اپنی اُسی حالت پر آگئے اور بس اور بی بی عائشہ کی بھی یہی مثال ہے اگرچہ ہم اُنھیں ہرگز باغی نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ صرف خون عثمان کے لئے لڑی تھیں اور آپ چند حقوق کی طلبگار تھیں اگر جنگ میں کامیاب ہو جاتیں لے لیتیں ناکام رہیں اپنے گھر جا بیٹھیں نہ کچھ لڑائی تھی نہ جھگڑا تھا۔

یہ ہیں حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوانح عمری جو نہایت اختصار کے طور پر بیان کئے گئے آپکے واقعات زندگی میں کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جو عجیب ہو اور ساتھ ہی آپکے شایان بھی نہ ہو۔ آپ کو یہ غلط فہمی پڑ گئی تھی کہ حضرت علی قدرت ہونے پر بھی حضرت عثمان کے قاتلوں کو نہیں پکڑتے اور حضرت علی نے اُنکے نہ گرفتار کرنے اور نہ سزا دینے کی کوئی مصلحت سوچ رکھی تھی جسے وہ خود ہی بخوبی سمجھتے تھے۔ حضرت علی کچھ ایسے وقت سے خلیفہ بنے تھے کہ آپ کی شہادت تک برابر خونریزی کا سلسلہ جاری رہا اور اخیر آپ کی جان بھی قبل از وقت اسی میں ضائع ہوئی کیونکہ آئے دن کے فساد اور قتل و غارت سے مسلمان عاجز آگئے تھے اخیر امیر معاویہ عمر بن العاص اور حضرت علی کو قتل کر ڈالنا چاہا کہ خونریزی کا سلسلہ ختم ہو۔ خوش قسمتی سے وہ دونوں تو بچگئے اور حضرت علی شہید کر دیئے گئے۔ حضرت بی بی عائشہ کی وفات ۵۸ھ ہجری میں ہوئی آپ سے دو ہزار سے کچھ زیادہ اوپر حدیثیں منقول ہیں۔

حضرت بی بی حفصہ رضی اللہ عنہا

آپ حضرت عمر فاروق اعظم کی صاحبزادی تھیں پہلے آپ کا نکاح خنیس ابن خدافہ سے ہوا تھا جنھوں نے آپکے ساتھ ہجرت کی تھی اور جن کی وفات غزوہ بدر کے بعد ہوئی تھی آپ کی ولادت ۱۸ قبل ہجری میں ہوئی تھی جب آپکا نکاح حضور انور کے ساتھ ہوا ہے آپکی عمر ۲۱ سال کی تھی اور آنحضرت کی عمر اُس وقت پورے ۵۶ سال کی تھی ۴۵ھ میں ۶۲ سال کی عمر میں آپکی وفات ہوئی ہے آپ کے نکاح کی نسبت بہت سی روایتیں ہیں جن میں سے ہم مختصر بیان کرتے ہیں۔ جب آپ کے خاوند کا انتقال ہو چکا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تمدن عرب کے بموجب پہلے حضرت عثمان سے درخواست کی کہ میں اپنی بیٹی حفصہ کو آپکے نکاح میں دینا چاہتا ہوں کیا آپ منظور کرتے ہیں اُنھوں نے انکار کیا کہ مجھے ضرورت نہیں ہے پھر حضرت ابوبکر سے یہی درخواست کی گئی اُنھوں نے بھی انکار کیا اخیر حضور انور کی خدمت میں آپ حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کر دی حضور انور نے حضرت عمر کو شکستہ خاطر دیکھکر تسلی فرمائی اور خود اپنی رضامندی درخواست کرنے پر ظاہر فرمائی۔ یہ دیکھ کے حضرت عمر بہت ہی خوش ہوئے۔ اور اس طرح نکاح ہو گیا یہانتک تو واقعات قرین قیاس معلوم ہوتے ہیں مگر آگے چلکے روایتوں میں عجیب رنگ آمیزی ہو گئی ہے جو نہ صرف عقل ہی کے خلاف ہے بلکہ اُن روایتوں کی سند کہیں سے نہیں ملتی۔ منجملہ اُن کے ایک روایت یہ ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر نے انکار کیا تو حضرت عمر بہت ہی ناراض ہوئے اور خاموش چلے آئے مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح ہو گیا تو آپ حضرت ابوبکر صدیق کے پاس گئے۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا عمر تم جانتے ہو میں نے کیوں انکار کر دیا تھا اور میرے انکار سے تم ناراض بھی ہو گئے۔ حضرت عمر نے جواب دیا وجہ انکار مجھے نہیں معلوم ہاں ناراض تو میں بیشک ہو گیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا بات یہ ہے کہ ایک دن آنحضرت نے مجھ سے ذکر کیا تھا کہ میں حفصہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں یہی وجہ میرے انکار کی تھی اور اُس وقت میں نے نبی کا بھید کھولنا نہ چاہا تھا اس روایت کو بعض عیسائیوں نے بہت ہی رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے حالانکہ یہ سراسر غلط معلوم ہوتا ہے اگر فرض کر لیں کہ آنحضرت نے بی بی حفصہ سے نکاح کرنیکی خواہش ظاہر فرمائی تھی تو یہ نہ کوئی بھید تھا اور نہ کوئی عیب تھا اس کا چھپانا نہیں سمجھ میں آتا اور پھر حضرت ابوبکر سے اس کے ذکر کرنے کے کیا معنی تھے اگر رسول اللہ فرماتے تو حضرت عمر سے فرماتے اور وہ بہت خوشی سے قبول کر لیتے کیونکہ اس سے زیادہ فخر اور کیا ہو سکتا تھا کہ رسول کریم کے سسر بنیں۔ یہ اور ان جیسی ساری روایتیں محض بے بنیاد ہیں جنھیں صدق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ پہلے تو آنحضرت نے بی بی حفصہ کو طلاق دیدی مگر جب حضرت عمر ناراض ہوئے تو خدا کی طرف سے دوبارہ نکاح کرنے کی وحی اُتر آئی اور اس کے بعد آپ نے بی بی حفصہ کو اپنے گھر بلا لیا۔ یہ باتیں مہمل اور خلاف قیاس ہیں حدیث کی کسی مستند کتاب میں طلاق دینے کا مطلق ذکر نہیں ہاں ابن ماجہ میں ضرور طلاق کا ذکر ہوا ہے اور اس حدیث کا راوی سلمہ بن کہیل ایک شیعی مذہب کا شخص ہے جس کی روایت پر حضرت بی بی حفصہ کی نسبت ہرگز اعتبار نہیں ہو سکتا نہ کوئی وحی اُتری جس نے طلاق کے بعد دوسرا نکاح جائز کر دیا ہو۔ آپ کے بعض امور

واقعات کا بیان چونکہ حضرت بی بی عائشہ کے واقعات زندگی میں آگیا ہے اس لیئے دوبارہ مزید تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے آپ سے بھی چند احادیث کا پتہ چلتا ہے کہتے ہیں کہ آپ کی روایت سے صرف ۷۶ حدیثیں منقول ہیں۔

حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا

آپ زمانہ جاہلیت میں اپنی فیاضی اور غربا پروری میں ام المساکین مشہور تھیں آپ قبیلۂ بنو ہلال میں سے ہیں آپکے والد کا نام خزیمہ بن حرث اور والدہ کا نام ہند بن عوف تھا پہلے آپکی شادی عبداللہ بن جحش سے ہوئی تھی جن کے انتقال کے بعد ۳ھ ہجری کو آپ نے رسول مقبول سے نکاح کر لیا۔ نکاح کے وقت آپکی عمر ۲۹ سال کی تھی اور رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۶ سال کی صرف آٹھ مہینے آپ رسول کریم کے گھر میں رہیں اور ۴ھ ہجری میں وفات پا گئیں۔ آپ کی عمر بوقت وفات ۳۰ سال کی تھی اور آپ کی پیدایش ۲۶ھ ہجری میں ہوئی تھی۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

آپ کی ولادت ۲۲ھ قبل ہجری میں ہوئی تھی۔ آپ کا اصلی نام ہند تھا اور آپکی والدہ کا نام عاتکہ تھا آپ قبیلہ بنو کنانہ میں سے تھیں یہ وہ عاتکہ نہیں ہیں جو عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت کی پھوپی تھیں آپکے والد کا نام ابو امیہ تھا اور اُنھیں خدیفہ بھی کہا کرتے تھے آپ عرب کے مشہور سواروں میں مشہور تھے۔

حضرت ام سلمہ کے پہلے شوہر کا نام ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی تھا آپ اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہو کے حبشہ ہجرت کر گئی تھیں وہاں آپ کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی اور اُس کا نام زینب رکھا اسکے بعد ایک اور لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام درہ رکھا۔ ان کے علاوہ دو لڑکے سلمہ اور عمر بھی پیدا ہوئے۔ ابو سلمہ نے جب ۴ھ ہجری میں وفات پائی تو حضرت ام سلمہ کا نکاح حضرت رسولخدا سے ہو گیا۔ آپ کی عمر ۲۶ سال کی اور آنحضرت کی عمر ۵۵ سال تھی آپ نے ۸۴ سال کی عمر میں ۶۳ھ ہجری میں وفات پائی۔ آپ پر بہت نکتہ چینیاں کی گئی ہیں وہ اگرچہ سب بیہودہ اور ہیچکارہ ہیں پھر بھی ہم اُن میں سے ایک بڑی نکتہ چینی نقل کرتے ہیں جس پر معترض بہت ہی اُچھلتے کودتے ہیں اور وہ نکتہ چینی یہ ہے کہ جب حضرت ام سلمہ کے خاوند کا انتقال ہو گیا تو آپ رسولخدا کی خدمت میں گئیں اور عرض کیا مجھے کوئی چیز ایسی بتایئے کہ میں شب و روز پڑھا کروں آپ نے اُنھیں یہ دعا بتائی "اللھم اغفر لی ولہ واعطینی منہ عقبا حسنۃ" یعنی اے رب مجھے اور میری شوہر کو بخشدے اور اُسکے بعد مجھے اچھا خاوند ملا۔ جب عدت کے دن پورے ہو گئے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے باری باری سے درخواست کی مگر ام سلمہ نے منظور نہ کی پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست کی تو آپنے کہا واہ رسولِ خدا آپنے خوب درخواست کی میں بڑی عمر کی ہوں اور میرے یتیم بچے ہیں اور مجھے نکاح کرنے سے بھی شرم آتی ہے اسکے سوا تیرے پاس تو بہت سی عورتیں موجود ہیں نہ میرے رشتہ داروں میں سے کوئی موجود ہے جو میرا نکاح تیرے ساتھ کرے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میری

عمر تجھسے زیادہ ہے تو یتیموں کا کیوں فکر کرتی ہے خدا اور رسول اُنکی پرورش کرینگے اور شرم کی بابت جو تو نے کہی سو میں دعا کرونگا اور خدا تیری شرم کو کھو دیگا اور جو تو اپنے کسی رشتہ دار ہونے کی بابت کہتی ہے تو یہ سمجھ لے کہ کوئی تیرا رشتہ دار بھی ہو گا جب بھی میرے ساتھ نکاح ہونے پر ناراض نہ ہوگا" یہ ہے روایت جسے عیسائیوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور اس سے آنحضرت کی نفس پرستی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ غور کرنیکے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت ہی سرتاپا غلط ہے۔ حضرت بی بی ام سلمہ کا قول خود ہی اسکے غلط ہونیکی شہادت دے رہا ہے پہلے جملوں سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نکاح کی درخواست سخت ناگوار معلوم ہوئی پھر آپنے نامنظوری ظاہر کی اور بعد ازاں راضی ہو گئیں عجب متضاد بیان ہے جو مطلق نہیں سمجھ میں آتا۔ دوسری یہ روایت کہ وہ رسول مقبول کے پاس گئیں کہ مجھے کچھ پڑھنے کی تعلیم کریں تو آپنے قرآن مجید کی کوئی آیت نہیں بتائی حالانکہ آپ کا شیوہ یہی تھا کہ آپ ہر شخص کو قرآن مجید کی تعلیم کیا کرتے تھے کبھی آپنے غیر قرآن مجید کسی وظیفہ کے پڑھنے کے لیئے نہیں فرمایا وہاں جھاڑ پھونک کی نہ تھی بلکہ توحید کی تعلیم تھی اور بس اور اگر فرض کرلیں کہ حضرت بی بی ام سلمہ عدت ختم ہونیسے پہلے ہی دریافت کرنے چلی گئیں اور آنحضرت نے یہ دعا بتادی بھی ہو تو خیر نہیں کیا قباحت لازم آتی ہے لڑکیوں اور جوان عورتوں کو ہمیشہ نیک خاوند ملنے کی دعا مانگنی چاہیئے عورت کے لیئے اس سے بہتر دنیا میں کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ خاوند نیک ہو۔ خاوند اگر نیک ہے تو اسے جنت ہی نہیں بلکہ سلطنت ہے اور اگر بد ہے تو اس کے لیئے دنیا ہی میں دوزخ ہے فی الحقیقت جس چیز پر عورت کی زندگی کا دارومدار ہو اس کے نیک ہونے کی ضرور دعا مانگے۔ رہا اپنی شرم اور رشتہ داروں کی غیر موجودگی کی بابت کہنا تقاضائے فطرت اور تمدن ہے۔ ہر جگہ دستور ہے کہ جب تک دولہا دلہن کے رشتہ دار یا والدین نہیں بیٹھتے نکاح نہیں ہوتا اسی بنا پر بی بی ام سلمہ نے اپنے رشتہ داروں کا ذکر کیا تھا غرض اسی قسم کے لچر اور پوچ اعتراض کچھ وقعت نہیں رکھتے اس لیئے ہم ان پر زیادہ بحث بھی نہیں کرنا چاہتے اور دوسری ام المومنین کا ذکر لکھتے ہیں۔

حضرت زینب بنت حجش رضی اللہ عنہا

آپ کی ولادت ۳۳؁ قبل ہجری میں ہوئی۔ آپکے والد کا نام حجش تھا اور آپکی والدہ کا نام امیمہ تھا اور امیمہ عبد المطلب کی بیٹی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی تھیں پہلی دفعہ اُن کا نکاح ۳؁ ہجری کے شروع میں زید بن حارثہ سے ہوا ۵؁ ہجری میں زید نے اُنھیں طلاق دیدی اور پھر عدت کے ختم ہونیکے بعد آنحضرت نے اُن سے نکاح کرلیا اس وقت بی بی زینب کی عمر ۳۵ سال کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۵۸ سال کی تھی چھ سال یعنی وصال کیوقت تک آپ پیغمبر خدا کی زوجیت میں رہیں اور حضور انور کے وصال کے بعد انتقال کیا۔

بی بی زینب کے خسر کا نام شراحیل اور ساس کا نام سعدیٰ بنت ثعلبہ تھا جو قبیلہ بنی معن قبیلہ بنی طے میں سے تھیں ایام جاہلیت میں جب سعدی اپنے بیٹے زید کو لیکے جسکی عمر ۸ سال کی تھی کہیں سفر کر رہی تھیں تو رستہ میں بنو قین نے ان پر حملہ کیا اور زید کو پکڑ کے عکاظ کے بازار میں بیچنے کو لائے حکیم بن حزام نے چار سو درہم کو خرید کے اپنی پھوپی خدیجہ بنت خویلد کو دیدیا حضرت بی بی خدیجہ نے زید کو حضور انور کی خدمت میں پیش کیا آپنے فوراً انکے آزاد کردیا

انفاقاً زید کے چچا اور باپ مکہ میں آئے اور زید کو پہچان لیا اور چاہا کہ فدیہ دیکے زید کو اپنے ساتھ لیجائیں مگر زید نے جانے سے انکار کر دیا۔ اور حضور انور ہی کی خدمت میں رہنا پسند کیا اسوقت رسول خدا نے عرب کی رسم کے مطابق زید کو متبنیٰ بنا لیا۔

حضور انور نے پہلے زید کا نکاح ام ایمن سے کر دیا جس سے زید کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اُس کا نام اسامہ رکھا گیا پھر ام ایمن کا انتقال ہو گیا تو آنحضرت نے بڑے اصرار سے زید کا نکاح زینب بنت جحش سے کر دیا۔ زینب ایک عالی خاندان بی بی تھیں اور آپ اپنی قدیم رسم ورواج اور خاندانی تکبر ونخوت کی بنا پر ہرگز ایک غلام سے خواہ وہ حضور انور کا متبنیٰ ہی کیوں نہ ہو نکاح کرنا نہیں چاہتی تھیں مگر آنحضرت کو اس پر اصرار تھا اور اصرار کی یہ حکمت تھی کہ عرب میں سے وہ مغائرت اُٹھ جائے جو آزاد اور غلام میں پائی جاتی ہے کیونکہ غلام ہونا درحقیقت کوئی قدرتی عیب نہیں ہے بڑے بڑے آزاد شاہ اور ایک وسیع سلطنت کے مطلق العنان حکمراں چرخ نیلوفری کی ایک ہی گردش سے غلام بنا لیئے گئے ہیں اور سوائے اسکے اُنھیں چارہ نہیں ہوا ہے۔ کسی شخص کو جو حسب ونسب میں نجیب ہے زبردستی پکڑ کے دوسری جگہ فروخت کر دینے کا نام غلامی ہے۔ عرب ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ رومۃ الکبریٰ اور سلطنت مشرقی میں بھی غلاموں کی بہت بُری کیفیت تھی۔ ہندوستان میں اُس سے زیادہ خوفناک مظالم غلاموں کی بے گناہ جان پر توڑے جاتے تھے اُن سے شادی بیاہ کرنا تو کجا مثل جانوروں کے برتاؤ کرتے تھے اُنکی جانیں ایک جانور کی جان سے زیادہ قیمتی نہ تھیں۔ غرض انسان کی اس شرمناک حالت کو کھونے کے لیئے آپنے پہلے تو اسے اپنا متبنیٰ بنایا اور پھر ایک اعلیٰ درجہ کی شریف زادی سے اُس کا نکاح کر دیا اگرچہ زینب اپنی عالی خاندانی کیوجہ سے اور اُس قدیمی نخوت کی حیثیت سے جو اُسکے خاندان میں ملی ہوئی تھی زید سے نکاح نکرنا چاہتی تھیں مگر جبکہ قرآن مجید نے فیصلہ کر دیا تھا کہ رسول کے فیصلہ سے جو دلتنگ ہو وہ مسلمان نہیں ہے اور بی بی زینب چونکہ بطیب خاطر مسلمان ہو گئی تھیں اسلیئے مجبوراً اُنھوں نے رضامندی ظاہر کی اور زید سے اُن کا نکاح ہو گیا۔

تعمیل حکم کے بعد پھر اُسی قدیمی خون کے اثر نے اپنا رنگ دکھایا اور آپ اپنے خاوند کو بُری نظروں سے دیکھنے لگیں خاوند بی بی کی نااتفاقی طرفین کے لیئے دنیا ہی میں دوزخ بنجاتی ہے زید اپنی مغرور بی بی کی اُکھیڑ پچھاڑ سے تنگ ہو ہو کے حضور انور سے شکایتیں کیا کرتا تھا کہ میری جان ضیق میں ہے میں تنگ آ گیا ہوں اور دم ناک میں ہے آپ یہی ارشاد کرتے تھے کہ تو آشتی اختیار کرے اور کبھی طلاق دینے کا نام نہ لیجو ساتھ ہی آپ زینب کو بھی ملکے رہنے کو فرماتے اور دونوں کو صلح کیطرف مائل کرتے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ آپ زینب کے اس اثر کو کھو سکتے جو بطور ورثہ پشت ہا پشت سے اُسے پہنچا تھا اور ایسا اثر بغیر کئی پشتیں گزر جانیکے کسی طرح زائل نہیں ہو سکتا تھا۔ جب پانی سر سے گزر گیا اور زید کی زندگی محال ہو گئی تو ناچار زید نے طلاق دیدی اور عدت کے ختم ہونیکے بعد رسول کریم نے اس سے نکاح کر لیا۔

سچی کیفیت تو زینب کے نکاح کی یہ ہے جو ہم نے بیان کی۔ قرآن سے اس کا ثبوت ہے حدیثیں اسکی شاہد ہیں اور تاریخ اس کا اعتراف کرتی ہے مگر بعض مفسروں کی غلط فہمی سے حضور انور کی اطہر واقدس ذات پر جو جو کچھ نکتہ چینیاں ہوئی ہیں وہ واقعات ہی سے خلاف نہیں ہیں بلکہ سخت شرمناک ہیں اور تعجب ہوتا ہے کہ معترض کیوں ایسا اندھا ہو کے

اعتراض کرتا ہے اور نکتہ چینی کرتے وقت کیوں تہذیب اور شائستگی کو ہاتھ سے چھوڑ دیتا ہے۔ ہم اس نکاح کی فطرت پر ایک بسیط بحث کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ یہ نکاح جو محض قانون قدرت اور اعلیٰ درجہ کے تمدن کی بنیاد پر ہو کسی طرح بھی نکتہ چینی کرنے کے قابل نہیں ہے۔

پہلا اعتراض بہت بڑا یہ ہے کہ حضور انور نے اپنی بہو یعنی اپنے متبنی بیٹے کی بی بی سے نکاح کیا اور ایسا فعل ایک نبی کی شان سے کسقدر مستبعد ہے۔ معمولی توجہ کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ بہو کی حالت یا بیٹے کی بی بی ہونے کیحالت اُسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک بیٹے کا تعلق ہو اور جب تعلق منقطع ہو چکا ہو اور طلاق کی قینچی نے مناکحت کے رشتہ کو کاٹ دیا ہو تو پھر اُس عورت پر بہو کا اطلاق کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔ اب وہ بالکل آزاد عورت ہے اور ہر شخص سے باستثنائے بعض رشتہ داروں کے نکاح کر سکتی ہے اور یہ نکاح اُس کا ہر طرح جائز ہوگا۔ عرب میں اگرچہ یہ دستور تھا کہ منہ بولے بیٹے اور مُنہ بولی بہن صلبی بیٹوں اور سگی بہنوں کے برابر خیال کی جاتی تھیں مگر یہ اُنکی سخت حماقت اور غلطی تھی کوئی غیر عورت کبھی زبانی بہن بننے سے کسی قانون میں بھی اس وقت تک بہن نہیں ہو سکتی یا کوئی متبنی بیٹا قیامت تک صلبی بیٹے کے برابر نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے متبنی بیٹے کو زیادہ وقعت نہیں دی ہے اور کچھ اسلام ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور قوموں میں بھی صلبی بیٹوں کے مقابلہ میں متبنی کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ہنود کے قانون میں اگر کسی شخص کے ہاں متبنی کرنے کے بعد بیٹا پیدا ہو تو وہ بھی ضرور باپ کی جائداد کا حصہ دار بنے گا مگر اسلام نے ان رشتوں کو زیادہ وقعت سے کبھی نہیں دیکھا۔ سمجھ میں آسکتا ہے جب زینب سے زید کا تعلق قطع ہو چکا ہو پھر وہ حضور انور کی بہو کیونکر رہی۔ یہ ایک عجیب بے معنی اعتراض ہے جو کسی طرح بھی پذیرا نہیں ہو سکتا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ رسول خدا کی خواہش یہ تھی کہ زید کسی طرح طلاق دیدے تو میں اُس سے نکاح کر لوں اسکا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ اور بعض مفسروں نے اسکو خوب رنگآمیزی کرکے اور فرضی روایتوں کی بنا پر اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے اور اسی لئے عیسائیوں کو نبی معصوم کی ذات پر حملہ کرنے کا موقع ملا ہے حالانکہ جو فرضی روائتیں کہ بعض مفسروں نے تراشی ہیں اُنکو کلام مجید کے سیاق کلام سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے آنحضرت کا آسمان پر جبریل فرشتے کی گواہی پر نکاح ہونا اور آپ کا زینب کو برہنہ دیکھ لینا اور اُس پر عاشق ہو جانا یہ سب چڑے چڑیا کی کہانیاں ہیں جنھیں واقعات سے کچھ بھی سروکار نہیں ہے کوئی نادان سے نادان شخص بھی یہ نہیں کہسکتا کہ عورت خواہ کیسی ہی خوبصورت کیوں نہو کبھی برہنگی کیحالت میں وہ خوشنما ہو سکتی ہے؟ عورت کی خوبصورتی لباس پر منحصر ہے اور لباس ہی اُس میں صدہا خوبیاں پیدا کرکے اُس کے اصلی عیبوں کو بھی ایک حد تک چھپا دیتا ہے۔ پھر نہیں خیال ہو سکتا کہ زینب میں برہنگی کیحالت پر کیونکر اتنا حسن پیدا ہو گیا اور نبی معصوم جنھوں نے اُسے پرورش کیا تھا اور آپ ہی کی آنکھوں کے سامنے وہ سن بلوغت کو پہنچی تھی فریفتہ ہو گئے نا ممکن نہیں تو محال عقل ضرور ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر آیا ہے اور قرآن مجید کی بعض آیات کے الفاظ سے مفسروں نے عجیب عجیب معنی تراشے ہیں جو کسی طرح بھی موزوں نہیں

ہیں قرآن مجید کی پوری آیت یہ ہے واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس واللہ احق ان تخشٰہ فلما قضٰی زید منہا وطرا زوجنٰکہا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی

ازواج ادعیائهم اذا قضوا منهن وطرا وکان امر الله مفعولا ما کان علی النبی من حرج فیما فرض الله له سنة الله فی الذین
خلوا من قبل وکان امر الله قدرا مقدورا یعنی ای پیغمبر تم اس بات کو یاد کرو کہ تم اُس شخص کو دیعنی زید بن حارثہ کو جسپر
اللہ نے اپنا احسان کیا کہ اسکو اسلام کی توفیق دی اور تم بھی اُس پر احسان کرتے رہے یہ کہتے تھے کہ اپنی بی بی (زینب) کو اپنی
زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر (اور اسکو چھوڑنیکا نام نہ لے) اور تم اس بات کو اپنے دل میں چھپاتے تھے جس کو
اخیر اللہ ظاہر کرنیوالا تھا اور تم اس معاملہ میں لوگوں سے ڈرتے تھے اور خدا اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اُس سے ڈرو
پھر جب زید اُس عورت سے تعلق قطع کر چکا (یعنی طلاق دیدی اور عدت کی مدت پوری ہو گئی) ہم نے تمھارے ساتھ اُس
عورت کا نکاح کر دیا کہ اب مسلمانوں کے لیئے جب لے پالک اپنی بی بیوں سے بے تعلق ہو جائیں تو اُن عورتوں سے نکاح
کر لینے میں کسیطرح کی تنگی نہ رہے اور خدا کا حکم تو ہو ہی کر رہتا ہے اللہ نے پیغمبر کے لیئے جو بات ٹھہرا دی ہو اُس کے کرنے کیلئے
کچھ مضائقہ نہیں ہے جو پیغمبر پہلے ہو چکے ہیں اُن میں بھی یہی عادت آلہی رہی ہے کہ اُن پر خدا نے نکاح کے بارے میں
تنگی نہیں کی اور خدا کے جتنے کام ہیں ایک امر تقدیری ہیں جو روز ازل سے ٹھہرے ہوئے ہیں۔

یہ آیت ہے قرآن مجید کی نہ جس سے برہنہ دیکھنے اور عاشق ہونیکا واقعہ ثابت ہوتا ہے اور نہ عشق زینب کو دل میں
چھپانے کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کے ایسے سادے بیان سے فرضی روایات کی بنا پر محض دور از کار نتائج پیدا کرنا صریح
نادانی اور جہالت ہے ایک مفسر نہیں اگر لاکھ مفسر کچھ ہی کیوں نہ لکھیں وہ اُنکی ذاتی رائے ہے اور اُن کی اس ذاتی
رائے سے رسول مقبول کی ذات اقدس واعلی پر کوئی نکتہ چینی نہیں ہو سکتی نہ کوئی الزام آسکتا ہے اس آیت میں
صرف دو جملہ ہیں جن پر بعض مفسرین کو بہت کچھ فرضی باتوں کے بنانیکا موقع ملا ہے اول تو تخفی فی نفسک ما الله
مبدیه" یعنی جس بات کو دل میں چھپاتا تھا خدا اُس کو ظاہر کرنے والا تھا اور پھر فرمایا تھا کہ تخشی الناس والله احق
ان تخشاه" یعنی تو لوگوں سے ڈرتا تھا حالانکہ خدا ہی سے ڈرنا چاہیئے دوسرا جملہ یہ ہے فلما قضی زید منه وطرا الی
کان امر الله مفعولا یعنی جب زید نے اُس سے اپنی حاجت پوری کر لی یا جب زید اُسے طلاق دیچکا اور عدت کے
دن پورے ہو گئے تو ہمنے اُسکو تیری زوجیت میں دیا یا تیرے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا تاکہ مسلمانوں کو اپنے لے پالک
بیٹوں کی جوروں کے ساتھ نکاح کرنے میں تردد نہو جبکہ وہ بی بیاں عدت کے دن پورے کر لیں خدا کا حکم تو شدنی ہے
دل میں کیا بات چھپی ہوئی تھی وہ ظاہر ہو گئی یعنی متبنی بیٹے کی بی بی سے آنحضرت نے نکاح کر لیا اس میں شبہ نہیں کہ آپکو
بحیثیت انسان اور مصلح ہونیکے ضرور اس بات کا اندیشہ تھا کہ عرب میں جبکہ مضبوطی سے یہ رسم جاری ہے کہ لے پالک کی
بی بی کو بمنزلہ لڑکی کے سمجھا جاتا ہو تو ضرور لوگ اعتراض کرینگے اور کہیں گے کہ یہ کیسا نبی ہے جو یہ فعل کرتا ہے جسے وہ
اپنی دانست میں سخت معیوب خیال کرتے تھے۔ ایسی بدگمانیوں کا آپنے ہمیشہ خیال کیا ہے اور آپنے اپنا پہلو اس قسم کی
بے بنیاد باتوں سے ہمیشہ بچایا ہے مثلاً صحیح حدیث ہے کہ کعبہ کی عمارت کو دوسری صورت میں کرنا چاہتے تھے اور آپنے
حضرت بی بی عائشہ سے فرمایا تھا کہ میرا دل تو چاہتا ہے کہ کعبہ اس صورت سے تعمیر ہو مگر مجھے مسلمانوں کا خیال
ہے مبادا وہ خیال کرنے لگیں کہ نبی ہو کے کعبہ کو ڈھاتا ہے اس وجہ سے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ کعبہ کی تعمیر شروع
کروں اسی طرح سے زینب کے معاملہ میں آپ کو خیال تھا کہ لوگ کیا کہیں گے اور اُنھیں اپنی صدہا سال کی رسم کے

خلاف یہ بات کیسی کھٹکیگی۔ آپ دل میں یہ خیال کرتے تھے اور خوف کھاتے تھے جس طرح ایک مصلح مخلوق میں
اکوئی نئی بات ظاہر کرنے سے خوف زدہ ہوا کرتا ہے۔ مگر خداوند تعالیٰ نے صاف الفاظ میں نبوت اولوالعزمی اور سچے
مصلح ہونیکی شان بتادی کہ لوگوں سے خوف کھانا ہیچ ہے۔ خدا ہی سے ڈرنا چاہیئے۔ جس چیز کا بعد ازاں ظہور ہونے
والا تھا وہ ہو گیا یعنی آپ کا نکاح ہو گیا۔

اب یہاں سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپکو کیوں خوف محسوس ہوا اسکی وجہ کیا تھی ظاہر ہے کہ آپنے نکاح کرنے
کا ارادہ پہلے ہی سے کر لیا تھا جب ہی تو خوف بھی محسوس ہوا کہ لوگ کیا کہیں گے حالانکہ یہ بات نہیں ہے آپ اصل میں
اس زبون ترین رسم کو توڑنا چاہتے تھے جو عربوں میں خون کی طرح ملی ہوئی تھی اور جبتک آپ کوئی عملی کارروائی کر کے
دکھاتے ہرگز اس کا اثر نہ پڑتا اور لوگ ایسی قبیح رسم کو جسکو وہ انتہا درجہ اعلیٰ درجہ کی تہذیب سمجھے ہوئے تھے کبھی
نہ چھوڑتے۔ خیال تو آپکے دل میں یہ تھا کہ اگر کوئی ایسا موقع ہو تو ضرور کرنا چاہیئے یہ خیال روز بروز پختہ ہوتا جاتا
تھا آخیر وہ موقع خوش قسمتی سے آگیا اب آپ کو ایسا کرنے میں تردد ہوا اور آپنے اس ارادہ کو اپنے دل میں صرف
اسی بنا پر چھپا لیا کہ مبادا لوگ چونکیں اور بجائے اصلاح کے اُن میں پریشانی پیدا ہو جائے بس اس بات کو چھپا
رہے تھے کہ خداوند تعالیٰ نے روح القدس کے ذریعہ سے جتا دیا کہ کچھ خوف اور اندیشہ کی بات نہیں تجھے لوگوں سے
نہیں بلکہ خدا سے ڈرنا چاہیئے تھا پھر فرمایا کہ ہمنے تیرے ساتھ اس عورت کا نکاح کر دیا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم ہی کو
منظور ہے کہ منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں سے نکاح جائز ہے ہم مسئلہ تقدیر میں بوضاحت ثابت کر گئے ہیں کہ خداوند تعالیٰ
ہر شئے کے ہونے یا ہونیکی نسبت اپنے ساتھ کیا کرتا ہے اور اُسے یہ شایان بھی ہے۔ اُس نسبت سے یہ پایا جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ
ہر فعل کا حقیقی فاعل ہے بلکہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اُس کا تصرف سب جگہ ہے اب یہاں یہ فرمانا کہ ہمنے
اس عورت کو تمہارے نکاح میں دیدیا اسکے یہ معنی ہیں کہ تمنے بالکل ہماری مرضی کے مطابق کیا ہے اسلیئے لوگوں سے خوف
کھانیکی کوئی وجہ نہیں ہے جس کام میں ہماری مرضی شامل نہیں ہے اُس میں ہر شخص سے خوف کھانا چاہیئے اور جب
ہماری مرضی شامل ہو گئی پھر خوف کھانے کی کیا بات ہے۔

اس آیت کے یہ معنی ہیں جس پر بعض مفسروں اور مخالفوں نے ایک طوفان بے تمیزی مچا رکھا ہے اور وہ حاشیے چڑھائے
گئے ہیں کہ العظمۃ للہ بعض مفسروں نے تو یہاں تک لکھدیا کہ خداوند تعالیٰ خود بیٹھا جبرئیل و میکائیل گواہ بنے اور خداوند تعالیٰ
نے اپنی زبان مبارک سے دولہا دلھن سے ایجاب قبول کی رسم ادا کرائی۔ یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں نہ قرآن سے
نہ حدیث سے ثابت نہ عقل اسکی شاہد۔ اسی زینب کے معاملہ کو جسکی حقیقت کچھ بھی نہیں اس قدر طول دیا گیا ہے اور
مخالفین اسلام نے وہ وہ کتابیں شائع کی ہیں کہ خدا یاد آتا ہے۔ معاملہ کچھ بھی نہیں ہے صرف منشائے باری یہ تھا کہ یہ
شنیع رسم عرب ہی سے نہیں بلکہ دنیا سے اکھڑ کے پھینکا جائے اس کام کے لیئے اُس نے اپنے معصوم نبی کو چن لیا اور
عملی صورت میں کرا کے دکھا دیا تاکہ پھر چون و چرا کی گنجائش ہی نہ رہے۔ بہتیرا سوچا مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ زینب کے نکاح پر جس کا
اسقدر شور و غوغا مچا ہوا ہے کیا اعتراض پیدا ہوتا ہے۔ مخالفین اسلام نے غیر معتبر کتابوں کے حوالہ سے بڑی ہی بازاری اور خلاف
تہذیب اعتراض اس پہلو سے کیئے ہیں اور اپنے خیال میں گویا اُنھوں نے کامیابی حاصل کی ہے کوئی معترض نسی

تفسیر کا حوالہ دیتا ہے اور کوئی کسی غیر معتبر فارسی کی کتاب کا مثلاً ایک عیسائی نے روضۃ الاحباب میں سے یہ عبارت نقل کی ہے "چوں از خدائے تعالیٰ معلوم کردہ بود کہ زینب داخل ازواج وے خواہد بود خاطر مبارکش میخواست کہ زید وے را طلاق دہد ولیکن شرم میداشت کہ اورا امر کند بطلاق زینب و نیز ازاں می اندیشید کہ مردم گویند کہ زن پسر خواندہ خود را میخواہد و حال آنکہ در جاہلیت زن کسی کہ منسوب بہ پسرے میکردند حرام می دانستند ہمچو زن پسرے صلبی خود" اسی قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں جو نری بکواس ہیں اور جنہیں صدق سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ روضۃ الاحباب ہو یا روضۃ الصفا۔ ابوالفدا ہو یا ابن خلدون۔ طبری ہو یا واقدی۔ ابن ہشام ہو یا ابن اسحٰق غرض کسی مورخ کی رائے یا اسکی روایت کسی پر حجت نہیں ہو سکتی چہ جائیکہ نبی کریم پر اس سے کوئی الزام قائم ہو سکے۔

بعض معترضوں نے نئی نئی باتیں گھڑی ہیں اور وہ اور بھی مضحکہ خیز ہیں چنانچہ لکھا جاتا ہے کہ بچپن ہی سے زینب حضور انور پر عاشق تھی مگر آگے اس کا ثبوت نہیں دیا کہ یہ روایت کیونکر معلوم ہوئی اور اگر کسی کتاب میں ایسی روایت موجود بھی ہے تو یہ تاریخ کیوں نہ معلوم ہوئی کہ زینب سے یہ یہ افعال سرزد ہوئے تھے اسلیئے اُسے عشق تھا۔ رہا عشق کی یہ وجہ بتانا کہ زینب زید کے ساتھ نکاح کرنے میں راضی نہ تھی ایک زبردستی کا استدلال ہے اور اگر یہ فرض کر لیں کہ زینب عاشق تھی تو پھر عشق کا الزام رسول اللہ پر غلط ہوتا ہے۔ یہ دونوں ایسی متضاد باتیں ہیں جن کا سر نہ پیر پھر ایک عیسائی نے یہ لکھا ہے کہ طرفین سے محبت کی سلسلہ جنبانی تھی اور وہ اخیر میں یوں پوری ہوئی یہ ساری باتیں اور اس قسم کے کل خیالات لایعنی ہیں یا نکتہ چینی کرنیکے لیئے نئے نئے الزام بنا کے رسول کریم پر قائم کرنے انسانیت اور شرافت سے بعید ہیں ہم ایکبار اور زینب کے نکاح پر ایک اور دقیق نظر ڈالتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اسکی حقیقت کیا ہے اور کیا سمجھا ہے مسلمانوں نے خاص زینب کے معاملہ میں مخالفین اسلام کے خوب دندان شکن جواب دیئے ہیں مگر خدا کے فضل و کرم سے چونکہ میں بھی مسلمان ہونیکا فخر رکھتا ہوں اسلیئے مجھے بھی جواب دینا لازمی ہے خواہ وہ جواب اور مسلمانوں کے مقابلہ میں کیسے ہی پایہ کا کیوں نہ ہو۔

جب حضور انور نے ملاحظہ کیا کہ ماں بہن یا بیٹے بیٹی کے خالی الفاظ کا بہت ہی خیال کیا جاتا ہے اور اس سے تمدن اسلامی میں اگر یہ بات قائم رہی تو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے آپنے اس قبیح رسم کو نیست و نابود کرنیکے لئے یہ کاروائی کی اگر یہ نہوتا تو سخت تباہی آتی اور شدید آفت نازل ہوتی۔ رسم یہ تھی کہ اگر کسی شخص نے بھولے یا غصے یا مذاق میں اپنی بی بی کو یہ کہدیا کہ تو تو میری ماں یا بیٹی کے برابر ہے تو فوراً بی بی نکاح سے خارج ہو جاتی اور پھر کبھی مناکحت نہ ہو سکتی تھی۔ اگر کسی جوان لڑکی کو بیٹی کہہ لیا تو پھر اُس سے مناکحت کسی طرح بھی جائز نہ ہو سکتی تھی۔ انصاف سے خود ہی دل میں فیصلہ کر لو کہ جس خاندان یا قوم میں یہ کیفیت ہو وہ سلامت ہی کب رہ سکتی ہے اُس میں شب و روز فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے اور بلا شبہ اسکی زندگی میں خطرہ ہی خطرہ ہے حضور انور نے اس پر خطر حالت کو بخوبی محسوس کر لیا تھا اور جو باہمی نا اتفاقیاں پڑ رہی تھیں وہ ملاحظہ فرمالیں تو آپ اپنی ناواقف قوم پر رحم فرما کے اس امر کے درپے ہوئے کہ کسی طرح اس رسم کو دنیا سے مٹا دیا جائے یہ کام فی الحقیقت آسان نہ تھا اور یہ اُسیقدر مشکل تھا جتنا کعبہ میں سے بتوں کا نکالنا بظاہر یہ رسم بہت ہی خوشنما اور مہذب معلوم ہوتی تھی کہ ایک شخص کو جب زبان سے بیٹا کہہ لیا تو وہ بیٹا ہو گیا یا بیٹی کہا تو وہ بیٹی ہو گئی مگر جو خرابیاں اسمیں

...بھی ہوئی تھیں اُنکو سوائے اُس آنکھ کے جس میں روح القدس کی روشنی ہو اور انوار الٰہی کی چمک ہو اور کون دیکھ سکتا ہے آپنے اس خرابی کو غرض پورے طور پر محسوس کر لیا اور اب اسکی بیخ کنی کے درپے ہوئے۔ آپ اس امر کی تلاش میں تھے کہ کوئی موقع عملی کارروائی کرنے کا ملے کیونکہ بغیر عملی کارروائی کے ممکن نہ تھا کہ دوسروں پر اُس کا اثر پڑتا۔ چونکہ روح القدس روز پیدائش سے آپکی ہمقرین رہتی چلی آئی تھی وہ بار بار آپ کو اُمید دلاتی تھی کہ یہ موقع ہوگا چونکہ اتفاق ہے زید نے زینب کو طلاق دی اور اس وقت آپ کو اپنے قدیم خیال میں کامیاب ہونیکا موقع ملا اور آپنے فوراً نکاح کر کے بتا دیا کہ منہ بولے بیٹے کی بی بی جب اُسے طلاق ملجائے نکاح میں آسکتی ہے اب یہ اعتراض کہ نکاح کیوقت کوئی وکیل نہ تھا محض لچر اور پوچ ہے بلکہ اس وکیل نہونے میں بھی بڑی حکمت بالغہ مضمر ہے۔ آپنے اپنی اُمت کو تعلیم فرمائی ہے کہ اگر کہیں ایسا اتفاق ہو کہ گواہ وکیل میسر نہ آسکتے ہوں تو ایجاب وقبول کافی ہے اور خداوند تعالیٰ کی گواہی بس ہے اسلام کو دنیا کے اور ادیان پر اسی لیئے شرف حاصل ہے کہ اس میں ہر متنفس آزاد کیا گیا ہے کسی ماتم یا شادی کی تقریب ادا کرنے کے لیئے نہ کسی پیشوا کی ضرورت ہے نہ قاضی کی محض رسم کے طور پر کسی قاضی کا نکاح کے لیئے بلا لینا دوسری بات ہے مگر نہ ہیگا کوئی مسلمان اس کا پابند نہیں کیا گیا ہے کہ قاضی ہو تو نکاح ہو ورنہ ہو ہی نہ سکے اگر بد قسمتی سے یہ حکمتیں کوئی نہ دیکھ سکے تو اسکی بینائی کا قصور ہے ورنہ حکمت میں سر مو تفاوت نہیں ہے۔

نکاح کے بعد آپنے بہت بڑا ولیمہ کیا اور مسلمانوں کی دعوت کی۔ اس دعوت پر عجیب عجیب الزام رسول کریم کی قدس واطہر ذات پر قائم کیئے گئے ہیں جن کا سر نہ پیر اور یہ الزام ایسے بے بنیاد اور ہوائی ہیں کہ ادنی توجہ کے بعد انکا بے معنی ہونا سمجھ میں آسکتا ہے۔ بعض نا مہذب اور اخلاق انسانی سے بے بہرہ کرسٹانوں نے یہ لکھا ہے کہ ولیمہ کے دن مسلمان کھانا کھا کے جم گئے اور اُنھوں نے باتیں کرنی شروع کر دیں رسول اللہ بیتاب ہوئے جاتے تھے کہ یہ کسی طرح سے اُٹھ کے جائیں مگر وہ جنبش نہیں کھاتے۔ رسول اللہ بار بار اپنی ازواج کے پاس جاتے ہیں اور اُنکا آ آ کے سلام کہتے ہیں مگر وہ ایک نہیں سنتے اور جمے بیٹھے ہیں اخیر خدا خدا کر کے اُٹھے اور رسول اللہ زینب کے حجرہ میں داخل ہوئے اور جلدی سے کواڑ بند کر لیئے پیچھے سے ابوہریرہ اور طلحہ دوڑے ہوئے آئے اور اُنھوں نے رسول اللہ کو مشغول پا کے افسوس کیا اور آپس میں باتیں کرتے ہوئے واپس پھر کے چل دیئے اس پر فوراً بعد ازاں آیت نازل ہوئی جس کا مطلب یہ ہے "اے مسلمانو نبی کے گھر میں نہ آیا کرو جبتک تمھیں حکم نہ ملا کرے کھانا پکنے کی انتظاری میں نہ بیٹھے رہا کرو جب تک تمھیں نہ بلایا جائے نہ آیا کرو اور جب کھانا کھا چکو تو ادھر ادھر چلے جایا کرو باتوں میں دل لگا کے نہ بیٹھا کرو ان باتوں سے نبی کو ایذا ہوتی ہے اور اُسے شرم آتی ہے مگر خدا سچ بات سے شرم نہیں کرتا اور جب نبی کی بی بیوں سے کوئی بات کرنی ہو یا کچھ چیز مانگنی ہو تو پردہ کے باہر کھڑے ہو کے مانگ لیا کرو" اس آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ولیمہ کی تقریب ہرگز اسکی شانِ نزول نہیں ہو سکتی۔ اس آیت میں اول ہی یہ فرمایا گیا ہے کہ بغیر اجازت کے نبی کے گھر نہ آیا کرو حالانکہ ولیمہ کے دن سب کو دعوت کے لیئے مدعو کیا گیا تھا نہ بلانا سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر فرمایا گیا کہ کھانا پکنے کی انتظاری میں نہ بیٹھا کرو حالانکہ خاص مسلمانوں کی دعوت کے لیئے کھانا پکایا گیا تھا پھر اُسکی انتظاری میں بیٹھنا کیسا یہ ساری باتیں محض تعصب اور حسد سے بنائی گئی ہیں ورنہ اعتراض کی ان میں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

آپ کا گھر چونکہ سب گھروں سے ملا ہوا تھا اور اکثر نگھر سے اور بھوکے آپکے ہاں آ آ کے مہمان ہوتے تھے اور چونکہ وہ لوگ جنگلی اور وحشی ہوتے تھے اُنھیں نبی کریم کے گھر میں بیٹھ جانا اور کھانا کھانیکے بعد باتیں کرنا کوئی نازیبا بات نہ معلوم ہوتی تھی اس لیئے محض ازراہِ نصیحت اُنھیں تہذیب سکھانیکے لیئے یہ باتیں کی گئی ہیں تاکہ نبی اور امہات المومنین کا ادب اور آداب ملحوظ رکھیں اور دنیا میں ایک شایستہ قوم بنجائیں اور اُنھیں معلوم ہوجائے کہ اپنے سچے پیشوا کی کیونکر تکریم اور عزت کیا کرتے ہیں آپ کی تعلیم اور قوم کی حالت کا پورا نقشہ قرآن مجید میں کھینچ دیا گیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ ہمنے بے پڑھے لکھوں یا جاہلوں میں ایک رسول بھیجا جو اُنکا تزکیہ کرتا ہے جو اُنھیں شایستگی اور تہذیب کے قواعد سکھاتا ہے جب وہ لوگ محض امی تھے جن کے امی ہونے کی شہادت خداوند تعالیٰ بھی دیتا ہے تو اُن سے خلاف تہذیب امور سرزد ہونا کوئی تعجب انگیز بات نہ تھی۔ بغیر اجازت کسی کے گھر میں چلے آنا اور کھانے کی انتظاری میں بیٹھے رہنا اور جانیکا نام نہ لینا یہ ایسے افعال ہیں جو دنیا کی کسی قوم میں بھی مستحسن نہیں گنے جاتے اگر رسول خدا نے ان قبیح امور کے ترک کرنے کی تفہیم فرمائی تو اس میں اعتراض کے قابل کونسی بات ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ زینب سے نکاح کرنے میں جو حکمتیں تھیں وہ حسب ذیل ہیں (اول) یہ ثابت کر دینا کہ اسلام غلام کو ہرگز حقارت سے نہیں دیکھتا (دوم) لے پالک بیٹے کی بی بی سے طلاق اور عدت ختم ہونے کے بعد مثل معمولی عورتوں کے نکاح ہو سکتا ہے (سوم) صرف زبان سے کیکو بیٹا کہلینا کوئی وقعت نہیں رکھتا (چہارم) بغیر قاضی اور گواہوں کے بھی نکاح ہو سکتا ہے (پنجم) اعلیٰ درجہ کی بات کرنے میں اگر قوم بھی مخالف ہو جب بھی جوانمردی سے اُس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے (ششم) حق بات کہنے میں کسی سے خوف نکرنا چاہیئے (ہفتم) نکاح کرنے میں کوئی امتیاز قومی نہیں ہے۔ غرض اسیطرح سے صدہا حکمت کی باتیں مضمر ہیں اور سمجھنے والا خوب سمجھ سکتا ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ سخت سے سخت ناملائم الفاظ ہرگز حق پر پردہ نہیں ڈال سکتے۔ کسی زبان پر قفل نہیں لگا ہوا ہے نہ مہر ہو رہی ہے ہر شخص بہت آزادی سے چاہے جو کچھ کہہ سکتا ہے مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ اپنی اس خداداد آزادی سے کہانتک کام لے سکتا ہے اور اُسے کس حد تک تہذیب کے دائرے میں پابند رہنا چاہیئے۔ اور اُس کا قول کس حد تک قابلِ تسلیم ہو سکتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک ادنیٰ درجہ کے تیلی تنبولی نے ایک شہنشاہ اسلام کی شان میں جس کا کلمہ کروڑوں مخلوق خدا پڑھتی ہے ناملائم الفاظ کہدیئے کیا اُس سے اسکی اقدس و اطہر ذات پر کچھ الزام آسکتا ہے؟ استغفر اللہ ہرگز نہیں بلکہ ایسی گندی باتوں سے لکھنے والے اور کہنے والے کی تہذیب اور شایستگی کا نمونہ معلوم ہو جاتا ہے اور کھلجاتا ہے کہ قائل انسانی ادنیٰ رذالت کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے بلکہ عین انسانیت کے دامن پر ایسا داغ ہے کہ کبھی نہیں مٹ سکتا اور جسکی سیاہی روز بروز عیاں ہوتی جائیگی۔ زینب کے نکاح میں کوئی بھی معمولی بات نہیں ہے جسے عیسائیوں نے محض اپنی کور باطنی سے ہوا بنا رکھا ہے صرف اعتراض بہت بڑا یہ ہے کہ آنحضرت نے اپنے لے پالک بیٹے کی بیبی سے نکاح کر لیا مگر یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ جب طلاق ملچکی ہو اور عدت کے دن گذر چکے ہوں پھر وہ لے پالک کی بی بی ہی کہاں وہ بالکل ایک آزاد عورت ہے اور سوائے باپ بھائی چچا وغیرہ اُس سے ہر شخص نکاح کر سکتا ہے۔ زینب کا قصہ بس اسیقدر لکھنا تھا جو ہم لکھ چکے۔ ہمارے خیال میں خصم کے لیئے یہی کافی ہوگا۔ زیادہ طول دینا غیر ضروری سمجھکر ہم

اسے یہیں ختم کرتے ہیں۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

آپ حارث کی بیٹی تھیں آپکے پہلے خاوند کا نام ذوالشفر بن تھا۔ یہ شخص غزوہ بنی المصطلق میں مسلمانوں کے مقابلہ میں مارا گیا تھا۔ آپنے آنحضرت کے دست مبارک پر بیعت کی اور مسلمان ہوگئیں آپ بڑی عبادت گزار اور خاموش بی بی تھیں ہمیشہ روزے رکھتیں اور نماز و قرآن پڑھتی تھیں آپ کا نکاح بہت بڑی سیاسی بنا پر مبنی تھا اور اس نکاح کا عجیب و غریب نتیجہ برآمد ہوا تھا۔ بنی المصطلق کے سردار حارث ابن ضرار نے جب بلا وجہ مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کی اور تاخت و تاراج شروع کی تو ناچار رسول کریم نے بھی آمادگی ظاہر فرمائی خوب لڑائی ہوئی آخر بنی مصطلق مغلوب ہوگئے اور قانون جنگ کے موافق عورت و مرد سب گرفتار کر لئے گئے اور اُنکی باہم مسلمانوں میں تقسیم ہوگئی۔ اور بہتیرے سرکش ایسے بھی تھے جنہیں سزائے موت دی جاتی۔ آپ چاہتے تھے جس طرح ہو باہمی اتحاد قائم ہو اور غیر قومیں شیر و شکر ہو جائیں آپ اسی فکر میں تھے کہ حضرت جویرہ بنت حارث آئیں اور اپنی شکستہ حالی عرض کی اور بیان کیا کہ میرا خاوند اس جنگ میں مارا گیا میں حارث قبیلہ کے سردار کی بیٹی ہوں میں ثابت بن قیس کے حصہ میں آئی ہوں حضور سے فریاد کرتی ہوں کہ مجھے ثابت کے پاس سے علیحدہ کر کے اپنی سرپرستی میں لیا جائے اور میری رہائی کے عوض ثابت کو میرے خرمے کے چند درخت جو مدینہ میں ہیں دیدیئے جائیں آپنے اُنکی غریبی پر رحم فرما کے اُسکے معروضہ پر توجہ فرمائی اور ثابت کو بلا کے کہا کہ یہ عورت اپنی آزادی تجھسے اُن خرموں کے درختوں کے بدلے خریدتی ہے کیا تو قبول کرتا ہے اُس نے بخوبی منظور کر لیا اور جویریہ کو آزاد کر دیا حضور انور نے رحم فرما کے اُس سے نکاح کر لیا اس نکاح کرنے کا قوم پر یہ اثر ہوا کہ جتنے قیدی بنی مصطلق تھے سب رہا کر دیئے گئے اور کل مال غنیمت واپس دیدیا گیا اور دونوں قوموں میں انتہا درجہ اتحاد پیدا ہوگیا۔ اس نکاح میں یہ بہت بڑی حکمت تھی خیال ہوسکتا ہے کہ وہ نکاح کیسا مبارک نکاح ہے جسکے باعث دو قوموں میں بھائی چارہ قائم ہوا اور صدہا آدمیوں کی جان بچ جائے۔ آپکے نکاح کی نسبت بھی بہت سی فضول اور لایعنی باتیں بیان کی گئی ہیں اور بہت سی اُلٹی سیدھی روایتیں مشہور ہیں لیکن وہ سب بیہودہ اور غلط ہیں منجملہ اُنکے ایک یہ روایت مشہور ہے کہ بنی مصطلق پر فتح پانے کے بعد آنحضرت بی بی عائشہ کے ساتھ ایک چشمہ آب پر بیٹھے تھے کہ سامنے سے جویریہ آئیں چونکہ یہ ایک خوبصورت بی بی تھیں حضرت عائشہ نے دیکھتے ہی کہا کہ حضور ضرور اسے اپنے نکاح میں لائیں گے چنانچہ آنحضرت نے فوراً نکاح کی غرض ظاہر کر دی۔ یہ بھی عجیب تاریخ ہے کہ جس کا سر نہ پیر کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا غزوہ بنی مصطلق میں رسول کریم کے ہمراہ گئی ہوں کوئی شخص اسے ثابت نہیں کر سکتا کہ فتح کے بعد آپ رسول کریم کے ساتھ ایک چشمہ پر بیٹھی ہوں اور جویریہ کی صورت دیکھتے ہی آپ کو یہ خیال آیا ہو کہ رسول کریم اس سے ضرور نکاح کرینگے یہ بہت بڑا بہتان ہے جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات پر اُٹھایا گیا ہے اس قسم کا خیال کبھی کسی بی بی کے دل میں نہیں گزر سکتا تھا ہر بی بی نکاح کو بخوبی سمجھتی تھی اور جانتی تھی ہر نکاح میں کتنی بڑی حکمت مضمر ہے۔ صحیح حدیث ہے جب کسی شخص نے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا تو آپنے فرمایا کیا تو قرآن مجید نہیں پڑھتا یعنی قرآن مجید میں

آخر الزماں نبی کے اخلاق موجود ہیں کسی سے دریافت کرنیکی کیا ضرورت ہے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے جب یہ پاکیزہ خیالات تھے اور یہ صاف باتیں تھیں پھر انکی نسبت رکیک باتوں کا خیال کرنا اور زبردستی کے الزام اُنکے سر چپکنا خلاف انسانیت ہے۔

اور ایک حملہ بی بی جویریہ کے معاملہ میں رسولِ مقبول پر کیا گیا ہے اور وہ نامہذب اور بازاری ہے کہ دیکھکر شرم آتی ہے بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دن آنحضرت بی بی جویریہ کے پاس آئے اور اُن سے مقاربت کرنی چاہی آپ روزے سے تھیں آپنے روزہ تڑوا دیا۔ یہ عجیب نالائق حملہ ہے جس کا سر نہ پیر نہ کسی روایت میں موجود نہ کسی صحیح اور معتبر تاریخ میں اس کا پتہ ساری باتیں جو مخالفوں نے ایجاد کی ہیں اُنکا کہیں بھی پتہ نہیں لگتا سوائے اسکے کہ ان باتوں کو معترضین کے خیالات کا ایک پرتو کہیں اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

آپ بھی بیوہ تھیں جب حضور انور سے نکاح ہوا ہے آپکے پہلے خاوند کا نام عبداللہ بن جحش تھا آپکے پہلے شوہر سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ آغاز اسلام میں اُم حبیبہ مع اپنے شوہر کے مسلمان ہو گئی تھیں جب مکیوں کے جور وظلم سے مسلمانوں نے حبشہ ہجرت کی ہے تو یہ بھی اُن مہاجرین میں تھیں۔ اور اسلام کے سچے نقوش اُنکے دل پر ہو گئے تھے ایک تو آفت رسیدہ ہوکے حبشہ گئی تھیں دوسری آفت ان پر یہ آئی کہ پردیس میں پہنچکر انکا شوہر عبداللہ بن جحش متزلزل ہو گیا اور اُس نے مذہب اسلام سے نفرت ظاہر کی۔ اگرچہ بی بی ام حبیبہ کو اپنے خاوند سے بہت ہی محبت تھی اور سوائے شوہر کے پردیس میں اُنکا کوئی سرپرست بھی نہ تھا پھر بھی اُنھوں نے بڑی دلیری سے روکا اور کہا کیا غضب کرتا ہے نصرانی نہ ہو اور ایسے حق دین سے پہلو تہی نکر مگر دقت یہ تھی کہ اسلام شرابخواری وغیرہ کو ناجائز قرار دیتا تھا اور حرام حلال میں امتیاز پیدا کر دیا تھا اور ایسی پاک زندگی میں رہنا خاص ایسے شخص کے لئے محال تھا جسکے خون میں بدکاری اور افعال قبیحہ کا زہر ملا ہوا ہو وہ مسلمان رہ کے کبھی ایسے افعال نہیں کر سکتا تھا۔ بی بی ام حبیبہ کے کہنے کی اُسنے مطلق پروا نہ کی اور اپنی سابق نصرانیت کیطرف بالآخر رجوع کی۔ پھر اُس نے ام حبیبہ کو سمجھایا کہ اس پردیس میں اور کوئی تیرا سرپرست نہیں ہے تو بھی نصرانی ہو جا۔ یہ صحیح تھا کہ بی بی ام حبیبہ پر مصیبت کا پہاڑ آپڑا تھا اور جہان آپ کی آنکھوں میں تاریک ہو گیا تھا اور اب آپ ایک اجنبی سرزمین میں بالکل بے یار و مددگار تھیں پھر بھی آپنے بڑی دلیری سے اپنی ان تمام مصیبتوں کا مقابلہ کیا اور صاف کہدیا کہ اگر تو نہیں مانتا اور نصرانی ہوتا ہے تو میں تیری زوجیت میں نہیں رہ سکتی۔ عبداللہ بن جحش نے نہ مانا اور اخیر نصرانی ہو گیا۔ نصرانی ہوتے ہی تمام معائب جن سے وہ تائب ہو گیا تھا پھر اُس میں عود کر آئے اور وہ خرابات میں پڑ گیا۔ اسکی مدت سخت ذلت سے ہوئی شراب میں سرمست ہوکے اخیر سخت رسوائی کے ساتھ اُسکی جان نکل گئی۔

خیال ہو سکتا ہے کہ حضرت ام حبیبہ کی اُس وقت کیا کیفیت ہو گی۔ مکہ معظمہ میں اُن پر کم مظالم نہیں ہوئے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُنھیں جلاوطن ہونا پڑا تھا پھر حبشہ میں وہ اپنے بدکار شوہر کی شومی طالع سے بے پناہ رہ گئیں پھر بھی یہ اسلام کی دلدادہ بی بی بہت مضبوطی سے اسلام پر قائم رہی اور اُس کے ایمان و یقین میں کسی قسم کا بھی تزلزل نہیں آیا۔

مٹ جانا اور برباد ہوکے مرجانا بہتر سمجھا۔ لیکن دین خدا سے منہ نہ پھیرا۔ آپ نے اپنے بدنصیب شوہر سے علیحدہ ہونیکے بعد کچھ روز سخت مصیبت میں گزارے پھر آپ قافلہ کے ساتھ مدینۂ منورہ آئیں اور اپنی تمام دردناک کہانی رسولِ مقبول کی خدمت میں عرض کی اور کہا کہ میں بالکل بے پناہ ہوں اور صرف دین اسلام کے لیئے مجھپر یہ آفتیں ٹوٹی ہیں آپ میری ڈھارس بندھوا یئے اور میری سرپرستی کیجیے۔ یہ حال سن کے آپ آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فوراً ام حبیبہ کو اپنی زوجیت میں قبول کیا۔ اس وجہ سے بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی ۳۰ برس کی عمر تھی آپ کی وفات سنہ۴۴ہجری میں ہوئی ۶۰ یا ۶۵ حدیثیں بھی آپ کی روایت سے منقول ہیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

آپ بیوہ تھیں آپ کے پہلے شوہر کا نام سلام بن مشکم تھا مگر اس نے طلاق دیدی تھی پھر کنانہ بن ربیع سے نکاح ہو یہ شخص غزوۂ خیبر میں مارا گیا۔ جب قانون جنگ کے مطابق سب لوگ گرفتار ہوئے تو آپنے صفیہ کو دیکھکر فرمایا تو آزاد کی گئی خواہ یہاں رہ خواہ اپنے رشتہ داروں میں چلی جا اُنھوں نے جواب دیا یا رسول اللہ میں مسلمان ہوگئی تو پھر یہودیوں میں جاکر کیا کرونگی وہاں میری گزر کیونکر ہوسکتی ہے خواہ میرے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب اختلافِ مذہب ہے تو مجھے اُن سے سخت نفرت ہے میں تو حضور کی خدمت میں رہنا چاہتی ہوں۔ آپنے اُسے زوجیت میں قبول کرلیا اور مدینہ لے آئے۔ ان بی بی کی نسبت بھی بہت سی جھوٹی روایتیں بنائی گئی ہیں جن کا سر نہ پیر وہ روایتیں ہرگز قابل توجہ نہیں ہیں اور اُن میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہوسکتی ایک یہ الزام ہے کہ نکاح کے بعد کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ تجھے محمد پسند آئے تو اُس نے کہا کہ میں نے اُنھیں بہت خوب پایا۔ پھر پہلی منزل میں بی بی صفیہ کا انکار پھر دوسری منزل میں ام سلیم والدہ حضرت انس کو بھیجنا کہ تو جاکے صفیہ کو سنگھار کرا اور پھر اُس کا صفیہ کو سمجھانا کہ دیکھیو انکار نہ کیجو پھر وقت مقاربت ابو ایوب انصاری کا پہرہ پر برہنہ شمشیر لیئے کھڑا ہونا پھر بعد فراغت آنحضرت کا دریافت کرنا کہ تو یہاں کیوں کھڑا تھا اُن کا جواب دینا کہ یہ عورت یہودن تھی اور اسکے باپ بھائی جنگ میں مقتول ہوئے تھے مبادا یہ دست درازی کربیٹھے تو میں فوراً مدد کو پہنچوں پھر آنحضرت کا اسے دعا دینا کہ جسطرح تونے نبی کی حفاظت کی ہے اسیطرح خدا بھی تیری حفاظت کریگا پھر صفیہ کا مدینہ آنا اور تمام مدینہ میں غل مچنا اور حضرت بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کا بھیس بدل بدل کے صفیہ کو دیکھنے آنا اور آنحضرت کا گھونگٹ میں حضرت بی بی عائشہ کو پہچان لینا پھر بی بی صفیہ کا شکایت کرنا کہ مجھے عائشہ اور حفصہ ستاتی ہیں اور یہ طعنہ دیتی ہیں کہ تو یہودن ہے تیری حقیقت ہی کیا ہے پھر آنحضرت کا بی بی صفیہ کو یہ جواب بتانا کہ جسوقت وہ تجھے یہودن کہا کریں تو یہ کہدیا کر کہ ہارون میرا باپ موسیٰ میرا چچا اور محمد میرا خاوند ہے پھر آنحضرت کا بی بی عائشہ کو سمجھانا کہ تم اُسے تکلیف نہ دیا کرو وغیرہ وغیرہ یہ بے بنیاد روایتیں اور نالائق الزام ہیں جو حضور انور اور آپکی ازواج پر لگائے گئے ہیں اگر ہم فرض کرلیں کہ کسی اسلامی تواریخ میں بھی اس کا کھوج لگتا ہے پھر بھی ہم یہ کہسکتے ہیں کہ کسی مورخ کا لکھنا یا کسی مفسر کا اپنی تفسیر میں درج کرنا یا کسی راوی کا روایت کرنا ایک خفیف سا الزام بھی رسولِ مقبول اور ازواجِ پاک پر نہیں قائم کرسکتا یہ سب چڑے چڑیا کی مہمل کہانیاں ہیں اور صدق سے انھیں کچھ بھی سروکار نہیں ہے اور اگر خود ان روایتوں کو ٹٹولا جائے گا تو ان میں شمہ برابر بھی صدق کا پتہ نہ لگے گا خیال نہیں ہوسکتا کہ

جب پہلی منزل میں رسول کریم بی بی صفیہ کے پاس گئے تو اُنھوں نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ یہودیوں کا خوف تھا کہیں آنہ پڑیں اور رسول اللہ کو صدمہ پہنچائیں یہ بھید دوسری منزل میں کھولا گیا یہودیوں کا تو اس وقت حملہ آور ہونا تھا جب بی بی صفیہ اونٹ پر بیٹھ کے آنحضرت کے ساتھ خیبر سے چلی آئی تھیں جب ساتھ آنے پر کسی نے نہیں روکا تو دوسری منزل پر مقاربت کرنے میں کون مانع آسکتا تھا پھر یہ روایت کہ دوسری منزل میں حضرت انس کی والدہ کو صفیہ کے بناؤ سنگھار کا حکم ہوا تھا کیسی بیہودہ بات ہے بناؤ سنگھار کی اگر ضرورت تھی تو پہلی دفعہ ہونی چاہئے تھی نہ کہ دوسری بار آنحضرت کو اس کا خیال آیا پھر ابو ایوب انصاری کا پہرہ دینا بھی عجیب مہمل حکایت ہے جس کا سر نہ پیر۔ رسول خدا ایسے کمزور بچہ تھے کہ ایک تنہا عورت آپکو کوئی نقصان پہنچا سکتی اور اسی لئے ابو ایوب کو خوف ہوا تھا پھر ازواج پاک کا دیکھنے کو بھیس بدلکے آنا کیسا لغو استدلال ہے جبکہ وہ آزادی سے بھی آسکتی تھیں اور دیکھنے آنا کیا معنے وہ سب ایک مختصر جگہ علیحدہ علیحدہ حجروں میں ملکے رہتی تھیں کوئی بڑا محل تو تھا نہیں کہ انھیں ایک دوسرے کے پاس وقت سے آنا پڑے۔

شرم نہیں آتی کہ ایسی بے معنی باتیں بیان کی جاتی ہیں جن کا سفسطہ بدیہی ہے ہم ایسے مفسروں یا مورخوں یا راویوں کو کیا کہئے چاہئیں جو اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ آیا رسول مقبول کے زمانہ میں ایسے واقعات ہو بھی سکتے ہیں اور اگر فرض کرو ہوئے تو تین صدی کے بعد ایک ایک منٹ کا حال اور بلفظہ گفتگو کی کیفیت اُنھیں کون کہنے آیا الہام اور وحی کا کوئی دعویٰ نہیں کرتا پھر نہیں خیال ہو سکتا کہ زن وشوئی کے رازدارانہ تعلقات اور باہم گفت وشنید کا انھیں پوری تین صدی کے بعد پتہ لگ گیا ہو سمجھ میں نہیں آتا کہ نکتہ چینیوں نے ان روایتوں کو اگرچہ وہ اسلامی کتب ہی میں سہی کس دلیل اور حجت سے صحیح تسلیم کر کے اسلام اور بانئے اسلام پر اپنے جلے پھپولے پھوڑے ہم نے اس قسم کی باتیں چھٹ بھیئے عیسائیوں کی کتابوں میں دیکھی ہیں مگر جو یوروپ کے اعلیٰ درجہ کے محقق ہیں وہ کبھی ان چڑے چڑیا کی کہانیوں پر خیال ہی نہیں کرتے اور نہ ایسی باتیں اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

آپ حارث کی صاحبزادی تھیں آپ کا نکاح پہلے ابن عمر سے ہوا تھا مگر اُنھوں نے طلاق دیدی پھر آپکی شادی ابو رہم سے ہوئی اُس کے بعد ۷ ہجری میں آنحضرت سے نکاح ہوا معترضین کا یہ اعتراض کہ نکاح نہیں ہوا تھا بلکہ مقام سرف پر بی بی میمونہ نے اپنا نفس آنحضرت کو ہبہ کر دیا تھا ہبہ کرنا یا نکاح کرنے میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ نکاح میں گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہبہ میں گواہوں کی ضرورت نہیں ہوتی حالانکہ نکاح میں بھی عورت اپنا نفس دو گواہوں کے آگے ایک شخص کو ہبہ کرتی ہے۔ یہ کوئی بڑے اعتراض کی بات نہیں ہے جس پر دریدہ دہنوں نے بہت کچھ ہرزہ گوئی سے کام لیا ہے اور پھر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ بی بی میمونہ اُونٹ پر جا رہی تھیں رسول اللہ نے دیکھکر فرمایا کہ اُونٹ اور جو اونٹ پر ہے وہ میرا ہے۔ یہ روایت محض لغو اور مہمل ہے اور اس کا کسی معتبر کتاب میں کہیں پتہ نہیں لگتا۔ یہ صحیح ہے کہ کسی مسلمان کو جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر نکاح کے کسی عورت کو اپنے قبضہ میں لائے یعنی بغیر گواہوں کی موجودگی کے کسی عورت سے دائمی تعلق پیدا کرے کیونکہ گواہ ہر مقام پر بکثرت ملسکتے ہیں مگر نبی کے لئے یہ کوئی قید نہیں ہے اگر عام طور پر ہبہ کی رسم مسلمانوں میں بھی جاری ہوجاتی تو انتظام عالم اور تمدن اسلامی میں سخت تزلزل واقع ہوتا اس لئے منع کر دیا گیا ہے کہ خاص رسول

کریم کے ساتھ یہ خصوصیت ہو اور کوئی مسلمان ایسا کرنے کا مجاز نہیں ہے رہا مجبوری کی حالت ہیں اور ایسی حالت میں کہ وہاں گواہ ملنا ناممکن ہو تو فقہا نے اس کے لیئے بہت کچھ احکام بیان فرمائے ہیں جنھیں ہم تفسیر میں بالتفصیل بتائیں گے۔

اس کے بعد میمونہ کے غسل کا تذکرہ ہو اور ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت میمونہ کے نبچے ہوئے پانی سے نہا لیئے یہ سب واہی تباہی باتیں ہیں جنھیں نفس مطلب سے کوئی بھی سروکار نہیں ہے نہاتے وقت آنحضرت نے اپنی کسی بی بی سے یہ یہ باتیں کی تھیں تین صدی بعد قیامت تک نہیں معلوم ہو سکتیں۔ یہ ساری گڑھت ہے جسے واقعات سے ذرا بھی تعلق نہیں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لونڈیاں یا حرمیں

بعض ضعیف روایتوں میں آنحضرت کی حرموں کا بھی بیان ہو مگر سب غلط اور مہمل ایک روایت بھی کوئی صحیح نہیں ثابت کر سکتا۔ نام گنانے کو تو ہزار کے نام گنا دیئے جائیں مگر صدق سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض مستند کتب احادیث میں بھی دو ایک حرموں کا تذکرہ ہے۔ مگر اتفاق نہیں ہے اور اس قسم کی کوئی روایت متفق علیہ آجتک نہیں ثابت ہوئی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک عورت کی ران پر برص کا داغ تھا آپ نے اُس سے علیحدگی اختیار کی اگرچہ اصول طب اور تمدن سے اس روایت کو مغائرت تو نہیں ہے مگر ایسی باتیں رسول کریم کے زمانہ میں مشہور نہیں ہو سکتی تھیں یہ تو صدیوں کے بعد تراشی گئی ہیں اور چونکہ ہر روایت عربی جامہ میں ہے اس لیئے اُس کے پڑھنے والے کو دھوکا ہوتا ہو ہمارے پاس کوئی معیار ایسی نہیں ہے جس سے جھوٹی سچی روایت پرکھی جائے اور معیار اسماء الرجال کی پیش کیجاتی ہے وہ بہت ہی نامکمل ہی بہرحال ہم درایت سے جانچتے ہیں اور جبتک کوئی روایت درایت کی معیار پر کھری نہ اُتریگی ہمیں تو اُس کے ماننے میں تامل ہوگا۔ مثلاً بیان کیا گیا ہے کہ فاطمہ بنت ضحاک آپ کی حرم تھیں اُنھیں خرچ کی تنگی ہوئی تو اُنھوں نے طلاق مانگی آپ نے طلاق دیدی اور پھر بیچاری فاطمہ فاقہ کشی کر کرکے مرگئی۔ پھر اسماء بنت صلت کا بیان ہوا ہے کہ جب آنحضرت نے اُس سے ہم بستر ہونے کی درخواست کی تو وہ شادی مرگ ہوگئی۔ پھر قبیلہ نبی سلیم کی ایک عورت کا بیان ہوا ہے کہ اُسکے باپ نے آنحضرت کے آگے اپنی بیٹی کے حسن و جمال کی تعریف کی آپ نکاح کرنے پر راضی ہوگئے مگر جب اُس نے منجملہ اور صفتوں کے ایک یہ بھی صفت بیان کی کہ وہ کبھی مریض نہیں ہوئی تو آپ متنفر ہوگئے اور فرمایا ایسی عورت بہت ہی منحوس ہوتی ہے۔ پھر ملیکہ بنت کعب ہی جس کی ران پر برص کا دھبہ بیان کیا گیا اور جو دیکھتے ہی رسول کریم اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر اسماء بنت نعمان ہے جس کا ساڑھے بارہ اوقیہ کا مہر چاندی کا تجویز کیا گیا تھا۔ جب آنحضرت نے ابو سعید ساعدی سے اُس عورت کو بلوایا تو حضرت بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ نے اُسے یہ سکھادیا کہ جسوقت رسول اللہ تیرے پاس آنے لگیں تو اُس وقت یہ پڑھ دیجیو اعوذ باللہ منک یعنی تجھسے خدا کی پناہ۔ جب ایسا موقع ہوا اُس نے یہ کہدیا آپ یہ سنتے ہی فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا تو نے بڑی ذات کی پناہ ڈھونڈی ہے پھر آپ کو معلوم ہوا کہ بی بی عائشہ اور بی بی حفصہ کی یہ چالاکی تھی پھر دوبارہ اُسے بلایا اور اپنے پاس رکھا۔ پھر لیلی بنت حطیم کا بیان ہو کہ اُس نے آپ کی پیٹھ پر دو ہتڑ مارا اور اُسوقت آپ دھوپ کی طرف سے پیٹھ کیئے بیٹھے تھے یہ دو ہتڑ گویا محض دل لگی کے طور پر تھا پھر اُس نے کہا کہ میں اپنا نفس

آپ کو سونپتی ہوں آپ راضی ہوگئے وہ یہ قول و قرار کر کے جب گھر واپس آئی اور اپنے رشتہ داروں سے بیان کیا۔ اُنھوں نے کہا اُس کے پاس بہت سی عورتیں ہیں تو اُس سے ہرگز نکاح نہ کیجیو بجُھے اور عورتیں دیکھ کے رشک ہوگا وہ تیرے حق میں بددعا کریگا تو برباد ہو جائیگی جا اور اپنا عہد توڑ ڈال۔ چنانچہ وہ دوبارہ حاضر ہوئی اور اپنا عہد توڑ کے چلتی بنی اور کسی دوسرے شخص سے شادی کر لی۔ پھر ام ہانی فاختہ بنت ابی طالب ہی جو بیوہ بن کے رسول کریم کے گھر میں آئی پھر خولہ بنت حکیم ہے اس سے نکاح نہیں ہوا مگر اس کے گھر میں سوئے ضرور۔ پھر ضمرہ ہے جسے اُس کے باپ سے طلب کیا تھا مگر اس نے دینے سے انکار کر دیا اور مرض کا بہانہ کر کے اپنے انکار میں کامیاب ہوا پھر ام رافع۔ رضوی۔ رقیمہ ام ضمیر۔ ماریہ۔ شیریں۔ ام ایمن ہیں جن میں بعض سے مقاربت بھی کی اور بعض سے نہیں کی۔

روایتوں کا یہ طوفان بے تمیزی ہے جنھوں نے اتنے نام عورتوں کے ایجاد کر لیے ان ہی روایتوں میں بہت سی باتیں وہ بیان کیگئی ہیں کہ ایک ناسمجھ بھی تسلیم کرنیسے سر ہلا دیگا بھلا صرف اس خوشی میں کہ رسول خدا اُس سے مقاربت کرنا چاہتے ہیں اسکی جان نکل گئی کتنی لغو اور مہمل بات ہی یا ایک عورت کا پیٹھ پر دو ہتڑ مارنا اور دل لگی کرنا اور نکاح کا وعدہ کر کے پھر اپنا وعدہ واپس پھیر لینا کتنا مہمل ایجاد ہی۔ ایسی روایتیں اگر غلطی سے کسی مسلمان مورخ نے درج کر دیں تو یہ کسیطرح بھی لازم نہیں ہے کہ ہم اس پر تکیہ کر کے ہو بیٹھیں بلکہ ہر روایت رسول کریم کے رعب جلال۔ اخلاق اور ادب کے مقابلہ میں کہنی چاہئے اور پھر دیکھنا چاہئیے کہ مذکورۂ بالا صفات سے اس یا اس جیسی روایات کا تطابق ہوتا ہے یا نہیں جس آخرالزمان نبی کے حضور میں کوئی ہوں تک نہ کر سکتا ہو۔ جس سے ۲۳ برس میں سوائے تیرہ مسائل کے اور سوال نہ کیا ہو اُسکے سامنے کس کا زہرہ تھا کہ وہ باتیں دریافت کرتا جو گھر اور بی بیوں سے تعلق رکھتی تھیں وضو نماز اور حج کے مسائل تو کسی نے پوچھے نہیں جیسا کرتے دیکھتے تھے ویسا ہی کرنے لگتے تھے کیا مجال تھی جو کوئی ایک لفظ بھی زبان پر لاتا۔ بی بی کیساتھ بچے ہوئے پانی میں نہانا اور پھر اُس کا ذکر باہر صحابہ میں کر دینا اور پھر ان میں سے بعض صحابہ کا بطور وصیت کے خاص ان ہی باتوں کو اپنی اولاد سے وصیت کر جانا اس طرح جب نسلاً بعد نسلٍ چلی آئیں پھر تو کہیں تیسری صدی کے آغاز میں اُن کا آغاز ہوا اگر یہ بات نہوتی تو کاہے کو وہ کتابوں میں درج ہوتیں اور لوگوں کے کانوں میں پڑتیں۔

بڑے تماشہ کی بات ہی کہ صحابۂ راشدین میں سے ایک نے بھی یہ روایتیں بیان نہیں کیں فرض کرو اگر اس قسم کے زن و شو کے تعلقات کا بیان کرنا کچھ ضروری ہوتا تو سب سے پہلے صحابہ راشدین ان روایتوں کو بیان فرماتے حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے تو اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا مگر واہ رے تیسری صدی ہجری تجھمیں ایسے ایسے راوی پیدا ہوگئے کہ کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اور وہ وہ باتیں نئے نئے رنگ میں بیان کیں گویا کوئی لمحہ رسول کریم سے علیحدہ ہی نہ ہوئے تھے۔ حدیثوں کی مستند کتابوں اور معتبر تواریخوں سے اس کا پتہ لگتا ہے کہ چار خلفا کے وقت میں تو ایسی روایتوں کا نام و نشان بھی نہ تھا کسی کے کان میں ایسی بھنک نہ پڑی تھی پہلی صدی میں ازواج پاک کے اندرونی تعلقات کا ذکر نہیں آیا دوسری صدی بھی خاموش گزر گئی مگر تیسری صدی اپنے ساتھ حدیثوں کا انبار لائی اور اُس نے آتے ہی حدیثوں کے صدہا دفتر مرتب کر دیے سنی شیعہ دونوں کی روایتوں اور حدیثوں کا اسی صدی میں زور ہوا۔ اور اس قسم کے قصے کہانیوں نے اسی زمانہ میں آکے جنم لیا۔ حضرت فاروق اعظم نہایت

دور اندیش خلیفہ تھے جنھوں نے اپنی خلافت میں سختی کیساتھ حدیثوں کی روایت کرنیکی ممانعت کردی تھی۔ فی الحقیقت یہ بہت بڑی حکمت بالغہ تھی اگر مسلمانوں میں باہمی فساد اور خونریزی نہ ہوتی تو ہرگز حدیثوں کی اشاعت اس کثرت سے کبھی نہ ہوتی خواہ تمدن کا دائرہ کیسا ہی وسیع ہوتا اور فتوحات کتنی ہی ترقی پذیر ہوتیں۔ چاروں خلفاء کی بھی یہی کیفیت تھی حضرت عثمان غنی نے تو اعلان جاری کردیا تھا کہ جو حدیثیں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق نے روایت کی ہیں اگر انکے سوا ایک حدیث بھی کسی نے روایت کی تو سخت سزا دیجائیگی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے لشکرگاہ میں سے ایک شخص کو پٹواکے نکلوادیا تھا صرف اس جرم میں کہ وہ اپنی طرف سے بنا بنا کے حدیثیں بیان کیا کرتا تھا۔ کاش یہی انتظام رہتا تو آج کو اسقدر اختلاف نہوتا اور مسلمان یوں برباد نہ ہوتے۔

صحابہ راشدین کی روایت سے جتنی روایتیں ہیں اُن کا شمار انگلیوں پر ہوسکتا ہے مگر تیسری صدی کے مسلمانوں کی روایت سے حدیثوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی ہے اور یہ امر بڑا ہی عجیب ترین ہے سب سے زیادہ بعض متاخرین مورخوں نے ستم توڑ دیا ہے وہ ناپاک باتیں بیان کرگئے ہیں جن کے بیان کرنیکی کچھ بھی ضرورت نہ تھی مثلاً کسی بی بی نے رسول اللہ کا پیشاب بھرولے سے پی لیا اور اسکی بیماری فوراً جاتی رہی یا کسی نے فضلہ کھالیا اور اُس کا جسم تمام امراض سے پاک ہوگیا۔ آپکا فضلہ زمین کھاجاتی تھی۔ ان حضرات سے دریافت کیا جائے کہ ایسی رکیک اور غیر ضروری باتوں کے دریافت کرنیکا منشا کیا ہے اور کونسی دینی بات اس سے پیدا ہوتی ہے اور شریعت کے کون سے اصول کی تعلیم ہوتی ہے خواہ مدارج النبوۃ میں لکھا ہو یا روضۃ الاحباب میں خواہ الواقدی میں لکھا ہو یا ابوالفدا میں کسی کتاب میں کیوں نہ لکھا ہو کہلائیگا غیر ضروری جن حدیثوں میں اس قسم کی لغویات نہیں ہیں وہی حدیثیں صحیح ہیں یا جو حدیثیں بشرطیکہ یہ ثابت بھی ہوسکے کہ یہ صحابہ راشدین کی ہیں تو سب سے زیادہ وہی معتبر ہیں اور انکے علاوہ جتنی حدیثیں اور روایتیں ہیں اُن میں برابر شک کی گنجایش ہوسکتی ہے ہمیں خاص ازواج پاک کی نسبت جو کچھ لکھنا تھا لکھ چکے شاید ہماری یہ تحریر پسند آئے اور ایک حد تک کافی ہو ہم اس سے بھی کہیں زیادہ بحث کرسکتے تھے مگر ہمنے عمداً طول نہیں دیا ہمارے خیال میں بس اسیقدر کافی ہے اگرچہ اس میں بہت کچھ ابھی لکھنے کی گنجایش باقی ہے لیکن ہماری لبساط کے قابل اسیقدر بس ہے۔

پندرھواں باب

اسلام

موجودہ زمانہ میں بعض غلط فہمیوں کی وجہ سے اسلام کے اصلی مفہوم کو بہت ہی صدمہ پہنچا ہے اور اب علماء کی باہمی خلفشار سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مذہب تھا صحابہ کا کیا طریقہ تھا اہل حدیث اور مجتہدوں کے اسلام کی نسبت کیا عقائد تھے اور بالآخر کیا سمجھیں کہ اسلام کسے کہتے ہیں۔ یہ نہایت پریشان سوال ہے جو بالخصوص ہندی مسلمانوں میں گردش کھارہے ہیں اور جن کا اطمینان بخش جواب کسی طرف سے بھی نہیں ملتا۔ ایک عجب آپا دھاپی ہے جو مذہب میں

مچار کھی ہے اور ایک تکلیف دہ پریشانی ہے جس نے کل مسلمانوں کو گھیر رکھا ہے۔ اس تمام فساد کے بانی ہمارے وہ علماء ہیں جو دین کے پردہ میں ذاتی اغراض نکالنا چاہتے ہیں اور فی الحقیقت انہیں اسلام سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ایسے شخص سے کیا امید ہو سکتی ہے جو دین کا لباس پہنکر دنیا طلبی کرے۔ ممکن نہیں کہ اسکی زبان سے ایک لفظ بھی حق نکلے عوام مسلمانوں میں چونکہ عام جہالت پھیلی ہوئی ہے وہ نہیں سمجھ سکتے کہ خود غرض اور غیر خود غرض عالم کون ہے وہ آنکھیں بند کر کے کسی نہ کسی کے ساتھ ہو لیتے ہیں۔ اور اخیر میں نہ صرف اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی بلکہ دین و ایمان کی پونجی بھی کھو بیٹھتے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں سادہ اور آسان اصول کو ایک وحشی بدوی سیکھے بڑے بڑے علماء نے تسلیم کیا اور جس کی مقبولیت عام ہو گئی آج اس تیرہویں صدی میں اُسے ایسا مشکل اور پیچیدہ کر دیا ہے کہ دور سے دیکھ کے خوف معلوم ہوتا ہے اسلام جو چند روز میں تمام ادیان پر غالب آگیا آج خود مسلمان ہی اُسے مغلوب کر رہے ہیں اور اُسکے سچے شیدائی اس کی اصلی صورت کو ترس گئے ہیں اس خرابی اور پریشانی میں بھی دین خدا اپنا معجزہ دکھا رہا ہے اور اُسکی ترقی کی رو تیزی کیسا تھ دوڑ رہی ہے مگر ایک عام پریشانی جو مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے اُس کا کچھ بھی تدارک نہیں ہوتا۔ وہ اسلام کہاں ہے جو رسول کریم کے وقت میں تھا وہ اسلام کہاں ہے جو صحابۂ راشدین کے زمانہ میں تھا وہ اسلام کہاں ہے جو محدثوں اور مجتہدوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ڈھونڈتے ہیں پر نہیں پاتے جستجو کرتے ہیں پر اُس کا کھوج نہیں ملتا قرآن بھی وہی قرآن ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین کیا صحابہ نے پڑھا اور علماء نے اسکی تفسیر کی اور مسائل کا استنباط کیا۔ حدیثیں بھی وہی حدیثیں ہیں جو صدیوں پہلے مسلمانوں میں رائج تھیں تفسیریں بھی وہی تفسیریں ہیں جو صدہا سال پہلے پڑھی جاتی تھیں اور فقہ بھی وہی فقہ ہے جس کا رواج صدیوں سے چلا آتا ہے مگر یہ اختلاف یہ دشمنی اور نفسا نفسی جو آجکل ہے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ کوئی راز ہے جو ابھی تک نہیں کھلا ہے اور کوئی پوشیدہ بات ہے جو عام مسلمانوں کی نگاہوں سے چھپی ہوئی ہے۔

موجودہ زمانے کے علماء (الا ماشاء اللہ) فی الحقیقت اسلام اور اس کے آسان اُصول کو سمجھے ہی نہیں وہ قرآن پڑھتے ہیں لیکن نہیں سمجھتے وہ آثار کا علم حاصل کرتے ہیں مگر سوائے زبانی جمع خرچ کے اُن پر کاربند نہیں ہوتے جب رہنما ہی غلط رستہ بتائیں تو بیچارے مقتدی کہاں کے رہے دل چاہتا ہے کہ ابتدائے اسلام سے اسوقت تک کل اصول اسلام پر ایک نظر کیجائے اور پھر اس عام نظر کا ایک نتیجہ نکال کے بتایا جائے کہ اسلام کیا چیز ہے اور اسے کیا سمجھ رکھا ہے اگر ہم سے یہ کام بن آیا تو اُمید پڑتی ہے کہ شاید ہمارے ناظر تفسیر کی ایک حد تک تسلی ہو اور وہ سمجھ جائے کہ نفس اسلام کیا چیز ہے اور اُسے کیا سمجھ رکھا ہے۔

صحابۂ راشدین کے زمانہ میں تو عجیب و غریب اسلام تھا سادے مسائل سادے فرائض نہ اُن میں علل کا دخل نہ حجتوں کا ذکر نہ منطق کی پیچیدگی اور نہ استنباط مسائل کا مشغلہ۔ کچھ بھی نہ تھا صرف نماز پڑھ لینا اور رمضان المبارک میں روزے رکھ لینا اور سال بھر میں ایکبار بشرط استطاعت حج کرنا اور صاحب ثروت ہونے پر زکوٰۃ دیدینا خدا کو ایک جاننا اور محمد عربی کو برحق نبی ماننا اور بس نہ فقہ کی تراش خراش ایجاد ہوئی تھی اور نہ فرائض کی تنقیح کی گئی تھی نہ واجب غیر واجب کے الفاظ سنے گئے تھے کچھ بھی نہ تھا خلفاء کا اسلام ان غیر ضروری اور دور از کار باتوں سے بالکل صاف تھا۔ باہم نہ اسبات میں جھگڑا ہوتا تھا

کہ آفتاب غروب ہوتے ہی روزہ کھولنا چاہیئے یا مطلع پر جبتک سیاہی نہ آئے روزہ افطار نکیا جائے نہ یہ بات تھی کہ سورۂ فاتحہ امام کے پیچھے نہ پڑھی جائے تو نماز ہی ناجائز ہوگئی اور پڑھ لی تو اسلام کے دائرہ سے نکل گئے نہ وضو کے فرائض اور موالات بیان کیئے جاتے تھے اور نہ رفع یدین وغیرہ کے مسائل پر بحث ہوتی تھی کچھ بھی نہ تھا اگر تھا تو صرف یہ کہ جس طرح مسلمانوں نے حضورِ انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا تھا اسی طرح فرائض نماز ادا کرتے تھے نہ کوئی ایسے بیہودہ سوالات کرتا تھا جو آج ہوتے ہیں اور نہ ان صاف اور سادے مسائل میں کوئی مین میکھ نکلتی تھی سب کو ایک ساتھ ہی اشاعت اسلام کا خیال تھا اور باہمی خانہ جنگیوں میں بھی انہیں اشاعت اسلام کا خیال نہیں بھولا تھا کوئی تاریخ اور کوئی ضعیف سے ضعیف حدیث اسکی شہادت نہیں دیتی کہ جن مسائل کو آجکل عین اسلام سمجھ لیا ہے انکا کبھی بھی صحابہ کے وقت میں تذکرہ آیا اور باہم رد و قدح ہوئی کاش وہی اسلام رہتا جو صحابہ کا تھا تو آج تمام عالم میں دوسرے مذہب کا ایک شخص بھی نہ دکھائی دیتا۔

نماز جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ محمود و مسعود سے ابتک معاشرت اسلامی کا ایک جزو اعظم ہے اور جو کبھی مسلمانوں سے علیحدہ نہیں ہوئی ہے اس میں فقہا کی مین میکھ نے وہ خلل اندازی کی ہے کہ اسوقت کوئی فرد بشر یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ رسول اللہ نے اس طرح نماز پڑھی تھی۔ شیعہ سنیوں ہی میں نماز کے بارے میں اختلاف نہیں ہے بلکہ خود سنیوں میں مالکی حنبلی شافعی اور حنفی بالکل علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے ہیں اور طریقہ نماز میں ان چاروں فریق کے بہت ہی اختلاف ہے کیا اسلام کے لیئے یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ اُس کے سب سے بڑے اصول میں یہ اختلاف ہو۔ ان مختلف روایتوں پر غور کرنیکے بعد یہ نہیں کھلتا کہ نبی کریم اور صحابہ کس طرح نماز پڑھتے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مجتہدین نے اس اختلاف پر اگرچہ بے انتہا رد و قدح کی ہے مگر ایک دوسرے کے طریقۂ نکاح پر کوئی فتوی کفر نہیں دیا ہے۔ موجودہ علمائے خدا انہیں ہدایت کرے ان اختلافات سے فائدہ اُٹھاکے غضب ہی برپا کیا ہے۔ ایک فریق دوسرے فریق کے طریقہ نماز کو ناجائز ہی نہیں سمجھتا بلکہ خارج از اسلام سمجھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اس طرح نماز پڑھنی دائرۂ اسلام سے خارج کر دیتی ہے۔ آمین بالجہر کا مسئلہ جسے خود فقہا نے بھی زیادہ وقعت سے نہیں دیکھا آجکل کے اصول اسلام میں داخل کر لیا گیا ہے ممکن نہیں کہ کوئی شخص ایسے فریق کی مسجد میں جو آمین بالجہر نہ مانتا ہو پکار کے آمین کہدے اور پھر وہاں سے سلامت آسکے استغفر اللہ اُس پر حملہ کیا جائیگا اور جہانتک ممکن ہوگا اسکی وہ گت بنائی جائیگی کہ پھر وہ کئی مہینے تک چارپائی سے اُٹھ بھی نہ سکے یہ ہے موجودہ اسلام جو مسلمانوں کے آگے موجودہ مولوی پیش کر رہے ہیں یہ خفیف بات نہیں ہے اس سے نفس اسلام کو بہت ہی صدمہ پہنچ رہا ہے اور یگانگت کا شیرازہ درہم و برہم ہوا چلا جاتا ہے اور بھی اسیطرح سے صدہا اختلافی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور اخیر میں انھیں خونی رنگ دیا جاتا ہے۔ کیا کیا کچھ ان اختلافی مسائل نے غضب ڈھایا اور کیا کیا آفت مسلمانوں پر نہیں توڑی سر پھٹول ہوئی۔ عدالتوں میں مقدمہ بازی ہوئی اور لندن تک اس مقدمہ نے طول کھینچا کیا کوئی شخص بھی بتا سکتا ہے کہ خیر القرون میں بھی یہ آفت نازل ہوتی تھی اور ان غیر ضروری مسائل کو اسقدر خوفناک رنگ دیا جاتا تھا۔ اسلام اسلام نہیں رہا اور کوئی خدا کا بندہ ایسا نہیں ہے جو اسلام کو اسلام بنا کے دکھادے۔

کیا ہمارے ان جھگڑوں اور لڑائیوں سے رسول کریم کی پاک روح خوش ہوتی ہوگی۔ اتمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

کس طرح نفاق و انحاد کی بنیاد ڈالی اور ہم نے اُسے کس بیدردی سے اُکھیڑ کے پھینک دیا۔ وائے بر ما۔ ہم قیامت کے روز اپنے آخر الزمان نبی کو کیا جواب دینگے اور ہمارا وہاں کیا حال ہوگا۔ ہماری جہالت سے دنیا کے نفس پرستوں نے فائدہ اُٹھا کے بہت کچھ مسلمانوں کو لوٹا ہے اور اُنکے روشن دین پر خودغرضی کی ایسی تاریکی پیدا کی ہے کہ انکو اُس کے نورانی پرتو کے دیکھنے کے لئے بھی آنکھیں ترس گئی ہیں۔ یہ خودغرض اور جاہل گروہ جو عام لوگوں کا پیشوا بن بیٹھا ہے بڑا ہی غضب ڈہا رہا ہے۔ اسکے مظالم کی انتہا ہو چکی ہے اور اسکی ہاتھا چھانٹی حد سے بھی گزر گئی ہے اسلئے ہمنے ضروری خیال کیا کہ اسلام پر بحث کرکے اسکی اصلیت کو بتا دیں شاید عام مسلمانوں کو کچھ فائدہ ہو اور اُنکی مذہبی حالت کی اصلاح ہو جب تک مذہب درست نہیں ہوگا دنیاوی حالت کبھی اصلاح پذیر نہیں ہو سکتی خیالات پریشان عقل ڈانواڈول دماغ چکر میں دل پراگندہ پھر کیونکر امید ہو سکتی ہے کہ ہماری حالت درست ہوگی اور ہم کچھ ترقی کر سکیں گے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تو بلحاظ دین کے ایک عجیب غریب زمانہ تھا جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے ایسی خوشگوار آوازیں سنیں۔ جب دین کی تکمیل ہو چکی آپ کو وصال باری ہو گیا۔ اب صحابہ کا زمانہ شروع ہوا اگرچہ اس زمانہ میں خانہ جنگیاں یا ملکی لڑائیاں شروع ہو گئی تھیں لیکن دین کے لحاظ سے اُن میں کچھ بھی اختلاف نہ تھا۔ جہانداری کے متعلق یہ لڑائیاں تھیں جو فطرتاً ہمیشہ ہوتی آئی ہیں اور اس سے کوئی قوم خالی نہیں رہی یہ ہماری خوش فہمی ہے کہ ہم اُن ملکی لڑائیوں کو جن میں ذرا بھی مذہب کی آمیزش نہ تھی مذہبی رنگ دیدیں ورنہ غور سے دیکھنے اور توجہ سے سمجھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کی جھلک بھی ان لڑائیوں میں نہ تھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمیشہ قوت امن کی ضامن ہوتی ہے اگر کوئی حکمران ضعیف ہے ہرگز اسکی سلطنت میں امن قائم نہیں رہ سکتا۔ اگر کوئی غیر بادشاہ حملہ نہ کرے گا تو گھر ہی میں فساد پھیل جائیگا اور جب تک پوری قوت سے حکمرانی نہ کیجائیگی امن ہونا محال ہے۔ زمانہ کی یہی عادت ابتدا سے ہے اور اخیر تک رہیگی۔ یہی فطرت ایک ذرہ سے لگا کے کائنات کے بڑے سے بڑے کرہ میں ہے مثلاً کرونکا ایک دوسرے کے مقابل میں قائم رہنا صرف اس لیئے ہے کہ کشش کی مضبوط زنجیر سے جکڑے ہوئے ہیں اور اپنی جگہ سے جنبش نہیں کھا سکتے اگر آج ایک بندھن بھی اس فطری زنجیر کا ڈھیلا ہو جائے تو کائنات کا انتظام آناً فاناً میں درہم برہم ہو جائے اور پھر ڈھونڈے سے بھی پتہ نہ لگے کہ فلاں کرہ کہاں تھا تمام کائنات کے انتظام میں یہی سلسلہ موجود ہے اور اس سے کوئی جزو لایتجزی بھی علیحدہ نہیں ہے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوئی اگرچہ آپ انتہا درجہ کے رقیق القلب اور نرم مزاج تھے مگر حکومت کی باگیں حضرت عمر جیسے مدبر سلطنت اور شجاع کے ہاتھوں میں تھیں اس لئے خلافت کا انتظام عمدگی سے ہوتا چلا گیا پھر حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور فتوحات میں نئے سرے سے جان ڈالدی بہت سے معاملات آپکی خلافت میں ایسے ہوئے کہ اگر کچھ بھی کمزوری ہوتی تو ضرور بغاوت ہو جاتی مگر جن زبردست قوی ہاتھوں سے آپ سلطنت کی باگ پکڑے ہوئے تھے وہ ایسے نہیں تھے کہ انتظام میں ذرا بھی سلطنت کو جنبش کھانے دیتے۔ مگر جب آپکی شہادت ہو گئی تو حکومت اُن لوگوں میں آئی جو کمزور تھے اور سلطنت کا بوجھ ہرگز نہ سنبھال سکتے تھے جس کا ذکر ہم بوضاحت اوپر کر آئے ہیں۔

ہمکو یہاں صرف یہ لکھنا ہے کہ صحابہ کے وقت میں اگرچہ ملکی لڑائیاں ہوئیں اور بے انتہا خونریزی ہوئی مگر معاملات دین

میں کچھ تغیر و تبدیل نہیں ہوئی اور ارکانِ اسلام وہی سیدھے سادھے رہے جو حضور انور کے زمانہ محمود و مسعود میں تھے کیونکہ ان ملکی لڑائیوں کو مذہب سے کوئی بھی تعلق نہ تھا اور نہ آجتک مسلمانوں کا کوئی فریق اُسے مذہبی ثابت کر سکتا ہے اگرچہ بعد ازاں انھیں مذہبی جامہ پہنا دیا گیا مگر ثابت نہیں ہو سکا کہ ایک لڑائی بھی اُس وقت مذہبی لڑی گئی تھی جب صحابہ کا زمانہ گزر گیا تو تابعین اور پھر ائمہ مجتہدین کا ظہور ہوا انھوں نے مصلحتوں کو احکام کا علل بیان کرنا شروع کیا اور یہ فی الحقیقت اُس وقت تھے بھی مجبور۔ اسلام کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا اور جدید خیالات اور محسوسات کے لوگ اس میں داخل ہو رہے تھے اُس وقت ضرورت ہوئی کہ شریعت کے احکام کی مصلحتیں بیان کی جائیں اور بتایا جائے کہ فلاں حکم کی علت غائی کیا ہے اور یہ کن مصلحتوں پر دیا گیا ہے۔ شکی طبائع بغیر وجوہات و دلیل کے کوئی بات بھی تسلیم نہیں کرتی تھیں اور ہمیشہ نئی نئی حجتیں کھڑی کر دیتی تھیں اس لیئے مجتہدین منصوص احکام کے اسباب بیان کرنے پر مجبور ہوئے پھر علمار کا دوسرا طبقہ پیدا ہوا جس نے مذہب میں فلسفہ کی چاشنی بھی دی مثلاً علامۂ خطابی۔ امام عزالدین ابن عبدالسلام وغیرہ (شکر اللہ مساعیہم) وہ وہ لطیف نکتہ بیان کیئے کہ مذہب میں فلسفہ کی تابانی آنے لگی شریعت نے اگرچہ دوسرا رنگ اختیار کر لیا مگر اب بھی اسلام میں وہ مشکلات پیدا ہوئی تھیں جو بعد ازاں ظاہر ہوئیں اور جنھیں اب بہت ہی خطرناک بنا دیا ہے حضور انور کی تعلیم تو عجیب و غریب تھی ایسی تعلیم جو دنیا نے کبھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی۔ آپ نے سخت ممانعت فرمائی تھی کہ حرام و حلال کے متعلق غیر ضروری ہرگز سوال نہ کیئے جائیں اور جو باتیں معلوم ہو گئی ہیں انھیں پر بس کیا جائے آپ نے ارشاد کیا ہے بڑا گنہگار وہ مسلمان ہے جو ایسی چیزیں دریافت کرے جو ابھی تک حرام نہ تھیں لیکن اُس کے سوال کرتے ہی حرام کر دی گئیں اور بھی کئی حدیثیں اس مضمون کی ہیں یہ گویا تنبیہ ہے اُن لوگوں کے لیئے جو مذہب میں نئی نئی تراش خراش پیدا کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل دریافت کرتے رہتے ہیں مسائل کی چھان بین کرنے سے یہ نقصان ہوتا ہے کہ انسان کو بہت سی باتوں کا یقین آجاتا ہے اور بہت سی باتوں کیطرف سے شک میں پڑ جاتا ہے مذہب اُسی وقت ستھرا اور صاف رہتا ہے کہ جب تک اُس میں مین میگ نہ نکالی جائے اور جب بال کی کھال نکلنے لگی تو پھر اسکی سادگی کبھی قائم نہیں رہتی۔ اسلام کی سادگی اور آسانی کی یہ کیفیت ہے کہ بیان نہیں ہو سکتی فرائض میں جبکہ تحمل اور طبیعت کی برداشت کا لحاظ رکھا گیا ہے بھلا یہ کیونکر خیال آسکتا ہے کہ اُس سے بھی زیادہ آسان دنیا میں کوئی مذہب ہوگا ایسے شخص کے لیئے جو سختی سے زندگی بسر کرتا ہے روزہ کا افطار کرنا درست ہے اللہ غنی انسانی طبائع کی مجبوری کا کس قدر پاس کیا گیا ہے یہ حکم نہیں ہے کہ اگر جان بھی جاتی رہے جب بھی روزہ رکھو اسی طرح سفر میں ایک خوش حال شخص روزہ افطار کر سکتا ہے۔ ان ہی باتوں کو حدود شرعی قرار دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ آسان مذہب کا دنیا میں کسی تاریخ میں بھی پتہ نہیں لگ سکتا۔

جو فن کہ بعد ازاں مدون ہوا اُس کی حضور انور کے زمانۂ محمود میں کچھ ضرورت نہ تھی اُن کے عقائد صاف اور ستھرے ہوئے زمانہ نبوت سے بہت ہی قریب۔ اختلاف کی قلت۔ دل مطمئن۔ اُن اُمور کی تفتیش کی جو حضور انور سے ثابت ہو چکے تھے انھیں کچھ ضرورت نہ تھی۔ منقول کو معقول سے مطابق کرنے کا انھیں کبھی خیال بھی نہ آتا تھا چونکہ اُن کا زمانہ قرن اول کے متصل تھا رجال حدیث آنکے پیش نظر تھے اپنے کانوں سے انکی باتیں سنتے تھے اور ہر ایک بات کو علمار ثقات

سے دریافت کرتے تھے۔ صورِ حدیث کی انھیں کچھ بھی خبر نہ تھی۔ غریب حدیثوں کی شرح اسمار رجال کی تحقیقات اُن کے عدالت کے مدارج بیان کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی اسی طرح مشکل احادیث کی شرح۔ احادیث کے اصول۔ مختلف احادیث کا بیان۔ احادیث کے راز ضعیف اور صحیح میں تمیز قائم کرنا۔ موضوع کو مردود سے الگ کرنا یہ ساری باتیں فضول اور غیر ضروری تھیں ان میں سے ایک بات بھی نہ تھی۔ خیالات میں سادگی محسوسات۔ معاشرت اور تمدن میں سہولت یہ اُن کا روزمرّہ تھا مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا فنون بالا کی تدوین کی ضرورت پڑی۔ تدوین کا ہونا تھا کہ اختلاف کا دروازہ کھل گیا اگرچہ وہ اختلاف سبب رحمت بیان کیا جاتا ہے اور تھا بھی اُس زمانہ میں سبب رحمت ہی لیکن اب تو اُس اختلاف نے مسلمانوں میں آفت برپا کی ہے کہ العظمۃ للہ۔

فی الحقیقت اُن کا اختلاف فطری بنیاد پر تھا اور وہ اس اختلاف سے مسلمانوں میں آزادی رائے کی صفت پیدا کرنا چاہتے تھے لیکن اُنکے منشا کے بالکل خلاف ہوا بجائے آزادی رائے کے اُن میں تقلید کا زہر سرایت کر گیا اور اُس نے اخیر ترقی کا رستہ بالکل بند کر دیا۔ کاش تقلید کی پٹی آنکھوں پر نہ بندہ جاتی تو مسلمان برابر ترقی کرتے چلے جاتے اور کبھی تالاب کے مینڈک بن کے نہ بیٹھتے۔ فقہا کا اختلاف بھی عجیب لطیف اور علمی بنیاد پر قائم تھا اور واقعی ایسے اختلاف سے ایک تفتیش کناں دماغ بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتا ہے مثلاً سب سے پہلے اس بنا پر اختلاف ہوا کہ احکام کی کیا علتیں ہیں اور اُن سے مطلوبہ مصلحتیں کیونکر حاصل ہو سکتی ہیں جو شرع میں بھی معتبر ہوں۔ یہ اختلاف گویا سیڑھی تھی مذہب تک پہنچنے کی اور یہاں سے مذہب میں دخل دیا جانا شروع ہو گیا اور اخیر یہاں تک نوبت پوہنچی کہ اعتقادی اور علمی مسئلوں میں شکوک پیدا ہونے لگا یہانتک کہ نقلی نصوص پر عقلی دلائل چسپاں ہونے لگیں اور منقول کو معقول سے مطابقت دیجانے لگی اور اُسے دین کے لئے بہت ہی کارآمد خیال کیا گیا اور سمجھا یا گیا کہ مسلمانوں کی پریشانی اسی صورت سے دور ہوگی اور یہی طریقہ ہے جس سے اُنکے شکوک مٹیں گے۔

اس میں تو شبہ نہیں کہ علمار اُمت نے وہ کام کیا کہ اسلام کی زندگی تک یادگار رہے گا اُنکی کوششیں قیمتی تھیں اور انکی خدمات جو اُنھوں نے اسلام کی کیں خدا نے مقبول فرمائیں جنکی مقبولیت کا ظہور دنیا میں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اُنکی وفات کو صدیاں گزر گئیں لیکن لاکھوں بلکہ کڑوڑوں مسلمان اُنکے نام پر جان دیتے ہیں اور اُن کا مذہب ہے کہ اسلام کا جو کچھ ظہور اد نیا میں دکھائی دیتا ہے وہ اُن ہی کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے یہ تو کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ اسرار دین کی تدوین بیفائدہ ہے اگرچہ نتیجہ نکالنے والے نے اُس سے غلط نتیجہ کیوں نہ نکالا حضور انور جب خود موجود تھے تو کلام باری کا معجزہ آپکے پاس ایسا موجود تھا جسکے آگے کل معجزے گرد ہوتے تھے مگر جب حضور پر نور کا وصال ہو گیا اور زمانہ گزرتے گزرتے معجزہ وجہیں لوگوں پر مخفی ہونے لگیں تو علمائے اُمت نے بڑی عرق ریزی کے بعد اُن وجوہات کو ظاہر کر دیا تاکہ جو لوگ اُنکے ہم مرتبہ نہوں وہ قرآن کے اعجاز کو بخوبی سمجھ سکیں۔ فقہا میں اکثر فقہ کے فروعی مسائل میں اس بنا پر کہ احکام کی علتیں کونسی مناسب اور کونسی نامناسب ہیں بڑا اختلاف ہے اس اختلاف سے صدہا پیچیدگیاں حل ہو گئیں اور ہزارہا الجھنیں سلجھ گئیں ناواقف اس اختلاف کی زنجیروں میں پھنس کے اگرچہ اپنے ایمان کی سہی سہی طاقت کھو دیں لیکن مسلمانوں کے دلوں کو یہ اختلاف قوی بناتا ہے اور بات یہ ہے کہ اسلام کو اس

اختلاف سے بہت کچھ فائدہ پہنچا ہے۔ جن ناموں سے کہ مسلمان اس وقت پکارے جاتے ہیں وہ نام بہت ہی بعد کے رکھے گئے ہیں خیر القرون کو ان ناموں سے کچھ سروکار نہ تھا اور صرف باہمی اختلاف کیوجہ سے یہ نام پیدا ہو گئے مثلاً اہل سنت اُس گروہ کا نام ہے جس نے اُن اُمور کو اختیار کیا جو صاف قرآن و حدیث سے ثابت تھے اُنھوں نے سلف کے عقیدوں پر اپنے کو مضبوطی سے قائم کر لیا اسکی پروا نہیں کی کہ اُنکے اصول عقلی قواعد کے مخالف ہیں یا موافق اگر انھوں نے فن معقول کی کوئی بات بھی بیان کی تو صرف مخالفین کو الزام دینے کے لیئے انھوں نے کبھی رایوں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا۔ بس یہ صفت ہے اہل سنت کی اور یہ پوری تعریف ہوئی سنی گروہ کی۔ اسلام میں سنی معتزلی شیعی کے الفاظ کچھ وزن نہیں رکھتے سب مسلمان ہیں اور اُنکے خیالات اور عقائد سے اُن ہی خیالات اور عقائد کے مطابق اُنکے نام مشہور ہو گئے ایک گروہ مسلمانوں میں ایسا پیدا ہوا کہ اُس نے عقل کو نقل پر ترجیح دی جہاں اُنھوں نے اسلام کی کوئی بات اپنے مفروضہ عقلی اصول کے خلاف دیکھی اسے بر ملا طاق پر رکھدیا یا تاویل کر کے اپنے خیالات کے موافق چسپاں کر لیا مثلاً سوال قبر وزن اعمال اور اولیا کی کرامتیں وغیرہ اُن کے بہت بہت کچھ جوابات دیئے گئے لیکن اُن کا کبھی اطمینان نہیں ہوا اور اُنھوں نے تاویلیں کر کے خود ہی اپنا اطمینان کر لیا۔

امور دینی میں ایک حصہ ایسا ہے کہ قرآن میں کہیں اُس کا ذکر نہیں ہے نہ احادیث میں اُنکی شہرت ہوئی نہ صحابہ نے اُن کے متعلق کچھ بیان کیا اس لیئے ان حصوں پر مدتوں پردہ پڑا رہا اور اخیر مدت کے بعد جاکے اُس کا چرچا ہوا اور پھر وہ ایک دوسرے سے بالکل جدا ہو گئے۔ علمار نے اس حصہ پر دو طرح سے خوض کیا یا تو اُن مسائل کو مخفی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا جیسا کہ انبیا کا فرشتوں سے افضل ہونا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضرت بی بی فاطمہ علیہ السلام پر فضیلت یا علمار نے اُن اُمور کو سرے سے جزو دین ہی نہیں قرار دیا بلکہ اُن پر اُمور دین کا سمجھنا موقوف رکھا۔ چنانچہ اُمور عامہ کے مسئلے جوہر و عرض کے مسائل پھر عالم کا حادث ہونا جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ ہیولیٰ باطل اور جزو لا یتجزیٰ ثابت کر دیا جائے اور یہ امر کہ خدا تعالیٰ نے عالم کو بغیر کسی دوسرے کی وساطت کے پیدا کیا ہے اُسیوقت ثابت ہو سکتا ہے کہ اس مشہور اور مسلم قول کی تردید ہو جائے کہ ایک چیز سے ہمیشہ ایک ہی چیز پیدا ہو سکتی ہے اور جبتک کہ اسباب اور اُنکے مسببات میں لزوم عقلی باطل نہ ہو جائے معجزات کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ معاد جسمانی کا مسئلہ جب ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ ایک معدوم چیز کا دوبارہ واپس آجانا ممکن ہو و علیٰ ہذا القیاس۔

تیسری صورت اختلاف کی یہ ہے کہ ایک اصلی امر پر تو اتفاق ہو جو قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا ہے لیکن اسکی توضیح اور تفسیر کرنے میں علما نے اختلاف کیا ہو چنانچہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ میں سمع اور بصر کی دو صفتیں ہیں اب اس میں اختلاف ہے کہ اُسکی سمع و بصر ہونے کے کیا معنی ہیں۔ ایک گروہ تو مسلمانوں کا یہ کہتا ہے کہ خدا ان چیزوں کو اپنے علم سے جانتا ہے جو سننے یا دیکھنے کے لایق ہیں اور بعض کا یہ مقولہ ہے کہ وہ دونوں علیحدہ صفتیں ہیں بعض کا یہ قول ہے کہ خداوند تعالیٰ حی ہے اور علیم ہے ارادہ کرنے والا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے کلام بھی کرتا ہے لیکن بعض کا یہ مقولہ ہے کہ ان صفتوں سے وہ معنی مراد نہیں ہیں جو ان سے مفہوم ہوتے ہیں بلکہ ان صفتوں کے اثر اور کام مراد ہیں اور اسی لحاظ سے صفات مذکور اور صفت رحمت و غضب اور جود میں کوئی فرق نہیں ہے اور نہ احادیث نے اُن میں کچھ فرق ثابت کیا ہے۔

بعض کا قول ہے کہ نہیں خدا کی ذات واجب ہی ہیں یہ سب اُمور موجود اور قدیم ہیں اور علی ہذا سب متفق ہیں کہ خدا میں استوار اور ضحک کی صفت موجود ہے لیکن بعض کا یہ عقیدہ ہے کہ ان صفات سے وہ معنی مراد ہیں جو اُنکے مناسب ہوں مثلاً عرش پر ٹھیرنے سے اُس پر غالب آنا مراد ہے اور وجہ سے ذات مراد ہے ایک اور فریق ہے جس نے ان امور کو اُن ہی کے حال پر چھوڑ دیا ہے اور صاف کہدیا ہے کہ ان الفاظ کی مراد ہم کچھ نہیں سمجھتے غور کرنیکے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ان امور میں کوئی حکمت شریعت اور منصوص نہیں ہے اس لیئے ایک فریق کو دوسرے پر کچھ فوقیت حاصل نہیں ہے بظاہر یہ اُمور ایسے اہم ہیں کہ اگر انکی مخالفانہ رایوں کا وزن کیا جائے تو وہ بہت دور تک پہنچتے ہیں اور عوام الناس ایسے امور اور اُنکی توجیہات کو سمجھکے ششدر و حیران رہجاتے ہیں اگر فی زماننا یہ اُمور پیش کیئے جائیں تو ایک فریق دوسرے فریق کو کافر اور ملحد کہنے لگے مگر چونکہ ان توجیہات کو مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لیئے کسی کی ذاتی رائے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہو اُسے دائرہ اسلام سے خارج نہیں کرتی جس طرح زمانۂ موجودہ میں معمولی مخالفت سبب کفر بنجاتی ہے گزشتہ عصر میں اسلام کی ترقی کی وجہ تھی یہی سبب ہے کہ علمائے اُمت کا اختلاف سبب رحمت تسلیم کیا گیا ہے اسلام فی نفسہ ان جھگڑوں اور نضیبوں سے پاک ہے اور اسلام نے ان مختلف فیہ مسائل کو ذرا بھی وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا ہے مثلاً خداوند تعالی کا عرش پر ستوا بیان ہوا ہے اس استوا کے معنی ہر شخص نے اپنی رائے اور اپنے خیال کے مطابق خواہ کچھ ہی سمجھ لیئے دوسرے فریق کو جس نے اور کچھ معنے سمجھے ہیں ہرگز حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اختلاف رائے پر کچھ سوء ظنی کرے قرآن مجید کا بہت بڑا معجزہ یہی ہے کہ وہ ہر شخص کی فہم کے مطابق نازل کیا گیا ہے اور ایک جاہل بدوی سے لیکے ایک فاضل فلسفی تک اُس سے اپنے اپنے خیال کے مطابق اطمینان کرسکتا ہے اسلام نے ہر فرد بشر کو بالکل آزادی دیدی ہے وہ ہرگز نہیں کہتا کہ اپنی عقل کو بیکار کر کے دوسروں پر تکیہ کر کے ہو بیٹھو اور ذرا بھی اپنی خداداد فراست سے کام نہ لو یہ ہماری بدقسمتی ہے اگر ہم ایسا کریں ہمیں ان صحیح حواس سے خود بھی کچھ کام لینا چاہیئے جو فطرت باری نے ہمیں عطا کیئے ہیں ہم اگر دوسروں کی رائے پر تکیہ کرلیں گے تو اس کے یہ معنی ہونگے گویا ہمنے خداوند تعالی کے بے نظیر عطیہ کی کچھ قدر نہ کی اور اسے ایک بیکار چیز سمجھ کے پھینک دیا کسی امر میں کسی کے پیرو بننے کی ضرورت نہیں ہے - یہ کیا ضرور ہے کہ جو کچھ اوروں نے قرآن و حدیث سے مستنبط کیا وہ سرتاپا راست ہو یا اپنی دانست میں اُنھوں نے کسی بات کو کسی امر پر موقوف کیا ہو اور اُن کا توقف تسلیم کرنے کے قابل ہی ہو یا جس امر کو اُنھوں نے قابل الرد خیال کیا ہو وہ حقیقت میں رد کے قابل ہی ہو اُنکی رائے اور تعبیر کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اور مسلمان اسکے تسلیم کرنے پر مجبور ہوں اور بغیر اس کے انھیں چارہ ہی نہ ہو اس لیئے ہزاروں مسائل ایسے ہیں جن میں علمانے اختلاف کیا ہے اور کسی عالم نے دوسرے عالم کی ذاتی رائے کو اگر وہ اپنے منافی مطلب ہیں وقعت کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔

شریعت کے اسرار کا ایک فن علیحدہ ہے اور قدرت نے اس خاص فن کو فی الحقیقت کسی کا حصہ نہیں کیا ہے جس شخص کو اسلام اور بانئے اسلام سے گہرا تعلق ہے جس نے مدتوں تک شریعت کے سربستہ رازوں کی طرف توجہ کی ہو جس نے اپنے تعلق کو رب الافواج سے زیادہ کیا ہو جس نے راتوں کو مجاہدے اور مراقبے کیئے ہوں جسنے اپنے قلب کو اس قابل بنایا ہو کہ اُس پر شریعت کے اسرار کا پرتو پڑ سکے اور جس پر خاص خداوند تعالی کا ہاتھ ہو اور جسکے ساتھ وحدہ لاشریک

کی خاص رحمت ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ اسرار شریعت کیا چیز ہیں۔ رسول کریم کی کیا بزرگی ہے اور حضور انور کے الفاظ کیا وزن رکھتے ہیں جبتک خداوند تعالیٰ سے کوئی خاص تعلق نہ پیدا ہو جائے گا شریعت کے اسرار تو کبھی نہیں کھل سکتے رہا ظاہری الفاظ کو سمجھنا اور اُن سے اپنے مطلب کے موافق کام لینا یہ دوسری بات ہے اور استخوان سے مغز تک پہنچ جانا اور بات ہے ہم پر خداوند تعالیٰ نے شریعت کے اسرار کھول دیئے ہیں اور تمام احکامات باری کا راز ہمیں معلوم ہونے لگا ہے بہت احادیث ایسی ہیں جو عوام الناس کے ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتیں اور اُن حدیثوں کو دیکھکے ایک ملحد یا غیر مذہب کا شخص تو مضحکہ ہی اُڑادیگا مگر جنھیں کچھ بھی شریعت کے راز و اسرار الٰہی کا علم ہے وہ اُن احادیث کا ایک لفظ بھی خلاف فطرت باری نہیں سمجھنے کا۔ مثلاً حضور انور نے ارشاد کیا ہے کہ میں نے ایک دن شب کو اُٹھ کے نماز پڑھی اور نماز پڑھتے پڑھتے پڑھتے نیند آگئی جب خوب غفلت کی نیند ہو گئی تو میں نے اپنے خداوند تعالیٰ کو ایک جمیل صورت میں پایا اُس نے فرمایا اے محمد میں نے جواب دیا لبیک میرے پروردگار کا ارشاد ہوا ملأ اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہوتا ہے میں نے کہا مجھے معلوم نہیں اسیطرح تین مرتبہ ارشاد ہوا اور تینوں بار میں نے لاعلمی کا اظہار کیا پھر خداوند تعالیٰ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور میرے شانوں کے بیچ میں رکھا حتیٰ کہ میں نے اُسکی انگلیوں کی خنکی کا اثر اپنے سینہ پر پایا اُس وقت سب چیزیں مجھپر ظاہر ہو گئیں اور مجھے اُس کا جواب بھی معلوم ہو گیا پھر ارشاد ہوا محمدؐ میں نے عرض کیا لبیک میرے پروردگار فرمایا ملاء اعلیٰ میں کس بات پر نزاع ہوتا ہے میں نے عرض کیا کفارات پر فرمایا کفارات کیا ہیں میں نے عرض کیا پیادہ پا نماز کے شوق میں چلنا نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھا رہنا ناگوار حالتوں میں وضو کو پورا کرنا۔ پھر ارشاد ہوا اور کس چیز میں میں نے عرض کیا درجات میں فرمایا درجات کیا عرض کیا کھانا کھلانا۔ نرم کلامی۔ شب کی نماز اُس وقت پڑھنا کہ جب سب لوگ سو رہے ہوں۔ یہ راز ہیں جن کا پتہ ہر معمولی انسان کو نہیں لگ سکتا۔ اس حدیث میں دو باتیں ہیں ایک بات تو روحانی بزرگی اور علو مرتبت سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری جسمانی تمدن اور بزرگی سے متعلق ہے رسول کریم نے خداوند تعالیٰ کو دیکھا اُس سے باتیں کیں اور باتوں میں عبد و معبود کے درمیان جن اُمور پر گفتگو ہوئی وہ روحانی ترقیات اور تمدن کے لحاظ سے یکتا ہیں خدا کو مجسم پاکیزہ صورت میں دیکھنا اور اُس سے باتیں کرنا کچھ بھی محال عقل نہیں ہے آپ تو آخر الزمان نبی تھے اور بنی نوع میں آپ سب سے زیادہ افضل تھے مگر وہ نفوس جنھیں درجۂ نبوت حاصل نہیں ہے اگر اُن کا استغراق حد سے زیادہ ربانی انوار میں بڑھ جائے تو وہ اپنے معبود کو اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ لیتے اور اُس سے باتیں کرتے ہیں اور اُنکی باتوں کا جواب دیا جاتا ہے پریشان ہوتے ہیں اُنکی تسلی کیجاتی ہے اور اُن پر رحمتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے مگر آپ نے ایسے خدا رسیدہ لوگوں کی اِس حدیث میں صفات بیان فرما دیں اور وہ یہ ہیں کہ عبادتِ الٰہی میں مصروف رہا جائے جسمانی صفات کا بھی خیال رکھا جائے اور تمدن کو اعلیٰ درجہ پر پہنچانیکے لیئے لوگوں سے نرمی پیش آیا جائے۔ رسول کریم کا کوئی فعل خواب یا بیداری کا مخلوق خدا کی اصلاح سے خالی نہیں ہوتا اس حدیث پر جتنا غور کیا جائیگا نئے نئے اسرار اور ربانی غوامض کا انکشاف ہوتا چلا جائیگا۔ یہ ہیں شریعت کے راز جن کا سمجھنا ہر معمولی شخص کا کام نہیں ہے آپنے تو اپنے خواب کی ایک ہی بار کی حالت بیان فرمائی مگر فی الحقیقت آپکی آنکھوں کے سامنے ہر وقت خداوند تعالیٰ رہتا تھا اور اُس کا ہاتھ آپکے دونوں شانوں کے بیچ میں تھا ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دنیا کا کوئی کام جبتک خدا کا ہاتھ اُس میں شریک نہو سرسبز نہیں ہو سکتا یہی حضور انور نے

فیصلہ کیا ہے کہ خدا کا ہاتھ جب میرے شانوں کے بیچ میں آیا اُس وقت مجھے ملاء اعلیٰ کی نزع یا انسانی فضیلت کا حال معلوم ہوا اس حدیث سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا ہاتھ کبھی اس شخص کا ساتھ نہیں دیتا جسکے کاموں میں ذاتی اغراض چھپے ہوئے ہوں اور جسنے مخلوق خدا کی اصلاح یا اُن سے بنرم زبانی پیش آنیکی طرف توجہ نکی ہو یہ ہے علین اسلام جسے آج ہوا بنا رکھا ہے اور اُسپر مفتریان زمانہ نے نئے نئے الزام قائم کر کے اپنی انسانی شرافت کو دھبہ لگایا ہے حضور انور ارشاد کرتے ہیں کہ خدا کے بندوں میں سے بزرگ فرشتے بھی ہیں جو بارگاہ خداوندی میں مقرب ہیں جو شخص اپنے نفس کی اصلاح آپ ہی کرتا ہے اور اُسے مہذب بنا لیتا ہے پھر لوگوں کی اصلاح میں کوشش کرتا ہے تو فرشتے ہمیشہ اُسکے لیئے دعائے خیر کرتے ہیں جسکے اثر سے اُن لوگوں پر برکتیں نازل ہوتی ہیں یہ ہے سچی انسانیت اور یہ ہے سچی ولایت پہلے اپنے نفس کی اصلاح ہو اور پھر خدا کی مخلوق کی اصلاح کیجائے۔ اس کا نام ہرگز ولایت نہیں ہے کہ خدا کے کنبہ سے بھاگ کے کسی پہاڑ کی کھوہ میں چھپ رہے اور انسان کی صورت سے نفرت ظاہر کرے۔ دنیا میں پیدا ہو کے جب تک اُن جوہروں سے کام نہیں لیا جو خداوند تعالیٰ نے انسان کی ذات میں ودیعت کیئے ہیں تو پھر خلق کی غایت ہی کا ہے کو پوری ہوئی۔ اس قسم کی تنہائی میں بسر کرنیکی زندگی اگرچہ عوام الناس کے خیال میں کچھ وقعت رکھتی ہو مگر خدا اور دین خدا ایسی زندگی کو سخت نفرت سے دیکھتے ہیں فرشتے کیا ہیں یہ اُن بزرگوں کی روحیں ہیں جنھوں نے اپنی تمام عمر خدا کی مخلوق کی اصلاح میں گزار دی اور انسان کی مخلوق کی غایت پوری کر کے ہمیشہ کی نیند میں زمینی حجروں میں آرام سے جا سوئے۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "اے مطمئن روح تو اپنے پروردگار کی طرف خوشی خوشی واپس آ اور میرے بندوں میں داخل ہو کے میری جنت میں آجا۔ بندے وہی بزرگ روحیں ہیں جو پہلے آچکی ہیں اور جنھیں ملائک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضور انور ارشاد کرتے ہیں کہ میں نے جعفر ابن ابیطالب کو دیکھا کہ وہ فرشتے کی صورت میں مع دو پروں کے فرشتوں کے ساتھ جنت میں اُڑتے پھرتے ہیں اور وہیں ملاء اعلیٰ میں احکام آلٰہی کا نزول بھی ہوتا ہے اس حدیث کا بھید یہ ہے کہ جن نفوس قدسیہ کو فرشتوں کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے وہ بزرگان قوم کی روحیں ہیں جن کے بہشت میں اُڑنے سے یہ مطلب ہے کہ بارگاہ خداوندی میں اعلیٰ مراتب حاصل ہوئے۔ انسان ہی میں فرشتہ ہونیکی صفت ہے اور انسان ہی میں شیطان بننے کی خاصیت ہے اسے اختیار دیا گیا ہے کہ یہ چاہے جو کچھ بنے۔ اسلام نے تو ان باتوں کو ایسا صاف کر دیا ہے کہ زیادہ حیل وحجت کی گنجایش ہی نہیں۔ جو نہیں سمجھتے اُن کی فہم کا قصور ہے ورنہ اسلام نے تو انسانی مدارج کے کل راستے بہت ہی صاف کر دیئے ہیں۔

علوم جدیدہ نے اس بات کو آج دریافت کیا ہے کہ فطرت کے کاموں میں کسی قسم کی کرامت یا استدراج یا معجزہ تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا مگر اسلام تیرہ سو برس سے اس بات کا فیصلہ کر چکا ہے جہاں اسکی کتاب میں بہت زور شور سے یہ بیان ہوا ہے یعنی خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے "ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا" یعنی خداوند تعالیٰ کے طریقہ میں تو کوئی تبدیلی نہ پائیگا قوانین قدرت میں کبھی تبدیلیاں نہیں ہوا کرتیں جو قوانین روز ازل سے مرتب ہو چکے ہیں اُن میں تبدیلی ہونا نا ممکن ہے اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے سب سے پہلے قوانین قدرت کی غیر تبدیلی کی خبر دی ورنہ کل مذاہب نے قوانین باری تعالے میں تصرف کیئے ہیں اور اکثر کا یہ تصرف فوق الفطرت حد سے بھی تجاوز کر گیا ہے

ان مجید میں آیا ہے انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان
ہ کان ظلوماً جھولاً لیعذب اللہ المنافقین والمنافقات والمشرکین والمشرکات ویتوب اللہ علی المؤمنین والمؤمنات
ان اللہ غفوراً رحیما یعنی ہمنے امانت کو آسمانوں زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا انھوں نے اسکے اٹھانے سے
کار کیا اور اُس سے خوفزدہ ہوگئے اور آدمی نے اس امانت کو اٹھالیا بیشک آدمی بڑا ظالم اور نادان ہے تاکہ خدا منافق
منافق عورتوں کو اور مشرکوں اور مشرکہ عورتوں کو عذاب دے اور مسلمانوں اور مسلمان عورتوں کی توبہ قبول کرے خدا
بخشنے والا مہربان ہے" بیضاوی لکھتا ہے کہ امانت سے مراد مکلف ہونیکی ذمہ داری ہے اور آسمان و زمین پر اُسکے پیش
کیے یہ معنے ہیں کہ اُنکی استعداد کا اندازہ کیا گیا کہ ان کاموں کے کرنے یا نکرنے کا مادہ اُن میں ہے یا نہیں اور انکے انکار
جیسے یہ غرض ہے کہ اُنکی طبیعت میں اس کام کے کرنیکی لیاقت و استعداد نہ تھی اس آیت پر غور کرنیسے دو باتیں سمجھ میں
تی ہیں ایک تو انسان کا اقرار کہ وہ خدا کی امانت اٹھالیگا اور پھر اسکو ظالم اور نادان کہنا سرسری نظر کرنے سے تو اس
یت کے معنی میں پیچیدگی پیدا ہوجائیگی مگر غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوگا کہ خداوند تعالیٰ نے جب انسان کی ذات
ں وہ جوہر ودیعت کیئے جو اور مخلوق میں نہیں ہیں اور جن جوہروں سے وہ معبود اور غیر معبود میں تمیز کر سکتا ہے پھر یہ
کتنا بڑا ظلم اور کیسی نادانی ہوگی کہ وہ معبود حقیقی کو چھوڑ کے اپنے سے ادنیٰ مخلوق کو معبود بنائے اور تمام اعلیٰ صفات کو
و روز ازل سے انسانی ذات میں مخصوص کیئے گئے ہیں انکو بالکل مٹادے اور ذرا بھی اپنی اشرفیت اور بزرگی کا خیال
کرے۔ اس سے زیادہ عمدہ پیرائے میں کوئی مذہب توحید کا سبق نہیں دیسکتا پہلے انسان کی فضیلت کو بیان کیا اور
پھر اُسے شرمایا کہ تو کیسا ظالم اور نادان ہے کہ ان جوہروں کے ہونے پر بھی اپنے حقیقی خالق کو نہیں پہچانا۔ ایسے لوگوں
کے لیئے عذاب تجویز کیا گیا ہے اور اُنکی توبہ قبول کرنیسے بھی انکار کیا ہے ہاں مسلمان مرد و عورت کی توبہ قبول کی گئی ہے
کیونکہ اُنھوں نے کچھ تو اُن جوہروں کی قدر کی اور ایمان لاتے وقت ایک حد تک تو اُنھیں جانچا پھر خداوند تعالیٰ نے
دوسرے مقام پر فرمایا ہے فاما من اعطی واتقی وصدق بالحسنی فسنیسرہ للیسری واما من بخل واستغنی وکذب بالحسنی
فسنیسرہ للعسری یعنی جو کوئی کچھ دیگا اور پرہیزگار رہے گا اور نیکی کی تصدیق کریگا تو ہم سہولت کو اُسکے لیئے آسان کرینگے
اور جو کوئی بخیلی کریگا اور بے پروا ہو جائیگا اور نیکی تکذیب کریگا ہم دشواری کو اُسکے لیئے آسان کر دینگے" یہ وعدے وعید
ہیں جن سے بخیل اور بے پروا کے لیئے سختی اور پرہیزگار کے لیئے عمدگی ہے نیکی کی تکذیب کرنیکے یہ معنی ہیں کہ خدائے مطلق
خدا کی گوناگوں بخششوں کی پروا نکرے اور توحید پرستی اپنا شیوہ نہ کرے اُس کا انجام دین و دنیا دونوں میں خراب ہوتا ہے
پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الم تر ان اللہ یسجد لہ من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر و
الدواب وکثیر من الناس وکثیر حق علیہ العذاب یعنی کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا کے لیئے وہ چیزیں جو آسمانوں میں
ہیں اور وہ چیزیں جو زمین میں ہیں اور سورج۔ چاند۔ ستارے۔ پہاڑ درخت چارپائے اور بہت سے آدمی سجدہ کرتے اور
بہت سوں پر عذاب ثابت ہوا یہاں سے توحید کا سبق ایک اعلیٰ درجہ کے پیمانہ پر دیا گیا ہے کہ جب کائنات کے کل کرہ
اور کل مخلوق سجدہ کرتی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ انسان اشرف ہو کے خدائے واحد کی پرستش نہ کرے ایسے نافرمانوں کو سزا دیجائیگی
ہے۔ ایسی لطیف اور پر از حکمت تعلیم توحید کے متعلق سوائے فرقان حمید کے اور کسی مذہبی کتاب میں دیکھنی نصیب

نہیں ہوئی۔ اسلام نے صاف گواہی دی ہے کہ کل گناہ معاف ہو سکتے ہیں لیکن شرک کا جرم ناقابل معافی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جس ذات کیساتھ یہ گستاخی کیجاتی ہے کہ اسکی ایک ادنی اور ذلیل ترین مخلوق کو اُس کا شریک ٹھیرایا جاتا ہے وہ ذات قدیم ہے اس لیئے اس جرم کی سزا بھی قدیم ملنی چاہیئے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے شرک کے جرم کو ناقابل معافی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ مشرک کی کبھی بخشش ہی نہیں ہے۔ کوئی مذہب توحید پرستی میں اتنا غلو نہیں رکھتا جو اسلام کو حاصل ہے اسلام انسانی جرائم کو خواہ وہ کیسے ہی سنگین کیوں نہ ہوں قابل معافی قرار دیتا ہے مگر شرک کو معافی کے قابل ہی نہیں سمجھتا۔

اسلام میں جہاں شرک کی بحث ہوئی ہے وہ بحث بھی عجیب لطیف ہے اور اس تمام بحث کو پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے ہر فرد بشر کو یا بالفاظ دیگر انسان کو کتنا بلند مرتبہ خیال کیا ہے اور اُسنے ہدایت کی ہے کہ سوائے خدا کے نہ کسیکی تعظیم روا ہے نہ پرستش۔ تعظیم کی مراد کسی شخص کی ذات میں ایسی عظمت سمجھنی کہ وہ غیب کی باتوں پر بھی قادر ہے اور کائنات کے اکثر امور بغیر اسکی رائے کے انجام نہیں پاتے پیر ہو یا ولی صوفی ہو یا قطب اور ابدال یہ سارے خیالات انسانی شرافت اور توحید پرستی کے لیئے زہر ہلاہل ہیں اور فی الحقیقت صداقت کو ان سے کچھ بھی تعلق نہیں۔ کوئی شخص خواہ کسقدر پہنچا ہوا ہو کیوں نہ ہو اور ولایت کے سارے مدارج اُسنے کیوں نہ طے کر لیئے ہوں اور جنت میں اُس کا درجہ مقرب ملائک سے کیوں نہ بڑھ گیا ہو اس میں ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی زمین پر کسی جزو لایتجزی کو بھی جنبش دیسکے موجودہ زمانے میں خاص ہندوستان میں جس صورت سے کہ اسلام پیش کیا جاتا ہے وہ اسلام نہیں ہے جو قرآن پیش کرتا ہے یا جو اسلام کہ آغاز سنین ہجری میں صحابہ کا تھا۔ اللہ اکبر صحابہ شرک سے اسقدر خوف کھاتے تھے کہ ایک اشارہ بھی مخلوق کے کسی کام میں نہ آنے دیتے تھے مثلاً حضور انور کے وصال کے بعد جب مسلمان اس درخت کے نیچے آکے جمع ہو نے لگے جہاں آنحضرت کبھی کبھی بیٹھ کے وعظ فرمایا کرتے تھے اور حضرت فاروق اعظم نے دیکھا کہ اس درخت کے نیچے جمع ہونیکا شوق عالمگیر ہوتا جاتا ہے اور کیا عجب ہے کہ خلافت کے ضعیف ہونے کے زمانہ میں اس درخت کی پرستش ہونے لگے آپنے فوراً اُس درخت کو جڑ سے اکھڑوا کے پھکوا دیا۔ یہ تھا اسلام اور یہ تھی توحید پرستی۔ اگر اُس زمانہ میں کوئی ایسی بات کیجاتی تو اُس شخص کا بچنا محال ہے۔ جو لوگ اپنے کو علمائے دین کہتے ہیں اُنکی عجیب کیفیت ہے وہ خواہ ادل درجہ کی شرک میں مبتلا ہیں اور اُنکا درجہ اُن مشرکوں سے بھی بڑھا ہوا ہے جن کا ذکر بار بار قرآن کریم میں آیا ہے۔ جو کچھ مسلمانوں کی حالت ہے اگر اس سے بھی بدتر ہو جائے تو اُن کی سزا ہے اُنکے اعمال نے اسلام پر دھبہ لگایا ہے اور اُن کی خبیث عادات نے دین خدا کو بدنام کر دیا ہے۔ مسلمانوں نے اپنی قسمت قبر کے مردوں زندہ پیروں فقیروں مجذوبوں اور مجنونوں کی مٹھی میں دے رکھی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہم پر آفت آئیگی یا فلاح ہو گی بغیر اُنکے مشورہ کے ممکن نہیں غیر قومیں جب مسلمانوں کی یہ کیفیت دیکھتی ہیں تو اُنھیں معلوم ہوتا ہے کہ اسلام یہی تسلیم کرتا ہوگا اور توحید کا سبق جو مسلمانوں میں جپا جاتا ہے یہ سب زبانی ہے خدائے قادر مطلق کے آگے اُن سے زیادہ مقہور اور ذلیل کون جن کے اعمال کیوجہ سے اُن کا دین بدنام اور رسوا ہو۔ فرضی پتھروں کو قدیم شریف کہنا اور پھر اُس پتھر کے ٹکڑ کو سجدہ کرنا اور محض مہمل اور غلط روایات سے اُس کی تائید کرنا۔ قبروں کی خشک مٹی اور کہنہ ہڈیوں سے حاجت طلب

پیشانی اور زانو جو خدائے حقیقی کے آگے جھکنے کے لئے مخصوص کیے گئے ہیں سخت بے ادبی سے سوکھی
حقیقت ہڈیوں کے آگے جھکانا۔ مختلف طاقوں پر سہرا باندھنا اور مٹھائی چڑھانا یہ ساری باتیں منافی توحید ہیں
لام کی سچی تعلیم سے انھیں کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ اسلام حکم نہیں کرتا کہ کسی شخص کی قبر پختہ بنائی جائے یا مقبرہ
تعداد روپیہ کی صرف کیجائے حضرت علی جب تخت خلافت پر رونق افروز ہوئے ہیں اور آپنے مسجد نبوی میں خطبہ
ہے تو سب سے پہلے یہ ارشاد کیا تھا کہ میں اپنا پہلا فرض سمجھتا ہوں کہ اُن قبروں کو جو حد سے تجاوز کر گئی ہیں اور اُن قبروں کو
تہ بنائی گئی ہیں مسمار کردوں۔ ہر مسلمان خیال کر سکتا ہے جب حضرت علی کا یہ حکم ہو اور آپنے اول ہی روز اپنے خطبہ
یہ فرمایا ہو پھر ان عظیم الشان مقبروں کا قائم رکھنا اور انکی پرستش کرنا کسقدر منافی اسلام ہوگا۔ اگر تمام مزار شہید کردیے
ں اور شریعت غرّا کے حکم کے مطابق اُنھیں برابر کر دیا جائے اور اُنکے مصالح کی قیمت سے حدیث و قرآن کے مدارس
ے جائیں تو مسلمانوں کو بہت فائدہ ہو شرک کی بنیاد اُکھڑ کے پھک جائے اور پھر توحید میں تو اسوقت مردہ ہو رہی ہے
ن آجائے اگر حضرت عمر یا حضرت علی جیسا خلیفہ پیدا ہو تو ابھی اسپر عملدرآمد ہو سکتا ہے۔

ہندوستان کے ایک ایک شہر میں پھر کے دیکھو تو ایک دردناک حالت مسلمانوں کی معلوم ہوگی۔ اسلام اُنکے
دموں کے نیچے کچلا جا رہا ہے اور وہ بہت شوق اور مستعدی سے اُسے پامال کر رہے ہیں۔ خاص پنجاب میں کئی ہزار
یسے مزار ہیں جو بالکل فرضی ہیں اور اُن میں کبھی کوئی دفن ہی نہیں ہوا محض دنیا طلبی کے لئے دکانیں کھول رکھی
ہیں اور شب و روز اسلام کی روشن تعلیم کو مٹایا جاتا ہے۔ کیسی تعلیم اور کس کی تہذیب اور کہاں کی جدید ترقیاں اور مصلحان
قوم کی دھواں دھار تحریریں ان لوگوں کے کانوں تک بھی نہیں پہنچیں اور فی الحقیقت کروڑوں مسلمان ایسے ہیں جنھوں
نے کتابیں دیکھنا تو کجا ان مصلحان قوم کا نام تک نہیں سنا انھیں کچھ خبر نہیں کہ مسلمانوں کی کیا کیفیت ہے اخیر اُنکا انجام
کیا ہوگا وہ کس طرح برباد ہوئے جاتے ہیں اور ایک دن مٹ جائیں گے۔ یہ سُن کے تعجب ہوگا کہ جب ترکوں اور یونانیوں
کی جنگ ختم ہو چکی ہے اور مجھے بعض حصص ہند میں جانیکا اتفاق ہوا اور کسی موقع پر یونان اور روم کی جنگ کا ذکر آیا تو کئی
مسلمان سخت تعجب سے دریافت کرنے لگے کہ ہائیں لڑائی کیسی یونان کا طبقہ تو اُلٹ چکا تو پھر روم کیونکر لڑا یہ سنتے ہی
سنناٹا سا آگیا اور مسلمانوں کی عام جہالت سے سخت صدمہ ہوا حالانکہ یہ مسلمان عربی فارسی خاصی پڑھے ہوئے تھے
اگر کل اُردو اخباروں کی اشاعت کا اندازہ کیا جائے تو شاید پچاس ہزار سے زیادہ ہو اگر یہ تعداد کم معلوم ہو تو ایک لاکھ
کر لو تو گویا چھ کروڑ ہندوستان کے مسلمانوں میں صرف ایک لاکھ مسلمان دیکھتے ہیں ان میں ایک دو ہزار ان مسلمانوں
کی تعداد بھی شریک کر لیجائے جو انگریزی اخبار دیکھتے ہیں چلو بس فراغت ہوئی پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس عام تعلیم ہونیکے
زمانہ میں جب یہ کیفیت ہوئی تو پھر کیونکر تعلیم یافتہ جماعت تہذیب اور شائستگی کا اُن پر اثر ڈال سکتی ہے مسلمانوں سے
بالکل مایوسی ہوگئی ہے اور کبھی اُمید نہیں ہو سکتی کہ وہ حالت درست کرینگے مسلمانوں میں بت پرستی کی صدہا رسمیں مروج
ہیں اور وہ ایسی رسمیں ہیں جنسے اسلام کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے اسلام ایسی شرمناک بت پرستی کی باتوں سے بالکل پاک ہے اور
مسلمانوں کی خرابی ہرگز اسپر کوئی اثر نہیں ڈال سکتی ہے تمام ہندوستان میں پھر کے اس بات کو یقین کر لیا ہے کہ مسلمانوں
کیحالت مذہب کی ایسی خراب ہے کہ کبھی نہ ہوئی تھی اُنکے پیشوا انھیں دن دھاڑے لوٹ رہے ہیں اور نہ صرف اُنکے کاڑھے

پسینہ کی کمائی پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں بلکہ اُنکے مذہب کی بچی کھچی پونجی پر بھی دست شفقت پھیرنا شروع کر دیا ہے ہزارہا جدید مزار بن گئے اور ہزاروں فرضی اشخاص کے عرس ہونے لگے۔ قصبات میں اور بھی غضب نازل ہے فرضی قبروں پر زبردستی سجدے کرائے جاتے ہیں ایک غضب نازل ہو رہا ہے اور کوئی نہیں پوچھتا کہ اخیر یہ کیا آفت ہے اسلام نے تو ان باتوں کی کبھی تعلیم ہی نہیں کی تھی پھر یہ باتیں مسلمانوں میں کیونکر پیدا ہو گئیں صرف اس لیئے کہ ہمارے پیشوا عبدالدرہم اور عبدالدینار بن گئے۔ دینی دکانیں ہزاروں کھل گئی ہیں اور مریدوں نے خدائے مطلق و واحد کے اختیار اپنے پیروں اور مولویوں کو سونپ دیئے ہیں۔ بس مشکل کشا ہیں تو وہ ہیں اور حاجت روا ہیں تو وہ ہیں اُنکی قدرت کی کوئی انتہا نہیں عرش اُنکا کرسی اُنکی فرشتے اُن کے کائنات اُن کی اور خدا اُنکا۔ بعینہ وہی کیفیت ہے جو یہودیوں کی قبل از اسلام اور عیسائیوں کی بارہویں تیرہویں اور چودہویں صدی میں تھی۔ اسلام میں ان باتوں کا پتہ نہیں ہے اور نہ اسلام نے کبھی ایسے اُمور کو جائز ٹھیرایا ہے۔ اسلام قضاو قدر پر ایمان لانیکا حکم کرتا ہے اُس نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ خدائے تعالیٰ کا ادنی اور ذاتی علم تمام اُن چیزوں پر محیط ہے جو موجود ہو چکیں یا آیندہ موجود ہونگی یہ محال ہے کہ اسوقت کسی ایسی چیز کا وجود ہو جو اُسکے علم سے علیحدہ ہیں نہ تھی وہ سب پر محیط ہے اور اُسکے علم میں سب کچھ ہے ایسی ہی ذات وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنی ہزار نیکیوں کی ایک نیکی ہے۔ شریعت نے اس معلوم کرنے پر کہ عبادت خداوند عالم کا حق ہے لوگوں کو تین مقدمات کیوجہ سے قدرت دی ہے۔ یہ تینوں اصول سب کے آگے مسلم ہیں اور بہت ہی بدیہی اور مشہور ہیں ان پر سب نے اتفاق کیا ہے اور وہ تین مقدمہ یہ ہیں۔

(۱) خدائے تعالیٰ منعم حقیقی ہے اور منعم کا شکر واجب ہوا کرتا ہے اور عبادت کرنا واجبی انعامات کا شکریہ ہے۔

(۲) خداوند تعالیٰ بارگاہِ احدیت سے اعراض کرنے والوں اور دنیا میں عبادت کے ترک کرنے والوں کو سخت سزا دیتا ہے۔

(۳) خداوند تعالیٰ اخیر میں نافرمانی کی سزا اور اطاعت کی جزا دے گا۔ ان تین مقدمات سے اور تین قسم کے علوم پیدا ہوتے ہیں (۱) انعامات آلہی کا یاد دلانا (۲) انتقامات خداوندی کا یاد دلانا (۳) معاد کے حالات کا یاد دلانا۔ قرآن کریم نے ان ہی علوم کی تشریح کی ہے۔ ہر جگہ اسی کا بیان ہے اور ہر مقام پر اسی سے بحث کی گئی ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنی نشانیوں اور شعائر کی تعظیم کی نسبت بھی اشارہ کیا ہے مثلاً فرمایا ہے ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب یعنی دلی تقویٰ میں سے خدا کے نشانات کی تعظیم بھی ہے اب سمجھنا چاہیئے کہ خدا کے شعائر کیا ہیں خدا کے شعائر یہ ہیں (۱) قرآن (۲) کعبہ (۳) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم (۴) نماز۔ قرآن گویا ایک فرمانِ خدا ہے جبتک اُسکی تعظیم نہ ہوگی خدا کی تعظیم نہیں ہو سکتی جس طرح ایک سلطان کے فرمان کی تعظیم فرض ہو جاتی ہے اور فرمان ہی کی تعظیم سے سلطان کی تعظیم مقصود ہوتی ہے اسیطرح قرآن کی تعظیم گویا سب سے بڑی ہی خدا کی تعظیم کی۔ اور قرآن کی تعظیم یہی ہے کہ اُسکے احکامات کو مانا جائے اوامر پر کاربند ہونا اور نواہی سے بچنا عین تعظیم اسی کو کہتے ہیں جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے نہایت خاموشی سے سنا جائے اور اُس کے احکام کی تعمیل کیجائے۔ سجدۂ تلاوت کیا جائے اور جہاں تسبیح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں تسبیح کیجائے بغیر وضو کے قرآن کو ہاتھ نہ لگائیں۔ کعبہ کی تعظیم یہ ہے کہ بغیر طہارت کے اُس کا طواف نہ کریں نماز میں اُسکے سامنے

ے ہوں حضور انور کی تعظیم یہ ہے کہ انھیں اپنا ہادی سمجھے اور جتنے حکم آپنے دیئے بے چون و چرا تسلیم کر کے اُن پر عمل کرے۔ نماز
تعظیم یہ ہے کہ سچے دل اور صفائی سے پڑھے اور ریا کا ہرگز اُس میں خیال بھی نہ ہو بس یہ ہیں شعائر آلہیہ اور یہی ہیں خدا کی نشانیاں
ں سے زیادہ سادہ اور آسان مذہب اور کون ہو سکتا ہے اب یہ ہماری بدبختی ہے کہ ہم اُسے ہوا بنالیں اور ایسا خراب کرلیں
دیکھنے والا نفرت کھائے۔

د نماز

نماز ایک عجیب چیز ہے جس نے تمام عمر میں ایک بار بھی پڑھ لی اُسے اسلام کا مزا آگیا برسوں تک ٹکریں لگاتا اور محض
بوجھ سمجھ کے اُسے ٹالنا لوگوں کے دکھانے کے لیئے سجدے کرنے لگنا یہ نماز نہیں ہے بلکہ خدا کے ساتھ استہزا کرنا ہے۔ نماز ایک
روحانی معراج ہے جو ہر وقت خدائے تعالی کے پاس پہنچاتی ہے۔ خیال ہو سکتا ہے کہ جب دل کے ساتھ تمام اعضا حرکت
کرتے ہیں اور سب کا رجحان اپنے معبود حقیقی کیطرف ہوتا ہے اُسوقت انسان کی کیا کیفیت ہو سکتی ہے۔ پیر ہیں وہ حرکت نہیں
کرسکتے ہاتھ ہیں وہ بندھے ہوئے ہیں گردن ہے وہ نیچی ہے اور آنکھیں ہیں وہ خاموشی سے جائے سجدہ کو دیکھ رہی ہیں
خیالات ہیں وہ سب ایک جگہ جمع ہیں۔ جس وقت یہ حالت ہو جاتی ہو کہ عضو عضو اپنے معبود برحق کے آگے سربسجود ہو وہ
فی الحقیقت ہر مومن کی روحانی معراج کا ہے خداوند تعالےٰ سے مخاطب ہو کر اُسکے حضور میں کھڑا ہوا بصد خضوع و خشوع یہ
التجا کرتا ہوا کہ تو ہی معبود ہے تو ہی رب ہے تو مجھے سیدھے راستہ چلا تجھی سے مدد مانگتا ہوں اور تیری ہی عبادت کرتا
ہوں کتنا پر عظمت و جلال وہ وقت ہوگا اسکی بزرگی کسی مومن کے قلب سے پوچھی جائے بارگاہ خداوندی سے اس
شخص کو کمال اتصال ہو جاتا ہے۔ پھر وہاں سے مقدس تجلیات کا نزول ہوتا ہے وہاں ایسی حالت مشاہدہ کرتا ہے
جسے زبان سے نہیں کہہ سکتا اسی حالت کیطرف خواجہ شیرازی نے بھی اشارہ کیا ہے۔

سرِ خدا کہ عارف سالک بکس نگفت — در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

پاک دل مسلمان نماز پڑھتے وقت اپنے پروردگار کی معرفت میں مستغرق ہو جاتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ جو حالت فوت
ہوئی ہے وہ پھر آجائے یہ حالت خدا کی عظمت اور اپنی خاکساری کے اظہار سے اُن افعال اور اقوال کے ذریعہ سے
جو خدا کی بارگاہ میں مناجاۃ کرنے کے لیئے مقرر ہیں ہو جاتی ہے۔ نماز میں اصلی اُمور تین ہیں (۱) خدا کی بزرگی اور جلال
دیکھ کے دلی عاجزی (۲) خدا کی بزرگی اور اپنی خاکساری کو سچے دل سے ظاہر کرنا (۳) اُس خاکساری کی حالت کے مطابق
اعضا میں آداب کا استعمال۔ مثلاً ایک شاعر نے کیا اچھا کہا ہے۔

افادتکم النعماء منی ثلاثۃ — یدی ولسانی والضمیر المحجبا

یعنی تمھاری نعمتوں کا فائدہ تین چیزوں کو پہنچا میرے ہاتھ اور زبان اور پوشیدہ دل کو،، نماز کی تاکید قرآن مجید میں
ہر ہر مقام پر آئی ہے اور نماز ایک ایسی چیز ہے جس نے ایک لمحہ بھی دل لگا کے پڑھی ہے اُسی کا دل خوب جانتا ہے اس میں
شک نہیں کہ مومن اور غیر مومن کی شناخت صرف نماز ہی ہے اور یہی رسول کریم نے ارشاد کیا ہے۔ مگر نماز ایسی نماز ہونی
چاہیئے کہ جو بیگار معلوم ہو اور زبردستی ٹکریں ماری جائیں۔ نمازی کبھی جھوٹ نہیں بول سکتا۔ کوئی برائی کسی سے نہیں
کرسکتا۔ فریب نہیں دیسکتا اور نہ یتیم کا مال غصب کرسکتا ہے جسے پانچ وقت خدا کے آگے حاضر ہونا پڑے اور

اُسکی مناجات پڑہنی پڑے وہ کس طرح کوئی گناہ کی بات کرسکتا ہے مگر جو لوگ نماز پڑہتے ہیں اور دنیا کے تمام عیب کر
ہیں اور عادتاً پانچ وقت کھڑے ہوکے ٹکریں مار بیتے ہیں اُنکی واقعی نماز نہیں ہوتی اُن کا پڑھنا اور نہ پڑہنا یکساں
رسولکریم نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ ایک زمانہ وہ آئیگا کہ نمازیوں سے مسجدیں بھر جائیں گی لیکن نمازی کوئی نظر
آئیگا فی الحقیقت یہ سچی پیشین گوئی تھی جو اس زمانہ میں پوری ہوئی اور ہم اپنی آنکھوں سے اس پیشین گوئی کو پورا
ہوا دیکھ رہے ہیں نماز پڑھتے ہیں اور بت پرستی کرتے ہیں۔ نماز پڑہتے ہیں اور زناکاری کرتے ہیں۔ نماز پڑہتے ہ
اور چوری کرتے ہیں۔ نماز پڑہتے ہیں اور جھوٹی گواہی دیتے ہیں۔ نماز پڑہتے ہیں اور بے گناہوں کو قتل کرتے ہیں
غرض اس وقت تو نماز کو ایک ٹٹی بنا رکھا ہے اور اُسی کی آڑ میں بہت آزادی سے جی بھر کے شکار کھیلا جاتا ہے۔
ایسی نماز کو کبھی نماز نہیں کہتے بلکہ یہ ایک قسم کا جرم عظیم ہے اور بہت بڑی توہین ہے جو اسلام کے سب سے بڑے رکن کی
کیجاتی ہے۔ ہاتھ میں پانسو دانوں کی تسبیح ماتھے میں گٹا پڑا ہوا۔ لمبی ڈاڑہی۔ نیچا کرتا۔ ٹخنوں سے اُونچا پائجامہ
خاص صورت ہے اُس شخص کی جس نے دنیا طلبی کی دہن میں خدا کی طرف سے پیٹھ پھیر رکھی ہو اور اپنی بزرگی اور تقدس
کی شہادت دیکے اپنے کو بزرگ اسلام تسلیم کراتا ہو۔ اگرچہ اس قسم کی وضع کسی زمانہ میں بزرگان دین اور اولیاے کرام
کی ہوتی ہوگی مگر اب تو ایسے شخص کی نسبت کبھی بھی بزرگی کا خیال نہیں ہوسکتا الا ماشاء اللہ۔

ایک خونی ڈاکو کا سچا واقعہ یاد آیا کہ اُس نے ہاتھ سے صدہا بیگناہ مسافروں کو قتل کر ڈالا تھا اور اُسکی تلوار نہ کبھی را
عورت کے گلے پر چلنے سے رکی اور نہ یتیم اور معصوم بچہ کی گردن پر مگر یہ شخص نماز کا اسقدر پابند تھا کہ ایک وقت کی بھی قضا نہ ہوتی
تھی ایکدفعہ اس نے بہت بڑی برات لوٹی اور اُس نے چند عورتوں اور کچھ معصوم بچوں کو گرفتار کیا چونکہ اس کا بیٹا کسی قدر کم
تھا اس لیئے چھوٹے چھوٹے بچوں اور بڑہیا عورتوں کو اُس سے قتل کراتا تھا جب اُس نے ایک نوسالہ بچہ کیطرف اپنے بیٹے کو جانے
کے لیئے کہا تو اُسکی روح کانپ گئی کیونکہ وہ بچہ خوف کھا کے اپنی ماں سے لپٹ گیا تھا اسکے جھجکنے سے اس بیرحم ڈاکو نے اپنے
لڑکے کو نامرد کہکے تھپڑ مارا اور اُس معصوم بچہ کو اُسکی ماں سے زبردستی چھٹا کے وہیں زمین پر لٹایا اور گلے پر گہر گہر چھری پھیر دی
اور کہا دیکھا اس طرح ذبح کیا کرتے ہیں۔ غرض اسی قصائی پنے سے سب کو قتل کرکے وضو کیا اور نماز پڑہنے کھڑا ہو گیا کیا ایسے
شخص کی نماز واقعی کوئی وزن رکھتی ہے اور کیا ایسا شخص فی الواقع خدا سے ڈرتا ہے وہ تو خدا سے استہزا نہیں کرتا۔

خداوند تعالیٰ نے قرآن کریم میں صاف فرمایا ہے کہ نماز برائیوں سے باز رکھتی ہے مگر جن نمازوں نے برائیوں سے
باز ہی نہیں رکھا وہ نماز ہی کیا ہوئی۔ نماز میں بہت بڑے بڑے اسرار الٰہی ہیں اور اُنھیں ایک عارف کی آنکھ اچھی طرح دیکھ
سکتی ہے۔ نماز بچوں کا کھیل نہیں ہے جتنا پاک اور صاف دل سے غور کروگے نماز میں وہ وہ دقائق اور شریعت کی باریکیاں
حل ہوتی چلی جائینگی کہ معمولی طور پر اُن کا خیال بھی کرنا محال معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں یہ ایک غیر مترقبہ نعمت ہے خداوند
تعالیٰ نے تمھیں دی ہے اسکو لو اور اپنے معبود حقیقی کا شکریہ ادا کرو اور سمجھو کہ تقرب باری تعالیٰ کا یہی ایک بہت بڑا ذریعہ
ہے سچی نماز سے نہ دل کے آئینہ کا صیقل اور روحانی ترقی ہوتی ہے بلکہ دنیاوی بہبودی۔ عزت۔ ثروت اور کامیابی بھی اسی پر
موقوف ہے ایک سچا نمازی یہ بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ پانچ وقت رب الافواج کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑتا ہے جو تمام منصفوں کا
ایک منصف اور تمام حاکموں کا ایک حاکم ہے اور جس سے کائنات کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں وہ دلوں کا حال بھی بخوبی جانتا

ہے اس خیال کے آنے کے بعد ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بولے یا کسی کا حق غصب کرے یا کسی پر رحم نہ کھائے اور کوئی بات بھی خلاف مرضی باریتعالیٰ کرے۔ خیال ہوسکتا ہے کہ ایسا راست باز اور رحیم شخص دنیا میں کتنا عزیز ہوگا اور اُسے ایک حد تک کس قدر کامیابی ہوگی۔ جو بھی نماز نہیں پڑھتے وہ خدا اور اُسکے رسول کے ساتھ مضحکہ کرتے ہیں تمام عمر سجدہ کرتے ہوئے گزر جاتی ہے لیکن لعنت کا طوق اُنکی گردن سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتا۔

زکوٰۃ

خداوند تعالیٰ فرماتا ہے والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔ یوم یحمیٰ علیھا فی نار جھنم فتکویٰ بھا جباھھم وجنوبھم الخ یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور اُسے راہِ خدا میں نہیں خرچ کرتے انھیں عذاب کی سخت خبر دے قیامت کے دن اُنکی پیشانیاں اور پہلو اسی سونے اور چاندی سے جہنم کی آگ میں تپا کے داغ دیئے جائیں گے یہ تنبیہ ہے اُن لوگوں کے لیئے جو روپیہ جمع کر کے راہ خدا میں نہیں خرچ کرتے۔ راہِ خدا قوم کی اُن ضرورتوں کو کہتے ہیں جو وقتاً فوقتاً اُسے لاحق ہوتی رہتی ہیں۔ اگر امرائے قوم نے قوم کی ایسی ضرورتوں پر خیال رجوع نہیں کیا اور اپنا سونا چاندی مقفل رہنے دیا تو ایسے لوگونکی سزا قطعی وہ ہوگی جو خداوند تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ ایک شخص نے محنت کر کے روپیہ جمع کیا کسیکو حق حاصل نہیں ہے کہ اُس سے روپیہ کے لینے میں زبردستی کرے اُس کا دل نہیں چاہتا کہ وہ روپیہ دے اور قوم کی اس سے کچھ مدد کرے۔ بات یہ ہے کہ یہ روپیہ جو کسی دولتمند نے جمع کیا ہے فی الحقیقت اسکی ذاتی محنت کا نہیں ہے بلکہ اُسنے اپنے ہم قوموں کی مدد اور محنت سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ دنیا میں ایک دولتمند بھی ایسا نہیں ہے جو یہ ثابت کر سکے کہ صرف اُس کی محنت سے کل روپیہ پیدا ہوا ہر دولتمند کے روپیہ کے ساتھ مسکین مزدوروں کے گاڑھے پسینہ کی کمائی کا حصہ شامل ہے اگر یہ بے زبان مزدور اپنا خون پسینہ ایک نہ کرتے تو محض ناممکن تھا کہ کوئی شخص روپیہ جمع کر سکتا۔ کیونکہ ہر دولتمند کی کمائی میں ان محتاجوں کا حصہ ضرور ہوتا ہے اس لیئے ہر روپیہ والے کا فرض ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو قوم کی مدد کرے اور جہاں تک اُس سے ممکن ہو اس میں کوئی کسر نہ رکھے۔

یہ ایک بہت بڑی حکمت بالغہ تھی اور قومی ترقی کی اس سے زیادہ کوئی سبیل ممکن نہیں ہوسکتی۔ اس خداوندی حکم سے مسلمانوں میں طریقۂ خیرات بہت ہی مدت مدید سے جاری ہے اور یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ دینے والی دنیا میں کوئی قوم نہیں ہے اُنکے خیرات کرنے کی ادنیٰ دلیل یہ ہے کہ اس ناداری اور مفلسی میں بھی مسلمان فقرا کی تعداد بہت زیادہ ہے یہ صرف اُنکے دینے کی وجہ ہے کہ اس قدر فقیر دکھائی دیتے ہیں اگر وہ آج ہاتھ روک لیں تو ایک شخص بھی بھیک مانگتا ہوا نظر نہ آئے اب صرف دیکھنا یہ ہے کہ ان بازاری فقیروں کا دینا کچھ ثواب ہے اور آیا اُنکی اس حال میں مدد کرنا کہ جب وہ موٹے تازے اور قوی ہیں قیامت کے دن خداوند تعالیٰ کے آگے سرخرو کریگا۔

جہاں مسلمانوں کی بربادی کے اور اسباب ہیں وہاں بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ اُن کا کروڑہا روپیہ سالانہ ایسی جگہ خرچ ہوتا ہے نہ سوائے بربادی کے اُنھیں کوئی اجر اُس کا نہیں ملتا وہ روپیہ جو اُن کا خون زندگی ہے برباد ہو رہا ہے مگر کوئی آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتا جس روپیہ سے وہ قوم کی ایک حد تک اصلاح کر سکتے تھے اُسے اندھے کوئیں میں ڈال رہے ہیں جس کا نتیجہ سوائے اسکے

اور کچھ نہیں ہے کہ اُن سے قیامت کے دن باز پُرس کیجائیگی اور اُنھیں اسکی کافی سزا ملیگی کہ تمنے خیر و زندگی کو کیوں لٹایا۔ مسلمان ہزاروں روپیہ اپنے پیروں کو دیتے ہیں جنھوں نے نجات دلوانے کا اُن سے وعدہ کرلیا ہے۔ مسلمان غیر ضروری مساجد بنوانے میں روپیہ خرچ کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں ہمارے لیئے موتی کا محل تیار ہو رہا ہے۔ مسلمان ہزار ہا روپیہ مزاروں کی تعمیر میں خرچ کرتے ہیں جو فرمودۂ رسول کے بالکل خلاف ہے۔ مسلمان ان دنیا پرست مولویوں کا گھر بھرتے ہیں جنھوں نے اسلامی دنیا میں ایک دہم مچا رکھی ہے۔ مسلمان اُن موٹے تازے فقیروں کو دیتے ہیں جنھیں ایک پیسہ بھی دینا کسیطرح جائز نہیں ہے۔ مسلمان مذہبی فرضی تقریبات میں روزمرہ اپنی کمائی لٹاتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہمنے جنت کے ایک حصہ پر قبضہ کرلیا یہ تو وہ رستے ہیں جنھیں مذہبی خیال کرکے روپیہ لٹاتے ہیں اور انکے علاوہ دوسرے رستے ہیں جنھیں وہ خود شیطانی سمجھتے ہیں لیکن روپیہ برباد کرنے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے۔ کاش ہندوستان کے مسلمانوں کے اخراجات ایک سال کے لیئے بند کردیئے جائیں اور کل روپیہ جمع کرلیا جائے تو اس سے قوم کے بڑے حصہ کو بہت ہی فائدہ پہنچے کئی دارالعلوم مثل بغداد کے وہ ایک ہی سال میں قائم کرسکتے ہیں اور عربی علوم اور عربی زبان جو اس وقت دم توڑ رہی ہے پھر دوبارہ زندہ ہوسکتی ہے۔ تمام ہندوستان میں مشکل سے چند مسلمان ایسے نکل سکتے ہیں جنکا روپیہ بے ضرورت نہیں صرف ہوتا ہوگا بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے روپیہ پر پانی پھر رہا ہے اور اس کا کچھ بھی معاوضہ انھیں نہیں ملتا مسجدوں کی تعمیر چند سال کے لیئے ملتوی کردیجائے پیروں۔ مولویوں فقیروں اور بہروپیوں کو دینا بند کردیا جائے تو آج قوم کیحالت درست ہوسکتی ہے ایک شخص کہانتک کما سکتا ہے اور اسکی دولت کہانتک بچارہ سکتی ہے۔ ایک مسلمان اور اُسکے ساتھ ہزاروں خرچ لگے ہوئے ہیں وہ بیچارہ کیونکر سلامت رہ سکتا ہے۔ اپنا خرچ۔ بال بچوں کا خرچ۔ اپنے مفلس رشتہ داروں کا خرچ فقراکا خرچ۔ مولویوں کا خرچ۔ مزاروں پر نیاز نذر چڑھانے کا خرچ۔ مسجدوں کا خرچ۔ اخیر وہ مظلوم کیا کیا کرے اور کیوں کر ان فضول اخراجات سے روپیہ بچا کے اپنی زندگی کی آیندہ ضرورتوں کے لیئے رکھا کرے۔ اسلام نہیں حکم کرتا کہ مولویوں کی پرورش کیجائے۔ اسلام نہیں حکم کرتا کہ بلا ضرورت جدید جدید مسجدیں تعمیر کیجائیں جبکہ ہزار ہا شاہی مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں اور اُنکی آبادی کا کسی کو خیال بھی نہیں آتا۔ اسلام نہیں کہتا کہ پیروں کو اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی کا حصہ دار بنایا جائے جبکہ اپنے رشتہ دار اور قوم کے یتیم بچے برباد ہوئے چلے جاتے ہیں۔ اسلام ہرگز حکم نہیں کرتا کہ شکم پرور اور عبد الدرہم مولویوں کو دو جبکہ اور قومی ضروریات ہاتھ پھیلا پھیلا کے مدد مانگ رہی ہیں۔ اسلام جو کچھ حکم کرتا ہے وہ یہ ہے اور یہ نص صریح ہے اس سے کسی طرح بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ والدین کے ساتھ سلوک کرو پھر اپنے قریبی رشتہ داروں کیساتھ اور پھر یتیموں کے اور پھر مساکین کیساتھ خود مسلمانوں کی قوم میں ہر شہر اور ہر قریہ میں ایسے محتاج موجود ہیں جو بھیک نہیں مانگ سکتے اور نہ کسی کے آگے اپنا درد دکھہ کہتے ہیں فاقہ کشی کرکے مرجاتے ہیں مگر اُف نہیں کرتے ہائے کوئی مخیر یہ نہیں کہسکتا کہ اُسکی خیرات کا ہاتھ اُن ستم رسیدہ اشخاص تک بھی پہنچتا ہے۔ یہ ہرگز خیرات نہیں ہے کہ ہم اپنا روپیہ فقیر پیشہ اشخاص کو دیتے ہیں اور خوش ہیں کہ ہمنے فرمودۂ خدا کی تعمیل کرلی قیامت کے دن ضرور اُن سے سوال کیا جائیگا کہ تم نے حقداروں کا حق کیوں نہیں پہنچایا اور کیوں اپنا روپیہ غیر مستحقوں کو دیکے برباد کیا۔ اسلام کے تو وہ حکیمانہ اصول خیرات کے ہیں جو ہمنے اُوپر بیان کیئے اسکے علاوہ جتنی خیرات کیجاتی ہے وہ خدا و رسول کے فرمودہ کے خلاف ہے۔

اسلام کی آسانیاں

دنیا میں کوئی ایسا مذہب نہیں پیش کیا جا سکتا جو اسلام سے زیادہ آسان ہو اگرچہ موجودہ زمانہ میں اُسے ہوّا بنا رکھا ہے لیکن اسلام جس کا نام ہے وہ ہوّا نہیں ہے اور نہ اُس میں ان مشکلات کا پرتو بھی ہے جو آجکل علانیہ پیش کیجاتی ہیں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے فبما رحمة من الله لنت لهم ولو كنت فظا غليظ القلب لانفضوا من حولك یعنی خدا کی رحمت کیسا تھ لوگوں سے نرمی کرو اگر تم سخت دلی سے پیش آؤ گے لوگ تمہارے پاس نہ پھٹکینگے پھر فرمایا ہے یريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر یعنی خدا تمہارے حق میں آسانی کا ارادہ کرتا ہے نہ دشواری کا جب حضور انور نے ابو موسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل کو یمن کیطرف روانہ کیا تو یہ ارشاد کیا السروا ولا تعسروا وبشروا ولا تنفروا وتطاوعا ولا تختلفا یعنی آسانیاں پیدا کرنا نہ دشواریاں لوگوں کو خوش کرنا۔ متنفر نہ بنانا اور باہم ہمیشہ موافق رہنا اختلاف نہ کرنا پھر حضور انور ارشاد کرتے ہیں۔

یعنے تم آسانیاں بڑھانے کو پیدا ہوئے ہو نہ دشواریاں پیدا کرنے کو حضور انور نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ مذہب میں آسانی پیدا ہو اور آپ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہوئے آپ کی کامیابی کا ادنیٰ نمونہ یہ تھا کہ ایک وحشی بدو پانچ منٹ میں کل ارکان اسلام سمجھ کے چلا جاتا تھا اور پھر دوبارہ اُسے دریافت کرنیکی ضرورت نہ رہتی تھی۔ اس سے زیادہ آسان مذہب اور کیا ہو سکتا ہے۔ موجودہ زمانہ کا وہ اسلام ہے کہ اگر فہمیدہ شخص بھی سمجھنا چاہے گا جب بھی برسوں میں بھی نہیں سمجھ سکتا چہ جائیکہ ایک بے پڑھا لکھا سمجھ سکے۔ کیا آسان اصول ہیں خدا کو ایک جانو محمد عربی کو برحق نبی مانو فرشتوں اور روز آخرت پر ایمان رکھو۔ نماز پڑھ لو روزے رکھ لو اور استطاعت ہو تو عمر میں ایکبار حج کر لو۔ بس یہی اسلام ہے اور یہی دین خدا ہے۔ نہ کسی مجتہد کا یہاں کام ہے اور نہ ہدایت کے لئے کسی پیشوا کی ضرورت ہے۔ پیر پرستی۔ گور پرستی یا گوسالہ پرستی کے یہ معنی ہیں کہ اصول اسلام کی ہوا تک نہیں لگی۔ نہ اسلام کو مجتہدوں کے اختلافی مسائل سے غرض اور نہ ملکی لڑائیوں سے سروکار حضرت عثمان شہید ہوئے تو اُسے اسلام سے کیا تعلق تھا اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی لڑائی ہو تو اسلام سے کیا تعلق امیر معاویہ حضرت علی سے لڑے تو اسلام سے کیا واسطہ علماء کے اختلاف سے نفس اسلام کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے یہ اُنکی موشگافیاں تھیں اور جنکی انھیں ضرورت آپڑی تھی اُنکی کوئی بات قرآن مجید کے آگے کچھ وزن نہیں رکھتی جو کچھ اُنھوں نے لکھا اُنکی ذاتی رائے تھی جسکے ماننے کے لیئے کوئی مسلمان مجبور نہیں کیا گیا ہے یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنے کو اُنکا حلقہ بگوش بنائیں اور آنکھیں بند کر کے اُنکے ساتھ ہو لیں ورنہ اسلام تو اُنکی تقلید کا دینی معاملات میں کہیں بھی حکم نہیں کرتا۔

اسلام میں آسانی کی چند صورتیں ہیں (۱) اطاعت کے لیئے کوئی ایسی چیز رکن یا شرط نہ قرار دیجائے جس کا ادا کرنا لوگوں پر دشوار ہو اسکی نسبت حضور انور ارشاد کرتے ہیں لولا ان اشق على امتي لامرتهم بالسواك عند كل صلوة یعنی اگر میں اپنی اُمت کے لوگوں کے دشوار نہ سمجھتا تو ہر نماز پر مسواک کرنیکا حکم دیتا (۲) بعض اُمور طاعت منجملہ امور رسوم کے قرار دیئے جاتے ہیں جن پر فخر و مباہات کی جاتی ہے ان اُمور کو اُن اُمور میں داخل کرنا چاہیئے جن کو لوگ اپنی نفسانی رغبتوں سے عمل میں لایا کرتے ہیں مثلاً عیدین۔ جمعہ۔ حضور انور ارشاد کرتے ہیں کہ یہودی جان لیں ہمارے مذہب میں کتنی وسعت

ہے بڑے بڑے مجمعوں میں اپنے کو زینت دینا اور فخر و مباہات کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت کا طالب ہونا (۳) اطاعت میں وہ امور مسنون کرنے چاہئیں جو لوگوں کو بالطبع مرغوب ہوں تاکہ جس امر کی عقل خواہاں ہے طبیعت بھی اسکی خواہاں رہے اور دونوں رغبتیں جمع ہو کے ایک دوسرے کی معاون ہوں اسی وجہ سے مسجدوں کا پاکیزہ اور ستھرا رکھنا۔ جمعہ کو غسل کرنا۔ خوشبو لگانا مسنون ہے۔ قرآن مجید کو خوش الحانی سے پڑھنا۔ اذان کا خوش آوازی سے دینا مستحب قرار دیا گیا ہے (۴) جس بات سے لوگ بالطبع متنفر ہوں اُن پر سے گرانی دور کیجائے اسی لئے اعرابی غلام کی امامت مکروہ خیال کیگئی ہے۔ بالطبع لوگوں کی عادت ہے کہ اس قسم کی امامت سے دل گرفتہ ہوتے ہیں (۵) وہ امور بحال خود رہنے جائیں جو اکثر لوگوں کی طبائع کے موافق ہوں یا اُنکے ترک کرنے سے اُنکی دلتنگی معلوم ہوتی ہو جیسے سب سے زیادہ امامت کا مستحق سلطان وقت یا مالک خانہ قرار دیا گیا ہے (۶) اسبات کا معمول کر لیا جائے کہ لوگوں کو علم و نصائح کی ہمیشہ تعلیم دیتا رہے۔ نیکی کا حکم کرتا رہے اور ممنوعات سے روکتا رہے تاکہ لوگوں کے دلوں پر ان امور کا نقش ہو جائے اور بلا وقت وہ نوامیس کے مطیع رہیں (۷) حضور انور جن امور کا لوگوں کو حکم کرتے تھے پہلے خود اُن پر عمل فرماتے تھے تاکہ ہر ایک بات کی حجت پوری ہو جائے اور کسیکو چون و چرا کی گنجایش نہ رہے کیونکہ قول سے زیادہ فعل کا اثر بہت پڑتا ہے (۸) ہمیشہ رب الافواج کی عالی بارگاہ میں یہ التجا رہے کہ لوگوں میں تہذیب اور راستبازی آجائے اور وہ کامل بنجائیں (۹) جو شخص بعد فہمایش کے بھی حق سے سرتابی کرے اُسکو ذلیل اور محروم کر دینا چاہیئے جیسے قاتل کو ورثہ نہیں ملتا اور اکراہ کی صورت میں طلاق کا نفاذ نہیں ہوتا ایسی حالتوں میں جب زبردستی کرنیوالوں کی غرض حاصل نہ ہوگی تو وہ جبر و اکراہ کرنے سے باز رہیں گے۔ جن امور میں محنت اور مشقت ہو اُنکو آہستہ آہستہ شروع کرنا چاہیئے۔ اسی کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے (۱۰) کہ قرآن کریم میں اول وہ مفصل سورتیں نازل ہوئی ہیں جن میں فقط جنت و دوزخ کا ذکر تھا اور جب اسلام کا دائرہ وسیع ہوا اور اسلام کی طرف لوگوں کو میلانِ قلبی ہونے لگا تو حلال اور حرام کے احکام نازل ہوئے اگر اول ہی لا تشربوا الخمر (شراب مت پیو) نازل ہوتا تو لوگ بھڑک جاتے اور کبھی اس پر عمل نہ کرتے اسیطرح اگر لا تزنوا (زنا نہ کرو) نازل ہوتا تو وہ طبائع جو پشت ہا پشت سے اسکی عادی چلی آتی تھیں کبھی نہ مانتیں اور سخت انتشار پیدا ہو جاتا (۱۱) خود حضور انور کو وہ فعل ترک کر دینا پڑا جس سے لوگوں کے دلوں میں تشویش پیدا ہو اس سے لازم آیا کہ فتنہ کے لحاظ سے بعض امور ترک کر دینے چاہئیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں لولا حدثان قومك بالكفر لنقضت الكعبة و بنيتها على اساس ابراهيم عليه السلام یعنی اگر تیری قوم سے زمانہ کفر کا قریب نہوتا تو میں کعبہ کو منہدم کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا۔

(۱۲) شارع نے مختلف نیکیوں۔ وضو۔ غسل۔ نماز۔ زکوٰۃ۔ روزہ۔ حج وغیرہ کا حکم دیا ان امور کو لوگوں کی رائے پر موقوف نہیں رکھا اور سب کے لئے ارکان شرائط و آداب کو پوری طرح سے منضبط نہیں کیا بلکہ اُنکی تکمیل کو لوگوں کی عقلوں پر چھوڑ دیا تاکہ وہ اپنی عقل سے اُن لفظوں کے معنی اپنی عادت کے موافق خود سمجھ لیں۔ مثلاً یہ تو بیان کر دیا لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب (بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی) لیکن حرفوں کے مخارج کی تفصیل نہیں کی جن پر سورۂ فاتحہ کا ٹھیک طور پر پڑھنا موقوف ہے اس سورت کی تشدیدیں اور حرکات و سکنات نہیں بیان کئے۔ اور نیز شارع نے بیان کر دیا کہ استقبال قبلہ نماز میں شرط ہے لیکن کوئی ایسا قاعدہ نہیں بتایا جس سے استقبال قبلہ معلوم ہو سکے اور یہ بیان کر دیا کہ زکوٰۃ کا نصاب دو سو درہم ہیں۔

لیکن اس کا کچھ ذکر نہیں فرمایا کہ درہم کا کیا وزن ہوتا ہے اور جب اس قسم کی کوئی بات آپ سے دریافت کی گئی تو انھیں امور میں سے جواب دے دیا جو اُنکے خیال میں تھے۔ غرض حضور انور نے مصلحت یہی سمجھی کہ انتظام طریقے کے بعد اور اُمور کو امت کی رائے پر چھوڑ دیں مثلاً استقبال قبلہ اور نماز عیدین کے اوقات معلوم کرنے کیلئے لوگوں کو علم ہیئت یا ہندسہ کے مسائل حفظ کرنیکی تکلیف نہیں دی اور اپنے قول (القبلة ما بين المشرق والمغرب اذا استقبل الكعبة) یعنی قبلہ وہی ہے جو مشرق و مغرب کے درمیان کعبہ سامنے ہو جائے میں اُسی کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا الحج یوم تحجون والفطر یوم تفطرون یعنی جس روز تم حج کرتے ہو وہی حج کا دن ہے اور جس روز افطار کرتے ہو وہی یوم الفطر ہے۔

اِن تمام دقائق اور باریکیوں پر نظر کرنے سے یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام کی بنیاد نہایت آسانی پر رکھی گئی ہے اور ہر قدم پر مصلحت سے کام لیا گیا ہے خداوند تعالیٰ نے مصلحت وقت کو دیکھا رسول کریم نے مصلحت وقت کی پابندی کی اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ مصلحت پر ہمیشہ کاربند ہونا اس سے زیادہ آسان اور انسانی فطرت کے مطابق اور کونسا مذہب ہو سکتا ہے سورۂ فاتحہ جس پر مسلمانوں میں نزاع ہے شارع اسلام نے اسکی بابت کچھ فیصلہ نہیں کیا ہے۔ کتنا آزادانہ اور پیارا قول ہے کہ جس روز حج کر لیا کرو وہی حج کا دن ہے اور جس روز روزہ افطار کر لیا وہی یوم الفطر ہے کہاں ہے وہ اسلام جسکی رسول کریم نے تعلیم فرمائی تھی اور کہاں ہے وہ سہولت جو خداوند تعالیٰ نے اس میں رکھی تھی۔ ہماری ذاتیات نے اسلام کی خوبصورتی کو مٹا دیا ہے اور ہماری نفسانی خواہشوں نے اسکے نورانی چہرہ پر وہ خاک ڈالی ہے کہ سوائے گرد و غبار کے کچھ نظر نہیں آتا ہم آمین بالجہر۔ رفع یدین۔ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کے پڑھنے نہ پڑھنے پر کٹے مرتے ہیں اور وہاں ان باتوں کا خیال بھی نہ آتا تھا اُصول سے بحث ہوتی تھی ان فروعات کا ذکر بھی نہ تھا۔ آمین اگر کوئی پکار کے کہتا ہے تو کہنے دو نہیں کہتا تو اُس پر جبر نہ کرو۔ رفع یدین کرتا ہے تو اُسے خون کی نظروں سے نہ دیکھو نہیں کرتا تو اُسے بدعتی اور مشرک نہ کہو۔ خوب سمجھ رکھو کہ اسلام کو ان باتوں سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ ہمارا دین خدا ان باتوں سے بالکل پاک ہے۔ یہ ہمارے ذاتی جھگڑے اور فساد ہیں اسلام کا فاصلہ ان بیہودہ فسادوں سے ہزاروں کوس ہے۔ وہ باتیں نہ کرو جن سے لوگ بالطبع متنفر ہوں۔ شارع صلی اللہ علیہ وسلم کی پر از حکمت ہدایتوں پر غور کرو اور سمجھو کہ تم راہِ راست سے بہت دور بھٹک کے نکل گئے ہو شب و روز اپنا یہ ورد رکھا کرو لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد وهو على كل شئ قدير اسی کا ورد رکھو اور اسے دل لگا کر پڑھو اور اپنا پہلو تمام اُن جھگڑوں ٹنٹوں سے بچاؤ جو اصل میں ذاتی اور دنیا طلبی کے لیئے ہیں مگر نفس پرستوں نے اُنھیں مذہب کا جامہ پہنا دیا ہے۔

جب یہ خیال آتا ہے کہ اسلام نے جہاں کے گمراہوں کی کیسی اصلاح کی اور وہ اخیر تک اپنی اصلاح میں کامیاب رہا اور پھر یہ خیال آتا ہے کہ ہم باوجودیکہ پشت ہا پشت سے مسلمان ہیں لیکن ہماری عادتیں مشرکوں اور کفار سے بھی بری ہوئی ہیں تو سخت شرم آتی ہے اور خوف معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اسلام کو کس صورت میں پیش کر رکھا ہے اور اس محسن کشی کی سزا ہمیں کیا ملیگی۔ ہم زمانۂ جاہلیت کا حال پڑھتے ہیں اور پھر اپنی حالت دیکھتے ہیں تو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ ہم اُن سے بدرجہا بعض برائیوں میں بڑھے ہوئے ہیں ہمیں جتنی سزا دیجائے کم ہے اور ہم جتنے برباد ہوں ہمارے لیئے سزاوار ہے۔ غرض جو کچھ ہم کرتے ہیں ہمارا ذاتی فعل ہے اسلام کو ہماری ان باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

زمانہ جاہلیت

زمانۂ جاہلیت کا اس لیئے بیان کیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اسلام نے دنیا میں آکے کیا کیا اور اسلام کی دنیا کو کتنی ضرورت تھی حضور انور نے فرمایا ہے کہ میری بعثت صرف اس لیئے ہوئی ہے کہ میں ملت حنیفیہ اسمٰعیلیہ کی کجی کو دور کروں اور اسکی تغییر و تبدیل کی اصلاح کروں۔ چنانچہ آپنے فرمایا ہے اپنے باپ ابراہیم کا مذہب اختیار کرو ملۃ ابیکم ابراھیم بنی اسمٰعیل کی نسلوں میں اُنکے جد اکبر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا طریقہ برابر نسل بعد نسل چلا آتا تھا تمام بنی اسمٰعیل اسی شریعت ثابت قدم تھے یہانتک کہ عمرو بن لحی پیدا ہوا اس شخص نے ملت اسمٰعیلی میں بہت کچھ بیہودہ تصرفات کیئے اور نئی نئی باتیں داخل کردیں بت پرستی کی نئی نئی شاخیں نکلتی آئیں اور اخیر یہانتک نوبت پہنچ گئی کہ بنی اسمٰعیل میں سوائے کفر اور بت پرستی کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا جب حضور انور مبعوث ہوئے تو آپنے بنی اسمٰعیل کی شریعت میں غور کیا اُس میں جو جو طریقہ اسمٰعیل کے ملک کیموافق منجملہ شعائر الٰہیہ کے تھے اُنھیں باقی رکھا اور جن میں تحریف ہوگئی تھی یا جن میں خرابیاں آگئی تھیں یا جو اُمور کفر و شرک کی حد تک پہنچے تھے اُنھیں نیست و نابود کردیا اور جو امور عادات وغیرہ کے متعلق تھے اُنکی خوبیاں اور برائیاں اس طرح بیان کردیں کہ جس سے لوگ رسمی لوثوں اور غوائل سے احتراز کرسکیں۔ خراب رسموں کی آپنے ممانعت کردی اور اچھی رسموں کی ترغیب دلائی اور جو مسائل اصلی یا عملی پہلے سے متروک تھے اُنکو اُنکی اصلی حالت پر کردیا۔ گویا اس طرح خدا کا انعام مکمل اور خدا کا دین مستقیم ہوگیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اہل جاہلیت بعثت انبیا کو تسلیم کرتے تھے اعمال کی سزا جزا کے قائل تھے اقسام نیکی کے تمام اصول پر اُن کا اعتقاد تھا جو اُمور منافع تمام قوم اور تمدن کے متعلق تھے وہ اُنکے استعمال میں تھے ان میں مختلف فریق تھے اور اُنکے عقائد علیحدہ علیحدہ تھے مثلاً ایک فرقہ فاسقین اور زنادقہ کا تھا۔ فاسق چوپایوں اور درندوں کے سے کام کرتے تھے جو ملت اسمٰعیل کے خلاف تھے۔ نفسانی حالتیں اُن پر غالب تھیں۔ مذہبی اُمور کا پاس کم تھا۔ یہ لوگ ملت کے دائرے سے خارج تھے۔ فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ زنادقہ گروہ کے لوگ اپنے کو ہر مذہب سے آزاد سمجھتے تھے اور اُن کا یقین تھا کہ دنیا میں انسان مذہب میں پابند رہنے کے لیئے نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ دوسرا گروہ اور تھا جو مذہب کو انسان کے لیئے ضروری تو تسلیم کرتا تھا مگر اسکی طرف توجہ نکرتا تھا اور اپنے مفروضہ مذہبی اُصول سے بھی اُس نے غفلت اور بے پروائی اختیار کر رکھی۔ اس فرقہ میں قریش بھی تھے جنھوں نے اپنی توجہ بالکل مذہب کیطرف سے پھیر لی۔ اہل جاہلیت کے اصول میں ایک اصول یہ بھی تھا کہ آسمان و زمین اور جو جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اُن کا خالق خدا ہے کوئی اُس کا شریک نہیں ہے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے بیشک اگر تو ان لوگوں سے دریافت کرے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ سب کہدیں گے خدا نے پیدا کیا ہے ولئن سالتہم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن اللّٰہ اہل جاہلیت کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ خدا کی ذات اس سے منزہ ہے جو اُسکی بارگاہ کے مناسب نہیں ہے اور اُسکے ناموں میں الحاد کرنا حرام ہے لیکن اس میں اُنھوں نے یہ بات زندقہ کی زیادہ کردی تھی کہ فرشتے خدا کی لڑکیاں ہیں فرشتوں کو خدا نے اس امر کا ذریعہ قرار دیا ہے کہ جو امر اُسے معلوم نہ ہو وہ اُنکے ذریعہ سے معلوم کرلے جیسے بادشاہ جاسوسوں کے ذریعہ سے حالات معلوم کیا کرتے ہیں۔

اُن کے اعتقادات میں یہ بھی تھا کہ پیدا ہونے سے پیشتر خدائے تعالیٰ نے تمام حوادث کو مقدر کردیا ہے حسن بصری رضی اللہ عنہ

کا قول ہے کہ اہل جاہلیت اپنے خطبوں میں اور اشعار میں ہمیشہ قدر کا ذکر کیا کرتے تھے شرع نے اور اس کو موکد کر دیا ہے۔
اُن کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ عالم بالا میں ایک مقام معین ہے وہاں بتدریج حوادث متحقق ہوتے رہتے ہیں اور مقرب فرشتوں اور بزرگ آدمیوں کی دعائیں کسی نہ کسی طرح سے اپنا اثر کرتی رہتی ہیں لیکن اسکی صورت اُنکے خیال میں ایسی تھی جیسے شاہی ندیموں کی شفاعت کا اثر سلاطین پر پڑتا ہے۔
اِن کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ خداوند تعالی اپنے بندوں کو احکام کا پابند اور مکلف کرتا ہے بعض چیزوں کو حلال کرتا ہے بعض کو حرام اعمال کی جزا دیتا ہے اچھے ہوں تو جزا بھی اچھی ہوتی ہے بُرے اعمال ہوں تو جزا بھی بُری ہوتی ہے۔
خدائے تعالی کے پاک فرشتے ہیں جو اسکی بارگاہ میں مقرب ہیں وہ اسکی بادشاہت میں بڑا مرتبہ رکھتے ہیں۔ خدا کے حکم سے وہ اس دنیا کی تدابیر میں مستغرق رہتے ہیں اور احکام الٰہیہ کی تعمیل سے سرتابی نہیں کرتے جو حکم اُنھیں ملتا ہے اسکی تعمیل بہت سرگرمی سے کرتے ہیں لا یعصون اللہ ما امرہم و یفعلون ما یومرون وہ نہ کچھ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ اُنھیں کسی اور قسم کی احتیاج ہے۔
اُن کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ کبھی کبھی خدا اپنی مہربانی اور فضل سے کسی نہ کسی آدمی کو مخلوق کے لیئے مبعوث کیا کرتا ہے اُس پر خدا وحی نازل کرتا ہے فرشتوں کو اُسکے پاس بھیجتا ہے اسکی اطاعت لوگوں پر فرض کرتا ہے بغیر اُسکی تعمیل اور فرماں پذیری کے کوئی چارہ نہیں ہوا کرتا۔
ملا اعلی اور حاملین عرش کا ذکر اشعار جاہلیت میں بکثرت ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ بن ابی الصلت کی دو شعروں میں تصدیق فرمائی ہے۔ اُس کا قول ہے

رجل وثور تحت رجل یمینہ　　　　والنسر للاخری ولیس مرصد

یعنے آدمی بیل۔ کرگس اور شیر غران سب خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں حضور انور نے یہ شعر گوش گزار فرما کے ارشاد کیا اُمیہ نے سچ کہا اسکے بعد اُمیہ کے یہ شعر پڑھے۔

والشمس تطلع کل اخر لیلة　　　　حمراء یصبح لونہا یتورد
تابی فما تطلع لنا فی رسلہا　　　　الا معذبة والا تجلد

یعنی آفتاب رات کے ختم ہونیکے بعد سرخ اور گلابی رنگ کا نکلتا ہے اور اُس کا طلوع نرمی کے ساتھ نہیں ہوتا بلکہ اُس پر عذاب کیا جاتا ہے اور اُسے تازیانے پڑتے ہیں (یعنے اپنے پروردگار کی قوت سے مغلوب رہتا ہے) حضور انور نے اِس شعر کو سنکے فرمایا کہ سچ کہا۔ اہل جاہلیت کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ عرش کے اُٹھانے والے چار فرشتے ہیں ایک کی صورت آدمی کی سی ہے اور یہ فرشتہ خدا کے حضور میں آدمیوں کی شفاعت کرتا رہتا ہے اور دوسرے فرشتے کی صورت بیل کی ہے اور یہ چارپایوں کا شفیع ہے تیسرا کرگس کی ہمشکل ہے یہ پرندوں کا شفیع بنا ہوا ہے چوتھا شیر کی ہمشکل ہے اور اس کے متعلق درندوں کی شفاعت ہے اسکے قریب ہی قریب شرع میں بھی آیا ہے شرع نے اُن فرشتوں کا نام بز کوہی رکھا ہے (وعول) عالم مثال میں اُن فرشتوں کی صورتیں ایسی ہی ظاہر ہوتی ہیں یہ ساری باتیں اہل جاہلیت میں مروج تھیں لیکن وہ غائب کا حاضر سے اندازہ کرتے تھے اور علمی اور یقینی امور کو اپنے مالوف خیالات سے غلط کر دیتے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں جو لوگ حکیم ہوئے ہیں مثلاً قس ابن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل اور جو بزرگ لوگ عمرو بن لحی کے عہد سے پیشتر تھے اُن میں حکما اور کامل لوگ عالم معاد اور فرشتوں وغیرہ کے قائل تھے وہ توحید کو ٹھیک طریقہ سے مانتے تھے زید بن عمرو بن نفیل نے اپنے برجستہ شعر میں کہا ہے۔

وانت رب مليك الناس طر　　　يكفيك المنايا والحتوم

یعنے تو پروردگار سب کا بادشاہ ہے۔ موتیں تیرے ہی اختیار میں ہیں۔ اسی فاضل شاعر کے اور دو اشعار بھی حسب ذیل ہیں۔

اربا واحدا ام الف رب　　　ادين اذا انقسمت الامور

تركت اللات والعزى جميعا　　　كذلك يفعل الرجل البصير

یعنی میں ایک پروردگار کو مانوں یا ہزار کو جب کاموں کی تقسیم ہوئیں نے تو لات وعزیٰ سب کو چھوڑ دیا ہوشمند آدمی ایسا ہی کیا کرتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمیہ بن صلت کے حق میں فرمایا اُسکے شعر میں ایمان ہے لیکن اُسکے دل میں ایمان نہیں ہے۔

یہ سب اعتقادات وہ تھے جو وراثۃً اُن میں چلے آتے تھے بعض عقائد اہل کتاب سے بھی اخذ کر کے اپنے ہاں داخل کر لیے تھے اُنھیں بخوبی معلوم تھا کہ انسان کا اصلی کمال یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے حضور میں سرنگوں ہوا اور نہایت کشش اور کوشش سے خدائے مطلق وواحد کی پرستش کیجائے عبادت کے ابواب میں سے اُنکے ہاں ایک طہارت بھی تھی اور غسل جنابت تو ایک معمولی طریقہ تھا۔ ختنہ اور تمام اوصاف وخصائل فطرت کا بھی اُنکے ہاں بخوبی اہتمام تھا۔ وضو کا طریقہ بھی اُنکے ہاں جاری تھا وہ نماز بھی پڑھا کرتے تھے چنانچہ قس ابن ساعدہ آبادی کی کبھی نماز ہی قضا نہ ہوئی تھی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ حضور انور کی خدمت میں حاضر ہونے سے دو سال پہلے سے نماز پڑھتے تھے۔ عرب میں مثل مجوسی اور یہودیوں کے نماز میں تعظیمی افعال کی پابندی تھی۔ خاص سجدہ بہت ضروری تھا اور دعا و ذکر الٰہی کے متعلق بعض مقولے بھی تھے اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں زکوٰۃ بھی تھی اسی زکوٰۃ میں مہمان نوازی اہل وعیال کا نفقہ۔ مساکین کو خیرات دینی صلہ رحم آن حوادث میں ہمدردی اور امداد کرنا جو حق ہوں یہ سب زکوٰۃ میں داخل تھے اور ان اُمور کو بہت ہی قابل تعریف خیال کیا جاتا تھا وہ خوب جانتے تھے کہ ان اُمور ہی سے انسان کامل ہوتا ہے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور انور سے عرض کیا تھا۔ "واللہ خدا آپ کو پس ماندہ نہ کریگا آپ صلۂ رحم اور مہمان نوازی کرتے ہیں۔ اہل وعیال کے متکفل ہیں۔ آسمانی حوادث پر لوگوں سے ہمدردی کرتے ہیں" واللہ لا یخزیک اللہ انک تصل الرحم وتقوی الضعیف وتحمل الکل وتعین علی نوائب الحق اسی طرح ابن دغنہ نے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا۔ فجر سے غروب آفتاب تک اُن میں روزہ بھی معمول بہ تھا زمانۂ جاہلیت میں قریش عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے مسجد میں وہ اعتکاف بھی کیا کرتے تھے زمانہ جاہلیت پوری شب اعتکاف میں بیٹھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس میں استفتا کیا تھا۔ عاص ابن وائل نے وصیت کی تھی میری طرف سے اتنے غلام آزاد کیے جائیں۔ بیت اللہ کا حج کرنا شعائر الٰہیہ اور بزرگ مہینوں کی تعظیم کرنی یہ امور تو ایسے ظاہر ہیں کہ ان میں کوئی شبہ ہو ہی نہیں سکتا وہ وظیفے اور وظائف بھی پڑھتے تھے اور تعویذ گنڈوں کی رسم بھی اُنکے ہاں جاری تھی ہاں ان رسموں میں

شرک کی باتیں داخل ہوگئی تھیں۔ ذبح کرنا اور گردن میں برچھا مارنا اُنکا روزمرہ تھا وہ ذبیحہ کا گلا نہیں گھونٹتے تھے اور چھری سے پیٹ چاک نہیں کرتے تھے پیش بینی کے لئے اُنکے ہاں خواب اور گزشتہ انبیا کی بشارتیں تھیں۔ مدت سے کہانت اور قمار کے تیروں سے آیندہ حالات کا اندازہ کرنا اُنکے ہاں رائج تھا حضور انور نے جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی تصویریں دیکھیں جنکے ہاتھوں میں قمار کے تیر تھے تو فرمایا یہ لوگ خوب جانتے ہیں کہ انھوں نے قمار کے تیروں سے کبھی اندازہ نہیں کیا لقد علموا انهما لم يستقسما قط بنی اسرائیل برابر اپنے جد حضرت اسمٰعیل کے طریقہ پر ثابت قدم رہے یہانتک کہ اُن میں عمرو ابن لحی کا ظہور ہوا اسکی پیدایش کا زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سو برس قبل ہوا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں کھانے و پینے۔ لباس عوتوں میں میلوں میں۔ مردوں کے دفن کرنے۔ نکاح۔ طلاق۔ عدت۔ ماتم۔ خرید و فروخت اور تمام معاملات کے نہایت مستحکم طریقے معین تھے جو اُنکی پابندی نہ کرتا تھا قابل ملامت سمجھا جاتا تھا۔ محارم مثلاً بیبیاں۔ مائیں بہنیں وغیرہ سب اُنکے ہاں حرام تھیں۔ ظلم و تعدی کے لئے اُنکے ہاں تعزیرات معین تھیں۔ قصاص۔ دیت اور قسامہ سے وہ سزا دیتے تھے اسی طرح زنا اور چوری کی سزائیں بھی مقرر تھیں ایرانی اور رومی سلطنتوں کے ذریعہ بہت سے منزلی اور تمدن کے علوم و تدابیر بھی ان میں اضافہ ہوگئی تھیں۔ ساتھ ہی فسق و فجور کی کثرت نے اُنھیں ارذل ترین حالت میں پہنچا دیا تھا۔ غارتگری لوٹ مار سے بڑے بڑے مظالم توڑے جاتے تھے۔ زنا۔ فاسد نکاح اور ربو بہت عام ہوگئے تھے۔ نماز اور ذکر الٰہی کو بالکل ترک کر دیا تھا اور ان روحانی فضائل کیطرف بہت کم توجہ کی جاتی تھی جب تمام برائیوں کی انتہا ہوگئی تو حضور انور کا ظہور ہوا آپنے تمام اُن علمی اور عملی امور میں خوض کیا جو اُن میں موجود تھے ان میں سے جو حصہ ملت ابراہیمی کا تھا اُس کو آپنے بحال رکھا اور اُسکے اختیار کرنیکا حکم فرمایا پھر عبادات کے طریقے معین فرمائے۔ اسباب و اوقات۔ شروط و ارکان۔ مستحبات و مفسدات۔ رخصت عزیمت۔ ادا و قضا کے طریقے تعلیم کر دیئے۔ گناہوں کو منضبط فرما کے اُنکے ارکان و شروط معین فرما دیئے۔ گناہوں کی سزائیں اور کفارات مشروط کیئے۔ ملت حنیفی کی اشاعت اور تمام مذاہب پر اُسکو غالب کرنیکی نہایت کوشش کی اُنکی تمام تحریفات اور تغیرات مذہبی کو مٹا دیا۔ امور نافع کی ہدایت فرمائی۔ تمام فاسدہ رسوم کا ستیاناس کر دیا۔ خلافت کبریٰ کو ان میں قائم کیا۔ حدیثوں میں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ رسول کریم نے فرمایا ہے "میں آسان حنیفی روش کا مذہب لایا ہوں" بعثت بالملة السمحة البيضاء، سمحہ سے یہ مراد ہے کہ اُس میں عبادات کی ایسی سختیاں نہیں ہیں جیسی راہبوں نے گھڑلی تھیں بلکہ اُس میں ہر ایک عاذر کے لیئے رخصت ہے۔ قوی اور عاجز۔ باکار اور بیکار سب اُس پر عملدرآمد کر سکتے ہیں اور حنیفیہ سے مراد ابراہیمی ہے جس میں شعائر الٰہیہ قائم کیئے جاتے ہیں اور شعائر شرک مٹائے جاتے ہیں۔ تحریف اور فاسد رسمیں بالکل باطل کیجاتی ہیں اور بیضا سے یہ مراد ہے کہ اسکی علتیں اور حکمتیں اور وہ مقاصد جن پر اُس مذہب کی بنیاد قائم کیجاتی ہے نہایت صاف ہیں جو شخص تامل اور سچے دل سے ان میں نظر کرے گا اُسے کچھ شبہ باقی نہ رہے گا اور کوئی سلیم العقل اُس سے روگردانی نہیں کرنے کا۔

احکام شرعی

جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کتب احادیث میں مدون کیا گیا ہے اسکی دو قسمیں ہیں (اول)

وہ اُمور جو تبلیغ رسالت سے علاقہ رکھتے ہیں جیسا کہ خدا تعالی فرماتا ہے ما اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا یعنے پیغمبر جو تمھیں بتائے اسکی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے اُس سے باز آؤ۔ ان اُمور میں ایک حصہ اُمور معاد اور عالم ملکوت کے عجیب و غریب حالات کا ہے یہ سب اُمور بواسطۂ وحی ہوا کرتے ہیں آنحضرت کے اجتہاد کو ان میں کچھ دخل نہیں انہیں امور تبلیغ رسالت سے ایک حصہ اُن حکمتوں اور مصلحتوں کا ہے جو بلا قید رکھی گئی ہیں اُن کا کوئی وقت معین نہیں کیا گیا نہ اسکی حدیں بیان کی گئیں جیسے اچھے بُرے اخلاق کا بیان ہے یہ حصہ غالبًا اجتہادی ہے۔ دوم وہ اُمور ہیں جنکو تبلیغ رسالت سے کوئی تعلق نہیں ہے اِسکی نسبت حضور انور کا ارشاد ہے انما انا بشر اذا امرتکم بشیٔ من دینکم فخذوا بہ واذا امرتکم بشیٔ من رائی فانما انا بشر ترجمہ یعنی میں ایک انسان ہوں جب میں تم سے کوئی مذہبی امر بیان کروں تو اس کو اختیار کرو اور جو بات اپنی رائے سے کہوں پس میں ایک انسان ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے درخت خرما کے پیوند لگانیکے بارے میں فرمایا تھا انما ظننت ظنا فلا تواخذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئا فخذوا بہ فانی لم اکذب علی اللہ یعنی میں نے صرف گمان کیا تھا مجھسے اس بات کا مواخذہ نہ کرو لیکن میں خدا کیجانب سے کوئی بات بیان کروں تو اُسے اختیار کرو اسلیئے کہ میں نے خدا پر جھوٹ نہیں بولا ہے۔ اِسی میں طب کا حصہ ہے اور اسی کے متعلق حضور انور کا ارشاد ہے ”وہ گھوڑا نہایت سیاہ جسکی پیشانی میں ہلکی سی سفیدی ہو اپنے پاس رکھا کرو ان میں وہ اُمور بھی شامل ہیں جو آپ اتفاقیہ کیا کرتے تھے اور ہمیشہ اُن پر عمل نہیں فرماتے تھے۔ ان ہی میں وہ اُمور بھی ہیں جو آپنے بسبیل تذکرہ بیان فرمائے تھے مثلًا کچھ بات چیت کر رہے ہیں اور آپ بھی کچھ فرمانے لگے حدیث ام ذرع اور حدیث خرافہ اسی قسم کی حدیثیں ہیں اور اسکو ہی زید ابن ثابت نے بیان فرمایا ہے چند آدمی اُنکے پاس آئے اور کہا رسول مقبول کی کچھ حدیثیں بیان کیجیے حضرت زید نے کہا وہ میں حضور انور کے ہمسایہ میں تھا جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ مجھے بُلا بھیجتے تھے میں اُس وحی کو لکھدیا کرتا تھا حضور انور کی یہ کیفیت تھی کہ جب ہم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ دنیا کا ذکر کرنے لگتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے آپ بھی وہی ذکر کرنے لگتے اور جب ہم کھانیکا ذکر کرتے آپ بھی ہمارے ساتھ ہمزبان ہو جاتے۔ پس کیا میں ان سب قسم کی حدیثوں کا تمسے ذکر کروں۔ اِن میں وہ اُمور بھی شامل ہیں جن میں حضور انور کے زمانۂ محمود و مسعود میں ایک جزوی مصلحت تھی لیکن وہ اُمور اُمت کے لیئے حتمی نہ تھے اسی لیئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ”ہمیں رمل طواف میں سینہ تان کے چلنا) سے کیا علاقہ ہم اپنی یہ حالت اُنھیں دکھایا کرتے تھے جنھیں خدا نے آپ ہلاک کر دیا ہے آپ کا قول یہ ہے مالنا وللرمل انما کنا نترائی بہ قد اھلکھم اللہ اِن ہی اُمور میں آپکے احکام اور فیصلے ہیں۔ دلائل اور قسموں سے جیسا ثابت ہوتا تھا ویسا ہی آپ فیصلہ کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت علی سے حضور انور نے فرمایا تھا الشاھد یری ما لا یراہ الغائب یعنی جن چیزوں کو غائب شخص نہیں دیکھ سکتا اُنکو وہ شخص دیکھتا ہے جو واقعہ پر موجود ہو۔

شریعت کا طریقۂ اخذ

حضور انور سے شریعت دو طریقے پر اخذ کی گئی ہے اول ظاہر قول سے اُسکو حاصل کیا اسمیں ضرور ہے کہ اقوال نبی نقل کئے جائیں خواہ تواتر یا بلا تواتر۔ متواتر کی نقل کبھی لفظا ہوا کرتی ہے جیسے قرآن کریم۔ چند احادیث مثلًا انکم ترون ربکم الخ

یقیناً تم اپنے رب کو دیکھو گے اور کبھی تو ہر معنی ہوتا ہے مثلاً طہارت نماز روزہ زکوٰۃ حج بیوع نکاح کے اکثر احکام میں
مسلمانوں کے کسی فریق نے اختلاف نہیں کیا۔ غیر متواتر میں سب سے بلند درجہ مستفیض کا ہے مستفیض اس حدیث کو
کہتے ہیں جسکو تین صحابہ یا زیادہ نے روایت کیا ہو اور پانچویں طبقہ تک برابر اس کے راوی بڑھتے رہے ہوں اس قسم
کی حدیثیں اکثر ہیں اور مسائل فقہ کی ان ہی پر بنیاد ہے مستفیض کے بعد اس حدیث کا درجہ ہے جسکی صحت اور حسن کا
فیصلہ حفاظ اور اکابر محدثین کے بیان سے ہو گیا ہو پھر ان حدیثوں کے بعد ان حدیثوں کا مرتبہ ہے جن میں محدثین نے
اختلاف کیا ہو کسی نے قبول کیا اور کسی نے رد۔ طریقہ صرف یہ ہے کہ احادیث کی دلالت اور رہنمائی سے احکام شریعت اخذ کیے
جائیں انکی صورت یہ ہے کہ اصحاب پاک نے حضور انور کو کوئی امر فرماتے ہوئے سنا اور اس سے کوئی حکم کسی شے کے واجب وغیرہ
ہونیکا مستنبط کر لیا اور اس حکم کی لوگوں کو خبر کر دی اور کہدیا فلاں شے واجب ہے فلاں جائز ہے پھر تابعین نے ان احکام کو
اسی طرح حاصل کیا اور تیسرے طبقہ کے لوگوں نے اپنے فتووں اور فیصلوں کو اسی کے مطابق مدون کر کے خوب استحکام کر لیا
اس طریقہ میں حضرت علی حضرت عبد اللہ بن مسعود حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم بڑے پایہ کے مانے جاتے ہیں لیکن
حضرت عمر ہر مقدمہ میں صحابہ سے مشورہ کرنیکے بعد فیصلہ دیا کرتے تھے اور پھر آپ کا فیصلہ ناطق ہوا کرتا تھا اور وہ ایسا فیصلہ
ہوتا تھا کہ مشرق و مغرب کے ہر شخص کو اس فیصلہ پر سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔ ابراہیم کا قول ہے کہ حضرت عمر کی وفات سے علم کے دس
حصوں میں سے نو حصے مفقود ہو گئے حضرت عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ حضرت عمر نے جو راستہ اختیار کیا ہم نے اسے
بہت ہی آسان پایا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کسی مقدمہ کے فیصلے میں مشورہ کرنیکی عادت نہ تھی اسلیئے آپکے فیصلہ صرف
کوفہ ہی میں محدود رہے اور عام طور پر انکی مقبولیت نہیں ہوئی۔ چند لوگ تھے جو آپکے فیصلوں سے احکام اخذ کرتے تھے
حضرت عبد اللہ ابن مسعود کا قیام اکثر کوفہ میں رہتا تھا اس لیئے ان کا بھی اثر اسی اطراف کے لوگوں پر رہا۔
پھر حضرت عبد اللہ ابن عباس کا زمانہ آیا انھوں نے خود اجتہاد کیا اور اکثر احکام میں اگلوں کی مخالفت کی مکہ معظمہ میں
آپکے پیرو بہت سے پیدا ہو گئے تھے حضرت عبد اللہ ابن عباس نے اپنے مسالک سے اسبات کا ثبوت دیدیا کہ استنباطی مسائل میں
دوسروں کے احکام کی تقلید کرنی کچھ ضرور نہیں ہے۔ آپنے جو مسلک اختیار کیا وہ جمہور اسلام کے بالکل برخلاف تھا۔ ان
چاروں صحابہ کے علاوہ اور لوگ احادیث کی دلالت اور رہبری سے واقف تھے لیکن رکن۔ شرط۔ مستحب و مسنون میں
انھیں امتیاز نہ تھا اور ایسے تو بہت کم تھے کہ مختلف احادیث اور دلالت کی حالت میں انکا کوئی خاص قول ہوتا۔ عبد اللہ
ابن عمر حضرت عائشہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اس درجہ کے قابل تھے اور تابعین کے اکابر میں اسی قسم کے لوگ مدینہ میں
فقہاء سبعہ تھے مثلاً مکہ میں عطا ابن رباح کوفہ میں ابراہیم شریح اور امام شعبی بصرہ میں حسن بصری رضی اللہ عنہم مانے جاتے تھے۔
غور کرنیکے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ اجتہادی مسائل میں کوئی شخص کسیکی تقلید پر مجبور نہیں کیا گیا ہے کیونکہ اجتہادی حالت میں
بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ اس میں صحابہ اور تابعین کے قیاسوں کا مجموعہ شامل ہوا کرتا ہے اس میں وہ امور مندرج ہوتے ہیں
جو انھوں نے کتاب و سنت سے اخذ کئے ہیں اور یہ ضرور نہیں کہ اجتہاد ہمیشہ درست ہی ہوا کرے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ قیاس کر لیتے
کو حدیث نہیں ملا کرتی یا ایسی حدیث ملتی ہے جو حجت کے قابل نہیں ہوتی اس لیئے اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔

کتب احادیث کے طبقے

مسلمانوں کے پاس حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث کے سوا کوئی ذریعہ شریعت اور احکام شریعت کا نہیں ہے مصلحتوں کو تو غور کامل۔ تجربہ اور حدس وغیرہ سے بھی دریافت کر سکتے ہیں اور احادیث کا علم اسیوقت حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ روایتیں بہم پہنچائی جائیں جنکی سند حضرت رسالتمآب تک پہنچتی ہے خواہ وہ حدیثیں آپ کے بیان سے حاصل ہوں یا موقوف احادیث ہوں کہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے اُنکی روایت کی ہو اُن سے یہ امر مستبعد ہے کہ بغیر نص اور اشارہ شارع کے اُن احادیث کے قطعی ہونے پر اقدام کریں اس قسم کی روایت بھی حضرت رسالتمآب سے ضمناً ماخوذ ہوا کرتی ہے۔ ہمارے زمانہ میں اس قسم کی روایتوں کے حاصل ہونیکا کوئی ذریعہ بجز اسکے نہیں ہے کہ جو کتابیں علمِ حدیث میں مدون کی گئی ہیں اُن پر غور کی نظر کیجائے اور دیکھا جائے کہ کون کونسی روایتیں صحیح ہیں اور کن کن روایتوں کی سند رسولِ کریم تک پہنچتی ہے۔

صحت اور شہرت کے لحاظ سے کتب احادیث کے چار طبقے ہیں پہلے طبقے میں وہ کتابیں ہیں کہ جو حدیثیں اُن میں مندرج ہیں وہ کتابوں کے مدون ہونیسے پہلے اور اسکے بعد محدثین کی زبان پر دائر و سائر ہوں مؤلف سے پہلے ہی ائمہ حدیث نے مختلف طریقوں سے اُنکی روایت کی ہو اور اپنے مسندوں اور مجموعوں میں اُن کو بیان کیا ہو مؤلف کے بعد اُسکی روایت کرنے اور محفوظ رکھنے کی طرف توجہ کی ہو۔ اس کا اشکال دور کر دیا ہو یا غریب حدیث کی شرح کی ہو اُس کا اعراب بیان کیا ہو اُس کے طریقے بتائے ہوں۔ مسائل فقہی کا اُس سے استنباط کیا ہو ہر درجہ اور مرتبہ میں ہمارے زمانہ تک اُس کے راویوں کے حالات کا سراغ لگایا گیا ہو یہانتک کہ کوئی چیز جو حدیث سے تعلق رکھتی ہے ایسی باقی نہ رہے جس میں پوری غور نہ کر لی ہو الا ماشاء اللہ۔ نقاد حدیث مصنف سے پیشتر اُس کے اقوال سے موافقت کرتے رہے ہوں اُن کی صحت کو ثابت کیا ہو۔ مصنف کی رائے کی تصدیق کی ہو اور اُس کی کتاب کی ثنا خوانی کی ہو۔ ائمہ فقہ نے اُن اقوال سے مسائل کو مستنبط کیا ہو اُن پر اعتماد کیا ہو۔ عام لوگوں کو اُن اقوال سے عقیدہ ہو اُن کے دلوں میں اُنکی عظمت ہو۔ جو کتابیں طبقہ اولیٰ میں اعلیٰ درجہ کی ہو گی وہ تواتر کی حد تک پہنچ جاتی ہے اور اس سے ادنی درجہ مستفیض کا ہے اور اس کے بعد وہ ہے جو قطعی صحت کے قریب ہو اور قطعی ہونے سے مقصود واحد ہے جو علم حدیث میں معتبر ہے کہ مفید عمل ہو جاسے اور جو احادیث دوسرے طبقہ کی ہوتی ہیں اُن میں سب سے اعلیٰ درجہ مستفیض کے قریب ہے اور اُسکے بعد جو قطعی صحت کے قریب ہو اور اُس کے بعد جو مفید ظن ہو۔

استقرار اور تلاش سے طبقہ اولی کی صرف تین کتابیں ہیں (۱) موطا (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح مسلم۔ امام شافعی کا قول ہے کہ بعد کتاب اللہ کے سب کتابوں میں زیادہ صحیح امام مالک کی موطا ہے۔ اہل حدیث کا اتفاق ہے کہ امام مالک اور اُنکے موافقین کی رائے کے موافق موطا کی تمام حدیثیں صحیح ہیں اور دوسرے محدثین کی رائے میں اُس میں کوئی حدیث مرسل اور منقطع ایسی نہیں ہے۔ دوسرے طریقوں سے اُسکی سند متصل نہ ہوئی ہو۔ یہی وجہ ہے جس سے کہا جاتا ہے کہ اسکی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ امام مالک کے زمانہ میں اکثر موطائیں تصنیف کی گئیں جن میں موطائے مالک کے احادیث

کی تخریج ہوئی ہو اور اُنکی منقطع احادیث کا متصل ہونا ثابت کیا گیا ہے مثلاً ابن ابی ذیب۔ ابن عیینہ ثوری معمر وغیرہ کی کتابیں جن کے اساتذہ اور امام مالک کے اساتذہ مشترک تھے۔ موطا کی اسقدر شہرت ہوئی کہ لوگوں نے دور دراز سفر کرکے موطا کو امام مالک سے اخذ کیا۔ امام مالک کے بہت بڑے بڑے شاگرد تھے جن کی فقاہت مشہور اور اعلیٰ درجہ کی تھی۔ مثلاً امام شافعی۔ محمد بن حسن۔ ابن وہب اور ابن قاسم۔ ان میں بعض بڑے متبحر محدثین تھے جیسے یحیی ابن سعید قطان عبدالرحمن بن مہدی۔ اور عبدالرزاق۔ آپکے بعض شاگرد سلاطین اور امرا بھی تھے۔ مثلاً رشید اور اُن کے دونوں بیٹے۔ موطا کی شہرت امام مالک ہی کے زمانہ میں خوب ہوگئی تھی۔ اور جو جو زمانہ گزرتا گیا اُسکی شہرت میں جان پڑتی گئی۔ مختلف شہروں کے فقہا نے اپنے مذہب کی بنیاد اُسی پر قائم کی بعض مسائل میں اہل عراق نے بھی اُسے مبنی قرار دیا اور علما برابر اُسکی حدیثوں کی تخریج کرتے رہے بیان کیا جاتا ہے کہ موطا کے آگے امام محمد کے کتاب الآثار اور امام ابو یوسف کی کتاب الامالی کی کوئی ہستی نہیں ہے۔

صحیحین پر تمام محدثین نے اتفاق کیا ہے کہ صحیحین میں جتنی حدیثیں مرفوع متصل ہیں وہ سب صحیح ہیں ان دونوں کتابوں کا ثبوت مؤلفین تک بالتواتر ہے۔ یہ بھی عقیدہ ہو کہ جس شخص کی نظر میں ان کتابوں کی عظمت نہو وہ مبتدع ہے۔ صحیحین کے مقابلہ میں ابن ابی شیبہ اور طحاوی کی کتابوں اور خوارزمی وغیرہ کی مسندوں سے کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔ دوسرے طبقہ کی کتابیں موطا اور صحیحین کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں لیکن اُن کے قریب قریب اُن کا درجہ قرار دیا گیا ہے ان کے مصنف ثقاہت عدالت اور حفظ میں مشہور و معروف تھے۔ فنون حدیث میں بھی اُنھیں متبحر تسلیم کیا گیا ہے۔ تیسرے طبقہ میں وہ مسندیں جوامع اور تصنیفات داخل ہیں جو بخاری و مسلم سے پہلے یا اُنکے زمانہ میں یا اُنکے بعد تصنیف کی گئی ہیں۔ اور ان میں صحیح حسن ضعیف۔ معروف۔ غریب۔ شاذ۔ منکر۔ خطا صواب اور ثابت وغیرہ سب قسم کی حدیثیں۔ اس طبقہ میں مسند ابو علی۔ مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابو بکر بن ابی شیبہ۔ مسند عبد بن حمید۔ طیالسی بیہقی۔ طحاوی۔ اور طبرانی کی کتابیں ہیں۔ ان لوگوں نے بغیر تحقیقات کے جو پایا جمع کیا۔ اور کبھی اُنھیں صحیح غلط کے انتخاب کرنیکا خیال نہیں آیا۔

چوتھے طبقہ میں وہ کتابیں ہیں جن میں وہ احادیث جمع کی گئی ہیں کہ جو احادیث طبقہ اولیٰ اور طبقہ دوم میں جمع نہیں ہوئی تھیں یہ حدیثیں جو ان کتابوں میں درج کی گئی ہیں وہ حدیثیں تھیں جو اکثر واعظ نہایت مبالغہ آمیزی سے بیان کیا کرتے تھے یا وہ حدیثیں تھیں جو خود غرضوں اور ضعیف راویوں سے مروی تھیں یا صحابہ اور تابعین کے آثار تھے یا یہودیوں کے اور شعرا یا حکمائے وقت کے اقوال تھے جو راویوں نے غلطی سے حضور انور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک حدیثوں میں خلط ملط کر دیئے تھے۔

پانچویں طبقہ میں وہ کتابیں ہیں کہ فقہا صوفیہ اور مورخین کی مایہ بساط ہیں اور اُن ہی میں ان کتابوں کی بہت شہرت ہے اور مذکورۂ بالا چاروں طبقوں میں اُنکی کچھ اصل نہیں معلوم ہوتی۔ جتنی خلاف قیاس باتیں صوفیوں اور واعظوں کی زبان پر ہیں اُنکا ماخذ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات ہو۔

بات صرف یہ ہو کہ اسلام کسے کہتے ہیں اور آیا اس قیامت خیز وقت میں جبکہ مسلمانوں کا ایک گروہ دوسرے مسلمان

گروہ کو کافر بنا رہا ہے معیار اسلام کوئی قائم بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔ صرف سوال یہ ہے اور ہمارا اصلی مقصود بھی یہی ہے کہ ہم بتا دیں کہ مسلمان کی نشانی کیا ہے اور اسلام کے کتنے مختصر اور سیدھے اصول ہیں حضور انور فرماتے ہیں "من صلی صلوٰتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله فی ذمته" یعنی جو ہماری سی نماز پڑھے اور ہمارا ہی قبلہ اُس کا قبلہ ہو اور ہمارے ہی ہاتھ کا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے اور خدا اور رسول اُس کا ذمہ دار ہے۔ پس تم لوگ خدائے تعالیٰ کے معاہدہ میں دخل نہ دینا تمام باہمی مناقشوں اور جھگڑوں کا اس صحیح حدیث نے فیصلہ کر دیا۔ تین علامتیں حضور انور نے مسلمان ہونیکی قرار دی ہیں۔ نماز۔ قبلہ کا ایک ہونا اور مسلمان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا۔ جس میں یہ تینوں باتیں پائی جاتی ہوں وہ مسلمان بھی ہے اور اُس کا ذمہ دار خدا و رسول بھی ہے۔ ایسے شخص کو اگر کوئی مسلمان نہ کہے وہ خداوند تعالیٰ کا بہت بڑا گنہگار ہے۔ گویا اُس نے خداوند تعالیٰ کے معاہدہ میں دخل دیا۔ اس سے زیادہ آسان مذہب دنیا میں اور نہیں ہو سکتا۔ تمام طول طویل مباحثے تمام لمبی چوڑی تراش خراش جو اسلامی اصول میں پیدا ہوتی جاتی ہے اور عقائد مختلفہ کی پیچیدگیاں اور صدہا گروہ جو اس وقت موجود ہیں اور گزشتہ زمانہ میں اُن کا بہت زور رہ چکا ہے تمام باتیں محض اوقات گزاری یا علمی دنیا میں اپنی ناموری پیدا کرنیکے لیئے کی جاتی تھیں اسلام نہ علمائے کرام کی تحقیق کا محتاج ہے نہ فقہائے عظیم اور لا انتہا دفاتر کا اور نہ لاکھوں جوڑ اور بے جوڑ روایتوں کا نفس اسلام کو ان باتوں سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ جتنی باتیں ہیں محض اعلیٰ تمدن حاصل ہونیکا ذریعہ ہیں اسلام سے انھیں کچھ سروکار نہیں ہے۔ کاش اگر یہی آسان اصول تلقین کیئے جائیں تو بہت آسانی سے تمام دنیا مسلمان ہو سکتی ہے حقیقت کے منہ پر اخیر کبتک پردہ پڑا رہے گا ایک دن یہ ہونا ہے اور ہو کے رہے گا کہ اسلام کے سچے اور آسان اصول عامہ خلائق کے آگے پیش ہوں گے اور کل مسلمان سگے بھائیوں کی طرح باہم ملجائیں گے اور یہ جزوی مخالفت جس نے دشمنی کا رنگ بتدریج اختیار کر لیا ہے بالکل مٹ جائیگی اور پھر ڈھونڈے سے بھی مخالفت کا نام و نشان نہیں رہے گا۔ حضور انور نے اسلام کا معیار ایسے الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ اُس میں کچھ بھی چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے نہ اُس میں کوئی مین میکھ نکالی جا سکتی ہے اور نہ اُس فیصلۂ نبی کی توضیح اور تشریح کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضور انور کا ارشاد ہوا ہے "ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا اله الا الله لا تکفره بذنب ولا تخرجه من الاسلام" یعنی جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے اُس سے کچھ مداخلت نکرنا کسی گناہ سے اُسے کافر مت بتانا اور کیسا ہی کچھ کرے اُسے اسلام سے خارج مت جاننا اِس سے زیادہ صریح الفاظ جن سے تمام بحثوں اور طویل جھگڑوں کا فیصلہ ہوتا ہے اور اسلام کے خاص اصول کی توضیح ہوتی ہے دنیا کی کل حکمتوں کا لب لباب ہیں صوفی ہو یا غیر صوفی۔ وہابی ہو یا بدعتی معتزلی ہو یا خارجی سنی ہو یا رافضی جو کلمہ پڑھتا ہے وہ مسلمان ہے جب مسلمان ہوا تو بھائی ہوا۔ جب یہ سمجھ لیا جائے کہ سب مسلمان بھائی ہیں تو اس سے زیادہ اتحاد کی بنیاد اور کسی صورت سے قائم نہیں ہو سکتی۔ خدا جانتا ہے اسلام تمام خیالی مباحثوں اور عقلی جھگڑوں سے پاک ہے۔ یہ الفاظ خواہ وہ کچھ ہی کرے اُسے اسلام سے خارج نہ کرو ایک عجیب و غریب معنے رکھتے ہیں اور ساتھ ہی اسلام کی وسعت اور آزادی معلوم ہوتی ہے ایک بداعمال شخص کے لیئے بس اسی قدر کافی ہے کہ دنیا میں وہ ذلیل ہو اور آخرت میں خدائے زمین و زماں اُس سے بازپرس کرے اور بس۔ وہ اپنے اعمال کی خود سزا پائیگا مگر بداعمالی کے ساتھ جب وہ اسلام کی

نشانی بھی اپنے ساتھ رکھتا ہے یعنی کلمہ پڑھتا ہے۔قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرتا ہے پھر کسے حق حاصل ہے کہ اسے اسلام سے خارج کرے اسلام کسی مولوی یا مجتہد کا ذاتی مذہب نہیں ہے بلکہ اسلام دین خدا ہے جو شخص کلمہ پڑھتا ہے خدا و رسول اُس کا ضامن ہوتا ہے جب خدا و رسول کی ضمانت ہوگئی پھر اُسے کوئی شخص بھی خارج از اسلام نہیں کر سکتا۔

اگر مسلمان آنکھیں کھولکر حضور انور کی ان صحیح حدیثوں کو دیکھ لیں تو اُنکی حالت بہت درست ہو جائے اور پھر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے لیئے لفظ کفر استعمال کرنے کا کبھی زہرہ نہ ہوا مگر تبہ حضور انور سے ایک شخص نے عرض کیا قیل یا رسول اللہ قل لی فی الاسلام قولا لا اسال عنہ احدا بعدک وفی روایۃ غیرک قال قل امنت باللہ ثم استقم یعنی ایمان کی کوئی ایسی بات ارشاد کر دیجئے کہ پھر مجھے آپکے بعد کسی دوسرے سے دریافت کرنیکی ضرورت نہ رہے حضور انور نے فرمایا کہہ میں خدا پر ایمان لایا اور پھر اُس پر جما رہ۔اس حدیث کی تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ خدا پر ایمان لانیکے بعد اسلام میں پھر کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے مسلمان کے لیئے بس یہی کافی ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتا ہے باقی جتنے معاملات ہیں اسلام سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے سب اُسکی ذات سے وابستہ ہیں وہ جانے اور اُس کا کام۔اگر تمام ادیان عالم میں کوئی آسان مذہب ہے اور جس کے اصول محض دو تین الفاظ میں ادا ہو سکتے ہیں تو وہ اسلام ہے۔یہی اسلام تھا جس نے تمام دنیا کو اپنا رام بنا لیا تھا اور یہی دو لفظی اُصول تھے جنھیں چند لمحے میں ایک وحشی بدو دلنشین کرکے چلا جاتا تھا۔اگر آج بھی یہی اسلام رواج دیدیا جائے تو بڑی کامیابی کی اُمید ہو سکتی ہے۔ہم اسلام کے روشن اور صاف چہرے کو کتنا ہی مکدر کریں لیکن اسلام تو اس کدورت میں بھی اپنی تابانی دکھاتا ہے۔جتی جتی لق لق سے اسلام میں ہرگز رخنہ نہیں پڑ سکتا اور خدا گواہ ہے کہ مولویوں کی پیچیدگی سے اسلام کو کچھ بھی تعلق نہیں ہے پھر حضور انور کا ارشاد ہوا ہے ما من احد یشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ صدقا من قلبہ الا حرم اللہ علی النار یعنی کوئی ایسا شخص نہیں ہے جو سچے دل سے کلمہ پڑھے مگر خدا تعالیٰ دوزخ کی آگ کو اُس پر حرام کر دے گا۔اسلام کی حیرت انگیز ترقی اس بات کی کافی شہادت ہے کہ اسلام یہودیت اور نصرانیت کے مقابلہ میں بہت ہی آسان تھا۔ورنہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جن مذاہب کی بڑی سلطنتیں قائم ہوں اور جو صدیوں سے چلے آتے ہوں اور اُن کا اثر مخلوقِ خدا کے خون میں ہو چکا ہو جو غریبی سے پیدا ہوا ہو نہ جسکے پاس سلطنت ہو نہ شوکت و عظمت آناً فاناً میں غالب آجائے اور غالب بھی ایسا کہ قدیم سلطنتوں کو دبا بیٹھے اور پھر اُسکے آگے کسی کو دم زدن کا یارا نہو حضور انور کی منجملہ صدہا پیشین گوئیوں کے جو وقتاً فوقتاً پوری ہوئیں ایک پیشین گوئی یہ بھی ہے ما من نبی بعثہ اللہ فی امتہ قبلی الا کان لہ من امتہ حواریون واصحاب یاخذون بسنتہ ویقتدون بامرہ ثم انہا تخلف من بعدہم خلوف یقولون ما لا یفعلون ویفعلون ما لا یؤمرون فمن جاہدہم بیدہ فہو مؤمن ومن جاہدہم بلسانہ فہو مؤمن ومن جاہدہم بقلبہ فہو مؤمن ولیس وراء ذلک من الایمان حبۃ خردل یعنی مجھسے پہلے خدا تعالیٰ نے کوئی نبی اپنی اُمت میں ایسا نہیں بھیجا کہ اُسکی اُمت میں کچھ لوگ اُس کے حواری اور دوست اُسکی سنت پر عمل کرنے والے اور اُس کے حکم کے فرمانبردار نہ پیدا کئے ہوں پھر اُسکے بعد نا اہل لوگ پیدا ہو جاتے ہیں جو کہتے ہیں کرتے نہیں اور جن باتوں کا حکم اُنکو نہیں ہوتا وہ کرتے ہیں جو ہاتھ سے اُنکے ساتھ جہاد کرے وہ ایماندار ہے اور جو زبان سے جہاد کرے وہ بھی ایماندار ہے اور جو قلب سے کرے وہ بھی ایماندار ہے اور اُس کے بعد رائی کے دانہ کے برابر

بھی ایمان نہیں ہے" حضور انور نے اُن لوگوں پر عتاب فرمایا ہے جو کہتے ہیں کرتے نہیں اور اُن پر تین قسم کے جہاد فرض کیے ہیں۔ اللہ اکبر اسلام کی کتنی بڑی شان ہے کہ اس میں ایسا شخص گردن زدنی قرار دیا گیا ہے جو کہتا ہے وہ کرتا نہیں کوئی مذہب بھی ایسا کوئی حکم اپنی کتابوں میں پیش نہیں کرسکتا اسی سے اسلام کا سچا جلال اور تمام عالم کے لیئے اُس کا موزوں ہونا پایا جاتا ہے۔ دنیا میں اگر کوئی چیز اعلیٰ تمدن اور اعلیٰ شائستگی کی بنیاد ہے تو وہ یہی ہے کہ جو کچھ زبان سے کہا جائے وہ ضرور کیا جائے اور جس نے ایسا نہیں کیا اُس نے گویا اسلام کے سب سے بڑے رکن سے روتابی کی اور اسی لیئے حضور انور نے اُس پر جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر فی الواقع عین تمدن اور عین اخلاق سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ جرم ہو نہیں سکتا کہ جو کچھ زبان سے کہا جائے وہ کیا نہ جائے۔ یہ اعلیٰ درجہ کے اصول تھے جنھوں نے لوگوں کے دلوں میں گھر کیا اور روشنی کی رفتار میں اسلام کو مشرق و مغرب جنوب و شمال پہنچا دیا اور اخیر یہ ہوا کہ زمانہ نے بہت سے گراں بہا تاج اسلام کے قدموں پر نثار کردیئے اور اُسے نصف پُرانی دنیا کی کنجیاں سونپ دیں۔

سب سے زیادہ اس وقت قرآن ہے جو ہمارے مذہب کی پوری عظمت ظاہر کرتا ہے ہم اسی کو پیش کرتے ہیں اور وہی تمام قضیوں اور حجتوں کا اچھا فیصلہ کرسکتا ہے۔ قوم ہرگز پست نہ ہوتی اگر قرآنی احکام پر پورا عمل کرتی۔ اور اب بھی جبکہ اسلام کی اکثر سلطنتیں صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں قرآنی احکام نہایت شد و مد سے تسلیم کیئے جاتے ہیں جب کوئی قوم قرآنی دائرہ میں آجاتی ہے وہ اول درجہ کی پاکباز بن جاتی ہے۔ ان احکام میں ایک زندہ روح موجود ہے جو اور کسی مذہبی کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ رسولِ اکرم نے اپنی اُمت کو خواہ شہنشاہ ہو یا عام رعیت قرآنی احکام کی پابندی کا سختی سے حکم دیا ہے اس لیئے یہ عین قانون قدرت ہے اور ان پر عمل کرنا دین و دنیا کی سرسبزی کا باعث ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہوتا ہے "لا الفین احدکم متکئا علی اریکتہ یاتیہ الامر من امری مما امرت بہ او نہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدناہ فی کتاب اللہ اتبعناہ" یعنی تم میں سے کسی کو تکیہ لگائے ہوئے ایسی حالت میں نہ پاؤں کہ جس بات کا میں نے حکم دیا ہے یا اُس سے نہی کی ہے وہ امر ہو یا نہی اُسے معلوم ہو اور وہ کہدے میں ان باتوں کو نہیں جانتا جو قرآن میں موجود ہیں ہم لوگ تو اس کا اتباع کرتے ہیں۔

اسلام میں غیر ضروری تشدد عبادت میں کرنا منع ہے

رہبانیت جس نے کسی زمانہ میں تمدنِ انسانی کو سخت صدمہ پہنچایا تھا اسلام نے اُس کی بہت دھوم دھام سے تردید کی ہے۔ دنیا کی جتنی قومیں قبل از اسلام تھیں اُن میں تشدد عبادت حد سے زیادہ تھا وہ ترک دنیا کو اپنی عبادت اور خدا پرستی کا جزو اعظم خیال کرتی تھیں اور جبکہ ایک شخص دنیا سے پہلو تہی کرکے کسی گوشہ میں بیٹھ جاتا تھا اور اپنے شبانہ روز میں سوائے غیر معمولی مراقبوں اور سخت سے سخت مجاہدوں کے اور کچھ نہ کرتا تھا رہبانیت کا زہر خدا کی مخلوق میں سرایت کرتا جاتا تھا اور اس مہلک مرض نے انسانی فرائض کو مٹا مٹا کے خاک سیاہ کردیا تھا اسلام نے دنیا میں پیدا ہوتے ہی یہ شہادت دی "لا رہبانیۃ فی الاسلام" اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ اسلام چونکہ قوانین قدرت کے مطابق ہے اس لیئے اس کے کل احکام عین فطرت انسانی کے مطابق ہیں خود انسان کی ذات پر خیال کرنیسے

پایا جاتا ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھکے بیٹھنے کے لئے انسان نہیں پیدا کیا گیا ہے۔ دنیا میں کامل استغراق کا نام عین خدا پرستی ہے جس شخص کو دنیا سے محبت نہیں ہے خدا سے محبت نہیں۔ یعنی دنیا اور خدا کی محبت لازم و ملزوم ہے اور جنھوں نے اس کے خلاف سمجھا ہے سخت غلطی کی ہے۔ دنیا میں دین اور دین میں دنیا ہے۔ شارع اسلام نے ان دونوں کو ملا دیا ہے اور بغیر دونوں سے تعلق پیدا کیئے نجات ممکن نہیں ہے۔

دنیا کی محبت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ نفس پرستی کیجائے۔ دوسروں کا مال غصب کیا جائے۔ اور تمام عمر میں حق العباد کی ایک پوٹ باندھ کے دنیا سے رخصت ہوں بلکہ دنیا پرستی کے معنے ہیں بنی نوع کی اصلاح کرنا۔ اخلاق و تمدن پھیلانا۔ لوگوں کو نیک اعمال سکھانا۔ اپنی نیک اعمالی سے ایک اچھی نظیر دنیا میں قائم کرنا خدائے قادر مطلق کی ہری بھری کھیتی کی آبیاری کرنا۔ مظلوموں کی مدد کرنا اور شکستہ دلوں کی ڈھارس بندھوانا اپنے بھائیوں سے بخندہ پیشانی ملنا اور ہر وقت اپنی بے ثبات زندگی کو مدنظر رکھنا اپنی اُن شریف قوتوں کو جو خدا کی طرف سے ودیعت ہوئی ہیں کام میں لانا یہ ہے۔ دنیا پرستی اور دنیا داری اسی دنیا پرستی میں دین پرستی چھپی ہوئی ہے۔ اگر کوئی شخص اس قسم کا دنیا پرست نہیں ہے گویا اُسے دین سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ جو لوگ بدقسمتی سے دنیا سے کنارہ کرنے کو دین کا جزو اعظم جانتے ہیں وہ گویا نفس انسانیت کے دامن پر ایک داغ ہیں اور اُن کے دین و دنیا دونوں خراب ہیں۔

فرض کرو کہ کسی شخص نے دنیا سے کنارہ کرکے کسی پہاڑ کے گوشہ میں سکونت اختیار کرلی ہے اور وہاں اُس کا تمام وقت مجاہدوں اور مراقبوں میں صرف ہوتا ہے یا اُس نے کوئی اپنا عضو خشک کرلیا ہے یا پے درپے کے فاقوں سے اپنے تو ایسا مضمحل اور ضعیف کرلیا ہے کہ اپنی جگہ سے ذرا بھی جنبش نہیں کھا سکتا ایسا شخص فی الحقیقت گردن زدنی ہے اور خدائے ذوالجلال کی عالی بارگاہ میں ضرور اس بات کی بازپرس ہوگی کہ جو شریف قوتیں ہم نے تجھ میں ودیعت کی تھیں اُن سے تو نے کیا کام لیا اور تو نے سوائے ذاتی اغراض میں محو رہنے کے میری مخلوق کو کیا فائدہ پہنچایا اگر ہم ایسے گوشہ نشین شخص کو ولی کامل بھی تصور کرلیں پھر بھی ہم اُسے بڑا خودغرض کہیں گے کیونکہ اُس نے تمام عمر سوائے اپنی ترقی مدارج کے اور کوئی کام نہیں کیا۔ ایسے شخص کا دنیا میں پیدا ہونا نہ ہونا یکساں ہے۔ فرض کرو کہ تمام دنیا ایسی ہی خودغرض اور نفس پرست ہو جائے اُس وقت خدائے عزوجل کی غریب مخلوق کی کیا کیفیت ہو۔ یتیم کیونکر جیئیں مظلوم ظالموں کے پنجوں سے کیونکر محفوظ رہیں۔ بیوہ عورتوں کی کون سرپرستی کرے اور اپاہج لنگڑے لوگوں کو کون مدد دے۔ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی ہمارے لیئے ایک نمونہ ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ رسول کا صریح مخالف کبھی مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اُس کی مقدس ذات نے بنی نوع کی امداد کو انسانی زندگی اور اُس کی ابدی نجات کا جزو اعظم تصور فرمایا ہے اور جب آپنے حاتم کی بیٹی کو مع بنی طے کے اور قیدیوں کے صرف اس بنا پر چھوڑ دیا ہے کہ اس گروہ کا اُس نیکمرد سے تعلق تھا جو بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا۔ قرضداروں کا قرض ادا کرتا تھا اور قیدیوں کو روپیہ دیکے چھڑا دیتا تھا۔ جب حاتم کی بیٹی کی زبانی یہ ساری باتیں گوش گزار فرمائیں تو حضور ممدوح نے نہ صرف اُس خاتون کو مع اُسکے کل گروہ کے چھوڑ دیا بلکہ حاتم جیسے غیر مسلمان شخص کے لیئے دعائے خیر کی اور نجات اخروی کے آرزو مند ہوئے۔ اب خیال کرنے کی جگہ ہے کہ آپنے مذکورہ بالا صفات کو کیسی اعلی درجہ کی نیکی تصور فرمایا کہ ایک دشمن گروہ کو محض اس بنا پر کہ اُسکا حاتم جیسے نیکدل

شخص سے تعلق ہی صاف چھوڑ دیا اور کسی قسم کا فدیہ تک نہیں لیا۔ اگر اُس وقت حاتم خود ہوتا تو آپ اُسکی بہت خاطر کرتے۔ بس یہ ہے نفس اسلام جس شخص میں باوجود مسلمان ہونیکے یہ صفتیں نہیں ہیں اُس کا اسلام دو کوڑی کا۔ نماز اور روزہ حج اور زکوٰۃ اگر ذاتی اغراض کے لیئے کیجاتی ہیں تو اُن کا کرنا فضول ہے اور اگر عبادت آلہی سے غرض بنی نوع کی اصلاح مقصود ہے تو وہ ضرور مقبول درگاہِ احدیت ہی۔ عبادت آلہی کا مقصود ہے تزکیہ نفس اور تزکیہ نفس کے معنے ہیں اپنے بھائیوں کے لیئے مفید ثابت ہونا اور جب یہ مدعا حاصل نہیں ہی تو سمجھو کہ عبادت ہی فضول ہی اور ایسی عبادت کی خدائے افواج پروا نہیں کرتا۔

یہ بات مسلم ہے کہ خدائے عزوجل کی ذات لاپرواہ ہے اور اُسے نہ کسیکی عبادت سے غرض ہے اور نہ اطاعت سے اس نے ہمیں اپنی اطاعت کے حکم دیئے ہیں صرف اس لیئے تاکہ ہم دنیا میں نیک زندگی گزار دیں اور ہمارا وجود اُسکے اور بندوں کے حق میں فائدہ مند ثابت ہو اگر ہمنے اس مدعا کو مدنظر نہ رکھا تو ہماری پنجوقتہ نماز یا حج و زکوٰۃ کا کیا حاصل ہوا ہماری نمازوں کی خدائے وحدہٗ لاشریک کو ضرورت نہیں ادہر ہماری نمازوں سے اسکی مخلوق کو فائدہ نہیں۔ پھر ایسی غیر مفید چیز کا عدم وجود برابر ہے۔ بدنصیب ہیں جو لکیر کے فقیر بنے بیٹھے ہیں اور اُنھوں نے کبھی اپنے دونوں ہاتھ مظلوموں کو اپنی آغوش میں لینے کے لیئے نہیں بڑھائے ایسے لوگ خواہ کتنے ہی عبادت گزار ہوں ابدی جہنمی ہیں اور اُن کی یہ ظاہری عبادت گزاری اُن کی بخشش کی اُس قہار جبار کی بارگاہ میں سفارش نہیں کرسکتی۔

جس اسلام کو اپنی اور باتوں پر فخر ہے اسی طرح اپنی عبادات پر بھی وہ اور مذاہب سے امتیاز رکھتا ہے اور جو باریکیاں اُس نے اپنی عبادات میں رکھی ہیں اُنھیں ایک روشنضمیر کی آنکھ اچھی طرح دیکھ سکتی ہے۔ اجمالی طور پر نماز کا بہت بڑا مفہوم یہ ہے کہ اپنی تمام کمزوریوں کا ہر وقت خیال رہے اور اپنی تمام قوتوں سے کام لے سکے اپنا بھروسہ اپنے خالق حقیقی پر کرے کبھی اپنی کسی قوت پر فخر نہ کرے اور اپنی کسی بات پر مغرور نہ ہو ہر بات کو خدا کی بات پر رکھ سکے اور ہمیشہ اس عمل کے بعد اپنے قوت بازو پر اعتماد کرکے جہانتک ممکن ہو دوسروں کا دست نگر نہ ہو نماز سکھاتی ہے کہ اپنی وقعت انسان کیونکر قائم کرسکتا ہے اور باوجود انتہا درجہ انکساری کے بھی وہ کیونکر اپنے کو معزز و ممتاز بنا سکتا ہے۔ ایاکَ نعبد وایاک نستعین،، صرف اس دو لفظی جملہ کے الفاظ معارف انسانی کے دفاتر اپنے میں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ ان میں انکساری اور اپنی آپ عزت کرنے کی پوری تعلیم کی گئی ہے۔ انکساری تو یہ ہے کہ تیری ہی عبادت کرتے ہیں تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ یعنی ہم خالص تیرے بندے ہیں اس لیئے تجھسے امداد چاہنی ہمارا فرض ہے ایک تو یہ مفہوم ہوا جس سے سچی عبدیت پائی جاتی ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم سوائے تیرے کسی سے مدد نہیں مانگتے اور ہمیں تیرے آگے کسیکی بھی پروا نہیں ہے۔ تو ہی ہمارا معبود برحق ہے تیرے جلال کے آگے ہم دنیا کو ہیچ جانتے ہیں دنیا میں تجھ سے زیادہ کوئی عبادت کے قابل نہیں ہے۔ نفس عبدیت کا یہی مفہوم ہی کہ اپنے معبودِ حقیقی کے علاوہ تمام کائنات کو ہیچ سمجھے۔ اس سے زیادہ وقعت اور کسی بات میں انسان کی نہیں ہو سکتی۔ تمام عبادتیں جو اور مذاہب غیر خدا کی کرتے یا کرتے ہیں اس کے آگے کالعدم ثابت ہوگئیں۔ خواہ کوئی پیغمبر ہو یا کوئی ولی یا کوئی قوت سماوی ہرگز اسکی عبادت جائز نہیں ہے یہ عظمت ہے جو قرآن کریم نے انسان کی رکھی ہے کہ وہ سوائے اپنے معبودِ حقیقی کے کسی کے آگے

جھکائے۔ پھر آگے دعا مانگی گئی ہے کہ "ہمیں ہدایت کا سیدھا رستہ دکھا"، بہت بڑا مفہوم اس دعا مانگنے سے یہ ہی کہ انسان بالکل آزاد ہے اور اُسے ضرور نہیں ہے کہ کسی انسان کے آگے وہ صرف اس غرض سے سر خم کرے کہ ہمیں ہدایت کا رستہ دکھائیگا۔ دوسری بہت بڑی بات اِس آیتہ شریفہ میں یہ ہے کہ تمام انسانوں کو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے اور دکھایا ہے کہ کوئی پیغمبر ہو یا ولی۔ شہید ہو یا پیر سب اُسی کے محتاج ہیں اور ہر انسان کو واجب ہی کہ وہ بارگاہ صمدیت میں نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ یہ دعا مانگا کرے۔ ہر فہمیدہ شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب ایک زبردست ولی بھی یہ التجا کیا کرتا ہے کہ مجھے ہدایت کا رستہ دکھا۔ پھر وہ بجائے خود کیا خاک کسی کی ہدایت کر سکتا ہے۔

اس آزادی پر جو مذہب اسلام نے ہر انسان کو بخشی ہے اسلام بہت بڑا فخر کرتا ہے دنیا میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہی جس نے انسان کو اتنا باعظمت بنا کے آزاد کیا ہو۔ اسلام اُس طرز عبادت کا بالکل مخالف ہی جو اور مذاہب میں ہوتی ہی اُس نے جسم اور روح کو لازم گردانا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ جسم کے اگر کسی حصہ پر کوئی تشدد ہو یا کوئی صدمہ پہنچے تو روحانی صحت ہرگز قائم نہیں رہ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ صفائی یا طہارت کے احکام بہت وضاحت سے بیان کیے گئے ہیں اور جسمانی صفائی کو اس درجہ افضل کیا گیا ہے کہ اخیر میں محض جسمانی طہارت کو جزو ایمان قرار دیدیا ہی قرآن کریم حکم کرتا ہے کہ اپنے نفوس کو اتنی تکلیف نہ دو کہ برداشت نہ ہو سکے۔ خاص فرائض میں محض آسانی کیوجہ سے بہت کچھ تغیر و تبدیل کردی گئی ہی۔ سفر میں فرائض نماز کا بہت اختصار کردیا ہی روزہ میں مرض۔ ضعف اور بڑی عمر کا لحاظ کیا گیا ہی۔ حج میں کافی روپیہ کی شرط لگادی گئی ہے۔ انصاف سے دیکھنے کے بعد معلوم ہو سکتا ہے کہ اس سے زیادہ آسان مذہب اور کیا ہوگا۔ نماز جو فی الحقیقت اسلام کا رکن اعظم ہے اور جسکی تائید کثرت سے قرآن مجید میں آئی ہے اور جو گویا اسلام اور غیر اسلام میں تمیز کرتی ہے صرف آسانی پیدا کرنے کے لیئے اس میں عظیم تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ شارع اسلام نے قدم قدم پر اسکو سہل بنانیکی کوشش کی ہے اور اتنا آسان کردیا ہے کہ کسی وقت بھی گرانی کا خیال نہیں آسکتا۔ نمازی کے لیئے کوئی جبر نہیں ہے کہ وہ مسجد ہی میں جا کے دوگانہ نماز کا ادا کرے۔ وہ بآزادی اپنے گھر میں بھی پڑھ سکتا ہے۔ ہر مسلمان بغیر امام کے نماز ادا کر سکتا ہے کسی حالت میں بھی اُسے کسی امام کے تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وہ بازار میں رستہ چلتے چلتے ایک خشک کوسے پر محض ایک رومال بچھا کے نماز پڑھ سکتا ہے۔ اور اسکی نماز جب بھی اُسی وقعت سے دیکھی جائیگی جیسے وہ مسجد میں پڑھتا۔ یہ ضرور نہیں کہ وہ بیٹھ کے یا کھڑے ہو کے نماز پڑھے بلکہ لیٹ کے بھی اگر اُس سے اُٹھا نہ جا سکے تو نماز پڑھ سکتا ہے محض آنکھ کے اشارہ سے بھی نماز ادا ہو سکتی ہے۔ اگر حاجت غسل ہو اور نہا نہ سکے تو صرف تیمم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے پانچ وقت کی نماز علیحدہ علیحدہ پڑھنے کا حکم ہوا ہے لیکن بوقت ضرورت وہ ظہر اور عصر اور مغرب اور عشا کی نمازیں ملا کے پڑھ سکتا ہے اگر وہ کسی بیماری کی وجہ سے وضو نہ کر سکے تو معمولی تیمم سے اپنا مذہبی فرض ادا کر سکتا ہے جاڑے میں اُسے اونی جرابیں اُتار کے وضو میں پیر دھونے کی ضرورت نہیں ہی صرف اُوپر سے ہاتھ پھیرنا ہی کافی ہے۔ یہ ہی بے نظیر آسانی جو اسلام کے سب سے بڑے فرض میں کردی گئی ہے۔ اور ہر پہلو سے جسمانی صحت کا بہت بڑا پاس و لحاظ کیا گیا ہے۔ شارع اسلام نے تمام مذہبی فرائض کو اتنا آسان کردیا ہی کہ بغیر کسی تکلف اور سختی جھیلنے کے ہر فرض کی ادائی بآسانی ہوتی چلی جائے اور انسان کو عبادت الٰہی کا

کوئی پہلو گراں نہ معلوم ہو۔

اسلام اور دنیا پرستی

عام طور پر یہ خیال دو تین صدی سے پھیلا ہوا ہے کہ دنیا میں دل لگانا اور اسکی طرف توجہ کرنا حرام مطلق ہے اور اسی لحاظ سے دولت سے بھی سخت نفرت کیجاتی ہے اور اس کو شل ہوّا کے سمجھا جاتا ہے۔دنیا سے نفرت پیدا کرنے کا خیال سب سے پہلے صوفیوں نے ایجاد کیا۔چونکہ اکثر صوفی کم استطاعت ہوئے ہیں اس لیئے امیروں اور شاہوں کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کے لیئے اُنھوں نے دنیا کو گالیاں دینی شروع کریں اور مال و دولت سے نفرت کی تاکہ عوام اُنکی طرف رجوع ہوں اور اُنھیں مفلس سمجھ کے اُن سے نفرت نکریں اسی طرح شاہ اور اُمرا بھی اُنکی وقعت کریں اور اُنھیں مستغنی سمجھ کے اُنکی پرستش کرنے لگیں۔خیر القرون میں دنیا اور اسکی دولت سے کبھی نفرت نہیں ظاہر کی گئی بلکہ دولت کو ذریعۂ اشاعت اسلام اور جزو زندگی خیال کیا گیا یہانتک کہ حضور انور نے تو دولت کی اتنی وقعت کی ہے کہ آپ اُس شخص کو جو روپیہ کیلئے مارا جائے شہید فرمایا ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ کو جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے چاہیتے صحابی تھے کسی صوبہ کا عامل بنا کے بھیجا جب اُنکی مدت ختم ہوگئی تو وہ واپس آئے اور اُنکے ساتھ کئی چھکڑے قیمتی سامان سے بھرے ہوئے تھے اور نقد روپیہ بھی بہت تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابو ہریرہ یہ مال کہاں سے آیا حضرت ابو ہریرہ نے جواب دیا عمرؓ یہ مال میرا ہی جو میں نے تجارت سے حاصل کیا ہی حضرت عمر نے فرمایا یہ روپیہ اور کل سامان تمھیں بیت المال میں داخل کرنا ہوگا حضرت ابو ہریرہ یہ سنکے چیں بجبیں ہوئے اور کہا یہ مال میرے گاڑھے پسینہ کی کمائی ہے میں ہرگز بیت المال میں داخل نہیں کرنیکا حضرت عمر نے فرمایا سن ابو ہریرہ جب میں نے تجھے عامل بنا کے بھیجا ہی تو تیرا سارا وقت خرید لیا تھا ان اوقات میں جو کچھ تو نے کیا اور کمایا وہ میرا ہے یعنی عام مسلمانوں کا ہے تو اس روپیہ اور سامان کا ہرگز مالک نہیں ہی حضرت ابو ہریرہ اس معقول توضیح پر بھی اپنی جگہ قائم رہے اور کہا کہ یہ مال میں ہرگز نہ دونگا میں نے اپنے فرائض منصبی کو پورا سرانجام دیا اور فرصت کے وقت میں تجارت بھی کرتا رہا۔حضرت عمرؓ کی عادت زیادہ قیل و قال کرنے کی نہ تھی آپ نے صاف کہدیا۔دیکھ ابو ہریرہ یہ کل سامان تجھے بیت المال میں داخل کرنا ہوگا ورنہ تیرے لیئے بہتر نہوگا جب حجت تمام ہوگئی اور حضرت ابو ہریرہ نے نہ مانا تو حضرت عمر نے جبراً وہ سارا سامان چھین لیا اور حضرت ابو ہریرہ رضؓ کے دو چار زور سے درے اُڑائے اخیر بیچارے سیدھے اپنے گھر چلے گئے۔مال بیت المال میں داخل ہوگیا۔ایک روز مسجد نبوی میں حضرت ابو ہریرہ نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ دعا مانگ رہے تھے حضرت عمر بھی پیچھے جا کھڑے ہوئے پاس جا کے سُنا تو یہ دعا تھی۔اے خدا اے ذوالجلال اگر عمر نے مجھے حق پر مارا ہی تو پھر اُس کے لیئے دعا کرنیکی حاجت نہیں اور جو ناحق پر مارا ہے تو میں نے دل سے معاف کیا اور تو بھی معاف کیجو کیونکہ وہ مسلمانوں کا نیک خواہ اور اُنکی پشت پناہ ہی۔یہ سن کے حضرت عمر سامنے آئے اور کہا ابو ہریرہ تیار ہو جاؤ میں نے تمھارے لیئے ایک اور صوبہ کی عاملی تجویز کی ہے (آپ نے مسکرا کے فرمایا تھا) اس پر حضرت ابو ہریرہ نے یہ جواب دیا بس عمر معاف کرو اب

تمھارے درّے کہانیکا م نہیں ہے۔ اس روایت سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ صحابہ دولت کو کتنا عزیز جانتے تھے اور کسقدر جز زندگی خیال کرتے تھے۔ تم ایک بھوکے کا جو کئی فاقوں کے بعد نیم جان ہو اگر مفلس ہو تو کیا خاک پیٹ بھر سکتے ہو تم ایک بے وارثی رانڈ اور اسکے یتیم بچوں کی جب وہ بھوک کے مارے اپنی شکستہ دل ماں کی گود میں ماہی نیم جاں کی طرح تڑپ رہے ہوں محض مفلسی پر کیا ڈھارس بندھوا سکتے ہو۔ اگر مفلس ہو تو اپنے والدین کی تم سے کیا خاک خدمت ہو سکتی ہے۔ بی بی اور بچوں کی کیا دستگیری کر سکتے ہو۔ روپیہ نہیں ہے تو مکہ معظمہ اور روضۂ اقدس و اطہر کی زیارت کیونکر کر سکتے ہو۔ اسلام نے ہرگز دولت اور اس کے کمانے کو منع نہیں فرمایا۔ بلکہ ایسی دولت کی حقارت کی ہے جو جانب کفر مائل کرے اور جس سے خدا و رسول کے احکام کی تکمیل کا خیال ہی نہ رہے جس سے مسکینوں پر ظلم کیا جائے اور رانڈوں یتیموں کو ستایا جائے۔

حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ کا شام میں جا کے مال فروخت کیا تھا صرف اسی غرض سے آپ وہاں تشریف لیگئے تھے کہ کچھ روپیہ پیدا ہو اور چچازاد بھائیوں کی پوری سرپرستی کر سکیں۔ کیونکہ حضرت ابو طالب کا دیوالہ نکل چکا تھا اور وہ اس قابل نہ رہے تھے کہ آنحضرت کی نو درکنار اپنی ہی اولاد کی پرورش کر سکتے پھر حضرت بی بی خدیجہ سے نکاح ہونا اور آپ کو روزمرہ کی محنت سے سبکدوشی ملنی یہ ساری باتیں اس امر کی کافی شہادت ہیں کہ روپیہ نے کیا کام دیا۔ اگر حضرت ابو بکر دولتمند نہ ہوتے تو کثرت سے روپیہ دیکے حضرت بلال کو اُنکے بیرحم آقا سے کیونکر آزاد کراتے۔ سب جانتے ہیں کہ حضرت عثمان کی دولت نے اسلام کا کتنا کام دیا۔ اسی دولت کی وجہ سے حضرت عثمان کو غنی کا خطاب ملا تھا۔ خلفائے راشدین اگرچہ خود دولتمند نہ تھے لیکن خزانہ بھرا ہوا تھا اور کروڑہا روپیہ اُن کے اشارہ پر خرچ ہوتا تھا۔ انھوں نے اپنی ذات کے لیئے ایک پیسہ بھی صرف نہیں کیا اور جو کچھ اُنکے پاس تھا مسلمانوں کی بہتری کے لیئے خرچ کر دیا۔ اور اپنی ذات کے لیئے اُس روپیہ میں سے اُسی قدر لیا جس سے وہ زندہ رہ سکیں اور اُن کا تن ڈھک سکے۔

بغیر روپیہ کے اسلام کی ترقی ممکن نہ تھی۔ اسلحہ خریدنے اور فوج کے سامان باربرداری اور خورونوش کے بہم پہنچانے کے لیے بغیر روپیہ کے کیونکر انتظام ممکن ہے۔ ہمارے ہاں جتنے مجتہد گزرے ہیں وہ بہت بڑے دولتمند تھے اور اُنکی دولت سے خدا و رسول کے بڑے بڑے کام نکلتے تھے۔ اسلام نے کہیں بھی ایسی دولت اور اس دنیا پرستی کی بُرائی نہیں کی ہے بلکہ اُسے جز اسلام مانا ہے محض نادانی ہے کہ دنیا اور اسکی دولت کو بلاوجہ بُرا کہا جاتا ہے فی الحقیقت اسلام کی زندگی اور اسلام دولت ہی سے قائم ہے اگر دولت نہیں تو کچھ نہیں۔ دولت ہی سے مساجد بنتی ہیں۔ اور دولت ہی سے کل ارکان مذہب ادا ہوتے ہیں۔ عام طور پر اگرچہ دولتِ دنیا کو بُری صورت سے پیش کیا جاتا ہے مگر کسی صوفی یا ولی کا قول قرآن مجید یا احادیث صحیحہ کے مقابل میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ہزاروں اشعار اُردو فارسی کے دولت اور دنیا کی بُرائی میں تصنیف ہو گئے مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ آیا ان اشعار کے مصنف مفلس تھے یا دولتمند۔ جہانتک واقعات رستہ دیتے ہیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ کل مفلس اور قلاش تھے اور انھیں دولتِ دنیا کی کبھی ہوا بھی نہیں لگی تھی۔ مولنا روم صاحب کی مثنوی کے بہت سے اشعار پیش کیئے جاتے ہیں جن میں ترک دنیا کی تحریص و ترغیب دلائی گئی ہے

یہ اشعار اگر فرضی اور خیالی نہیں ہیں اگر یہ اشعار واقعی ایک ولی کامل کے فکر کا نتیجہ ہیں تو انکا وہ مفہوم نہیں ہے جو بعض صوفی مشرب سمجھے بیٹھے ہیں مثلاً ایک شعر یہ ہے جس میں اہل دنیا کے ساتھ بڑی سختی برتی گئی ہے۔

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند روز و شب در بق بق و در زق زق اند

مولٰنا روم نے اُن اہل دنیا کو کافر مطلق کہا ہے جو سوائے بق بق اور زق زق کے اور کچھ کرتے ہی نہیں کافر کے معنی ہیں منکر کے گویا بق بق اور زق زق کرنیوالا شخص خدائے تعالیٰ کے احکام کا منکر ہوا تو اس کا کافر ہونا لازمی ہے۔

ہم ان شعرا کو ان ہی کے حال پر چھوڑ کے قرآن و حدیث کیطرف متوجہ ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کلام خدا اور کلام رسول میں دنیا اور اسکی دولت کی مذمت کس صورت سے آئی ہے قرآن مجید کی آیتوں کو اگر چھوڑ کے دیکھا جائے تو صدہا حدیثیں دنیا کی مذمت میں موجود ہیں مگر اُن میں اکثر حدیثیں تو موضوع و مردود ہیں اور بعض حدیثیں اگر صحیح بھی ہیں تو اُن کا وہ مفہوم نہیں ہے جو عام طور پر مولویوں نے سمجھ رکھا ہے۔ اس میں ہرگز کلام نہیں کہ ایک ایسا شخص جسکا ایک نفس بھی خدا کی یاد میں نہ گزرا ہو وہ ہرگز اپنی نفس پرستی کے سبب خدا اور رسول کے احکام کا مطلب نہیں سمجھ سکتا۔

قرآن مجید میں جابجا یہ بیان ہوکہ کفار نے طمع دولت سے کس طرح احکام خدا سے روگردانی کی قرآن مجید نے ایسی دولت کی بیشک حقارت کی ہے مگر اس سے یہ نہیں پایا جاتا کہ وہ دولت بھی ویسی ہی نفرت کے قابل ہو جو خدا پرستی سکھائے اور جس سے غریب مسلمانوں کے کام نکلیں۔

ہم وہ حدیثیں نقل کرتے ہیں جن میں دنیا کی برائی کی گئی ہو اور اُسے مردار جانور کے برابر بتایا گیا ہے وغیرہ وغیرہ

(۱) الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر (دنیا مؤمن کا قید خانہ ہو اور کافر کی جنت) مسلم بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(۲) الدنیا ملعونۃ ملعون ما کان فیہا الا ما کان للہ منہا (دنیا ملعون ہو اور جو اُس میں چیزیں ہیں وہ بھی ملعون ہیں بجز اُن اشیا کے جو خدا کے واسطے ہوں۔ ترمذی و ابن ماجہ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

(۳) حب الدنیا راس کل خطیئۃ (دنیا کی محبت ہر ایک خطا کی جڑ ہے) ابی الدنیا و بیہقی در شعب بروایت مرسلاً۔

(۴) من احب دنیاہ اضر باٰخرتہ ومن احب اٰخرتہ اضر بدنیاہ فاثروا ما یبقی علی ما یفنی (جو دنیا سے محبت رکھتا ہو وہ اپنی آخرت کو ضرر پہنچاتا ہے اور جو آخرت سے محبت رکھتا ہے وہ دنیا کا ضرر کرتا ہے بس باقی چیز کو فانی پر اختیار کرو۔ احمد و بزار و طبرانی و حاکم۔

(۵) یا عجبا کل العجب للمصدق بدار الخلود وھو یسعی لدار الغرور (بڑا تعجب دار پائدار کے سچے کہنے والے پر حالانکہ وہ دنیا کے لیے سعی کرتا ہے) ابن ابی الدنیا بروایت ابن جعفر مرسلاً۔

(۶) ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ مستخلفکم فیہا فناظر کیف تعملون ان بنی اسرائیل لما بسطت لھم الدنیا ومھدت تاھوا فی الحلیۃ والنساء والطیب والثیاب (دنیا میٹھی اور سبز ہے اور اللہ تمکو اُس میں خلیفہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ تم کیسے عمل کروگے بنی اسرائیل کے لیے جب دنیا زیادہ ہوئی اور اُسکی خوب کشادگی ہوئی تو زیور اور عورتوں اور خوشبو اور کپڑوں میں حیران ہوگئے) ترمذی و ابن ماجہ نے اس حدیث کو صرف لفظ تعملون تک نقل کیا ہے۔

(۷) ان اللہ جل ثناءہ لم یخلق خلقا ابغض الیہ من الدنیا وانہ منذ خلقہا لم ینظر الیہا خداوند تعالیٰ نے اپنے نزدیک

دنیا سے زیادہ بُری کوئی مخلوق نہیں پیدا کی اور جب سے خدا نے اُسکو پیدا کیا ہے اسکی طرف نہیں دیکھا) ابن ابی الدنیا و بیہقی در شعب مرسلاً۔

(۸) الدنیا دار من لا دار له ومال من لا مال له ولها یجمع من لا عقل له وعلیها یعادی من لا علم له وعلیها یحسد من لا فقه ولها یسعیٰ من لا یقین له (دنیا اُس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو اور اُس کا مال ہے جس کے پاس مال نہو اور وہ شخص اُسکو جمع کرتا ہے جس کو عقل نہو اور اُس پر عداوت کرتا ہے جس کو علم نہ ہو اور اُس پر وہ حسد کرتا ہے جسے سمجھ نہو اور اُس کے لیئے وہ کوشش کرتا ہے جسکو یقین نہ ہو) اس حدیث کو احمد نے بروایت حضرت عائشہ صدیقہ لا عقل له تک روایت کیا ہے۔

(۹) من اصبح الدنیا اکبر همه فلیس من الله فی شیٔ والزم الله قلبه اربع خصال هما لا ینقطع عنه ابدا وشغلا لا ینفرغ منه ابدا وفقرا لا یبلغ غناه ابدا واملا لا یبلغ منتهاه ابدا ”جس شخص کا یہ حال ہوجائے کہ دنیا ہی اُس کا زیادہ تر مقصود ہو تو وہ شخص اللہ تعالیٰ سے کسی چیز میں بھی نہیں۔ اور خدا نے تعالیٰ اُس کے دل میں چار عادتیں ڈالدیتا ہے رنج کہ اُس سے کبھی علیحدہ نہیں ہوتا۔ شغل کہ اُس سے کبھی چھٹی نہیں ملتی۔ فقر کہ کبھی تونگری میسر نہیں ہوتی۔ یعنی دنیا والا ہمیشہ ایک نہ ایک حاجت ضرور رکھتا ہے۔ آمل کہ کبھی اُسکی انتہا کو نہیں پہنچتا) طبرانی در اوسط بروایت ابوذر فی شیٔ تک نقل کیا ہے۔

(۱۰) المؤمن بین مخافتین بین اجل قد مضی لا یدری ما الله صانع فیه وبین اجل قد بقی لا یدری ما الله قاض به فلیتزود العبد من نفسه ولنفسه ومن دنیاه لآخرة ومن حیاته لموت ومن شبابه لکبرة فان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم لآخرة والذی نفسی بیده ما بعد الموت من مستعتب ولا بعد الدنیا من دار الا الجنة او النار (مؤمن دو خوفوں کے بیچ میں ہے ایک تو مدت کے بیچ میں جو گزر گئی وہ نہیں جانتا کہ اللہ اُسکے ساتھ کیا کریگا اور دوسری مدت کے بیچ میں جو باقی ہے نہیں معلوم خدائے تعالیٰ اُس میں کیا حکم جاری کریگا پس بندہ کو چاہیئے کہ اپنے نفس کے لیئے اپنے نفس سے توشہ لے اور دنیا سے آخرت کے لیئے اور زندگی سے موت کے لیئے اور جوانی سے بڑھاپے کے لیئے سامان کرے کیونکہ دنیا تمھارے لیئے پیدا ہوئی ہے اور تم آخرت کے لیئے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ موت کے بعد کوئی طلب عفو کی جگہ نہیں اور دنیا کے بعد سوائے جنت و دوزخ کے کوئی گھر نہیں) بیہقی در شعب بروایت حسن بن رجل من الاصحاب اور اُسکی سند میں انقطاع ہے۔

(۱۱) احذروا الدنیا فانها اسحر من هاروت وماروت (دنیا سے ڈرو کہ وہ ہاروت و ماروت سے بھی زیادہ جادوگر ہے) بیہقی در شعب بروایت ابوداؤد۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں دنیا کی شد و مد سے مذمت کی گئی ہے۔ مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ آپ کا گزر ایک مردار بکری پر ہوا حضور انور نے اپنے اصحاب سے ارشاد کیا کہ یہ بکری اپنے مالک کی نگاہ میں ذلیل ہے یا نہیں ہے صحابہ نے عرض کیا کہ اگر ذلیل نہوتی تو یہاں کیوں ڈالدی جاتی آنحضرت نے فرمایا قسم ہے اُس ذات پاک کی جسکی مٹھی میں میری جان ہے کہ دنیا اللہ کے نزدیک اس بکری سے بھی زیادہ ذلیل ہے اور اگر دنیا خدا کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر اچھی ہوتی تو کافر کو اُس میں سے ایک گھونٹ بھی نہ ملتا۔

ابن ماجہ اور حاکم بروایت سہیل ابن سعد وسلم نحوہ۔

پھر زید بن ارقم فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ آپنے پانی مانگا لوگ پانی شہد میں ملا ہوا لے آئے۔ جب آپنے منہ سے لگایا تو خوب روئے یہانتک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی۔ آپ کی یہ رقت دیکھ کے اور صحابہ بھی زار زار رونے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد اور صحابہ کو سکوت ہو گیا مگر حضرت صدیق اکبر اب بھی زاری کر رہے تھے اور صحابہ اگرچہ خاموش ہو گئے تھے لیکن انکی دلی رقت کی وہی کیفیت تھی وہ سمجھے کہ ہم سبب گریہ بھی نہ دریافت کر سکینگے تھوڑی دیر کے بعد صدیق اکبر نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے۔ پھر صحابہ نے عرض کیا اے نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس سبب سے روئے تھے آپ نے فرمایا کہ میں ایکدفعہ حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا میں نے دیکھا کہ آپ کسی سے فرماتے ہیں کہ میرے سامنے سے دور ہو حالانکہ وہاں کوئی نہ تھا میں نے عرض کیا کہ آپ کس کو دفعہ کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اس وقت دنیا مجسم ہو کے میرے سامنے آئی میں نے اُس سے کہا کہ مجھسے علیحدہ رہ وہ پھر آئی اور کہنے لگی اگر آپ مجھسے بچے رہیں گے تو آپ کے اُمتی تو نہیں بچیں گے ایک اور روایت میں ہے کہ ایک دن حضور انور گھوڑے پر سوار کہیں سے تھے۔ آپنے فرمایا آؤ دنیا دیکھو اور آپ نے اُس گھوڑے پر سے پھٹا ہوا کپڑا اور خشک ہڈیاں لیکے فرمایا "ہذہ الدنیا" اس میں یہ اشارہ ہے کہ زینت دنیا بھی ان کپڑوں کی طرح جلد کہنہ ہو جائیگی اور جو جسم دنیا میں پرورش پاتے ہیں وہ ان ہڈیوں کیطرح سڑ کے گل جائینگے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام ایک بنی اسرائیل کے عابد کے پاس تشریف لیگئے لشکر آپکے ہمرکاب تھا داہنے بائیں جن اور آدمی پرے باندھے ہوئے تھے اور جانور اُوپر سے سایہ کیئے تھے۔ عابد نے عرض کیا اے ابن داؤد خداوند تعالیٰ نے بہت بڑی سلطنت آپ کو عنایت فرمائی آپ نے ارشاد کیا کہ مومن کے نامۂ اعمال میں ایک دفعہ سبحان اللہ کہنا اس تمام کرو فر سے بہتر ہے کیونکہ جو کچھ تم دیکھتے ہو اور مجھے ملا ہے سب فانی چیز ہے اور اللہ کا ذکر ساتھ رہنے والا ہے۔

مسلم عبداللہ بن سخبر کی روایت سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند جل وعلا ارشاد کرتا ہے الھٰکم التکاثر لوگو کثرت مال اور اولاد کی حرص تم پر ساری عمر پردۂ غفلت ڈالے رہتی ہے۔ اِس سے یہ غرض ہے کہ آدمی کہا کرتا ہے کہ یہ ہمارا ہے حالانکہ اُس کا اُسی قدر ہے جو کھانے میں کھو دیا یا پہن کر اُڑا دیا۔ یا خیرات دے کے جمع کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میں تجھے دنیا وما فیہا دکھاؤں میں نے عرض کیا کہ بہت بہتر آپنے میرا ہاتھ پکڑا اور مدینہ منورہ کے ایک جنگل میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک جگہ کھوپریاں۔ میلا۔ ہڈیاں اور چیتھڑے پڑے تھے آپنے فرمایا کہ اے ابوہریرہ یہ کھوپریاں ایسی ہی خواہش کیا کرتی تھیں جیسی تم کرتے ہو اور ایسی ہی عمل کیا کرتی تھیں جیسے تم کرتے ہو آج ان کی یہ حالت ہے کہ ان پر چمڑا بھی باقی نہیں اب چند روز میں مٹی ہو جائیں گی اور میلا دیکھتے ہو یہ انکی غذا تھی نہ معلوم کہاں کہاں سے کما کے کھایا کرتے تھے۔ آج ایسا ہو گیا کہ تمہیں اُس سے نفرت ہے اور یہ چیتھڑے اُن کی پوشاک کے ہیں کہ ہوا سے مارے مارے

پھرتے ہیں اور یہ ہڈیاں اُنکے چوپایوں کی ہیں جن پر سوار ہوکے شہر بشہر پھرا کرتے تھے۔ پس جب یہ انجام اس دار ناپائدار کا ہے تو مقامِ عبرت وگریہ ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم جب تک خوب نہ رو لیئے وہاں سے نہ ٹلے ؎

گزر ناگاہ جب میرا ہوا شہرِ خموشاں میں ۔۔۔ عجب نقشہ نظر آیا وہاں شاہانِ عالم کا
کہیں آئینہ زانو سکندر کا شکستہ تھا ۔۔۔ کہیں ٹوٹا پڑا تھا کاسۂ سر خاک میں جم کا

حضرت داؤد بن ہلال فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے کہ اے دنیا تو صلحاء کے آگے بڑی ذلیل ہے جن کے لیئے تو بن سنور کے سامنے آتی ہے۔ میں نے اُن کے دلوں میں تیرا بغض ڈالدیا ہے وہ تجھسے اعراض کرتے ہیں کوئی خلقت میں نے تجھ سے زیادہ ذلیل نہیں بنائی تیری ہر ایک حالت ذلیل ہے اور آخر کو فنا ہوگی اور جس روز میں نے تجھکو پیدا کیا اُسی روز حکم کرچکا ہوں کہ تو کبھی کسی کے پاس نہ رہے گی نہ کوئی تیرے پاس رہیگا گو کیسا ہی بخل و امساک کرے خوشا حال اُن نیک لوگوں کا جن کے دل میں میری رضا اور ضمیر میں راستی اور استقامت ہو اُن کا عوض اور ثواب میرے پاس یہ ہوگا کہ جب قبروں سے اُٹھ کے میری طرف چلیں گے تو آگے نور ہوگا اور فرشتے گرد ہونگے جسقدر رحمت کی وہ مجھسے توقع کرتے ہونگے اُسیقدر اُنھیں عطا کرونگا۔

ایک اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کو جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اُسی وقت سے ادہر میں پڑی ہے۔ کبھی نگاہ فرما کے نہیں دیکھتا۔ قیامت کے روز عرض کریگی کہ الٰہی آج اپنے کسی ادنی ولی کے لیئے مجھ میں سے حصہ عطا فرمایا ہے۔ ارشاد ہوگا او ناچیز چپ رہ دنیا میں تو میں نے تجھ کو اُسکے لیئے پسند ہی نہیں کیا پھر کیونکر آج پسند کروں کہ تو اُسکے پاس ہو۔

حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں مشہور ہے کہ جب اُنھوں نے اُس درخت میں سے کھایا جس کے پاس جانے سے وہ منع کیئے گئے تھے تو اُنکے پیٹ میں کچھ گڑبڑ ہوئی اور یہ بات جنت کی دوسری غذاؤں میں نہ تھی کہ کھانے کے بعد حاجت ہو صرف اُسی درخت میں یہ تاثیر رکھی گئی تھی اور اسی وجہ سے ممانعت بھی ہوئی تھی۔ غرض قضاء حاجت کے لیئے چکر لگانا شروع کیا۔ ایک فرشتہ کو حکم خداوندی ہوا کہ آدم سے پوچھو کہ کیا چاہتے ہو حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس بلا کو جو میرے پیٹ میں ہے کہیں ڈالنا چاہتا ہوں۔ فرشتہ نے رب العرش کے ایماء سے کہا یہاں ایسی کونسی جگہ اس قابل ہے فرش۔ تخت۔ نہریں اور درختوں کے سائے ہیں۔ ان میں سے تو کوئی جگہ اس قابل نہیں اِسکے لیئے دنیا میں جاؤ۔

ابو نعیم نے حلیہ میں سالم مولیٰ خذیفہ ابو المنصور سے روایت کی ہے کہ قیامت کے روز کچھ لوگ ایسے آئیں گے کہ اُنکے عمل وادی تہامہ کے پہاڑوں کے برابر ہونگے اُن کے لیئے حکم ہوگا دوزخ میں لیجاؤ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ لوگ نمازی ہونگے اور روزے بھی رکھتے ہونگے اور شب بیداری بھی کرتے ہوں گے۔ اِلّا اُن میں یہ بات ہوگی کہ جب دنیا کی ادنی چیز اُنکے سامنے ہوتی تھی تو اُس پر کود پڑتے تھے۔ یعنی بے انتہا خوشی ظاہر کرتے تھے۔

بخاری ومسلم نے بروایت عمرو بن عوف بدری نقل کیا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین میں بھیجا تھا وہاں سے جب آپ واپس آئے تو کچھ مال لائے۔ انصار نے جو انکی تشریف آوری کا حال سُنا سب کے سب نماز صبح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریک ہوئے جب آپ نماز پڑھ چکے اور تشریف لیجانے کا ارادہ کیا تو سب روک کے کھڑے ہوگئے آپنے اُنھیں دیکھ کے تبسم فرمایا اور کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے یہ سُنا ہوگا کہ ابوعبیدہ کچھ لائے ہیں اُنھوں نے عرض کیا کہ ہاں آپنے فرمایا کہ مژدہ ہو تمکو خدا نے تم سے تکلیف دفع کی بخدا میں اس بات سے نہیں خوف کرتا کہ تم مفلس ہوجاؤ گے البتہ اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں تم پر دنیا کی چاہت ایسی غالب ہو جائے جیسے تم سے پہلے لوگوں پر ہوئی تھی اور اُن ہی کی سی رغبت تم میں بھی ہوجائے اور پھر دنیا تم کو بھی اُن ہی کی طرح تباہ کردے۔

حدیثوں کے علاوہ ترک دنیا کے بہت سے آثار بھی ہیں اُن سے بھی قریب قریب ہی اُوپر والا مطلب نکلتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہ فرماتے ہیں وہ جس شخص میں چھ باتیں جمع ہوں اُس نے گویا جنت حاصل کرنے کے لیئے کوئی بات نہیں اُٹھا رکھی۔ اور دوزخ سے بچنے کے لیئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ (۱) خدا کو پہچان کے اُسکی اطاعت کی (۲) شیطان کو پہچان کے اُسکی نافرمانی کی (۳) حق کو پہچان کے اس کا اتباع کیا (۴) باطل کو جان کے اُس سے بچا (۵) دنیا کو سمجھ کے ترک کیا (۶) آخرت کو جان کے اُسکی طلب کی۔

حضرت حسن علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا رحم کرے اُن لوگوں پر جن کے پاس دنیا امانت رہے اور اُسکے مستحقوں کو سونپ کے خود ہلکے پھلکے چلدیں۔

گراں جاناں برنگ گل فروماندند در گلشن سبک روحاں نسیم آسا رہا کردند محملہا

پھر آپ فرماتے ہیں کہ جو شخص دین کے باب میں تم سے منافست یعنی تمہاری حرص کرے تو اُسکی حرص کرنی چاہیئے اور جو دنیا کے باب میں حرص کرے تو حرص دنیا کی اُسی کے سینہ میں چھوڑدو حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا۔ اَے بیٹے دنیا ایک گہرا سمندر ہے اُس میں بہت سے لوگ ڈوب گئے تم اپنی کشتی دنیا میں تقوے کو بناؤ اور ایمان کو اُس میں رکھو اور اُسپر توکل کا بادبان چڑھاؤ تاکہ اسوجہ سے نجات پاؤ گو مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ نجات ملے

یہ تمام حدیثیں اگر انھیں بے کم وکاست صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو ان سے صرف دو باتیں پیدا ہوتی ہیں اول تو یہ کہ دنیا کا اختتام سخت خطرناک اور مایوسانہ ہے۔ دوسرے یہ کہ دنیا میں لگکے صرف دنیا ہی کا ہو رہنا اور اپنے خالق ومنعم حقیقی کو بھولجانا بہت بُرا ہے۔ سوائے ان دو باتوں کے اور کوئی بات بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں بعض مذکورہ بالا حدیثوں سے خدائے بلند وبزرگ کی غیر متناہی عظمت اور بے پایاں جلال کا ثبوت ہوتا ہے مثلاً جس حدیث میں دنیا کو مری ہوئی بکری سے تشبیہ دی گئی ہے یا اُس سے بھی ذلیل بیان کیا گیا ہے اور جس حدیث میں یہ لکھا گیا ہے کہ جب سے خدائے توانا وبزرگ نے اس کو پیدا کیا ہے اُسکی طرف آنکھ بھر کے بھی نہیں دیکھا اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ خداوند تعالی اُسے فی الواقع ذلیل اور ناپاک ہے اور عیسائیوں کے مذہب کی طرح کہ خدا دنیا کو پیدا کرکے پچتایا۔ بلکہ یہ حدیث خدائے عزوجل کی بے غایت بزرگی کا پتہ دیتی ہے جو اسکی ذات میں ملی ہوئی ہے یہ کہنا کہ فلاں شخص کسی چیز کو

مال نہیں سمجھتا بلکہ اُسکی طرف آنکھ بھر کے بھی نہیں دیکھتا اسکے یہ معنی ہیں کہ اس سے بہتر بہتر چیزیں جب اُن کے پاس ہیں پھر وہ معمولی چیزوں کو کیوں آنکھ بھر کے دیکھنے لگا - اسیطرح خداوند تعالیٰ نے لاکھوں بلکہ کرڑوڑوں کرہ پیدا کیئے ہیں جو ہزارہا بلکہ لاکھوں درجہ زمین یعنی ہماری اس دنیا سے بڑے ہیں - مثلاً ایک کرۂ آفتاب ہی ہے جو وہ دنیا سے ہزاروں درجہ بڑا ہے اور ایسے لاکھوں ستارے موجود ہیں جن کے آگے آفتاب کی کوئی بھی ہستی نہیں - اگرچہ وہ ہمیں بہت ہی چھوٹے دکھائی دیتے ہیں مثلاً روشنی کی رفتار قریب قریب دو لاکھ میل فی لمحہ ہے - اور آفتاب کی روشنی زمین پر پورے آٹھ منٹ میں آکے پونہچتی ہے اس حساب سے نو کرڑوڑ ساٹھ لاکھ میل آفتاب کی دوری زمین سے ہوئی مگر یہ تو کچھ بھی نہیں بہت سے ستارے ایسے ہیں جن کی روشنی زمین پر برسوں - قرنوں بلکہ تین تین سو سال کے بعد پونہچتی ہے اور یہ سن کے اور بھی تعجب ہوگا کہ اکثر ستارے ایسے بھی ہیں جن کی روشنی زمین پر تین ہزار برس میں آتی ہے یعنی اُسی رفتار سے فی لمحہ دو لاکھ میل طے کرتی ہوئی پورے تین ہزار سال میں زمین پر آکے پونہچتی ہے - اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ستارے ہماری دنیا سے کئی پدم مرتبہ بڑے ہوئے - بس اُس حدیث کا یہی مطلب ہے جو ہم نے بیان کیا - دنیا کو خدائے تعالیٰ و بزرگ کا ذلیل سمجھنا یہی معنی رکھتا ہے - خداوند تعالیٰ کو حق ہے کہ وہ دنیا کو ذلیل سمجھے مگر یہ کہنا اور سمجھنا کہ خدا دنیا سے ناراض ہے عقل کے خلاف ہے - وہ صانع حقیقی اپنی مخلوق سے کیوں ناراض ہونے لگا اُسکی نظر کا اگر ایک گوشہ بھی پھر جائے تو اور وہ بھی ایک لمحہ کے لیئے تو دنیا تو کیا چیز ہے اور عظیم عظیم کرے پارہ پارہ ہوجائیں اور آناً فاناً میں اُن کا نام و نشان مٹ جائے اور جس حدیث میں یہ بیان ہے کہ جب سے دنیا کو پیدا کیا ہے ایکبار بھی نہیں دیکھا خدائے عزوجل کی انتہا درجہ بے پروائی کا ثبوت دیتا ہے اس سے یہ مطلب نہیں کہ واقعی خالق حقیقی نے اپنی سب سے ادنیٰ مخلوق سے منہ پھیر لیا ہے بلکہ اس کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ یہ دنیا اُسکی عظمت کے آگے انتہا درجہ ذلیل ہے -

خداوند تعالیٰ کو دنیا سے کیوں نفرت ہونے لگی بلکہ اسی دنیا میں اُس نے اپنے برگزیدہ انبیا بھیجے یہیں حضرت رسالتمآب کو پیدا کیا جس کی ذات اقدس و اطہر پر تمام کائنات کو فخر ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس دنیا پر اسکی خاص نظر رحمت ہے کہ جہاں اُس نے ایسے ایسے برگزیدہ بندے بھیجے حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دنیا میں کتنی ہی تکلیفیں اُٹھائیں اور اخیر اپنی نبوت کے پورے فرائض کی تکمیل کرکے آپ کا وصل بار تعالیٰ سے ہوگیا حضور انور کی زندگی پر ایک گہری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکے وقت کا بہت بڑا حصہ دنیا کے کاموں میں گزرتا تھا اور جو ساعتیں عبادت آلہی کی مقرر تھیں وہ بہت ہی مختصر تھیں یا خالی اوقات میں ہوا کرتی تھیں - آپ مبعوث ہوئے تھے صرف اس لیئے کہ اس ضلالت اور گمراہی سے خدا کی مخلوق کو بچائیں جس میں وہ صدیوں سے پھنسی ہوئی تھی اور ایک پاک مذہب کی اشاعت ہوجائے جھوٹے دستی اور خیالی خداؤں کی پرستش کا سلسلہ بالکل مٹا دیا جائے اور خدائے واحد کی پرستش کی ڈونڈی تمام عالم میں پھر جائے پھر یہ منشار عظیم گوشہ نشینی سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتا تھا خوب سمجھ لیا جائے کہ ہم جو کچھ اور خواہ کتنی دیر عبادت کریں گے محض ذاتی اغراض کے لیئے اگر فرض کرو کہ رات رات بھر ہم جاگے تمام شب ہم سجدہ میں پڑے رہے دن کو بھی ہمارے آگے سے مصلیٰ جدا نہیں ہوا ہم صائم الدہر ہیں بارہ مہینے کے روزے رکھتے ہیں اور فی الواقع ہم بڑے متقی اور پرہیزگار ہیں اور

ہماری عبادت میں ذرا بھی ریا کا نام نہیں ہو مگر سوائے عبادت الٰہی کے ہمیں مخلوق کی کچھ خبر نہیں نہ اُنکی ہم سے تمام عمر کچھ مدد ہوئی۔ ہم نے یتیم بچوں کو بھوکا اور پیاسا تڑپتا ہوا دیکھا لیکن اس پر اس خیال سے نظر نہیں کی کہ ہماری عبادت میں فرق پڑیگا ہم نے رانڈوں پر ظلم ہوتا ہوا اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا لیکن اس پر ذرا بھی خیال رجوع نہیں کیا اسلئے کہ ہماری عبادت میں فرق آجاتا۔ ہمارے خیال اور مذہب کے مطابق ایسا شخص خواہ وہ کیسا ہی زبردست عابد و زاہد ہو گردن زدنی ہے اور یقیناً خداوند ارض و سما ایسے خود غرض شخص کو جہنم میں ڈالیگا۔ دنیا سے پہلوتہی کر کے کسی گوشہ میں بیٹھ جانا اور خدا کی مخلوق کی معاونت نہ کرنا خود غرضی اور احسان فراموشی کا اتنا بڑا جرم ہے جو کبھی بھی معاف نہیں ہو سکتا۔ اسلام اس راہبانہ زندگی کا جانی دشمن ہو اور اُس نے ایسی شرمناک زندگی کی بڑے جوش و خروش سے تردید کی ہے۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہو کہ فلاں ولی دنیا کے کتوں سے بچکے فلاں جنگل یا فلاں کھوہ میں گوشہ نشین ہوا ہے اور آدمیوں کی صحبت سے بھاگتا ہے اور تمام روز و شب کسی آدمی کی صورت نہیں دیکھتا یا فلاں بزرگ حجرہ سے باہر برآمد نہیں ہوتے اور انسان کی صورت سے بھاگتے ہیں۔ سخت تعجب ہو کہ ایسے خود غرض اور احسان فراموش شخصوں کی تعریف ہوتی ہے اور دینی طور پر اُنکی تعظیم کیجاتی ہے اور اُنھیں پہنچا ہوا خیال کیا جاتا ہے اگر ان ازلی بدنصیبوں میں کچھ بھی ایمان کی بو ہوتی تو وہ اس نازک اور خراب حالت میں جس میں خدا کی مخلوق پھنس رہی ہے اور جس خراب حالت کو سب سے پہلے انہوں نے محسوس کر کے گوشہ نشینی اختیار کی اُن پر مدد کرنی فرض تھی چاہیے وہ تمام عمر محنت کرتے کرتے مٹ جاتے اور مطلق کامیاب نہوتے پھر بھی اُن کا فرض تھا کہ اپنی جان اسی پر تصدق کر دیتے مٹ جاتے نیست و نابود ہو جاتے بلاتے لیکن مرتے قومی ہمدردی ہیں اور مٹتے قومی الفت میں۔

نفس اسلام میں ایسے شریر انفاس کی کوئی بھی وقعت نہیں ہو۔ یہ لوگ بظاہر اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اسلام کی ہوا تک بھی انھیں نہیں لگتی۔ حضور انور نے کبھی گوشہ نشینی اختیار نہیں کی حضور رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم نے شب و روز جو تکلیفیں اُٹھائیں اور کس کس طرح کفار عرب نے ستایا پھر بھی حضور انور نے اپنی تلقین نہیں چھوڑی اور اُسے اخیر تک پہنچاتے رہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کبھی راہبانہ زندگی کو پسند نہیں کیا اور اپنی خلافت کے فرائض کی جس عمدہ طور پر تکمیل کی وہ یادگار زمانہ ہے۔ سمجھنے کا مقام ہے باوجودیکہ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کا ایک گہرا صدمہ آپ کو ہوا تھا۔ ایک زبردست چرکا آپ کے دل پر لگا تھا اور آپ اکثر اوقات زاری فرمایا کرتے تھے اور جب حضور انور کا مقدس نام آپ کی زبان پر آتا تو اکثر اوقات روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی بایں ہمہ مخلوق کی اصلاح میں اسی طرح سرگرم تھے جہانداری کے کل اُمور توجہ سے طے کرتے تھے اور کبھی مشکل سے مشکل کام کو بغیر فیصلہ کیے دوسرے دن پر نہیں چھوڑا۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا آپکے زمانہ خلافت میں جو کچھ اسلام کو ترقی ہوئی اور عظیم فتوحات ہوئیں اُنکو کون نہیں جانتا۔ پھر حضرت عثمان غنی کا زمانہ آیا۔ اگرچہ آپ انتہا درجہ ضعیف تھے اور ہرگز خلافت کے بوجھ کے سنبھالنے کے قابل نہ تھے لیکن اس بے نظیر بوڑھے شیر نے بارہ سال تک اچھی طرح خلافت کی اور اخیر محنت کا اس ضعیفی میں یہ اثر ہوا کہ معاملات سلطنت درہم و برہم ہو گئے اور اُسی ضعیفی میں نہایت سخت بیرحمی سے باغیوں نے شہید کر ڈالا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت ہوئی جن کا قلیل زمانہ خلافت بعض باغی صوبوں کی سرکوبی میں صرف ہو گیا۔ اگر اسلام تھا تو

اُسکے سوا اور کس میں ہو سکتا ہے اور جس طرح اُن بزرگانِ دین نے اسلام کو سمجھا واقعی اگر اتنا مفہوم دوسرا شخص سمجھنے کا دعویٰ کرے تو بالکل جھوٹا ہے پھر صوفیوں کے مجاہدوں اور مراقبوں کی کیا وقعت رہ سکتی ہے اور گوشہ نشینی کہانتک دلیل ثابت ہو سکتی ہے۔

اسلام معزز اور محترم اسلام نے ایسی زندگی پر لعنت کی ہے جس میں انسان اپنے کو بھولجائے اپنے خالق حقیقی کا خیال نہ رکھے اور ذاتی اغراض میں اپنی تمام عمر ضائع کردے۔ نفس پرستی اُس کا اوڑھنا بچھونا بنی ہے اور اُسکی بالکل یہی کیفیت ہو وہ چو میرد مبتلا میرد چو خیزد مبتلا خیزد" اپنی دولت کا خرچ اُس رستہ میں کرے جو خدا اور رسول کے خلاف ہو یا اپنی دولت سے مسکینوں اور غریبوں کو تکلیف دے۔ بیشک ایسی دولت پھونک دینے کے قابل ہے اور ایسی دنیا پرستی پر ہزار لعنت ہے مگر جو دولتمند شخص ایسا نہیں ہے اور جس شخص کو دولت کمانے کی دھن محض اس غرض سے لگی رہتی ہے کہ اس دولت سے وہ خدا اور رسول کے احکام کی متابعت کریگا یعنی یتیموں کی پرورش کریگا رانڈوں کی سرپرستی کریگا قوم کی حتی الامکان مدد کریگا والدین کے ساتھ سلوک کریگا۔ اس نظر سے اگر دولت کمائی جائے اور تمام عمر اُس میں گزار دی جائے تو وہ شخص اپنے معبودِ برحق کے آگے بہت ہی پیارا ہے۔

جتنی حدیثیں ہم نے اُوپر نقل کیں اور جو حدیثیں ابھی ہمنے نقل نہیں کی ہیں اور وہ بکثرت ہیں اُن میں صحیح حدیثیں بہت ہی کم ہیں۔ ایسی حدیثوں میں ضعف بکثرت پایا جاتا ہے اور جو بعض صحیح بھی ہیں تو اُن کا وہ مفہوم نہیں سمجھ میں آتا جو لوگوں نے سمجھ رکھا ہے۔ کھوپری اور پھٹے ہوئے کپڑوں اور خشک ہڈیوں کو دکھانا اور حضور انور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ابو ہریرہ کو جتانا کہ انسان کی زندگی کا اخیر نتیجہ یہ ہے۔ یہ فی الحقیقت سخت عبرت کا مقام ہے کہ زندہ انسان مردہ انسان کی خشک کھوپری کو دیکھے اور ڈرے کہ اُسکا بھی ایکدن یہی نتیجہ ہونیوالا ہے اس قسم کے دردناک نظاروں سے وہ عبرت ہوتی ہے جو ہونی چاہیئے اسلام نے تعلیم کی ہے کہ دنیا میں کیونکر زندگی بسر کرنی چاہیئے اور اپنے روپیہ کا خرچ کس طریقہ سے کرنا زیبا ہے۔ روپیہ کا ایک بہت مشکل مسئلہ ہے جو ابھی تک حل نہیں ہوا۔ روپیہ یا اشرفیاں فی الحقیقت کوئی قیمت نہیں رکھتیں بہ مثل اُن کنکر پتھروں کے ہیں جو سڑکوں پر پڑے رہتے ہیں۔ اور جن کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔ وہ کنکر پتھر تو کام میں بھی آجاتے ہیں لیکن چاندی سونے سے سوا اس کے کہ زندگی کے تکلفات بڑہائے جائیں اور کچھ کام نہیں نکل سکتا۔ انسان نے روپیہ کو صرف اس لیئے ایجاد کیا ہے تاکہ تبادلہ اشیا میں آسانی ہو اور دنیا کی تمام چیزیں اسی کے ذریعہ سے حاصل ہو جائیں۔ فی نفسہ اسکی کچھ بھی قیمت نہیں ہے جو کام اس سے نکل رہا ہے وہ ایک پتھر کے ٹکڑے سے بھی نکل سکتا ہے۔ فرض کرو کہ ہم جنگل میں جا رہے ہیں اور ہمیں بھوک لگی ہے ہمارے پاس روپیہ اشرفی سب کچھ ہے لیکن کھانے کو کچھ نہیں ہے اُس وقت روپیہ ہماری کچھ مدد نکر سکے گا اور بھوک کے مارے تڑپ کے جان دیدینگے۔ یہی وجہ ہے کہ روپیہ کو محض بے حقیقت سمجھا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ ہے بھی یوں ہی مگر اس لحاظ سے کہ روپیہ ضامن ہے زندگی کے تمام آسایش کے سامان مہیا کرنے کا اور گزشتہ و موجودہ دنیا میں اس سے بہتر ضامن ہوا نہیں اس لیئے اسے عزیز کہا جاتا ہے۔ اور بات بھی یہ ہے کہ جو چیز ایسا سرچشمہ ہو کہ دینی اور دنیوی مقاصد اُس سے بر آئیں اور انسان مافوق الفطرت باتیں کرنے لگے وہ کیونکر عزیز نہ کہی جائیگی۔

تمام بڑے بڑے معبد۔ محلات۔ اسلامی یادگاریں۔ مقابر۔ مدارس اور دارالعلوم محض روپیہ کے طفیل سے دکھائی دیتے ہیں ان کا وجود روپیہ سے پڑا اور اب یہ روپیہ سے قائم ہیں اگر وقتاً فوقتاً روپیہ کی امداد نہ دیجائے تو اس میں شک نہیں کہ ان کا نام ونشان صفحۂ ہستی مٹ جائے۔ ہر مذہب کی شوکت دنیا میں صرف روپیہ سے ہے اور اسی نے مذہب کو مذہب بنایا ہے۔ تمام مساجد کی بنیاد اسی روپیہ سے پڑی ہے اور کل مذہبی تقریبات اسی سے ادا ہوتی ہیں یہانتک کہ اسلام کے کل بڑے سے بڑے اصول کا دارومدار صرف روپیہ پر ہے۔ اگر روپیہ نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا مثلاً روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ یہ تین چیزیں جو بغیر روپیہ کے ممکن نہیں۔ اگر گرہ میں پیسہ نہیں ہے تو آپ کیا خاک روزہ رکھہ سکتے ہیں اگر روپیہ نہیں ہے تو حج بیت اللہ اور زیارت روضۂ اقدس اطہر کسی طرح نصیب نہیں۔ زکوٰۃ دے ہی کیا سکتے ہو جب پاس پیسہ نہیں۔ رہی نماز اس کا دارومدار بھی اطمینان قلب پر ہے یہ کیونکر ممکن ہے کہ پیٹ خالی ہے اور ہم ایک لمحہ بھی خدائے توانا و بزرگ کے حضور اپنی عاجز پیشانی ذرا بھی توجہ سے جھکا سکیں گے۔

شب چو عقد نماز بربندم چہ خورد بامداد فرزندم

یا دو رکعت ادا کیں وہ بھی بہزار دقت و پریشانی۔ یہ ایسی بدیہی باتیں ہیں کہ ان سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا اس لیئے کہ روزمرہ کی انسانی معاشرت ہے جس پر ہر وقت عمل کیا جاتا ہے۔ اب صرف سوال یہ ہے کہ حدیثوں میں خواہ وہ صحیح ہوں یا نہوں دنیا کی برائی اور روپیہ پر کیوں اسقدر تبرا کیا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ امم سابقہ کی حالت روپیہ سے بگڑ گئی تھی۔ فسق و فجور کی ان میں کثرت ہو گئی تھی۔ تمدنی اور مذہبی ارکان انھوں نے اپنی سرمستی میں توڑ ڈالے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ہمیشہ کے لیئے دنیا سے نیست و نابود کر دی گئیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورۂ بالا حدیثوں میں دنیا یا بالفاظ دیگر روپیہ کی اس شدومد سے برائی کی گئی ہے۔ اسلام نے روپیہ پیدا کرنیکو منع نہیں کیا ہے۔ بلکہ روپیہ کو ذاتی آسایش میں صرف کرنے کو منع فرمایا ہے۔ کاش ایسا روپیہ جس سے اسلام کی اشاعت ہو قوم کے یتیم بچے کی تعلیم و تربیت کی کوئی صورت نکلے والدین کی خدمت کیجائے اور تمام مذہبی تقریبات نہایت صداقت سے ادا کیجائیں تو ایسے روپیہ کے کیا کہنے خدا اور رسول دونوں خوش۔ اسلام بے شک ایسے شخص کا مخالف ہے جو اپنا روپیہ نفسانی خواہشوں کی تکمیل کرنے اور ذاتی اغراض کو نکالنے کے لیئے صرف کرتا ہے۔ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرز زندگی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ آپ روپیہ کو کس وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے اور آپکے صحابہ نے اس روپیہ سے کیا کیا کام نکالے ہیں۔ حضور انور نے ایک غیر شخص کی مغفرت کے لیئے دعا فرمائی اُسوقت جب وہ حالتِ کفر میں مرچکا تھا صرف اسلیئے کہ وہ دولتمند تھا اور اپنی دولت کا استعمال غربا کو امداد دینے میں کیا کرتا تھا یعنی حاتم کے لیئے حضرت رسالتمآب نے صرف اس وجہ سے دعائے خیر فرمائی اور ساتھ ہی بنی طے کے تمام قیدیوں کو چھوڑ دیا محض اس بنا پر کہ ان کا متوفی سردار بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا قیدیوں کو فدیہ دیکر قید سے رہائی دلواتا تھا ایسے دولتمند سردار کی خاطر آپ کو اتنی منظور ہوئی۔ اسلام روپیہ یعنی تمدنی ذریعہ کی اتنی قدر کرتا ہے اور یہ فخر محض اسلام ہی کو نصیب ہوا ہے۔ کسی دوسرے مذہب کو اسکی ہوا تک نہیں لگی۔

اور مذاہب میں جہاں خواہ مخواہ دولت کو بُرا کہا گیا ہے یا بعض مذاہب میں دولت کی پرستش کی گئی ہے اور دولت کو ایک خدا بناکے پوجا گیا ہے اسلام نے ان دونوں باتوں سے سخت نفرت کی ہے نہ اُس نے بلا وجہ دولت کو بُرا کہا ہے نہ اُس کو خدا مانا ہے۔ نہ اُسکی پرستش کی ہے۔ بلکہ اُس نے دولت کو ایسے پیمانہ پر رکھا ہے جو عقلاً اور تمدناً ہونا چاہیئے۔ وہ ایسی دولت کی تعریف کرتا ہے جو قومیت اور تمدن قائم کرنے کے لیئے خرچ کی جائے۔ اور ایسی دولت سے بیزار ہے جو محض ذاتی مقاصد اور اغراض کے لیئے صرف کیجائے۔ قرآن مجید میں ہر مقام پر یہ ذکر ہے کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں مدد کرو اگر خدا پرستی نکروگے اور نیک نہیں بنو گے تو تمھاری تجارت اور روپیہ تمھارے حق میں مفید نہیں ثابت ہونے کا۔ مثلاً خدائے بزرگ و توانا اپنی کتاب یعنی فرقان حمید میں فرماتا ہے ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم قلت لا اجد ما احملکم علیہ تولوا و اعینھم تفیض من الدمع حزنا الا یجدوا ما ینفقون۔ انما السبیل علی الذین یستاذنونک وھم اغنیاء رضوا بان یکونوا مع الخوالف وطبع اللہ علی قلوبھم فھم لا یعلمون یعنی اور نہ ان لوگوں پر کسی طرح کا الزام ہے کہ جس وقت وہ تمھارے پاس درخواست لیکے آئے کہ تم اُنکے لیئے سواری بہم پہنچادو تو تم نے اُن کو جواب دیا کہ میرے پاس تو کوئی سواری موجود نہیں کہ تم کو اُس پر سوار کردوں یہ سُن کے اور خرچ میسر نہ آنیکے غم کے مارے اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ الزام تو حقیقت میں اُن ہی لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ساتے تم سے پیچھے رہ جانے کی اجازت چاہتے ہیں۔ انکو عورتوں کے ساتھ جو عموماً پیچھے گھروں میں بیٹھی رہا کرتی ہیں پیچھے بیٹھ رہنا پسند ہوا اور اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگادی ہے تو یہ لوگ جہاد کی مصلحتوں کو نہیں سمجھتے۔

قرآن مجید کی اس آیت سے صاف پایا جاتا ہے کہ قرآن بجائے خود دولت یا صاحب دولت کو بُرا نہیں کہتا۔ بلکہ وہ ایسے دولتمندوں کا مخالف ہے جو خدا کی راہ میں روپیہ خرچ کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ اور اُنھیں پس و پیش ہوتا ہے غور کرنیکے بعد معلوم ہوگا کہ امیر کے غریب سے زیادہ فرائض ہیں۔ امیروں سے اُنکی دولت کی بابت ہمیشہ باز پرس ہوگی کیونکہ باوجود مالدار ہونیکے خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے بخل کرتے ہیں سمجھنے کی بات ہے کہ جس چیز کے خرچ کرنے سے خدا اور رسول دونوں خوش ہوں وہ چیز بنفسہ کیونکر بُری ہو سکتی ہے۔ ایسی دولت جس سے خدا اور رسول سے روگردانی کیجائے برباد ہونے کے قابل ہے اور یہی دولت ہے جو بطور خود دولتمندوں کے لیئے مجسم عذاب ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ولا تصل علی احد منھم مات ابدا ولا تقم علی قبرہ انھم کفروا باللہ ورسولہ وماتوا وھم فسقون۔ ولا تعجبک اموالھم واولادھم انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا فی الدنیا وتزھق انفسھم وھم کفرون" یعنی اور اے پیغمبر اگر ان میں سے کوئی مرجائے تو ہرگز اُسکے جنازے پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اُسکی قبر پر جاکے کھڑے ہونا کیونکہ اُنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ سرکشی کی حالت میں مرگئے اور اُنکے مال اور اُنکی اولاد تمھارے لیئے موجب تعجب ہوں کہ پھر یہ دنیاوی برکت اُنکے ہاں کیوں ہے ہاں یہ دنیاوی برکت اس لیئے ہے کہ بس خدا چاہتا ہے کہ مال اور اولاد کی وجہ سے اُنکو دنیا میں مبتلائے عذاب رکھے اور اُنکی جان نکلے اور یہ اُس وقت بھی کافر ہی ہوں۔

ایسا شخص جسے اُس کی دولت نے گمراہ بنا دیا ہو اور وہ محض اپنے دو پیسوں کے لیئے قوانین بار تعالیٰ کو سنگدلی سے توڑتا ہو وہ فی الواقع جہنمی ہے اور اُسکے جہنمی ہونے میں شک کرنا کفر جلی ہے بات یہ ہے کہ دنیا میں کوئی چیز بُری نہیں ہے مگر اُس کا استعمال خود اُسے بُرا بھلا بنا دیتا ہے۔ دولت فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں ہے۔لیکن اگر اس کا استعمال خدا اور رسول کے فرمانے کے مخالف یعنی قوانین قدرت کے خلاف کیا جائے تو وہ مجسم عذاب بن جاتی ہے علمائے زمانہ نے اور صوفیوں کے ایک بڑے گروہ نے جو دولت کے خلاف جہاد کا جھنڈا اُٹھایا ہے ایسے جہاد سے اسلام کو کوئی بھی تعلق نہیں ہے۔اسلام نفس دولت کو بُرا نہیں بتاتا بلکہ اُسکی تعریف کرتا ہے اور اسلام نے دولت کو انسان کی اعلیٰ درجہ کی زندگی کا جزو اعظم تسلیم کر لیا ہے کیونکہ جسکے خرچ سے نجات ہو اور جسکے نہ خرچ کرنے سے جہنم ملے وہ چیز بری نہیں ہو سکتی

جتنی کتابیں دولت کی بُرائی میں تصنیف کی گئی ہیں اور جتنے اقوال دولت کی مذمت میں کہے گئے ہیں اُنکو نفس اسلام کی تعلیم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔اس قسم کے اقوال اُن ہی لوگوں کے ہیں جو محنت کرنا نہیں چاہتے اور اپنی تمام قوتوں کو بیکار کرکے دوسروں کا مال اینٹھنا چاہتے ہیں وہی دولت اور دولتمندوں کو گالیاں دیا کرتے ہیں۔شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے گلستاں کے ساتویں باب میں ایک دلچسپ حکایت دولت اور اُسکی عظمت کی لکھی ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہمارا مشرقی فلاسفر دولت کی بزرگی کو اچھی طرح جانتا تھا۔سعدی کا ایک مجلس میں ایسے فقیر سے سابقہ پڑا جو فقیر تو نہیں تھا بلکہ فقیروں کی سی صورت بنائے ہوئے تھا اور خدا واسطے امیروں کو گالیاں دیرہا تھا۔یہ سن کے شیخ سعدی سے نہ رہا گیا وہ آگ بگولا ہو گئے اور اُنھوں نے للکارا کہ یہ تو کیا بکتا ہے۔دولتمند کے ہاں غریب اور مساکین پرورش پاتے ہیں مسافروں کی دستگیری کیجاتی ہے اور دولتمند دوسروں کو راحت دینے کے لیئے بارگراں کے متحمل ہوتے ہیں مفلس کبھی دولتمند کی برابری نہیں کر سکتا۔چونکہ اس کا پیٹ خالی ہے اور اُسکے بال بچے بھوکے ہیں وہ کبھی بھی نماز کی دو رکعت اطمینان سے نہیں پڑھ سکتا۔غرض باہم جھگڑا ہوا اور خوب لپاڈگی ہوئی اور مقدمہ قاضی تک پہنچا۔اس سے معلوم ہوا کہ اُس زمانہ میں بھی کاہل اور دوسروں کے مال پر نگاہ کرنیوالے امیروں کو بلا وجہ گالیاں دیا کرتے تھے اور خدا واسطہ دولت کو برا کہا کرتے تھے اُنکے لیئے یہ حکایت سعدی نے لکھی ہے یہ ساری باتیں مضحکہ خیز ہیں دولت جو جزو زندگی ہے کبھی بُری نہیں ہو سکتی ہاں ایسی دولت جو کفر کی طرف رہنمائی کرے اور ایسی مفلسی جو مائل بکفر ہو پناہ مانگنے کے قابل ہے۔فی الواقع مفلسی بہت بڑا جرم ہے اور جرم اس لیئے ہے کہ خیالات مائل بکفر کر دیتی ہے۔حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی مفلسی سے پناہ مانگی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا بے ثبات اور فانی ہے اور اسکی کسی چیز کا اعتبار نہیں آدمی اپنی دو روزہ زندگی پر کبھی نہ پھولے اور جو کام آج کرنے کا ہے اُسے کل پر نہ اُٹھا رکھے دنیا کو بے ثبات کہنے کے یہی معنے ہیں۔اسلام یہ نہیں کہتا چونکہ دنیا بے ثبات ہے اس لیئے تم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو اور ہرگز اپنی جگہ سے جنبش نہ کرو۔اسلام ایسے پاک نفوس کی دائمی زندگی کی بشارت دیتا ہے جنھوں نے قوم و ملک اور خدا کی راہ میں اپنی جان سے بھی دریغ نہیں کی۔ایسے ہی لوگ شہید ہوتے ہیں اور ان ہی کی نسبت یہ بشارت ہے کہ وہ مرے نہیں بلکہ زندہ ہیں

جس نے اپنی جان قوم وملک پر فدا کی ہو وہ کبھی نہیں مرسکتا۔ اگرچہ اُسکی صورت چند نگاہوں کے آگے سے غائب ہوجاتی ہے مگر ہر وقت اُس کا ذکر زبان پر رہتا ہے اور اسکی خدمتوں پر جو وہ قوم وملک کی کر گیا ہے۔ شب وروز آفرین کیجاتی ہے۔ زندہ رہنے کے یہی معنے ہیں اور اسی کو حیات جاوید کہتے ہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی نے سچ کہا ہے۔

هرگز نمیرد آنکه دلش زنده شد بعشق ثبت است بر جریدهٔ عالم دوام ما

شارع اسلام نے دنیا کی مذمت ہی نہیں کی ہے بلکہ اسکی تعریف بھی فرمائی ہے۔ جس سے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ کس دنیا اور دولت کے مخالف تھے اور آپ کو کونسی دنیا اور دولت پسند تھی۔ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد کرتے ہیں حبب الی من دنیا کم ثلثۃ النساء والطیب وقرۃ عینی فی الصلوٰۃ، تمھاری دنیا میں سے تین چیزیں مجھے محبوب ہیں عورتیں اور خوشبو اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے (نسائی وحاکم بروایت انس) ہم اس حدیث شریف کی توضیح کثرت ازدواج میں لکھ چکے ہیں۔ حضور انور نے تین چیزوں کو پسند فرمایا۔ عورتیں۔ خوشبو اور نماز۔ نماز کو گو اخیر میں فرمایا لیکن سب چیزوں سے زیادہ بڑھا دیا۔ بڑی بات جو اس حدیث میں غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ نماز کو دنیا کی چیز میں سے فرمایا۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ دین و دنیا لازم ملزوم ہیں اگر دنیا نہیں تو دین نہیں دنیا ہے تو دین ہے۔ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ جو شخص دنیا میں پیدا نہیں ہوا اُسے آخرت کے عذاب وثواب سے بحث ہی کیوں ہونے لگی۔ دنیا میں پیدا ہونیکے بعد جنت و دوزخ کی کیفیت نظر آتی ہے۔ جب اتنا بڑا تعلق ہے تو پھر دنیا کو بلا کسی قید اور درجہ کے من کل الوجوہ بُرا کہنا نفس اسلام اور منشار باری تعالیٰ کے بالکل خلاف ہے۔

جو حدیثیں ہم نے اُوپر نقل کی ہیں اُن میں نہایت سختی سے دنیا کی بُرائی کی گئی ہے اگرچہ اُن حدیثوں کے معنی عام طور پر صحیح صحیح نہیں سمجھے جاتے تو بھی یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ہیں سب دنیا ہی کی مذمت میں خواہ اُس دنیا کا مفہوم کچھ ہی کیوں نہو۔ مگر آگے آنیوالی حدیثوں نے دولت اور دنیا کی تفریق کردی ہے اور قطعی طور پر ساری دنیا کو بُرا نہیں کہا ہے چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد کرتے ہیں ''من طلب الدنیا حلالا مکاثرا مفاخرا لقی اللہ وھو علیہ غضبان ومن طلبھا استعفافا عن المسئلۃ وصیانۃ لنفسہ جاء یوم القیمۃ ووجہہ کالقمر لیلۃ البدر'' یعنی جو شخص دنیا بطریق حلال حاجت سے زیادہ محض افتخار پیدا کرنے کے لیئے پیدا کرے خداوند تعالیٰ قیامت کے دن اُس پر ناراض ہوگا اور جو شخص دنیا اپنی حاجت کے موافق اور مفلسی سے بچنے کو طلب کرے وہ قیامت کے دن اس طرح اُٹھیگا کہ منہ اُس کا چودہویں رات کے چاند کی طرح درخشاں نظر آئیگا۔

اس حدیث شریف سے صاف پایا جاتا ہے کہ اگر فخر وغرور وتکبر کے لیے دولت پیدا کی جائیگی تو خدائے بزرگ و دانا کی ناراضگی کا باعث ہوگا۔ بلکہ بقدر احتیاج دولت کو پیدا کرو اور اُسی حد تک پیدا کرو کہ دولت تمھیں مغرور نہ بنادے یا اُس حد تک کہ تم مفلسی سے بچ جاؤ۔

بڑی بات یہ ہے کہ فرقان حمید میں خود خداوند تعالیٰ نے دولت دنیا کی تعریف فرمائی ہے اور دولت کو لفظ ''خیر'' سے

تعبیر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے ان ترک خیراً الخ "اگر چھوڑے خیر یعنے مال"، اس آیت شریف میں مال و دولت کو لفظ "خیر" سے تعبیر کرنا بڑے بڑے معنی اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ اسلام فی الحقیقت مجسم خیر ہے جب تک دولت نہو اسلام اسلام نہیں بن سکتا۔ ہم پہلے لکھ گئے ہیں کہ اسلام کا کوئی رکن بغیر دولت کے ادا نہیں ہو سکتا۔ اگر تمام مسلمانوں کے لنگوٹی بندھ جائے اور نان شبینہ کو محتاج ہو جائیں تو دوسری قوموں کے آگے ایسے کنگال لوگوں کی کیا خاک توقیر ہو سکتی ہے۔ توقیر تو ایک طرف گئی اس ناداری میں مسلمان زندہ کیونکر رہ سکتے ہیں اور پھر ایسی بے بضاعتی میں اسلام کی عظمت کیونکر محفوظ کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دولت کو مجسم خیر فرمایا گیا ہے اب وہ مسلمان نہیں رہا جو مال کو مجسم خیر نہ سمجھے۔ حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد کیا ہے۔ نعم المال الصالح للرجل الصالح یعنی کیا اچھی نیک کمائی نیک مرد کیواسطے" دولت کی تعریف قرآن و حدیث دونوں میں موجود ہے۔ دولت پیاری دولت خدا تیری تعریف فرماتا ہے اور خود رسول کریم نے تیری تعریف کی ہے صدقہ اور حج کے ثواب میں جو کچھ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں آیا ہے اس سے بھی دولت ہی کی تعریف نکلتی ہے خیرات کرنیکے اجر میں جب دائمی جنت کی بشارت دی گئی ہے پھر اس سے زیادہ خیر مجسم اور کونسی چیز ہو سکتی ہے۔ جو جنت میں ہاتھ پکڑ کے داخل کر دے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ نہیں بلکہ مختلف مقامات پر دولت کی ضرورت ثابت کی گئی ہے اور ساتھ ہی اسکی تعریف بھی بے انتہا ہوئی ہے۔ مثلاً ایک جگہ خدائے عرش و کرسی فرماتا ہے ویستخرجا کنزھما رحمۃ من ربک تیرے رب کی مہربانی سے اپنا گڑا ہوا مال نکالیں۔ دوسری جگہ بندوں پر احسان کے طور پر ارشاد ہوا ہے "ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنات ویجعل لکم انھارا" مال و اولاد سے تمہیں ترقی ہو اور تم باغ اور نہریں بناؤ۔

ایک صحیح حدیث میں رسول کریم نے بالکل ہی فیصلہ کر دیا ہے جہاں حضور انور نے مفلسی کو ایک جرم عظیم سے تعبیر کیا ہے چنانچہ ارشاد نبوی ہوتا ہے" قریب ہے کہ فقر کفر ہو جائے۔ دنیا کی جتنی متمدن قومیں ہیں وہ مفلسی کو ایک جرم عظیم سمجھتی آئی ہیں مگر نصاریٰ میں یہ بات نہ تھی اور راہبوں نے بالکل خدا کی مخلوق کو بیکار کر دیا تھا ایسے موقع پر فقر کی اس شدومد سے برائی کرنیکے یہ معنی ہیں کہ دنیا بغیر دین کے اور دین بغیر دنیا کے قائم نہیں رہ سکتا۔

انجیل میں بیشک دولت کی بے انتہا برائی کی گئی ہے اور کوئی شک نہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام برائی کرنے پر خود مجبور تھے کیونکہ انھیں چند مفلس مچھلی والوں سے پالا پڑا تھا جو دولتمند یہودیوں کو دیکھ دیکھ کے جھیپتے تھے۔ اس لیئے حضرت مسیح نے فرمایا کہ کسبیوں سے بھی پانسو برس پیچھے دولتمند جنت میں جائیں گے۔ کوئی امتیاز دولتمندوں میں حضرت مسیح نے قائم نہیں کیا۔ جہاں دیکھو بلا وجہ دولتمندوں پر تبرے بازی کی گئی ہے مگر قرآن نے ایسا نہیں کیا۔ اُس نے دولت کی تعریف ہی کی ہے۔ اور اُسے مجسم خیر بتایا ہے۔ آسانی سے خیال میں آ سکتا ہے کہ قانون قدرت کے مطابق کونسی کتاب ہے اور سچے تمدن کو قائم کرنے والی کیا انجیل بن سکتی ہے۔

بڑے تماشہ کی بات ہے کہ مسلمانوں کی عادات و صفات عیسائیوں نے لے لیں اور مسلمانوں میں ذلیل نہایت کوٹ کوٹ کے بھر گئی۔ یا بالفاظ دیگر عیسائی قرآن مجید پر عمل کرتے ہیں اور مسلمان انجیل پر۔ بڑے غضب کا یہ

مقام ہے کہ جس مولوی کے وعظ کو سنا دنیا پرستی یا دولت کو گالیاں ہی دیتے سُنا۔ ان ازلی بدنصیبوں کا یہ مدعا ہے کہ مسلمان جتنی روٹی کھا رہے ہیں اس سے بھی محتاج ہو جائیں اور کل دولت ان کے گھر ہیں آ کے بھر جائے خدا اور رسول جس چیز کی تعریف کرے اُسے زمانہ کے مولوی بُرا کہیں۔ مگر اپنے گھروں میں بھر لینا ثواب دارین خیال کریں۔

روزی کی خود حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اہلبیت کے لیئے خدائے عرش کے حضور دعا کی ہے اور وہ دعا یہ ہے اللهم اجعل قوت آل محمد کفافا الٰہی تو محمد کی اولاد کی روزی بقدر بسر اوقات کر" اور فی الواقع اتنی ہی روزی کی بھی ضرورت ہو کہ حیثیت کے موافق بسر اوقات ہو سکے۔ بسر اوقات کے معنی یہ نہیں ہیں کہ دو وقت صرف جو کی روٹی مل گئی اور زندگی گزار دی بلکہ اوقات زندگی اچھے طور سے گزریں۔ اور کل احکامات باریتعالے کی حج زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق تعمیل بھی ہوتی ہو غرض اسلام میں کوئی ایسی بات نہیں ہو جو طبع انسانی اور تمدن انسانی کے خلاف ہو اور جس سے تنفر پیدا ہو۔ ابتدائے زمانہ یورپ میں اسلام تلوار اور چار بی بیوں کی صورت میں پہنچا تھا اور عام ناواقفوں کے آگے پادری اور مسیحی مذہب کے فاضل ان ہی دو صورتوں میں اسلام کو پیش کرتے تھے مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا اسکی صورت میں فرق آتا گیا اور اب جس خوشنما صورت میں یورپ کے آگے پیش کیا گیا ہو اُس میں کوئی نقص نہیں ہے اور اگرچہ نقص باقی بھی ہے وہ آئندہ زمانہ میں بالکل جاتا رہیگا۔ ہمارے اعمال سے اسلام کی سچائی کا اندازہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ قرآن مجید کے اصول کو دیکھنا چاہیئے جنھوں نے وہ کار نمایاں کیئے جو اختتام دنیا تک دنیا کے ہر گوشہ میں یادگار رہیں گے۔ جو کچھ ہم نے بطور خود اسلام کے بارے میں لکھا اگرچہ اور بھی زیادہ لکھا جا سکتا تھا مگر اسی کو فی الحال کافی سمجھ کے یہ مناسب سمجھا کہ چند محقق یورپیوں کی تحریروں کا خلاصہ کر دیں کہ وہ اسلام اور بانیٔ اسلام اور قرآن کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں اور اُنھوں نے متمدن زمانہ میں اسلام کی نسبت کیا رائے قائم کی ہو۔ سب سے پہلے ہم ڈاکٹر موسیو لیبان فرانسیسی محقق کی رائے نقل کرتے ہیں جسکی تحقیق اور انصاف کا وزن اور یوروپی مورخوں سے نسبتہً زیادہ ہو جس نے اسلامی ممالک کو بغور دیکھ کے یہ رائے قائم کی ہے اور اُسکے کل مضامین طبیعات اور فلسفہ سے بھرے ہوئے ہیں اسکے بعد اور انگریزی مصنفوں پادریوں اور سیاحوں کی تحریریں نقل کی گئی ہیں جنھوں نے اسبات کو ثابت کر دیا کہ اسلام میں ایک زندہ قوت موجود ہے اور یہ وہ زندہ قوت ہو کہ اور مذاہب میں مطلق دیکھنے میں نہیں آتی۔ ہمیں اسلام کے فضائل غیر ملک والے کی زبان سے بہت اچھے لگتے ہیں اور یہ اسلام کا ادنی معجزہ ہے کہ مشرقی مذہب ہونے پر اُسنے مغربیوں کو اپنا فریفتہ بنا لیا۔ سوال یہ ہے اخیر یورپ کی قسمت پلٹا کھا کے کونسا مذہب قبول کریگی؟ یہ سوال بڑے بڑے علماء میں گردش کھا رہا ہو لیکن عام جواب جو فاضل موسیو لیبان نے اس سوال کا دیا ہو وہ یہ ہے کہ عنقریب مسیحی یورپ کی قسمت اسلام کے ساتھ وابستہ ہو جائیگی اور وہ زمانہ قریب آنیوالا ہو کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لینگے۔

موجودہ یورپ کا مذہب فلسفیانہ ہے اور اسلام میں فلسفہ کو بہت کم دخل دیا گیا لیکن قانون قدرت یہ ہو کہ خیالات کا رنگ بدلتا رہتا ہو جو ملک ایک زمانہ میں دہریہ رہچکا ہو وہ دوسرے زمانہ میں اسی خیال کا نہیں رہ سکتا۔ جس ملک میں ایکدفعہ مذہبی تعصب ہو وہاں دوسرے زمانہ میں شایستگی اور تمدن دیکھا گیا اور اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا۔ تمام ممالک موجود ہیں اور اُن میں

خیالات کی تبدیلی کا مشاہدہ اچھی طرح ہو سکتا ہے۔ اسی قانونِ قدرت کی بنا پر یہ اُمید کیجاتی ہے کہ یورپ کے خیالات میں بھی تبدیلی پیدا ہوگی اور یہ تبدیلی ضرور اسلام کے ساتھ ہوگی اور اس میں ذرہ برابر بھی شبہ نہیں۔ فاضل یورپیوں کی تحریریں حسب ذیل ہیں۔

اگر اسلام کے اصلی اعتقادات کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام گویا ایک قسم کا مذہب عیسائی ہے جس میں سے مشکلات اور پیچیدگیاں نکال ڈالی گئی ہیں۔ البتہ اسلام میں اور عیسائی مذہب میں فروعات کے فرق بہت سے ہیں اور ایک بہت بڑا فرق اُصولی بھی ہے۔ یعنی اسلام میں خالص اور پاک وحدانیت باریتعالیٰ ہے۔ یہ خدائے واحد و مطلق سب چیزوں سے برتر ہے اور اسکے ارد گرد نہ ملائکہ ہیں نہ اولیا اور نہ ایسے اشخاص جو واجب التعظیم ہوں اور فی الواقع تمام مذاہب عالم میں یہ فخر اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اُس نے پہلے پہل وحدانیت خالص و محض کی اشاعت دنیا میں کی۔

اسی خالص وحدانیت کی وجہ سے اسلام کی ساری سادگی اور ساری شان ہے اور یہی سادگی باعث ہوئی ہے اسلام کی قوت اور اسلام کی مضبوطی۔ یہ وحدانیت محض ایسی آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اس میں کسی قسم کا کوئی بھید یا معما نہیں ہے اور نہ اس میں اُن متضاد چیزوں کے ماننے کی ضرورت ہے جو دوسرے مذاہب میں واقع ہوتی ہیں اور جنھیں عقل سلیم قبول نہیں کرتی۔ ایک خدائے واحد و مطلق معبود۔ تمام بندے اس کی نظروں میں برابر۔ بہت تھوڑے سے ارکان دین جن کا بجالانا واجب ہے اور اُن کے بجالانے کی خواہشت ہے اور اُن کے نہ بجالانے کی سزا جہنم۔ اس سے زیادہ صاف و سادہ اور غیر مبہم کونسا مذہب ہو سکتا ہے۔ ایک ادنی نومسلم بھی وہ کسی فرقہ کا کیوں نہو بخوبی اپنے اعتقادات مذہبی سے واقف ہے اور اُن کو چند لفظوں میں صراحت کے ساتھ بیان کر سکتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر کسی عیسائی سے مسئلہ تثلیث یا مسئلہ تبدیل جنس یا مثل ان کے اعتقادی معموں کے بابت پوچھا جائے تو جب تک وہ علمِ کلام کا ماہر نہ ہو اور منطق کی تمام باریکیوں پر عبور نہ رکھتا ہو ہرگز جواب نہ دے سکے گا۔

اسلام کی وضاحت اعتقادات اور اُس کے ساتھ دوسروں کے مقابل میں نیکی اور انصاف جس کی مہر اس مذہب پر کی گئی ہے اس کی عالمگیر اشاعت کا بہت بڑا باعث ہوا۔ یہی خاصیت اسلام کی تھی جس نے اُن تمام قوموں کو جو مصریوں کی طرح شاہنشاہاں قسطنطنیہ کے وقت سے عیسائی چلی آتی تھیں دعوت نبوی ہونے کے ساتھ ہی مسلمان ہو جانے پر آمادہ کر دیا حالانکہ ایسی کوئی مثال کسی قوم مسلم کی خواہ وہ فاتح ہو یا مفتوح موجود نہیں ہے۔ جس نے کبھی دین عیسوی کو قبول کیا ہو۔

کسی مذہبی کتاب کے فوائد عامہ کا اندازہ کرتے وقت یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ اس میں فلسفی خیالات کیسے ہیں کیونکہ عموماً یہ بہت ہی کمزور ہوا کرتے ہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ جن اعتقادات دینی کی تعلیم اس کتاب میں دی گئی ہے اُنھوں نے دنیا میں کیا اثر پیدا کیا اور جس وقت اسلام کو اس نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کے اُن مذاہب میں جنھوں نے قلوب پر حکومت کی ہے یہ بھی ایک نہایت عالیشان مذہب ہے البتہ اس میں بھی نیکی

انصاف ۔عبادت وغیرہ وغیرہ کی ویسی ہی تعلیم ہے جیسے کل اور ادیان میں لیکن یہ تعلیم ایسی سادگی اور وضاحت کے ساتھ کی گئی ہے کہ ہر شخص کی سمجھ میں آتی ہے ۔اسلام قلوب میں اس قسم کا زندہ اور پر زور جوش ایمان پیدا کر دیتا ہے کہ پھر اس میں مطلقا شک اور تذبذب کی گنجایش نہیں رہتی۔

اسلام کا ملکی اور تمدنی اثر فی الواقع بے حد و بے پایان ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں عربستان کا ملک چھوٹے چھوٹے خود مختار صوبوں اور قبیلوں میں منقسم تھا جو ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑا کرتے تھے ۔ظہور پیغمبر اسلام سے ایک صدی کے اندر عربوں کا ملک دریائے سندہ سے اندلس تک پہنچ گیا تھا اور ان تمام شہروں میں جہاں اسلامی پرچم جلوہ فگن تھا ایک حیرت انگیز ترقی نظر آرہی تھی ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسلام وہ مذہب ہے جسکے اعتقادات کو مسائل علوم طبیعی کے ساتھ پورا توافق ہے اور ان اعتقادات کا خاصہ یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کو نرم کریں۔ اور ہم میں نیکی اور انصاف اور دوسرے مذاہب کی رواداری پیدا کریں اس میں شک نہیں کہ فلسفیانہ خیال سے مذہب بدھ کے اعتقادات کو تمام سمیا طیقی مذاہب کے اعتقادات پر ترجیح ہے لیکن اسکے ساتھ ہی جب مذہب بدہ کو عوام الناس کی سمجھ کے مطابق بنانیکی ضرورت پڑی تو اس میں ایک انقلاب کلی کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ترمیم شدہ مذہب اسلام سے بہت گھٹ گیا۔

جس تمدن کو خلفائے اسلام نے قائم کیا اسکی وہی سرگزشت ہے جو تمام ان تمدنوں کی جو وقتا فوقتاً دنیا میں آتے ہیں ہوا کرتی ہے یعنی وہ پیدا ہوا بلوغ کو پہنچا اس میں انحطاط آیا اور وہ مرگیا۔ وہ بھی اس گورِ روزگار میں جس میں پرانے تمدن پڑے ہوئے ہیں ۔لیکن مذہب اسلام کے اعتقادات کو زمانہ نہ مٹا سکا اور آج بھی انکا ویسا ہی زور ہے جیسے پہلے تھا۔ ہمارے اس زمانہ میں جب کہ اسلام سے کہیں پرانے مذاہب کی حکومتیں قلوب پر سے کم ہوتی جاتی ہیں قانون اسلام کی وہی پہلی حکومت اسوقت تک قائم ہے۔

دنیا میں اسوقت مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ نفوس سے زیادہ ہے ۔عربستان ۔مصر۔شام فلسطین ایشیائے کوچک اِن سب ملکوں میں تقریباً یہی مذہب ہے ہندوستان کے ایک بڑے حصہ میں روس میں چین میں اور افریقہ کے اس کل حصہ میں جو خط استوا کے شمال واقع ہوا ہے مسلمان موجود ہیں۔

ان مختلف اقوام عالم میں جو اسلامی قانون کی پابند ہیں دو چیزوں نے اتفاق پیدا کر رکھا ہے۔ اولاً زبان عربی اور ثانیاً حج بیت اللہ جہاں تمام عالم کے مسلمانوں کو یکجا ہونا پڑتا ہے ۔ہر ایک مسلمان کو وہ کسی فرقہ کا کیوں نہو ضرور ہے کہ قرآن مجید کو عربی میں پڑھ سکے اور اسی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ زبان عربی تمام عالم میں مروج ہے اگرچہ پیروان اسلام اس وقت بہت ہی مختلف اقوام اور خیال کے اشخاص ہیں لیکن ان سب میں ایک قسم کا تعلق ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو یہ سب بہت آسانی کے ساتھ ایک پرچم کے نیچے جمع ہو سکتے ہیں

اشاعت قرآن اور دین اسلام کی حیرت انگیز سرعت نے مورخین مخالف کو نہایت تعجب میں ڈالا ہے اور بجز اسکے کوئی توجیہ اُن سے نہ بن پڑی کہ اس مذہب میں شہوات نفسانیہ کی باگ ڈھیلی کر دی گئی ہے جس کی وجہ سے عوام کی رغبت اسکی طرف ہوئی اور علاوہ اسکے مذہب بزور شمشیر پھیلایا گیا ہے لیکن یہ امر نہایت آسانی کے ساتھ

سمجھ میں آسکتا ہے کہ اُنکا یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے۔

محض قرآن کے پڑہنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اُسکی اخلاقی تعلیم ہرگز اور کتب دینیہ کی تعلیم سے سختی میں کسیطرح کم نہیں۔ البتہ قرآن نے تعدد ازدواج کو قبول کرلیا ہے لیکن یہ وہ رسم ہے جو قبل از اسلام کل مشرقی اقوام میں موجود تھی اور قرآن کا اُسے جائز رکھنا کوئی جدید فائدہ کی بات نہ تھی۔ اخلاقی آزادی کی بابت جو کچھ اعتراض اسلام پر ہوا ہے اُسکا جواب ایک مدت ہوئی دیا جا چکا ہے علی الخصوص اُس مشہور فلسفی اور عالم بیل نے اس پر ایک عمدہ بحث کی ہے اس امر کو ثابت کرنیکے بعد کہ اسلام میں روزہ ترک مسکرات اور دیگر افعال اخلاقی کے متعلق احکام مقابل دوسرے مذاہب کے بہت زیادہ سخت ہیں۔ بیل لکھتا ہے

فی زمانا یہ خیال کرنا کہ اسلام نے جس سرعت اور جس وسعت کے ساتھ ترقی کی وہ محض اسوجہ سے تھی کہ اس مذہب نے انسان کو مطلق العنان کر دیا اور افعال نیک و بد کی پابندی اُٹھا دی اور اپنے پیروؤں کو بُرے کام کرنے کے لیئے آزاد کر دیا اپنے کو بالکل دہوکے میں ڈالنا ہے۔ ہاٹنگر نے ہمیں ایک لمبی چوڑی فہرست اُن اخلاقی احکام کی دی ہے جو مسلمانوں میں بطور مقولوں کے رائج ہیں اور بلا خوشامد مذہب اسلام کہا جا سکتا ہے کہ ان مقولات سے بہتر کوئی دستور العمل انسان کو عملاً نیکی کی طرف راغب اور بدی سے محترز کرنیکے لیئے نہیں ہو سکتا۔

اسی سلسلہ میں مَیں یہ کہونگا کہ وہ نعمتیں جن کا وعدہ پیغمبر اسلام نے اپنے پیروؤں کے لیئے جنت میں کیا ہے ہرگز اُن سے کم نہیں جن کا وعدہ انجیل میں عیسویوں کے لیئے کیا گیا ہے وہ (یعنی جنتی) ایک ایسی حالت میں ہونگے جس کی لذتیں کل اُن چیزوں سے مافوق ہیں جن کا مشاہدہ انسان کی آنکھوں نے کیا ہے۔

جسوقت ہم فتوحات عرب پر نظر ڈالیں گے اور اُنکی کامیابی کے اسباب کو اُبھار کر دکھائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اشاعت مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا کیونکہ مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی اقوام کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے اگر اقوام عیسوی نے اپنے فاتحین کے دین کو قبول کر لیا اور بالآخر اُنکی زبان کو بھی اختیار کیا تو یہ محض اسوجہ سے تھا کہ اُنھوں نے اپنے جدید حاکموں کو اُن قدیم حاکموں سے جن کی حکومت میں وہ اُس وقت تک تھے بہت زیادہ منصف پایا اور نیز اُنکے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا۔ یہ امر تاریخ سے ثابت ہو چکا ہے کہ کوئی مذہب بزور شمشیر نہیں پھیل سکتا جس وقت عیسویوں نے اُندلس کو عربوں سے فتح کر لیا اسوقت اس مفتوح قوم نے جان دینا قبول کیا لیکن مذہب کا بدلنا قبول نہیں کیا۔

فی الواقع دین اسلام بعوض اسکے کہ بزور شمشیر پھیلایا گیا ہو محض بہ ترغیب اور بزور تقریر شائع کیا گیا ہے اور یہی ترغیب تھی جس نے اقوام ترک و مغل کو بھی جنھوں نے آگے چلکر عربوں کو مغلوب کیا دین اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر دیا۔ ہندوستان میں جہاں عربوں کا محض گزر ہی ہوا تھا اسلام نے اسقدر ترقی کی ہے کہ اس وقت پانچ کروڑ سے زیادہ مسلمان اُس ملک میں موجود ہیں اور اُنکی تعداد ہر روز بڑہتی جاتی ہے۔ اگرچہ انگریز اسوقت ملک پر حکومت کر رہے ہیں اور اُنکے ساتھ پادریوں کی ایک فوج موجود ہے جس کا کام مسلمانوں کو عیسائی بنانا ہے تاہم اس کی کوئی سچی مثال نہیں پائی جاتی کہ یہ پادری اپنے ارادہ میں کامیاب ہوئے ہوں۔

چین میں بھی اشاعت اسلام کچھ کم نہیں ہوئی - ہماری کتاب کے ایک دوسرے حصہ میں معلوم ہوگا کہ اُس ملک میں بھی اسلام کسقدر جلد پھیلا - اگرچہ عربوں نے چین میں گو پھر زمین پر بھی قبضہ نہیں کیا تاہم اسوقت چینی مسلمانوں کی تعداد دو کروڑ نفوس سے زیادہ ہے -

تقدیر کے اعتقاد کا الزام جو اسلام پر لگایا گیا ہے یہ بھی اور الزامات کی طرح جن کا جواب دیا جاچکا ہے بہت ہی خفیف الزام ہے ہم نے قضا و قدر کے متعلق جو آیات قرآنی جمع کی ہیں اُن میں ہرگز اُس سے زیادہ نہیں ہے - خبنا کتاب مقدس میں موجود ہے - کیا فقیہ اور کیا فلسفی (علی الخصوص لوتھر) اس امر کے قائل ہیں کہ دنیا میں سلسلۂ واقعات معین ہے اور اُس میں کوئی تغیر نہیں ہوسکتا - خود لوتھر جو بانی ہے اصلاحِ مذہب عیسوی کا لکھتا ہے -

"کتاب مقدس کی ساری شہادتیں مسئلہ اختیار کے بالکل خلاف میں واقع ہوئی ہیں ایسی شہادتیں بے انتہا مقامات پر موجود ہیں بلکہ ساری کتاب اُن سے مملو ہے -

تمام اقوام عالم کی مذہبی کتابوں میں تقدیر کا مسئلہ موجود ہے - قدمائے روم و یونان نے اُس کا نام قسمت رکھا تھا اور اُسے ایک ایسی قوت فرض کرلیا تھا جو تمام چیزوں کی سرتاج تھی اور جسکی اطاعت انسانوں اور دیوتاؤں دونوں پر لازم تھی جن اتفاقات کو قسمت مقرر کردیتی تھی وہ ہمیشہ وقوع میں آتے تھے اڈیپس کو جس وقت صدائے غیبی نے یہ سنا دیا کہ وہ خود اپنے باپ کو قتل کریگا اور اپنی ماں سے شادی کریگا تو پھر اُسکا نالہ و فریاد کرنا لاحاصل تھا - بہرحال قسمت نے جو کچھ ٹھہرا دیا تھا اُس سے کبھی مفر نہ تھا - تقدیر کو مذہب اسلام میں کچھ اس سے زیادہ وقعت نہیں دیگئی جو کُتُب اور مذاہب میں پائی ہے بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ اسی اسلام نے اتنی بھی وقعت نہیں دی جتنی آجکل کے اُن علما نے دی ہے جن کا قول بہ تبعیت لاپلاس ولاہب نظریہ ہے اگر کوئی ایسا عقلمند شخص فرض کرلیا جائے جو کسی آنِ واحد میں اُن قوتوں کا علم حاصل کرسکے جو کائنات میں موجود ہیں اور نیز کل اُن اجسام کے مواقع سے واقف ہو جن پر یہ قوتیں عمل کررہی ہیں اور اسکے ساتھ اُس میں یہ صلاحیت بھی ہو کہ ان کل قوتوں اور اجسام کو ایک دوسرے سے علحدہ کرکے دیکھ سکے تو ایسا شخص عاقل اس قسم کا ایک ہی قاعدہ بنا سکتا ہے جو بڑے سے بڑے اجرام سماوی اور نیز باریک سے باریک ذرہ کی حرکت پر حاوی ہوسکے - ایسے شخص کے سامنے کوئی چیز مشکوک حالت میں نہیں رہ سکتی اور ماضی و مستقبل دونوں اُسکی آنکھوں کے سامنے ہونگے -

مشرق کے مسئلہ پر جو فلسفہ عرب اور نیز بہت سے اُن فلسفیوں کی بنیاد ہے جن کے مصنفین نے حقائق اشیا پر غور کی ہے فی الواقع ایک قسم کی تسلیم و رضا ہے جس سے غرض یہ ہے کہ انسان اپنی موجودہ حالت پر بیجا شور و غل نہ مچائے فی الواقع یہ ایک مسئلہ اخلاقی ہے نہ اعتقادی - زمانۂ جاہلیت میں بھی عرب تقدیر کے قائل تھے اور اس مسئلہ کا اثر نہ تو عربوں کی ترقی پر تھا اور نہ اُنکے تنزل پر ہونا چاہیئے - پھر فاضل مورخ قدیم عربوں کی تاریخ سے بوضاحت بحث کرتا ہے -

یہ امر عموماً مسلم ہے کہ اعراب جاہلیت نے کوئی تاریخ نہیں چھوڑی - وہ مختلف قبائل میں منقسم تھے اور ہمیشہ سفر کی حالت میں رہتے تھے - نہ اُنکی بود و باش کا کوئی خاص مقام تھا اور نہ اُن میں کسی قسم کی روایات تھیں - قرن ہائے دراز سے وہ نیم وحشیانہ حالت میں زندگی بسر کرتے تھے اور اُنکی کوئی یادگار باقی نہیں ہے

آج کے دن بھی نہایت ممتاز مورخین کی یہی رائے ہے چنانچہ موسیو سے نان سا مربرآوردہ شخص اپنی تاریخ السنہ سمیا طیقی میں لکھتا ہے "اس عجیب واقعہ تک (یعنی اسلام) جس نے دفعۃً قوم عرب کو ملک گیروں اور خلاق مضامین کی صورت میں ہمارے سامنے پیش کر دیا عربستان کا کوئی حصہ نہ دنیا کی تاریخ تمدنی حالت میں تھا نہ تاریخ علمی میں اور نہ تاریخ مذہبی میں عربستان کوئی بہت قدیم ملک نہیں ہے فی الواقع تاریخ عالم کے لحاظ سے وہ اسقدر جدید ملک ہے کہ ہماری چھٹی صدی اس ملک کے پہلوانوں کا زمانہ ہے اور سنہ عیسوی کی پہلی صدیاں تو اس ملک کے ازمنہ مظلمہ میں شامل ہیں"

اگر بالفرض ہمیں عربستان کی پچھلی تاریخ سے مطلق اطلاع نہوتی تب بھی ہم کہہ سکتے تھے کہ جو رائے اوپر بیان کی گئی وہ غلط ہے۔ کسی قوم کے تمدن کی وہی حالت ہے جو اسکی زبان کی۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں دفعۃً ہمارے سامنے آئیں لیکن اس میں شک نہیں کہ انکے اصول بہت قدیم ہیں اور وہ اصول بتدریج ایک زمانہ دراز میں قائم ہوئے ہیں۔ افراد انسانی۔ ملل انسانی اور نظامات و مذاہب انسانی کی ترقی ہمیشہ بتدریج ہوا کرتی ہے۔ سلسلۂ ترقی میں جبتک کل مدارج یکے بعد دیگرے طے نہ ہو لیے ہوں اعلیٰ درجہ ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا۔

جب کوئی قوم اعلیٰ درجہ کی ترقی کیساتھ ہمارے سامنے آئے تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ ترقی سالہائے دراز کی پچھلی محنتوں کا نتیجہ ہے۔ یہ پچھلے مدارج ترقی اکثر مفقود ہو جاتے ہیں لیکن انکا وجود ہمیشہ مسلم ہے اور اکثر اوقات علمی تحقیقات انکا کھوج لگا کر انھیں ہمارے سامنے کر دیتی ہے۔

اعراب جاہلیت کے تمدن کی یہی حالت ہے۔ اس امر کا ٹھیک ٹھیک قرار دینا کہ وہ تمدن کیا تھا دشوار ہے لیکن ہمارے پاس ایسی اسناد موجود ہیں جن سے اس تمدن کا وجود بخوبی ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شاید وہ اسیریا اور بابل کے قدیم تمدن سے جسے ایک زمانہ دراز کے بعد آثار قدیمہ کی تحقیقات نے قائم کر دکھایا ہے کم نہ تھا۔

اعراب جاہلیت کے نیم وحشی ہونے کی بابت جو خیال پیدا ہوا ہے یہ نہ فقط تاریخوں کے سکوت کیوجہ سے ہے بلکہ اسوجہ سے بھی کہ عموماً بدویوں اور مستوطنین میں فرق نہیں کیا گیا اور خانہ بدوش قبائل عرب کو ان قبائل کے ساتھ جو شہروں اور قصبات میں بسے ہوئے ہیں ملا دیا گیا ہے۔ یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ بدویان عرب خواہ وہ زمانۂ جاہلیت کے ہوں یا زمانہ اسلام کے البتہ اسوقت تک بھی نیم وحشی حالت میں ہیں اور مثل نیم وحشیوں کے نہ ان میں تمدن ہے اور نہ تاریخ۔ لیکن یہ بدوی قوم عرب کی صرف ایک شاخ ہیں اور انکے ساتھ ہی ایک گروہ قوم کا ہے جو شہروں اور قصبات میں سکونت پذیر اور زراعت اور تجارت میں مصروف ہے۔ اعراب مستوطن کے بارے میں نہایت آسانی سے ثابت ہو سکتا ہے کہ انمیں ایک اعلیٰ درجہ کا تمدن تھا جسکی تفصیل سے تو ہم نہیں واقف لیکن اسکی عظمت کا اندازہ کرنا چنداں مشکل نہیں ہے۔

عربوں کے قدیم تمدن کی بابت تاریخ عالم اس درجہ ساکت نہیں جیسی وہ ان قدیم تمدنوں کی نسبت ساکت ہے جنھیں حال کی تحقیقات نے آثار قدیمہ کے گرد و غبار میں سے کھود نکالا ہے اگر بالفرض تاریخ کا پورا سکوت بھی ہوتا تو بھی ہم ثابت کر سکتے تھے کہ یہ تمدن زمانہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت پہلے تھا۔ ہمیں اسقدر یاد دلانا کافی تھا کہ آنحضرت کے وقت میں بھی عربستان میں ایک اعلیٰ درجہ کی زبان اور اس زبان میں تصنیفات موجود تھیں اور اعراب جاہلیت نے دو ہزار سال سے دنیا کی مہذب ترین اقوام کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم کر لیئے تھے اور اقلاً سو برس سے تو انھوں نے

ایسی ترقی کی تھی جسے منجملہ اُن اعلیٰ ترقیوں کے شمار کرنا چاہیئے جنکی یادگار اسوقت تک دنیا میں موجود ہے۔ ایک اعلیٰ زبان اور اُس کی تصنیفات دفعۃً پیدا نہیں ہو سکتیں اور اُنکا وجود اس بات کی دلیل ہو کہ قوم نے ایک زمانہ دراز طے کیا ہے کسی قوم کا دوسری اقوام مہذب کے ساتھ روابط قائم رکھنا ہمیشہ خود قوم کی ترقی کا باعث ہوتا ہے بشرطیکہ اُس قوم میں ترقی کی صلاحیت موجود ہو اور عربوں نے ثابت کر دیا کہ اُن میں یہ صلاحیت موجود تھی۔ علاوہ بریں اقلاً سو برس تک ایک اعلیٰ درجہ کی ترقی کا حاصل کر لینا اور ایک وسیع حکومت کا قائم کر دینا اس امر کو ثابت کرتا ہو کہ عربوں میں اس قسم کی موروثی خصائص اور ترقی کی قابلیت موجود تھی جو سالہائے دراز میں حاصل ہوئی ہوگی۔ وہ کچھ امریکائے شمالی کی سرخ رنگ اقوام یا آسٹریلیا کے وحشی نہ تھے جن کے ذریعہ سے خلفائے اسلام نے ایسے ایسے شہروں کی بنا ڈالی جو آٹھ سو برس تک یورپ اور ایشیا میں علوم و فنون و صنعت و حرفت اور کمالات انسانی کے ماویٰ و ملجا رہے۔ عربوں کے سوا اور بھی اقوام نے پرانی حکومتوں کو زیر و زبر کر دیا ہو لیکن باستثنائے اُن اقوام کے جنمیں پہلے سے ترقی موجود تھی کسی نے کوئی نئی حکومت کوئی نیا تمدن نہیں قائم کر دیا اور قوم مفتوح کے تمدن سے فائدہ بھی اُٹھایا تو بہت دیر میں۔ وہ اقوام وحشی جنہوں نے رومیوں کی قدیم حکومت کو تہ و بالا کر دیا ایک زمانہ دراز میں اُس حکومت کے ریزوں کو جوڑ کر نئی حکومت قائم کر سکیں اور اپنے ازمنۂ متوسطہ کی تاریکی سے نکال سکیں۔ قبل اسکے کہ ہم اُن ناکامل اسناد کی بنا پر جو ہم تک پہنچی ہیں اعراب جاہلیت کی ترقی کا خاکہ دکھا سکیں ہم چاہتے ہیں کہ اجمالاً اُنکی تاریخ کا بیان کر دیا جائے۔

مثل اور اقوام عالم کے عربوں کا بھی ایک زمانہ قبل تاریخ گزرا ہے ہمارے قدیم آبا و اجداد کے چھوڑے ہوئے ہتھیار آلات اور مکانات کے بقایا جو ہمیں زمین کے مختلف طبقات مختلف اقطار عالم میں ملے ہیں اُنکے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان زمانۂ تاریخی سے جسکی مدت بہت تھوڑی ہے لاکھوں برس قبل فلزات اور زراعت اور پالتو جانوروں کے استعمال سے ناواقف اور اُس کے ہتھیار سنگ چقماق کے ہوا کرتے تھے۔ اس زمانۂ قدیم کا نام زمانہ حجریہ رکھا گیا ہے اور تمام عالم میں جہاں کہیں آثار قدیمہ کی تحقیقات کی گئی ہے کیا عربستان میں اور کیا یورپ اور امریکا میں اس زمانہ قدیم کے آثار پائے گئے ہیں۔ ان ہتھیاروں اور آثار قدیمہ کے باہم مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں مختلف اقوام عالم کی طرز معیشت میں بہت مشابہت تھی ان آثار قدیمہ کی بنا پر ہم نہایت آسانی سے اُس زمانہ کے انسانوں کی فہم و ادراک اور اُنکے طریقہ زندگانی کا اندازہ کر سکتے ہیں ہم نے اپنی سابق کی تصنیف میں یہ خاص بحث لکھی ہے اور اب اُس کا یہاں اعادہ کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے عربوں کی قدیم سے قدیم روایات حضرت ابراہیمؑ سے آگے نہیں بڑھتیں لیکن علم السنہ کی تحقیقات سے ثابت ہوتا کہ نہایت قدیم زمانہ میں کل اُس خطے میں جو قفقاز اور عربستان جنوبی کے بیچ میں واقع ہوا ہے اگر ایک ہی قوم نہیں بستی تھی تو اقلاً چند اقوام متحد اللسان ضرور بستی تھیں۔ السنہ سمیا طیقی کے باہمی مقابلے سے ثابت ہو گیا ہے کہ عبرانی۔ فینیقی۔ سریانی۔ اسیری۔ کلدی عربی کسی زمانۂ قدیم میں متحد الاصل اور ایک ہی زبان سے نکلی تھیں۔

ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کون سے اسباب تھے یا کیا مرز و بوم کا اثر تھا جس نے ان اقوام متحد الاصل کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا اور اسی وجہ سے انکی اور عربوں کی قرابت کو زیادہ تفصیل سے نہیں بیان کر سکتے۔

اعراب جاہلیت کی تاریخ ہمیں کچھ تو کتب توراۃ میں ملتی ہے اور کچھ خود عربوں کی پرانی روایات میں اور کسی قدر آن شاذ

اور نادر تصنیفات ہیں جو ہمیں مورخین یونان و روم سے پہنچی ہیں یا چند معدود کتبے ہیں مثلاً اسیری کتبے یا وہ کتبے جو دبا اور صفا کے قریب نکلے ہیں۔

کتب توراۃ میں عربوں اور عبرانیوں کا متحد الاصل ہونا دکھایا گیا ہے اور عرب قدامت میں عبرانیوں سے زیادہ سمجھے گئے ہیں۔ انکی خانہ جنگیاں ایک زمانۂ دراز تک قائم رہیں اور توریت میں برابر جزیرہ نمائے سینا کی اقوام عمالقہ اور مدیانیہ اور سبائیں عربستان کا ذکر ہے۔

عرب کی قدیم روایتوں کے مطابق جو در اصل یہود کی کتابوں سے لی گئی ہیں جزیرۃ العرب میں پہلے دو نسلیں قائم ہوئیں ایک یقطان اولاد سام کی اور دوسری اسمٰعیل بن ابراہیم اور انکی مصری لونڈی ہاجرہ کی ان میں شمال کیطرف رہتے تھے اور جنوب کیطرف مستوطنین یمن میں یقطان کی اولاد نے ایک طرف سبا کی سلطنت قائم کی اور دوسری طرف حمیر کی۔ اسمٰعیل کی اولاد فلسطین کی سرحد سے لیکر حجاز تک بسی اور یہی پہلے مکہ معظمہ کے حاکم ہوئے اور ایک مدت دراز تک مکہ اور سبائے یمن میں مقابلہ رہا کہ ان میں سے کون شہر عربستان کا دار السلطنت کہلاوے۔

نبطیہ۔ بنو ادوم۔ بنو آب۔ عمالقہ۔ بنو عمون اور مدیانیہ بڑے بڑے قبائل اسمٰعیل کی اولاد سے تھے اور ان کے نام توراۃ میں آتے ہیں وہ شاید عمالقہ ہی تھے جنھوں نے دو ہزار سال قبل مسیح شام کے بدویوں کے ساتھ ملکر مصر پر چڑہائی کی اور وہاں چرواہوں کا خاندان شاہی قائم کیا جس نے کئی صدی تک حکومت کی۔

بالآخر بنو عمالقہ، بنو ادوم۔ بنو آب اور بنو عموں نے عربستان کوہستانی اور عربستان صحرائی میں بود و باش اختیار کی یہ قبائل ہمیشہ عبرانیوں کے ساتھ جنگ کرتے رہے اور ایک مدت انھیں ارض کنعان میں پہنچنے سے باز رکھا صرف حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کیوقت میں انپر حکومت حاصل ہوئی اور وہ بھی چند روز کے لیئے۔

توراۃ میں جو کچھ ذکر ہے وہ سرحد فلسطین کی بدوی اقوام کا ہے اور یمن کے مستوطن عربوں کے متعلق اسی قدر لکھا گیا ہے کہ سبا کی شاہزادی حضرت سلیمان کی ملاقات کو آئی تھی۔

اسیری کتبوں میں اکثر عربوں کا ذکر ہے لیکن یہ شمالی عرب ہیں یعنی شام اور نواحی شام کے رہنے والے۔ سلمانصر ثانی کی (جس کا زمانہ نو سال قبل مسیح سے بھی پہلے کا ہے) ایک تحریر میں عربوں کا نام آیا ہے اور تقریباً آٹھ سال قبل مسیح میں تغلات قیصر ثانی کے دربار میں دو عرب بادشاہزادیوں کا آنا معلوم ہوتا ہے۔ حصر عدن نے ایک عرب شاہزادی کو جسکی تربیت نینوی میں ہوئی تھی اُس کے تخت پر بٹھایا اور آسر بنی پال کے وقت میں جب اُسکے ایک بھائی نے بغاوت کی تو عرب فوجوں نے باغی کا ساتھ دیا۔

عربستان کے حصۂ جنوبی کے متعلق عرب ہی مورخ ہیں جنھوں نے کچھ تفصیلی حالات لکھے ہیں لیکن انکی تحریریں اس قدر پیچیدگیاں اور مبالغہ ہے کہ اُن سے انسان بآسانی مستفید نہیں ہو سکتا۔ وہ اس نظر سے البتہ مفید ہیں کہ اُن سے مورخین یونانی اور رومی کے بیانات کی تصدیق یمن کی عظمت اور قوت کے بارے میں ہو سکتی ہے۔ اِن عرب مورخین کے بموجب یمن تمام ملک میں سب سے بڑی حکومت کا مستقر تھا اور وہاں شاہوں نے تین ہزار سال سلطنت کی تھی اور ہندوستان و چین اور اُن ممالک تک جو آج کے دن مراکش میں شامل ہیں لشکر کشی کی تھی

مورخین یونان نے جو کچھ عربستان بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ عربستان کے بعض حصوں کی مختصر تاریخ لکھی ہے جو اسکندر کے زمانہ سے آگے نہیں بڑھتی اور محض چند سطروں میں اس کا بیان ہو سکتا ہے

مسیح سے بھی پہلے وہ عربستان سے واقف تھے اور اس ملک کی دولت نے اسکندر کو اس ملک کے فتح کرنے پر آمادہ کیا۔ نیارکس نے جزیرہ نمائے عرب کے گرد جو بحری فوج کشی کی اُس کا نتیجہ عنقریب ظاہر ہونیوالا تھا۔ لیکن اسکندر کی وفات نے اسے روک دیا۔ جس وقت اسکندر کے ملک کی تقسیم ہوئی تو ملک کے وہ حصے جو مصر اور فلسطین کے ہم سرحد تھے اور جہاں عرب بودوباش رکھتے تھے بطلیموس کے حصہ میں آئے۔ قبطیوں نے انیٹگون کے مقابل میں بطلیموس کی مدد کی۔ لیکن جس وقت انیٹگون شام اور فینیقیہ پر قابض ہو گیا اُس نے اپنے ایک سربرآوردہ سپہ سالار کو نبطیوں کے مقابلہ میں بھیجا۔ یہ سپہ سالار حملہ ناگہانی کر کے پٹرا پر قابض ہو گیا لیکن اُسکی ساری فوج جسکی تعداد چار ہزار چھ سو تھی بالکل برباد ہو گئی۔ اس کے بعد انٹیگون نے اپنے بیٹے ڈمٹریس کو اُنکے مقابل بھیجا۔ ہیرودوط لکھتا ہے کہ جسوقت ڈمٹریس پٹرا میں پہنچا تو عربوں نے اُس سے یہ کہا "اے شاہ ڈمٹریس تو ہم سے کیوں لڑتا ہے ہم ایسے بیابان کے رہنے والے ہیں جہاں شہر والوں کو مایحتاج مطلق نہیں مل سکتیں۔ ہم نے ایک قسم کے بے پیداوار ملک میں رہنا اسیوجہ سے اختیار کیا کہ ہم ہرگز غلام بننا نہیں چاہتے۔ پس جو تحائف ہم تیرے سامنے پیش کرتے ہیں اُنھیں قبول کر اور اپنی فوج اُٹھا لے اور یاد رکھ کہ اب سے نبطی تیرے سچے دوست رہیں گے۔ اگر تو محاصرہ کو طول دینا چاہتا ہے تو بہت جلد تجھے ہر قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا اور تو ہمیں ہرگز مجبور نہ کر سکے گا کہ جس قسم کی طرز معیشت کے ہم بچپن سے عادی ہیں اُس میں کوئی فرق کر سکیں اگر بالفرض تو ہم میں سے کچھ اشخاص قید کر کے لے بھی جا سکے تو وہ بالکل بددل غلام ہونگے اور وہ ہرگز ہماری طرز کے سوا کسی اور طرز پر زندگی نہ کر سکیں گے"۔ ڈمٹریس نے اس صلح کے پیغام کو غنیمت سمجھا اور خوشی خوشی تحائف لیکر ایک ایسی لڑائی کو ختم کر دیا جس میں اُسے سخت مشکلات معلوم ہو رہی تھیں۔

ابتدائے سنہ عیسوی تک اقوام بدوی اُن متعدد لڑائیوں میں جو مصر اور شام کے ملک میں ہوا کیں کبھی مصریوں کا ساتھ دیتے رہے اور کبھی شامیوں کا۔ اُنکی لوٹ مار اور اُنکی چڑھائیوں پر روم کے شاہنشاہوں کو جن کا ملک دریائے فرات تک پہنچ گیا تھا سخت غصہ آیا اور اُنھوں نے اُنکی گوشمالی کے لیئے عربستان کوہستانی پر کئی لشکرکشیاں کیں لیکن اُن کا نتیجہ اسی قدر ہوا کہ یا تو چند روزہ خراج وصول ہوا یا چند روز کے لیئے جنگ و جدل موقوف ہو گئی یہ بدوی اقوام اُس وقت بھی اسی طرح سے جنگ کرتی تھیں جیسے اب کرتی ہیں یعنی ناگہانی حملوں سے دشمن کو تنگ کرنا اور جب کبھی تعاقب ہوا تو ریگستان میں بھاگ جانا۔

شاہنشاہ آگسٹس نے اُس دولت کے لالچ میں جو سال ہائے سال سے یونانی اور رومی مورخین کے تخیلوں میں بھری ہوئی تھی ایک چڑھائی یمن پر کی لیکن یہ مطلق سرسبز نہ ہوئی۔ اور شاہنشاہ ٹائی بیریس کے زمانہ میں البتہ اتنا ہوا کہ عربستان کا ایک چھوٹا سا گوشہ یعنی جزیرہ نمائے سینا جہاں اکثر بدوی اقوام رہتی تھیں چند روز کے لیئے فتح ہو گیا۔ اس زمانہ میں پٹرا کا قدیم قبصہ ایک عالیشان رومی شہر بن گیا جسکے آثار قدیمہ آجتک نمایاں ہیں۔

رومیوں اور ایرانیوں کی لڑائیوں میں عرب اکثر ملے جلے رہے یہانتک کہ سنہ ۲۴۴ء میں فلپ نامی ایک عرب روم کا

شاہنشاہ بن گیا۔عربوں نے ایشیائے کوچک پر حملہ کا ارادہ کیا لیکن اربلین کا پلمیرہ کو تباہ کردینا اُن کے پس پا ہوجانے کا
باعث ہوا اور شام ایک رومی صوبہ بن گیا جسکے ایک حصہ میں غسان عربی خاندان رومیوں کی حمایت میں حکومت کرتا تھا۔
جسوقت رومیوں کا دار السلطنت قسطنطنیہ میں آیا اُسوقت عربوں نے دریائے فرات کی حکومت کے لیئے ایرانیوں
اور یونانیوں کا مقابلہ کیا ان میں سے جو قبائل آئے تھے اُنہوں نے بہت زمانے سے اُس ملک پر چڑھائی کی تھی اور
سنہ ۱۹۵ء میں بابل کے جنوب میں دریائے فرات کے کنارے پر کوفہ کے قریب حیرہ کا مشہور شہر بنایا تھا اور یہاں کے
بادشاہ تزک و احتشام میں شاہانِ ایران و قسطنطنیہ کا مقابلہ کرتے تھے ان سلاطین حیرہ کے قصروں میں زیادہ
سے زیادہ قیمتی اسباب سجا ہوا تھا اور اُنکے باغات میں نادر سے نادر پھول پھل تھے۔ دریائے فرات میں بے انتہا
خوبصورت کشتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ راتوں کو ان کشتیوں کے ہزارہا چراغ دریا کی لہروں میں چمکتے تھے اور ان پر
متمول امیر اور گانے بجانے والے سوار ہوتے تھے۔ مورخین عرب نے اپنی متخیلہ کی پوری قوت کو ان قصروں کے عجائبات
بیان کرنے میں صرف کیا ہے اور یہ اُسوقت تمام مشرق زمین میں سب سے پرتکلف اور خوش آب و ہوا مکانات تصور کیئے جاتے
تھے۔حیرہ کی سلطنت چارسو برس تک قائم رہی جو ایک سلطنت کے قیام کے لیئے متعدبہ مدت ہے لیکن اس سلطنت کی تاریخ
سے ہم زیادہ واقف نہیں ہیں۔ اتنا البتہ ہمیں معلوم ہے کہ سنہ ۶۰۵ء میں یہ ملک ساسانیوں کے قبضہ میں آکر سلطنت ایران کا
ایک صوبہ بن گیا تھا۔لیکن اُنکی یہ حالت بہت کم عرصہ تک قائم رہی کیونکہ اُسی زمانہ میں پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا اور ایران
کا تمام ملک اُنکے خلفا کے ہاتھ سے فتح ہوا۔

اس مختصر کیفیت سے ثابت ہوتا ہے کہ باستثنائے سرحدات شمالی عربستان بالکل غیر اقوام کی فتوحات سے محفوظ رہا۔وہ
بڑے بڑے مصری یونانی رومی اور ایرانی وغیرہ ملک گیر جنھوں نے تمام دنیا کو تہ و بالا کرڈالا عربستان کا کچھ بھی نکر سکے
اور اس عظیم الشان جزیرہ نما کا دروازہ مطلقاً بند رہا۔

البتہ یمن اُس وقت جبکہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا بیرونی حملہ کا سخت خوف تھا۔ سنہ ۵۲۵ء میں یمن پر
جہاں اسوقت تک بجز عرب بادشاہوں کے کسی نے حکومت نہیں کی تھی حبشیوں نے چڑھائی کی اور اُنہوں نے دین عیسوی
کو شائع کرنیکی کوشش کی بلکہ بہت سے قبائل کو عیسائی بنا بھی لیا۔ سنہ ۵۹۷ء میں یعنی زمانہ رسول اللہ صلعم سے بہت ہی
تھوڑے دنوں پہلے ایرانیوں نے ان حبشیوں کو نکال باہر کیا اور اپنے حاکم مقرر کیئے ایرانیوں کی حکومت یمن اور حضرموت
اور عمان میں عین زمانہ آنحضرت تک قائم رہی۔

لیکن اس چند روزہ حکومت سے بھی نجد اور حجاز کا سارا خطہ بالکل محفوظ رہا اور کہا جاسکتا ہے کہ دنیا کے تمام مہذب
ملکوں میں عربستان ہی کا ملک ہے جس کا بہت بڑا حصہ غیر اقوام کی حکومت سے بچا رہا ہے۔

توراۃ کے مختلف ابواب میں عربستان کی تجارت اور شہروں کا علی الخصوص سبائے یمن کا ذکر موجود ہے ان بیانات
سے ہمیں اسقدر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قدیم الایام میں بڑے بڑے شہر تھے لیکن اُنکے متعلق کسی قسم کے اخبار نہیں ملتے
تقریباً چارہزار سال قبل مسیح ہرودوطس نے یمن کے ملک کو تمام دنیا سے زیادہ زرخیز لکھا ہے وہ لکھتا ہے کہ مآرب میں
جو زمانہ قدیم میں سبائے توراۃ کا قائم مقام تھا بڑے بڑے عالیشان قصر تھے جن کی محرابیں سنہری تھیں اور

اُن کے اندر طلائی اور نقرئی ظروف اور بیش بہا پلنگ سونے اور چاندی کے موجود تھے۔
اسٹرابو بھی اسی قسم کے اخبار لکھتا ہی ارتمیدورس کے قول کی نقل کرکے وہ کہتا ہو کہ مارب ایک عجیب و غریب شہر تھا شاہی قصروں کی چھتیں سونے اور ہاتھی دانت اور بیش بہا موتیوں سے مرصع تھیں۔ اور حجروں کا اسباب نہایت باریک ترشا ہوا اور پاکیزہ تھا۔ ارانسطین کے بیان سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ مکانات مصریوں کے مکانات سے مشابہ تھے اور اُمین لکڑی کا کام مصری مکانوں کا سا تھا۔
عربوں کی قدیم روایات سے بھی ان بیانات کی تصدیق ہوتی ہے اور کل مورخین عرب یمن کی تعریف میں یک زبان ہیں حوالی مارب کے بیان میں مسعودی لکھتا ہی "ہر طرف خوبصورت عمارتیں سایہ وار درخت بڑی بڑی نہریں اور آب رواں کی آبشارین نظر آتی تھیں۔ اس ملک کی وسعت اس قدر تھی کہ اس کے طول اور عرض کو ایک اچھا سوار ایک مہینے کی مدت میں قطع کرتا تھا۔ مسافر خواہ پیدل ہو یا سوار بلا دھوپ مین چلے ہوئے ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جاسکتا تھا کیونکہ اس مملکت مین درخت اس کثرت سے راستوں کے دورویہ لگائے گئے تھے کہ انکا سایہ کبھی ختم نہین ہوتا تھا۔ رعایاے ملک کو ہر قسم کا لطف زندگانی حاصل تھا۔ مایحتاج زندگی بکثرت موجود تھیں۔ زمین سیر حاصل۔ ہوا صاف۔ آسمان شفاف۔ پانی کے چشمے بکثرت حکومت عالی شان۔ سلطنت مستقیم اور قوی۔ ملک نہایت ترقی اور سرسبزی کی حالت مین۔ یہ وہ نعمتین تھین جن سے یمن کا چین و آرام ضرب المثل ہوگیا تھا یہاں کے باشندوں کی عالی حوصلگی اور اُن کا فطرتی اخلاق اور ہر ایک وارد و صادر کیساتھ اُن کی مہمان نوازی مشہور زمانہ تھی۔ ملک کی یہ اقبال مندی اُسوقت تک قایم رہی جبتک امر الہی جل شانہ کی تھی۔ جس بادشاہ نے مقابلہ کیا وہ زیر ہوا۔ جس ظالم نے فوج کشی کی اُس نے شکست پائی۔ کل اقطار اُن کے زیر حکومت تھی اور کل اقوام اُنکی تابع فرمان۔ غرض یمن کا ملک سرتاج عالم تھا"
یمن کے اس خطہ کی آبادی کا باعث عرم مارب معلوم ہوتا ہی۔ مورخین عرب لکھتے ہین کہ اس بند کو بلقیس نے تعمیر کیا تھا جو حضرت سلیمانؑ سے ملنے کو آئی تھی۔ یہ بند ایک بہت لمبی گھاٹی کے منفذ پر بنایا گیا تھا۔ چاروں طرف سے پہاڑوں کا پانی آکر اس گھاٹی مین سے ندی کی طرح بہتا تھا اور بند نے اس پانی کو روک کر ایک بڑا سا تالاب بنادیا تھا جس سے تمام ملک مین آبپاشی ہوتی تھی۔ یہ بند سنہ عیسوی کی پہلی صدی میں ٹوٹ گیا اور اس کے ٹوٹنے سے وہ تمام خطہ ویران ہوگیا۔
جن اسناد کا اوپر ذکر ہوا اُن مین باہمی اسقدر تطابق ہو کہ ہم کہہ سکتے ہین کہ یمن مین اسقدر آباد اور آراستہ شہر موجود تھے جیسے مصر قدیم مین تھے اور اُن کا تمدن اعلےٰ درجہ کا تھا۔ اُن کی عمارات وابنیہ اس وقت گرد روزگار کے نیچے پڑی سو رہی ہین اور جیسا کہ بابل اور نینوی کے ویرانوں نے برسوں انتظار کیا یہ بھی کسی آثار قدیمہ کے محقق اور متجسس کا انتظار کر رہی ہین۔
یمن کے بڑے شہروں کا پُر تکلف اور اسباب عیش و عشرت سے مملو ہونا اس ملک کی قدامت اور تجارت کی وسعت سے بھی ثابت ہوتا ہی۔ تاریخ مین ایسی مثال مشکل ملیگی کہ کسی قوم نے بڑے بڑے تجارتی تعلقات پیدا کئے ہوں اور اُسمیں اعلیٰ درجہ کی ترقی نہو۔ فی الواقع عربوں کی تجارت اقصاے ربع مسکوں تک پہنچ گئی تھی اور یہ تجارت اُنکی اس قدر قدیم ہے کہ خود توراة میں اُس کا ذکر موجود ہی۔ دو ہزار سال تک عرب تمام عالم کے مرکز تجارت بنے رہے اور زمانہ قدیم مین انہوں نے وہی کام دیا جو یورپ مین وِنس نے اپنی ترقی کے زمانہ میں دیا تھا۔
زمانہ قدیم میں عربوں ہی کی بدولت یورپ کے تعلقات اقصاے ممالک ایشیا کے ساتھ قایم رہی۔ عربوں کی

تجارت محض عربستان کی پیداوار تک محدود نہ تھی بلکہ وہ اُن اجناس کی تجارت کرتے تھے جو افریقیہ اور ہندوستان سے آتی تھیں۔ اُن کی تجارت اکثر اُن اشیا کی تھی جو سامان عیش و عشرت میں شامل ہیں مثلاً ہاتی دانت مصالحجات خوشبو عطریات۔ جواہرات۔ سونے کا سفوف۔ لونڈی غلام وغیرہ وغیرہ۔ بہت دنوں تک یہ تجارت فنیقیین کے ذریعہ سے جن کی زبان عربی سے بہت مشابہ تھی ہوا کی۔ یہ لوگ سامان تجارت کو لاکر اپنے بڑے شہروں میں جن میں سے ایک ٹائر تھا جمع کرتے تھے اور پھر وہاں سے اُسے تمام عالم میں پھیلاتے تھے۔

ہندوستان کی تجارت میں عربوں کے رقیب اہل بابل تھے۔ اِن کا تعلق ہند سے خشکی کی راہ یا خلیج فارس کی طرف سے تھا۔ تجارت کا مال بابل سے شام کو آتا اور وہاں سے تمام عالم میں تقسیم ہوتا جو کارواں اس دور دراز سے آتے تھے اُن کے راستے میں ہیلیو پولس (قدیم بعلبک) اور پلمیرہ کی تجارت گاہیں جن کے آثار قدیمہ اِس وقت بھی تعجب انگیز ہیں اور نیز دمشق کا مشہور شہر پڑا کرتا تھا۔

جب کہ عربوں کے تجارتی تعلقات اس قدر وسیع تھے اور اِس زمانۂ دراز تک قایم رہے تھے تو ہم خیال کر سکتے ہیں کہ عربستان اور علی الخصوص یمن کے بڑے بڑے شہر اُس زمانہ میں کیسے ہوں گے۔ اس وسیع تجارت کی بدولت وہ عیش و عشرت کی تمام ضرورتوں سے بخوبی واقف ہو گئے تھے اور مورخین یونانی و رومی و عرب کا اُن کے عظیم الشان شہروں کے عجائبات بیان کرنے میں یک زبان ہونا بخوبی سمجھ میں آتا ہے۔

لیکن اعراب جاہلیت کے تمدن کا جلوہ فقط یمن ہی میں نہیں تھا اور سلطنت حیرہ و غسان کے جو کچھ حالات مورخین قدیم نے لکھے ہیں اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان اعراب جاہلیت میں جو بہت جلد دائرہ اسلام میں آنیوالی تھی کس قدر ترقی کا مادہ موجود تھا۔ حیرہ کا ذکر تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ یہ ایسا مشہور شہر تھا کہ آراستگی اور خوبی میں دار السلطنت ایران اور قسطنطنیہ کا مقابلہ کرتا تھا۔ غسان کی سلطنت بھی ویسی ہی باوقعت تھی جیسی حیرہ کی۔ اسکی بنا ڈالنے والے عرب تھے جو یمن سے آئے تھے اور یہ سلطنت اوائل سنہ مسیحی میں قایم ہوئی تھی اور پانسو برس تک رہی تھی۔ آثار قدیمہ کی جدید تحقیقات نے اُن کی ترقی کی عظمت کو ثابت کر دیا ہے اور جو عمارات و ابنیہ اِس وقت کی حدود شام میں بصرہ کے قریب (جو اُن کا قدیم دار السلطنت تھا) نکلی ہیں وہ نہایت عظیم الشان اور سبائی کتبوں سے لسی ہوئی ہیں۔ ان عمارات کی طرز تعمیر رومیوں کی طرز سے بالکل علیحدہ ہے۔ اسی نواحی میں ایک سلسلہ نہروں کا نکلا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے باشندوں میں بڑے بڑے کاموں کو انجام دینے کی صلاحیت موجود تھی۔

یہ بھی لحاظ کے لایق ہے کہ حیرہ اور غسان میں عربوں کو ایرانیوں اور رومیوں سے سابقہ تھا اور اُنکے تمدن پر بلاشک ان اقوام کا اثر پڑا ہو گا۔ برخلاف اِس کے یمن کی ترقی بالکل رومیوں سے علیحدہ تھی اور یہاں خالصاً عربی تمدن تھا اور اسی وجہ سے عربوں کے پرانے تمدن کا پتہ زیادہ تر یمن میں ملسکتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ تحقیقات آثار قدیمہ ابھی یمن تک نہین پہنچی ہیں اور آج بھی یمن کے قدیم شہروں کی حالت سے ہم اُسی قدر ناواقف ہین جیسا کہ ہم چند سال قبل اسیریا کے اُن شہروں کی حالت سے ناواقف تھے جو اسوقت ریتی میں دبے ہوئے تھے۔ جہانتک ظاہری علامات سے استنباط ہو سکتا ہے یقین ہے کہ یمن میں آثار قدیمہ کی تلاش ضرور سرسبز ہوگی موسیو ہالوی جو چند سال قبل یمن کے ملک سے گذرے لیکن کسی مقام کو کھود نہ سکے لکھتے ہیں کہ اسوقت بھی اکثر عرب سونے اور چاندی کی اشیا ویرانوں میں پاتے ہیں اور خود اسسیاح کو حرم سے قریب صنعا کے پاس ہی پتھر کے ستون ملے ہیں جن پر قدیم کتبے کندہ تھے

اور نیز ایک سبائی عبادت گاہ کا دروازہ مسطح پتھر کا بنا ہوا ہے جس پر حیوانات اور نباتات کی صورتیں کندہ ہیں۔ موسیو شلمبر گر نے قسطنطنیہ میں ایک مجموعہ دو سو سکوں کا خریدا جو قدیم بادشاہان یمن کے سکے کچھ دنوں قبل مسیح کے ہیں۔ یہ سکے ایک عرب نے صنعا میں پائے تھے اور اس واقعہ سے پہلے یہ نہایت کم یاب تھے کیوں کہ کل یورپ کے عجائب خانوں میں دو یا تین سے زائد نہ تھے یہ سکے نہایت عجیب صورت کے ہیں۔ ایک طرف کسی بادشاہ کا چہرہ یک رخی بنا ہوا ہے سر پر تاج ہے اور بالوں کی لڑیں بالکل ویسی ہی ہیں جیسے خاندان ہکساس کے مصری سلاطین راعیہ کی جو حقیقت میں عربستان سے مصر گئے تھے اور مدتوں بادشاہ رہے تھے۔ موسیو میاریٹ کو اس خاندان کے بادشاہوں کی مورتیں ملی ہیں جو اسوقت بولاق کے عجائب خانہ میں موجود ہیں۔ سکے کے دوسری طرف ایک الّو کی تصویر ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان سکوں کا ماخذ وہ یونانی سکے ہیں جو اس وقت بحر متوسط کے اُن کل اقوام میں بکثرت پائے جاتے ہیں جن کے تجارتی تعلقات عربوں کے ساتھ تھے۔

یہ آثار قدیمہ جن کا ذکر اوپر ہوا ہے اگرچہ نا کافی ہیں لیکن اُن سے مورخین قدیم کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں عربستان میں ایک نمایاں تمدن تھا جو اب مفقود ہو گیا ہے لیکن منتظر وقت و موقع ہے۔ جو کچھ مختصر حالات ہمیں معلوم ہوسکے اُن سے ہم اتنا نتیجہ بالیقین نکال سکتے ہیں کہ جس قوم نے کئی صدی رومیوں کے ظہور سے پہلے بڑے بڑے شہروں کی بنا ڈالی اور دنیا کی بڑی اقوام کے ساتھ تجارتی تعلقات پیدا کیے اُس قوم کو ہم ہرگز وحشی اور غیر مہذب نہیں کہہ سکتے۔

زمانہ جاہلیت میں مختلف اقوام عرب کے مذاہب میں بہت کچھ اختلاف تھا لیکن ستاروں کی پرستش زیادہ تر رائج تھی جن اقوام کے ساتھ عربوں کے تجارتی تعلقات قایم ہو گئے تھے اُنھیں کے دیوتاؤں کو بھی اُنہوں نے اختیار کر لیا تھا اور اُن کی تعداد کسی طرح یونان و روم کے دیوتاؤں سے کم نہ تھی۔

اسیریا کے اُن کتبوں سے جو سات آٹھ سو سال قبل مسیح کے ہیں اور نیز اُن کتبوں سے جو صنعا میں نکلے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ قدیم الایام میں عرب متعدد خداؤں کو مانتے تھے اور اُن کے نام کی مورتیں بھی بنایا کرتے تھے۔ مثلاً اُس اسیری کتبہ کی جس میں اسارہڈن کا عربستان پر چڑھائی کر کے واپس آنا لکھا ہے یہ عبارت ہے۔

"عربستان کا بادشاہ بہت سے تحایف لیکر میرے دار السلطنت نینوی میں حاضر ہوا۔ اُس نے میرے پیر چومے اور التجا کی کہ میں اُس کے دیوتاؤں کو واپس کردوں۔ مجھے اُس کے حال پر افسوس آیا اور میں نے مورتوں کو مرمت کروایا اور اُن پر اپنے خدا اسور کی تعریف کندہ کرا کے و سکے بعد واپس کیا تبوعہ کو جو عرب کی شہزادی تھی اور میرے محل میں پلی تھی میں نے ملکہ بنا کر مع اُسکے دیوتاؤں کے اُسکے ملک کو واپس کیا۔"

اگرچہ پرستش متعدد دیوتاؤں کی تھی لیکن ایک معبود کا خیال بھی موجود تھا اور اسی خیال کو ترقی دینے کی بدولت حضرت رسالت مآب صلعم نے وہ اتحاد قومی پیدا کر دیا جس کا انہوں نے ارادہ کر لیا تھا۔ عربستان میں ایک عبادت گاہ تھی جس کا نام کعبہ تھا اور جس کی تعمیر از روے روایات حضرت ابراہیم نے کی تھی یہ کعبہ کل اقوام جزیرۃ العرب کی نظروں میں ایک متبرک مقام تھا اور بیت زمانے سے حج ہوا کرتا تھا حقیقت میں کعبہ عربستان کے دیوتاؤں کا مندر تھا اور حضرت رسالت مآب صلعم کے وقت میں اس کے اندر تین سو ساٹھ بت موجود تھے اور قبول اکثر مورخین عرب اور علی الخصوص حروی ان مورتوں میں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم کی مورتیں بھی تھیں۔ کل اقوام عرب کعبہ کی آرایش کو اپنا فخر سمجھتی تھیں اور یہودیوں کے نزدیک بھی یہ مقام نہایت متبرک تھا۔ کعبہ کی حفاظت قبیلہ قریش کے سپرد تھی اور اسی وجہ سے اس قبیلہ کا مذہبی وقار تمام ملک میں مانا جاتا تھا۔

بہت سے عرب جن میں سے ایک معتدبہ گروہ حضرت رسالت مآب صلعم کے زمانہ میں مذہب نصاریٰ یا یہود کا پابند تھا ایک ہی خدا کی پرستش کرتے تھے۔ یہ لوگ اپنے کو حنیف کہا کرتے تھے اور قرآن میں پیغمبر نے خود اپنے کو اس نام سے تعبیر کیا ہے یہ فرقہ نہ فقط ایک ہی خدا کا قایل تھا جو اسلام کا رکن عظیم ہے بلکہ یہ ایک دوسرے رکن اسلام کو بھی مانتا تھا یعنی یہ کہ انسان کو تسلیم ورضائے باری پر اُسی طرح عمل کرنا چاہیئے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرتے وقت کیا تھا۔ اسی لیئے آنحضرت قرآن میں فرماتے ہیں کہ مجھ سے پہلے ہی مسلمان آچکے ہیں۔

عربستان کے کل دیوتاؤں کے خانۂ کعبہ میں جمع ہوجانے نے اتحاد مذہبی کو ممکن کردیا تھا اور زبان کے اتحاد نے اسے اور بھی آسان کردیا۔ عربستان کے لیئے وہ وقت آگیا تھا جب کہ تمام ملک کے اعتقادات ایک ہوجائیں اور یہی وہ چیز تھی جسے حضرت پیغمبر نے سمجھ لیا تھا اور اسی کا سمجھ جانا اُن کی کامیابی کا باعث ہوا۔ بعوض ایک نئی مذہب قایم کرنے کے جیسا بعض وقت کہا جاتا ہے آنحضرت نے اِس کہنے پر اکتفا کی کہ جس خدا کو وہ جتا رہے ہیں وہ خود حضرت ابراہیم بانی خانہ کعبہ کا خدا ہے جسے تمام عرب مانتے ہیں جس وقت حضرت رسالت مآب صلعم مبعوث ہوئے ہیں ایک عام رجحان ملکی اور مذہبی اتحاد کی طرف پیدا ہوچکا تھا اور اُسکی علامتیں موجود تھیں۔ جس طرح سے رومی شاہنشاہوں کے وقت میں قدیم دیوتاؤں سے نفرت پیدا ہوچلی تھی اسی طرح عربستان میں بھی اسی قسم کی نفرت ظاہر ہوچکی تھی۔ پرانے اعتقادات کی حکومت اور پرانے بتوں کی عزت جاچکی تھی۔ یہ اعتقادات بہت پرانے ہوچکے تھے اور دیوتاؤں میں کچھ دم نہیں رہا تھا۔ فاضل موسیو لیبان کی رائے ختم ہوگئی۔ اب میں پھر اپنے اصلی مطالب کی طرف آتا ہوں اور محقق انگریزوں کی رائے نقل کرنے سے پہلے خود شریعت اور اُسکی حقیقت پر بحث کرتا ہوں جو خلاصہ ہے تمام شریعت اور کتب اسلامی کا اور جس سے بہتر خاکہ شریعت اسلامی کا نہیں اُتر سکتا۔

شریعت کی ماہیت اور حقیقت

اس بحث کو غور کے بعد پڑھنے سے کل مذہبی علوم اور تحقیقات کا پردہ اُٹھ جائیگا اور نفس اسلامی کی پوری کیفیت معلوم ہوجائیگی۔ وہ لطیف بحث یہ ہے۔ لفظ شریعت جس کے سیدھی معنے راستہ کے ہیں اِن ہی معنوں میں ایک جگہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ اسلامی علم آلٰہی کی کتابوں کو بھی شریعت کہتے ہیں اور کتاب کے معنوں میں لفظ شریعت کا استعمال کلام اللہ میں بھی ہوا ہے جہاں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے ،، ہر ایک کو ہمنے شریعت دی ہے۔

احادیث اور علم آلٰہی کی کتابوں میں لفظ الشرع عام طور پر قانون محمدی کے اظہار کے لیئے مستعمل ہوتا ہے قرآن مجید میں اسی لفظ کے ہم معنی تورات کا عبرانی لفظ آیا ہے جس کے معنے قانون موسوی کے ہیں یا جو قانون حضرت موسے کے لیئے استعمال ہوتا ہے علمائے اسلام کے مطابق الشرع یا قانون کے پانچ حصے ہیں (۱) اعتقاد (۲) آداب (۳) عبادات (۴) معاملات (۵) عقوبات۔

(۱) اعتقادات میں وہ چھ باتیں شامل ہیں جن پر دین اسلام قایم ہے یعنے (ا) خدا میں یقین (ب) اُسکے فرشتوں پر یقین (ت) اُسکی کتابوں میں (ث) اُسکے انبیا علیہم السلام پر (ج) قیامت کے دن پر (ح) تقدیر خدا پر اسلامی قانون میں اسے علم العقائد سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسمیں تمام تفسیری علم آلٰہی کی شاخیں شامل ہیں خاص اس مضمون پر موجودہ زمانے میں جو کتابیں زیادہ مشہور اور مروج ہیں یہ ہیں۔ شرح المواقف۔ مصنفہ سید شریف الدین جرجانی

شرح العقائد۔ مصنفہ مسعود سعد الدین تفتازانی۔
(۲) آداب میں تمام وہ تمدنی اور اخلاقی عمدگیاں شامل ہیں جنکا شاہد خود قرآن مجید اور احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے کہ اخلاص۔ توکل۔ تواضع۔ تفویض۔ قصرالاعمال۔ زہد فی الدنیا۔ نصیحۃ۔ قناعت۔ حب۔ صبر۔ دیکھو مجمع البحار جلد ۲ صفحہ ۲۲۴
(۳) عبادات اسمیں تمام وہ عبادتیں اور دعائیں شامل ہیں جو باریتعالیٰ سے تعلق رکھتی ہیں اور جسکے پانچ ارکان ہیں (ا) تلقین مذہب (ب) نماز (ت) زکوٰۃ (ث) صوم (ج) حج۔
(۴) معاملات میں وہ فرائض شامل ہیں جو باہمی ایک آدمی پر دوسرے آدمی کے ہیں اور انکی تین قسمیں ہیں۔ مخاصمات امانات ان ہی تین حصوں میں کل معاملات دنیوی بھگتائے جاتے ہیں مثلاً تبادلہ۔ خرید فروخت۔ ایجنسی۔ اشتراک سرقہ شادی۔ طلاق۔ مہر۔ دعوی وغیرہ۔
(۵) عقوبات میں وہ سزائیں شامل ہیں جو قرآن و حدیث کے موافق مجرموں کو دی جاتی ہیں۔ مثلاً قصاص۔ حدالسرقۃ حدالزنا۔ حدالقذف۔ حدالشرب۔ ان دو موخرالذکر حدوں میں اسّی درّوں کی سزا دیجاتی ہے۔
اسلامی شریعت کے دو عام حصّہ یہ ہیں۔ علم الکلام اور علم الفقہ۔
اسلامی شریعت اور بھی دو بڑے بڑے حصوں میں منقسم ہے ایک مشروع اور دوسرا غیرالمشروع جسے فارسی میں روا اور ناروا سے تعبیر کرسکتے ہیں۔
مشروع کی بھی پھر پانچ قسمیں ہیں (ا) فرض جو احکام قرآن و حدیث میں ہے انھیں بلا استکراہ اور بلا اشتباہ قبول کرنے اور انپر عمل کرنے کا نام فرض ہے اگر انمیں خفیف سا شبہ بھی ہو تو انسان دائرہ کفر میں آجاتا ہے (۲) واجب جو ضروری باتیں ہیں مگر یہ مشتبہ امر ہے آیا قرآن و حدیث کی تاکید کی گئی ہے یا نہیں (۳) سنت وہ اعمال ہیں جن کی مزاولت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رہتی تھی (۴) مستحب وہ اعمال ہیں جو نبی ہاشمی اور آپ کے صحابہ نے کبھی کئے اور کبھی نہیں کئے (۵) مباح جن پر عمل کرنا سزاوار ہے اگر نہ عمل کیا جائے تو کوئی گناہ نہیں ہے وہ باتیں جو غیرالمشروع ہیں انکی بھی تین قسمیں ہیں (ا) مفسد جو اعمال نہایت زبوں زہریلے اور قاتل ہیں (۲) حرام وہ اعمال جنہیں شد و مد سے روکا گیا ہے (۳) مکروہ وہ اعمال ہیں جو عام طور ناپاک سمجھے گئے ہیں۔
مشروع اور غیرالمشروع کے فرق مع اُن کے تمام حصوں کے اسلامی شریعت کے ساتھ چسپاں ہوتے ہیں چاہے انہیں انسانی معمولی زندگی کے فرائض کا ذکر ہو چاہے خدا کی عبادت کا بیان ہو۔
اخلاقی اور تمدنی قوانین میں دلچسپی سے دیکھا جائیگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک مقولوں اور اعمال کی۔ تین قسمیں ہیں جو زیادہ توجہ مبذول کرنے کے قابل ہیں۔
(ا) سنت فعلی۔ وہ کام جو نبی اکرم نے خود کئے۔
(۲) دوسرے سنت قولی۔ وہ باتیں جنکی تاکید نبی اکرم نے اپنی امت سے کی کہ اُنپر عمل کرنا۔
(۳) سنت تقریری۔ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کیا گیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ اُس کی پروانگی آپ نے دیدی

میرے خیال میں ان تمام باتوں اور ہدایتوں کا تعلق ترقی و تمدن اور اخلاق کے لئے ہے کیونکہ قرآن میں یہ بیان ہوچکا ہی کہ ہمنے آج (اے محمد) تیرے دین کی تکمیل کردی اور تجھپر اپنی نعمتوں کو تمام کرچکے۔ اصل دین جس سے غرض ہی وہ صرف قرآن سے حاصل ہوسکتا ہی جو باتیں اسمیں بیان کی ہیں سب عام فہم اور ہر متنفس کے سمجھنے کے لائق ہیں۔ ہاں صرف یہ قرآن کا بہت بڑا معجزہ ہی کہ کیسا ہی فاضل اجل قرآن پڑھیگا اُسے نئی نئی باریکیاں پیدا ہوتی جائینگی اور وہ وہ ربانی نکات حل کریگا کہ جو دوسرے کے کبھی سمجھ میں نہیں آسکتے۔ غرض قرآن مجید پڑھکے جو لذت کہ ایک جاہل کو حاصل ہوسکتی ہے وہی ایک بہت بڑے فاضل کو مل سکتی ہے۔

یہ بالکل صحیح ہی کہ ان تمام باتوں کا سرچشمہ قرآن و حدیث ہی جس نے احادیث نبویہ کو زیادہ وقعت کی نظر سے نہ دیکھا اسنے گویا نبی اکرم کی جناب میں بے ادبی کی۔ خدا اور نبی کے اقوال کے آگے تمام جہان کے فضلا کے قول اتنی وقعت بھی نہیں رکھتے جتنی کوہ ہمالیہ کے آگے اپنی جسامت کے لحاظ سے ایک چیونٹی رکھتی ہے اسی لئے فرض اور سنت کا ترک کرنے والا گنہگاری سے نہیں بچ سکتا۔

قرآن و حدیث کے ساتھ اجماع بھی شریک کیا جاتا ہی اس میں مسلمان باہم مختلف ہیں مقلدین کا تو یہ مذہب ہی کہ چار مجتہدوں (مثلاً امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ شافعی۔ حنبل) سے اجماع شروع ہوا اور ان ہی پر ختم ہوچکا اس کے مقابل میں اہل حدیث کا یہ مذہب ہی کہ خلفائے راشدین کے بعد اجماع کبھی نہیں ہوسکتا۔

میرا خیال ہی کہ باہمی غلط فہمی صرف تاریخ سے لاعلمی کی وجہ ہی۔ یہ سخت خیرہ چشمی اور اسلام کے ساتھ نار و اسو ادبی ہے کہ ہم اُسکا علمی جلال جس نے یورپ کی سترہ صدی تک آنکھیں منور کیں صرف چار نفوس میں محدود کریں۔

ایں خیالست و محالست و جنوں

اگر ہم اسلامی دنیا کی تاریخ علما دیکھینگے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ایمہ موصوف سے کہیں زیادہ فاضل اور عالم امام ہر صدی میں ہوئے اور کسی نہ کسی اسلامی دارالعلوم کے پروفیسر رہ چکے ہیں انکی کیفیت ہماری کتاب المحمد کی دوسری جلد میں مل سکتی ہی۔ اہل حدیث کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہی کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال پرتنویر سے اپنی آنکھیں منور نہیں کیں وہ کبھی اس قابل نہیں ہے کہ اجماع کی مسند پر جلوہ فرما ہو۔

اجماع کی تین بنیادیں ہیں (۱) اتفاق القول (۲) اتفاق الفعل (۳) اتفاق السکوت۔ میں یہ کہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں جنکا تعلق کچھ بھی مذہب سے ہی صحابائے راشدین ہی کا اجماع قابل تسلیم ہوسکتا ہے اور تمام استنباطی دینی یا تمدنی مسائل میں ہر پڑھا لکھا شخص مجتہد وقت ہی چنانچہ میں مولوی اسمعیل کو مجتہد وقت لکھتا ہوں جسکا ثبوت کسی آیندہ باب میں تفصیل کے ساتھ کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

بہ دلچسپی سے دیکھا جاتا ہی کہ مجتہدوں میں ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے اور وہ اختلافات کچھ تو قیاسات کی وجہ سے ہی اور کچھ حدیثوں کا اختلاف سے پہنچنا اس کا سبب ہوا ہی۔ دو چار دس پانچ میں نہیں بلکہ صدہا مجتہدوں میں باہم اختلاف ہی ایسی حالت میں ہر شخص یہ حکم لگا سکتا ہے کہ ایک صحیح اور دوسرا خطا پر ہوگا پھر میں حیران ہوں کہ ان بدیہی اور روشن باتوں اور شہادتوں پر بھی ایک ہی مجتہد پر قناعت کرلی یا چار مجتہدوں کے علاوہ اور مجتہدوں کا قول قابل تسلیم

نہ سمجھنا کتنا ظلم اور بے انصافی ہے۔
وہ خاص خاص قیمتی کتابیں جن پر مقلدین کا دارومدار ہے مفصلہ ذیل ہیں۔ جامع المذاہب۔ مجمع الخلافیات۔ نیابۃ الاحکام عیون۔ زبدۃ الاحکام۔ کنز الدقایق۔ جو ایک بڑی مشہور و معروف کتاب ہے خصوصیت سے اس کے بہت سے مسائل وافی سے استنباط کئے گئے ہیں اس میں امام اعظم ابو حنیفہ ابو یوسف۔ امام محمد۔ شافعی مالک وغیرہ کے اصول مذہب کے مطابق سوالات اور فیصلے کئے گئے ہیں بہت سی شرحیں موخر الذکر کتاب پر لکھی گئی ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں بحر الرائق مصنفہ زین العابدین بن نجیم المصری (۹۷۰ھ) دوسری ملتقی الابحار مصنفہ شیخ ابراہیم محمد الحلبی السکبی وفات ۹۵۶ھ ہجری میں ہوئی یہ اسلامی قانون کا عالمگیر مجموعہ ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر چاروں بڑے مجتہدوں کے اختلافات مسائل بیان ہوئے ہیں ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ جھگڑے ان تمدنی معاملات میں جن پر پڑھا لکھا آدمی بحث کر سکتا ہے اور وہ قدح کرنیکا مجاز ہے۔ بہ نسبت اور فقہ کی کتابوں کے سلطنت ترکی میں یہ کتاب زیادہ مستند مانی جاتی ہے۔ اسلئے کہ اسکے احکام زیادہ تر وہاں کی آب و ہوا کے مطابق ہوں گے فقہ کی بیشمار کتابیں ہیں جن میں سے اکثر کا نام ہندوستان کے علما کے کان تک نہ پہنچا ہوگا وہ کتابیں جو چار مجتہدوں کے مذہبی اصول پر لکھی گئی ہیں بیشمار ہیں اگرچہ ان میں سے چند کتابیں جن میں مالکی شافعی حنبلی اصول کی توضیح اور بیان ہے ہندوستان میں رائج ہیں وہ کتابیں جو امام مالک نے لکھی ہیں ہندوستان میں ڈھونڈے سے بھی انکا پتہ نہیں لگتا۔
امام مالک کے فقہ کی دو کتابیں بہت دن ہوئے فرانس میں ملی تھیں ایک کتاب بڑی عرق ریزی سے ایم ونسنٹ نے ۱۸۴۲ء میں حاصل کی تھی اور دوسری کتاب ایم پیرن کے ۱۸۴۳ء میں ہاتھ لگی تھی۔
مذہب شافعی کی پہلی کتاب اصول نامی جس میں اسلامی عقائد اور ملکی آئین کے متعلقہ قوانین ہیں ایک مستند کتاب سمجھی جا سکتی ہے۔ اور منصور۔ مختصر۔ رسائل المعتبرہ۔ کتاب الوثائق۔ یہ کل کتابیں شافعی فقہ میں ہیں انکا فاضل مصنف ابو ابراہیم بن یحیٰ باشندہ مصر تھا (۲۶۴ھ) اور ابن حنبل اور آپکے مقلدوں کی مصنفہ کتابیں بہت کم تعداد کی ہیں اور نادر الوجود ہیں۔
امام ابو حنیفہ صاحب کے مقلد جنکی تعداد ہندوستان میں سب سے زیادہ ہے دوسرے مذاہب کی طرح اپنے منضبط قوانین کو دو حصوں یا دو شاخوں میں تقسیم کرتے ہیں یعنے فقہ اور فرائض میں۔
وہ کتابیں جو فقہ حنفی پر تحریر ہوئی ہیں اور جو حنفی مذہب میں زیادہ مستند مانی جاتی ہیں مفصلہ ذیل ہیں
پہلی کتاب امام ابو حنیفہ کی خود تصنیف سے بیان کیجاتی ہے جسکا نام فقہ الاکبر ہے اس کتاب پر متعدد شرحیں لکھی گئیں اور مختلف مصنفوں نے اسپر اپنا زور قلم دکھایا ہے جن میں سے اکثر مصنفوں کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے اس عظیم الشان مقنن قوانین کے اصول اسکے مشہور و معروف شاگرد ابو یوسف اور امام محمد کے ذریعہ سے بھی بہت کچھ معلوم ہوئے ہیں۔ آداب القاضی نامی کتاب جس میں مجسٹریٹ کے فرائض سے بحث کی گئی ہے مشہور ہے کہ ابو یوسف نے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے۔ سوائے اس کتاب کے ابو یوسف کی اور کسی کتاب کا پتہ نہیں لگتا غالباً اُنہوں نے اس کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں تصنیف کی ہاں یہ بیان کیا جاتا ہے۔ امام محمد نے چھ کتابیں تحریر کی ہیں جن میں پانچ عام طور پر اشاعت پذیر ہیں اور جنہیں ظاہر الروایات

کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) جامع الکبیر (۲) جامع الصغیر (۳) مبسوط الحنیفیہ (۴) زیادات فی فروض الحنیفیۃ (۵) سیر الکبیر والصغیر نوادر امام محمد کی چھٹی کتاب اگرچہ اس وقعت کی نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی جیسے اور پانچ مذکور الصدر کتابیں پھر بھی یہ دیکھا گیا ہے کہ اسے بڑے بڑے علمائے مستند تسلیم کر لیا ہے اور نفس کتاب کی عمدگی میں بھی کوئی شک نہیں۔

جب مذہب حنفیہ کی بنیاد پڑیں تو حضرت امام اعظم کے دو واجب الاحترام شاگردوں کے بعد اور بھی دو فضلا کا ظہور ہوا جنہیں اپنے وقت کا مجتہد کہنا چاہئے۔ اول امام زفر جو بصرہ کے قاضی القضاۃ تھے اور جن کی وفات ۱۵۸ھ ہجری میں اسی شہر میں ہوگئی اور دوم حسن بن زیاد تھے۔ بیان کیا گیا ہے کہ یہ دونو فضلا امام اعظم صاحب کے ہمعصر تھے انکی قیمتی تصانیف کی ان مسائل میں جن میں صاحبین خاموش ہیں سند دیجاتی ہے اور انکے مضامین بطور اعتبار کے کوٹ کئے جاتے ہیں۔ ان مشہور کتابوں میں سے جو آداب القاضی کے نام سے لکھی گئی ہیں اور سب سے زیادہ معتبر اور مشہور ابو بکر احمد بن عمر (۲۶۱ھ) کی کتاب آداب القاضی ہے۔ حنیفیہ کے اصول کا اختصار جس کتاب میں نہایت عمدہ طور سے ہوا ہے اس کا نام مختصر الطحاوی ہے (۳۲۱ھ) میں اس کتاب کو ابو حنیفہ احمد بن محمد الطحاوی نے لکھا تھا اور اسی فاضل امام نے امام محمد کی کتاب جامع الصغیر پر بھی ایک نفیس شرح لکھی ہے۔

جس نے ان تصانیف کو دیکھا ہے وہ بیان کر سکتا ہے کہ گو ان مذکور الصدر مصنفوں نے امام اعظم صاحب کے اصول کو نبھایا ہے۔ اور بہت شد و مد سے انکی تائید کی مگر جہاں اجتہاد میں خطا دیکھی ہے کھلم کھلا اپنی رائے دینے میں دلیری کی ہے اور کہیں یہ نقشہ نہیں دیکھا کہ تقلید کی ہیبت ناک رسی اپنے گلے میں ڈال کے خاموش ہو رہے ہوں اور ایسے مسائل پر جن میں صریح طور پر خطا کا احتمال ہو سکتا ہے یا غلطی پائی جاتی ہے دیدہ و دانستہ وہاں سکوت اختیار کر کے حق سے چشم پوشی کی ہو۔ جیسا کہ اس نقشہ ہمارے معزز احناف کا قاعدہ ہے کہ وہ ضرور ہی حق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور یہی پالیسی ان کی مایہ افتخار ہے۔

مختصر القدوری مصنفہ ابو الحسن احمد بن محمد القدوری (۴۲۲ھ ہجری) ایک اور بھی حنیفیہ فقہ کی لاجواب اور قیمتی کتاب ہے جس کی اب اعلیٰ درجہ کی عزت کیجاتی ہے۔ اس کتاب پر ایک بہت قیمتی شرح بھی لکھی ہے جسے الجواہر المنیرہ کہتے ہیں۔ ایک اور مشہور کتاب مبسوط ہے جسے شمس الائمہ ابو بکر محمد نے قید خانہ میں تالیف کیا ہے۔ حنفیہ مذہب میں یہ کتاب بھی مستند مانی جاتی ہے۔ مصنف موصوف اور بھی ایک مشہور کتاب کا مصنف تھا جو۔ المحیط۔ کے نام سے مشہور ہے اس قیمتی کتاب میں بہت سے مضامین۔ مبسوط۔ زیادات اور امام محمد کی نوادر سے لئے گئے ہیں اسی نام کی ایک کتاب برہان الدین بن احمد نے لکھی ہے مگر وہ مقدم الذکر محیط سے زیادہ وقعت اور تعظیم کی نگاہوں سے نہیں دیکھی جاتی۔ القدوری۔ مختصر کا خلاصہ جس کا نام تحفۃ الفقہا ہے ایک عجیب کتاب ہے جس کا مصنف شیخ علاؤ الدین محمد سمرقندی ہے اور پھر بعد ازاں اسی کتاب کی علاؤ الدین کے شاگرد ابو بکر بن مسعود نے شرح لکھی ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جو حکیمانہ اور علم آلہی کے مضامین پر تحریر ہوئی ہیں جن کا نام ھدایہ فی الفروع یا امام ابو حنیفہ اور آپکے شاگرد ابو یوسف اور امام محمد کے اصول فقہی کی طرف رہنمائی کرنیوالا اس کتاب کا مصنف شیخ برہان الدین علی ہے (۵۹۳ھ) جس کی شہرت اور علمی ناموری نے اس کے ہمعصروں میں اسی ممتاز بنا دیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا فقیہ مشہور تھا۔ ھدایہ دراصل بدایۃ المبتدی کی شرح ہے جو حنفی مذہب کی جان ہے ہدایہ کی نسبت حاجی خلیفہ یہ لکھتا ہے "ھدایہ نے اپنی سابق کی فقہی کتابوں کو اسطرح منسوخ کر دیا جس طرح قرآن نے نازل ہو کے گذشتہ انبیا کی کتابوں کو منسوخ کر دیا ہر شخص کا فرض ہے کہ اس کے فقہی قواعد کو یاد کرے کیونکہ زندگی میں بھی قواعد اس کی رہنمائی کریں گے"

عنایہ۔ ھدایہ کی دو شرحوں کا نام رکھا گیا ہی ایک شرح کا مصنف شیخ کمال الدین محمد بن محمود ہوا ہے جسکی وفات ۷۸۶ھ ہجری میں ہوئی یہ شرح نہایت فائدہ مند اور قابل مدح ہی۔ اس شرح میں ان کتابوں اور ان اشاروں کی تشریح کی ہی جو ھدایہ میں آئے ہیں اور ان اسرار کو کھولا ہے جنھیں ہدایہ والا مضمر رکھ گیا ہی ہر فقرہ اور جملہ کی اس عمدگی سے توضیح ہی کہ شارح کی خود بخود تعریف کرنے کو جی چاہتا ہی۔ اصل میں عنایہ بجائے خود ایک کتاب ہی جس میں اکثر ہدایہ کے مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

شرح نہایہ حسام الدین حسین بن علی کی تصنیف سے ہی جسکی نسبت بیان کیا جاتا ہی کہ یہ برہان الدین کا شاگرد تھا۔ یہ پہلی شرح ہی جو ہدایہ پر لکھی ہے اس میں قانون وراثت بھی شامل ہی جو صرف فقہ سکھاتی ہے۔ شرح کفایہ امام الدین امیر کاتب ابن امیر عمر کی تصنیف سے ہی جو اس شرح سے پہلے ایک اور کتاب غایۃ البیان لکھ چکا تھا ان دونوں کتابوں سے مصنف کی شان معلوم ہوتی ہے ۷۴۷ھ میں کفایہ کی تکمیل ہوئی فتح الکبیر للعاجز الفقیر مصنفہ کمال الدین محمد جسے عام طور پر ابن ہمام کہتے ہیں اور جسکی وفات ۸۶۱ھ میں ہوئی ایک بے نظیر شرح ہدایہ کی ہے اور جسکو کل شرحوں میں دلہن کہنا زیبا ہے۔ اس میں ایک مجموعہ فیصلجات کا بھی شامل ہے جس نے اور بھی اسے سب سے زیادہ فائدہ مند ثابت کیا ہی۔

ہدایہ کی بہت چھوٹی شرح فوائد ناعی حمید الدین علی نجاری کی تصنیف سے ہی جسکی وفات ۶۶۷ھ میں ہوئی بیان کیا جاتا ہے وہ پہلی شرح ہے جو ہدایہ پر لکھی گئی ہے۔

شرح وافی مصنفہ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد جسے عام طور حافظ الدین نسفی کہتے ہیں ایک مستند کتاب اور کافی جو وافی کی شرح ہے وہ بھی ایک قابل دید کتاب ہی نسفی کا ۷۱۰ھ میں انتقال ہوا تھا۔

الوقایہ جو ساتویں صدی ہجری کی تصنیف ہی ایک اصولی کتاب جو طالب علم کو اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ ہدایہ کے مطالب پر پورا عبور حاصل کرلے اسکا فاضل مصنف برھان الشریعۃ محمود ہی جسکی لاثانی قابلیت از خود ناظر کی نگاہ میں اس کی اعلیٰ درجہ کی وقعت قایم کرتی ہے۔ وقایہ کی بہت کثرت سے اسکی شرح شرح الوقایہ کے ساتھ تعلیم ہوتی ہے اور عام طور پر پڑھا جاتا ہے شرح الوقایہ کا مصنف عبید اللہ بن مسعود تھا جس کا ۷۴۵ھ میں انتقال ہوا شرح وقایہ میں وقایہ کا متن ایک بھڑکیلی توضیح اور تفصیلی بیان کے ساتھ شامل ہے اس درجہ پر اسکی عمدگی مانی گئی ہی کہ فقہی مدارس میں شرح وقایہ کے وہ باب جنمیں نکاح مہر طلاق کا بیان ہی خود ھدایہ سے بھی افضل شمار کرکے پڑھائی جاتی ہیں۔ وقایہ کی اور بھی بہت سی شرحیں ہیں مگر وہ ایسی مفید نہیں ہیں جیسے مذکور الصدر شرح شرح وقایہ پر بھی ایک شرح لکھی ہوئی ہے جسے چلپی کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ ایک عمدہ اور فائدہ مند شرح ہی اسکا مصنف ابی یوسف بن جنید ہوا ہے جو قسطنطنیہ کے آٹھوں پروفیسروں میں سے تھا۔ یہ کتاب ۸۹۱ھ میں طبع ہوئی تھی اس کے بعد پھر اس کے خلاصی مختلف مطابع میں شایع ہو گئے۔

شرح الوقایہ کے مصنف کی دوسری کتاب نقایہ ہی۔ یہ بھی ایک اصولی کتاب ہی بعض وقت اسے مختصر الوقایہ بھی کہتے ہیں۔ اصل میں یہ نام اس کتاب کے لئے موزوں بھی ہے کیونکہ اس میں صرف شرح وقایہ کا خلاصہ درج کیا ہی نقایہ پر تین شرحین بہت نایاب اور اعلیٰ درجہ کی لکھی گئی ہیں گو اور بہت سی ہیں مگر یہی تین زیادہ مشہور ہیں جن کے فاضل مصنف مفصلہ ذیل ہیں۔ ابو المکارم بن عبد اللہ (۹۰۷ھ ہجری) دوسرے ابو علی بن عبد البرجندی (۹۳۵ھ) تیسرے شمس الدین محمد الخراسانی الکوہستانی ۹۴۱ھ آخری شرح کا نام جامع الرموز ہے جو بالکل کامل اور صاف ہے اور جسے ہم فقہ کی فائدہ مند کتاب کہہ سکتے ہیں۔

الاشباہ والنظائر ایک مشہور و معروف اصولی کتاب ہی۔ اُسکی تدوین زین الدین مصنف بحرالرائق نے جس کا ذکر بھی ہو چکا ہے کی تھی۔ حاجی خلیفہ اس کتاب کی بہت ہی تعریف کرتا ہی اور کتنے ہی ضمیموں کا نام گنا تا ہی جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے اور اسمین شامل ہوتے گئے وہ شرحیں جو اس کتاب پر لکھی گئی ہیں ذیل میں درج ہیں۔

نور الانوار فی شرح المنار مصنفہ شیخ جیون ابن ابو سعید مکی ۱۸۱۹ء میں کلکتہ میں طبع ہوئی اور عام طور پر مستند مانی جاتی ہی۔ دوسری شرح الاصول الشاشی ہی جسے ایک تفصیلی یا توضیحی شرح کہنا چاہیئے ۱۸۴۷ء دہلی میں یہ کتاب طبع ہوئی تھی۔ تنویر الابصار مصنفہ شیخ شمس الدین محمد بن عبداللہ الغازی (۹۹۵ہ ہجری) ایک مفید اور مشہور کتاب فقہ حنفی کی ہے اس نایاب کتاب کی بھی بیشمار شرحیں ہیں جن میں سے ایک شرح کا نام منہل الغفار ہے جو خود مصنف کتاب کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ بھی ایک عمدہ اور قابل تعریف کتاب ہی۔

در المختار جو دوسری شرح تنویر الابصار کی ہی نہایت ہی مشہور کتاب ہی محمد علاؤ الدین بن شیخ علی نے ۱۰۷۱ہ ہجری میں اس کتاب کو لکھا تھا گو یوں تو یہ ایک شرح ہے ولیکن بجائے خود یہ ایک مستقل کتاب ہی اور جسپر خود کئی شرحیں تحریر ہو چکی ہیں درالمختار میں نہ صرف فقہ ہی کا بیان ہی بلکہ اس میں فرائض سے بھی بحث کی ہی جہاں ابو حنیفہ کے مقلدین آباد ہیں وہاں اس کتاب کی اشاعت ہو رہی اور عرب میں تو کچھ کہنا ہی نہیں جہاں اس کی حد سے زیادہ عزت کیجاتی ہے اور بہ نسبت اور فقہ کی کتابوں کے اکثر موقع پر اسی کے حوالے دیے جاتے ہیں جتنی کتابیں ہمنے اوپر بیان کیں انکا رواج زیادہ تر ہندوستان میں ہی گو اور ممالک پر مثل عراق عرب اور عراق عجم کے بھی درس تدریس میں پائی جاتی ہیں۔ سلطنت ترکی میں اِن کے علاوہ فقہ حنفی کی جو کتابیں رائج ہیں اور جن سے کم و بیش ہمارے ہندوستانی علما عموماً اور ہمارے واجب الاحترام احناف خصوصاً ناواقف ہوں گے اُنکو میں مفصل بیان کرتا ہوں تاکہ فقہ حنفی پر آزادانہ اور منصفانہ ریمارک کرنے کا اچھے موقع ملے۔ اور ہمارے بھائی مسلمان بھی (صرف اُن سے مطلب ہے جو نہیں جانتے) ان سے پوری واقفیت حاصل کرلیں سب سے زیادہ مشہور کتابیں فقہ حنفی کی جو سلطنت ترکی میں بطور ایک سند کے مانی جاتی ہیں یہ ہیں۔

ملتقی الابحار مصنفہ شیخ ابراہیم بن محمد حلبی۔ دوم درالحکام مصنفہ ملا خسرو۔ سوم قانون نامہ جزا یہ تین کتابیں جنکا عملدرآمد ترکی سلطنت میں ہوتا ہے ناظر کو تعجب ہوگا امام اعظم کا ایک مذہب ہی قریب قریب اصول فقہی ایک۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان میں اور کتاب رائج ہو اور ترکی ایشیا میں دوسری کتاب۔ اور ترکی یورپ میں تیسری نوعیت کی کتاب مگر جب وہ بغور دیکھیگا اُسے معلوم ہوجائیگا کہ فقہ دراصل دیوانی فوجداری اور زیادہ تر تمدنی امور کے قواعد منضبط کو کہتے ہیں جو بمقتضائے آب و ہوا اور طبایع کی تدوین کئے جاتے ہیں اور جب اُنکا زمانہ ختم ہوجاتا ہے پھر انکی جگہ دوسرے قواعد منضبط کرنے یا نئے فقہ کی تدوین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یہی وجہ ہی کہ مختلف ممالک میں فقہ حنفی کی مختلف کتابیں رائج ہیں اور ان میں اُن کتابوں میں جو ہندوستان میں پڑھی جاتی ہیں بہت سے مسائل میں اختلاف ہی۔

دو کتابیں جو وراثت کے معاملہ میں اصول حنفی کے موافق لکھی گئی ہیں ان میں سے سب سے زیادہ مشہور اور ہندوستان میں سب سے زیادہ رائج سراجیہ ہے جسے فرائض سجاوندی بھی کہتے ہیں اس کا فاضل مصنف سراج الدین محمد بن عبدالرشید سجاوندی ہوا ہے۔ مختلف مصنفوں نے اس کتاب کی شرح لکھی ہی چالیس نام تو کشف الظنون والے نے بھی گنوائے ہیں۔ مگر

سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ کارآمد شرحوں میں شرح شریف ہی جسے سید شریف علی بن محمد جرجانی نے تصنیف کیا تھا جسکی وفات ۸۱۴ھ ہجری میں ہوئی۔

دوسری نوعیت کی بھی کتابیں ہیں جن میں علم الفتاوی سے بحث کی گئی ہے اس علم کی کتابیں بھی بیشمار ہیں اور انکا بہت سا حصہ فتاوی ہی کے نام سے مشہور ہے گو فتاوی کے نام کے ساتھ اُنہیں خصوصیت ہی پھر بھی فقہی قواعد فیصلجات کے ساتھ انہیں خوب شرح و بسط سے منضبط کئے گئے ہیں ان سے بعض صرف فقہ ہی کی تعلیم کرتے ہیں اور بعض فرائض۔ وراثت کے قواعد سکھاتے ہیں بعض میں خاص خاص فقیہوں کے خاص خاص فتوی درج پائے جاتے ہیں بعض میں مختلف مذہب کے اصول پر خوب شرح و بسط سے بحث کی گئی ہے اور بعض میں خاص خاص فقیہوں کی رائے کے سوا اور کچھ نہیں ہی۔

حنفی فتاوے جو ہندوستان میں عام طور پر رائج ہیں مفصلہ ذیل ہیں۔

خلاصۃ الفتاوی مصنف امام افتخار الدین طاہر بن احمد البخاری جس کی وفات ۵۴۲ھ ہجری میں ہوئی یہ مستند فتاووں کا خلاصہ ہے **ذخیرۃ الفتاوی** اسی کو بعض اوقات **ذخیرۃ البرھانیہ** کہتے ہیں مصنفہ برہان الدین بخاری مصنف **محیط البرھانی** یہ بھی ایک مشہور اور مستند کتاب ہی اگرچہ اتنی بڑی تو نہیں ہی پھر بھی اس میں اعلیٰ درجہ کے فتووں کا ذخیرہ پایا جاتا ہی اور اس کا بہت سا حصہ محیط سے لیا گیا ہے۔

فتاوی قاضی خان مصنفہ امام فخرالدین حسن بن منصور فرغانی جسے عام طور پر قاضی خاں کہتے ہیں جس کی وفات ۵۹۲ھ میں ہوئی یہ کتاب نہایت مستند اور بڑے پایہ کی گنی جاتی ہے۔ یہ عام واقعات کے مقدمات سے لبریز ہے اور اسی لئے یہ بڑی علمی سودمندی کی صفت رکھتی ہے جو بات اس میں خاص ہے وہ یہ ہے کہ جس بنا پر فتوی دیے گئے ہیں اُنہیں بدلائل ثابت کیا ہی اور خوب زور و شور سے اسپر بحث کی ہے۔

جامع الفصولین اس میں دو کتابیں شامل ہیں اس کا مصنف بدرالدین محمد ہے جس کی شہرت ابن القاضی کے نام سے ہے (۸۲۳ھ ہجری) یہ کتاب کچھ بہت شہرت کی نہیں ہے گو عام طور پر لوگ دیکھتے ہوں۔

فتاوی الظاہر یہ جس کا بہت سا حصہ خزانۃ الواقعیہ سے اخذ کیا گیا ہے ظہیرالدین ابوبکر محمد بن احمد بخاری کی تصنیف سے ہے (۶۱۹ھ ہجری)

کنیۃ المنیہ مصنفہ مختار بن محمود بن محمد الزاہدی الملقب بہ نجم الدین جس کی وفات ۶۵۸ھ ہجری میں ہوئی یہ کتاب جسقدر مشہور ہی اُسی قدر زیادہ مسلم ہے۔

نوروی مصنف بیاگرافیکل ڈکشنری (لغات سوانح عمری) یا **تھذیب الاسماء** نے جس کی وفات ۶۷۷ھ ہجری میں ہوئی ایک چھوٹی سی کتاب اسی مضمون فتاوی میں تصنیف کی ہے جس کا نام **عیون المسائل المھمہ** ہے سوال و جواب کے طور پر اس کی ترتیب دی ہے۔

خزانۃ المفتیان مصنفہ امام حسین بن محمد جس نے ۷۴۰ھ ہجری میں اپنی اس بیش بہا کتاب کی تکمیل کی اسمیں فتاووں کا بڑا مجموعہ شامل ہی ہندوستان میں یہ کتاب بہت مستند نہیں تسلیم کیجاتی۔

خزانۃ الفتاوی مصنفہ احمد بن محمد ابوبکر حنفی جو آٹھویں صدی ہجری کے اختتام پر تیار ہوئی اس میں نادرالوجود فتاوے ہیں۔

تاتارخانیہ مصنفہ امام عالم یہ کتاب کئی جلدوں میں تمام ہوئی اور اسمیں فتووں کا ایک عظیم الشان مجموعہ پایا جاتا ہے اس نایاب کتاب کا بہت سا حصہ محیط البرہانی اور ذخیرہ سے اخذ کیا گیا ہے۔

فتاوی اهل سمرقندی اس کتاب میں علمائے سمرقند کے فتاوی جمع کئے گئے ہیں یہ وہ عالم ہے جس کا ذکر فتاوے تارتاخانیہ اور جامع الفصولین میں ہر جگہ مع ان فتووں کے آیا ہے۔

فتاوی زینیہ مصنفہ زین الدین ابراہیم بن نجیم المصری مصنف بحرالرائق والاشباہ والنظائر ۹۷۰ھ ہجری میں اسکے بیٹے احمد نے ان کتابوں کی ترتیب دی۔

فتاوی الکوری مصنفہ شیخ الاسلام محمد بن حسین جس کی وفات ۸۱۰ھ ہجری میں ہوئی یہ کتاب مشہور اور مستند ہے۔

فتاوی حمیدیہ گو یہ کتاب موجودہ زمانہ کی مصنفہ ہے پھر بھی بڑے پایہ کی کتاب ہے۔

فتاوی المحمدیہ یہ اُن فتووں کا مجموعہ ہے جو سلطان ٹیپو کے حکم سے میسور کے علمانے فارسی میں جمع کئے تھے اس کتاب میں تین سو تیرہ باب ہیں۔

مسٹر ہرنگٹن اپنے تجزیہ جلد ا میں اور بھی چند فتاوی کا ذکر کرتے ہیں جو مفصلہ ذیل ہیں۔

(۱) فتاوی بزازیہ (۲) فتاوی نقشبندیہ (۳) مختار الفتاوی (۴) فتاوی کرخانی

آخرالذکر کی فارسی زبان میں تدوین ہوئی جس کا مصنف صدرالدین بن یعقوب ہے اس کی وفات کے چند سال کے بعد کراخان نے اس کی ترتیب سلطان علاؤالدین کی سلطنت میں دی تھی۔

اب اُن فتوے کا ذکر کیا جاتا ہے جو حنفی اصول زمانہ حال کے مطابق قسطنطنیہ میں رائج ہیں اور خصوصیت سے ان ہی پر عمل درآمد ہوتا ہے۔ وہو ہذا۔

کتاب فی الفقہ القلدوسی مصنفہ حافظ محمد احمد قدوسی (۱۲۲۶ھ ہجری میں۔

فتاوی عبدالرحیم آفندی یہ ایک نایاب مجموعہ جمنٹ کا ہے جو مختلف اوقات میں سلطنت ترکی میں اشاعت ہوچکا ہے اس کی ترتیب مفتی عبدالرحیم نے دی تھی یہ ۱۸۲۷ء میں طبع ہوا تھا

جامع الاجارات ایک مجموعہ فتاوی کا ہے جسمیں صرف زراعت کے قواعد سے بحث ہوئی ہے اور اس معاوضہ وغیرہ کا بیان ہے جو اسامی زمیندار کو دیتا ہے۔ محمد عارف نے اس کتاب کو تصنیف کیا اور ۱۸۳۶ء میں یہ طبع ہوئی۔

ایک مجموعہ فتاوی کا پٹہ واری کے متعلق ۱۸۳۵ء میں قسطنطنیہ میں ایم ڈی ایڈلبرگ نے شایع کیا تھا اس میں کتاب ملتقی کے مطابق فقہ کے اصول قایم کئے گئے ہیں۔

دہ فتاوی جن میں فقہ اور فرائض دونوں ہی باتیں پائی جاتی ہیں صرف دو ہی زیادہ ہندوستان میں مشہور ہیں یہ فتاوی سراجیہ اور فتاوی عالمگیری ہیں۔

فتاوی سراجیہ میں صرف ایک بات نئی ہے کہ اس میں جو خاص فتووں کا مجموعہ ہے وہ اور دوسری کتابوں میں نہیں پا جاتا فتاوی عالمگیری میں بیشمار قانونی مقدمات کا بیان ہے۔ یہ کتاب اپنی کثیر المعنی اور قلیل اللفظ فطرۃ میں قریب قریب ہر مقدمہ کے ساتھ جسکی بنا حنفی اصول پر رکھی گئی ہے چسپاں ہوتی ہے اگرچہ مؤخرین فقہا کی آرائے کی قیمت متقدمین فقہوا

سے زیادہ نہیں ہوسکتی پھر بھی اپنی لاثانی نوعیت سے اس نے ہندوستان میں اپنے کو محترم بنادیا ہی جس کے نام سے یہ پکاری جاتی ہے وہ شہنشاہ اورنگ زیب ہی جس کا علم وفضل میں ثانی مغلیہ خاندان میں کوئی نہیں ہوا۔

اس نوعیت کی جتنی کتابیں ہندوستان میں رائج ہیں سب میں یہی کتاب عام طور پر زیادہ پسندیدہ ہی ہندوستان کی طولانی سلطنت اسلامیہ میں صرف زیب النسا نے فتاوی عالمگیری کا ترجمہ فارسی میں کرایا تھا یہ وہ زیب النسا ہی جو اپنے باپ اورنگ زیب کی بہت پیاری تھی اور علم ادب میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی جب حکومت مغلیہ کا دورہ ختم ہوا اور شیر انگلستان کا پھریرہ ہند کے جگر میں فرّاٹے بھرنے لگا تو کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی کونسل کے حکم سے فتاوی عالمگیری سے دو کتابوں جنایہ اور حدود کا ترجمہ فارسی میں قاضی القضاۃ محمد نجم الدین خاں نے کیا اور ۱۸۱۳ء میں شایع ہوا۔

اسی سال مسٹر ہرنگٹن چیف جج صدر دیوانی عدالت کے حکم سے مولوی محمد خلیل الدین نے در المختار میں سے تعزیرات کا ترجمہ فارسی میں کیا اور اسے چھپوا کے شایع کیا پھر ہدایہ کا ترجمہ عربی سے فارسی میں چار بڑے علما نے کیا مگر بدقسمتی سے اس ترجمہ سے ہدایہ کی اصلی قیمت میں فرق آگیا بجائے اس کے کہ وہ اکثر مسائل کی توضیح جو ترجمہ کی حالت میں کی تھی بطور حاشیہ تحت میں جدا قایم کرتے فاضل مترجموں نے یہ غضب ڈھایا ہی کہ متن ہدایہ میں اپنی آرا کو خلط ملط کردیا اب نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدایہ والا کیا کہتا ہی اور مترجموں نے اس کے قول کی کیا توضیح کی ہی۔ کئی مقام سے ترجمہ اصلی عبارت عربی سے بھی نہیں ملتا۔ یہ ہم کہہ سکتے ہیں اور اس میں اصلا شک نہیں کہ فارسی کا ہدایہ اصلی ہدایہ کی بالکل ہم صورت نہیں ہوسکتا میکناٹن محمدن لا کے پروفیسر نے دہلی میں ہدایہ کا ترجمہ اردو میں کیا تھا اور بہت سال گذرے کہ دہلی میں طبع ہوا تھا دوسرا ترجمہ ہدایہ کا کلکتہ میں اردو زبان میں کیا گیا اور چند سال ہوئے کہ وہ طبع بھی کردیا گیا۔

پھر سر ولیم جالس نے سراجیہ کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا اور جب اسے ختم کر چکے تو اُسی کی شرح شریفیہ کا ترجمہ بھی اختصار کے طور پر پورا کیا اور ساتھ ہی اکثر مسائل پر اپنی طرف سے کچھ حواشی بھی دیے ہیں جس سے فاضل مترجم کی لیاقت معلوم ہوتی ہی اسکے بعد فتاوی عالمگیری کے انتخابی حصہ کا ترجمہ انگریزی میں مسٹر نیل بیلی نے کیا۔ یہ حصہ بیع کے معاملہ میں تھا۔

ہدایہ فارسی جس کا ابھی ذکر ہوچکا ہی وارن ہیسٹنگ کے حکم سے مسٹر جیمس اینڈرسن نے انگریزی میں ترجمہ کیا ابھی ترجمہ پورا نہیں ہوا تھا کہ آپ دول خارجہ میں کسی ملکی کام پر بھیج دئے گئے اور اسکی جگہ چارلس ہملٹن نے باقیماندہ ترجمہ کر کے نظر ثانی کی۔ یہ بڑے ہی افسوس کی بات ہی کہ اصلی ہدایہ عربی کو ترجمہ کرتے وقت کھول کے بھی نہ دیکھا گیا بلکہ اس فارسی کے ہدایہ سے ترجمہ کرلیا گیا جس کی بابت ہم ابھی لکھ آئے ہیں۔ ہمارے خیال میں یہ کتابیں جو فقہ حنفی کی تائید میں لکھی گئی ہیں ایک بےنظیر مجموعہ ان قوانین کا ہی جو ملکی اور کسیقدر جنگی اور زیادہ تر حسن معاشرت یا پولیٹیکل اکانمی سے تعلق رکھتے ہیں گو انہیں مذہبی جامہ پہنایا گیا ہے مگر بعض حالتوں میں وہ جامہ ناموزوں ثابت ہوا ہی۔

اس وقت ہمارے آگے مذکورۂ بالا کتابیں رکھی ہوئی ہیں جنہیں ہم بار بار دیکھ چکے ہیں اور اُن کے اختلافات پر بارہا غور کیا ہی ایک عمیق نظر جب اخلاقی تمدنی معاملات پر ڈالی جاے گی تو معلوم ہوگا کہ یہ اختلاف ایک لازمی امر تھا جو بمقتضائے آب وہوا مسائل میں بھی پایا جاتا ہی مثلاً خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں آب وہوا اور طبایع خلایق جن فقہی قوانین کی متحمل ہوسکتی تھی ان ہی قوانین کی سمرقند کے آدمی اور وہاں کا موسم برداشت نہیں کرسکتا یہ تو علم سیاست مدن کے بارے میں ہوا

میں یہ کہتا ہوں کہ مذہبی حصہ فقہ میں بھی یہی بات ہے مثلاً ہندوستان میں ہندوستانی آفتاب کی رفتار کے بموجب نمازوں کے اوقات متعین کئے گئے ہیں اور تمام مجتہدوں کی فقہ میں ہندی آفتاب کی تقلید کی گئی ہے اب ہندوستان سے ہمیں واشنگٹن کے اس حصہ میں جانے اور رہنے کا اتفاق ہوا جہاں تین گھنٹے سے زیادہ آفتاب غروب نہیں ہوتا اس ملک میں ناچار مذہبی حصہ کی فقہ میں ترمیم کرنی پڑیگی نہ صرف نماز میں بلکہ وضو وغیرہ کے قواعد میں بھی تو پھر یہ بات بدرجہ اولی ثابت ہو گئی کہ فقہی مسائل جیسی ملکی آب و ہوا کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اسی طرح ہر زمانے کے ساتھ مناسبت رکھتی ہیں ایسے شخص کے لئے جو کچھ بھی سمجھ رکھتا ہے یہ افسوس کی بات ہے کہ وہ کسی امام کے اقوال کو ہمیشہ کے لئے صدیوں تک ناطق ہی خیال کئے جائے اور کبھی ان میں ترمیم و تنسیخ کرنیکا خیال بھی نہ لائے امام اعظم صاحب رح کی تصنیف سے جو کتابیں بیان کیجاتی ہیں وہ ایسی مختصر ہیں کہ انکے مسائل جبتک انہیں وسعت نہ دی جائے کبھی سودمند نہیں ہو سکتیں جو کتابیں کہ فقہ حنفی کی کہلاتی ہیں ان سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ اک اک حرف امام اعظم رح کا ہے بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ یہ ایک ایسے مجتہد کی کتاب ہے جس کا رجحان بعض مسائل میں امام صاحب کی طرف تھا۔ یہ بدیہی امر ہے کہ آجتک امام صاحب کے کسی خاص شاگرد یا معتقد نے بالکلیہ امام کے ہر مسئلہ کو نہیں تسلیم کیا۔ صاحبین بہت سی باتوں میں اختلاف رکھتے ہیں گو انہوں نے اپنا کوئی مذہب نہیں قایم کیا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ ہر شخص آزاد ہے چاہے وہ کسی امام کی ان مسائل میں جو ملک کی آب و ہوا اور طبایع کے لئے موزوں ہیں پیروی کرے مگر اسکی پیروی اُس حالت میں سودمند ہو سکتی ہے جب گورنمنٹ کی طرف سے بھی ان ہی قوانین کا عملدرآمد ہو اور نہیں محض فضول ہے۔

ان تمام بحثوں کے دیکھنے کے بعد جو اسلام کی نسبت ہم نے اور ہمارے علما نے اور غیر مذاہب کے فاضلوں نے کی ہیں اُن سے کم سے کم یہ نتیجہ تو ضرور نکل سکتا ہے کہ دنیا میں یہ مذہب ایک عجیب حالت رکھتا ہے اور اس نے دنیا میں آ کے جو مقبولی حاصل کی ہے وہ کسی دوسرے مذہب کو نصیب نہیں ہوئی اس کی سادگی جس قدر غضب کی ہے ایسی ہی اس کی قوت بلا کی ہے۔ اس نے مثل اور مذاہب کے دلوں کو مسخر کیا ہے لیکن اس کا مسخر کرنا دائمی اور تاثیر بخش ہے۔ ہماری بداعمالی اس میں کوئی خرابی نہیں پیدا کر سکتی اور نکتہ چینوں کے اعتراضات اس میں کوئی رخنہ نہیں ڈال سکتے۔

دنیا میں آ کے اسلام نے جو نمایاں کام کئے وہ اسی کا حصہ تھے۔ یہ بارہا آزمایا گیا اور ایسا سخت آزمایا گیا کہ اس کے بچنے کی مطلق امید نہ تھی اس کی جتنی آزمایشیں دنیا میں ہو چکی ہیں وہ ایسی لاثانی ہیں جن کا نظیر نہیں ملتا۔ پیدا ہوتے ہی اسکی آزمایش شروع ہو گئی اور یہ ایسی خطرناک آزمایش تھی جس کا ذکر پڑھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں

خلیفہ ثالث کی شہادت پھر اُسی قیامت خیز زمانہ میں خلیفہ رابع کا تخت نشین ہونا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محترم بی بی سے جنگیں اس کے بعد گورنر دمشق کی بغاوت اور لڑائیاں اور مسلمانوں کی خونریزی۔ پھر خلیفہ رابع کے جانشین کا سلطنت سے استعفا دیدینا اور اُنکے بھائی کی کربلا میں شہادت۔ مخالف گروہوں کا پیدا ہو جانا اور باہم قتل و غارت یہ ایسی مہیب واقعے ہیں جن سے یہ امید کبھی نہیں ہو سکتی تھی کہ اسلام بچے گا جب گھر میں ہی یہ خونریزی ہونے لگی تو پھر گھر والوں کا اللہ بیلی ہے۔ مگر نہیں اسلام کا یہ پہلا معجزہ تھا جو دنیا کو دکھایا گیا کہ اس سخت آزمایش کے بعد بھی ہم اسلام کو دنیا میں عزت کیساتھ قایم رکھیں گے۔ اسی قسم کی چھوٹی موٹی بہت سی آزمایشیں ہوتی رہیں سب سے زبردست آزمایش وہ تھی جو ہلاکو خاں کے

وقت میں آکے پڑی تھی اور جس کا مختصر خاکہ سعدی علیہ الرحمۃ نے نظم میں اُتارا ہے۔ جو حسب ذیل ہے

آسماں راحق بود گر خوں ببارد بر زمیں ۔۔۔ بر زوال ملک مستعصم امیر المومنیں
اے محمد گر قیامت می برآری سر زخاک ۔۔۔ سر برآور ویں قیامت درمیان خلق بیں
نازنینان حرم راخون خلق نازنیں ۔۔۔ زاستاں بگذشت و ماراخون دل از آستیں
زینہار از دور گیتی و انقلاب روزگار ۔۔۔ درخیال کس نگشتی کاں چناں گردد چنیں
دیدہ بردار اے کہ دیدے شوکت بیت الحرام ۔۔۔ قیصران روم سر بر خاک و خاقاں بر زمیں
خون فرزندان عم مصطفٰے شد ریختہ ۔۔۔ ہم برآں خاکی کہ سلطاناں نہادندے جبیں
دہ کہ گر بر خون آں پاکاں فرود آید مگس ۔۔۔ تا قیامت تلخ گردد بردہانش انگبیں
بعد ازیں آسایش از دنیا بر چشم داشت ۔۔۔ قیر در انگشتری ماند چوں برخیزد نگیں
دجلہ خونابست زیں پس گر نہد سر بر نشیب ۔۔۔ خاک نخلستان بطحا را کند با خون عجیں
روئے دریا درہم آمد زیں حدیث ہولناک ۔۔۔ میتواں دانست بر رُخش زموج افتادہ چیں
گرنہ بیہودہ ست و بیحاصل بود شستن بآب ۔۔۔ آدمی را حسرت از دل اسپ را داغ حریں
نوحہ لایق نیست بر خاک شہیداں زانکہ ہست ۔۔۔ کمترین دولت مر ایشاں را بہشت برتریں
لیکن از روئے مسلمانی و راہ مرحمت ۔۔۔ مہر بانرا دل بسوزد در فراق نازنیں
باش تا فردا کہ بینی روز او در رستخیز ۔۔۔ کز لحد باروی خوں آلودہ برخیزد فغیں
در زمین خاک قدمشان توتیائے چشم بود ۔۔۔ روز محشر خونشان گلگونہ رخسار عیں
قالب مجروح اگر در خاک و خوں غلطد چہ باک ۔۔۔ روح پاک اندر جوار لطف رب العالمیں
تکیہ بر دنیا نشاید کرد و دل بر دے نگاہ ۔۔۔ کآسماں گاہی بمہر ست اے برادر گہ بکیں
چرخ گردوں بازمیں گوئی دو سنگ آسیاست ۔۔۔ درمیان ہر دو روز و شب دل ہر دم طحیں
روز بازی و شجاعت بر نیاید با اجل ۔۔۔ چوں قضا آید نماند قوت رائے رزیں
تیغ ہندی بہ نیاید روز ہیجا از نیام ۔۔۔ شیر مردے را کہ باشد مرگ پنہاں در کمیں
تجربت بیفائدہ ست آنجا کہ برگردید بخت ۔۔۔ حملہ آوردن چہ سود آنرا کہ برگردید زیں
کرگسانند از پی مردار دنیا جنگجوے ۔۔۔ اے برادر گر خردمندی چو سیمرغ عاں نشیں
ملک دنیا را چہ قیمت حاجت ایست از خدائے ۔۔۔ کو نگہدارد بما بر ملک و ایمان و یقیں
یارب ایں رکن مسلمانی بما آباد دار ۔۔۔ در پناہ شاہ عادل پیشوائے ملک و دیں
خسرو صاحبقراں غوث زماں بوبکر سعد ۔۔۔ آنکہ اخلاقش پسندیدست و اوصافش گزیں
مصلحت بود اختیار رائے روشن بین او ۔۔۔ زیر دستاں را سخن گفتن نشاید چنیں
لاجرم در بحر و برش داعیاں دولتند ۔۔۔ کاے ہزاراں آفریں بر جانت از جاں آفریں

روز گارت باسعادت بادو سعدی مدح گوے		رایتت منصور وبختت باز واقبالت قریں	

بت پرستوں نے بغداد اور اسلام بغداد کے برباد کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی تھی لیکن اسلام ان بربادیوں اور بت پرستوں کی چیرہ دستی پر ہنس رہا تھا۔ اخیر اس نے بظاہر مغلوب ہو کے ان پر غلبہ حاصل کیا اور غلبہ بھی ایسا کہ انہیں مدت العمر کے لئے اپنا حلقہ بگوش بنالیا۔

دنیا میں آ کے اسلام نے دو صورتیں اختیار کیں پہلی حاکمی اور دوسری محکومی کی اور یہ دونوں صورتیں ابھی تک دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں موجود ہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ جس شان سے حاکمی صورت میں ہے اسی شان سے محکومیت میں اپنا جلال اور جبروت دکھا رہا ہے۔ برخلاف مسیحی مذہب کے دونوں صورتوں میں ذلیل و خوار ہے جہاں اسکو حکومت حاصل ہے وہاں بھی اسکی کوئی وقعت نہیں اور جہاں محکوم بنا ہوا ہے وہاں اسکی ذلت و خواری حد سے گزر گئی ہے مثلاً یورپ کے مسیحی مذہب کے بارے میں ایک فاضل مسیحی عالم یہ لکھتا ہے۔

"یہ ایک بہت بڑی وقعت کی بات ہے کہ دہریت جہاں تک ممکن ہوگا بہت شدّومد سے پھیلے گی نہ صرف اس ملک میں بلکہ تمام یورپ میں۔ اس سے زیادہ قوی ترین اثر کسی چیز کا نہیں ہے کہ جس سے ہم گھل مل جائیں اور ایک دوسرے کے بہت ہی قریب پہنچ جائیں اور اپنے دلوں کو عام مخلوق کی ہمدردی کے لئے بیدار کریں۔ جبتک کہ ہم مذہب دہریت کی ایک شکل نہ پیدا کرلیں فی الحال قوم کی یکجہتی کو مافوق الفطرت ایمان نے پارہ پارہ کر دیا ہے۔ سوائے اس کے کوئی علاج نہیں ہے کہ ہم ان سب بے بنیاد عقاید کو بالائے طاق رکھکے نیچرل مذہب اختیار کرلیں۔

گو ابھی نیچرل مذہب اپنی شیر خوارگی کی حالت میں ہے پھر بھی اسکا اثر بہت کشادگی سے پھیلتا جاتا ہے تاہم جو غلبہ مافوق الفطرت ایمان کو دنیا میں حاصل ہے وہ ابھی تک نہیں ہوا ہے

فرانس اور جرمن میں مسیحی مذہب عام طور پر مقبول خلائق نہیں ہے ان ممالک میں یہ ایک نادرالوجود بات ہوگی کہ ہم ایک تعلیم یافتہ شخص کو مسیحی عقائد کا پابند دیکھینگے حتیٰ کہ کارپیشہ لوگ بھی بہت کم اس طرف رجوع ہیں اور اس میں یقین رکھتے ہیں تمام برّاعظم میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مسیحی مذہب کے عقاید صرف بہت کم تعلیم یافتہ اشخاص میں محدود ہیں جن میں یہ بلا ہے کہ مسیحی عقاید اوہام باطلہ کی بھول بھلیوں میں ٹپے ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ خود ہمارے ملک میں (یعنی لندن میں) ان لوگوں کی تعداد جو مسیحی مذہب پر عقیدہ نہیں رکھتے بیشمار ہے اور علی التواتر بڑھتی جاتی ہے ایک بڑا گروہ کل والوں اور کارپیشہ لوگوں یا تاجروں کا بھی غیر مسیحی ہے۔ ایک عظیم الشان حصہ اُن لوگوں کا جو تعلیم یافتہ ہیں اور خصوصاً اس نسل کا جو بڑھ رہی ہے عیسائی مذہب کو خیرباد کہچکا ہے۔ بہت سے ہمارے بڑے بڑے مصنف جو حیات ہیں بہت دھوم دھام سے مسیحی مذہب کی اصولی زندگی کو لغو اور بیہودہ سمجھتے ہیں ان کے مقابلہ میں وہ دو چند ہیں جنہیں راسخ الاعتقاد مسیحی کہسکتے ہیں۔ (از ایلیمینٹ اف سوشل سائنس مطبوعہ لندن صفحہ ۴۴۲) فاضل مسیحی کا بیان ختم ہوگیا ناظر خود اندازہ کریگا کہ اسلام اور عیسویت میں کیا فرق ہے۔

اسلام کے اس باب کو چونکہ بہت طول ہو گیا ہے اسلئے میں اس کو ختم کرنا چاہتا ہوں مگر ساتھ ہی بعض پادریوں اور عیسائی مصنفوں کی رائے نفس اسلام اور اشاعت اسلام اور اثرات اسلام کے بارے میں نقل کر دیتا ہوں جس سے معلوم ہو گا کہ اسلام میں خاص ایک معجزہ ہے جسکا راز سوائے اُس دل کے جو اُن دیکھے خدا اور اُسکے رسول برحق پر دل سے ایمان رکھتا ہے اور کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ مختلف فاضلوں کی رائے حسب ذیل ہے۔

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب ایم۔ اے سلمہ اللہ تعالیٰ (صاحب موصوف) اپنی کتاب محمدؐ اینڈ محمدن ازم میں ہیں کہ "محمد کا بیان در باب وحدانیت خدا اور اس امر کے کہ وہ انسان کے ہر ایک چھوٹے بڑے فعل پر مختار ہے صرف کسی پہلے مذہب سے چرایا ہوا نہ تھا۔ یہودی علی العموم اپنے بہترین زمانہ میں بھی خدا کے سوا اور دیوتاؤں کی پرستش میں وحشت کے ساتھ مصروف ہو گئے تھے اور آخر کار قید کا لوہا اُن کی روحوں میں داخل ہو گیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے مشرقی ملکوں کے قیام کے زمانہ میں بہت کچھ سیکھ لیا مگر اُس سے زیادہ بھول گئے۔ وہاں آکر وہ بت پرستی ہمیشہ کے لئے بھول گئے۔ لیکن گو اُنہوں نے اُس وقت کے بعد پھر دیوتاؤں کی پوجا نہیں کی۔ مگر اپنے انبیا کی اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے وہ پھر بھی بہت غافل تھے اور جو وقت کہ اُنکے انتہا درجہ کے عروج کا ہوا ہوتا اور اُس سب سے بڑے کشت و خون کے ساتھ ختم ہو گیا جو اُن کے زوال سے تھوڑے ہی دنوں پہلے وقوع میں آیا تھا۔ عصا سلطنت یہودا کے ہاتھ سے نکل گیا تھا لیکن جلاوطن یہودی ابتک ملک عرب میں نہایت سختی کے ساتھ اپنے مغرورانہ مذہبی حقوق کی خیالی صورت پر قایم تھے۔ حالانکہ جس بات نے اُن کو یہ استحقاق دیا تھا اب اُسکا نام و نشان بھی نہ رہا تھا۔ عیسائی بھی (میری مراد ایسے عیسائیوں سے ہے جنسے ملنے کا محمدؐ کو اتفاق ہوا ہے) یہودیوں کا مذہب اور وہ اعلےٰ درجہ کے الہامات خدا جو حضرت عیسےٰ نے اُنہیں پہنچائے تھے اور جنکو یہودیوں نے قبول نہ کیا تھا بھول چکے تھے۔ ہوموشی میں۔ مانوتھی لائٹیس۔ ماتونی سٹس۔ جیکوبیٹس فرقوں کے عیسائی نہایت سختی کے ساتھ ایسی باتوں میں مذہبی قاعدے بنا رہے تھے جن میں ہمارے متبرک پیشواؤں نے کوئی بھی قاعدہ یا اُصول نہیں بنایا وہ نہایت شدت کے ساتھ ایسے مباحثوں میں مصروف تھے مثلاً یہ کہ جو بات علم ریاضی کی رو سے غلط ہے وہ علم مابعد الطبعیت کی رو سے صحیح ہو سکتی ہے اور عجیب طور سے ایسی باتوں میں سچ یا جھوٹ کا لگاؤ نکالتے تھے جو اُن کو اِس غرض سے بتائی گئی تھیں کہ آپس کی پھوٹ کے متفرق کر دینے والی گہری جھیل اُن میں نہ رہے وہ جھوٹ کو حقیقت۔ فصاحت و بلاغت کو منطق۔ اور نظم کو نثر بتاتے تھے زبان سے تو خدا خدا نہایت چلا چلا کر کہتے تھے مگر دل میں وحدانیت خدا کو بھلا چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ کی نسبت وہ تمام معاملات میں سوائے کسی ایسی بات کے جو اُن کی طرح کی زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرے بحث کرتے تھے پس محمدؐ اسلئے آئے کہ ان تمام باطل باتوں پر جھاڑو پھیر دیں۔ بت وہ کیا؟ زیتون کی لکڑی کے ٹکڑے جو خدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں! فلسفیانہ خیالات اور مذہب مکڑی کا تنا ہوا جالا! ان سب کو دور کر دو۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اور اُسکے سوا اور کوئی شے بڑی نہیں ہے۔ یہی مسلمانوں کا مذہب ہے۔ اسلام۔ یعنی انسان کو چاہیئے کہ خدا کی مرضی پر توکل کرے۔ اور ایسا کرنے میں نہایت خوش ہو۔ یہی مسلمانوں کا طرز زندگی ہے۔ ایک معترض یہ سوال کر سکتا ہے کہ ان دونوں اصولوں میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں کونسی بات ایسی ہے جس کو یہ

کہا جائے کہ وہ نئی تھی یا محمدؐ ہی کو سوجھی تھی بیشک کچھ نیا نہ تھا بلکہ یہ باتیں ایسی پرانی تھیں جیسا کہ موسیٰ کا زمانہ
بلکہ فی الحقیقت ایسی پرانی جیسے کہ خود ابراہیم۔ بار بار محمدؐ نے نہایت سنجیدگی سے جتلایا ہے کہ "میں عربوں کے لئے کوئی نئی
بات لیکر مبعوث نہیں ہوا بلکہ صرف شریعت ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے آیا ہوں جو ہمیشہ یہاں موجود تھی
مگر اس کو سب لوگ بھول گئے یا اُس سے غافل ہوگئے ہیں" قوم سے علیحدہ اور غمگین و ناخوش یہودیوں اور
آپس میں لڑنے والے تین خدا کے قایل عیسائیوں اور ہر طرح کے مخلوق پرستوں میں ایک اونٹ ہانکنے والا آیا
نہ اسلئے کہ اُن کو کوئی نئی بات سکھائے بلکہ اسلئے کہ جو پرانی کتابوں سے وہ بھول گئے تھے اُن کو یاد دلائے۔ عرب کی
زمین پر دو ہزار برس پہلے ایک ایسے شخص (موسیٰ) کو جو جنگل میں اپنے باپ کی بکریاں چرا رہا تھا یہ سادہ مگر چونکا
دینے والا پیغام آیا تھا۔ میں وہ ہوں جو میں ہوں۔ سن اے اسرائیل ہمارا مالک خدا ایک خدا ہی پس جا اور میں
تیری زبان کے ساتھ ہوں گا اور سکھاؤں گا تجھے جو تجھکو کہنا چاہئے" اِن الفاظ کو سنکر یہ برگزیدہ قوم (بنی اسرائیل)
افریقا سے ایشیا میں چلی گئی۔ غلام آزاد ہوگئے اور ایک خاندان ایک قوم بنگیا۔ اُسی عرب کی زمین پر اب پھر
وہی آواز ایک دوسرے بکریاں چرانے والے کو آئی۔ اور ایسے اثر کے ساتھ آئی جو پہلی آواز سے کچھ کم عجیب یا
عام طور پر دنیا کو فائدہ پہنچانے میں اُس سے ہرگز کچھ کم نہ تھی۔ یعنی "اللہ اکبر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ"
یہ رسالت قبول کی گئی۔ اور خدا کے پیغام کا اعلان کیا گیا اور ایک ہی صدی کے اندر اس آواز کی گونج عدن
سے انطاکیہ تک اور سے ویل سے سمرقند تک پھیل گئی۔ اور اس تمام ملک نے اسکی حقیّت کو مان لیا" انتہی قولہ ملحصہ
آنریبل سر ولیم میور صاحب جو اپنے فضل اور تائید مذہب عیسوی کے لئے مشہور ہیں اپنی کتاب لائف آف محمد
کی جلد دوم کے صفحہ ۲۶۹۔ ۲۷۱ مطبوعہ سنہ ۱۸۶۱ء میں ارقام فرماتے ہیں کہ "اگرچہ محمدؐ کے اوامر و احکام اسوقت تک
تھوڑے سے اور سادہ طور کے تھے جیسا کہ بیان بالا سے ظاہر ہوتا ہی مگر اُنہوں نے ایک تعجب انگیز اور عظیم الشان
کام کیا۔ جب کہ دین مسیحی نے دنیا کو خواب غفلت سے بیدار کیا تھا اور شرک بت پرستی سے جہاد عظیم کیا تھا اُسوقت سے
جہات روحانی کبھی ایسی برانگیختہ نہ ہوئی۔ نہ ایسا غلو کسی مذہب میں ہوا تھا جیسا کہ دین اسلام میں ہوا۔ اس دین کے
پیروان خوش اعتقاد نے کیسے کیسے نقصانات صرف اپنے ایمان کی خاطر اُٹھائے اور اُن نقصانات کی تلافی میں
مال غنیمت کس خوشی سے لے لیا۔ ایک زمانہ نامعلوم سے مکہ اور تمام جزیرہ نمائے عرب کی روحانی حالت بالکل
بے حس و حرکت ہوگئی تھی اور اگرچہ شریعت موسوی اور دین مسیحی اور فلسفہ یونان کا کچھ اثر عرب پر ہوا تھا مگر وہ ایسا ناپائدار
اور خفیف تھا جیسے کسی جھیل کے پانی کی سطح پر کبھی کبھی کوئی لہر آجاتی ہی۔ مگر پانی کے نیچے کہیں ذرا سی بھی حرکت
نہیں معلوم ہوتی۔ الغرض عرب کے لوگ توہمات اور کفر و ضلالت اور بیرحمی و بداعمالی کے دریا میں غرق تھے چنانچہ
یہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں کو جو اور جائداد کی مانند میراث میں آتیں بیاہ لیتا تھا۔ اُنکے غرور اور
افلاس سے دختر کشی کی رسم بھی اُن میں اُسیطرح جاری ہوگئی تھی جسطرح فی زمانہ ہندوؤں میں جاری ہی انکا مذہب
حد سے درجہ کی بت پرستی تھا۔ اور اُن کا ایمان ایک مسبب الاسباب مالک علی الاطلاق پر نہ تھا۔ بلکہ غیر مرئی ارواح
کے توہم باطل کی ہیبت کا سا اُن کا ایمان تھا۔ اُنہیں کی رضامندی سناتے تھے۔ اور اُنہیں کی ناراضی سے

احتراز کرتے تھے۔ قیامت اور جزاؤ سزا جو فعل یا ترک کا باعث ہو اُسکی اُنہیں خبر ہی نہ تھی۔ ہجرت سے تیرہ برس پہلے تو مکہ ایسی ذلیل حالت میں بے جان پڑا تھا مگر اُن تیرہ برسوں نے کیا ہی اثر عظیم پیدا کیا کہ سینکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی پرستش اختیار کی۔ اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی آلہی کی ہدایت کے مطیع و منقاد ہو گئے۔ اُسی قادر مطلق سے بکثرت و شدت دعا مانگتے۔ اُسی کی رحمت پر مغفرت کی امید رکھتے۔ اور حسنات و خیرات اور پاکدامنی اور انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے اب اُنہیں شب و روز اُسی قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا۔ اور یہ کہ وہی رزاق ہمارے ادنے حوائج کا بھی خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں۔ ہر ایک امر متعلقہ زندگانی میں۔ اور اپنے خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیر میں۔ اُسی کی ید قدرت کو دیکھتے تھے۔ اور اس سے بڑھکر اس نئی روحانی حالت کو جسمیں خوشحال اور حمد کناں رہتے تھے خدا کے فضل خاص و رحمت با اختصاص کی علامت سمجھتے تھے۔ اور اپنے کور باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کئے ہوئے خذلان کی نشانی جانتے تھے۔ محمدؐ کو جو اُن کی ساری امیدوں کے ماخذ تھے اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے۔ اور اُن کی ایسی کامل طور پر اطاعت کرتے تھے جو اُنکے رتبہ عالی کے لایق تھی۔ ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ جو بلا لحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپے مخالفت و ہلالت تھے۔ مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل و شکیبائی سے برداشت کیا۔ اور گو ایسا کرنا اُن کی ایک مصلحت تھی۔ مگر تو بھی ایسی عالی ہمتی کی بردباری سے وہ تعریف کے مستحق ہیں ایک سو مرد اور عورتوں نے اپنا گھر بار چھوڑا۔ لیکن ایمان عزیز سے مُنہ نہ موڑا۔ اور جبتک کہ یہ طوفان مصیبت فرو ہوئے۔ حبش کو ہجرت کر گئے پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی کہ اُن میں نبی بھی شامل تھے۔ اپنے عزیز شہر اور مقدس کعبہ کو جو اُن کی نظر میں تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے۔ اور یہاں بھی اُسی جادو بھری تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں اِن لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبی اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہو گئے طیار کر دی‘‘

دوسرے شاہد ریورینڈ جی۔ ایم راڈویل صاحب۔ جنہوں نے بڑی سرگرمی اور سعی موفور سے قرآن مجید کا ترجمہ بہ ترتیب نزول سُوَر کیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں قرآن مجید کی تعلیمات کی تاثیر کی نسبت جو قوم عرب پر ہوئی فرماتے ہیں کہ ’’عرب کے سیدھے سادے خانہ بدوش بدّو ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو۔ پھر تھوڑا سا آگے چلکر فرماتے ہیں ’’بت پرستی کے مٹانے۔ جنات اور مادیات کے شرک کی عوض اللہ کی عبادت قایم کرنے اطفال کشی رسم کو نیست و نابود کرنے۔ اور بہت سے توہمات کو دور کرنے۔ اور ازواج کی تعداد کو گھٹا کر اس کی ایک حد معین کرنے میں قرآن بیشک عربوں کے لیئے برکت اور قدم حق تھا۔ گو عیسائی مذاق پر وحی نہ ہو‘‘ (انتہیٰ قولہ)

فاضل محقق گاڈفری ہیگنس صاحب مرحوم اپنی کتاب موسوم بہ اپالوجی فرام محمد کے اٹھارویں فقرہ میں لکھتے ہیں کہ ’’باوجودیکہ محمدؐ اور عیسیٰ کی ابتدائی سوانح عمری میں ایسے حالات ہیں جن میں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے لیکن بہت سے ایسے ہیں جنھیں بالکل اختلاف ہے۔ مثلاً جیسے کہ اوّل بارہ مریدوں کو تاتربیت یافتہ و کم رتبہ

مانا گیا ہی۔ بخلاف محمدؐ کے اوّل پیروں کے کہ بجز اُسکے غلام کے سب لوگ بڑے ذی وجاہت تھے اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوئے تو اُس زمانہ میں جو کچھ اُنہوں نے کام کئے اُن سے ثابت ہوتا ہی کہ اُن میں اول درجہ کی لیاقتیں تھیں۔ اور غالبًا ایسے نہ تھے کہ بآسانی دھوکہ کھا جاتے عیسٰی کے اوّل مریدوں کی کم رتبگی میں سو شیم صاحب دین عیسائی کی خوبی سمجھتے ہیں۔ مگر سچ پوچھو تو میں بمجبوری مقر ہوں کہ اگر لاک اور نیوٹن جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے اول محققین میں سے ہوتے تو مجھکو بھی اطمینان کامل ویسا ہی ہوتا پس اِس سے ثابت ہی کہ ایک ہی شے مختلف شخصوں کو کیسی مختلف معلوم ہوتی ہی" پھر فقرہ (۲۱۸) میں لکھتے ہیں کہ "گبن نے بیان کیا ہی کہ "پہلے چاروں خلیفوں کے اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھی ان کی سرگرمی دلدہی اور اخلاص کے ساتھ تھی۔ اور ثروت اور اختیار پاکر بھی اُنہوں نے اپنی عمر میں ادائے فرائض اخلاقی و مذہبی میں صرف کیں" پس یہی لوگ محمد کے ابتدائی جلسہ کے شریک تھے۔ جو پیشتر اس سے کہ اُس نے اقتدار حاصل کیا یعنی تلوار پکڑی اُسکے جانب دار ہو گئے یعنے ایسے وقت میں کہ وہ ہدف آزار ہوا اور جان بچاکر اپنے ملک سے چلا گیا۔ اُن کے اول ہی اول تبدیل مذہب کرنے سے اُن کی سچائی ثابت ہوتی ہی اور دنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے سے اُنکی لیاقت کی فوقیت معلوم ہوتی ہی" پھر فقرہ (۲۱۹) میں لکھتے ہیں کہ "اِس صورت میں کوئی یقین کر سکتا ہے؟ کہ ایسے شخصوں نے ایذائیں سہیں اور اپنے ملک سے جلاوطنی گوارا کی اور اس سرگرمی سے اُسکے پابند ہوئے اور یہ سب امور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوں جس میں ہر طرح کی برائیاں ہوں اور اس سلسلہ فریب اور سخت عیاری کے لئے ہوں جو اُنکی تربیت کے بھی خلاف ہو اور اُن کی ابتدائی زندگی کے تعصبات کے بھی مخالف ہو۔ اسپر یقین نہیں ہو سکتا اور خارج از احیطۂ امکان ہی" پھر ایک دوسرے موقع پر فقرہ (۲۲۳) میں لکھتے ہیں کہ "عیسائی اسبات کو یاد رکہیں تو اچھا ہو کہ محمد کے مسائل نے وہ درجہ نشۂ دینی اُسکے پیرووں میں پیدا کیا کہ جسکو عیسٰی کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بیفائدہ ہی اور اُس کا مذہب اُس تیزی کے ساتھ پھیلا جسکی نظیر دین عیسوی میں نہیں چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالیشان اور سرسبز سلطنتوں پر غالب آ گیا۔ جب عیسٰی کو سولی پر لیگئے تو اُسکے پیرو بھاگ گئے اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں چھوڑ کر چلدئے۔ اگر بالفرض اُس کی حفاظت کرنیکی اُن کو ممانعت تھی تو اُسکی تشفی کیلئے تو موجود رہتے اور صبر سے اُسکے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے برعکس اُسکے محمد کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد و پیش رہے اور اُس کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈالکر کل دشمنوں پر اُس کو غالب کر دیا" (انتہی قولہ)

دس برس اور گزر گئے اور محمدؐ کے اصول مذہب باوجودیکہ چاروں طرف سے نہایت سخت اندیشوں اور مزاحمتوں کی بوچھاڑ ہوتی تھی صرف اپنے اخلاقی ذریعوں اور اپنی ذاتی قوت سے اپنا رستہ صاف کرتے جاتے تھے۔ مگر جسقدر کہ اُسکے پیرووں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اُسی قدر مخالفین کا تشدد اور ایذا رسانی بھی جو اُسکے متقدمین کو برداشت کرنی پڑتی تھی زیادہ ہوتی گئی۔ اور آخر کار محمد نے یہ پسند نکرکے کہ اُسکے پیرو اپنے نئے مذہب میں داخل ہوتے ہی ایسے پر ملال امتحان میں مبتلا ہو جائیں اُنہیں یہ صلاح دی کہ ملک حبش میں جاکر پناہ گزیں ہوں چنانچہ

پندرہ آدمیوں نے اُس کی صلاح مانی اور محمد بدستور رہے - اِن لوگوں کا محمدؐ کی صلاح کو مان لینا کچھ افسوس کی بات نہیں ہے کیونکہ اول تو اگر کسی ثبوت کی ضرورت ہو تو یہ ایک یقینی ثبوت اِس امر کا ہے کہ اس تمام زمانہ میں محمد کی اصلی قوت اُس شے میں تھی جس کو دنیا اُس کی کمزوری سمجھے گی (یعنی آپ کا بے یار و مددگار ہونا) دویم یہ اِس واقعہ کے سبب سے جو ہجرت کہلاتا ہے ہمیں نبی عربی کی ابتدائی تعلیم کا ایک اعلےٰ درجہ کا خلاصہ ہاتھ آیا ہے جو ابتک ہمارے پاس موجود ہے - قوم قریش نے نجاشی بادشاہ حبش کے پاس یہ پیغام بھیجا کہ ان فراریوں کو ہمارے حوالہ کردو تاکہ ہم انہیں قتل کر ڈالیں - لیکن اس گروہ میں سے جعفر نامی ایک شخص نے آگے بڑھکر بادشاہ اور اُن پادریوں کے سامنے جو اسی غرض سے بلائے گئے تھے اور انجیلیں ساتھ لیکر آئے تھے اپنے تبدیل مذہب کا حال مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا" صاحب موصوف نے آگے ترجمہ حضرت جعفر کی تقریر کا لکھا ہے مگر ہم تاریخ ابن ہشام سے اسکو بلفظہ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے فقال جعفر - ایہا الملك كنا قوما اهل جاهلية نعبد الاصنام وناكل الميتة ونأتي الفواحش ونسيئ الجوار وياكل القوي الضعيف فكنا على ذلك حتى بعث الله الينا رسولا منا نعرف نسبه وصدقه وامانته وعفافه فدعانا الى الله لنوحده ونعبده ونخلع ما كنا نعبد نحن وآباؤنا من دونه من الحجارة والاوثان وامرنا ان نعبد الله وحده ولا نشرك به شيئا وامرنا بالصلوة والزكوة والصيام (فعدد عليه امور الاسلام ثم قال) وامرنا بصدق الحديث واداء الامانة وصلة الرحم وحسن الجوار والكف عن المحارم والدماء ونهانا عن الفواحش وقول الزور واكل مال اليتيم وقذف المحصنات فصدقناه واتبعناه على ما جاء به من الله تعالى فعبدنا الله تعالى وحده ولا نشرك به وحرمنا ما حرم الله علينا واحللنا ما احل لنا فعدى علينا قومنا فعذبونا وفتنونا عن ديننا ليردونا على عبادة الاوثان من عبادة الله تعالى وان نستحل ما كنا نستحل من الخبائث فلما قهرونا وضيقوا علينا وحالوا بيننا وبين ديننا خرجنا الى بلادك واخترناك من سواك ورغبنا في جوارك ورجونا ان لا نظلم عندك يا ايها الملك" یعنی حضرت جعفر نے کہا کہ اے بادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے بت پوجتے تھے - مردار گوشت کھاتے تھے بدکاریاں کرتے تھے ہمسایوں سے بدی پیش آتے تھے - زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا - اور ایک مدت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی - یہانتک کہ خدا نے ہمارے ہی میں سے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جسکی شرافت نسب - راستبازی - ایمانداری اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف تھے پس اُس نے ہم کو خدا کی طرف بلایا تاکہ ہم صرف اُسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اُسی کی عبادت کریں - اور اُن بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں جنکو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے اور حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاق عبادت میں اُسکے ساتھ شریک نہ کریں - اور ہم کو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر بعد بقیہ مال کا چالیسواں حصہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کا حکم دیا (پھر ایک ایک کر کے تمام احکام اسلام اسکے سامنے بیان کئے اور کہا کہ) اُس پیغمبر نے ہم کو سچ بولنے اور امانت کو اُسکے مالک کے پاس پہنچا دینے اور قرابت داروں سے

رعایت اور مروت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور برے اور حرام کاموں اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا۔ اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے اور بن ماں باپ کے بچوں کا مال کھا لینے۔ اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ پس ہم نے اُس کو سچا جانا۔ اور جو احکام خدا کی طرف سے اُس نے پہنچائے اُن سب کی پیروی اختیار کی۔ پس ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اُسکے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ اور جو چیز خدا نے ہم پر حرام کردی ہی اُس کو حرام اور جو حلال کردی ہی اُس کو حلال جانتے ہیں پس اسبات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی اور طرح طرح سے ہم کو دکھ دیا اور ہم کو ہمارے دین سے پھرانا چاہا۔ کہ خدا کو چھوڑ کر پھر بت پوجنے لگیں۔ اور جن بری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے اُنکو جائز جانیں۔ پس جبکہ اُنہوں نے ہم کو نہایت عاجز کردیا۔ اور طرح طرح کے ظلم کئے۔ اور نہایت تنگ و دق کیا۔ اور ہمارے دین میں ہمارے مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑ کر اور تجھکو اور بادشاہوں کی بہ نسبت اچھا جان کر تیرے ملک میں چلے آئے اور یہ اُمید کر کے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہم پر ظلم نہ کرسکے گا تیری پناہ اختیار کی“

پھر مسٹر طامس کارلائل مرحوم جو اس صدی کے نہایت مشہور و معروف فضلا میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قرآن میں سچائی کا جوہر اُسکے تمام معنی میں موجود ہی جس کو اُس نے وحشی نظر میں بیش بہا کردیا تھا سب سے اخیر یہ کہا جاسکتا ہی کہ یہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے اخیر جو عمدگیاں ہیں وہ اپنے میں رکھتا ہی اور ہر قسم کے اوصاف کا بانی ہی بلکہ در اصل ہر قسم کے وصف کی بنا صرف اُسی سے ہوسکتی ہی“

مسٹر گاڈفرے ہیگنس جو وہ بھی علم و فضل اور بے تعصبی و انصاف پسندی میں بڑے عالی رتبہ شخص ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ”مسیح کی انجیل کی طرح قرآن غریب آدمی کا دوست اور غمخوار ہی۔ بڑے آدمیوں کی ناانصافی کی ہر جگہ مذمت کرتا ہی وہ آدمیوں کی باعتبار مدارج کے توقیر نہیں کرتا یہ امر اُسکے مصنف کی (خواہ وہ عرب کے نامی پیغمبر محمد ہوں خواہ اُنکے خلیفہ عثمان) لازوال نیکنامی کا باعث ہی کہ اُس میں ایک ایسا بھی حکم نہیں تبلایا جاسکتا ہی کہ جس میں پولیٹکل خوشامد و رواداری کی طرف ذرا سا بھی میل ہو جیساکہ ویسٹ منسٹر ریویو میں منصفانہ رائے دی گئی ہی کہ اگر خود مختار و جابر ایشیائی فرمارواؤں کو اُن کے ارادہ سے کوئی چیز کبھی روک سکتی ہو تو وہ غالبًا قرآن کی ایک بے تکلف آیت کسی ذی جرأت واعظ کی زبانی ہوگی“

مسٹر جان ڈیون پورٹ (جو ایک بڑے عالم اور غیر متعصب شخص ہیں) فرماتے ہیں کہ منجملہ اُن بہت سی اعلےٰ درجہ کی خوبیوں کے جو قرآن کے لئے واجب طور پر باعث فخر و ناز ہوسکتی ہیں دو خوبیاں نہایت بیّن ہیں یعنے اول تو اُس کا وہ مودّبانہ اور ہیبت و رعب سے بھرا طرز بیان جو ہر ایک مقام پر جہاں خدا تعالیٰ کا ذکر یا اُس کی ذات کی طرف اشارہ ہی اختیار کیا گیا ہی۔ اور جسمیں خداوند عالم کو اُن جذبوں اور اخلاقی نقصوں سے منسوب نہیں کیا جو انسان میں پائے جاتے ہیں۔ دوسرے اُس کا اُن تمام خیالات و الفاظ اور قصوں سے مبرّا ہونا جو فحش اور خلاف اخلاق اور ناتہذیب ہوں حالانکہ نہایت افسوس کی بات ہی کہ یہ عیوب توریت وغیرہ کتب مقدسہ یہود میں بکثرت پائے جاتے ہیں فی الحقیقت قرآن ان سخت عیوب سے مبرّا ہی کہ اُسمیں خفیف سی خفیف ترمیم کی

بھی ضرورت نہیں اور اول سے آخر تک پڑھ جاؤ تو اُس میں کوئی بھی ایسا لفظ نہ پاؤ گے جو پڑھنے والے کے چہرہ پر شرم وحیا کے آثار پیدا کرے۔ قرآن میں ذات باری کی تعریف نہایت مشرح اور صاف ہی اور جو مذہب اُس نے اپنی ان خوبیوں کے ساتھ قایم کیا ہی وہ وحدانیت آلہی کا نہایت پختہ اور شدید یقین ہی اور بجائے اسکے کہ اللہ تعالی کو فلسفیانہ طور پر صرف ایسا مسبب الاسباب مان لیا جائے جو اس عالم کو مقررہ قوانین پر چلا کر خود ایسی شان وعظمت کے ساتھ الگ ہی کہ اُس تک کوئی شے نہیں پہنچ سکتی۔ قرآن کے رو سے وہ ہر وقت حاضر وناظر ہی اور اسکی قدرت کاملہ ہمیشہ اس عالم میں عامل اور متصرف ہی علاوہ ازیں اسلام ایسا مذہب ہے جسکے اصول میں کوئی امر متنازع فیہ نہیں اور چونکہ اُس میں کوئی ایسا معما نہیں ہی جو سمجھ میں نہ آئے اور نہ زبردستی قبول کرنا پڑے اسلئے وہ لوگونکے خیالات کو ایک سیدھی سادی اور ایسی پرستش پر قایم رکھتا ہی جو تغیر پذیر نہیں ہی حالانکہ تیز وتند اور اندھا دھند جوش مذہبی نے پیروان اسلام کو اکثر اوقات آپے سے باہر کر دیا ہی۔ اور سب سے اخیر بات یہ ہی کہ مذہب اسلام ایسا مذہب ہے کہ جس سے ولیوں۔ شہیدوں اور تبرّکات اور تصویروں کی پرستش اور ناقابل فہم باتیں اور حکیمانہ باریکیاں اور راہبوں کی تجرید وتعذیب نفس بالکل خارج کر دیگئی ہی۔ چنانچہ اسلام میں ایسے ثبوت موجود ہیں جن پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اُس کے بانی نے ماہیت اشیا اور اُس زمانہ کی قوموں کی حالت اور نیز اس امر پر کہ مسائل مذہبی عقل سے کیونکر مطابق ہو سکتے ہیں ایک دیرینہ اور عمیق غور کے بعد اپنے مذہب کی بنا ڈالی ہی اور اسوجہ سے یہ کچھ محل تعجب نہیں ہی کہ اسلامی طور کی پرستش اہل کعبہ کی بت بندگی اور صابئین کی پرستش اجرام فلکی اور زردشتیوں کی آتش پرستی پر غالب آگئی“

قرآن مجید کے تبدیل مضامین وتفنّن بیان کی نسبت کہ جو سر ولیم میور کی مخالفانہ ومتعصبانہ نگاہ میں ”گونجنے والی۔ اور سامعہ خراش۔ ابتر۔ خام۔ بے سری۔ مکرر بیانی۔ طول کلام۔ اُلجھاوٹ۔ نہایت خام ومہمل“ معلوم ہوتی ہی۔ مسٹر ڈوش لکھتے ہیں کہ ”اُن تبدیلات مضامین میں جو مثل برق کے تیز وطرّار ہیں اس کتاب کی ایک نہایت بڑی خوبصورتی پائی جاتی ہی۔ اور گوئٹے (ایک مشہور ترین جرمن فاضل ہی) کا یہ قول بجا ہی کہ ”جس قدر ہم اُس کے قریب پہنچتے ہیں یعنی اُسپر زیادہ غور کرتے ہیں وہ ہمیشہ دور کھنچتی جاتی ہی یعنے زیادہ اعلےٰ معلوم ہوتی ہی۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہی پھر متعجب کرتی ہی اور آخر کار فرحت آمیز تحیّر میں ڈالدیتی ہی“

اور یہی مورّخ اپنے آرٹیکل کے ایک اور مقام پر لکھتا ہی کہ ”ہم دفعتاً ازراہ ترجیح اس عجیب کتاب کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جس کی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان اور روۃ الکبریٰ کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کر لی اور جس قدر زمانہ کہ سلطنت رُوم کو اپنی فتوحات کے حاصل کرنے میں درکار ہوا تھا اُس کا دسواں حصہ بھی اُن کو نہ لگا۔ ایسی کتاب جسکی اعانت سے جملہ بنی سام میں یہی لوگ بحیثیت سلاطین یورپ میں آئے تھے۔ جہاں کہ اہل فنیشیا (شام وفلسطین) تاجروں کی حیثیت سے اور یہود پناہ گیروں یا قیدیوں کی طرح پر آئے تھے۔ یہی لوگ مع ان پناہ گیروں کے یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھانے کے لئے آئے تھے۔

یہی لوگ جبکہ تاریکی چھارہی تھی- یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب اور اہل مشرق کو فلسفہ طب ہیئت اور نظم لکھنے کا نمونہ اور دلچسپ فن سکھانے اور علوم جدیدہ کی بنا ڈالنے اور ہم لوگوں کو غرناطہ (گرینڈا) کی تباہی کے دن پر ہمیشہ کے لیے رلانے کو آئے تھے"

ریورینڈ راڈویل صاحب اگرچہ قرآن مجید کی نسبت چند بے اصل اور غلط الزامات قایم کرتے ہیں مگر باہمہ بھی خلاف توقع اُن کے قلم سے ایسا کچھ نکل گیا ہے جس کو آنحضرت اور قرآن مجید کا گویا معجزہ کہنا چاہیئے چنانچہ فرماتے ہیں کہ محمد کی زندگی کا مدعا توحید الٰہی کا اعلان کرنا تھا اور وہ بیشک اُس میں کامیاب ہوگیا جسقدر کہ نہایت صحیح تاریخی واقعات پر نظر کرنے سے ہم کو محمد کی سیرت سے اصلی واقفیت حاصل ہوتی ہے اُسی قدر مراکسی پریڈو اور دیگر مصنفین کی سخت کلامی اور بدزبانی ہم پر غلط ثابت ہوتی ہے- اور یہ کہنا حقیقت الامر کے زیادہ تر قریب ہوگا کہ وہ بیشک ایک اعلےٰ درجہ کا شخص تھا اگرچہ کچھ نقص بھی رکھتا تھا- اور ایک سچا واعظ تھا اگرچہ غلطی میں پڑا ہوا تھا- مگر اُس کی بہت سی غلطیوں اور نقصوں کی وجہ اُسکے زمانہ کی جہالت تھی اور ضرور ہے کہ جس مذہب کا وہ اصل بانی تھا اُس میں سچائی اور نکوئی کے اصول بھی ہوں ورنہ یہ معما حل ہونا مشکل ہے کہ اُس کی تعلیم کا اثر جسکو بے شبہ اُس کے پیرووں کے فتحمند ہتھیاروں نے بہت تیز کر دیا اسوقت تک کہ تقریبًا تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں ہمارے زمانہ کے پندرہ کروڑ آدمیوں میں جو کل دنیا کے چھٹے حصہ سے زیادہ ہیں کس طرح قایم رہا- یہ بھی مان لینا ضرور ہے کہ قرآن نے جس طور پر خدا کی ذات کی تعریف بلحاظ اُسکی وحدانیت اور تمام جہان کا پروردگار اور عالم الغیب اور قادر مطلق ہونے کے بیان کی ہے اُسکے لئے وہ نہایت اعلےٰ درجہ کی تعریف کا مستحق ہے اور یہ بھی مان لینا واجب ہے کہ قرآن کو صرف خدائے واحد پر نہایت پُرجوش اور گہرا یقین ہے اور گو کہ اُس میں متوہمانہ تخیلات اور کہانیاں بھی ہیں اور طفلانہ آداب و رسوم مذہبی کی بھی تعلیم کرتا ہے- اور ظلم و جور اور غلامی و تعدد ازدواج کی بھی اجازت دیتا ہے مگر باوجود ان باتوں کے اُس میں ایک نہایت اعلےٰ درجہ کی عمیق سچائی ہے جو ایسے الفاظ میں بیان کی گئی ہے- جو باوجود اختصار کے قوی اور کثیر الدلالۃ اور ملہمانہ حکمت سے بھرے ہوئے ہیں اور اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ اُس میں ایسے اصول موجود ہیں جن پر ملک فتح کرنے والی سلطنتیں ضرور قایم ہو سکتی ہیں- اگرچہ اسلام بہت سی باتوں کے لحاظ سے ایک ناکامیابی ہے لیکن یہ زیادہ تر قرآن ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ایک بے آب و علف جزیرہ نما کے باشندے جنکے افلاس کی برابری صرف اُن کی جہالت ہی کر سکتی تھی نہ صرف ایک نئے مذہب کے پرجوش اور سچے پیرو بنگئے- بلکہ عمر اور بہت سے اور لوگوں کی طرح اُس کے بزور شمشیر پھیلانے والے ہوگئے- وہ لوگ مملکتوں کے بانی اور شہروں کے آباد کنندہ اور (جتنے کتبخانے اُنہوں نے خراب کئے تھے اُن سے زیادہ) کتب خانوں کے جمع کرنے والے ہوگئے- اور فسطاط- بغداد- قرطبہ (کارڈووا) اور دہلی کو وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یورپ کو کپکپا دیا- اور اس طرح سے قرآن جس میں یہ وسیع قوت پائی جاتی ہے اور جسمیں ایسے اصول ہیں کہ جو اس قوت کے ظہور کا منبع ہیں- اس قابل ہے کہ اُس کی قدر ہمیشہ بلحاظ ایک مجموعہ قوانین اور سلسلہ تعلیم مذہبی کے اُن تبدیلیوں کے اندازہ سے ہونی چاہیئے جو اُس نے اُن لوگوں کی عادات و اعتقادات میں کیں جنہوں نے

اُس کو طوعاً خواہ کرہاً قبول کیا۔
کنین ٹیلر نے اپنے آغاز کلام مین یہ بیان کیا کہ ہم کو یہ اقرار کرنا چاہیئے کہ اسلام دنیا کے ایک بڑے حصہ پر بطور ایک واعظ مذہب کے بہ نسبت مذہب عیسوی کے زیادہ تر کامیاب ہی۔ نہ صرف بت پرستی سے اسلام پر ایمان لانے والے بہ نسبت عیسائی مذہب پر ایمان لانے والوں کے زیادہ تر ہیں بلکہ مذہب عیسائی بعض ملکوں میں درحقیقت اسلام کے سامنے سے ہٹتا جاتا ہے۔ اور مسلمان قوموں کو معتقد بنانے کی کوششیں ظاہرا بالکل ناکامیاب ہوتی ہیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ ہم اپنا وہان قدم نہیں جما سکتے ہیں بلکہ ہم اپنے آپ کو بچانے میں بھی ناکامیاب ہوتے ہیں۔ مذہب اسلام اسوقت مراکو سے جاوا تک اور زنگبار سے چین تک پھیلا ہوا ہے۔ اور وسط افریقہ میں بحد تیزی سے پھیلتا جاتا ہے۔ وہ سلسلہ وار بحر روم سے خط استوا تک پھیلا ہوا ہے اور بڑی تیزی سے جنوب کی طرف بڑھتا جاتا ہی۔ ہندوستان ہیں یورپین شائستگی جو ہندو مذہب کو دور کر رہی ہی۔ ساڑھے پچیس کرور میں سے پانچ کرور آدمی ہندوستان ہیں اسوقت مسلمان ہیں۔ اور افریقہ میں آدھے سے زیادہ۔ مذہب عیسوی اپنی گرفت میں خوب مضبوط نہیں ہی۔ اور ہندوستان اور افریقہ میں اسلام کے سامنے سے ہٹتا جاتا ہی۔ اور جمیکا میں حبشی جو کہ صرف نام کے عیسائی ہیں اوبی ایزم کو قبول کرتے جاتے ہیں۔ اور یہ کہا جاسکتا ہی کہ افریقہ کی ایک قوم جو کہ ایک دفعہ اسلام قبول کر لیتی ہی پھر کبھی بت پرستی اختیار نہیں کرتی۔ اور نہ عیسائی مذہب کو قبول کرتی ہے۔
کنین ٹیلر نے آگے اس امر کی آزمایش کے طور پر کہ اسلام کے اصولوں میں ایسی کیا بات ہے کہ جو اُس کو نئے معتقد بنانے اور اُن کو اُسپر قایم رکھنے کی عجیب طاقت دیتی ہی یہ بیان کیا کہ یہ اقرار کرنا چاہیئے کہ اگرچہ اسلام اعلیٰ درجہ کی مہذب قوموں کے بالکل ناموافق ہی مگر وہ وحشی قوموں کے مہذب بنانے اور ترقی دینے کی بہت زیادہ قابلیت رکھتا ہے۔ وہ ترقی کی جانب ایک قدم ہی۔ لیکن بہت زیادہ اونچا قدم نہیں ہی۔ مذہب عیسائی بہت ہی زیادہ عالیشان ہی۔ اسلام نے تہذیب پھیلانے میں مذہب عیسائی سے بہت زیادہ کوشش کی ہی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میں مشنریوں کے بیانات سے کسی قدر بدگمان ہوں۔ لیکن انگریزی عہدہ داروں یا اور سیاحوں کے جو پادری نہیں ہیں مثل ٹن پوپ ہینسی۔ گلیڈن۔ بال گریو۔ طامسن۔ ریڈ کے علمی نتائج کے بیانات کو ملاحظہ کرو جبکہ اُسکو یعنی اسلام کو ایک حبشی قوم نے قبول کیا ہے۔ بت پرستی۔ جنات پرستی مخلوق پرستی یعنے جاندار اور غیر جاندار چیزوں کی پرستش مردم خواری۔ انسانی قربانی اطفال کشی۔ جادوگری فوراً دور ہو جاتی ہیں باشندے کپڑے پہننے لگتے ہیں۔ نجاست کی جگہ صفائی ہو جاتی ہی۔ اور وہ ذاتی شرف اور سلف ریسپکٹ حاصل کر لیتے ہین۔ مہمان نوازی ایک مذہبی فرض ہو جاتا ہی۔ اور شراب خواری بہت کم رہ جاتی ہی۔ اور جوا متروک ہو جاتا ہے بیحیائی کے ناچ اور عورت مرد کے ناجایز میل جول بند ہو جاتے ہین۔ عورتوں کی پاک دامنی نیک خصلت خیال کی جاتی ہے۔ محنت کاہلی کی جگہ حاصل کر لیتی ہے۔ ذاتی اختیار کی جگہ قانون دخل کر لیتا ہی اور انتظام اور پرہیزگاری پھیل جاتی ہے خاندانی خصومتیں اور جانوروں اور غلاموں پر بیرحمی کا امتناع ہوتا ہی۔ انسانیت اور مہربانی اور یگانگی کا خیال سکھلایا جاتا ہے۔ کثرت ازدواج اور بندہ گری ٹھیک طور سے ترتیب دیجاتی ہی۔ اور اُن کی بُرائیاں کم کی جاتی ہیں۔

کل دنیا میں اسلام سب سے زیادہ قوی گروہ شراب نہ پینے والوں کا ہے۔ اور بمقابلہ اُسکے یورپ کی ترقی سے گویا شراب خواری اور گنہگاری کا پھیلاؤ اور اُس جگہ کی قوم کا تنزل مراد ہے۔ حالانکہ اسلام کسی کم درجہ کی تہذیب نہیں پھیلاتا جس میں پڑھنے اور لکھنے کا علم عمدہ لباس پہننا۔ ذاتی صفائی راست گوئی۔ اور سلف ریسپکٹ (شرف ذاتی) شامل ہیں اُسکی بُرائی سے روکنے اور تہذیب پھیلانے کے اثر بیحد عجیب ہیں۔" انتہی قول۔

کینن ٹیلر اگرچہ بالطبع عیسائی مذہب کو سب سے زیادہ سچا اور عمدہ مذہب خیال کرتے ہیں تاہم اُنہوں نے اسلام کی نسبت جو نہایت عجیب و غریب اعتراضات کئے ہیں ہم اُن کے لیئے اُن کے نہایت دلی شکرگذار ہیں۔

کینن ٹیلر نے اپنے اس مضمون کے مشتہر ہونے کے بعد لنڈن ٹائمس کے اڈیٹر کو جو ایک چٹھی لکھی تھی اُسمیں یہ لکھا تھا کہ "میرا وہ پہلا فقرہ جس پر بہت اعتراض ہوئے ہیں یہ ہے" کہ "ایشیا اور افریقہ میں مذہب اسلام بطور ایک وعظی مذہب کے بہ نسبت عیسائی مذہب کے زیادہ کامیاب ہے۔ اور ہماری کوششیں مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں بے سود ثابت ہوئی ہیں میں اولاً اپنی بحث ہندوستان سے شروع کروں گا جہاں کے باشندوں کی نسبت تقریباً صحیح اطلاع ہمارے سامنے موجود ہے اٹھارہ سو اکہتر (١٨٧١) اور اکاسی (١٨٨١) کے درمیان یعنے دس (١٠) برس میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی میں جو زیادتی ہوئی ہے وہ قریب بانوے لاکھ چالیس ہزار (٩٢٤٠٠٠٠) کے ہے۔ یعنی قریب پچیس (٢٥) فیصدی کے حساب سے اُس قدرتی زیادتی کو جو معمولاً پیدائش کی زیادتی اور موت کی کمی سے ہوئی ہے اگر ہم محسوب نہ کریں تو وہ نومسلم جو ہندو اور عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام اختیار کرتے ہیں اُن کی تعداد قریب چھ لاکھ سالانہ کے ہے مسلمانوں کے ہاں تنخواہ دار واعظ نہیں ہیں اور نہ کوئی اُن میں بڑی جماعت اس قسم کی ہے جو اپنے مذہب کے پھیلانے میں کمربستہ ہو پس یہ بڑی تعداد نومسلموں کی کچھ تو پرجوش مسلمانوں کی بالانفراد کوششوں اور کچھ مذہب اسلام کی حقیقی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ برخلاف اسکے عیسائیوں کو باوجود اُس تمام رعب و داب کے جو اُن کو ایک ہم مذہب گورنمنٹ کے ہونے سے حاصل ہے۔ اور باوجود اُس رقم کثیر اخراجات کے جو مشنری سوسائیٹیوں پر صرف ہوتی ہے کل تعداد اُن نئے عیسائیوں کی بڑی کھینچا تانی سے دسواں حصہ نومسلموں کی تعداد کا ہے۔"

اس سے آگے کینن ٹیلر نے اپنے اس بیان کی تفصیل کی ہے جو غیر ضروری سمجھکر چھوڑ دی گئی ہے۔

مسٹر جوزف طامسن لکھتے ہیں "چونکہ میں نے مشرقی اور متوسط اور مغربی افریقہ میں مختلف طور کے حالات دیکھے بھالے ہیں جہاں کہ میں نے مذہب عیسوی اور مذہب اسلام کو حبشیوں کے ساتھ ملا ہوا دیکھا ہے اسلیئے میں اپنے خیالات کے سنے جانے کا استحقاق رکھتا ہوں۔ آپ کے بعض کارسپانڈنٹوں نے یہ بیان کیا ہے کہ "مشرقی افریقہ اور اواسط ہنل میں تم مذہب اسلام کو اُس کی سچی رنگتوں میں بردہ فروشی اور ذلت اور جبر کے تمام طریقوں کے ساتھ ملا ہوا دیکھتے ہو" اس سے زیادہ بے بنیاد بیان خیال میں نہیں آسکتا۔ میں بلا تامل یہ بات کہتا ہوں (اور میں مشرقی اور وسط افریقہ کے حالات کے ایک زیادہ تر وسیع تجربہ کی رو سے بہ نسبت اُسکے جیسا کہ آپ کے کسی کارسپانڈنٹ کو حاصل ہے گفتگو کرتا ہوں) کہ اگر بردہ فروشی ترقی پر ہے تو اُسکا سبب یہ ہے کہ مذہب اسلام ان ملکوں میں جاری نہیں کیا گیا ہے۔ اور اسکی سب سے زیادہ قوی وجہ یہ ہے کہ مذہب اسلام کے شائع ہونے سے یہ مراد ہوتی کہ بردہ فروشی کا انسداد لازم آتا۔

حبشیوں کو مذہب اسلام کا واعظ اس وجہ سے نہیں کیا جاتا ہے کہ مسقط کے عرب اپنے غلاموں کے پکڑنے کے مقامات کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اسکے برخلاف عمل کرنے سے وہاں کے باشندوں کو مثل مسلمان بھائیوں کے سمجھنا پڑتا جہاں کہ انکو غلاموں کے پکڑنے کی امید تھی۔ اسی طریقہ میں آپ یقین کرلیں کہ ہمارے بہت سے عیسائی تاجر اپنی تجارت کے مقامات میں اپنے مذہب کے مشنریوں کے داخل ہونے کی نسبت نہایت سخت مزاحمت کرتے ہیں اگر یہ بات ثابت ہوتی کہ دیسی باشندوں میں مذہب عیسوی کا اعتقاد "جین" شراب کے صرف کثیر کے ساتھ کچھ تناقض نہیں رکھتا ہی۔ لیکن بعض اوقات کسی قوم کے مذہب کی نسبت مغالطہ کا ہونا جبکہ وہ بخوبی سمجھہ میں نہ آئے آسان ہی۔ علاوہ اسکے بڑے فخر کے ساتھہ یہ اشارہ کیا گیا ہی کہ "محمد کا مذہب براعظم افریقہ کے مشرقی حصہ میں نہیں پھیلتا ہی" یہ بالکل صحیح ہی میں نے ابھی ایک وجہ بیان کی ہی اور ایک دوسری اہم وجہ بھی موجود ہی۔ اسلام مثل مذہب عیسوی کے ایک غیر قوم کے ذریعہ سے دیسی باشندوں میں پھیلایا جاتا ہے۔ اور یہ ایک ایسی قوم ہی جو ہر طرح پر اُن سے برتر ہی اور جو اُن کو وحشی آدمی قرار دیتی ہیں مسقط کے عرب اور حبشیوں کے درمیان ایک وسیع پہاڑی ہی اور وہ اُسکے عبور کرنے کے واسطے کوشش نہیں کرتا ہے اور حبشی اُس قوم سے اس طرح پر علیحدہ ہونے کی وجہ سے اُسکے مذہب یا اُسکے طریقوں کے سیکھنے کے واسطے کوشش نہیں کرتا ہے لیکن جس حالت میں کہ میں بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ مشرقی وسط افریقہ میں بردہ فروشی اس وجہ سے ترقی پر ہے کہ وہاں مذہب اسلام جاری نہیں ہے تو میں اسیطرح دعوی کیا تھہ یہ بات کہتا ہوں کہ اس مذہب نے جسکو آپ اسقدر برا بھلا کہتے میں وہاں ایک بڑا فائدہ پہنچایا ہے۔ یعنے اُس نے شراب کی تجارت کو پھیلنے نہیں دیا ہی۔ زنجبار میں سلطان اس تجارت کو نہیں روک سکتے ہیں۔ کیونکہ عیسائی قوموں نے تجارت کے باب میں کسی قید کے قائم کرنے کی نسبت اعتراض کیا تھا۔ مگر خوش قسمتی سے سلطان ممدوح کو اپنے خاص ملک میں ابتک اپنے مذہب کے قواعد کے جاری کرنے میں زیادہ تر اختیار رہا ہی۔ اور اسطرح پر انھوں نے اُن کالے آدمیوں کی بداخلاقی کے روکنے میں جو بہ آسانی بہک جاتے ہیں بڑی مدد دی ہی۔ مگر چونکہ اب جرمنی کی "شائستگی کے رہنما" اس ملک میں وارد ہونے لگے ہیں اسلیئے اس بات کا دیکھنا باقی ہی کہ یہ حالت کبتک قائم رہیگی۔ اب مغربی افریقہ اور وسط سوڈان کی طرف جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم وہاں بالکل اسکے برخلاف حالت دیکھتے ہیں۔ یعنی یہاں اسلام بطور ایک زندہ جاندار قوت کے جاری ہی۔ اور اپنے ابتدائی زمانہ کے جوش اور مستعدی سے بھرا ہوا ہی اور نیز وہ اُس قسم کی عجیب کامیابی کے ساتھہ جو اُسکے ابتدائی زمانہ میں پائی جاتی تھی اور شخصوں کو اپنا معتقد بناتا ہی۔ یہاں اُسکا وعظ برابر صحرا الیونی کے بازاروں میں اور وادی نائیگر کی ذلیل مردم خوار قوموں میں کیا جاتا ہی جس ناواجب طریقہ میں مذہب عیسوی کے حامی بردہ فروشی کی برائیوں کو مذہب اسلام کے ذمہ لگانے کے واسطے کوشش کرتے ہیں اسی کے ساتھہ وہ بذریعہ قوت اور زور کے اُس کامیابی کی نسبت جو اسلام کو مغربی وسط افریقہ میں حاصل ہوئی ہے اصلی واقعات کو چھپاتے ہیں!!! چونکہ وہ کسی خوبی کو بجز اسکے جو اُن کو مذہبی ذریعوں سے معلوم ہو اور کسی خوبی کو نہیں پہچان سکتے ہیں اسلیئے وہ افریقہ کے باشندوں کے حق میں اُسکی ترقی کو بطور ایک ہولناک مصیبت اور آفت کے قرار دینا چاہتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں (جیسا کہ بچپن سے انہیں سکھلایا گیا ہی) کہ مذہب اسلام صرف آگ اور تلوار کے ذریعوں سے شایع ہوسکتا ہی۔ وہ نہایت

خوشی سے اُس غریب خوف زدہ حبشی کی تصویر کھینچتے ہیں جو سر برانو کھڑا ہوتا ہی اور اُسکے پیچھے اُسکے جھونپڑے میں اگ لگی ہوتی ہی - اور اُس کی عورتوں اور بچوں کو خبکی گردنوں میں پھانسی لگی ہوتی ہے خونخوار آدمی غلام بنانے کے لئے کھینچتے پھرتے ہیں - اور ایک شیطان صورت مسلمان برہنہ شمشیر لئے ہوئے اُس کے سر پر کھڑا ہوتا ہے اور یہ بات کہتا ہی کہ وہ "موت قبول کرے یا قرآن" یہ ایک پُرانا خیال اسبات کا ہی کہ مذہب اسلام کس طرح پر جاری کیا جاتا ہے - اور میں خیال کرتا ہوں کہ یہ ایک ایسا خیال ہی جو پچھلی نسلوں سے چلا آتا ہی - خوش قسمتی سے مجکو بطور خود اور مختلف طریقہ میں حالات کے مشاہدہ کرنے کا ایک موقع حاصل ہوا ہی - متوسط سوڈان اور مغربی سوڈان میں مذہب اسلام کی سب سے بڑی فتوحات صلح جو اور سادہ ذریعوں سے حاصل ہوئی ہی - یعنی زمانہ گزشتہ میں فہلانی گلہ بانوں کے ذریعہ سے - اور زمانہ حال میں مستعد اور اولوالعزم ختایا نیوپ کے تاجر کے ذریعہ سے بارہویں صدی کے قریب سے گلہ بان اپنے مذہب کو جھیل چڈ سے بحرالطلانطک پھیلانے میں مصروف رہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا ہی کہ پچھلی صدی کے خاتمہ پر تمام ملک میں چھوٹی چھوٹی مسلمانی جماعتیں قایم ہوگئیں - وہ بت پرستی کی اطاعت ترک کرنے اور خدا کی وحدانیت کا اعلان کرنے کے واسطے صرف ایک رہنما کے محتاج تھے چنانچہ اس صدی کے شروع میں فریو رہنما پیدا ہوا - اور ایک نہایت قلیل عرصہ میں مذہب اسلام ملک کے ایک وسیع حصہ میں بطور حکمراں مذہب کے جاری ہوگیا اور اُس نے وحشی قوموں میں ایسا جوش پیدا کیا جس نے نہایت حیرت انگیز نتیجے پیدا کئے ہیں - پچھلے برسوں میں مذہب اسلام کی اشاعت کا خاص ذریعہ جیسا کہ میں سابق میں بیان کرچکا ہوں قوم ختایا نیوپ کا تاجر رہا ہے یہ حبشی تاجر اپنے کام کے تقدس کی بدولت ہر ایک قوم میں اپنے خاص گھر سے سیکڑوں میل کے فاصلہ کے اندر گھس جاتا ہے اور وہ وحشی بت پرست کے ساتھ اُسی طرح ملتا ہے جیسے کہ خاص اپنی نسل کے آدمی کے ساتھ اور وہ اُسی مکان میں سوتا ہے اور وہیں کھانا کھاتا ہی - وہ ہر ایک مقام پر اپنا مذہب ساتھ لیجاتا ہے - اور اُس کی خاص خوبیاں خارج از قیاس اور پُرفضیلت مسایل کے باعث سے تاریک نہیں ہوتیں - وہ اُسی قدر مسائل جانتا ہے جن کو اُسکا بت پرست بھائی سمجھ سکتا ہے یا اُن کی پیروی کرسکتا ہے - یہ تاجر ایک مہینہ یا چھ مہینے یا سال بھر وہاں رہتا ہے - اور اس عرصہ میں لوگ اُس کے عُمدہ کپڑوں کی نہایت تعریف کرتے ہیں - اور اُسکی تقلید کرنا شروع کرتے ہیں - وہ کوئی ایسی بات نہیں دیکھتے ہیں جسکے حاصل کرنے کی اُن کو توقع نہ ہوسکے - اور اُسکے مذہب میں کوئی بات ایسی نہیں ہوتی ہے جسکو وہ نہ سمجھ سکتے ہوں - اس طریقہ میں شائستگی اور اسلام کے بیج جابجا بیشمار وحشی قوموں میں پڑگئے ہیں - یہانتک کہ ملک میں سیکڑوں کارخانوں کی آواز برابر گونجتی ہی - اور صبح اور دوپہر اور شام کو کلمۂ اسلام بلند ہوتا ہے اور جو زانو سابق میں پتھروں کے روبرو جھکتے تھے - وہ اب خدا کے روبرو جھکتے ہیں اور وہ ہونٹ جو ایک بھائی کے گوشت کے مزہ سے خوش ہوتے تھے اب اُس کی عظمت اور رحم کے تسلیم کرنے میں مصروف ہیں +

اگر اسلام ہمیشہ اس قسم کے پُرامن ذریعوں سے جاری نہیں کیا گیا ہے تو اس میں تعجب کی بات کیا ہے؟ کیا ہم کو فریب اٹھارہ صدی کے اسبات کے دیکھنے کے واسطے درکار نہیں ہوئے ہیں کہ ہمیں اور شخصوں کو زبردستی

اپنا مذہب قبول کرانے کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے۔ پس کیا تعجب ہے اگر سرگرم جوشی مذہب کے جاری کرنے والے بعض اوقات اپنے غیر معتقد اور پر ضد بھائیوں میں اپنے مذہب کی برکتیں زبردستی جاری کرنا چاہیں"۔ انتہی قولہ

پھر ارکھارٹ صاحب مورخ لکھتے ہیں کہ "اصول شرع اسلام میں سے ہر ایک اصل کو دیکھئے تو فی نفسہ ایسی عمدہ اور موثر ہے کہ شارع اسلام کے شرف و فضیلت کو قیامت تک کافی ہیں۔ اور اُن سب اصول کے مجموعہ سے ایک ایسا انتظام سیاست قایم ہو گیا ہے۔ جس کی قوت و متانت کے سامنے اور سب انتظامات سیاست ہیچ ہیں۔ ایک شخص کی حین حیات اور وہ بھی ایسا شخص جو ایک جاہل۔ وحشی تنگ مایہ و کم ظرف قوم کے قابو میں تھا وہ شرع اُن ممالک میں شایع ہو گئی جو سلطنت قاہرہ روم کبیر سے کہیں عظیم و وسیع تھیں جبتک اس شرع میں اس کی اصلی کیفیت باقی رہی اُسوقت تک کوئی چیز اُسکا مقابلہ نہ کر سکی"۔

مسٹر گاڈ فری ہیگنس لکھتے ہیں کہ "مورخوں نے بیاں کیا ہے کہ محمدؐ کے زمانہ کے بیشتر اہل عرب میخواری اور قماربازی کے نہایت عادی تھے۔ مگر اُن کے دو حکموں کی وجہ سے شراب و قماربازی کا رواج قطعاً موقوف ہو گیا۔ گو کہ اُن کو ذریعہ شہوت رانی اپنے رفقا کا الزام لگایا گیا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ تقویٰ اور پرہیزگاری برائے نام ہی نہیں معلوم ہوتی بلکہ مے نوشی اور قماربازی ایسے کبیرہ جرم قرار دیئے گئے ہیں جو معافی کے لائق نہیں۔ اور جنکی بیخ کنی ایک دم سے کر دی گئی۔ اُن کے پیرووں کی کل شہوات نفسانی اور تعصب اور عادات کی بندش کر دی گئی ہے ضرور ہے کہ سب کو ترک کریں ورنہ اُنکے تابع نہیں ہو سکتے"، وہ لکھتے ہیں کہ "گبن درست کہتا ہے کہ 'جس عیش و عشرت سے دل للچائے اُس کی تکلیف دہندہ قیدیوں کو بلاشبہ رندوں اور منافقوں نے اُٹھا دیا ہے۔ مگر اُس واضع قانون پر جس نے کہ اُس کو بنایا یقیناً انصاف کی رو سے اسبات کی تہمت نہیں ہو سکتی کہ اُس نے اپنے مریدوں کو اُن کی شہوات نفسانی کی اجازت دینے سے فریب دیا"، فی الحقیقت میرے نزدیک فرنگستان کی کیا ہی خوش قسمتی ہوتی اگر بموجب حکم آلہی دین عیسوی میں بھی اِن کی ممانعت ہو جاتی" پھر تھوڑا سا آگے چلکر لکھتے ہیں کہ میری رائے ناقص اور خیالات محدود کے بموجب اگر شراب اور قماربازی وغیرہ کی ممانعت انجیلوں میں پائی جاتی تو انسان کی خوشی کچھ کم نہ ہو جاتی اور اگر حضرت عیسیٰ اپنے علم غیب سے جو بزعم لوگوں کے اُن کو حاصل تھا اور جس کا محمدؐ کو دعویٰ نہ تھا۔ منشی چیزوں کی ممانعت کر دیتے بجز اُن صورتوں کے کہ جن میں وہ دوا کے طور پر ضروری ہوں تو اُس سے کچھ برائی زیادہ نہو جاتی

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب ایم۔اے لکھتے ہیں اگرچہ بالطبع عیسائیت کو اسلام پر ترجیح دیتے ہیں مگر تاہم جو کچھ اُنھوں نے اسلام کی تائید میں لکھا ہے وہ ہماری نہایت شکر گزاری کا مستحق ہے"، وہ لکھتے ہیں کہ "اسلام کی نسبت جو بات بار بار کہی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اُس کے اس قدر کامیاب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک بڑی حد تک شہوات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ کوئی چھوٹی بات نہیں ہے جسکے معنے گویا یہ ہیں کہ ایک مذہب اپنی بداخلاقیوں کی وجہ سے بھی دایمی کامیابی حاصل کر سکتا ہے میں یہ نہیں کہتا کہ اسلام اپنی اخلاقی حالت میں کامل عیسائیت کے برابر ہے۔ کیوں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عربوں کے لئے نئے خصایل و عادات تجویز نہیں کئے اور یہ اُنکی دانائی تھی کیوں کہ عربوں کے خصایل و عادات کو یکایک بدل دینا یا محو کر ڈالنا

ممکن نہ تھا۔ سولن (ایک مشہور ترین یونانی مقنن اور حکیم) نے اپنے قوانین کی نسبت کہا ہے کہ "گو میرے قوانین
ایسے نہیں ہیں جو بہترین کہے جاسکیں۔ مگر البتہ وہ اتھینز کے لوگوں کی حالت کے لحاظ سے اُن کے لیئے بہترین قوانین
ہیں"۔ اور اُسکا یہ جواب عموماً صحیح تسلیم کیا جاتا ہے +

موسے نے عادات و رسوم ملکی مثل اختیارات سردار قوم قتل عام خونی دشمنیان۔ تعدد ازواج اور غلامی کو جیسا
پایا ویسا ہی رکہا اور بجائے بالکل موقوف کرنے کے صرف اُن کی نہایت شدید برائیوں کی اصلاح کردی اور اسطرح پر
بلاارادہ کسی رسم کو تو پہلے سے زیادہ مستقبل اور کسی کو ایسا کردیا جو آخر کار مٹ جائے +

اسی طرح مذہب عیسوی نے اپنے زمانہ کے کل قومی یا پولٹیکل رسوم و دستورات کو ملیامیٹ نہیں کیا۔ مسیح نے
صرف اسپر قناعت کی کہ اپنے پیروؤں کے دلوں میں نیک اصولوں کا بیج بو دے تاکہ جب وقت آئے وہ قبیح رسوم
دستور خودبخود مٹ جائیں۔ اُس نے یہ ارادہ کرکے کہ میں بیج بوؤں اور لوگ اُس کا پھل کھائیں۔ اور میں محنت
کروں اور لوگ اُس سے فائدہ اٹھائیں۔ زمین میں رائی کا بیج ڈالدیا جو کسی دن ایسا عظیم الشان درخت ہو جائے
جس کی شاخیں دنیا پر چھا جائیں اور سب قوموں کے لیئے برکت ہوں۔ ایک نہایت عالیشان ضبط نفس کیسا تھ
کے ساتھ یہ خیال کرکے کہ میرا مذہب آئندہ زمانہ میں نہایت ترقی پائے گا مسیح نے اُس وقت خاص کا خیال چھوڑ دیا
اور سلطنت روم کی سخت برائیوں مثل فتوحات ممالک غیر ظلم امیغی ہتی اٹیر اور غلامی کو جو اُس کی روح پر صدمہ پہنچانے
ہونگی بُرا بھلا نہ کہا۔ بلکہ ایسے الفاظ کہے جنکے معنے غلطی سے یہ لگائے گئے کہ ہر حالت میں دوسروں کی اطاعت واجب
ہے۔ اور یہ کہ لوگوں کو قوانین ملک سے اطاعت کے سوا اور کچھہ سروکار نہ ہونا چاہیئے۔ محمدؐ بانی مذہب ہونے کے
علاوہ ایک مقنن اور مدبر بہی تہے۔ پس کیا وجہ ہے کہ جو عذرات ہم سولن کے لیئے جائز قرار دیتے ہیں اور جو تعریف کہ ہم
شریعت موسوی کے محدود احکام کی کرتے ہیں اسلام کے لیئے اُن سے انکار کیا جائے۔ ذاتوں کی تفریق کے بعد تعدد
ازواج فی الواقع سب سے زیادہ خرابی پیدا کرنے والی رسم ہے جو ایک ایسی قوم میں جاری رہ سکتی ہے جو اپنی ترقی کے
ابتدائی درجوں کو طے کرچکی ہو۔ اس سے محبت شہوات نفسانی کی ذلیل صفت میں منتقل ہوجاتی ہے اور اسطرح
مرد و عورت میں تمام روحانی تعلق منقطع ہوجاتا ہے۔ یہ سوسائٹی کی بنیاد کو خراب کردیتی ہے۔ کیونکہ خاندان ہی تمام
پولٹیکل اور سوشیل نیکیوں کی اصل ہے۔ اگر محمدؐ اس بد رسم پر جھاڑو پھیر دیتے تو وہ اُس بار احسان کو جو اُن کی طرف سے
تمام ایشیائی دنیا پر ہے دوگنے سے بہی زیادہ کردیتے۔ لیکن میں نہیں خیال کرسکتا کہ اگر بالفرض ان کو اسکی پوری
پوری برائیاں معلوم بہی ہو جاتیں تب بہی وہ ایسا کرسکتے تعدد ازواج ایک ایسی رسم ہے جو ایسے ایسے عمیق اسباب سے پیدا
ہوتی ہے کہ کوئی مصلح قوم خواہ کیسا ہی بڑا کیوں نہ ہو اس کو اپنی زبان کے الفاظ یا قلم کی حرکت سے دور نہیں کرسکتا۔
بت پرستی کے دور کرنے میں جیسا کہ میں نے پچھلے لکچر میں کہا ہے محمدؐ خاص عربستان میں ایک تاریخی نظیر وحدانیت الٰہی
کے اعتقاد کی رکھتے تہے اور ایک موجودہ مذہبی خیال بہی اُن کی تائید کے لیئے موجود تھا جسکی امداد سے فائدہ اٹھانے
میں اُنہوں نے کوتاہی نہیں کی۔ لیکن رسم تعدد ازواج کے منع کرنے میں اس قسم کی کوئی بیرونی امداد وہ نہیں پا سکے
تہے۔ کیونکہ عرب کے عالی خیال لوگوں میں بہی مطلق کوئی خیال ایک عورت سے شادی کرنے کی تائید میں نہ تھا

ورنہ خود عورتیں اپنی حالت پر ایسی ہی قانع تھیں جیسے کہ خداوند۔ پس مثل ایک سٹیٹ عرب کے محمدؐ نے تعدد ازدواج کی رسم کو بطور ملک کی ایک موجودہ رسم کے قایم رکھا مگر مصلح اور مقنن ہونے کی حیثیت سے بہت سے قاعدے اُس کی بُرائیوں کے گھٹانے کے لئے بنا دیئے۔ لیکن اس بنا پر یہ کہنا کہ اسلام رسم تعدد ازدواج کا جواب دہ ہے اُسی قدر خلاف انصاف ہے جس قدر یہ کہنا کہ مذہب عیسوی غلامی کا جواب دہ ہی۔ انجیل میں بیشک کوئی صریح مخالفت غلامی کی نہیں ہی بلکہ اس کے برخلاف اُس میں غلامی کو بطور ایک موجودہ رسم کے قبول کیا گیا ہی۔ اور پولوس نے مالکوں کے ساتھ نوکروں کے فرایض (جنکو اُس نے غلاموں کے سخت نام سے مخاطب کیا ہی) ایسی ہی صراحت سے بیان کیا گیا ہی جیسا کہ مالکوں کے فرایض کو اُن کے ساتھ۔ مگر اس بنا پر کوئی عیسائی یہ قبول نہیں کرنے کا کہ اُسکے مذہب نے غلامی کو جایز رکھا ہے یا اُسکے لئے ذمہ وار ہے کیوں کہ اُسکو یہ ثابت کرنا کچھ مشکل نہ ہو گا کہ جس درجہ کی انسانیت کی تعلیم انجیل میں ہر مقام پر دی گئی ہے وہ غلامی کو ایک عرصہ دراز تک قایم رکھنے کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتی اور بدانہ اول تو فرداً فرداً عیسائیوں اور پھر عیسائی قوموں کی حالت کی نظیر اُسے اُس امر کے لئے کافی ہے کہ غلامی کی موتوفی کو جیسا کہ آخر کار اُس نے اب کیا ہے حاصل کرے +

پس غلامی عیسائیت کے صرف ساتھ ساتھ چلی آئی ہے۔ مگر اُس میں مل نہیں گئی جیسے دریائے آرد کا گدلا پانی دریائے رہون کے صاف وشفاف پانی سے دونوں دریاؤں کے باہم ملجانے کے بعد بھی دور تک ممیز چلا جاتا ہے شاید یہ بات تعجب انگیز معلوم ہوتی ہی کہ عیسائیت اور غلامی ایک روز کے لئے بھی کسطرح اکٹھی رہیں لیکن ہم کو تو حقایق سے بحث ہی اور یہ امر محقق ہے کہ غلامی بیشک عیسائیت کے ساتھ ساتھ رہی ہے بلکہ اُس نے عیسائیت کی رو سے جائز ہونے کا دعوے اس انیسویں صدی تک بھی کیا ہے +

بحیثیت ایک اخلاقی اور قانونی مجموعہ کے اسلام کا مقابلہ بہ نسبت عیسائیت کے جیسا کہ میں نے اسوقت کیا ہی یہودیت کے ساتھ کیا جانا زیادہ تر قرین انصاف ہے کیونکہ تہذیب و شائستگی خصایل و عادات اور قومیت کے لحاظ سے محمدؐ کے زمانہ کے عرب بہ نسبت اُن قوموں کے جنپر عیسائیت اپنا اصل قبضہ کرنے والی تھی بنی اسرائیل سے زیادہ تر مشابہ تھے۔ چنانچہ شریعت موسوی نے تعدد ازدواج کو روکنا تو کیا اُسپر کوئی حد بھی نہیں لگائی۔ ائمہ دین اور جج اور بادشاہ تمام اس رسم کے پابند تھے اور جو لوگ اُن میں زیادہ عالی رتبہ اور زیادہ تر روحانی خیالات رکھتے تھے وہ بھی اس رسم کے باب میں اُن لوگوں سے کچھ کم نہ تھے۔ وہ شخص جس کا خدا کا سا دل (حضرت داؤد کی طرف اشارہ ہی) اور وہ بادشاہ جس کی دانائی اور شان و شکوہ کے گیت اب تک بہت سے مشرقی ملکوں میں گائے جاتے ہیں (یعنے حضرت سلیمانؑ) اس رسم کے ایسے پیرو تھے کہ اُن سے وہ مسلمان سردار بھی جنہوں نے قرآن کے قوانین کو توڑ ڈالا اور اپنی وحشیانہ خواہشیں پوری کرنے اور شان و شکوہ ظاہر کرنے کی ہوس میں روایات کے معنوں میں یہانتک تاویلیں اور کھینچ تان کی کہ وہ اپنی حد سے باہر ہو گئیں مشکل سبقت لیجا سکتے ہیں۔ محمدؐ مشرقی سوسائٹی کی کل رسموں کو نہیں بدل سکتے تھے البتہ جو کچھ اُن سے ہو سکا وہ اُنہوں نے کیا کم سے کم اُنہوں نے اتنا تو ضرور کیا کہ اس غیر محدود رسم کو محدود بنا دیا اور نیز طلاق کے باب میں جو سخت بے پروائی

تھی اُسکی بھی اصلاح کی"۔ (انتہیٰ قولہ)

ایزک ٹیلر صاحب نے افریقہ میں مذہب اسلام کی لنسبت بحث کرتے ہوئے قصبۂ وُلور ہیمپٹن کی چرچ کانگریس کے روبرو اپنی رائے حسب ذیل بیان کی کہ " وہ بڑی عملی مشکلیں افریقہ کو اعتقاد پر لانے کے لئے ہیں یعنی تعدد ازدواج اور خانگی غلامی۔ محمدؐ نے ان کی ممانعت نہیں کی جیساکہ موسیٰؑ نے بھی نہیں کی تھی۔ یہ ناممکن ہوتا۔ لیکن اُس نے (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اُن کی برائیوں کو ہلکا کر دینے کی کوشش کی۔ غلامی مذہب اسلام کا کوئی جزو نہیں ہے۔ وہ بطور ایک اضطراری برائی کے محمدؐ نے جایز رکھی تھی جیساکہ موسیٰؑ اور سینٹ پال نے کیا تھا تعدد ازدواج ایک بہا دقیق مسئلہ ہے موسیٰؑ نے اُس کو نہیں روکا اور داؤد جس کا خدا کا دل تھا اُسکو عمل میں لایا۔ اور انجیل میں صاف طور سے ممنوع نہیں ہے اگرچہ اُسکے اصلی منشا کے برخلاف ہے۔ محمدؐ نے تعدد ازدواج کی بیجا اجازت کو محدود کر دیا۔ صرف ایک عورت سے شادی کرنا شاذ و نادر نہیں ہے۔ بلکہ سب سے زیادہ تہذیب یافتہ مسلمان ملکوں میں یہ ایک عام قاعدہ ہے۔ ہم کو یہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ رسم تعدد ازواج معہ اپنی تمام برائیوں کے ہم وزن فوائد بھی رکھتی ہے اُس نے دختر کشی کی رسم کو بالکل موقوف کر دیا ہے اور ہر ایک عورت کا ایک قانونی ولی اُسی کے سبب سے ہوتا ہے۔ تعدد ازواج کے سبب مسلمانوں کے ملک پیشہ ور عورتوں سے جو کہ مذہب سے خارج کر دی گئی ہیں بالکل بری ہیں۔ اور یہ تمام عیسائی ملکوں کی زیادہ تر رسوائی کا باعث ہیں بہ نسبت تعدد ازدواج کے جو کہ اسلام کے لئے ہے۔ اور ٹھیک طور سے باقاعدہ بنائی ہوئی رسم تعدد ازدواج مسلمانوں کے ملکوں کی عورتوں کو بہت کم ذلیل کرنے والی اور مردوں کے لئے بہت کم نقصان پہنچانے والی ہے۔ بہ نسبت اُس ناجائز رسم تعدد شوہروں کے جو عیسائیوں کے تمام شہروں کا وبال ہے اور جو اسلام میں بالکل نہیں پائی جاتی۔ ہم کو خبردار ہونا چاہیئے کہ شاید ایک برائی کو بیوقت دور کرنے میں ہم اُسکی جگہ ایک اُس سے زیادہ بڑی برائی کو قایم کر دیں۔ انگریز جن کو ایک عورت کے لئے کئی خصم ہونے پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں مسلمانوں پر جو کہ جورؤں کے تعدد کو پسند کرتے ہیں طعن کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ہمکو قبل اسکے کہ کسیکی آنکھہ کے تنکے کا خیال کریں اپنی آنکھ کا شہتیر نکالنا چاہیئے (ماخوذ از اخبار سینٹ جیمس گزٹ لنڈن مطبوعہ ۸ر اکتوبر ۱۸۸۷ع)

اگر کسی مذہب کی سچائی رکھنے کے لئے اس امر کو معیار قرار دیا جائے کہ اُس نے اُس زمانہ کی حالت کے موافق عورتوں نے کیا رعایت کی اور غربا و ساکین اور مظلوم لوگوں کے لئے کیا کیا تو محمدؐ کا مذہب بیشک اس آزمایش کی برداشت کر سکتا ہے۔ نبی عربی نے ان دو باتوں کے لئے جو قانون بنائے وہ مشرکین بلکہ بعض حالتوں میں یہودیوں کے طریقہ سے بہت زیادہ عمدہ تھے۔ زمانۂ جاہلیت کے عرب جتنی جورؤیں چاہتے تھے کر لیتے تھے مگر قرآن نے شرعی طور پر اُن کی تعداد کو صرف چار پر محدود کر دیا۔ اُن میں طلاق خاوند کی صرف طبیعت کی ایک ترنگ پر منحصر تھا۔ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے مہر اور نیز تمام حقوق زوجیت سے محروم ہو جاتی تھی مگر قرآن حکم دیتا ہے کہ مہر ہر حالت میں واپس دیا جائے۔ اور اس امر کا تیقن حاصل کرنے کے لئے کہ طلاق کے عمل میں لانے یا طلاق دیکر دوبارہ زوجیت میں لے لینے کے باب میں جسکو کہ نبی عربی بخلاف اپنے ہموطنوں کے بہت اہم اور قابل اعتراض

حرکت خیال کرتے تھے) صرف تلوّن مزاجی نہیں ہوئی بلکہ کامل غور اور خوض کی گئی ہے اُس نے یہ حکم دیا کہ کوئی شخص جو اپنی عورت کو ایک بار طلاق دیچکا ہو اُس کو دوبارہ زوجیت میں نہیں لے سکتا تا وقتیکہ وہ اپنی اس غافلانہ بیرحمی کا کچھ کفارہ ایک غلام آزاد کر کے نہ دے۔ زمانہ جاہلیت کے عرب خاوند یا باپ کی ملکیت میں عورت کو کوئی حق نہیں دیتے تھے اس بنیاد پر کہ جو شخص ہتھیار نہیں اٹھا سکتا وہ ملکیت کا وارث نہیں ہو سکتا۔ مگر قرآن حکم دیتا ہے کہ عورتوں کو حق وراثت حاصل ہے مثلاً بیٹی کو بیٹے سے نصف حصہ پہنچتا ہے زمانہ جاہلیت کے عرب متوفی خاوند کی جورو کو اُسکے وارث کا حق سمجھتے تھے جو اکثر عورتوں کا سوتیلا بیٹا ہوتا تھا۔ محمد عربی نے اس قسم کی تمام شادیوں کو بُرا کہا جو اُن سے پہلے عام طور پر کی جاتی تھیں اُس زمانہ کے عرب اپنی لڑکیوں کو زندہ دبا دیا کرتے تھے جیسا کہ عرب کی اس مثل سے ظاہر ہے کہ "عورتوں کو پہلے سے دوسری دنیا میں بھجدینا فائدہ مند ہے اور سب سے بہتر داماد قبر ہے" اور جو دو شخصوں کی نئی شادی ہوتی تو اُن کو یہ مبارکباد دیجاتی کہ "تم سدا اتفاق سے رہو اور تمہارے بیٹے ہوں مگر بیٹی نہو"۔ اسی قسم کے خیالات کا ظاہر کرنا تھا۔ محمد عربی نے نہایت سختی کے ساتھ اس بیرحمانہ طریقہ کو منع فرمایا اور کہا کہ وہ لڑکی جو زندہ زمین میں دبائی گئی ہے قیامت کے روز یہ سوال کرے گی کہ میں کس گناہ میں قتل کی گئی۔ زمانہ جاہلیت کے عرب جنکو یہ یقین تھا کہ مرنے کے بعد کسی نہ کسی قسم کی آئندہ زندگی ہوگی عورت کو اُس سے بالکل خارج سمجھتے تھے اور بہت سے لوگوں (عیسائیوں) نے یہ خیال کیا ہے کہ محمد نے بھی ایسا ہی کیا۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ "جو شخص نیک عمل کرے اور سچا ایماندار ہو خواہ مرد ہو یا عورت بہشت میں داخل ہوگا۔ ایک بڑھیا عورت ایک دفعہ نبی عربی کے پاس آئی اور اُن سے درخواست کی کہ دعا کرو کہ میں بھی بہشت میں داخل کی جاؤں۔ محمد نے جواب دیا کہ کوئی بڑھیا عورت بہشت میں داخل نہ ہوگی۔ یہ سُنکر جب وہ رونے لگی تو محمد مسکرائے اور اُس مہربانانہ ہنسی کے طور پر جو اُن کی عادت تھی فرمایا "کوئی بڑھیا عورت بہشت میں نہ جائے گی کیونکہ وہاں سب دوبارہ جوان ہو جائیں گے"۔

یہ کہا جاتا ہے کہ خاوندوں کو چاہیئے کہ اپنی جوروؤں سے محبت کریں انجیل کا حکم ہے نہ کہ قرآن کا۔ مگر سنو! وہ الوداعی خطبہ محمدؐ کا جو انہوں نے کوہ عرفات پر جو حاجی جمع ہوئے تھے اُن سے مخاطب ہو کر اپنی وفات سے ایکسال پہلے فرمایا تھا "یعنے اے لوگو تمہاری بیویوں پر تمہارے حقوق ہیں اور تمہاری بیویوں کے حقوق تم پر ہیں۔ اپنی بیویوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آؤ کیونکہ فی الحقیقت تم نے اُن کو اپنی زوجیت میں خدا کی کفالت کے ساتھ لیا ہے۔ اور خدا کے حکم سے وہ تمہارے لئے جائز ہوئیں۔ نبی عربی کا ذاتی خیال طلاق کے مروّجہ دستور کی نسبت نہایت خوبی کے ساتھ اُس قول میں مندرج ہے جو روایات میں اُن سے منسوب کیا گیا ہے یعنے مخلوقات الٰہی میں کوئی چیز غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ مجھکو پسند اور طلاق دینے سے زیادہ قابل نفرت معلوم نہیں ہوتی۔ اور یہ بھی قبول کرنا چاہیئے کہ اس معاملہ میں اُن کا نمونہ ایسا ہی عمدہ ہے جیسا کہ اُن کا حکم جو کچھ محمد نے عورتوں کی بہتری کے لئے کیا وہ صرف یہی رعایتیں نہیں جو میں نے اوپر بیان کی ہیں۔ بلکہ تعدّد ازدواج کی نسبت سخت قوانین کی قید لگانے اور اُس قومی اخلاقی خیال کے پیدا کرنے کے علاوہ جو ان قوانین سے بعد میں پیدا ہوا وہ اس زمانہ تک کے مسلمانوں کے ملکوں کو اُن پیشہ ور عورتوں سے (جو اپنی ذلیل حالت میں رہتی اور اپنے وجود سے اُس سوسائٹی کے ہر ایک ممبر کے لئے

دائمی ملامت کا باعث ہوتی ہیں جس میں وہ ہوں) ایک ایسے بڑے درجہ تک پاک کرنے میں کامیاب ہوا جیسا کہ اور کسی ملک میں کبھی نہیں ہوا۔ میں اس امر کو فراموش نہیں کرتا کہ محمدؐ نے سخت مجبوری کے درجہ کی حالت میں خاوندوں کو اپنی عورتوں کو بدنی سزا دینے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ اعتدال کے ساتھ دیجائے۔ اور یہ کہ اُس نے عورتوں کیلئے پردہ کا حکم یا اجازت دی ہے۔ اور یہ کہ اپنے لئے اُس نے تعدد ازدواج کی اُس حد کو توڑ ڈالا جو اس نے اوروں کیلئے لگائی تھی۔ اور یہ کہ اُس نے جنگ سے قید میں آئی ہوئی عورتوں کو حرم بنانا جائز قرار دیا اور میں بخوبی قبول کرتا ہوں کہ اُس کے پیرؤوں نے بہ نسبت اُس کی تعلیم کے اعلےٰ حصوں کی پیروی کی اِن ناقص حصول کی پیروی اور اطاعت کرنے میں بہت زیادہ مستعدی ظاہر کی مگر تاہم میں بھروسہ کے ساتھ کہتا ہوں کہ بمقابلہ بت پرست مذہب کے بلکہ یہودیت کے بھی محمدؐ نے عورتوں کو اُن کی پہلی حالت سے بہت زیادہ ترقی دی اور اس طرح پر اُن کے شکریہ کے مستحق ہوئے۔ (انتہی قولہ)

مسٹر باسورتھ اپنی کتاب "محمدؐ اینڈ محمدن ازم" میں لکھتے میں کہ "اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ غلامی کی نسبت اسلام نے کیا کیا۔ چنانچہ اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اُسکے باب میں بھی ترقی کی جانب قدم بڑھایا گیا۔ بلکہ عورتوں کے باب میں جو قانون بنایا گیا اُس کی بہ نسبت غلامی کے معاملہ میں زیادہ ترقی کی گئی۔ بیشک محمدؐ نے غلامی کو بالکل مٹا نہیں دیا کیونکہ ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے ایسا کرنا نہ تو مناسب ہی تھا اور نہ ممکن ہی تھا۔ لیکن اُنہوں نے لوگوں کو غلاموں کے آزاد کرنے کی رغبت دلائی اور یہ اصول قرار دیا کہ جو قیدی مسلمان ہو جائے وہ آزاد سمجھا جائے اور اس سے بھی زیادہ تر اہم بات یہ کی کہ اُنہوں نے حکم دیا کہ کوئی آزاد شدہ غلام اس سبب سے کہ اُس نے محبت و مشقت سے ایک دیانتداری اور عزت کی زندگی بسر کی ہے ذلیل نہ سمجھا جائے۔ اور اُن کی نسبت جو حالت غلامی میں ہوں یہ حکم دیا کہ اُن کے ساتھ مہربانی اور ملائمت سے برتاؤ کیا جائے۔ چنانچہ اُنہوں نے اخیر اپنے الوداعی خطبہ میں جو اپنی وفات سے ایک سال پہلے بمقام منا پڑھا تھا کہا کہ "اے مسلمانوں تم غلاموں کو ویسا ہی کھانا کھلاؤ جیسا کہ تم خود کھاتے ہو اور ویسا ہی کپڑا پہناؤ جیسا کہ خود پہنتے ہو۔ کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں اُن کو ستانا نہیں چاہیئے پس ایک غلام جو قانون اور ایسے اعلےٰ درجہ کے احکام مذہبی کی حفاظت میں ہو وہ اُن معنوں کے لحاظ سے جو لفظ غلام کے اس زمانہ میں سمجھے جاتے ہیں غلام نہیں کہا جا سکتا جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ وہ لفظ جسکا ترجمہ غلام ہے قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ جو جملہ قرآن میں استعمال کیا گیا ہے وہ یہ ہے "وہ تمہارے داہنے ہاتھ کے قبضہ میں ہیں" جسکے معنے صرف یہ ہیں کہ جو ایک واجب طور کی لڑائی میں قید ہو کر آئے ہوں اور اس طرح پر اپنی آزادی سے محروم ہو گئے ہوں۔ ایسے قیدی اگر مسلمان ہو جاتے تھے تو اُن کی نسبت یہ حکم تھا کہ آزاد کر دیئے جائیں لیکن اگر اپنے مذہب پر قایم رہتے تھے تو آپ کا حکم اپنے معتقدوں کے لئے یہ تھا کہ پھر بھی تم اُنہیں اپنا بھائی سمجھو اُنہوں نے فرمایا کہ جو مالک اپنے غلام سے مہربانی کرے وہ مقبول خدا ہو گا۔ اور جو اپنے اختیار کو بُرے طور پر استعمال میں لائے یعنی غلام کو ستائے وہ داخل بہشت نہ ہو گا۔ ایک مسلمان نے اُن سے سوال کیا کہ جو میرا غلام مجھے ناراض کرے اُسے کتنی بار مجھے معاف کر دینا چاہیئے نبی عربی نے جواب دیا "ایک روز میں ستر دفعہ" محمدؐ نے ایک

نیم شائستہ ریاست کے سردار کی طرح قیدی عورتوں کو حرم بنانا جائز رکھا لیکن وہ عورت جبکہ اُسکے بچہ پیدا ہو جائے اُس کی نسبت یہ حکم دیا کہ وہ اولاد سے جدا نہ کی جائے اور نہ وہ پھر بیچی جائے۔ بلکہ مالک کے مرجانے کی حالت میں آزاد سمجھی جائے۔ یہ رحیمانہ قوانین جیسے کہ اُمید کی جاسکتی ہے قوانین شریعت موسوی کے مرادف ہیں لیکن بہت سی باتوں کے لحاظ سے اُن سے بہتر ہیں بلکہ ایسے ہیں کہ کسی یورپین یا آمریکن بردہ فروش سلطنت نے اپنے مجموعہ قوانین میں اسوقت تک درج نہیں کیئے تھے جب کہ عیسائیت کی موج نے (انسانیت وشائستگی کی موج لکھتے تو معقول ہوتا) غلامی کو بالکل نیست ونابود کردیا۔ مثلاً ایک یہودی قوم کا آدمی جب غلام ہو جاتا تھا اُسکی نسبت (شریعت موسوی کا) یہ حکم تھا کہ "جب وہ اپنی غلامی کا زمانہ پورا کرلے تو آزاد سمجھا جائے" لیکن وہ عورت جس سے اُسکے مالک نے اُسکی شادی کردی ہو مع بال بچوں کے اُس سے جدا کرلی جائے اور غلامی میں رہے۔ جو مسلمان مالک اپنے غلام پر بلے وجہ خفا ہو اُس پر واجب ہے کہ اُسکو فوراً آزاد کردے۔ مگر بخلاف اِسکے اگر کوئی یہودی اپنے غلام کو یہانتک ستائے کہ اُس کو جان سے مار ڈالے تو اُسکے لئے صرف ایک سزا کا حکم تھا لیکن اگر وہ اِس سزا کی حالت میں ایک یا دو دن تک زندہ رہے تو بالکل چھوڑ دیا جائے۔ جیساکہ انجیل کے انگریزی ترجمہ میں خوفناک سخت الفاظ میں اسی مطلب کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ "غلام اپنے مالک کا روپیہ ہے" یعنی جس طرح چاہے اُسے استعمال کرے۔ آمریکہ کی اُن سلطنتوں میں جن میں غلامی جائز تھی۔ غلام کو کوئی حق قانونی حاصل نہ تھا۔ اگر کوئی مالک اپنی لونڈیوں سے نیک برتاؤ کرتا تھا تو یہ صرف اسکی انسانیت سمجھی جاتی تھی نہ کہ اسلام کی طرح کہ اُسکے (یعنے مالک کے) نہایت عروج کی حالت میں بھی عدالت کو اجازت تھی کہ اُس کو غلام پر مہربانی کرنے کے لئے مجبور کرسکے تمام انسانوں کا خدا کی نظر میں برابر ہونا ایک ایسا اصول تھا جسپر محمدؐ نے ہر ایک مقام پر زور دیا ہے اور اس طرح پر چونکہ یہ اصول غلامی کی نسبت ذات وغیرہ کے خیال کو بالکل مٹا دیتا تھا اسلئے غلامی کی ذلت کو بھی رفع کردیا محمدؐ کے نزدیک محنت کرنا ذلت کا موجب نہ تھا۔ اور ملک عرب کی رسم غلامی (جس میں محمدؐ کی مہربانی سے والدین اور بچوں اور عزیزوں کا ایک دوسرے سے جدا کیا جانا بالکل موقوف تھا) اگرچہ اصولاً ہمیشہ بُرا کہنے کے لایق ہے لیکن اُسکی وجہ غلامی سے ایک زیادہ تر مستحکم اور زیادہ تر مستقل تعلق ہوگیا جو گہر میں دوسرے لوگوں سے خدمت لینے کے اُس طریقہ سے جو اور ملکوں میں جاری تھا کچھ زیادہ بُرا نہیں کہا جاسکتا"

چنانچہ سر جان مالکم صاحب انجہانی سابق سفیر ایران وگورنر بمبئی باوجود اُس تشدد وتصلب کے جو انہیں اپنے مذہب میں ہی اپنی بے نظیر تاریخ ایران کے بائیسویں باب میں لکھتے ہیں کہ "بالجملہ محمدؐ را خلقے نیکو وفصاحتے حاضر وشجاعتے باہر وحکمتے وافر بود۔ دراں وضع کہ ملک خود را دید واسبابے کہ جہت انتشار شریعت واستقرار حکومت خود فراہم آورد اگر کماینبغی ملاحظہ شود ہم اعدائے او را لازم ست کہ اقرار کنند کہ حقوق جہان او براعراب ثابت ست۔ دراول اظہار نبوت او بیشتر اعراب جہال وبت پرست بودند ورسوم فواحش درمیان ایشان شیوع داشت۔ از انجملہ کشتن اطفال اناث بود۔ درملک بعداوت واختلاف ودرخارج بہ اہانت واستخفاف می زیستند۔ چون شریعت او گردن نہادند وبہ بندگی یک خدا گرویدند۔ اتفاق مذہب منشائے اتفاق ملت شدہ در اندک وقتے بر بہترین بلاد روئے زمین استیلا یافتند

مسٹر جان ڈیون پوٹ اپنی کتاب "اپالوجی فاروی محمدؐ اینڈ قرآن" میں لکھتے ہیں کہ "جب ان معاملات پر خواہ اُس مذہب کے بانی کے لحاظ سے خواہ اُس مذہب کے عجیب و غریب عروج اور ترقی کے لحاظ سے نظر کی جاوے تو بجز اسکے کچھ چارہ نہیں ہے کہ اُس پر دل سے توجہ کی جائے - اس امر میں بھی کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں نے مذہب اسلام اور مذہب عیسائی کی خوبیوں کو بمقابلہ ایک دوسرے کے تحقیق کیا ہے - اور اُنپر غور کی ہے - اُن میں سے بہت ہی کم ایسے ہیں جو اس تحقیقات میں اکثر اوقات متردد اور صرف اسباب کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہوں کہ مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد ہیں بلکہ اسباب کا اعتقاد کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ آخر کار مذہب اسلام سے انسان کو فائدہ کثیر پیدا ہوگا"

اس عالی حوصلہ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہر ایک طرح کی شہادت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن شخصوں نے فلسفہ اور علوم و فنون کو سب سے پہلے زندہ کیا جو قدیم اور زمانہ حال کے علم ادب کے مابین بطور ایک سلسلہ کے بیان کئے گئے ہیں بلاشبہ وہ ایشیا کے مسلمان اور اُندلس کے مور یعنی اہل بربر تھے جو خلفائے عباسیہ اور بنی اُمیہ کے عہد میں وہاں رہتے تھے - علم ادب ابتداءً ایشیا سے یورپ میں آیا تھا - اُس کا وہاں دوبارہ رواج مذہب اسلام کی دانشمندی سے ہوا اور یہ بات معروف و مشہور ہے کہ اہل عرب میں چھ سو برس کے قریب سے علوم و فنون جاری تھے اور یورپ میں جہالت اور وحشیانہ پن پھیلا ہوا تھا - اور علم ادب قریباً نیست و نابود ہوگیا تھا علاوہ اسکے یہ بات بھی تسلیم کرنی چاہیئے کہ تمام علوم طبیعات ہیئت - فلسفہ - ریاضی جو دسویں صدی میں یورپ میں جاری ہوتے ابتدائی عرب کے علما سے حاصل ہوئے اور خصوصاً اُندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ کے موجد خیال کئے جاتے ہیں"

اسی مورخ نے یہ بھی لکھا ہے کہ "یورپ مذہب اسلام کا اور بھی زیادہ ممنون ہے کیوں کہ اگر اُن جھگڑوں سے جو سلطان صلاح الدین کے وقت میں بیت المقدس کی لڑائیوں میں ہوئے جس کو فریقین جہاد کہتے تھے قطع نظر کی جائے تو بالتخصیص مسلمانوں کے سبب سے فیوڈال انتظام کی سختیاں اور امیروں کی خود مختاری یورپ سے موقوف ہوگئی جسکے باقی ماندہ اثروں پر ہمارے ملک یورپ کی آزادی کی نہایت بڑی اور عالیشان عمارت کی بنیاد قایم ہوئی - اہل یورپ کو یہ بات بھی یاد دلانی چاہیئے کہ وہ محمدؐ کی پیرووں کے (جو قدیم اور زمانۂ حال کے علم ادب کے درمیان بطور سلسلہ کے ذریعہ ہیں) اس لحاظ سے بھی ممنون ہیں کہ مغربی تاریکی کی مدت دراز میں یونانی حکما کی بہت سی کتابیں فنوں اور علوم ریاضی اور طب وغیرہ کے بعض نہایت بڑے بڑے شعبوں کی انہیں کی کوششوں سے شایع ہوئیں"

"فاضل محقق مسٹر چیمبر اپنے اینسکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ "ہم اسبات پر غور نہیں کرسکتے ہیں کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا کیا - لیکن اگر نہایت ٹھیک کہا جائے تو یورپ میں علوم و فنون کی ترقی میں اسکا حصہ تھا - مسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرہویں صدی تک وحشی یورپ کے لئے روشنضمیر معلم کہے جاسکتے ہیں خاندان عباسیہ کے خلفا کے نہایت عمدہ زمانہ سے یونانی خیالات اور یونانی تہذیب کا از سر نو سرسبز ہونا شمار کیا

جا سکتا ہے - قدیم علم ادب ہمیشہ کے واسطے بغیر کسی علاج کے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اُسکو پناہ نہ ملتی - عربی فلسفہ - قدرتی چیزوں کی تاریخ جغرافیہ - تاریخ عام - صرف نحو - علم کلام اور فن شاعری کی (جنکی تعلیم پُرانے اُستاد دیتے تھے) بہت سی کتابیں پیدا ہو گئیں - جن میں سے اکثر اُس وقت تک جاری رہیں گی اور تعلیم دیجاتیں گی جبتک نسلیں تعلیم پانیکے واسطے پیدا ہوتی رہینگی یلا

مسٹر طامس کارلایل متوفی اپنی کتاب "لکچرز آن ہیروز" میں اس مضمون کی نسبت جسپر ہم بحث کر رہے ہیں یہ لکھتے ہیں کہ "اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا عرب کا ملک پہلے پہل اُسکے ذریعے سے زندہ ہوا - اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی اور کسی شخص کو اُس کا کچھ بھی خیال نہ تھا - اُس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جس پر وہ یقین کر سکتے تھے بھیجا گیا - اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز بنگئی - اُس کے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف غرناطہ اور ایک طرف دہلی ہو گئی - عرب کی بہادری اور عظمت کی تجلی اور عقل کی روشنی زمانہ ہائے دراز تک دنیا کے ایک بڑے حصہ پر چمکتی رہی - اعتقاد ایک بڑی چیز اور جان ڈال دینے والا ہے - جسوقت کوئی قوم کسی بات پر اعتقاد لاتی ہے تو اُس کے خیالات بار آور اور روح کو عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہو جاتے ہیں - یہی عرب اور یہی محمدؐ اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے ملک میں پڑی جو اندھیرے میں کس مپرسی ریگستان تھا! مگر دیکھو کہ اُس ریگستان نے زور شور سے اُڑ جانیوالی باروت کی طرح نیلے آسمان تک اُٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی سے غرناطہ تک روشن کر دیا"

ایک جواب مضمون لکھنے والے نے جس نے یہ مضمون اختیار کیا تھا کہ "اسلام ایک ملکی انتظام ہے جو مشرق و مغرب میں جاری ہے" اسلام کی نسبت اپنی رائے لکھی ہے کہ "اسلام نے اطفال کشی کا انسداد کر دیا جو اوس زمانہ میں قرب و جوار کے ملکوں میں جاری تھی - گو عیسائی مذہب نے بھی اس کو روکا تھا مگر اسلام کے برابر اس کو کامیابی نہیں ہوئی - اسلام نے غلامی کو موقوف کر دیا جو اُس ملک کی پُرانی جاہلیت کی رسم تھی - اسلام نے ملکی حقوق کو برابر کر دیا اور صرف انہیں لوگوں کے حق میں انصاف نہیں کیا جو اُس مذہب کے معتقد تھے بلکہ اُن شخصوں کے ساتھ بھی برابر انصاف کیا جن کو اس کے ہتیاروں نے فتح کیا تہا - اسلام نے اُس محصول کو جو سلطنت کو دیا جاتا تھا گھٹا کر صرف دسواں حصہ کر دیا - اسلام نے تجارت کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کر دیا - اسلام نے مذہب کے معتقدوں کو اسبات سے کہ اپنے مذہبی سرگروہ گویا مذہبی کام کے لئے جبراً روپیہ دیں اور تمام لوگوں کو اسبات سے کہ غالب مذہب (اسلام) کو ہر ایک قسم کا مذہبی چندہ دیں بالکل بری کر دیا - اسلام نے فرقہ فتحمند کے تمام حقوق مفتوحہ لوگوں میں سے اُن شخصوں کو دے دیئے جو اُسکے یعنے مفتوحہ مذہب کے پابند تھے اور اُن کو ہر ایک قسم کی پناہ دی - اسلام نے مال کی حفاظت کی - سود لینے اور خون کا بدلہ بغیر حکم عدالت کے لینے کو موقوف کیا

صفائی اور پرہیزگاری کی حفاظت کی۔ اور ان باتوں کو صرف ہدایت ہی نہیں کی بلکہ اُن کو پیدا کیا۔ اور قایم کر دیا۔ حرامکاری کو موقوف کر دیا غریبوں کو خیرات دینے اور ہر ایک شخص کی تعظیم کرنے کی ہدایت کی +

یہی مصنف یہ بھی لکھتا ہے کہ ”جو نتیجے اسلام سے ہوئے وہ اس قدر وسیع اور دقیق اور مستحکم ہیں کہ اُن کی تکمیل کر لینا تو درکنار ہم یقین نہیں کر سکتے کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آسکیں اسی سبب سے بعوض اسکے کہ اُس کی نسبت اس طرح پر دلیلیں کی جائیں جس طرح کہ سولن کے قانون یا نپولین کی فتوحات کے نتیجوں کے اندازہ کرنے میں کی جاتی ہیں یا تو اُن کی نسبت یہ کہا جائے کہ اتفاقیہ ہو گئے ہیں یا بجبوری ربّانی مرضی کی طرف منسوب کیا جائے۔ بااینہمہ یہ نظم ایک شخص واحد نے کیا تھا جس نے اپنے ملک کے تمام باشندوں میں اپنی روح پھونکدی۔ اور تمام قوم کے دل پر نہایت تعظیم و تکریم کا خیال جو کسی انسان کے واسطے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا نقش کر دیا۔ جو سلسلہ قوانین و اخلاق کا اُس نے بنا دیا جو اعلےٰ درجہ کی ترقی سے بھی ایسا ہی موافق تھا جیسا کہ ادنےٰ ترین لوگوں سے اور اُس سلسلہ نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گذر کر ہر ایک قوم کو جنہنے اُس کو قبول کیا اُن قوموں اور سلطنتوں سے فایق کر دیا جنہنے اُس کا میل ہوا“

اے خاتم النبیین تو برحق ہے اور تیری بزرگی کل کائنات سے زیادہ ہے۔ یہ تیرا معجزہ ہے کہ دشمن بھی تیری مدح سرائی کرتے ہیں۔ تیری ہدایت کا نور اگرچہ مشرق میں طلوع ہوا لیکن اُسکی روشنی مغرب میں بھی پہنچی۔ تیری بے انتہا بزرگی کو تیرے مخالفین نے بھی تسلیم کر لیا ہے +

نام لیوا تیرے گو سب ہو گئے ہیں خوار و زار ۔۔۔ شان اگلی سی نہیں اب اُن میں باقی زینہار
ہی ندیم اُنکی مصیبت اور غم اُن کا جلیس ۔۔۔ بنگئی ہی بس پریشانی گلے کا اُن کے ہار
خانمان برباد و ناکام و دل حرمان نصیب ۔۔۔ شور بخت و شوم طالع بس پریشان روزگار
سلطنت کے ساتھ کھو بیٹھے وہ کل اوصاف بھی ۔۔۔ ہائے بدبختی کہ تو روتا ہی اُنپر زار زار

تو پہولے گا پھلے گا اور ترقی کرے گا۔ تیرے ماننے والوں کی بداعمالی۔ تجھہ میں کوئی نقص نہیں پیدا کر سکتی۔ تیرا جلال اور جبروت اے اسلام ابدتک قایم ہو۔ آمین ثم آمین +

سولھواں باب

آیۂ۔ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

دنیا میں جب تمدن کی بنیاد پڑی تو سب سے پہلے ایسے اصول معاشرت انسانی کے لئے بنائے گئے جن سے باہمی نفرت دور ہو اور میل جول کا رابطہ بڑھے بغیر ربط و اتحاد کے کبھی تمدن نہیں قایم ہو سکتا۔ اسلام سے پہلے جتنی متمدن اقوام دنیا میں گزری ہیں اور اپنے زمانہ عروج میں اعلےٰ درجہ پر پہنچی ہوئی تھیں۔ اُن کے تمدنی اصول ایک دوسرے سے بہت سی صورتوں میں مطابقت کھاتے ہیں۔ جھوٹ بولنا چوری کرنا۔ زنا کرنا چغلی کھانا۔ قتل کرنا ہر عصر میں یکساں بُرا ہوتا چلا آیا اور دنیا کی کسی ذلیل سے ذلیل قوم نے بھی اس کی تعریف نہیں کی +

مرز و بوم اور آب و ہوا کے اختلاف پر بھی ان عیبوں میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ مشرق نے چور کے لئے جو سزا تجویز کی ہے وہی مغرب میں تجویز ہو چکی ہے چغل خور سے جیسی نفرت مشرق کرتا ہے اسی طرح مغرب بھی بالکلیہ اپنی نفرت کا اظہار کرتا ہے۔ اگرچہ مشرق اور مغرب میں بعد المشرقین ہے پھر بھی اصول تمدن میں ایک دوسرے کی ہم آہنگی کرتے ہیں اور اُن میں باہم کوئی فرق نہیں ہے +

توریت مقدس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان نے دنیا میں آکے کس طرح بتدریج تمدن میں ترقی کی اور رفتہ رفتہ کن مدارج اعلےٰ پر پہنچ گیا۔ پہلے اُس کی وحشیانہ حالت میں تنزل ہوتا گیا اور اخیر ہوتے ہوتے وہ کامل انسان بن گیا۔ اگر ہم اسلام سے کئی صدی اُدھر کا کھوج لگائیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ آغاز اسلام سے صدہا برس پہلے تمدن کی بنیادیں پڑ چکی تھیں اگرچہ اُس تمدن میں بعد ازاں انحطاط شروع ہو گیا تھا اور انحطاط سے قومی تنزل کی تاریخ شروع ہو جاتی ہے تو بھی وہ جبتک قایم رہا اچھی حالت میں رہا اور اُس کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجتا رہا۔ دنیا کا یہی نقشہ ہوتا رہا ہے ایک قوم پیدا ہوتی ہے۔ بڑی ہوتی ہے عروج کو پہنچتی ہے اور پھر مرجاتی ہے اور پھر اُس کی جگہ دوسری اقوام لے لیتی ہیں۔ چونکہ یہی فطرت عالم ہے کہ کوئی چیز بغیر سبب کے نہیں واقع ہوتی اسی طرح ان قومی تنزلوں اور بربادی کے بھی اسباب ہیں اگرچہ اُن میں خفیف سا اختلاف ضرور ہے لیکن اخیر میں مل سب جاتے ہیں غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جو اسباب ایک قوم کے تنزل کے ہیں وہی اسباب دوسری قوم کی بربادی کے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ظاہر طور پر اختلاف مرز و بوم کی وجہ سے ان اسباب میں بیّن اختلاف پایا جاتا ہے لیکن انکی اندرونی حالت یکساں ہے اور سب کی بنا ایک ہی صورت پر روز ازل سے رکھی گئی ہے۔ خداوند تعالےٰ نے تمدن انسانی کے لئے جو اصول ایجاد کئے ہیں اُن سے انحراف کرنے والے کی سزا سزائے قتل ہے۔ قضا و قدر کے دفتر سے فوراً ایسی قوم خارج کر دی جاتی ہے جو قدرتی اصول تمدن سے انحراف کرے اور [illegible]

نہ کسی ملک کی رعایت ہی اور نہ کسی قوم کی اس کی بالکل ایسی مثال ہی کہ ایک بلند دیوار بحر ناپیدا کنار میں کھڑی ہوئی ہے اور کل قومیں اُس پر دوڑ رہی ہیں۔ دیوار کی چوڑائی اوپر سے صرف اسی قدر ہے کہ آدمی نہایت ہشیاری سے دوڑ سکے۔ ہوشیار شخص برابر چلا جاتا ہی اور دونوں پہلوؤں کی پانی کی موجیں اسکے دل میں کوئی خوف وہراس نہیں پیدا کر سکتیں مگر چوکا اور پانی میں آرہا اتنے بڑے سمندر میں گرنے کے بعد پھر اُس کا بچنا محال ہے۔ ابتدائے زمانہ سے دنیا کی یہی کیفیت رہی۔ صدہا قومیں آئیں ابتدا میں ان کی رفتار ہوشیاری کی رہی وہ برابر دوڑتی گئیں مگر جہاں اعضا میں سستی اور خیالات میں انتشار پیدا ہوا ور فوراً قدم بہکا اور دریائے فنا میں غرق ہو گئیں۔ بہت غور کے بعد معلوم ہوا کہ جو اصول تمدن الہامی کتابوں میں ملتے ہیں وہ ہرگز انسان کے قایم کئے ہوئے نہیں ہیں کیونکہ انسان اگر انہیں بناتا تو وہ دیرپا کبھی نہ ہو سکتے تھے وجہ یہ ہے کہ وہ خود فانی ہی جب فانی چیز کسی کو بنائیگی تو اُس میں بھی فنا کا مادہ ضرور ہوگا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسانی اصول سے انحراف کرنے پر سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ یہ دو ایسی زبردست وجہیں ہیں جن سے یہ پایا جاتا ہے کہ معاشرت و تمدن انسانی کے جتنے اصول مدوّن ہوئے ہیں ان کی تدوین کرنے والا رب العرش کے سوا اور کوئی نظر نہیں آتا مثلاً جھوٹ بولنا چوری کرنا چغلی کہانا قتل کرنا ان باتوں کو آغاز دنیا ہی سے ناجایز افعال سے تعبیر کیا اور اب تک کئی ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی یہ باتیں اُسی بُری نظر سے دیکھی جاتی ہیں جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام سے کئی ہزار سال پہلے دیکھی جاتی تھیں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ان باتوں کو اتنی بقا ہوئی اور کیوں ان میں یہ رنگ پایا جاتا ہے کہ یہ فنا ہی ہونے والی نہیں ہیں؟ اس کا جواب صرف یہی دیا جا سکتا ہے کہ ان باتوں کی موجدہ ذات ہی جو ہمیشہ رہنے والی ہے اسی نے انسان کو وہ باتیں سکہائیں جو اسکے ہمیشہ کام آنے والی ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ فنائے دنیا کے بعد بھی ان باتوں کی پرسش قیامت کے دن رب العرش کی عالی بارگاہ کے آگے ہوگی۔ اس سے زیادہ مداومت اور قدامت اور کیا ہو سکتی ہے؟

اُن ہی اصول تمدن میں جو خداوند تعالیٰ کے بتائے ہوے ہیں ایک اصول ربوا بھی ہی اور اپنی نوعیت کے لحاظ سے کل اصول کا سرتاج اور اصلی تمدن اور اتحاد و سرسبزی انسانی کا بانی ہی۔ دنیا کی ابتدائی قوموں میں اسے بُرا سمجھا گیا ہی اور مثل دیگر عیبوں کے جو اتحاد قومی اور امن کے مخالف ہیں ربوا بھی شمار ہوا ہی جس ربوا کی بُرائی کی گئی ہے اور جس کو تمدن اور امن کے لئے زہر ہلاہل بیان کیا گیا ہے اب بھی اس کی وہی کیفیت ہی۔ ربوا خوار انتہا درجہ سنگدل اور کنجوس ہوتا ہے اور ربوا خواروں کی زندگی نہایت ذلیل اور قابل شرم حالت میں بسر ہوتی ہے۔ موجودہ زمانہ میں اگر حساب لگایا جائے کہ ربوا خوار ہر سال کتنے مارے جاتے ہیں تو اُن کی تعداد اور قتلوں سے کہیں زیادہ بڑھ جائیگی ربوا نہ صرف لینے والے کے حق میں زہر ہے بلکہ شریعت اسلامی کے فیصلہ کے مطابق سود دینے والے کے حق میں بھی سم قاتل ہے۔ سود دینے والے ہمیشہ برباد ہوتے ہیں اور اخیر سود خوار کو مار کے خود بھی اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ آج ایک خاندان اپنی دولتمندی کے لحاظ سے ممتاز گنا جاتا ہے اور اہل شہر اس خاندان کے ہر ممبر کی تعظیم کرتے ہیں مگر جہاں سود دینے کا مرض اس میں پہیلا

پھر چند روز میں اُس کا نام ونشان مٹ جاتا ہے اور کل خاندان کیا تو صفحہ ہستی سے مٹجاتا ہے یا اگر زندہ رہتا ہے تو اُسکی حالت گداگری تک پہنچ جاتی ہے پہلی شریعتوں میں صرف سود خواروں کی بُرائی کی گئی ہے لیکن شریعت اسلامی چونکہ کامل ہے اس لئے اُس نے دونوں پہلو تاریک دکھائے ہیں اور دونوں پہلوؤں سے نفرت کی ہے یعنے اُس نے سود دینا اور لینا حرام کردیا ہے ؛

ہزار ہا سال سے سود کو خوفناک نظروں سے دیکھا گیا ہے مثلاً پندرہ زبور میں یہ لکھا ہے "اے خداوند تیرے خیمہ میں کون رہیگا تیرے کوہ مقدس پر کون سکونت کریگا وہ جو سیدھی چال چلتا ہے اور صداقت کے کام کرتا ہے اور اپنے دل سے سچ بولتا ہے وہ جو اپنی زبان سے چغلی نہیں کھاتا اور اپنے ہمسائے سے بدی نہیں کرتا اور اپنے پڑوسی پر عیب نہیں لگاتا وہ جس کی نظر میں نکما آدمی خوار ہے وہ اُنہیں جو خداوند سے ڈرتے ہیں عزت دیتا ہے وہ جو اپنے ضرر پر قسم کھاتا ہے اور بدلتا نہیں وہ جو سود کے لئے قرض نہیں دیتا اور بیگناہوں کے ستانے کے لئے رشوت نہیں لیتا وہ جو کرتا ہے کبھی نہیں ٹلے گا"

حضرت داؤد علیہ السلام نے منجملہ اور عیبوں اور گناہوں کے سود خواری کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دنیا میں نہ صرف یہ اور گناہوں کا مساوی ہے بلکہ اُن سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کے ہے۔ ہر گناہ اور ہر جرم ایک حد تک گناہ کرنے والے کی ذات تک محدود رہتا ہے اور سود خواری کا اثر عام طور پر خاندان اور شہر پر پڑتا ہے اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ صرف گھر ہی نہیں گاؤں اور قصبے بلکہ شہر بھی اس سے برباد ہوگئے دہلی میں غدر کے بعد سے شہزادوں کے قلیل وظیفے مقرر ہوگئے تھے۔ اور یہ وظیفے ایسے تھے اگر زیادہ احتیاط کی جاتی تو دو وقت نہ سہی ایک وقت تو روٹی پیٹ بھر اُو مدت العمر مل سکتی تھی لیکن سود خوراقی نے ان تنخواہوں کو غصب کرلیا اور آج یہ صورت نظر آتی ہے کہ تنخواہیں بجائے شہزادوں کے مہاجنوں کی تھیلی میں چلی جاتی ہیں کیسی خطرناک چیز ہے جس کا کھانا اور کھلانا دونوں زہر ہلاہل کا حکم رکھتا ہے کھلانے والوں کا تو ستیاناس ہو ہی جاتا ہے لیکن کھانے والے بھی جیسا ہم اوپر لکھ آئے ہیں سکھ سے نہیں رہتے۔ کل حمیدہ خصائل کا اُن میں بیج مارا جاتا ہے اور شرافت انسانی کی ہوا تک نہیں لگتی معصوموں پر کبھی رحم نہیں آتا اور نہ رانڈوں کی آہ وزاری پر ترس کھایا جاتا ہے طبیعت میں حرص اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ کمبخت تمام عمر تڑپتا رہتا ہے اور اسکی زندگی کا کوئی زمانہ آسائش اور آرام سے نہیں بسر ہوتا۔ اپنی اولاد کا بدخواہ اپنے ہمسایوں کا دشمن اور مظلوں کا بُرا تکنے والا یہ اُس کی ادنے صفتیں ہیں اُس کی زندگی حریص جانور سے بھی بدتر ہے اُس کا مرنا جینا یکساں ہے۔ اُسکی پیدائش ایسی منحوس ہے کہ تمام عمر اُسکی روح اُسکے جسم میں کانٹے کی طرح کھٹکتی رہتی ہے اور کمبخت قبل از وقت نہایت ناکام حالت میں دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے ؛

سود خواری کا اثر تمام تمدن اقوام پر یکساں پڑتا ہے اور قدرت نے متمدن اور وحشی اقوام کیلئے اسکا یکساں اثر رکھا ہے۔ اسلام میں بہت سی ایسی حکایتوں کا پتہ ملتا ہے جو سود خوروں کی بُرائی میں بیان کی گئی ہیں اُن حکایتوں کی صحت اور غیر صحت کی بحث سے تعلق نہیں ہے صرف دیکھنا یہ ہے کہ اسلامی تمدنی حالت کس اعلے درجہ پر پہنچی ہوئی ہے

کہ سود خواری نہ صرف دائمی جہنم کی وارث بنا دیتی ہے بلکہ دنیا میں بھی سود خوار کی زندگی کو سخت نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ان متعدد حکایتوں میں کہیں سود خوار کو ناپاک اور غلیظ بیان کیا گیا ہے اور کہیں اسے دشمن نوع انسانی سمجھ کے اس سے احتراز کیا گیا ہے اُسکے مال کو لحم خنزیر سے تعبیر کیا گیا ہے اور اُسکی بُرائی میں یہانتک مبالغہ کیا گیا ہے کہ سود خوار کا ہمسایہ نہ بخشا جائے گا۔ اُس کی قبر میں سانپ اور بچھو چھوڑے گئے ہیں اور اسے حشر میں سب سے ذلیل درجہ دیا گیا ہے۔ حضور انور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اُسے محروم کر دیا ہے یہانتک کہ اسلام کے دائرہ سے اسے مطلقاً خارج کر دیا گیا ہے۔ ہم نے ایک بزرگ کی کتاب میں دیکھا کہ ایک سود خوار نے کسی ولی اللہ کی دعوت کی ولی اللہ کو یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ شخص سود خوار ہے لیکن جب اُن کے آگے کھانا رکھا گیا اور وہ نوالہ بنا کے منہ میں رکھنے کو تھے کہ فوراً اُنہیں سود کی بدبو کھانے میں سے آئی ولی اللہ نے فوراً نوالہ رکابی میں رکھدیا اور اپنے میزبان سے کہا کمبخت تو نے مجھے بڑا دھوکا دیا یہ تو سود کے روپیہ کا کھانا تھا جو تو نے مجھے کہلایا میں ہرگز یہ لحم خنزیر نہ کھاؤں گا یہ کہکے بزرگ ولی اللہ نے کھانے سے دست کشی کر لی ان کے ساتھ جتنے اُن کے مرید تھے سب نے دست کشی کی۔ یہ صورت دیکھ کے سود خوار کے ہوش اُڑ گئے وہ ان بزرگ کا دلی معتقد تھا قدموں پر گر پڑا اور کہا اللہ کوئی ایسی بات کیجئے کہ میرا کھانا پاک ہو جائے کیوں کہ آیندہ سے میں توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ ایسا کبھی نہ ہوگا اور میں مدت العمر سود نہیں کھانے کا۔ اپنے مرید یا معتقد کی یہ حالت دیکھ کے بزرگ کو بھی رحم آگیا اُنہوں نے مع اپنے مریدوں کے قاضی الحاجات کی درگاہ میں دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے دعا مانگ نہ چکے تھے کہ وہ قبول بھی ہو گئی اور ولی اللہ نے علی الاعلان کہدیا کہ تیرا سارا کھانا اور کل روپیہ جو تو نے سود خواری سے کمایا ہے پاک ہو گیا اور پھر ولی اللہ نے مع اپنے مریدوں کے بطیب خاطر کھانا کھایا اور آیندہ سے سود خوار نے سود لینے سے احتراز کیا مسلمانوں میں عام طور پر تشدد اس بلا کا ہے کہ سود خوار کے گھر کا پانی مثل شراب کے حرام سمجھا گیا ہے ایک حکایت اسی قسم کی بعض کتابوں میں دیکھی گئی ہے کہ ایک غریب مسلمان مسافر پیاس سے تڑپ تڑپ کے مر گیا لیکن سود خوار کے ہاتھ سے اُس نے پانی نہ پیا کیوں کہ کسی شخص کے ذریعہ سے اُسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ شخص سود کھاتا ہے +

یہ حکایتیں خواہ صحیح ہوں یا غلط ان سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ مذہبی نظر میں سود خواری کس قدر ناقابل معافی جرم خیال کیا گیا ہے۔ اور عام نگاہوں میں شریعت کے کل ممنوعات سے اسکا درجہ بہت ہی بڑھا دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا تمدنی اور اخلاقی اصول کس اعلےٰ پایہ پر پہنچا ہوا ہے اور اگر اس دستور العمل پر عام طور سے مسلمان کاربند ہوں تو اُنکا اخلاقی پایہ کسی سے نیچا نہ رہے۔ سود کی خوفناک صورت جس طرح ان حکایتوں میں بیان ہوئی ہے اگرچہ شریعت نے اِسکو اتنے مبالغہ سے بیان نہیں کیا ہے وہاں صرف حرام کا لفظ آیا ہے جس کے لئے معافی کے وعید بھی ہیں اور حرام چیز ہرگز نہ دائرہ اسلام سے خارج کر سکتی ہے اور نہ دائمی جہنم کا وارث بنا سکتی ہے تو بھی مسلمانوں میں آکے اس سود نے وہ خوفناک رنگ اختیار کیا ہے کہ سخت تعجب ہوتا ہے +

اس کی وجہ سوا اس کے اور کوئی نہیں معلوم ہوتی کہ سود خوار کے مظالم اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں اور جس

قصائی پنے سے یہ ظالم سود خوار نوع انسانی کے محتاج یا ضرورت مند افراد کو ذبح کرتا ہے اور اُف نہیں کرتا اُس کی مثال ملنی ممکن نہیں تھوڑے ہی عرصہ میں بڑی بڑی جائدادوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے ہری ہری کھیتیاں اُس کے ناپاک قدموں کے نیچے پائمال ہو جاتی ہیں اور صدہا خاندان برباد اور صدہا رانڈیں اور یتیم بے پناہ ہو جاتے ہیں۔ یہ ظلم دیکھ دیکھ کے سود خوار کی برائیوں کا مبالغہ مسلمانوں میں بڑہتا گیا اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ شافع روز محشر کی شفاعت سے محروم کر دیا گیا ؂

اب شریعۃ پر نظر کرتے ہیں تو اور ہی نقشہ نظر آتا ہے یعنی بانئ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سود خوار اور سود کھلانے والیکو ایک ہی درجہ میں رکھا ہے اور ایک ہی کی سزا کا مستحق بنایا ہے۔ اگر سود خوار کی قبر میں کیڑے پڑینگے تو سود دینے والے کی قبر بھی کیڑوں سے نہیں بچ سکتی اگر سود خوار کو سانپ اور بچھو لپیٹیں گے اور قبر میں اُسکا گوشت نوچ نوچ کے کھائینگے تو سود دینے والے کا بھی یہی درجہ ہوگا اگر قیامت میں سود خوار ذلیل کیا جائے گا تو سود دینے والے کی بھی یہی کیفیت ہوگی غرض دونوں کو ایک ہی ترازو میں رکھا ہے اور کہیں بھی سخت وعید سے ایک کے مقابلہ میں دوسرے کو نہیں بچایا ہے۔ شریعت نے کسی قسم کی مجبوری سود دینے والے کی تسلیم نہیں کی اور نہ اُسے کسی حالت میں معذور رکھا ہے پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ سود دینے والا عام طور پر کیوں بے گناہ اور مظلوم گنا جاتا ہے اور کیا وجہ ہے کہ اُسے اُن جرائم سے بری کر دیا جو شریعت غرا نے اس پر قائم کئے ہیں۔ بانئ شریعت اسلامی کے آگے کسی کی مجال نہیں جو نئی بات پیدا کر کے ایک کو عزیز اور ایک کو ذلیل قرار دے۔ شریعت جب ایک بات کا فیصلہ کر چکی پھر کس کی طاقت ہے جو اُس فیصلہ کو توڑے اور نئی شریعت قایم کرے مگر نہیں یہ ہوا چلگئی اور ہمارے پیشواؤں نے شریعت غرا کے خلاف یہ فیصلہ دیدیا کہ سود کھانا حرام ہے لیکن سود دینا حرام نہیں ہے اگرچہ اس امر کا کوئی تحریری فتوے ابتک شایع نہیں ہوا لیکن طرز عمل اسبات کو بتا رہا ہے کہ سود دینا کوئی ناجائز امر نہیں ہے بڑے بڑے مولوی۔ مشائخ۔ اولیا۔ حافظ۔ حاجی۔ متقی اور پرہیزگار شریعت کے اس جرم میں گرفتار ہیں لیکن اپنے خیال میں اپنے کو بیگناہ جانتے ہیں۔ حالانکہ یہ اُن کی بڑی غلطی ہے وہ شریعت کے فیصلہ کو کسی صورت سے بھی نہیں توڑ سکتے اور اُن کی مجال نہیں ہے کہ حدود اللہ سے باہر قدم نکالیں۔ یہ وہ عالی بارگاہ ہے کہ کوئی شخص تیز نظروں سے اسکی طرف نہیں دیکھ سکتا اگر ذرا بھی بے ادبی کی نظریں اٹھائے فوراً آنکھیں نکال لے جائیں یہاں بڑے بڑے قہار شہنشاہوں کے سر نیچے ہیں اور بڑے بڑے سرکش پابزنجیر اسکی دہلیز پر پڑے ہوئے ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ حدود اللہ کو عام مسلمانوں نے کیوں توڑ ڈالا اور کیوں آزادی سے باہر پھرنے لگے۔ کیا وجہ ہوئی کہ انہوں نے حکم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت اور انقطاعی حکم کو پس پشت ڈالدیا اور کیوں اُنہوں نے دیدہ و دانستہ شریعت کے حکم کی یہ توہین کی۔ توہین کرنے کے یہی معنی ہیں کہ انہوں نے اس حکم پر توجہ نہیں کی اور بے پروائی سے دوسرا راستہ خود ہی تجویز کر کے اُس پر چلنے لگے اور کہا یہ ہم مجبور ہیں اسلئے ہم حق پر ہیں حالانکہ شریعت نے اُنہیں کبھی خاص اس معاملہ میں مجبور نہیں تسلیم کیا۔ یہ ایک بہت بڑا راز ہے جس کو کسی نے تلاش نہیں کیا نہ اس کے پانے کی کوشش کی۔ بار بار یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ایسا کیا گیا اور کیا وجہ ہے کہ شریعت کا ایک فعل حرام

جائز اور ناجائز بنا لیا گیا۔ یہ بات کچھ موجودہ زمانہ ہی میں نہیں ہے بلکہ قدیم سے ایسا چلا آتا ہے خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس گرو رکھی تھی جسکو حضرت عثمان غنی نے روپیہ دیکے چھڑا دیا تھا۔ اس کا ٹھیک پتہ لگانا مشکل ہے کہ آیا یہ زرہ اس وقت گرو رکھی گئی جب شریعت نے سود دینے اور لینے والوں کے لئے ایک ہی حکم نافذ نہیں فرمایا تھا یا اُسکے بعد۔ بہر حال زرہ گرو ضرور رکھی گئی اور اُس کا سود ضرور دیا گیا۔ اسی طرح بہت سے دیگر صحابہ نے اپنی چیزوں کو گرو رکھ کے سود ادا کیا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ سود خور سے نفرت کرنا آغاز اسلام سے صدہا سال پہلے رائج تھا۔ یہودی زیادہ سود کھاتے تھے اور سود کالین دین زیادہ تر یہودیوں تک محدود تھا نصاریٰ میں سودخواری کی رسم کیا تو مطلقاً نہ تھی اور اگر تھی بھی تو بہت کم اور یہی وجہ ہے کہ تمام ممالک مشرقی اور مغربی میں یہودیوں سے نفرت کی گئی ہے۔ کئی صدی پہلے کی پرانی حکایتیں جو انگریزی کتب میں ملتی ہیں ہمیں یہودیوں سے نفرت اور حقارت کا ثبوت دیتی ہیں۔ شیلاک یہودی کا قصہ جس نے ایک پونڈ گوشت پر ایک انگریز کو قرض دیا تھا انگریزی کتب میں موجود ہے اور اُس حکایت میں بہت سے کریہ الفاظ شیلاک یہودی کی نسبت استعمال کئے گئے ہیں۔ یہ۔ دیوں کو سنگدل اور بے رحم کل اقوام نے تسلیم کر لیا ہے اور یہ سنگدلی محض سودخواری کی وجہ سے اُن میں پیدا ہو گئی ہے مغربی ممالک میں جہاں تمدن اور تہذیب نے قول بارد یا ہے۔ اب بھی یہودیوں سے نفرت کی جاتی ہے۔ روسیہ جیسی مدعی تمدن سلطنت نے کل یہودیوں کو اپنی مملکت سے خارج کر دیا۔ فرانس میں یہودیوں کے خلاف کئی بار غدر ہو چکا ہے۔ انگلستان میں بھی ابتک یہودیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ مشرقی ممالک اسلامیہ میں یہودیوں کی اور بھی درگت بنتی ہے مراکو اور ایران میں خاص ایک لباس قانوناً اُن کے لئے علیحدہ ہے اور حکم ہے وہ اگر گھوڑے یا گدھے پر سوار ہوں تو مسلمان کو دیکھکے فوراً نیچے اُتر آئیں ورنہ اُن کا سلامت رہنا محال ہے یہ تشدد اقوام عالم کا اس دنیا میں نہیں ہے بلکہ قضاو قدر بھی اُن سے ناراض معلوم ہوتی ہے کیوں کہ آج قوم یہود ہی ایک قوم ہے جو صاحب کتاب تسلیم کی گئی ہے اور اسکے پاس تمام مشرق و مغرب میں ایک انچ کے برابر زمین نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہودی دولت مند قوم ہے لیکن یہ دولت مندی اُن کی حقارت کو نہیں مٹا سکتی جو قضاو قدر نے اُن کے مقسوم میں لکھدی ہے۔ ابتدا سے یہودی سود کھاتے تھے اور یہ سودخواری خود اس شریعت کے خلاف اُن میں رائج تھی جو خداوند تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعہ سے اُنہیں عطا فرمائی تھی۔ عجیب بات یہ ہے کہ بت پرست اقوام کے ہاں بھی سودخواری ایک جرم عظیم گنا گیا ہے اگرچہ یہ قانون ٹوٹ گیا اور اب آزادی سے کل بت پرست قومیں سود کھاتی ہیں لیکن اپنے سابق کے قوانین کو نہیں مٹا سکتیں ۔

انصاف سے دیکھا جائے تو فی الواقع سودخواری بہت بڑا عیب ہے۔ عیب ہی نہیں بلکہ بہت بڑا جرم ہے۔ ایک غریب شخص کو کچھ روپے کی ضرورت ہو جیسا اکثر اوقات سب کو ہوتی رہتی ہے اور اس نے کسی دوست سے مانگے۔ اخلاق اور شائستگی یا تقاضائے تمدن اور انسانیت یہ تھا کہ وہ روپیہ اُسے قرض دیدیا جاتا اور زیادہ سے زیادہ یہ ممکن تھا کہ محض اطمینان کے لئے خواہ اُس سے کوئی دستاویز لیلی جاتی یا کوئی چیز رکھ لیجاتی

تو کچھ مضائقہ نہ تھا مگر نہیں ایک آنہ اور دو آنے فی روپیہ سود لیا جاتا ہے اور چند ماہ میں یہ نوبت ہوتی ہے کہ کمبخت مفلس رہا سہا کھو دیتا ہے اور پھر اپنی جان کے لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔ اور وہ مظلوم سسک سسک کے جان دیدیتا ہے۔ تمدن کے معنی ساتھ ملکے رہنے کے ہیں اور سود خواری قیامت تک ساتھ ملکے نہیں رہنے دیتی۔ جہانتک خیال کیا جاتا ہے اسی قسم کا سود ہے جسکو حرام مطلق کہا گیا ہے اور جس کی اتنی بُرائی کی گئی ہے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا کی کل اقوام اس لین دین کو روکتیں۔ ایسا سود جس سے طرفین کا کوئی نقصان نہ ہوا اور تمدن میں بھی کچھ فرق نہ پڑے کبھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ عام طور پر اس کا تسلیم کرانا آسان نہیں ہے چونکہ مسلمانوں کے دلوں میں سالہا سال سے ایک نفرت سود کی طرف سے پیدا ہو گئی ہے اور وہ لفظ سود کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس لئے ممکن ہے کہ اسے قبول کرنے میں چون وچرا کریں اگرچہ ان میں سود کا لین دین بکثرت رائج ہے تو بھی وہ زبان سے سود خواری کو جائز اور اپنے کو سود خوار کہلوانا کبھی پسند نہ کریں گے ؂

غور اور انصاف سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ ربوا کی کئی قسمیں ہیں اور ایک قسم سے دوسری قسم میں ایسا اختلاف ہے کہ بعض اوقات دوسری اقسام پر ربوا کا لفظ چسپاں نہیں ہوتا اسی وجہ سے فقہائے اسلام نے اسکو منافع سے تعبیر کیا ہے اور اس کثرت سے ہر پہلو پر بحث کی ہے کہ عام طور پر بعض معاملات سمجھ میں بھی مشکل سے آتے ہیں۔ بنکوں میں روپیہ جمع کرکے اُسکا منافع یا سود لینا۔ کسی کو تجارت میں روپیہ دیکے اُس کا منافع علاوہ اصل رقم کے حاصل کرنا اور نقصان و نفع سے کوئی سروکار نہ رکھنا یعنے ایک شخص نے دس ہزار روپے کسی تاجر کو دیئے اور اس سے ٹھیرالیا کہ بارہ روپیہ سینکڑہ منافع لیا جائیگا اگر انہیں دس روپے سینکڑہ منافع ہو تو ۱۲ ہی لئے جائیں گے اور اگر آٹھ آنے سینکڑہ منافع ہو تو بارہ آنے ہی لئے جائیں گے۔ دیکھنا صرف یہ ہے کہ یہ روپے دینے والے نے محض تجارت میں لگانے کے لئے دئے ہیں اور قرض لینے والا شخص بھی انہیں تجارت ہی میں لگاتا ہے تو آیا اُس کا محدود منافع لینا جائز ہوگا یا غیر محدود۔ اگر محدود جائز ہوا تو غیر محدود کیوں نہیں جائز ہوا۔ یہ سوال ہے جو ایک فہمیدہ شخص کر سکتا ہے ؂

بات اصل یہ ہے کہ قرآن مجید نے کہیں بھی ربوا کی تعریف نہیں کی اور نہ اُس کی اصلی حقیقت بیان کی ہے اسلئے فقہا کو اس کی شرح کرنے میں سخت سخت مشکلات پیش آئی ہیں اور یہ صاف معاملہ ایسا پیچیدہ ہو گیا ہے کہ عام عقول تو کیا خاص عقلیں بھی اسکے سمجھنے میں قاصر ہیں اور ابھی تک دودھ کا دودھ پانی کا پانی کسی نے کرکے نہیں دکھایا۔ یہ بھی سمجھنے کی بات ہے کہ قرآن مجید میں بیع کے ساتھ ربوا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنے بیع حلال ہے اور ربوا حرام ہے بظاہر مطلق سمجھ میں نہیں آتا کہ بیع کو ربوا کے ساتھ کیا نسبت ہے اور کیوں قرآن مجید نے دونوں کو ملاکے فرمایا ہے لیکن غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کلام آلہی کا اس میں بہت بڑا راز ہے اور اس راز کو وہی عقول سمجھ سکتی ہیں جو روح القدس کے فیضان سے فیضیاب ہو چکی ہیں اس راز کی تہ تک پہنچنے کے لئے بہت کچھ کوشش کی گئی لیکن اسکا حل ابھی تک نہیں ہوا اور یہی وجہ ہے کہ شریعت کا ایک مسئلہ مسلم اور دوسرا غیر مسلم ہے اور

سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں کہا جاتا ہے اور آیندہ قوم پر اسکا کیا اثر پڑے گا +

ربوٰا خواری کے متعلق ہمیں اپنی عملی زندگی دیکھنی چاہیئے ہم اس اہم مسئلہ کے متعلق علمی بحث تو پیچھے کرینگے لیکن پہلے اپنی عملی زندگی پر بحث کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں عرفاً کس قسم کی سود خواری کو بُری نظروں سے دیکھا جاتا ہی اور کس قسم کی ربوا خواری کی پروا نہیں کی جاتی- ایسا مسلمان جو غربا یا متوسط درجہ کے لوگوں میں اپنا روپیہ سود ہی چلاتا ہی یا جو گروی گانٹھا کرتا رہتا ہے اُسے عام مسلمان اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے اور جو حکایتیں ہم نے اوپر سود خوار کی بُرائی میں لکھی ہیں وہ اکثر ایسے ہی سود خواروں پر چسپاں ہوتی ہیں- مگر تاجروں کو جنہیں یورپی تجارت کی وجہ سے سود کا لین دین کرنا پڑتا ہی کوئی آنکھ بھر کر بھی نہیں دیکھتا بڑے بڑے مسلم الثبوت متقی اور صوفی اُنکی دعوتیں کھاتے ہیں اُن سے تنخواہیں لیتے ہیں لیکن کیا مجال ہی کہ وعظ میں یا اثنائے گفتگو میں سود خواری کے متعلق ہوں تک بھی کریں یا ایک حرف بھی زبان سے نکالیں یا تنخواہ لینے یا کھانا کھانے میں ناک بھوؤں چڑھائیں اس سے یہ پتہ چلتا ہی کہ وہ زبان سے نہ سہی بلکہ عمداً اس قسم کی سود خواری کو ناجائز قرار دے چکے ہیں اور سمجھ چکے ہیں کہ بغیر اسکے چارہ نہیں اور شریعت اسلامی ایسے سود پر اعتراض نہیں کرتی دوسری صورت یہ ہی کہ جس شخص کا روپیہ بنک میں جمع ہی وہ بھی بُری نظروں سے نہیں دیکھا جاتا- بلکہ علمائے زمانہ ایسے دولتمند کی بے انتہا عزت کرتے ہیں اور کبھی اس قسم کا اعتراض نہیں کرتے جس سے بنک کے سود کے ناجائز ہونے کا خفیف سا بھی شبہ ہو- اخیر یہ کیوں ہی اور کیوں ایسے لوگ علما کی نگاہ میں عزیز ہیں اور کیوں علما اُن کی تعریف کرتے ہیں اور کیا وجہ ہی کہ اُن کو ان ناجائز حرکات پر تنبیہ اور چشم نمائی نہیں کی جاتی- وجہ سوا اسکے اور کچھ نہیں ہی کہ جس طرح ہمارے علما اور عام مسلمانوں کی زندگی نے سود دینے کو جائز اور حلال قرار دیدیا اسی طرح اس قسم کی سود خواری کو جسکی ساتھ تجارت وابستہ ہو اور جس سے تمدن اسلامی میں سوائے ترقی و بہبودی کے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو طیب اور حلال کہدیا- اور وہ قیامت تک اپنی اس طرز عمل کو نہیں بدل سکتے +

جب بعض علما پر اس قسم کا دباؤ ڈالا گیا کہ تم بنک کے سود اور تجارت میں سود کے لین دین پر کیوں نہیں معترض ہوتے تو اُن سے اور کچھ تو بن نہیں آئی یہ کہدیا کہ ہندوستان چونکہ دارالحرب ہی اس لئے یہ سود خواری یہاں جائز ہی- مگر ہمارے خیال میں یہ ایک مضحکہ خیز استدلال ہے اور اس ضعیف اور بے بنیاد استدلال سے شریعت غرّا کا منشا ہزاروں کوس دور ہے قرآن مجید میں کوئی حکم نہیں آیا جس میں ربوٰا خواری کے متعلق ہنگامی احکام ہوں اس قسم کی جتنی باتیں ایجاد ہوئیں وہ فقہا کی ایجاد کی ہوئی ہیں نفس قرآن مجید کے مفہوم کو ان ایجادی مسائل سے کوئی تعلق نہیں ہی- فقہا نے استنباط مسائل میں تمدن الوقت کا زیادہ لحاظ و پاس کیا اور اس قسم کے جتنے اُن کے مسائل ہیں وہ سب ہنگامی ہیں اگر ہنگامی نہوتے تو اُن کے جانشین ان مسائل سے علانیہ اختلاف نہ کرتے فقہ ایک دستور العمل ہی اُن ملکی قوانین کا جو اُس زمانہ میں مسلمانوں کے ہاں رائج تھے فقہ کے بہت سے مسائل خواہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے استنباط کیوں نہ کئے گئے ہوں لیکن ہیں سب ہنگامی اور یہ ممکن نہیں ہو سکتا تھا کہ مسلمان ایک فقیہی کے استنباطی مسائل کو ہر زمانہ اور ہر عصر میں دستور العمل بنا سکتے امام اعظم علیہ الرحمۃ کے بہت سے استنباطی مسائل سے اُن کے دو شاگرد امام یوسف اور امام محمد نے مخالفت کی اور اس مخالفت سے اس گروہ کثیر نے جسکا امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر عقیدہ تھا کچھ بھی مخالفت نہ کی اس کی وجہ یہ تھی کہ خیر القرون

قریب تھا مسلمانوں کی خوش قسمتی اور اقبال کا ستارا بلند تھا اس سبب سے انکی عقلیں بھی روشن تھیں اُن میں روشن ضمیری بھی تھی اور وہ اسلام و قرآن کے مفہوم و اقتضائے زمانہ کو سمجھ سکتے تھے۔ اب بدقسمتی سے یہ کیفیت نہیں ہی۔ ہم ابتدا ہی سے الٹی کھوپڑی کے پیدا ہوتے ہیں اور ہمیں کلام الٰہی سمجھنے کا مادّہ موجودہ زمانہ میں فطرتًا ملا ہی نہیں۔ دار الحرب اور دار الاسلام کی بحث ہی لغو ہے ہندوستان نہ دار الحرب ہوا نہ ہوسکتا ہی یہ ہمیشہ سے دار الاسلام رہا اور اب بھی دار الاسلام ہے کل مسلمان گروہ اپنے مذہبی فرائض کی انجام دہی میں بالکل آزاد ہیں مساجد کھلی ہوئی ہیں۔ قرآنی وعظ ہوتے ہیں اور ملقین دین اسلام کو کوئی نہیں روکتا پھر کیا وجہ ہی کہ ہم ہندوستان کو دار الحرب کہہ سکیں تنزل قومی کی ادنےٰ نشانی یہ ہے کہ اُس کی اخلاقی جرأت سلب ہو جائے علما زمانہ کا مفہوم یہ ہی کہ اس قسم کی سود خواری جو بنک اور تجارت کے متعلق ہو جائز ہی لیکن اخلاقی جرأت کے مفقود ہو جانے سے وہ ایک پچر دار الحرب ہونے کی اور اڑاتے ہیں اور شریعت کی اس آڑ سے عام مسلمانوں کے طعن و تشنیع سے بچنا چاہتے ہیں ہمارا فرض ہے ہر بات جو ہمارے دل میں ہو وہی زبان پر ہو اور جس بات کو ہم حق سمجھتے ہیں اُسکے اظہار میں ہمیں کبھی باک نہونا چاہیئے ؛

موجودہ ہندی اسلامی تمدن کو دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانوں میں سود کا لین دین ہو رہا ہے اور کبھی کسی واعظ یا مولوی نے اُن پر اعتراض نہیں کیا۔ ممکن ہی کہ فی لاکھ ایک مسلمان سود کی اس داد وستد سے مستثنےٰ کر دیا جائے مگر ایسا استثنا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ یہ دیکھئے کیا یہ سوال ہو گا کہ یہ چھ کروڑ مسلمان ابدی جہنمی ہیں اور ان کا کھانا لحم خنزیر کے برابر ہے اور انہیں شفاعت شافع محشر نصیب نہ ہوگی۔ نہیں ایسا خیال کرنا اُمت محمدی کے اس کثیر تعداد گروہ کے ساتھ سوء ادبی کرنی ہے اور کروڑہا مسلمانوں کو ایسا سمجھنا خود جہنمی ہونا ہے ؛

یہ تو مسلمانوں کی طرز عمل ہی جس سے بلاشبہ کوئی انکار نہیں کر سکتا دوسری زبانی اور تحریری ہی جس میں ہر قسم کے ربٰوا خوار کو ہزاروں گالیاں دی گئی ہیں۔ ہر شخص خیال کر سکتا ہی کہ اس تحریر کی وقعت عملی زندگی کے آگے کیا ہو سکتی ہی۔ اب دوسری بحث یہ ہی کہ اگر ہم بفرض محال ہندوستان کو دار الحرب تسلیم کر کے یہاں سود کا جائز ہونا مان لیں تو اور اسلامی ممالک میں کیا کرینگے۔ ٹرکی۔ ایران۔ مراکو۔ مصر اور افغانستان تو دار الاسلام ہیں وہاں بھی کوئی مسلمان ایسا نہیں ہی جو سودی لین دین نہ کرتا ہو۔ امیر عبد الرحمٰن خان ممکن ہی کہ سود لیتے نہ ہوں لیکن سود دیتے ضرور ہیں کیونکہ یورپ سے لاکھوں روپیہ کا سامان حرب وغیرہ خریدنا بغیر سود دیئے اور بنکوں سے معاملہ کرنے پر نہیں ہو سکتا۔ امیر کا روپیہ لندن کے بنکوں میں جمع ہی اور امیر جیسا روشن ضمیر حکمران ایسا نہیں ہی کہ اس روپیہ کا منافع نہ لیتا ہو سلطان ٹرکی کا بکثرت روپیہ یورپی بنکوں میں جمع ہی جس کا وہ علانیہ منافع لیتے ہیں خود عثمانی بنک قسطنطنیہ میں موجود ہی دولت علیہ عثمانیہ سود کا لین دین کرتی ہی اور اس پر آجتک شیخ الاسلام نے کبھی ناجوازی کا فتویٰ نہیں دیا۔ مصر میں علی الاعلان ربٰوا خواری ہوتی ہے اور اکثر عمائد کا روپیہ۔ مصر انگلستان اور فرانس کے بنکوں میں جمع ہے۔ غرض ہر متمدن ملک میں بنکوں کا ہونا لازمی ہے اور بنکوں کے ساتھ سود یا منافع ہونا ضروری امر ہے ایران کے پائے تخت طہران میں انگلش بنک قایم ہے دولت ایران کے بھی اس بنک میں بہت سے حصے ہیں وہاں کے مجتہدوں نے بھی جو اول درجہ کے متعصب ہیں کبھی سود کے لین دین پر اعتراض نہیں کیا۔ اخیر یہ کیوں ہے اور کیا وجہ ہے کہ ہماری تحریری یا زبانی اقوال

ہماری عملی زندگی کے بالکل خلاف ہیں صرف وجہ یہ ہے کہ فقہا کی ہیبت اور خیالات آفرینی کا خوف ہمارے دلوں میں بیٹھا ہوا ہے۔ کرتے سب کچھ ہیں۔ مگر ڈر کے مارے زبان نہیں ہلاتے یہی ایک اخلاقی بزدلی ہے جس نے انجان مسلمانوں کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اور جس سے جاہل مسلمان پسے جاتے ہیں۔ دولتمند عام طور پر سب کچھ کرتے ہیں کیا مجال ہے جو علمائے زمانہ آنکھ بھر کے بھی دیکھ سکیں غریب کمبخت اگر کچھ کرتا ہے تو اُس پر کفر کا فتویٰ موجود ہے۔

بعض مسائل فی زمانا ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ اُن کی چھان بین کرنی ایک کٹھن کام ہو گیا ہے مثلاً بعض علمائے کرام کا یہ فتویٰ ہے کہ کسبی اور وکیل کی روزی یکساں ہے اور ساتھ ہی اُن انگریزی ملازموں کی روزی جو انگریزی قانون سے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں مثل سود خواروں کے ہے اور اُن کا روپیہ مثل وکیلوں اور کسبیوں کے روپیہ کے ہے ہم دریافت کرتے ہیں کہ اس فتویٰ کی کس نے پرواکی اور مسلمانوں کا موجودہ طرز عمل کیا کہہ رہا ہے۔ اس زمانہ کا تو کچھ ذکر نہیں غدر سے پہلے بڑے بڑے علما انگریزی ملازمت میں داخل ہو چکے تھے مثلاً مولانا مولوی مفتی صدر الدین صدر الصدور تھے اور مولینا فضل حق خیر آبادی سررشتہ داری کا کام کرتے تھے۔ موجودہ زمانہ میں بڑے بڑے علما کے بچے تحصیلدار۔ مجسٹریٹ اور وکیل ہیں مگر کوئی نہیں پوچھتا کہ اخیر ان لوگوں پر فتویٰ کفر کیوں جاری نہیں ہوتا اور مسلمانوں کا یہ گروہ کثیر کیوں ان طعن و تشنیع سے بچا ہوا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ قانون اسلام کو ان باتوں سے کچھ سروکار نہیں ہے صرف ہمارے فقہا کے ہنگامی مسائل کو ہم نے دوامی سمجھ کے اپنی موجودہ معاشرت کے چسپاں کیا اور اس میں ہم ناکام رہے اور ہمارا ناکام رہنا قدرتی امر تھا۔ اسلام کے چند ارکان جن کا شمار انگلیوں پر ہے۔ ایک شخص کو پکا مسلمان بنانے کے لئے کافی ہیں جتنے جھگڑے اسوقت ہو رہے ہیں یہ اُس فقہی باریکیوں کا سایہ ہے جو ایک زمانہ میں ہم پر حکومت کرتے تھے اور اُن کی حکومت زوال پذیر ہے۔ فقہا کے ماننے والے کروروں اب بھی موجود ہیں لیکن اُن کا ماننا صرف اخلاقی ہے اس سے نفس الامر کو کوئی تعلق نہیں ہے ؛

سود خواری بھی منجملہ اُنہی مسائل کے ہے جن کا اوپر ذکر ہوا پہلے اس کا زور رہا اور حسب اقتضائے زمانہ مسلمانوں نے اس کو تسلیم کیا مگر جب جدید تمدن کا دور دورہ ہوا تو اُسکے عقائد میں انحطاط شروع ہوا اور ہوتے ہوتے یہانتک نوبت پہنچی کہ یہ بھی اُس گرد روزگار میں جا ملا جہاں صدہا مسائل پڑے ہوئے ہیں اور جنہیں کوئی آنکھ بھر کے نہیں دیکھتا اُنپر عمل کرنا تو کیسا اُنکا ذکر بھی سننے میں نہیں آتا۔ مگر یہ شرف کلام الٰہی کو حاصل ہے کہ اُس کی حکومت اب بھی اُسی طرح پر روز ہی اور اُسکی جدت میں جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا ہے اور رونق ہوتی جاتی ہے یعنی جس ربٰوا خواری کو قرآن کریم نے حرام کہا ہے وہ اب بھی حرام ہے اور ہمیشہ حرام رہے گی کسی قسم کا جدید تمدن اور جدید سائنس نہ اُسے بدل سکتا ہے نہ آیندہ بدل سکے گا یہ) دو قسم کے ربٰوا ہمارے لئے پیش کئے جاتے ہیں ایک قرآنی ربٰوا ہے اور ایک فقہی ربٰوا۔ اول الذکر کو ہم حرام مطلق سمجھتے ہیں اور ہم بعد تحقیق بسیار اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآنی ربٰوا کو مسلمان اب بھی عملاً حرام سمجھتے ہیں۔ کم ایسے بدنصیب سنگدل مسلمان ہونگے جو غریب غربا کو دو آنے چار آنے روپیہ سود پر قرض دیکے بیچاروں کے خاندان کو برباد کرتے ہونگے اور اُنہیں ذرہ برابر رحم نہ آتا ہو گا ایسے سنگدل خبیث مسلمانوں کا شمار انگلیوں پر ہے۔ رہا فقہی ربٰوا۔ اُسے ہم حرام نہیں سمجھتے لیکن یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ ایک زمانہ میں وہ قطعی حرام تھا اور اُس وقت اُسکے حرام ہونیکی ضرورت بھی تھی لیکن وہ

زمانہ گزر گیا اب اس کی حرمت بھی زمانہ کے ساتھ چل بسی ہر انسانی ایجاد یا تصنیف یا قول کی ایک عمر ہوتی ہی اور جب اُسکی عمر پوری ہونے کو ہوتی ہے اُسکے اعتقادات میں ضعف طاری ہو جاتا ہی اور یہ ضعف اخیر دلوں پر سے اسکی حکومت مٹا دیتا ہی۔ ہزارہا تصنیفات ہوئیں اور مٹ گئیں اور اُنہیں پُرانا کہکے پھینک دیا مگر قرآن مجید میں وہی زندہ قوت باقی ہے اور اسکی حکومت تیرہ صدی گزرنے پر بھی اسی طرح تازہ ہے +

میں مناسب سمجھتا ہوں کہ میں تمام فقہی بحثوں کا خلاصہ کرکے پھر ایک بسیط رائے بطور فیصلہ اس پر لکھوں اُمید تو پڑتی ہے کہ موجودہ غلط فہمی رفع ہو جائے گی اور میری تفسیر کا ناظر سمجھ لے گا کہ ربوٰا خواری چیز کیا ہی قرآن نے اسکی بابت کیا فیصلہ دیا ہے اور فقہا کیا کہتے ہیں اور موجودہ طرز عمل کیا شہادت دیتی ہے۔ یہ بحث بہت ہی دلچسپ ہوگی اور میں کوشش کروں گا کہ اس لاینحل اور مشکل بحث کو اس آسان پیرایہ میں لکھوں کہ ہر شخص معمولی لیاقت کا بھی باسانی سمجھ لے اور اُسے تطبیق مضامین میں زیادہ پریشانی نہ اُٹھانی پڑے۔ جتنی حدیثیں اور اقوال فقہا بیان ہوں گے اُن سب پر مختصر سی رائے ضرور دی جائے گی تاکہ پڑھنے والا حدیث یا قول فقہ کا اصل مفہوم سمجھ لے۔ میں نے سود کی بحث میں عمداً مفسروں کی رائے سے زیادہ مدد نہیں لی ہی کیوں کہ میری رائے عموماً ایک نئے انداز اور نئے پیرائے کی ہوگی اور میں مجتہدانہ طور پر بحث کروں گا۔ کسی مفسر کی رائے کو قرآن مجید سے کوئی بحث نہیں ہی اور شریعت ہمیں مجبور نہیں کرتی کہ ہم کسی مفسر کی رائے کو تسلیم کریں۔ کلام خدا کل مسلمانوں کے لئے ہے اور اُس کے سمجھنے کی بقدر عقول ہر مسلمان کو قابلیت دی ہے یہ سخت کفران نعمت ہے کہ ہم اپنے قوائے عقلیہ کو بیکار کرکے دوسروں کے ہوکے رہ جائیں اور ذرا بھی اپنی روشن ضمیری سے کام نہ لیں۔ ابھی بہت سے مطالب ہیں جو حل ہونے باقی ہیں اور ابھی ہزاروں نکات ہیں جو آیندہ زمانہ میں حل ہوتے چلے جائیں گے۔ قرآن خدائے بزرگ و توانا کے رازوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے کہ ہر صدی بلکہ ہر قرن میں نئی نئی باریکیاں پیدا ہوتی چلی جائیں گی اور قیمتی رازوں کا ایسا اظہار ہوگا کہ ہر جدید عصر کے لوگ دنگ رہ جائیں گے +

خدا اس میں میری مدد فرمائے اور جس طرح روح القدس میری مدد کرتی چلی آئی ہے اس مسئلہ میں بھی میری معاون بنے آمین ثم آمین وہ دلچسپ بحث جسکا میں اشارہ کر رہا ہوں حسب ذیل ہے +

ربوٰا کے متعلق محدثانہ اور فقیہانہ بحث

حدیث صحیح میں سود خوار شاہد اور کاتب تمسک ایک نگاہ سے دیکھے گئے ہیں اور تینوں پر لعنت کی گئی ہی بلکہ ایک حدیث یہ ہی کہ سود لینے والا۔ دینے والا کا تمسک لکھنے والا اور دونوں شاہد ملعون ہیں خداتعالی فرماتا ہی۔ الذین یاکلون الربوا لایقومون الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطان من المس،، یعنی وہ لوگ جو سود لیتے ہیں نہیں اُٹھینگے قیامت کے دن مگر اس طرح جیسے شیطان نے مس کرکے اُنہیں مخبط اور دیوانہ بنا دیا ہی الی قوله هم فیها خالدون اخیر آیت تک کا مضمون یہ ہی کہ ان لوگوں کی حالت اسلیئے زبون ہوگی کہ وہ یہ کہیں گے ربوٰا اور بیع ایک ہی چیز تو ہیں حالانکہ خداوند تعالی نے بیع کو حلال اور ربوٰا کو حرام کہا ہی جن لوگوں نے فرمودہ قادر مطلق پر عمل کیا وہی نیک بندے ہیں اور جنہوں نے اسکے خلاف کیا اُنہیں اصحاب دوزخ سے تعبیر کیا گیا ہے +

سود خواری کی برائی میں ایک اور حدیث آئی ہے حدثنا موسی بن اسمعیل قال حدثنا جریر بن حازم قال حدثنا ابو رجاء عن سمرۃ بن جندب قال قال النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم رایت اللیلۃ رجلین اتیانی فاخرجانی الی ارض مقدسۃ فانطلقنا حتے اتینا علی نھر من دم فیہ رجل قایم علی وسط النھر ورجل بین یدیہ حجارۃ فاقبل الرجل الذی فی النھر فاذا اراد الرجل ان یخرج رمی الرجل بحجر فی فیہ فردہ حیث کان فجعل کلما جاء لیخرج رمی فی فیہ بحجر فیرجع کما کان فقلت من ھذا فقال الذی رایتہ فی النھر اکل الربوا "

یعنے (حضور انور فرماتے ہیں) میں نے خواب میں دیکھا کہ دو شخص میرے پاس آئے اور مجھے ارض مقدس (زمین مسجد اقصے) پر لے گئے اور اِن دونوں میں ایک جبرائیل اور ایک میکائیل تھا ہم تینوں ملکے خون کے دریا پر پہنچے دیکھا کہ ایک شخص دریائے خون کے کنارے پر کھڑا ہوا ہے اور دوسرا اُس دریا میں ہے اور جب یہ شخص جو خون کے دریا میں ہے باہر آنے کی کوشش کرتا ہے تو کنارہ پر کھڑا ہوا شخص اُسے پتھر مارتا ہے اور باہر نہیں نکلنے دیتا پھر وہ ہٹ جاتا ہے اسکی یہی کیفیت ہے جہاں اس نے نکلنا چاہا اور فوراً دوسرے شخص کون ہے جو دریائے خون سے نکلنا چاہتا ہے اور باہر نہیں نکل سکتا ان میں سے ایک شخص نے جواب دیا کہ یا حضرت یہ سود خوار شخص ہے جسے حضور ایسی حالت میں ملاحظہ فرما رہے ہیں ؞

یہ حدیث صحیح بخاری کی ہے اور اس کی صحت میں ہمیں مطلق تامل نہیں ہے اس میں شبہ نہیں سود خوار کی یہی سزا ہونی چاہیئے ایک ظالم ناخدا ترس۔ تمدن انسانی کے لئے زہر ہلاہل کی اس سے بھی زیادہ سزا ہونی چاہیئے جس نے حدود اللہ سے باہر قدم رکھا اور خدا کی مخلوق کو برباد کیا اسکی یہ سزا بہت ہی موزوں قرار دیگئی ہے مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید میں لفظ ربوا کیلئے خاموشی اختیار کی گئی ہے اسی طرح اس حدیث میں بھی خاموشی سے کام لیا گیا ہے۔ ربوا کے معنی بالکل نہیں سمجھائے گئے اور نہ اُس کی کچھ تشریح کی گئی۔ کہ آیا اس کے لغوی معنوں سے ربوا مراد ہے یا شریعت میں اس کا مفہوم کچھ اور ہی۔ ربوا کے معنی تو صرف زیادہ لینے کے ہیں زیادہ لینے کا اطلاق مال تجارت پر بھی ہو سکتا ہے ایک شخص اپنے روپیہ کے مال کے دو روپے لیتا ہی کیا یہ زیادہ لینا بھی ربوا میں داخل ہے یا روپیہ دے کے دو روپے لے لینا ربوا ہے فقہا نے آخر الذکر کو ربوا اور اول الذکر کو بیع قرار دیا ہے لیکن اس قسم کا کوئی فیصلہ قرآن مجید نے انقطاعی طور پر نہیں کیا اور نہ کسی صحیح مرفوع متصل حدیث میں ایسا فیصلہ مرقوم ہے۔ حالانکہ آگے آنیوالے حدیث سے کسی چیز کا دُگنی تگنی قیمت پر قسم کھاکے فروخت کرنا بھی حرام بتایا گیا ہے ؞

پھر اس شخص کی کیفیت جو سود دیتا ہے شریعت نے یہ لکھی ہے (خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے) یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین" یعنی اے مسلمانوں خدا سے ڈرو اور چھوڑ دو اُس چیز کو جو باقی رہے سود سے اگر تم بالیقین مسلمان ہو۔ اس کا مطلب مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ جب سود کی داد و ستد پر ممانعت کر دی گئی تو اب سود کا جتنا روپیہ لینا دینا ہے اس کو چھوڑ دو یعنی وہ روپیہ جو حد العوضین سے زیادہ ہو اس میں دینے اور لینے والے کے لئے ایک حکم ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اخیر تک ہمارے منشا کی تائید کرے گی اسپر ہم ذرا تفصیل

سے بحث کرنا چاہتے ہیں امید ہی کہ ربٰوا کے اصلی معنی اب سمجھ میں آجائیں گے۔ حضور انور جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے ہیں تو سود کے لین دین کی ایک آفت برپا تھی اور تمام اہل مدینہ بڑے پریشان تھے جب کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے تو ان میں بھی وہی لین دین جو زمانہ کفر میں تھا جاری رہا یہ کمبخت سود خواری ایسی نہیں تھی کہ مسلمانوں کو آپس میں متحد کرتی یہاں حضور انور کی بعثت محض اتفاق قایم کرنے اور توحید باری تعالیٰ منوانے کے لئے ہوئی تھی اور وہاں سود خواری سے یہ منشا پورا نہیں ہوسکتا تھا فوراً آیت نازل ہوئی کہ ربٰوا حرام ہی۔ خدا کا حکم مسلمانوں میں پڑھ کے سنایا گیا مگر جھگڑا یہ رہا کہ اس سے پہلے کے سود کا جو واجب الدین تھا مطالبہ شروع ہوا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ اصل رقم کے علاوہ جو کچھ زاید بطور سود کے قرار دیا گیا ہی چھوڑ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا سب چھوڑ دیا گیا اور اس سے منشائے باری پورا ہوگیا مابقی من الربٰوا کے یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں کہ سود کا جو روپیہ اصل رقم پر زیادہ ہوگیا ہے وہ معاف کردیا جائے تاکہ اس لین دین سے وہ قدیمی عداوت جو دلوں میں پیدا ہوگئی تھی جاتی رہے مگر اسمیں بہت بڑا نکتہ ہے اور اسی کی طرف اپنے ناظر کی توجہ مبذول کرنا چاہتا ہوں۔ آیت شریف میں یہ حکم دیا گیا ہی ان کنتم مومنین اگر تم مسلمان ہو۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہی کہ صرف مسلمانوں کو آپس میں سود کا لین دین کرنے کے لئے روکا گیا ہے کیوں کہ اس آیت شریف کے نزول کے بعد بعض مسلمانوں نے یہودیوں سے سود کا لین دین کیا ہی مثلاً حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی اور اُس کا سود بھی آپ ادا کرتے تھے جسکا اشارہ ہم اوپر کر آئے ہیں اور اس سود دینے پر حضور انور نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا مسلمانوں کو ہر جگہ مخاطب بنایا گیا ہے ایسی کوئی صریح آیت نہیں ملتی جس میں غیر مذاہب سے سود کا لین دین منع کیا ہو۔ اس آیت میں جو ہم نے نقل کی یہ صاف طور پر لکھا ہی کہ ربٰوا کا مابقی چھوڑ دیا جائے یہ الفاظ نہ تو اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ نقد کا لین دین ہوتا تھا اور یہ لین دین مثل اس داد و ستد کے ہے جو ہندوستان کے بنئے کرتے ہیں۔ جائداد کے گرو رکھنے کا کوئی دستور مدینہ میں نہ تھا نہ اس کا اشارہ قرآن مجید میں کہیں دیکھا گیا اور نہ کسی صحیح حدیث میں صرف نقد روپیہ کی داد و ستد تھی اور بس مگر عجیب بات یہ ہی کہ نقد روپیہ کی داد و ستد بھی مسلمانوں ہی میں روکی گئی یہ نہیں حکم دیا گیا کہ یہودیوں اور نصاریٰ سے بھی لین دین چھوڑ دو اور جو اُن کا ہی اسے مت دو اور جو تمہارا ان پر آتا ہی اُسکو نہ مانگو خاص مسلمانوں کے لیے اس آیت اور اس حکم کو مخصوص کرنے کے یہ معنی ہیں کہ غیر اسلام سے اس قسم کا لین دین بھی جائز ہی مثلاً ایک مسلمان کو روپیہ کی ضرورت ہی وہ کسی ہندو سے روپیہ لے کے اپنی ضرورت رفع کرسکتا ہی یا ایک مسلمان اپنا روپیہ ہندو کے ہاں رکھوا تا ہی وجہ کیا کہ اس سے سود نہ لیا جائے۔ اس آیت سے یہ استدلال خواہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن کم سے کم یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ تخصیص مسلمانوں کی کی گئی ہے اور ان ہی کو حکم دیا گیا ہی کہ تم آپس میں نقد کا لین دین ترک کردو اور جو تمہارا کسی پر لینا ہے اُسے بھی چھوڑ دو ؛

خداوند تعالیٰ قرآن مجید میں دوسری جگہ پر فرماتا ہے یمحق اللہ الربٰوا یعنے گھٹاتا ہے اور ربٰوا کو ناچیز کرتا ہے مرفوعاً یہ مروی ہی کہ ربٰوا سے اگر دولت زیادہ جمع ہو جائے لیکن اخیر میں کم ہو جاتی ہے اور ایک روایت میں آیا ہی کہ ربٰوا خوار کو چہل سال نہیں گزرنے پاتے کہ اسکے روپیہ میں کمی آجاتی ہی اسکے مقابلہ میں فرماتا ہے کہ یربی الصدقات یعنی زیادہ کرتا ہی

خداوند تعالیٰ صدقات کو۔ یعنے صدقہ دینے والے کے مال میں برکت دیتا ہے۔ اور آخرت میں اُسکا ثواب عطا فرماتا ہے یہاں دو لفظ ایک دوسرے کی ضد بیان ہوئے ہیں ایک ربوٰا اور ایک صدقہ۔ صدقہ کسی جائداد یا زیور کا نہیں دیا جاتا اگرچہ اس زمانہ میں اکثر مخیر لوگ جائدادیں وقف کر دیتے ہیں لیکن عرب کی معاشرت میں زمین یا جائداد کا صدقہ میں دینا کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ صدقہ دو قسم کا ہوتا تھا نقد اور کھانا اس خیرات کو صدقہ سے تعبیر کیا گیا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ اس پر بھی صدقہ کا لفظ حاوی ہوا ہو اگرچہ فقہا نے صدقہ کی لمبی چوڑی تعریفیں کی ہیں لیکن ان کل تعریفوں میں موجودہ زمانہ کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔ غرض صدقہ اور ربوٰا کو ضد قرار دیکے ایک کو جائز اور ایک کو ناجائز بنایا گیا ہے۔ وہ روپیہ جو ربوٰا سے جمع ہوا ہے برا بیان کیا گیا ہے اور اس کی نسبت یہ فیصلہ ہوا ہے کہ ۴۰ سال کے عرصہ میں ربوٰا روپیہ گھٹ جاتا ہے مگر جو لوگ صدقہ دیتے ہیں اُنکے روپیہ میں برکت ہوتی ہے اور روز بروز اس میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ قدرت نے جو اسباب ہمارے لئے پیدا کئے ہیں اُن سے بظاہر اس قول پاک کا کوئی ثبوت نہیں معلوم ہوتا کہ آمدنی پر روپیہ میں کمی آ جائے اور خرچ کرنے پر روپیہ بڑھ جائے کوئی چیز جب خرچ کی جائے کبھی نہیں بڑھ سکتی اور کوئی چیز جس کو خرچ نہ کیا جائے کبھی نہیں گھٹ سکتی۔ تو بھی شریعت کا یہ فیصلہ ناطق ہے اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے یہ سود جو غریب و غربا سے نہایت ظالمانہ طور پر پیدا کیا جاتا ہے ۴۰ سال تو کجا چند ہی سال میں اس روپیہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے اور فیصلہ ہونیکی یہ صورت ہے کہ بکثرت سودی روپیہ مع اصل کے ڈوب جاتا ہے اور سالہا سال کی محنت اور مشقت کے بعد جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ بھی آناً فاناً میں نکل جاتا ہے۔ روپیہ کا نقصان تو ایک طرف ہم نے تو ایسے سود خواروں کی جان ہلاکت میں دیکھی ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں روزمرہ اسی قسم کے مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں کہ آج فلاں مہاجن مارا گیا فلاں بنئے کو دیندار قتل کر گئے اسباب قتل سوا اس کے اور کچھ نہیں ہوتے کہ مہاجن یا بنیا سود خوار تھا اُس نے صدہا گھروں کو سود خواری میں برباد کر دیا تھا۔ جو روپیہ اُس کمبخت نے کمایا وہی اس کی جان کا دشمن ہو گیا قبل از وقت بے بسی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا۔ بہ نسبت اور مقدموں کے ایسے مقدمات کی تعداد بہت ہے۔ خون کے حادثے اکثر گاؤں ہی میں زیادہ پیش آتے رہتے ہیں شہروں میں نسبتہً خونوں کی تعداد بہت گھٹی ہوئی ہے۔ یہ ضرور ہے اور یہی قانون قدرت ہے کہ ظالمانہ فعل کی عمر بہت چھوٹی ہو۔ جس طرح ظلم تمدن کا دشمن ہے اسی طرح تمدن ظلم کا دشمن ہے تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کسی طرح بھی نادرست نہیں ہے کہ سود خوار کا روپیہ ۴۰ سال کے عرصہ میں گھٹ جاتا ہے۔ رہا برکت ہونا خرچ کرنے پر یہ بھی کسی طرح غلط نہیں ہے۔ ایسے شخص کو جو ہر دلعزیز ہو اور اعلےٰ درجہ کا مخیر ہو اپنی زندگی میں کامیابی ہونی لازمہ تمدن ہے اور کبھی اسکے خلاف نہیں ہو سکتا۔ برکت ایک مذہبی لفظ ہے جو تمام مذاہب عالم میں استعمال ہوا ہے۔ نیک مرد کے نیک کام کے انجام کا نام برکت ہے برکت کے سوا اسکے اور کوئی تعریف نہیں ہو سکتی کہ افعال حسنہ جو بانی ہیں تمدن و شرافت انسانی کے بخوبی انجام پائیں اور انکا فاعل اچھی نظروں سے دیکھا جائے ایسے شخص کے سر پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتا رہتا ہے۔

شریعت غرا نے جہاں سود خوار کی برائی کی ہے وہاں جھوٹ بول کے نفع لینے کو بھی مثل ربوٰا خوار ہی کے شمار کیا ہے عجیب بات ہے غور کرنے سے شریعت کا راز کھلتا جاتا ہے یہ حدیث جو ہم آگے نقل کرینگے اس سے ربوٰا کے خفیف سے معنی سمجھ میں آتے ہیں یعنے ربوٰا

زیادتی کو کہتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ زیادتی کس قسم کی اور کس چیز میں رہا یہ کہ فقہائے اس زیادتی کی تشریح کر دی ہے ہماری سمجھ میں نہیں آتا اول تو آپس میں اختلاف ہے اور اگر اختلاف بھی نہ ہو تو بھی ہم انہیں معصوم نہیں تسلیم کرتے اور نہ قرآن مجید کے آگے اُن کے خیالی اور طبعی فیصلہ کو حجت مانتے ہیں۔ ہاں اس آنے والی حدیث میں ربوا کے متعلق کچھ نہ کچھ توضیح سمجھ میں آتی ہے وہ حدیث یہ ہے حدثنا عمرو بن محمد قال حدثنا هشيم (يعنی ابن بشير) قال اخبرنا العوام عن ابراهيم بن عبد الرحمن عن عبد الله بن ابی اوفى اسلمى ان رجلا اقام سلعة وهو فی السوق فحلف بالله لقد اعطى بها مالم يعطه ليوقع فيها رجلا من المسلمين فنزلت ان الذين يشترون بعهد الله وايمانهم ثمنا قليلا۔" یعنے ایک شخص نے بازار میں اپنے مال کی قیمت کرنے میں قسم کھائی خدا گواہ ہے کہ میں جتنی قیمت پر نہیں دیتا ہوں اتنی قیمت پر پہلے کبھی فروخت نہیں کیا یعنی اس نے یہ جھوٹ بولا اور یہ قسم اس لئے کھائی تھی تاکہ گاہک کو مال کے خریدنے کی ترغیب دے پس یہ آیت نازل ہوئی یعنی وہ لوگ جو اپنی قسمیں اور ایمان الہٰی تھوڑے سے معاوضہ پر خرید کرتے ہیں یعنی وہ عہد جو انہوں نے ایمان اور امانت کا عہد خدا کے ساتھ کیا ہے اور قسموں کا احترام نہیں کرتے صرف تھوڑی سی متاع کے لئے باطل کی طرف رجوع رکھتے ہیں آخرت میں ایسے لوگ بدنصیب رہیں گے اور خداوند تعالیٰ اُن سے ہمکلام نہیں ہوگا محدثوں کا عام مسلمہ مسئلہ یہ ہے کہ مال کے فروخت کرنے میں اگرچہ سچی قسم بھی کھائی جائے وہ تنزیہ کراہت ہے اور اگر جھوٹی قسم کھائی جائے تو وہ کراہیت تحریمہ ہو جائے گی۔ اس حدیث سے ربوا کے معنی کسی قدر سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ لین دین میں حد اعتدال سے زیادتی نہ ہو مثلاً ایک شخص تجارت کرتا ہے اور اپنی چیز جو ایک روپیہ کی ہے اٹھارہ آنے کو فروخت کرتا ہے اس طرز عمل پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا لیکن جب اُس نے روپیہ کی چیز پانچ روپیہ میں فروخت کی ٹھان لی اور گاہک کے آگے قسمیں کھا کھا کے یہ بیان کیا کہ خرید بھی پانچ ہی روپیہ کی ہے لیکن میں تمہاری خاطر سے بے نفع فروخت کرتا ہوں بس اسی کا نام ربوا خواری ہے کیونکہ اس قسم کی زیادتی قیمت کو بھی ربوا شمار کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ربوا اور بیع کو ہم پہلو بیان کرنا اور ایک ہی جگہ رکھنا یہ معنی پیدا کرتا ہے کہ مناسب نفع سے جو چیز دیجائے وہ تو بیع ہے اور جو چیز دھوکا دیکے زیادہ نفع پر فروخت کی جائے وہ ربوا ہے۔ اگرچہ ہمارے یہ معنی عام طور پر تسلیم نہیں کئے جائیں گے لیکن اتنا ضرور ہوگا کہ لوگ ربوا اور بیع کے فرق پر خیال رجوع کریں گے اور سمجھیں گے کہ بیع اور ربوا کو ایک ہی جگہ بیان کرنا ان الفاظ میں کوئی نہ کوئی مناسبت رکھتا ہے ؛

اور بھی بہت سی حدیثیں اور علماء کرام کے اقوال ہیں جو ہم آگے نقل کریں گے اُمید تو ہوتی ہے کہ ہماری اس بحث سے ربوا کے متعلق ایک حد تک معاملہ آئینہ ہو جائے گا۔ یہ بیان کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ ربوا سے منشاء باری تعالیٰ کیا ہے اور بعض فقہا اُسے کیا سمجھتے ہیں۔ قرآن مجید کا کوئی حکم ناممکن التعمیل نہیں ہے اور یہی قرآن مجید کا بہت بڑا معجزہ ہے جو اور کتابوں میں نہیں ملتا۔ ربوا کے ایسے معنی پیدا کرنے جو ناممکن التعمیل ہو جائیں ہماری بلند خیالی اور نکات آفرینی پر دلالت کرتا ہے ربوا کا مفہوم ضرور زیادتی کے لفظ کے ساتھ تعبیر ہو سکتا ہے مگر زیادتی کسے کہتے ہیں یہ ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا نہ محدثوں اور مجتہدوں نے اسے کھولا۔ بہرحال جو کچھ دینی کتابوں میں ملتا ہے اختصار کے طور پر درج کر دیا جاتا ہے اسکے بعد ہم ایک بسیط بحث کریں گے ؛

صحیح حدیث کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ربوٰا کے معنی نہیں سمجھتے تھے جب جلیل القدر صحابی کی یہ کیفیت ہو تو پھر فقہا یا مجتہد کیوں کہ سمجھ سکتے ہیں اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی لاعلمی بیان فرماکے یہ تاکید کر دی ہے کہ ربوٰا کو حرام کہے جانا لیکن کس ربوٰا کو یہ آپنے ہی نہیں فرمایا اسلئے کہ آپنے اپنی لاعلمی کا خود اقرار فرمایا تھا حضرت عمر رضی اللہ کی وہ حدیث یہ ہے "ان اٰخر ما نزلت اٰیۃ الربوٰا وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبض ولم تفسیرھا لنا فدعوا الربوٰا والریبۃ" یعنے سب سے پیچھے جو آیت نازل ہوئی ہے وہ آیت ربوٰا کی ہے۔ انتقال فرمایا حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہمارے لئے اس آیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی پس چھوڑ دو ربوٰا کو اور شک کو۔ اس حدیث پر بسیط بحث ہو سکتی ہے۔ اگرچہ بعض علما نے اس سے اور طرح کا استدلال کیا ہے لیکن صاف معنی جو اس حدیث کے سمجھ میں آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آیت ربوٰا کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی گئی کہ ربوٰا کا کیا مفہوم سمجھا جائے چونکہ حضور انور کی وفات ہو چکی ہے اسلئے جو ظاہرا معنی زیادہ لینے کے ہیں اُن ہی پر عمل کرو اور اس حیثیت سے ربوٰا کو حرام جانو اور آیندہ اس میں کچھ شک نہ کرو۔ بعض علما یہ فرماتے ہیں کہ فعل و ترک مطلق امر معلوم غیر مشتبہ کے ہوتا ہے نہ مبہم و مشتبہ کے اسلئے آیت ربوٰا خود حرمت ربوٰا میں ظاہر ہے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے علی حالہا چھوڑ دیا تم لوگ اپنی طرف سے اس میں تاویل و توضیح نکرو اور چھوڑ دو ربوٰا کو اور شک کو یعنی ربوٰا جسکے معنی زیادتی کے ہیں اور جن معنوں میں حضور انور نے اسے قایم رکھا ہے تم بھی اُن ہی معنوں میں قایم رکھو اور اس میں شک اور تاویل کو رستہ نہ دو۔ یہ ہمارے علماء کرام کی بحث ہے جو ہم نے اوپر نقل کی ہماری غرض یہ ہے کہ جو کچھ بیان کیا گیا بالکل صحیح ہے لیکن پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علی حالہا رکھنے سے کیا غرض ہے اور حضور نے زیادتی کو کس حد تک قرار دیا تھا حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ آنحضرت نے وفات پائی اور ہمارے لئے اس آیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی کیا معنی رکھتا ہے یہ صحیح ہے کہ فعل و ترک غیر مشتبہ اور امر معلوم پر بولا جاتا ہے یعنی اگر ربوٰا کا مفہوم غیر مشتبہ حضرت عمرؓ کی نظروں میں نہ ہوتا تو آپ شک کے ترک کرنے کے لئے مسلمانوں کو کیوں حکم دیتے ہیں اس تاویل کرنے پر بھی ہمارے مدعا میں کوئی خرابی نہیں آئی حضرت عمرؓ کو شک ضرور تھا لیکن جب وہ اپنا شک رفع نہ کر سکتے تھے (کیونکہ حضور انور کی وفات ہو چکی تھی) تو آپ کا فرض تھا کہ مسلمانوں کے انتشار دور کرنے کے لئے آپ ربوٰا یا آیت ربوٰا کو امر معلوم اور امر غیر مشتبہ سے تعبیر کرتے کیونکہ ایسی حالت میں شک کرنا جب شک رفع نہو سکتا ہو مسلمانوں کی پریشانی بڑھانا ہے میں دریافت کرتا ہوں ضرورت کیا تھی کہ حضرت عمرؓ آیت ربوٰا کی تفسیر کی بابت شکیہ جملہ فرماتے کیوں ایسا کیوں کیا گیا اور اس کرنے میں راز کیا تھا۔ اور کیا یہ حضرت عمر کر سکتے تھے کہ بغیر ایک زبردست وجہ کے شریعت کے ایسے مہتم بالشان اور اہم معاملہ میں ایسے مشتبہ الفاظ فرماتے اسکی بابت ہم اپنے فیصلہ میں بحث کریں گے۔ آیت ربوٰا کی بابت علامہ طیبی نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے "ای اٰیۃ الربوٰا ثابتۃ غیر منسوخۃ صریحۃ غیر مشتبہ فلذلک لم یفسرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجروھا علی ما ھی علیہ فلا تتربوا فیہا واترکوا الحیلۃ فی حلہا وھو المراد من قولہ فدعوا الربوٰا والریبۃ" یعنے ربوٰا کی آیت ثابت ہے منسوخ نہیں ہے صریح ہے کچھ مشتبہ نہیں اسلئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اسکی تفسیر نہیں کی پس جاری رکھو اُسکو جس طرح پر وہ ہے کچھ شک نہ کرو اس میں اور چھوڑ دو حیلہ کو کہ کسی شک و حیلہ سے ربوٰا کو حلال کرو اور یہی مراد اُن کی اس قول سے ہے دعوا الربوٰا والریبۃ علامہ طیبی کا بیان ختم ہو گیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے علامہ طیبی کا قول کہاں تک مطابقت کھاتا ہے۔ ہمارے فاضل طیبی یہ لکھتے ہیں کہ آیت ربوٰا میں جب ذرا بھی شک وشبہ نہ تھا اسلئے حضور انور کو اسکی تفسیر کرنے کی ضرورت نہوئی حالانکہ حضرت عمر کا یہ منشا نہیں ہے جسکی تفسیر ہم اوپر کر چکے ہیں۔ حضرت عمر کو آیت ربوٰا میں قطعی شک تھا اور اُس شک کی بنا پر آپنے یہ ارشاد کیا تھا جب حضرت رسالت مآب نے آیت کی تفسیر نہیں فرمائی تو تم بھی اُسے اُسی طرح مانو جس طرح اس کی ظاہری صورت ہے۔ ہم کیونکر علامہ طیبی کے قول کو حضرت عمر کے قول پر فضیلت دے سکتے ہیں۔ جو کچھ حضرت عمرؓ نے فرمایا ہے وہ ایسا پر مغز اور عاقلانہ قول ہے جس کی قیمت اندازہ سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ اصل میں حضرت عمر کے مختصر الفاظ ایک زبردست فیصلہ ہے۔ مبہم اور مشتبہ آیت ربوٰا کا جس سے بہتر فیصلہ ہونا محال ہے آپنے محض اس وجہ سے اس آیت کو علی حالہ رہنے دیا اور ہر قسم کے شک کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ جب صاف آیت تھی تو مسلمانوں کو شک کیوں ہوا اور مسلمان بھی وہ مسلمان جو جلیل القدر صحابہ ہونے کا فخر رکھتے ہوں اور خود رسول کریم کی زبان مبارک سے اُنہوں نے قرآن مجید سنا ہو۔ وجہ کیا کہ علامہ طیبی نے اس آیت کو ایسا غیر مشتبہ بیان کیا کہ اس کی تفسیر کی ضرورت نہیں پڑی یہ علامہ موصوف کی ذاتی رائے ہے جس کی وقعت واجب الاحترام صحابہ کے آگے کچھ بھی نہیں ہو سکتی حضرت عمر کا یہ فرمانا کہ چھوڑ دو شک کو اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ شک میں پڑ گئے تھے اگر آیت غیر مشتبہ اور امر معلوم ہوتی تو صحابہ کا شک کرنا کیوں ہوتا اس بنا پر میں علامہ طیبی کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا اور مجھے معلوم ہے کہ آیت ربوٰا بیشک مبہم اور مشتبہ تھی اور اسی لئے صحابہ نے اس کی تفسیر کی نسبت سرگوشی کی تھی +

فاضل اجل مولینا شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث مذکور کی اس طرح تشریح فرمائی ہے کہ "جناب رسالتمآب نے کوئی ضابطہ کلیہ ایسا بیان نہیں فرمایا کہ سوائے اشیائے منصوصہ کے اور اشیا کی نسبت بھی اس ضابطہ کے بموجب حکم دیا جائے"۔ فاضل محقق محدث دہلوی کا یہ قول ہے معاملات دینی میں اس فاضل کے قول کی سند لیجاتی ہے اور یہ فاضل مسلم امام ہے۔ علامہ طیبی کے قول کی فاضل نے تردید کر دی۔ فی الحقیقت بغیر کلام خدا یا قول رسول یا آثار صحابہ کو فاضل محقق دہلوی نے خوب سمجھا ہے۔ اس قول یا شرح حدیث سے جو ہمارے مولانا نے فرمائی ہے تمام فقہی مسائل کا فیصلہ ہوتا ہے یہ آپ کا فرمانا صحیح ہے کہ اشیائے منصوصہ کے سوا اور اشیا کی نسبت کبھی حکم نہیں دیا جا سکتا۔ اشیائے منصوصہ میں پرامیسری نوٹ اور بنک کا منافع نہیں داخل کیا گیا۔ جب اسکے لئے کوئی نص نہیں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ہم بطور خود اُسکے لئے کوئی ضابطہ بنائیں اور پھر مسلمانوں کو مجبور کریں کہ وہ اس ضابطہ پر عملدرآمد کریں۔ یہ شریعت کی بڑی سوء ادبی ہے اور نص قرآن مجید کی حقارت کرنی ہے جب قرآن کسی معاملہ میں شہادت نہیں دیتا اور بالکل ساکت ہے پھر کیوں اور کس لئے ہم اپنی طرف سے چند قواعد کی ایجاد کر کے کلام الٰہی پر اُس کا برقع ڈالیں اور عام مسلمانوں کو اس خود ایجاد کردہ ضابطہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور کریں +

میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ سود کی کئی اقسام میں ایک قسم سود کی وہ ہے جو قرآن مجید نے بیان فرمائی ہے اور باقی اقسام وہ ہیں جو ہمارے فقہا کی ایجاد کی ہوئی ہیں۔ قرآنی سود تو لاریب حرام مطلق اور لحم خنزیر ہے اور فقہا کا

سود حلال و طیب ہی۔ مجھے اپنے فقہا کی نیک نیتی پر مطلق شک نہیں ہی حاشا و کلا یہ ممکن ہی کہ اس زمانہ کے تمدن نے اُنہیں اس قسم کے ضابطے تدوین کرنے پر مجبور کیا ہو اور جب یہ ضابطے خواہ الٰہی یا الہامی ہوں مسلمانوں کے لیے مفید پڑے ہوں مگر اب نہ وہ مسلمان ہیں نہ وہ تمدن ہی کچھ بھی نہیں لہذا وہ فقہی ضابطے اب کام نہیں دیسکتے جو کچھ نص ہی وہی مسلمانوں کے لئے حجت ہی باقی کسی کا قول علاوہ قول رسول کے (بشرطیکہ کافی طور پر اُسکی صحت ہو جائے) اور کسی کی رائے اور کسی کا قول حجت نہیں ہو سکتا خواہ اس میں اجماع امت ہی کیوں نہو۔ اجماع امّت ایک موقر اور مہتم بالشان امر ہی اور ایک عجیب قوت ہی جسکی نظیر نہیں ملتی لیکن ہر زمانہ کا اجماع اُمّت علیحدہ علیحدہ ہی اور ابتدا سے دیکھا گیا ہی کہ یہ اجماع امت ہر صدی کے بعد بدل جاتا ہی مثلاً پہلے اسپر اجماع امت ہوا ہو کہ ہر قسم کی سود خواری خواہ قرآنی ہو یا نہ ہو نا جائز اور حرام ہی لیکن اب یہ اجماع اُمت ہے کہ سوائے قرآنی سود خواری کے کل سود خواریاں جائز ہیں۔ خواہ مسلمان زبان سے نہ کہیں لیکن اُن کا طرز عمل اس قسم کے اجماع کی شہادت دے رہا ہی تمام روئے زمین کے مسلمانوں میں ایک مسلمان بھی جو دولت مند ہی یا اُسکے تجارتی تعلقات یورپ سے ہیں حتّٰی کہ ایک مفلس مسلمان بھی عملی طور پر اس اجماع سے خارج نہیں ہی اور اگر وہ خارج ہونا چاہے بھی تو بھی نہیں ہو سکتا ہر زمانہ کا تمدن بڑا پُر زور ہوتا ہے اور محال امر ہی کہ کوئی متنفس اُس تمدن سے روگردانی کر سکے۔ موجودہ زمانہ میں ایک پاکباز اور سچا متقی مولوی کیوں اور کس لئے معاملات تجارت میں سود کا لین دین کرتا ہی اور کیا وجہ ہی کہ بڑے بڑے مذہبی مسلمانوں نے عملی طور پر اس کو جائز قرار دے لیا ہی کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہی شیخ الاسلام قسطنطنیہ نے کیوں اور علما کے ساتھ اسکے جواز کا فتویٰ دیدیا ہی اور سلطان روم نے بحیثیت ایک خلیفۃ المسلمین ہونے کے کیوں اس قسم کا سود لینا جائز قرار دیا ہی اور کیوں شیخ الاسلام نے یہ فتویٰ دیدیا کہ حجاز ریلوے کا روپیہ بنک میں جمع رہی اور اصل رقم کے ساتھ منافع بھی خرچ ہوتا رہے۔ کوئی وجہ اسکی ضرور ہے اور یہ بات ایسی نہیں ہے کہ معمولی طور پر اس کا تصفیہ کر لیا جائے۔ جو کچھ شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد کیا ہی کہ جب حضور انور نے ایسا کوئی ضابطہ مقرر نہیں فرمایا کہ سوائے اشیاء منصوص کے اور اشیا کی نسبت بھی اس ضابطہ کی رو سے حکم دیا جائے۔ جب یہ بات نہیں ہی تو تمام علمائے زمانہ نے ایسے منافع کو جو بنکوں وغیرہ سے حاصل ہو جائز قرار دیدیا ہی اور ایسا جائز قرار دینا کسی طرح بھی قابل اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر ممالک اسلامیہ میں ایسے منافع کو ضرورتاً جائز قرار دیدیا ہی۔ اور ان کا اس طرح جائز قرار دینا احق ترہے +

ایک اور متفق علیہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان ہوئی ہی اور اس روایت سے بعض فقہا نے اپنے خیال کی تائید لی ہی وہ قول یہ ہی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب ربوا الا ھاء وھاء والورق بالورق ربوا الا ھاء وھاء والبر بالبر ربوا الا ھاء وھاء والشعیر بالشعیر ربوا الا ھاء وھاء والتمر بالتمر ربوا الا ھاء وھاء" یعنے حضرت عمر کا بیان ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا بیع کرنا سونے کا سونے کے ساتھ ربوٰا ہی مگر دست بدست اور خرمے کا خرمے کے ساتھ ربوٰا ہی مگر دست بدست اور چاندی کا چاندی کے ساتھ ربوٰا ہی مگر دست بدست اور گیہوں کا گیہوں کے ساتھ ربوٰا ہے مگر دست بدست اور جو کا جو کے ساتھ ربوٰا ہی مگر دست بدست" اس حدیث کو صحیح تسلیم کرنے کے بعد بھی میرے مدعا میں فرق نہیں پیدا ہوتا اس حدیث میں لفظ بیع موجود ہی یعنی سونے کی خرید و فروخت ہونے سے کرنی سود خواری ہے اسطرح

گیہوں کی گیہوں سے کرنی سود خواری ہی۔ شریعت کی یہ بڑی حکمت عملی ہی کہ اس نے اس قسم کی خرید و فروخت کو منع کردیا اگر یہ خرید و فروخت اُس زمانہ میں جاری ہوجاتی تو اسلامی تمدن کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس قسم کی خرید و فروخت جو بطور مبادلہ کے ہو ضرور اس قسم کی تحریک کرتی ہی کوئی جعل بنایا جائے کھرے سونے کے عوض کھوٹا سونا دیدیا جائے یا اچھے خرموں کے بدلے دہوکا دیکے بُرے خرمے دیدئے جائیں۔ اس قسم کے لین دین میں جس کو مذکورہ بالا حدیث نے ربوٰا سے تعبیر کیا ہی تمدن کو سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہوسکتا تھا اور بالخصوص اس زمانہ میں کہ سوائے سادے دو چار تعزیری قواعد کے کوئی سیاسی دستور العمل منضبط ہوا تھا ایسے لین دین کی ممانعت لازمی تھی۔ بنک سے نفع لینے کی ممانعت ضعیف طور پر بھی اس حدیث سے نہیں ثابت ہوتی۔ بنک کے روپیہ کی خرید و فروخت نہیں ہوتی بلکہ بنک کو روپیہ صرف دو غرضوں سے دیا جاتا ہی ایک تو یہ کہ بحفاظت رہیگا جب جی چاہے واپس کرسکتے ہیں دوسرے یہ کہ بنک ہمارے روپیہ کو چونکہ اپنے تجارتی کام میں بھی صرف کریگا اس لئے ہمیں مقررہ منافع دیتا رہیگا اور بس۔ تو بدرجۂ ادنیٰ ثابت ہوگیا کہ اس لین دین کو مذکورہ بالا حدیث ناجائز نہیں ٹھہراتی اس لئے اس تبادلہ کو منع کیا ہی جو ان چیزوں میں کیا جائے۔ جو اعتراضات بنک کے منافع پر کئے جاتے ہیں وہ نہ نص سے ثابت ہیں اور نہ کسی صحیح حدیث اور نہ کسی فقہ کے صاف الفاظ سے جن کو سنتے ہی حرف گیری کی ضرورت نہ پڑے ؛

دنیا میں ہزاروں قسم کے لین دین جاری ہیں اور اُن کی نئی نئی صورتیں ہر زمانہ میں پیدا ہوتی جاتی ہیں جو محدود لین دین فقہا کے زمانہ میں رائج تھا اُس میں ایک بہت تبدیلی پیدا ہوگئی ہی اُس زمانہ میں تجارت کے یہ قواعد نہ تھے جن کی اسوقت تدوین ہوئی ہی اور نہ بنکوں کی ایجاد ہوئی تھی اور نہ دنیا کے کل ملکوں کی تجارت اس طرح وابستہ ہوگئی تھی جیسی اسوقت ہے اسکے علاوہ اور ہزارہا صورتیں جو تجارت اور لین دین میں ایجاد ہوئی ہیں ان کا نام بھی جب نہ تھا اگر یہی کیفیت فقہا کے زمانہ میں ہوتی تو ضرور ربوٰا کی نسبت معتدل احکام دیئے جاتے اور لین دین کی بہت سی صورتوں کو مستثنےٰ کرنا پڑتا۔ کیا وجہ ہی کہ ہم کئی صدی پہلے کے استنباطی مسائل کو بے کم و کاست مان لیں جبکہ ہم اُن کے تسلیم کرنے پر مکلّف نہیں کئے گئے۔ یہ عجیب بات ہی کہ قرآن مجید کا بہت سا حصہ منسوخ ہزاروں احادیث موضوع اور مردود یا اقل درجہ ضعیف مگر فقہا کا کوئی قول جو اُن کا ذاتی قول ہو نہ ضعیف نہ منسوخ اور نہ مردود ہی۔ کوئی قول جو کسی کتاب میں ایک فقیہ کا نقل ہی وہ وحی آسمانی سے زیادہ سمجھا جاتا ہے اور اس قول میں بحث کرنے والا کافر مطلق گنا گیا ہی۔ جبکہ ہمارے علمائے قرآن مجید کے ایک بہت بڑے حصہ کو منسوخ التلاوت تک قرار دیدیا ہی اور کسی نے اس ناجائز فیصلہ پر چون و چرا نہیں کی مگر ایک فقیہ کی ذاتی رائے کالوحی من السماء سمجھی جائے العجب کل العجب میرا یہ خیال نہیں ہے میں اُنہیں اعلےٰ درجہ کا فقیہ متبحر عالم اور دینی رکن ضرور سمجھتا ہوں اور سبات کا بھی قایل ہوں کہ اُنہوں نے معاملات دینی میں بڑی نیک نیتی سے رائے دی ہی لیکن ان کی رائے کو ایک معصوم نبی کی رائے نہیں مانتا اور میرا یہ عقیدہ ہی کہ وہ بھی انسان تھے اور اُن کی ذات پر بھی خداوند تعالیٰ کا یہ قول کہ انسان ظلوم اور جہول ہی صادق آتا ہی اُن میں بھی انسانی کمزوریاں موجود تھیں اور وہ بھی بحیثیت انسان ہونے کے خطا و نسیان سے بری تھے اُن سے غلطی کا احتمال یقینی ہی اور جو شخص مسلمان ہوکے یہ تسلیم نکرے اُس کی عقل پر ہنسی آتی ہی ؛

ہم پہلے یہ حدیث نقل کر آئے ہیں کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے کھانے اور کھلانے والے اور اُسکے کاتب اور دونوں گواہوں کو ملعون فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ وہ سب برابر ہیں مثلاً وہ حدیث یہ ہی جو مسلم نے روایت کی

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکل الربوا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء" وجہ کیا سوائے کھانے والے کے ہمیشہ اور ہر عرصہ میں کھلانے والا۔ کاتب اور گواہ بری رہی فقہا کے قوانین اور رائیں یہاں نہیں چلیں اور کبھی کسی بڑے سے بڑے مولوی اور مفتی نے کھانے والے کے سوائے کھلانے والے پر آنکھیں نہ نکالیں اور نہ کاتب اور شاہد پر کون دعویٰ کر سکتا ہی کہ اس نے سود نہیں دیا اور کون کہہ سکتا ہی کہ اس قسم کے لین دین کا اُسے کبھی اتفاق ہی نہیں پڑا۔ شریعت انسانی جو قوانین قدرت اور طبع انسانی کے متوازی بنائی گئی ہی کبھی ایسا حکم انجیل کی طرح نہیں دے سکتی کہ انسان ایک دن بھی اُس پر عمل نہ کر سکے۔ اور اگر جبراً قہراً عمل کرے تو برباد ہو جائے۔ اسلام کے جتنے اصول ہیں وہ نہ صرف سادے ہیں بلکہ ہر عصر اور ہر تمدن پر حاوی ہیں کہ کوئی انکو امتداد زمانہ پر قیامت تک نہیں مٹا سکتا۔ خدا کو اکیلا خدا ماننا جتنے مصلح گزر گئے ہیں اور جنہیں زبان شریعت میں پیغمبر اور رسول کہتے ہیں اچھا سمجھنا فطرت کی لازوال قوتوں پر جو محاورہ شریعت میں جبرائیل اور میکائیل یا اسرافیل کہلاتی ہیں صدق دل سے ایمان لانا اپنے خالق کا پانچ وقت شکر ادا کرنا اور اُس کی حمد پڑھنا تاکہ محسن پرستی کی صفت ہماری ذات میں سے جانے نہ پائے اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم پر صدق دلی سے ایمان رکھنا بس یہ اصول ہیں اگر ان پر ایک شخص کاربند ہو گیا اُس کی دنیا اور آخرت دونوں پاک ہو گئیں۔ کس کا ربوا اور کس کی ربوا خواری ہاں ایسا فعل جو ہماری حمیدہ خصایل کو رذایل بنا دے بیشک قابل احتراز ہی مثلاً وہ ربوا جس کی ممانعت قرآن مجید اور بعض صحیح احادیث میں آئی ہی انسانیت اور نفس تمدن کے لئے زہر ہی شریعت غرا نے اتنا تشدد کیا ہی کہ کاتب شاہد اور دینے والے کو بھی ماخوذ کر لیا یہ اس سبب سے اُس ملعون ترین اور زہر ہلاہل فعل کی رسم دنیائے اسلام سے مٹ جائے الحمد للہ ایسا ہوا اور تمام اسلامی دنیا میں قرآنی ربوا کا بیج مار دیا گیا یعنی کروروں میں شاید ہی چند مسلمان ایسے ہوں گے جو غربا یا ہمسایوں میں اپنا روپیہ سودی چلاتے اور کسی ضرورت مند شخص سے ایک روپیہ دیکے دو روپئے کے طلبگار ہوتے ہوں اور اسطرح مسکین یتیم اور رانڈوں کو ظلم کی کند چھری سے ذبح کرتے ہوں ورنہ اس قسم کی سود خواری جس کی ممانعت قرآن مجید نے کی ہی سخت حرام اور زہر ہی اُسکا کھانے والا اور کھلانے والا دونوں مقہور بارگاہ صمدی ہیں اور اُنہیں کبھی خالق ارض و سما کا دیدار قیامت کے دن نصیب نہیں ہوئیگا ✦

ابو سعید الخدری کی روایت سے مسلم میں ایک اور حدیث کا پتہ چلتا ہی جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کے مساوی ہی الفاظ وہی ہیں مگر اخیر میں چند الفاظ کا تغیر و تبدل ہو گیا ہی باقی الفاظ اُسی مطلب کے ہیں مثلاً وہ حدیث یہ ہی

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذھب بالذھب والفضۃ بالفضۃ والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل یداً بید فمن زاد واستزاد فقد اربی الاخذ والمعطی فیہ سواء" یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی بیع سونے سے اور چاندی کی چاندی سے گیہوں کی گیہوں سے جو کی جو سے خرمے کی خرمے سے نمک کی نمک سے مثل بمثل اور دست بدست ہی پس جس شخص نے زیادہ کیا یا زیادہ مانگا تحقیق ربوا کیا یعنی لینے والا اور دینے والا اس میں برابر ہیں ✦

یہ حدیث بھی مثل اور حدیثوں کے بالکل مجمل ہی ممکن ہی کہ ابو سعید الخذری نے یہ روایت کی ہو اور یہ بھی ممکن ہی کہ اس حدیث میں بعض الفاظ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہوں اور یہ بھی ممکن ہی کہ مسلم کو اس کی صحت پہنچگئی ہو لیکن اس میں بہت سی باتیں دریافت طلب ہیں۔ اس حدیث کا عام مفہوم یہ ہی کہ اگر ان چیزوں کا تبادلہ کرو تو برابر کا کرو زیادہ کیا اور ربوٰا ہوگیا۔ اس زیادتی اور برابری کا مطلب سمجھہ میں نہیں آتا مثلاً ایک شخص کے پاس اعلے درجہ کے گیہوں* مانگتا ہی پھر سمجھہ میں نہیں آتا کہ یہ زیادتی ربوٰا کیوں قرار دیجائے۔ تبادلہ ہمیشہ مخالف اشیا کا ہوا کرتا ہی۔ یکساں چیز کے تبادلہ کرنے کی کیا ضرورت ہی مثلاً دو شخص ہیں اور اُن کے پاس ایک ہی درخت کے خرمے ہیں وہ پھر آپس میں تبادلہ کیوں کرنے لگے اور اگر خرمے کا تبادلہ جو کے ساتھہ ہو تو اُس میں نہ مساوات معلوم ہوسکتی ہی اور نہ مبنی کمی حدیث کی صحت میں کلام نہیں اسلئے کہ اصح کتاب مسلم میں بیان ہوئی ہی لیکن مطلب سمجھہ میں نہیں آتا۔ اس کا ثبوت ذرا مشکل ہے کہ ابو سعید الخذری کے اس قول میں کتنے الفاظ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہیں ❊

اسی طرح ایک اور حدیث ابی سعید نے بیان کی ہی اور وہ حسب ذیل ہی۔ عن ابی سعید قال جاء بلال الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بتمر برنی فقال من این ہذا قال کان عندنا تمر ردی فبعت منہ صاعین بصاع فقال اوہ عین الربوٰا عین الربوٰا لا تفعل ولکن اذا اردت ان تشتری فبع التمر ببیع اخر ثم اشتر بہٖ (یہ حدیث بخاری ومسلم دونوں میں ہے) یعنے حضور انور کے پاس بلال تمر برنی لائے۔ حضور نے ارشاد کیا کہاں سے لائے۔ عرض کیا میرے پاس تمر رومی تھے میں نے دو صاع ایک صاع کے بدلے بیع کر دئے حضور انور نے آہ سرد بھری اور ارشاد کیا یہ عین وہی ربوٰا ہی ایسا نہ کر لیکن جب تو اسکے خریدنے کا ارادہ کرے تو تمر کو علیحدہ بیع کر ڈال پھر (اُسکی قیمت سے) اُسکو خریدلے اس حدیث میں کلمہ عین کلمہ ربوٰا کی طرف مضاف ہی اور لام عہد کلمہ ربوٰا پر داخل ہی جس کا اشارہ ہی اس معہود ربوٰا کی طرف جس کی تحریم قرآن مجید میں آچکی ہے ❊

اب یہ حدیث غور کرکے اور توجہ کرکے سمجھنے کے قابل ہی اس حدیث میں یہ کہیں بیان نہیں ہی کہ حضور انور نے وہ تمر بلال سے لیکے نہ کھائے ہوں آپ نے ان تمروں کو ربوٰا ضرور قرار دیا لیکن لینے اور استعمال میں لانے سے انکار نہیں کیا دوسرے وہی اعتراض جو ہم نے اوپر کیا ہی یہاں بھی چسپاں ہوتا ہی بلال نے ایک صاع کے بدلے دو صاع تمر دیئے اگر وہ برابر لیتے تو ربوٰا نہ ہوسکتا تھا۔ عجیب معاملہ ہی کہ جب چیزوں کی نوعیت میں فرق ہی تو اُن کا تبادلہ مساوی کیونکر ہوسکتا ہی ایک شخص کے پاس گاڑہے کے اور دوسرے شخص کے پاس حریر کے تھان ہیں اور وہ آپس میں تبادلہ کرنا چاہتا ہی کیونکر ممکن ہوسکتا ہی کہ حریر والا دو تھانوں کے عوض میں دو تھان گاڑہے کے لیگا نوعیت کے علاوہ قیمت میں جب زمین وآسمان کا فرق ہی پھر تبادلہ میں مساوات کیونکر رہ سکتی ہی۔ اور جن چیزوں میں مساوات ہوگی اور جن کی نوعیت بھی یکساں ہوگی ان کے باہم تبادلہ کرنے کی حاجت ہی کیا ہی مطلب حدیث کا یہ ہے اگر بلال ایک صاع کے بدلے ایک صاع تمر لاتے تو وہ جائز تھے مشکل یہ ہی کہ اس حدیث میں اچھی بری چیز کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں ہوا جس سے ربوٰا کا مطلب سمجھہ میں آسکے ❊

اسی قسم کی ایک اور حدیث ابی سعید نے روایت کی ہی جس کا کل مضمون تو اوپر والی حدیث سے ملتا ہی لیکن

* ہیں اور وہ دو سیر سے شخص کے ایسی گیہوں سے بدلکر تا ہی جو اس سے خراب ہیں اسلئے کہ ایک سیر کے دو سیر گیہوں۔

صرف وزن کا لفظ اس میں زیادہ ہی۔ وہ حدیث یہ ہی عن ابی سعید و ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمل رجلا علی خیبر فجاء بتمر جنیب فقال اکل تمر خیبر ھکذا قال لا واللہ یا رسول اللہ انا لنأخذ الصاع من ھذا بالصاعین والصاعین بالثلاث فقال لا تفعل بع الجمع بالدراھم جنیبا وقال فی المیزان مثل ذلک (متفق علیہ) یعنے حضور انور نے خیبر پر ایک شخص کو عامل مقرر فرمایا وہ حضور انور کی خدمت میں تمر جنیب لایا حضور انور نے ارشاد کیا آیا سب خرمے خیبر کے ایسے ہی ہیں اس نے عرض کیا نہیں واللہ اے رسول اللہ ہم دو صاع رومی کے بدلہ ایک صاع اس تمر کا لیتے ہیں اور تین کے بدلہ دو صاع حضور انور نے ارشاد کیا ایسا مت کرو فروخت کر دو تمر کو درہموں سے اور پھر ان درہموں سے جنیب خرید لو۔ وزن کے باب میں بھی ایسا ہی فرمایا" اس حدیث میں بھی کہیں اشارہ نہیں ہے کہ پہلے اپنی چیز کو فروخت کر ڈالو اور پھر اُس کی قیمت سے چیز خریدو۔ بخاری اور مسلم دونوں نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور بظاہر اس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہی۔ مگر سوال یہ ہی کہ اس تبادلہ کو شریعت نے کیوں ربوٰا قرار دیا ہے جو مساوی طور پر کیا جائے مثلاً ایک چیز کی قیمت روپیہ ہی اور دوسری کی ۸ر ظاہر ہی کہ ۸ر کی قیمتی چیز دگنی دینی پڑے گی اسی کو مساوات کہتے ہیں کیا وجہ ہی کہ ایسے تبادلہ کو غیر مساوی قرار دیا جائے ہاں غیر مساوی تو اسوقت ہو سکتا تھا کہ روپیہ کی چیز کا بدلہ ۸ر کی چیز سے ہوتا۔ مثل بمثل کے یہی معنی ہیں اب رہا یہ تبادلہ کرنا کہ سیر بھر ناکارہ چیز دے کے آدہ سیر اچھی چیز لے لینی یہ بھی مثل بمثل میں آسکتا ہے۔ ہم دریافت کرتے ہیں اگر ایسی قوم دنیا میں ہو اور ایسی بہت سی قومیں ظہور اسلام کے بعد ہوئیں جن میں کوئی سکہ رائج نہ تھا بلکہ اشیا کا باہم تبادلہ ہوا کرتا تھا تو وہ ایسے حکم پر مسلمان ہوکے کیونکر عملدرآمد کر سکتی ہیں۔ شریعت کے احکام ایسے ہوں کہ دنیا کی تمام قوموں پر برابر چسپاں ہوتے ہوں۔ اس حدیث کا صحیح ہونا امکان سے خارج تو نہیں ہے لیکن عقل باور نہیں کرتی کہ اس قسم کا عملدرآمد عام طور پر ہو سکے +

ہماری تنہا یہ رائے نہیں ہی بلکہ بڑے بڑے محدثین بھی اس طرف گئے ہیں چنانچہ امام نووی رح نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہی انہ محمول علی الاجناس المختلفۃ فانہ لا ربوا فیھما من حیث التفاضل بل یجوز تفاضلھما یدا بید وانہ مجمل وحدیث عبادۃ بن الصامت و ابی سعید الخدری وغیرھما مبین فیجب العمل بالمبین وتنزیل المجمل علیہ وھو جواب الشافعی رحمہ اللہ علیہ یعنی اُسامہ کی حدیث اجناس مختلفہ پر محمول ہی کہ ان میں بڑھوتری کی راہ سے ربوٰا نہیں بلکہ بڑھوتری جب دست بدست ہو تو جائز ہی اُسامہ کی حدیث مجمل ہے اور عبادہ بن صامت اور ابی سعید خدری اور صحابہ کی حدیثیں مبین ہیں اس لئے مبین پر عمل اور مجمل کا مبین پر محمول کرنا واجب ہی اور یہی جواب امام شافعی رح کا ہی"

جو کچھ میں نے لکھا ہی وہی بات پیدا ہو گئی۔ اگرچہ امام نووی نے ایک کو مجمل اور دوسرے کو مبین اور قابل عمل بنایا ہی لیکن میری رائے سے بھی اُسامہ کی روایت کردہ حدیث سے تطابق ہوتا ہی۔ ایک کو مجمل اور دوسرے کو مبین قرار دینا یہ امام نووی کی اپنی ذاتی رائے ہی مطلب صاف نکل آیا کہ اجناس مختلفہ کا تبادلہ خواہ کم و بیش کیوں نہ ہو جائز ہے۔ حضرت اسامہ ایک زبردست صحابی رسول مقبول کے تھے اور اُن کا مرتبہ عبادہ بن صامت اور ابی سعید خدری سے بہت بڑھا ہوا ہے انکی روایت کہ وہ حدیث عبادہ بن صامت اور ابی سعید خدری کی روایت

کردہ احادیث کے مقابلہ میں محل نہیں ہوسکتی ؛

کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مختلف اجناس کا تبادلہ کیوں ناجائز قرار دیا جائے جبکہ اُسکے ناجائز ہونے کی کوئی نص اور کوئی عقلی شہادت نہیں ملتی۔ ربٰوا کے معنوں میں غلطی واقع ہوگئی ہی۔ ربٰوا کے معنی زیادتی کے سمجھ کے ہر شے کی زیادتی کو ربٰوا قرار دیدیا ہی۔ ربٰوا کے مفہوم سے بحث ہونی چاہیئے تاکہ ہر مقام پر ربٰوا چسپاں ہوسکے اگر ہم ربٰوا کے لفظی معنی ہر جگہ چسپاں کرنے چاہیں گے تو اس قسم کی بہت سی خرابیاں واقع ہوں گی۔ ربٰوا کا مفہوم جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں صرف اتنا ہی کہ مسلمان سودی روپیہ کا لین دین باہم نہ کریں یعنی ایک منافع کثیر پر کسی مسلمان بھائی سے سود نہ لیں۔ ہمارے بعض محدثین اور اکثر فقہا نے ان سادے اور مختصر معنی پر بحث کر کے تل کا پہاڑ بنا کے کھڑا کر دیا اور یہ ایک ایسا پہاڑ ہی جو آنکھوں سے نظر آرہا ہی دل نہیں چاہتا کہ حضرت اُسامہ کی روایت کردہ حدیث کے مقابلہ میں ہم فقہا کی ذاتی رائے کو مانیں وہ فقہا سے بدرجہا بلند مرتبہ تھے اور حضور انور نے ہمیشہ عزت کی نظر سے اُنہیں دیکھا ہی تو وہ ذات جو فیض صحبت خاتم النبیّن سے مشرف ہوچکی ہو اور جسے رسول کریم کی مہربانی کا فخر حاصل ہو اُس کا قول خود بخود اُن فقہا کے قول سے زیادہ وقعت سے دیکھا جائے گا جو مشکل سے تابعین کجا تبع تابعین کے شمار میں آسکتے ہوں۔ میری یہ ذاتی رائے نہیں ہی بلکہ جمہور مسلمانوں نے اُس کو تسلیم کرلیا ہے ؛

ایک بات اور بھی دیکھنے کے قابل ہے یعنی ابن عباس اور ابن عمر بھی اُسامہ کی حدیث پر عمل کرتے تھے اور مدت تک ان دو صاحبوں کا عمل اس حدیث پر رہا لیکن بعدازاں جب ابی سعید خدری کی حدیث پہنچی تو وہ اُن کے ساتھ ہوگئے اور اُسامہ کے قول سے رجوع کیا میں اس رجوع کرنے کو تسلیم کرتا ہوں لیکن سوال یہ ہے کہ رجوع کرنا وحی الٰہی کے نزول پر نہیں ہوا تھا کہ کُل مسلمان ابن عباس اور ابن عمر کے ساتھ ہو جائیں اُن کی ذاتی رائے تھی پہلے اُسامہ کی حدیث پر عمل کرتے تھے مگر جب ابی سعید خدری کی حدیث سنی تو وہ اُسامہ کی حدیث سے زیادہ بھلی لگی اُنہوں نے اسکو چھوڑ کے ابی سعید خدری کی حدیث قبول کرلی مگر اس قبول کرنیکی کوئی معقول وجہ نہیں بیان کی گئی جو بے کم و کاست مان لی جاتی۔ اُسامہ کے قول سے رجوع کرنے کی یہ حدیث ہی صحیح مسلم میں ابو نضرہ سے روایت ہیٔ قال سألت ابن عمر وابن عباس عن الصرف فلم یریا به باسا فانی لقاعد عند ابی سعید الخدری فسالته عن الصرف فقال ما زاد فهو ربا فانکرت ذلك لقولهما فقال لا احدثك الا ما سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم جاءه صاحب نخلة بصاع من تمر طیب وکان تمر النبی صلی الله علیه وسلم هذا اللون فقال له النبی صلی الله علیه وسلم انی لك هذا قال انطلقت بصاعین فاشتریت به هذا الصاع فان سعر هذا فی السوق کذا وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ویلك اربیت اذا اردت ذلك فبع تمرك بسلعة ثم اشتر بسلعتك ای تمر شئت قال ابو سعید التمر بالتمر احق ام الفضة بالفضة قال فاتیت ابن عمر بعد فنهانی ولم آت ابن عباس قال فحدثنی ابو الصهباء انه سال ابن عباس عنه بمکة فکرهه۔ ابو نضرہ سے روایت ہے یعنی میں نے صرف کے باب میں ابن عمر اور ابن عباس سے سوال کیا۔ انہیں ان میں کچھ اندیشہ نہ معلوم ہوا میں ابو سعید خدری کے پاس بیٹھا تھا میں نے اُن سے (بھی) صرف کے بارے میں دریافت کیا اُنہوں نے

جواب دیا جو کچھہ زیادہ ہوگا ربوٰا ہوگا میں نے ابن عمر اور ابن عباس کے قول کی بنا پر انکار کیا ابی سعید خدری نے جواب دیا جو کچھہ میں تجھسے کہوں گا وہی ہوگا جو میں نے حضور انور کی زبان مبارک سے سنا ہی ایک صاحب نخلہ حضور انور کی خدمت میں ایک صاع طیب تمر لایا اور حضور انور کے تمر اسی رنگ کے تھے حضور انور نے ارشاد کیا افسوس ہی تیرے حال پر کہ تو نے ربوٰا کیا جب تو (آیندہ سے) ارادہ کرے ایسا تو فروخت کر اپنے خرموں کو متاع تجارت سے پھر جو لینا خرما تو چاہیے اس متاع سے خرید لے ابو سعید نے کہا تمر تمر کے ساتھہ اور چاندی چاندی کے ساتھ احق ہی - راوی کہتا ہی میں نے ابو سعید خدری سے دریافت کیا آیا میں اب حضرت ابن عمر کے پاس جاؤں اُنہوں نے مجھے منع کیا اور میں ابن عباس کے پاس بھی نہیں گیا راوی کا بیان ہی کہ مجھسے ابو الصبہار نے حدیث روایت کی کہ میں نے ابن عباس سے مکہ شریف میں اس معاملہ میں سوال کیا اُنہوں نے کراہیت ظاہر کی" اس حدیث سے جو ابو النضرہ نے بیان کی ہی اگر وہ صحیح مان لی جائے تو ابو سعید خدری کا اصرار پایا جاتا ہی کوئی وجہ نہیں بیان کی گئی کہ ابی سعید نے راوی کو ابن عمر یا ابن عباس کے پاس جانے سے کیوں روکا ممکن ہے انہیں اپنے دعوے کے ثبوت میں اس سے زیادہ حدیث صحیح معلوم ہوگی اور ممکن ہے کہ راوی کا اس سے زیادہ وہاں اطمینان ہو جاتا - یہ عجیب پھیر ہی کہ راوی خود تو ابن عمر ابن عباس سے ملا نہیں بلکہ دوسرے شخص کے ذریعہ سے اُس نے ابن عباس کی کراہیت کا حال سن لیا - ابی سعید خدری کی اس روایت پر میں کوئی جرح و قدح نہیں کرتا بلکہ میری غرض یہ ہی کہ یہ خبر احد کا مرتبہ رکھتی ہی ایسی خبر احد کے لئے شریعت کا اکراہ نہیں ہی - اور اگر بفرض محال ہم اسے تسلیم بھی کرلیں تو بھی ربوا کی وہ حاوی التعریف جو بعد ازاں ہمارے فقہانے کی اس سے مطلق نہیں پائی جاتی - صرف اجناس کے تبادلہ کرنے اور وہ بھی افزودی کے ساتھہ تبادلہ کرنے کو منع کیا گیا ہی اور بس - بنکوں کے منافع یا تجارتی تعلقات کی پیچیدگیوں کا کہیں ذکر نہیں ہی اور اسکی وجہ یہ ہے جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہی - یہ طریقے ہی اب ایجاد ہوئے ہیں جنکا وہم و گمان بھی پہلے نہیں تھا *

ایک اور روایت یہ ہی ان ابا سعید الخدری لقی ابن عباس فقال له ارایت قولك فی الصرف شیئا سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم ام شیء وجدته فی کتاب الله عزوجل قال ابن عباس کلا لا اقول اما رسول الله صلی الله علیه وسلم فانتم اعلم به واما کتاب الله فلا اعلمه ولکن حدثنی اسامة بن زید ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انما الربوا فی النسیئة

یعنی ابو سعید خدری ابن عباس سے ملے اور کہا تو نے صرف کے باب میں اپنے قول پر نظر کی کیا تو نے اسباب میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھہ سنا ہی یا تو نے اُس کا ذکر کتاب اللہ عزوجل میں پڑھا ہی ابن عباس نے جواب دیا یہ سب یعنی دونوں باتیں رسول کریم کی سُنی ہوئی نہیں مجھسے تم زیادہ باخبر ہو کتاب اللہ میں یہ مجھے اسکا علم نہیں ہے لیکن اُسامہ بن زید نے مجھہ سے حدیث بیان کی ہی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہی کہ ربوٰا النسیہ میں ہے یہ حدیث زیادہ توجہ کے قابل ہی ایک تو یہ کہ ابن عباس نے ربوٰا کے بارے میں خود حضور انور کی بابت کبھی کچھہ نہیں سُنا اس نہ سننے کے یہی معنی ہیں کہ حضور انور نے کبھی اسکی تشریح نہیں کی کہ ربوٰا کے یہ معنی اور ربوٰا کا اصلی مفہوم یہ ہی - دوسری بات یہ ہی کہ ابن عباس نے قرآن مجید میں اس ربوٰا کی بابت (جسکا چرچہ اُس زمانہ میں ہوتا چلا آتا تھا اور جس نے اخیر میں جا کے ایک رنگ اختیار کر لیا) کچھہ ذکر نہیں پڑھا - تیسری بات یہ ہے کہ اُسامہ کے

قول کے مطابق ربوٰا کو محض شبہ پر قرار دیا ہے ان تینوں باتوں سے یہ پتہ چلتا ہی کہ ربوٰا جسکو بعد ازاں اسقدر خوف بنا دیا گیا پہلے قابل گفتگو ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں جس ربوٰا کا ذکر ہی وہ ربوٰا ایت نازل ہوتے ہی موقوف ہوگیا تھا اور خلفائے راشدین تک ربوٰا کا بہت سادہ سیدھا مفہوم رہا لیکن جب بنوامیہ اور بعد ازاں بنو عباس کی سلطنت ہوئی اور تمدن کو ترقی ہوئی تو عقاید اور دینی مسائل میں بھی چھان بین ہونے لگی اس تک دو دو چھان بین سے علم کی تو بہت ترقی ہوئی لیکن مذہبی پہلو بدنما اور پیچیدہ بن گیا اور ایسا پیچیدہ بنا کہ اب اسکا سلجھنا بھی مشکل پڑ گیا ہے۔ مسائل کے ہر پہلو پر بحث ومباحث کا دروازہ کھل گیا اور وہ بال کی کھال نکالی گئی کہ شاید خلفائے راشدین کے وقت میں اسکا خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ فقہائے کرام نے سود پر بھی توجہ کی اور اس کی بحث کو اسقدر طول دیا کہ بات کا بتنگڑ بنا دیا اور وہ مین میکھ نکالی جسپر نہ کبھی عمل ہوا نہ ہوسکتا ہے +

ان سب باتوں سے زیادہ قابل توجہ یہ بات ہی کہ جسطرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ربوٰا کی آیت کی تفسیر میں خلش رہی اسیطرح حضرت ابن عباس اور ابن عمر کو بھی شک تھا اور آپ دونوں صحابہ معہ اُسامہ اور اور صحابہ کے اسپر کوئی رائے قایم نہیں کر سکتے تھے۔ جب ان جلیل القدر صحابہ کی یہ کیفیت تھی تو ہم کس صورت سے ربوٰا کے متعلق بطور خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یہ یقینی ہے کہ سوائے ابو سعید خدری کے (کیونکہ ان ہی کی روایتیں بیان ربوٰا میں بہت پائی جاتی ہیں) اور اکثر صحابہ مذبذب ہیں اور انہوں نے اگر کوئی رائے بھی قایم کی ہی تو اسکے بالکل برعکس معاملہ ربوٰا میں جلیل القدر صحابہ بالکل خاموش ہیں اور کبھی انہوں نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں کی جس سے اس اہم مسئلہ کا فیصلہ ہوجاتا +

ابوصالح نے ایک روایت کی ہی جو حسب ذیل ہی قال سمعت ابا سعید الخدری یقول الدینار بالدینار والدرھم بالدرھم مثلاً بمثل فمن زاد او ازداد فقد اربی فقلت له ان ابن عباس یقول غیر ھذا فقال لقیت ابن عباس فقلت ارایت ھذا الذی تقول شئ سمعته من رسول الله صلی الله علیه وسلم او وجدته فی کتاب الله عزوجل فقال لم اسمعه من رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم اجده فی کتاب الله ولکن حدثنی اسامة بن زید ان النبی صلی الله علیه وسلم قال الربوا فی النسیئة" یعنے ابو صالح ابو سعید خدری سے میں نے سنا کہ وہ کہتے تھے کہ دینا کی بیع دینار کے ساتھ اور درہم کی درہم کے ساتھ مثل بمثل ہی پس جس شخص نے زیادہ طلب کیا یا زیادہ کیا اس نے تحقیق ربو کیا میں نے اس قول کو جو تو کہتا ہے اور آیا سنا ہے تو نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے یا تو نے کتاب اللہ میں اسے پایا ہی ابن عباس نے جواب دیا نہ میں نے رسول اللہ سے سنا اور نہ کتاب اللہ میں اُسے پایا مگر مجھے اُسامہ بن زید نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ربا نسیہ میں ہے"

یہ بات اور بھی عجیب ترین ہی کہ اکثر حدیثیں صرف ابو سعید خدری نے ربوٰا کے معاملہ میں بیان کی ہیں مشکل سے دو ای حدیث ایسی نکلے گی جس میں ابو سعید خدری رح کا نام نہو یہ ایک راز ہی جو سمجھ میں نہیں آتا وجہ کیا کہ صحیحین نے اور صحابہ کی احادیث کو اس کثرت سے نہیں بیان کیا جیسا انہوں نے ابو سعید خدری کی روایت کردہ احادیث کو درج کیا ہے سوا اسکے اور کوئی بات نہیں کھلتی کہ صحابہ کا بہت بڑا گروہ معاملہ ربوٰا میں خاموش ہے اور یہ خاموشی صرف اسوجہ سے ہے کہ قرآن مجید میں نہ صحیح احادیث میں اُن کی تفصیل اور تشریح درج ہے۔ سب سے

زیادہ ابو سعید خدری نے اس میں حصہ لیا ہے اور یہ حصہ لینا صرف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ جماعت صحابہ کے خلاف ربا کے معاملہ میں خاص ایک مسلک اختیار کرنے والے تھے ممکن ہے کہ آپ نے خاص طور پر رسول کریم سے اطمینان کے قابل کوئی حدیث سن لی ہو مگر اس کثرت روایات پر بھی وہ ربوا کے متعلق کوئی انقطاعی فیصلہ نہ کرسکے۔

حاکم طریق حیان عدوی سے یہ روایت کرتے ہیں قالت سالت ابا مجلز عن الصرف فقال کان ابن عباس لا یری بہا بسا زمانا من عمرہ ماکان منہ عینا بعین یدا بید وکان یقول انما الربوا فی النسیۃ فلقیہ ابو سعید فذکر القصۃ والحدیث وفیہ التمر بالتمر والحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ یدا بید مثلا بمثل فمن زاد فہو ربا فقال ابن عباس رضی اللہ عنہما استغفر اللہ واتوب الیہ وکان ینہی عنہ اشد النہی یعنے میں نے ابو مجلز سے صرف کے باب میں سوال کیا اس نے جواب دیا کہ ایک زمانہ میں ابن عباس کو اس میں کچھ خوف نہ تھا جب وہ عیناً بعین اور یداً بید ہوا اور کہتے تھے انما الربوا فی النسیۃ پس ان سے ابو سعید خدری ملے اور تمام حدیث اور قصہ کا ذکر کیا اور اسی حدیث میں ہے التمر بالتمر والحنطۃ بالحنطۃ والشعیر بالشعیر والذہب بالذہب والفضۃ بالفضۃ یدا بید مثلا بمثل فمن زاد فہو ربا (یعنی تمر کی بیع تمر سے اور گندم کی بیع گندم سے جو کی جو سے سونے کی سونے سے چاندی کی چاندی سے دست بدست مثل بمثل ہے جس کسی نے زیادہ کیا ہے وہی ربوا ہے) پھر کہا ابن عباس نے استغفر اللہ واتوب الیہ ابن عباس بہت سختی سے نہی کرتے تھے۔" اس حدیث سے اگرچہ ابن عباس کا رجوع کرنا پایا جاتا ہے مگر یہ ضرور ہے کہ اتنے بڑے جلیل القدر صحابی اپنی رائے اس مسئلہ میں ابو سعید خدری کے خلاف ضرور رکھتے تھے جو اس بات کی شہادت ہے کہ مسئلہ ربوا کے بارے میں صحابہ مختلف الخیال تھے۔ اسامہ بن زید ابن عباس اور ابن عمر کی تو رائے یہی تھی گو بعد ازاں صرف حضرت ابن عباس نے اپنی رائے کو واپس لے لیا کہ ایک درہم کی بیع دو درہموں سے بحالت دست بدست ہونے کے داخل ربوا نہیں ہے۔ یہ خدا جانتا ہے کہ ابو سعید خدری کو صحیح حدیث پہنچی یا ابن عباس۔ ابن عمر اور اسامہ بن زید کو ہم اسکا کچھ فیصلہ نہیں کرسکتے کیونکہ یہ سب صحابہ ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھا چڑھا ہے۔ کوئی کافی شہادت ایک کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کی ہمارے پاس نہیں ہے کونسا پیمانہ ہے جس سے ہم یہ جانچ سکیں کہ اسامہ بن زید کو غلط روایت پہنچی اور ابو سعید خدری کو صحیح روایت مل گئی۔ اگر فقہا نے ابو سعید کی روایت کردہ حدیث کو تسلیم کرلیا ہے اور اسامہ بن زید کی حدیث کو ناقابل اعتبار ٹھہرایا ہے تو یہ ان کی ذاتی رائے اور ذاتی مذاق ہے ضرورت نہیں ہے کہ ہم بلاوجہ ان کی رائے سے ہم آہنگی کریں کونسا اصول اسلام ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ ہم بالجبر ابو سعید کی روایت کردہ حدیث پر عملدرآمد کریں۔ کیونکہ فیصلہ ہوسکتا ہے ایک صحابی سچے ہیں اور ایک نہیں ہیں اسماء الرجال ایک ناکافی اور قدیم زمانہ کا پیمانہ احادیث کی صحت اور غیر صحت جانچنے کا ہے موجودہ زمانہ میں جب تحقیق کو زیادہ وسعت ہوگئی ہے اور خیالات میں فلسفہ اور طبیعات کا رنگ پیدا ہوگیا ہے وہ پیمانہ کام نہیں دیسکتا قدیم پیمانہ کی تو یہ کیفیت ہے اب جدید پیمانہ ہمارے پاس کوئی نہیں ہے نہ اس زمانہ کا کوئی شخص زندہ ہے کہ اس سے فیصلہ کریں کہ ابو سعید خدری کس پایہ کے صحابی تھے اور کیا ایسے اہم مسئلہ کو سوائے ان کے رسول کریم نے کسی کے آگے بیان ہی نہیں کیا تھا ربوا کے معاملہ میں جہاں بحث کی گئی ہے ابو سعید خدری ہی کی روایت کردہ حدیث سے استدلال کیا گیا ہے قریب قریب کل احادیث کا مطلب یکساں ہے اگرچہ حدیثیں بکثرت بیان ہوئی ہیں لیکن سب حدیثوں میں

صرف ایک حدیث کو بھی منتخب کریں تو مطلب سب کا ٹھیک آتا ہے۔ اِن کل حدیثوں کو صحیح تسلیم کرنے پر بھی سوائے چند اشیا کے اور کسی چیز کا ذکر نہیں ہے۔ نہ ربوا کے مدارج بیان کئے ہیں اور نہ اُن کی شاخین لاٹری اور بنکوں کا اشارۃً بھی ذکر نہیں ہے اگر ابو سعید خدری کی روایت کردہ احادیث کا مطلب بانی مفہوم ہوتا تو وہ ضرور کل چیزوں پر حاوی ہوتا انسان اور خدا کے کلام میں یہی بہت بڑا فرق ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ؛

ربوا کی بابت امام مالک کی رائے ۔

حضرت امام مالک رحنے موطا کے کتاب البیوع والمعاملات میں یہ لکھا ہے یشترط فی کل عقد ان یکون بتراضی العاقدین وان لایکون عقدا علی باطل "یعنی ہر عقد میں شرط ہے کہ بتراضی طرفین ہو اور عقد باطل نہو حضرت امام مالک کا یہ قول اچھی طرح سمجھ میں آتا ہے آپ کا یہ فرمانا کہ جس عقد میں طرفین کی رضامندی نہو وہ باطل ہے اور جب طرفین ایک معاملہ میں راضی ہوگئے تو وہ باطل نہیں ہو سکتا۔ باطل کے معنی ربوا ہیں جو باطل ہے وہ ربوا ہے اور جو باطل نہیں ہے وہ ربوا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسکی شرح ... میں شاہ ولی اللہ یہ لکھتے ہیں وھذا یشتمل ما لا یکون بعقد کالغصب والسرقۃ او یکون بعقد حرام کالقمار والربوا" یعنی یہ شامل ہے اس پر کہ عقد ہی نہو جیسے غصب اور چوری یا عقد حرام ہو جیسے جوا اور ربوا" پھر اسی کتاب میں امام مالک نے ایک باب اس عنوان سے مرتب کیا ہے الوصف الذی یدور علیہ ھذا الحکم یعنی وہ وصف جس پر اس حکم کا مدار ہے اس باب میں سعید بن مسیب سے روایت کی ہے لا ربوا الا فی ذھب او فضۃ او ما یکال او یوزن مما یوکل ویشرب۔ یعنی چاندی سونے اور اُس چیز کے جو کھانے پینے کی قسم سے ... موزوں ہوتی ہو اور کسی میں ربوا نہیں ہے۔ ان الفاظ سے اور ایک باب منعقد کیا ہے یجوز ان یحتال للخلاص من الربوا ببیع مستانف وقبض یتخللان فی ذلک" یعنی ربوا سے بچنے کے لئے جائز ہے کہ نئی بیع اور قبض کے ذریعہ سے جو درمیان میں واقع ہو تدبیر کی جائے" اسی باب میں امام مالک نے ابو سعید خدری کی روایت کردہ حدیث کی نقل کی ہے اور اسی سے استدلال کیا ہے غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کل محدثوں اور فقہا کا دارومدار محض ابو سعید خدری کی روایتیں ہیں سوائے اُن حدیثوں کے اور کوئی حدیث ایسی نہیں ملتی جس سے اس اہم مسئلہ پر استدلال ہو سکے محض خبر احد پر تمام تمدن اسلام کا فیصلہ کر دینا یہ ایک ناقابل تسلیم بات معلوم ہوتی ہے۔ معاملات دادوستد جو بنا ہیں تمدن اور ترقی قومی کی جن پر تمام قوم کی زندگی کا دارومدار ہے فقہا نے بڑی بے احتیاطی سے اس عظیم مسئلہ میں کام لیا ہے اگرچہ اُن کی نیت بخیر تھی اور اُس زمانہ کے تمدن میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے یہ مسئلہ مضر ثابت ہوتا اور اصل بات یہ ہے کہ فقہا نہ معصوم تھے اور نہ غیب کا علم جانتے تھے کہ اُنہیں یہ معلوم ہو جاتا کہ آیندہ تمدن اسلام کا رنگ بدلے گا اور اسلام کی قسمت بھی دنیا کے ساتھ کہاں تک وابستہ ہو جائے گی اگر خفیف سا شبہ بھی انہیں ہو جاتا تو وہ ربوا کے متعلق کوئی انقطاعی فیصلہ محض ابو سعید خدری کی روایت کردہ حدیث پر نہ کرتے خیر جو کچھ اُنہوں نے کیا نیک نیتی سے کیا لیکن اُن کے کئی صدی پہلے کے اقوال پر تکیہ کرکے ہو بیٹھنا اور اُن کو کالوحی من السماء سمجھنے لگنا یہ ہماری بدقسمتی اور خوش فہمی ہے۔ فقہا نے کبھی نہیں دعویٰ کیا کہ ہمارے قول کو بالجبر تسلیم کرو امام مالک کی حکایت موجود ہے کہ جب ہارون رشید نے ان سے باصرار یہ کہا کہ میں آپ کی موطا کو کعبہ میں لٹکا دیتا ہوں اور حکم کرتا ہوں کہ سب

اسی کتاب کو اپنا دستور العمل بنائیں لیکن امام مالک نے یہ پسند نہیں کیا وہ نمائشی امام نہ تھے بلکہ رسول کریم سے انہیں خاص تعلق تھا وہ اپنے من مانے اقوال کی بالجبر اشاعت دینا نہیں چاہتے تھے آپ نے صاف کہدیا کہ یہ مجھے منظور نہیں ہے ممکن ہی کہ اور لوگوں کو صحیح احادیث پہنچ گئی ہوں اور وہ اُنہیں پر عمل کر رہے ہوں اے امیر المومنین تو اُنہیں اس عمل سے بالجبر علیحدہ نہ کر۔ کتنی بڑی امام مالک کی نیک نیتی اور عالی ظرفی ہی ورنہ کون شخص ہی جو اپنی شہرت اور ناموری نہیں چاہتا مگر یہ امام خدا کے پاک بندے اور رسول مقبول کے سچے عاشق اور اسلام کے سچے فدائی تھے انہیں اپنی جمع کردہ حدیثوں پر زیادہ اصرار نہ تھا اور نہ وہ کوئی انقطاعی طور پر اُنہیں رسول کریم کے الفاظ ہی سمجھتے تھے انہیں معلوم تھا جو کچھ ہم نے جمع کیا ہی اس میں غلطی۔ خطا اور نسیان کا احتمال ہی اور جو کمزوریاں کہ ایک انسانی کتاب میں ہوتی ہیں وہ اس میں موجود ہیں یہ قرآن نہیں ہی کہ تمام دنیا اسپر آنکھہ بند کر کے چلنے لگے یہ خیالات بڑے مسعود و محمود تھے اور یہ ایسے خیالات تھے جن پر اسلام ہمیشہ فخر کریگا۔

اقوال مذکورۂ بالا کے خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے فاضل امام نے سود کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا اور نہ ایسے صاف الفاظ میں لکھا ہی جس سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ علیحدہ ہو جائے اصل میں اُن اقوال کی بنا ابو سعید خدری رح کی روایت کردہ احادیث ہیں جب وہی مجمل ہیں تو اُن کی شرح یا وہ استدلال جو اُن کی حدیثوں سے کیا جائے گا کیونکہ مبیّن ہو سکتا ہی۔ کل احادیث صحیح مسلم کا خلاصہ جو ربوا کے بارے میں آئی ہیں یہ الفاظ ہیں "لا تبیعوا الا مثلاً بمثل ولا تشفوا بعضها علی بعض۔ سواءً بسواءٍ فمن زاد فقد اربی الآخذ والمعطے فیہ سواءٌ فمن زاد و استزاد فهو ربا الدینار بالدینار لا فضل بینهما والدرهم بالدرهم لا فضل بینهما والدرهم بالدرهم لا فضل بینهما۔ اتی رسول الله صلی الله علیه وسلم بتمر فقال ما هذا التمر من تمرنا فقال الرجل یا رسول الله بعنا تمرنا صاعین بصاع من هذا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم هذا الربوا فردوه اضعف اربیت"۔

صحیح مسلم کے ان کل کلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے معاملہ میں سبب تحریم و فساد بڑہوتری ہی ان تمام کلمات صحیح مسلم کو تسلیم کرنے کے بعد بھی، بڑہوتری کے معنی سمجھہ میں نہیں آتے کہ شریعت غرّا میں بڑہوتری کے کیا معنی ہیں بڑہوتری کے صدہا اقسام ہیں کاش وہ اقسام بیان کر دیئے جاتے تو صاف سمجھہ میں آسکتا مگر ہم صحیح مسلم کے کلمات مذکورہ سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ سوا اس کے جو بڑہوتری کا طریقہ اُس زمانہ میں رائج تھا یعنی غریب غربا میں سودی روپیہ چلانے کا طریقہ بس اسی کو بڑہوتری سمجھہ کے منظور کرلیں باقی اس زمانہ میں جو تجارت کی شاخیں نکلی ہیں اِن کلمات سے مستثنےٰ کر دیں۔

مولینا بحر العلوم کی رائے

شرح منار میں مولینا صاحب ؒ تحریر فرماتے ہیں "کہ بیع حقیقت شرعیہ ست عبارت از مبادلہ مال بمال این حقیقت اعتبار کردہ شارع مشروع باصلہ ست پس ربوا و رسائر بیوع فاسدہ بالاتفاق بیع اند صحیح و مشروع است و چوں ربوا مشتمل است بر زیادہ خالی از عوض و این زیادہ قبیح است لیکن بسبب اشتمال برین زیادہ قبیح ربو منہی عنہ شدہ و سائر بیوع فاسدہ بسبب اشتمال بر امور مفسدہ کہ قبیح لعینہ اند متعلق نہی شدند پس در ربوا و سائر بیوع فاسدہ ملک بعد قبض پیدا

ے شود بجہت وجود سبب این زیادت در ملک نخواہد آمد کہ این قبیح است اصالتاً و ہمچنین امور مفسدہ عقد لیکن چون این بیوع منہی عنہ اند مشابہ غصب شدند پس ضمان بقیمت لازم آید نہ ثمن مسمّی کہ این مسمّی مشتمل است بر وصف غیر مشروع در و این بیوع واجب شد نسبت تعلق نہی بوی اگرچہ بجہت وصف باشد"۔ اس کا مطلب یہ ہی کہ بڑھوتری اگرچہ اس پہ قبضہ بھی ہو تو بھی داخل ملک نہیں ہو سکتی۔ مولینا بحر العلوم کی اس عبارت میں حرام کا لفظ ایسی بڑھوتری کی نسبت استعمال نہیں ہوا ہی ہاں اگر باطل کو ربوا اور ربوا کو حرام کہیں تو بات دوسری ہی۔ امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رح اللہ کا اسبات میں بہت بڑا اختلاف ہی امام شافعی کے نزدیک ایسی بڑھوتری باطل ہی لیکن امام اعظم امام ابو حنیفہ اس بڑھوتری کو باطل یعنی ربوا تو نہیں قرار دیتے ہاں فاسد مانتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ بڑھوتری داخل ملک بھی ہو سکتی ہی مولانا بحر العلوم کا یہ جملہ کہ چون ربوا مشتمل است بر زیادہ خالی از عوض این زیادہ قبیح است پس بسبب اشتمال برین زیادہ قبیح ربوا منہ عنہ شد یہ نہیں سمجھ میں آیا زیادہ خالی از عوض کے کیا معنی ہیں غالباً یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں کہ ایک شخص جب سودی روپیہ کسی کو دیتا ہے تو وہ سود بلا کسی معاوضہ کے ہو کیونکہ اس نے دوسرے شخص سے بلا معاوضہ رقم حاصل کی اور اگر یہ دیکھا جائے کہ اپنے روپیہ کا معاوضہ لیا تو وہ روپیہ اُس کا سالم موجود ہی پھر معاوضہ کس بات کا ہوا غالباً بحر العلوم کا یہی مطلب ہے مگر ساتھ ہی فقہا نے سود خواری کی بہت سی صورتوں کو حرام سے مستثنے کر دیا ہی مثلاً" بیع بالوفا حلال اور طیب کی گئی ہی حالانکہ وہ بھی ایک قسم کا ربوا ہی کہ ہم ہزار روپے کے مکان کو گردی رکھیں اور یہ شرط کریں اگر چار سال کے عرصہ میں نہ چھڑا لیا تو مکان آیا گیا ہو گیا۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک پیسہ بھی منتی کا نہ لیا جائے اور اخیر پر معاملہ ہی لیکن مکان کے قبضہ میں آجانے کے بعد تو ایک رقم کثیر بڑہی جب آپ بڑھوتری کو فقہا نے ربوا قرار دیا ہے پھر وجہ کیا ہے کہ اس بڑھوتری کو ربوا نہ قرار دیا جائے۔ مکانات کا کرایہ کیوں نہیں ربوا قرار دیا جاتا جب ایک مستقل رقم سے ہر مہینہ اُس میں بڑھوتری ہوتی رہتی ہے۔ پرامیسری نوٹوں کی خریداری اور اُس سے منافع اٹھانا یہ بھی بمنزلہ جائداد کی خریداری کے ہے ہمارے موجودہ علما ایک کو حلال اور ایک کو حرام قرار دیتے ہیں فقہا نے پرامیسری نوٹوں کے بارے میں کوئی رائے نہیں دی ہی کیونکہ اُس زمانہ میں اسکا کچھ رواج نہ تھا ہماری سخت بدقسمتی ہے کہ جو صورتیں منافع کی فقہا کے زمانہ میں نہیں قرار دیگئی ہیں اور اُن کی رائے سے بچگئی ہیں اُنہیں بھی ہم نے اپنے زمانہ میں دخل ربوا سمجھ لیا ہے یہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ اُس فریضہ کا عملی اثر ہماری زندگی پر کچھ نہیں پڑتا تو بھی اخلاقی اور تمدنی اصول کے خلاف ہے کہ ایک ناممکن التعمیل بات کو ناجائز اور قابل عمل قرار دیں اور اس پر بہت شد و مد سے بحث کریں +

ربوا کی قرآنی صورت میں تو کلام نہیں وہ تو بیشک حرام مطلق ہی جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت سے صاف پایا جاتا ہی "یاایہا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا ان کنتم مومنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ و ان تبتم فلکم رءوس اموالکم یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہا ہی سود سے اگر تم ایمان والے ہو پھر اگر نہ کروگے تو خبردار ہو جاؤ اللہ اور اس کے رسول کی لڑائی سے اور اگر توبہ کروگے تو تمہارے لئے راس المال ہی۔ خدا کا حکم تو یہ ہی اس سے زیادہ سادہ اور لطیف حکم اور ہو نہیں سکتا نہ اس میں ربوا کی علیحدگی ...

نکالی گئی ہی اور نہ علمی پیچیدہ بیان ہیں کچھ بھی نہیں نہایت شیریں اور پر اثر الفاظ ہیں اُس روپیہ کو چھوڑ دینے کا حکم فرمایا ہے جو قبل از حرمت ربوا اصلی رقم سے زیادہ ایک کا دوسرے پر باقی تھا چونکہ یہ روپیہ کا معاملہ تھا اور خیال یہ تھا کہ صدہا سال کی عادت اور وہ بھی روپیہ کے معاملہ میں ایک لخت کیونکہ ترک ہوگی تو اسکے لئے یہ شدید اور خطرناک حکم دیا کہ تمہیں خدا اور اُسکے رسول سے جنگ کرنی پڑے گی جنگ یا لڑائی سے وہ مطلب نہیں ہی جو عرف میں سمجھا جاتا ہی بلکہ لڑائی سے غرض خدا ورسول کی مخالفت اور اُسکے احکام سے سرتابی ہی۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو محض ناممکن تھا کہ مسلمانوں میں کوئی اتحاد قایم ہوتا اور وہ آیندہ مل جل کے عظیم فتوحات حاصل کرتے۔ ربوا کے حرام ہونے کی حد یہانتک ہے اور اسی غرض سے ربوا حرام بھی کیا گیا تھا کہ سالہا سال کی عداوتیں دلوں سے نسیاً منسیاً ہو جائیں ربوا کے یہ سادے معنی ہیں جو قرآن مجید میں بیان ہیں رہا ہمارے فقہا کی پیچیدہ بحثیں یہ اُن کی طباعی اور عالی دماغی ہے نفس مطلب قرآن مجید کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہی؛

مولانا امام فخر الدین رازی

تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ ہمارے فاضل امام نے بھی کوئی فیصلہ ربوا کے متعلق نہیں کیا۔ نہ قرآنی ربوا کی اصلی حقیقت بیان کی اور نہ فقہی ربوا کو واضح کرکے دکھایا۔ جو کچھ آپنے بیان کیا ہے اس میں اگرچہ کچھ جدت نہیں ہی تو بھی ایک لطف آتا ہی آپ کے بیان کا ایک حصہ تو ابو سعید خدری کی روایتوں کا ماخذ ہی اور دوسرے حصہ میں اُن کی فقیہانہ اور مفسرانہ رائیں ہیں اور یہ رائیں کسی قدر توجہ کے قابل ہیں۔ اُن کی تفسیر کا جو حصہ ابو سعید خدری کی روایات سے ماخذ ہی اُس کا خلاصہ تو ان الفاظ میں ہو سکتا ہے "قال محمد بن سیرین کنا فی بیت عکرمۃ فقال رجل یا عکرمۃ ماتذکرو ظن فی بیت فلان ومعنا ابن عباس فقال انما کنت استحللت الصرف برائی ثم بلغنی انہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمہ فاشھدوا انی حرمتہ وبرئت منہ الی اللہ" یعنی محمد بن سیرین نے کہا کہ ہم ایک گھر میں تھے اور ہمارے ساتھ عکرمہ بھی تھے ایک آدمی نے کہا اے عکرمہ تمہیں یاد نہیں کہ ہم فلاں شخص کے گھر میں تھے اور ہمارے ساتھ ابن عباس بھی تھے ابن عباس نے کہا میں نے معاملہ صرف کو اپنی رائے سے حلال سمجھا تھا پھر مجھے یہ خبر پہنچی کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو حرام کیا ہے پس تم گواہ رہو کہ میں نے اُسکو حرام کیا اور میں اس رائے سے اللہ کے روبرو بری ہوا امام فخر الدین رازی کی اس روایت میں بھی یہ بات قابل سوال ہے کہ ابن عباس نے یہ بیان نہیں کیا کہ میں نے کس کی زبانی اپنی رائے کے خلاف حدیث سنی غالباً ابو سعید خدری سے اُنہوں نے سنا ہوگا ان کے علاوہ اور صحابہ کی روایتیں معاملہ ربوا میں بہت کم دیکھنے میں آئی ہیں۔ دوسرا حصہ تفسیر کا وہ ہی جو امام صاحب نے خود بیان فرمایا ہے اسکا ترجمہ حسب ذیل ہی "ربوا کے معنی ہیں بلا عوض انسان کے مال لینے کے اور انسان کا مال نہایت محترم ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسلم کے مال کی حرمت اسکے خون کی حرمت کے برابر ہے پس اُس کے مال کا بلا عوض لینا حرام ہوا" دوسری وجہ امام صاحب یہ لکھتے ہیں "سود لینا مواسات باہمی اور احسان کا باعث انقطاع ہی اگر ربوا حلال ہو تو صاحب حاجت اپنی ضرورت سے مجبور ہوکے ایک درہم کے دو درہم دینے کے لئے تیار ہو جائیگا اور یہ امر احسان محبت اور بھلائی کے لئے انقطاع ہے اسکے بعد امام صاحب یہ تحریر فرماتے ہیں۔ ربوا کی حرمت نص قطعی

سے ثابت ہی اور یہ ضرور نہیں کہ جملہ احکام کا سبب مخلوق کو معلوم ہو پس ربوا کی حرمت پر کامل یقین کرنا واجب ہے گو ہمیں کوئی وجہ اسکی معلوم نہ ہو" امام صاحب کی یہ رائے وہی ہی جو میں اوپر بتفصیل بیان کرچکا ہوں امام صاحب نے ربوا خواری کا سبب قطع موالنست بتایا ہی وہ بہت ٹھیک ہے میری بھی یہی رائے ہی جو کچھ میں نے لکھا ہی انقطاعی لکھا ہی اور اُسکا اسانی سے جواب نہیں ہوسکتا- امام صاحب نے فی الحقیقت قرآنی ربوا کی تفسیر کی ہی کوئی شک نہیں کہ ایک درہم کے عوض دو درہم لے لینا سخت ربوا ہی اور یہی ربوا مطلق حرام ہی بلکہ میں ایسے ربوا کھانے والے کو ملعون اور جہنمی سمجھتا ہوں اسی ربوا کو قرآن نے حرام کیا ہی اور یہی ربوا موالنست بھلائی اور محبت کے خق ہیں جیسا امام صاحب نے لکھا ہی زہر ہلاہل ہی- مگر پھر سوال یہ ہی کہ طرز عمل سے موالنست وغیرہ کا انقطاع نہ ہو تو وہ طرز عمل یا طریقہ لین دین کیونکر ربوا میں داخل ہوسکتا ہی- لین دین کی چند صورتیں قایم کرکے بعض کو ربوا اور بعض کو بیع اور نسیہ کہدینا یہ ہماری ذاتی رائے ہی قرآن مجید کے حکم میں اس سے کچھ تبدیلی نہیں پیدا ہوسکتی میں تو یہ جانتا ہوں کہ ایک درہم کے عوض دو درہم لے لینے سخت جرم ہیں اور اس طرز لین دین سے قیامت تک اتحاد اور دوستی نہیں پیدا ہوسکتی- میں امام صاحب کی رائے سے بدل متفق ہوں اور میں اپنے پہلے صفحوں میں ایسے ربوا کو حرام مطلق تسلیم کرچکا ہوں- امام صاحب کی رائے کا آخری حصہ جس میں انہوں نے شبہ کیا ہی وہ ان کا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ وہ حدیث جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منسوب کیجاتی ہی اس خیال کی ماخذ ہی جس کا بیان بالتفصیل گزشتہ صفحوں میں کردیا گیا ہی- کوئی شک نہیں کہ ربوا کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہی ہاں یہ بھی درست ہی کہ جملہ احکام آلہی کا سبب مخلوق کو معلوم ہونے کی ضرورت نہیں ہی اس توضیح سے بھی میں انکار نہیں کرتا فی الحقیقت احکام آلہی کے اندرونی اسباب دریافت کرنا غیر ضروری ہی عقل اُن اسباب کا ٹھیک پتہ نہیں لگا سکتی ممکن ہی کہ آیت ربوا کے نزول کیوقت مسلمانوں نے یہ سرگوشی کی ہو کہ ہم کیوں اپنا روپیہ چھوڑ دیں اسپر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا جسکا اقتباس ہمارے امام صاحب نے کیا ہی کہ گو حضور انور نے اسکی توضیح اور تفسیر نہیں کی لیکن اُسے اسی حالت میں رہنے دو اور جب حرمت ربوا کا حکم آگیا ہی اُس کو اُسیطرح مانو- لوگوں کا خیال صحیح تھا جب حرمت ربوا کی آیت نازل ہوئی تو آیندہ کے لئے ہونی چاہیئے اور سود کا روپیہ لوگوں کا اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا چڑہا ہوا تھا تو اُنہیں پس و پیش ہوا ہو گا کہ گزشتہ روپیہ ہم کیوں نہ وصول کریں اس پس و پیش کے مٹانے کے لئیے یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنا سابق کا سودی روپیہ بھی چھوڑ دو اور جو لکھا گیا ہی اسپر خیال کرو اور بغیر پس و پیش کے مانو- یہ فیصلہ حضرت عمر کا بہت اعلی درجہ کا تھا اور اس سے بہتر فیصلہ مسلمانوں کے انتشار مٹانے کے لئے اور ہو نہیں سکتا تھا- اس قول کی اعلی تہ کو امام صاحب پہنچگئے لیکن اُنہوں نے کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا اس رائے کے ظاہر کرنے کے بعد اُنہیں لازم تھا کہ وہ معاملہ لین دین کے کل پہلوؤں پر بحث کرتے اور صاف لکھدیتے کہ اس لین دین کو ربوا کہتے ہیں اور یہ لین دین ربوا میں داخل ہی مگر امام صاحب نے ایسا نہیں کیا وجہ نکرنے کی سوا اس کے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتی کہ موجودہ ضرورتیں اُس زمانہ میں نہ واقع ہوئی تھیں اگر موجودہ حالت کا ایک شمہ بھی ہوتا تو امام صاحب ضرور بہت سے منافعوں کو ربوا خواری سے نکال دیتے پھر بھی جو کچھ امام صاحب نے لکھا اچھا لکھا میں اُسکی دل سے تعریف کرتا ہوں اور مجھے یقین ہی کہ وہ

اس معاملہ کی تہ تک پہنچ گئے ہیں۔ غور کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہم اوپر لکھ چکے ہیں وہ اسقدر وضاحت سے بیان ہوا ہی کہ اس سے زیادہ امام صاحب کبھی بیان نہ کر سکتے تھے۔ اُنہوں نے موالنست اور محبت کے لئے بہت سادے الفاظ میں ربوا کو حرام کہا ہی لیکن میں نے بال کی کھال نکال کے دکھا دی اور کوئی پہلو اسکا ایسا نہیں چھوڑا جسپر بحث نہ کی ہو۔ میرا ناظر تفسیر الصافاً خود موازنہ کرے گا کسکا بیان کل پہلوؤں کو لئے ہوئے ہے اور کس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ الگ کرکے دکھا دیا ہے اور بھی موجودہ زمانہ کے بعض مفسروں اور مضمون نگاروں نے ربوا کی اصلیت پر بحث کی ہے مگر اُنہوں نے یہ غلطی کی کہ مخالف پہلوؤں کو چھوڑ دیا اور جو تفسیریں یا توضیحات اپنے مطلب کی ملی ہیں اُنہیں درج کر دیا ہے حالانکہ میں نے ایسا نہیں کیا جس روایت یا احادیث سے قطعاً میرا "مطلب" ثابت ہوتا تھا اُسکو بھی میں نے نقل کر دیا اور اسپر اس فقیہانہ طور پر بحث کی کہ مخالفت کا رنگ موافقت سے بدل گیا انصاف اور حق کو نظر رکھ کے جو شخص میری تحریر کو غور سے پڑہے گا اُسے ربوا کی اصلی حقیقت معلوم ہو جائے گی اُسے کھلے گا جو کچھ فقہا نے اس معاملہ میں مین میکھ نکالی ہی قرآنی مفہوم اس سے بہت دور ہی۔ فقہا نے جس منافع پر سود کا اطلاق کیا ہی۔ یہ اُنکی ذاتی رائے ہے قرآن کا نفس مطلب اُن کی اس رائے کا پابند نہیں ہو سکتا۔

فقہا کا عام اصول یہ ہے کہ ایسی تعلیل نہ کی جائے جس سے حکم منصوص میں کسیطرح کا خلل واقع ہو چنانچہ فقہا کے مسلمات میں ہی "یشترط ان یبقی الحکم فی الاصل بعد التعلیل علی ما کان قبلہ لان تغیر حکم النص فی نفسہ بالرائے باطل" اس رائے کو میں بھی تسلیم کرتا ہوں اور میرا ایمان ہی کہ اصل نفس کے خلاف اپنی رائے سے کوئی بات پیدا کرنی سخت لغو حرکت ہی اور ایسا شخص مسلمان کیونکر ہو سکتا ہی جس نے اپنی رائے سے منشائے باری تعالیٰ کے خلاف کوئی بات پیدا کی ہو مگر سوال یہ ہی کہ یہ عام اصول اور مسلمات دوسروں کے لئے ہی یا فقہا کے لئے بھی یہ میں کبھی نہیں ماننے کا کہ فقہا پر وحی اُترتی تھی کہ اس آیت کا یہ مفہوم ہی اور اُنہوں نے کبھی اپنی رائے سے کام نہیں لیا جتنی تفسیریں قرآن مجید کی لکھی گئیں سب رائے سے لکھی گئیں کوئی مفسر یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے خدا اور رسول سے دریافت کرکے آیت کی یہ تفسیر کی ہی تمام تفاسیر خواہ وہ بڑے سے بڑے فاضل کی کیوں نہوں ہیں رائے سے لکھی ہوئیں اور اس سے کسی مفسر کو چارہ نہیں ہی کہ وہ اپنی رائے کا اظہار نکرے اور الہام کے ذریعہ سے خدا اور رسول کا مفہوم ادا کر دے ہاں بعض تفسیریں ایسی ملتی ہیں جن میں محض حدیث سے بحث کی گئی ہی اور کوشش کی گئی ہی کہ ہر آیت کی قول رسول سے تفسیر کی جائے لیکن یہاں بھی رائے کو دخل دیا گیا ہی حدیثوں کا انتخاب محض اپنی رائے سے کیا ہے۔ ان میں بہت سی حدیثیں ایسی بھی ہیں جو حضور انور نے کبھی بیان نہ فرمائی ہونگی کیونکہ قرآنی مطلب سے وہ متناقض آکے واقع ہوئی ہیں اور اُن میں شان نبوت مطلق نہیں پائی جاتی۔ جو کچھ کیا گیا رائے سے کیا گیا خواہ حدیثوں کا انتخاب ہو خواہ قرآن مجید کی تفسیر ہو خواہ استنباط مسائل ہو کیا چیز رائے سے خالی ہو سکتی ہی کوئی بھی نہیں بخاری نے کئی لاکھ حدیثوں سے چند ہزار حدیثیں انتخاب کیں صرف اپنی رائے سے حالانکہ صحابیت کا نہ خود دعویٰ کرتے ہیں اور نہ کوئی اور اس کا قائل ہی کہ بخاری کا انتخاب رائے کے ذریعہ سے نہیں ہوا بلکہ اس پر وحی اُترتی تھی یا حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم خواب میں فرما جایا کرتے تھے اگرچہ اس قسم کے خواب بعض علما نے اپنی کتابوں میں لکھ دیئے مگر

میں اِن خوابوں کو محض خواب ہی سمجھتا ہوں اور خوب جانتا ہوں کہ علوم متعارفہ سے اِن خوابوں کو کوئی تعلق نہیں ہے ایک خواب کا مختصر مضمون یہ ہے کہ حضور انور نے ایک شخص سے ارشاد کیا کیا تو میری کتاب نہیں دیکھتا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ تیری کون سی کتاب ہے ارشاد ہوا ہماری کتاب بخاری ہے اس خواب کے صحیح ہونے میں ہرگز کلام نہیں مگر یہ خواب تعبیر ہے اس بات کی کہ بخاری بعد از قرآن سمجھی جائے گی اور اسکی عظمت لوگوں کے دلوں میں اسقدر جمے گی اور جمی ہے کہ حضور انور نے اسے اپنی کتاب کہا محض یہ اس عظمت کا پتہ تو ہے جو اُس زمانہ میں بخاری کا پڑ چکا تھا کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کوئی مذہبی کتاب بغیر رائے کے لکھی گئی ہاں یہ میں ضرور مانوں گا کہ رائے رائے میں فرق ہے کسی کی رائے کمزور ہے وہ ویسا ہی مطلب نکالیگا کسی کی رائے زبردست ہے وہ ویسا ہی مضمون پیدا کرے گا ساتھ ہی یہ بھی ماننا پڑے گا جو کچھ لکھا گیا نیک نیتی سے لکھا گیا اور اسلام کے ہر فاضل محدث اور مفسر نے نہایت ایمانداری اور نیک نیتی سے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ فقہا کا یہ مسلم مسئلہ کہ کوئی ایسی تعلیل نہ کی جائے جس سے حکم منصوص میں کسیطرح کا خلل واقع ہو یکایک بیچون وچرا نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ فقہا کو کیونکہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حکم منصوص یہ ہے اور اس حکم منصوص کا مفہوم یہ ہے ہر شخص اپنے مفہوم کو صحیح بتاتا ہے اور کہتا ہے جو کچھ میں سمجھتا ہوں نیک نیتی سے سمجھا ہوں اب تیسرا شخص ہو جو ان دونوں کے صحیح وغلط مفہوم کا فیصلہ کر دے اور ایسا شخص الہامی ہونا چاہیئے۔ رہی یہ بات کہ ایک کی رائے کو لاکھوں آدمی مانتے ہیں اور اسپر اتنا اعتقاد رکھتے ہیں کہ اگر یہ غلط بھی کہے تو صحیح ہے اور اس سے غلطی کا احتمال ہی نہیں ہے اور دوسرے کی رائے کی اتنی پروا نہیں کرتے تو یہ مقبولیت اور خوش قسمتی ہے اس معاملہ میں کسی کا اجارہ نہیں۔

حسد کی جا نہیں یہ اپنی اپنی قسمت ہے　　کسی پہ لطف کوئی مورد عتاب رہا

نتیجہ اس تمام بحث کا یہ ہے کہ کوئی بات رائے سے خالی نہیں ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کسی کی رائے انتہا درجہ پختہ اور کسی رائے کمزور۔ اگر یہ تمام مذہبی امور رائے کے رنگ سے نہ رنگے جاتے تو باہم اسقدر کشاجھنی نہ ہوتی کہ ایک ہی آیت کا ایک امام کچھ مطلب سمجھ رہا ہے اور دوسرا امام کچھ سمجھ رہا ہے میری اس بحث کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ربوا کی آیت پر میں نے بحث کی ہے اگرچہ خاص فیضان باری تعالی کا صدقہ ہے لیکن میں اسکا اظہار نہیں کرتا کیونکہ ایسی باتوں کے سننے کی لوگ اہلیت نہیں رکھتے پھر میں کیوں خواہ مخواہ سمع خراشی کروں صرف اتنا اظہار کر دینا مناسب جانتا ہوں کہ مثل فقہا اور محدثین کے جو کچھ میں نے لکھا ہے محض نیک نیتی سے لکھا ہے اور خوب سوچ سمجھ کے لکھا ہے ممکن ہے کہ اس میں لغزشیں بھی ہو گئی ہوں لیکن ایسی لغزشیں چشم پوشی کرنے کے قابل ہیں۔

ربوا کے متعلق قرآن مجید میں ایک یہ آیت آئی ہے "الذین یبدلون مکان اعطاء الفقراء اخذ الربوا منہم یاکلون ذلک الربوا لا یقومون الا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطان من المس"، یعنے جو لوگ بجائے فقیروں کے دینے کے فقیروں سے سود لیکے اُس سود کو کھاتے ہیں نہ کھڑے ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان نے لپٹ کے خبط میں ڈالا ہو۔ اسی آیت میں یہ بھی بیان ہوا ہے ذلک بانہم قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع وحرم الربوا یعنی یہ خرابی حال اُن سود خواروں کی اس سبب سے ہے کہ کہا انہوں نے سوائے اسکے کچھ نہیں ہے کہ بیع

مثل سود کے ہی حالانکہ حلال کیا اللہ تعالیٰ نے بیع کو اور حرام کیا سود کو ہمارے علما ان آیتوں پر مفصلہ ذیل بحث کرتے ہیں اُن کی رائے نقل کرنے کے بعد پھر میں اپنی رائے دوں گا۔ تمام رایوں کا خلاصہ یہ ہی آیہ یمحق الربوا ویربی الصدقات میں کلمہ ربوا کو اس ربوا سے مخصوص نہیں کیا جو مساکین سے لیا جائے یہ اس اعتراض کا جواب ہے جو پہلی آیت سے کیا گیا تھا کہ ربوا مساکین کی ذات کے ساتھ خصوصیت رکھتا ہی۔ دوم اس مقام پر پانچ جگہ کلمہ (الربوا) معرف باللام واقع ہی (۱) یاکلون الربوا (۲) انما البیع مثل الربوا (۳) احل اللہ البیع وحرم الربوا (۴) یمحق اللہ الربوا (۵) یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا سوم ان ہی آیات تحریم ربوا کے بعد فرمایا ان تبتم فلکم رؤس اموالکم الآیۃ اسی کے قرین بلافصل یہ فرمایا وان کان ذو فنظرۃ الی علیہ وان تصدقوا خیر لکم اس سے صاف ظاہر ہی کہ سود لینا اغنیا اور مساکین دونوں سے حرام ہی اور آیت تحریم ربوا دونوں فریق سے سود لینے پر حاوی ہی اسلئے کہ جب تحریم ربوا کے حکم کے بعد یہ حکم ہوا کہ جو کچھ سود سے باقی رہا ہی اسکو چھوڑ دو پس اگر توبہ کرو تو صرف راس المال لو چونکہ منجملہ مدیونوں کے بعض لوگ غریب و مسکین بھی تھے کہ ادائے راس المال کی بھی اُن میں وسعت نہ تھی لہذا خاص ایسے لوگوں کی نسبت یہ فرمایا وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ وان تصدقوا خیر لکم یعنی اگر مدیون تنگ حال ہو تو اُسکی فراخ دستی کا انتظار کرو اور تمہارے لئے بطور خیرات کے چھوڑ دینا بہتر ہی۔ پنجم تخصیص آیت تحریم ربوا کی مساکین کے ساتھ نہیں ہی بلکہ یہاں تو مساکین کا کچھ بھی تذکرہ نہیں ہی۔ ششم جو شخص آیت ربوا کی تخصیص مساکین کے ساتھ کرتا ہی یہ اُسکی نری غلطی ہی۔ اس شخص کو غلطی یہ واقع ہوگئی ہی کہ اقتران یعنی مستقلہ تامہ کے دو جملوں کا ساتھ لانا دونوں جملوں کے اشتراک کا باعث جمیع امور میں ہوتا ہی حالانکہ یہ صاف و صریح غلطی ہی علم اصول فقہ سے یہ امر بدلایل و براہین قرار پا چکا ہی کہ مستقلہ کے دو جملوں کا اقتران اگرچہ بحالت تغائر احکام بواسطہ حروف عاطفہ کے ہو گو وہ احکام ایک ہی جنس کے ہوں مستلزم اشتراک نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ دو جملے مستانف بلا واسطہ حروف عاطفہ کے احکام متغائرہ پر مشتمل ہوں ان میں کسی صورت سے بھی اقتران مستلزم اشتراک کا نہیں ہو سکتا جیساکہ مانحن فیہ میں ہے کہ تحریم ربوا کی آیت بطور جملہ مستانفہ کے آیت ایجاب انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ مذکور ہوئی ہی۔ ساتھ ہی اس مقام پر چند احکام متغائرہ آیات ایک دوسرے کے ساتھ واقع ہیں (۱) فی سبیل اللہ خرچ کرنا اور مساکین کا دینا (۲) مال خبیث کے قصد کرنے کی نہی (ولا تیمموا الخبیث) (۳) سود کی تحریم (۴) دستاویز قرض کے لئے حکم لکھا جانا یاایہا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ یہ فقیہانہ اور مجتہدانہ بحث ہی جو ربوا کے متعلق کی گئی ہی ہمارے فقہا کا یہی مذہب ہے اور وہ اپنے خیالات کی بنا محض اپنے اصول موضوعہ پر کہتے ہیں آیت ربوا کے بارے میں تمام فقہا کا منشا میں نے آئینہ کر دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہی کہ ربوا میں مساکین کی تخصیص نہیں ہے اگر مساکین ہی کی تخصیص ہوتی تو کاتب تمسک گواہ۔ لینے والا۔ کیوں ماخوذ کیا جاتا ہی پھر تو امرا اس سے بری رہتے اور خوب دھڑلے سے گلچھڑے اڑاتے۔ مگر میری رائے یہ نہیں ہی میں فقہا کے منطقی اصول اور اصول موضوعہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ ان فقہی اصول موضوعہ کی ساخت ظہور اسلام سے کئی صدی کے بعد ہوئی ہے قرآن مجید ان اصول موضوعہ کا محتاج نہیں ہے معاذ اللہ اگر اُسے ان کی احتیاج ہوتی تو کئی صدی

تک مسلمان اسے سمجھ نہیں سکتے حالانکہ ایسا ماننا ہمارے مذہب میں کفر سے بھی زیادہ ہی قرآنی مضامین کو منطق اور فقہی اصول موضوعہ کا جامہ پہنا کے مسلمانوں کے آگے پیش کرنا یہ شان اسلام اور منشائے رسول سے بہت دور ہے۔ جب یہ صریح آیت موجود ہی کہ ہم نے جاہلوں میں تجھے نبی بنا کے بھیجا تاکہ تو ہماری آیتیں انہیں سنا اور انکو پاکیزہ بنا اور تو انہیں حکمت اور کتاب کی تعلیم کر اگر قرآنی مطلب منطق فلسفہ اور فقہی علوم موضوعہ کے محتاج ہوتے تو خداوند تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ جاہلوں اور بے پڑھے لکھوں میں تجھے مبعوث کیا ہی جہلا منطق اور فلسفہ کو قیامت تک نہیں سمجھ سکتے وہ فقہ کے اصول موضوعہ کو کیا جانیں وہ صاف اور روشن معنی قرآن مجید کے سمجھے انہیں قرآن کے مطالب سمجھنے میں کبھی پس و پیش نہیں ہوا کوئی نوشتہ کوئی تاریخ کوئی کلام ایسا نہیں پایا جاتا جس سے یہ معلوم ہو کہ بدویاں عرب نے آیت سنکے اُسکا مطلب اور تفسیر رسول مقبول سے پوچھی ہو حجازی متوطن عرب تو خیر کچھ لکھے پڑھے بھی تھے لیکن جنگلی بدو محض انسانی صورت کے سوا اور کوئی صفت انسانی نہیں رکھتے تھے جب انہوں نے بآسانی قرآن مجید سمجھ لیا تو خیال ہو سکتا ہی کہ قرآن مجید میں منطق کی پیچیدگیاں۔ فلسفہ کے آثار چڑھاؤ اور اصول موضوعہ کی بھرمار نہیں ہے۔

قرآن مجید کا سمجھنا زیادہ علم۔ فلسفہ۔ منطق۔ ادب اور ریاضی پر موقوف نہیں ہی یہ خاص بات ہی جنکے دل خدائے قادر مطلق کے نور سے منور ہو چکے ہیں اور جنہیں خفیف سا بھی تعلق اپنے خالق حقیقی سے ہی وہ بآسانی قرآن مجید کو سمجھ لیں گے۔ ایک تو ظاہری معنی کو سمجھنا اور ایک سمجھنے کے بعد دل پر اثر ہونا اور اثر ہونے کے بعد روح کو اسکی لذت آنی یہ تین باتیں ہیں جو بالکل علیحدہ علیحدہ ہیں اور انہیں ایک دوسرے سے کچھ تعلق نہیں ہی۔ ظاہر معنی سمجھنے والے تو بہت نکلیں گے مگر وہ کم ہوں گے جنکے دل پر اس کا اثر ہو اور وہ تو ان سے بھی کم ہوں گے جو اس اثر سے لذت لیتے ہیں مجھے قرآنی مضامین سے ایک خاص تعلق ہی محض بے علم ہونے پر بھی آیت پڑھتے ہی اس کا وہ دو لفظی مفہوم سمجھ میں آجاتا ہی جو امام فخرالدین رازی کئی جزو میں بھی اُسے ادا نہیں کر سکتے۔ مجھے فخر ہی کہ روح القدس میرے ساتھ کام کرتی ہی اور روح القدس ہر کام میں مجھے مدد دیتی ہی۔ ہر شخص کو اسکے باور کرنے میں تامل نہ ہوگا کہ راقم الحروف نے کبھی ایک لفظ بھی عربی فارسی اور انگریزی کا نہیں پڑھا مجھے فخر ہے کہ کچھ نہ کچھ اُمی ہونے کا پرتو مجھپر بھی پڑا ہوا ہی۔ جو کچھ میں لکھ چکا ہوں ان میں سے ایک مضمون کو امام فخرالدین رازی کے مضمون سے ملایا جائے اور ایک ہی مطلب کے دو مضمونوں کو ایک ساتھ رکھ کے دیکھ لیا جائے اس سے کھلجائے گا کہ انسانی اعلےٰ قابلیت اور روح القدس کی تائید میں بہت بڑا فرق ہی۔ اس تحریر سے غرض یہ ہی کہ قرآن مجید کے سمجھنے میں اپنی ایجاد کردہ منطق کو دخل دینا نہیں چاہیئے خدا کے علم اور کلام پر جو کامل اور بسیط ہی ہمارا علم اور محدود کلام حاوی نہیں ہو سکتا ہماری زبان انتہا درجہ محدود ہمارے خیالات مائل بہ پستی ہم اس قدر معذور ہیں کہ ان چیزوں کی جو روز ہمارے استعمال میں آتی ہیں لذت نہیں بیان کر سکتے اور ہر بات کو بطور تمثیل کے ادا کرتے ہیں جب مجبوری کی یہ کیفیت ہی تو پھر ہماری زبان ہمارا علم اور ہمارے خیالات کس صورت سے کلام خدا پر حاوی ہو سکتے ہیں جسکی طرف معبود برحق کی توجہ ہو گئی اسیکا ضمیر روشن کر دیا گیا اور اُسے کل معنی اور باریکیاں سجھائی دینے لگیں اور جسکی طرف سے نظر پھر گئی وہ بالکل چوپٹ

ہو گئے اور قرآن کا ایک لفظ جو پڑھے ہلکے کو وجد میں لے آتا ہی اُسکے آگے سارا قرآن بھی پڑھ جاؤ تو جنبش بھی نہ ہو گی ایک بڑے فاضل کا ذکر ہے کہ وہ کرسی یا تپائی پر بیٹھکر قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے طلبہ قرآن لئے نیچے زمین میں بیٹھے رہتے تھے ایک مسلمان نے اُنپر اعتراض کیا کہ تم کلام خدا کی ذرا بھی عزت نہیں کرتے تو اس منطقی اور فلسفی فاضل نے جواب دیا جس سینہ پر شفا اور اشارات نقش ہوں وہ سینہ قرآن مجید سے بلند ہی مقام پر رہنے کے قابل ہے - بس یہ جنون ہی جو بیہودہ منطق کے پڑھنے والوں کو ہو جاتا ہی دماغ الٹ جاتا ہی حواس خمسہ میں فرق آجاتا ہی طبیعت میں انتشار حق پر پردہ پڑ جاتا ہی اور شب و روز بیل اصطلاحات کا ورد رہتا ہی وہ اصطلاحات جنکے کچھ معنی نہ ہوں اور جنہیں کہنے والا ہی سمجھے - غرض یہ ہے کہ خالص اور پاک دل سے خدا کا کلام پڑھو اور غیر ضروری علم منطق کو ہرگز دخل نہ دو -

قرآن مجید کی گزشتہ آیتوں میں یہ صحیح ہے کہ مساکین کی تخصیص نہیں ہی لیکن یہ تو ماننا پڑیگا کہ ربوا کے ساتھ خصوصیت سے مساکین ہی کا ذکر آیا ہی کہیں دولتمند کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہی - بلکہ اس آیت شریف میں سود خواری کی اُس شدت کا ذکر ہے جو عرب میں رائج تھی اور یہانتک اس تشدد اور ظلم کی انتہا ہو گئی تھی کہ جو فقرا مدینہ میں رہتے تھے اور اُنہیں خرچ کی ضرورت ہوتی تھی تو کوئی اُن کی مدد نہ کرتا تھا بلکہ اُنہیں سودی روپیہ دیا جاتا تھا اور پھر اُن پر تشدد ہوتا تھا کہ روپیہ ادا کریں اس بیجا طرز عمل کو روکنے اور اس ظلم شدید کا رستہ بند کرنیکے لئے خداوند تعالی نے فرمایا " جو لوگ بجائے فقیروں کے دینے کے فقیروں سے سود لیکے اُس روپیہ کو کھاتے ہیں نہ کھڑے ہونگے مگر جسطرح کھڑا ہوتا ہی وہ شخص جسے شیطان نے لپٹ کے خبط میں ڈالا ہو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ ربوا خواری مدینہ بلکہ کل عرب میں سخت زبون ترین صورت سے رائج تھی اسلئے خداوند تعالی نے نہ صرف ایسے سود خواروں کو بلکہ کاتب شاہد اور نویسندہ کو بھی مجرم گردان کر حکم دیدیا کہ وہ سب ایک ہی زمرہ میں ہیں اور اس عذاب سے جو ربوا خواروں کے لئے مقرر کیا گیا ہی اِن کے ساتھی بھی نہیں بچ سکتے حکم باری تعالی کی شدت یہانتک ہوئی کہ سود دینے والے کو بھی اسی جرم میں ماخوذ کر لیا - فقہا کے استنباطی مسائل کو بالائے طاق رکھکے اور تمام پیچیدہ منطقی باریکیوں کو نظر انداز کرکے جو شخص انصافاً ملاحظہ کرے گا تو اُسے صاف کھلجائے گا کہ قرآنی ربوا کی کیا حقیقت ہی اور کیا ربوا خوار کے لئے ایسے وعید نازل ہوئے تھے - ایسا سود خوار جس کا ذکر قرآن مجید میں ہی کہ وہ مساکینوں کی امداد کرنے کے بجائے اُلٹا اُن کا گلا کاٹتا ہی اور اُن سے سود لیتا ہی خواہ وہ مساکین شہر کے رہنے والے ہوں یا پردیسی ہوں وارث جہنم ہی - مدینہ میں سود خواری کی یہ شدت تھی کہ بھوکے اور قلاش آدمیوں سے جن سے ہمدردی کرنی انسانیت کا مقتضیٰ ہی سود لیا جاتا تھا لاریب یہ سود حرام مطلق اور جرم عظیم ہے اور اس سے زیادہ جرم ناقابل معافی اور ہو نہیں سکتا عین انسانیت کے مجرم یعنے سود خوار یہ سمجھتے تھے کہ مساکین سے جو ہم سود لیتے ہیں کیا برا کرتے ہیں ہماری ربوا خواری مثل بیع کے ہی یہ اور بھی غضبناک خیال تھا ایک تو جرم کرنا اور پھر اُسی جرم کو جائز قرار دینا - اُس پہ خداوند تعالی نے صاف کہدیا کہ ہمنے اس قسم کے لین دین ہی کو حرام مطلق کر دیا ہی پھر تمہیں کیا مجاز ہے کہ تم سود کو مثل بیع کے حلال سمجھتے ہو -

اگر قرآن مجید کی کل آیتوں کو ترتیب دیکے بغور ملاحظہ کریں تو ہمیں معلوم ہو کہ جس ربوا کو قرآن مجید نے حرام کیا ہی اس سے نہ صرف اخلاق بگڑتے تھے بلکہ غریبوں کا گلا کٹتا تھا اور یہ ایسا اندھا ظلم تھا جسکی کوئی انتہا نہ تھی میں چاہتا ہوں کہ پورا بیان قرآن سے لین دین اور سود کا نقل کردوں تاکہ دیکھنے والا سمجھ سکے کہ قرآنی سود اور فقہاکے سود میں زمین وآسمان کا بل ہے۔ قرآن مجید کا حکم ناطق ہی اور اس حکم کے آگے لاکھوں فقیہوں کا قول محض بے حقیقت ہی چنانچہ خداوند تعالی قرآن مجید میں فرماتا ہی۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ

یعنی جو لوگ خدا کی رضا جوئی کے لئے اور اپنی نیت ثابت رکھکے اپنے مال خرچ کرتے ہیں اُن کی مثال ایک باغ کی سی ہی جو اونچائی پر لگا ہوا ہی اُسپر زور کا مینہ برسا تو دو چند پھل لایا اور اگر اُسپر زور کی بارش نہ ہوئی تو ہلکی پھوار بس ہی اور تم لوگ جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اُسکو دیکھ رہا ہی بھلا تم میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند کریگا کہ کھجوروں اور انگوروں کا اس کا ایک باغ ہو اور اُسکے نیچے نہریں جاری ہوں اور ہر طرح کے میوے اُسے وہاں میسر (آئیں) اور (اسی اثنا میں) بڑھاپے نے اُسے آلیا اور اُسکے (کم سن) ناتوان بچے ہیں اب اس (باغ) میں ایک آگ کا بھرا بگولا چلا بس وہ جل بھنکے رہگیا اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کھول کے تم سے بیان کرتا ہی تاکہ تم غور کرو مسلمانوں خدا کی راہ میں عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم نے تجارت سے کمائی ہوں اور اُن میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہیں اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ اُس میں سے خرچ کرنے لگو حالانکہ وہی چیز تمہیں دی جائے تو تم اس کو کبھی خوشدلی سے نہ لو مگر یہ کہ دیدہ و دانستہ اُسکے لینے میں چشم پوشی کرو اور جانے رہو کہ اللہ بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا ہی شیطان تمہیں تنگدستی سے ڈراتا اور شرم کی بات یعنی بخل کیطرف برانگیختہ کرتا ہی اور اللہ اپنی طرف سے قصوروں کی معافی اور برکت کا تم سے وعدہ فرماتا ہی اور بڑی گنجائش والا اور سب کے حال سے واقف ہے جسکو چاہتا ہی بات کی سمجھ دیتا ہی اور جسے بات کی سمجھ دی گئی تو بیشک اس نے بڑی دولت پائی اور نصیحت بھی وہی مانتے ہیں جو سمجھ دار ہیں اور جو خرچ بھی تم خدا کی راہ میں اٹھاؤ یا اُسکی نام کی کوئی منت مانو وہ سب اللہ کو معلوم ہی اور جو لوگ غیر خدا کی منت وغیرہ مان کے خدا کے حق مارتے ہیں قیامت کے دن کوئی اُنکا مددگار نہو گا اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا اور اگر اُسکو چھپاؤ اور حاجتمندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہی اور ایسا دینا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ط وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَاۗءُ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا
تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ
خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ لِلْفُقَرَاۗءِ
الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاۗءَ
مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ج لَا يَسْــَٔـلُوْنَ
النَّاسَ اِلْحَافًا ط وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ
اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا
لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ
مِنَ الْمَسِّ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ
الرِّبٰوا م وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ط فَمَنْ
جَاۗءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا
سَلَفَ ط وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ط وَمَنْ عَادَ
فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ط وَاللّٰهُ
لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا
الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ
مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ
تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ

اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ اے پیغمبر ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمہارے ذمہ نہیں بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہے اور تم لوگ جو کچھ بھی خیرات کے طور پر خرچ کروگے سو اپنے لئے اور تم خدا ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہو اور جو کچھ بھی خیرات کے طور پر خرچ کروگے قیامت کے دن تمکو پورا پورا بھر دیا جائے گا اور تمہارا کچھ حق نہ مارا جائے گا خیرات تو ان حاجتمندوں کا حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر بیٹھے ہیں ملک میں کسی طرف جانا چاہیں تو جا نہیں سکتے جو شخص ان کے حال سے بیخبر ہو وہ ان کی خودداری کی وجہ سے ان کو غنی سمجھتا ہے لیکن اے مخاطب تو ان کو دیکھے تو ان کی صورت سے انہیں صاف پہچان جائے گا کہ محتاج ہیں مگر ہاں لگ لپٹ کے لوگوں سے نہیں مانگتے اور جو کچھ بھی تم لوگ خیرات کے طور پر خرچ کروگے تو خوب سمجھ لو اللہ اسکو جانتا ہے جو لوگ رات اور دن چھپے اور ظاہر اپنے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں تو انکے دئیے کا ثواب ان کے پروردگار کے ہاں انہیں ملے گا اور قیامت میں ان پر نہ تو کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کسی طرح آزردہ خاطر ہونگے جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن کھڑے نہ ہو سکینگے مگر اس شخص کی طرح کھڑے ہونگے جسے شیطان نے اپنی چپیٹ سے خبط الحواس کر دیا ہو۔ یہ انکے اس کہنے کی سزا ہے کہ جیسا معاملہ سود ویسا ہی معاملہ بیع حالانکہ بیع کو تو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام تو سود کو بیع پر قیاس کرنا صریح غلطی ہے تو جسکے پاس اسکے پروردگار کی طرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ آیندہ کیلئے باز آگیا تو جو پہلے لے چکا ہے وہ اسکا ہو چکا اور اس کا معاملہ خدا کے حوالے۔ اور جو منع کرنے کے بعد سود لے تو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں اور یہ لوگ دوزخ ہی میں ہمیشہ ہمیشہ رہینگے اللہ سود کو گھٹاتا اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور جتنے ناشکرے ہیں اور کہنا نہیں مانتے خدا ان سے راضی نہیں جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہے انکے کئے کا ثواب انکے پروردگار کے ہاں انہیں ملیگا اور ان پر نہ تو کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ کسیطرح آزردہ خاطر ہونگے۔ مسلمانو اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اسکو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تم کو اپنی اصل رقم لینی پہنچتی ہے نہ تم کسی کا نقصان کرو۔

وَلَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ
مَيْسَرَةٍ ط وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ
وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ط وَلْيَكْتُب
بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ص وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَن
يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ ج وَلْيُمْلِلِ
الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ
مِنْهُ شَيْئًا ط فَإِن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا
أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ
بِالْعَدْلِ ج وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ
فَإِن لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّن
تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا
فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ط وَلَا يَأْبَ
الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ط وَلَا تَسْأَمُوا أَن
تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ
ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِندَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ
وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَن تَكُونَ تِجَارَةً
حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
أَلَّا تَكْتُبُوهَا ط وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ
وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ط وَإِن تَفْعَلُوا
فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ
اللَّهُ ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَإِن كُنتُمْ
عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ
فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي
اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا تَكْتُمُوا
الشَّهَادَةَ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ط
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ لِّلَّهِ مَا

نہ کوئی تمہارا نقصان کرے اور اگر کوئی تنگدست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں یہ زیادہ بہتر ہے کہ اُسے اصل قرضہ بھی بخشدو اور اُس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کی طرف لوٹائے لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اُس کے لئے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور لوگوں پر ذرہ بھر ظلم نہ ہوگا مسلمانوں جب تم ایک میعاد مقررہ تک قرض کا لین دین کرو تو اُسکو لکھ پڑھ لیا کرو اور اگر تم کو لکھنا نہ آتا ہو تو تمہارے درمیان تمہارے باہمی قرارداد کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھدے اور جس سے لکھواؤ تو اس کے لکھنے والے کو چاہیئے کہ لکھنے سے انکار نکرے جس طرح خدا نے اُسے لکھنا پڑھنا سکھایا ہے اسی طرح اُسے بھی چاہیئے کہ بے عذر لکھدے اور جسکے ذمہ قرض عاید ہوگا وہی دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اللہ سے کہ وہ ہی اُسکا حقیقی کارساز ہے ڈرے اور بتاتے وقت قرض دہندہ کے حق میں کسیطرح کی کاٹ چھانٹ نہ کرے اور جسکے ذمہ قرض عاید ہوگا اگر وہ کم عقل ہو یا معذور یا خود ادائے مطلب نکر سکتا ہو تو اُسکا مختارکار ہے اور انصاف کے ساتھ دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اپنے لوگوں میں سے جن لوگوں پر تمہارا اطمینان ہو دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو پھر اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد دو عورتیں کہ اُن میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اُسکو یاد دلا دیگی اور جب گواہ شہادت کیلئے طلب کئے جائیں تو حاضر ہونے سے انکار نکریں اور معاملہ میعادی چھوٹا ہو یا بڑا اُسکی دستاویز کے لکھنے میں کاہلی نکرو خدا کے نزدیک یہ بہت ہی منصفانہ کارروائی ہے اور گواہی کیلئے بھی یہی طریقہ بہت ٹھیک ہے اور زیادہ تر قرین قیاس ہے کہ تم آیندہ کسیطرح کا شک شبہ نہ کرو مگر سودا دم نقد ہو جس کو ہاتھوں ہاتھ تم آپس میں لیا دیا کرتے ہو تو اُسکی دستاویز کے نہ لکھنے میں تمپر کچھ گناہ نہیں اور ہاں جب اس قسم کی خرید و فروخت کرو تو احتیاطاً گواہ کر لیا کرو اور نہ کاتب دستاویز کو کسیطرح کا نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو اور اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہاری شرارت ہے اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں معاملہ کی صفائی سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور اگر سفر میں ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے اور قرض لینا ہو تو رہن با قبضہ لیکے لو پس اگر تم میں سے ایک کا ایک اعتبار کرے تو جسپر اعتبار کیا گیا ہے یعنے قرض لینے والا اُسے چاہیئے کہ قرض دینے والے کی امانت یعنی قرض کو پورا پورا ادا کرے اور خدا سے جو اُس کا کارساز حقیقی ہے ڈرے اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اُسکو چھپائیگا وہ دل کا کھوٹا ہے اور جو کچھ بھی تم لوگ کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے اور جو

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا
مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ
فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ
الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ
وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ قف وَقَالُوْا
سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا
يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ
وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ
نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ
لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
اَنْتَ مَوْلٰىنَا
فَانْصُرْنَا
عَلَى الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ ۝

کچھہ آسمانوں میں اور جو کچھہ زمین میں ہے وہ سب اللہ ہی کا ہی اور جو تمہارے دلمیں ہے اگر اُسے ظاہر کردیا اسکو چھپاؤ اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا پھر جسے چاہیے بخشے اور جسے چاہیے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمارے یہ پیغمبر (محمدؐ) اس کتاب کو مانتے ہیں جو اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر اُتری ہے اور پیغمبر کے ساتھ دوسرے مسلمان بھی یہ سب کے سب اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُسکی کتابوں اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لائے کہ سب پیغمبروں کا دین ایک ہے اور ہم خدا کے پیغمبروں میں سے کسی کو بھی جدا نہیں سمجھتے یعنے سبکو مانتے ہیں اور بول اُٹھے ای ہمارے پروردگار ہم نے تیرا ارشاد سنا اور تسلیم کیا ای ہمارے پروردگار تیری ہی مغفرت درکار ہی اور تیری ہی طرف لوٹ کے جانا ہے اللہ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جسکے اُٹھانے کی اسمیں طاقت ہو جس نے اچھے کام کئے تو انکا نفع بھی اُسکے لئے ہی اور جسنے برے کام کئے تو انکا وبال بھی اسی پر ہی۔ ای ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو ہمیں اُسکے وبال میں نہ پکڑ اور ای ہمارے پروردگار جو لوگ ہمسے پہلے ہو گذرے ہیں جسطرح تو نے انکے گناہوں کی پاداش میں احکام سخت کا بار ڈالا تھا ویسا ہم پر نہ ڈال اور ای ہمارے پروردگار اتنا بوجھ جسکے اُٹھانیکی ہم میں طاقت نہیں ہم سے نہ اُٹھوا اور ہماری خطاؤں سے درگزر اور ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہم پر رحم کہا تو ہی ہمارا حامی و مددگار ہے تو ان لوگوں کے مقابلہ میں جو کافر ہیں ہماری مدد کر

قرآن مجید کی اس تمام عبارت سے بشرطیکہ فقیہانہ اعتقادات کی پٹی انکھوں سے کھول کے دیکھی جائے یہ بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ غربا کی حفاظت اور باہمی اتحاد قایم کرنے کے لئے ربوا کو حرام کیا گیا ہی قرآن مجید کا سیاق اسبات پر دلالت کرتا ہی کہ مدینہ میں ایک دوسرے کی ہمدردی کرنے اور کسی مسکین کو مدد دینے کا قاعدہ مطلق رائج نہ تھا اور اگر کوئی وقت ضرورت کسی کو کچھ دیدیا کرتا تھا تو اُسکا ڈیوڑا دگنا سود لے کے اور اُس بیچارہ کو برباد کردیتا تھا۔ سلسلہ کلام یہاں اس خوبصورتی سے واقع ہوا ہے کہ فقیہانہ ربوا کی پوری عقدہ کشائی ہوگئی اور صاف طور پر بتادیا کہ قرآن مجید جس ربوا کو حرام بتا رہا ہی وہ کیا ربوا ہی میں پہلے اسبات کا اظہار کر آیا ہوں کہ قرآن مجید میں ربوا کی اصلی حقیقت بیان نہیں کی کہ ربوا کیا چیز ہے اور لین دین کی اصطلاح میں ربوا کسے کہتے ہیں لیکن قرآن کریم نے صاف طور پر بتادیا کہ کس غرض سے ربوا حرام کیا گیا ہی اور مدینہ میں ربوا کس صورت سے رائج تھا۔ اور ربوا کی اصل کیا ہی اور کیوں ربوا کو حرام کیا گیا اور ربوا کیا نقصان پہنچا رہا تھا۔ آغاز میں خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہی گویا یہاں سے ربوا خواری کا بیان شروع ہوا ہی تمہید بڑی عمدگی اور بڑے روز بینی اُٹھائی گئی ہی سب سے پہلے انکی مثال جو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک ایسے باغ سے دیگئی ہی جو بلند قطع زمین پر

بنا ہوا ہو اور جس پر خوب زور کا مینہ پڑے اور اگر زیادہ بارش بھی نہ ہو تو صرف اوس اس باغ کو جو انگوروں اور کھجوروں کا ہے تر و تازہ بنا سکتی ہے۔ خداوند تعالیٰ کی اس مثال کا اثر مسلمانوں کے دل پر امید ہے زیادہ ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ ثابت قدمی اور نیک نیتی سے اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنا خداوند تعالیٰ کی خوشنودی اور اپنی بہبودی کا باعث ہے۔ یہاں قرض معاف کرنا تو کیسا سب سے پہلے اپنی ہی گرہ سے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا اسمیں خداوند تعالیٰ کا ایک یہ راز ہے کہ جب لوگ اپنی گرہ سے دینے کے عادی ہو جائیں گے تو پھر وہ روپیہ جو علاوہ راس المال کے اُن کا لینا ہے بخوشی چھوڑ دیں گے گویا یہ پہلی سیڑھی ہے ربوا کے کوٹھے سے نیچے اُترنے کی۔ خاص اس راز کو جو میں نے بیان کیا ہے بہت کم مفسروں نے خیال کیا سمجھا اور اُس پر غور کیا جب طبایع مطمئن ہو گئیں اور خوشی خوشی خدا کی راہ میں صرف کرنے لگیں تو پھر خداوند تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اپنی عمدہ چیزوں میں سے دو یہ گویا سیڑھی کا دوسرا پایہ تھا جو بام ربوا سے اُترنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ پہلے حکم میں اچھی بُری چیز کی تمیز نہیں کی گئی صرف خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے لیکن دوسرے حکم میں جب طبائع انسانی پہلے حکم کی عادی ہو گئیں اچھی بُری چیز کا فرق کر دیا ہے۔ اچھی چیز وہ ہے جو ہمارے گاڑھے پسینہ کی کمائی سے حاصل ہوئی ہو اور جس کے حاصل کرنے میں سر کا پسینہ ایڑی تک بہا ہو۔ کسی کی دل آزاری سے ہم نے وہ چیز حاصل نہ کی ہو مثلاً چوری۔ دغابازی اور فریب سے نہ کی ہو ایسی چیز اچھی ہے اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے قابل ہے۔ اچھی چیز اور بھی کئی معنی اپنے میں پوشیدہ رکھتی ہے۔ اچھی چیز کے پردہ میں راس المال چھپا ہوا ہے جس سے وہ روپیہ جو غربا سے زاید لیا گیا ہے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ اس راز کا پردہ خود خداوند تعالیٰ نے آگے جا کے اُٹھا دیا۔ پھر اسکے آگے بطور تنبیہ فرماتا ہے کہ ہم جو اپنی راہ میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں کہیں نادانی سے یہ نہ سمجھ جانا کہ تمہاری چیز کی ہمیں خواہش ہے ہماری ذات بے نیاز اور سزاوار حمد و ثنا ہے۔ یعنی جو کچھ ہم دلواتے ہیں تمہارے فائدہ اور بہبودی کے لئے تاکہ تم آدمی بنو تمہیں دنیا اور دین دونوں میں سرسبزی حاصل ہو۔ ہم خود تو بے نیاز ہیں ہمیں ان میں سے ایک چیز کی بھی حاجت نہیں۔ ہماری ذات علاوہ بے نیاز ہونے کے حمد و ثنا کے قابل بھی ہے ہماری حمد و ثنا کیا کرو اور اپنی نیک کمائی کا حصہ اپنے غریب بھائیوں کو دیا کرو اگر اس حکم کی بجا آوری نیک نیتی اور ثابت قدمی سے کی پس یہی ہماری حمد و ثنا ہے ہماری ذات تمہاری کسی چیز کی احتیاج نہیں رکھتی ہم حمد و ثنا کے قابل ہیں اور ہماری حمد و ثنا یہی ہے کہ تم ہمارا حکم مانو اور خوشی خوشی اُس پر کاربند ہو۔ اسکے بعد تنگدستی اور بخل کا تذکرہ کیا گیا ہے یعنے یہ شیطانی باتیں ہیں کہ تم تنگدستی سے ڈرتے ہو اور اسلئے بخل کرتے ہو کہ اگر ہم نے روپیہ خرچ کر دیا۔ تو ہم تنگدست ہو جائیں گے تنگدستی سے خوف کھانا اور بخل کی طرف رجوع ہونا یہ شیطانی وسوسے ہیں عین انسانیت کو اس کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے تنگدستی سے وہی شخص ڈرتا ہے جو نامرد ہے اور تمام قوائے ملکیہ اُسکے ایسے مضمحل ہو گئے ہیں کہ وہ انسانیت سے بھی گزر گیا اور قوائے بہیمیہ نے اُس پر غلبہ کر لیا۔ استقلال۔ مردانگی۔ حوصلہ۔ جرأت دلیری یہ صفتیں ہیں جو انسان کی ذات میں روز ازل سے ودیعت ہوئی ہیں۔ انہی صفتوں کی وجہ سے انسان انسان کہلایا جاتا ہے۔ جب وہ معمولی باتوں سے ڈرنے اور خوف کھانے لگا تو یہ صفتیں اُس کی ذات

میں سے قوائے بہیمہ نے سلب کرلیں پھر بصورت انسان چوپایا ہو گیا- خدائے توانا و بزرگ کا یہ منشا ہے کہ جب ہم نے اپنی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا تو لوگوں کے دلوں میں ڈر یہ پیدا ہوا مبادا ہم تنگدست ہو جائیں اسلیئے اُن کے زبون ترین خیالات یا قوائے خبیثہ یا شیطان اسبات پر آمادہ کرتا ہی کہ تم بخل کرو یعنی اپنے بھائیوں کی ہمدردی نہ کرو تنگدستی سے بلا وجہ خوف کرنا اور اس بے بنیاد خوف سے بخل کرنا عین انسانیت کے حق میں زہر ہلاہل ہے اُس بے بنیاد خوف کو مٹانے کے لئے خداوند تعالیٰ فرماتا ہی کہ ہم خطاؤنکو بخشتے ہیں اور برکت دیتے ہیں یعنی جو شخص محض نیک نیتی اور ثابت قدمی سے ہماری راہ میں اپنی اچھی چیز دے گا اُسکے گناہوں سے چشم پوشی کی جائے گی جن لوگوں کا خدا پر ایمان ہی اور جو اس ذات وحدہ لاشریک کو مشکل کشا مانتے ہیں وہ اس وعدہ خداوندی پر سر خم کر دینگے سمجھنے اور غور کرنے کا مقام ہی کہ خدائے توانا اور بزرگ کو اسکی کیا ضرورت پڑی کہ اپنی مخلوق سے وعدہ کرے اور ہر پہلو سے سمجھائے اُس ذات کے لئے صرف یہی کافی ہی کہ احکام نافذ فرمادی اور بس لیکن اسکی رحمت اور اپنے بندوں کی محبت ہی کہ وہ احکام بھی دیتا ہی اور وعدہ بھی فرماتا ہی ان وعدوں پر بھی اگر کوئی شخص ذرا بھی شبہ کرے تو اُس سے زیادہ دائمی جہنم کا وارث کون ہو سکتا ہی پہلے یہ حکم ہوا کہ ہماری راہ میں خرچ کرو پھر یہ حکم ہوا کہ اچھی چیز خرچ کرنا پھر یہ فرمایا گیا کہ تنگدستی سے خوف کھاکے بخل نہ کرو اسکے بعد یہ ارشاد ہوا کہ اگر تم نے ان احکام پر عمل کیا تو ہم تمہاری خطائیں بھی بخشدینگے اور تمہیں برکت بھی دینگے- اسکے بعد اپنی عظمت جتانے کے لئے صرف اسواسطے کہ ہم اپنے جہل اور کم ظرفی سے یہ سمجھنے لگیں کہ برکت کیونکر ہو گی جب ایک چیز خرچ کی جائے گی تو ضرور ہے اس میں کمی واقع ہو اُس پر انتہا درجہ رحمت اور جبروت خداوندی سے یہ فرمایا گیا کہ ہم بڑے گنجایش والے ہیں- پھر فرمایا ہے کہ ہم سب کے حال سے واقف ہیں جسے چاہتے ہیں- بات کی سمجھ دیتے ہیں اور جسے بات کی سمجھ دیگئی گویا اسنے بڑی نعمت پائی اور نصیحت وہی مانتے ہیں جو سمجھدار ہیں؛

منشائے باری یہ ہی کہ ہمارے احکام وہی مانتے ہیں جن میں فہم و ادراک موجود ہی اور جنہیں بات سمجھنے کی قابلیت دیگئی ہے گویا اُنہیں بڑی نعمت ملگئی اسلیئے کہ سمجھدار ہی نصیحت مانتا ہی یعنے ناسمجھ اور بدقسمت ہیں وہ جو ہماری نصیحت پر عمل نہ کریں- نہ اُن کے لئے گنجائش ہے نہ برکت ہی اور نہ نعمت ہی اس حکم خداوندی کا راز یہ ہی کہ ہمارے احکام ایسے صاف- صریح اور روشن ہیں اور جنکے ساتھ تمدن- تہذیب اور نفع رسانی مخلوق وابستہ ہی کہ اُنپر چلنے اور دل و جان سے ان کی تعمیل کرنے کی خواہش اُن ہی لوگوں میں ہوگی جو نیک سمجھ رکھتے ہیں جو ہمارے احکام کی تعمیل نہیں کرتے وہ ناسمجھ ہیں یعنی احکام کی یہ خوبی ہے کہ سمجھدار آدمی از خود مان لے؛

طبایع انسانی کا تقاضا یہ ہی کہ جب وہ کسی کے حکم کی تعمیل کرتا ہی تو سب سے پہلے اُسے یہ خیال ہوتا ہی کہ جس نے مجھے حکم دیا ہے اور میں نے اس سرگرمی سے اُسکے حکم کی تعمیل کی ہی وہ بھی میری اس جانفشانی کو دیکھے اسلیئے خداوند تعالیٰ نے عام طبایع کا لحاظ فرماکے یہ ارشاد کیا ہی کہ جو خیرات ہمارے نام پر دیجائیگی اس کا ہمیں علم ہے اور ہم اُس سے بے خبر نہیں ہیں اپنے آقائے حقیقی اور خالق اکبر کا یہ فرمانا مزید اطمینان کا باعث ہو سکتا ہی پھر نہایت جلال اور اپنی کبریائی کے زور میں تنبیہ کناں فرماتا ہی کہ جو لوگ غیر خدا کی منت وغیرہ مان کے ہمارا حق

مارتے ہیں قیامت کے دن کوئی اُن کا مددگار نہ ہوگا اس قول خداوندی کا سمجھنا مشکل ہی خدا کا حق مارنا کیا
ور غیر خدا کی منت ماننا کیا معنی خدا کی ذات سب باتوں سے بے نیاز ہی پھر اُس کا حق کیونکر غصب ہو سکتا ہے
اور ضعیف انسان کی کیا مجال ہی جو قادر مطلق اور خدائے توانا بزرگ کا حق مار سکے۔ اس میں ایک خاص بھید ہے اور
اس بھید کو وہی شخص سمجھہ سکتا ہی جسکا قلب تجلیات ربانی سے منور ہو چکا ہی غیر خدا کی منت ماننے خدا کا حق غصب کرنیکے معنی یہ
ہیں کہ جو چیز دیجائے اللہ ہی کے نام دیجائے۔ اللہ کے نام دینے سے یہ غرض ہی کہ پھر اُسکا مطالبہ نہ کیا جائے اور یہ سمجھے کہ جو کچھ میرے
پاس ہے خدا کا ہی اُسی کی راہ میں دیتا ہوں خیرات کرنے سے کسی قسم کا غرور پیدا نہیں ہوگا نہ لینے والے پر احسان رکھا جائے
گا یہ تعلیم ہے در پردہ توحید کی اور اس سے زیادہ زبردست تعلیم خداشناسی کی اور ہو نہیں سکتی۔ غیر خدا کے نام پر دینے
کے یہ معنی نہیں ہیں جیسا کہ اکثر مفسروں نے سمجھے ہیں کہ کسی بت پر خرچ کرنا یا کسی پیر شہید ولی دیوتا۔ قطب ابدال کے
نام پر دینا بلکہ اس کی غرض یہ ہے کہ جس کسی کو بطور معاونت کچھ دو اُسے اپنا سمجھہ کے کچھ نہ دو کیوں کہ ایسے دینے
سے خودسری اور بداخلاقی پیدا ہوتی ہی جو روپیہ دیا جائے یہ سمجھہ کے دیا جائے کہ یہ اللہ کا دیا ہوا ہے اور اُسی
کی راہ میں جاتا ہے میں خود اس مال میں کچھ اختیار نہیں رکھتا جسے چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے اگر کسی
غریب کو روپیہ سودی دیا تو گویا اس میں اللہ کا حق مارا اسلئے کہ اُسکی راہ پر نہیں دیا اُسکی راہ پر دیا جاتا
تو زیادہ لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ خداوند تعالیٰ نہیں چاہتا کہ مال تو اُس کا اور دوسرا شخص تصرف بیجا
کرکے اپنے ایک بھائی کو اُس سے نقصان پہنچائے اللہ اکبر یہ ایسی حکیمانہ تعلیم ہے جسکے ایک ایک لفظ میں صدہا
دفاتر اخلاق تمدن اور توحید کے چھپے ہوئے ہیں اور جنہیں وہ ہی نظریں دیکھ سکتی ہیں جو روح القدس کے
نور سے منور ہو چکی ہیں۔ پھر آگے تنبیہًا فرماتا ہے کہ اگر خیرات علانیہ دو تو وہ بھی اچھا اور اگر اُسکو چھپاؤ اور
حاجتمندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے یہ بات بھی زیادہ غور و توجہ کی محتاج ہے عجیب حکیمانہ قول
ہے اے خدائے توانا و بزرگ یہ حکمت تجھی کو سزاوار ہے بیشک تو بہت بڑا حکیم ہے اور تجھسے زیادہ تمام کائنات
میں کوئی نہیں ہے علانیہ اور پوشیدہ دینے کے حکم میں عام طبایع انسانی کا کتنا لحاظ کیا گیا ہی۔ اگر پہلے ہی یہ فرما
دیتا کہ چھپا کے دو تو انسان کی کمزور طبایع شاید اُسے بہت جلد قبول کرتے ہوئے ہچکچاتیں کیونکہ عام میلان طبع
ناموری کی طرف ہے اور ہر شخص خواہ ولی کامل ہو یا شاہ زمان یہی چاہتا ہی کہ کوئی صورت ایسی نکلے کہ لوگ
مجھے اچھا سمجھنے لگیں اور نیکی میں میری شہرت ہو ان طبایع کا لحاظ فرما کے پہلے یہ ارشاد کردیا کہ اگر خیرات ظاہر میں
دو تو وہ بھی اچھا مگر تمہارے حق میں بہتر یہی ہی کہ ہر حاجتمند کو چھپا کے دو۔ پہلی بات کو فضل اور دوسری کو افضل
ترین ٹھیرانا ایک خاص راز باری ہے جو عام طور پر نہیں سمجھہ میں آتا۔ چھپا کے دینے سے ہمارا بہت بڑا فائدہ ہے اگر
ہمیں چھپا کے دینے کی عادت ہی تو ہمارے دل میں وقار۔ استقلال۔ تحمل۔ اور عظمت پیدا ہوگی اور راز چھپانے
کی قابلیت پیدا ہوگی۔ جب یہ قابلیت پیدا ہو جائے گی تو ہمارا وقار لوگوں میں بڑھے گا اور ہر شخص عزت کی
نظروں سے ہمیں دیکھے گا۔ ہم اپنا راز اچھی طرح چھپا سکینگے اور اس راز چھپانے کی بدولت ہمیں دنیا میں
کامیابی ہوگی۔ دنیا کے جتنے کام چلتے ہیں محض راز سے دس دیلے کے کام سے لیکے کروڑ روپیہ کا کام محض

راز کی بنا پر چل رہا ہی بڑی بڑی سلطنتیں راز پر قایم ہیں اگر آج کسی سلطنت کا راز فاش ہو جائے تو صفحہ ہستی پر قایم نہیں رہ سکتی راز کے دل میں رکھنے کی قابلیت خواہ وہ اپنا راز ہو یا غیر کا معمولی بات نہیں ہی اسکے لئے ایک زبردست دل و دماغ کی حاجت ہی اور راز رکھنے کے لئے ایک ایسا باوقار دل چاہیئے کہ ہزارہا ہچکولوں سے بھی اپنی جگھہ سے جنبش نہ کھا سکے۔ ہزاروں میں ایک آدھ شخص ایسا نکلتا ہے اور وہ اپنے جلسہ احباب میں زیادہ وجیہہ اور وقیع گنا جاتا ہے اور جس شخص کی یہ عادت نہیں ہوتی اوسکی نہ تو زیادہ وقعت ہوتی ہی اور نہ وہ اپنے دنیاوی مقاصد میں کبھی کامیاب ہوتا ہے۔ اگر راز افشا کرنے کی زیادہ عادت پڑ گئی تو لوگ اس سے خوف کھاتے ہیں اسکی وجہ سے دیرینہ دوستوں میں بگڑ جاتی ہی خاندان میں نااتفاقی اور بھائیوں میں رنجش ہو جاتی ہے غرض ایسا شخص تمدن اور اتحاد کے حق میں زہر ہے اسلئے خداوند تعالی نے عام طبایع کا خیال فرماکے بجھے ہوئے طور پر پہلے یہ فرمایا کہ علانیہ دینا اچھا تو ہے یہ ایسے الفاظ ہیں جن سے دلی خواہش ظاہر نہیں ہوتی مثلاً ایک دوست اپنے دوست سے پردیس جانے کی خواہش کرے اور وہ دل سے منظور نہ کرے مگر پاس اتحاد یہ کہدے اچھا جاؤ مگر تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ نہ جاؤ۔ اسکے یہ معنی ہیں کہ وہ روکتا ہے اور اپنے دوست کا چلا جانا پسند نہیں کرتا اسیطرح خداوند تعالی نے یہ فرمایا اگر خیرات ظاہر میں دو تو وہ بھی اچھا اور اگر اُسکو چھپاؤ اور حاجتمندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔ ایک حکم سے مرضی پائی جاتی ہی اور مجھے اسبات کا فخر ہی کہ مطلب خداوندی کی اس تہ تک محض روح القدس کی تائید سے میں پہنچا ہوں یہانتک کسی مفسر کا خیال نہیں کیا اور سب نے آیت کے ظاہری معنی سمجھ کے ایک کو افضل اور دوسرے کو افضل ترین قرار دیدیا حالانکہ ایک ممنوع اور دوسرا جائز ہے پھر آگے جاکے تو صاف کھولدیا کہ چھپاکے دینا تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ گناہوں کے کفارہ ہونیکے یہ معنی نہیں ہیں کہ جو گناہ سابق میں کر چکے ہو وہ معاف ہو جائیں گے یا جو گناہ آگے کروگے اُن کا کفارہ ہو جائے گا بلکہ گناہوں کے کفارہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دل میں نیکی اور خداپرستی کی بنیاد قایم ہوگی۔ اور اپنی گزشتہ خطاکاریوں سے ہر قسم پشیمان ہونے کا مادّہ پیدا ہوگا اور اسطرح اپنی فروگزاشتوں پر پشیمان ہونیکے یہ معنی ہیں کہ انسان انسانیت کے درجہ کمال پر پہنچ جائے اور اخیر اپنی قوم اور ملک کے لئے ایک اعلی درجہ کا نمونہ ثابت ہو +

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے خبردار ہے۔ تمہاری کوئی بات اُس سے چھپی ہوئی نہیں ہے اگر اُسی کا یقین دل میں ہو جائے تو پھر کسی قسم کا گناہ انسان نہیں کر سکتا۔ جل جلالہ اے رب العرش اور خدائے کائنات کیا تیری شان ہے کہ تو صرف دو لفظوں میں کتنے وسیع دفاتر حکمت اور علم کے بیان کر جاتا ہے یہ فرمانا "جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے خبردار ہے" ایک اعلی درجہ کی تعلیم ہے جسکا مثل نہیں ملسکتا۔ کاش دل میں عقیدہ سے گزرکے یہ یقین ہو جائے کہ خدا کو ہماری سب باتوں کا علم ہے تو پھر اس سے زیادہ صفائی قلب اور کامل انسانیت اور کیا ہو سکتی ہی۔ تمام گناہوں سے مبرا اور تمام کمزوریوں سے پاک ایک قابل تحسین انسان بن سکتا ہے +

اسکے بعد ارشاد ہوا ہے "اے پیغمبر ان لوگوں کو راہ راست پر لانا تمہارے ذمہ نہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہی راہ راست پر لاتا ہی" اس آیت کی اصلی مفہوم کی طرف بہی بہت کم مفسر گئے ہیں اور اسکے اصلی معنی سمجھنے میں زیادہ غور نہیں کی گئی

خداوند تعالیٰ نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ اے پیغمبر ان لوگوں کا راہ راست پر لانا تمہارے ذمہ نہیں ہے۔ یعنی تمہیں محض ہمارے احکام پہنچا دینے کیلئے بھیجا ہے۔ کسی کو راہ راست پر لانا تو ہمارے اختیار میں ہی۔ اس ارشاد خداوندی سے ایک تو وہ الزام کہ قول رسول بھی اثر نہیں رکھتا اُٹھ گیا۔ جب ہر شخص کی ہدایت خدا کی مرضی پر موقوف ہی تو کوئی کیا کر سکتا ہی۔ دوسرے یہ بتا دیا کہ جو کچھ ہیں ہم ہیں۔ ہم ہی ہدایت کرتے ہیں اور ہمارا ہی کل اختیار ہی۔ رسول اس سے بری ہے کہ اُس سے جواب طلب کیا جائے کہ تو راہ راست پر کیوں نہ لایا۔ اُسے کیا غرض۔ اُسکا کام ہماری وحی کو تمہارے آگے پڑھ دینا ہی۔ اب ماننا نہ ماننا تمہارے اختیار میں ہے۔ جسکو الہامی محاورے میں یوں کہا جاتا ہی کہ اللہ جسکو چاہتا ہے راہ راست پر لاتا ہی۔ توحید کا سبق۔ پیغمبر بری الذمہ۔ اپنی عظمت اور جلال قائم یہ تین چوٹی کے مفہوم ہیں جو اس دو لفظی جملہ سے نکلتے ہیں +

اس حکم کے بعد ارشاد ہوتا ہے "اور جو تم لوگ کچھ بھی خیرات کیطور پر خرچ کروگے سو اپنے لئے اور تم تو خدا ہی کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرتے ہونا" اس سے بہتر ترتیب مضامین اور انسانی طبایع کے اُتار چڑھاؤ پر نظر کرکے احکام کا نافذ فرمانا عقل انسانی کے احاطہ میں نہیں آسکتا۔ شفقت خداوندی کی انتہا ہوگئی۔ رحمت کے دروازے کھل گئے۔ نجات کے چشمے بہنے لگے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو اب بھی اس سے فیضیاب نہو اور سمجھ کے عمل نکرے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ خدا کے نام پر دینا خود اپنے لئے فائدہ جمع کرنا ہے۔ یہاں حضور خداوندی سے خود اس راز کا پردہ اُٹھ گیا۔ یعنی صاف الفاظ میں یہ بشارت دیدی گئی۔ جو کچھ خرچ کروگے اپنے لئے۔ خداوند تعالیٰ تو ان سب باتوں سے بے نیاز ہے۔ اُسکی رضا جوئی پر کوئی چیز خرچ کرنی گویا اپنے لئے خرچ کرنی ہے اللہ غنی فرماتا ہے کہ میری رضا جوئی اسمیں ہے کہ تم اپنے فائدہ کے لئے کچھ کرو۔ اس سے زیادہ محبت اپنی مخلوق سے اور کیا ہو سکتی ہے عیسائیوں کا تو یہ ایک معمولی جملہ ہے کہ خدا محبت ہے۔ لیکن انجیل یا توراۃ کے کسی کلمہ سے خدا کی محبت کا ثبوت نہیں ملتا۔ برخلاف اسلام کے کہ قرآن کے ایک ایک جملہ میں محبت ہی محبت بھری ہوئی ہی اور یہ ایسی محبت ہی جسکی نظیر ملنی محال ہی۔ اسی محبت کی بنا پر نافرمان کے لئے سخت اور شدید عذاب کا ڈر دیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس محبت پر بھی کوئی ہماری نافرمانی کرے گا تو اُسے ہم سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

اسمیں شبہہ نہیں کہ ایسی احسان فراموشی اور منعم کشی کی یہی سزا ہی۔ اس محبت اور مہربانی کے بعد اگر کوئی سرکشی کرے تو وہ جہنم کا دائمی وارث بننے کے قابل ہی۔ ان وعدوں اور اطمینان سے جو بار بار خداوند تعالیٰ دیتا ہے انسانی طبایع کا عقدہ حل ہو جاتا ہے چونکہ انسان کمزور فطرت کا پیدا کیا گیا ہی اس لئے اُسکی طبیعت کی کمزوری پر غالب آنیکے لئے یہ علی التواتر وعدے کئے گئے ہیں اور ان بار بار کے وعدوں سے جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں رب العرش کی انتہائی محبت اپنی مخلوق سے پائی جاتی ہی۔ مزید اطمینان کے لئے اور محبت پوری ہونیکے واسطے یہ ارشاد کرتا ہے "اور جو کچھ بھی خیرات کے طور پر خرچ کروگے قیامت کے دن تمہیں پورا پورا بھر دیا جائیگا اور تمہارا کچھ حق نہ مارا جائیگا" یہ دوسرا صلہ ہے اُن لوگوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں اُسکے دئے ہوئے کو خرچ کرتے ہیں کہ دنیا میں تو انہیں سرسبزی حاصل ہوگی مگر قیامت کے دن بھی اُنہیں اسکا صلہ دیا جائیگا۔ اور جو کچھ اُنہوں نے دیا ہی وہ پورا پورا بھر دیا جائے گا۔ خداوند تعالیٰ خود دیتا ہے خود ہی خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور اپنے ہی مال کے دینے کے کئی کئی صلے بھی رکھے ہیں یہ ہے رحمت اور محبت جو قادر مطلق اپنی مخلوق کے ساتھ کرتا ہی۔ اس محبت کی نظیر دنیا کی کسی الہامی کتاب میں نہیں ملتی

پھر فرمایا ہی "خیرات تو اُن حاجتمندوں کا حق ہی جو اللہ کی راہ میں گھر بیٹھے ہیں ملک میں کسی طرف جانا چاہیں تو جا نہیں سکتے

جو شخص اُنکے حال سے بیخبر ہے وہ اُنکی خودداری کیوجہ سے اُنہیں غنی سمجھتا ہی - لیکن اے مخاطب تو اُنہیں دیکھے تو اُنکی صورت سے صاف پہچان جائے کہ محتاج ہیں مگر ہاں لگ لپٹ کے لوگوں سے نہیں مانگتے ہیں اُنہیں دیتا کسیطرح بھی ناجائز نہیں ہے - اگرچہ قرآن میں صریح طور پر اسکی نفی نہیں کی گئی - لیکن محتاجوں کی خاص صورت بیان کرکے تخصیص کردی گئی - اگر تخصیص نہ کیجاتی تو یہ سمجھنا مشکل تھا کہ محتاج کسے کہتے ہیں اور محتاج کا مفہوم کیا ہے +

لگ لپٹ کے مانگنے کی سخت حقارت کی گئی ہی اور اِسکو ایک خلاف انسانیت فعل سمجھ کے محتاجین کو اس سے بچایا گیا ہی مہذب ممالک میں یہ قاعدہ جاری ہی کہ مُنہ سے خیرات نہیں مانگتے بلکہ اپنے گلے میں ایک تقطیع ڈال لیتے ہیں جس میں یہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ ہم محتاج ہیں ہمیں کچھہ دو اسیطرح بعض غریب عورتیں یہ کرتی ہیں کہ برقع اوڑہ کے ایک ہاتھ باہر نکال کے بیٹھ جاتی ہی - اگر کسی نے ہاتھ پر پیسہ رکھدیا لیلیا - اور نہ رکھا خاموش ہیں - مانگنے کا یہ طریقہ اگرچہ لپٹ کے مانگنے سے مستحسن ہے لیکن قرآن مجید اِسکو بھی جائز نہیں قرار دیتا - وہ ارشاد کرتا ہے کہ صورت ہی ایسی ہونی چاہیئے کہ نہ اشارہ کی ضرورت پڑے اور نہ زبان سے کہنے کی اِس سے زیادہ تہذیب اور نہیں ہو سکتی اور جو اب تک متمدن یورپ کو بھی میسر نہیں ہی - ایسا قانون محتاجوں کیلئے تیرہ سو برس ہوئے اسلام نے بنایا جو اس متمدن اور ترقی کناں زمانہ میں یورپ کو اب تک نصیب نہیں ہوا +

اپنی لاثانی محبت اور رحمت کا اظہار کرنیکے لئے پھر خیرات کرنیوالوں کو آیندہ صلہ ملنے کی بشارت دی - بشارت کی یہ تکرار اس رب الافواج کا تعلق بتاتی ہی جو اُسے اپنے بندوں سے ہی - یہ سب بیان کرنیکے بعد اصل مطلب کو یوں بیان فرماتا ہی "جو لوگ سود کھاتے ہیں قیامت کے دن کھڑے نہ ہو سکیں گے - مگر اُس شخص کی طرح جسکو شیطان نے لپٹ کے خبط الحواس کردیا ہی" مطلب خداوندی یہ ہے - جسکی اتنی لمبی چوڑی تمہید اُٹھائی گئی ہے معمولی سمجھ کا آدمی بھی اسکو اچھی طرح سمجھ سکتا ہی کہ غریبوں اور محتاجوں سے ہمدردی کرنے اور اُنہیں مدد دینے کی برابر تاکید کرتے کرتے اُسی کے ضمن میں ایک دوسری قسم کی خیرات کا اشارہ فرمایا یہ اسلئے کہ اگر کبھی کسیکو دینا ناگوار گزرے تو دوسری صورت دینے کی یہ ہی کہ بطور قرض کے دیدی - لیکن اس صورت سے دیا جائے کہ جتنی رقم دی گئی ہی اُسیقدر لیجائے - مزید برآں وہ قرض حسنہ ہو اگر دینے والے کو وسعت نہیں ہے تو معاف بھی کردے یہ بھی ایک قسم کی خیرات ہی جو طبائع انسانی کو ملحوظ رکھ کے بتائی ہی - بعض ایسی غیور طبائع ہیں کہ مرنا قبول کرتی ہیں لیکن کسی سے مفت لینا اُنہیں ناگوار گزرتا ہے یا دینے والوں کو برا معلوم ہوتا ہی - اس لحاظ سے خداوند تعالی نے خیرات کے ضمن میں یہ ارشاد کیا کہ قرض دو مگر راس المال سے زیادہ نہ لو - خیرات کے ساتھ ساتھ اس کا بیان کرنا یہ معنی رکھتا ہی کہ خیرات کے دو حصے کردئے ہیں ایک وہ خیرات جو بلا خواہش وصول رقم دی جائے - ایک وہ خیرات جو اس نیت سے دی جائے کہ اگر وصول ہوگیا تو لیلیا نہ وصول ہوا تو دل سے معاف کردیا - ربوا کا امتناع فی الحقیقت ایک اعلیٰ درجہ کی خیرات ہی - نہ دینے والیکا دل دُکھتا ہی نہ لینے والا شرمندہ ہوتا ہی - جس ربوا کی تیسری چوتھی صدی ہجری میں ایک خوفناک صورت پیدا ہوگئی وہ ربوا صرف ایک خیرات ہی - جس کی تعلیم مسلمانوں کو دی گئی ہی - مساکین کو مدد دینے کے ذکر میں ربوا یعنے راس المال سے زیادہ رقم لینے کا جو ذکر کیا گیا ہی وہ ربوا کے اصلی معنی بتاتا ہی نہ اسمیں منطقی پیچیدگی ڈالنے کی ضرورت ہی اور نہ فقہی مینمیکھ کو دخل دینے کی حاجت ہی - خداوند تعالی کا یہ فرمانا کہ جو شخص ربوا لیتا ہی وہ قیامت کے دن سیر آگے مجنوں بنکے کھڑا ہوگا - خداوند عزت نے ایسے شخص کو جو مساکین کی مدد نہ کرے بلکہ مدد کرنے کے بعد الٹا برباد کرنا چاہے مخبوط الحواس ٹھیرایا ہی - ایک شخص کو رقم دیکے اُس نے امداد تو ضرور کی لیکن نادانی یہ کی تھوڑے

سے منافع پر امداد دینے کے سارے ثواب اور خوبی کو مٹا دیا۔ بیشک ایسا شخص اس قابل ہے کہ خدائے عزت کے حضور خبط الحواس بن کے
کھڑا ہو اور میدان حشر میں اُسپر نفرت کی نگاہیں پڑیں۔ اور تمام حاضرین اُسے مجنون سمجھیں لیکن اس خبط الحواس میں اور اُس مجنون
میں جو مرض کی وجہ سے حواس باختہ ہو جاتا ہے فرق ہے۔ سود خوار اُس مجنون کی صورت میں کھڑا ہوگا جسے شیطان نے اپنی جپیٹ
سے خبط الحواس کر دیا ہو۔ اُسمیں اپنی ذات اور تکلیف روحانی کے حس کرنیکی قابلیت ہوگی وہ ذلیل کیا جائیگا اور اُسے سمجھے گا کہ
میں ذلیل کیا گیا۔ وہ سرنگوں ہوگا اور سمجھے گا کہ میں سرنگوں ہوا ہوں۔ اُسپر عذاب ہوگا۔ وہ سمجھے گا کہ ہاں مجھے اپنے اعمال کی سزا
مل رہی ہے۔ غرض یہ ایسا خبط الحواس ہوگا کہ جسکے حواس خمسہ درست ہونگے۔ اور وہ اپنی تمام رسوائیوں اور ذلتوں کو حس کر سکیگا
اس آیت میں ایک بات اور بھی دیکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے سود خواری پر خبط الحواس نہیں قرار دیا
بلکہ اس چوری اور سینہ زوری پر کہ آگاہ ہونیکے بعد بھی یہی کہتا ہے کہ میں بُرا کیا کرتا ہوں۔ راس المال سے ایک معینہ رقم زیادہ
لینا محض بیع یعنے خرید و فروخت میں داخل ہے۔ اس آگاہ کرنے پر بھی کمبخت یہ کہتے ہیں کہ ربوا کیسے یہ ایک لین دین ہے جو بالکل
بیع ہے اور مثل معاملہ سود کے ہے۔ حالانکہ یہ بات نہیں ہے۔ ہم نے بیع کو حلال اور ربوا کو حرام کر دیا ہے یعنے جب ہم نے اتنی بڑی تفریق
کر دی پھر کتنی حماقت ہے کہ یہ لوگ بیع اور ربوا کو یکساں سمجھے جاتے ہیں۔ ان سے زیادہ شیطانی مخبوط الحواس اور کون ہو سکتا ہے
کہ خدا تو یہ فرماتا جاتا ہے کہ ربوا کو بیع پر قیاس نکرو اور یہ کج فہم ربوا کو بیع پر قیاس کئے جاتے ہیں چونکہ اس وجہ سے جو راس المال
سے زیادہ لیا گیا ہے اور جسکو الہامی محاورہ میں ربوا سے تعبیر کیا گیا ہے نفس الامر کوئی برائی نہیں ہے خداوند تعالیٰ نے یہ فرما دیا
کہ سود لیچکے ہو وہ تمہارا مال ہے آئندہ کیلئے اس سے احتراز کرو۔ جب ہم نے منع کر دیا تو پھر تم اصل رقم سے جو غربا کو بطور امداد
دیچکے زیادہ لینا کیوں جائز سمجھتے ہو اگر ایسا کرو گے تو تم جہنمی ہو۔ خداوند تعالیٰ جسنے تمہید ربوا میں کس کس محبت اور کس کس شفقت سے
اپنی مخلوق کو خیرات دینے کیلئے فرمایا ہے اور کتنے وعدے وعید کئے ہیں اور مختلف صلوں کی کیا کیا بشارتیں دی ہیں اگر پھر بھی
وہ سرکشی کئے جائیں اور احکام خداوندی کو پس پشت ڈالدیں۔ تو اُنکی سزا سوائے جہنم کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ ایسا احسان فراموش
شخص نافرمان ہی نہیں ہے بلکہ سخت بے ادب ہے۔ اور اُسے ضرور سزا ملنی چاہیئے۔ اور وہ سزا دائمی ہو۔ کیونکہ دائمی نعمت کے وعدہ کو
اُس نے پس پشت ڈالدیا ہے۔ اور اُس وحدہ لاشریک کے حکم سے بے پروائی کی ہے جو غیر فانی ہے اور ابد الآباد تک قایم و حی ہے
اسلئے اُس قادر مطلق کے نافرمان کو سزا بھی دائمی ملنی چاہیئے ؎

پھر فرماتا ہے ”اللہ سود کو گھٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور جتنے ناشکر ہیں اور کہنا نہیں مانتے خدا اُن سے راضی نہیں“
اس گھٹنے اور بڑھنے کی تفسیر میں گزشتہ صفحوں میں کر آیا ہوں۔ یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ ربوا کو خیرات کے ساتھ ساتھ فرمایا ہے
جسکا مقصد یہ ہے کہ ربوا کا نہ لینا داخل خیرات ہے جو محتاجوں اور مسکینوں کو دی جاتی ہے۔ تو سود مسکینوں سے اس طرح لینا
جیسا عرب میں قاعدہ تھا کہ دُگنے اور ڈیوڑھوں پر معاملہ ہوا کرتا تھا حرام مطلق ہے۔ یہ آیت زیادہ توجہ کرنیکے قابل ہے کیونکہ
خداوند زمین و زمان نے ربوا کی اصلی حقیقت کا پردہ اُٹھا دیا ہے اور بتا دیا ہے کہ ربوا خیرات کا مد مقابل ہے۔ اس کمبخت ربوا
سے خیرات کو صدمۂ عظیم پہنچتا ہے ہاں اگر ربوا موقوف ہو جائے تو خیرات باسانی جاری ہو سکتی ہے۔ ربوا کے ساتھ خیرات کا ہونا
محال ہے۔ قرآن مجید کا سیاق کلام صاف بتارہا ہے کہ غریبوں سے بجائے خیرات کرنے یا اُنہیں مدد دینے کے سود نہ لو جب خدا
ایک شے کو جائز اور ایک کو ناجائز کر چکا پھر تم سود لینے والے کون جن محتاجین کا گزشتہ آیت میں ذکر آیا ہے اُس آیت کی شان

نزول اور محتاجین کی کیفیت مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ جب حضور انور نے کفار مکہ کی اذیت اور جور وظلم سے مدینہ ہجرت کی ہے تو آپکے ساتھ کئی خاندان ہجرت کر آئے تھے اور کچھ لوگ پیچھے سے مدینہ چلے آئے تھے۔ یہ مسلمان بالکل بے و بے سامان تھے نہ انکے پاس کھانیکو تھا اور نہ پہننے کو نہ رہنے کو جگہ تھی خیر مکان کی تو ان کے لئے تجویز کردی گئی تھی لیکن روزمرہ خورد ونوش کا سامان حاصل ہونا کٹھن کام تہا۔ سب رئیس اور سردار تھے انتہا درجہ کے غیور اور حوصلہ مند وہ اپنے منہ سے مانگنا حرام مطلق سمجھتے تھے کمانے کیلئے ادہر اودہر جا نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ دشمن تاک میں لگے ہوئے تھے اسوقت یہ آیت نازل ہوئی کہ جو لوگ گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور حاجتمند ہیں لیکن غیرت کی وجہ سے کسی سے سوال کرنا برا سمجھتے ہیں انکی مدد کرنی چاہیئے اور ان سے سود نہ لینا چاہیئے چونکہ مدینہ میں سود خواری عام طور پر رائج تھی اور اسکو مثل بیع سمجھا جاتا تہا اسلئے ان محتاجین سے بھی سود کا معاملہ ہوا ہوگا۔ یہ مہاجر سخت پریشان اور زدہ حال تھے جن کی نسبت خداوند تعالی فرماتا ہے کہ انکی صورت مجسم مصیبت ہے خواہ وہ زبان سے نہ مانگیں خیال کرنیکی جگہ ہے جب ایسے مصیبت زدہ اشخاص سے سود کا معاملہ کیا جائے تو کتنے ظلم کی بات ہے اور کسقدر قہر ہے۔ خداوند تعالی نے خیرات کے محاسن بیان فرمائے اور پھر ان مصیبت زدوں کی طرف اہل مدینہ کو توجہ دلائی اور اسکے بعد یہ بیان فرمایا کہ ربوا خواری حرام ہے۔ تم اگر خیرات کروگے تمہارے روپیہ میں برکت ہوگی۔ اگر سود لوگے تو تمہارا روپیہ گھٹے گا+

اس ترتیب مضامین سے ہر فہمیدہ شخص سمجھ سکتا ہے کہ سود چیز کیا ہے اور کن سے لینا ناجائز کیا گیا ہے۔ آیت ربوا کا شان نزول کیا ہے اور خداوند تعالی کو کیوں ربوا کے متعلق حرمت کا حکم دینا پڑا۔ اگرچہ پہلی شریعتوں میں بھی ربوا ناجائز ضرور تہا لیکن اسلام نے بلاوجہ کیوں اسے ناجائز تسلیم کر لیا اور اسمیں ترمیم کیوں نہیں کی۔ جیسا شریعت موسوی کے بہت سے احکام میں ترمیم کردی گئی۔ بعض مفسرین کا یہ بھی قول ہے کہ مدینہ میں سب سے پہلے آیت ربوا کا نزول ہوا تھا۔ بلا شک یہ بات سمجھ میں آتی ہے غربائے مہاجرین کی پرورش منظور تھی اور دولتمند انصار ہرگز دل سے مصیبت زدہ مہاجرین کو مدد نہ دیتے جبتک ان شدید عذابوں اور انتشاروں کے ساتھ انہیں خیرات دینے پر رجوع نہ کیا جاتا۔ اور پھر ربوا خواری کیلئے انہیں سختی کے ساتھ روکا نہ جاتا۔ ہمیں منطق کے پیچیدہ مسائل اور فقہ کے طولانی اصول سے مقصود خداوندی کے سمجھنے میں کام نہ لینا چاہیئے۔ نفس قرآن مجید پر غور کرکے اسکا مفہوم سمجھنا چاہیئے جو تمام پیچیدگیوں اور بے بنیاد تراش خراش سے بہت دور ہے۔ اسکے الفاظ سادے اور پر مغز اسکا مطلب سہل اور پر اثر۔ وحشی سے وحشی اور جاہل سے جاہل آسانی سے اسکا مطلب سمجھ سکتا ہے بشرطیکہ پہلے ہی اسے پیچیدگی میں نہ ڈالدیا جائے۔ میں فقہا کو نہیں سمجھا رہا کہ تمام منطقی اصول سے بحث کروں۔ فقہا کا جو کچھ خیال تہا۔ سخن تھا ہمیں انکے خیالات سے کچھ سروکار نہ رکھنا چاہیئے قرآن شریف کسی تفسیر اور فقہ کے دفتر کا محتاج نہیں ہے۔ اگر کل کتابیں برباد کردی جائیں پھر بھی قرآن مجید میں زندہ روح باقی رہے گی اور اسکا وہی اثر لوگوں پر رہے گا۔ عام طور پر اس کا درس بھی ہوگا اور لوگ اسکے معنی بھی سمجھیں گے غرض کسی قسم کی پریشانی سمجھنے والوں کو نہ اٹھانی پڑے گی۔ جو آیتیں ہمنے اوپر نقل کیں وہ بہت صاف ہیں انکے سمجھنے کیلئے معمولی عقل سے زیادہ درکار نہیں ہے۔ یعنی خیرات کا بیان ایک تمہید ہے ربوا کی۔ یا ربوا اور خیرات کو ایک ترازو میں رکھ کے تولا گیا ہے خواہ کچھ ہی کیوں نہ سمجھا جائے۔ غرض یہ ہے کہ جب خیرات کرنا ایسی اچھی چیز ہے اور جب ہم اسکا صلہ بھی دینے کو تیار ہیں پھر کیوں یہ کیا جاتا ہے کہ مساکین کو خیرات دینے کے بجائے سود پر روپیہ دیا جاتا ہے اور پھر ہٹ دھرمی یہ کہ ربوا مثل بیع کے ہے۔ ہم ربوا لیتے ہیں تو برا ہی کیا کرتے ہیں۔ انصاف سے دیکھیئے کہ اس ربوا کو جو غربا سے لیا جاتا تہا منع کیا گیا ہے۔ اس ربوا میں پرامیسری نوٹ بنکوں کا

لین دین لاٹری کا روپیہ یا تجارت کی داد وستد یا رہن مکانات وغیرہ کب ناجائز ہوئے اور کیوں کر ناجائز ہوئے۔ افسوس یہ ہے کہ ترتیب مضامین کو نہیں دیکھا اور صرف ربوا کے معنی بڑہوتری کے سمجھ کے اسکو طول دیتے چلے گئے۔ نئے نئے اصول قایم کردیئے اور صدہا لین دین کی صورتوں کو ربوا قرار دیکے صدمۂ عظیم مسلمانوں کو پہنچایا۔ حضرت ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کی روایت کردہ احادیث کو غلط ثابت کیا جو یہ کہتے تھے کہ ربوا کی اصلی حقیقت یہی ہے کہ مساکین سے قرض دینے کے بعد زیادہ رقم نہ لیجائے اور باقی سب قسم کا داد وستد جائز ہے۔ خداوند تعالیٰ کا ہرگز یہ منشا نہیں ہی جو فقہا کا ہے۔ ہمیں زیبا نہیں ہی کہ ہم اپنے استنباطی مسائل کے آگے نفس قرآن کے مطلب کو توڑ مروڑ ڈالیں اور سارا سلسلہ غلط کردیں۔ خیرات اور ربوا کے پورے بیان کو پڑہنا چاہیئے اور پھر خود نتیجہ نکال لینا چاہیئے کہ ربوا سے مقصود خداوندی کیا ہے اور کس بڑہوتری رقم کو حرام کیا گیا ہے ؛

پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے "جتنے ناشکر ہیں اور کہنا نہیں مانتے خدا اُن سے راضی نہیں ہی" اسکا مطلب یہ ہی کہ اہل مدینہ کو ہمنے دولت دی اور اُنہیں آسودہ کیا۔ ہماری مرضی یہ ہے کہ وہ اُنکی مدد کریں جو اُنکے وطن میں بیوطن ہوکے آئے ہیں اگر ہمارے حکم کی تعمیل نہ کی اور کفران نعمت کیا تو ہم اُنسے راضی نہیں ہونگے یہ بات تعجب سے دیکھی جاسکتی ہی کہ مفسرین نے ایک ثلث قرآن مجید کو منسوخ قرار دیدیا لیکن آیت ربوا کو اُسی کے حال پر قایم رکھا۔ حالانکہ میں قرآن مجید کے ایک لفظ کے بھی منسوخ ہونے کا قائل نہیں ہوں تو بھی یہ دیکھنا ضرور ہے کہ شدید اور ضروری احکام باری کو ناسخ و منسوخ کے دائرہ میں رکھ لیا ہی لیکن ایسی آیتیں جنکے معنی بعد ازاں غلط سمجھے گئے اس دائرہ سے نکال دیگئیں نیز مفسروں کا ذاتی خیال ہی۔ اُنکے اس خیال پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا اپنی اپنی رائے اور اپنا اپنا رنگ ہے۔ میری غرض صرف اتنی ہی کہ کل تفسیروں اور فقہی مسائل کو علیحدہ رکھ کے تھوڑی دیر کے لئے قرآن مجید کو دیکھنا چاہیئے تاکہ دود کا دود اور پانی کا پانی الگ ہوجائے ؛

اِسکے بعد ارشاد ہوتا ہے "جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیئے اور نماز پڑہتے اور زکوۃ دیتے رہے اُن کے لئے کا ثواب اُن کے پروردگار کے ہاں اُنکو ملیگا اور اُنپر نہ تو کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہونگے" اس آیت میں بھی وہی خیرات کی تاکید چلی جاتی ہی۔ اور اسی کے پہلو بہ پہلو نیک کام کرنے کی بھی تاکید ہی۔ نیک کام وہی ہی جسکی تشریح صاف طور پر اوپر آچکی ہی۔ اسلئے اسکی زیادہ تفسیر کی ضرورت نہیں ہے ؛

پھر فرماتا ہے "مسلمانوں اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہی اُسکو چھوڑ دو۔ یہ سمجھنے کی بات ہے کہ آیت ربوا کے نازل ہونیسے پہلے کا وہ سود باقی تہا۔ آیندہ جب لینے کی ممانعت کرنی تھی تو جو سود حرام ہونیسے پہلے کا تہا اُسے کیوں چھوڑوایا گیا۔ اسکی وجہ یہ ہی کہ جنکے ذمہ سود تہا وہ بیچارے دینے کے قابل نہ تھے بہت ہی مفلس اور محتاج تہے اِسلئے حکم دیا گیا کہ اس سود کو چھوڑ دو۔ اس سے بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگیا کہ محض مساکین اور غربا کی حفاظت کی غرض سے سود حرام کیا گیا ہی یہاں دولتمندوں اور امرا کا نام بھی نہیں ہے۔ کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید نے ہمیشہ مظلوموں کی حمایت کی ہے امرا کو ڈانٹ بتائی ہے اور اُنہیں آگاہ کیا ہی کہ قانون قرآن کی نگاہ میں سب برابر ہیں۔ اُنکے یہ فرائض رکھے گئے ہیں کہ وہ اپنے غریب بہائیوں سے بخندہ پیشانی ملیں اور اُنکے ساتھ سلوک کریں ؛

مظلوم کی حمایت کی ہی مدام تونے　　　تو رحم کا ہے مصدر انصاف کا ہی حامی

پھر خداوند تعالیٰ نیک اعمال کا ذکر کرتا ہی لیکن علاوہ نماز اور زکوۃ کے اس نے نیک اعمال کا بھی ذکر کیا ہی اور یہ نیک اعمال کا

اشارہ اُسی ہمدردی کی طرف ہے جسکا ذکر اوپر سے ہوتا چلا آیا ہے۔ نماز اور زکوۃ سے مقدم ان اعمال کو خداوند تعالی نے قرار دیا۔ اس سے زیادہ ہمدردی کی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے۔ نماز فی الحقیقت تزکیۂ نفس کے لئے پڑھی جاتی ہے اور ایک شخص کی نماز سے دوسرے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لیئے خداوند تعالی نے نیک اعمال کے بعد نماز کو فرمایا۔ اسکے بعد زکوۃ کا ذکر کیا ہے جو گویا تیسرے درجہ میں رکھی گئی ہے۔ بغیر روپیہ والیکے دوسرا شخص زکوۃ کیلئے مکلف نہیں کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکا تیسرا درجہ قرار دیا گیا ہے۔ مگر ایک دوسرے کی ہمدردی کرنی اور اپنی طاقت اور وسعت کے بموجب اُسکو مدد دینا جیسا ایک دولتمند کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ اسیطرح ایک غریب کے لئے فرض قرار دیا گیا ہے یہی فی الواقع نیک اعمال ہے اور یہی سب چیزوں سے مقدم ہے ایسے لوگوں کو بشارت دی گئی ہے کہ انپر نہ تو کسی قسم کا خوف طاری ہوگا اور نہ وہ آزردہ خاطر ہوں گے ✽

پھر اس تمہید کے بعد فرماتا ہے "مسلمانوں اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو اور جو سود لوگوں کے ذمہ باقی ہے اُسکو چھوڑ دو اور اگر ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اُسکے رسول سے لڑنیکے لیئے ہوشیار ہو جاؤ اور اگر توبہ کرتے ہو تو اپنی اصل رقم تمہیں ملنی پہونچتی ہے۔ نہ تم کسیکا نقصان کرو نہ کوئی تمہارا نقصان کرے"۔ آیت کے پہلے حصہ کی تفسیر میں اوپر کر آیا ہوں۔ یہاں صرف ہمیں لفظ نقصان پر بحث کرنی ہے۔ فیصلہ تو بہت اچھا ہے اور ایسا اچھا ہے کہ طرفین کو کوئی گنجایش اعتراض کی نہیں رہ سکتی یعنے قرض دینے والیکی اصل رقم میں کوئی نقصان نہیں آیا۔ جتنا سود وہ لے چکا وہ کم فائدہ نہ تھا۔ سود لینے والا یہ سمجھا کہ مزید رقم دینے سے جان بچی اور اصل رقم ہی پر خیر گزری۔ طرفین راضی ہو گئے۔ اسمیں کلام نہیں کہ اس قسم کا ربوا جس سے کسیکو نقصان پہنچے حرام مطلق ہے۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ بنک میں روپیہ رکھ کے اُسکا منافع لینا اس حکم میں کیونکر آسکتا ہے۔ دوسرے خداوند تعالی نے ہمیشہ مسلمانوں کے لین دین ہی کا ذکر کیا ہے۔ غیر اسلام کو تو اسمیں دخل ہی نہیں دیا پہلے یہ شرط کردی بشرطیکہ تمہارے دلوں میں ایمان ہے یعنے تم مسلمان ہو اور اللہ سے ڈرتے ہو تو اپنا سود چھوڑ بیٹھو یہ نہیں فرمایا کہ ایک غیر اسلام پر سودی روپیہ چھوڑ کے اُسے کوئی نقصان نہ پہنچاؤ یا غیر اسلام سے اس قسم کا لین دین نہ کرو یا اُمرا ایسے لین دین سے احتراز کریں اوپر سے سیاق کلام الہی اسکا شاہد ہے کہ کسی طرح غربا کی حفاظت کیجائے اور جس جس صورت سے مسکینوں اور نگہردوں کی حفاظت کی گئی ہے فی الحقیقت اُسکا پیرایہ عجیب و غریب ہے۔ انصاف سے نظر کی جائے تو صاف طور پر کہل سکتا ہے کہ محض غربا کی حفاظت اور آپس میں محبت قایم کرنے کیلئے یہ احکام اس وضاحت اور تمہید کے بعد نافذ فرمائے گئے ہیں۔ ان احکام میں جو ربوا خواری کے متعلق خداوند تعالی نے دیئے ہیں ایسی سادگی اور صفائی پائی جاتی ہے اور ایسے مدلل اور پراثر پیرائے میں ادا کیئے گئے ہیں کہ ان سے کوئی بھی کسی زمانہ میں انکار نہیں کر سکتا۔

اسکے بعد خداوند تعالی نے مزید وضاحت کیلئے یہ فرمایا "اور اگر کوئی تنگ دست تمہارا مقروض ہو تو فراخی تک کی مہلت دو اور اگر سمجھو تو تمہارے حق میں بہ زیادہ بہتر ہے کہ اُسے اصل قرضہ بھی بخشدو اور اُس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کی طرف لوٹکے لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اُسکے کیئے کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا"۔ یہاں تو قرآن مجید نے رہا سہا پردہ بھی اٹھا دیا۔ جن لوگوں کی مسکینی کی وجہ سے اُنپر سود کا روپیہ چھوڑ دینے کا حکم دیا چونکہ وہ بہت تنگ دست تھے۔ اسلیئے یہانتک کہدیا کہ کیا تو اُس وقت تک خاموش رہو کہ خداوند تعالی اُنہیں فراخ دست کردے اور وہ تمہارا قرض ادا کردیں یہ فرمانے کے حکم ہوا ہے کہ بہتر تو یہی ہے کہ قرض کا روپیہ بخشدو اس سے زیادہ وضاحت کلام الہی کی سود کے بارے میں اور کیا ہو سکتی ہے غربا کی حمایت اس وضاحت سے اور اس علو رتبہ سے کسی الہامی کتاب میں نہیں

کی گئی۔ ربوٰخواری کوئی خطرناک چیز نہیں ہے۔ وہ تجارت نہ سہی صرف ایک لین دین ہی جو زمانہ ہائے دراز سے تمام دنیا میں رائج تھا لیکن صرف اس خیال سے کہ اس قسم کے لین دین سے غریب برباد ہو لیے جاتے ہیں اور اپنے غلامی کی عام حالت پیدا کر دی ہے خداوند تعالیٰ نے اسکی بیخ و بنیاد ہی اُکھیڑ کے پھینکدی۔ اس آیت سے کہ وہ لوگ تنگدست ہیں اُنپر اصل رقم ہی چھوڑ دینی جانے یہ صاف طور پر پایا جاتا ہے کہ جن لوگوں سے راس المال سے زیادہ رقم لینی منع فرمائی وہ بیچارے ربوٰ تو کجا اصل رقم کے ادا کرنیکے بھی قابل نہ تھے۔ اول ہی اول یہ نہیں فرمایا گیا اصل رقم بھی چھوڑ دو احکام میں بتدریج ترقی ہوتی گئی اور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچی کہ راس المال پر معاملہ کا دار و مدار آٹھیرا۔ اگر پہلے ہی سے یہ حکم دیدیا جاتا کہ زائد رقم بھی چھوڑ دو اور اصل رقم سے بھی ہاتھ دہو بیٹھو تو یکایک لوگ چونکنے ہوجاتے اور اُن میں ایک انتشار پیدا ہوجاتا۔ پہلے اُنہیں بتایا گیا کہ خیرات بہت اچھی چیز ہے خداوند تعالیٰ کے حضور مخیر سرخرو ہوتا ہے اور خداوند تعالیٰ اسکی کل نیکیوں کا ایک ایک کر کے بدلہ دیتا ہے۔ جب یہ تسلیم کرا چکا تو ربوٰخواری کی بحث چھیڑی کہ جو کچھ اب تک راس المال سے زائد رقم لیچکے ہو وہ تو خیر مگر آیندہ اسکے لینے سے پرہیز کرو تمہارے لیے یہی بہتر ہے جب اس حکم کی بھی مسلمانوں کی طبایع عادی ہوگئیں تو فرمایا کہ جنپر تمہارا قرض آتا ہے اُنپر جبر نکرو کیونکہ وہ بہت تنگی دست ہیں اُنہیں اسباب کی مہلت دیدو کہ فراخ دست ہوتے ہی تمہارا قرضہ ادا کریں ورنہ بہتر تو یہ ہے کہ تم معاف ہی کر دو۔ احکام کی اس ترتیب سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کا ربوٰ سے کیا منشا ہے اور اُسنے کیوں ایسی زائد رقم لینے کو حرام قرار دیا ہے وجہ صرف یہ ہے کہ جب وہ بیچارے ایسے تنگدست ہیں کہ زائد رقم تو کجا راس المال بھی ادا نکر سکتے تھے اور نہ یہ امید تھی کہ وہ آیندہ بھی ادا کر سکیں گے تو خداوند زمین و زمان نے محض مسکینوں کو بربادی سے بچانیکے لیئے اور طامع دولتمندوں کی غلامی سے نجات دینے کے لیئے پہلے زائد رقم پر بحث کی اور پھر اصل رقم کو چھوڑ دینے کا یک لخت حکم دیدیا اور تنبیہاً فرما دیا کہ اُس دن سے ڈرو جب اللہ کی طرف لوٹا کے لائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اُسکے کیئے کا پورا پورا بدلا دیا جائیگا +

ربوٰ کے متعلق احکام الٰہی کے سمجھنے میں اب بھی کچھ پس و پیش ہو تو یہ اُسکی قسمت ہم قرآن مجید کے آگے کسی راوی کی روایت کردہ حدیث یا کسی فقیہ کے قول کو لیکے کیا کریں۔ ہم ایسے کلام ہی کو حق نہیں سمجھتے جو نص صریح کے خلاف ہو۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن مجید کے ہر لفظ کی تفسیر ضخیم دفاتر میں بھی پوری نہیں ہوسکتی۔ اور ہر لفظ سے بہت بڑے بڑے اور طولانی مسائل استنباط ہوسکتے ہیں لیکن ایسی تفسیر اور ایسے استنباط کو لیکے کیا کریں جسمیں اصل مقصود خداوندی فوت ہوتا ہو۔ اور فہمیدہ شخص اُس طولانی توضیح کو دیکھ کے متوحش بنجائے جو کچھ اس آیت سے حدیثوں کے راویوں اور فقہائے کرام نے استدلال کیا ہے وہ ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے اور ان کل توضیحات استنباط مسائل وغیرہ کو دیکھ کے اصل آیت کا پھر مطلب بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ میرے خیال میں پہلے قرآن مجید ہی کو ہر معاملہ میں حکم بنانا چاہئیے۔ جب قرآن مجید میں مذکور نہو یا مذکور تو ہو مگر مطالب واضح نہو۔ یعنی ہماری محدود عقلوں میں نہ آئے۔ اُسوقت روایتوں اور فقہا کے استنباطی مسائل کو دیکھنا چاہئیے +

آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ قرآن کے نازل ہونیکے وقت بلکہ دو صدی کے بعد تک کسی روایت کا پتہ تھا اور نہ فقہا کے استنباطی مسائل کا۔ قرآن قرآن ہی سے سمجھا جاتا تھا اور اسکا مطلب وہ لوگ بھی بخوبی سمجھ سکتے تھے جو بالکل جنگلی اور وحشی تھے اور انسانیت کی ہوا تک اُنہیں نہ لگی تھی۔ خود قرآن مجید میں اپنے فخر انبیا رسول کریم کو خطاب کر کے باریتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے جاہلوں میں تجھے نبی بنا کے بھیجا تاکہ تو روشن آیتیں سنا کے اُن کا تزکیہ نفس کرے۔ کبھی اُن جہلا نے قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر

نہیں دریافت کی اور دریافت بھی کیونکر کر سکتے تھے جب کل مطلب صاف اور واضح تھا۔ اسی سے بلا تفسیر اور فقہ کی ورق دیکھے ہدایت حاصل کی۔ اور اُن کا زمانہ خیر القرون کے نام سے نامزد ہوا۔ اللہ اکبر یہ کلام خدا کی شان ہے کہ اُسنے جنگلیوں کو کیسا مہذب اور متمدن بنا دیا۔ کہ وہ دنیا کی اعلیٰ درجہ کی قوموں کے سرتاج بن گئے اور آجتک اُنکے تمدن کی دہوم چار دانگ عالم میں مچ رہی ہی۔ قرآن مجید نے ایک نیا زمانہ پیدا کر دیا اور ایسا زمانہ پیدا کیا کہ اختتام عالم تک اُسمیں کسی قسم کی لغزش نہیں آسکتی۔

حکم معافی دینے کے بعد پھر یہ حکم دیتا ہے "مسلمانو جب تم ایک میعاد مقررہ تک ادہار کا لین دین کرو تو اُسکو لکھہ پڑھ لیا کرو۔ اور اگر تمہیں لکھنا نہ آتا ہو تو تم میں تمہارے باہمی قرار داد کو کوئی لکھنے والا انصاف کے ساتھ لکھدے اور جس سے لکھواؤ تو اُس لکھنے والیکو چاہیئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جسطرح خدا نے اُسے لکھنا پڑہنا سکہایا ہی اُسیطرح اُسکو بھی چاہیئے کہ بیعذر لکھدے اور جسکے ذمہ قرض عائد ہوگا وہی دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اللہ سے کہ وہی اُسکا حقیقی کارساز ہی ڈرے۔ بتاتے وقت قرض دہندہ کے حق میں سے کسی طرح کی کاٹ چہانٹ نہ کرے اور جسکے ذمہ قرض عائد ہوگا اگر وہ کم عقل ہو یا معذور یا خود ادائے مطلب نہ کرسکتا ہو تو جو اُسکا کارمختار ہو وہ انصاف کیساتھ دستاویز کا مطلب بولتا جائے اور اپنے لوگوں میں سے جن لوگوں پر تمہارا اطمینان ہو دو مردوں کو گواہ کر لیا کرو دو مرد نہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں۔ الخ غرض اسیطرح اخیر تک بتایا گیا ہی کہ لین دین کا معاملہ زبانی نہونا چاہیئے بلکہ بغیر دستاویز لکھائے قرض نہ دیا جائے۔ اس حکم نے قانون اور تمدن کی بنیاد دنیا میں قایم کر دی اور یہیں سے اتحاد باہمی یکجہتی کی تاریخ شروع ہوتی ہی۔ دستاویز نہ لکھی جانے پر بڑے بڑے جھگڑے ہوتے تھے۔ لیکن جب دستاویز کا طریقہ نکل آیا پھر کسی قسم کا جھگڑا اُٹھنا نہ ہوا۔ اور مسلمانوں میں بہائی چارہ قایم ہو گیا۔ کل مدارج تحریر دستاویز طے کر کے اخیر میں یہ تحریر فرماتا ہے ہمارا پیغمبر اس کتاب کو مانتا ہے جو اللہ کیطرف سے اُسپر اُتری ہے اور اُسکے ساتھ دوسرے مسلمان بہی یہ سب کے سب اللہ اور اُس کے فرشتوں اور اُسکی کتابوں اور اُسکے پیغمبروں پر ایمان لائے کہ سب کا دین حق ہی الخ

یہ سب فرمانیکے بعد ارشاد ہوتا ہے "اللہ کسی شخص پر بار نہیں ڈالتا مگر اُسیقدر جسکے اٹھانیکی اوسے طاقت ہو۔ تمام مدارج خیرات ربوا اور لین دین کے بیان فرما کے صاف لکھدیا کہ کسی شخص پر اُسکی قوت سے زیادہ اسپر بار نہیں ڈالا جاتا۔ یعنی جو کچھہ ہم نے حکم دیا تھے وہ اسکی قوت اور فطرت کے مطابق ہی ہمنے کوئی حکم ایسا نہیں دیا ہی جسکے کرنے میں وہ عاجز ہو۔ خیرات بھی بآسانی کر سکتا ہی۔ راس المال سے زائد رقم بطیب خاطر چھوڑ سکتا ہی۔ ماسوا اسکے اگر اُسنے کسی اپنے غریب بہائی کو قرض دیا ہی تو جبتک اُسکے پاس روپیہ نہ آجائے وہ خاموش رہ سکتا ہی۔ اور یہ بھی ممکن ہی کہ اپنی فیاضی سے اُس قرض کو بخش بھی سکتا ہی۔ غرض کوئی بات ایسی نہیں فرمائی گئی جو طاقت انسانی سے باہر ہو۔ اسی لئے ارشاد باری ہوا کہ ہم اُسکی قدرت سے زیادہ اُسپر بار نہیں ڈالتے۔ یعنی جو کچھہ تمہیں حکم دیا گیا ہی چونکہ یہ تمہاری قدرت اور فطرت کے مطابق ہی اسلئے تمہیں اسپر عمل کرنا چاہیئے۔ مبادا تم یہ کہنے لگو کہ ہم مجبور تھے اور یہ کام ہمارے بس کا نہ تھا۔

اِن تمام آیتوں پر اگر ایک عام نظر ڈالی جائے تو صاف طور پر پایا جاتا ہی کہ امیروں کے ہاتھ سے غریبوں کی جان بچائی ہی وہ کمبخت غربا کو قرض دیکے اُنہیں طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ جبتک قرض ادا نہو جائے مثل غلاموں کے کام لیتے تھے۔ چنانچہ ابھی تک یہ رسم بیش و کم صحرائی بدوؤں میں جاری ہی۔ اِن بیجا مظالم کو روکنے اور غربا کی حفاظت کرنیکے لیٔے یہ احکام نافذ فرمائے۔ کیونکہ ابتدا سے خیرات اور امدادی کاموں کی تعریف اور پھر قرض دینے پر سود کا نہ لینا ثابت کرتا ہی کہ غریبوں کا تحفظ کیا گیا ہی دولتمندوں کو خیرات کے لینے کی ضرورت ہی نہ انہیں خیرات دینے کا حکم دیا گیا ہی۔ بلکہ مساکین کی صورت بھی بتادی کہ مساکین کے یہ معنی ہیں غرض اخیر صورت

سے غریبوں ہی سے رعایت کہی ہی اور ہر ہر پہلو سے اُنہیں بچایا ہی۔ غور کرنیسے ربوا اور اُسکی حرمت کی اصلی حقیقت کھل سکتی ہی۔ کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو بلا وجہ اور غیر ضروری ہو۔ نہیں ہر حکم کا ایک سبب موجود ہی۔ اور بغیر اُس سبب کے وہ حکم ہی بیکار ہے خداوند تعالی نے ہر حکم کے ساتھ اُسکی وجوہات بھی بیان کردی ہیں کہ اس حکم میں یہ مصلحت ہی اور یہ فوائد ہیں اور فلاں چیز کی حرمت میں یہ نقصان تہا جو ہمنے حرام کردی اور فلاں چیز میں یہ بہتری تہی جو ہمنے جائز کردی اسی آیت ربوا میں بھی خداوند تعالی نے کل اسباب اور علل پر بحث کی ہے۔ اور بتا دیا ہے کہ ربوا کیا چیز ہے اور کیوں حرام کیا گیا ہی۔ جو کچھ ہمنے ان آیتوں کی تفسیر لکہی ہے اگر اُسے بھی نہ دیکھا جائے صرف قرآن مجید ہی کو غور سے پڑہ لیا جائے تو حرمت ربوا کے کل اسباب ملجائیں گے۔ اور ربوا کی اصلی حقیقت بھی کہلجائے گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ربوا چیز کیا ہے آیا موجود مروجہ ربوا کا سایہ بھی قرآنی ربوا میں پایا جاتا ہے۔ آیا فقہا کا ربوا کچھ بھی اس ربوا سے نسبت رکہتا ہی جسکا بیان قرآن مجید میں کیا گیا ہی۔ بس قرآن مجید کو پڑہ لو اور ربوا کی حقیقت معلوم کرلو۔ فقہ اور مختلف روایتوں کے عقیدہ کی پٹی کو آنکہوں سے کہول ڈالو اور صرف قرآن مجید پر تکیہ کرکے دیکھ لو۔ کہ تمہیں تمام اسرار الہی کہل جائیں گے اور اصلی منشائے باریتعالی کی تصویر تمہاری آنکہوں کے آگے آجائے گی۔

ربوا کے متعلق عام فیصلہ

جو کچھ ربوا کے متعلق مجھے لکھنا تہا لکھہ چکا۔ مختلف روایتوں پر کافی بحث ہو چکی ہی۔ فقہ کے مسائل کو ایک حد تک بحث سے نہیں چھوڑا ہے۔ قرآن مجید کی کل آیتیں جو متعلق سود ہیں پیش کردی گئی ہیں ان سب بحثوں اور دلائل کے دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ربوا جسکو اس خوفناک پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے محض معمولی چیز ہے۔ اور جس ربوا کی حرمت ضامن ہے غربا کی حفاظت کی۔ مگر راس المال میں رقم کی اس صورت سے زیادتی کہ غربا کا کوئی نقصان نہ ہو بلکہ معاملہ ہی غربا میں نہو تو وہ کبھی ایسا ربوا نہیں ہوسکتا جو حرام ہو۔ مثلاً ایک شخص بنک میں روپیہ رکھہ کے منافع لیتا ہے وہ کیوں نکرنا جائز ہو سکتا ہی جبکہ اُس منافع لینے میں کسی غریب کا حق نہیں مارا جاتا؛

جس صورت سے موجودہ تمدن قایم ہوا ہے اور جو سلسلہ تجارت آجکل جاری ہی اُسنے خود ثابت کو بتا دیا ہی کہ انسان اپنے معاملات میں ربوا کی حرمت کا کہاں تک خیال رکھہ سکتا ہی اور قرآن مجید کی وہ آیت کہ کسی شخص پر اُسکی قوت سے زیادہ بار نہیں ڈالا جاتا موجودہ لین دین کو جائز کرتی ہی۔ کیونکہ انسان کو اُن قوانین کی پابندی مجبوری کرنی پڑتی ہی جو یورپنے مقرر کئے ہیں اور جن سے ایک ذرہ برابر بھی جنبش نہیں ہوسکتی۔ تجارت کا دار و مدار یورپ سے تعلق رکہنے پر موقوف ہی اگر کوئی فقہ اور روایتوں کا شیدائی یہ کہے کہ اس تعلق کو قطع کردیا جائے تو یہ ایک امر محال ہی لاکھوں مسلمان اور کروڑوں روپیہ آناً فاناً میں برباد ہو جائے اور پہر ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہے۔ خداوند تعالی اس مجبوری کو خوب جانتا ہے۔ ہمارا یہ استدلال اُسوقت ہوگا جب فقہی مسائل کا جامہ پہنائیں گے اور جب قرآنی ربوا پر نظر کرکے دیکھیں گے تو موجودہ تجارتی لین دین یا بنکوں کی داد و ستد کوئی تعلق ہی نہیں رکہتی۔ فقہ کا یہ مسئلہ کہ ہر شے کی زیادتی حرام ہے ایک سبک اور بے بنیاد سا معلوم ہوتا ہے۔ کون سی چیز دنیا میں ایسی ہے جسمیں کمی بیشی کا خیال نہو۔ مثلاً پرامیسری نوٹ ہیں روزمرہ اُن کا بہاؤ گہٹتا بڑہتا رہتا ہے یہ فی الحقیقت ایک قسم کی تجارت ہی کبہی بہاؤ چڑہ گیا تو فائدہ ہو گیا اور بہاؤ گہٹ گیا تو صدہا روپیہ پر پانی پہر گیا۔ اسیطرح لوٹیری۔ سیونگ بنک وغیرہ سے لین دین کسی صورت سے بھی داخل ربوا نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ ربوا حرام مطلق ہے کہ ایک غریب شخص کو بجائے فی سبیل اللہ امداد کرنیکے سودی روپیہ دیا جائے اور سود

ور سود چڑھنے کے بعد نالش کرکے اُسپر ڈگری کرائیں اور پھر اُسکی بیوی بچوں کا سارا سامان قرق کرالائیں اور اسطرح اُسے برباد کریں یا اُسے قید کرادیں اور اُسکے بیوی بچوں کو بے پناہ اور فاقہ کشی میں چھوڑ دیں۔ یہ ہی اصلی ربواخواری۔ اور ایسی ربوا خواری حرام مطلق ہے۔ اور ایسی حرام ہے جسکی سزا جہنم ہے اور جس سے بدتر جرم شریعت میں سوائے تکذیب توحید باری تعالیٰ کے اور ہو نہیں سکتا ✤

خداوند تعالیٰ کبھی ایسے احکام نہیں دیتا جنکی تعمیل پر ہم بالکل عاجز ہوں اور ہمسے ایک دن بھی اُن کی تعمیل نہو سکے خوب سمجھ لیا جائے کہ جو مذہبی قوانین ایسے ہیں جنپر عملدرآمد نہیں ہو سکتا اور انسانی طبایع اُسے قبول نہیں کر سکتیں وہ احکام ہرگز خدا کے احکام نہیں ہیں بلکہ اُسکے بندوں نے مذہبی جامہ پہناکے اُن احکام کو قانون شریعت بنا دیا ہے۔ خداوند تعالیٰ کو گزشتہ موجودہ اور آئندہ کا حال پورا معلوم ہے وہ کیونکر ایسے احکام نافذ فرماتا جو کبھی ممکن التعمیل نہ بن سکتے تھے۔ اُسے موجودہ زمانہ کا بھی حال معلوم تھا وہ جانتا تھا کہ یہ مجبوریاں آیسے واقع ہونگی اور یہ قواعد تجارت کے ایجاد ہوں گے۔ اس حالت کے جاننے کے بعد کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ ایسے قوانین ایجاد کرتا جنپر ایک متنفس بھی کاربند نہ ہو سکتا ہو۔ آج تمام معاملات آئینہ کیطرح ہمارے آگے ہیں جو کچھ ہماری کیفیت ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔ ہمارا لاکھوں روپیہ سال سود کے نذر ہو رہا ہے ہماری جائداد منقولہ اور غیر منقولہ اس کمبخت سود کی بھینٹ چڑھ گئی اور جو کچھ باقی رہی ہے وہ چڑھی جاتی ہے اگر مسلمانوں نے کوئی دوسرا پہلو اختیار نہ کیا تو پچاس سال کے عرصہ میں بہت کم مسلمان صاحب جائداد رہجائیں گے۔ بڑے تعجب اور خوف کا مقام ہے کہ ایک طرف سے تو دولتمند مسلمان بنکوں سے لین دین رکھتے ہیں اور دوسری طرف وہی مسلمان کسی کی جائداد رہن کرنیکو کفر جلی سمجھتے ہیں۔ اسوقت دو قسم کے مسلمان ہیں۔ ایک تو وہ جو صاحب جائداد ہیں اور بنکوں سے اُن کا لین دین ہے یعنے وہ بنکوں سے منافع لیتے ہیں اور ضرورت کے وقت بنکوں سے روپیہ لیکے سود بھی دیتے ہیں۔ ایک وہ مسلمان ہیں جو تجارت پیشہ ہیں اور جو بنکوں کو سود تو دیتے ہیں لیکن اُن سے سود لینا حرام سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ہم بڑے ثواب کا کام کر رہے ہیں۔ مگر مسلمانوں کی جائداد رہن رکھنے کی رسم اُن میں بہت کم ہے اور ایسے رہن کو وہ ربواخواری سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ربواخواری نہیں ہو سکتی کاش بجائے غیر اسلام کے فائدہ پہنچنے کے مسلمان ہی مسلمانوں کی جائداد اور مال سے فائدہ اُٹھائیں تو مسلمانوں کی یہ دولت غیروں کے پاس کبھی نہ جائے فقہانے ربوا کے مسئلہ کو مبالغہ آمیزی سے بیان کیا ہے کہ اسکی اصلی حقیقت پر بھی پردہ پڑ گیا۔ اور معلوم نہیں ہوتا کہ ربوا کا حکم کس مصلحت کے لئے دیا گیا تھا اور اُس زمانہ محمود و مسعود میں ربوا کہتے کسے تھے فقہانے یہ ٹھیرا دیا اور گویا ربوا کے لینے کا یہ کلیہ باندھ دیا کہ اصلی رقم سے کوئی چیز زیادہ ہو وہ ہی ربوا ہے حالانکہ یہ مفہوم خود فقہا کا ایجاد کیا ہوا ہے۔ نص قرآنی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے ✤

جو عام خیالات نادار مسلمانوں کے ربوا کے متعلق ہیں۔ اُن سے مسلمانوں کے عام گروہ کو بہت ہی صدمہ پہنچ رہا ہے اپنے روپیہ کی حفاظت کے ذریعے ایسے عمدہ پیدا ہو گئے ہیں کہ اگر مسلمان مثل اور قوموں کے اُن سے کام لیں تو اُنکی حالت ایک حد تک بہت درست ہو سکتی ہے۔ مثلاً وہ اپنی روزانہ کمائی میں سے کچھ آنے سیونگ بنک میں برابر جمع کرتے رہیں اور روزانہ خرچ میں سے کفایت کرکے کچھ بچاتے رہیں تو چند سال کے بعد آنکھ بند کرکے ایک خاصی رقم اُن کے پاس جمع ہو جائے اور وہ اُن کے مرض، اور خاص خاص زندگی کی ضرورتوں میں کام آئے مگر ایسا نہیں کیا جاتا۔

اور ایسا کرنا گناہ عظیم تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے خلاف بدقسمت مسلمان یہ آزادی اور دلیری سے کرتے ہیں کہ جہاں انہیں ضرورت ہوئی اپنا سو روپیہ کا مال پچیس روپیہ میں کسی بنیئے کے پاس گرو رکھ آئے اور ڈیڑھ دو روپیہ سود کے مقرر کر آئے۔ چند سال کے بعد سو روپیہ کی رقم پچیس روپیہ میں آئی گئی ہوگئی۔ اور مسلمان صاحب دیکھتے کے دیکھتے رہگئے۔ کاش اس رقم کو فروخت کرکے سیونگ بنک میں پورا روپیہ جمع کرا دیا جاتا اور سو میں سے پچیس روپیہ لیکر اپنے خرچ میں صرف کئے ہوتے۔ تو نہ روپے کا نقصان ہوتا اور نہ ضرورت اٹکی رہتی بلکہ جب تک ہمارے پاس پچیس روپیہ جمع ہوتے وہاں دو تین روپیہ اور بڑھ جاتے اور ہمیں ایک پیسہ کا بھی نقصان نہوتا۔

ہمارے علمانے ہمیں ہدایت فرمائی ہے کہ ہم اپنی آیندہ بہبودی اور زندہ رہنے کا کوئی سامان نہ کریں بلکہ اپنے گاڑھے پسینہ کی کمائی غیر مومن اور غیر مستحق لوگوں کو کھلاویں اور اسیکو اسلام سمجھے جائیں۔ ہمنے ہزاروں نہیں تو صدہا گھرانے اس سود دینے کی علت میں برباد ہوتے دیکھے ہیں اور ان ستم رسیدہ خاندانوں کی یہ کیفیت نظر کی ہے کہ کیا تو وہ دولت مند تھے یا بھیک مانگنے لگے۔ اُن کی لاکھوں روپے کی جائداد ہزاروں میں سیٹھہ اور بنیئے کھاگئے اور وہ منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ عجیب تماشہ ہے کہ اگر ہم فقہا کے مسائل ربوا پر عمل کرتے ہیں تو ہمنے خود اپنے لئے ایک پہلو جائز اور دوسرا ناجائز کیوں بنالیا ہے اور کیوں نہیں دوسرے سے بھی دست بردار ہوتے۔ شریعت نے جہاں کاتب۔ شاہد اور لینے دینے والیکو ایک حکم میں رکھا ہے پھر ہم کون ہوتے ہیں کہ تین کو بری کرکے ایک ہی کو پکڑ لیں۔ اور تمام جہان کے عیب اور برائیاں اسی کے سر چپکی جائیں یعنے کاتب۔ شاہد اور دینے والے کو تو ہمنے مطلق آزادی دیدی۔ لیکن ایک بیچارے لینے والیکو مجرم گردان کے پکڑ لیا۔ اور دنیا بھر کی برائیاں اور تمام عالم کے سب وشتم اسی پر پورے کردئے۔ اُسکے گھر کا کھانا پینا حرام۔ مرتے وقت اُسکا مُنہ خنزیر کا سا ہو جائیگا۔ اسکی قبر میں کیڑے پڑینگے اور فرشتے سودی روپے گرم کرکرکے اُسے داغ دینگے۔ وہ راندۂ درگاہ ہو چکا۔ کبھی بخشا نہ جائیگا۔ اور اُسکے لئے دائمی جہنم کی خبر دی گئی ہے۔ ایک کمبخت کی جان پر تو تمام ممکن الوقوع عذاب توڑ دئے گئے اور اُس مظلوم کو کہیں کا بھی نہ رکھا۔ مگر اُسکے تین مجرم ساتھیوں کو جنہیں شریعت ایک پیمانے میں رکھ چکی تھی اور جن پر ایک ہی نوعیت کا جرم قایم کرکے اُن کے لیئے ایک ہی قسم کی سزا تجویز کر چکی تھی اپنی طرف سے اور اپنے اختیارات سے بالکل بری کر دیا۔ اور سب کے گناہوں کا عذاب ایک ہی کی گردن پر رکھہ دیا انا للہ وانا الیہ راجعون شریعت کے کام میں دست اندازی کا ہمیں کوئی حق حاصل نہ تھا۔ اور وجہ کیا کہ ہمنے شریعت کے اتنے بڑے قانون کو توڑ ڈالا۔ کاتب۔ شاہد سود دینے والا اور سود لینے والا تینوں ایک ہی زنجیر میں بندھے ہوئے ہیں اور تینوں کو (بعض روایتوں کی بناپر) شارع نے ملعون کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اور جو سزا تجویز ہوئی ہے وہ ایک ہی قسم کی ہے اور ان روایتوں کی بناپر ہم کہتے ہیں ایک شخص بھی ان چاروں میں سے نہیں بچ سکتا اگر مرتے وقت سود لینے والے کا مُنہ خنزیر کا سا ہوگا تو سود دینے والے کا بھی مُنہ سور کا ہو جائے گا۔ اگر سود لینے والے کی قبر میں سانپ بچھو پڑینگے تو سود دینے والے کو بھی یہ زہریلے جانور ڈسیں گے۔ اگر فرشتے سودی روپیہ دہکا کر سود خوار کے جسم پر داغ دینگے۔ تو سود دینے والے کی کھال بھی ان ہی دہکتے ہوئے روپیوں سے داغی جائے گی۔ اگر سود لینے والا شافع روز محشر کی شفاعت سے محروم کیا گیا ہے تو سود دینے والے کو بھی حضور انور کی شفاعت قیامت کے دن کبھی نصیب

ہو گی۔ اگر تم تمام مروجہ احکام ربوا خواری کی بابت صحیح مانتے ہو تو اے سود دینے والو خوب سمجھ لو کہ تم اپنی بے بنیاد مجبوریوں کے بہانہ سے اس جرم عظیم سے بری نہیں ہو سکتے ؛

میری تحقیق میرا عقیدہ اور میرا ایمان تو یہ ہے کہ ربوا خواری محض وہ لین دین ہے جو غربا کو بجائے امداد دینے کے ڈیوڑوں اور دُگنوں پر قرض دیا جائے اور اخوت اسلامی کو اس طرح صدمہ پہنچایا جائے۔ جو کچھ میں لکھ چکا ہوں اُسکا مفہوم یہ ہے کہ بنک کا منافع ہرگز ربوا نہیں ہو سکتا۔ معاملات تجارت کبھی ربوا میں نہیں آسکتے۔ اور سوائے غریبوں کے نقصان پہنچانے کے اور سب قسم کا لین دین جائز ہے ؛

اے آخر الزماں نبی معصوم تو نے اس دین کی ہمیں تلقین کی جو انتہا درجہ آسان اور اول درجہ کا سادہ ہے اُس کے اصول صاف اور روشن ہیں اور اُنہیں بالغ شخص بشرطیکہ اُسے تجربہ سے محبت ہو بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ تو نے تمام مشکلات اور پیچیدگیاں جو اور ادیان میں پیدا ہو گئی تھیں۔ اسلام میں سے نکال ڈالی ہیں۔ اے ذی الجلال رب کے برگزیدہ نبی یہ تیرے ہی دین کا معجزہ ہے کہ صرف دو جملوں میں تو نے اصول اسلام کا خاتمہ کر دیا یعنے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تیرے خیر البشر ہونے کی شہادت یہی دو جملے دے رہے ہیں اور تیرے فخر انبیا اور خاتم النبیین ہونے کی گواہی اس سے بہتر بہم نہیں پہنچ سکتی۔ تو بیشک عالم کا سرتاج ہے اور تجھ سے بہتر مصلح دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوا تو نے گزشتہ ادیان کے طولانی اور پیچیدہ اصول کو اس کلمہ سے ایسا سُلجھا دیا ہے کہ اسکی قیمت ایک متقی کا دل بخوبی پہچان سکتا ہے۔ معرفت کے دفاتر ان ہی دو جملوں میں پوشیدہ رکھے ہیں دنیا بھر کے حکما جمع ہو کے کسی ایک مذہب کو ان دو جملوں میں قیامت تک ادا نہیں کر سکتے۔ اے خاتم النبیین اے فخر انبیا اے باعث حدوث کائنات اے مصدر دین و ایمان اے امام الہدیٰ اے مالک ہر دو سرا۔ اے نبی الورٰے۔ اے امین خدا۔ اے احمد مصطفٰے اے قریشی نبی اے رحمت عالمین تیرا ہی صدقہ تھا۔ کہ ہم بربادی سے بچ گئے اور یہ تیرا ہی طفیل تھا کہ تیرے امتی فضیلت میں انبیائے بنی اسرائیل سے زیادہ ہو گئے۔ ہم نے اپنی شومی طالع سے تیرے دین میں مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ لیکن پھر بھی تیرا دین ویسا ہی سادہ ہے اور اسکے اصول ادیان عالم کے اصول سے بارہا افضل ثابت ہو چکے ہیں۔ تیرا جلال اے نبی معصوم ابد تک قایم رہے آمین ثم آمین ؛

سترھواں باب

انبیاء علیہم السلام

جتنے انبیا گزرے ہیں خواہ اُنکی تعداد کتنی ہی ہو۔ لیکن کسی نبی کے بالتفصیل حالات ہمیں نہیں ملتے۔ ہم اُنکی زندگی۔ معاشرت اور تمدن پر پوری بحث نہیں کرسکتے نہ اُن کی عادات و اخلاق کا کوئی دفتر ہمارے پاس موجود ہے۔ اگر توراۃ مقدسہ کو بلے کم و کاست صحیح بھی تسلیم کرلیں تو بھی سوائے چند اقوال اور بعض مختصر ہدایات کے اور کچھ بھی نہیں ملتا۔ ایک پریشان دل کی ہرگز توراۃ کے خوابوں اور مقولوں سے تسکین نہیں ہو سکتی یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان انبیا نے اپنے کل زمانہ زندگی میں کیا کیا۔ انکے وعظوں اور اصلاح خلائق کی ابتدا کیونکر ہوئی۔ اُنہوں نے اپنے آگے کس مخلوق کو کس حالت میں پایا اور اُسکی اصلاح کہاں تک کی۔ اُنکی معاشرت کیا تھی۔ اسی قسم کی ہزاروں باتیں ہیں جبتک اُن کا پتہ نہ لگے کسی نبی کے ذاتی حالات پر کیونکر بحث ہو سکتی ہے +

سب سے پہلے حضرت آدم کو بیان کیا گیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہی سب سے اول نبی بنا کے دنیا میں بھیجے گئے۔ توراۃ میں تو یہ لکھا ہے کہ خداوند نے عدن کے پاس ایک باغ لگایا اور بطور باغبانی کے وہاں آدم کو رکھا پھر تنہا دیکھکے آدم کا ایک ساتھی مقرر کیا۔ اور پھر خداوند نے کل پرندا ور چرند آدم کے پاس بھیجے کہ وہ اُن کا نام رکھے جس جانور کو آدم نے جس نام سے پکارا وہی اُسکا نام پڑ گیا۔ پھر آدم کو نیند آگئی۔ خداوند نے اُسکی ایک پسلی پسلیوں میں سے نکال لی اور اس پسلی کے بدلے گوشت بھر دیا۔ پھر اُس پسلی کی ایک عورت بنا کے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا کہ اب یہ میری ہڈیوں میں سے ایک ہڈی ہے اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس سبب سے وہ ناری کہلائیگی۔ کیونکہ وہ نر سے نکالی گئی ہے۔ اسواسطے مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑیگا اور اپنی جورو سے ملا رہے گا۔ اور وہ ایک تن ہو گئے۔ اور وہ دونوں آدم اور اُسکی جورو ننگے تھے۔ اور شرماتے نہ تھے۔ اسکے بعد توراۃ میں سانپ کا تذکرہ ہے۔ کہ اُسنے آدم کی بیوی کو بہکا کے ممنوعہ پھل کھلا دیا۔ حوّا نے وہ پھل خود ہی نہیں کھایا بلکہ اپنے خصم کو بھی کھلا دیا اور اُس کھانے سے دونوں میاں بیوی معتوب ہوئے۔ پھر اُن دونوں کو باغ میں سے نکال دیا کہ کھیتی کریں اور ننگی تلواروں کا حیات کے درخت پر خداوند نے پھرا بٹھا دیا کہ آدم اور اُن کی بیوی حوّا کہیں اس درخت کا پھل نہ کھالیں کہ کبھی اُنپر موت ہی نہ آئے۔ فرشتے ننگی تلواریں لیئے ہوئے اُس درخت کے گرد ہمیشہ کھڑے رہتے تھے۔ پھر حوّا حاملہ ہوئیں اور قائن پیدا ہوئے پھر دوسرا بیٹا ہابل پیدا ہوا۔ پھر دونوں زراعت کرنے لگے اور اس حسد میں کہ اُسکی نذر بھیڑ کی خداوند نے قبول کر لی اور میری نذر کو مسترد کر دیا قائن نے ہابل کو قتل کر ڈالا +

قائن

بھائی کے قتل پر قائن بہت دھتکارا گیا۔ اور خداوند کے حضور سے نکالدیا گیا وہ عدن سے بھاگ پورب کی طرف نود کی سرزمین میں چلا گیا۔ پھر قائن نے ایک عورت کی اور اسکے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا اور قائن نے اُسکا نام حنوک رکھا۔ پھر ایک شہر آباد کیا اور اُسکا نام اپنے بیٹے کے نام پر حنوک رکھا پھر حنوک سے عیراد پیدا ہوا اور عیراد سے محویاایل اور اُس سے متوسائیل اور اس سے لمک پیدا ہوا۔ ان آخر الذکر انبیا کا کچھ تذکرہ توریت میں بیان نہیں ہوا +

لمک

لمک نے دو بیویاں کیں ایک کا نام عدہ اور دوسری کا نام ظلہ تھا۔ عدہ کے ہاں ایک لڑکا یابل پیدا ہوا اور اُسنے گلہ بانی کا پیشہ اختیار کیا پھر یوبل عدہ کے ہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوا۔ جو بانسلی کا موجد ہے پھر ظلہ کے ایک لڑکا پیدا ہوا اُسکا نام تبلقائن رکھا سب سے پہلے اِسنے ہی لوہے کے باڑ دار ہتیار بنائے۔ اسکی بہن کا نام نعمہ تھا۔ لمک نے ایکدن اپنی دونوں بیویوں سے یہ جملے کہے "اے عدہ اور ظلہ میری آواز سنو اے لمک کی جورو میری بات پر کان دہرو کہ میں نے زخم کھاکے ایک مرد کو اور ضرب اٹھاکے ایک جوان کو مار ڈالا۔ اگر قائن کا سات گُنا بدلہ لیا جائے گا تو لمک کا ستر گُنا" آدم سے لیکے لمک تک جن نبیوں یا نبیوں کی اولاد کا ذکر ہوا ہے توریت نے سب کو نافرمان سرکش اور قاتل قرار دیا ہے۔ اب اس سے آگے بھی جتنے انبیا کا ذکر ہے کوئی نہ کوئی جرم اُنہوں نے توریتی فیصلہ کے مطابق ضرور کیا ہے۔ چنانچہ ہم اختصار سے توریتی شہادتوں کو جو انبیا کی نسبت دیگئی ہیں درج کریں گے۔ علاوہ ان جرائم کے جن کے مرتکب انبیا ہوئے ہیں اُن کی معاشرت بھی معلوم ہوتی جائے گی۔ کہ کس نے کتنی شادیاں کیں۔ دنیا میں اپنی راحت کیلئے کتنی دولت برباد کی اور ان کے اخلاق کیا تھے +

حضرت آدم کی جب ایک سو تیس برس کی عمر ہوئی تو اُنکے ہاں ایک اور بیٹا پیدا ہوا۔ جسکا نام سیت رکھا گیا توریت میں لکھا ہے کہ سیت کی پیدایش کے بعد حضرت آدم آٹھ سو برس اور بھی زندہ رہے گویا پوری عمر حضرت آدم کی نو سو تیس برس کی ہوئی اُسکے بعد آپ کا انتقال ہوگیا +

سیت کے ہاں ایک سو پانچ برس کی عمر میں انوس پیدا ہوا۔ انوس کی پیدایش کے بعد سیت آٹھ سو سات برس تک جیتا رہا۔ اخیر نو سو بارہ برس کی عمر میں جان بحق تسلیم ہوا۔ اسکے بعد یہ نبی اور پیدا ہوئے۔ لیکن ان سب کی عمریں بڑی بڑی تھیں انوس۔ عمر نو سو پانچ برس۔ قینان۔ عمر نو سو دس برس۔ محلل۔ عمر آٹھ سو پچانوے برس۔ یارد۔ عمر نو سو باسٹھ برس +

حنوک

توریت کتاب پیدایش باب ۵۔ آیت ۲۱-۲۴ تک عجیب و غریب بیان ہے لکھا ہے کہ حنوک کے ہاں جب متوسلح پیدا ہوا تو حنوک خدا کے ساتھ چلنے لگے اور جب بہت سے بیٹے اور بیٹیاں ہوگئیں تو حنوک خدا کے ساتھ چلتے چلتے غائب ہوگئے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت مسیح ہی زندہ آسمان پر نہیں گئے۔ بلکہ اور نبی بھی زندہ آسمان پر جا چکے ہیں جن میں سے صرف ابھی حضرت حنوک کا تذکرہ آیا ہے۔ عیسائیوں کے عقیدہ کے موافق حضرت مسیح کے اور فضائل میں ایک بہت بڑی فضیلت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ وہ زندہ آسمان پر اٹھا لئے گئے اسلئے کہ مردہ شفاعت نہیں کرا سکتا۔ یہ دلیل ہے جو حضرت عیسی کی اور انبیا پر فضیلت کی بیان کی جاتی ہے۔ مگر حضرت حنوک کے زندہ خدا کے ساتھ پھرتے پھرتے غائب ہو جانے نے اس فضیلت کو خفیف کر دیا +

توریت میں لکھا ہے جب دنیا کی آبادی بہت بڑھ گئی اور بُرائی پھیلی تو خداوند تعالی انسان کے پیدا کرنے سے بہت پچتایا چنانچہ توریت کی عبارت حسب ذیل ہے" اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اُس کے دل کے تصور اور خیال روز بروز صرف بدہی ہوتے جاتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچتایا۔ اور نہایت دلگیر ہوا اور خداوند نے کہا کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا ہے روئے زمین پر سے مٹا ڈالوں گا۔ انسان اور حیوان کو بھی اور کیڑے مکوڑے

ﻣﺪ آسمان کے پرندوں تک کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچتاتا ہوں۔ مگر نوح پر خداوند نے مہربانی سے نظر کی۔ توریت نے جو کچھ خداوند زمین و زمان کی جناب میں گستاخی کی ہے اُسکو ہم اسلئے قلم انداز کرتے ہیں کہ ہمارے مضمون کا یہ مدعا نہیں ہے۔ ہمیں صرف انبیا۔ اُن کی تعلیم اور اُن کے اثر پر بحث کرنی ہے۔ اوپر والی توریت کی آیت اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ حضرت نوح سے پہلے ایک نبی نے بھی ایسی اصلاح نہ کی کہ نہ خداوند دلگیر ہوتا اور نہ اُس وحدہ لاشریک ذات کو پچتانا پڑتا حضرت نوح سے پہلے نبی آئے اور صدہا برس کے ہو ہو کے وفات پا گئے یا زندہ آسمان پر چلے گئے۔ مگر خدا کی مخلوق کا اُنسے کچھہ فائدہ نہوا۔ غرض حضرت نوح سے پہلے کے نبیوں پر تو پانی پھیر دیا گیا۔ اب حضرت نوح سے آگے آنیوالے ابنیا کا حال ملاحظہ ہو +

نوح علیہ السلام

جب خداوند تعالیٰ نے یہ ارادہ کر لیا کہ تمام دنیا کو غارت کر دوں تو نوح پر نظر رحمت کی اور بہت سے وعدے کئے کہ تجھے اور تیری اولاد کو برکت دیکے زمین میں بڑھاؤں گا۔ ایک کشتی تیار کرائی اور اسمیں سب قسم کے چرندوں اور پرندوں کا ایک ایک جوڑا رکھوایا پھر حسب منشائے باری طوفان آیا۔ چالیس دن اور چالیس رات موسلا دھار بارش ہوئی۔ پانی اسقدر چڑھا کہ بلند پہاڑوں سے بھی پندرہ ہاتھ اونچا نکل گیا۔ سب مر گئے مگر حضرت نوح مع اپنے ساتھیوں کے بچگئے۔ طوفان تھم گیا۔ کوے کے ذریعہ سے خشک زمین کا پتہ لگایا گیا۔ غرض دنیا پھر آباد ہوئی اور حضرت نوح نے انگوروں کا باغ لگایا اور زراعت کرنے لگے۔ ایک دن انگوروں کی اسقدر شراب چڑھا گئے کہ اپنی جان و تن کے ہوش نہ رہے۔ اور بالکل برہنہ ہو گئے۔ پھر دو بیٹوں نے جب باپ کو اس صورت میں دیکھا تو چادر سے اسکی برہنگی کو چھپا دیا۔ جب حضرت نوح کو ہوش آیا۔ تو انہیں یہ بات سخت ناگوار گزری کہ بیٹوں نے میری ستر پوشی کیوں کی چنانچہ آپنے اپنے چھوٹے بیٹے کنعان کو جسنے پہلے چادر آپکے اوپر ڈالی تھی۔ ملعون کہا اور اسکے لئے یہ فیصلہ کیا "وہ اپنے بھائیوں کے غلاموں کا غلام ہوگا"

حضرت ابراہیم علیہ السلام

آپ کا نسب نامہ لکھنے کے بعد توریت مقدس میں آپکے بعض واقعات زندگی کو اس طرح لکھا ہے "جب ابرام (ابراہیم) علیہ السلام دکھن میں پہنچا تو وہاں کال پڑ گیا پھر ابرام مصر میں گیا کہ وہاں ٹھیرے کیونکہ ملک میں بہت بڑا کال پڑا تھا۔ اور جب مصر کے نزدیک پہنچا تو اُسنے اپنی جورو سری سے کہا کہ دیکھہ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے۔ اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھینگے اور کہینگے کہ یہ اُس کی جورو ہے سو مجھکو مار ڈالینگے اور تجھے جیتا رکھینگے تو کہیو کہ میں اُسکی بہن ہوں تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو اور میری جان تیرے وسیلہ سے سلامت رہے" (کتاب پیدائش باب ۱۲۔ آیت ۱۰سے ۱۳ تک) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈرپوک اور جھوٹا ظاہر کرنیکے بعد توریت نے آپ کی زوجہ مطہرہ پر اور سخت حملہ کیا ہے چنانچہ اسی کتاب اور اسی باب میں آگے بیان ہوا ہے۔ جسکا مفہوم میں اپنے الفاظ میں لکھتا ہوں تاکہ توریت کی ٹیڑھی بڑنگی اردو سمجھنے میں ناظر تفسیر کو دقت اُٹھانی نہ پڑے۔ وہ جملہ یہ ہے "جب ابراہیم مصر میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں کی نظر آپکی بیوی پر پڑی۔ فرعون کے امرانے بھی اس بیوی کے حسن و جمال کو استعجاب کی نظر سے دیکھ کے فرعون سے جاکے کہا کہ ایسی جمیلہ خاتون تیرے ملک میں آگئی ہے فوراً فرعون نے حضرت ابراہیم کی بیوی کو بلا لیا اور اسکی عوض ابراہیم کو بھیڑ بکری۔ گائے بیل گدھے۔ غلام۔ لونڈی۔ گدھیاں اور اونٹ دئے بیوی کے عوض اُس مال کو ابراہیم نے قبول کر لیا۔ مگر فرعون اور اسکے خاندان پر حضرت ابراہیم کی بیوی کے چھین لینے

سے مصیبت پڑی - فرعون نے ابراہیم کو بلاکے یہ کہا کہ تو نے مجھ سے یہ کیوں نہ کہا کہ یہ میری بیوی ہے جب اُسے اپنی جورو نہ بنانا تو نے تو بہن کہا - اسلئے میں نے اُسے اپنی جورو بنا لیا - دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے حضرت ابراہیم نے اپنی جورو واپس لیلی اور کل مال و متاع اور چاندی سونے کا سامان لیکے چلدیئے "

سرسری طور پر دیکھنے کے بعد ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم کو معاذ اللہ توریت نے اول درجہ کا بیغیرت اور دیوث قرار دیا ہے اور ایسا دیوث جسکی نظیر سوائے بھڑووں اور زنانوں کے کسی بزدل سے بزدل قوم میں بھی نہیں ملنے کی حضرت ابراہیم کے اس سفر میں حضرت لوط بھی تھے جنہوں نے ابراہیم کی بیوی کی کمائی کا حصہ بانٹ لیا اور آپ سدوم کی سمت چلدیئے (پناہ بخدا)

حضرت لوط علیہ السلام

توریت میں حضرت لوط کا قصہ اسطرح درج ہے (قریب قریب یہی مفہوم قرآن مجید نے بھی ادا کیا گیا ہے - جو آگے بیان ہوگا) دو فرشتے شام کے وقت سدوم میں آئے لوط سدوم کے دروازے پہ بیٹھے تھے اُنہیں دیکھتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنا سر زمین تک جھکا دیا اور کہا اے میرے خداوندو اب توجہ کرکے اپنے بندہ کے گھر چلیئے - رات بھر آرام کیجئے پانوں دھوئیے اور فجر کو اُٹھ کر اپنی راہ لیجئے - فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم رات بھر رستہ میں پڑے رہیں گے حضرت لوط نے بہت منت کی کہ ایسا مت کیجئے - بلکہ میرے گھر چلکے شب باشی کیجئے - آخر وہ راضی ہوگئے - اور حضرت لوط کے ساتھ اُن کے گھر پہنچے آئے لوط نے بڑی خاطر کی اور فطیری روٹی اُنہیں پکا کے کھلائی - روٹی کھا کے فارغ ہوئے تھے کہ سدوم کے لوگوں نے جن میں جوان بوڑھے سب شریک تھے حضرت لوط کے مکان کو گھیر لیا - اور پکار کے کہا کہ وہ خوبصورت لڑکے جو آج کی رات تیرے ہاں مہمان ہوئے ہیں کہاں ہیں - اُنہیں ہمارے حوالے کر تاکہ ہم اُن سے صحبت کریں - یہ سنتے ہی لوط باہر نکلے اور دروازہ پیچھے سے بند کرکے اُن سے کہا کہ ایسا بُرا کام کیوں کرتے ہو - تمہیں ایسی ہی خواہش ہے تو میری دو جوان لڑکیاں موجود ہیں جنکی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی ہے وہ حاضر ہیں اُن سے تم مباشرت کرو - ان لڑکوں نے میرے مکان میں آکے پناہ لی ہے سدوم کے لوگوں نے جواب میں کہا کہ ہٹ جا ہم اندر جاکے اُن سے اپنا مطلب حاصل کرتے ہیں تو یہاں محض بود و باش کرنے آیا ہے یا ہم پر حکومت کرنے - دیکھ ہم اُن سے کیسی بدسلوکی کرتے ہیں کہ تو بھی یاد رکھے - اس کے بعد سب نے لوط پر حملہ کرکے کواڑ توڑ ڈالنے چاہے کہ اُن لڑکوں نے لوط کو گھسیٹ کے اندر لیلیا اور دروازے کو بند کردیا اور کل لوگوں کو جو گھر کے دروازے پر تھے کیا چھوٹے اور کیا بڑے اندھا کردیا - پھر فرشتوں نے حضرت لوط سے کہا کہ تم اپنے بیٹیوں اور دامادوں اور جورو کو لیکے باہر نکل جاؤ اس شہر پر عذاب نازل ہوگا حضرت لوط نے اپنے دامادوں سے باہر نکلجانے کے کیلئے کہا انہوں نے قہقہہ میں اُڑا دیا - خیر حضرت لوط اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کو ساتھ لیکے فرشتوں کے حکم سے باہر چلے گئے پھر سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ کا مینہ برسا - اور کل جاندار چرند پرند نباتات جل کے خاکستر ہوگئے - افسوس ہے کہ حضرت لوط کی بیوی بھی سلامت نہیں رہیں - صرف پھر کے دیکھنے کے جرم میں نمک کا ستون بن گئیں "

اس واقعہ کے بعد ایک سخت شرمناک قصہ نبی زادیوں کا بیان ہوا ہے جسے لکھتے ہوئے شرم آتی ہے - مگر اس خیال سے کہ انبیا اور انبیا زادیوں کا خاکہ جو کچھ توریت میں اُتارا گیا ہے - ناظر تفسیر کو معلوم ہوجائے - طوعاً و کرہاً لکھنا ہی پڑتا ہے

توریت نے ہر نبی کو دغاباز۔ دیوث۔ چور اور زانی قرار دیا ہی۔ اور توریت کے دامن پر یہ ایسا شرمناک دھبہ ہے کہ مٹائے مٹ نہیں سکتا۔ ناظر تفسیر کو بغور دیکھنے کے بعد کھلجائے گا کہ ایسی کتابوں کے مقابلہ میں قرآن مجید کی کتنی ضرورت تھی اور قرآن مجید کا نزول دنیا کے لئے کیسا لازمی تھا۔ اگر قرآن مجید نہ ہوتا تو ایک نبی بھی عزت کی نگاہ سے نہ دیکھا جاتا۔ ان پر ایمان لانا تو کجا۔۔ چنانچہ وہ شرمناک قصہ یہ ہے "حضرت لوط ضغر سے اپنی دونو بیٹیوں کو لیکے پہاڑ پر جا رہے کیوں کہ ضغر میں رہنے سے اُنہیں خطرہ تہا۔ آپ اور آپ کی دونو بیٹیاں ایک غار میں رہنے لگے۔ ایکدن بڑی بیٹی نے چھوٹی بیٹی سے کہا کہ ہمارا باپ بوڑہا ہے اور ہمیں کوئی مرد نظر نہیں آتا کہ دستور کے مطابق ہم سے مباشرت کرے۔ اور ہم اپنے باپ کو شراب پلاکے مست کردیں اور پہر اُس سے ہم بستر ہوویں تاکہ باپ کی نسل باقی رہے۔ چنانچہ اُسیدن اُنہوں نے اپنے باپ کو شراب پلائی۔ پہلی رات بڑی بیٹی گئی۔ اور اُس سے حضرت لوط شراب کے نشہ میں ہمبستر ہوئے۔ دوسرے روز لڑکی نے اپنی چھوٹی بہن سے کہدیا کہ رات کو شراب پلاکے میں اپنے باپ سے ہمبستر ہوائی ہوں۔ آج شب تو بھی ایسا ہی کر۔ رات ہوتے ہی چھوٹی لڑکی بھی شراب پلاکے اپنے باپ سے اُسی فعل شنیع کی مرتکب ہوئی۔ باپ سے دونوں بیٹیاں حاملہ ہوگئیں بڑی کے ہاں موآب پیدا ہوا۔ جو موآبی نسل کا جد بنا۔ اور چھوٹی کے ہاں بن عمی پیدا ہوا جو قوم بنی عمون کا بانی ہوا"

نبی زادیاں تو بڑی ٹہیریں مگر حضرت لوط بھی اس الزام سے نہیں بچ سکے۔ کیونکہ جب اُنہیں ہوش آیا اور اُسکی اطلاع ہوئی تو اُنہوں نے اپنی بیٹیوں سے ہُوں تک نہیں کی۔ دوسرے خدا پر یہ الزام آتا ہے کہ جب وہ معمولی معمولی باتوں میں اپنے فرشتوں کے ذریعہ سے نبیوں سے باتیں کیا کرتا تھا کیا وجہ ہوئی کہ اُس نے فرشتہ بھیج کے حضرت لوط کو آگاہ نکردیا کہ تمہاری لڑکی اس نیت سے تمہیں شراب پلائے گی تم ہرگز نہ پینا۔ حالانکہ قدم قدم پر خداوند سے باتیں ہوتی تہیں۔ لیکن ایسے شرمناک اور سنگین موقع پر کچھ نہ کہا گیا۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ اُس زمانہ میں بیٹیوں سے ہمبستر ہونا برا نہ سمجہا جاتا تہا اور چونکہ یہ عام ملکی رواج تھا۔ اسلئے برا نہیں ہوسکتا تو حضرت لوط کی بیٹیوں کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ وہ اپنے باپ کو بیہوش کرنیکے بعد اپنی نفسانی خواہش پوری کرتیں۔ وہ علانیہ اپنے باپ سے اسکی درخواست کرسکتی تہیں اور حسب قانون ملکی تسلیم کرنے میں اُنہیں کوئی انکار نہیں ہوسکتا تھا۔ مگر یہ بات نہ تھی اگر یہ فعل شنیع جائز ہوتا تو اب تک وہ بھی ہوتی کیونکر رہ سکتی تہیں۔ پس ضرور ہوا کہ ایسا فعل اسیطرح شنیع اور قبیح سمجہا جاتا تھا جیسا اب سمجہا جاتا ہے اور نبی زادیوں نے اس فعل کو قبیح سمجہ کے اپنے باپ کو پہلے بیہوش کیا اور پہر اس جرم عظیم کی اُس سے مرتکب ہوئیں۔ یہ ہے نمونہ انبیاء کے واقعات زندگی کا۔ جسکی شہادت توریت دیتی ہے۔ اور جس کتاب میں بالتفصیل نبی کے ایسے ہی شرمناک افعال لکھے ہوئے ہیں۔ ہم قریب قریب کل انبیا کے حالات درج کرینگے۔ تاکہ ناظر تفسیر انبیا کے مدارج توراتی اور قرآنی میں پورا فیصلہ کرسکے؀

حضرت اسحاق علیہ السلام

جب اسحاق مقام جرار میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں نے اُس سے اُسکی جورو کی بابت پوچھا تو اُسنے اس خیال سے کہ خوبصورت ہے اگر میں اسے اپنی بہن نہ بتاؤں گا تو مجھے مار ڈالیں گے اپنی جورو نہ کہا بلکہ یہ کہا کہ یہ میری بہن ہی لیکن ایکدن فلسطیوں کے بادشاہ ابی ملک نے جھروکے میں سے اسحاق کو ربقہ نامی عورت کے ساتھ جسے وہ بہن کہہ چکا تھا اختلاط

کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ ابی ملک نے اسحاق سے بلا کے کہا تو نے کیوں چھپایا جبکہ یہ تیری جورو تھی تو نے اسے بہن کیوں بنایا اسحاق نے کہا اسلئے کہ مجھے لوگ مار ڈالیں گے۔ ابی ملک نے جواب دیا کیا مجال ہی جو تیری طرف اور تیری جورو کی طرف آنکھ بھر کے بھی کوئی دیکھ لے۔ اور اُسنے عام منادی کرادی کہ جو کوئی اسحاق کو یا اُسکی جورو کو ہاتھ لگائیگا قتل کر ڈالا جائیگا۔

ایکدن اسحاق نے اپنے بیٹے عیسو کو بلا کے کہا کہ میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں اور میری آنکھوں سے نہیں دکھائی دیتا ہے مجھے یہ نہیں معلوم کہ میری موت کب آئے۔ جی یہ چاہتا ہے کہ تو اپنی ترکش لے اور جنگل چلا جا شکار کھیل اور بہت لذیذ کھانا پکا کے میرے لئے لا تاکہ میں سیر ہو کے کھاؤں اور تجھے برکت بخشوں۔ عیسو یہ سن کے شکار کھیلنے جنگل کی طرف نکل گیا حضرت اسحاق کی یہ باتیں ربقہ اُنکی بیوی نے سنیں (حضرت اسحاق کی کئی بیویاں نہیں) اس نے اپنے بیٹے یعقوب کو بلا کے کہا کہ معاملہ اسطرح ہوا ہے۔ تیرا سوتیلا بھائی عیسو گیا ہے اُسکو برکت ملجائے گی مناسب ہے کہ تو جا اور بہت جلد شکار کھیل کے لا کہ میں عیسو کے آتے آتے کھانا پکا کے تیار کروں۔ یعقوب نے کہا۔ میرا باپ کہیں مجھے پہچان نہ لے کیونکہ میرے بھائی کے جسم پر بال ہیں اور میرے جسم پر بالکل بال نہیں ہیں۔ ربقہ نے کہا تو اسکا کچھ خیال نکر میں انتظام کروں گی چنانچہ یعقوب گیا اور عیسو سے پہلے شکار مار لایا۔ ربقہ نے بہت جلد کھانا پکا کے یعقوب کو دیا کہ تو اپنے باپ کے پاس لیجا یعقوب کھانا لیکے گیا۔ اور آواز دی اے باپ۔ اسحاق نے کہا میں ہوں اے میرے بیٹے پھر یعقوب بولا۔ اے باپ تیرا بیٹا عیسو تیرے لئے شکاری کھانا پکا کے لایا ہے۔ تو کھا اور مجھے برکت دے۔ اسحاق نے حیران ہو کر پوچھا کہ اتنی جلدی تجھے شکار کیونکر ملگیا۔ یعقوب نے کہا۔ خداوند نے جلدی سے میرے آگے کر دیا۔ اسحاق بولا آ میرے بیٹے میں تجھے چھوؤں یعقوب نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ عیسو کی طرح اُسکے ہاتھ پر بال تھے۔ اسحاق سمجھ گیا کہ عیسو یہی ہے۔ کھانا کھایا اور اُسے برکت دی ؛

عقل باور نہیں کرتی کہ توریت کا یہ قصہ صحیح ہو نہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس قصہ کا مصنف کوئی فہمیدہ شخص ہو باپ اور بیٹوں کی آواز میں تمیز نکرے۔ عجیب بات ہی قدم کی آہٹ سے آدمی پہچانا جاتا ہے نہ کہ آواز سے بھی نہ پہچانا جاسکے ع

این خیال ست و محال ست و جنوں ؛ جو جرم ابراہیم نے کیا کہ اپنی جورو کو بہن بنایا۔ اور پھر اس سے اختلاط کیا یہی جرم اسحاق سے ہوا کہ بلاوجہ خیالی خوف سے اپنی جورو کو بہن بنایا۔ اور جب ابی ملک کو معلوم ہوا تو اُس نے ملامت کی کہ اے اسحاق تو نے اپنی جورو کو کیوں بہن بنایا۔ جبکہ کوئی شخص تیری طرف آنکھ اٹھا کے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ ہی حضرت اسحاق کے سوانح عمری کا اختصار جو توریت میں بیان ہوئے ہیں ؛

حضرت یعقوب علیہ السلام

توریت میں حضرت یعقوب کا عجیب قصہ مذکور ہوا ہے۔ آپ اپنی ماموں زاد بہن کے عشق میں چودہ برس تک غلامی کرتے رہے۔ اسکی مفصل کیفیت یہ ہے کہ جب یعقوب پوربی لوگوں کے ملک میں پہنچا تو اُس نے دیکھا ایک گڑھی پر بہت بڑا پتھر رکھا ہے۔ گلہ والے اُس پتھر کو ہٹا کے اپنے گلہ کو پانی پلا دیتے ہیں۔ اور پھر وہی پتھر اس گڑھے پر ڈھانک دیتے ہیں۔ چنانچہ پانی پلا کے حسب معمول پتھر ڈھانک کے چلے گئے یعقوب ابھی موجود ہی تھا کہ راخل اپنے باپ کی بھیڑوں کے ساتھ آئی یعقوب نے پہچان لیا کہ یہ میرے ماموں لابن کی بیٹی ہے اُسکے پاس گیا اور پتھر کو گڑھے یا کوئیں پر سے اٹھا دیا تاکہ لڑکی اپنے باپ کے گلہ کو پانی پلا دے جب گلہ پانی پی چکا تو یعقوب نے کہا میں تیرے باپ کی برادری میں ہوں اور ربقہ کا

بیٹا ہوں۔ لڑکی دوڑی ہوئی اپنے باپ کے پاس آئی اور اُس سے یعقوب کی پوری کیفیت بیان کی۔ لابن اپنے بھانجہ کی خبر سن کے دوڑا ہوا آیا یعقوب کو گلے لگا کے کہا کہ سچ تو میری ہڈی اور گوشت ہی۔ آ میرے گھر چل یعقوب اپنے ماموں کے گھر چلا آیا اور ایک مہینہ تک مہمان رہا

لابن نے کہا تو میرا بھائی ہے کیا میری خدمت کرے گا اور کیا مزدوری لیگا۔ لابن کی دو بیٹیاں تھیں ایک کا نام لیاہ اور دوسری کا راخل تھا۔ لیاہ چُندھی اور بدصورت تھی۔ مگر راخل بہت ہی خوبصورت تھی۔ یعقوب اُس لڑکی پر دل و جان سے عاشق ہوگیا تھا۔ لابن سے کہا کہ محض اِس لڑکی کے لئے میں سات برس تک تیری مفت خدمت کرونگا۔ لابن راضی ہوگیا اور یعقوب صرف اِس لڑکی کے عشق میں سات برس تک خدمت کرتا رہا۔ جب سات برس پورے ہوئے تو یعقوب نے لابن سے کہا اپنے وعدے کو ایفا کر اور اجازت دے کہ میں تیری لڑکی کے پاس جاؤں۔ لابن نے تقریب کی اور بہت سے لوگوں کی ضیافت کی مگر اپنی بیٹی کے بدلے اپنی لونڈی زلفہ کو دھوکا دیکے یعقوب کے پاس بھیجدیا۔ علی الصباح یعقوب کو یہ کیفیت معلوم ہوئی اُس نے سخت شکایت کی کہ اے لابن تو نے وعدہ خلافی کی۔ لابن نے کہا سن یعقوب ہمارے ہاں یہ دستور نہیں ہے کہ بڑی لڑکی کے ہوتے چھوٹی لڑکی کو بیاہ دیں اگر تو راخل کو چاہتا ہی تو سات برس اور بھی میری بلا اُجرت خدمت کر یعقوب چونکہ دل و جان سے فریفتہ ہوچکا تھا خدمت کرنی شروع کی اور وہ سات برس بھی پورے کئے۔ اخیر لابن نے اپنا وعدہ پورا کیا کہ اپنی بیٹی راخل کو مع ایک لونڈی کے یعقوب کے حوالہ کیا۔ خدا کو اِسپر غصہ آیا کہ یعقوب نے لابن کی بڑی بیٹی لیاہ سے کیوں نفرت کی اِسلئے راخل کو بانجھ کردیا۔ اور لیاہ کا رحم کھولدیا گیا۔ لابن نے اپنی دوسری بیٹی لیاہ بھی یعقوب کے سپرد کردی۔ یعقوب کی نظر راخل پر بہت تھی۔ مگر لیاہ کے ہاں اولاد نرینہ پیدا ہونی شروع ہوئی۔ یکے بعد دیگرے چار بیٹے ہوئے۔ راخل کو اپنی نہیں میں مرجاؤں گی۔ یعقوب کو یہ سُن کے غصہ آیا۔ اور کہا راخل یہ تو کیا باتیں کرتی ہی کیا میں خدا کی جگہ پر ہوں جس نے تجھے پیٹ کے پھل سے باز رکھا ہے راخل نے جواب دیا اچھا میری لونڈی بلہہ حاضر ہے تو آج شب اسکے ساتھ سو وہ حاملہ ہوگی تو میں اُسے اپنے گھٹنوں پر جناؤں گی تاکہ میرا گھر اُس سے آباد ہو۔ یعقوب اُس پاس گیا بلہہ حاملہ ہوئی اور یعقوب سے بیٹا جنی۔ اِسپر راخل بہت خوش ہوئی اور بولی خدا نے میری فریاد سُنی دوبارہ بلہہ حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی۔ راخل نے شاد ہو کے کہا میں اپنی بہن لیاہ پر غالب آگئی اِسپر لیاہ کو حسد ہوا کیونکہ وہ جننے سے رہ گئی تھی اِسلئے اُسنے بھی اپنی لونڈی زلفہ یعقوب کو دی۔ یعقوب اُسے بھی اپنے استعمال میں لایا۔ اور اُس سے علی التواتر دو بیٹے ہوئے۔

اخیر میں خدا نے راخل کے رحم کو بھی کھولدیا۔ اور وہ حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی۔ اِسکے بعد لابن اور یعقوب کا جھگڑا اور عیسو یعقوب کے بھائی کی لڑائی کا تذکرہ ہے جو بہت ہی بے تُکا اور بے مزا ہے۔ اس لئے اِسے یہیں ختم کیا جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام

جب حضرت یعقوب کنعان کی سرزمین پر رہنے لگے تو یوسف کی عمر سترہ برس کی تھی یہ گلہ چرایا کرتے تھے۔ یوسف بلہہ اور زلفہ لونڈیوں کے بیٹوں کے ساتھ رہتا تھا اور اُن کی بھلی بُری خبریں باپ سے کہا کرتا تھا۔ چونکہ یہ بڑھاپے کی اولاد تھی اسلئے حضرت یعقوب اِس سے بہت محبت کرتے تھے۔ یعقوب نے اپنے بیٹے یوسف کیلئے رنگ برنگ کی قبا بنائی دوسرے بھائی دیکھ کے جل گئے۔ ایک دن یوسف نے بھائیوں سے اپنا خواب بیان کیا خواب سنتے ہی بھائی اور بھی ناراض ہوئے

وہ خواب یہ ہے " میں کیا دیکھتا ہوں کہ ہم سب کھیت پر بیٹھے ہوئے پولے باندہ رہے ہیں۔ جب ہم پولے باندہ چکے تو میرا پولا خود ہی کھڑا ہو گیا اسکے بعد تمہارے پولے میرے پولے کے آگے کھڑے ہوئے اور پھر سجدہ کیا۔ اُسکے بہائیوں نے جل کے کہا کہ تو ہمارا بادشاہ ہوگا۔ یا ہمارا حاکم ہوگا۔ پھر روز بروز کینہ بڑھتا گیا۔ یوسف نے دوسرا خواب دیکھا اور وہ بھی اپنے بہائیوں سے بیان کیا اسکا مضمون یہ ہے کہ خواب میں سورج۔ چاند اور گیارہ ستاروں نے مجھے سجدہ کیا ۔

جب یوسف نے اپنے باپ اور بھائیوں سے یہ خواب بیان کیا تو بہائیوں کو بہت صدمہ ہوا اور باپ نے یوسف کو دہتکارا کہ یہ کیا خواب ہے جو تو نے دیکھا ہے کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کے تجھے سجدہ کرینگے۔ جب یوسف کے بہائی مقام سکم میں گلہ چرانے گئے تو حضرت یعقوب نے یوسف کو بھی بہائیوں کے پاس بہیجدیا رستہ میں ایک شخص یوسف سے ملا یوسف راستہ بہول گئے تھے اس شخص نے رستہ بتایا آخر یوسف مقام دوتین میں اپنے بہائیوں کے پاس جا پہنچا دور سے اُنہوں نے دیکھ کے یہ صلاح کی کہ یوسف کو مار ڈالیں تاکہ اُسکے بدتر خوابوں سے نجات ملے۔ اِن میں سے ایک بہائی نے یہ کہا کہ یوسف بھی ہمارا خون اور گوشت ہے اسے قتل کرنا نہ چاہیئے بلکہ کسی اندہے کوئیں میں ڈالدینا چاہیئے پھر باپ سے یہ کہدیا جائے کہ اُسے کوئی درندہ اٹھا کے لیگیا۔ غرض جب یوسف اپنے بہائیوں کے پاس پہنچا تو اُنہوں نے سب سے پہلے اُس کی بوقلموں قبا کو اُتار لیا اور ننگا کر کے اندہے کوئیں میں ڈالدیا کہ اسی اثنا میں اسماعیلیوں کا ایک قافلہ پہنچ گیا جو سامان تجارت لئے ہوئے مصر جاتا تھا۔ بہائیوں نے صلاح کی کہ یوسف کو اس قافلہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالیں آخر صلاح ٹھہر گئی اور یوسف کو اسماعیلیوں کے ہاتھ بیس روپیہ کو فروخت کر ڈالا۔ بہائیوں نے یہ ترکیب کی ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے قبا کو اُسمیں تر کیا۔ اور باپ یعقوب سے آ کے بیان کیا کہ ایک بڑا درندہ یوسف کو کھا گیا۔ اے باپ یہ اسی کی بوقلموں قبا ہے یا نہیں۔ یعقوب نے کہا میں نے پہچانا یہ اسی کی قبا ہے۔ پھر یعقوب نے رونا اور واویلا کرنا شروع کیا اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور اپنے کولے پر ٹاٹ ڈال لیا ہر چند بیٹوں۔ بیٹیوں اور جوروں نے سمجھایا۔ لیکن غم میں یعقوب کا آنسو نہیں تہما ۔

اسماعیلی قافلہ کے سردار نے خوطیفار نامی مصری ایمر کے ہاتھ جو شاہ مصر کے جادوگروں کا سردار تھا یوسف کو فروخت کر ڈالا اب یوسف کے دن پھرے اور وہ اپنے مصری آقا کے پاس رہنے لگا۔ یوسف سے اُسکا آقا بہت خوش ہوا اپنے تمام گھر کے دولت کا اُسے مالک بنا دیا خدا نے یوسف کی وجہ سے اُس سردار کو برکت دی اور اُسکے گھر میں لہر بہر ہو گئی یوسف کے آقا نے سوائے روٹی کھا لینے کے اور کوئی کام نہ رکھا۔ سب کا یوسف کو مختار بنا دیا۔ یوسف اول درجہ خوبصورت اور نور پیکر تھا۔ مصری آقا کی بیوی یوسف پر عاشق ہو گئی اور درخواست کی کہ تو مجھسے ہمبستر ہو۔ یوسف نے کہا یہ کیونکر ہو سکتا ہے تو میرے آقا کی جورو ہے وہ مجھپر اتنی مہربانی کرتا ہے کہ سارا گھر اپنا مجھے دے رکھا ہے تیرے ساتھ ہمبستر ہو کے میں خدا کا گنہگار نہیں بننا چاہتا یہ عورت روز مرہ یوسف سے مصر ہوتی تھی۔ لیکن وہ برابر انکار کرتا تھا ایکدن یوسف کو گھر میں اکیلا پا کے اُسکا پیراہن پکڑ لیا۔ اور کہا آج تو مجھسے ہمبستر ہو۔ میں تجھے خالی کبھی جانے دونگی۔ یوسف اپنا پیراہن چھڑا کے بھاگا اور گھر سے باہر نکل گیا عورت جلگئی اور اُسنے چند آدمیوں کو جمع کر کے کہا دیکھا میرے خاوند نے جس عبری کو اپنی گھر میں رکھا ہے آج اُسنے مجھپر دست درازی کی اور چاہا کہ میری ساتھ ہمبستر ہو۔ میں نے بمشکل اپنا بچا چہایا اور غل مچانے لگی تو بہزار

وقت یہاں سے بھاگا ہے - اتنے میں اُسکا خاوند آگیا اُس سے بھی شکایت کی - یوسف کا آقا یہ سُن کے سخت برہم ہوا
اُسنے یوسف کو پکڑ کے شاہی قیدیوں کے پاس قید کر دیا +

خدا یوسف کے ساتھ تھا اُسنے جیل خانہ کے داروغہ کو یوسف پر مہربان کیا - داروغہ نے کل قیدیوں کو یوسف کے سپرد کر دیا اور قید خانہ کے کل کام یوسف کے سپرد کر کے آپ بے فکر ہو گیا - اسی اثنا میں شاہ مصر نے ناراض ہو کے اپنے دو سرداروں کو جو ایک ساقیوں کا سردار تھا اور دوسرا نان پزوں کا - اسی قید خانہ میں بھیجدیا - قید خانہ کے داروغہ نے انہیں بھی یوسف کے حوالہ کر دیا اور وہ ایک مدت تک قید خانہ میں رہے - ان سرداروں نے رات کو ایک خواب دیکھا اور صبح کو اُٹھے تو تعبیر نہ ملنے کی وجہ سے سخت پریشان تھے - یوسف نے اُن دریافت کیا - تم اوداس کیوں ہو اُنہوں نے کہا جو خواب ہمنے دیکھا ہے اُسکی تعبیر نہیں ملتی - یوسف نے جواب دیا کہ تم خواب بیان کرو تعبیر میں بتا دیتا ہوں - سردار مے یہ بیان کیا خواب میں ایک تاک میرے سامنے آئی - اُس تاک میں تین ڈالیاں تھیں - اُن میں کلیاں نکلیں - پھر پھول آئے اور انگور لگے فرعون کا پیالہ میرے ہاتھ میں تھا سو میں نے اُن انگوروں کو لیکے اُس پیالہ میں نچوڑا اور وہ جام میں نے فرعون کے ہاتھ میں دیا - یوسف نے کہا کہ یہ تین ڈالیاں تین دن ہیں - تین دن کے بعد بادشاہ تجھے دربار میں بُلا کے تیرا منصب عطا کرے گا اور تو اُسیطرح اپنے آقا کو جام شراب پلایا کرے گا - لیکن جب تو خوشحال ہو تو مجھے یاد کیجو اور مجھپر مہربانی کیجو اور فرعون سے میرا ذکر کر کے مجھے اس قید خانہ سے رہائی دلوائیو - مجھے عبرانیوں کی ولایت سے یہاں چرا لائے ہیں - میں نے کوئی جرم نہیں کیا - ناحق مجھپر طوفان اُٹھا کے مجھے یہاں قید کر دیا ہے یہ خواب تو ساقیوں کے سردار کا تھا - نان پز کے افسر نے یہ دیکھکے کہ دوست کے خواب کی تعبیر بہت ٹھیک دی گئی ہے اپنا خواب بیان کیا کہ خواب میں میں نے دیکھا کہ تین ٹوکریاں روٹیوں کی سر پر لئے ہوں اوپر کی ٹوکری میں فرعون کے لئے سب قسم کا پکا ہوا کھانا رکھا ہے اُس ٹوکری میں سے پرندے کھا رہے ہیں - یوسف نے تعبیر بیان کی - کہ یہ تین ٹوکریاں تین دن ہیں - اب سے تین دن کے بعد فرعون تیرا سر تن سے جدا کریگا اور ایک درخت پر لٹکا دے گا اور وہاں پرندے نوچ نوچ کر تیرا سر کھائیں گے +

تیسرے روز فرعون کی سالگرہ ہوئی - تمام امراء اور اراکین سلطنت جمع ہوئے - سردار ساقی اور نان پز کی دربار میں طلبی ہوئی - ساقیوں کا سردار اپنے عہدے پر بحال کر دیا گیا - مگر نان پز کے سردار کو پھانسی دی گئی - ساقیوں کا سردار خوشحال ہونے پر یوسف کو بھول گیا - ایک دن فرعون نے خواب دیکھا اور اُسکی تعبیر کے لئے سخت پریشان ہوا - اُسوقت ساقیوں کے سردار کو یوسف یاد آیا اُس نے سفارش کی کہ یوسف کو بلا کے تعبیر خواب پوچھی جائے - چنانچہ یوسف بلائے گئے اور فرعون نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی - یوسف نے کہا کہ سات برس تک تیرے ملک میں لہر بہر رہی گی - غلّہ دگنا تگنا پیدا ہو گا اور پھر سخت قحط پڑے گا - اگر تو نے تحصیلدار مقرر کر کے غلہ کے جمع کرنے کا انتظام کیا تو تیری رعایا بڑی حد تک قحط سے بچ جائے گی - یہ تعبیر فرعون اور اُسکے کل سرداروں کو بھلی لگی - فرعون یوسف پر ایسا مہربان ہوا کہ حکومت مصر اُسکے حوالہ کر دی - اور کہا سب کچھ تیرا ہے اور ہر چیز پر تجھے اختیار حاصل ہے - تجھ سے زیادہ ہوشیار اور عقلمند میں نے اور کوئی نہیں دیکھا صرف تخت نشینی میں میں تجھسے بزرگتر رہوں گا - باقی ساری زمین پر تجھے حکومت بخشی - پھر فرعون نے اپنی انگوٹھی اپنی انگلی سے اُتار کر یوسف کو پہنا دی - اور کتان کا لباس پہنایا - اور سونے کا طوق اُسکے گلے میں ڈالا اور اپنی دوسری

گاڑی میں سوار کرا کے اُسکے آگے منادی کرا دی - سب ادب سے رہو کل مملکت مصر پر اسے حاکم بنایا گیا ہے - فرعون نے یوسف کا نام جہاں پناہ رکھا - اسوقت یوسف کی عمر تیس برس کی تھی - سات برس کے بعد کال پڑا چاروں طرف آفت مچگئی لوگ دوڑے ہوئے فرعون کے پاس آئے کہ ہم کہاں سے کہائیں فرعون نے کہا یوسف کے پاس جاؤ - جو کچھ وہ کہے اسپر عمل کرو یوسف نے لاکھوں من غلہ پہلے ہی سے کہتوں اور کوٹھوں میں بہر رکھا تھا اُن کے ہاتھ فروخت کرنا شروع کیا - قحط کو روز بروز ترقی ہوئی اور اب اور ملکوں کے لوگ بھی غلہ مول لینے مصر میں آنے لگے +

یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا مصر میں غلہ موجود ہے تم کیوں نہیں جاکے لاتے - یوسف کے دس سوتیلے بھائی غلہ لینے کے لئے اپنے باپ کے حکم سے مصر میں آئے - مگر یعقوب نے یوسف کے سگے بھائی بنیا کو نہیں بہیجا - کیوں کہ یوسف کا داغ کلیجہ پر موجود تہا - جب یوسف کے بہائی مصر میں پہنچے تو سیدہے غلہ خریدنے کیلئے یوسف کے پاس گئے کیونکہ یوسف ہی حاکم تہا اور یوسف ہی غلہ بیچتا تہا - جوں ہی یوسف کو دیکہا اُسکے بہائی اُسکے آگے سربسجود ہوئے - یوسف اُنہیں پہچان گیا - لیکن اُنہوں نے یوسف کو نہ پہچانا - یوسف کو وہ خواب یاد آئے کہ میرے بہائی میرے آگے سجدہ کرتے ہیں یوسف نے جان کے ذرا سختی سے گفتگو کی اور للکار کے پوچہا تم کہاں سے آئے ہو اُنہوں نے کہا ہم سرزمین کنعان سے غلہ لینے آئے ہیں - یوسف نے کہا نہیں تم جاسوس معلوم ہوتے ہو - زمین کی بُری حالت دیکہنے آئے ہو - اُنہوں نے متفق اللفظ جواب دیا - نہیں ہم سب ایک ہی شخص کے بیٹے ہیں - ہم سچے ہیں تیرے غلام جاسوس نہیں - یوسف نے پہر دہتکارا کہ نہیں تم قطعی جاسوس ہو - بہائیوں نے کہا تیرے غلام کنعان میں ایک ہی شخص کے بیٹے ہیں - چہوٹا بہائی باپ کے پاس ہے لیکن ایک بہائی نہیں ملتا +

یوسف - میں نے کہا نہ تہا کہ تم جاسوس ہو وہی بات نکلی نا - تمہارا اسی سے امتحان ہوگا - فرعون کی زندگی کی قسم جبتک تمہارا چہوٹا بہائی یہاں نہ آجائے تم جا نہیں سکتے - تم اپنے میں سے ایک شخص کو اُسکے لینے کے لئے بہیجو - اور اُس عرصہ تک تم قید میں رکہے جاؤگے - اور تمہارے صدق و کذب کی پوری جانچ کی جائیگی اور نہیں تو فرعون کی جان کی قسم تم یقیناً جاسوس ہو - یہ کہکے یوسف نے تین دن تک اُنہیں نظربند رکھا تیسرے روز اُنہیں بلا کے کہا کہ اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو اپنے میں سے ایک کو یہاں قید میں چہوڑ دو اور سب بہائی غلہ لیکے چلے جاؤ اور اپنے چہوٹے بہائی کو ساتھ لے آؤ تاکہ تم سچے بھی نکلو اور تمہاری زندگی بھی بچے - اِن بہائیوں نے یہ منظور کر لیا - اور آپس میں مشورہ کیا کہ ہمپر اِس سختی کی وجہ سے آفت آئی ہے جو ہمنے اپنے چہوٹے بہائی پر کی تہی - روبن جسنے یوسف کو قتل سے بچایا تھا کہنے لگا دیکہو میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ تم اسپر ظلم نکرو - لیکن تم نے نہ مانا - اب تم خود ہی دیکہہ لو کہ اُسکے خون کی بازپرس ہوئی یوسف اُن کی باتیں سب سمجہہ رہے تھے کیونکہ یہ معلوم نہ تھا کہ یوسف ہماری زبان سمجہتا ہے اسلئے کہ یوسف نے ترجمان کے ذریعہ سے اُن سے باتیں کی تہیں - یوسف علیحدہ گوشہ میں جاکے رونے لگے اور آنکہیں پونچہ کے پہر اپنے سوتیلے بہائیوں کے پاس آئے اور باتیں کرنے لگے - اُن میں سے شمعون کو لیکے اُن کے آگے باندہا اور اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ ان کے بورے غلہ سے بہر دیں اور اسکی نقدی جو اُنہوں نے دی ہے اُسے بھی بوروں ہی میں رکہدیں اور اُنہیں زادراہ بھی دیدیں سب بہائی گدہوں پر غلہ لادکے چلدئے - ایک منزل پر وہ دم لینے کے لئے ٹہیرے گدہوں پر سے بار اُتارا ایک بہائی نے اُس

نقدی کو پالیا جو اوپر ہی تھیلی میں رکھی ہوئی تھی - وہ نقدی دیکھہ کے ڈر گیا - اور اُس نے اپنے بھائیوں سے کہا - ہائیں یہ کیا بات ہے - آپس میں وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ خدا نے ہمارے ساتھ کیا کیا +

اخیر سب بھائی زمین کنعان میں پہنچے - اور اپنے باپ یعقوب سے ساری کیفیت بیان کی اور سب نے اپنی بوریاں کھولیں تو اُن میں سے نقدی نکلی - یعقوب اور اُسکے بیٹے یہ نقدی دیکھہ کے ڈر گئے پھر یعقوب نے ٹھنڈا سانس بھر کے کہا - ہائے تم نے مجھے بے اولاد کیا - یوسف یوں گم ہو گیا - شمعون کو شاہ مصر کی قید میں چھوڑ آئے - اور اب بنیامین کو لیجانیکی صلاح ہے روبن نے کہا اے باپ تو بنیامین کو مجھے سونپ دے اگر میں اُسے واپس نہ لے آؤں تو تو میرے دونوں بیٹوں کو قتل کر ڈالیو یعقوب نے رو کے کہا میں کیونکر اس چھوٹے بیٹے کو تمہارے ساتھ کر سکتا ہوں اسکا بھائی مر چکا ہے اور وہ اکیلا رہ گیا ہے اگر اسپر بھی یہی آفت پڑی تو تم میرے بڑھاپے کے بالوں کو سخت غم کے ساتھ گور میں اُتارو گے +

جب یعقوب راضی نہوئے تو بھائی خاموش ہو رہے - لیکن کچھہ عرصہ کے بعد وہ غلہ خرچ ہو گیا - پھر یعقوب نے غلہ لانے کے لئے کہا اسپر یہودا بولا کہ شاہ مصر نے ہمیں تاکید کر دی تھی کہ تم اپنے بھائی کو ضرور اپنے ساتھ لانا - اگر تم نہ لائے تو میرا منہ نہ دیکھو گے - اگر تجھے غلہ منگانے کی ضرورت ہے تو ہمارا بھائی ہمارے ساتھ کر دے نہیں کرتا تو ہم بغیر اسکے کبھی نہ جائیں گے یعقوب نے کہا کہ تم نے کیوں میرے ساتھ بدی کی کہ اُس سے یہ کہدیا کہ ہمارا چھوٹا بھائی ہے یہودا بولا آپ کیا کہتے ہیں ہم نے خود کچھہ نہیں کہا - اُس شخص نے تنگ کر کے ہم سے پوچھا کیا تمہارا باپ ابھی تک زندہ ہے کیا تمہارا کوئی اور بھائی بھی ہے ناچار ہمنے بتا دیا - اب اگر تو ہماری ہمارے بچوں اور اپنے بچوں کی زندگی چاہتا ہے تو ہمارے ساتھ کر دے ناچار یعقوب راضی ہو گئے اور کچھہ تحفہ تحائف دیکے بنیامین یعنے حضرت یوسف کے چھوٹے سگے بھائی کو اپنے اور بیٹوں کے ساتھ کر دیا اور کہا یہ نقدی بھی واپس لیجاؤ شاید اُنسے بھولے سے رکھدی ہو اور اپنے بیٹوں کو دعا دی کہ وہ مرد تمپر مہربان ہوگا -

غرض یہ سب سامان لیکے اور بنیامین کو بھی ساتھ لیکے مصر میں یوسف کے پاس آئے - یوسف نے اپنے چھوٹے بھائی کو پہچان لیا - اور اپنے داروغہ کو حکم دیا کہ تم ان سب کو میرے مکان پر لیجاؤ - ایک بھیڑ ذبح کرو اور کھانا تیار کرو - دوپہر کو میں ان کے ساتھ کھانا کھاؤں گا یہ بیچارے ڈر گئے اور دلمیں خیال کرنے لگے کہ کہیں یہ شخص ہمپر چوری مقرر کر کے حملہ تو نہ کرے گا - اور ہمیں غلام تو نہ بنائے گا - یوسف نے شمعون کو بھی قید خانہ سے نکال کے اُن کے پاس بھیجدیا - یہ پریشان ہو کے داروغہ سے پوچھنے لگے کہ جب ہم نے گھر لیجا کر بوریاں کھولیں تو اُن میں سے ہماری وہ نقدی نکلی جو ہم نے قیمت دی تھی - ہمیں بڑا خوف ہے کہ کہیں ہمیں چوری کا الزام نہ لگایا جائے - داروغہ نے کہا تم گھبراتے کیوں ہو تمہارے غلہ کی قیمت تو ہمیں وصول ہو چکی خدا نے یہ نقدی تمہیں مرحمت کی ہے - بھائیوں نے اُس ہدیہ کو گھر میں بیٹھہ کے آراستہ کیا جو اپنے باپ کے پاس سے لائے تھے اور جوں ہی وقت مقررہ پر یوسف آئے تو وہ ہدیہ پیش کیا - اور سب کے سب سجدے میں گر پڑے - یوسف نے نہایت مہربانی سے خیر و عافیت پوچھی اور کہا تمہارا بوڑھا باپ زندہ ہے - بھائیوں نے کہا ہاں تیرا چاکر اور باپ ہمارا زندہ ہے - یہ کہہ کے وہ پھر سجدہ میں گر پڑے - یوسف نے آنکھہ اُٹھا کے اپنے سگے بھائی بنیامین کو دیکھا اور کہا یہی تمہارا بھائی ہے جسکی نسبت تم نے مجھسے کہا تھا اُنہوں نے کہا ہاں - یوسف کی زبان سے بیساختہ نکل گیا اے فرزند خدا تجھپر رحمت کرے یہ کہہ کے یوسف کا دل بھر آیا - اور چاہا کہ خوب پھوٹ پھوٹ کر روئے - فوراً اُٹھہ کھڑے ہوئے اور علیحدہ

گوشہ میں آکے خوب روکے پھر مُنہ پونچھہ کے بھائیوں کے پاس آئے اور کھانا چننے کا حکم دیا- سب کا کھانا علیحدہ علیحدہ چنا گیا- کیونکہ مصری عبرانیوں کے ساتھ ایک قاب میں کھانا مکروہ جانتے تھے چھوٹے بھائی کے لئے علیحدہ قاب چُنی اور سب نے خوب سیر ہوکے کھانا کھایا- یوسف نے امیر داروغہ سے حکم کیا کہ اِن کی بوریاں غلّہ سے بھردے اور ہر بوری میں اُنکی نقدی رکھدے- اور بنیامین کی بوری میں میرا چاندی کا پیالہ رکھدے اور جب وہ شہر کے باہر جائیں تھوڑی دور کے فاصلہ پر تو اُنہیں جالے- اور بنیامین کا بورا کھول کے پیالہ نکال- اور یہ کہہ واہ تم بھی عجیب لوگ ہو کہ نیکی کے عوض بدی کرتے ہو- میرے آقا نے تم پر اتنی مہربانی کی اور تم اُسکا پانی پینے کا پیالہ چُرا لائے- چنانچہ داروغہ نے اپنے آقا یوسف کے حکم کی تعمیل کی- شہر کے باہر اُنہیں جالیا- اور کہا کہ تم میرے آقا کا پیالہ چرا لائے ہو ان سب نے سن کے کانوں پر ہاتھ رکھے اور کہا کہ ہماری نسبت ایسا گمان نہ کرو ہم کبھی ایسا نہیں کرینگے داروغہ نے کہا کہ اس حجت سے کیا ہوتا ہے اگر تم میں سے کسی کے پاس وہ پیالہ نکل آئے تو کیا علاج- سب نے متفق اللفظ جواب دیا کہ اُسے سزائے موت دیجائے خواہ اُسے غلام بنایا جائے داروغہ نے کہا وہ میرا غلام ہوگا چنانچہ ایک ایک شخص کے بورے کی تلاشی لی گئی- وہ پیالہ بنیامین کی بوری میں سے نکلا یہ دیکھتے ہی سب کے ہوش و حواس باختہ ہوگئے اور سب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور روتے پیٹتے شہر واپس پھرے- جب یوسف کے سامنے آکے کھڑے ہوئے تو یہوداہ نے غل مچا کے کہا اے تو بنیامین کے عوض مجھے غلام بنا کے رکھ لے میں اپنے باپ کو ضمانت دیکے اس بچہ کو لایا ہوں- اسکے ایک بھائی کو درندہ نے پھاڑ ڈالا ہے اس کا باپ اسپر عاشق ہے- اگر ہم بغیر اسکے گئے تو وہ یہ خبر سنتے ہی مرجائیگا اور ہمیں اُسکے غم کے بالوں کے ساتھ اُسے قبر میں اُتارنا پڑے گا- لہٰذا ہمپر رحم کیا- اور ہمیں یہ مصیبت نہ دکھا یہ سنتے ہی یوسف سے ضبط نہو سکا وہ غل مچا مچا کے رونے لگے اور کہا اے بھائیوں کیا تم نے مجھے نہیں پہچانا- میں تمہارا بھائی یوسف ہوں- تم نے مجھے قافلہ کے ہاتھ فروخت کیا تھا تم نے نہیں بلکہ خداوند نے مجھے مصر کی سرزمین میں پہنچایا- میں یہاں کا حاکم ہوں اور کل سیاہ و سفید میرے ہاتھ میں ہے- اگر میں یہاں نہ آتا تو ہم سب قحط کی وجہ سے مرجاتے کیونکہ ابھی پانچ برس اور بھی قحط پڑیگا- تم میرے باپ سے میری ساری شوکت کا جو اسوقت مجھے مصر میں حاصل ہے ذکر کرنا اور تم جاتے ہی میرے باپ کو یہاں لے آؤ- باپ کا نام لیتے ہی حضرت یوسف زار زار رونے لگے اور اپنے سگے بھائی بنیامین کو گلے لگا کے خوب دل کی بھڑاس نکالی اور ساتھ ہی سب بھائیوں کو چوما اور اُن سے مل کے رویا پھر بھائی بھی اُس سے باتیں کرنے لگے-

اس نالہ و بکا کی خبریں فرعون کو بھی پہنچیں اور یہ بھی سنا کہ یوسف کے بھائی آئے ہیں- فرعون نے بھی یوسف کے بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کی اور کہلا بھیجا کہ تو اپنے بھائیوں کو بہت سا غلّہ دیدے کہ وہ کنعانی سرزمین میں چلے جائیں اور اپنے باپ اور گھرانے کو لیکے فوراً مصر چلے آئیں- میں اُنہیں مصر کی سرزمین کی اچھی چیزیں دونگا اور تم اس زمین کے تحائف کھاؤگے تو (یعنی یوسف) اپنے خاندان کے لانے کے لئے یہاں سے سرکاری گاڑیاں بھیج چنانچہ یوسف نے یہی کیا کہ اپنے بھائی بنیامین کو تین سو روپیہ اور پانچ جوڑے کپڑوں کے اور اپنے باپ کے لئے دس گدھے مصر کی اچھی چیزوں سے لدے ہوئے اور دس گدھیاں غلّہ اور خورش کے سامان کی لدی ہوئیں اپنے بھائیوں کے حوالہ کیں کہ جا کے میرے باپ کو دیدیں اپنے بھائیوں کو یہ بھی تاکید کردی کہ تم رستہ میں جھگڑا نکرنا اور یہ ساری چیزیں اپنے باپ کے پاس لیکے پہنچنا-

چنانچہ یوسف کے سب بھائی یہ قیمتی سامان لیکے پہنچے اور حضرت یعقوب معہ اپنی کنبہ اور بال بچوں کے زمین فراعنہ میں داخل ہوئے

باہمی نزاع

جب یعقوب مریض ہوئے تو یوسف اپنے باپ کے پاس برکت لینے کے لئے آئے۔ یعقوب نے اپنے بیٹے کے لیئے برکت چاہی پھر یعقوب نے اپنا دہنا ہاتھ افرائیم کے سر پر رکھا یہ دیکھ کے یوسف بہت ناخوش ہوئے کہ باوا نے یہ کیا غضب کیا فوراً اپنے باپ کا ہاتھ گھسیٹ لیا اور کہا ایسا نہ کر اور چاہا کہ افرائیم کے سر پر سے اُٹھا کے منسّی کے سر پر رکھدیوے اور باپ سے خطاب کر کے کہا اے باپ یہ تو نامناسب حرکت کرتا ہی کیونکہ منسّی پلوٹھا ہے اپنا دہنا اُسکے سر پر رکھ یعقوب نے کہا نہیں میرے بیٹے نہیں میں جانتا ہوں میں جانتا ہوں فضیلت میں افرائیم ہی زیادہ ہوگا۔ پھر یعقوب نے اپنے کل بیٹوں کو جمع کر کے اُن کی آیندہ قسمت اور موجودہ طرز معاشرت پر یہ پیشین گوئی کی +

یعقوب بولے۔ اے رُوبن تو میرا پلوٹھا بیٹا ہے میری شہ زوری کا پہلا قدمیں بڑا اور عزت میں افضل ہی لیکن تو پانیوں کا سا جوش کھا کے بڑا نہ ٹھیرے گا کیونکہ تو اپنے باپ کے بستر پر چڑہا اور اُسے نجس کیا۔

شمعوؔن اور لاؔوی تو سگے بھائی ہیں اور اُنکی مکّاریاں ظلم کے ہتیار ای میری جان اُنکے مجمع میں دخل نہ کر اے میرے دل انکی مجلس میں شامل نہو۔ کیونکہ انہوں نے اپنے غضب میں مرد کو قتل کیا اور اپنی خودرائی سے بیلونکی کونچیں ماریں لعنت اُنکے غضب پر کہ تند تھا اور انکے قہر پر کہ سخت تھا میں اُنہیں یعقوب میں چھتراونگا اور اُنہیں اسرائیل میں تیتر اؤں گا۔

اے یہوداہ تیرے بھائی تری مدح کریں گے۔ تیرا ہاتھ تیرے ویری کی گردن میں ہوگا تیرے باپ کی اولاد تیرے حضور جھکے گی یہوداہ شیر ببر کا بچہ ہے اے میرے بیٹے تو شکار پر سے اُٹھ چلا ہے وہ شیر ببر بلکہ پرانے شیر ببر کی مانند جھکتا اور بیٹھتا ہے کون اسکو چھیڑے گا یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہو گا اور نہ حاکم اس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہے گا جب تک سیلانہ آوے اور قومیں اسکے پاس اکٹھی ہوں گی وہ اپنا گدہا انگور کے درخت سے ہاں اپنی گدہی کا بچہ خاص انگور کے درخت سے باندہے گا وہ اپنا لباس شراب میں ہاں اپنی پوشاک آب انگور میں دہوویگا اُس کی آنکھیں شراب سے لال ہونگی اور اُسکے دانت دودہ سے زیادہ سفید ہوں گے۔

مسکن زبلوؔن کا سمندر کا کنارہ اور جہازوں کا بندر ہوگا اور اُسکی سرحد صیدا تک پہنچے گی۔

اشکار مضبوط گدہا ہے جو دو بھیڑ سالوں کے درمیان بیٹھا ہی اور جب دیکھے کہ آرامگاہ خوب اور زمین دلپسند ہے تو اپنا کاندہا بوجھ اُٹھانے کو جھکائے گا اور خراج گزار بنے گا۔

داؔن اسرائیل کے فرقوں میں سے ایک کے مانند اپنے لوگوں کا بناؤ کرے گا داؔن راہ کا سانپ ہے اور سر راہ گزر کا افعی جو گھوڑے کی نلیوں کو ایسا ڈنسیگا کہ اسوار پیچھے گر پڑے گا۔ اے خداوند میں تیری نجات کی راہ دیکھتا ہوں۔

جد ایک فوج سے مغلوب ہوگا پر وہ اخیر کو غالب ہوگا۔

آشر سے اسکی روغنی روٹی آویگی وہ بادشاہی خوش خوراکیں دیگا۔

نفتالی چھوٹا ہوا ہرن ہے جو لطف کے کلام کہے گا۔

یوسف ایک پھلدار پودا ہے جو سوتے پر لگا ہوا جسکی شاخیں دیوار پر چڑہ جاتی ہیں تیر انداز اس کو چھیڑتے مارتے اور

ستاتے تھے لیکن اُس کی کمان زور میں پایدار رہے اور اُس کے ہاتھوں کے بازوؤں نے یعقوب کے خدائے قادر کے ہاتھوں سے قوت پائی (وہاں سے اسرائیل کی چرواہان اور چٹان ہے) تیرے باپ کے خدا سے جس نے تری مدد کی اور اس قادر مطلق سے جس نے اوپر سے آسمان کی برکتیں اور چھاتیوں اور رحموں کی برکتیں تجھکو دے کے متبرک کیا۔ جو برکتیں تیرا باپ ترے لئے چاہتا ہے سو پرانے پہاڑوں کی برکتوں سے اور قدیم کوہوں کی نفیس چیزوں سے بڑھ جاتی ہیں وہ یوسف کے سر بلکہ اُسکے سر کی چاندی پر جو اپنے بھائیوں سے جدا ہوا آئیں۔

اس کے بعد حضرت یعقوب کا انتقال ہوگیا اور چالیس روز تک جنازہ کو مہان رکھنے کے بعد حضرت یوسف نے وصیت کے موافق باپ کی تجہیز و تکفین کی۔ پھر ایک سے دس سال کی عمر میں حضرت یوسف کی وفات ہوئی۔

حضرت موسیٰ

جب اسرائیل کی اولاد زمین فراعنہ میں پھلی پھولی اور سرسبز ہوئی تو بادشاہ مصر نے بنی اسرائیل پر سختی کی وہ بیچارے سخت سے سخت مزدوریاں کرنے لگے۔ اس پر بھی مصر کے بادشاہ کو صبر نہ آیا اس نے کل دائیوں کو بلا کے حکم دیا کہ جب عبرانی عورتوں کو جننے کا اتفاق ہو تو اس بات کو یاد رکھو کہ اگر لڑکی پیدا ہو تو اُسے زندہ رکھو اور لڑکا پیدا ہو تو اُسے مار ڈالو دائیوں نے شاہ مصر کے حکم کی تعمیل نہ کی اور اُن پر خدا کا خوف ایسا غالب آیا کہ لڑکوں پر انکا ہاتھ نہ اُٹھ سکا شاہ مصر نے جب یہ سنا کہ دائیوں نے میرے حکم کی تعمیل نہیں کی تو خفا ہو کے پوچھا دائیوں نے جواب دیا بادشاہ ہم مجبور ہیں عبرانی عورتیں مصری عورتوں سے زیادہ قوی ہیں ہم پہنچنے بھی نہیں پاتے کہ وہ پہلے ہی سے جن دیتی ہیں۔ ناچار فرعون نے اپنے حکام کو حکم دیا کہ عبرانیوں کے ہاں جو بچہ پیدا ہو اسے دریا میں ڈالدو۔ اسی اثنا میں دلاوے گھرانے کے ایک شخص نے ایک عورت سے بیاہ کیا وہ عورت حاملہ ہوئی اور بیٹا جنی لیکن ڈر کے مارے تین مہینے تک چھپا رکھا لیکن جب راز کھلنے لگا اور زیادہ عرصہ تک نہ چھپا سکی تو عورت نے سرکنڈوں کا ایک ٹوکرا بنایا اور اس ٹوکرے کو لاسا اور رال سے لیپ دیا اور ننھے سے بچہ کو اُس ٹوکرے میں رکھ کے دریا کے کنارہ پر جھاؤ میں رکھ دیا اس بچہ کی بہن اپنے بھائی کو دور سے کھڑی ہوئی تکتی رہی۔

اسی وقت فرعون کی بیٹی دریا پر نہانے گئی نہاتے نہاتے اُسکی نگاہ جھاؤ میں ٹوکرے پر جا پڑی فوراً ایک سہیلی کو بھیجا کہ جا کے دیکھے ٹوکرے میں کیا چیز رکھی ہے سہیلی نے جاکے دیکھا تو ٹوکرے میں ایک بچہ کو روتا ہوا پایا۔ سہیلی نے اپنی بیگم سے آکے کہا کہ ٹوکرے میں بچہ پڑا ہوا ہے فرعون کی بیٹی کو اُس بچہ پر رحم آگیا اور اپنی سہیلیوں کو حکم دیا کہ کوئی عبری انّا لاؤ کہ اس بچہ کو دودھ پلاکے پرورش کرے چنانچہ سہیلی گئی اور اتفاق سے بچہ کی ماں ہی اُس کے ہاتھ لگ گئی۔ فرعون کی بیٹی نے کہا تو اس بچہ کو دودھ پلا میں تجھے مہینہ دوں گی۔ عورت اُس بچہ کو پالنے لگی جب وہ بچہ توانا اور بڑا ہوا تو عورت بچہ کو لیکے فرعون کی بیٹی کے پاس آئی۔ شہزادی دیکھ کے بہت خوش ہوئی اور اسکا نام موسیٰ رکھا کیونکہ وہ پانی میں سے نکالا گیا۔

موسیٰ جب جوان ہوئے تو اُنھوں نے اپنے بھائیوں کی حالت دیکھی کہ کیا ظلم اُن پر ہو رہا ہے ایکدن اُنکی نگاہ ایک مصری پر پڑی جو ایک عبری کو مار رہا تھا موسیٰ نے چاروں طرف دیکھا کہ کوئی اُدھر اُدھر آتا جاتا نہ ہو اُس

مصری کو مار ڈالا اور وہیں ریت میں دبا دیا۔ دوسرے روز موسےٰ نے یہ دیکھا کہ کئی عبری آپس میں لڑ رہے ہیں موسے نے سمجھایا کہ تم کیوں لڑتے ہو اُن میں سے ایک مصری نے جلکے کہا کیا تو ہمارا حاکم ہے جو ہم پر حکومت کرتا ہے یا ہمیں بھی تو اسی طرح قتل کرنا چاہتا ہے جیسا تو نے اُس مصری کو مار ڈالا تھا یہ سنتے ہی موسے ڈر گیا کہ میرے قتل کا اخیر راز فاش ہو کے رہا۔ اسی اثنا میں فرعون کو خبر ہو گئی فرعون نے موسےٰ سے مصری کے خون کا انتقام لینا چاہا موسے بھاگ کے مدیان چلے گئے ؛

یہاں پہنچکے ایک کونہ میں بیٹھ رہے۔ مدیان کے کاہن کی سات بیٹیاں پانی بھرنے آئیں ان لڑکیوں نے اپنی مویشیوں کو پانی پلانے کے لئے اپنے کٹھروں کو بھر لیا گڈریوں نے تو اُن کے گلہ کو ہانکنا چاہا لیکن موسےٰ نے ان لڑکیوں کی مدد کی اور خوب سیر ہو کے اُن کے گلہ کو پانی پلوا دیا۔ وہ لڑکیاں جب گھر واپس آئیں تو اُن کے باپ نے پوچھا آج تم سویرے سے کیونکر چلی آئیں اور تمہیں اتنی جلدی فرصت کیونکر ہو گئی اُنھوں نے جواب دیا اے باپ ایک مصری شخص آگیا تھا اُس نے ہماری مدد کی ہمارے لئے پانی بھرا اور ہمارے گلہ کو پلایا کاہن نے کہا تم اسے گھر کیوں نہ لیتی آئیں تاکہ میں اسے روٹی کھلاتا اب جاؤ اور اُسے بلا کے لاؤ۔ وہ لڑکیاں باہر آئیں اور موسےٰ کو گھر میں بلا کے لے گئیں موسےٰ اندر آئے اُنکی بڑی خاطر کی گئی۔ کاہن نے اپنی بیٹی صفورہ موسےٰ کو دی اور اب موسےٰ بخوشی و خورمی اپنے خسر کے گھر رہنے لگے۔ موسےٰ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا اُس کا نام جیرسوم رکھا۔

اس عرصہ میں مصر کا بادشاہ مر گیا بنی اسرائیل پر اور بھی آفت آنے لگی اور اب وہ رونے اور زاری کرنے لگے اخیر خدا نے بنی اسرائیل پر نظر کی اُنکی زاری کو سنا اور اسے قوم بنی اسرائیل یاد آگئی۔ موسے اپنے سُسر یترو نامی کے گلہ کی چوپانی کرتے تھے۔ گلہ کو چراتے چراتے خداوند کے پہاڑ طور پر آ کے پہنچے۔ گلہ کو ایک طرف ہٹا دیا تھا۔ اسوقت خداوند کا فرشتہ ایک بوٹے میں سے آگ کے شعلہ میں اس پر ظاہر ہوا موسےٰ نے دیکھا کہ ایک بوٹا آگ میں روشن ہے اور وہ جل نہیں جاتا موسےٰ نے کہا مجھے نزدیک جانا چاہیئے اور اس بڑے منظر کو دیکھوں کہ یہ بوٹا کیوں نہیں جل جاتا۔ جب خداوند نے دیکھا کہ موسےٰ دیکھنے کے لئے نزدیک آیا تو خدا نے اُسی بوٹہ کے اندر سے پکارا اور کہا کہ اے موسےٰ موسےٰ۔ وہ بولا میں یہاں ہوں تب اُس نے کہا یہاں نزدیک مت آ اپنے پاؤں سے جوتا اُتار کیونکہ یہ جگہ جہاں تو کھڑا ہے مقدس زمین ہے پھر اُس نے کہا کہ میں تیرے باپ کا خدا اور ابراہیم کا خدا اور اسحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں موسےٰ نے اپنا منہ چھپایا کیونکہ وہ خدا پر نظر کرنے سے ڈرتا تھا۔ پھر خداوند نے موسےٰ سے کہا میں اپنے لوگوں کی تکلیف کو جو مصر میں ہیں یقیناً جانتا ہوں اب تو مصر میں جا میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں میرے لوگوں کو جو بنی اسرائیل ہیں مصر سے نکال موسےٰ نے حیران ہو کر کہا کہ میری کیا ہستی ہے کہ میں فرعون کے پاس جاؤں خداوند نے کہا کہ میں تیرے ساتھ ہوں کچھ غم نہ کر اور میں یقیناً جانتا ہوں کہ مصر کا بادشاہ تجھے نہ یوں جانے دیگا نہ تیرے زور سے اور میں اپنا ہاتھ لمبا کروں گا اور سب عجائب قدرتوں سے جو میں انہیں دکھاؤں گا مصریوں کو ماروں گا تب وہ تمہیں نکال دیگا غرض بڑی دیر تک یہی قیل و قال ہوتی رہی اخیر خداوند تعالٰی نے کہا کہ تو اپنا ہاتھ اپنی چھاتی پر چھپا کر رکھ چنانچہ اُس نے اپنا ہاتھ چھاتی پر چھپا کر رکھا جب اُس نے نکال کر دیکھا کہ اُسکا ہاتھ برف کی مانند سفید مبروص تھا پھر اُس سے کہا کہ اپنا ہاتھ پھر چھاتی پر چھپا کر رکھ اُس نے پھر رکھا اور

جب باہر نکالا تو دیکھا کہ وہ پھر جیسا اُسکا تمام بدن تھا ہوگیا - خداوند نے موسےٰ کو کئی قسم کے معجزہ بتائے تھے اور یہ کہا تھا کہ ایک معجزہ سے فرعون ایمان نہ لائے تو دوسرا معجزہ دکھائیو دوسرے پر ایمان نہ لائے تو تیسرا اور تیسرے پر ایمان نہ لائے تو چوتھا معجزہ دکھائیو - چنانچہ موسےٰ نے ایسا ہی کیا مگر فرعون ایمان نہ لایا جو معجزے حضرت موسےٰ نے فرعون کے آگے دکھلائے اُن کا ذکر توریت میں بتفصیل درج ہے تعجب یہ ہے کہ عیسائی ایسی مافوق الفطرت باتوں کو پڑھتے اور اُن پر ایمان رکھتے ہیں لیکن ہادئے برحق خاتم النبیین شافع روز محشر حضور انور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات پر ہنستے ہیں اور اُنہیں ناممکن الوقوع سمجھتے ہیں -

حضرت موسے کے معجزوں میں سے جو توریت مقدس میں درج ہیں دو ایک معجزوں کا ذکر کیا جاتا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے معجزوں کو موجودہ سائنس کے دلدادہ عیسائی کیونکر تسلیم کرتے ہیں اور وہ معجزے یہ ہیں - توریت کی کتاب خروج میں لکھا ہے - پھر خداوند نے موسے سے کہا کہ اپنا عصا لے اور اپنا ہاتھ مصر کے چشموں پر اور اُنکے نہروں اور اُن کے دریاؤں تالابوں اور سب حوضوں پر چلا کہ وہ لہو بن جائیں اور سارے ملک مصر میں ہر ایک سنگی اور چوبی برتن میں لہو ہو جائے تب موسےٰ اور ہارون نے جیسا خداوند نے فرمایا تھا کیا اُسنے عصا اُٹھایا اور فرعون اور اُسکے نوکروں کی آنکھوں کے آگے دریا پر مارا اور دریا کا پانی سب لہو ہوگیا - اور دریا کی مچھلیاں مرگئیں اور دریا بدبو ہوگیا اور مصر کے لوگ دریا کا پانی نہ پی سکے اور مصر کی ساری زمین میں لہو لہو نظر آنے لگا تب مصر کے جادوگروں نے بھی اپنے جادوؤں سے ایسا ہی کیا پھر فرعون کا دل سخت ہوگیا تھا اور جیسا کہ خداوند نے کہا تھا اُنکی نہ سُنی - اور فرعون اپنے گھر چلا گیا اور اُس نے موسے کے اس معجزہ پر ذرا بھی توجہ نہ کی مصریوں نے ہر طرف کنوئیں کھودے کیونکہ وہ دریا کا پانی نہ پی سکتے تھے خداوند نے موسے کو فرعون کے پاس پھر بھیجا اور آپکے پاس یہ کہلا بھیجا کہ اگر تو بنی اسرائیل کو مصر سے نہ جانے دیگا تو تمام مصر مینڈکوں سے بھر دوں گا دریا میں بیشمار مینڈک پیدا ہو جاوینگے - پھر وہ تیرے گھر میں تیرے آرامگاہ میں تیرے پلنگ پر تیرے ملازموں کے گھروں میں تیری رعیت پر تیرے تنوروں میں اور تیرے آٹا گوندھنے کے لگنوں میں داخل ہوں گے اور تجھ پر تیرے ملازموں پر اور تیری ساری رعیت پر چڑھ جاوینگے -

نمایاں خداوند کے اس کہنے کو بھی فرعون نے ٹال دیا پھر خداوند نے ہارون کو حکم دیا کہ اپنا ہاتھ عصا کے ساتھ نہروں دریاؤں اور حوضوں پر بڑھا اور مینڈکوں کو ملک مصر پر چڑھا چنانچہ ہارون نے مصر کے پانی پر ہاتھ بڑھایا اور مینڈک چڑھ آئے اور مصر کی زمین چھپا دی جادوگروں نے بھی اس معجزہ کے مقابلہ پر ایسا ہی کیا اور مصر کی ساری زمین مینڈکوں سے بھر گئی -

دوسرا معجزہ جوؤں کا

خداوند نے موسےٰ سے کہا ہارون سے کہہ کہ اپنا عصا بڑھا اور زمین پر مار کہ تمام مصر میں جوئیں پیدا ہو جائیں ہارون نے ایسا ہی کیا اور جوئیں پیدا ہوگئیں جادوگروں نے بہت زور مارا کہ ان جوؤں کو نکال دیں مگر نکال نہ سکے ناچار جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہے یہ خدا کی قدرت معلوم ہوتی ہے -

تیسرا معجزہ مچھروں کا

خداوند نے موسےٰ سے کہا کہ صبح اُٹھ اور دریا پر جا وہاں فرعون آوے گا تو اُس سے کہیو کہ تو میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت کریں اُس سے کہہ دیجیو کہ اگر تو نہ مانے گا تو میں تجھ پر تیرے نوکروں پر تیری رعیت پر مچھروں کے غول بھیجوں گا مگر مچھروں کے یہ غول تیری جشن کے زمین میں نہ جاوینگے تاکہ تجھے معلوم ہو کہ زمین کا خدا وند میں ہوں فرعون نے موسےٰ کی ایک نہ سُنی اور اخیر خداوند کا کہنا ہو گیا فرعون کے گھر اور اُس کے نوکروں کے گھر اور سارے ملک مصر میں مچھر ہی مچھر بھر گئے۔

چوتھا معجزہ جانوروں کی مری

خداوند نے موسےٰ سے کہا فرعون کے پاس جا اور اُس سے کہہ عبرانیوں کا خدا یہ فرماتا ہے کہ میرے لوگوں کو جانے دے تاکہ وہ میری عبادت کریں اگر تو نہ مانے گا تو میں تیرے مویشیوں گھوڑوں گدہوں اونٹوں بیلوں اور بھیڑوں پر مری بھیجوں گا مگر اس سے اسرائیلیوں کے مویشی بری کر دئے جاوینگے فرعون نے نہ مانا اور دوسرے دن فرعونیوں کے جانوروں میں وبا پھیلی اور سب مر گئے لیکن اسپر بھی فرعون نے کچھ پرواہ نہ کی۔

پانچواں معجزہ غبار کا

خداوند نے موسےٰ اور ہارون سے کہا کہ بھٹی کی راکھ سے اپنے دونوں ہاتھ بھر لو۔ اور فرعون کے سامنے اُس راکھ کو آسمان کی طرف اُڑاؤ مصر کی ساری زمین میں غبار ہو جائے گا۔ تمام مصر میں آدمیوں اور چوپاؤں کے بدن پر پھوڑے اور پھوڑے ہو جائینگے چنانچہ ایسا ہی کیا اور سب کے بدنوں پر پھوڑے ہو گئے مگر فرعون نے ایک نہ سُنی۔

چھٹا معجزہ وبا کا

پھر خداوند نے موسےٰ سے کہا کہ صبح اُٹھ اور فرعون کے آگے کھڑا ہو اور اُسے کہہ اگر تو میرے لوگوں کو نہ جانے دے گا تو میں ایک ایسی وبا بھیجوں گا کہ تیری ساری رعیت مر جاویگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وبا آئی اور اُس نے ستیاناس کر دیا۔

ساتواں معجزہ اولوں کا

پھر خداوند نے موسےٰ کو فرعون کے پاس بھیجا اور اُسے سمجھایا کہ اگر اب کے بھی تو نہ مانے گا تو اولوں سے تمام مصریوں کو مار ڈالوں گا فرعون نے نہ سُنی اسپر موسےٰ نے اپنا عصا آسمان کی طرف اٹھایا اور گرج اور کڑک شروع ہوئی اولے گرنے لگے زمین پر آگ چلنے لگی اور اولوں نے تمام ملک مصر میں اُن آدمیوں اور حیوانوں کو جو میدان میں پڑے تھے ہلاک کر دیا درخت جڑ سے اکھڑ گئے ہاں مگر جشن کی زمین جہاں بنی اسرائیل تھے اولوں سے محفوظ رہی۔

اسی طرح اور بھی کئی معجزوں کا ذکر ہے مثلاً ٹڈیوں کا آنا اور تمام ملک برباد کرنا مگر تعجب سے دیکھا جاتا ہے کہ توریت کے مصنفوں نے اسباب کا تذکرہ نہیں کیا کہ جب ایک ہی آسمانی آفت سے تمام مصری برباد ہو جاتے تھے تو دوسری آفت کیلئے پھر کسطرح یک بیک پیدا ہو جاتے تھے ایک عجیب قصہ ہے جسمیں ایک مشرقی فسانہ کی رنگ آمیزی پائی جاتی ہے۔ ایک مقام پر خمیری روٹیوں کا تذکرہ ہے اُن خمیری روٹیوں کے لئے ایک عجیب ہدایت کی ہے مثلاً توریت کی اسی کتاب میں لکھا ہے پہلے مہینہ کی چودہویں تاریخ سے شام کو اکیسویں تاریخ تک تم خمیری روٹی نہ کھانا سات دن تک تمہارے گھروں میں خمیر پایا نہ جائے کیوں کہ جو کوئی خمیری کھائے گا اسرائیل کی جماعت سے کاٹا جائیگا خواہ وہ مسافر ہو خواہ اُسکی پیدائش وہیں ہوئی ہو

روٹیوں کا برسنا

خداوند نے موسےٰ سے کہا دیکھہ میں تیرے لئے آسمان سے روٹیاں برساؤنگا یہ لوگ ہر روز نکل کر جتنا ایک روز کے واسطے کفایت کرے سمیٹ لیا کریں تاکہ میں اُنہیں جانچوں کہ وہ میری ہدایت پر چلیں گے یا نہیں موسےٰ نے یہ خوشخبری اپنی امت کو سنادی کہ تم خداوند پر جھنجلاؤ نہیں کہ وہ تمہیں شام کو گوشت اور صبح کو روٹی پیٹ بھر کر دیگا خداوند تمہارے جھنجلانے کو سنتا ہے۔

حضرت موسےٰ نے اپنی بیوی کو چھوڑ دیا

جب موسےٰ کے خسر یترو نے جو مدیان کا کاہن تھا یہ سب سنا کہ خداوند نے موسےٰ اور اپنی قوم بنی اسرائیل کے لئے کیا کیا اور خداوند اسرائیل کو مصر سے باہر لایا اس پر خوشی سے خسر موسےٰ کی بیوی سفورا کو جسے موسےٰ نے چھوڑ دیا تھا ساتھ لیکر موسےٰ کی طرف چلا اور موسےٰ کے خیمہ میں آیا اور موسےٰ کے ہاتھ چومے اور اُنکی بیوی اُن کے سامنے پیش کی۔

ایک دن بادل گرجے بجلیاں چمکیں پہاڑ پر کالی گھٹا اُمڈی قرنائی کی آواز بلند ہوئی کل بنی اسرائیل آئے ڈیروں میں کانپ گئے موسےٰ نے کہا کہ ڈیروں سے باہر آؤ تاکہ میں تمہیں خداوند سے ملاؤں موسےٰ کے کہنے پر کل آدمی ڈیروں سے نکل پہاڑ کے نیچے آکھڑے ہوئے تمام کوہ سینا پر اوپر نیچے دہواں ہی دہواں نظر آتا تھا کیونکہ خداوند شعلہ میں ہوکر اُسپر اُترا اور تنور کا سا دہواں اُسپر اُٹھا اور پہاڑ سراسر ہل گیا جب قرنائی کی صدا زیادہ بڑہ گئی تو موسےٰ نے کلام کیا۔ خدا نے اُسے ایک آواز سے جواب دیا اور خداوند کوہ سینا کی چوٹی پر نازل ہوا موسےٰ طلب ہوئے موسےٰ سے کہا کہ تو نیچے اُتر لوگوں کو تاکید کر کہ حدوں کو توڑ کر خداوند کو دیکھنے اوپر نہ چڑہ آئیں اور ہلاک ہو جائیں اور پھر خداوند نے حسب ذیل ہدایتیں موسےٰ سے کیں خداوند تعالیٰ نے حضرت موسےٰ کو بہت سی ہدایتیں کیں منجملہ اُن ہدایتوں کے ایک ہدایت یہ بھی ہے۔ اگر بیل مرد یا عورت کو سینگ مارے ایسا کہ وہ ہلاک ہو تو وہ بیل پتھروں سے مارا جاوے اور اُسکا گوشت نہ کھایا جائے اور بیل کا مالک بے گناہ ہے ہاں اگر وہ بیل پہلے سے سینگ مارنے کی عادت رکھتا تھا اور اُسکے مالک کو خبر دیگئی اور اُس نے مرد یا عورت کو ہلاک کیا تو بیل پر پتھراؤ کیا جائے اور اُسکا مالک بھی مارا جائے۔ اگر ایک شخص کا بیل دوسرے شخص کو مار ڈالے تو مارنے والا بیل فروخت کیا جائے اور اُسکی نصف قیمت مقتول بیل کا مالک اور نصف قیمت قاتل کا مالک لیلے اور مرے ہوئے بیل کا دونوں آدہا آدہا حصہ کرلیں۔ اگر کوئی ایک چھوکری کو جو اُسکی منگیتر نہ ہو دم دیکر اُس سے مباشرت کرے پھر اُسکا فرض ہو جاویگا کہ مہر دیکر اُس چھوکری سے نکاح کرلے اگر چھوکری کا باپ راضی نہو تو اُسے کنواریوں کا سا مہر دیدے تو جادوگرنی کو مت جینے دے یعنے جہاں پا اُسے قتل کر ڈال جو شخص چارپائے سے مباشرت کرے واجب القتل ہے۔ جو شخص خداوند کے سوا کسی دوسرے کے واسطے قربانی کرے غرض اسی طرح بہت سے احکام ہیں جن سے حضرت موسیٰ کے زمانہ کا تمدن ظاہر ہوتا ہے ایسے احکام کی ترمیم اور تصحیح کی بہت ضرورت تھی اسلئے کہ حضرت موسےٰ کے قوانین کا زمانہ نہیں رہا تھا۔

.... افسوس ہے

کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنی ڈہائی تین سال کی پر آشوب مدت رسالت میں اِن قوانین میں سوائے خفیف ترمیم کے اور کوئی نیا قانون نہیں بنایا بلکہ اُنہوں نے موسوی شریعت کی نسبت یہ فرمایا کہ شریعت کا ایک شوشہ قیامت تک تبدیل نہیں ہونیکا

توریت میں اسی طرح اور بھی کئی پیغمبروں کے حالات ہیں جنہیں پڑھ کے ہم یہ اندازہ نہیں کر سکے کہ آیا یہ لوگ جن کے حالات لکھے گئے ہیں کون تھے کیا تھے۔ اور انسانی تہذیب اور تمدن کا انہیں کہاں تک حصہ ملا تھا ہر پیغمبر پر کوئی نہ کوئی سخت الزام توریت مقدس میں لگایا گیا ہے اور وہ ایسا سخت الزام ہے کہ جو بنائے بن نہیں پڑتا۔ توریت کے دیکھنے سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ دو تین ہزار سال پہلے کی معاشرت کا نقشہ اُتارا گیا ہے اور یہ دراصل اُس تمدن کی تاریخ ہے جب انسان نے دنیا میں آن کے بتدریج تہذیب اور اخلاق میں ترقی کی اور ابھی وہ شیر خوارگی کی حالت میں تھا دنیا کے بڑے بڑے عیب جو ہزارہا سال سے ابھی تک یکساں چلے آتے ہیں توریت میں معصوم پیغمبروں کے سر چپکے ہیں اور خدا جھوٹ نہ بلائے تو کسی پیغمبر کو بھی اس سے بری نہیں کیا اقوام ماضیہ کی خرابی بربادی اور انحطاط اخلاق کا باعث محض یہ ہی تھا کہ جب وہ دیکھتے تھے کہ ہمارے مصلح اور ہمارے پیغمبر ایسی ناپاک معاشرت میں مبتلا تھے تو انہیں بھی اُن سے زیادہ شنیعہ افعال کرنے کی جرأت ہوتی تھی اور کوئی قانون ایسا نہ تھا کہ جو راہبوں کے مظالم سے مسکین لوگوں کو بچاتا۔ مذہبی لحاظ سے کوئی شخص آزاد نہ تھا توحید کا غلو یہاں تک پہنچا ہوا تھا کہ اگر کسی نے کسی غیر اللہ کے نام قربانی کی تو اُسے سخت سخت سزاؤں سے مار ڈالا جاتا تھا زنا کرنے کا کوئی بڑا جرم نہیں صرف معمولی رقم دیکر پیچھا چھٹ جاتا تھا حضرت موسےٰ کو توریت میں بعض مقامات پر چور اوچکا اور راہزن لکھا ہے یہ تھی ابنیا کی عزت جو توریت کے زمانہ تصنیف میں کی جاتی تھی۔

حضرت مسیح علیہ السلام

حضرت مسیح علیہ السلام کی سرگزشت نہایت دردانگیز اور عبرت ناک ہے جب حضرت مسیح نے ہوش سنبھالا تو آپ یوحنّا کے وعظوں میں جانے آنے لگے آپ کے ۳۰ برس تک کے حالات بالکل نامعلوم ہیں یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ نے اپنے فرضی یا اصلی باپ یوسف نجار کے دُکان پر پندرہ سال بیٹھکر کیا کیا حضرت عیسیٰ جب یوحنا یا حضرت (یحییٰ) کے وعظوں میں جانے لگے تو آپ کو خدا پرستی کا ایک جوش پیدا ہو گیا ادھر تو جوانی کا عالم اور ادھر مذہبی جوش آپ کو کچھ سُجھائی نہ دیا اور ایک دن جب بہت سے فریسی اور صدوقی بپتسمہ پانے کے لئے یوحنا کے پاس آئے تو حضرت مسیح کو جو وہاں موجود تھے جوش آگیا اور آپ نے اُسی جوش اور غصہ کی حالت میں خطاب کرکے فرمایا۔ اے سانپوں کے بچو تمہیں آنے والے عذاب سے بھاگنا کس نے سکھایا پس توبہ کے لئے پھل لاؤ اور اپنے دل میں ایسا خیال مت کرو کہ ابراہیم ہمارا باپ ہے کیوں کہ میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا انہیں پتھروں سے ابراہیم کے لئے اولاد پیدا کر سکتا ہے۔ درختوں کی جڑوں پر کلہاڑیاں رکھی ہیں جو درخت اچھا پھل نہ لاویگا کاٹ ڈالا جائے گا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحیٰی سے درخواست کی کہ آپ مجھے بپتسمہ دیں حضرت یحیٰی نے فرمایا کہ میں تجھے بپتسمہ دینے کے قابل نہیں بلکہ سزاوار یہ ہے کہ تو مجھے بپتسمہ دے حضرت عیسے نے جواب دیا نہیں اب تو تو ہی مجھے بپتسمہ دے چنانچہ آپ پانی سے بپتسمہ لیکر باہر نکلے کہ اتنے میں خدا کی روح کبوتر کی صورت میں آپ پر اُترتی ہوئی معلوم ہوئی اور ایک آواز آپ کو آسمان سے سنائی دی کہ یہ مرد ہمارا بیٹا ہے اور میں اس سے بہت خوش ہوں۔

شیطان کی آزمائش

جب کبوتر کی صورت میں خدا تعالیٰ کی روح حضرت مسیح پر نازل ہو چکی تو آپ کے پاس شیطان آن دھمکا اس عرصہ میں حضرت

مسیح چالیس دن اور چالیس رات روزہ رکھ چکے تھے اُس نے حضرت مسیح سے کہا اگر آپ خدا کے نبی ہیں تو اس پتھر سے کہیے کہ روٹی بن جائے حضرت مسیح نے ایک نہایت ہی مبہم جواب شیطان کو دیا کہ انسان صرف روٹی سے نہیں بلکہ ہر ایک بات سے جو خدا کے منہ سے نکلتی ہے جیتا ہے پھر شیطان حضرت مسیح کو مقدس شہر میں لیگیا اور ہیکل کے کنگورہ پر کھڑا کرکے آپ سے عرض کی اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو اپنے کو نیچے گرا دے کیونکہ خدا فرشتوں کو بھیجدے گا اور وہ تجھے اوپر ہی اوپر سنبھال لیں گے حضرت مسیح نے جواب دیا کہ خدا فرما چکا ہے کہ اپنے خدا کو مت آزما پھر شیطان حضرت مسیح کو ایک بلند پہاڑ پر لیگیا اور وہاں سے دنیا کی کل بادشاہتیں اور اونکی شان شوکت دکھائی اور انکی جناب میں عرض کیا کہ اگر تو اسوقت مجھے سجدہ کرے تو یہ کل بادشاہتیں میں تجھے دیدیتا ہوں حضرت مسیح نے نہایت نفرت سے جواب دیا اے شیطان میرے آگے سے دور ہو خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے - کہ سوائے میرے کسی کو سجدہ نکرو اور میری ہی بندگی کرو یہہ سنکر شیطان رفو چکر ہوا - اور فرشتے آپ کی خدمت کرنے کے لئے آپکے پاس آموجود ہوئے -

حضرت یحییٰ کی گرفتاری اور حضرت عیسے کا خوف

ادہر شیطان کی آزمایش پوری ہوئی تھی کہ حضرت عیسےٰ نے یہ سُنا کہ حضرت یحییٰ گرفتار ہو گئے آپ فوراً جلیل کو چلے گئے اور ناصرت کو چھوڑ کے کفرناحوم میں جو دریا کے کنارہ زبولون اور نفتالی کی سرحدوں میں ہے جا رہے یہاں بھی حضرت عیسےٰ منادی کرنے سے نہ چوکے آپ اپنے وعظوں میں صرف اسقدر فرمایا کرتے تھے توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہت قریب ہے - ایک دن آپ دریا کے کنارہ چلے جاتے تھے کہ آپ نے دو بھائیوں پطرس اور آندریاس کو دریا میں جال ڈالتے دیکھا یہ بیچارے مچھوے مچھلیاں پکڑ رہے تھے آپ نے فرمایا کہ تم میرے ساتھ ہو لو میں تمہیں آدمیوں کا پکڑنا سکھلاؤں گا آگے چلکے اور دو بھائیوں کو جو اپنے جالوں کی مرمت کر رہے تھے اُن کے باپ سے چھٹا کر اپنے ساتھ لیلیا - پھر آپ تمام معبدوں میں پھرنے لگے اور لنگڑے لولوں اور بیماروں کو اچھا کرنا شروع کیا اس صورت سے آپکے ساتھ بہت بڑی بھیڑ ہو گئی - آپ نے جب کثرت سے اپنے ساتھ بھیڑ دیکھی تو ایک پہاڑ پر چڑھ گئے حضرت مسیح نے تعلیم اور بہت سی نصیحت کی باتیں کیں اور اُن بیچارہ غریب آدمیوں کو یہ سمجھایا مبارک ہو تم جب میرے واسطے تمہیں لعن طعن کریں اور ستاویں اور ہر طرح کی جھوٹی باتیں تمہارے حق میں کہیں خوش ہو اور خوشی کرو کیونکہ آسمان پر تمہارے واسطے بڑا بدلہ ہے - اس لئے کہ اُنہوں نے اُن نبیوں کو جو تم سے آگے تھے اسی طرح ستایا ہے آپ نے اُن کے مزید اطمینان کے لئے یہ بھی فرمایا یہ خیال مت کرو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتاب منسوخ کرنے کو آیا نہیں بلکہ پوری کرنے کو آیا ہوں کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جاویں توریت کا ایک نقطہ یا ایک شوشہ ہرگز نہ مٹیگا جب تک سب کچھہ پورا نہ ہو - جو کوئی ان حکموں میں سے سب سے چھوٹے حکم کو بھی ٹال دیوے اور ایسا ہی آدمیوں کو تعلیم کرے آسمان کی بادشاہت میں سب سے چھوٹا کہلائے گا اور جو کوئی اُسپر عمل کرے اور سکھلاوے وہی آسمان کی بادشاہت میں بڑا کہلائیگا اسی طرح اور بھی بہت سی باتیں سکھلائیں اور اُسکے ساتھ ہی یہ مافوق الفطرت باتیں تعلیم کیں کہ اگلوں سے کہا گیا تھا زنا نہ کرو مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں زنا کر چکا - پھر حضرت مسیح نے یہ فرمایا تم سُن چکے ہو کہ توریت میں یہ حکم دیا گیا ہے آنکھ کے بدلہ آنکھ اور دانت کے بدلہ دانت پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ظالم کا مقابلہ نکرنا

بلکہ جو تیرے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی چاہے کہ تجھپر نالش کرکے تیرے قبا لے لے تو اُسے پنے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار لے جاوے اُس کے ساتھ دو کوس چلا جا اور جو کوئی تجھ سے مانگے اُسے دے اور جو کوئی تجھ سے قرض چاہے اُس سے مُنہ نہ موڑ۔ پھر آپ نے یہ فرمایا مال اپنے واسطے زمین پر جمع نہ کرو جہاں کیڑے اور چیونٹیاں خراب کرتی ہیں اور جہاں چور کونبھل دیتے اور چراتے ہیں بلکہ مال اپنے لئے آسمان پر جمع کرو جہاں نہ کیڑے ہیں نہ چیونٹیاں ہیں نہ چور ہیں کیونکہ جہاں تمہارا خزانہ ہی وہاں تمہارا دل بھی لگا رہے گا۔ ہوا کے پرندوں کو دیکھو وہ نہ بوتے نہ جوتتے نہ کوٹھوں میں غلہ جمع کرتے ہیں تو بھی تمہارا آسمانی باپ یعنے خداوند تعالیٰ اُنہیں پالتا ہے کیا تم اُن سے اشرف المخلوقات نہیں ہو تم میں سے کون ہی جو فکر کرکے اپنی عمر میں سے ایک گھڑی بڑہا سکتا ہے پوشاک کی کیوں فکر کرتے ہو جنگلی سوسنوں کو دیکھو وہ کسطرح بڑہتے ہیں وہ نہ محنت کرتے نہ کاتتے ہیں خوب سمجھ لو کہ سلیمان بھی اپنی ساری شان شوکت میں اُنکے ایک کی مانند بھی لباس نہ پہنتا تھا اب یہ فکر نہ کرو کہ کیا کھائیں گے یا کیا پہنیں گے کیونکہ ان سب کی تلاش ہیں غیر قومیں رہتی ہیں اور تمہارا آسمانی باپ جانتا ہی کہ تم اُن سب چیزوں کے محتاج ہو کل کی فکر نہ کرو کیونکہ کل اپنی چیزوں کی آپ ہی فکر کرلے گا آج کا آج ہی کے لئے بس ہے حضرت مسیح اُن مچھوں کو ایسی شیریں شیریں باتوں کی تعلیم دیتے تھے مگر پھر بھی وہ عقل کے پورے آپ پر کامل اعتقاد نہ رکھتے تھے مسیح کی یہ تعلیم اگرچہ اُن مچھوں کے لئے مناسب تھی لیکن عام مخلوق کے لئے کسی طرح درست نہ تھی سوال یہ ہے آیا آجتک کسی نے بھی اس نرم تعلیم پر عمل کیا اور اگر دنیا ایک دن کے لئے بھی عمل کرے تو کیا آفت برپا ہو یہ تعلیم اگرچہ ظاہرا طور پر نہایت اعلےٰ درجہ کی رحم سے بھری ہوئی اور نرم معلوم ہوتی ہے لیکن جب انسانی فطرت سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو اسے کچھ بھی نسبت نہیں معلوم ہوتی۔

حضرت مسیح ایک دن ناؤ پر سوار ہوکر جا رہے تھے کہ یکایک آندھی آئی اور دریا میں لہریں اُٹھنے لگیں حضرت مسیح کو نیند آگئی یہ خوفناک حالت دیکھکر مچھوے بہت پریشان ہوئے اور آپ کو جگا دیا اور کہا کہ اے خداوند ہمیں بچا کہ ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں حضرت مسیح کو بُرا معلوم ہوا کہ مجھے نیند میں کیوں جگایا اور حالانکہ یہ مچھوے ہیں انہیں دریا کی معمولی لہروں سے کیوں ڈر لگا آپ نے نہایت ہی غصہ ہوکر فرمایا۔ اے کم اعتقادو کیوں ڈرتے ہو۔ پھر آپ نے محض اس خیال سے کہ ان کا اعتقاد مجھپر راسخ ہو جائے۔ دریا اور ہوا کو ڈانٹا کہ میں تم اتنا کیوں طوفان مچاتی ہو۔

تنبیہ اور ہدایت

حضرت مسیح اپنے مریدوں کو یوں فرمانے لگے۔ دیکھو میں تمہیں بھیڑوں کی مانند بھیڑیوں میں بھیجتا ہوں بس تم سانپوں کی طرح ہوشیار اور کبوتروں کی مانند بیگناہ ہو مگر آدمیوں سے خبردار ہو کہ وہ تمہیں اپنے کچہریوں میں حوالہ کریں گے اور اپنے عدالت قانون میں کوڑے مارینگے اور تم میرے واسطے بادشاہ اور حاکموں کے سامنے حاضر کئے جاؤگے کہ انپر اور غیروں پر گواہی ہو۔ لیکن جب وہ تمہیں حوالہ کریں فکر نہ کرو کہ ہم کسطرح اور کیا کہیں گے۔ بھائی بھائی کو اور باپ بیٹے کو قتل کے واسطے حوالہ کرے گا۔ اور لڑکے اپنے ماں باپ کی مخالفت میں اُٹھیں گے اور اُنہیں مروا ڈالیں گے۔ اور میرے نام کے باعث سب تم سے دشمنی کریں گے لیکن جو شخص اخیر تک برداشت کریگا وہی نجات پاویگا

حضرت مسیح کا تشدد اور خونخواری

ایک دن آپنے نہایت غصہ میں یہ فرمایا یہ مت سمجھو کہ میں زمین پر صلح کروانے آیا صلح کروانے نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں کیونکہ میں آیا ہوں کہ مرد کو اس کے باپ اور بیٹے کو اُسکی ماں اور بہو کو اُس کی ساس سے جدا کروں اور آدمی کے دشمن اُس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے۔

حضرت مسیح کو اپنے معجزہ دکھلانے پر افسوس

جب آپنے بہت کچھ منادی کی اور اُسکا اثر نہ ہوا تو افسوس سے اُن شہروں پر ملامت کرنے لگے اور یہ فرمایا اے کرازین تجھپر افسوس اے بیت صیدا تجھپر افسوس کیونکہ یہ معجزے جو تم میں دکھائے گئے صور اور صیدا میں دکھائے جاتے تو ٹاٹ اوڑھکر اور خاک میں بیٹھکر کبھی کے توبہ کر چکتے اور اے کفرناحم تو جو آسمان تک پہنچایا گیا تو دوزخ میں گرایا جائے گا کیونکہ یہ معجزے جو تجھہ میں دکھائے گئے اگر سدوم میں دکھائے جاتے تو آج تک قایم رہتا۔

حضرت عیسے کا بغیر مرضی مالک کھیت کے بالیں توڑنا

ایک دن حضرت مسیح کا سبت کے روز کھیتوں میں گزر ہوا آپکے شاگرد چونکہ بھوکے تھے بالیں توڑ توڑ کے کھانے لگے فریسیوں نے حضرت مسیح سے شکایت کی کیا تو نہیں دیکھتا کہ سبت کے دن تیرے شاگرد بالیں توڑ کر کھا رہے ہیں حضرت مسیح نے بڑا معقول جواب دیا کہ داؤد نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ اور نذر کی روٹیاں کھائیں تھیں بھلا کب اُسے روا تھا کہ وہ اور اُس کے ساتھی خدا کے گھر میں روٹیاں کھاتے۔ اور کیا تم نے توریت میں نہیں پڑھا کہ کاہن سبت کے دن ہیکل کی حرمت نہیں کرتے تو بھی بیگناہ ہیں اور میرا رتبہ تو ہیکل سے زیادہ ہے۔

حضرت مسیح کا معجزہ دکھانے سے قطعی انکار کرنا

ایک دن بعض فقیہوں اور فریسیوں نے عرض کیا کہ اُستاد ہم تجھسے ایک نشان دیکھنا چاہتے ہیں حضرت مسیح نے بگڑ کر جواب دیا کہ اس زمانہ کے بدکار نشان ڈھونڈتے ہیں یونس نبی کا نشان اُن کے نشان کے لئے کافی ہے جس طرح یونس تین دن مچھلی کے پیٹ میں رہا اسی طرح ابن آدم تین دن زمین کے اندر رہے گا۔

جسم سے روح نکل کر کیا کرتی ہے

حضرت مسیح فرماتے ہیں جب ناپاک روح آدمی کے جسم سے باہر نکلتی ہے تو خشک مقامات میں آرام ڈھونڈتی پھرتی ہے اور جب وہاں آرام نہیں ملتا تو پھر اُس جسم میں جس سے نکلی تھی واپس آتی ہے لیکن اُسے خالی دیکھکر پھر چلی جاتی ہے اور اپنے سے بھی بدتر سات روحوں کو ساتھ لاتی ہے اور پھر وہاں داخل ہو کر بستی ہے تو اُس آدمی کا پچھلا حال اگلے سے بھی بُرا ہوتا ہے۔

حضرت مسیح کا اخلاق

ایک دن آپ وعظ فرما رہے تھے کہ آپ کی والدہ اور آپ کے بھائی باہر آکر کھڑے ہوئے اور آپسے ملنا چاہا ایک شخص نے جا کے اطلاع دی کہ آپ کی والدہ اور بھائی ملنا چاہتے ہیں اور باہر کھڑے ہوئے ہیں آپنے بگڑ کے جواب دیا کون ہے میری ماں اور کون ہے میرا بھائی اور اپنا ہاتھ اپنے شاگردوں کی طرف بڑھا کر کہا کہ دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں

کیونکہ جو کوئی میرے باپ کی جو آسمان پر ہے مرضی پر چلتا ہے میری ماں اور بھائی وہی ہے۔

حضرت مسیح کی اُن کے وطن میں بے وقعتی

جب آپ اپنے وطن میں آکے پہنچے تو وہاں تعلیم دینے لگے اور عبادت خانہ میں بہت سے وعظ فرمائے اور معجزے بھی دکھائے ان کے اہل وطن نے یہ باتیں دیکھ کے حقارت سے کہا کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں ہے اور اسکی ماں مریم نہیں کہلاتی اور اسکے بھائی یعقوب اور یوسیس اور شمعون اور یہوداہ اور اسکی سب بہنیں ہمارے ساتھ نہیں ہیں اسے یہ باتیں کہاں سے آگئیں غرض یہ لوگ حضرت مسیح پر ایمان نہ لائے آپ نے ان لوگوں کے شکوک کا یہ جواب فرمایا نبی اپنے وطن اور گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہے اور اس نے اُن کی بے اعتقادی کے سبب بہت معجزے نہیں دکھائے۔

حضرت یحییٰ کا قتل اور مسیح کی فراری

حضرت یحییٰ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ ہیرودیس اپنے بھائی کی بیوی نہیں رکھ سکتا اور اسپر یہ عورت حرام ہے اس غصہ میں اس نے حضرت یحییٰ کو گرفتار کرکے قید خانہ بھیجدیا اس کی خواہش تو یہ تھی کہ حضرت یحییٰ کو مار ڈالے مگر آپکے معتقدوں سے ڈر گیا تھا ایک دن ہیرودیس کی سالگرہ کے جشن میں اسکے بھاوج کی بیٹی خوب ناچی اسکے ناچ سے ہیرودیس خوش ہوا اور اسی خوشی کے عالم میں کہا کہ اے لڑکی جو تو مانگے گی میں دونگا لڑکی نے اپنی ماں کے اشارہ سے ہیرودیس سے یہ کہا کہ یحییٰ کا سر تھال میں رکھ کے مجھے یہیں منگوادے۔ ہیرودیس یہ سن کے پریشان تو ہوا لیکن وہ قسم کھاچکا تھا اسلئے اس نے اپنے ملازمین کو حکم دیا کہ قید خانہ میں جاؤ اور یحییٰ کا سر کاٹ کر یہاں لے آؤ چنانچہ سر کاٹا گیا اور اس کی لڑکی کو حوالہ کردیا گیا اس لڑکی نے اپنی ماں کو لاکے وہ سر دیدیا جوں ہی حضرت مسیح کو یہ خبر پہنچی آپ سخت پریشان ہوئے اور فوراً کشتی میں بیٹھ کے کسی ویرانہ میں چلے گئے شام کو آپ کے شاگردوں نے عرض کیا کہ شام ہوگئی ہے جو لوگ آپکے ساتھ آئے ہیں انہیں رخصت کردیں تاکہ وہ لوگ کسی بستی میں جاکے کھانے پینے کا سامان کریں۔ آپنے فرمایا تم انہیں خود روٹی دو شاگردوں نے کہا ہمارے پاس پانچ روٹیوں اور دو مچھلیوں کے سوا کچھ بھی نہیں آپنے فرمایا وہ روٹیاں اور مچھلیاں یہاں لاؤ آپنے اُن روٹیوں کو لے کے آسمان کی طرف دیکھا اور انہیں برکت دی پھر اُن روٹیوں کے ٹکڑے لوگوں میں تقسیم کئے وہ سب سیر ہوگئے۔ پھر بھی بارہ ٹوکریاں بھری رہیں روایت یہ ہے کہ جن لوگوں نے روٹیاں کھائیں تھیں اُن کی تعداد پانچ ہزار ہے۔

حضرت مسیح کا معجزہ دکھانے سے دوسرا انکار

ایک دن فریسیوں صدوقیوں نے آپ سے چاہا کہ ایک آسمانی نشان ہمیں دکھائیں آپنے فرمایا کہ جب شام ہوتی ہے تو تم کہتے ہو کہ کل پرچھا ہوگا کیونکہ آسمان لال ہے اور صبح کو کہتے ہو کہ آندھی چلے گی۔ کیونکہ آسمان لال دھندلا ہے اے ریاکارو تم آسمان کی صورت کو امتیاز کرسکتے ہو پر وقتوں کی نشانیاں نہیں دریافت کرسکتے اس زمانہ کے بد اور حرامکار نشان ڈھونڈتے ہیں پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان دکھایا نہ جائے گا یہ کہہ کے آپ آگے بڑھ گئے اور آپ کے پیچھے آپکے شاگرد ہولئے لیکن جلدی میں شاگرد اپنی روٹیاں چھوڑ گئے۔

حضرت مسیح کی فرضی بخشش

جب حضرت مسیح قیصر کی سرحد میں پہنچے تو آپ نے دریافت کیا کہ لوگ یہاں میری نسبت کیا خیال رکھتے ہیں شاگردوں نے جواب دیا بعضوں کا خیال ہے تو نبی ہے بعض تجھے الیاس سمجھتے ہیں بعض تجھے یرمیاہ کہتے ہیں حضرت مسیح نے فرمایا تم بتاؤ کہ تم مجھے کیسا سمجھتے ہو شمعون پطرس نے جواب میں کہا تو مسیح زندہ خدا کا بیٹا ہے یہ سُن کے حضرت مسیح بہت خوش ہوئے اور فرمایا اے شمعون تو مبارک ہے کیونکہ جسم اور خون میں نہیں بلکہ میرے باپ نے جو آسمان پر ہے تجھ پر یہ ظاہر کیا میں یہ بھی تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پطرس ہے اور میں اس پتھر پر اپنا کلیسہ بناؤں گا اور دوزخ کا اختیار اس پر نہ چلے گا اور میں آسمان کی بادشاہت کی کنجیاں تجھے دوں گا جو کچھ تو زمین پر بند کرے گا آسمان پر بند کیا جاوے گا اور جو کچھ تو زمین پہ کھولے گا آسمان پر کھولا جائے گا۔ پھر حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں سے ہدایت کی خبردار کسی سے نہ کہنا کہ میں یسوع مسیح ہوں۔

پطرس پر حضرت مسیح کی سخت خفگی اور اُسے شیطان کہنا

پھر حضرت مسیح اپنے شاگردوں سے کہنے لگے کہ میری تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ میں یروشلم جاؤں اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں سے بہت دکھ اٹھاؤں اور مارا جاؤں اور تیسرے دن جی اُٹھوں پطرس نے کہا ذرا آپ کنارہ چلئے جب حضرت مسیح کنارہ پہنچے تو پطرس بہت جھنجلا کر کہنے لگا اے خداوند تیری سلامتی ہو یہ آفتیں تجھ پر کبھی نازل نہ ہوں گی یہ سنکر حضرت مسیح آگ بگولہ ہوگئے۔ اور پطرس سے مخاطب ہوکر فرمایا اے شیطان میرے سامنے سے دور ہو تو میرے لئے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ انسان کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔

حضرت مسیح اپنے مریدوں کو توبہ کرنیکی ہدایت کرتے ہیں

ایک دن شاگردوں نے حضرت مسیح سے پوچھا کہ آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا کون ہے حضرت نے ایک چھوٹا لڑکا بلا کر اُن کے سامنے کھڑا کیا اور کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم لوگ توبہ نہ کرو اور چھوٹے لڑکوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہت میں ہرگز داخل نہ ہوگے جو کوئی اس بچہ کی طرح چھوٹا جانے وہی آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا ہے۔ اور جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لاتے ہیں ایک کو ٹھوکر کھلاوے تو اس کے لئے یہ بہتر ہے کہ چکی کا پاٹ اُس کے گلے میں لٹکایا جاوے اور وہ سمندر میں ڈلوایا جائے۔

حضرت مسیح اپنے نیک ہونے سے انکار کرتے ہیں

مریدوں میں سے آپ کے ایک مرید نے آپ سے خطاب کر کے یہ عرض کیا اے نیک اُستاد میں کونسا نیک کام کروں کہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں آپ نے فرمایا تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ اگر تو زندگی میں داخل ہوا چاہے تو حکموں پر عمل کر۔ پھر حضرت مسیح نے اُسے چند ہدایتیں کیں منجملہ اور ہدایتوں کے ایک ہدایت یہ تھی کہ جو کچھ تیرے پاس ہے تو اُسے بیچ ڈال اور محتاجوں کو دے کہ تجھے آسمان پر خزانہ ملے گا۔ پھر میرے پیچھے ہولے وہ شخص یہ سنکر غمگین ہوا اور چلا گیا کیونکہ وہ بہت بڑا مالدار تھا اور وہ یہ سمجھا کہ مسیح مجھے لٹواتے ہیں۔

حضرت مسیح دولتمندوں کو سخت بُرا سمجھتے ہیں

حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے بلکہ میں تم سے کہتا ہوں

کہ اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں سے گزر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔

حضرت مسیح پر آپ کے مریدوں کا اعتقاد بہت ہی ضعیف تھا

ایک دن پطرس حضرت مسیح سے کہنے لگا کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہم نے تیرے لئے سب کو چھوڑ دیا اور تیرے پیچھے ہو لئے تو ہمیں یہ تو بتا کہ اس کا صلہ ہمیں کیا ملے گا حضرت مسیح نے فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں تمہیں یہ صلہ ملے گا کہ جب نئی خلقت میں ابن آدم اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تم بھی اُسکے برابر ۱۲ تختوں پر بیٹھو گے اور اسرائیل کے بارہ گروہوں کی عدالت کرو گے اور جس نے گھر یا بھائی یا بہن یا ماں باپ یا جورو یا بال بچوں یا زمین کو میرے نام پر چھوڑا سو گنہ پاویگا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔

حضرت مسیح کا ہیکل میں جانا اور وہاں صرافوں کے تختے اور کبوتر والوں کا بکس اُلٹ دینا وغیرہ

ایک دن حضرت مسیح خدا کی ہیکل میں گئے اور اُن سب کو جو خدا کی ہیکل میں خرید و فروخت کر رہے تھے نکال دیا صرافوں کے تختے اور کبوتروں کی کابکیں اُلٹ دیں اور فرمایا یہ لکھا ہے کہ میرا گھر عبادت کا گھر کہلائے گا پر تم نے اُسے چوروں کا کھوہ بنا دیا ہے یہ دیکھ کے کاہن اور فقیہ بہت ہی خفا ہوئے اور حضرت مسیح کا یہ فعل اُنہیں بُرا معلوم ہوا۔

حضرت مسیح کا ایک درخت پر خفا ہونا

جب آپ بیت عنیاہ میں پہنچے تو وہاں رات بسر کی صبح کو شہر میں جانے لگے تو راستہ میں بھوک لگ آئی دور سے ایک انجیر کا درخت نظر پڑا آپ اُس درخت کے پاس پھل کھانے کے لئے گئے۔ دیکھا کہ کوئی پھل نہیں لگا ہے بلکہ پتے ہی پتے ہیں آپ نے خفا ہو کر اُس درخت کو بددعا دی اے درخت تو نے مجھے بھوکا رکھا تجھ میں ابھی کبھی پھل نہ لگیں گے ادھر ان کی زبان مبارک سے یہ الفاظ سرزد ہوئے اُدھر وہ درخت خشک ہوگیا یہ کیفیت دیکھکے ان کے شاگرد تعجب کرنے لگے کہ یہ درخت کتنی جلدی خشک ہوگیا حضرت مسیح کو اُن کے تعجب کرنے پر غصّہ آیا اور آپ نے اُن سے مخاطب ہو کر فرمایا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم یقین کرو اور شک نہ لاؤ تو نہ صرف یہ ہی کر سکو گے جو انجیر کے درخت پر ہوا بلکہ اس پہاڑ سے کہو گے کہ تو چل اور دریا میں جا گر تو پہاڑ فوراً اُسکی تعمیل کرے گا۔

کاہنوں سے حضرت مسیح کی بحث

ایک دن حضرت مسیح ہیکل میں وعظ فرما رہے تھے کاہنوں کے سردار نے حضرت مسیح سے پوچھا کہ یہ باتیں جو آپ کر رہے ہیں کس اختیار سے کرتے ہیں اور یہ اختیار آپ کو کس نے دیا ہے حضرت مسیح نے فرمایا کہ ایک بات تم میری بتا دو تو میں بھی تمہیں اس کا جواب دیدوں گا وہ یہ ہے کہ یوحنا کا بپتسمہ کہاں سے تھا آسمان سے یا انسان سے اب وہ سنّاٹے میں ہوئے کہ ہم کیا جواب دیں اگر آسمان سے کہتے ہیں تو مسیح یہ کہیں گے کہ تم نے اُسے کیوں نہیں مانا اگر انسان سے کہتے ہیں تو تمام آدمیوں سے ڈر لگتا ہے کیونکہ سب لوگ یحییٰ کو نبی جانتے ہیں آخر وہ خاموش ہو رہے اور جواب دیا ہم کچھ نہیں جانتے حضرت مسیح نے فرمایا تو پھر میں بھی تمہیں نہیں بتلانے کا۔

حضرت مسیح کی گرفتار کرنے کی سازش

جب فریسی آپکے وعظوں سے سخت پریشان ہوئے تو باہم مشورہ کرکے ایک سازش کی اور حضرت مسیح کے پاس چند

آدمی بھیجے جنہوں نے یہ دریافت کیا کہ قیصر کو جزیہ دینا روا ہے یا نہیں حضرت مسیح سمجھ گئے کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے آپ فرمانے لگے اے ریاکارو مجھے کیوں آزماتے ہو جزیہ کا سکہ مجھے دکھلاؤ یہ سنتے ہی ایک دینار اُنہوں نے حضرت مسیح کے سامنے پیش کیا آپ نے فرمایا یہ صورت اور سکّہ کسکا ہے فریسیوں نے عرض کیا قیصر کا پھر آپ نے ارشاد کیا جو چیزیں قیصر کی ہیں قیصر کو دو اور جو خدا کی ہیں خدا کو دو یہ سُن کے وہ لاجواب ہو گئے اور اپنا سا مُنہ لیکے چلتے بنے۔

حضرت مسیح کے فقیہوں اور فریسیوں پر لعن طعن

ایک دن آپ فرمانے لگے اے ریاکار فقیہوں اور فریسیو تم پر افسوس اسلئے کہ آسمان کی بادشاہت کو لوگوں کے آگے بند کرتے ہو نہ تم اُس میں جاتے نہ اور جانے والوں کو اُس میں جانے دیتے ہو اے ریاکار فقیہو اور فریسیو تم پر افسوس کہ بیواؤں کا مال اور اسباب ہضم کر جاتے ہو اور لمبی چوڑی نمازیں پڑھتے ہو اسی وجہ سے تمہیں سب سے زیادہ سزا ملے گی اے ریاکار فقیہوں اور فریسیو تم پر افسوس کہ تم تری اور خشکی کا دورہ اس لئے کرتے ہو کہ دوسرے شخص کو اپنے دین میں لاؤ اور جب وہ تمہارے دین میں آجاتا ہے تو آپ سے زیادہ اُسے جہنم کا وارث بنا دیتے ہو اے اندھی راہ دکھانے والو تم پر افسوس کہ کہتے ہو اگر کوئی ہیکل کی قسم کھائے تو کچھ مضایقہ نہیں مگر ہیکل کے سونے کی قسم کھائے تو اُسکا پورا کرنا ضرور ہے۔ اے اندھو سونا بڑا ہے یا ہیکل۔ ہیکل تو سونے کو پاک کرتی ہے پھر تم یہ کہتے ہو کہ اگر کوئی ہیکل کی قسم کھائے تو مضائقہ نہیں مگر نذر کی قسم کھائے جو اُسپر چڑھی ہے تو اُسکا پورا کرنا اُسپر ضرور ہے۔ اے اندھے راہ دکھانے والو مچھر کو چھانتے ہو اور اونٹ کو نگل جاتے ہو اے اندھو تم رکابی اور پیالہ کو اندر سے صاف کرتے ہو لیکن باہر کی کدورت کی تمہیں خبر نہیں اے فریسیو تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو کہ وہ اوپر سے تو اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن اُن کے اندر سوائے ہڈیوں اور ناپاکی کے کچھ نہیں ہوتا اے سانپوں اور اے سانپ کے بچوں تم جہنم کے عذاب سے کیونکر بھاگو گے جب حضرت مسیح ریاکار فقیہوں سے سخت بہ تنگ آجاتے تھے تو اُن کا غصہ اُنکی روحانیت پر غلبہ پا جاتا تھا اور وہ اس طرح کی مہذب گالیاں اُنہیں دینے لگتے تھے۔

حضرت مسیح کا مایوسانہ اور خوف سے بھرا ہوا وعظ

ایک دن آپ زیتون کے پہاڑ پر بیٹھے تھے اور زمانہ کا اُتار چڑھاؤ ملاحظہ فرما رہے تھے کیونکہ آنکھ کھولتے ہی اُنپر مصیبتیں پڑنے لگیں تھیں۔ مخالف لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اُنہیں اُن کے شاگرد مچھووں کو ہر طرح کی اذیت دیتے رہتے تھے۔ بربادی اور موت اُن کی آنکھوں کے آگے چکّر لگا رہی تھی اور وہ اسی سوچ میں بیٹھے تھے کہ اتنے میں اُن کے شاگرد پہنچے اور اُنہوں نے عرض کیا اے اُستاد ہمیں بتا کہ زمانہ کے اخیر ہونے کی نشانی کیا ہے اور تو کب دوبارہ آئے گا حضرت مسیح نے فرمایا کہ دیکھو گمراہ نہ ہونا بہت سے میرے نام پر آئیں گے اور کہیں گے کہ ہم مسیح ہیں اور بہتوں کو گمراہ کریں گے تمہیں لڑائیوں کی وحشت ناک خبریں سُنا دیں گی دیکھنا گھبرانا نہیں کیونکہ اِن سب باتوں کا ہونا ضرور ہے قوم قوم پر اور بادشاہ بادشاہ پر حملہ کرے گا مری پڑے گی اور جگہ جگہ بھونچال آئیں گے پس یہیں سے تم مصیبتوں کا آغاز سمجھ لینا لوگ تمہیں ایذا پہونچائیں گے اور مار ڈالیں گے اور میرے نام کی وجہ سے کل قوم تجھسے کینہ رکھے گی اسوقت بہتیرے ٹھوکر کھائینگے اور ایک دوسرے کو گرفتار کرائے گا بہت سے جھوٹے نبی پیدا ہو جائینگے جو بہتونکو گمراہ کریں گے اور بدنیتی کے بڑھ جانے

سے بہتوں کی محبت ٹھنڈی ہو جائے گی ان سب مصیبتوں کو جو اخیر تک برداشت کریگا وہی نجات پائیگا۔ پھر اور کچھ بیان کرکے آپ یہ فرمانے لگے۔ اور گویا آپنے قیامت کے آثار بیان کئے۔

قیامت کے آثار

جب یہ ساری مصیبتیں گزر چکیں گی تو سورج اندھیرا ہو جائے گا چاند میں روشنی اخذ کرنے کی قوت نہ رہے گی ستارے آسمان سے گر جائیں گے آسمان میں تزلزل پیدا ہو جائے گا اُسوقت ابن آدم کا نشان آسمان پر ظاہر ہو گا زمین کے سارے گھرانے چھاتی پیٹیں گے اور ابن آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتا دیکھیں گے اور وہ نرسنگے کے بڑے شور کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھیجے گا اور وہ اُس کے برگزیدوں کو آسمان کی اس حد سے اُس حد تک چاروں طرف سے جمع کریں گے۔

حضرت مسیح کے سر مبارک پر ایک عورت کا عطر ڈالنا

اب حضرت مسیح کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی تھی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ یہودی بغیر مارے نہیں چھوڑنے کے آپ اسی پریشانی میں شمعون کوڑہی کے گھر بیت عنیا میں پہنچے آپ وہاں جاکے بیٹھے ہی تھے کہ ایک عورت سنگ مرمر کے عطر دان میں نہایت قیمتی عطر لائی جب آپ کھانا کھانے بیٹھے تو آپکے سر پر اُس عورت نے عطر اُنڈیل دیا آپکے شاگرد جو ہمیشہ آپسے مخالفت کیا کرتے تھے اور حالانکہ وہ مرید تھے لیکن آپ کی ہر بات پر اعتراض کرتے تھے یہ صورت دیکھکے بہت ہی ناراض ہوئے اور اُس عورت کو ڈانٹنے لگے کہ تو نے یہ فضول خرچی کیوں کی یہ عطر تو بڑی قیمت سے آتا ہے اگر محتاجوں کو دیا جاتا تو اور اچھا تھا اس غرض یہ تھی کہ ہمیں یہ عطر کیوں نہیں دیا گیا حضرت مسیح بہت ہی ناراض ہوئے اور آپ نے اپنے مریدوں کو دھمکایا کہ تم اس عورت پر کیوں لال پیلے ہوتے ہو اس نے تو میرے ساتھ نیک کام کیا بھائی محتاج تو ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں لیکن میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گا تم ابھی دیکھ لوگے کہ اس عطر سے میرا کفن بسایا جائے گا اس عورت نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے جہاں جہاں انجیل کی منادی ہوگی اس عورت کا ذکر آتا رہے گا۔

حضرت مسیح کے ایک مرید کی بے ایمانی

حضرت مسیح کی نبوت کا ڈہائی تین سال کا پر آشوب زمانہ سخت دردناک ہے آپنے بڑی کوشش کے بعد چند چھوؤں کو اپنا فرزند بنایا تھا مگر افسوس ہے کہ وہ بھی آپ پر پورا ایمان نہ لائے تھے ضرورت بے ضرورت پریشان سوالات کرکے آپ کا ناک میں دم کرتے تھے اور ہمیشہ نئے نئے معجزوں کے طلبگار بنکے حضرت مسیح کو پریشان کر دیا تھا غضب خدا کا آپ ہی کا ایک مرید یہوداہ اسکریوتی نامی سردار کاہنوں کے پاس گیا اور اُن سے ملتجی ہوا کہ اگر میں مسیح کو پکڑوا دوں تو کیا دلواؤ گے انہوں نے کہا کہ ہم تئیس روپیہ دیں گے اگر تو مسیح کو پکڑوا دے گا یہ بے ایمان مرید اب اس تاک میں رہنے لگا کہ کیونکر مسیح پر قابو حاصل کروں حضرت مسیح اگرچہ نوجوان تھے لیکن اپنے بعض شاگردوں کی بدلی ہوئی آنکھ خوب پہچانتے تھے۔ انہیں اسباب کا یقین ہوگیا کہ اب خیر نہیں لاکھ بچو گے لیکن یہ ظالم نہیں چھوڑنے کے آپ کھلم کھلا فرماتے تھے کہ میرا وقت قریب آگیا ہے غرض یہ تھی کہ شاید یہ سنگدل رحم کھائیں اور میرے قتل کی تدبیر سے درگزریں مگر سب سے زیادہ تئیس روپیہ کے لالچ نے کم بخت اسکریوتی کی آنکھوں پر پردہ ڈالدیا جب عید فسخ قریب آئی

تو شاگردوں نے آپ سے کہا اے اُستاد تو عید کہاں منائے گا حضرت مسیح نے فرمایا شہر میں جاؤ اور فلاں شخص سے کہو کہ اُستاد نے یہ فرمایا ہے میرا وقت قریب آن لگا ہے میں جانتا ہوں کہ اپنے شاگردوں کے ساتھ تیرے یہاں عید فسح کروں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپ اپنے بارہ شاگردوں کے ساتھ وہاں پہنچے اور شام کو کھانا کھاتے تھے چونکہ آپ بڑے نظرباز تھے کھانا کھاتے میں تاڑ لیا کہ اسکریوتی کے تیور کچھ بدلے ہوئے ہیں اور وہ بار بار مشتبہ نظروں سے دیکھ رہا ہے ناچار آپنے یہ دردناک جملہ فرمایا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تم میں سے ایک شخص مجھے گرفتار کرائے گا۔ یہ سنتے ہی بارہ شاگرد بہت دلگیر ہوئے اور ایک ایک نے حضرت مسیح سے عرض کیا اے خداوند کیا میں ہوں آپنے فرمایا اسوقت جو میرے ساتھ ایک رکیبی میں کھا رہا ہے وہی مجھے پکڑوائے گا پھر آپنے سخت رنجیدہ ہوکر فرمایا میری تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے اُسے میں بھگتوں گا لیکن افسوس تو اُس کمبخت پر ہے جو مجھ جیسے شخص کو گرفتار کرواتا ہے کاش وہ دنیا میں پیدا ہی نہ ہوتا تو اُس کے واسطے ہزار درجہ بہتر تھا اس پر اسکریوتی بولا اے اُستاد کیا میں تجھے پکڑواؤں گا۔ حضرت مسیح نے فرمایا چور کی ڈاڑھی میں تنکا تو تو خود ہی بول اُٹھا۔ حالانکہ حضرت مسیح نے صاف طور پر اپنے قتل کرانے والے کا نام بتا دیا مگر اور مریدوں کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی مرید کے دل میں حضرت مسیح کی ذراسی محبت نہ تھی اور بلاشک کل مرید اسکریوتی کے ساتھ سازش میں شریک تھے۔ اگرچہ انجیل نویسوں نے سوائے اسکریوتی کے کسی کا سازش میں ذکر نہیں کیا مگر قرائن اسیات کے موجود ہیں کہ اگر باقی ماندہ گیارہ مرید سازش میں شریک نہ ہوتے تو اسکریوتی کے ٹکڑے اُڑا دیتے اور اگر وہ مجہولے اپنی قومیت کے لحاظ سے انتہا درجہ ذلیل ہوتے تو بھی وہ اس پر لعن طعن تو ضرور کرتے حضرت مسیح نے جو کھلم کھلا اُسکا نام بتایا اس سے غرض یہ ہی تھی کہ میرے باقی کے گیارہ شاگرد کچھ مدد کریں مگر کسی نے ہوں تک نہ کی اسپر حضرت مسیح آگ بگولا ہو گئے اور آپنے اپنے کل شاگردوں کو اپنا قاتل تصور فرما کے یہ کہا لو یہ روٹی اسے کھاؤ یہ میرا بدن ہے پھر پانی کا پیالہ اُنہیں دیا اور کہا کہ اسے پیو کیونکہ یہ میرا لہو ہے جوش میں ان کے منہ سے تو یہہ نکل گیا لیکن پھر آپ ڈر گئے مبادا یہ لوگ مجھے کوئی آسیب پہنچائیں فوراً آپنے اپنا لہجہ بدل دیا اور یہ فرمانے لگے میں تم سے کہتا ہوں کہ انگور کے پھل کا رس پھر نہ پیوں گا اُس دن تک کہ تمہارے ساتھ اپنے باپ کی بادشاہت میں نیا نہ پیوں یہ سُن کے وہ جاہل مجہولے خوش ہو گئے اور گیت گانے لگے حضرت مسیح کو اُن کے گیت گانے پر غصہ آیا آپنے فرمایا تم سب اسی رات میرے لئے ٹھوکر کھاؤ گے کیونکہ لکھا ہے کہ میں گڈریہ کو ماروں گا اور گلہ کی بھیڑیں تتر بتر ہو جائیں گی پطرس نے جوش میں آکے کہا اے اُستاد یہ کیا کہتا ہے سب ٹھوکر کھائیں گے پر میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤں گا حضرت مسیح نے فرمایا میں تجھے خوب جانتا ہوں تو اسی رات مرغ کی اذان دینے سے پہلے تین بار میرا انکار کرے گا پطرس نے دلیری سے کہا نہیں ہرگز نہیں اگر تیرے ساتھ میں بھی قتل کیا جاؤں تو بھی انکار نہ کروں گا اور سب شاگرد اُسکی ہاں میں ہاں ملانے لگے یہ وہی حضرت پطرس ہیں جن کو مسیح بہت ہی عزیز سمجھتے تھے مگر افسوس ہے کہ اِن مظلوم روح اللہ کا کسی نے ساتھ نہیں دیا۔

حضرت مسیح کا خوف اور زاری

حضرت مسیح بھی آخر انسان ہی تھے آپ کی ۳۰-۳۱ برس کی عمر وطن سے بے وطن بے یار و مددگار پھر اُس پر اپنے مریدوں

کی دشمنی اور ظالم یہودیوں کا ہجوم آپ کی جان زار کو آدھا کئے دیتا تھا آپ کو ایسی بے وقت موت کا جو آنکھوں کے سامنے آ رہی تھی اسی قدر غم تھا جس قدر ایک مایوس نوجوان کو ہوتا ہے دنیا کا ابھی آپنے دیکھا ہی کیا تھا تبلیغ رسالت کے فرائض کی تکمیل بھی ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ موت اور ناکامی آپ کے سامنے مجسّم آکھڑی ہوئی جب حضرت مسیح کی مایوسانہ حالت دیکھی جاتی ہے تو دل پر ایک چوٹ لگتی ہے اس معصوم پیغمبر اور روح اللہ نے نہایت مایوسانہ حالت میں اپنے مریدوں پر نظریں اٹھائیں اور مرید ذرا بھی اس سے ہمدردی نہ کی عملی ہمدردی تو مٹھی بھر مچھوے کیا کر سکتے تھے افسوس کہ کسی نے زبانی بھی اس روح اللہ کی دلداری نہ کی دلسوزی نہ کی ہر زمانہ میں ہمیشہ نیکوں اور صادقوں کے ساتھ یہ ہی سلوک ہوتا رہا ہے مگر افسوس آتا ہے اُس نوجوان شخص پر جس کی عنفوان جوانی کا زمانہ سخت پر آشوب گزرا ہو جو کبھی اپنے وطن میں چین سے نہ بیٹھا ہو جس کی اولوالعزمی کے ساتھ ناکامی رہی ہو جس کے ساتھ اُس کے معتقدوں نے ذراسی محبت نہ کی ہو جس کے وعظوں کا اثر سامعین کے دل پر کچھ بھی نہ ہوا ہو جس پر بلاوجہ مخالفین نے کفر کا فتویٰ لگا دیا ہو اور سب سے زیادہ جس کے قتل کے درپے ہوں۔ اور ہر وقت موت اُس کی آنکھوں کے سامنے رہتی ہو اس وقت حضرت مسیح کی موجودہ صاف طور پر یہ گویا تھی۔

ہو چکیں غالب بلائیں سب تمام ایک مرگ ناگہانی اور ہے

جب آپ کو کامل طور سے مایوسی ہوگئی اور یقین ہوگیا کہ یہودی اب مجھے نہیں چھوڑنے کے تو آپ پر خوف مایوسی اور زاری کی حالت طاری ہوئی آپ اپنے مریدوں کو ساتھ لیکے گتسمنی مقام پر تشریف لائے اپنے علیحدہ ایک کونے میں اپنے مریدوں کو بٹھا دیا اور یہ ارشاد کیا تم یہاں بیٹھے رہو میں جا کر وعظ کرتا ہوں لیکن پطرس اور زبدی کے دونبیوں کو اپنے ساتھ لیا اور آپ نہایت غمگین اور دلگیر ہونے لگے آخر حضرت عیسے سے رہا نہ گیا آپ اُن دونوں بچوں سے فرمانے لگے جیساکہ متی باب ۲۶ آیت ۳۸ میں لکھا ہے "میرا دل نہایت غمگین ہے بلکہ میری موت کی سی حالت ہے تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو پھر آپ کچھ آگے بڑھ کے سجدہ میں گر پڑے اور ذوالجلال رب سے یہ دعا مانگی۔ اے میرے باپ اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھسے گزر جائے تو بھی میری خواہش نہیں بلکہ تیری خواہش کے مطابق ہو۔ حضرت مسیح کی یہ دعا یا یہ مایوسانہ اقوال خود اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ اُسوقت آپ کس قدر مایوس اور غمگین تھے عین نوجوانی کی حالت میں اس شکستہ خاطری سے دنیا سے رخصت ہونا کس قدر آپ کے دل پر کچوکی لگا رہا تھا آپ خدا کے سچے پیغمبر تھے آپ کی تعریف لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے دنیا کے اولوالعزم پیغمبروں کی فہرست میں آپ کا نام درج ہے با ایں ہمہ حیثیت ایک انسان ہونے کے یہ لازمی بات تھی کہ آپ اپنی جوانمرگی پر خون کے آنسو روتے مگر آفریں ہے اس روح اللہ پر کہ اخیر تک اُسنے خداوند تعالیٰ سے یہ ہی دعا کی کہ اگر تو پیالہ ٹالتا ہے تو اپنی مرضی سے ٹال میری مرضی سے نہیں۔ آپ کی جان زار پر اُس وقت اور بھی رونا آتا ہے جب آپ کے مریدوں نے ذرا بھی آپ کے ساتھ محبت نہ برتی آپ اس جانکندنی کی حالت میں پریشان تھے اور وہاں آپ کے مرید خواب نوشیں میں خراٹے لے رہے تھے جسوقت آپ دعا مانگ کر اپنے مریدوں کے پاس آئے تو دیکھا کہ سب سو رہے ہیں اُسوقت آپ کے دل کا کچھ حال نہ پوچھو واقعی ایک صدمہ کی بات تھی۔ حالانکہ آپ کا وقت آلگا تھا اور آپ گڑ گڑا کے خداوند تعالیٰ سے ملتجی ہو رہے تھے کہ میرے قتل کی گھڑی کو ٹال دے مگر ہائے سرد مہری کہ مریدوں نے کروٹ تک نہ لی آپ نے سب سے پہلے پطرس کو پکارا ہائے افسوس تم لوگ ایک گھنٹہ بھی میرے لئے نہ جاگ سکے

جاگو اور دعا مانگو تاکہ امتحان میں نہ پڑو روح جسم سے نکلنے کے لئے مستعد ہے اور جسم سست ہے۔ چونکہ اسوقت آپ پر پریشانی حد درجہ چھا گئی تھی۔ اور آپ سخت گھبرائے جاتے تھے پطرس سے یہ کہکے دوبارہ آپ نے علیحدہ ایک کونے میں جاکے دعا مانگی اور وہ دعا یہ تھی اے میرے باپ اگر میرے پینے کے بغیر یہ پیالہ مجھ سے نہیں گزر سکتا تو تیری مرضی۔

منحصر مرنے پہ ہو جس کی امید ناامیدی اُسکی دیکھا چاہیئے

ہائے افسوس حضرت مسیح جیسا بیگناہ اور معصوم پیغمبر اس طرح پریشان ہو اور اُس کے مرید اپنی گھری نیند میں پڑے ہوئے خراٹے لیویں آپ دعا مانگ کے پھر اپنے مریدوں کے پاس واپس آئے دیکھا کہ یہ کمبخت اسی طرح سوتے ہیں اُس وقت کی دلشکنی آپ کی کوئی خیال کرے جسوقت ہم انجیل میں اس ذکر کو پڑھتے ہیں جتنا حضرت مسیح کی جان زار پر آٹھ آٹھ آنسو بہاتے ہیں اُن سے زیادہ ان سرد مہر عاقل مریدوں پر غصہ آتا ہے حیف یہ کیسے مرید تھے۔ سنگدل سے سنگدل دشمن بھی اس نازک حالت میں ضرور ہمدرد بن جاتا حضرت مسیح بار بار جگاتے ہیں لیکن اُنہیں خبر نہیں ہوئی اس وقت پتھر کا کلیجہ ہوتا تو وہ بھی پاش پاش ہو جاتا مگر واہ رے سنگدلی کہ کسی نے ذرا بھی اُس روح اللہ کی ڈھارس نہ بندھائی جب آپ نے دوبارہ بھی اُنہیں سوتے ہوئے پایا تو اور بھی مایوس ہو گئے اسی پریشانی میں آپ پھر رب العزت کی بارگاہ میں دست بدعا ہوئے اور سہ بارہ آنکے دیکھا تو اپنے شاگردوں کو اسی طرح خراٹے لیتے ہوئے پایا آپ کچھ غصہ کچھ پریشانی اور کچھ شکستہ خاطری میں یہ فرمانے لگے بس اب تم سوتے رہو اور آرام کرو دیکھو وہ گھڑی آن پہنچی ہے کہ ابن آدم گنہگاروں کے حوالہ کیا جائیگا ہائے مجھے گرفتار کرانے والا ابھی قریب آگیا ہے آپ یہ فرما ہی رہے تھے کہ اتنے میں .... یہوداہ آپہنچا ایک بڑی بھیڑ تلواریں اور لکڑیاں لئے ہوئے اُسکے ساتھ تھی۔ اس سنگدل ناخدا ترس مرید نے ان ظالم یہودیوں سے یہ کہدیا تھا کہ جسے میں آگے بڑھ کے چوموں سمجھ لینا کہ وہی مسیح ہے یہ قصائی آگے بڑھا اور اُس نے حضرت مسیح سے مخاطب ہو کر کہا اے ربی سلام اور پھر آپ کو بوسہ دیا۔ یسوع نے اُس سے کہا تو یہاں کس لئے آیا ہے آپ اتنا کہنے ہی پائے تھے کہ ظالم اور بیدین یہودی آپ کو تنہا پاکے آپ پر گر پڑے اور آپ کو پکڑ لیا۔ حضرت مسیح کے ساتھی بھی اس غل غپاڑے میں اپنے خواب راحت سے بیدار ہو گئے تھے صرف ایک مرید کو غصہ آیا اُس نے تلوار کھینچی اور سردار کاہن کے ایک ملازم پر وار کیا اور اُسکا کان اُڑا دیا حضرت مسیح نے فرمایا تو اپنی تلوار میان میں کر لے کیونکہ جو تلوار چلاتے ہیں تلوار ہی سے مارے جاتے ہیں آپ نہایت ہی ہوشیار اور عاقل نوجوان تھے آپ خوب سمجھتے تھے کہ یہ مٹھی بھر نہتے یہودیوں کا کیونکہ مقابلہ کر سکتے ہیں پھر اکیلا چنا کیا خاک بھاڑ کو پھوڑ سکتا ہے آپ نے صاف فرما دیا کہ اگر تو تلوار چلائیگا تو تلوار ہی سے مارا جائیگا پھر آپ نے جوش میں آن کے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو خداوند تعالیٰ سے دعا مانگوں اور وہ فرشتوں کے بارہ تمن آسمان سے بھیجدے اور وہ آنے کے ساتھ ہی تم یہودیوں کو پارہ پارہ کر دیں مگر میری تقدیر میں تو روز ازل سے یہ ہی لکھا ہوا ہے۔ یہودی اس طرح مجھے گرفتار کریں اور پھر قتل کریں تقدیر کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔ حضرت مسیح نے نہایت افسوس سے یہودیوں کو خطاب کر کے فرمایا تعجب ہے تم میرے گرفتار کرنے کے لئے تلواریں اور لاٹھیاں لیکے اس طرح نکلے ہو جیسے کوئی چور کو پکڑنے نکلتا ہے میں نے بارہا ہیکل میں تم لوگوں کے آگے وعظ کیا ہو وہاں تم نے مجھے گرفتار نہیں کیا۔ مگر یہ ساری باتیں اس لیئے ہوئی ہیں کہ نبیوں کے نوشتے پورے ہوں۔

آپ کے مریدوں کا بھاگ جانا

جب اُن مجہودوں نے یہ دیکھا کہ یہودیوں نے حضرت مسیح کو پکڑ لیا ہے تو کم بخت فوراً بھاگ گئے اور ذرا بھی یہ خیال نکیا کہ ہمارا پیر یا ہمارا پیغمبر کس بے بسی کی حالت میں دشمنوں کے ہاتھ پڑ گیا ہے ایسے موقع پر تو معمولی آدمی بھی حمایت کو اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں مگر وہ سب مل کے ایسے کافور ہوئے۔

کہ سدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی ؛ نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

حضرت مسیح کی گرفتاری اور اُن پر ظلم

اخیر یہودیوں نے آپ کو گرفتار کر لیا- اور آپ کو قیافا نا سردار کاہن کے پاس لے گئے جہاں فقیہ اور بزرگ جمع تھے صرف پطرس نے تو اتنا کیا کہ آپکے ساتھ ہو لیا لیکن آپ سے بہت دور کے فاصلہ رہتا تھا اس خیال سے کہ کوئی اُسے نہ پکڑ لے ظالم یہودی اُس پیغمبر اور روح اللہ کو گرفتار کر کے سردار کاہن کے پاس لائے پطرس کسی گھر کے اندر چلا آیا اور سردار کے نوکروں کے ساتھ بیٹھ گیا اور تماشا دیکھنے لگا- اب سردار کاہن اور ساری مجلس کو اس بات کی تلاش ہوئی کہ حضرت مسیح کے خلاف جھوٹے گواہ پیدا کریں تاکہ آپکے قتل کرنے کا حیلہ نکلے بہت سے جھوٹے گواہ عدالت میں پیش کئے گئے- لیکن مطلب کی بات ایک نے نہ کہی اخیر دو من چلے اول درجہ کے جھوٹے گواہ آئے اور اُنہوں نے حضرت مسیح کے خلاف یہ جھوٹی گواہی دی کہ ہم نے مسیح کی زبانی یہ سنا ہے اور یہ شخص اسبات کا مدعی ہے کہ میں خدا کی ہیکل کو ڈھا سکتا ہوں اور پھر تین دن میں بنا سکتا ہوں اسپر سردار کاہن نے حضرت مسیح سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو جواب دے یہ دو شخص کیا کہہ رہے ہیں حضرت مسیح بالکل خاموش کھڑے تھے اور ابھی تک آپنے کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا سردار کاہن جوش میں آکے کہنے لگا کہ میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو مسیح خدا کا بیٹا ہے تو ہم سے کہہ حضرت مسیح نے یہ جواب دیا- ہاں وہی جو تو کہتا ہے بلکہ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ اسکے بعد تم ابن آدم کو قادر مطلق کے دہنی طرف بیٹھے اور آسمان کے بادلوں پر آتے دیکھو گے یہ سنتے ہی سردار کاہن نے غل مچایا اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے- پھر یہ کہنے لگا کہ یہ شخص کفر بول چکا ہے اب ہمیں کسی گواہ کی ضرورت نہیں اے حاضرین تم نے اُس کا کفر سن لیا اب بتاؤ تمہاری کیا صلاح ہے سبنے یکزبان ہو کر کہا کہ قتل کے لائق ہے پھر اُن ذلیل شقی بیدل سنگدل قصائی اور بدکار یہودیوں نے آپکے روئے مقدس پر تھوکا گھونسے اور طمانچے مارے اور کہا اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا کہ کس نے تجھے مارا-

پطرس کا انکار

پطرس باہر دالان میں بیٹھا ہوا یہ تماشا دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں کسی سردار کی لونڈی نے اُسکے پاس آکر کہا کیا تو بھی یسوع جلیلی کے ساتھ تھا یہ سنتے ہی پطرس کانپ اُٹھا اور کہا نہیں بالکل نہیں یہ تم کیا کہہ رہے ہو میں بالکل نہیں سمجھا کہ تمہارا مطلب کیا ہے جب پطرس نے یہ دیکھا کہ مجھے لونڈی نے پہچان لیا ہے مبادا اور کوئی مجھے یہ پہچان لے جب لونڈی نے پیٹھ موڑی تو آپ چپکے سے باہر چلدئے باہر نکلا ہی تھا کہ ایک شخص نے غل مچا کر کہا کہ میں نے اسے یسوع ناصری کے ساتھ خود دیکھا ہے پطرس نے قسم کھا کے صاف انکار کیا حضرت توبہ کیجئے میں تو یسوع ناصری سے واقف بھی نہیں ہوں اسکے بعد چند آدمیوں نے پطرس کے پاس آ کے کہا تو بالکل جھوٹا ہے تو ضرور مسیح ناصری کے

ساتھ رہا ہے تیری زبان خود اس بات کی شہادت دے رہی ہے پطرس نے صاف الفاظ میں لعنت بھیجی اور قسم کھا کر کہا کہ میں اُس شخص کو نہیں جانتا اتنے میں مرغ نے اذان دی پطرس کو حضرت مسیح کی وہ بات یاد آگئی یعنی آپ نے فرمایا تھا کہ اے پطرس مرغ کی اذان دینے سے پہلے تو تین بار میرا انکار کرے گا۔

یہ تھے حضرت مسیح کے مرید اور یہ ہے اُنکی شرافت اور محبت دنیا میں ایسا واقعہ بہت کم دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی کے مرید اپنے پیر کو اس بے بسی کی حالت میں چھوڑ کر بھاگ جائیں اور کھلم کھلا اپنے پیر سے انکار کریں۔ اس سے زیادہ ناکامی ایک پیغمبر یا ایک مصلح قوم کی کیا ہو سکتی ہے کہ وہ کئی سال کی محنت اور جانفشانی کے بعد تو چند آدمیوں کو اپنا مرید بنائے اور وہ وقت پر اس سے بیوفائی کر جائیں حضرت مسیح کے مقابلہ میں اگر حضور انور خاتم النبیین فخر موجودات شہنشاہ عرب و عجم حضرت رسالت پناہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب پر خیال کیا جائے تو بعد المشرقین معلوم ہو گا آپکے صحابہ ہمیشہ آپ پر سینہ سپر رہے سخت سے سخت موقعوں پر بھی کبھی ایسی پہلو تہی نہیں کی آپکے نام پر جان دینا دونوں جہان کی نجات سمجھتے رہے آپ کے لئے وطن سے بے وطن ہوئے یار عزیز اور دنیا کی دولت اور بال بچے چھوڑ دئے آپ کی خوشی میں اپنی خوشی سمجھی آپ کی راحت میں اپنی راحت اور آپ کی مصیبت میں اپنی مصیبت اُسوقت جب جنگ احد میں آپکے دندان مبارک مشرکوں کے نیزہ سے شہید ہو چکے تھے اور آپ کا خود فولادی مشرک کی ایک گرز کے صدمہ سے آپ کے روئے مبارک تک کھال کو چیرتا ہوا چلا آیا تھا اور پہاڑی کے ایک پتھر سے آپ کے گھوڑے کی ٹانگ پھسل گئی تھی اور آپ ایک گڑھے میں گر پڑے تھے غنیم نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور مسلمانوں کی کئی صفیں تتر بتر ہو چکی تھیں اس نازک وقت میں بھی چیرہ دست غنیم پر آپکے بہادر صحابہ ٹوٹ پڑے تھے اور مشکیزہ میں پانی لاکے اُس خون کو دھویا تھا جو آپ کی نورانی پیشانی سے بہ رہا تھا جس وقت آپکے صحابہ پانی لے کے پہنچے ہیں تو دیکھا کہ آپ درگاہ رب العزت میں خضوع اور خشوع کے ساتھ یہ دعا فرما رہے تھے اے میرے خدا تو ان مشرکوں کو ہدایت کا راستہ دکھا اُنہوں نے میری عظمت کو نہیں پہچانا اس لئے یہ مجھ سے مخالفت کرتے ہیں اللہ اکبر اے امی نبی اے محبوب خدا اے محمد عربی تیری بہت بڑی شان ہے کون ہے جو بحیثیت انسان ہونے کے تیری عظمت اور بزرگی کا اندازہ کر سکے اے خدا کے سچے دوست۔

پیش از ہمہ شاہان غیور آمدۂ ہر چند کہ آخر بہ ظہور آمدۂ

ای ختم رسل قرب تو معلومم شد دیر آمدۂ ز راہ دور آمدۂ

اے نبی اللہ تو تمام انبیا کا سرتاج ہے تیرے قوانین شریعت قیامت تک قابل عمل رہیں گے تو نے اپنے فرائض نبوت کی اس خوش اسلوبی سے تکمیل کی کہ تیرا ثانی اور انبیا میں نہیں ملتا اے دنیا کے نجات دہندہ ہماری آنکھیں کھول کہ ہم تیری فضیلت کا اندازہ کر سکیں تیرا فضل و کرم خدائے توانا و بزرگ کی عنایت سے ہمارے ساتھ ہو۔

حضرت مسیح کے قتل کا مشورہ

جب صبح ہوئی کاہن اور سرداروں نے باہم مشورہ کیا کہ مسیح کو کیونکہ قتل کریں بڑی قیل و قال کے بعد یہ تجویز قرار پائی کہ اس کو بطلیموس کے پاس لے چلیں جو کچھ وہ حکم کریں اُس پر عمل کرنا چاہئیے جب بدنصیب یہوداہ کو یہ خبر ہوئی کہ حضرت

مسیح کو قتل کا حکم ہوا ہے وہ شوم بدبخت آخر سخت نادم ہوا اور دل میں کہنے لگا کہ ہائے میں نے کیا غضب کیا کہ بیگناہ کو قتل کیا اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ مسیح گرفتار ہو کر مارا جائے گا تو میں کبھی اُسے ۳۰ روپیہ میں فروخت نہ کرتا۔ اب پشیمان ہونے سے کیا ہوتا تھا۔ نادان ۳۰ روپیہ لیکر گھبرایا ہوا سردار کاہنوں کے پاس گیا۔ اور کہا بھائیو مجھے یہ خبر نہ تھی کہ یہ بیگناہ شخص اس طرح گرفتار ہو کر قتل کیا جائے گا تم اپنے ۳۰ روپیہ سنبھالو مجھے ایسے روپیہ لینے کی ضرورت نہیں ہے سردار کاہنوں نے جواب دیا تو عجب احمق ہے ہم تو یہ روپیہ مسیح کی قیمت کے تجھے دے چکے تو جان اور تیرا کام۔ شامت مارا وہ روپیہ لیکے سیدھا ہیکل میں چلا گیا اور اُس کے صحن میں پھینک کے باہر نکل آیا اور دل میں کہنے لگا ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔ لاکھ اُس کمبخت نے سر پیٹا لیکن حضرت مسیح کا خون ناحق گردن سے نہیں اتر سکتا تھا اُسکا نامہ اعمال سیاہ ہو چکا تھا اور اب اُسکے سفید ہونے کی گنجایش نہ تھی۔ آخر قدرتی طور سے اُسکی بدکرداری کی یہ سزا ہوئی کہ اس کم بخت نے خودکشی کر لی۔ اس وقت اسپر دو دو جرم تھے ایک تو اُس نے ۳۰ روپیہ کا لالچ کر کے معصوم پیغمبر کو گرفتار کرایا دوسرے اُس نے خودکشی کی۔ ایسے شخص کا آیندہ زندگی میں جو کچھ حال ہوگا ہر شخص بخوبی جانتا ہے معصوم اور روح اللہ کی صبر نے تو یہوداہ کا کام تمام کر دیا لیکن افسوس ہے کہ اُس کے پھانسی پانے سے روح اللہ کی نجات ہوئی سردار کاہنوں نے دیکھا کہ یہوداہ ۳۰ روپیہ ہیکل میں پھینک گیا ہے اُنہوں نے باہم مشورہ کر کے کہا کہ بھائی یہ خون کی قیمت ہے اسے ہم خزانہ میں داخل نہیں کر سکتے آخر صلاح یہ ٹھہری کہ اس روپیہ کو کہیں صرف کرنا چاہیئے بڑی دیر کے مشورہ کے بعد کسی کمہار کی زمین کا ایک قطعہ خریدا گیا تاکہ اُس قطعہ زمین کو پردیسیوں کا مدفن بنایا جائے۔ آجتک اس کھیت کا نام خون کا کھیت ہے۔ متی کی انجیل اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ یرمیاہ نبی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ اس طرح یسوع مسیح ۳۰ روپیہ میں فروخت ہوگا اور اُن ۳۰ روپیہ سے مردوں کے گاڑنے کے واسطے کھیت خریدا جائے گا پھر حضرت مسیح عدالت میں کھڑے کئے گئے اور اُن سے سوال ہوا کہ کیا تم یہودیوں کے بادشاہ ہو آپنے مجسٹریٹ سے فرمایا جو کچھ تو کہتا ہے صحیح ہے تمام یہودی غل مچانے لگے کہ دیکھو دیکھو یہ کیا کہہ رہا ہے مگر حضرت مسیح خاموش کھڑے رہے اور اُن کی فریادوں اور نالہ و بکا کا کچھ جواب نہ دیا آپ خاموشی سے اپنی آیندہ خونی قسمت کا انتظار کر رہے تھے جو آپکے ساتھ تقدیر لازم ہو چکی تھی۔ پھر پلاطیس نے حضرت مسیح سے خطاب کر کے کہا کیا تو نہیں سُن رہا کہ یہودی تیرے خلاف کتنی شہادتیں دے رہے ہیں حضرت مسیح نیچی آنکھیں کئے خاموش کھڑے تھے آپ کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ بدباطن مجھے ہرگز نہیں چھوڑنے کے پھر ان سے جواب سوال کرنے کی کیا غرض جو کچھ یہ کہیں انہیں کہنے دو اس وقت آپکے دل کی عجب کیفیت ہوگی۔ اپنے فرائض کی تکمیل کی ناکامی اور اُسپر بیگناہ گرفتار ہونا اور اسپر قتل کا حکم اور پھر یہ جب ابن آدم ہونے کی عنفوان جوانی کی آرزوئیں یہ سب وہ حالتیں تھیں جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں۔

سرچہ اگر دو دستم شوخی کہ با ما یار بود   قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود

حاکم نے سخت تعجب سے کہا کہ مسیح کیوں خاموش کھڑے ہیں اور اپنے خلاف شہادتوں کا کچھ بھی جواب نہیں دیتے مگر یہاں خاموشی کے سوا کچھ بھی نہ تھا اور مسیح جیسے اولوالعزم پیغمبر کے لئے زیبا بھی یہی تھا کہ اُن کی لاطائل باتوں کا کچھ جواب ندیا جاتا۔

حاکم کی یہ عادت ہے کہ عید کے دن وہ لوگوں کی سفارش سے ایک قیدی رہا کر دیا کرتا تھا بہت سے آدمی جس شخص کی سفارش کرتے تھے اسی کو چھوڑ دیا جاتا تھا اسوقت دو شخص جن کے لئے سزائے موت تجویز ہو چکی ہے بلاطیس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ بلاطیس نے حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ یہ دو شخص ہیں ایک یسوع مسیح دوسرا براماس ان دونوں میں سے جسے تم کہو رہائی دیدی جائے اسی اثنا میں حاکم کے پاس اُس کی بیٹی کا یہ پیغام آیا کہ اے باپ تو اُس راست باز شخص کو جسکا نام یسوع مسیح ہے چھوڑ دے اس لئے کہ شب کو میں نے خواب دیکھا ہے جسکی وجہ سے میری روح پر بہت بڑا صدمہ ہے مگر حاضرین مشورہ کر چکے تھے کہ براماس کو چھڑوا دیا جائے اُنہوں نے متفق اللفظ یہ استدعا کی کہ **براماس** کو چھوڑ دیا جائے حاکم گھبرایا اور پریشان ہوکے یہ کہنے لگا کہ جب تم اس شخص کو چھڑواتے ہو تو اس شخص کو میں کیا کروں حاکم کی نیت یہ تھی کہ کسی صورت سے حضرت مسیح چھوڑ دئے جائیں مگر سردار کاہن اور یہودی وغیرہ بات نہ مانتے تھے جب اُس نے یہ دریافت کیا اخیر میں اس راستباز کا کیا کروں تو اُنہوں نے غل مچاکر کہا کہ اسے صلیب دے حاکم نے متردد ہوکے پوچھا کہ ایسا اس نے کیا گناہ عظیم کیا ہے کہ تم اسے صلیب دلواتے ہو۔ یہودیوں نے اسکا کچھ جواب نہ دیا بلکہ بار بار یہی غل مچاتے رہے کہ صلیب دے صلیب دے۔

حضرت مسیح پر ظلم

جب بلاطیس نے یہ دیکھا کہ میرے ہم قوم باز نہیں آتے اور اُن میں فساد کے آثار پائے جاتے ہیں تو اُس نے پانی کا لوٹا منگایا اور سب آدمیوں کے سامنے ہاتھ دھوئے اور کہا تم گواہ رہنا کہ میں مسیح کے خون سے پاک ہوں۔ یہ سُن کے لوگوں نے غل مچایا کہ مسیح کا خون ہم پر اور ہماری اولاد کی گردن پر تو ناحق گھبرایا جاتا ہے ہم بہت خوشی سے اپنی اور اپنی اولاد کی گردنوں پر اُسکا خون لیتے ہیں ناچار بلاطیس نے اُن کے کہنے سے براماس کو چھوڑ دیا اور اُس ظالم اور ناخدا ترس حاکم نے اُس معصوم اور اولوالعزم بیگناہ اور راستباز نبی کو کوڑے پٹوائے اور یہودیوں کے حوالہ کر دیا حاکم کے کل ملازم سردار کاہنوں کے ساتھ مل کے حضرت مسیح کو دیوان خانے میں لائے اور آپکے سب کپڑے اُتروا ڈالے اور قرمزی پیراہن پہنا دیا کانٹوں کا تاج آپکے مقدس سر پر رکھا اور ایک سرکنڈا آپکے دست مبارک میں دیکے گھٹنے ٹیک کے کھڑے ہوگئے اور کہا اے یہودیوں کے بادشاہ تجھے سلام یہ کہہ کے ایک قہقہا مارا اور آپ کا بڑا مضحکہ اُڑایا ان ازلی جہنمیوں نے اس پاک اور بیگناہ نبی کے ساتھ یہیں تک بے ادبی ہنسی کی بلکہ آپکے حوارین کی شہادت کے موافق آپکے روئے مبارک پر تھوکا اور وہ سرکنڈا لیکر آپکے سر پر مارا اور جہانتک اُن سے توہین ہوسکی کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ پھر آپ کا قرمزی پیراہن اتار لیا اور وہی کپڑے آپ کو پہنا دئے اور یہ سب بیدین آپ کو صلیب پر کھینچنے کے لئے لیچلے۔ جب دیوان خانہ سے باہر نکلے تو ایک شخص شمعون نامی کو راستہ میں پکڑ لیا کہ ان کی صلیب اُٹھا کے لے چلے آخر آپ کو گلگتا نامی ایک مقام پر لیکے پہنچے۔

صلیب کی تیاریاں

بدبخت یہودیوں نے پانی میں سرکا ملا کے آپ کو پینے کو دیا آپنے جوں ہی مُنہ سے لگایا فوراً اُسے پھینک دیا اخیر آپ کو

صلیب پر کھینچ دیا اور آپ کے کپڑوں پر چھٹی ڈال کے آپس میں تقسیم کر لیا۔ سنا گیا ہی کہ یہ پیشین گوئی ہو چکی تھی کہ مسیح کے کپڑے اس طرح تقسیم ہوں گے۔ کل یہودی آپ کی صلیب کے گرد بیٹھ گئے اور نگرانی کرنے لگے کہ کہیں آپ صلیب سے اُتر کر چل نہ دیں اور سبب قتل لکھ کے آپکے سر سے اونچا لگا دیا اوس تختی پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی یہ یسوع یہودیوں کا بادشاہ ہے دو چور اور بھی اِن کے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے ایک دہنی طرف کھڑا کیا گیا تھا ایک بائیں طرف بیچ میں آپ تھے چونکہ شاہراہ پر آپ کو صلیب دی گئی تھی اسلئے آنے جانے والے آپ پر برابر ملامت کر رہے تھے کوئی کھتا تھا کہ اگر تو خدا کا بیٹا ہے تو کیوں نہیں صلیب سے نیچے اُتر آتا کوئی کھتا تھا کیا تجھ میں اس قدر قدرت ہے کہ ہیکل کو ڈھا وے اور تین دن میں اُسے بنا دے تعجب ہے کہ اس قوت کا ہو کے اپنے کو نہیں بچا سکتا سردار کاہنوں نے بھی فقیہوں اور بزرگوں کے ساتھ ٹھٹھا مار کے کہا یہ تو اوروں کو بچاتا ہے اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ اگر اسرائیل کا بادشاہ ہے تو صلیب پر سے کیوں نہیں اُتر آتا اے یسوع اگر ابھی تو صلیب پر سے اُتر آئے تو ہم تجھپر ایمان لے آویں تیرا تو بھروسا خدا پر تھا اب کیوں نہیں خدا تیری مدد کو آتا تو تو ہمیشہ اُسے باپ باپ کہہ کے پکارتا تھا اب باپ کہاں ہی جو بیٹے کی حمایت نہیں لیتا وہ دو چور جو آپکے ساتھ صلیب پر کھینچے گئے تھے آپ پر طعنہ مار رہے تھے اور یہی بیہودہ الفاظ زبان پر لا رہے تھے مگر حضرت مسیح بالکل خاموش تھے آپ نہایت صبر اور سنجیدگی سے یہودیوں کے ہفوات سُن رہے تھے۔

متی

سب سے چھوٹی عمر کا حواری آپ کا متی تھا گو اُس موقع پر نہیں تھا لیکن سماعی شہادت اس طرح سے دیتا ہی۔ وہ کہتا ہی چھٹی ساعت سے لیکے نویں ساعت تک ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا نویں ساعت کے قریب حضرت مسیح نے بہت شور سے چلّا کے کہا ایلی ایلی لما سبقتانی یعنی اے میرے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ یہ سُن کے بعض یہودی تو یہ کہنے لگے کہ وہ الیاس کو پکارتا ہی بعض نے کچھ سرکا اسپنج میں بھگو کے آپکے منہ میں ٹپکایا بعض کہنے لگے کہ دیکھیں الیاس اسکی مدد کو آتا ہی یا نہیں متی نے جو یہ بیان کیا کہ ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ وہ بہت بچہ تھا اُسکی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا ہو گا عقل باور نہیں کرتی کہ اگر ایسے وقت میں قدرتی طور سے کسی خفیف سی علامت کا بھی اظہار ہوتا تو یہودی سچ مچ آپ پر ایمان لے آتے اور آپ سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے متی کی یہ شہادت کہ آپنے خداوند تعالیٰ سے فریاد کی کہ مجھے کیوں چھوڑ دیا کچھ سمجھ میں نہیں آتی حسب معمول پرہیزگار اور راست باز لوگ مرنے سے نہیں ڈرتے اور بہت خوشی سے حق پر جان دیدیتے ہیں تو حضرت مسیح جیسا اولو العزم پیغمبر جو محض کلمہ حق کہنے کے جرم میں صلیب پر کھینچا گیا تھا کیوں ایسے مایوسانہ کلمے اپنی زبان سے نکالتا چونکہ چاروں حواری اس جملہ پر متفق ہیں اس لئے ممکن ہے کہ یہ صحیح ہو لیکن ناظرین کو اتنا آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ صلیب کے وقت بارہ مریدوں میں سے ایک مرید بھی آپکے پاس نہیں تھا یہ جوان مرد عین گرفتاری کے وقت بھاگ گئے تھے اور خدا معلوم کس کونے میں چھپے ہوئے پڑے تھے پطرس جو آپ کا سب سے زیادہ پیارا حواری تھا آپ پر معاذ اللہ لعنت بھیج کے آپ کا تین بار انکار کر چکا تھا غالبًا اِن لوگوں نے بعد ازاں صلیب دینے والے یہودیوں سے آپ کی اس

وقت کی کیفیت دریافت کرلی ہوگی مگر اسکا پتہ کسی انجیل میں نہیں چلتا۔ متی مرقس یوحنا اور لوقا کا بیان ہے کہ آپ نے بہت غل مچا کر جان دی جس وقت آپ کی جان نکلی ہے ہیکل کا پردہ اوپر سے نیچے تک پھٹ گیا زمین کانپی اور پتھر تڑخ گئے قبریں کھل گئیں بہت سی لاشیں پاک لوگوں کی جو بہت آرام سے ہمیشہ کی نیند میں سوتی تھیں اُٹھ کھڑی ہوئیں اور قبروں سے نکل نکل کے مقدس شہروں میں چلی گئیں۔ بہت لوگوں نے ان لاشوں کو دیکھا ممکن ہے کہ ایسا ہوا ہو حضرت مسیح کی موت کی خبریں سن کے آپکے حواریوں کی آنکھوں کے آگے مُردے ہی مُردے دکھلائی دیئے ہوں ہیکل کا پردہ پھٹنے سے استعارہ کے طور سے یہ ہی غرض ہوگی کہ جب ہیکل کا اصلی تعظیم کرنے والا نہ رہا تو گویا ہیکل کا پردہ پھٹ گیا تمام دنیا پر تاریکی چھا جانے سے مطلب یہ ہو کہ جب روح اللہ دنیا سے اُٹھ گیا تو نور خدا بھی جاتا رہا آپ سے آپ تاریکی چھانی لازمی ہوئی چاروں حواری بہ تبدیل الفاظ یہ بیان کرتے ہیں کہ جو لوگ یسوع کی نگرانی کے لئے مقرر ہوتے تھے جب اُنہوں نے بھونچال اور سارا ماجرا دیکھا تو نہایت ڈر گئے اور کہنے لگے بیشک یہ خدا کا بیٹا تھا۔ بہت سی عورتیں جو جلیل سے آپ کی خدمت کرنے آئیں تھیں دور سے اس خونی نظارہ کو دیکھ رہی تھیں جب شام ہوئی یوسف نامی ایک شخص جو بہت دولتمند تھا اور جو حضرت مسیح کا مرید بن چکا تھا آپکے پاس آیا پہلے وہ پلاطس کے پاس گیا اور اُس نے یسوع کی لاش کھود رکھی تھی رکھدیا اور ایک وزنی پتھر قبر کے مُنہ پر ڈھانک کر چلا گیا دو عورتیں اسوقت آپ کی قبر کے پاس بیٹھی تھیں ایک کا نام مگدلینی تھا اور دوسری کا نام مریم

حضرت مسیح کا جی اُٹھنا

صلیب پانے کے دوسرے روز تمام سردار کاہن اور بزرگ پلاطس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اے خداوند وہ دغاباز جیتے جی یہ کہا کرتا تھا کہ میں مرنے کے تین دن بعد زندہ ہو جاؤں گا تو حکم کر کہ تیرے سپاہی اُسکی قبر کی نگرانی کریں لفظ دغاباز متی نے حضرت مسیح کی نسبت معاذ اللہ اسی انجیل میں استعمال کیا ہے اور وہ یہودیوں کا قول بیان کرتا ہے اور وہ یہ بھی پلاطس سے کہنے لگے کہ اگر تیری طرف سے نگرانی نہ ہوگی تو اُس کے شاگرد اُسے قبر میں سے چرا کر لے جائینگے اور یہ مشہور کریں گے کہ وہ مرنے کے بعد زندہ ہو گیا تو یہ پچھلا فریب پہلے سے بھی بدتر ہوگا پلاطس نے اُن سے کہا کہ یہ سپاہی موجود ہیں انہیں لیجا کے قبر پر بٹھاؤ اور جہاں تک تم سے ممکن ہو اُسکی نگرانی کرو بلکہ قبر کے پتھر پر مہر لگا دو کہ پھر کوئی اس کے اکھیڑنے کی جرأت نہ کرے۔ سبت کے بعد جب اتوار کی صبح ہوئی تو مریم مگدلینی اور دوسرے مریم مل کے قبر کو دیکھنے آئیں کہ اسی اثنا میں ایک بھونچال آیا اور آسمان سے خداوند کا فرشتہ اُترا اسکا چہرہ بجلی کی طرح روشن تھا اور اُسکی پوشاک برف سے سفید تھی اُس نے قبر پر سے پتھر اٹھایا اور آپ اُس پر بیٹھ گیا جوں ہی پہرے والوں نے اُس فرشتہ کی صورت دیکھی وہ خوف کے مارے کانپنے لگے اور سب پر غشی کا عالم طاری ہو گیا فرشتہ نے اُن عورتوں سے کہا تم کیوں ڈرتی ہو مجھے معلوم ہے کہ تم یسوع کو جو صلیب پر کھینچا گیا ہے ڈھونڈنے آئی ہو۔ وہ اس قبر میں نہیں ہے کیونکہ اُس نے فرمایا تھا کہ میں تین دن کے بعد جی اُٹھوں گا وہ اس قبر میں سے چلا گیا آؤ یہ جگہ جہاں خداوند پڑا تھا دیکھو اور جلد جا کے اُس کے شاگردوں سے کہو کہ وہ مردوں میں سے جی اُٹھا وہ جلیل کی طرف جا رہا ہے وہاں تم اُسے دیکھو گی جونہیں ان عورتوں نے یہ خبر سنی وہ شاداں اور فرحاں دوڑتی ہوئی گئیں اور

مسیح کے شاگردوں کو اطلاع دی لیکن رستہ میں حضرت مسیح اِن عورتوں سے ملی اور اُن سے کہا سلام حضرت مسیح کی
صورت دیکھتے ہی وہ عورتیں اُن کے قدموں پر گر پڑیں حضرت مسیحؑ فرمایا تم ڈرو نہیں بلکہ تم میرے بھائیوں سے
جاکے کہو کہ وہ مجھ سے جلیل میں آکے ملیں۔ یہ خبر آناً فاناً شہر میں پہنچی سردار کاہن اور یہودیوں کے کل بزرگ جمع
ہوئے اور آپسمیں مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہیئے پہرے والوں کو بہت سے روپیہ دیکے کہا کہ رات کو جو کچھ گزرا
ہے وہ سچ سچ بیان کردو اور یہ کہا کہ تم پلاطس کے پاس چلکے یہ کہدو کہ شب کو اُس کے شاگرد اُسے چرا کر لے گئے پھر
ہم تمہیں بچا لیں گے چنانچہ اُن پہرے والوں نے پلاطیس کے آگے جاکے یہ ہی اظہار دئے یہودیوں میں اب تک
یہ ہی بات مشہور ہے اس کے بعد اا شاگرد جہاں یسوع نے اُنہیں فرمایا تھا یعنی جلیل کے پہاڑ پر گئے اور حضرت مسیح کو
دیکھکر آپ کے آگے جُھک پڑے مگر ابھی تک یہ مجھوے شبہ میں تھے اور اُنہیں کسی قسم کا اطمینان نہیں ہوا تھا حضرت مسیح نے
فرمایا کہ دیکھو زمین اور آسمان کا سارا اختیار مجھے دیا گیا ہے اس لئے تم جاکر سب قوموں کو شاگرد کرو اور اُنہیں باپ بیٹے
اور روح القدس کے نام سے بپتسمہ دو اور اُنہیں تعلیم کرو کہ اُن سب باتوں پر جن کا میں نے تمہیں حکم دیا ہے عمل
کریں اور دیکھو میں زمانہ کے تمام ہونے تک ہر روز تمہارے ساتھ ہوں۔ فقط

کل انبیاء سابقین کی سوانح عمری جو ہمنے توریت اور انجیل سے منتخب کئے ہیں اُنکے مفہوم میں کہیں فرق نہیں آیا
ہے ہاں الفاظ کا تغیر تبدل ضرور کر دیا گیا ہے کیونکہ توریت اور انجیل کی ایسی عبارت نہیں ہے کہ کسی کو پڑھنے کے بعد اُس سے
دلچسپی ہو سوانح عمریوں کے غور سے دیکھنے کے بعد کم سے کم یہ بات تو ضرور ظاہر ہو جائے گی کہ تمام انبیا توریت اور
انجیل کی شہادت کے بموجب دنیا سے ناکام گئے اُنکی اندرونی اور بیرونی معاشرت اُن کا اخلاق اُن کی طرز تعلیم اور
اُن کا تمدن اس قسم کا ہرگز نہیں تھا کہ لوگ اُن کے پیرو بنتے اور پھر اُن میں کوئی اصلاح پیدا ہوتی حضرت مسیح کی
تعلیم بیشک اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے جس میں روحانیت اور مافوق الفطرت اخلاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے دیکھنے میں بہت
اچھی اور نرم لیکن عملی طور سے محض بیکار تھی اپنی تعلیم میں اگر یہ تعلیم حضرت مسیح ہی کی تسلیم کی جائے تو مخلوق خدا کی راہ
میں ایسے مشکلات پیدا کر دئے ہیں کہ جس پر آجتک کسی نے عمل نہیں کیا قوانین تمدن کے خلاف اخلاق کے خلاف
معاشرت کے خلاف یہاں تک کہ انسانی فطرت کے خلاف کل باتیں ہم انجیل میں پاتے ہیں یعنی حضرت مسیح کا بڑی
سختی کے ساتھ یہ حکم ہے کہ اگر تمہارے کلہ پر ایک طمانچہ مارے تو تم دوسرا بھی آگے کر دو اگر تمہیں ایک میل بیگار میں
لیجائے تو تم دو میل بیگار میں چلے جاؤ ظاہرا طور سے تو اس سے نرم اور با اخلاق تعلیم ہو نہیں سکتی۔ مگر سوال صرف
یہ ہے کہ آیا اس ایک شخص کی مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس نے حضرت مسیح کی اس تعلیم پر عمل کیا ہو۔ کس مسیح پرست پادری
نے ایک تھپڑ کھاکے اپنا دوسرا کلّہ تھپڑ کھانے کو آگے کر دیا کون راسخ الاعتقاد مسیحی ایک میل کے عوض دو میل بیگار
میں چلا گیا۔ موجودہ مسیحی یورپ میں کوئی شخص اس بات کو بھی گوارا نہیں کر سکتا کہ اُس کے چال چلن کی نسبت دوسرا
آدمی شک ظاہر کرے موجودہ قوانین کی رو سے وہ ازالہ حیثیت عرفی کا فوراً دعویٰ کر سکتا ہے اور اُس شخص کو سزا
دلوا سکتا ہے چنانچہ یورپ کی عدالتوں میں اس قسم کے صدہا مقدمات دائر ہوتے ہیں یہ تو بالکل چھوٹی چھوٹی باتیں
ہیں لیکن جب ہم مسیحی تاریخ کو دیکھتے ہیں تو تن بدن میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے اسی تعلیم پر ایمان رکھنے والوں نے

بڑی بڑی خونریزیاں کی ہیں ظاہرا طور پر یہ تعلیم مثل اُس درخت کے ہے جو دیکھنے میں انتہا درجہ کا خوشنما ہی لیکن اُسکے پھل زہریلے پھل ہیں کہ کھانے کے بعد انسان کا بچنا محال عقل ہے ان ہی نرم دل عیسائیوں نے لاکھوں بندگان خدا کا خون بنایا ہے۔ صدیوں تک حضرت مسیح کے چیلے انسانی گرم گرم خون میں اپنے ہاتھ رنگتے رہے ہیں لاکھوں گھر بےچراغ لاکھوں جوان عورتیں رانڈیں اور لاکھوں بچے یتیم کئے ہیں آجکل ہی رحم دل مسیحی یورپ رحم کو ضعف دماغ کی علامت بتاتا ہے۔ بفرض محال اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ مان بھی لیں کہ اس سے بہتر تعلیم اور ہو نہیں سکتی عمل نکرنے والوں کا قصور ہے تعلیم کی اس میں کیا خطا ہے تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مخلوق خدا ایسی تعلیم پر کچھ دن تک عمل کرے تو پھر نظام عالم قایم رہ سکتا ہے یا نہیں اگر تمام مخلوق ایسی ہی بےنفس بن جائے تو طمانچہ مارنے والا اور بیگاریں لیجانے والا کون پیدا ہوا انصاف کہاں جائے اور تمام دنیا کے قوانین کدھر غارت ہو جاویں یہ ساری باتیں ناممکن الوقوع ہیں اور ان کا معاشرت انسانی سے کچھ بھی تعلق نہیں۔

اسی طرح حضرت مسیح کا یہ فرمانا کہ اگر کوئی بری نظر سے کسی عورت کی طرف دیکھے تو گویا وہ اس سے زنا کر چکا اگر کچھ عرصہ کے لئے دنیا کی کوئی حکومت اس قسم کا قانون جاری کر دے تو مخلوق خدا کی کیا کیفیت ہو اور اتنے بڑے جیلخانے کہاں سے آئیں جو بے تعداد لوگوں سے بھرے جائیں۔

جو سوانح عمری انبیا کے لکھے گئے ہیں اُن سے سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہو سکتا کہ کل انبیا میں کوئی خاص صفت نہیں تھی کہ جس سے وہ ہم شہروں یا ہم ملکوں میں ممتاز ہو سکتے معاذ اللہ توریت مقدس میں بعض انبیا کو زانی اور ڈاکو قرار دیا ہے بعض کو جھوٹا اور دغاباز اور بعض کو تلوّن مزاج اور پریشان خیال جتنی عظمت ایک نبی کی ہونی چاہیئے توریت یا انجیلیں اُسکی مطلق شہادت نہیں دیتیں حضرت موسیٰ کے معجزے بیان کرنے میں ذرا بھی عقل سے کام نہیں لیا گیا اور جس شخص نے ان معجزوں کو تصنیف کیا ہے بے شبہ اُس میں عقل نہیں تھی کبھی وہ جوؤں کو پیدا کر کے فرعون اور اُس کی رعایا کو ہلاک کر دیتا ہے مگر مچھروں کا معجزہ بیان کرتے وقت اُسے یہ خیال نہیں رہتا کہ جب میں جوؤں سے سب کو ہلاک کر چکا ہوں تو مچھروں سے ہلاک ہونے کے واسطے اور لوگ کہاں سے آئیں گے کبھی وہ وبا سے فرعون کے مویشیوں اور آدمیوں کو مار ڈالتا ہے اور پھر بھی اُسے یہ ضرورت ہوتی ہے اور کل فرعون کی ساری زمین میں خون ہی خون بھر دے اس پر بھی بس نہیں کرتا کثرت سے مچھلیاں چھوڑ دیتا ہے۔ فرعونیوں کو مار ڈالتا ہے شاید ترکیب یہ ہوگی کہ کل مردہ چیزیں معجزے سے پھر زندہ کی جاتی ہوں گی اور مثل ذبح کے ان میں دوبارہ روح پھونک کے زندہ کر کے عذاب کیا جاتا ہو۔

غرض توریت میں حضرت موسےٰ کے معجزے پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص پریشان خواب دیکھ رہا ہے اور اسے آگے پیچھے کی کچھ خبر نہیں ان سب باتوں کے علاوہ ایک بڑی بات ان سوانح عمریوں میں دیکھنے کی یہ ہے کہ کسی نبی پر کوئی شخص صدق دل سے ایمان نہیں لایا حضرت موسےٰ کے ظاہر طور پر تو معتقد بہت سے بن گئے تھے لیکن آپ پر اطمینان کسی کو نہیں تھا اور پریشان سوال کر کر کے آپ کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ وعدہ کر کے اُس سے پھر جانا یہ بنی اسرائیل کا روزمرّہ تھا۔ یہ ہی کیفیت حضرت مسیح کی تھی کہ تمام عمر میں

تکلیفیں جھیل کے وطن سے بیوطن ہو گئے بارہ مچھوون کو اپنا مرید کیا تھا لیکن انجیل اسبات کی شہادت نہیں دیتی کہ
ان میں ایک مچھوہ بھی صدق دل سے آپ پر ایمان لایا تھا - حضرت مسیح سے بار بار معجزون کا طلب کرنا اور آپ
کا جھنجھلا جھنجھلا کر یہ فرمانا کہ اس زمانہ کے مکار اور بد کار نشان ڈہونڈتے ہین اسبات کو ثابت کرتا ہے کہ اُن مچھودنکا
آپ پر مطلق ایمان نہ تھا چنانچہ ایک دن جب آپ بہت ناراض ہوئے تو صاف الفاظ مین یہ فرما دیا اے کم بختو
اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو تو تم اگر اس پہاڑ سے کہو کہ ہٹ جا تو وہ اپنی جگہ سے سرک جائیگا
مگر آج تک کسی حواری نے ایسا معجزہ نہین دکہایا پہاڑ تو در کنار کسی پتھر کو اپنی جگہ سے نہیں سرکایا آپکے سب سے
پیارے مرید پطرس کا محض جان کے خوف سے معاذ اللہ آپ پر لعنت بہیجکر تین دفعہ انکار کرنا خود آپکے ایک شاگرد
کا آپ کو ۳۰ روپیہ مین فروخت کر ڈالنا اور پھر کل مریدون کا مصیبت کے وقت جان بچاکر بھاگ جانا اور آپکو
دشمن کے ہاتھ میں تنہا دیدینا یہ ساری باتیں اسبات کی شہادت دیتی ہین کہ آپ کی تبلیغ رسالت ناکام رہی
سب سے زیادہ دیکھنے کی یہ بات ہے کہ جب دشمن آپکے سر پر پہونچے ہیں اور آپ کو اسبات کا پورا علم ہو گیا کہ اب انکے
ہاتھ سے میرا بچنا محال ہے اور آپ کا بار بار گھبرا گھبرا کے خدا تعالے کی حضور دعا مانگنا کہ اے خدا مجھے اس آفت سے
بچا اور اس جانکندنی کی حالت مین آپکے کل مریدون کا نیند مین خرآٹے بھرنا اور ان کا بار بار اُنہیں جگانا کہ
تم اُٹھو روح اپنے پروردگار کی طرف جانے کو تیار ہے اور جسم سست ہو گیا ہے مگر اُن کا کروٹ نہ لینا یہان تک کہ
دشمنوں کا گرفتار کرلینا یہ سب باتین پکار پکار کر کہہ رہی ہین کہ ایک مرید کو بھی آپ سے ایسا تعلق نہ تھا جیسا کہ ہونا
چاہیئے یہ مانا کہ وہ گیارہ مچھوے کثیر تعداد یہودیوں کے مقابلہ میں کچھہ نہ کر سکتے تھے مگر انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے
کہ جب وہ کسی پر فریفتہ ہوتی ہے تو منع کرنے سے بہی تمام جہان کی مشتملہ قوت کے مقابلہ میں سینہ سپر اور شمشیر بکف ہو کر اپنی
جان قربان کر دیتی ہے ایسی صدہا نظیرین روز دیکھنے مین آتی ہین گزشتہ زمانہ کی تاریخیں ان نظیرون سے بھری
پڑی ہین اگر اسلامی تاریخ کے صفحے اُلٹے جائیں گے تو ایسی ہزارون بلکہ لاکھون نظیرین ملین گی جنہون نے اپنے
پیر یا اپنے آقا کی حفاظت کے لئے تنہا لاکھون آدمیون مین گھسکر جان دیدی ہے محبت خود ایک بہت بڑی
شجاعت ہے جو اپنے سامنے تمام دنیا کی کچھہ حقیقت نہین سمجھتی محبت کے آگے جان کوئی چیز نہین ہے اور اسی
محبت پر لاکھون جانین قربان ہو چکی ہیں لیکن پھر بھی محبت کی کسی نے پوری قیمت ادا نہین کی غرض یہ بات پورے
طور سے ثابت ہو چکی کہ کل انبیا کی مثل حضرت مسیح کی تبلیغ رسالت ناکام رہی اس لئے خداوند تعالیٰ کو ضرور
ہوا کہ ایسا نبی پیدا کرے جس کی تبلیغ رسالت کامل اور پاک ہو جس کے معتقد اسپر اپنا دہن من تن قربان
کر دینا فخر دارین سمجھین اور پھر اسی پر خاتمہ نبوت ہو جائے اور ساتھہ ہی وہ نبی آخر الزمان کُل گزشتہ انبیا کی عصمت
.... بزرگی اور راستبازی کی شہادت دے اور اُن انسانی عیوب سے اُنہیں
پاک کر دے جو یہودیون اور نصاری نے اُن پر لگائے ہین - یہ تمام باتین ہمارے حقیقی نجات دہندہ حضرت رسالت
مآب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ والہ وسلم مین پوری ہوئین - آؤ اے سچے نجات کے متلاشی آؤ اور دائرہ اسلام مین
شریک ہو اسلام ہی نجات کا ایک رستہ ہے بد قسمت ہین وہ جو اس سے محروم ہین اور مبارک ہین وہ جو اس سے

مشرف ہیں اب بھی توبہ کے دروازہ کھلے ہوئے ہیں خدائے قادر مطلق ہر گناہ کی توبہ قبول کرنے کو موجود ہے
آؤ اے راستہ سے بھٹکے ہوئے او بہت دن غفلت میں گزر چکے اپنے گناہوں پر شرمسار ہو توبہ کرو بیشک
وہ بہت بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

فہرست مضامین مقدمہ تفسیر الفرقان

تمام شد